انطاق المفہوم

اردو ترجمہ

احیاء العلوم

جلد چہارم

مصنف

ابو حامد حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم

ابو صالح حضرت علامہ مولانا محمد فیض احمد اویسی دامت برکاتہم العالیہ

انطاق المفہوم

اردو ترجمہ

احیاء العلوم

اُردو ترجمہ احیاء العلوم

مُصنّف

ابو حامد حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ

مُترجم

ابو صالح حضرت علامہ مولانا محمد فیض احمد اویسی دامت برکاتہم العالیہ

تصحیح

صاحبزادہ محمد منیر رضا قادری

ناشر

شبیر برادرز ۴۰۔ بی اردو بازار لاہور

فون: 7246006

کتاب	ــــــــــــــــــــ	احیاء العلوم (جلد چہارم)
مصنف	ــــــــــــــــــــ	حجتہ الاسلام امام محمد غزالی رحمتہ اللہ علیہ
مترجم	ــــــــــــــــــــ	ابو صالح مولانا محمد فیض احمد اویسی شیخ الحدیث والتفسیر دامت برکاتہم العالیہ
تصحیح کنندہ	ــــــــــــــــــــ	صاحبزادہ محمد منیر رضا قادری
پرنٹر	ــــــــــــــــــــ	اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز۔ لاہور
کمپوزنگ	ــــــــــــــــــــ	**ورڈ میکرز** ۴۷ بیڈن روڈ لاہور
ناشر	ــــــــــــــــــــ	**شبیر برادرز** لاہور
ہدیہ	ــــــــــــــــــــ	روپے

شبیر برادرز 40-B اردو بازار لاہور

P-H 7246006

فہرست احیاء العلوم (جلد چہارم)

تالیف

حضرت علامہ جلال الدین السیوطی الشافعی علیہ الرحمۃ

ترجمہ اردو

ابو صالح حضرت علامہ مولانا محمد فیض احمد اویسی دامت برکاتہم العالیہ

ناشر:

شبیر برادرز

۴۰۔ بی۔ اردو بازار، لاہور فون: ۷۲۴۶۰۰۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

باب اول

توبہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں رجوع کا نام ہے۔ یہی سالکوں کے راستہ کی ابتدا اور واصلین کی گرانمایہ متاع ہے۔ سالکین سب سے پہلے اسی پر قدم رکھتے ہیں۔ توبہ راہ سے روگردانوں کے لیے مفتاح استقامت ہے۔ مقربین کے لیے مطلع برگزیدگی ہے۔ انبیاء علیہم السلام بالخصوص ہمارے جدامجد سیدنا آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے لیے سرچشمہ پسندیدگی۔

آدم زادہ سے گناہ کا صدور ہو تو یہ بعید از قیاس نہیں کیونکہ یہ انسان ہے۔ انسان سے خطا ہونا ممکن ہے۔ آدم علیہ السلام سے ازروئے حکمت لغزش صادر ہوئی تو انہوں نے جبر نقصان کیا یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع فرمایا۔ آدم زادہ تو اس کا زیادہ مستحق ہے کہ وہ بھی رجوع الی اللہ کرے۔

حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام سے لغزش صادر ہوئی' اس میں حکمت تھی لیکن اس کے باوجود انہوں نے ندامت کا اظہار فرمایا بلکہ مدت تک اشک بار رہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ جس سے خطا سرزد ہو اور وہ آدم زادگی کا مدعی بھی ہو پھر توبہ کا دروازہ نہ کھٹکھٹائے تو وہ خطاکار ہے بلکہ خلف نابکار۔

نکتہ:- صرف خیر کا ہو کر رہنا تو ملائکہ کرام کا خاصہ ہے اور صرف شر میں منہمک ہونا شیطان سے مخصوص ہے۔ ہاں شر سے خیر کی طرف رجوع کرنا انسان کا کام ہے۔ اسی لیے انسان کی سرشت میں دونوں خصلتوں کی آمیزش ہے۔ خیر محض کرنے والا فرشتہ کہلاتا ہے۔ صرف شر کا مرتکب شیطان ہے' ہاں شر کی تلافی کرنے کے لیے رجوع الی الخیر کرنے والا انسان ہی ہے۔

فائدہ:- اب انسان خود سوچ کہ اس کا تعلق کس سے ہے' شیطان سے یا فطرت انسان سے۔ گناہ کے بعد توبہ کرے گا تو صحبت قوی ہو جائے گی کہ یہ آدم زادہ ہے کیونکہ جو انسان کی تعریف میں کہا گیا تھا' وہ اس میں پایا گیا۔ ہاں جو اپنے نفس پر شر مسلط کر کے اسی پر مصر رہے تو سمجھو یہ اپنا رشتہ شیطان سے جوڑنا چاہتا ہے۔

ازالہ وہم:- دائمی خیر میں رہ کر اپنا رشتہ فرشتہ سے جوڑنا ممکن نہیں' اسی لیے ہم نے اس کی بات نہیں کی۔ انسان کے خمیر شر و خیر دونوں میں شر کا خیر سے جدا ہونا دو طرح سے ممکن ہے۔ (1) ندامت (توبہ) سے (2) آتش جہنم سے'

بہرحال جوہر انسانی میں خباثت شیطانی کی خنزث ہو جائے تو اسے دو طرح سے جدا کیا جا سکتا ہے۔ توبہ کرے یا پھر جہنم میں جانا ہو گا۔ اب انسان خود ہی سوچے کہ اسے دو آتشوں (توبہ کی آگ) (جہنم کی آگ) میں سے کونسی آگ کی برداشت ہے۔ ظاہر ہے کہ توبہ کو ہی اختیار کرے کیونکہ یہ ایک آسان کام ہے لیکن موت سے پہلے ہی توبہ ہو سکتی ہے۔ مرنے کے بعد جنت یا دوزخ۔

فائدہ :۔ جب توبہ کا اتنا بلند مرتبہ ہے تو منجیات (آخری جلد احیاء العلوم) کے اول میں اسی کو لانا ضروری ہے۔ ہم اس باب میں توبہ کی مہلت و شرط اور اسباب و علاج اور ثمرات و آفات اور توبہ کے موانع و علاج کہ جس سے توبہ آسان ہو' بیان کریں گے اور یہ چار فصلوں پر مشتمل ہے۔

توبہ کی تعریف :۔ توبہ تین اشیاء کا نام ہے۔ (1) علم (2) حال (3) فعل۔ پہلا دوسرے کا سبب ہے اور دوسرا تیسرے کا اور یہ اللہ تعالیٰ کے اپنے نظام کی وجہ سے ہے کہ اس نے اجسام و ارواح کو جاری رکھا ہوا ہے۔

ان تینوں کی تفصیل یوں ہے۔ (1) علم سے مقصد یہ ہے کہ بندہ معلوم کرے کہ گناہوں کا عذاب اور نقصان بہت بڑا ہے۔ وہ یہ کہ گنہگار اور محبوب حقیقی کے مابین گناہ کی وجہ سے کئی گناہ حجابات درمیان کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جب کسی کو اس کا یقین ہو جائے گا کہ گناہ سے اپنے حجابات آڑے آتے ہیں تو اسے مفارقت محبوب حقیقی کا دل پر صدمہ ہو گا۔ جس فعل و عمل سے سمجھے گا کہ یہی میری اور محبوب حقیقی کی جدائی کا سبب ہے تو اس کے ارتکاب پر نادم ہو گا۔ اسی ندامت کا نام توبہ ہے۔

جب دل پر اس ندامت کا غلبہ ہو گا تو دل کی حالت میں تبدیلی آئے گی۔ اسی تبدیلی کا نام قصد و ارادہ ہے اور اس قصد و ارادہ کا تعلق تینوں زمانہ سے ہے۔ (1) زمانہ حال سے تو یوں کہ دل سے یقین کرے کہ آئندہ یہ گناہ نہیں کروں گا۔ (2) زمانہ مستقبل سے یوں کہ جب اس نے یقین کر لیا کہ اسی گناہ کی شامت سے تو محبوب حقیقی سے دوری ہوئی' اسی لیے اب عزم بالجزم کرے کہ زندگی بھر اس گناہ کے قریب بھی نہ بھٹکوں گا۔ (3) زمانہ ماضی سے یوں کہ اگر کوئی شے قابل قضا و تلافی فوت ہوئی تو اس کا نقصان پورا کرے۔ بہرحال ان جملہ امور کا منشا علم ہے یعنی ایمان و یقین کیونکہ ایمان اسباب کو سچ جاننے کا نام ہے کہ واقعی گناہ ضرر رسان بلکہ مہلک ہے اور یقین اس تصدیق کی پختگی کا نام ہے کہ دل پر یہ یقین اتنا غلبہ پا جائے کہ شک کی گنجائش تک نہ ہو۔

فائدہ :۔ اس کیفیت کے بعد نور ایمان دل پر چھا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دل میں ندامت کی آگ بھڑک اٹھتی ہے اور دل پر صدمہ گزرتا ہے' اس لیے نور ایمان کی وجہ سے سالک کو سمجھ آتا ہے کہ واقعی میں محبوب حقیقی سے محجوب ہو گیا۔

مثال :۔ اس مضمون کو ایک مثال سے سمجھئے۔ وہ یہ کہ کوئی اندھیرے میں وقت گزار رہا ہو کہ اچانک آفتاب چمک اٹھے۔ اس چمک سے اسے دیدار یار ہو جائے۔ اس وقت اس کے دل پر شوق ملاقات کی آتش شعلہ زن ہوگی اور اس کی حرارت اسے اس تدبیر پر آمادہ کرے کہ دوریوں کی تمام مسافتیں ختم ہوں۔ اسی طرح جہاں بھی ندامت

کے وقت نور ایمان سے محبوب کے نہ ملنے کا رنج اس کا مقتضی ہے کہ کوئی تدارک کرنا چاہیے جس سے لقائے یار ہو جائے۔ اسی لحاظ سے وہ تدارک کرے گا۔ (وہی تدارک توبہ ہے)

خلاصہ یہ کہ ان تینوں مذکورہ کا نام توبہ ہے جو تینوں ایک دوسری کے بعد بتدریج واقع ہوتی ہیں یعنی علم و ندامت۔ زمانہ و استقبال میں ترک کا قصد و ارادہ اور زمانہ ماضی میں مافات کی تلافی (جیسے پہلے گزرا کہ جس فعل کی قضا و کفارہ ہو سکتا ہے تو ادا کیا جائے) اس تمام مجموعہ کا نام توبہ ہے۔

فائدہ:۔ اکثر یہ بھی ہوتا ہے کہ توبہ صرف ندامت پر بولی جاتی ہے اور علم کو اس کا مقدمہ اور ترک گناہ کو اس کا ثمرہ قرار دیا جاتا ہے۔ اسی اعتبار سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الندامة توبة "ندامت توبہ ہے" (ابن ماجہ بروایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ) اس کی وجہ یہ ہے کہ ندامت کے لیے ضروری ہے کہ وہ بلاوجہ نہیں ہوتی۔ جب ندامت ہوتی ہے تو اس کا کوئی ثمرہ و نتیجہ بھی برآمد ہوتا ہے۔ اس معنی پر ندامت اگرچہ ایک درمیانی شے ہے لیکن سب و مسبب کے قائم مقام ہو گئی اور ضمناً علم و قصد ترک گناہ اس میں شامل ہو گئیں۔ اس بنا پر اس کا اطلاق توبہ کے لیے بھی ہونے لگا۔ اسی اعتبار سے بعض صوفیہ نے توبہ کی تعریف یوں کی ہے کہ سابق خطا پر آتش ندامت سے باطن کا پگھلنا۔

فائدہ:۔ اس تعریف میں دل کا رنجیدہ ہونے کا اشارہ ہے۔ بعض نے اس کی تصریح بھی کر دی ہے اور فرمایا کہ توبہ ایک آگ ہے جو دل میں شعلہ زن ہوتی ہے یا یوں کہو کہ وہ ایک درد ہے جو جگر سے جدا نہیں ہوتا اور بعض نے بلحاظ ترک گناہ کے اس کی تعریف یوں لکھی ہے کہ توبہ اسے کہا جاتا ہے کہ جفا کا لباس اتار کر بساط وفا بچھایا جائے۔

حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد گرامی:۔ آپ نے فرمایا کہ توبہ اخلاق مذمومہ کو افعال محمودہ دینے کا نام ہے اور یہ گوشہ نشینی اور خاموشی اور اکل حلال کے بغیر نصیب نہیں ہو سکتی۔

فائدہ:۔ غالباً اس میں تیسری بات کی طرف اشارہ ہے۔ توبہ کے بارے میں اور بھی بہت سے اقوال ہیں۔ جب کسی کو ان تینوں کا علم ہو جائے یعنی وہ تینوں جو اوپر مذکور ہوئیں تو جتنا اقوال توبہ کی تعریف میں وارد ہیں، کسی میں تمام باتوں کا انحصار و احاطہ نہیں پایا جاتا حالانکہ اہم مقصد یہی ہے کہ توبہ کی حقیقت معلوم ہو۔ اس سے الفاظ مطلوب نہیں۔

توبہ کے فضائل اور اس کا وجوب:۔ توبہ کا وجوب قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ سے ثابت ہے جسے چشم بصیرت نصیب ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کا سینہ ایمان سے منور فرمایا ہے، اس کے نزدیک توبہ کا وجوب واضح ہے۔ ایسا انسان جہالت کی تاریکیوں میں نور ایمان کی وجہ سے آگے چل سکتا ہے۔ اسے یہ ضرورت نہیں کہ آگے کی منزل کے لیے کوئی راہ بتانے والا اسے میسر ہو (کیونکہ نور ایمان اس کے لیے رہبر کافی ہے یعنی توبہ نصیب بھی اسے ہوتی ہے جس کے پاس دولت ایمان ہے (اویسی غفرلہ)

فائدہ:۔ جس طرح عام راہ چلنے والے دو قسم کے ہوتے ہیں۔ (1) نابینا یہ بغیر رہبر کے نہیں چل سکتے۔ (2) "بینا" یہ رستہ پر خود بخود چلتے ہیں' انہیں رہبر کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ایسے ہی دین کے راستہ پر چلنے والے بھی دو قسم کے ہیں۔ (1) وہ جو تقلید کے بغیر ایک قدم بھی آگے نہیں چل سکتے۔ ہر قدم پر آیتہ قرآنی اور صریح حدیث کے محتاج ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا بعض اوقات یہ حال ہوتا ہے کہ نص (قرآن و حدیث) نہ ملنے پر حیران ہو کر راہ چلنے سے رہ جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی سیر (باوجود طویل العمر ہونے اور محنت شاقہ برداشت کرنے کے) مختصر ہوتی ہے۔ ڈر کے مارے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے ہیں۔ (2) "سعادت مند" یہ وہ ہیں کہ اسلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے سینے کھول دیئے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور سیر میں معمولی سے اشارہ سے مشکل سے مشکل راہ سلوک چلنے کے لیے آگاہ ہو جاتے ہیں۔ وہ بہت بڑی سخت گھاٹیاں طے کر ڈالتے ہیں۔ ان کے دل میں نور ایمان اور نور قرآن کی چمک رہتی ہے اور نور کی شدت کی وجہ سے معمولی سی رہبری ان کے لیے کافی ہو جاتی ہے۔

امثال:۔ ایسے لوگوں کی مثال اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں خود بیان فرمائی ہے۔ یکاد زیتھا یضیئی ولولم تمسسہ نار نور علی نور یھدی اللہ لنورہ من یشاء (پ 18۔ نور 35) (ترجمہ کنزالایمان: قریب ہے کہ اس کا تیل بھڑک اٹھے' اگرچہ اسے آگ نہ چھوئے نور پر نور ہے۔ اللہ اپنے نور کی راہ بتاتا ہے جسے چاہتا ہے۔)

اضافہ اویسی غفرلہ:۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت صدرالافاضل رحمتہ اللہ علیہ "خزائن العرفان" میں لکھتے ہیں کہ: "اس تمثیل کے معنی میں اہل علم کے کئی قول ہیں۔ ایک یہ کہ نور سے مراد ہدایت ہے اور معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت غایت ظہور میں ہے کہ عالم محسوسات میں اس کی تشبیہ ایسے روشن دان سے ہو سکتی ہے جس میں صاف شفاف فانوس ہو۔ اس فانوس میں ایسا چراغ ہو جو نہایت ہی بہتر اور مصفٰی زیتون سے روشن ہو کہ اس کی روشنی نہایت اعلیٰ اور صاف ہو اور ایک قول یہ ہے کہ یہ تمثیل نور سید انبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کعب احبار سے فرمایا کہ اس آیت کے معنی بیان کرو۔ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مثال بیان فرمائی۔ روشن دان (طاق) تو حضور کا سینہ شریف ہے اور فانوس قلب مبارک اور چراغ نبوت کہ شجر نبوت سے روشن ہے اور اس نور محمدی کی روشنی و اضائت اس مرتبہ کمال ظہور پر ہے کہ اگر آپ اپنے نبی ہونے کا بیان بھی نہ فرمائیں' جب بھی خلق پر ظاہر ہو جائے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ روشن دان تو سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سینہ مبارک ہے اور فانوس قلب اطہر اور چراغ وہ نور جو اللہ تعالیٰ نے اس میں رکھا کہ شرقی ہے' نہ غربی' نہ یہودی' نہ نصرانی۔ ایک شجرہ مبارکہ سے روشن ہے۔ وہ شجر حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ نور قلب ابراہیم پر نور محمدی نور پر نور ہے اور محمد بن کعب قرظی نے کہا کہ روشن دان و فانوس تو حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں اور چراغ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور شجرہ مبارک حضرت ابراہیم علیہ السلام کہ اکثر انبیاء آپ کی نسل سے ہیں اور شرقی و غربی نہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے نہ نصرانی کیونکہ یہود غرب کی طرف نماز پڑھتے ہیں اور نصاریٰ مشرق کی طرف۔ قریب ہے کہ

محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محاسن و کملات نزول وحی سے قبل ہی خلق پر ظاہر ہو جائیں۔ نور پر نور یہ کہ نبی ہیں، نسل نبی سے نور محمدی ہے۔ نور ابراہیمی پر اس کے علاوہ اور بھی بہت اقوال ہیں۔

فائدہ:۔ جن کی مثال دی گئی ہے، ایسے لوگوں کے لیے ہر واقعہ میں نص وغیرہ کی ضرورت نہیں۔ ایسا بندہ خدا اگر توبہ کا وجوب معلوم کرنا چاہتا ہے تو وہ نور بصیرت سے ہی توبہ کو دیکھ لیتا ہے۔ پھر وجوب کا معنی سمجھتا ہے۔ پھر دونوں کو ملا کر جو دیکھتا ہے تو اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ واقعی توبہ واجب ہے۔

مثلاً سب سے پہلے یہ جاننا کہ واجب اور ضروری وہی شے ہے جو سعادت ابدی تک پہنچے اور دائمی ہلاکت سے بچنے کے لیے لازم ہو، اس لیے کہ اگر کسی شے کے کرنے یا نہ کرنے سے سعادت یا شقاوت کا تعلق نہ ہو تو اس کے وجوب کے معلوم کرنے کا کوئی معنی نہیں (یہ جو بعض فقہاء کہتے ہیں کہ فلاں شے واجب کرنے سے واجب ہو گئی، یہ صرف ایک بات ہے) اس لیے کہ جن چیزوں سے حال یا استقبال میں فعل کرنے یا نہ کرنے کی غرض کا تعلق نہیں تو پھر اس کے کرنے یا نہ کرنے کی مشغولی میں ہمیں کیا فائدہ؟

فائدہ:۔ اس سے معلوم ہوا کہ واجب سے وہی مراد ہے جو سعادت ابدیہ کے حصول کا ذریعہ ہو۔ جب یہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ قیامت میں سوائے دیدار الٰہی کے اور کوئی بڑی سعادت نہیں ہو گی جو اس سے محجوب ہو گیا، پھر اس جیسا بدبخت اور کوئی نہ ہو گا کیونکہ اس بدبخت اور اس کی آرزوؤں کے درمیان میں آڑ ہو گی اور یہ بدبخت آتش فراق میں جائے گا۔

مرض مہلک:۔ معلوم ہو کہ دیدار الٰہی سے محروم کرنے والی اشیاء میں اتباع، شہوات اور حب دنیا اور اس کی زینت پر لٹو ہو جانا ہی ہیں۔

علاج:۔ ان جملہ امور کو تعلق قلب سے بالکل کاٹ دیا جائے۔ اس کے بعد صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ ہو تاکہ اس کے ذکر سے دائمی انس نصیب ہو اور اپنی وسعت پر اس کے جلال و جمال سے محبت کرے۔ اس کے سوا اس کے قرب کے لیے کوئی اعلیٰ اسباب نہیں۔

فائدہ:۔ یہ بھی دل نشین کر لیں کہ جن گناہوں سے اللہ تعالیٰ سے روگردانی اور اس کے دشمن شیطان لعین کی اتباع ہوتی ہے، ان کی وجہ سے بھی سالک محجوب اور راندۂ درگاہ ہو جاتا ہے۔ اسے معلوم کرنے کے بعد وہ سالک شک نہ کرے گا کہ قرب الٰہی تک پہنچنے کے لیے بعد کے اسباب سے دور رہنا واجب ہے۔ طریق بعد سے دور رہنے کا قاعدہ تین امور سے حاصل ہو گا۔ (1) علم (2) ندامت (3) عزم۔ اس کے لیے کہ جب تک یہ معلوم نہ کرے گا کہ گناہ محبوب حقیقی سے دوری کے اسباب سے ہیں۔ اسے ندامت نہیں آئے گی اور نہ اسے محبوب حقیقی سے دور ہونے کا احساس ہو گا اور جب تک احساس نہ ہو گا، اس وقت تک باطل راہ سے نہ ہٹ سکے گا۔

فائدہ:۔ اس سے معلوم ہوا کہ محبوب حقیقی تک پہنچنے کے لیے یہ تین امور ضروری ہیں۔

فائدہ :- وہ ایمان جو نور بصیرت سے حاصل ہوتا ہے' وہ تو قیمتی جوہر ہے مگر جو شخص اس مرتبے کا نہ ہو تو اسے یہ تینوں ضروری ہیں اور اکثر کا حال یہی ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے تقلید و اتباع میں بڑی گنجائش ہے۔ وہ اسی ذریعے سے مدطہ ہلاکت سے نکل کر ساحل نجات تک پہنچ سکتا ہے۔

فائدہ :- اب ہم توبہ کے متعلق احکام الٰہی اور ارشاد نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور اقوال سلف صالحین پیش کرتے ہیں۔

قرآن پاک :- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (1) " وتوبو الی اللہ جمیعا ایھا المومنون لعلکم تفلحون (پ 18 نور 31) ترجمہ کنزالایمان : اور اللہ کی طرف توبہ کرو اے مسلمانو سب کے سب اس امید پر کہ تم فلاح پاؤ۔

فائدہ :- اس آیت مبارکہ میں تمام ایمان والوں کو توبہ کا حکم عام ہے۔ فرمایا کہ (2) یاایھا الذین امنوا توبوالی اللہ توبۃ نصوحا (پ 28 التحریم 8) ترجمہ کنزالایمان : اے ایمان والو اس کی طرف ایسی توبہ کرو جو آگے کو نصیحت ہو جائے۔

فائدہ :- نصوح بمعنی خالص اللہ تعالیٰ کے لیے توبہ کرنا اس میں کوئی آمیزش نہ ہو۔ یہ نصح سے ہے بمعنی خلوص اور توبہ کی فضیلت پر یہ آیت دلالت کرتی ہے۔

احادیث مبارکہ :- (1) حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں التائب حبیب اللہ (توبہ کرنے والا اللہ کا پیارا ہے) (2) التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ (گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی طرح ہے جس پر گناہ نہ ہو) (3) ایک حدیث میں ہے کہ اگر کوئی شخص ناموافق اور مہلک علاقہ میں اترے اور اس کے ساتھ سواری ہو جس پر اس کا کھانا پینا و دیگر سامان لدا ہوا تھا' یہ سر رکھ کر سو رہا۔ جب جاگے تو سواری غائب تھی۔ اسے ڈھونڈنے لگے' یہاں تک کہ اس پر دھوپ اور پیاس کی شدت کا غلبہ ہو تو کہے کہ جہاں تھا' وہاں لوٹ کر سو رہوں تاکہ مر جاؤں۔ وہاں پہنچ کر مرنے کے لیے ہاتھ سر کے نیچے رکھ کر سو رہا' دیر کے بعد آنکھ کھلے تو دیکھے کہ سواری مع سامان سامنے موجود ہے تو جتنی خوشی اس شخص کو سواری کی واپسی پر ہوگی' اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو بندہ مومن کی توبہ سے خوشی ہوتی ہے۔ (4) ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ یہ شخص خوشی کے مارے کہے "الٰہی تو میرا بندہ اور میرا تیرا پروردگار ہوں" یعنی خوشی میں الفاظ کی تقدیم و تاخیر کی تمیز نہ رہے۔

حکایت :- حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی تو فرشتوں نے آپ کو مبارک عرض کی اور حضرت جبرئیل اور میکائیل علیہم السلام نے عرض کی۔ اے آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ نے آپ کی توبہ قبول فرمائی تو آپ کا کلیجہ ٹھنڈا ہوا۔ فلہذا مبارک ہو۔ آپ نے فرمایا کہ اے جبرئیل اگر قبول توبہ کے بعد بھی مجھ سے سوال ہو تو پھر میرا ٹھکانا کہاں؟ اسی وقت فوراً وحی آئی کہ اے آدم تو نے اپنی اولاد کے لیے رنج و مشقت وراثت چھوڑی اور توبہ کی۔ جو کوئی مجھے پکارے گا' میں اس کی سنوں گا۔ جو کوئی مجھ سے

مغفرت کا سوال کرے گا میں اس پر بخل نہ کروں گا کیونکہ میرا نام قریب و مجیب ہے۔ اے آدم توبہ کرنے والوں کو قبروں سے ہنستے ہوئے اور بشارت سنتے ہوئے اٹھاؤں گا جو دعا کریں گے' قبول ہو گی۔ اس بارے میں بے شمار آثار ہیں۔

فائدہ:۔ تمام امت کا اتفاق ہے کہ توبہ واجب ہے۔ اس لیے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ بندے کو اس کا علم ہو کہ گناہ و معاصی اللہ تعالیٰ سے دور کرنے والے ہیں اور یہ وجوب ایمان میں داخل ہے مگر کبھی اس سے غفلت ہو جاتی تو توبہ کی تعریف نہ جو علم مذکور ہوا ہے' اس علم سے یہی مراد ہے کہ غفلت دور ہو اور اس کے وجوب میں کسی کو اختلاف نہیں اور توبہ کی یہی تعریف ہے کہ زمانہ حال میں معاصی کا ترک اور مستقبل میں ان کے ترک کا عزم بالجزم زمانہ گزشتہ میں تقصیر اور کوتاہی کی کمی پوری کرنے کا ارادہ ہو۔ اس کے وجوب میں بھی کسی طرح کا شک نہیں ہو سکتا اور توبہ میں افعال گزشتہ حزن و ملال بھی واجب ہے بلکہ حزن و ندامت تو توبہ کی جان ہیں' اس لیے کہ اس سے گناہوں کی تلافی ہوتی ہے اور یہ واجب اس لیے ہے کہ وہ ایک طرح کا رنج ہے کہ جب کسی انسان کو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف بہت وقت ضائع ہوا تو پھر کیوں نہ میں اپنے مالک و مولیٰ کو راضی کروں

سوال:۔ دل کا حزن تو انسان کے قبضہ اختیار میں نہیں تو اس کو واجب کہنا کس طرح ☐

جواب:۔ اس رنج کا سبب یہ ہوتا ہے کہ محبوب حقیقی کے ملنے کا علم قطعی ہو جاتا ہے۔ انسان اس علم کے سبب کے حاصل کرنے کا اختیار رکھتا ہے' اسی لیے یہ بھی علم وجوب میں داخل ہوا' نہ اس وجہ سے کہ بندہ خود نفس علم کو پیدا کر سکتا ہے' یہ محال ہے بلکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ علم اور ندامت اور فعل اور ارادہ اور قدرت اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور اس کے فعل سے موجود چنانچہ اللہ خلقکم وما تعملون "ارباب بصیرت کے نزدیک یہی مذہب حق ہے باقی سب گمراہی۔"

سوال:۔ بندے کو اختیار ہے یا نہیں؟

جواب:۔ ہاں اختیار ہے مگر اس سے یہ تصور نہ کرنا چاہیے کہ کل چیزیں اللہ کی مخلوق ہیں بلکہ اس اختیار کو بھی مخلوق اللہ سمجھنا چاہیے جو بندے کو عنایت ہوا۔ اس میں وہ مجبور ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے انسان کا ہاتھ صحیح و سالم پیدا کیا اور لذیذ کھانا کھانے کے لیے پیدا کیا اور معدے میں خواہش کھانے کی پیدا کی اور دل میں یہ واقفیت پیدا کی کہ اس کھانے سے معدہ کو تسکین ہوگی اور یہ پیدا کیا کہ باوجود تسکین خواہش کے اس کھانے میں مزا ہے یا نہیں اور اس کے مقابل پیدا کیا کہ اس کھانے کے ساتھ کوئی ایسا امر مانع ہے یا نہیں جس سے غذا کا کھانا معذور ہو' پھر یہ پیدا کیا کہ کوئی مانع نہیں۔ جب یہ اسباب جمع ہوئے تب کھانے کا پکا ارادہ ہوتا ہے تو یہی ارادہ کا پختہ ہونا بعد ان ترددات کے اور بعد غلبہ خواہش غذا کے بعد ارادے کی پختگی کا نام ہے۔ جب اس کے سبب پورے ہو جاتے ہیں تو اختیار موجود ہو جاتا ہے۔ مثلاً جب اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے ارادہ میں پختگی آتی ہے تو اس وقت کھانے کی طرف ہاتھ بڑھتا ہے کیونکہ ارادہ اور قدرت کے پیدا ہونے پر کام کا صادر ہونا ضروری ہے' اسی لیے ہاتھ کو حرکت ہوتی ہے۔ تو

جب حصول قدرت اور پختگی ارادہ اللہ کے پیدا کرنے سے تھیں تو ہاتھ کی حرکت بھی اسی کی تخلیق ہوئی اور پختگی ارادہ جب ہوتی ہے جب خواہش صحیح اور موانع کے نہ ہونے کا علم ہو چکا اور یہ دونوں بھی اللہ کی تخلیق کردہ مخلوق ہیں لیکن ان میں ایک ترتیب خاص اللہ جل جلالہ نے رکھ دی۔ اسی ترتیب و علوت کے موافق ہمیشہ انتظام رہتا ہے۔ مثلاً ہاتھ میں حرکت لکھنے کے لیے نہیں پیدا کرتا۔ جب تک اس میں قدرت اور حیات اور ارادہ مصمم نہیں پیدا کرتا اور ارادہ مصمم نہیں پیدا کرتا جب تک خواہش اور رغبت نہیں پیدا کرتا اور جب تک رغبت نہیں ہوتی' اس وقت تک اس کا علم نہیں پیدا کر دیتا کہ لکھنا نفس کے موافق ہے اور علم کو بھی پیدا کرتا ہے تو اور اسباب سے جن کا مال حرکت اور ارادہ ہے۔

خلاصہ :- علم اور خواہش کے بعد پکا ارادہ ہوتا ہے اور قدرت و ارادہ کے بعد حرکت کی تخلیق واقع ہوتی ہے۔ اسی طرح ہر فعل میں ترتیب ہے اور یہ تمام چیزیں اللہ کی تخلیق سے ہیں لیکن چونکہ بعض امور بعض کے لیے شرط ہیں' اسی لیے بعض کا مقدم ہونا اور بعض کا موخر ہونا واجب ہے۔ مثلاً ارادہ علم کے بعد پیدا کرتا ہے اور علم حیات کے بعد اور حیات جسم کے بعد تو جسم کی پیدائش حدوث حیات کی شرط ہے نہ یہ کہ حیات جسم میں سے پیدا ہوتی ہے اور حیات کی پیدائش علم کی پیدائش کی شرط ہے نہ یہ کہ علم حیات سے پیدا ہوتا ہے بلکہ محل میں قبول استعداد اس وقت ہوتی ہے جب وہ زندہ ہو اسی طرح علم کی پیدائش پختگی ارادہ کی شرط ہے نہ یہ کہ علم سے پختگی ارادہ پیدا ہوتی ہے بلکہ ارادہ کو وہی جسم قبول کرتا ہے جو زندہ اور عالم ہو غرضیکہ ممکن کے سوا کوئی چیز دعوی وجود میں داخل نہیں ہوتی اور امکان میں ایسی ترتیب ہے جس میں تبدیلی نہیں ہوتی اس لیے کہ اس کی تبدیلی محال ہے۔ جب کسی وصف کی شرط پائی جاتی ہے۔ اس شرط کے سبب سے محل میں وصف قبول کرنے کی لیاقت پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر وہ وصف لیاقت کے بعد عنایت و قدرت الٰہی سے موجود ہو جاتا ہے۔ چونکہ شرائط کی وجہ سے لیاقت میں ترتیب ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کے ممکنات کے موجود ہونے میں بھی ترتیب ہوگی اور انسان ترتیب ممکنات اور حوادث کے لیے محل ہے اور یہ حوادث قضائے الٰہی میں ایک آن کی بات ہے اور یہ ممکنات و حوادث ترتیب کلی سے مرتب ہیں جس میں تبدیلی نہیں ہوتی اور ان کی تفصیل وار ظہور متعلق بحکم و تعمیل الٰہی سے ہے کہ اس سے تجاوز نہیں کر سکتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انا کل شئی خلقناہ بقدر (پ 27 _ القمر) (ترجمہ از کنز الایمان : بے شک ہم نے

ہر چیز ایک اندازہ سے پیدا فرمائی۔ فائدہ :- آیت میں قضائے الٰہی کلی کو بیان فرمایا وما امر نا الا واحدۃ کلمع البصر (پ_27 القمر 49) (ترجمہ کنزالایمان : اور ہمارا کام تو ایک بات کی بات ہے جیسے پلک مارنا تمام انسان اس قضاء و قدر کے اجراء کے پابند و مسخر ہیں اور منجملہ تقدیر کا پیدا کرنا حرکت کی تخلیق ہے۔ کاتب کے ہاتھ میں بعد پیدا کرنے ایک صفت محسوس کے جس کو قدرت کہتے ہیں اور نفس میں بعد پیدا کرنے میلان قوی و مصمم کے جس کا نام قصد ہے اور بعد پیدا کرنے واقفیت مرغوب چیز کے جسے ادراک کہا جاتا۔

فائدہ :- جب باطن ملکوت سے یہ چاروں امور کسی انسان کے جسم پر ظاہر ہوتی ہیں جو زیر فرمان تقدیر مسخر ہے تو

چونکہ علم ظاہری کے لوگ عالم غیب و اسرار سے محجوب ہیں' یوں کہنے لگتے ہیں کہ اے فلاں تو نے حرکت کی اور تو نے پھینکا اور تو نے لکھا مگر سراوقات ملکوت اور پردہ غیب سے یہ ندا آتی ہے ومارمیت اذرمیت ولکن اللہ رمی (الانفال 17) ترجمہ کنزالایمان : اور اے محبوب وہ خاک جو تم نے پھینکی تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی۔ اور فرمایا قاتلوھم یعذبھم اللہ بایدیکم (پ 10 _ التوبہ 14) ترجمہ کنزالایمان : تو ان سے لڑو اللہ انہیں عذاب دے گا تمہارے ہاتھوں یہاں ان لوگوں کی عقل حیران ہوتی ہے جو وابستہ عالم ظاہری نہیں' اسی لیے بعض کہتے ہیں کہ بندہ محض مجبور ہے اور بعض قائل ہیں کہ وہ اپنے افعال کا ذریعہ ہے۔ اس کا کوئی تعلق تقدیر سے نہیں اور بعض متوسط درجہ کے لوگوں کا مذہب ہے کہ بندے کے افعال کسب کے طور پر ہیں۔

فائدہ :۔ اگر ان لوگوں کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیئے جائیں اور علم غیب اور ملکوت انہیں نظر آئے تو جان لیں کہ ان میں سے ہر ایک فرقہ من وجہ سچا ہے مگر قصور سب میں شامل ہے۔ اصل اس امر کی کسی کو معلوم نہیں اور نہ تمام پہلو پر کسی کا علم محیط ہوا ہے اور جب اس کا کامل علم حاصل ہو' اس وقت جب اس دریچہ سے جو عالم غیب کی طرف سے کھلی ہوا ہے' نور کی چمک آئے گی۔ سمجھیں گے کہ اللہ تعالٰی ظاہر و باطن سب کچھ جانتا ہے۔ اپنے غیب کی بات پر کسی کو واقف نہیں کرتا سوائے اس رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جسے اس نے پسند کیا اور بعض پر ایسے حضرات کو بھی مطلع کر دیتا ہے جو زمرہ پسندیدگان میں داخل نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام غزالی قدس سرہ انبیاء و اولیاء کرام کے لیے علم غیب سے آگاہی کے قائل تھے۔ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کی اصل عربی عبارت ملاحظہ ہو۔لا یظھم علی غیبہ احدا لا من ارتضی من رسول الخ (اویسی غفرلہ)

فائدہ :۔ جو سلسلہ اسباب اور مسببات کو حرکت دے کر ان کے تسلسل کی کیفیت اور ارتباط کی وجہ معلوم کرے اور یہ جان لے کہ اس سلسلے کی انتہاء مسبب الاسباب پر کس طرح ہے تو اس پر ازتقدیر کا راز آشکار ہو جائے گا۔ وہ یقیناً جان لے گا کہ سوائے اللہ کے اور کوئی خالق اور موجد نہیں۔

ازالہ وہم :۔ چونکہ ہمارے بیان میں ایک طرح کا بظاہر تناقص معلوم ہوتا ہے کیونکہ میں نے مسئلہ جبر اور اختراع اور اختیار کو من وجہ حق بتلایا اور من وجہ غلط بھی کہا تو ظاہر ہے کہ صدق و غلط یعنی باطل میں منافات ہے' اسی لیے ہم آسان کر کے سمجھاتے ہیں۔

مثال :۔ فرض کرو چند نابیناؤں نے یہ سنا کہ فلاں شہر میں ایک عجیب جانور ہے جس کا نام ہاتھی ہے اور انہوں نے کبھی پہلے نہ ہاتھی کا نام سنا نہ اسے دیکھا تھا' اس لیے آپس میں کہا کہ اسے پہچانیں اور اس کا ٹٹول کر دیکھ لینا ضروری ہے۔ یہ نابینے حضرات تلاش کرتے کرتے وہاں پہنچے اور اس کو ٹٹولنا شروع کیا۔ بعض کا ہاتھ اس کے پاؤں پر پڑا اور بعض کا دانت پر اور بعض کا کان پر۔ جب وہ اپنے رفقاء کے پاس آئے تو انہوں نے ہاتھی کی کیفیت پوچھی۔ ہر ایک نے مختلف جواب دیا جس نے پاؤں ٹٹولا تھا' اس نے کہا کہ ہاتھی ایک ستون جیسا ہے لیکن نرم ہے۔ جس نے دانت پکڑا تھا' اس نے کہا کہ ہاتھی سخت شے ہے۔ نرمی کا اس میں نام نہیں' اور چکنا ہوتا ہے اور موٹائی میں ستون جیسا

نہیں بلکہ شہتیر جیسا ہوتا ہے۔ جس نے کان ٹٹولا تھا' اس نے کہا کہ وہ ہے تو نرم مگر ستون اور شہتیر کی طرح نہیں ہوتا بلکہ موٹے چمڑے کی طرح پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ اس نے پاؤں پکڑنے والے کی تصدیق کی اور پھر اپنی معلومات دریافت کے مطابق بتایا کہ وہ ایسا ہوتا ہے۔ اب اگر ان سب کے بیان کو دیکھو تو من وجہ سب سچے ہیں کیونکہ جس قدر جسے معلوم تھا' اس نے بیان کیا اور سب نے ہاتھی کے اوصاف بیان کیے مگر سب کے بیان میں کمی ہے کہ اصل صورت کسی کو معلوم نہ ہوئی۔

انتباہ:۔ اس مثال کو خوب سمجھ لینا چاہیے' اس لیے کہ اکثر اختلافات کی مثال یہی ہے اور چونکہ یہ بیان علوم مکاشفہ تک پہنچتا ہے اور اس کی امواج کو جنبش دیتا ہے اور ہم اس کے بیان کے درپے نہیں' اسی لیے مناسب ہے کہ جس بیان کے ہم درپے رہے لکھیں یعنی توبہ واجب ہے اور اس کے تینوں اجزاء (1) علم (2) ندامت اور (3) ترک ہے' واجب ہیں اور ندامت اس وجہ سے وجوب میں داخل ہے کہ یہ ان افعال الٰہی میں واقع ہے جو بندے کے علم اور ارادے میں ہیں یعنی ندامت اور ندامت کی ایک طرف بندے کا علم ہے اور دوسری طرف ارادہ ترک اور جس فعل کی یہ صفت ہو تو وجوب اس کو شامل ہوتا ہے۔

توبہ میں عجلت کے وجوب کے دلائل:۔ توبہ کے فوراً وجوب میں کسی کو شک نہیں اس لیے کہ معاصی کا مہلک سمجھنا ایمان میں داخل ہے اور یہ اسی وقت واجب ہے اور اس واجب سے عہدہ برآ ہوگا جو اس کو اسی طرح جانے کہ اس کے سبب سے معاصی سے باز رہے گا' اس لیے یہ معرفت متعلق علوم مکاشفہ سے نہیں بلکہ علم معاملہ سے متعلق ہے اور جو علم اس غرض سے متعلق ہوتا ہے کہ اس سے ترغیب عمل ہو تو جب تک اس کی علت ظاہر نہ ہوگی' اس سے عہدہ برآ ہونا بھی نہ ہوگا۔ ہاں گناہوں کے ضرر کا علم اسی غرض سے متعلق ہوتا ہے کہ اس سے گناہوں کے ترک کی ترغیب ہو تو جو شخص گناہوں کو نہ چھوڑے گا' اس کا ایمان کامل نہ ہوگا چنانچہ حدیث شریف میں ہے لا یزنی الزانی حین ایزنی وہو مومن (زانی زنا نہیں کرتا حالانکہ وہ مومن ہو)

فائدہ:۔ یہ بخاری شریف کی حدیث ہے۔ اس کا مطلب امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے اس طرح بیان فرمایا جو احناف کرتے ہیں' اگرچہ امام غزالی شافعی ہیں (اویسی غفرلہ) چنانچہ فرمایا کہ اس میں ایمان سے یہ مراد ہے کہ زنا جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب ہے اور اس سے دور کرتا ہے' ایسا ایمان زناکار میں نہیں رہتا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس سے ایمان جاتا رہا یعنی زانی کا اللہ تعالیٰ کو جاننا اور اس کی وحدانیت اور صفات اور کتب اور رسولوں پر اس کا ایمان ہے' وہ منافی زنا نہیں اسی وجہ سے یہ ایمان زنا سے نہیں جائے گا۔

مثال:۔ اسے یوں سمجھئے کہ کسی طبیب نے مریض کو کہا کہ یہ زہر ہے۔ اسے نہ کھانا۔ اگر وہ شخص کھالے گا تو ہم کہیں گے کہ یہ طبیب کا معتقد نہیں تھا۔ اس کا یہ مقصد نہیں کہ وہ شخص طبیب کے وجود پر یا اس کے معالج ہونے کا اعتقاد نہیں رکھتا بلکہ یہ مقصد ہے کہ طبیب نے جو کہا تھا کہ یہ زہر مہلک ہے۔ اس قول کو نہ مانا کیونکہ اگر اس کو مہلک جانتا تو کبھی نہ کھاتا۔

فائدہ :- اس سے معلوم ہوا کہ گنہگار ناقص الایمان ہوتا ہے اور ایمان ایک ہی چیز کا نام نہیں بلکہ اس کی کچھ اوپر ستر (70) قسمیں ہیں ا۔ جن میں ایک اعلیٰ قسم کلمہ طیب لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے اور ادنیٰ قسم راستہ سے ایذا کو دور کرنا یہ ایسے ہے جیسے کوئی کہے کہ انسان ایک ہی طرح کا نہیں بلکہ وہ بھی ستر(70) طرح ہے۔ اس میں اعلیٰ قسم قلب اور روح ہے اور ادنیٰ قسم دور کرنا ایذا کا جسم سے مثلاً مونچھیں کترنا' ناخن کاٹنا' میل کچیل سے جسم کو صاف کرنا تاکہ جانوروں سے ممتاز ہو جو غلیظ طریقہ سے مثلاً پاخانے میں آلودہ اور بڑی گندی صورت میں رہتے ہیں جیسے ناخن اور مونچھیں بڑھ جاتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ مثال بہت خوب ہے۔

ا۔ اس کی تفصیل فقیر کی تصنیف تحفۃ الاخوان میں ہے۔ (اویسی غفرلہ)

مثال :- ایمان مثل انسان کے ہے اور اس میں شہادت توحید اگر نہ ہو تو بالکل باطل ہو جاتا ہے۔ جیسے انسان روح کے نہ ہونے سے بیکار ہے اور جو شخص صرف شہادت' توحید اور رسالت رکھتا ہو' وہ ایسا ہے جیسے انسان میں روح تو ہو مگر ہاتھ' پاؤں' آنکھ اور دوسرے اعضا ظاہری و باطنی نہ ہوں۔ اس طرح کا انسان جس کا یہ حال ہو' وہ قریب الرگ ہوتا ہے۔ اس لیے کہ روح اس کے ضعیف اعضاء سے علیحدہ ہو گئی ہے۔ وہ کسی طرح کی مدد اور قوت اعضا کو نہیں پہنچتی تو وہ جلد پرواز کر جائے گی۔ اسی طرح جیسے صرف کلمہ طیبہ اور رسالت کی شہادت نصیب ہو مگر اعمال میں قاصر ہو' وہ بھی اس حالت میں ہے کہ ذرا سی تند ہوا سے اس کے ایمان کا درخت جڑ سے اکھڑ جائے گا یعنی ملک الموت کے آنے کے وقت جو احوال پیش آتے ہیں' ان کے صدمے کی وجہ سے ایمان ہل جاتا ہے۔ ایسا ایمان ان کی برداشت نہیں کر سکتا۔ جس ایمان کی جڑ یقین میں مضبوط نہ ہو اور اعمال میں اس کی شاخیں نہ پھیلی ہوں' وہ ملک الموت کے تشریف لانے کے وقت خوف کے جھٹکوں میں نہ ٹھہر سکے گا۔ خطرہ ہے کہ اس کا خاتمہ بالخیر نہ ہو۔

قاعدہ :- خاتمہ کے وقت ایسا ایمان باقی رہ سکتا ہے جس کی نیاطاعات پر ہمیشہ رہی ہو اور اعمال صالحہ سے مضبوط ہو۔

مثال :- نیک کردار اور گنہگار کا فرق یہ ہے کہ گنہگار اطاعت کرنے والوں کو کہا کرتے ہیں کہ ہمارے اور تمہارے میں کیا فرق ہے؟ تم بھی ایماندار ہو' ہم بھی ایماندار۔ اس کی مثال یوں ہے جیسے کدو کے پیڑ نے صنوبر سے کہا کہ تو بھی درخت اور میں بھی۔ صنوبر نے جواب دیا کہ نام کی شرکت کا مغالطہ ہے ورنہ جب موسم سرما کی آندھی چلے گی تو تیری جڑ کٹ جائے گی اور پتے بکھر جائیں گے۔ پھر معلوم ہو جائے گا کہ نام کی شرکت سے تمہیں دھوکا ہوا ورنہ حقیقی درخت تو وہ ہے کہ آندھی وغیرہ اسے نہ گرائے۔ صنوبر نے کہا اس وقت تمہیں معلوم ہو گا کہ غبار ختم ہو گی تو دیکھنا کہ تیری سواری گدھا ہے یا گھوڑا (تبصرہ اویسی غفرلہ) یہ مثال وہابیوں' دیوبندیوں اور ان کے تمام ہمنواؤں پر صادق آتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی بشریت کو دیکھ کر کہا کہ وہ بھی بشر اور ہم بھی لیکن حقیقت پر غور نہ کیا۔ جب حقیقت کھلے گی تب معلوم ہو گا۔ بہرحال تمام حال خاتمے پر کھلتا ہے' اس لیے موت کی مصیبت اور اس کی مقدمات معاملہ کے خوف سے عارفین کے جگر ٹکڑے ٹکڑے ہوتے ہیں' اس لیے کہ وہ وقت ایسا ہے' اس میں بہت کم ثابت

قدم رہ سکتے ہیں۔

فائدہ:۔ اگر گنہگار اپنے گناہ کے سبب سے آگ میں ہمیشہ رہنے سے خوف نہ کرے۔ اس کا حال تندرست کی طرح ہے کہ وہ صحت کے گھمنڈ سے مضر شہوات میں ڈوبا رہتا ہے اور وہ موت سے نہیں ڈرتا' اس لیے کہ موت آئے گی جب آئے گی البتہ اسے مرض کا خوف ہوتا ہے اور جب مریض ہو جاتا ہے تو موت کا خوف ہوتا ہے۔ اسی طرح گنہگار کو بھی برے خاتمے کا خوف تو لگا ہوا ہے اور اگر خدانخواستہ خاتمہ برا ہوا تو آگ میں ہمیشہ رہنا ضروری ہے کیونکہ ایمان کے حق میں گناہ ایسے ہیں جیسے بدن کے حق میں مضر غذائیں کہ معدے میں جمع ہو کر اخلاط کے مزاج کو بدلتی رہتی ہیں اور اس کی خبر بھی نہیں ہوتی کہ اچانک مزاج بگڑ جاتا ہے۔ اس سے بیمار پڑ جاتا ہے۔ کبھی اچانک مر بھی جاتا ہے۔ یہی گناہوں کی ایمان پر تاثیر ہوتی ہے جبکہ دنیا فانی میں ہلاکت کے ڈر سے زہر نہ کھانا اور ماکولات مضر کا استعمال نہ کرنا ہر حال میں اسی وقت آدمی پر واجب سمجھا جاتا ہے تو ہلاک ابدی کے ڈر سے مہلکات کا استعمال نہ کرنا بطریق اولیٰ واجب ہوگا۔ جس طرح کہ زہر کھانے والا جب اپنے فعل پر پریشان ہوتا ہے تو ضروری سمجھتا ہے فوراً اسے معدے سے قے کر دے یا اور کسی حیلے سے اسے نکال دے اور وہ یہ اس لیے کرتا ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اگر زہر بدن میں اثر انداز ہوئی تو موت مواقع ہو جائے گی۔ اسی طرح جو شخص دین کا زہر کھاتا ہے یعنی گناہ کرتا ہے' اس پر بطریق اولیٰ واجب ہے کہ ان سے رجوع کرے اور اس سے جس طرح ہو اس کا تدارک کرے یعنی ایام حیات تک گناہ عمل میں نہ لائے۔ اس لیے کہ اس زہر سے یہ خوف ہے کہ کہیں آخرت نہ جاتی رہے۔ حالانکہ وہ ایک شی باقی ہے اور اس میں دوست پائیدار اور سلطنت و ناز و نعیم باقی ہے اور اس کے نہ ملنے میں آگے دوزخ اور عذاب جہنم بھگتنا پڑے گا کہ دنیا کی زندگی کے ایام کو اس سے کچھ بھی نسبت نہیں' اس لیے کہ آخرت کی مدت کی تو انتہا ہی نہیں۔ جب یہ بات ہے تو گنہگار کو چاہیے کہ توبہ میں جلدی کرے۔ ایسا نہ ہو کہ گناہوں کا زہر ایمان کی روح پر اثر کر جائے اور پھر طبیبوں کے ہاتھ سے اس کا علاج نکل جائے اور اس کے بعد نہ کوئی پرہیز اثر کرے نہ وعظ کام آئے اور وہ تباہ کاروں میں لکھ دیا جائے اور اس آیت کا مصداق ہو۔

انا جعلنا فی اعناقهم اغلالا فهی الی الاذقان فهم مقمحون وجعلنا من بین ایدیهم سدا ومن خلفهم سدا فاغشیناهم فهم لا یبصرون وسواء علیهم انذرتهم ام لم تنذرهم لا یومنون (پ 22_ یٰسین 8 تا 10) (ترجمہ از کنز الایمان: ہم نے ان کی گردوں میں طوق کردیئے ہیں کہ وہ تھوڑیوں تک ہیں تو یہ اوپر کو منہ اٹھائے رہ گئے اور ہم نے ان کے آگے دیوار بنا دی اور ان کے پیچھے ایک دیوار اور انہیں اوپر سے ڈھنک دیا تو انہیں کچھ نہیں سوجھتا اور انہیں ایک سا ہے تم انہیں ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ ایمان لانے کے نہیں۔

انتباہ:۔ لفظ ایمان سے مغالطہ نہ کھانا کہ اس آیت سے مراد کافر ہیں کیونکہ یہ تو بیان کر دیا گیا کہ ایمان کی ستر (70) شاخیں ہیں اور یہ کہ زانی حالت ایمان میں زنا نہیں کرتا بلکہ اس وقت اس سے نور ایمان چلا جاتا ہے اسی لیے چاہیے کہ آیت کو خود اپنے اوپر چسپاں کر کے گناہوں سے بچے۔

فائدہ:۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص ایسے ایمان سے محجوب ہوگا۔ جو شاخ اور ٹہنی کی مثل ہے' وہ خاتمہ کے

وقت اصل ایمان سے بھی محجوب ہوگا جس طرح وہ شخص کہ جس کے اعضاء نہ ہوں۔ باوجود یکہ اعضاء روح کی ٹہنیاں ہیں لیکن ان کے نہ ہونے سے انسان مرجاتا ہے اور اصل روح بھی جاتی رہتی ہے کیونکہ اصل شاخوں کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی اور بغیر اصل کے شاخوں کا وجود بھی نہیں ہوتا۔ اصل اور فرع میں سوائے ایک فرق کے اور کچھ نہیں۔ وہ یہ ہے کہ وجود اور بقائے فرع دونوں وجود اصل کا چاہتے ہیں مگر وجود اصل وجود فرع پر منحصر نہیں لیکن بقائے اصل کے واسطے فرع ہونا ضروری ہے اور وجود فرع کے لیے اصل کا ہونا لازم اور علوم مکاشفہ اور علوم معاملہ آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔ ایسا نہیں کہ ایک کو دوسرے کی ضرورت نہ ہو۔ اگرچہ علوم مکاشفہ اصل ہیں اور علوم معاملہ فرع اور علوم معاملہ اگر آدمی کو عمل پر آمادہ نہ کریں تو ان کے ہونے سے نہ ہونا ہی اچھا ہے' اس لیے کہ جو تاثیر اسے چاہیے تھی' اگر وہ نہ کریں گے تو ناحق وبال جان ہو کر حجت بنیں گے اور اسی بنا پر اگر عالم دین گناہ کرے تو اس کا عذاب بہ نسبت جاہل بدکار کے زیادہ ہوگا۔ چنانچہ احادیث میں ہے' وہ احادیث ہم باب العلم میں لکھ چکے ہیں یعنی احیاء العلوم کی جلد اول کے ابتداء میں فضائل العلم مفصل مذکور ہے۔

ہر مومن پر توبہ کا لزوم:۔ ہر مومن پر توبہ ہر حال میں عام ہے۔ کوئی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ عدم وجوب توبہ اس آیت سے ثابت ہے۔ وتوبوا الی اللہ جمیعا ایھا المومنون لعلکم تفلحون (پ 18_ النور 31) (ترجمہ از کنز الایمان: اور اللہ کی طرف توبہ کرو اے مسلمانو سب کے سب اس امید پر کہ تم فلاح پاؤ۔

اور نور بصیرت سے بھی یونہی سمجھ آتا ہے' اس لیے کہ توبہ کے معنی یہ ہیں کہ جو طریق اللہ تعالیٰ سے دور اور شیطان کے نزدیک کرے' اس سے رجوع کرنا چاہیے اور یہ رجوع غافل ہی سے ہو سکتا ہے۔ نیز عقل جب کمال کو پہنچتی ہے تو شہوت اور غضب اور تمام صفات مذمومہ جو انسان کو بہکانے کے لیے شیطان کے اسباب ہیں' ان کی اصل کامل مکمل ہو جاتی ہے کیونکہ کمال عقل انسان کے چالیس برس تک پہنچنے سے ہوتا ہے اور بنائے عقل سن بلوغ تک پہنچنے سے پوری ہو جاتی ہے اور اس کا آغاز سات برس کی عمر کے بعد سے ظاہر ہونے لگتا ہے مگر شہوت و غضب وغیرہ پہلے سے ہوتے ہیں اور یہ تمام لشکر شیطان ہیں اور عقل ملائکہ کا لشکر ہے۔ جب دونوں اکٹھے ہوتے ہیں تو ان میں لڑائی ہوتی ہے کیونکہ یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ایک کے ہوتے' دوسرا قائم نہیں رہ سکتا۔ جیسے رات اور دن اور نور و تاریکی جمع نہیں ہوسکتیں تو جو ان میں سے غالب ہو جاتا ہے' وہ دوسرے کی بیخ کنی کر دیتا ہے اور چونکہ شہوت صغرسنی میں کامل ہو جاتی ہے اسی لیے شیطان کی عقل سے جنگ شروع سے ٹھن جاتی ہے اس لیے کہ دل کو عادتاً" مقتضیات شہوت سے انس و الفت ہوتی ہے' ان سے اس کا نکلنا مشکل ہوتا ہے۔ پھر جب عقل ظاہر ہوتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے گروہ اور جماعت میں سے ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء کرام کو اس کے دشمنوں سے بچاتی ہے۔ پس اگر اس میں قوت و کمال نہ ہو تو کھیل نہ شیطان کے ہاتھ میں رہا اور اس نے اپنا وعدہ پورا کیا جو قرآن مجید میں مذکور ہے۔ لاحتنکن ذریتہ لا قلیلا (پ 15_ بنی اسرائیل 62) ترجمۂ کنز الایمان: اس کی اولاد کو پیس ڈالوں گا مگر تھوڑا۔

فائدہ:۔ اس تقریر سے معلوم ہوا کہ توبہ ہر شخص کے لیے فرض عین ہے۔ ایسا کوئی نہیں کہ اسے توبہ کی پروا نہ ہو

یہاں تک کہ حضرت آدم ابوالبشر علیہ السلام بھی اس سے بے پروانہ ہوئے۔ اسی طرح ان کی اولاد بھی اس سے بے پروا نہیں۔

ہر فرد (بشر) پر توبہ واجب کیوں؟ :۔ ہر انسان اعضاء کے گناہ سے خالی نہیں' اس لیے کہ اس سے انبیاء علیہم السلام تک نہیں بچے' خواہ انہیں خلاف اولیٰ سے تعبیر کیا جائے گا یا تعلیم امت کے لیے' انہیں حقیقی خطا سمجھنا خالی از خطا نہیں۔ (اویسی غفرلہ)

جیسا کہ قرآن و حدیث میں انبیاء کی خطاء ظاہری اور ان کی توبہ اور ان کا خطاؤں پر رونے کا ذکر موجود ہے اور اگر بعض اوقات میں آدمی اعضاء کے گناہ سے محفوظ رہے گا تو دل کے ارادہ سے نہ بچے گا اور اگر دل میں بھی ارادہ نہ ہوگا تو وسوسہ شیطان سے نہ بچے گا کہ وہ خیالات دل میں ڈالتا رہتا ہے جن سے یاد الٰہی سے غفلت ہوتی ہے۔ اگر وساوس سے بھی خالی رہے گا تو اس سے نہ بچے گا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات و افعال کی واقفیت میں غفلت اور قصور ہوگا اور یہ سب باامر نقصان ہی ہیں اور ہر نقصان کا کوئی سبب ہے۔ اس سبب کو چھوڑنا اور اس کی ضد اختیار کرنا اس نقصان سے بہتری کی طرف رجوع کرنا ہے۔ توبہ کا مقصد ہے یاد رہے کہ کوئی آدمی قصور سے خالی نہیں البتہ مقدار نقصان میں متفاوت ہیں۔ اصل نقصان کسی طریقے سے ہو' ہر ایک میں موجود ہے۔ مثلاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں انا لیغان علی قلبی حتی استغفر اللہ فی الیوم واللیلۃ سبعین مرۃ ترجمہ : میرے قلب مبارک پر ایک پردہ سا حائل ہوتا ہے تو میں اس کی وجہ سے دن و رات میں ستر بار استغفار کرتا ہوں" اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرمایا لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر (پ 26_ سورۃ فتح 2)
ترجمہ از کنزالایمان : تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے۔

فائدہ :۔ اگر کسی کی عقل کامل اور قوی ہوتی ہے تو سب سے پہلے اس کا کام یہ ہوتا ہے کہ لشکر شیطانی کی بیخ کنی کرتی ہے کہ شہوت کو توڑ کر طبیعت کو مجبور کر کے عبادت پر لاتی ہے اور توبہ کا مقصد بھی یہی ہے یعنی توبہ میں رجوع پایا جاتا ہے۔ وہ یہاں متحقق ہوا کہ جس راہ کا رہبر شہوت اور رفیق شیطان تھا۔ اس راہ سے عقل نے انسان کو پھیر کر اللہ کی راہ پر ڈالا اور چونکہ یہ امر ہر انسان میں ضروری ہے کہ اس کی شہوت عقل پر مقدم ہوتی ہے یعنی لشکر شیطان ہر انسان میں عقل کے لشکر سے پہلے بیٹھ جاتا ہے تو جو کام شہوات کی موافقت سے کیے ہوں' ان سے رجوع کرنا ہر ایک انسان کے لیے ضروری ہے' وہ نبی علیہ السلام ہو یا غیر نبی۔

انتباہ :۔ یہاں یہ گمان نہ کرنا چاہیے کہ ضرورت رجوع صرف حضرت آدم علیہ السلام ہی سے خاص تھی بلکہ یہ تو حکم ازلی ہے کہ جنس انسان پر لکھ دیا گیا ہے۔ اس کے خلاف ہونا ممکن نہیں جب تک کہ سلسلہ عادت الٰہی کا اس طرح جاری ہے' اس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

مسئلہ :۔ جو شخص بالغ ہو اگر وہ کفر و جہالت پر تھا تو ان سے توبہ اس پر واجب ہے۔ اگر ماں باپ کی وجہ سے مسلمان ہوا مگر حقیقت اسلام سے غافل اور نادان ہے تو اس پر اس غفلت سے توبہ لازم ہے۔ اس طرح کے اسلام کا

معنی سمجھئے اس لیے کہ ماں باپ کا اسلام اسے کوئی فائدہ نہ دے گا جب تک کہ خود سچا مسلمان نہ ہو گا۔

فائدہ :۔ اسلام سمجھنے کے بعد اپنی عادت غلیظہ اور شہوات حسینہ سے توبہ لازم ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے حدود کی رعایت ہر حال میں ہو' کوئی کام کرنے کا ہو یا اس سے باز رہنے کا ایک قدم حدود بھی شرع سے باہر نہ ہو۔

فائدہ :۔ یہ قسم توبہ کی تمام اقسام سے سخت تر ہے۔ اس میں اکثر لوگ عاجز ہو کر تباہ ہوئے۔ آپ کا حال امت کی فلاح و بہبود کے لیے ہے۔ جب آپ کا یہ حال ہے تو دوسروں کا کیا حال ہو گا؟

سوال :۔ قلب پر جو خواطر وغیرہ طاری ہوتے ہیں' یہ ایک نقصان کی بات ہے اور کمال اس میں ہے کہ قلب ان سے خالی رہے۔ اسی طرح کنہ جلال الٰہی کی معرفت میں قصور نقصان ہے مگر جس قدر معرفت زیادہ ہو اسی قدر کمال ہے۔ ایسا ہی ہر ایک اسباب نقصان سے کمال کی طرف ترقی کرنا رجوع کہلائے گی اور ہر ایک رجوع کو توبہ کہہ سکتے ہیں اور مطابق مذکورہ بالا کے توبہ واجب ہونی چاہیے حالانکہ یہ چیزیں فضائل میں داخل ہیں۔ فرض نہیں کیونکہ کمال کا حاصل کرنا واجب نہیں تو پھر ان امور سے ہر حال میں توبہ واجب ہونے کے کیا معنی؟

جواب :۔ پہلے گزر چکا ہے کہ انسان ابتدائے پیدائش میں اتباع شہوات سے ہرگز نہیں بچتا اور اس سے توبہ کرنے سے یہ غرض نہیں کہ اتباع شہوات صرف آگے کو چھوڑے دے بلکہ کمال توبہ اس میں ہے کہ زمانہ ماضی کا بھی تدارک ہو اور انسان جس شہوات کا اتباع کرتا ہے' اس سے دل پر ایک تاریکی چھا جاتی ہے۔ جیسے آئینہ پر منہ کی بھاپ سے گرد و غبار آتی ہے' پس اگر یہ اتباع شہوات مسلسل ہوں تو دل کی سیاہی زنگ ہو جاتی ہے' جیسے منہ کی بھاپ اگر مسلسل آئینہ پر پڑتی رہے تو آئینہ پر زنگ چڑھ جاتا ہے اور شہوات کا زنگ دل پر آنا قرآن مجید میں مذکور ہے۔ کلا بل ران علی قلوبھم ما کانوا یکسبون (المطففین 14 پ 30) ترجمہ کنزالایمان : کوئی نہیں بلکہ ان کے دلوں پر زنگ چڑھا دیا ہے ان کی کمائیوں نے۔

فائدہ :۔ زنگ اگر بہت ہو گا تو دل پر مہر لگ جاتی ہے۔ جیسے آئینے پر زنگ بہت دنوں چھوڑ دیئے جانے سے آئینہ سیاہ ہو جاتا ہے کہ پھر قابل صیقل اور روشنی کے بھی نہیں رہتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا میل کچیل سے بنا ہوا ہے تو جس طرح آئینہ کی صفائی کے لیے کافی نہیں کہ اس کے آگے بھاپ اور سیاہی نہ ہو بلکہ پہلے بھاپ اور زنگ مٹاؤ پھر صورت و شکل اس میں نظر آئے گی۔ اسی طرح جلائے دل کے لیے بھی اس قدر کافی نہیں کہ اتباع شہوات چھوڑے بلکہ ضروری ہے کہ پہلے جو گناہوں کی سیاہی دل پر آگئی ہے' اسے مٹائے پھر جس طرح دل پر گناہ کی وجہ سے سیاہی آتی ہے اسی طرح طاعت اور ترک شہوت سے نور پیدا ہوتا ہے جس سے وہ تاریکی دور ہوتی ہے۔ اس طرف اس حدیث شریف میں اشارہ ہے۔ اتبع السیئۃ بالحسنۃ برائی کے بدلہ بھلائی کر' بھلائی برائی کو مٹا دے گی۔ (ترمذی بروایت ابوذر رضی اللہ عنہ)

فائدہ :۔ اس سے معلوم ہوا کہ سالک کو ہر حال میں اپنے دل سے گناہوں کے نشانات مٹانے کی ضرورت ہے کہ

نیکیاں کر کے ان کو دور کر دے کیونکہ نیکیوں کے آثار گناہوں کے آثار کی ضد ہیں۔ نیکی کے آثار ہوں تو پچھلے گناہوں کی آثار مٹ جائیں گے۔ یہ اس دل کا حال ہے جس میں صفائی اور روشن ہو لیکن اسباب عارضی سے سیاہی ہو جائے۔

فائدہ :۔ یاد رہے کہ دل روشن کرنا بہت محنت چاہتا ہے۔ جیسے آئینہ سے زنگ دور کرنا بڑا کام نہیں جتنا خود آئینہ بنانا مشکل ہے' وہ دیر اور محنت چاہتا ہے غرضیکہ یہ طویل اشغال انسان سے کبھی جدا نہیں ہوتے اور ان سب کا حال توبہ ہی ہے۔

فائدہ :۔ اس سے ایک شق جواب کی معلوم ہوئی۔ وہ یہ کہ حال میں آدمی توبہ کا محتاج ہے۔ اب دوسری شق لکھتے ہیں کہ ہر حال میں وجوب توبہ کا کیا معنی یاد رہے کہ واجب کے دو معنی ہیں۔ اول وہی ہے جو شرع کے احکام میں مشہور ہے اور اس میں تمام لوگ شریک ہیں اور وہ اتنا وسیع ہے کہ اگر تمام مخلوق ادا کرے تو بھی عالم خراب نہ ہو۔ مثلاً نماز' روزہ وغیرہ اور مدارج کمال پر اس قسم کے واجب میں داخل نہیں کیونکہ اگر بالفرض تمام لوگوں پر یہ امر واجب ہو کہ اللہ تعالیٰ سے تقویٰ کا حق ادا کریں تو سب دنیا کا کاروبار ترک کر دیں گے' پھر سرے سے تقویٰ ہی نہ رہے گا کیونکہ معیشت کے چلے جانے سے تقویٰ کی فرصت کسے ملے گی۔ ہر ایک اپنی ضرورت کے شغل سے مہلت نہ پائے گا۔ عمر بھر ہل چلانے' کپڑے بننے' کھانا پکانے میں مصروف رہے گا۔ بہرحال شرع میں واجب اس قدر ہے کہ تمام لوگ اگر اس میں مشغول ہوں تو نظام عالم میں خلل نہ ہو۔

مثال :۔ مقام صدیقین اور قرب رب العالمین تک پہنچنے کے لیے جن چیزوں سے ہم نے توبہ کرنے کا لکھا ہے' وہ سب اس درجہ کے پہنچنے کے لیے واجب ہیں۔ اس کی مثال ایسی سمجھنی چاہیے جیسے نماز نفل میں طہارت واجب ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ جو نفل نماز پڑھنی ہے' اس کے لیے طہارت ضروری ہے کیونکہ اسکے بغیر نفل کا ثواب نہیں ملے گا مگر جو شخص سرے سے نفل سے ہی محروم ہے اور وہ اس سعادت سے بہرہ اندوز نہ ہو تو اس پر نفل کی وجہ سے طہارت واجب نہیں۔ (2) مثلاً کہتے ہیں کہ آنکھ اور کان اور ہاتھ اور پاؤں انسان کے وجود میں شرط اور ضروری ہیں یعنی اگر کوئی کامل انسان ہونا چاہیے تو اس کے لیے ان اعضاء کا ہونا ضروری ہے تاکہ اس کی انسانیت باکمال ہو اور اعضاء کی وجہ سے دنیا میں درجات عالیہ تک پہنچ سکے۔ اگر کوئی صرف زندگی پر قانع ہو گوشت کے ٹکڑے یا کپڑے کے چیتھڑے کی طرح منظور کرے تو ایسی زندگی کے لئے یہ اعضاء ضروری نہیں اصل واجبات جو تمام لوگوں پر واجب ہیں ان سے صرف نجات مل جاتی ہے اور محض نجات کو زندگی محض کی طرح تصور کرنا چاہئے اور نجات محض کے سوا جو اور سعادات ہیں ان کو اعضاء سمجھنا چاہئے کہ زیبائش اور آرائش نجات کی انہیں سے ہے اور انہیں کے لئے انبیاء کرام' اولیاء عظام اور علماء و اکابر دین سعی کرتے رہے اور انہیں کے حصول کے لئے دنیا کی لذتوں کو یک لخت چھوڑ دیا۔

حکایت :۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک مرتبہ لیٹنے کے وقت اپنے سر تلے پتھر (بطور تکیہ) لیا آپ علیہ السلام کی

خدمت میں شیطان حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ نے تو دنیا کو ترک فرما دیا تھا آپ علیہ السلام نے فرمایا ہاں کیا تو نے کچھ ایسا دیکھا ہے جو اس کے خلاف ہوا ہو (یعنی میں دنیا سے فائدہ اٹھایا ہو) اس نے عرض کیا کہ پتھر کو تکیہ بنانا دنیا کی لذت ہے زمین پر سر کیوں نہیں رکھتے (یہ سنتے ہی) آپ نے پتھر سر کے نیچے سے نکال کر پھینک دیا اور سر مبارک زمین پر رکھ لیا۔ آپ علیہ السلام کا سر کے نیچے سے پتھر نکال کر سر مبارک زمین پر رکھ لینا اس لذت سے توبہ کرنا تھا۔

فائدہ:- اب ہم پوچھتے ہیں کہ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معلوم نہ تھا کہ زمین پر سر رکھنا شرعاً" واجب نہیں۔ اسی طرح سرکار دوعالم ﷺ نے خوبصورت چادر کو نماز میں مخل پا کر اتار دیا تھا اور نعلین مبارکہ کے نئے تسمے کو باعث شغل جانتے ہوئے پرانا تسمہ دوبار نعلین میں ڈال لیا تھا۔

کیا آپ ﷺ کو معلوم نہ تھا کہ یہ باتیں شریعت میں جو آپ نے عام لوگوں پر مقرر کی ہیں واجب نہیں اگر معلوم تھا تو ان سے رجوع کیوں فرمایا۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے ان امور کو اپنے دل میں ایسا موثر پایا کہ ان کی تاثیر مقام اعلیٰ موعود تک پہنچنے کے لیے مانع نہیں۔

حکایت:- حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو دودھ پینے کے بعد جب معلوم ہوا کہ یہ ناجائز طریقے سے آیا ہے تو حلق میں انگلی ڈال کر اتنا قے کی' قریب تھا کہ روح نکل جائے۔

فائدہ:- کیا انہیں فقہ کا مسئلہ معلوم نہ تھا کہ بھول کر پی لینے میں گناہ نہیں ہوتا اور پی ہوئی چیز کا نکالنا واجب نہیں' پھر اس کے پینے سے کیوں رجوع کیا اور حتی الامکان معدے کو اس سے خالی کرنا کیوں ضروری سمجھا۔ اس کا سبب یہی تھا کہ آپ کے دل میں یہ راز مخفی تھا کہ عوام کا حکم اور ہے اور خواص کا حکم اور۔ اس خطرے کو بجز صدیقین کے اور کوئی نہیں جانتا۔

سبق:- ان حضرات کے حالات پر غور و فکر کرنا چاہیے جو سب لوگوں سے زیادہ اللہ تعالیٰ اور راہ اللہ اور عذاب الٰہی اور خفیہ مغالطوں کو خوب جانتے ہیں اور ان احوال پر غور کر کے دنیا کے مغالطے سے بچنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ پر مغالطہ کھانے سے ہزار بار بچنا لازم ہے۔

فائدہ:- یہ وہ اسرار ہیں کہ اگر کسی کے دماغ میں ان کی بو پہنچ جاتی ہے تو اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ راہ خدا پر چلنے کے لیے ہر شخص پر توبہ خالص واجب ہے۔ اگرچہ عمر نوح علیہ السلام اسے ملے اور توبہ بھی فوراً کرے۔

ملفوظ حضرت سلیمان دارانی قدس سرہ:- حضرت ابو سلیمان دارانی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر عاقل انسان بقیہ ایام زندگی میں صرف اس وجہ سے رویا کرے کہ زمانہ ماضی بغیر طاعت کے ضائع ہو گیا تب بھی اس کے لائق ہے کہ اس کو یہ رنج موت تک رہے گی جو لوگ بقیہ عمر میں بھی جہل کی وجہ سے انہیں باتوں کے مرتکب ہوں جو کے

زمانہ گزشتہ میں غلطیاں ہوئیں تھیں' ان کا کیا حال ہو گا۔

فائدہ :۔ حضرت دارانی رحمتہ اللہ علیہ نے اس لیے فرمایا کہ اگر سمجھ دار انسان کے قبضہ میں کوئی قیمتی جوہر آجاتا ہے اور وہ بے فائدہ ضائع ہو جاتا ہے تو اس پر وہ لازماً روتا ہے اور اگر اس کے ضائع ہو جانے کے ساتھ خود مالک کی بربادی بھی ہو تو ظاہر ہے کہ گریہ اور زیادہ ہو گا۔

درس عبرت :۔ انسان کی ہر ساعت بلکہ ہر سانس ایک جوہر نفیس اور قیمتی ہے کہ اس کا کوئی بدل نہیں' اس لیے کہ اس میں یہ صلاحیت و لیاقت ہے کہ آدمی کو سعادت ابدی پر پہنچائے اور شقاوت دائمی سے بچائے۔ اس سے بڑھ کر اور کونسا جوہر نفیس ہو گا جب کوئی ایسے جوہر کو غفلت میں ضائع کر دے تو ظاہر ہے کہ اس کے لیے بڑا خسارہ ہے۔اگر اسے معصیت الٰہی میں ضائع کرے تو پھر سراسر بربادی ہے۔ پھر بھی اگر کوئی اس مصیبت پر نہ روئے تو جہالت ہے۔

فائدہ :۔ جہالت کی مصیبت تمام مصائب سے زیادہ ہے مگر مصیبت جہل مصیبت والے کو محسوس نہیں ہوتی کیونکہ خواب غفلت اس میں اور معرفت میں حائل ہوتی ہے۔ افسوس کہ تمام لوگ اس خواب میں خوش ہیں۔ جب موت آئے گی تب جاگیں گے۔ اس وقت مفلس کو اپنے افلاس کی اور مصیبت والے کو اپنی مصیبت کی خبر ہو گی مگر اس وقت تدارک کہاں؟ اس وقت بجز حسرت و ناامیدی کے اور کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

لطیفہ :۔ بعض عارفین فرماتے ہیں کہ ملک الموت علیہ السلام جب کسی انسان کو فرماتے ہیں کہ تیری زندگی کی ایک ساعت باقی ہے' اس سے ایک لمحے کی بھی تاخیر نہ ہو گی تو اس انسان کو اس قدر حسرت اور ندامت ہوتی ہے کہ اگر بالفرض اس کے پاس تمام دنیا ہو تو اسے دینا قبول کرے اور اس کی عمر میں ایک ساعت کا اضافہ ہو جائے جس میں تدارک اپنی تقصیر کا کرے لیکن ایسی مہلت کون دے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وحیل بینھم و بین مایشتھون۔

فائدہ :۔ اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے جو ہم نے کہا من قبل ان یاتی احدکم الموت فیقول رب لولا اخرتنی الی اجل قریب فاصدق واکم من الصالحین ولن یوخر اللہ نفسا اذا جاء اجلھا (المنافقون 11 تا 10) ترجمہ کنزالایمان : قبل اس کے کہ تم میں کسی کو موت آئے پھر کہنے لگے اے میرے رب تو نے مجھے تھوڑی مدت تک کیوں مہلت نہ دی کہ میں صدقہ دیتا اور نیکوں میں ہوتا اور ہرگز اللہ کسی جان کو مہلت نہ دے گا جب اس کا وعدہ آجائے۔

فائدہ :۔ اجل قریب مطلوب کا یہ معنی ہے کہ جب انسان کے سامنے ملک الموت تشریف لاتے ہیں تو بندہ کہتا ہے کہ اے ملک الموت مجھے ایک دن کی مہلت دے تاکہ میں اپنے پروردگار عزوجل کے سامنے عذر تقصیر اور توبہ کر لوں اور اپنے لیے توشہ آخرت لے لوں۔ ملک الموت جواب دیتے ہیں کہ تو نے اتنے دن مفت برباد کیے اور کچھ نہ کیا۔ اب دن کہاں مل سکتا ہے' پھر کہتا ہے کہ ایک گھڑی کی مہلت دے۔ فرشتہ کہتا ہے بہت گھڑیاں ضائع کر چکے'

اب ایک گھڑی کی بھی مہلت نہ ملے گی۔ اس کے بعد اس پر توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اور جان حلق میں آجاتی ہے۔ سانس سینے میں بولنے لگتا ہے اور تدارک مافات سے ناامیدی اور حسرت و ندامت کے گھونٹ پیتا ہے کہ میں نے ناحق عمر ضائع کی۔ ان وحشتوں کے صدمات سے اس کے ایمان میں اضطراب واقع ہوتا ہے۔ جب روح نکلنے لگتی ہے تو اگر اللہ نے اس کے لیے تقدیر میں اچھا لکھ رکھا ہے تو روح ایمان پر نکلتی ہے۔ اس کا نام حسن خاتمہ ہے۔

اگر معاذ اللہ ازل میں شقاوت کا قلم اس کے نام جاری ہوا تھا تو شک اور اضطراب پر کرتی ہے اور یہ برا خاتمہ ہے۔ اس خاتمے کے متعلق ارشاد الٰہی ہے ولیست التوبة للذین السیات حتیٰ اذا حضر احدھم الموت قال انی تبت الان (پ 4_ النساء 8) ترجمہ کنزالایمان : اور وہ توبہ ان کی نہیں جو گناہوں میں لگے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں کسی کو موت آئے تو کہے اب میں نے توبہ کی۔

تفسیر غزالی رحمتہ اللہ علیہ :۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انما التوبة علی اللہ للذین یعملون السوء بجھالت ثم یتوبون من قریب (پ 4_ النساء 17) ترجمہ کنزالایمان : وہ توبہ جس کا قبول کرنا اس نے اپنے فضل سے لازم کرلیا ہے وہ انہیں کی ہے جو نادانی سے برائی کر بیٹھے پھر تھوڑی دیر میں توبہ کرلے۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ زمانہ توبہ کا گناہ کے زمانہ سے متصل ہو یعنی اگر گناہ سرزد ہو تو فوراً اس پر افسوس کرے اور اس کے قریب ہی نیک عمل بجالائے۔ ایسا نہ ہو کہ زیادہ مدت گزرنے سے دل پر اس گناہ کا زنگ اثر کر جائے کہ پھر قابل مٹنے کے نہ رہے' اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اتبع السیئة الحسنة تمحھا (برائی کے پیچھے نیکی کو لگادے تاکہ نیکی برائی کو مٹادے) (ترمذی بروایت ابوذر رضی اللہ عنہ)

پند سودمند :۔ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو ارشاد فرمایا کہ جان پدر توبہ میں تاخیر نہ کرنا کیونکہ موت اچانک آجاتی ہے۔ جو شخص توبہ کی طرف سبقت نہیں کرتا اور آج کل پر ٹالتا رہا' وہ بڑے خطرات میں مبتلا ہوگا۔ (1) گناہوں کی تاریکی اگر دل پر چڑھ گئی تو زنگ آلود ہو جائے گی۔ پھر اس پر مہر لگ جائے گی یہاں تک کہ وہ مٹنے کے قابل نہ رہے گی۔ (2) اگر اس عرصہ میں مرض الموت کے پنجے میں گرفتار ہو گیا' تو تدارک کی مہلت نہ ملے گی۔ حدیث شریف میں ہے ان اکثر صیاح اہل النار من التسویف ترجمہ "دوزخیوں کا زیادہ چیخنا تاخیر کی وجہ سے ہوگا"

فائدہ :۔ جو لوگ ہلاک ہوئے وہ تولیت و لعل کے سبب ہوئے غرضیکہ دل کا سیاہ ہونا تو نقد سودا ہے اور طاعت سے اسے روشن کرنا ادھار ہے یہاں تک کہ موت حملہ کرے اور اللہ تعالیٰ کے پاس زنگ آلود دل لے کر جانا پڑے حالانکہ نجات اسی کو ہوگی جس کے دل میں زنگ نہ ہو۔

نکتہ :۔ انسان کے پاس دل اللہ تعالیٰ کی امانت ہے اور زندگی بھی اس کی امانت۔ اسی طرح تمام اسباب طاعت امانت خداوندی ہیں تو جو شخص امانت میں خیانت کرکے اس کا تدارک کرے گا تو اس کا انجام خطرناک ہے۔

فائدہ :۔ بعض عارفین ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو دو راز بطریق الہام سنا دیتا ہے۔ (1) جب ماں کے

پیٹ سے نکلتا ہے تو اس سے ارشاد فرماتا ہے کہ اے میرے بندے! تجھے میں نے دنیا میں پاک و صاف بھیجا ہے اور تیری عمر امانت رکھی ہے اور تجھے اس کا امین مقرر کیا ہے۔ اب دیکھوں گا کہ تو نے کس طرح امانت کی حفاظت کی اور مجھے کس حال میں ملے گا۔ (2) روح نکلنے کے وقت اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے میرے بندے! جو امانت تیرے پاس رکھی تھی' تو نے اس میں کیا کیا؟ اس کی اس وقت تک حفاظت کی اور میرے عہد پر قائم رہا تو میں پورا کروں یا تو نے اسے ضائع کر دیا تو میں تجھ سے مطالبہ اور عقاب کروں۔ آیت ذیل میں اسی طرف اشارہ ہے۔

اوفوا بعھدی اوف بعھدکم (البقرہ 40) ترجمہ کنزالایمان: اور میرا عہدہ پورا کرو میں تمہارا عہدہ پورا کروں گا اور اس دوسری آیت میں والذین ھم لا ماناتھم وعھدھم راعون (پ 29_ المعارج 32) ترجمہ کنزالایمان: اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی حفاظت کرتے ہیں۔

توبہ کی مقبولیت کی شرائط: - توبہ میں جب سب شرائط اکٹھی ہوتی ہیں تو وہ توبہ ضرور مقبول ہوتی ہے۔ جب سالک قبول توبہ کے معنی سمجھ لے تو پھر اس میں شک نہ کرے کہ ہر ایک توبہ صحیح و مقبول ہوتی ہے کیونکہ جو لوگ نور بصیرت سے دیکھتے ہیں اور انوار قرآنی سے فیض یاب ہیں' وہ جانتے ہیں کہ قلب سلیم یعنی جس میں مرض نہ ہو' وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بندہ مقبول ہوتا ہے اور آخرت میں اس کے قرب کے مزے لے گا اور دیدار الٰہی کو اپنی چشم غیر فانی سے دیکھنے کی لیاقت اس میں ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ باعتبار اصل فطرت کے دل پاک اور صاف پیدا ہوتا ہے اور اس کی سلامتی صرف گناہوں کی سیاہی اور غبار کے چھا جانے سے جاتی رہتی ہے اور ان کو یہ بھی معلوم ہے کہ آتش ندامت اس میل کو جلا بخشتی ہے اور نیکی کا نور چہرۂ دل سے برائی کی سیاہی کو ہٹا دیتا ہے اور اس نور کے سامنے سیاہی گناہ کو کوئی تاب نہیں جیسے رات کے اندھیرے کو اجالے کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ جیسے میل کی کدورت صابن کی سفیدی کے سامنے باقی نہیں رہتی۔

فائدہ: - جس طرح میلا کپڑا بادشاہ اپنے پہننے کے لیے پسند نہیں کرتا' اسی طرح بادشاہ حقیقی بھی قلب سیاہ کو اپنے قرب میں رہنے کے لیے پسند نہیں کرتا اور جس طرح کہ کاروبار کرنے سے کپڑے کا استعمال اس پر میل کچیل لاتا ہے۔ پھر گرم پانی اور صابن سے دھونے پر صاف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح دل کا استعمال اگر شہوات میں کیا جاتا ہے تو اس پر میل آجاتا ہے اور حرارت ندامت اور توبہ کے آنسو بہانے سے صاف و پاک ہو جاتا ہے اور جو دل کہ پاک و صاف ہو' وہ مقبول ہوتا ہے۔ جیسے صاف اور دھلا ہوا کپڑا پسندیدہ ہوتا ہے۔

انسان کو دل کا پاک و صاف اور لائق قبولیت رکھنا چاہیے تاکہ بمطابق حکم خداوندی مقبول ہو جائے۔ اسی قبولیت کا نام نجات ہے۔ وہ اس آیت میں مذکورہ ہے۔ قد افلح من زکھا ترجمہ "جس نے اس کو سنوارا" جو شخص بر سبیل تحقیق آنکھ کے دیکھنے سے بھی زیادہ اس بات کو نہیں دیکھتا کہ قلب پر تاثیر گناہ اور نیکی ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ایک کو اگر اندھیرا کہیں جیسے جہالت تو دوسرے کو نور سے تعبیر کریں گے جیسے علم اور ظاہر ہے کہ نور اور ظلمت میں ضد ہے' دونوں اکٹھے ہرگز نہیں ہو سکتے تو ایسا شخص دین سے ناواقف گویا صرف پوست پر قانع ہے اور فقط دین کا نام سن لیا ہے۔ حقیقت دین سے اس کے دل پر بڑا سخت پردہ پڑا ہوا ہے بلکہ ایسا شخص اپنے نفس کی

حقیقت اور اس کی صفات سے بھی ناواقف ہے اور جو اپنے نفس یعنی قلب کو نہ جانے وہ دوسرے کو بطریق اولیٰ نہ جانے گا کیونکہ قلب سے دوسری چیز کو پہچانتا ہے تو جو اپنے قلب کو نہ جانے گا' وہ دوسرے کو کیسے پہچانے گا۔

مثال :۔ جیسے وہم ہے کہ توبہ شرائط کے باوجود قبول نہیں ہوتی' وہ ایسا ہے جیسے کوئی وہم کرے کہ سورج کے نکلنے سے اندھیرا نہیں جاتا یا صابن سے کپڑا دھونے سے میل دور نہیں ہوتی۔ ہاں اگر میل کپڑے کے اندر گھس جائے تو پھر صابن سے بھی اسے نہیں نکال سکتے۔ اسی طرح اگر گناہوں کے تسلسل سے دل پر زنگ اور مہر لگ جائے گی تو ایسا دل اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے نہ توبہ بلکہ کبھی زبان سے صرف توبہ' توبہ کہتا ہے لیکن اس سے کیا ہو سکتا ہے۔

مثال :۔ ایسے شخص کی مثال اس دھوبی جیسی ہے جو زبان سے کہے کہ میں نے کپڑا دھویا تو صرف کہنے سے کپڑا صاف نہ ہو جائے گا جب تک کپڑے میں جو میل ہے' اس کے ہٹانے کی تدبیر استعمال میں نہ لائے گا۔

فائدہ :۔ یہ حال اصل توبہ سے باز رہنے والے کا ہے بلکہ جو اللہ تعالیٰ سے روگردان اور دنیاداری میں سرگرداں ہیں' ان کے اکثر کا یہی حال ہے۔

فائدہ :۔ اگرچہ یہ بیان قبول توبہ کے لیے کافی ہے مگر چونکہ جس پر کتاب اللہ اور حدیث نبوی کی دلیل نہ ہو۔ اس کا کوئی اعتبار نہیں' اسی لیے ہم بیان مذکور کو آیات و اخبار و آثار سے مؤید کرتے ہیں۔

قرآن مجید :۔ (1) وھو الذی یقبل التوبۃ عن عبادہ و یعفوا عن سیات (الشوریٰ 25) ترجمہ کنزالایمان : اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور گناہوں سے درگزر فرماتا ہے۔

(2) غافر الذنب وقابل التوب (پ 24_ المومن 3) ترجمہ کنزالایمان : گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا۔

اور اس کے علاوہ بہت سی آیات قبولیت توبہ میں وارد ہیں۔

احادیث مبارکہ :۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ سے زیادہ خوش ہوتا ہے۔" جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔

فائدہ :۔ ظاہر ہے کہ خوشی کا مرتبہ قبولیت سے بڑھ کر ہے۔ یہ حدیث قبولیت کی دلیل ہوئی۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ "جو شخص رات میں صبح تک گناہ کرے' ایسے ہی جو دن میں رات تک گناہ کرے تو ایسے گنہگاروں کی توبہ قبول کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے' یہاں تک کہ آفتاب مغرب سے نکلے۔

فائدہ :۔ ظاہر ہے کہ ہاتھ کے پھیلانے سے کنایۃً توبہ کی طلب ہے۔ قاعدہ ہے کہ طالب قبول کرنے والے مرتبہ

میں بڑھ کر ہے کیونکہ بعض قبول کرنے والے طالب نہیں ہوتے مگر طالب کو قبول کرنے والا ہونا لازم ہے۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ لو عملتم الخطا یا حتیٰ تبلغ السمآء ثم ندمتم لتاب اللہ علیکم ترجمہ "اگر تم اتنا گناہ کرو کہ وہ آسمان تک پہنچ جائیں' اس کے بعد ندامت کرو تو اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ قبول کرے گا۔" (ابن ماجہ بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ)

فرمایا کہ "بندہ کوئی ایسا گناہ کرتا ہے جس کی وجہ سے جنت میں داخل ہوتا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یہ کس طرح ہے؟ آپ نے فرمایا کہ گناہ سے تائب ہو کر اس سے کنارہ کش رہتا ہے۔ یہاں تک کہ جنت میں داخل ہوتا ہے۔"

فرمایا کہ "کفارۃ الذنب ندامۃ ترجمہ "گناہ کا کفارہ ندامت ہے۔" اور فرمایا "التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ" ترجمہ "گناہ سے توبہ کرنے والا ایسے ہے جیسے اس کا گناہ نہ ہو۔" (بیہقی بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ)

ایک حبشی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میں گناہ کیا کرتا تھا۔ فرمایئے کہ میری توبہ قبول ہوگی؟ آپ نے فرمایا بے شک توبہ قبول ہوگی۔ وہ چلا گیا لیکن پھر لوٹ کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب میں گناہ کرتا تھا تو مجھے اللہ تعالیٰ دیکھتا تھا یا نہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں دیکھتا تھا۔ یہ سنتے ہی حبشی نے ایک ایسا نعرہ مارا کہ اس کے ساتھ ہی اس کی روح پرواز کر گئی۔

اللہ تعالیٰ نے جب شیطان کو اپنی درگاہ سے نکال دیا تو اس نے چاہا کہ اسے مہلت ہو۔ اسے قیامت تک کی مہلت ملی' پھر اس نے عرض کیا کہ قسم ہے تیری عزت کی' جب تک آدمی کے بدن میں جان رہے گی' اس وقت تک میں اس کے دل سے نہیں نکلوں گا۔ ارشاد ہوا کہ مجھے بھی اپنی عزت اور جلال کی قسم ہے کہ جب تک ان میں جان رہے گی' تب تک ان سے توبہ قبول کرتا رہوں گا۔

حدیث شریف میں ہے کہ ان الحسنات یذہبن السیات کما یذہب الماء الریح ترجمہ "بے شک نیکیاں برائیوں کو ایسے لے جاتی ہیں جیسے پانی کو ہوا۔"

فائدہ:۔ اس طرح کی احادیث بے شمار قبول وارد ہیں اور آثار بھی بہت ہیں۔

اقوال اسلاف صالحین رحمتہ اللہ:۔

حضرت سعید بن المسیب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت فانہ کان للاوابین غفورا (بنی اسرائیل 25) ترجمہ کنزالایمان: تو بے شک وہ توبہ کرنے والوں کو بخشنے والا ہے۔ کا شان نزول یہ ہے کہ "کوئی گناہ کرے پھر توبہ کرے' پھر گناہ کرے پھر توبہ کرے۔"

حضرت فضیل حدیث قدسی روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ گنہگاروں کو مژدہ سنا دو کہ اگر وہ توبہ کریں گے تو میں قبول کروں گا اور صدیقین کو ڈرا دو کہ اگر ان پر اپنا عدل کروں گا تو عذاب دوں گا۔ اس سے یہ نہ

سمجھیں کہ معاذ اللہ اللہ تعالیٰ برائیوں سے راضی اور نیکیوں سے ناراض بلکہ اس میں مایوس کو پر امید کرنا ہے' اس لیے کہ مایوسی کفر ہے اور نیکی سے ناراض نہیں بلکہ جسے نیکی پر گھمنڈ ہو اسے ڈرانا مطلوب ہے۔ (اویسی غفرلہ)

ملق بن حبیب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق اتنے عظیم ہیں کہ بندوں سے ادا نہیں ہو سکتے مگر جب صبح کو توبہ کرتے ہیں اور شام کو توبہ کرتے ہیں' اسی وجہ سے عفو کی امید رکھیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ جس نے کوئی قصور کیا ہو تو وہ اسے یاد کرکے دل میں خائف ہو تو وہ قصور اس کے نامہ اعمال سے محو ہو جاتا ہے۔

روایت ہے کہ انبیاء بنی اسرائیل میں سے کسی نبی علیہ السلام سے کوئی خلاف اولیٰ سرزد ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ قسم ہے اپنی عزت کی' اگر تو نے پھر ایسا کیا تو عذاب دوں گا۔ انہوں نے عرض کیا کہ الٰہی تو' تو ہے اور مجھے قسم ہے تیری عزت کی کہ اگر تو مجھے نہ بچائے گا' مجھ سے دوبارہ ضرور ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو دوبارہ خلاف اولیٰ کے ارتکاب سے محفوظ کر دیا۔

بعض اکابر کا قول ہے کہ بندہ بعض اوقات گناہ کرتا ہے اور مدت العمر نادم رہتا ہے۔ یہاں تک کہ جنت میں داخل ہوتا ہے۔ اس وقت شیطان کہتا ہے کہ کیا اچھا ہوتا کہ میں اسے گناہ میں مبتلا نہ کرتا۔

حبیب بن ثابت فرماتے ہیں کہ قیامت میں ایک آدمی پر اس کے گناہ پیش کیے جائیں گے۔ جب خطائیں اس کے سامنے آئیں گی' کہے گا کہ میں اسی شے سے خوفزدہ تھا' اس کا قصور اسی وجہ سے معاف ہو جائے گا۔

ایک شخص نے حضرت ابن مسعود سے سوال کیا کہ میں نے ایک گناہ کیا ہے۔ میری توبہ بھی قبول ہوگی؟ آپ نے پہلے اس سے منہ پھیر لیا' پھر متوجہ ہو کر بچشم تر اس سے فرمانے لگے کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں' سب کھلتے ہیں اور بند ہوتے ہیں مگر باب توبہ پر ایک فرشتہ مقرر ہے' وہ بند نہیں ہوتا' تجھے چاہیے کہ نیک عمل کر اور ناامید نہ ہو۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی القاسم سے منقول ہے کہ ایک دفعہ آپ کی مجلس میں کافر کی توبہ کا ذکر ہوا اور یہ آیت بھی پڑھی گئی۔ ان ینتھو ایغفرلھم ما قد سلف (پ 9_ الانفال 38) ترجمہ کنزالایمان: اگر وہ باز رہے تو جو ہو گزرا وہ انہیں معاف فرما دیا جائے گا

آپ نے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ مسلمان کا حال اللہ کے نزدیک اچھا ہو اور مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ مسلمانوں کا توبہ کرنا ایسا ہے جیسا اسلام کے بعد پھر اسلام لانا۔

حضرت عبداللہ بن سلام نے فرمایا ہے کہ میں تم سے جو حدیث کہتا ہوں' وہ میں نے نبی مرسل سے سنی ہے یا کتاب آسمانی میں دیکھی ہے۔ وہ یہ ہے کہ بندہ گناہ کرنے کے بعد اگر ایک لمحہ ندامت کرتا ہے تو آنکھ جھپکنے سے پہلے وہ گناہ سے پاک ہو جاتا ہے۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ توبہ کرنے والوں کے پاس بیٹھو' اس لیے کہ ان کے دل زیادہ نرم ہوتے ہیں۔

بعض اکابر کا قول ہے کہ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ میری مغفرت کب کرے گا' لوگوں نے پوچھا کہ کب کرے گا؟ انہوں نے کہا کہ جب میری توبہ قبول کرے گا۔

بعض کا قول ہے کہ اگر میں توبہ سے محروم رہوں تو زیادہ خوف کرتا ہوں بہ نسبت اس کے کہ مغفرت سے محروم رہوں۔ یہ اس لیے کہا کہ مغفرت توبہ کو لازم ہے' توبہ قبول ہوگی تو مغفرت ہو ہی جائے گی۔

مروی ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک جوان تھا جس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت بیس (20) سال کی' پھر اس کی نافرمانی بھی بیس (20) سال کی۔ پھر آئینے میں دیکھا تو داڑھی میں سفید بال نظر آئے' اسے برا لگا۔ جناب الٰہی میں عرض کی کہ خدایا میں نے بیس (20) سال تیری طاعت کی اور بیس (20) سال سے نافرمان رہا' اب اگر اپنی حرکت سے باز آکر تیری طرف رجوع کروں تو یہ قبول فرمالے گا؟ اسی وقت آواز آئی لیکن بولنے والا نظر نہ آیا کہ تو نے ہم سے دوستی کی تو ہم نے بھی تجھ سے محبت کی۔ جب تو نے ہمیں چھوڑ دیا تو ہم نے بھی تجھے چھوڑ دیا اور تو نے نافرمانی کی تو ہم نے تجھے مہلت دی۔ اب اگر رجوع کرے گا تو قبول فرمائیں گے۔

حضرت مصری فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بعض بندے ایسے ہیں جنہوں نے گناہوں کے درخت ایسے لگائے جیسے دلوں میں جان۔ ان کو توبہ کا پانی دیتے رہے۔ یہاں تک کہ ان پر ندامت اور پریشانی کا پھل لگا' پھر بغیر جنوں کے دیوانے ہو گئے اور بلاوجہ گونگے اور غبی بن گئے حالانکہ وہ بڑے بلیغ و فصیح اور اللہ تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے عارف تھے' پھر جام صفا نوش کیا تو باوجود زیادتی مصیبت کے صبر کرتے رہے۔ پھر ان کے دل سیر عالم ملکوت کے مشتاق ہوئے اور پردہائے جبروت کے خفیہ امور میں فکر دوڑ آئے اور ندامت کے جھونپڑوں میں بیٹھ کر اپنے گناہوں کا صحیفہ پڑھنا شروع کیا تو نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے نفسوں پر خوف چھا گیا۔ یہاں تک کہ تقویٰ کی سیڑھی لگا کر زہد کی بلندی پر چڑھ گئے اور ترک دنیا کی تلخی شیریں اور بستر کی سختی نرم محسوس ہونے لگی۔ یہاں تک کہ نجات اور سلامتی کی کمند ان کے ہاتھ آئی اور ان کی ارواح اوپر چڑھتی چڑھتی بستان نعیم میں پہنچ گئیں اور انہوں نے دریائے حیات میں غوطہ لگایا اور ناامیدی و مایوسی کی خندقوں کو بند کیا اور ہوائے نفسانی کی پلوں سے پار اترے تو میدان علم میں پہنچ کر چشمہ حکمت سے سیراب ہوئے۔ پھر ہوشیاری کی کشتی پر سوار ہو کر نجات کا بادبان چڑھا دیا اور بحر سلامت میں لنگر اٹھا کر ساحل راحت اور عزت اور کرامت پر پہنچ گئے۔

فائدہ:۔ اتنا بیان کافی ہے اور یقین کیجئے کہ توبہ ضرور بالضرور مقبول ہوتی ہے۔

سوال:۔ یہ تو وہی ہے جو معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر توبہ کا قبول کرنا واجب ہے؟ ا۔

جواب:۔ ہم جس توبہ کا قبول ہونا واجب کہتے ہیں' وہ اس طرح کا وجوب ہے جیسے کوئی کہے کہ کپڑا اگر صابن سے دھویا جائے تو میل کا صاف ہونا واجب ہے یا پیاسا اگر پانی پیئے تو پیاس کا بجھنا واجب ہے یا پانی اگر مدت تک کسی سے روک لیا جائے تو پیاس لگنا واجب ہے۔ اگر ہمیشہ پیاسا رہے تو مر جانا واجب ہے۔ غرضیکہ اس واجب کے معنی

ضروری کے ہیں- معتزلہ کے مذہب کے مطابق ان امور میں کسی میں ایسا وجوب نہیں جیسے وہ لوگ اللہ تعالیٰ پر ثابت کرتے ہیں- وجوب سے ہماری مراد یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عبادت کو کفارہ گناہ بتایا ہے اور نیکی کو مٹانے والی برائی پیدا کی- جس طرح کہ پانی کو پیاس بجھانے کے لیے بتایا ہے اور اس کی قدرت سے اس کے خلاف کی بھی گنجائش ہے بشرطیکہ اس کی مشیت سابقہ ازلی میں بھی یونہی ہو- خلاصہ یہ کہ کوئی شے اللہ پر واجب نہیں مگر جس چیز پر اس کا ارادہ ازل میں ہو چکا ہے' اس کا ہونا بے شک واجب ہے-

ا- اس مسئلہ میں اہلسنت کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی شے واجب نہیں اس کا آسان مطلب یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم میں واجب ہے- 12 (اویسی غفرلہ)

سوال:- توبہ کرنے والوں میں سے تو ہر ایک کو قبولیت توبہ میں شک ہوتا ہے اور پانی پینے والے کو پیاس بجھنے میں کوئی شک نہیں ہوتا تو توبہ والا کیوں شک کرتا ہے؟

جواب:- وجہ شک یہ ہے کہ شرائط جو صحت توبہ کے لیے ضروری ہیں' ان کے وجود میں شک ہوتا ہے کہ توبہ کے ارکان اور شرائط دقیقہ جن کا بیان عنقریب آئے گا' تمام موجود ہوئے یا نہیں- یہ بھی ہے کہ تمام شرائط میں سے اکثر موجود نہیں ہوتیں' اس لیے قبولیت میں بھی شک ہوتا ہے-

مثال :- جلاب پینے والا دستوں کے متعلق شک کرتا ہے کہ معلوم آئیں گے یا نہیں- اس کا شک اسی وجہ سے ہوتا ہے کہ شرائط سہل کے باعتبار حال اور موسم کے پائے گئے یا نہ- کیفیت ترکیب دوا اور اسکے جوش دینے کی تجویز صحیح تھی یا نہیں- اسہال کی مفرد دوائیں سب اچھی تھیں یا نہ- اسی طرح کی باتیں توبہ میں بھی خوف دلا کر قبولیت میں شک ڈالتی ہیں- چنانچہ اس کی شرائط میں مذکور ہوگا- (ان شاء اللہ تعالیٰ)

کونسے اعمال سے توبہ واجب ہے :- سب کو معلوم ہے کہ گناہ سے توبہ واجب ہے- گناہ دو قسم کے ہیں (1) صغیرہ (2) کبیرہ اور یہ بھی سب جانتے ہیں کہ گناہ چھوڑنے کا نام توبہ ہے اور کسی چیز کا چھوڑنا اس وقت ممکن ہے جب وہ علم میں ہو اور چونکہ توبہ واجب ہے تو جس چیز سے توبہ کے درجے کو پہنچتے ہیں' وہ بھی واجب ہے- اس سے معلوم ہوا کہ گناہوں کا پہچاننا واجب ہے- گناہ اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے سے امر الٰہی کی مخالف پائی جائے اور اس کی تفصیل اس کی مقتضی ہے کہ تمام احکام الٰہی کو ابتداء سے انتہاء تک بیان کیا جائے حالانکہ ہمارا یہ مقصد نہیں' اسی لیے بطریق اجمال ہم گناہ کے اقسام تین بیانوں میں لکھ دیتے ہیں-

باعتبار صفات مجرمین کے گناہوں کی اقسام :- اسی احیاء العلوم کی جلد اول کے باب عجائب قلب میں لکھا گیا ہے کہ انسان کے اوصاف و اخلاق بہت ہیں مگر یہ گناہ وجود میں آتے ہیں' وہ چار صفات پر منحصر ہیں- (1) ربوبیت (2) شیطانیت (3) بہیمیت یعنی جانور ہونا (4) درندگی-

اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ خمیر انسانی مختلف اخلاط سے ہوا ہے' اس لیے ہر ایک خلط انسان میں اپنا اثر جداگانہ چاہتی ہے۔

مثال :۔ سکنجبین اگر شکر اور سرکہ اور زعفران سے تیار کیا جائے تو اس میں ہر ایک کا اثر جدا جدا ہوگا' اسی طرح ان چاروں صفات کا اثر جدا جدا ہوتا ہے۔

صفت ربوبیت ان امور کی متقضی ہے۔ (1) کبر (2) فخر (3) جابر ہونا (4) محبت مدح (5) ثنا (6) عزت (7) غنا (8) محبت ہمیشہ کی (9) تمام مخلوق پر بلندی چاہنا۔ یہاں تک کہ گویا وہ کہتا ہے انا ربکم الاعلیٰ "میں ہوں رب تمہارا' سب سے اوپر" لیکن انسان میں ایسے صفات سے ایسے گناہ کبیرہ سرزد ہوتے ہیں کہ اسے ان کی خبر بھی نہیں ہوتی اور ان کو گناہوں میں شمار بھی نہیں کرتے حالانکہ وہ بڑے مہلک اور اکثر گناہوں کی جڑ ہوتے ہیں۔ چنانچہ انہیں مکمل طور پر ہم اسی احیاء العلوم کی جلد ثالث میں لکھ چکے ہیں۔

صفت 2 :۔ شیطانی اس صفت سے یہ امور سرزد ہوتے ہیں۔ حسد اور سرکشی' حیلہ اور مکر' جھگڑے اور بری بات کا حکم کرنا۔ اسی میں داخل ہے کھوٹا پن' نفاق' بدعت کی طرف بلانا اور گمراہی۔

صفت 3 :۔ بہیمی جانور ہونا ہے۔ اس سے یہ قباحتیں سرزد ہوتی ہیں۔ شدت حرص اور طمع اور شہوت شکم و شرمگاہ کے پورا کرنے کی خواہش اسی کی شاخ ہیں۔ زنا' غلام' چوری' مال یتیم کھانا اور شہوت کے لیے مال حرام جمع کرنا۔

صفت 4 :۔ سبعی دور زندگی ہے۔ اس سے یہ برائیاں سرزد ہوتی ہیں۔ غضب' کینہ' لوگوں پر مار پیٹ اور گالی دینا' قتل کرنا' کسی کا مال کھانا یا ضائع کرنا اور اس میں سے بھی کئی گناہ سرزد ہوتے ہیں۔

فائدہ :۔ گناہوں کا مبداء و منبع عصیاں یہی چار چیزیں ہیں۔ پھر ان میں سے اعضاء پر گناہ پھیل جاتے ہیں تو بعض گناہ خاص دل سے متعلق ہیں مثلاً کفر و بدعت' نفاق اور لوگوں کی برائی دل میں رکھنا وغیرہ اور بعض آنکھ اور کان سے متعلق ہیں اور بعض شکم و شرمگاہ سے اور بعض ہاتھوں اور پاؤں سے متعلق ہیں اور بعض تمام بدن سے متعلق۔ چونکہ یہ تمام واضح ہیں' اس لیے ان کی تفصیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

گناہ کی اقسام :۔ گناہ دو قسم کے ہیں۔ (1) وہ جو اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان ہیں۔ (2) بندوں کے حقوق سے متعلق ہیں جو گناہ حقوق اللہ تعالیٰ سے متعلق ہیں' وہ یہ ہیں نماز' روزہ اور واجبات خاص کا ترک اور وہ جو حقوق العباد سے متعلق ہیں' وہ یہ ہیں زکوۃ نہ دینا' کسی کو قتل کرنا' مال چھین لینا اور گالی دینا۔ خلاصہ یہ کہ جو شخص کسی غیر کا حق مارتا ہے یا اس کے نفس یا عضو یا مال یا آبرو یا دین یا جاہ کو ضائع کرنا چاہتا ہے اور دین کا ضیاع یہ ہے کہ اسے بہکا کر بدعت کی طرف راغب اور گناہوں کی طرف مائل کرے اور ایسے اسباب کا موجب ہو کہ جن سے اللہ تعالیٰ پر جرات کرنے لگے جیسے بعض واعظوں کا دستور ہے کہ رجاء یعنی امید کو خوف پر اتنا غلبہ دکھلاتے ہیں کہ انسان گناہ پر

دلیر ہو جاتا ہے۔ غرضیکہ جو گناہ بندوں سے متعلق ہیں' ان میں بہت دشواری ہے اور جو اللہ اور بندے کے درمیان ہیں (بشرطیکہ شرک نہ ہو) ان میں عفو کی توقع ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔ سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے الدواوین ثلاثۃ دیوان یغفر و دیوان لا یغفر و دیوان لا یترک "نامہ اعمال تین ہیں۔ ایک بخشا جائے گا' دوسرا نہ بخشا جائے گا اور تیسرا چھوڑا نہ جائے گا۔" (احمد و حاکم)

فائدہ :- دیوان اول سے مراد وہی گناہ ہیں جو بندے اور اللہ کے درمیان ہیں۔ دوسرا دیوان شرک کا ہے اور تیسرا دیوان حقوق العباد کا ہے کہ ان کی بازپرس ضرور ہوگی۔ یہاں تک کہ صاحب حق خود معاف کرے۔

صغیرہ و کبیرہ کی بحث :- گناہ صغیرہ اور کبیرہ کی تعریف میں علماء کرام کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ صغیرہ کوئی گناہ نہیں بلکہ جس میں مخالفت امر الٰہی ہوگی' وہ کبیرہ ہے۔ یہ قول ضعیف ہے' اس لیے کہ وجود گناہ صغیرہ کا کلام اللہ اور احادیث مبارکہ سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان تجتنبوا کبائر ما تنهون عنه نکفر عنکم سیاتکم و ندخلکم مدخلا کریما (النساء 31) ترجمہ کنز الایمان : اگر بچتے رہو کبیرہ گناہوں سے جن کی تمہیں ممانعت ہے تو تمہارے اور گناہ ہم بخش دیں گے اور تمہیں عزت کی جگہ داخل کریں گے۔ یتجنبون کبائر الاسم والفواحش الا اللمم (النجم 32) ترجمہ کنز الایمان : بڑے گناہوں اور بے حیائوں سے بچتے ہیں مگر اتنا کہ گناہ کے پاس گئے اور رک گئے۔

احادیث مبارکہ :- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ الصلوۃ الخمس والجمعۃ الی الجمۃ یکفرن ما بینھن ان اجتنب الکبائر "پانچوں نمازیں اور جمعہ دوسرے جمعہ تک مٹا دیتی ہیں ان کے گناہوں کو جو ان کے درمیان ہوں' اگر اجتناب کیے جائیں بڑے گناہوں سے۔" (مسلم شریف)

حدیث شریف میں ہے کہ کفارات لما بینھمن الا الکبائر "جو ان اوقات کے درمیان ہیں' یہ امور ان کا کفارہ بنیں گے سوائے کبیرہ گناہوں کے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر بن العاص روایت کرتے ہیں کہ الکبائر الاشراک باللّٰہ وعقوق الوالدین وقتل النفس وایمین الغموس "کبیرہ گناہ شرک کرنا اور ماں باپ کی نافرمانی اور قتل نفس اور جھوٹی قسم ہے۔"

کبائر کی شمار :- صحابہ اور تابعین کو کبائر کی گنتی میں چار سے لے کر سات اور نو اور دس تک اور اس سے زیادہ تک اختلاف ہے۔ حضرت ابن مسعود ﷺ چار بتلاتے ہیں۔ حضرت ابن عمر ﷺ سات کہتے ہیں۔ عبداللہ بن عمر ﷺ نو فرماتے ہیں۔ حضرت ابن عباس ﷺ کو جب معلوم ہوا کہ حضرت ابن عمر گناہ کبیرہ سات فرماتے ہیں تو آپ فرماتے کہ ستر کہنا بہ نسبت سات کے قریب بصواب ہے اور یہ بھی حضرت ابن عباس ﷺ کا قول ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ نے منع

فرمائی ہے' وہ کبیرہ ہے۔ بعض کا قول ہے کہ جس گناہ پر اللہ تعالیٰ نے دوزخ سے ڈرایا ہے' وہ کبیرہ ہے۔ بعض کا قول ہے کہ جس گناہ پر دنیا میں حد واجب ہوتی ہے' وہ کبیرہ ہے اور بعض نے فرمایا کہ اس کی کوئی شمار نہیں۔ جیسے لیلتہ القدر اور جمعہ کی ساعت مبہم معین نہیں' ایسے ہی ان کی شمار بھی معین نہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے رجب کبائر کی شمار کا ایک سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ سورۃ النساء کے شروع سے پڑھو۔ تیس (30) آیت تک پڑھتے جاؤ یہاں تک کہ یہ آیت آجائے۔ ان تجتنبو اکبائر ما تنھون الخ (النساء 31) ترجمہ کنزالایمان : کبیرہ گناہوں سے جن کی تمہیں ممانعت ہے تو تمہارے اور گناہ ہم بخش دیں گے ۔ تو جتنے امور سے اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کے شروع سے اس آیت تک منع فرمائے ہیں' وہ کبیرہ ہیں۔

حضرت ابو طالب مکی فرماتے ہیں کہ کبیرہ گناہ چودہ ہیں۔ میں نے احادیث سے اور اقوال حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے اکٹھے کیے ہیں۔ چار تو دلی ہیں یعنی اللہ کا شریک کرنا اور گناہوں پر اصرار کرنا اور اللہ کی رحمت سے ناامید ہونا اور اس کے عذاب سے بے خوف ہونا اور چار متعلق بزبان ہیں۔ اول جھوٹی گواہی دینا' دوسرے پارسا مرد کو گالی دینا یعنی تہمت زنا لگانا' تیسرے جھوٹی قسم کھانا جسے یمین غموس کہتے ہیں اور اس کی تعریف یہ ہے کہ اس سے ناحق کو حق اور حق کو ناحق کرنا مدنظر ہو۔

فائدہ :۔ بعض نے غموس کی یہ تعریف لکھی ہے کہ جس سے کسی مسلمان کا مال ناحق علیحدہ کرنا مدنظر ہو' خواہ پیلو کی مسواک ہی ہو یا اس سے بھی کم و بیش۔ غموس اس لیے کہتے ہیں کہ غموس کے معنی غوطہ دینے والے کے ہیں گویا یہ قسم اپنے مرتکب کو دوزخ میں غوطہ دیتی ہے۔ چوتھے جادو اور اس کی تعریف یہ ہے کہ جو کلام کسی انسان کے جسم کو اصلی خلقت سے بدل دے اور تین پیٹ سے متعلق ہیں۔ اول شراب پینا اور شراب میں ہر ایک نشے کی چیز داخل ہے۔ دوم مال یتیم کا ظلم سے کھانا' سوم دانستہ سود کھانا اور دو متعلق شرمگاہ ہیں۔ زنا اور اغلام اور دو ہاتھوں سے متعلق ہیں یعنی قتل اور چوری اور ایک پاؤں کے متعلق ہے یعنی جنگ میں لشکر سے بھاگنا اسی طرح ایک مقابل بھاگ جائے اور دس' بیس سے اور ایک متعلق تمام بدن سے ہے یعنی والدین کی نافرمانی۔ اس طرح کہ اگر وہ کسی بات پر قسم کھائیں تو بیٹا ان کی قسم پوری نہ کرے۔ اگر کچھ چاہیں تو ان کی حاجت پوری نہ کرے۔ اگر برا کہیں تو ان کو مارے اور بھوکے ہوں تو کھانا نہ دے۔

فائدہ :۔ یہ قول ابو طالب اگرچہ قریب ہے مگر تشفی اس سے بھی نہیں ہوتی' اس لیے کہ اس سے کمی بیشی بھی ہو سکتی ہے۔ مثلاً اس قول کی رو سے سود کھانا اور مال یتیم کھانا گناہ کبیرہ ہے اور یہ گناہ متعلق بمال ہے اور گناہ متعلق بہ نفس سے صرف قتل کو کبیرہ لکھا ہے۔ آنکھ پھوڑ دینا اور ہاتھ کاٹنا اور دیگر اقسام عذاب اہل اسلام کو نہیں لکھا۔ اسی طرح یتیم کا مال مارنا اور اسے عذاب دینا مثلاً اس کا ہاتھ یا کوئی عضو کاٹ ڈالنا بڑا گناہ کبیرہ ہے' بہ نسبت یتیم کے مال کھانے کے۔ علاوہ ازیں حدیث شریف میں گناہ اس کو بھی لکھا ہے کہ ایک گالی کے بدلے دو دے یا کسی مسلمان کی

آبرو میں دست درازی کرے اور یہ تہمت زنا سے علاوہ ہے۔

فائدہ :- حضرت ابو سعید خدری و دیگر صحابہ کرام علیہم الرضوان کا قول ہے کہ تم لوگ ایسے عمل کرتے ہو جو تمہاری نظروں میں بال سے زیادہ باریک ہیں لیکن ہم لوگ ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں گناہ کبیرہ سمجھتے تھے۔ بعض کا قول یہ ہے کہ جو گناہ آدمی عملاً کرے' وہ کبیرہ ہے اور جو اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے' وہ کبیرہ ہے۔ یہ اقوال ہیں لیکن اگر کوئی شخص عملاً چوری کے متعلق معلوم کرنا چاہے کہ یہ کبیرہ ہے یا نہیں' اسے اس کا حال اچھی طرح معلوم نہ ہوگا جب تک کہ کبیرہ کے معنوں سے آگاہ نہ ہو جائے کہ اس سے کیا مراد ہوتی ہے۔ جیسے کوئی کہے کہ چوری حرام ہے یا نہیں تو جب تک حرام کے معنی نہ مقرر ہوں گے' اس وقت تک اس پر حکم نہیں کر سکتے یا یہ معلوم ہو کہ جو گناہ حرام میں ہوتا ہے' وہ چوری میں بھی داخل ہے تو اس صورت میں اس پر حکم حرمت کا ہو سکتا ہے۔

فائدہ :- خلاصہ یہ کہ لفظ کبیرہ لغت میں لفظاً مبہم ہے اور شرع میں بھی اس کا کوئی معنی خاص نہیں' اس لیے کہ کبیرہ اور صغیرہ امور اضافی میں سے ہیں جو گناہ ہے' وہ بعض کی بہ نسبت کبیرہ ہو سکتا ہے اور بعض کی نسبت صغیرہ یعنی اگر اس کے اوپر کی جانب دیکھو گے تو چھوٹا معلوم ہوگا اور اس سے کمتر کو دیکھو گے تو بڑا معلوم ہوگا مثلاً اجنبی عورت کے سامنے سونا زنا کی نیت سے۔ اسے صرف آنکھ سے دیکھنے کی بہ نسبت زیادہ ہے اور مسلمان کا ہاتھ کاٹنا' مار پیٹ کی بہ نسبت بڑا ہے اور قتل کی بہ نسبت چھوٹا ہے۔ علاوہ ازیں اصطلاح میں کوئی حرج نہیں ہو سکتا ہے کہ کوئی ایسے گناہوں کو جن پر وعدہ عذاب دوزخ ہے' کبیرہ کہے اور اس کی وجہ یہ بیان کرے کہ چونکہ آتش دوزخ کی سزا بہت بڑی ہے' اس لیے وہ گناہ کہ جس سے یہ سزا ملے' وہ بھی بڑا ہوا یا یوں کہے کہ جو گناہ موجب حد ہیں' وہ کبیرہ ہے۔ اس وجہ سے کہ جو سزا دنیا میں ملتی ہے وہ واجب اور بڑی سزا ہے یا یوں کہے کہ جو گناہ قرآن مجید میں مذکور ہیں' وہ کبیرہ ہیں' اس لیے کہ ان کے ذکر کی تخصیص قرآن میں ہوئی' ان کی عظمت کی دلیل ہے۔ پھر ان کی عظمت اور بڑائی میں بھی فرق اضافی ہوگا کیونکہ کلام مجید کی منصوص چیزوں میں فرق درجات موجود ہے اور کبیرہ کی تعریف میں جو اقوال صحابہ ہیں' وہ بھی کچھ ایسے ہیں جیسے یہ اقوال بیان ہوئے' ان احتمالات پر ان کا مطابق کرنا بعید نہیں اور قرآن مجید میں حکم ہے۔ ان تجتنبوا کبائر ما تنھون عنہ نکفر عنکم سیاتکم (پ 5_ النساء 31) ترجمہ کنزالایمان : کبیرہ گناہوں سے جن کی تمہیں ممانعت ہے تو تمہارے اور گناہ ہم بخش دیں گے اور تمہیں عزت کی جگہ داخل کریں گے۔

حدیث شریف میں ہے الصلوۃ کفارات لما بینھن الا الکبائر "وہ امور جو ان کے درمیان واقع ہوئے' یہ اوقات ان کے کفارہ ہیں سوائے کبائر کے۔"

فائدہ :- ثابت ہوا کہ کبیرہ کا معنی معلوم کرنا نہایت ضروری ہے ورنہ تعمیل حکم کس طرح ہوگی۔

گناہ کبیرہ کی تحقیق:۔ اس بارے میں تحقیق یہ ہے کہ باعتبار شریعت کے گناہوں کی تین قسمیں ہیں۔ (1) وہ جن کا کبیرہ ہونا معلوم ہے۔ (2) وہ جو صغیر میں شمار ہیں۔ (3) وہ جن میں حکم شرعی معلوم نہیں تو ایسے مشکوک اور مبہم گناہ کے دریافت کرنے کے لیے کسی تعریف جامع اور مانع کے ملنے کی توقع ناممکن کی طمع کرنے کے مترادف ہے' اس لیے کہ یہ جب ہی ممکن تھی۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں کچھ وارد ہوتا یعنی آپ فرما دیتے کہ ہماری مراد کبائر سے دس یا پانچ چیزیں ہیں اور پھر ان کی تفصیل فرماتے کہ وہ یہ ہیں اور چونکہ اس طرح نہیں ہوا بلکہ بعض روایات میں کبائر کا شمار تین اور بعض میں سات واقع ہیں اور پھر یہ وارد ہے کہ ایک گالی کے بدلے دو گالی دینا منجملہ کبائر کے ہے حالانکہ یہ نہ ان تین میں داخل ہیں' نہ سات میں۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کو اس کا حصر کسی شمار خاص میں منظور نہیں' پس جب شارع علیہ الصلوۃ السلام نے اس کی شمار نہیں کی تو دوسرے کو گنتی کی طمع کیسے ہو سکتی ہے۔

فائدہ:۔ شاید شارع علیہ السلام نے اس کی گنتی اس لیے معنی نہ کی کہ انسان کبیرہ سے ڈرتے ہیں اور اس کے خوف سے صغیرہ پر بھی عجلت نہ کریں۔ جیسے شب قدر کو مبہم اس لیے کر دیا ہے کہ لوگ اس کے لیے محنت کریں۔ ہاں یوں ہو سکتا ہے کہ اجناس اور اقسام کبائر کو تو بتلا دیا جائے اور اس کے جزئیات کو غلبہ ظن اور تخمین سے سمجھایا جائے اور جو سب سے بڑا گناہ کبیرہ ہے' اس کی بھی تعریف کر دیں لیکن جو سب صغیروں میں چھوٹا گناہ ہے' اس کی تعریف اور اس کی آگاہی نہیں ہو سکتی۔ اس کی تقریر یہ ہے کہ ہمیں دلائل شرعی اور انوار بصیرت دونوں سے معلوم ہے کہ مقصود سب شریعتوں کا یہ ہے کہ مخلوق کو اللہ تعالیٰ کا قرب میسر ہو اور سعادت دیدار الٰہی نصیب ہو لیکن جب تک وہ لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کو اور کتابوں اور رسولوں کو نہ پہچانیں گے' اس وقت تک یہ سعادت حاصل نہ ہو سکے گی۔ اس آیت میں اسی طرف اشارہ وما خلقت الجن و الانس الا لیعبدون (الذاریات 56) ترجمہ کنز الایمان: اور میں نے جن اور آدمی اتنے ہی ہے بنائے کہ میری بندی کریں۔ جن و انس کی تخلیق کی غرض یہ ہے کہ وہ میرے بندے ہو جائیں اور بندہ اس وقت بندہ ہوتا ہے جب اپنے مالک کی ربوبیت اور اپنے آپ کی بندگی کو پہچاننے اور اپنے رب کو اور اپنے نفس کو بھی ضرور جانے۔ رسولوں کے بھیجنے سے مقصود اصلی اور عمدہ و اعلیٰ یہی ہے لیکن یہ مقصود بغیر حیات دنیوی کے پورا نہیں ہو سکتا اور یہی مراد ہے اس حدیث سے الدنیا مزرعۃ الاخرۃ "دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔" (طبرانی) اس سے معلوم ہوا کہ دنیا کی حفاظت بھی دین کی تابعداری میں ہے' اس لیے کہ دنیا وسیلہ ہے دین کا۔

فائدہ:۔ وہ اشیاء دنیا جو متعلق باخرت ہیں' وہ دو ہیں۔ (1) جان (2) مال۔ مال تو مقصود اصلی کے پہنچنے کے لیے تین چیزوں کا حفظ مراتب ہو۔ 1۔ معرفت الٰہی کی حفاظت دلوں پر۔ جان کی حفاظت لوگوں کے پاس اور انہیں چیزوں پر تفریق گناہ کی بھی ہے یعنی سب سے بڑا کبیرہ گناہ وہ ہے جو معرفت الٰہی کا مانع ہو اور اس سے کم وہ جو جان میں لوگوں

کے خلل انداز ہو اور اس سے کم وہ ہے جس سے باب معیشت کہ اسی پر مدار حیات ہے' بند ہو جائے اور یہ تین باتیں ایسی ہیں کہ کسی ملت میں اختلاف نہیں ہو سکتا' اس لیے کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ کسی پیغمبر کو بھیجے اور اس کے بھیجنے سے دنیا و دین میں اصلاح خلق کا ارادہ کرے اور پھر اس کو ایسی بات کا حکم کر دے جو اس کی معرفت اور اس کے رسولوں کی معرفت کا مانع ہو یا جانیں یا اموال کے تلف ناحق کا حکم فرمائے۔

فائدہ :- اس سے معلوم ہوا کہ مراتب کبائر تین ہیں- اول وہ جو معرفت الٰہی اور معرفت رسول نہ ہو' وہ کفر ہے اور اس سے بڑھ کر کوئی کبیرہ نہیں کیونکہ حجاب جو اللہ اور بندے کے درمیان ہے' وہ جہالت اور جس ذریعے سے کہ قرب الٰہی ہوتا ہے' وہ علم و معرفت ہے اور جس قدر معرفت ہوتی ہے' اسی قدر قرب ہوتا ہے اور جتنا جہالت ہوتی ہے' اتنا ہی دوری ہوتی ہے اور قرب بجہالت (جسے کفر بھی کہتے ہیں) سے بے خوف ہونا عذاب خداوندی ہے اور ناامید ہونا اس کی رحمت سے کیونکہ یہ باتیں بھی عین جہالت ہیں' اس لیے کہ جو اللہ تعالیٰ کو جانتا ہے' اس سے یہ نہیں ہوگا کہ اس کے عذاب سے بے خوف ہو یا اس کی رحمت سے ناامید ہو اور اسی مرتبہ کے قریب اقسام بدعت ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات و افعال سے متعلق ہیں' ان میں سے بعض ایک دوسرے سے سخت ہیں اور ان فرق اتنا جتنا ان سے جاہل رہنے میں ہے اور جس قدر کہ ان کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات پاک اور اس کی شریعتوں اور اوامر اور نواہی سے ہے اور ان کے مراتب بے شمار ہیں- قرآن میں تین قسمیں مذکور ہیں- (1) قطعاً" معلوم ہے کہ جو کبائر قرآن شریف فلاں امور مذکورہ ہے- (2) معلوم ہے کہ کبائر مذکورہ قرآن معنوں میں داخل ہیں- (3) جس کے کبائر ہونے قرآنی احکام داخل ہونے میں شک ہے اور اس قسم میں سے شک کا دور کرنا ایک طمع لاحاصل ہے- دوسرا مرتبہ کبائر کا تعلق جانوں سے ہے کیونکہ جان کے باقی رہنے سے زندگی کا قیام ہے اور زندگی کی معرفت حاصل ہوتی ہے تو لانا قتل کرنا بھی کبیرہ ٹھہرا مگر کفر کی بہ نسبت کم ہے' اس لیے کہ کفر سے اصل مقصود فوت ہوتا ہے اور قتل سے ذریعہ مقصود جاتا رہتا ہے- اس لیے کہ حیات دنیاوی وسیلہ معرفت الٰہی ہے اور قتل سے اس کا ضائع کرنا ہے اور قریب بقتل ہاتھ پاؤں کا کاٹ ڈالنا یا اور کسی فعل کا جو ہلاک تک پہنچائے حتیٰ کہ زدوکوب سے ہلاک کرے گا تو کبیرہ ہوگا مگر قتل عمد شدید تر ہے اور باقی افعال جو ہلاکت کا موجب ہو جائیں' متفاوت ہیں- کسی میں شدت زیادہ ہے' کسی میں کم اور اسی مرتبہ میں حرمت زنا اور اغلام بھی داخل ہے- اغلام تو اس وجہ سے حرام ہے کہ اگر بالفرض تمام آدمی قضائے شہوت بے ریش مردوں میں پوری کرنے لگیں تو نسل انسانی منقطع ہو جائے گی تو جس طرح کہ وجود انسان کا نابود کرنا کبیرہ ہے' ویسے ہی نسل انسانی کا انقطاع بھی کبیرہ ہوگا۔

فائدہ :- زنا سے اگرچہ اصل مقصد نسل نابود نہیں ہوتا مگر نسب غلط ضرور ہو جاتا ہے.اور ایک دوسرے سے وراثت بھی جاتی رہتی ہے اور آپس میں مددگار ہونا دیگر امور کہ انہیں سے نظم زندگی وابستہ ہے' سب بیکار ہو جاتے ہیں بلکہ زنا اباحت کی صورت میں زندگی کا نظم و نسق برباد ہو جاتا ہے- جانور میں تو نظم و نسق ہوتا ہی نہیں۔

فائدہ:- اس سے معلوم ہوا کہ جس شریعت سے اصلاح مقصود ہو' اس میں زنا ہرگز مباح نہیں ہو سکتا۔ اس کا قتل سے مرتبہ کم ہے کیونکہ اس سے نہ دوام وجود میں خلل ہے' نہ اصل وجود کا مانع مگر یہ نسل کو ضائع کرتا ہے اور ایسے اسباب کا سبب بنتا ہے جو کشت و خون کے موجب ہوں اور اغلام کی نسبت اس کا مرتبہ سخت ہے کیونکہ جوش شہوت زنا میں دونوں طرف سے ہوتا ہے' اسی لیے اس کا وقوع کثرت سے ہے اور ضرر بھی زیادہ ہے۔ تیسرا مرتبہ اموال کا ہے کہ مخلوق کی معیشت کے اسباب ہیں تو جائز نہیں کہ انسان دوسرے کا مال جس طرح چاہے کھا جائے یا چھین یا کسی اور طریقہ سے لے بلکہ ان کی حفاظت بھی ضروری ہے کہ نفوس بقا انہیں سے ہے۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ مال اگر کوئی لے لیتا ہے تو اس کا واپس کرنا ممکن ہے۔ اگر کھا لے تو کھائے ہوئے مال کے دام لے سکتا ہے تو اس لحاظ سے مال کے لینے میں کوئی عظمت نہیں پائی جاتی۔ ہاں اگر مال یوں لیا جائے کہ تدارک مشکل ہو جائے تو اس وقت وہ کبیرہ گناہ ہے۔

غیر کے مال لینے کی صورتیں:- اس کی چار صورتیں ہیں۔ (1) چھپا کر لے' اسے چوری کہتے ہیں۔ اس میں عدم اطلاع کی وجہ سے تدارک نہیں ہو سکتا۔ (2) مال یتیم کھانا یعنی اگر ولی یا اور کوئی سرپرست جس کے پاس یتیم کا مال امانت ہے' کھا جائے تو یہ بھی پوشیدہ صورت میں داخل ہے۔ پس کا کبیرہ گناہ ہے کیونکہ اس مال کا حقدار سوائے یتیم کے اور کوئی نہیں اور وہ صغر سنی کی وجہ سے باعث مدعی نہیں ہو سکتا اور نہ اسے اطلاع ہے بخلاف غصب اور خیانت کے۔ اس لیے کہ غصب تو علانیہ ہوتا ہے اور خیانت میں مالک مال مدعی ہو کر اپنا حق امانت دار سے لے سکتا ہے' اس لیے ان کو کبیرہ نہیں کہہ سکتے ہیں۔ (3) جھوٹی گواہی سے کسی کا مال ضائع کرنا۔

شراب کی حرمت کی عقلی دلیل:- جس طرح انسان کو اپنی ذات کی حفاظت ضروری ہے' ایسے ہی اپنی عقل کی حفاظت بھی لازم ہے بلکہ نفس سے بھی بڑھ کر اس لیے کہ عقل کے بغیر انسان بہائم سے بھی بدتر اور زبوں حال ہو جاتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ کسی فعل کا ارتکاب کر کے اپنی عقل کو ضائع کرنا بھی کبیرہ گناہ ہے۔ (حرام ہے)

سوال:- ایک قطرہ شراب سے تو عقل زائل ہوتی نہیں۔ شریعت میں شراب کا ایک قطرہ بھی حرام ہے۔ اگر کوئی ایک پیالہ پانی میں قطرہ شراب ملا تو اسے یوں کہو کہ چونکہ پانی پلید ہو گیا ہے' اسی لیے نجس پانی پینا حرام ہوا نہ کہ شراب کا قطرہ حرام کہا جائے کیونکہ زیادہ پانی میں ایک قطرہ شراب کی کیا حیثیت ہے تو پھر اسے گناہ کبیرہ بھی نہ کہا جائے؟

جواب:- شرع نے جب اس پر حد مقرر کی ہے تو اس میں آخر خرابی ہے تو حد واجب ہے۔ اسی شرعی اعتبار سے یہ کبیرہ گناہ ہے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ شرعی جملہ امور اور ان کے رموز و اسرار سے ہر انسان واقف ہو۔ جب اسلامی اجماع ہو چکا کہ اس کے پینے سے حد واجب ہے تو ہمیں سر تسلیم خم کرنا چاہیے۔ کسی کو سمجھ نہ آئے تو وہ

توقف کرے۔ اس میں ٹوہ لگانے کا کوئی فائدہ نہیں۔

حد قذف کا راز :۔ بہتان تراشی کر کے ایک باعزت انسان کی آبروریزی' مال چھین لینا' چوری کر لینا' اس پر سزا ہے۔ اگرچہ آبروریزی میں وہ حال نہیں جو مال کے نقصان میں ہے لیکن عزت کا نقصان تو ہے' اس لیے اس کی حد چوری کی حد سے کم مقرر ہوئی۔

حد کے مراتب :۔ شرعی حد کے کئی مراتب ہیں۔ سب سے بڑھ کر زنا کی حد کا مرتبہ ہے اور زنا کی تہمت لگانا بھی بہت برا ہے۔ اسی لیے اعلیٰ مرتبہ پر حد اعلیٰ ہے اور کم مرتبہ پر سزا کم ہے۔ اسی لیے صحابہ کرام علیہم الرضوان ان جرائم کو کبیرہ گناہ میں شمار کرتے تھے جن میں حد قائم ہوتی ہے۔

نتیجہ :۔ اس سے نتیجہ نکالنا آسان ہو گیا ہے کہ حد قذف کا کفارہ نماز پنج گانہ نہیں ہو سکتی' اس لیے کہ اس کا کفارہ حد ہے۔

نکتہ :۔ جس گناہ کا کفارہ نماز پنج گانہ نہ ہو' اس میں شرعی حکم اختلاف پذیر ہے اس لیے کہ حد زنا کے لیے چار گواہ ضروری ہیں' اس سے ثابت ہوا کہ زنا فی نفسہ سزا کی حیثیت سے اتنا عظیم مرتبہ نہیں ورنہ اس کا ثبوت ایک گواہ سے بھی ہو جاتا ہے اور ایک گواہ سے ہی زانی کو سزا دی جاتی لیکن ایک گواہ اگرچہ عادل ہو' زنا کی حد ثابت نہیں بلکہ دنیوی لحاظ سے اسے کف لسان کرنا ہو گا ورنہ اسے حد قذف لگائی جائے گی۔ اسی لیے وہ گواہی تب دے جب اس کے ساتھ اور تین گواہ ہوں۔ اس سے واضح ہوا کہ گناہ کی حد سخت سہی لیکن ثبوت کے لحاظ سے اس کی سختی نرم پڑ جاتی ہے۔

جادو کی سزا :۔ جادو میں اگر کفر کی باتیں نہ ہوں تو گناہ کبیرہ ہے' پھر اس کے گناہ کی بڑائی اتنا ہو گی جتنا اس کا ضرر ہو گا۔ زیادہ ضرر پہنچے گا تو کبیرہ گناہ بھی بڑا ہو گا ورنہ مراتب کے لحاظ سے کم۔ ایسے ہی جنگ سے بھاگنا اور ماں باپ کی نافرمانی بھی قیاس کی رو سے توقف ضروری ہے ورنہ ظاہر ہے کہ زنا کے سوا باقی گناہ زنا کی طرح کبیرہ نہیں۔ مثلاً کسی کو گالی دینا' مارنا' ظلم کرنا' مال چھین لینا' گھر سے نکال دینا' وطن یا شہر کی اقامت سے دور کر دینا کبائر میں سے نہیں یعنی زنا والے مرتبہ کے کبائر ورنہ کبائر تو ہیں ہی۔ اسی لیے بعض نے زنا کے مرتبہ کے گناہ کے صرف سترہ کبیرہ گناہ بتائے ہیں اور مذکورہ بالا امور ان سترہ میں داخل نہیں۔ اسی معنی پر جنگ سے بھاگنا' ماں باپ کی نافرمانی کو کبیرہ کہنے میں توقف چاہیے۔ (یعنی انہیں کبیرہ کا مرتبہ وہ مرتبہ نہیں جو زنا وغیرہ کا ہے)

ہاں حدیث شریف مذکورہ بالا میں گناہوں کو کبیرہ گناہ کہا گیا ہے۔ اسی اعتبار سے انہیں بھی کبیرہ کہنا چاہیے۔

ودیعت (امانت) وغیرہ کو جھوٹی قسم سے حاصل کرنا۔ یہ چاروں صورتیں ایسی ہیں کہ ان میں تدارک ناممکن ہے ورنہ ان کی حرمت میں شریعت کے احکام میں تبدیلی آسکتی ہے یعنی یہ جوں کی توں رہیں گی' ہاں ان میں بعض

دوسرے بعض سے بڑھ کر ہیں۔ ان سب میں مرتبہ دوم جسے جان سے تعلق ہے' بڑی ہیں باقی سب اس سے کم ہیں۔ اگرچہ ان کی بعض ہیں' شریعت نے حکم وجوب کی حد مقرر نہیں فرمائی لیکن چونکہ ان چاروں کے بارے میں وعیدیں بہت وارد ہیں اور دنیوی امور کے نظم و نسق میں بھی انہیں بڑی تاثیر ہے' اسی لیے ان کا کبیرہ گناہوں میں شامل ہونا نہایت ضروری ہے۔

مسئلہ :۔ سودی مال سے کچھ کھانے میں گناہ کی کچھ تخفیف اس لیے ہے کہ اس میں مال والے کی رضا شامل ہے لیکن چونکہ شریعت نے جو حد مقرر کی ہے' اس میں خلل واقع ہوتا ہے' اسی لیے اسے گناہ کبیرہ میں شامل کیا گیا (اگرچہ مال والے کی اجازت ہے)

فائدہ :۔ جس شرعی مسئلہ کی یہی نوعیت ہو (کہ کسی کی رضا ہو لیکن حد شرع کے خلاف ہوتا ہے) اس میں تخفیف ہوگی۔

سوال :۔ مال غصب میں باوجود یہ کہ دونوں باتیں اس میں موجود ہیں (مال کے عدم رضا اور شرع کی حد توڑنا) لیکن کبائر میں نہیں جبکہ سود میں ایک بات رضا کی ہے۔ دوسری بات حد شرع کو توڑنا ہے' پھر یہ کیوں کبائر میں داخل ہے؟

جواب :۔ چونکہ سود کے متعلق شرع نے بڑی زجر و توبیخ فرمائی ہے' اسی لیے یہ کبائر میں سے ہے۔

سوال :۔ غصب و خیانت میں بھی تو شرع میں بہت بڑی زجر و توبیخ ہے تو یہ جواب صحیح نہ ہوا؟

جواب :۔ واقعی کسی کا دمڑی پیسہ بھی غصب کرے تو بھی کبیرہ ہے لیکن یہ صغیرہ بامعنی ہے کہ سود کے مرتبہ میں سے کم ہے اور قاعدہ علم کلام یہ ہے کہ ہر اعلیٰ کے بعد ادنیٰ اگرچہ فی نفسہ کبیرہ ہو لیکن اوپر والے کی نسبت سے صغیرہ ہے تو یہ ایک اصطلاحی اختلاف ہے ورنہ سود بھی کبیرہ ہے اور غصب و خیانت بھی۔

مسئلہ :۔ حضرت ابو طالب (صاحب قوت القلوب) کے نزدیک کسی کو گالی دینا' شراب خوری' سحر' صف جہاد سے فرار' والدین کی نافرمانی یہ تمام کبائر گناہ ہیں۔ شراب اس لیے کبیرہ ہے کہ شرع پاک میں اس کے متعلق بڑی وعیدیں وارد ہیں اور عقلی لحاظ سے بھی ثابت ہوتا ہے۔

وہ اقسام جن کا نماز کفارہ نہیں بن سکتی :۔ یقینی طور پر معلوم ہو کہ نماز اس عمل کا تدارک نہ کرے۔ (2) نماز اس کا تدارک کر سکے۔ (3) اس کے تدارک ہونے نہ ہونے میں توقف کرنا چاہیے جس میں توقف ہے' وہ دو قسم کے ہیں :۔ (1) جن اعمال کے متعلق کبیرہ ہونے میں غالب گمان ہو کہ واقعی وہ کبیرہ گناہ ہیں۔ (2) مشکوک ہیں یعنی کے کبیرہ ہونے میں شک ہے اور یہ شک بھی ایسا ہے کہ قرآن و حدیث کے نص صریح کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتا

لیکن اب نص حدید کہاں سے آئے کیونکہ (وحی نبوت کا سلسلہ ختم ہے) اسی لیے اس کا شک رفع نہ ہو سکے گا۔

سوال :۔ آپ کی تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ گناہ کبیرہ کی جامع تعریف اب محال ہے تو پھر جن چیزوں کی تعریف شرعی نہیں تو پھر اس سے حکم شرعی کیسے بیان کیا جا سکتا ہے؟

جواب :۔ جن گناہوں (اعمال) پر حکم کا اجرا ہے۔ شک تو انہیں بھی ہے یعنی اس کے لیے صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ گناہ ہے یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ قیامت میں اس کی سزا کتنی ہے۔ اس اعتبار سے اس پر حکم مبہم رہا۔ ہاں دنیا میں چند گناہ ایسے ہیں جن پر حد مقرر ہے۔ مثلاً چوری' زنا وغیرہ وغیرہ۔ یہ بھی سزا کی حیثیت سے ہے لیکن یہ تو یقین نہیں کہ قیامت میں ان کی کتنی سزا ہوگی۔ ہم نے اس قسم کو بھی یہی کہا ہے کہ نماز پنج گانہ ان کے لیے کفارہ ہو سکتے ہیں۔ توقف ہے کہ واللہ اعلم کفارہ ہو سکتی ہے یا نہیں کیونکہ یہ آخرت سے متعلق ہے' اسی لیے اسے مبہم سمجھا جائے تاکہ عوام اس میں خوف و خطر میں رہیں۔ ان کے بخشے جانے کے لیے نماز پنج گانہ پر سہارا نہ کرے کہ نماز ان گناہوں کا کفارہ ہو جائے گی۔

سوال :۔ ان تجتنبوا کبائر ما تنہون عنه نکفر عنکم سیاتکم (پ 5_ النسا 31) (ترجمہ کنزالایمان : پہلے گزرا سے ثابت ہوتا ہے کہ کبیرہ گناہوں سے بچنا صغیرہ گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے؟

جواب :۔ یہ قاعدہ عام نہیں بلکہ اس شرط سے مشروط ہے کہ باوجود قدرت و ارادہ کے کبائر سے اجتناب کرے مثلاً کوئی کسی عورت پر قابو پا کر اس سے زنا کر سکتا ہے مگر اپنے نفس پر غلبہ پا کر زنا سے بچ جائے۔ اس میں دو گناہ بالمقابل ہوئے صغائر کہ بیگانی عورت کو دیکھنا اور اس سے بوس و کنار وغیرہ کرنا لیکن اس سے زنا کرنے کی قدرت کے باوجود (زنا کبیرہ گناہ) سے بچ جانا' یہ کبیرہ صغیرہ کا کفارہ ہو سکے گا۔ یہی مطلب ہے اس مضمون کا کہ ایک عمل دوسرے عمل کا کفارہ ہو سکتا ہے۔

مسئلہ :۔ کوئی شخص نامرد ہو (جو کسی عورت پر زنا کرنے پر قابو پا گیا) یا کسی دوسری وجہ ہو جس سے زنا سے بچ گیا تو ایسی صورت میں زنا صغیرہ کا کفارہ نہ ہو سکے گا۔

مسئلہ :۔ جو شخص شراب کی خواہش نہیں رکھتا یہاں تک کہ اگر شراب مباح بھی ہو جائے تب بھی نہ پیئے گا تو ایسے شخص کا شراب سے بچنے سے صغیرہ گناہوں کا کفارہ نہ ہوگا۔

مسئلہ :۔ جو مزامیر (گانے بجانے) کی خواہش نہ رکھنے والے کا ایسے امور گانے بجانے سے بچ جانا صغائر کا کفارہ نہ ہوگا۔

مسئلہ :۔ جو شخص کہ شراب کی خواہش رکھتا ہے اور مزامیر کو بھی سننا چاہتا ہے مگر مزامیر سے تو باز نہیں آتا اور

شراب کو نفس کشی کر کے نہیں پیتا تو شراب خوری سے اجتناب کرنا غالب گمان یہ ہے کہ اس کے دل سے اس تاریکی کو دفع کر دے جو سماع سے دل پر آئی ہے اور یہ سب احکام اخروی ہیں۔

فائدہ :۔ ہو سکتا ہے کہ ان میں سے بعض محل شک میں باقی رہیں اور متشابہات کی قسم میں داخل ہوں کہ جن کی تفصیل بغیر نص کے معلوم نہ ہو اور نص میں گنتی اور تعریف جامع کبیرہ کی کچھ نہیں بلکہ الفاظ مختلفہ سے مذکور ہے۔

حدیث :۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک نماز دوسری تک کا کفارہ ہوتی ہے اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک کا کفارہ ہوتا ہے' سوائے تین گناہوں کے۔ (1) شرک (2) ترک سنت (3) نقض عہد۔ صحابہ نے پوچھا کہ ترک سنت و نقصان عہد سے کیا مراد ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جماعت سے نکل جانا تو ترک سنت ہے اور نقض عہد یہ ہے کہ کس سے بیعت کرے اور پھر اس سے لڑے۔ (حاکم) غرض اس طرح کے الفاظ احادیث میں وارد ہیں کہ نہ شمار کو محیط ہیں اور نہ تعریف جامع حاصل ہوتی ہے تو ظاہر ہے کہ مبہم ہی رہے گا۔

سوال :۔ شہادت اسی کی قبول ہوتی ہے جو کبائر سے بچے اور قبول شہادت میں صغیرہ گناہوں سے بچنا شرط نہیں اور قبول شہادت ایک دنیوی حکم ہے اور آپ نے کہا تھا کہ کبیرہ پر کوئی حکم دنیوی متعلق نہیں؟

جواب :۔ شہادت کا نہ قبول ہونا کبیرہ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہو سکتا ہے کہ صغیرہ گناہ سے بھی کسی کی شہادت معتبر نہ ہو مثلاً جو شخص مزامیر سنے اور ریشم پہنے اور سونے کی انگوٹھی ہاتھ میں رکھے اور چاندی' سونے کے برتنوں میں کھائے پیئے تو تمام آئمہ کے نزدیک اس کی گواہی قبول نہ ہوگی۔ حالانکہ ان چیزوں میں سے کوئی بھی کسی کے نزدیک کبیرہ نہیں۔

مسئلہ :۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی حنفی شراب پیئے تو میں اس کو حد ماروں گا مگر اسی کی شہادت کو رد نہ کروں گا۔ اس مسئلہ میں حد لگانے کے اعتبار سے تو شراب کو کبیرہ ٹھہرایا مگر اس کی شہادت کو رد نہیں فرمایا۔

فائدہ :۔ اس سے معلوم ہوا کہ شہادت کا قبول کرنا یا نہ کرنا منحصر بہ صغیرہ کبیرہ نہیں بلکہ ہر قسم کے گناہ چھوٹے ہوں یا بڑے انسان کی عدالت کے منافی ہیں' بجز ایسی باتوں کے جہاں سے انسان حسب عادت بچ نہیں سکتے۔ جیسے غیبت کرنا اور دوسرے کی برائی کی تلاش کرنا اور بدگمان ہونا اور بعض باتوں میں جھوٹ بولنا اور غیبت سننا اور امر معروف اور نہی منکر کو ترک اور شبہات کی چیزوں کا کھانا اور لڑکے اور غلام کو گالی دینا اور غصہ کے وقت ضرورت مصلحت سے زیادہ مارنا اور ظالم بادشاہوں کی تعظیم کرنا اور بدکاروں سے دوستی کرنا اور زن و فرزند امور دینی ضروری کی تعلیم سے سستی کرنا وغیرہ وغیرہ یہ سب اس قسم کے گناہ ہیں کہ ہر ایک میں ان میں سے تھوڑے یا بہت زیادہ لائے پائے جاتے ہیں۔ سوائے اس کے جو صرف آخرت کو مدنظر رکھ کر لوگوں سے گوشہ نشینی اختیار کرے اور مدت تک نفس

کے ساتھ مجاہدہ کرے۔ یہاں تک کہ اگر پھر لوگوں میں آکر رہے تب بھی ویسا ہی رہے۔ جیسا خلوت میں تھا تو ایسا شخص اس قسم کے گناہوں سے خالی ہو سکتا ہے۔

فائدہ :۔ اگر گواہی میں ایسے لوگوں کے قول کا اعتبار ہو تو اول تو ملنا مشکل ہے' دوسرے احکام اور شہادت کے قوانین ختم ہو جائیں گے۔ خلاصہ یہ کہ ریشم پہننا اور مزامیر سننا اور شطرنج کھیلنا اور شراب خواروں کے پاس بوقت شراب خواری بیٹھنا اور اجنبی عورتوں کے ساتھ علیحدہ رہنا' اسی طرح کے صغیرہ اسی قسم میں داخل نہیں۔

فائدہ :۔ اسی اعتبار سے چاہیے کہ قبول شہادت اور رد شہادت میں نہ کبیرہ پر نظر کی جائے نہ صغیرہ پر ہاں یہ ضروری ہے کہ ان صغائر میں سے بھی اگر کوئی کسی پر مواظبت اور اصرار کرے گا تو رد شہادت میں اس گناہ اثر پڑے گا۔ مثلاً اگر کوئی لوگوں کی غیبت و عیب جوئی کو اپنی عادت بنائے یا بدکاروں کی صحبت پر اصرار کرے تو اس کی شہادت معتبر نہ ہو گی۔

مسئلہ :۔ صغیرہ گناہ پر مواظبت و اصرار سے وہ کبیرہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح امر مباح اصرار سے گناہ صغیرہ ہو جاتا ہے۔ جیسے کوئی شطرنج کھیلنے یا راگ گانے پر اصرار و مداومت کرے تو یہ صغیرہ ہوں گے۔

انتباہ :۔ شطرنج کھیلنا مذہب امام شافعی میں مباح ہے اور چونکہ امام غزالی مذہب شافعی کے مقلد تھے' اسی لیے مثال میں شطرنج کو لکھا اور حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس قسم کے تمام کھیل حرام ہیں جیسے کتب فقہ میں تفصیل ہے۔ (اضافہ اویسی غفرلہ)

درجات جنت و عذاب دوزخ کے مراتب کا مدار اعمال پر :۔ اس عنوان کا خلاصہ "جیسی کرنی ویسی بھرنی" یا یوں کہو کہ "جتنا گڑ ڈالو گے اتنا میٹھا ہو گا" یعنی جنت کی جزاء و سزا حسنات اور سیئات پر ہو گی۔ واضح ہو کہ دنیا عالم ظاہر کا نام ہے اور آخرت عالم اسرار و غیب کو کہا جاتا ہے۔ دنیا سے ہماری مراد انسان کی قبل موت کی حالت ہے اور آخرت سے مراد وہ حالت ہے جو بعد موت ہو گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ دنیا و آخرت انسان کی دو حالتیں ہیں۔ ان میں سے قریب کو دنیا کہتے ہیں اور اس سے بعد والی کو آخرت۔ اب ہم دنیا کے ذکر کے بعد آخرت کا ذکر کرتے ہیں یعنی اب اگرچہ ہم دنیا کے متعلق گفتگو کریں گے لیکن ہماری غرض یہ ہے کہ بیان آخرت یعنی عالم اسرار کا کریں' اس لیے کہ بیان عالم باطن کا عالم ظاہر میں بغیر مثال بیان کرنے کے نہیں ہو سکتا' اسی لیے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ وتلک الامثال نضربها للناس وما یعقلها الا العالمون (العنکبوت 43) ترجمہ کنزالایمان : اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے بیان فرماتے ہیں اور انہیں نہیں سمجھتے مگر علم والے۔

فائدہ :۔ دنیا کی زندگی آخرت کے بالمقابل ایسی ہے جیسے آدمی کا خواب بالمقابل بیداری کے۔ حدیث شریف میں ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الناس نیام فاذا ماتوا انتبهوا "لوگ نیند میں ہیں جب مریں گے تب

بیدار ہوں گے۔"

فائدہ :- جو بات بیداری میں ہوتی ہے' وہ جب خواب میں نظر آتی ہے تو اس کی تعبیر کی حاجت ہوتی ہے۔ اسی طرح آخرت کے جو حالات ہوں گے' وہ دنیا میں بطور مثال ظاہر ہو سکتے ہیں یعنی خواب کی طرح ان کی پہچان بھی سوائے تعبیر کے نہیں ہو سکتی۔ بطور نمونہ تعبیر خواب کی تین حکایات بیان کرتے ہیں تاکہ ثابت ہو کہ خواب میں کس طرح اصل حقیقت معلوم ہوتی ہے۔

حکایت 1 :- ایک شخص نے حضرت ابن سیرین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ میں خواب دیکھا ہے کہ میرے ہاتھ میں مہر ہے۔ اس سے میں لوگوں کے چہرہ اور شرمگاہوں پر مہر کرتا ہوں۔ آپ نے تعبیر فرمائی کہ تو موذن ہے' تیرا خواب بتاتا ہے کہ تو رمضان میں صبح صادق ہونے سے پہلے اذان دیتا ہے۔ اس نے عرض کیا کہ آپ سچ فرماتے ہیں۔

حکایت 2 :- ایک شخص نے عرض کیا کہ میں نے خواب میں تیل تلوں میں ڈال رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تو نے اگر کوئی لونڈی خریدی ہو تو اس کا حال دریافت کر' وہ تیری ماں معلوم ہوتی ہے کیونکہ تیل کی اصل تل ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تو اپنی اصل یعنی ماں کے پاس جاتا ہے۔ اس نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ اس کی لونڈی واقع میں اس کی ماں ہے۔

حکایت 3 :- کسی نے پوچھا کہ میں نے دیکھا ہے کہ میں موتیوں کے ہار سوروں کی گردن میں پہناتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تو حکمت کی باتیں نااہلوں کو سکھاتا ہے۔ واقع میں یہ بھی ایسا تھا۔

فائدہ :- ان تعبیرات سے معلوم ہوتا ہے کہ مثل کو کس طرح بیان کیا جاتا ہے۔ مثل سے ہماری مراد یہ ہے کہ اگر اس کو باعتبار مصداق اور مفہوم کے دیکھا جائے تو صحیح اور درست ہو۔ اگر اس کی ظاہری صورت پر خیال کریں تو جھوٹی ہو مثلاً اس کی تعبیر میں' اگر موذن صرف ظاہر کی انگوٹھی کو دیکھتا اور اس سے مہر کرنا سمجھتا تو اس خواب کو جھوٹا سمجھتا کیونکہ ایسا فعل اس سے کبھی صادر نہیں ہوا تھا لیکن اس کے مفہوم اور مصداق کو دیکھا تو سچ تھا کیونکہ مہر کرنے کا اصل مقصد رزک دینا ہوتا ہے جس کا یہ موذن مرتکب ہوا تھا اور چونکہ انبیاء علیہم السلام کو حکم ہے کہ لوگوں سے ان کی عقل کے مطابق کلام کریں اور لوگوں کا اندازہ عقل یہ ہے کہ وہ سوئے ہوئے ہیں اور سوئے ہوئے کو جس چیز کا انکشاف اس شے کی مثال سے ہوتا ہے۔ اس لیے انبیاء علیہم السلام بھی لوگوں سے مثال کے طور پر گفتگو کرتے ہیں جس سے اصل معنی وہ لوگ سمجھ جائیں۔ اگرچہ لفظوں کا مطلب کچھ اور ہوتا ہے۔ ایسے ہی مرنے کے بعد جب لوگ جاگیں گے تو معلوم ہوگا کہ ان کا فرمان بجا تھا اور اس سے غرض صحیح فلاں چیز تھی۔ حدیث شریف میں ہے :- قلب المومن بين اصبعين من اصابع الرحمن ترجمہ : "مومن کا دل رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان

ہے۔" اللہ تعالیٰ کی انگلیاں ایک ایسی مثال ہیں جسے علماء کرام کے سوا اور کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ جاہل کی سمجھ تو صرف ظاہر الفاظ تک ہے' اس لیے کہ وہ اس کی تفسیر سے جسے تاویل کہتے ہیں' سے بالکل ناواقف ہے اور خواب کی تفسیر کو تعبیر کہتے ہیں اور حدیث و قرآن کی تفسیر امثال کا نام تاویل ہے۔ تاویل کی ناواقفیت کا ثمرو نتیجہ جاہل کے لیے یہ ہوتا ہے کہ وہ الفاظ حدیث کے مطابق اللہ تعالیٰ کے ہاتھ اور انگلیاں قرار دیتا ہے۔ (معاذ اللہ) ایک حدیث میں ہے ان اللہ خلق آدم علی صورتہ ترجمہ: "اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی صورت پر بنایا۔"

فائدہ:- جاہل صرف ظاہر کی شکل و صورت و رنگ سمجھ کر اللہ تعالیٰ کو بھی ویسے ہی سمجھتا ہے۔ اس کا ظاہری معنی ہے حالانکہ وہ ان تمام باتوں سے منزہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ صفات الٰہی میں لغزش کھا گئے۔ یہاں تک کہ کلام الٰہی کو از قبیل حرف و آواز سمجھ گئے۔ اسی طرح دوسری صفات کو قیاس کرنا چاہیے اور امر آخرت میں جو مثالیں حدیث میں وارد ہیں۔ دہریئے ان کی تکذیب کرتے ہیں' اس لیے کہ وہ ظاہر الفاظ پر اڑ گئے ہیں۔ اسی لیے ان میں تناقض پایا جاتا ہے۔ مثلاً حدیث شریف میں ہے یوتی بالموت یوم القیمۃ فی صورۃ کبش املح فیذبح ترجمہ: "قیامت کے روز موت کو سفید مینڈھے کی صورت پر لا کر اسے ذبح کریں گے۔" (بخاری و مسلم بروایت ابو سعید ﷺ) دہریہ احمق اور ملحد اسے نہیں مانتا بلکہ وہ انبیا کی تکذیب کرتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ موت ایک عرض یعنی قائم بالغیر ہے اور مینڈھا جسم ہے تو عرض کا جسم ہونا محال ہے۔

کمیونسٹ کی تردید:- خداوند قدوس نے ان بیوقوفوں کو اپنے اسرار کی معرفت سے کوسوں دور رکھا ہے۔ چنانچہ فرمایا وما یعقلھا الا العالمون

فائدہ:- دہریہ جاہل یہ بھی نہیں جانتا کہ اگر کوئی کسی سے کہے کہ میں نے یہ خواب دیکھا ہے کہ ایک مینڈھا ہے کہ لوگ اس کو وباء کہتے ہیں اور وہ ذبح ہو گیا ہے' وہ سن کر جواب دے کہ تو نے اچھا خواب دیکھا ہے کہ وبا ایسی دفع ہو جائے گی کہ وہ پھر کبھی نہیں آئے گی کیونکہ ذبح کی ہوئی چیز کے واپس آنے سے ناامیدی ہو جاتی ہے تو اس مثال میں تعبیر دینے والا بھی سچا ہے اور خواب دیکھنے والا بھی سچا۔

فائدہ:- اس کی اصل یہ ہے کہ جو فرشتہ خواب پر موکل ہے اور سونے کے وقت ارواح کو لوح محفوظ کے امور سے مطلع کرتا ہے' اس نے جو بات لوح محفوظ میں تھی خواب والے کو مثال کی طرح سمجھا دی۔ اس لیے کہ نیند والے کو بغیر مثال سے سمجھانے کے ممکن نہ تھا تو اس کا مثال دینا صحیح تھا اور معنی بھی صحیح ہے۔ اسی طرح انبیا علیھم السلام بھی دنیا کے لوگوں سے آخرت کی باتیں مثال کے طور فرماتے ہیں کیونکہ دنیا بھی آخرت کے لیے حالت خواب کی طرح ہے۔ اگر مثال کے طور پر نہ فرمائیں تو آسانی سے معنی کہاں سے سمجھ آئیں گے۔

فائدہ:- اس طرح سمجھانا تو کمال حکمت خداوندی اور لطف و عنایت ہے کہ جو طریق سمجھنے کا آسان تھا' وہ انبیا علیھم

السلام نے سمجھا۔ حدیث بوتی بالموت میں اس بات کی مثال ہے کہ موت سے ایسے ناامیدی ہو جائے گی جیسے ذبح کی ہوئی شے سے ناامیدی ہوتی ہے۔ اسی طرح قرآن شریف میں کمل قدرت کو ان الفاظ سے بیان فرمایا کن فیکون "ہو جا تو ہو جاتا ہے" اور دل کی سرعت تبدیلی کو حدیث شریف میں ان الفاظ سے ارشاد فرمایا بین اصبعین من اصابع الرحمٰن ترجمہ: "اس لیے کہ دلوں پر کسی شے کی تاثیر اور معانی کا اس پر جم جانا۔" مثالوں سے خوب واضح ہوتا ہے۔ یہ بات دلوں کی فطرت میں داخل ہے اور ہم نے اس کی حکمت جلد اول (احیاء العلوم) کے باب قواعد العقائد میں لکھی ہے۔

اصل بحث:۔ یہ مقدمہ تھا' اب اصل مقصود کا آغاز ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ ہماری غرض یہ ہے کہ درجات جنت و طبقات دوزخ کی تقسیم بندوں کی حسنات و سیئات پر بغیر مثال کے سمجھنا ناممکن ہے تو جو مثال ہم بیان کریں اس سے معنیٰ اور مقصود سمجھنا چاہیے۔ صورت اور الفاظ سے کوئی غرض نہ ہو' اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ آخرت میں لوگوں کی بہت سی اقسام ہوں گی اور سعادت اور شقاوت میں ان کے درجات اور درکات میں اتنا تفاوت ہوگا کہ جس کا شمار نہیں ہو سکتا۔ جیسے لوگ دنیا کی سعادت و شقاوت میں مختلف ہیں اور اس بارے میں دنیا و آخرت کے مراتب میں کوئی فرق نہیں کیونکہ عالم ظاہر (ملک) اور ملکوں کا مدبر واحد لاشریک ہے اور اس کا طریق جو ارادہ ازلی سے ہوتا چلا آرہا ہے' وہ بھی یکساں ہے مگر چونکہ ہم درجات کے افراد کے شمار سے عاجز ہیں اس لیے اجناس کا حصہ لکھتے ہیں۔

قیامت میں لوگوں کی اقسام:۔ قیامت میں لوگ چار قسم پر منقسم ہوں گے۔ 1 تباہ کار (مجرم) 2 معذب (عذاب) 3 ناجی (نجات والے) 4 فائز (کامیاب) اس کی مثال دنیا میں یہ ہے کہ ایک بادشاہ کسی ملک کو مسخر کرکے بعض کو تو قتل کردے۔ یہ پہلے فرقے کی مثال ہے یعنی مجرم اور بعضوں کو مدت تک سزا میں مبتلا رکھے' یہ دوسرا فرقہ ہے اور بعض کو چھوڑ دے' یہ تیسرا فرقہ (ناجی) ہے اور بعض کو خلعت سے نوازے' یہ چوتھا فرقہ (فائز) ہے۔ پھر اگر بادشاہ عادل ہے تو یہ باتیں اس کی بلاوجہ نہ ہوں گی۔ قتل اس کو کرے گا جو اس کی سلطنت کا منکر اور اس کے دوست کا دشمن ہوگا اور ایذا اسی کو دے گا جسے اس کی سلطنت کا اقرار تو تھا مگر خدمت میں قصور کرتا تھا۔ (3) رہا اسے کرے گا جسے اس کے مرتبہ شاہی کا اقرار ہوگا مگر خدمت نہ کرنے سے نہ خلعت کا مستحق ہو اور نہ قصور خدمت سے مستحق عذاب ہو۔ (4) خلعت ایسے صاحبان کو دے گا جنہوں نے عمر بھر اس کی خدمت و نصرت میں بسر کی ہو۔

فائدہ:۔ قتل کے بھی مختلف درجات ہوں۔ بعض کی صرف گردن ماری جائے اور بعضوں کو ناک' کان' ہاتھ' پیر کاٹ کر ہلاک کیا جائے یعنی ان کے عناد و انکار کے درجات کے مطابق ان کا قتل بھی ہوگا۔ اسی طرح جن کو عذاب دیا جائے گا' ان کے درجات بھی فرق سے ہوں گے۔ کسی کو کم' کسی کو زیادہ' بعض کو تھوڑی دیر بعض کو بہت دنوں تک' کسی کو کسی طرح اور کسی کو کسی طور غرضیکہ بحسب تقسیم عذاب بھی متفرق ہوگا۔ اس صورت میں ظاہر ہے کہ ہر ایک مرتبے کے درجات بے حد و بے شمار ہیں۔

قیامت میں درجات :- قیامت میں ان چاروں کے درجات بے شمار ہوں گے۔ مثلاً فرقہ چہارم جو فائز یعنی کامیاب ہوں گے' ان کا کوئی جنت عدن میں کوئی جنت الماوئی میں' کوئی جنت الفردوس میں ہوں گے اور فرقہ معذب میں سے کوئی تھوڑے دن تک عذاب میں رہے گا' کسی کو ہزار برس' کسی کو سات ہزار برس۔ ایک شخص سب کے بعد دوزخ سے نکلے گا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے' اسی طرح فرقہ ہالک یعنی جو لوگ اللہ کی رحمت سے ناامید ہیں' ان کے درجات مختلف ہوں گے۔ غرض جس طرح کی طاعت اور سے ہوئی' اسی طرح کے درجات و درکات کے مستحق ہوں گے۔

کیفیت تقسیم درجات :- پہلا درجہ ہالکین' اس سے ہماری مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہوں کیونکہ مثال مذکورہ بالا سے بادشاہ نے جسے قتل کیا' وہ وہی تھا جو بادشاہ کی رضا و اکرام سے ناامید ہوا۔

انتباہ :- مثال کے معنی و مقصود سے غافل نہیں رہنا چاہیے اور آخرت میں ہالک وہی ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہیں اور وہ منکروں کا فرقہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے روگرداں ہو کر صرف دنیا کے ہو رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسل کرام اور اس کی کتابوں کو جھٹلاتے رہے اس لیے کہ سعادت اخروی کا مدار اللہ تعالیٰ سے قریب ہونے اور اس کے دیدار سے مشرف ہونے پر ہے اور اس نعمت عظمیٰ کا حصول بغیر اس معرفت کے ممکن نہیں۔ جس کو ایمان و تصدیق کہتے ہیں اور چونکہ وہ اس کی تکذیب و انکار کرتے رہے' اس رحمت سے ہمیشہ تک محروم رہیں گے اور پروردگار عالم اور انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی وجہ سے آیت مبارکہ انھم عن ربھم یومئذ محجبون کے مصداق بنیں گے۔ ظاہر ہے کہ جو اپنے محبوب سے جدا رہتا ہے' وہ ہمیشہ دلی آرزوں میں محجوب رہتا ہے۔ اسی لیے کافر آتش فراق الٰہی میں ہمیشہ جنم میں جلتے رہیں گے۔

فائدہ :- عارفین کا مقولہ ہے کہ ہمیں نہ آتش دوزخ سے خوف ہے' نہ حوران بہشت کی خواہش بلکہ ہمارا مطمع نظر تو دیدار الٰہی ہے اور گریز صرف حجاب سے۔ یہ بھی ان کا قول ہے کہ اللہ کی عبادت جو کوئی کسی غرض کی امید پر کرے' وہ خسیس طبع ہے یعنی اگر عبادت طلب جنت یا خوف دوزخ سے کرے تو وہ خسیس انسان ہے بلکہ عارفین اللہ کی عبادت اس کی ذات کے لیے کرتے ہیں۔ اس کی ذات کے علاوہ کسی کے طالب نہیں۔

نوٹ :- یاد رہے کہ عارفین باللہ کو نہ حوروں کی آرزو ہے اور نہ میوہ جات جنت کی تمنا ہوتی ہے اور نہ آتش دوزخ سے ڈرتے ہیں کیونکہ آتش فراق جب سینے میں شعلہ زن ہوتی ہے تو پھر اس آگ سے تمام جسم جل جاتا ہے۔ اسی آتش جنم کی صفت کو قرآن میں یوں بیان کیا گیا ہے۔ نار اللہ الموقدۃ التی تطلع علی الافئدۃ (پ 30_ الھمزے 7-6) ترجمہ کنز الایمان: اللہ کی آگ کہ بھڑک رہی ہے وہ جو دلوں پر چڑھ جائے گی۔

:- اور آتش دوزخ کا اثر تو صرف جسم پر ہوتا ہے لیکن دل کی جلن سے بدن کا رونگٹا رونگٹا درد و الم سے متاثر

ہوتا ہے۔ اس دل کی آگ کے سامنے آتش دوزخ کا کیا شمار۔ کسی شاعر نے خوب فرمایا وفی فواد المحب نار جوی احر نار الجحیم ابردھا ترجمہ "عاشق کے دل میں جو آگ شعلہ زن ہے' اس کے بالمقابل دوزخ کی شدید ترین گرم آگ بھی ٹھنڈی محسوس ہوتی ہے۔"

فائدہ :۔ آخرت میں اس حالت کا انکار کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ تو دنیا میں بھی دیکھی جاتی ہے بلکہ اس کی نظیر موجود بھی ہے۔ مثلاً غلبہ عشق میں عاشق آگ میں جلتا ہے اور کانٹوں پر چلتا ہے۔ وہ صدمہ دل کی وجہ سے اسے رنج جسی محسوس نہیں ہوتا۔ غصے والا حالت غضب میں میدان جنگ میں گھس جاتا ہے' وہ زخم کھاتا ہے مگر اسے تکلیف محسوس نہیں ہوتی کیونکہ غصہ کی دل میں ایک آگ ہوتی ہے۔ ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ حدیث شریف میں ہے الغضب قطعة من النار "غصہ آگ کا ٹکڑا ہے۔" (ترمذی) دل کی سوزش بدن کی سوزش کی بہ نسبت سخت ہوتی ہے۔

قاعدہ :۔ قاعدہ ہے کہ دو سخت کے ہوتے کمتر کا خیال نہیں رہتا۔ علاوہ ازیں آدمی جو آگ یا تلوار سے درد پاتا ہے تو صرف اس وجہ سے ہے کہ ان دونوں سے اس کے بدن کے ٹکڑے ہوئے جبکہ اس سے پہلے وہ پیوستہ تھے' علیحدہ ہو جانے کی وجہ سے درد محسوس ہوا۔ اسی طرح جس دل سے اس کا محبوب جدا ہو جائے۔

جن میں اجسام کی پیوستگی کی بہ نسبت زیادہ دل سے زیادہ اتصال ہوتا ہے۔ اس سے زیادہ درد ہوگا بشرطیکہ وہ ذی شعور و اہل بصیرت ہو اور جو دل ہی نہ رکھتا ہو' وہ اس رنج کی شدت کو کیا سمجھے گا اور جسم کی تکلیف کی بہ نسبت اسے حقیر تک کہے گا۔

مثال :۔ اگر کسی بچے کو اختیار دیا جائے کہ تو بادشاہت چھوڑ دے یا گیند بلا تو اسے بادشاہت چھوڑنے کا کوئی رنج نہ ہوگا بلکہ کہے گا کہ گیند لے کر میدان میں دوڑنا مجھے ہزار تخت شاہی سے بہتر ہے۔

مثال :۔ جس پر شہوت شکم غالب ہو' اسے کہا جائے کہ یا تو حلوا کھا کر یا ایسا کام کر جس سے دشمن مغلوب اور دوست راضی ہوں تو وہ حلوا کھانے کو ترجیح دے گا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اس میں وہ بات نہیں جس سے کہ جاہ و شوکت بہتر محسوس ہوتی ہے۔ اس میں صرف وہ بات موجود ہے جس سے کھانے کی لذت ہو۔

فائدہ :۔ یہ ایسے لوگوں کا حال ہوتا ہے جنہیں صفات بہیمی و سبعی کہ جاہ و شوکت بہتر محسوس ہوتی ہے۔ اس میں صرف وہ بات موجود ہے جس سے کھانے کی لذت ہو۔ یہ ایسے لوگوں کا حال ہے جنہیں صفات بہیمی و سبعی اپنا غلام بنالیتی ہے اور صفات ملائکہ جو ان کی ضد ہیں' ان میں ظاہر نہیں ہوتیں۔ ہاں جس میں صفات ملکی ہوتی ہیں تو وہ بغیر قرب الٰہی کے لذت نہیں پاتا اور نہ کوئی چیز سوائے بعد و حجاب کے اس کے لیے باعث رنج و ایذا ہوتا ہے۔

فائدہ :۔ جس طرح ہر عضو ایک صفت خاص کے لیے ہے۔ مثلاً زبان ذائقے کے لیے ہے اور کان سننے کے لیے'

اسی طرح یہ صفت قلب کے لیے ہے اور جسے قلب ہی نصیب نہیں‘ اسے قرب کی لذت اور جدائی کی کلفت کا ادراک کیسے ہوگا۔ کسی کے کان اور آنکھ نہ ہو تو اسے لذت آواز اور حسن صورت و رنگ محسوس نہیں ہو سکتی اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر انسان ایسا قلب رکھتا ہو۔ اگر تمام آدمیوں کو ایسا دل حاصل ہوتا تو اللہ تعالیٰ جل شانہ کا یہ ارشاد کیوں ہوتا ان فی ذلک لذکری لمن کان لہ قلب (پ 26_ق 37) ترجمہ کنزالایمان: بے شک اس میں نصیحت ہے اس کے لئے جو دل رکھتا ہو۔

فائدہ :۔ اس میں یہ ارشاد فرمایا کہ جو قرآن کی نصیحت نہ مانے‘ وہ گویا قلب نہیں رکھتا۔ ہماری مراد قلب سے وہ گوشت کا ٹکڑا نہیں جو سینے میں ہے بلکہ اس سے وہ لطیفہ مراد ہے جو عالم امر سے ہے اور یہ گوشت کہ عالم خلق سے ہے۔ اس لطیفے کا عرش ہے اور سینہ اس کی کرسی ہے اور تمام اعضا اس کی مملکت ہیں اور عالم خلق اور عالم امر دونوں اللہ تعالیٰ کے ہیں لیکن لطیفہ مذکور جس کی شان میں قل الروح من امر ربی (بنی اسرائیل 85) ترجمہ کنزالایمان : تم فرماؤ روح میرے رب کے حکم سے ایک چیز ہے وہ امیر اور سلطان ہے۔ اس لیے عالم امر اور عالم خلق میں ترتیب ہے اور اول دوسرے کا امیر ہے اور قلب وہ لطیفہ ہے کہ اگر وہ اچھا ہو تو تمام جسم اچھا ہوگا اور جو اسے پہچان لے‘ اس نے اپنے نفس کو پہچان لیا‘ جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ اس وقت سالک کے دماغ و جان میں ان معانی کی ادنیٰ جھلک پہنچے گی جو اس حدیث میں مراد ہے۔ ان اللہ خلق ادم علی صورتہ ترجمہ ”اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی صورت پر بنایا۔“

فائدہ :۔ جو لوگ اس حدیث کے ظاہر الفاظ کو اٹھائے ہوئے ہیں یا جو لوگ غلط تاویل میں بھٹکے ہوئے ہیں‘ دونوں کے حال پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے کہ دونوں فریق حقیقت امر سے محروم ہیں اور الفاظ ظاہری والوں پر اللہ زیادہ رحم فرمائے گا‘ اس لیے کہ گمان بقدر معیبت ہوا کرتا ہے اور جو لوگ کہ الفاظ ظاہر کے پابند ہیں‘ ان پر زیادہ محنت معیبت ہے اور حقیقت امر اللہ کا فضل اور حکمت ہے جسے چاہے عطا فرمائے‘ اس میں کسی کا اختیار نہیں۔

انتباہ :۔ ہم وہ مطالب شروع کر بیٹھے جو معاملات سے اعلیٰ ہیں حالانکہ ہمیں علم معاملات بیان کرنا مطمع نظر تھا۔ اب ان اعلیٰ مطالب کو چھوڑ کر علم معاملات کی طرف لوٹتے ہیں۔ اس بیان سے معلوم ہوا کہ یہ درجہ ہلاکت ان لوگوں کو ہوگا جو جاہل اور اللہ تعالیٰ کو جھٹلانے والے ہیں‘ فکر رد میں یہ کتاب اللہ اور احادیث میں دلائل زائد از حد شمار ہیں۔

مرتبہ 2 :۔ ان لوگوں کا ہے جن کو عذاب ہوگا۔ یہ وہ فرقہ ہے کہ اصل ایمان تو ان کے پاس ہے‘ ایمان کے مقتضا کے موافق عمل کرنے میں قصور کیا۔ مثلاً اصل ایمان توحید یعنی سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کی عبادت نہ کرنا‘ اب اگر کوئی اپنی خواہش نفس کا اتباع کرے تو اس کا معبود وہی خواہش ہوگی اور وہ شخص صرف زبان سے توحید کہتا ہے۔ اصل توحید اس کو حاصل نہیں‘ اصل توحید اس وقت نصیب ہوگی جب کلمہ لا الہ الا اللہ اور اس قول خداوندی قل اللہ ثم ذرھم فی خوضھم یلعبون (الانعام 92) ترجمہ کنزالایمان : اللہ کہو پھر انہیں چھوڑ دو انکی بے ہودگی میں انہیں

تکمیلک کا معنی ایک سمجھے' وہ اس طرح کہ غیر اللہ کو بالکل چھوڑ دے اور آیت ذیل کا معنی بھی وہی ہے۔ ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا (حم السجدہ 30) ترجمہ کنز الایمان: بے شک وہ جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر قائم رہے۔

فائدہ :۔ اس آیت میں سوائے توحید کے راہ راست پر استقامت بھی مذکور ہے اور چونکہ صراط مستقیم پر جس پر قائم ہونے سے توحید کامل ہوتی ہے' یہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے۔ جیسے پل صراط کے متعلق مشہور ہے' اسی لیے ہر ایک آدمی میں کچھ نہ کچھ غلطی راہ راست کے بارے میں ضرور ہوتی ہے کیونکہ ہر بشر کسی قدر خواہش نفس کا اتباع ضرور کرتا ہے اور اتباع خواہش نفس سے توحید کے کمال میں فرق آتا ہے جس قدر کہ آدمی کا میل راہ راست سے ہو' اسی قدر مقتضی اس امر کا ہے کہ درجات قرب میں بھی نقصان واقع ہو اور ہر نقصان کے ساتھ دو آگ لگی ہوئی ہیں۔ (1) آگ اس نقصان کی وجہ سے کمی ہو جائے گی۔ (2) آگ دوزخ جسے قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے۔

فائدہ :۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو راہ راست سے ہٹ جائے گا' اسے دوہرا عذاب دو طرح ہوگا مگر اس عذاب کی شدت اور ہلکا پن اور زیادہ دنوں تک عذاب میں رہنا یا کم مدت دو باتوں پر منحصر ہے۔ (1) ایمان کی قوت و ضعف پر (2) اتباع خواہش نفس کی کثرت و قلت پر کیونکہ ایک انسان پر اکثر طور ان دونوں باتوں میں سے ایک ضرور ہے۔ چنانچہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے وان منکم الا واردھا کان علٰی ربک حتما مقضیا ثم ننجی الذین اتقوا ونذر الظالمین فیھا جثیا (پ 16_ مریم 22'21) ترجمہ کنز الایمان: اور تم میں کوئی ایسا نہیں جس کا گزر دوزخ پر نہ ہو تمہارے رب کے ذمہ پر یہ ضرور ٹھہری ہوئی بات ہے پھر ہم ڈر والوں کو بچا لیں گے اور ظالموں کو اس میں چھوڑ دیں گے گھٹنوں کے بل گرے۔

فائدہ :۔ اسی لیے اکابر اسلاف خوف کرتے اور کہتے تھے کہ ہم اس وجہ سے ڈرتے ہیں کہ دوزخ آتش تو بموجب وعدۂ الٰہی یقیناً ہے اور اس سے نجات میں شک ہے۔

حکایت :۔ حضرت حسن نے جب یہ حدیث بیان کی کہ جس میں اس شخص کا حال ہے کہ دوزخ سے ہزار برس کے بعد نکلے گا اور یا حنان یا منان پکارے گا تو فرمایا کیا اچھا ہوتا کہ وہ شخص میں ہوتا یعنی اس کا نکلنا۔ دوزخ سے نکلنا تو ممکن ایک مدت کے بعد ہو۔

فائدہ :۔ یاد رہے کہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ سب سے آخر میں جو دوزخ سے نکلے گا' وہ سات ہزار سال کے بعد ہوگا۔ بعض ایک لمحہ ہی میں دوزخ سے پار ہو جائیں گے۔ روایات سے ثابت ہے کہ بعض بجلی کی طرح گزر جائیں گے اور ان کو ذرہ برابر بھی دوزخ میں توقف نہ ہوگا۔ لمحہ اور سات ہزار سال کے درمیان بہت سے درجات

ہیں۔ مثلاً لحظہ سے زیادہ پھر اس سے زیادہ دن اور پھر ہفتہ' پھر مہینہ اور سال وغیرہ تو مدت عذاب کا تفاوت' اس حساب سے بے حساب معلوم ہوتا ہے اور کمی زیادتی کا حال یہ ہے کہ عذاب کی شدت کی کوئی انتہاء نہیں اور ادنیٰ عذاب یہ ہے کہ حساب میں الجھا دیا جائے جیسے شاہان دنیا بعض کارندوں اہل تقصیر کو حساب میں تنگ کرتے ہیں پھر معاف بھی کر دیتے ہیں' کوڑے لگوا کر یا اور کسی طرح کے عذاب سے پھر چھوڑ دیتے ہیں اور سوائے ان دو اختلافات کے عذاب میں ایک اور اختلاف بھی ہے کہ وہ نہ مدت کا اختلاف ہے نہ شدت کا بلکہ قسم عذاب کا اختلاف ہے کہ کسی کو مثلاً جرمانہ کیا جائے اور کسی کا مال ضبط کیا جائے۔ کسی کی اولاد قتل کی جائے' کسی کی عورتیں لونڈی بنائی جائیں اور اس کے رشتہ داروں کو تکلیف دی جائے۔ زبان اور ہاتھ اور ناک' کان کاٹ ڈالے جائیں وغیرہ اسی طرح آخرت کے عذاب میں بھی اختلاف ہوگا۔ جیسا کہ دلائل شرعیہ سے واضح ہے مگر اختلاف عذاب کسب اختلاف قوت و ضعف ایمان و کثرت و قلت طاعات اور کمی بیشی گناہوں کے ہوگا' پھر جس قدر گناہوں کی برائی شدید اور زیادہ ہوگی' اسی قدر عذاب بھی شدید اور زیادہ ہوگا اور جس قسم کی خطا ہوگی' اسی قسم کا عذاب مختلف ہوگا۔

فائدہ:۔ ارباب کشف کو باوجود دلائل قرانیہ کے یہ امر نور ایمانی سے بھی منکشف ہوا ہے اور یہی مراد ہے اس آیت سے وما ربک لظلام للعبید (حم السجدہ 46) ترجمہ کنز الایمان: اور تمہارا رب بندوں پر ظلم نہیں کرتا اور اس آیت سے بھی الیوم تجزی کل نفس بما کسبت (المومن 17) ترجمہ کنزالایمان: آج ہر جان دینے کئے کا بدلہ پائے گی اور اس آیت سے بھی وان لیس للانسان الا ماسعٰی (النجم 39) ترجمہ کنزالایمان: اور یہ کہ آدمی نہ پائے گا مگر اپنی کوشش اور اس آیت سے بھی فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ (الزلزال 8-7) ترجمہ کنزالایمان: تو جو ایک ذرہ بھر بھلائی کرے اسے دیکھے گا اور جو ایک ذرہ بھر برائی کرے اسے دیکھے گا ان کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات و احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اعمال کی جزا و سزا ثواب و عتاب عدل کے ساتھ ہوں گے جس میں ظلم نہ ہوگا اور عفو و رحمت کی جانب کو ترجیح رہے گی جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے کہ سبقت رحمتی الا غضبی ترجمہ "بڑھ گئی میری رحمت سبقت کر گئی میرے غضب سے۔" اور اللہ نے فرمایا وان تک حسنۃ یضعفھا ویوت ملدنہ اجرا عظیما (النساء 40) ترجمہ کنزالایمان: اور اگر کوئی نیکی ہو تو اسے دونی کرتا اور اپنے پاس سے بڑا ثواب دیتا ہے۔

فائدہ:۔ اس سے معلوم ہوا کہ ارتباط درجات اور درکات کا حسنات اور سیئات سے دلائل شرعی اور نور معرفت دونوں سے کلیتاً ثابت ہے مگر تفصیل میں صرف ظن غالب ہے اور اس کی دلیل احادیث مبارکہ اور الہام ہے جو بچشم عبرت کے نور سے دل میں پیدا ہوتا ہے۔

نجات پانے والا ایک گروہ:۔ یاد رہے کہ جو شخص اصول ایمان کو مضبوط کر کے تمام کبائر سے اجتناب کرے اور تمام فرائض مثلاً ارکان پنج گانہ اسلام کو اچھی طرح ادا کرے اور اس کے ذمے صرف چند صغیرہ گناہ ہوں جن پر اس

نے اصرار نہ کیا تھا تو معلوم ہوتا ہے' اس سے صرف مناقشہ حساب ہوگا دیگر کسی قسم کا عذاب نہ ہوگا۔ حساب کے ہوتے حسنات کا پلڑا سیات سے بھاری ہو جائے گا کیونکہ احادیث میں ہے کہ نماز پنج گانہ اور جمعہ اور رمضان کے روزے درمیان کی خطاؤں کے کفارہ ہو جاتے ہیں اور کبائر سے بچنا تو قرآن سے ثابت ہے کہ صغائر کا کفارہ ہوتا ہے اور ادنیٰ درجہ کفارہ کا یہ ہے کہ اگر حساب دفع نہ ہوگا تو عذاب ضرور دفع ہوگا اور جس شخص کا یہ حال ہوگا' اس کا پلہ بھاری ہوگا تو قیاس یہ چاہتا ہے کہ بعد پلہ بھاری ٹھہرنے اور حساب سے فارغ ہونے کے بعد اسے سکون ملے گا۔

فائدہ :۔ زمرہ مقربین یا اصحاب میں ہونا اور جنت عدن یا فردوس میں داخل ہونا ایمان پر منحصر ہے اس لیے کہ ایمان کی دو قسمیں ہیں۔ (1) تقلیدی جیسے ایمان عوام ہے کہ جو کچھ سنتے ہیں' سچ جانتے ہیں اور ہمیشہ اسی پر رہتے ہیں۔ (2) ایمان کشفی جو نور الٰہی سے سینہ کھل جانے پر حاصل ہوتا ہے اور اس میں تمام اپنی اصل میں منکشف ہوتے ہیں۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ سب کا مرجع اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے' اس لیے کہ موجود سوا اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات و افعال کے اور کوئی نہیں تو اس قسم کے ایمان قیامت میں مقرب ہوں گے اور ملاء الا اعلیٰ سے نہایت درجہ کا قرب رکھتے ہوں گے اور فردوس اعلیٰ میں ان کا مقام ہوگا' پھر ان کے بہت سے اصناف ہوں گے۔ بعض آگے بڑھتے ہوئے ہوں گے غرضیکہ جتنا ان کی معرفت میں فرق ہوگا اتنا ہی ان کے قرب میں فرق ہوگا۔ معرفت میں عارفین کے درجات بے حد و بے شمار ہیں' اس لیے کہ جلال خداوندی کی کنہ کو معلوم کرنا ناممکن ہے' اس کی معرفت دریائے ناپید کنار ہے جس کا ساحل ہے' نہ تھا۔ پھر اس میں جو لوگ غوطے لگاتے ہیں۔ وہ اپنی طاقت کے موافق ہاتھ پاؤں مارتے ہیں یا جس قدر کہ ازل میں ان کے نام لکھ دیتے ہیں' اس قدر بہرہ یاب ہوتے ہیں۔ چونکہ طریق الی اللہ کے منازل بے انتہا ہیں تو سالکین کے درجات بھی بے انتہا ہوں گے۔

فائدہ :۔ جو شخص ایمان تقلیدی رکھتا ہوگا' وہ اصحاب یمین کے زمرہ میں تو ہوگا مگر اس کا درجہ مقربین کے درجے سے کم ہوگا۔ پھر اصحاب یمین کے بھی بہت مدارج ہوں گے۔ ان کا اعلیٰ مرتبے والا مقربین کے ادنیٰ درجے والے کے قریب قریب ہوگا۔ یہ حال اس کا ہے جس نے تمام کبائر سے اجتناب کیا اور تمام فرائض کو یعنی پانچوں ارکان اسلام نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ' کلمہ شہادت ادا کیا۔ اب اس شخص کا حال سنئے جس نے ایک یا زیادہ کبیرہ گناہ کیے اور بعض ارکان اسلام کو چھوڑ دیا ہو۔ ایسا شخص اگر موت سے پہلے توبہ خالص کرلے گا تو ایسا ہوگا جیسے پہلا شخص تھا جس نے کبیرہ نہیں کیا تھا۔ اس لیے کہ التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ ترجمہ "گناہ سے توبہ کرنے والا ایسے ہے جیسے جس کے ذمہ گناہ نہ ہو۔"

نکتہ :۔ کپڑا دھونے بعد میلا نہیں رہتا گویا سرے سے میل اس پر لگا ہی نہ تھا۔ اگر گناہ کا مرتکب توبہ سے پہلے مر گیا تو موت کے وقت برے خاتمہ کا خوف ہے کیونکہ اگر اس گناہ کے اصرار پر موت واقع تو بعید نہیں کہ ایمان لغزش کھا جائے اور انجام خراب ہو' خصوصاً جب ایمان تقلیدی ہو کہ تقلید اگرچہ پختہ ہوتی ہے مگر ادنیٰ شبہہ اور معمولی

خیال سے ایمان کمزور ہو جاتا ہے لور عارف یعنی اہل بصیرت پر خاتمے کے بگڑنے کا خوف نہیں۔

مسئلہ :۔ یہ دونوں اگرچہ ایمان پر مریں گے تو اگر گناہ معاف نہ ہوں گے تو حساب کی بازپرس کے علاوہ عذاب بھی ہوگا اور اس عذاب کی کثرت بقدر زیادتی مدت اصرار کے ہوگی اور شدت بحسب کبائر کے برائی کی اور قسم عذاب کا اختلاف موافق اختلاف خطاؤں کے ہوگا اور مدت عذاب کی پوری ہونے کے بعد مومن مقلد تو اصحاب یمین کے درجات میں مل جائے گا اور عارف اہل بصیرت اعلیٰ علیین میں چلا جائے گا۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص سب سے آخر میں دوزخ سے نکلے گا' اس کو ساری دنیا کے دس گنہ کے برابر بہشت میں جگہ ملے گی۔

ازالہ وہم :۔ اس سے ظاہری پیمائش نہ سمجھی جائے کہ مثلاً اگر دنیا ایک ہزار کوس ہو تو اسے دس ہزار کوس زمین ملے گی۔ دراصل مثال بیان کرنے کے طریق سے ناواقفیت کی وجہ سے غلط فہمی ہوتی ہے۔ اسے یوں سمجھنا چاہیے کہ مثلاً کوئی کہے کہ اس نے اونٹ لیا اور اس کا دس گنا اسے دیا جائے یعنی اگر اونٹ دس روپیہ کا تھا تو اس کو سو روپے دیئے لور اگر اس سے مثل ہی سمجھے تو ظاہر ہے کہ سو روپیہ اونٹ کے دسویں حصے کے بھی وزن میں برابر نہیں ہو سکتے بلکہ مثال میں معانی اور ارواح اور اجسام کا مقابلہ ہوتا ہے' نہ ان کے وجود اور شکل کا مثلاً اونٹ سے اس کا وزن اور طول و عرض مراد نہیں بلکہ اس کی مالیت مقصود ہے۔ اب مسئلہ سمجھئے کہ اس کی روح مالیت ہے اور گوشت و پوست اس کا جسم ہے تو سو روپیہ اس کے دس گنا باعتبار وزن روحانی کے ہیں' نہ باعتبار وزن جسمانی کے ہے۔ جو شخص نقد اور اونٹ کی مالیت جانتا ہے' اس کے نزدیک سو روپیہ کو دس گنا اونٹ کا کہنا صحیح ہے۔ یہاں تک کہ اگر اسے سو روپیہ کے عوض ایک موتی (جس کا وزن چند ماشہ اور قیمت سو روپیہ ہو) دے کر کہتا ہے کہ میں نے اسے دس گنا دیا تو درست تھا مگر اس قول کی سچائی سوائے جوہریوں کے اور کوئی نہیں جان سکتا کیونکہ جوہر کی روح آنکھ سے معلوم نہیں ہوتی' اس کے لیے سوائے نظر ظاہری کے نظر دانائی کی بھی ضرورت ہے۔ اسی وجہ سے اس قول کو نادان بچہ اور گنوار نہ مانے گا۔ وہ کہیں گے کہ جوہر کا وزن تو چند ماشہ ہے اور اونٹ کا وزن اس سے ہزار گنا زیادہ ہے تو یہ جو کہتا ہے کہ میں نے دس گنا دیا' جھوٹ بولتا ہے حالانکہ حقیقت میں یہی دونوں جھوٹے ہیں مگر ان کے نزدیک یہ بات اس وقت سچی ہوگی جب ان دونوں کو وہ نور دل میں آجائے جس سے کہ روح جوہر اور مال کی حقیقت معلوم ہوتی ہے اور یہ بات بچے کو سمجھ داری کے بعد اور گنوار کو افہام و تفہیم کے بعد آتی ہے۔

فائدہ :۔ اسی طرح عارف مومن مقلد کو اس حدیث شریف کی صداقت نہیں سمجھا سکتا کہ دنیا کی دس گنا جنت میں کس طرح ملے گی۔ مقلد مومن بے خبری میں کہتا ہے کہ اس حدیث کے مطابق جنت آسمانوں میں ہے اور آسمان دنیا میں شمار ہوتے ہیں تو پھر جنت اس کو دس گنا کس طرح ملے گی' یہی حال اس سمجھدار کا ہے جو نادان بچے کو سمجھانے لگے کو جوہر (موتی) کس طرح بڑا ہے یا جوہری گنوار کو سمجھا دے کہ جوہر میں یہ قیمت ہوتی ہے اور جس طرح کہ جوہری کسی گنوار ناواقف کو قدر جوہر سمجھانے میں قابل رحم ہے' اسی طرح جو عارف کسی غبی جاہل کو یہ تقریر حدیث

کی سمجھائے تو وہ بھی قابل رحم ہے۔

حدیث شریف:۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ارحمو اثلاثۃ عالما بین الجھال وغنی قوم افتقر و عزیز قوم ذل ترجمہ "تین شخصوں پر رحم کر۔ اس عالم پر جو جاہلوں کے درمیان ہو اور کسی قوم کے غنی پر جو فقیر ہو گیا اور کسی قوم کے عزیز پر جو ذلیل ہو گیا ہو۔ (ابن حبان بروایت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

فائدہ:۔ اسی سبب سے انبیاء علیہم السلام بھی اپنی قوم میں قابل رحم تھے کہ کم عقلی کی وجہ سے جو کچھ ان کو صدمے پہنچے' وہ ان کے حق میں اللہ کی طرف سے امتحان اور آزمائش تھی کہ بحکم تقدیر ازلی ان پر مصیبت آئی۔ حدیث شریف میں ہے البلاء موکل بالانبیاء والاولیاء ثم الامثل فالا مثل ترجمہ "بلا مقرر ہے انبیاء پر اور اولیاء پر پھر جو ان کے مشابہ ہوں' پھر جو ان جیسے ہوں۔ (ترمذی بروایت سعید بن ابی وقاص) بلا کو اس حدیث میں مثل مصیبت حضرت ایوب علیہ السلام کے نہ سمجھنا چاہیے جو کسی کے بدن پر نازل ہوتی ہے بلکہ بلا سے وہی مصیبت و ایذا مراد ہے جو نااہلوں کے ساتھ معاملہ کے وقت ہوتا ہے۔ جیسے حضرت نوح علیہ السلام کو ایسے لوگوں سے واسطہ پڑا تھا کہ جتنا انہوں نے ان کو اللہ کی طرف بلایا۔ اتنا ہی ان کو نفرت و گریز زیادہ ہوئی یا جیسے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض لوگوں کے کلام سے ایذا ہوئی تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رحم کرے میرے بھائی موسیٰ علیہم السلام پر کہ لوگوں نے ان کو اس سے زیادہ ستایا مگر انہوں نے صبر کیا۔

فائدہ:۔ جس طرح انبیا علیہ السلام کو منکرین سے واسطہ پڑتا ہے۔ اسی سے ان کی آزمائش ہوتی ہے۔ اسی طرح اولیاء اور علما کو بھی جاہلوں سے واسطہ پڑتا ہے اور ان کے امتحان کا وہ موجب ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اولیا کسی نہ کسی مصیبت سے خالی نہیں ہوتے۔ ان کا بھی امتحان لیا جاتا ہے۔ مثلاً کبھی شہر سے نکال دیئے جاتے ہیں۔ بعض لوگ سلاطین وقت کے سامنے ان کی چغلی کھاتے ہیں۔ بعض لوگ ان کے کفر پر گواہی دیتے ہیں اور بعض انہیں بے دین کہتے ہیں۔

یہ ضروری ہے کہ جو لوگ اہل معرفت ہیں' وہ جاہلوں کے نزدیک کافر ہیں۔ جیسے کوئی اپنا اونٹ ایک قیمتی موتی کے بدلے بیچ دے' تو جاہل اسے بیوقوف اور مال ضائع کرنے والا کہیں گے۔

نتیجہ تقریر غزالی قدس سرہ:۔ ہماری اس طویل تقریر سے یہ نتیجہ نکلا کہ واقع میں جو حدیث شریف میں مذکور ہے کہ دوزخ سے پچھلا شخص جو نکلے گا' اسے دس گنا دنیا کے برابر انعام ملے گا' بے شک درست و بجا ہے۔ خبردار کہیں ایسا نہ ہو کہ تم ایسے مضامین کی تصدیق کا انحصار ایسی چیزوں پر کرو جو حواس مثلاً آنکھ وغیرہ سے معلوم ہوتی ہیں۔ ایسا کرو گے تو تمہارے جیسا گدھے سے بھی زیادہ احمق کوئی نہ ہو گا' اس لیے کہ حواس خمسہ سے جاننے میں تو گدھا بھی تمہارا شریک ہے' تمہیں جو گدھے سے امتیاز ہے تو اسی لطیفے کی وجہ سے ہے جو آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں پر پیش ہوا اور سب نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور جو چیز عالم حواس سے خارج ہے' وہ اسی لطیفے سے

معلوم ہوتی ہے جس سے آدمی گدھے اور تمام حیوانوں سے ممتاز ہے۔ جو شخص اسے بیکار کر کے اس سے کام نہ لے اور محسوسات تک اپنی معلومات کے منحصر کر کے آگے نہ بڑھے اور صرف بہائم کے درجے پر قانع ہو' وہ اپنے نفس کو خرابی میں ڈالتا ہے۔

تلقین غزالی قدس سرہ :۔ اے پیارے مسلم بھائیو تم ایسے نہ ہونا اس لیے کہ جو شخص صرف محسوسات کا لوراک کرے گا تو اللہ تعالیٰ کو بھول جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات تو حواس سے قابل لوراک نہیں اور جو اللہ تعالیٰ کو بھولے گا' اللہ تعالیٰ بھی اسے بھلادے گا یعنی پھر اسے عالم بالا کی ترقی نصیب نہ ہوگی' وہ جانوروں میں رہ جائے گا' اس لیے کہ اس نے امانت خداوندی میں خیانت کی بلکہ اس کی نعمت کا منکر ہوا اور خود کو اس کے انتقام کے لیے پیش کیا بلکہ ایسے شخص کا حال تو جانوروں سے بھی بدتر ہو گا' اس لیے کہ جانوروں کی مرنے کے بعد چھٹی ہو جائے گی لیکن اس شخص کو امانت مالک کے سپرد کرنی پڑے گی کیونکہ امانت کا ٹھکانا اور رجوع اس کی طرف ہے اور یہ امانت آفتاب تاباں کی طرح تھی' اس خاکی بدن میں غروب ہو گئی مگر جب یہ قالب بگڑے گا تو وہی امانت پھر غروب ہونے کی جگہ سے نکلے گی اور اپنے پیدا کرنے والے کے پاس چلی جائے گی یا تو دھندلی اور تاریکی سے نکلے گی یا چمکتی دمکتی ہوگی۔ چمکتی دمکتی کو تو دربار کی حضوری سے حجاب نہ ہو گا اور دھندلی بھی وہاں پہنچے گی کیونکہ وہ دربار مرجع کل ہے مگر اوندھے منہ پہنچے گی۔ اس کا رخ اعلیٰ علیین کی طرف سے اسفل السافلین کی طرف ہو گا' اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولوتری اذالمجرمون ناکسورءوسہم عندربہم(پ 21_ السجدہ 12) ترجمہ کنزالایمان :۔ اور کہیں تم دیکھو جب مجرم اپنے رب کے پاس سرنیچے ڈالے ہوں گے۔

فائدہ :۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ مجرم بھی پروردگار کے پاس ہوں گے کہ ان کے چہرے پشت کی طرف بدل دیئے جائیں گے یعنی اوپر کی طرف نیچے ہو جائے اور اس میں کوئی اختیار نہ ہو گا۔ جو شخص توفیق سے محروم رہتا ہے' اس پر اللہ تعالیٰ کا حکم اسی طرح ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں جاہلوں کے مقام سے بچائے اور گمراہی سے دور رکھے۔

دوزخ میں دوام :۔ یہ ان لوگوں کا بیان تھا جو دوزخ سے نکل کر دنیا سے دس گنا زیادہ انعام پائیں گے۔ اب یہ بتانا ہے کہ دوزخ سے بجز موحد کے اور کوئی نہیں نکلے گا اور ہمارا مقصد توحید سے یہ نہیں کہ صرف زبان سے کہے لا الہ الا اللہ کیونکہ زبان عالم ظاہری سے ہے۔ اس کا فائدہ فقط دنیا ہی تک ہوتا ہے۔ مثلاً جو صرف زبان سے یہ کلمہ کہتا ہے' اسے قتل نہ کیا جائے گا۔ اس کا مال لوٹ مار سے محفوظ رہتا ہے اور ظاہر ہے کہ گردن اور مال کی مدت زندگی تک ہے تو جس جگہ کہ نہ گردن ہوگی' نہ مال وہاں زبان سے لا الہ الا اللہ کہنے کا کیا فائدہ ہو گا' وہاں توحید کا کمال اور اس کا سچا ہونا کام آئے گا۔ اس طرح کہ تمام امور کو اللہ کی طرف سے سمجھے۔ اس کی پہچان یہ ہے کہ مخلوق میں سے کسی پر غصہ نہ ہو۔ اگرچہ اس کے ساتھ کوئی کسی طرح کا سلوک کرے کیونکہ جب تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی طرف

سے ہیں تو خلق اللہ صرف ذریعہ ہیں۔ مسبب الاسباب تو وہی مالک ہے' چنانچہ اس کی تحقیق باب توکل میں آئے گی۔ انشاء اللہ

موحدین کی توحید کے درجات :۔ بعض اہل توحید کی توحید پہاڑ کے برابر ہے۔ بعض کی مثقال کے برابر۔ بعضوں کی رائی کے برابر جس کی توحید دینار کے برابر ہوگی' وہ دوزخ سے سب سے پہلے نکلے گا۔ حدیث شریف میں ہے کہ اخرجوا من النار من فی قلبہ مثقال دینار من ایمان ترجمہ "دوزخ سے اسے نکال جس کے دل میں دینار کے برابر ایمان ہو اور سب کے بعد وہ نکلے گا جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہوگا اور مثقال اور ذرے کے درمیان بہت بڑے مراتب و مدارج ہیں۔ ان کے مطابق دوزخ سے نکلتے جائیں گے یعنی پہلے مثقال کے طبقے کے لوگ' پھر اس سے کم' پھر اس سے کم حتیٰ کہ آخر کو ذرہ برابر ایمان والوں کی جماعت نکلے گی۔

فائدہ :۔ وزن مثقال و ذرہ کو بطور مثال سمجھنا چاہیے۔ جیسا کہ ہم جنس اور نقد کے عوض کے بارے میں لکھ چکے ہیں۔ اہل توحید جو دوزخ میں جائیں گے' اس کی غالباً وجہ یہ ہوگی کہ لوگوں کے حقوق ان کے ذمے ہوں گے اور یہ حقوق بموجب حدیث شریف ناقابل معافی جرائم ہیں۔ ان کے علاوہ باقی تمام گناہوں کے اقسام قابل عفو ہیں۔

قدسی حدیث :۔ مروی ہے کہ ایک بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جائے گا اور اس کی نیکیاں اتنی ہوں گی کہ اگر اس کے پاس باقی رہتیں تو جنتی ہو جاتا مگر اس وقت اہل حقوق جن پر اس نے ظلم کیا تھا' کھڑے ہو جائیں گے۔ بعض کو گالیاں دی ہوں گی' بعض کو مارا ہوگا' بعض کا مال چھین لیا ہوگا تو اس کی نیکیوں میں سے ان لوگوں کو دیا جائے گا یہاں تک کہ اس کے پاس ایک نیکی نہ بچے گی۔ فرشتے عرض کریں گے کہ خداوند اس شخص کی نیکیاں ختم ہو چکیں اور ابھی اس کے مدعی باقی ہیں' اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ان لوگوں کی برائیوں میں سے اس کی برائیوں میں اضافہ کر دو اور دوزخ کے نام ایک پرچہ اس کے لیے لکھ دو۔

فائدہ :۔ جس طرح انسان دوسرے کے بدلے اس کی برائیوں کے سبب سے ہلاک ہوتا ہے' اسی طرح مظلوم کے پاس جب ظالم کی نیکیاں ظلم کے بدلے میں آتی ہیں تو اس کو نجات مل جاتی ہے۔

حکایت :۔ ابن جلاء صوفی کی کسی مسلمان بھائی نے غیبت کی۔ اس کے بعد معاف کرانے کے لیے اس نے آدمی بھیجا۔ آپ نے فرمایا کہ میں معاف نہیں کروں گا' میرے نامہ اعمال میں اس سے بڑھ کر اور کوئی نیکی نہیں' میں اسے کیسے مٹاؤں۔ ساتھ یہ بھی کہا کہ اسی طرح دیگر بھائیوں نے جو میری غیبت کی' ان کے حق میں گناہ ہیں مگر میرے لیے نیکیاں ہیں تو میں چاہتا ہوں کہ اپنے نامہ اعمال کو ان سے زینت دوں۔

فائدہ :۔ آخرت میں درجات سعادت و شقاوت میں لوگ مختلف ہوں گے مگر ہم نے جو حکم ہر ایک گروہ کا لکھا تو باعتبار ظاہر اسباب کے ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے طبیب ایک بیمار کو کہہ دیتا ہے کہ یہ بے شک مرجائے گا۔ اس کا مرض

قابل علاج نہیں اور دوسرے بیمار کو کہتا ہے کہ اس کی بیماری معمولی ہے اور علاج بھی آسان ہے تو طبیب کا یہ قول ان دونوں کے حق میں باعتبار اکثر حالات کے ہے ورنہ بعض اوقات قریب المرگ زندہ ہو جاتا ہے اور معمولی مرض والا مرجاتا ہے۔ طبیب کو خبر نہیں ہوتی۔

فائدہ :- یہ اللہ تعالیٰ کے پوشیدہ اسرار ہیں جو زندہ آدمیوں کی ارواح میں رکھے ہیں اور ایسے باریک اسباب ہیں کہ مسبب الاسباب نے ایک وقت اور اندازہ مقرر پر ان کو مرتب کر رکھا ہے۔ انسان کی طاقت نہیں کہ ان کی کنہ کو جان سکے۔ اسی طرح آخرت کی نجات و فلاح کے بھی اسباب خفیہ ہیں کہ ان کی اطلاع آدمی کی طاقت سے باہر ہے جس سبب خفی سے نجات ہوتی ہے۔ اس کو عفو اور رضا کہتے ہیں اور جو موجب ہلاکت ہے' اسے غضب اور انتقام سے تعبیر کرتے ہیں۔

فائدہ :- ان کے سوا ایک اور مشیت ازلی الٰہی کا راز ہے جس کی اطلاع مخلوق کو نہیں ہوتی' اس لیے ہم پر واجب ہے کہ گنہگار پر عفو کو جائز جانیں۔ اگرچہ اس کی خطائیں ظاہری بہت ہوں اور غضب کو مطیع پر روا سمجھیں۔ اگرچہ اس کی طاعات ظاہری زیادہ ہوں' اس لیے کہ اعتبار تقویٰ کا ہے اور تقویٰ ایسی باریک چیز دل میں ہے کہ خود متقی کو اس پر آگاہی نہیں ہوتی تو دوسرے کو کس طرح ہو سکتی ہے۔ پھر بھی ارباب قلوب (اولیاء) پر منکشف ہو جاتا ہے کہ جب بندے میں کوئی سبب خفی عفو کا مقتضی ہوتا ہے تو اسے عفو ہوا کرتا ہے اور غضب بھی تب ہوتا ہے جب کوئی سبب باطنی مقتضی بعد کا اللہ سے ہوا۔ اگر یہ نہ ہو تو عفو اور غضب اعمال و اوصاف کی جزا نہ ہو۔ اگر جزا نہ ہو تو عدل نہ ہو اور عدل نہ ہو تو ان آیات کا کیا مطلب۔ وماربک بظلام للعبید ترجمہ کنزالایمان : ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ (النساء 40) ترجمہ از کنزالایمان : حالانکہ یہ سب اقوال صحیح ہیں۔

فائدہ :- معلوم ہوا کہ انسان کو وہی ملے گا جو اس نے عمل کیا ہوگا اور اپنے کیے کو خود ہی بھگتے گا۔ اگر انسان کجروی کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو ٹیڑھا کر دے گا۔ جب وہ خود بدلتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی حالت بدل دیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسم (الرعد 11) ترجمہ کنزالایمان : بے شک اللہ کسی قوم سے اپنی نعمت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلیں۔

فائدہ :- یہ تمام باتیں اہل دل کے لیے آنکھ کے دیکھنے سے بھی زیادہ واضح ہوئی ہیں کیونکہ آنکھ کے دیکھنے میں غلطی کا احتمال ہے کہ کبھی بڑے کو چھوٹا اور دور کو نزدیک دیکھتی ہے اور دل کے مشاہدے میں غلطی نہیں ہوتی' اس کو یہ کیفیت بصیرت کے کھلنے کے بعد حاصل ہوتی ہے اور اس کے بعد ہی دیکھا کرتا ہے کہ اس میں جھوٹ کا تصور نہیں ہو سکتا ہے اسی طرف اشارہ ہے اس آیت میں ماکذب الفواد مارا (پ 27_ النجم 11) ترجمہ کنزالایمان :- دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا۔

مرتبہ 3 :- اہل نجات اور نجات سے ہماری مراد چھٹکارا ہے نہ کہ سعادت و فلاح' یہ ایسے لوگ ہوں گے نہ انہوں

نے عبادت کی جس سے انعام ملے اور نہ قصور کیا جو اسے عذاب ملے۔ غالباً یہ حال کفار میں سے مجنونوں اور لڑکوں اور بے ہوشوں اور ان لوگوں کا ہوگا جن کو دعوت اسلام نہ پہنچی ہو اور آبادیوں سے دور رہتے ہوں اور جہالت اور عدم معرفت الٰہی پر ان کی عمر گزری۔ ایسے لوگوں کو نہ معرفت ہوتی ہے' نہ طاعت' نہ معصیت' نہ کوئی وسیلہ کہ قرب الٰہی حاصل کریں' نہ کوئی خطا جو اللہ تعالیٰ سے انہیں دور کرے' اسی لیے اس قسم کے لوگ نہ جنتی ہیں نہ دوزخی بلکہ ایک ایسی جگہ پر رہیں گے جو جنت و دوزخ کے درمیان ہے جسے شرع میں اعراف کہتے ہیں۔ اس مقام میں بعض کے متعلق آیات و احادیث سے یقیناً ثابت ہے اور نور بصیرت سے بھی معلوم ہوا ہے مگر کسی خاص گروہ کے لیے کہنا کہ یہ بھی اعراف میں یقیناً رہیں گے۔ یہ امر ظنی ہے مثلاً کفار کے بچوں کے متعلق مظنون ہے' یقینی نہیں اور اس کا صحیح علم حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے یہاں تک کہ اولیاء اور علما کے علوم بھی۔ اس درجہ تک نہیں پہنچے یعنی ان کا علم بھی ظنی ہے۔ علاوہ ازیں لڑکوں کے بارے میں احادیث بھی مختلف ہیں۔ ایک کافر لڑکا مر گیا' حضرت عائشہ نے فرمایا کہ یہ جنت کی چڑیوں میں سے ایک چڑا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' تمہیں کیسے معلوم ہوا؟ اس صورت میں اشتباہ ہے۔ اسی لیے اس مسئلہ میں امام اعظم نے توقف فرمایا ہے۔ (اویسی غفرلہ)

مرتبہ 4:۔ یہ مرتبہ اہل فلاح کا ہے۔ یہ لوگ بغیر کسی کی تقلید کے عارف ہوں گے اور وہی مقرب اور سابق ہیں' اس لیے کہ وہ مقلد اگر کسی مقام میں جنت میں کامیاب ہوگا تو بھی اصحاب یمین میں ہی رہے گا اور یہ لوگ مقرب ہوں گے اور جو کچھ ان کو ملے گا' بیان سے باہر ہے اور جس قدر بیان ہو سکتا ہے' وہ ہے جو قرآن شریف میں مذکور ہے۔ جس بات کی تعبیر اس عالم میں نہیں ہو سکتی' اس کو اللہ تعالیٰ نے بطور اجمال ارشاد فرمایا ہے مثلاً فلا تعلم نفس ما اخفی لهم من قرة عين (پ 21_ السجدة 17) ترجمہ از کنز الایمان: تو کسی جی کو نہیں معلوم جو آنکھ کی ٹھنڈک ان کے لئے چھپا رکھی ہے۔

حدیث قدسی:۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اعدت لعبادی الصالحين مالا عين رات ولا اذن سمعت لا خطر على قلب بشر ترجمہ: "میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ تیار کیا' جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کان نے سنا' نہ کسی آدمی کے دل پر گزرا۔"

فائدہ:۔ عارفین کا مقصد وہی حالت ہوتی ہے جو کسی بشر کے دل پر اس عالم دنیا میں نہیں گزر سکتی اور حور و قصور و میوہ جات اور دودھ اور شہد اور شراب اور زیورات جو جنت کی اشیاء ہیں۔ ان عارفین کو حرص نہیں ہوتی۔ اگرچہ انہیں یہ چیزیں دی جائیں گی تو وہ انہیں پر قناعت نہ کریں گے بلکہ طالب لذت دیدار ہوں گے کیونکہ غایت سعادت اور انتہا لذت وہی ہے۔

حکایت:۔ حضرت رابعہ عدویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کی جنت میں کیا خواہش ہوگی؟ انہوں

نے فرمایا کہ صاحب خانہ' پھر خانہ۔

فائدہ:۔ خلاصہ یہ کہ عارفین کے دلوں میں صاحب خانہ یعنی خداوند کریم کی محبت ایسی گہری ہوتی ہے کہ ان کو خانہ یعنی جنت اور اس کی آرائش کی کوئی پروا نہیں بلکہ سوائے محبوب کے انہیں کسی چیز کی تمنا نہیں یہاں تک کہ اپنے نفس سے بھی اس کی محبت میں بے خبر نہیں ہوتے ہیں اور ان کی مثال عاشق جیسی ہے جو معشوق کو دیکھنے کی فکر میں ڈوبا ہوا ہو۔ اس حالت میں اسے اپنے نفس کی خبر نہیں ہوتی جو صدمہ اسے بدن پر پہنچے' اسے ذرا بھر بھی محسوس نہیں ہوتا۔ اس حالت کو فنائی المحبوب کہتے ہیں یعنی ایسے عاشق کی نوبت اس درجہ کو پہنچ گئی جو سوائے محبوب کے اور کوئی چیز اس کے پیش نظر نہیں' نہ دل میں غیر محبوب کی گنجائش باقی ہے تاکہ اس کی طرف التفات کرے۔ یہاں تک کہ وہ خود اپنی ذات سے بے خبر ہوتا ہے۔ اسی کو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ:۔

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم گہے بر پائے پشت خود نہ بینم

فائدہ:۔ اس حالت سے آخرت میں وہ عنایت ہوگی جو اس دنیا میں کسی بشر کے دل میں نہیں آسکتی۔ جیسے کہ صورت' رنگ و آواز کی صورت اندھے کے دل میں معلوم نہیں ہو سکتی۔ ہاں اگر اس کے کان اور آنکھ کا حجاب دور ہو جائے تو ان چیزوں کا حال معلوم کرنے لگے گا اور سمجھ لے گا کہ واقعی اس سے قبل میرے دل میں ان کا آنا متصور نہ تھا۔ اسی طرح دنیا بھی درحقیقت ایک حجاب ہے' اس کے اٹھنے سے انسان کو لذت حیات طیب معلوم ہوتی ہے اور اس کا ایک ادراک ہوتا ہے جسے اللہ نے فرمایا وان الدر الاخرۃ لھی الحیوان لوکانوا یعلمون (العنکبوت) اس قدر حسنات پر تقسیم درجات کا بیان کافی ہے اور اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں توفیق ہے۔

وہ اسباب جن کی وجہ سے صغیر کبیرہ بن جاتا ہے:۔

گناہ صغیرہ چند اسباب سے کبیرہ ہو جاتا ہے۔ صغیر گناہ بار بار کرنے اور اس پر مواظبت سے کبیرہ ہو جاتا ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ اصرار کے ساتھ کوئی گناہ صغیر نہیں رہتا اور نہ استغفار کے ساتھ کوئی کبیرہ گناہ رہ جاتا ہے۔ اگر کوئی ایک کبیرہ کرکے باز آئے اور پھر دوسرا کبیرہ نہ کرے۔ اگر کسی کو یہ امر ممکن ہو تو اس صورت میں توقع ہے کہ معاف ہو جائے بخلاف گناہ صغیرہ کے کہ جس پر مداوت کی جائے تو وہ لازماً کبیرہ ہو جائے گا۔

مثال:۔ اگر پتھر پر پانی کا ایک قطرہ پے در پے گرتا رہے تو اس میں نشان پڑ جائے گا۔ اگر سارا پانی اسی مقدار پر کہ جتنا قطروں میں گرا ہے' یکبارگی پتھر پر ڈال دیا جائے تو کوئی نشان نہ ہوگا۔

حدیث:۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ خیر الاعمال ادوا مہاون ان قل (بخاری بروایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) ترجمہ "بہتر اعمال وہ ہیں جو ہمیشہ ہوں' اگرچہ تھوڑے ہوں۔" چونکہ اشیاء اپنی ضدوں سے معلوم ہوا کرتی ہیں تو جب اس حدیث سے ثابت ہوا کہ وہ عمل جو دائم ہو' اس کو قلیل ہو نافع ہوتا ہے تو بہت

عمل جو انسان یکبارگی کرے' اس سے دل کی جلا و تطہیر میں نفع کم ہوتا ہے۔ اسی طرح گناہ صغیرہ پر اگر آدمی ہیشگی کرے تو اس کی تاثیر دل کو میلا اور تاریک کرنے میں زیادہ ہوگی مگر اتنا ضرور ہے کہ انسان کا گناہ کبیرہ پر یکبارگی مرتب ہو جانا بغیر اس کے کہ اس سے پہلے اور پیچھے گناہ صغیرہ نہ کرے' کمتر پایا جاتا ہے مثلاً زانی جب زنا کرتا ہے تو یہ کم ہوتا ہے کہ پہلے سے زنا کے اسباب کا ارادہ نہ کرے۔ اسی طرح قاتل یکبارگی قتل نہیں کرتا۔ جب تک کہ پہلے سے دشمنی اور عداوت نہ ہو۔ انہی طرح ہر ایک کبیرہ کے ارتکاب میں ابتداء اور انتہاء میں صغیرہ ضرور پایا جاتا ہے۔ اگر بالفرض کوئی ایسا کبیرہ سرزد ہو کہ اس کے ارتکاب میں صغیرہ نہ کرنا پڑے' یکبارگی کبیرہ ہو جائے اور دوبارہ اس کے کرنے کی نوبت نہ آئے تو غالباً اس کے معاف ہونے کی توقع زیادہ ہے' بہ نسبت اس صغیرہ کے جس پر انسان عمر بھر مواظبت کرے۔ دوسرا سبب صغیر کے کبیرہ ہو جانے کا یہ ہے کہ گناہ کو چھوٹا جانے کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جتنا آدمی اپنے گناہ کو زیادہ سمجھے گا' وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک چھوٹا ہوگا اور جتنا گناہ کو صغیرہ تصور کرے گا' وہ اللہ کے نزدیک کبیرہ ہوگا' اس لیے کہ گناہ کو برا سمجھنا اس بات کی دلیل ہے کہ دل میں کراہت و نفرت اس گناہ کی موجود ہے' اسی لیے اس کی تاثیر بھی دل میں خوب نہیں ہوتی اور گناہ کو چھوٹا جاننے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دل کو اس کے ساتھ الفت ہے اور اسی وجہ سے دل میں اس کا اثر بہت ہوتا ہے اور طاعات سے مطلب یہی ہے کہ دل روشن ہو جائے اور خطاؤں سے خوف اسی لیے ہے کہ دل پر سیاہی نہ آجائے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کسی سے کوئی بات غفلت میں ہو جائے تو اس پر مواخذہ نہیں ہوتا کیونکہ غفلت میں دل پر تاثیر نہیں ہوتی۔ حدیث شریف میں ہے کہ مومن اپنے گناہ کو ایسا جانتا ہے کہ گویا ایک پہاڑ سر پر آگیا' اب سر پر گر پڑے گا اور منافق اپنی خطا کو ایسے سمجھتا ہے جیسے ناک پر مکھی بیٹھی اور اسے اڑا دیا۔

فائدہ:۔ بعض اکابر کا قول ہے کہ جس گناہ کی مغفرت نہیں ہوتی' وہ ایسا گناہ ہے کہ جس کے بعد کوئی یہ کہے کہ کیا اچھا ہوتا جو تمام گناہ میں نے کیے ہیں' سب ایسے ہی ہوتے اور ایماندار کے دل میں گناہ کی بڑائی ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے جلال کا علم ہے۔ جب اسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ میں نے اس گناہ سے کس کی نافرمانی کی تو صغیرہ بھی نظروں میں کبیرہ نظر آتا ہے۔

حکایت:۔ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ ہدیہ کی کمی کا لحاظ نہ کرو بلکہ یہ دیکھو کہ جس نے بھیجا ہے' وہ کتنا بڑا ہے اور اپنی خطا کے چھوٹا ہونے کو نہ دیکھو بلکہ یہ خیال کرو کہ اس خطا سے تو نے کس کا مقابلہ کیا ہے۔ بعض عارفین کا مقولہ ہے کہ صغیرہ گناہ کا کوئی وجود نہیں جس میں مخالفت الٰہی ہو' وہ کبیرہ ہے۔

حکایت:۔ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تابعین کو ارشاد فرمایا کہ تم ایسے عمل کرتے ہو کہ تمہاری نظر میں وہ بال سے بھی زیادہ باریک ہیں حالانکہ ہم ان کو زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مہلکات سمجھتے تھے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ صحابہ کو کس جلال کبریائی بوجہ اتم حاصل تھا' اسی لیے صغیرہ گناہ بھی ان کے نزدیک باعتبار جلال

خداوندی کے کبیرہ تھے۔ اسی طرح عالم دین سے بعض باتیں بڑی معلوم ہوتی ہیں' بہ نسبت جاہل کے۔

فائدہ :۔ عام آدمی سے بعض باتیں درگزر کر دی جاتی ہیں بخلاف عارف کے کیونکہ گناہ اور مخالفت اسی قدر بڑے ہوتے ہیں جس قدر کہ کرنے والے کی معرفت زیادہ ہوتی ہے۔ تیسرا سبب صغیرہ کے کبیرہ ہونے کا یہ ہے کہ گناہ کرکے خوش ہو اور فخر کرے اور سمجھے کہ مجھ سے جو یہ کام ہوا تو اللہ کی نعمت کی وجہ سے ہوا۔ وہ اس سے غافل ہے کہ یہ قصور موجب شقاوت ہے' پس جس قدر کہ صغیرہ کا کسی کو مزا محسوس ہوگا' اتنا ہی وہ بڑا گناہ ہوگا اور دل کی تاریکی میں اس کی تاثیر بھی قوی ہوگی۔ یہاں تک کہ بعض گناہ گار ایسے ہوتے ہیں کہ اپنی خطا کی داد چاہتے ہیں اور اس کے ارتکاب سے نہایت شیخی بگھارتے ہیں مثلاً مناظر کہتے ہے کہ اے لوگو تم نے دیکھا' ہم نے فلاں کو کیسے رسوا کیا اور کیسے اس کے عیب بیان کیے کہ وہ شرمسار ہوا یا دم دبا کر بھاگا وغیرہ وغیرہ۔ ایسے ہی تاجر کہتا ہے کہ دیکھا ہم نے کھوٹی چیز کیسے بیچ ڈالی اور فلاں کو دھوکا دے دیا اور اس کے مال کو کیسے دبا لیا اور اسے الو بنا دیا وغیرہ وغیرہ۔ اس قسم کی باتیں ایسی ہیں کہ ان سے صغیرہ گناہ کبیرہ ہو جاتا ہے' اس لیے کہ گناہ مہلکات میں سے ہیں۔ جب کوئی ان میں مبتلا ہو جائے تو اس سے شیطان کا کام بن پڑتا ہے کہ اس سے اپنی مرضی کے موافق کام لیتا ہے۔ مقام افسوس ہے بلکہ عظیم مصیبت ہے کہ دشمن اپنے اوپر غالب ہوا اور اپنی اللہ تعالیٰ سے دوری ہوئی۔

مثال :۔ اگر بیمار کسی برتن میں دوا پیتا ہے اور وہ اتفاق سے ٹوٹ جائے اور اس کے ٹوٹنے سے بیمار اس وجہ سے خوش ہو کہ اب دوا پینے کا دکھ جاتا رہا تو اس کے تندرست ہونے کی توقع نہ ہوگی۔ چوتھی وجہ صغیرہ کے کبیرہ ہونے کی یہ ہے کہ اللہ کی پردہ پوشی اور مہلت اور حوصلہ کو اس کی عنایت سمجھے کہ گناہ ترک کرنے میں سستی کرے اور یہ نہ سمجھے کہ مہلت دینے سے اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ وہ زیادہ گناہ کرے تو یہ مہلت ناراضگی کی دلیل ہے جس کو یہ مجرم موجب عنایت سمجھتا ہے۔ شاید یہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے مامون ہے اور اللہ تعالیٰ پر دھوکا کھانے سے ناواقف ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ ویقولون فی انفسھم لولا یعذبنا اللہ بما نقول حسبھم جھنم یصلونھا فبئس المصیر (المجادلہ 8) ترجمہ کنزالایمان: اور اپنے دلوں میں کہتے ہیں ہمیں اللہ عذاب کیوں نہیں کرتا ہمارے اس کہنے پر انہیں جہنم بس ہے' اس میں دھنسیں گے تو کیا ہی برا انجام۔

پانچواں سبب صغیرہ گناہ کے کبیرہ ہو جانے کا یہ ہے کہ گناہ کرکے کہتا پھرے کہ میں نے یہ گناہ کیا یا دوسرے کے سامنے گناہ کرکے نہ شرمائے' اس لیے کہ اس میں اللہ تعالیٰ پردہ پوشی کی ناقدری کرتا ہے۔ دوسری صورت میں غیر کو اس گناہ کی رغبت دیتا ہے تو گویا ایک گناہ کے ضمن میں اس سے دو گناہ ہوئے۔ اسی وجہ سے اس کا قصور اور زیادہ ہو گیا۔ اس دوسرے سے اپنا گناہ بیان کرنے پر اتنی بات اور کرلی کہ اس کے لیے سامان اس قصور کا جمع کر دیا تو یہ چوتھا گناہ ہوگا اور یہ نہایت خراب عادت ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ تمام آدمیوں کے قصور معاف ہوں گے مگر ان لوگوں کے جو اپنا گناہ ظاہر کرتے مثلاً رات کو کوئی قصور کیا جسے اللہ تعالیٰ نے پوشیدہ رکھا مگر انہوں نے صبح کو اٹھ کر

اللہ تعالیٰ کی پردہ پوشی کو کھول کر اپنا گناہ بیان کیا۔ ایسے شخص کے قصور معاف نہ ہوں گے۔

نکتہ :۔ وجہ یہ ہے کہ صفات و انعامات خداوندی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ اچھی بات کو ظاہر کرتا ہے اور عیب کو چھپاتا ہے اور پردہ فاش نہیں فرماتا تو انسان کا اپنا عیب ظاہر کرنا اس نعمت کی ناشکری کرنا ہے۔ بعض اکابر فرماتے ہیں کہ اول تو آدمی کو گناہ ہی کرنا چاہیے۔ اگر کرے بھی تو دوسرے کو ترغیب نہ دے ورنہ دوسرے گناہ کا مرتکب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے المنافقون والمنافقات بعضھم من بعض یامرون بالمنکر وینھون عن المعروف (التوبہ 69) ترجمہ کنزالایمان : منافق مرد اور منافق عورتیں ایک تھیلی کے چٹے بٹے ہیں برائی کا حکم دیں اور بھلائی سے منع کریں ایک بزرگ کا قول ہے کہ انسان اپنے بھائی مسلمان کی پردہ دری اس سے بڑھ کر نہیں کرتا کہ اس کی کسی گناہ میں مدد کرے اور پھر اس قصور کو اس پر آسان کردے۔ چھٹی وجہ کبیرہ ہو جانے کی یہ ہے کہ گناہ کرنے والا عالم اور مقتدا ہو تو عالم دین جب کوئی صغیرہ گناہ کرے تو اس کی دیکھا دیکھی اور لوگ بھی کرنے لگیں گے تو یہ گناہ اس عالم کے حق میں کبیرہ ہو جائے گا مثلاً اگر وہ ریشمی کپڑا پہنے یا سونے کی اشیاء پر سوار ہو یا شے کا مال لے یا بادشاہوں کے پاس آمد و رفت رکھے اور ان کے مال کو برا نہ سمجھے بلکہ ان کی موافقت کرے یا مسلمان کی عزت میں زبان درازی کرے یا مناظرے میں سخت سست بکے یا کسی کی توہین کو تحقیر کا ارادہ ہو یا علوم میں ایسے علوم سیکھے جن سے صرف جاہ و مرتبہ حاصل ہوتا ہے جیسے علم مناظرہ و مجادلہ وغیرہ اس طرح کے قصور عالم دین کے ایسے ہیں کہ لوگ ان کی سند پیش کرتے ہیں۔ جیسے ابن تیمیہ کا طریقہ تھا۔ تفصیل دیکھیے فقیر کی تصنیف ابن تیمیہ اور علمائے ملت اولیسی غفرلہ۔ جیسے آج کل تو فوٹو کا مرض اسی لیے عام ہو گیا' ایسے ویڈیو وغیرہ کہ علماء اس کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ بعض تو اتنا بے باک ہیں کہ انہیں شرعی حیثیت دے کر اس کا جواز قرآن و احادیث سے ثابت کرتے ہیں۔ یہ ڈبل مجرم ہیں۔ گناہ اور تحریف قرآن و حدیث (معاذ اللہ) تفصیل دیکھئے فقیر کی تصنیف "سوء التعزیر" اولیسی غفرلہ

فائدہ : عالم تو مرجاتا ہے مگر اس کی برائی باقی رہتی ہے اور مدتوں تک دنیا میں پھیلتی ہے۔ وہ بڑا خوش قسمت ہے کہ جس کے گناہ بھی اس کے ساتھ مرجائیں۔

حدیث شریف :۔ جو شخص ایک طریقہ برا نکالے تو اس پر خود اس کے کرنے کا گناہ ہوگا اور ان لوگوں کا گناہ جو اس فعل کے مرتکب ہوں حالانکہ ان کے وہاں سے بھی کچھ کم نہ کیا جائے گا یعنی مجرم کو علیحدہ گناہ ہوگا اور دوسروں کو علیحدہ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ونکتب ماقدموا آثارھم (پ 22_ یٰسین 12) ترجمہ کنزالایمان :اور ہم لکھ رہے ہیں جو انہوں نے آگے بھیجا' آثار ان اعمال کو کہتے ہیں کہ وقت گزر جانے کے بعد عام کو اجر پہنچا رہے۔

اقوال اسلاف صالحین :۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ عالم کی خرابی دوسروں کی اتباع سے ہوتی ہے۔ اس سے اگر لغزش ہو جاتی ہے تو توبہ کرلیتا ہے مگر عوام اس بات کو کرنے لگتے ہیں' پھر دنیا میں منتشر کر دیتے ہیں۔

بعض کا قول ہے کہ عالم کا قصور کشتی ٹوٹنے کی طرح ہے کہ وہ خود بھی ڈوبتی ہے اور جو لوگ اس پر سوار ہوں' ان کو بھی ڈبوتی ہے۔

حکایت :۔ بنی اسرائیل کا ایک مولوی عوام کو بدعت سکھا کر گمراہ کرتا تھا' پھر اسے توبہ نصیب ہوئی تو ایک مدت تک خلق خدا کی اصلاح کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت کے پیغمبر علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ اس سے کہہ دو کہ اگر تو نے صرف میرا ہی قصور کیا ہوتا تو میں معاف کر دیتا لیکن تو نے میرے بندوں کو گمراہ کیا اور ان کو گمراہی کی وجہ سے میں نے دوزخ میں ڈال دیا۔

فائدہ :۔ اس تقریر سے ظاہر ہے کہ علماء کے لیے بڑا خطرہ ہے' اس لیے ان کو دو باتیں کرنی چاہئیں۔ (1) گنہ کو سرے سے ترک کریں۔ (2) اگر گناہ سرزد ہو جائے تو ایسا مخفی ہو کہ ظاہر نہ ہونے پائے۔ جس طرح علماء کے حق میں گناہوں کے باعث وبال زیادہ ہوتا ہے' اسی طرح ان کی نیکیوں کا ثواب بھی دوسروں کی اتباع کی وجہ سے زیادہ ہوتا ہے مثلاً اگر عالم ظاہری زینت اور دنیا کی رغبت چھوڑ دے اور دنیا سے تھوڑی شے پر قناعت کرے اور کھانا بقدر بسر اوقات کھائے اور کپڑا پرانا پہنے اور یہ باتیں اس کی اتباع سے (وہ لوگ علماء ہوں یا عوام) اختیار کرلیں تو جتنا ثواب اوروں کو ملے گا' وہ ثواب اس کو بھی ملے گا اور اگر عالم دین زینت کا راغب ہوگا تو اس سے کم رتبے والے اس کی دیکھا دیکھی وہی کام کریں گے اور زیب و زینت تکلف ظاہری بغیر خدمت ظالم حکام اور مال حرام اکٹھا کرنے کے ہو نہیں سکتا تو گویا یہی عالم ان امور کا باعث ہوگا غرضیکہ عالم کی حرکت سے جیسے کہ نفع زیادہ ہوتا ہے' ویسے ہی نقصان بھی زیادہ ہوتا ہے اور تفصیل گناہوں کی جن سے توبہ کرنی چاہیے' اسی قدر کافی ہے جو یہاں تک مذکور ہوئی۔

توبہ کامل کا بیان :۔ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ توبہ اس ندامت کو کہتے ہیں جو موجب عزم بالجزم ہو اور یہ ندامت بھی اس وجہ سے ہوتی ہے کہ اپنے اور محبوب کے درمیان میں گناہ کے حائل ہونے کا علم ہو جاتا ہے۔ یاد رہے کہ ان تینوں اجزائے توبہ یعنی علم اور ندامت اور عزم میں سے ہر ایک کے لیے دوام اور کمال ضروری ہے اور کمال کی پہچان اور دوام کے لیے شرائط ہیں تو ضروری ہوا کہ ان سب کا ذکر کیا جائے۔ عالم توبہ کا سبب ہے' اس کا بیان عنقریب آئے گا۔ (ان شاء اللہ)

ندامت کی تفصیل :۔ ندامت دل کے درد کا نام ہے جو محبوب کی جدائی کی اطلاع سے ہوتا ہے۔ اس کی پہچان یہ ہے کہ بے حد حسرت وہ ندوا ہوتا ہے اور آنسو بہتے اور اس کی جدائی میں بہت رونا اور فکر رہتا ہے جیسے اولاد یا کسی عزیز قریبی کی مصیبت کی واقفیت پر ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے بڑا صدمہ ہوتا ہے' اس سے بھی انسان خوب روتا ہے۔ اسی معنی پر نفس سے بڑھ کر انسان کا کونسا عزیز ہے اور آتش دوزخ سے بڑھ کر اور کونسی بلا ہے اور گناہوں سے بڑھ کر کون سی دلیل عذاب کے نزول کی ہے اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کونسا مخبر صادق ہے۔

مثال :۔ کسی کو طبیب کہہ دے کہ تیرے بیٹے کو ایسا مرض ہے کہ اس سے وہ جانبر نہ ہوگا یعنی عنقریب مرجائے گا تو اسی وقت اس پر رنج ٹوٹ پڑے گا۔ اس لیے سمجھ لو کہ نہ بیٹا اپنے نفس سے زیادہ عزیز ہے اور نہ طبیب۔ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ عالم ہے اور نہ زیادہ سچا ہے اور نہ موت دوزخ کی آگ سے زیادہ سخت ہے اور نہ مرض بہ نسبت زیادہ دلالت کرتی ہے غضب اور دوزخ کے عذاب پر۔

فائدہ :۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو اپنے حال پر زیادہ حسرت اور غم کرنا چاہیے جس قدر رنج و ندامت زیادہ ہوگا' اسی قدر گناہوں کے دور ہونے کی توقع زیادہ ہوگی' بہرحال ندامت صحیح کی پہچان یہی ہے کہ دل نرم ہو' آنسو کثرت سے نکلیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ توبہ کرنے والوں کے پاس بیٹھا کرو کہ ان کے دل نرم ہوتے ہیں اور ایک پہچان یہ ہے کہ گناہوں کی حلاوت کے بدلے تلخی دل میں جم جائے کہ میل کے بدلے کراہت اور رغبت کے بدلے نفرت کرنے لگے۔

حکایت :۔ بنی اسرائیل کے ایک شخص نے کئی سالوں تک عبادت کی مگر توبہ کے قبول ہونے کا اثر ظاہر نہ ہوا' اس لیے وہ پیغمبر وقت علیہ السلام سے خواہاں سفارش ہوا۔ انہوں نے جناب باری تعالیٰ میں اس کے لیے دعا کی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے عزت و جلال کی کہ اگر تمام آسمان و زمین کے رہنے والے اس کی سفارش کریں' تب بھی اس کی توبہ قبول نہ کروں گا۔ جب تک جس گناہ سے توبہ کی ہے' اس کا مزا اس کے دل میں رہے گا۔

سوال :۔ گناہ تو طبعاً انسان کو مرغوب ہوتے ہیں۔ ان کی تلخی دل میں کس طرح جاگزیں ہوگی؟

جواب :۔ فرض کرو کہ کسی نے شہد کھلایا جس میں زہر ملا تھا اور مزے کے وقت معلوم نہ ہوا بلکہ لذیذ محسوس ہوا۔ اس کے بعد وہ بیمار پڑا اور مرض بڑھ گیا' بال بکھر گئے' اعضاء کمزور ہوگئے۔ اب اگر پھر اس کے سامنے شہد ہی لایا جائے جس میں ویسا ہی زہر ملا ہو اور اسے نہایت درجے کی بھوک اور میٹھے کی خواہش ہو تو بتاؤ کیا اس کا نفس اس شہد سے نفرت کرے گا یا نہ؟ اگر کہو کہ نہ کرے گا تو یہ تجربہ و مشاہدہ کے خلاف ہے۔ دستور یہ ہے کہ اس قدر تکلیف کے بعد اگرچہ پھر شہد خالص بھی آئے گا تو رنگ کے یکساں ہونے کے باوجود اس سے نفرت کرے گا۔ ایسے ہی توبہ کرنے والا جو گناہوں کی تلخی دل میں پاتا ہے' اس کو بھی اسی طرح سمجھنا چاہیے کہ پہلے اسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک گناہ کا مزا تو شہد کی طرح لذیذ ہے مگر اس کی تاثیر زہر کی سی ہے اور جب تک اس طرح کا اعتقاد نہ ہو تو اس وقت تک توبہ صحیح اور سچی نہیں ہوتی اور چونکہ اس جیسا ایمان بہت کمیاب ہے' اس لیے توبہ کا وجود اور توبہ کرنے والے بھی کمیاب ہیں ورنہ اکثر کا یہی حال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے روگرداں اور گناہوں پر مصر اور سستی کرنے والے ہیں۔ غرض کہ کمال ندامت کی شرط وہی ہے جو اوپر مذکور ہے' اس کی مداومت موت تک چاہیے اور تلخی مذکور کو جمیع گناہوں میں یکساں جاننا چاہیے۔ اگرچہ پہلے انکار مرتکب نہ ہوا ہو مثلاً اگر شہد کے ساتھ زہر کھانے والا

ٹھنڈے پانی میں بھی ویسا ہی زہر سمجھ لے تو اسے بھی ہرگز نہیں پیے گا' اس لیے کہ اسے شہد سے ضرر نہیں ہوا تھا بلکہ ضرر کی چیز وہ تھی جو شہد میں اول پانی میں پائی گئی۔

فائدہ:۔ اسی طرح تائب کا نقصان کسی خاص گناہ مثلاً چوری یا زنا سے اس وجہ سے نہیں تھا کہ یہ اس سے سرزد ہوا بلکہ اس وجہ سے ہے کہ امر الٰہی کی مخالفت ہوئی اور یہ بات ہر ایک گناہ میں موجود ہے۔ ارادہ تدارک کو تینوں زمانے سے تعلق ہے۔ ارادہ تدارک زمانہ حال میں اس کا موجب ہے کہ جو ممنوع بات کر رہا ہو' چھوڑ دے اور جس فرض کے ادا کرنے پر متوجہ ہوا' اس وقت ادا کرے اور زمانہ گزشتہ سے تعلق اس کا خواہاں ہے کہ جو پہلے قصور ہو گیا' اس کا تدارک کرے اور زمانہ مستقبل سے اس بات کا مقتضی ہے کہ موت کے وقت تک مدام طاعت کرتا رہے اور گناہ کا تارک رہے۔

فائدہ:۔ شرط صحت توبہ زمانہ گزشتہ کے تعلق کے اعتبار سے یہ ہے کہ غور و فکر کرکے معلوم کرے کہ وہ کس تاریخ کو بالغ ہوا تھا۔ یہ عمر کی رو سے سمجھے یا احتلام کی وجہ سے۔ جب یہ معلوم ہو جائے تو تاریخ بلوغ سے اس وقت تک جتنی عمر گزری' اس کا ایک ایک سال اور مہینہ اور دن اور سانس کا محاسبہ کرے کہ ان میں کون کونسی طاعات میں اس سے قصور ہوا۔ کتنے گناہ سرزد ہوئے۔ جب معلوم ہو کہ فلاں نماز نہیں پڑھی یا ناپاک کپڑے سے نماز پڑھی تھی یا شرط نیت کی ناواقفیت سے بغیر نیت صحیح ادا کی تھی تو اس نماز کو پھر پڑھے۔

ا۔ یہ شوافع کے مذہب پر ہے' احناف کے نزدیک نیت شرط نہیں وہی وقت اس کی نماز کی صحیح کے لیے کافی ہے۔ یہ بھی امام شافعی کا مذہب ہے کہ احناف کے نزدیک رات کو روزے کی نیت شرط نہیں (اویسی غفرلہ) امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک زکوٰۃ ادا ہو گئی' اسے از سر نو ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔

مسئلہ:۔ نمازیں جو فوت ہو گئی ہوں' ان کی شمار معلوم نہ ہو تو مدت بلوغ سے حساب کرے اور جس قدر یقینی طور ادا کی ہوں' ان کی تعداد چھوڑ کر باقی قضا پڑھے اور تعداد باقی کی غالب ظن اور تخمینہ سے مقرر کرنا جائز ہے۔ اگر روزہ حالت سفر میں افطار کیا' پھر اس کے بدلے روزہ نہ رکھا یا قصداً افطار کیا رات کو بھی نیت نہ کی ہو اور ایسے دن کی قضا نہ کی ہو تو اس طرح کے جتنے روزے ہوں' ان کا شمار تخمینہ اور گمان سے معلوم کرکے ان کی قضا کرے۔ زکوٰۃ اگر نہ دی ہو تو اپنے سارے مال کو دیکھے کہ کب سے ملک میں آیا کیونکہ زکوٰۃ تو لڑکے کے مال پر بھی واجب ہے۔ اس میں بلوغ کی قید نہیں' پھر حساب سے جس قدر گمان غالب کی رو سے اس کے ذمہ نکلے' اسے ادا کر دے۔ زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے اپنے مذہب کے مطابق پر خیال نہ کیا مثلاً کوئی شخص شافعی مذہب تھا' اس نے زکوٰۃ نے زکوٰۃ مال آٹھوں مصرف میں صرف نہ کیا یا مال زکوٰۃ کا عوض دے دیا تو اس کو چاہیے کہ زکوٰۃ از سر نو ادا کرے کیونکہ امام شافعی کے نزدیک اس کی زکوٰۃ ادا نہ ہوئی۔

فائدہ:۔ چونکہ مسائل زکوٰۃ کے طویل ہیں اور ان کے حساب معلوم کرنے میں خوب سوچ بچار چاہیے' اس لیے

تائب پر لازم ہے کہ علماء سے پوچھ لے کہ ایسی ایسی صورت میں عمدہ بر آئی کا کیا طریقہ ہے۔

مسئلہ :۔ حج کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی سال اسے حج کی قدرت تھی مگر نہ کیا اور اب مفلس ہو گیا تو اس پر حج پر جانا واجب ہے۔ اگر افلاس کے باعث جانے کی قدرت نہیں رکھتا تو چاہیے کہ مال حلال سے مقدار زاد وغیرہ کمائے اور اگر نہ مال ہو اور نہ کوئی کمانے کی تدبیر تو چاہیے کہ لوگوں سے کہے کہ اسے اپنی زکوٰۃ و صدقات میں سے اتنا دیں کہ حج ادا ہو سکے' اس لیے کہ اگر یہ شخص بغیر حج کیے مرجائے گا تو گنہگار ہوگا۔ حدیث شریف میں ہے من مات ولم یحج فلیمت ان شاء یهودیا وان شاء نصرانیا ترجمہ "جو مرے اور حج نہ کرے چاہے وہ یہودی مرے چاہے نصرانی۔" فائدہ :۔ (یہ حدیث باب الحج احیاء العلوم جلد اول میں گزری ہے)۔ قدرت کے بعد جو عاجز ہو گیا' اس سے فرضیت حج کی ساقط نہیں ہوتی۔ یہ طریقہ ہے طاعات کی تحقیق اور ان کے تدارک کا۔

مسئلہ :۔ معاصی کی صورت یہ ہے کہ شروع بلوغ سے توبہ کے دن تک اپنے تمام اعضاء کان اور آنکھ اور زبان اور پیٹ اور ہاتھ' پاؤں اور شرمگاہ وغیرہ کے گناہ چھوٹے بڑے تمام دنوں اور گھنٹوں کے متعلق سوچ اور دفتر معاصی کو کھول کر جدا جدا گناہ پر واقف ہو' پھر دیکھے کہ ان گناہوں میں سے صرف اللہ تعالیٰ کے حقوق کے متعلق کون سے ہیں جو اس طرح کے گناہ ہوں مثلاً غیر محرم کی طرف دیکھنا اور ناپاکی کی حالت میں مسجد میں بیٹھنا اور بے وضو قرآن مجید کا چھونا اور کسی بدعت (سیئہ) کا معتقد ہونا اور شراب پینا اور مزامیر سننا وغیرہ جنہیں لوگوں کے حقوق سے تعلق نہیں تو ایسے گناہوں سے توبہ کی صورت یہ ہے کہ ان پر ندامت اور حسرت کرے اور ہر ہر گناہ کے لیے ایک مقدار بری ہونے کی مقرر کرے اور مدت بھی ہر ایک کے لیے ٹھہرا لے۔ اب ہر ایک کے بدلے ایسی نیکی کرے جو مقدار اور وقت میں اس گناہ کے مقدار اور وقت کے برابر ہو۔ اس حساب سے جتنی برائیاں کیں' اتنی نیکیاں کرنی پڑیں گی۔ حدیث شریف میں ہے کہ اتق اللہ حیث کنت واتبع السیئۃ الحسنۃ ترجمہ : "ڈر اللہ سے جہاں تو ہے اللہ سے خیر اور پیچھے کر برائی کے ساتھ' نیکی کر وہ نیکی برائی کو مٹا دے گی۔ (ترمذی بروایت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) قرآن مجید میں ہے ان الحسنات یذھبن السیئات (ھود 114) ترجمہ کنز الایمان : بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔

گناہوں کے تدارک کی مثالیں :۔ اگر گناہ مزامیر سننے سے ہو (وہ سماع جو شرائط کے خلاف ہو) تو اس کے بدلے اتنا دیر قرآن یا وعظ یا ذکر سنے۔

اگر مسجد میں ناپاکی کی حالت میں بیٹھا ہو تو اعتکاف کی حالت میں بیٹھ کر مشغول عبادت ہو۔

اگر بے وضو کلام مجید کو ہاتھ لگایا ہو تو اس کی تعظیم زیادہ کرے اور کثرت سے تلاوت کرے اور کثرت سے اسے بوسہ دیا کرے' ہو سکے تو ایک قرآن مجید اپنے ہاتھ سے لکھ کر وقف کر دے۔

شراب پیا ہو تو عمدہ شربت حلال کمائی سے (جو شراب سے بھی مرغوب تر ہو) صدقہ کرے۔ تمام گناہوں کا شمار غیر ممکن ہے۔

قاعدہ :- اس کا طریقہ یہی ہے کہ جو طریقہ گناہوں کے خلاف ہو' اس کا سلوک میسر ہو کیونکہ مرض کا علاج اس کی ضد سے ہوتا ہے تو جو تاریکی دل پر کسی گناہ سے آگئی ہو' وہ بجز ایسی نیکی کے نور کے جو اس گناہ کے بالمقابل ہو' مرتفع نہ ہوگی اور ضدین کی آپس میں مناسبت ہوا کرتی ہے' اسی لیے یوں چاہیے کہ ہر ایک گناہ کو اسی طرح کی نیکی سے محو کیا جائے مگر یہ نیکی اس کی ضد سے ہو' اس لیے کہ سیاہی مثلاً سفیدی سے جاتی ہے' گرمی اور سردی سے نہیں جاتی۔

فائدہ :- یہ تدریج و تحقیق طریق محو میں بہت آسان ہے۔ اسی وجہ سے اس طرح عمل کرنے سے گناہوں کے دور ہونے کی زیادہ توقع ہے بہ نسبت اس کے کہ ایک ہی طرح کی عبادت پر مواظبت کرے۔ اگرچہ گناہوں کے محو کرنے میں خالی از تاثیر نہیں۔

نکتہ :- رہی یہ بات کہ گناہ اپنی ضد سے کیوں دور ہو جاتا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے اور دنیا کے اتباع کا اثر دل میں یہ ہوتا ہے کہ دنیا سے خوش ہو اور اس کی طرف محبت کرے تو ضروری ہوا کہ اگر کوئی ایسی مصیبت کسی پر پڑے کہ جس سے اس کا دل دنیا سے دور ہو تو وہ بھی اس کے حق میں کفارہ ہے کیونکہ رنج و غم سے دل کو دنیا سے دوری ضروری ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ مضمون حدیث شریف میں ہے کہ بعض گناہ ایسے ہیں کہ ان کا کفارہ صرف رنج و الم ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ فکر طالب معیشت اس کا کفارہ ہوتا ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب بندے کے گناہ زیادہ ہو جاتے ہیں اور ان کے کفارہ کے لیے اعمال نہیں ہوتے تو اللہ تعالیٰ اس بندے پر بہت رنج ڈال دیتا ہے' وہی اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتے ہیں۔

ایک بزرگ کا قول ہے کہ جو رنج کہ بندے کے دل پر آتی ہے اور وہ اس کو نہیں چاہتا تو وہ گناہوں کی تاریکی سے ہے اور ان سے رنج کرنا یوں ہوتا ہے کہ دل حساب کے لیے توقف کرے اور حشر کی دہشت سے واقف ہو۔

سوال :- انسان کا رنجیدہ ہونا اکثر مال اور اولاد اور جاہ کے لیے ہوتا ہے اور یہ بھی گناہ ہے۔ پس گناہ کا کفارہ گناہ سے کس طرح ہوگا؟

جواب :- ان اشیاء کی محبت گناہ ہے اور ان سے محروم رہنا اس کا بدلہ ہے۔ اگر محبت کے تقاضوں کے مطابق متمتع ہوتا تو پورا قصوروار ہوتا۔

حکایت :- حضرت جبرئیل علیہ السلام' حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس قید خانہ میں پیش ہوئے۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ آپ درد رسیدہ میرے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کو کس حال میں چھوڑا ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ ان کا غم دل کا درد اتنا ہے کہ جتنا کسی کے ایک سو بچے مر گئے ہوں۔ آپ نے پوچھا کہ پھر اس کا

ثواب اللہ کے یہاں کتنا ہوگا؟ انہوں نے فرمایا کہ سو شہیدوں کا۔ اس سے معلوم ہوا کہ غم دل بھی اللہ تعالیٰ کے حقوق کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ان گناہوں کا حال ہے جو بندے اور اللہ تعالیٰ کے مابین ہوں۔

حقوق العباد :۔ حقوق العباد میں اللہ تعالیٰ کے حقوق کا بھی تعلق ہوتا ہے' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں پر ظلم کرنے سے منع فرمایا ہے تو جو شخص کسی دوسرے پر ظلم کرے گا' وہ پہلے اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرے گا۔ جو گناہ اس قسم کے ہوں' ان میں حقوق الٰہی کا تدارک تو یہ ہے کہ ندامت اور حسرت کرے اور آئندہ ایسا کام نہ کرے اور جو نیکیاں ان جرائم کی ضد ہوں' انہیں عمل میں لائے مثلاً اگر عوام کو ستایا ہو تو ان پر احسان کرے اور مال چھینا ہو تو اپنے حلال مال سے اس کے کفارہ کے لیے خیرات کرے۔ اگر کسی کی غیبت یا طعن و تشنیع کی ہو تو اس کی تعریف کرے بشرطیکہ مسلمان ہو' وہ اس کے ہمعصر ہوں۔ ان کی اچھی بات کو ظاہر کرے۔ اگر کسی کو قتل کیا ہو تو غلام آزاد کرے' اس میں بھی گویا ایک قسم کا زندہ کرنا پایا جاتا ہے۔ اس لیے کہ غلام اپنے نفس کے اعتبار سے معدوم ہے اور مالک کے اعتبار سے موجود' پھر آزاد کرنے میں گویا اسے حیات حاصل ہوتی ہے جو خاص اس کے نفس کے لیے ہو۔ اسی لیے آزاد کرنا ایک طرح کا ایجاد ہے کہ وہ من وجہ نیستی کے بالمقابل ہے اور انسان اس سے بڑھ کر اور کوئی ایجاد نہیں کر سکتا۔

فائدہ :۔ کفارہ اور محو کے باب میں ہم نے طریق مخالف کا چلنا لکھا ہے۔ شریعت میں اس کی نظیر موجود ہے' وہ ہے کفارہ قتل نفس میں غلام آزاد کرنا۔ وہ اس وجہ سے ہے کہ ایجاد بالمقابل فنا ہے۔ حقوق العباد میں صرف یہی کافی ہے اور یہی موجب نجات نہ ہوگا کہ ندامت و حسرت کرلے یا اس کے بالمقابل نیکی کرلے بلکہ اس کے لیے حقوق العباد کا ادا کرنا بھی ضروری ہے۔ حقوق العباد یا جان سے متعلق ہیں یا مال کے یا عزت سے یا دل سے اور متعلق بہ دل سے ہماری غرض ایذائے محض ہے۔

حقوق العباد کی تفصیل :۔ اگر ظلم جان پر ہوا ہے' بایں طور کہ قتل خطا کا مرتکب ہوا تھا تو اس کی توبہ یہ ہے کہ خون بہا مستحقین کو دے۔ اپنے پاس سے دے یا اپنے رشتہ داروں سے دلائے۔ جب تک مستحق کو خون بہا نہ پہنچے' اس وقت تک اس خطا سے بری نہ ہوگا۔

اگر قتل عمد موجب قصاص کا مرتکب ہوا تو اس کی توبہ قصاص سے مقبول ہوگی۔ کسی کو قتل کا حال معلوم نہ ہو تو قاتل پر واجب ہے کہ مقتول کے ولی سے قتل کا حال بیان کردے اور اپنی جان اس کے اختیار میں کردے چاہے وہ معاف کردے چاہے قتل کرائے اور بغیر اس کے اور کسی طرح بری الذمہ نہ ہوگا۔

مسئلہ :۔ اس کا چھپانا ہرگز درست نہیں اور اس کی صورت ایسی نہیں جیسے زنا اور چوری اور شراب خوری اور رہزنی یا وہ فعل کہ جس پر اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی سزا واجب ہوتی۔ ان صورتوں میں توبہ کے لیے یہ ضروری نہیں کہ اپنے نفس کو رسوا کرے اور اپنا پردہ فاش کردے اور ولی سے سوال کرے کہ اللہ تعالیٰ کا جو حکم ہے' مجھ پر جاری

کرو بلکہ یہ واجب ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے اس کا پردہ رکھا ہے' ویسے رہنے دے اور اپنے نفس پر ان اعمال کی سزا قائم کرے کہ قسم و قسم کے مجاہدات اور ریاضات نفس کے لیے تجویز کرے' اس لیے کہ محض حقوق خداوندی کا عفو توبہ اور ندامت سے ہو سکتا ہے۔ اگر ان صورتوں میں بھی حاکم تک نوبت پہنچادے گا اور اپنے اوپر حد جاری کر دے گا تب بھی توبہ صحیح اور اپنے موقع محل پر ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہوگی۔

قصہ ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ :- حضرت ماعز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں نے اپنے نفس پر بڑا ظلم کیا ہے' مجھ سے زنا ہو گیا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے اس قصور سے پاک کر دیں۔ آپ نے ان کا کہنا قبول نہ فرمایا۔ دوسرے دن پھر آکر اسی طرح عرض کیا' اس دن بھی آپ نے ٹال دیا۔ جب تیسرے دن پھر عرض کیا تو آپ نے ان کے لیے گڑھا کھدوا کر سنگسار کرا دیا۔

فائدہ :- حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق دو فریق ہو گئے۔ ایک فریق کہتا تھا کہ ان کی موت ایسے حال میں ہوئی کہ گناہوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ دوسرے فریق کا قول تھا کہ اس کی توبہ سے سچی توبہ اور کوئی نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فریق دوم کی تصدیق فرمائی کہ ایسی توبہ کی ہے کہ اگر تمام امت میں اس کی توبہ تقسیم کی جائے تو تقسیم ہو سکتی ہے۔

قصہ بی بی غامدیہ رضی اللہ عنہا :- بی بی غامدیہ رضی اللہ عنہا نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ مجھ سے زنا صادر ہوا' آپ مجھے پاک کریں۔ آپ نے قبول نہ فرمایا۔ دوسرے دن اس نے پھر عرض کیا کہ آپ مجھے کیوں پاک نہیں فرماتے؟ کیا مجھے آپ ماعز کی طرح سمجھتے ہیں؟ مجھے زنا کا حمل بھی موجود ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جب تک بچہ نہ ہو گا' اس وقت تک حد جاری نہ ہوگی۔ جب اس کے بچہ پیدا ہوا' اسے ایک کپڑے میں لپیٹ کر لائی اور عرض کیا کہ بچہ پیدا ہو چکا۔ آپ نے فرمایا' اسے دودھ پلا۔ جب بچہ دودھ چھوڑ دے گا' تب دیکھا جائے گا۔ جب اس کے بچے نے دودھ چھوڑا تو وہ عورت بچے کو لائی' اس کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا دودھ چھڑایا گیا ہے اور یہ غذا کھانے لگا ہے۔ آپ نے اس لڑکے کو ایک صحابی کے حوالہ کر دیا اور غامدیہ رضی اللہ عنہا کے لیے سینے تک گڑھا کھدوایا اور صحابہ کو سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ جب حضرت خالد بن ولید نے جو ایک پتھر اس کے سر میں مارا تو خون کی چھینٹیں ان کے چہرے پر پڑیں۔ انہوں نے اسے گالی دی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی گالی سن کر فرمایا کہ اے خالد گالی نہ دے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ اس بی بی نے ایسی توبہ کی ہے کہ ایسی توبہ صاحب مکس کرے تو بھی مغفرت ہو جائے۔ پھر آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی' پھر دفن کی گئی۔

فائدہ :- مکس اس تاوان کو کہتے ہیں جو عشر لینے والا عوام سے لیتا ہے۔ جیسے آج پولیس اور بدمعاش لوگ مختلف طریقوں سے لوٹ مار کر رہے ہیں۔ کبھی اسے بھتہ کہتے ہیں' کبھی کچھ (اویسی غفرلہ) حدیث شریف میں ہے مکس

لینے والا جنتی نہ ہو گا۔ اس حدیث میں فرمایا کہ اگر مکس والا بھی ایسی توبہ کرلے تو قابل دخول جنت نہیں مگر اس کی بھی مغفرت ہو جائے فقط۔ حقوق الٰہی کی توبہ بغیر معاف کرائے بندوں کے بھی ہو سکتی ہے مگر قصاص اور حد قذف میں مستحق کو اپنے اوپر اختیار دے دینا ضروری ہے۔

مسئلہ :۔ مال کا حال یہ ہے کہ اگر کسی کا مال غصب یا خیانت یا معاملے میں غبن کرنے سے لے لیا ہو مثلاً کسی کو دھوکا دیا یا اپنی چیز کا عیب خریدار سے نہ کہا ہو یا کھوٹا دام چلا دیا ہو یا مزدور کی مزدوری کم دی ہو تو ایسی قسم کی سب باتوں کی تلاش واجب ہے اور ان میں کچھ قید حد بلوغ نہیں اس کا علیحدہ کرنا واجب ہے بشرطیکہ اس کے ولی نے اس میں کوتاہی کی ہو اور اگر بعد بلوغ ایسا نہ کرے گا تو ظالم ٹھہرے گا اور اس کا مواخذہ اس کی گردن پر رہے گا۔ حقوق مالی میں لڑکا اور جوان اسی لیے شروع پیدائش سے توبہ کے دن تک ذرہ ذرہ کا حساب کرلے۔ ایسا نہ ہو کہ اس کا حساب قیامت میں ہو تو مواخذہ میں پھنس جائے' اس لیے کہ جو بندہ اپنے نفس کا حساب دنیا میں نہیں کرتا۔ اس کا حساب قیامت میں بہت طویل ہوتا ہے۔ جب اس طرح حساب کرنے سے گمان غالب اور قدر طاقت کے مطابق معلوم ہو جائے کہ میرے ذمے لوگوں کا اتنا مال ہے تو چاہیے کہ وہ مال جس جس کا ہو' تمام اسماء ترتیب وار لکھے' پھر شہروں اور علاقوں میں جا کر ایک ایک کی تلاش کرے۔ ان سے معاف کرائے جس کا جتنا ہو' اس کے حوالے کرے۔ یہ توبہ ظالموں اور تاجروں پر مشکل ہے' اس لیے کہ ان سے تمام اہل معاملہ کا تلاش کرنا نہیں ہو سکتا' نہ ان کے وارثوں کی تلاش کر سکتے ہیں لیکن ان پر بھی واجب ہے کہ حتی الامکان سعی کریں۔

اگر اس سے عاجز ہو تو اس کا اور کوئی علاج نہیں بجز اس کے کہ نیکیاں اتنی کثرت سے کرے کہ قیامت کے دن حقدار کا حق ادا ہو سکے اور اس کے نامہ اعمال میں سے حق داروں کے کھاتے میں رکھ لیے جائیں گے تو ضروری ہوا کہ جتنے حقوق لوگوں کے اس کے ذمے ہوں' انہیں کے موافق نیکیاں بھی ہوں ورنہ اگر نیکیاں حقوق کو ادا وفا نہ کریں گی تو حق داروں کے گناہ اس کے ذمہ کر دیئے جائیں گے اور دوسروں کے گناہوں کے بدلے مارا جائے گا۔

طریقہ توبہ :۔ جو حق داروں کے حقوق ادا کرنا چاہے' اس کی توبہ کا طریقہ ہم آگے چل کر عرض کرتے ہیں لیکن اس سے سوچ لے کہ تمام عمر نیکیوں میں گزارے بشرطیکہ بقیہ عمر اتنی ہو کہ جتنا غیروں کے حقوق کھانے میں گزاری مگر چونکہ عمر کا حال معلوم نہیں شاید موت تک کا زمانہ بہ نسبت ایام ظلم کے قلیل ہو' اس لیے ضروری ہوا کہ جس قدر برائیوں کے لیے مستعد تھا' اس سے زیادہ نیکیوں کے لیے مستعد رہے کیونکہ گناہوں کے لیے وقت بہت تھا اور نیکیوں کے لیے معلوم نہیں شاید تھوڑا ہی وقت ہو اور جو مال کہ اپنے پاس موجود ہے اور اس کا مالک بھی معلوم ہو تو اس کے حوالے کر دینا چاہیے اور جس کا مالک معلوم نہ ہو تو اس کو خیرات کر دینا چاہیے۔ (یہی طریقہ توبہ ہے) چنانچہ اس کی تفصیل باب حلال و حرام میں گزر چکی۔

دل آزاری کا تدارک :۔ یعنی لوگوں کے سامنے ایسی باتیں کرے جن سے دل آزاری ہو یا غیبت کرے تو اس کا

تدارک یہ ہے کہ جس پر زبان درازی کی یا دل دکھایا تو ہر ایک کو تلاش کر کے معاف کرائے۔ اگر کوئی مرگیا ہو یا مفقود الخبر ہو تو اس کا تدارک نہیں سوائے اس کے کہ نیکیاں بہت زیادہ کرے تاکہ قیامت میں بدلہ کے طور نیکیاں دے سکے اور جو صلحائے اور بخوشی و رضا معاف کر دے تو اس کا کفارہ ہو جائے گا مگر اس پر واجب ہے کہ جتنا قصور کیا ہو یا جو کچھ زبان سے کہا ہو' وہ بیان کر دے۔ مبہم معافی کافی نہ ہوگی کیونکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب کسی دوسرے کی زیادتی اپنے اوپر معلوم ہوتی ہے تو اس کا دل معاف کرنے کو نہیں چاہتا اور قیامت پر چھوڑتا ہے کہ اس دن اس کی نیکیاں بدلے میں لوں گا میرے قصور اس کے ذمے ہو جائیں گے۔

مسئلہ :۔ اگر کوئی ایسا ہو کہ اس کے بیان کرنے سے دوسرے کو ایذا ہوگی مثلاً کسی عورت یا لونڈی سے زنا کیا ہو یا زبان سے ایسا عیب لگایا ہو جو اس کے حصہ عیوب میں سے ہو تو ظاہر ہے کہ ان باتوں کو اگر اس کے سامنے بیان کرے گا تو اس کو بہت بڑی تکلیف ہوگی۔ ایسی صورت میں معافی کا راستہ مسدود ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ مبہم معاف کرائے' پھر جو کمی رہ جائے گی' اسے نیکیوں سے پورا کرے جیسے مردہ اور مفقود الخبر کے لیے بیان ہوا لیکن اس کا ذکر کرنا ایک اور گناہ ہے۔ اسے بھی معاف کرانا واجب ہے۔ جس کا قصور کیا ہے' اس کے سامنے قصور کا ذکر کیا اور معاف کرانے پر وہ راضی نہ ہوا تو اس کا وبال مجرم کے ذمے ہے' اس لیے کہ دوسرے کا حق ابھی باقی ہے۔ اس صورت میں مجرم کو چاہیے کہ اس کے ساتھ نرمی سے پیش آئے اور اس کے کار خدمت اور ضروریات میں کام آئے اور اس کے ساتھ اپنی محبت اور شفقت ظاہر کرے جس سے اس کا دل اس کی طرف مائل ہو جائے کیونکہ انسان بندہ احسان ہے۔

قاعدہ :۔ یہ اصول ہے کہ اگر کوئی کسی سے ناراض ہو تو وہ احسان اور احسن سلوک سے راضی ہو جاتا ہے کیونکہ جب اس کا دل مجرم کی طرف سے نرمی اور محبت سے دیکھے گا تو معاف کرنے کے لیے راضی ہو جائے گا۔ اگر اس پر بھی معاف نہ کرنے پر اصرار کرے تو مجرم کی نرمی اور معذرت منجملہ ان نیکیوں کے ہوگی جن سے قیامت میں قصور کا بدلہ ہو سکے مگر اہل حق کی خوشی اور رضامندی اور دلجوئی اور نرمی میں اتنی کوشش کرے کہ جتنا اس کی دل آزاری میں کی تھی تاکہ قیامت میں بدلہ کے وقت برابر یا زیادہ ہو جائے۔

مثال :۔ اگر دنیا میں کوئی کسی کا مال ضائع کر دے پھر وہ اتنا مال لا کر مالک کو دے اور وہ نہ لے اور نہ اپنا مال معاف کرے تو حاکم اس مال کے لیے مالک کی اجازت کا حکم صادر کر دے گا۔ مالک کی مرضی ہو یا نہ ہو اسی طرح قیامت میں جب احکم الحاکمین کا حکم جاری ہوگا تو وہاں بھی ایسا ہی حکم ہوگا۔

حدیث شریف :۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلی امتوں میں ایک شخص تھا جس نے ننانوے (99) قتل کیے۔ وہ توبہ کے لیے ایک راہب کے پاس گیا اور کہا کہ میں نے ننانوے قتل کر ڈالے ہیں۔ میری توبہ بھی قبول ہوگی' راہب نے کہا' نہیں۔ اس نے راہب کو مار

ڈالا- اس سے سو (100) قتل پورے کیے- پھر پوچھا کہ اس سے بڑا عالم کون ہے' لوگوں نے بتلا دیا کہ فلاں عالم ہے- وہ اس کے پاس آگیا اور کہا کہ میں نے سو (100) آدمی قتل کیے ہیں' میری توبہ قبول ہو گی یا نہ- اس عالم نے فرمایا کہ توبہ قبول ہونے کے لیے کون سی شے مانع ہے- جب توبہ کرے گا' قبول ہو گی لیکن علاقہ میں جا وہاں بعض لوگ اللہ کی عبادت کرتے ہیں تو بھی ان کے ساتھ عبادت کرنا اور اپنے وطن میں واپس نہ آنا کہ علاقہ اچھا نہیں- وہ شخص جب نصف راہ طے کر چکا تو اسے موت نے آلیا- اب رحمت اور عذاب کے فرشتوں میں بحث ہوئی- رحمت کے فرشتوں نے کہا کہ یہ شخص تائب ہو کر دل سے متوجہ الی اللہ ہو کر آرہا ہے' کی روح کے مستحق ہم ہیں اور عذاب کے فرشتوں نے کہا کہ اس نے کبھی کوئی نیک کام نہیں کیا' اس لیے اس کی روح کے مستحق ہم ہیں- اسی دوران ایک فرشتہ بصورت بشر پہنچا تو دونوں نے اپنے معاملے کا مالک بنا دیا- اس نے کہا کہ دونوں زمینوں کا فاصلہ معلوم کرنا چاہیے' جس طرف کا فاصلہ کم ہو' اسے اسی طرف شمار کرنا چاہیے- جب فاصلہ دیکھا گیا تو جس زمین کو جانا منظور تھا' اس کا فاصلہ کم ٹھہرا- اسی وجہ سے رحمت کے فرشتوں نے اس کی روح لے لی-

فائدہ :- دوسری روایت میں ہے کہ اس، مقصد تک ایک بالشت کم نکلا تو وہ اسی نیکیوں میں شمار ہوا- ایک اور روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس زمین کو دور ہونے کا اور دوسری کو قریب ہو جانے کا حکم کیا- پھر فرشتوں کو حکم فرمایا کہ دونوں کا فاصلہ دیکھ لو تو جس زمین کو وہ جا رہا تھا' وہ ایک بالشت کم فاصلے پر تھی' اس لیے معاف کر دیا- اس سے معلوم ہوا کہ نجات کی صورت اسی میں ہے کہ حسنات کا پلہ بھاری رہے' اگرچہ ذرہ برابر ہو' اسی وجہ سے تائب کے لیے کثرت سے نیکیاں ضروری ہیں- یہ واقعہ زمانہ گزشتہ سے متعلق تھا- اب زمانہ آئندہ کے متعلق سنئے- وہ یہ کہ تائب کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ عہد مستحکم کرے کہ ان گناہوں کی طرف رجوع نہ کروں گا اور نہ ان جیسے گناہوں کا مرتکب ہوں گے-

مثال :- بیمار اپنے مرض میں یہ سمجھے کہ فلاں میوہ مجھے نقصان کرتا ہے تو دل میں عہد کرے کہ جب تک بیماری سے تندرست نہ ہو گا' وہ میوہ نہ کھائے گا- یہ ارادہ اس وقت تو پختہ ہوتا ہے لیکن ممکن ہے کہ کسی وقت اس پر غلبہ شہوت ہو جائے مگر تائب تب پختہ کہلائے گا جب توبہ کے وقت پختہ ارادہ کرے-

تائب کو یہ بات ابتدا میں پوری تب ہو گی جب گوشہ نشینی اور سکوت اور قلت غذا اور کم خوابی اور غذا حلال اختیار کرے گا- پھر اگر اس کے پاس مال موروثی حلال موجود ہے یا کوئی پیشہ ایسا کرتا ہے جس سے بسر اوقات کے موافق حاصل کر لیتا ہے تو اسے اسی پر اکتفا کرنا چاہیے- اس لیے کہ حرام کھانا تمام گناہوں کی جڑ ہے- اگر حرام خوری پر اصرار کرتا رہے گا تو تائب کیسے ہو گا اور جو شخص غذا اور لباس میں سے اپنی من بھاتی چیزیں نہیں چھوڑ سکتا' اس سے مال حلال پر کفایت نہیں ہو سکتی اور نہ مال شبہ اس سے چھوٹ سکتا ہے-

بعض اکابر کا قول ہے کہ جو شخص خواہشات نفسانی کے ترک کرنے میں سچا ہو اور اللہ تعالیٰ کے لیے سات

دفعہ اپنے نفس پر حملہ کرے تو پھر وہ اس میں مبتلا نہ ہوگا۔ ایک اور بزرگ فرماتے ہیں کہ جو شخص گناہ سے توبہ کر کے سات برس تک پکا رہے تو پھر کبھی اس سے وہ گناہ نہ ہوگا۔

فائدہ:۔ تائب کے لیے ضروری ہے کہ اگر وہ بے علم ہے تو جو زمانہ آئندہ میں بات واجب ہے یا حرام ہے' اسے سیکھ لے تاکہ سیدھے راستہ پر چل سکے۔ اگر گوشہ نشینی اختیار کرے گا تو استقامت کامل نصیب نہ ہوگی۔ صرف اتنا ہوگا کہ بعض گناہوں سے توبہ کر لے گا مثلاً شراب اور زنا اور غضب سے' لیکن یہ مطلق توبہ نہیں بلکہ ایسی توبہ کے لیے بعض صوفیہ کہتے ہیں کہ درست نہیں اور بعض کہتے ہیں کہ درست ہے اور درست کا لفظ اس جگہ مجمل ہے' اس کی تفصیل چاہیے۔

مذکورہ بالا درستگی کی تفصیل:۔ ہم فریق اول سے سوال کرتے ہیں کہ توبہ درست نہ ہونے سے اگر تمہاری مراد یہ ہے کہ آدمی اگر بعض گناہوں کو چھوڑ دے تو اس کے لیے مفید نہیں بلکہ چھوڑنا اور نہ چھوڑنا دونوں برابر ہیں تو یہ تمہاری غلطی ہے' اس لیے کہ ہم جانتے ہیں کہ گناہوں کی کثرت عذاب کی کثرت کا سبب ہے اور ان کی کمی موجب کمی ہے۔ (یہ گروہ غلطی پر ہے) دوسرا گروہ جو توبہ کو درست بتاتے ہیں' ان سے ہم پوچھتے ہیں کہ اگر تمہاری مراد یہ ہے کہ بعض گناہوں سے توبہ کرنا ایسے قبول کا سبب ہے جس سے آدمی نجات اور کامیابی کے درجے کو پہنچ جائے تو یہ بھی غلطی ہے کیونکہ نجات اور کامیابی بظاہر تمام گناہوں کے چھوڑنے سے حاصل ہوتی ہے اور خفیہ اسرار عفو الٰہی میں ہم کلام نہیں کرتے مگر ظاہر کے اعتبار سے قرین قیاس یہی ہے۔

فائدہ:۔ اگر فریق اول یوں کہے کہ ہماری غرض توبہ کی نادرستگی یہ ہے کہ توبہ ندامت کا نام ہے اور گناہ پر انسان اس لیے ندامت کرتا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے مثلاً چوری پر چوری ہونے کی وجہ سے ندامت نہیں کرتا بلکہ اس وجہ سے کہ معصیت الٰہی کا سبب ہے۔ جب علت ندامت اللہ کی نافرمانی ٹھہری تو پھر یہ نہیں ہو سکتا کہ چوری پر ندامت کرے اور زنا پر نہ کرے کیونکہ دونوں میں اللہ کی نافرمانی موجود ہے تو ندامت جیسے ایک پر چاہیے ویسے ہی دوسرے پر چاہیے مثلاً جو شخص اپنے بیٹے کے تلوار سے قتل ہو جانے پر غم کرے گا' چھری سے قتل ہونے پر بھی اس کو لازماً درد ہوگا اس لیے کہ درد صرف محبوب کے جانے کا ہے' وہ تلوار سے ہو یا چھری سے۔ اسی طرح محب کو اپنے محبوب کی جدائی کا درد ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے محبوب جدا ہو جاتا ہے۔ وہ کوئی سی نافرمانی ہو' سب پر درد برابر ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک پر ہو اور ایک پر نہ ہو' اس لیے کہ ندامت اسی حالت کا نام ہے جو اس علم کے بعد آتی ہے کہ نافرمانی سے محبوب ہاتھ سے نکل جاتا ہے تو اب ممکن نہیں کہ بعض گناہوں پر تو ندامت ہو اور بعض پر نہ ہو اور اگر یہ ممکن ہو تو اس کا بھی قائل ہونا پڑے گا کہ اگر کوئی یوں توبہ کرے کہ دو مٹکوں میں سے ایک مٹکے کی شراب سے توبہ کرتا ہے نہ کہ دوسرے سے' ایسی توبہ کی درستگی محال ہے۔ اس وجہ سے کہ نافرمانی دونوں مٹکوں کی شراب میں ایک ہی ہے اور مٹکے صرف برتن ہیں۔ ان کے جدا ہونے سے حکم جدا نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح

چوری' زنا وغیرہ سب گناہ اسباب نافرمانی اللہ تعالیٰ کے ہیں اور مخالفت امر تمام میں مشترک ہے تو ہم جو توبہ کو نا درست کہتے ہیں' اس کا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تائبوں کے لیے جس مرتبہ کا وعدہ کیا ہے' وہ مرتبہ ندامت کے بغیر نہیں ملے گا اور ایک جیسی چیزوں میں سے نہیں ہو سکتا کہ ایک پر ندامت ہو اور ایک پر نہ ہو۔

مثال:۔ توبہ کا حصول ندامت کے بعد ایسے ہے جیسے ایجاب و قبول کے بعد شے کی ملکیت کا حصول۔ جب تک ایجاب و قبول نہیں ہوتا تو معاملہ بھی نادرست رہتا ہے یعنی جو ثمرہ ملکیت کا اس پر مرتب ہونا چاہیے وہ نہیں ہوتا اسی طرح جب تک ندامت اس طرف سے نہ ہو گی کہ گناہ باعث نافرمانی کا سبب ہیں' اسے جہت تک اس کا ثمرہ توبہ بھی نادرست ہو گا اور گناہوں کا نافرمانی الٰہی ہونا تمام معاصی کو شامل ہے۔ کسی کی تخصیص نہیں۔

ندامت و ترک میں فرق:۔ ترک اور ندامت میں فرق ہے وہ یہ کہ صرف چھوڑ دینے کا ثمرہ تو یہ ہے کہ جس چیز کو چھوڑ دے گا' اس کا عذاب بھی منقطع ہو جائے گا اور ندامت کا ثمرہ یہ ہے کہ وہ پہلے گناہ کا کفارہ ہوتا ہے مثلاً اگر چوری چھوڑ دے گا تو جس چوری کو چھوڑے گا' اسی کا عذاب بھی اس کو نہ ہو گا۔ یہ نہیں کہ پہلے جو چوری کی تھی' اس کے چھوڑنے سے وہ بھی محو ہو جائے بلکہ اس کے محو ہونے کے لیے ندامت ضروری ہے۔

فائدہ:۔ سالک پر لازم ہے کہ وہ ایسی تفصیل بیان کرے جس سے مطلب واضح ہو جائے' اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ بعض گناہوں سے توبہ کرنے کی تین صورتیں ہیں۔ (1) صرف گناہ کبیرہ سے۔ (2) صرف صغیرہ سے (3) بعض کبیرہ سے ہو اور بعض سے نہ ہو' صورت اول ممکن ہے۔ اس طرح کی توبہ کرنے والا جان لے کہ گناہ کبیرہ اللہ کے نزدیک بڑے ہوتے ہیں اور ان سے اس کا غصہ سخت ہوتا ہے اور صغیرہ پر معافی جلد ہوتی ہے تو اب ممکن ہے کہ وہ شخص بڑے گناہوں سے توبہ کرے اور ان پر نادم ہو۔

مثال:۔ کوئی بادشاہ کے حرم سے قصور کرے اور اس کے جانور کو بھی مثلاً مارے تو اس کو حرم پر گستاخی کا خوف زیادہ ہو گا۔ جانور کے مارنے کو حقیر سمجھے گا۔ اسی طرح جتنا بڑا گناہ ہوتا ہے اور جس قدر اللہ تعالیٰ سے دوری کا اعتقاد زیادہ ہوتا ہے۔ اسی قدر ندامت زیادہ ہوتی ہے اور شرع میں ایسا ہونا ممکن ہے۔

انتباہ:۔ دور سابق میں تائب بہت زیادہ گزرے ہیں حالانکہ کوئی بھی ان میں معصوم نہ تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ توبہ کے لیے عصمت ضروری نہیں۔

کوئی طبیب بیمار کو شہد سے زیادہ ڈرائے اور شکر سے کم اور اسی طرح شکر کا بیان کرے جس سے مریض کو معلوم ہو کہ بعض دفعہ ضرر نہیں کرتی بیمار طبیب کے کہنے سے شہد سے تو توبہ کرے گا مگر شکر سے نہیں۔ اگر شہوت کے غلبہ میں دونوں کو کھالے گا تو ندامت شہد کھانے پر کرے گا۔

صورت دوئم یہ ہے کہ بعض کبائر سے توبہ کرے اور بعض سے نہ کرے۔ یہ بھی ممکن ہے کیونکہ بعض

لوگوں کے اعتقاد میں یہ بات ہوتی ہے کہ بعض کبیرہ بہ نسبت بعض کے شدید اور سخت ہیں مثلاً کوئی شخص قتل اور غارت اور ظلم اور لوگوں کے حق دبانے سے توبہ کر لے۔ اس خیال سے کہ حقوق العباد ہرگز معاف نہ ہوں گے اور حقوق اللہ معاف ہو سکتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ جیسے کبیرہ اور صغیرہ میں فرق تھا اور اس لحاظ سے صورت اول ممکن ہوئی تھی۔ ویسے ہی گناہ کبیرہ بھی ایک دوسرے سے شدت میں کم و بیش ہیں اور ان میں خود بھی تفاوت متحقق ہے اور مرتکب کے اعتقاد کی رو سے بھی تفاوت ممکن اور اسی لحاظ سے انسان کبھی ایسے گناہوں سے بھی توبہ کر لیتا ہے جن کا تعلق بندوں سے نہ ہو مثلاً شراب پینے سے تائب ہوتا ہے' زنا سے نہیں ہوتا کیونکہ اس کو اس بات کا اعتقاد ہوتا ہے کہ شراب تمام برائیوں کی کنجی ہے اور اگر اس کے پینے سے عقل لغزش کھا جائے گی تو نادانستہ سب گناہوں کا مرتکب ہو جائے گا تو جس قدر شراب خوری کی برائی اس کے ذہن میں ہوگی' اسی قدر اس کو خوف پیدا ہوگا جس کے بعد نہ پیئے اور گزشتہ پر ندامت کر لے۔

صورت سوئم وہ یہ کہ ایک صغیرہ یا چند صغائر سے تو توبہ کر لے مگر کبیرہ پر باوجود جاننے کے کہ یہ گناہ کبیرہ ہے' اصرار کیے جائے مثلاً کوئی شخص غیبت سے یا غیر محرم کی طرف دیکھنے سے یا اور کسی ایسے ہی گناہ سے توبہ کرے مگر شراب خوری پر اصرار کرے تو یہ صورت بھی ممکن ہے اور اس کے امکان کی وجہ یہ ہے کہ کوئی ایماندار ایسا نہیں جو اپنے گناہوں سے نہ ڈرتا ہو اور اپنے افعال پر ندامت نہ کرتا ہو۔ کسی کو ندامت تھوڑی ہوتی ہے' کسی کو زیادہ لیکن جس قدر گناہ میں اس کو لذت ہوتی ہے' اسی قدر خوف کی وجہ سے دل میں رنج نہیں ہوتا بلکہ لذت غالب ہوتی ہے اور خوف کم اور خوف کے کمزور ہونے کی وجہ جہالت یا غفلت یا اور کوئی سبب ہوتا ہے اور غلبہ شہوت اسباب سے لذت قوی رہتی ہے۔ اسی لیے اگرچہ اس سے ندامت ہوتی ہے مگر اتنی نہیں کہ اس سے انسان اپنے عزم پر قادر ہو پس اگر شہوت قوی سے بچ جائے اور بمقابلہ خوف شہوت کمزور ہو جائے تو خوف غالب ہو کہ شہوت کو مٹا دے گا۔ اس کا انجام یہ ہوگا کہ انسان چھوڑ دے گا۔

فائدہ :- کبھی فاسق کو شراب کی ایسی رغبت ہوتی ہے کہ اس سے صبر نہیں کر سکتا مگر غیبت اور عیب جوئی اور غیر محرم کے دیکھنے کی خواہش اتنا نہیں ہوتی اور خوف الٰہی اس درجہ کا رکھتا ہے کہ رغبت ضعیف کا مٹانا اس سے ہو سکتا ہے لیکن قوی کا نہیں ہو سکتا تو اس خوف کی وجہ سے ایسے افعال کے ترک کا عزم کر لیتا ہے جن کی رغبت کم ہوتی ہے اور اپنے دل میں کہتا ہے کہ اگر شیطان بعض گناہوں میں غلبہ شہوت کی وجہ سے مجھ پر غالب ہو گیا تو مجھے نہیں چاہیے کہ میں اسی کے قبضہ میں ہوں اور اس کے سامنے ہتھیار ڈال دوں بلکہ بعض گناہوں میں تو اس کا مقابلہ کر کے اس پر غالب آجاؤں تاکہ شاید بعض گناہوں کا کفارہ ہو۔

اگر فاسق کو یہ خیال نہ ہو تو وہ نماز پڑھنا اور روزہ رکھنا اسے سمجھ میں نہیں آتا۔ اگر اسے یہ کہا جائے کہ تو جو نماز پڑھتا ہے' اگر غیر اللہ کے لیے ہے تو ناجائز ہے اور اگر اللہ کے لیے ہے تو فسق کو بھی اللہ کے لیے چھوڑ دے کیونکہ اللہ کا حکم دونوں چیزوں کا ایک جیسا ہے' پھر نماز تقریب الی اللہ کا قصد کرنا اور ترک فسق سے کرنا غیر ممکن ہے تو اس

کا جواب وہ یہ دے گا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لیے دو حکم فرمائے اور میں اگر دونوں کو نہ مانوں تو دو عذاب مجھ پر ہوں لیکن ایک کی بجا آوری میں تو میں شیطان کے دبانے کی قدرت رکھتا ہوں اور دوسرے کی بجا آوری میں عاجز ہوں تو جس پر میں قادر ہوں' اس سے شیطان کو مغلوب کرتا ہوں اور اپنے مجاہدے سے مجھے توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مجاہدے کو اس تقصیر کا کفارہ کرے جس میں میں عاجز ہوں۔

فائدہ :۔ اس کے امکان میں کوئی شک نہیں بلکہ ہر مسلمان کا یہی حال ہے کیونکہ کونسا مسلمان ہے جو جامع طاعت و معصیت کا نہ ہو اس کی وجہ سوائے تقریر مذکورہ بالا کے اور کوئی نہیں۔ یہ بات جب یہ سمجھ چکے تو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ خوف کا غالب آنا شہوت پر بعض گناہوں میں ممکن ہے اور یہ کہ خوف اگر فعل گزشتہ سے ہو گا تو موجب ندامت ہو گا اور ندامت مورث عزم ہوتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے الندم توبة "ندامت توبہ ہے۔" اس میں یہ شرط نہیں کہ سب گناہوں پر ندامت ہو۔
حدیث میں ہے التائب من الذنب کمن لا ذنب له ترجمہ "توبہ کرنے والا گناہوں سے ایسے ہے کہ گویا جیسے اس نے گناہ نہ کیا ہو۔" الخ

فائدہ :۔ اس میں تمام گناہوں میں تائب نہیں فرمایا۔ اس تحقیق سے وہ قول مذکورہ بالا جاتا رہا کہ دو مٹکوں میں سے ایک مٹکے کی شراب سے توبہ کرنی غیر ممکن ہے۔ اس وجہ سے کہ ان دونوں کا حال شہوت اور اللہ تعالیٰ کے غضب میں گرفتاری برابر ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ شراب خوری سے توبہ کرے اور نبیذ سے توبہ نہ کرے' اس لیے کہ غضب الٰہی کے اعتبار سے ان دونوں میں فرق ہے۔ اسی طرح بہت گناہوں سے توبہ کرے اور تھوڑے سے توبہ نہ کرے' اس لیے کہ کثرت گناہوں کو کثرت عقوبت میں تاثیر ہوتی ہے تو خوف زیادتی عقوبت کے خوف سے بعض شہوت میں اللہ کے لیے چھوڑ دیتا ہے اور جس خواہش میں اس خوف کا کچھ اثر نہیں ہوتا' اسے نہیں چھوڑتا۔

مثال :۔ کسی بیمار کو طبیب کسی میوے کی ممانعت کر دے تو وہ کم کھانے پر تو جرات کر بیٹھتا ہے لیکن زیادہ پر جرات نہیں کرتا۔ یہ طبیب کے کہنے کی وجہ سے ہے۔ ویسے میوہ تھوڑا سا کھا لینا مضر نہیں' اسی لیے بیمار اسے نہیں چھوڑتا۔

اس سے ثابت ہوا کہ یہ بات غیر ممکن ہے کہ کوئی ایک چیز سے تو توبہ کر لے اور اسی جیسی دوسری سے توبہ نہ کرے بلکہ ضروری ہے کہ جس سے توبہ کی ہو وہ اس کے مخالف بھی ہو کہ جس سے توبہ نہیں کی خواہ مخالفت باعتبار شدت کے ہو یا باعتبار غلبہ شہوت کے۔

جب یہ فرق توبہ کرنے والے کے اعتقاد میں موجود ہو جاتا ہے تو اس کے مطابق اس کا حال بھی خوف اور ندامت میں مختلف ہوتا ہے اور اس سے ترک کے لیے آئندہ کا حال بھی مختلف ہوتا ہے۔ بس توبہ کرنے والا اگر گناہ گزشتہ پر نادم ہو اور عزم ترک کو نبھالے تو ان لوگوں میں شمار ہو گا جنہوں نے گناہ نہ کیا ہو' اگرچہ اس نے طاعت

الٹی نہ کی۔

سوال :۔ اگر کوئی نامردی کے باوجود زنا کرلے اور حالت نامردی میں اس سے توبہ کرلے تو اس کی توبہ درست ہوگی یا نہ؟

جواب:۔ نہ اس لیے کہ توبہ اس ندامت کا نام ہے جس سے عزم ترک ایسے افعال کا عزم ہو جن کے کرنے پر قدرت ہو اور جن پر قدرت کی نہیں وہ تو خود بخود چلے گئے' اس کے چھوڑنے سے نہیں گئے۔

اگر بعد نامردی کے اسے زنا کے ضرر کی واقفیت ہو۔ اس وجہ سے ایسی حسرت و ندامت جوش زن ہوئی کہ اگر بالفرض اسے شہوت بھی ہوتی تو اس ندامت سے جاتی رہتی یا مغلوب ہو جاتی تو ایسی صورت میں توقع ہے کہ اس کا قصور معاف ہو کہ یہ ندامت اس کا کفارہ ہو جائے کیونکہ اس میں خلاف نہیں کہ اگر پہلے نامردی کے توبہ کرلیتا اور توبہ کے بعد مرجاتا تو تائبوں سے ہوتا۔ اگرچہ اس پر کوئی ایسی حالت طاری نہیں ہوئی جس میں ہیجان شہوت ہوتا اور قضائے شہوت کے سامان میسر ہوتے مگر اس کو تائب اسی لیے کہتے ہیں کہ اس کی ندامت ایسے درجہ کو پہنچ گئی ہے کہ اگر بالفرض قصد زنا ظاہر بھی ہوتا تو ندامت کی وجہ سے زنا سے بچ جاتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ نامرد کے حق میں ندامت کا اس درجے کو پہنچانا محال تو نہیں مگر یہ کہ اسے اپنے نفس کا حال معلوم نہیں کیونکہ جو شخص کسی چیز کی خواہش نہیں رکھتا' وہ اپنے نفس کو ادنیٰ خوف سے اس کے ترک پر قادر فرض کرلیتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ اس کے دل کا حال اور مقدار ندامت کو خوب جانتا ہے۔ شاید اس کی توبہ قبول کرے اور بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ قبول فرمائے۔

اس سب کا خلاصہ یہ ہے کہ گناہ کی تاریکی دل سے دور ہونے کے لیے دو باتیں ضروری ہیں۔ (1) سوزش ندامت _ (2) ترک معصیت۔ اس کے لیے آئندہ کے مجاہدے کی شدت اور بصورت نامردی زوال شہوت کی وجہ سے مجاہدہ نہیں ہو سکتا لیکن اگر ندامت ہی اتنی قوی ہو کہ بغیر مجاہدے کے گناہ کی ظلمت دور کر دے تو محال نہیں۔

اگر ایسا نہ ہو تو قائل ہونا پڑے گا کہ تائب کی توبہ اس وقت قبول ہوتی ہے۔ جب بعد توبہ کے ایک عرصہ زندہ رہے اور اس میں چند بار اس قصور کی تمنا میں اپنے نفس پر مجاہدہ کرلے مگر ظاہر شرع سے ہرگز یہ شرط مفہوم نہیں ہوتی۔ اگر دو تائب فرض کیے جائیں جن میں سے ایک کو تو گناہ کی طرف میلان نہیں اور دوسرے کو ہے مگر وہ نفس پر غلبہ پاکر اسے روکتا ہے تو ان کے ایک دوسرے کی فضیلت میں علماء کا اختلاف ہے۔ احمد بن ابی الحواری علیہ الرحمتہ اور ابو سلیمان دارانی علیہ الرحمتہ مجاہدہ کو افضل بتلاتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ اسے توبہ کے ساتھ مجاہدہ کا نفس بھی نصیب ہوا۔ دوسرے علماء بصرہ پہلے شخص کو افضل بتلاتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ وہ اگر توبہ میں سستی بھی کرے تو وہ سلامتی کی طرف کو قریب ہے بہ نسبت مجاہدہ کے کہ اس دوسرے کو مجاہدہ کی ضرورت ہوئی ہے۔ ان دونوں حضرات کے قول میں بظاہر اختلاف ہے لیکن حقیقت میں کوئی اختلاف نہیں۔

فیصلہ امام غزالی :- وہ شخص کہ جس کا گناہوں کی طرف میلان نہیں رہا' اس کی دو صورتیں ہیں۔ خود شہوت کے قصور سے میلان نہ ہو۔ ایسے شخص سے مجاہد نفس افضل ہے کیونکہ گناہ کو مجاہدہ سے چھوڑنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ شخص بڑا زبردست ہے کہ اس کا دین شہوت پر غالب ہے تو ظاہر ہے کہ اس کا یقین بھی قوی ہو گا اور دین بھی۔ دین کے قوی ہونے سے ہماری مراد ارادہ کا قوی ہونا ہے جو یقین کے اشارے سے پیدا ہوتا ہے اور اس شہوت کی بیخ کنی کرتا ہے جو شیاطین کے اشارہ سے پیدا ہوتی ہے۔ مجاہدہ سے دین و یقین کی قوت یقیناً معلوم ہوتی ہے۔ ہاں خواہش سے مٹا ہوا سلامتی کی طرف زیادہ قریب ہے' اس لیے کہ اگر توبہ میں سستی کرے تو گناہ نہ کرے گا تو یہ درست ہے مگر افضل کا لفظ استعمال کرنا اس مقام میں صحیح نہیں بلکہ یہ ایسے ہے جیسے کوئی کہے کہ مرد سے نامرد افضل ہے۔ اس لیے کہ نامرد شہوت کے خطرہ سے بے خوف ہے' ایسے ہی کہا جائے کہ نابالغ' بالغ سے افضل ہے۔ اس لیے کہ وہ سلامتی میں ہے۔ ایسے ہی مفلس اس بادشاہ سے افضل ہے جو اپنے دشمنوں کی جڑ کاٹتا ہے۔ اس لیے کہ مفلس کا کوئی دشمن ہی نہیں اور بادشاہ کو یہ خطرہ موجود کہ اگر وہ چند بار غالب ہو گا تو ایک دن مغلوب بھی ہو گا۔ اسی طرح کی باتیں ایسے لوگ کیا کرتے ہیں جو سیدھے سادھے ہیں اور صرف ظاہر پر نظر رکھتے ہوں اور وہ یہ نہیں جانتے کہ عزت اور برتری خطرہ کے مقامات میں کود جانے سے حاصل ہوتی ہے۔

ا۔ جیسے خواجہ محکم الدین سیرانی اویسی قدس سرہ۔

سادہ نظروں کی مثال :- سادہ طبع لوگوں کا قول ایسا ہے جیسے کوئی کہے کہ جس شکاری کے پاس گھوڑا اور کتا نہ ہو وہ فن شکار میں اس سے افضل ہے جس کے پاس یہ دونوں ہوں' اس لیے کہ گھوڑے اور کتے والے کو یہ خطرہ ہے کہ گھوڑا شرارت کر کے کہیں گرا کر ہاتھ پاؤں توڑ دے گا اور کتا شرارت کر کے شاید کاٹ کھائے۔ حالانکہ یہ بات غلط ہے' صحیح یہی ہے کہ گھوڑے اور کتے والا جب زبردست ہو گا اور ان دونوں کو قابو میں رکھنا جانتا ہو گا۔ وہ مرتبے میں دوسرے سے اعلیٰ ہو گا اور یہ شکار بھی خوب کرے گا۔

میلان گناہوں کا نہ ہونا اس وجہ سے ہے کہ اس کا یقین قوی ہو گیا ہو گا۔ اس نے مجاہدہ کر کے شہوت کو دبا دیا ہو گا۔ یہاں تک کہ شریعت کے ادب کی تابع ہو گئی ہو گی کہ بغیر احکام دین کے غصہ میں نہیں آتی ہو گی اور غلبہ دین کی وجہ سے ساکن ہو گئی ہو تو ایسا شخص اس سے اچھا ہے جسے غصہ شہوت کا رنج اٹھانا پڑتا ہے۔

ازالہ وہم :- وہ جو کہتے ہیں کہ دوسرے شخص کو مجاہدے کی وجہ سے فضیلت ہے' انہیں مقصد مجاہدہ کی خبر نہیں ورنہ ایسا نہ کہتے۔ اصل وجہ ہے کہ مجاہدہ خود ذاتی طور تو مقصود نہیں بلکہ اس سے مقصود دشمن نفس کو اپنے سے علیحدہ کرنا منظور ہے تاکہ وہ اپنی شہوات کی طرف کھینچ کر نہ لے جائے۔ اگر وہ کھینچ نہ سکے گا تو دین کی راہ پر چلنے سے ضرور روکے گا۔ اگر دشمن دب گیا اور مقصود حاصل ہو گیا تو جیت ہے۔ اگر اس سے لڑائی جھگڑا قائم ہے تو فتح نہیں ہو گی۔

مثال:۔ اگر ایک شخص دشمن کو پکڑ کر غلام بنالے اور دوسرا بھی اپنے دشمن سے لڑتا ہے اور طریق نجات نہیں جانتا تو ظاہر ہے کہ پہلا شخص نہایت اعلیٰ ہوگا' اسی طرح اگر ایک شخص کتے اور گھوڑے کو اتنا قابو میں لائے کہ دونوں اپنی اپنی حرکات ناشائستہ چھوڑ کر اس کے تابع ہو جائیں اور دوسرا شخص ان کی تادیب و تعلیم میں ابھی مشغول ہو تو مرتبے میں پہلا افضل ہے۔

غلطی کا اظہار:۔ اس بارے میں بعض لوگوں نے غلطی کی ہے۔ انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ اصل مقصود صرف مجاہدہ ہے اور یہ نہ سمجھا کہ مجاہدہ صرف اس لیے ہے کہ راہ سلوک کی موافقت نجات حاصل ہو جائے۔ اس سے بعض لوگوں کو یہ گمان ہو گیا کہ مقصود یہ ہے کہ شہوات کی ایسی بیخ کنی ہو کہ اسے بالکل نابود کر دیا جائے اور اسی گمان پر انہوں نے اپنے نفس کا امتحان لیا اور جب یہ بات مشکل ہوئی تو قائل ہوئے کہ یہ امر محال ہے اور شریعت کو غلط کہا (معاذ اللہ) گمراہ ہو کر اباحت کا راستہ اختیار کیا اور شہوات کی اتباع میں زندگی بسر کی۔ یہ ان کی جہالت اور گمراہی ہے (اس کی تقریر ہم نے احیاء العلوم جلد ثالث کے باب ریاضت نفس میں لکھی ہے)

سوال:۔ کوئی تائب اپنے گناہ کو بھول گیا اور نہ اسے وہ یاد آتا ہے اور نہ اس کا ذکر کرتا ہے۔ دوسرا گناہ کو پیش نظر رکھ کر ہمیشہ اس کی ندامت کی آگ میں جلتا رہتا ہے تو ان دونوں میں افضل کون ہے؟

جواب:۔ اس کے متعلق صوفیہ کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض کا قول تو یہ ہے کہ توبہ کی حقیقت یہی ہے کہ انسان اپنے گناہ پیش نظر رکھے۔ بعض کہتے ہیں کہ توبہ اس کا نام ہے کہ گناہ کو نسیاً منسیاً کر دے۔ یہ دونوں قول ہمارے نزدیک درست ہیں مگر دو حالتوں سے متعلق ہیں۔ بعض صوفیہ کرام کے کلام میں ہمیشہ کمی رہتی ہے' اس لیے کہ ان میں بعض کی عادت ہے کہ صرف اپنے نفس کا حال بیان کرتے ہیں۔ دوسروں کے حال سے ان کو غرض نہیں ہوتی حالانکہ احوال کے اختلاف سے جواب بھی مختلف ہوا کرتے ہیں اور علمی اعتبار سے یہ بات بعض صوفیہ کا نقص ہے کیونکہ اشیاء کی اصل حقیقت کو جاننا افضل و اعلیٰ ہے لیکن اگر ہمت و ارادہ کی نگاہ سے ان کے قول کو دیکھا جائے تو کمال ہے۔ اس لیے کہ جب سالک اپنے نفس کو دیکھتا رہے گا تو اسے کسی دوسرے کے حال سے غرض نہ ہوگی کیونکہ طریق الی اللہ نفس کے حق میں اس کا اپنا نفس ہے اور منازل سلوک نفس کے حالات ہیں تو اس نظر سے دوسرے کے حالات جاننے کی کوئی ضرورت نہیں اور کبھی سالک کا راستہ اللہ کی طرف تعلیم تعلم سے ہوتا ہے' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف راستے بہت ہیں۔ بعض نزدیک ہیں' بعض دور اور اصل ہدایت میں تمام شریک ہیں مگر اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ سب سے زیادہ ہدایت پر کون ہے۔

فائدہ:۔ گناہ کو سامنے رکھ کر اس پر درد مداومت کرنا مبتدی سالک کے حق میں کمال ہے' اس لیے کہ اگر مبتدی سالک گناہ کو بھول جائے تو اسے کوئی درد اور غم نہ ہوگا۔ اسی وجہ سے اس کا ارادہ بھی قوی نہ ہوگا اور شوق زیادہ نہ

اٹھے گا اور اگر گناہ کو یاد رکھے گا تو اس کا خوف و اندوہ اسباب کا مقتضی ہو گا کہ پھر پہلے کی طرح نہ کرے۔ بہرحال مبتدی سالک کا گناہ کو یاد رکھنا غافل کی نسبت کمال اور سالک طریق کے لیے نقصان اس لیے کہ یاد رکھنا بھی سلوک کے لیے مانع راہ چلنے کا ہے۔ سالک طریق کو سلوک طے کرنے کے بغیر کوئی اور کی طرف دھیان نہ کرنا چاہیے۔

فائدہ :۔ اگر سالک کی نگاہ میں منزل تک پہنچنے کے آثار معلوم ہوں اور انوار معرفت اور غیب کی چمک منکشف ہو جائے تو اس میں مستغرق ہو جائے گا اور پھر اس کو یہ گنجائش نہ ہو گی کہ اپنے پہلے حالات پر توجہ کرے' یہ درجہ کمال ہے مثلاً کسی مسافر کو راستہ میں نہر آئے کہ جس کا پل توڑ ڈالا گیا ہے۔ وہ پار اترنے کے لیے مدت تک حیران پریشان رہے' کسی وجہ سے پار اتر کر نہر کے کنارے بیٹھ کر رونا شروع کر دے کہ ہائے افسوس کہ اس کا پل کیوں توڑا گیا تو اس رونے سے اور زیادہ پریشانی ہو گی۔ ہاں اگر پار اترنے کے وقت سفر کا وقت نہ رہے تو پریشانی نہ ہو گی مثلاً رات کا وقت ہو کہ اس میں نہیں چل سکتا یا راستے میں اور بہت نہریں ہوں جن کے پار کرنے میں رات کو خطرہ ہو تو اس وقت اگر رات کو نہر کے کنارے بیٹھ کر اسی نہر کے پل توڑنے پر زیادہ گریہ و زاری کرے تاکہ پھر ویسی حرکت کبھی عمل میں نہ لائے گا تو کوئی حرج نہیں ہے لیکن اگر اسے ایک ہی خرابی میں اس قدر انجاہ ہو گیا ہو جس سے اسے احتمال ہو کہ پھر ایسی حرکت نہ کروں گا تو ایسے شخص کے حق میں راستہ طے کرنا بہتر ہے۔ اس سے جو پل توڑنے کے یاد کر کے روتا رہے اور وہاں بیٹھا رہے۔

فائدہ :۔ یہ وہی جانتا ہے جو طریق اور مقصد اور عائق اور سلوک کے طور کو جانتا ہو اور ان امور کو ہم نے احیاء العلوم جلد اول کے باب العلم میں اور جلد ثالث میں اشارتاً" بیان کیا ہے بلکہ ہمارے نزدیک تو دوام توبہ کی شرط یہ ہے کہ سالک آخرت کی دولت کو بہت زیادہ سوچتا رہے تاکہ رغبت آخرت اور زیادہ ہو لیکن اگر سالک نوجوان ہو تو ایسی چیزوں میں جن کا نظیر دنیا میں موجود ہو مثلاً حور و قصور میں بہت زیادہ فکر نہ کیا کرے کیونکہ اس فکر سے کبھی رغبت مجازی (حور و قصور) پیدا ہو جاتی ہے۔ حقیقت کی طرف رغبت نہیں رہتی۔ مناسب یہ ہے کہ صرف فکر لذت دیدار الٰہی کی کیا کرے کہ جس کی نظیر دنیا میں نہیں' اسی طرح گناہ کا یاد کرنا بھی کبھی شہوت کا محرک ہوتا ہے اور سالک مبتدی کو اس سے نقصان ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے گناہ کا بھول جانا مبتدی سالک کے حق میں افضل ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اس تحقیق کی تصدیق میں تمہیں اس وجہ سے تامل ہو کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے خلاف اولیٰ پر گریہ و زاری کی تھی' اس لیے کہ اپنے نفس کو انبیاء کے نفس کے قیاس کرنا بڑی غلطی ہے کیونکہ انبیاء علیہ السلام اپنے اقوال میں کبھی تعلیم امت کے لیے اس درجے کی کمی کرتے ہیں جو ان کی امت کے حال کے لائق ہو۔ اس خیال سے کہ ان کی بعثت صرف امت کی تعلیم ارشاد کے لیے ہے تاکہ ان کے فعل و قول کو امت دیکھ کر مستفیع ہو۔

اولیاء انبیاء کے نقش قدم پر :۔ بعض مشائخ اپنے مریدوں کو جو ریاضت بتاتے تھے' اسے خود بھی ان کے ساتھ کرتے تھے۔ اگرچہ ان کو اس کی ضرورت نہ تھی بلکہ وہ مجاہدہ اور تادیب نفس سے فارغ تھے مگر ان کا یہ فعل اس

وجہ سے تھا کہ مرید کو ریاضت آسان ہو جائے۔ حدیث شریف میں ہے اما انی لا انسی ولکنی انسی لا شرع ترجمہ "خبردار میں خود نہیں بھولتا بلکہ بھلایا جاتا ہوں تاکہ لوروں کے لیے سند ہو۔ ایک روایت میں ہے انما اسھو لاسن "میں اس لیے سہو کرتا ہوں کہ سنت مقرر کروں۔"

فائدہ:۔ اس سے تعجب بھی نہ کرنا چاہیے' اس لیے کہ امت سایہ انبیاء علیہ السلام کے الطاف میں ایسے ہوتی ہے جیسے لڑکا اپنے باپ کے سایہ عاطفت میں ہو یا جیسے مویشی اپنے چرواہے کی حمایت میں باپ اپنے بیٹے کو جب بولنا سکھاتا ہے تو جان کر بوتلا رہے تو تلاتا ہے۔

نمونہ تعلیم نبوی:۔ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بچپن میں صدقہ کا چھوارا اپنے منہ میں رکھ لیا۔ آپ نے فرمایا کخ کخ یعنی چھی چھی حالانکہ آپ کی فصاحت میں کمی نہ تھی کہ کوئی اور لفظ فصیح چھوہارے کے پھینکنے کے لیے فرماتے مگر چونکہ آپ نے جان لیا تھا کہ امام حسن گفتگو نہ سمجھیں گے تو فصاحت کو ترک فرما کر ان کی توتلی زبان میں ارشاد فرمایا۔

جو شخص بکری یا کسی پرندے کی تعلیم کرتا ہے تو ان کے لیے سیٹی یا اور آواز جانور اور پرندوں جیسی استعمال کرتا ہے تاکہ ان کے سکھلانے میں سہولت ہو۔ اس طرح کے حقائق سے غفلت نہیں کرنی چاہیے' اس لیے کہ یہ مقام ایسا ہے کہ اس میں عارفین کے قدم لغزش کھا جاتے ہیں' پھر کم عقلوں کی بات ہی کیا۔ (اللہ تعالیٰ اپنے کرم اور الطاف سے حسن توفیق عنایت فرمائے۔)

دائمی توبہ کرنیوالے حضرات کے اقسام:۔ تائبین یعنی توبہ کرنے والوں کے توبہ کے بارے میں چار طبقے ہیں۔ گنہگار گناہ سے توبہ کرکے آخر عمر تک اسی پر ڈٹا رہے جو کچھ پہلے قصور کیا تھا' اس کا تدارک کرکے اور گناہوں کے دوبارہ کرنے کا خیال بھی دل میں نہ لائے سوائے ان لغزشوں کے کہ جن سے سوائے انبیاء علیہم السلام کے حسب عادت کوئی انسان خالی نہیں بلکہ کسی گناہ کا خطرہ تک نہ گزرے' پکی توبہ پر مضبوط رہنا اسی کا نام ہے اور ایسے ہی تائب کے لیے کہتے ہیں کہ خیرات میں آگے نکل گیا اور اس نے اپنی برائیوں کو بھلائیوں سے بدل لیا۔ اسی توبہ کو توبہ نصوح کہتے ہیں اور ایسے ہی نفس کو نفس مطمئنہ کہا جاتا ہے جو اپنے پروردگار عزوجل کے سامنے یوں جائے گا کہ یہ اس سے راضی اور وہ اس سے خوش اور ایسے ہی لوگوں کی طرف اشارہ ہے۔

حدیث شریف:۔ سبق المفردون المستھزون بذکر اللہ تعالی وضع الذکر عنھم اوزارھم فوردوا القیامۃ خفافا ترجمہ "آگے بڑھ گئے مفرد یعنی اللہ تعالیٰ کے ذکر میں حریص کہ ذکر نے ان کے بوجھ اتار رکھے' اس لیے قیامت میں ہلکا پھلکا پہنچے۔ **فائدہ:** اس میں اشارہ ہے کہ ان پر بوجھ تھا مگر ذکر کرنے سے ان کا بوجھ اتار دیا۔

مراتب طبقات التائبین:۔ توبہ کرنے والے بعض ایسے ہیں کہ جس وقت توبہ کی' اس وقت اس کی شہوت معرفت کے غلبہ میں دب گئیں۔ اب نہ ان کو اس کے نفس سے جھگڑا ہے نہ سلوک طریقت کے لیے اس سے

مزاحمت۔ بعض ایسے ہوں گے کہ شہوات کا جھگڑا نفس سے رہے گا مگر وہ مجاہدہ نفس اور شہوات میں تاخیر و دیر کرتا ہے۔

نفس سے نزاع کے درجات بھی باعتبار کثرت اور قلت اور اختلاف مدت اور اختلاف انواع کے متفاوت ہیں۔ اسی طرح عمر کی کمی بیشی سے بھی تفاوت ہو جاتا ہے مثلاً بعض ایسے ہوتے ہیں کہ توبہ کرتے ہی مرجاتے ہیں۔ ایسے حضرات کے حال پر رشک ہوتا ہے کہ سلامت چلے گئے' توبہ میں کوئی کمی نہ ہوئی۔ بعض ایسے ہوتے ہیں کہ توبہ کے بعد مدتوں زندہ رہتے ہیں اور نفس کے مقابلہ پر مجاہدہ پر صبر کرتے ہیں لیکن توبہ نہیں توڑتے بلکہ بہت بڑی نیکیاں کماتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا حال اعلیٰ اور افضل ہے' اس لیے کہ ہر ایک خطا کے مٹانے کے لیے ایک نیکی ہوتی ہے۔

ناقابل قبول قول:۔ بعض کا توبہ کے بارے میں یہ قول ہے کہ گنہگار جس گناہ کا مرتکب ہوا ہے۔ وہ جب تک محو نہیں ہوتا۔ اس وقت تک گناہ گار اس گناہ پر قدرت پاکر اللہ کے خوف سے اپنی شہوت نہ توڑ دے' توبہ قبول نہ ہوگی۔ یہ شرط دوراز قیاس ہے۔ ہاں اگر ایسی صورت ہو تو حقیقت یہ ہے کہ اس کی تاثیر بھی بڑی ہوگی' پھر بھی کمزور سالک کو چاہیے کہ اس چال پر نہ چلے یعنی شہوات کو ہیجان میں لاکر تمام اسباب موجود کرے یہاں تک کہ گناہ کرنے کی خوب قدرت ہو جائے۔ پھر طمع کرے کہ میں اس سے محفوظ رہوں تو ایسا نہیں کرنا چاہیے' اس لیے کہ ایسی صورت میں غالب گمان یہی ہے کہ شہوت کی باگ اپنے اختیار سے باہر ہو جائے گی اور توبہ توڑ کر گناہ میں مبتلا ہو جائے گا بلکہ ایسے شخص کے حق میں توبہ کا طریق یوں موزوں ہے کہ معصیت کی ابتداء میں اس سے گریز کرے جن سے گناہ آسان ہو جاتا ہے یہاں تک کہ شہوت کا راستہ نفس پر بالکل بند ہو جائے اور اس کے ساتھ ہی جتنا ہو سکے' شہوت کے توڑنے میں کوشش کرے تاکہ اس کی توبہ محفوظ رہے۔

تائبین کا وہ طبقہ جو اصول طاعات کی بجا آوری اور کل گناہ کبیرہ کے ترک پر استقامت کرے مگر پھر بھی ایسے گناہوں سے خالی نہیں جو اس سے بے قصد و ارادہ صادر ہو جاتے ہیں یعنی اپنے کاروبار میں ان گناہوں میں پھنس جاتا ہے نہ یہ کہ پہلے سے ان کا ارادہ کیا ہو۔ جب کبھی اس سے اس طرح کا گناہ سرزد ہوتا ہے تو وہ اپنے نفس کو ملامت کرتا اور شرمندہ ہوتا ہے اور افسوس کرتا ہے۔ از سرنو مصمم ارادہ کرتا ہے کہ اب ان اسباب سے بچتا رہوں گا جو گناہوں میں مبتلا کر دیں ایسے نفس کو نفس لوامہ کہنا چاہیے' اس لیے کہ جو احوال مذمومہ سالک پر بے قصد و ارادہ آجاتے ہیں۔ ان پر ملامت کرتا ہے لیکن اولیٰ و اعلیٰ طبقہ اول ہے ہاں اس طبقے کے عالی مرتبہ ہونے میں بھی شک نہیں۔ اکثر تائبین کا حال ایسے ہوتا ہے' اس لیے کہ برائی انسان کی فطرت میں خمیر ہے۔ اس سے جدا ہونا قریب محال ہے۔ سالک سے اتنا ہو سکتا ہے کہ کوشش کرکے خمیر کو بہتر بنائے یہاں تک کہ نیکی کا پلڑا بھاری ہو جائے لیکن براؤں کے پلڑا کا بالکل خالی رہنا بھی نہایت مشکل ہے۔ بہر حال ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے

سین یجتنبون کبائر الاثم والفواحش الا اللمم ان ربک واسع المغفرۃ (النجم 32) ترجمہ کنزالایمان : وہ جو

بڑے گناہوں اور بے حیاؤں سے بچتے ہیں مگر اتنا کہ گناہ کے پاس گئے اور رک گئے بے شک تمہارے رب کی مغفرت وسیع ہے۔

فائدہ:- جو صغیرہ کہ سالک سے بے خبری میں سرزد ہو جائے چاہیے کہ وہ لمم میں داخل ہو اور وہ معاف ہے اور فرمایا والذین اذا فعلوا فاحشۃ اوظلموا انفسھم ذکر واللہ فاستغفر والذنوبھم (آل عمران 135) ترجمہ کنزالایمان : اور وہ کہ جب کوئی بے حیائی یا اپنی جانوں پر ظلم کریں اللہ کو یاد کرکے اپنے گناہوں کی معافی چاہیں باوجود لوگوں کے ظلم کرنے کے اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف فرمائی ہے۔ وہ اسی وجہ سے کہ ان لوگوں نے بعد کو ندامت کی اور اپنے نفس کو ملامت کی۔

ا۔ لمم وہ لفظ ہے جو آیہ میں مذکور ہے۔ (اویسی غفرلہ)

حضرت علی کرم اللہ وجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں خیارکم کل مفتن تواب ترجمہ "تم میں بہتر وہ لوگ ہیں جو معصیت میں اگر مبتلا ہوں تو توبہ کریں۔ (بیہقی)

حدیث میں ہے المومن کالسنبلۃ یعنی احیانا ویمیل احیانا ترجمہ "مومن بالی کی طرح ہے۔ کبھی معصیت سے رجوع کرتا ہے' کبھی اس کی طرف جھکتا ہے۔"

ایماندار کے لیے ضروری ہے کہ کبھی کبھی گناہ کا مرتکب ہو جائے۔ ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس مقدار قصور سے توبہ نہیں ٹوٹتی اور نہ ایسے قصور والا گناہ پر اصرار کرنے والوں کے حرم زرہ میں داخل ہیں۔

مثال:- درجہ تائبین ایسے لوگوں کو جو مایوس کرے' اس کی مثال یوں ہے جیسے کوئی طبیب کسی ایسے تندرست کو کہے جو میوے اور گرم غذا کبھی کبھی کھالیتا ہو لیکن ان پر مداومت نہ کرتا ہو کہ تو ہمیشہ تندرست نہ ہو سکے گا۔ یہ مایوس کرنا اچھا نہیں یا کوئی فقیہ کسی طالب فقہ کو مایوس کر دے کہ تجھے فقہا کا درجہ نہ ملے گا۔ اس وجہ سے کہ تو کبھی کبھی سبق کو دہراتا نہیں اور نہ اسے یاد کرتا ہے۔ یہ اس سے بہت کم اور تھوڑے وقت کے لیے اتفاقا ہو جاتا ہے تو ایسے کو مایوس کرنا نہ چاہیے بلکہ اس سے ظاہر ہوگا کہ یہ فقیہ اور طبیب خود ناقص ہیں۔ دینی فقیہ اسے کہتے ہیں جو خلق اللہ کو اس وجہ سے کہ ان سے لغزشیں ہوتی ہیں اور گناہ کرتے رہتے ہیں' درجہ سعادت کو پہنچنے سے مایوس نہ کرے۔ حدیث شریف میں ہے کل بنی آدم خطاؤں و خیر الخطائین التوابون المستغفرون ترجمہ "تمام انسان خطاکار ہیں اور خطاکاروں میں سے بہتر وہ ہیں جو توبہ کریں اور بخشش کے خواہاں ہوں۔

حدیث شریف میں ہے المومن واہ واقع فخیر ھم من مات علی رقعۃ مومن کمزور کپڑے پھاڑنے والا ہے اور پیوند لگانے والا ہے' ان میں بہتر وہ ہے جو توبہ کی ندامت سے پھر پیوند لگاتا ہے اور اسی حالت میں مرگیا۔

ایک روایت میں التوابون کے بجائے المستغفرون ہے یعنی گناہوں کے سبب اپنے ایمان کو پھاڑتے ہیں اور توبہ اور ندامت سے پھر پیوند لگاتے ہیں۔ خود اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اولئک یوتون اجرھم مرتین بما صبرو

او یلو ٰ ذٰن (القصص 54) ترجمہ کنزالایمان . ان کو ان کا اجر دوبالا دیا جائے گا بدلہ ان کے صبر کا اور وہ بھلائی۔ اس میں یہ وصف بیان کیا کہ خطا کے بعد نیکی کرتے ہیں' یہ نہیں فرمایا کہ بالکل خطا نہیں کرتے۔

طبقہ 3 :- توبہ کر کے ایک مدت تک اس پر مضبوط رہے' پھر کسی گناہ کی خواہش اس پر غالب ہو جائے اور قصداً اور ارادتاً" ارتکاب کرے' اس لیے کہ وہ اس خواہش کو دبانے سے عاجز ہیں مگر باوجود اس کے طاعات کی بجاآوری ہمیشہ کرتا رہتا ہے اور گناہوں کا بھی باوجود قدرت و خواہش کے تارک ہے۔ صرف ایک دو خواہش' خواہشوں سے مجبور ہوا کہ کبھی وہ اس پر غالب آجاتی ہیں لیکن یہ چاہتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے اس شہوت کے روکنے پر بھی قادر کر دے تو کیا ہی بہتر ہوگا۔ یہ آرزو تو قبل از معصیت ہو اور خطا کے سرزد ہونے کے بعد اس پر نادم ہو اور کہے کہ کیا اچھا ہوتا کہ میں یہ کام نہ کرتا اور اب میں مجاہدے سے نفس کو اس شہوت سے روکوں گا بلکہ اس خطا سے توبہ کروں گا مگر اس کا نفس ٹالتا رہتا ہے۔

اس طرح کے نفس کو وہ نفس سمجھنا چاہیے جس کا نام مسولہ ہے اور یہ ایسے لوگ ہیں جن کی شان میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے وآخرون اعترفوا بذنوبھم خلطوا عملاً صالحا و آخر سیئا (التوبہ 102) ترجمہ کنزالایمان : اور کچھ اور ہیں جو اپنے گناہوں کے مقر ہوئے اور ملایا ایک کام اچھا اور دوسرا برا۔

فائدہ : وہ جو اپنی طاعات پر مداومت اور اپنے کردار کو برا جانتا ہے' اس سے توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے۔ ہاں وہ توبہ میں تاخیر اور لیت و لعل کرنے کا انجام پرخطر ہے۔ کیا معلوم موت توبہ سے پہلے دبوچ لے۔ ویسے جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا' ویسے ہوگا یعنی اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کا تدارک کرے اور اس کے جبر نقصان کے لیے قبول توبہ سے سرفراز فرمائے تو وہ شخص زمرۂ سابقین میں شمار ہوگا۔ اگر خدانخواستہ بدبختی غالب ہوگی اور شہوت دبالے گی تو خوف ہے کہ کہیں اس پر خاتمے کے وقت ازلی بدبختی صادق نہ آجائے۔

مثال :- کوئی طالب علم ایسی باتوں سے نہ بچے جو مانع تحصیل ہیں تو اس سے بھی سمجھا جائے گا کہ اس کی قسمت میں علم نہیں اور اگر اس کے لیے سامان تحصیل علم کا ہر طرح سے خاطر خواہ میسر ہے تو یہ امر دلالت کرے گا کہ ازل میں اس کا نام علماء میں لکھا جائے گا۔

آخرت کی سعادت حسنات سے اور وہاں کا عذاب سیئات سے ایسے ہی متعلق ہیں جیسے مرض اور صحت غذا اور دوا سے مرتبط ہیں یا حاصل ہونا فقہ کا جس سے دنیا کے مراتب اعلیٰ ملتے ہیں تو کاہلی کے ترک کرنے اور نفس کو ہمیشہ فقہ کا عادی رکھنے سے متعلق جس طرح منصب حکومت اور قضا علم میں مرتبہ اسی کو حاصل ہوتا ہے جو مدت تک فقہ سیکھنے میں محنت کر کے فقیہ ہو گیا ہو۔ اسی طرح مراتب آخرت اور اس کی دولت اور اللہ تعالیٰ کے قرب سے وہی مشرف ہوتا ہے جو مدت تک ریاضت کر کے پاک و صاف ہوا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی تدبیر ازل سے اسی طرح فرمائی ہے۔ ارشاد فرمایا ونفس وما سوھا فالھمھا فجورھا وتقوىھا قد افلح من زکھا وقد خاب من دسھا (الشمس

7_10) ترجمہ کنز الایمان: اور جان کی اور اس کی جس نے اسے ٹھیک بنایا پھر اس کی بدکاری اور اس کی پرہیزگاری دل میں ڈالی بے شک مراد کو پہنچایا جس نے اسے ستھرا کیا اور نامراد ہوا جس نے اسے معصیت میں چھپایا۔
طبقہ 4:۔ وہ ہے کہ توبہ کرکے ایک مدت تک تو مضبوط رہے' پھر گناہ کا مرتکب ہو جائے۔ بغیر اس کے کہ دل میں توبہ کرنے کا خیال ہو یا گناہ کرنے پر افسوس ہو بلکہ غافل آدمی کی طرح اتباع شہوت میں منہمک ہو جائے تو یہ شخص گناہ پر اصرار کرنے والوں کے زمرے میں ہے اور اس کا نفس امارہ بالسوء یعنی بدی کا حکم کرنے والا اور نیکیوں سے بھاگنے والا ہے۔ ایسے شخص پر انجام بد کا خوف ہے۔ اسکا اگر (معاذ اللہ) برائی پر خاتمہ ہو تو ایسا بدبخت ہوگا جس کی بدبختی کی کوئی انتہاء نہیں۔ اگر بھلائی پر انجام ہوا یہاں تک کہ اسلام پر مرا تو اس کے لیے دوزخ کی آگ سے رہائی کی امید ہوگی۔ اگرچہ مدت کے بعد اور یہ بھی بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی پوشیدہ سبب کی وجہ سے کہ جس کی اسے اطلاع نہ ہو' معاف فرما دے۔

مثال:۔ جیسے کوئی ویران جگہ میں اس نیت سے جائے کہ شاید خزانہ مل جائے تو بعید نہیں کہ اتفاق سے اسے خزانہ مل جائے یا مثلاً کوئی گھر میں اس ارادہ سے بیٹھا رہے کہ بغیر تحصیل کے علوم حاصل ہو جائیں۔ جیسے انبیا علیہم السلام کو حاصل تھے تو یہ محال نہیں' اس لیے اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ممکن ہے مگر طاعات کے بدلے میں اللہ تعالیٰ کی مغفرت کا خواستگار ہونا تو ایسے ہے جیسے کوئی محنت اور بحث سے علم کا طالب ہو یا تجارت کی مشقتیں خشکی و تری کی تکالیف برداشت کرنے سے مال کا طالب ہو اور باوجود اعمال کی خرابی کے مغفرت کا طالب ہونا اور اس کا متوقع ہونا ایسے ہے جیسے ویرانوں میں خزانے ڈھونڈھنا اور فرشتوں کی تعلیم سے علم کا سیکھنا کہ یہ اگرچہ محال نہیں بعید از قیاس ہے بلکہ کوشش کے بعد حاصل ہوتا ہے' ہاں محنت سے علم آجائے اور تاجر غنی ہو جائے اور نماز روزہ سے مغفرت ہو جائے تو بھی غنیمت ہے۔ (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہوگا۔ اویسی غفرلہ)

جب سالک کسی گناہ میں مبتلا ہو اور گناہ نقد اور توبہ ادھار ہو تو یہ علامت رسوائی کی نشانی ہے۔ حدیث میں ہے کہ بندہ ستر سال تک اہل جنت کے عمل کرتا ہے یہاں تک کہ لوگ اسے جنتی کہنے لگتے ہیں اور اس میں اور جنت میں صرف ایک بالشت کا فاصلہ رہ جاتا ہے لیکن نوشتہ ازلی غالب ہو جاتا ہے' پھر وہ شخص دوزخیوں کے کام کرتا ہے اور دوزخ میں جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ خوف خاتمے کا توبہ سے پہلے ضروری ہے اور ظاہر ہے کہ ہر سانس عمر گزشتہ کا خاتمہ ہے کیونکہ ممکن ہے کہ اسی سانس کے بعد موت ہو' اس لیے ضروری ہوا کہ نفس کی مخالفت کی جائے ورنہ ممنوع چیزوں میں مبتلا ہو جائے گا۔ ایسے وقت میں حسرت کرے گا جس وقت کوئی فائدہ نہ ہو۔

ایک بزرگ کا فرمان ہے کہ تمام انسان محروم ہیں' سوائے علماء کے اور علماء تمام محروم ہیں سوائے علمائے باعمل کے اور علماء باعمل سب محروم ہیں سوائے مخلصوں کے اور مخلص بھی بڑے خطرے میں ہیں۔ جس طرح کہ ارباب دانش کے نزدیک ایسا شخص خارج از عقل گنا جاتا ہے جو اپنا گھر اجاڑ کر مال ضائع کر دے اور اپنے نفس اور خاندان کو

بھوکا رکھے۔ اس توقع پر کہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس ویران زمین کے نیچے سے خزانہ عنایت فرما دے۔ اگرچہ اس کی یہ توقع اللہ تعالیٰ کی قدرت سے محال نہیں۔ اسی طرح جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے مغفرت کی توقع رکھے اور بجا آوری طاعت میں قصور اور گناہوں پر اصرار کرتا رہے' مغفرت کے اسباب نہ بنائے تو وہ ارباب دل کے نزدیک بیوقوف اور مغالطے میں مبتلا ہے اور تعجب اس ناقص العقل سے ہے کہ اپنی حماقت کو خوبی کے پیرائے میں رواج دیتا ہے یعنی کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کریم ہے اور مجھ جیسے آدمی سے اس کی جنت تنگ نہیں ہو جائے گی اور میرے گناہ سے اس کا کچھ نقصان نہیں ہوگا وغیرہ وغیرہ لیکن باوجود اس کے مال اور اثاثہ کی تلاش میں خشکی اور تری کے سخت مشکل سفر طے کرتا ہے اور اگر اسے کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کریم ہے۔ اس کے خزانے تمہاری ضرورت سے کم نہیں ہوں گے اور تم بھی اگر تجارت میں سستی کرو تو تمہارا کیا نقصان ہے' اس لیے تم گھر میں بیٹھ رہو۔ اللہ تعالیٰ تم کو ایسی جگہ سے روزی دے گا جہاں سے تم نہ جانتے ہو' یہ کہنے والے کو احمق بنا دے گا اور اس سے مذاق کرے گا کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے سونا' چاندی تو نہیں برساتا' یہ چیزیں ہاتھ پاؤں کے ہلانے سے حاصل ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عادت اسی طرح جاری ہے جو رستہ مقرر کر دیا اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ اب اس احمق سے کہنا چاہیے کہ دنیا و آخرت کا اللہ ایک ہے اور جو طریق اس نے ان دونوں میں مقرر کر رکھا ہے' اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی اور اس نے ارشاد فرمایا ہے وان لیس للانسان الا ما سعٰی (النجم 39) ترجمہ کنزالایمان: اور یہ کہ آدمی نہ پائے گا مگر اپنی کوشش۔

جب اس نے خود فرمایا ہے تو تو نے کیسے ازخود خیال کرلیا کہ وہ آخرت میں کریم ہے اور دنیا میں نہیں اور اس کے کیسے قائل ہوئے ہو کہ اس کے کرم کے بھروسے پر حصول مال کے لیے قصور نہیں کرنا چاہیے مگر آخرت کی دائمی سلطنت اور دولت پائیدار کے ملنے کے لیے کرنا چاہیے اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے اتنی دولت پائیدار تو آخرت میں بغیر محنت کے عطا کر دے گا اور دنیا کا مال فانی جس میں بہت زیادہ مشقتیں اٹھانی پڑتی ہیں' نہیں دے گا۔ تم اس ارشاد خداوندی (عزوجل) کو بھول گئے وفی السماء رزقکم وما توعدون (الذاریات 22) ترجمہ کنزالایمان: اور آسمان میں تمہارا رزق ہے اور جو تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے۔

یہ اعتقاد تو سر کے بل چاہ ضلالت اور گور حماقت میں گراتا ہے۔ اس طرح کے لوگ اس آیت کے مصداق ہوں تو بہتر ہے ولوترٰی اذا لمجرمون ناکسوا روسہم عند ربہم ربنا ابصرنا وسمعنا فارجعنا نعمل صالحا (النجم 39) ترجمہ کنزالایمان: اور کہیں تم دیکھو جب مجرم اپنے رب کے پاس سر نیچے ڈالے ہوں گے اے ہمارے رب اب ہم نے دیکھا اور سنا ہمیں پھر بھیج کہ نیک کام کریں۔ یعنی کہیں گے اب ہم نے معلوم کیا کہ تیرا قول درست تھا وان لیس للانسان الا ما سعی "اب تو ہمیں دنیا میں واپس لوٹا دے کہ ہم کوشش کریں لیکن اس وقت واپس ہونا کہاں بلکہ عذاب ہوگا۔" اللہ تعالیٰ جہالت اور شک سے بچائے جن کے سبب سے انجام برباد ہوتا ہے۔

توبہ کرنے کے بعد گناہ ہو تو علاج :- اگر تائب سے اتفاقا" یا قصدا کوئی گناہ ہو جائے تو اسے کیا کرنا چاہیے تو یاد رکھئے کہ جب تائب کسی گناہ کا مرتکب ہو جائے تو اس پر دو باتیں ضروری ہیں- (1) توبہ اور ندامت کرے۔ (2) اس گناہ کے محو کرنے کے لیے کوئی ایسی نیکی کرے جو اس گناہ کی نقیض ہو- جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں-

اگر نفس نے عزم آئندہ گناہ کے چھوڑنے کا سبب غلبہ شہوت کے نہ کیا تو گویا سالک ایک واجب کی ادائیگی سے عاجز ہے- اب یہ نہیں چاہیے کہ دوسرے واجب کو بھی ترک کرے بلکہ نیکی کرکے برائی کے مٹانے کی تدبیر کرے اور نیکیوں سے ان برائیوں کا کفارہ کردے تاکہ عمل صالح اور عمل بد' دونوں کا مرتکب متصور ہو۔

نیکیاں برائیوں کو مٹادیں ان کی اقسام :- وہ دل سے ہوتی ہیں یا زبان یا دیگر اعضا سے- پس جس جگہ سے کہ برائی کا مرتکب ہوا ہو یا برائی کا سبب جس سے کہ جہاں سے وہ پیدا ہوا ہے نیکی بھی وہاں سے کرلی جائے مثلاً اگر برائی کا ظہور دل سے ہوا ہو تو اس طرح مٹائے کہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں گریہ و زاری کرے اور مغفرت اور عفو چاہیے- جیسے بھاگا ہوا غلام ذلیل ہوتا ہے' ویسے ہی خود کو بنائے یہاں تک کہ تمام لوگوں کے سامنے ذلت ظاہر ہو اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ جتنا برائی کرتا ہو' اسے چھوڑ دے- پھر دل سے طاعات کا عزم کرے اور اہل اسلام پر خیر د بھلائی کرے- زبان سے کفارہ کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے ظلم کا اقرار کرے اور یوں کہے رب انی عملت نفسی و عجلت سوء فاغفرلی ذنوبی ترجمہ : "اے میرے پروردگار' میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا اور برے عمل تو تو میرے گناہ بخش دے-"

اعضا سے کفار کا طریقہ یہ ہے کہ اعضا سے طاعات بکثرت بجالائے اور صدقات اور دیگر اقسام عبادات ادا کرے- احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جب انسان گناہ کے بعد آٹھ کام کرے تو امید ہے کہ وہ گناہ معاف ہو جائے- چار کام تو دل کے اعمال سے ہیں' وہ یہ ہیں- (1) توبہ کرنا یا ارادہ توبہ کرنا (2) گناہ سے احتراز کرنے کا بہتر محسوس ہونا- (3) گناہ پر عذاب سے ڈرتے رہنا (4) اس کے بخشے جانے کی توقع کرنا- چار کام اعضاء کے اعمال سے ہیں- (1) گناہ کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا- (2) اس دوگانے کے بعد ستر (70) بار استغفار اور سو مرتبہ سبحان اللہ العظیم و بحمدہ پڑھنا- (3) کچھ صدقہ دینا (4) ایک روزہ رکھنا- بعض روایات میں ہے کہ وضو کامل کرکے مسجد میں جاکر دوگانہ پڑھے اور بعض میں چار رکعتوں کا ذکر ہے- حدیث شریف میں ہے کہ جب کوئی برائی کرلے' اسے چاہیے کہ اس کے بعد نیکی کرے تاکہ اس کا بدلہ ہو جائے- پوشیدہ برائی کے بدلے پوشیدہ بھلائی کرے اور ظاہر کے بدلے ظاہر-

الجوبہ صوفیانہ :- پوشیدہ صدقہ دینے سے رات کے گناہ مٹتے ہیں اور ظاہر صدقہ دینے سے دن کے- حدیث صحیح میں ہے کہ کسی نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے ایک عورت سے سب کچھ کیا' صرف زنا نہیں کیا جو اللہ تعالیٰ کا حکم ہو' وہ آپ میرے اوپر جاری فرمائیں- آپ نے فرمایا کیا تو نے ہمارے

ساتھ صبح کی نماز نہیں پڑھی؟ عرض کی پڑھی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ زنا کے سوا مباشرت وغیرہ گناہ صغیرہ ہے اس لیے کہ نماز کی وجہ سے مٹ جاتا ہے اور کبیرہ گناہ نماز سے محو نہیں ہوتا۔ حدیث شریف میں ہے کہ الصلوۃ الخمس کفارات لما بینھن الا الکبائر ترجمہ: "پانچ نمازیں درمیانی اوقات کے گناہ کا کفارہ ہیں' سوائے کبائر ہے۔"

فائدہ:۔ سالک کو چاہیے کہ اپنے نفس کا حساب ہر روز کرے اور اپنی خطاؤں کو حساب کر کے ان کو دور کر کے اتنی ہی نیکیاں کیا کرے۔

سوال:۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص گناہ سے استغفار کرے اور اس پر اصرار کرتا جائے' وہ گویا اللہ تعالیٰ کے ساتھ مذاق کرتا ہے۔ (معاذاللہ) تو جب تک کہ اصرار کا عقدہ حل نہ ہوگا اس وقت تک استغفار کیسے مفید ہوگی؟ بعض اکابر فرماتے ہیں کہ میں اپنی زبان استغفار سے بھی استغفار کرتا ہوں اور بعض کا قول ہے کہ صرف زبان سے استغفار پڑھنا جھوٹوں کی توبہ ہے اور حضرت رابعہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہمارا استغفار کے لیے بہت سا استغفار چاہیے۔ ان روایات میں کون سا استغفار مراد ہے؟

جواب:۔ استغفار کی فضیلت میں بکثرت احادیث وارد ہیں۔ اسی کتاب احیاء العلوم کے باب ادعیہ و اذکار میں لکھا گیا ہے "اور اس سے بڑھ کر اور کیا فضیلت ہوگی کہ خداوند کریم (عزوجل) نے استغفار کے لیے وہی ارشاد فرمایا جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک کے لیے۔ وما کان اللہ معذبھم وانت فیھم وما کان اللہ لیعذبھم وھم یستغفرون (پ 9_ سورۃ انفال 33) ترجمہ کنزالایمان: اور اللہ کا کام نہیں کہ انہیں عذاب کرتے جب تک اے محبوب تم ان میں تشریف فرما ہو اور اللہ انہیں عذاب کرنے والا نہیں جب تک وہ بخشش مانگ رہے ہیں۔

بعض صحابہ علیہم الرضوان فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے لیے دو پناہ تھیں۔ ایک پناہ تو چلی گئی یعنی وجود مبارک حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرا باقی ہے یعنی استغفار۔ جب وہ بھی نہ رہے گی تو ہم ہلاک ہو جائیں گے۔

توبہ و استغفار کی اقسام:۔ جھوٹوں کی توبہ وہ صرف زبان سے دل سے نہ ہو۔ جیسے عادتاً غفلت سے کہہ دیا کرتے ہیں استغفراللہ یا جب دوزخ کا بیان سنا تو کہہ دیا نعوذ باللہ بغیر اس کے کہ دل میں کچھ اس کا تصور ہو' اس میں صرف زبان کی حرکت ہوتی ہے۔ اس سے کوئی فائدہ نہیں۔ ہاں اگر اس کے ساتھ دل سے اللہ کی طرف تضرع اور انکساری کرے اور ارادہ صادق اور نیت خالص اور رغبت کامل سے مغفرت کا طالب ہو تو یہ ایک نیک کام ہے اور اس میں یہ ہے کہ یہ برائی کو دور کر سکے گی اور اخبار جو فضائل استغفار میں وارد ہیں' ان میں یہی استغفار مراد ہے۔ ارشاد فرمایا ما اصر من استغفر ولو عاد فی الیوم سبعین مرۃ ترجمہ "جو استغفار کرتا ہے وہ گناہ کا اصرار کنندہ نہیں کہلاتا اگرچہ دن میں ستر بار گناہ دہرائے۔

اس حدیث میں استغفار سے استغفار قلبی مراد ہے اور توبہ اور استغفار کے بہت سے درجات ہیں۔ اوائل درجات بھی خالی از فائدہ نہیں۔ اگرچہ آخرت تک نوبت نہ پہنچے۔

ملفوظ حضرت سہل تستری :۔ آپ فرماتے ہیں کہ غلام کو ہر حال میں اپنے آقا کی حاجت ہوتی ہے تو اس کے حق میں بہتر یہی ہے کہ تمام امور میں مالک ہی کی طرف رجوع کرے مثلاً گناہ میں مبتلا ہو تو التجا کرے۔ الٰہی میرا پردہ فاش نہ کرنا اور گناہ کرے تو دعا مانگے کہ الٰہی میری توبہ قبول فرمانا۔ توبہ کے بعد عرض کرے کہ مجھے عصمت نصیب فرما اور جب کوئی نیک کام کرے تو عرض کرے کہ خداوند یہ عمل قبول فرما۔ کسی نے آپ سے پوچھا کہ وہ استغفار کونسا ہے جو گناہوں کو مٹاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ استغفار کا آغاز استجابت پھر انابت پھر توبہ۔ استجابت سے اعمال اعضاء مراد ہیں جیسے نفل دوگانہ و دعا اور انابت سے اعمال قلوب یعنی صدق قلوب یعنی صدق ارادت اور خلوص نیت وغیرہ اور توبہ سے یہ مراد ہے کہ مخلوق کو چھوڑ کر مالک کی طرف متوجہ ہو اور نعمت الٰہی کی ناواقفیت اور شکرگزار نہ ہونے کا قصور جو اس میں ہے' اس سے مغفرت کا طلب گار ہو تاکہ وہ قصور معاف ہو اور مالک کے ہاں اس کی عزت ہو۔ پھر توبہ کے بعد تنہائی اختیار کرنا' پھر توبہ پر ثابت رہنا' پھر اس کے بعد فکر اس کے بعد معرفت اس کے بعد مناجات اس کے بعد مصافات اس کے بعد موالات' اسکے بعد راز کی گفتگو جسے خلت کہتے ہیں۔

یہ تمام نتائج استغفار بتدریج مرتب ہوتے ہیں اور یہ بات اسی سالک کے دل میں اثر کرتی ہے جس کی غذا علم اور قوام ذکر الٰہی اور توشہ رضا اور رفیق توکل ہو۔ ایسے دل کی طرف اللہ تعالیٰ نظر عنایت سے دیکھ کر اسے عرش پر اٹھالیتا ہے۔ اس کا مقام اور حاملین عرش کرام کا مقام ایک ہو جاتا ہے۔ حضرت تستری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے اس حدیث کا مطلب پوچھا کہ التائب حبیب اللہ "توبہ کرنے والا اللہ کا حبیب ہے" آپ نے فرمایا حبیب اس وقت ہوتا ہے جب وہ تین باتیں اس میں پائی جائیں جو آیت میں ذیل میں مذکور ہیں۔

التائبون العابدون الحامدون السائحون الراکعون الساجدون الامرون بالمعروف والناہون عن المنکر والحافظون لحدود اللہ (التوبہ 112) ترجمہ کنزالایمان: توبہ والے عبادت والے سراہنے والے روزے والے رکوع والے سجدہ والے بھلائی کے بتانے والے اور برائی سے روکنے والے اور اس کی حدیں نگاہ رکھنے والے۔

حبیب اللہ کا معنی :۔ اس ضمن میں حضرت تستری نے فرمایا کہ حبیب اسے کہتے ہیں جو چیز اس کے حبیب کو بری محسوس ہو' اس سے گردن پھیر لے۔ خلاصہ یہ کہ توبہ دو کے نتیجے ہیں۔ (1) گناہوں کو مٹانا یہاں تک کہ تائب ایسا ہو جائے کہ گویا گناہ کیا ہی نہیں تھا۔ (2) درجات کا حصول تاکہ حبیب ہو جائے۔

گناہ کے مٹانے والوں کے درجات :۔ یہ مختلف ہیں۔ بعض سے اصل گناہ بالکل زائل ہو جاتا ہے۔ بعض سے صرف گناہ کی تخفیف ہوتی ہے۔ ان درجات کا اختلاف' اختلاف توبہ کے درجات پر منحصر ہے۔ خلاصہ یہ کہ دل سے استغفار کرنا اور حسنات سے تدارک کرنا اگرچہ ابتداء درجات میں اصرار کے عقدے کو حل نہ کریں لیکن پھر بھی

فائدہ سے خالی نہیں' اس لیے یہ گمان نہ کرنا چاہیے کہ ایسے استغفار اور نیکیوں کا وجود و عدم برابر ہے بلکہ ارباب مشاہدہ اور اہل دل کو قطعاً" یقین ہو گیا ہے کہ قول خداوندی (عزوجل) فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ (الزلزال 7) ترجمہ کنزالایمان : تو جو ایک ذرہ بھر بھلائی کرے اسے دیکھے گا" درست ہے کہ ہر ذرہ خیر میں کچھ نہ کچھ اثر ضرور ہوتا ہے جیسے ترازو میں ایک طرف ایک چاول ڈال دو تو کچھ نہ کچھ پلڑا ضرور جھک جائے گا۔ اگر کچھ اثر ہو تو چاہیے کہ دوسرا چاول ڈال دو۔ اب بھی کچھ اثر نہ ہو تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ چاول اگر زیادہ بھی اس میں ڈالے جائیں تب بھی پلڑا نہ جھکے گا' یہ قطعاً" محال ہے۔ یہی حسنات اور ذرات خیر کا حال ہے کہ ان سے بھی میزان اعمال میں حسنات کے پلڑا پر ضرور اثر ہوگا اور نیکیاں بہت ہو کر سیات کا پلڑا بالکل نہ رہے گا۔

سالک کو چاہیے کہ کسی حال میں تھوڑی سی خیر کو اور ذرہ بھر طاعت کو حقیر جان کر نہ چھوڑے اور نہ کسی ادنیٰ گناہ کو قلیل سمجھ کر اس کا مرتکب ہو۔

مثال :۔ کوئی بیوقوف عورت سوت کاتنے کے لیے بہانہ نہ بنائے کہ میں ایک گھڑی میں صرف ایک دھاگہ کات سکتی ہوں۔ بھلا اس ایک دھاگے سے کونسا مال جمع ہو جائے گا یا کیا کپڑا تیار ہوگا۔ اس احمق کو معلوم نہیں کہ دنیا کے جتنے کپڑے ہیں' سب ایک ایک دھاگے سے بنے ہیں اور تمام دنیا خود بھی باوجود اتنی وسعت کے ذرہ سے ہی ہیں۔ غرضیکہ تضرع و استغفار دل نہ ہو تو یہ ایسی نیکی ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہرگز ضائع نہیں ہوتی بلکہ میرا تو تجربہ ہے کہ صرف زبان سے استغفار کہنا بھی حسنہ (نیکی) میں داخل کیونکہ زبان کو غفلت کے ساتھ استغفار کے لیے ہلانا اس سے تو بہتر ہے کہ اس وقت میں کسی مسلمان کی غیبت یا فضول کلام کے لیے حرکت اور چپ رہنے سے بھی بہتر ہے۔ اگرچہ عمل قلبی کے بالمقابل ناقص ہے مگر زبان کے سکوت اور لغویات سے بہرحال افضل ہے۔ چنانچہ کسی مرید نے اپنے مرشد ابو عثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ میری زبان بعض اوقات ذکر و قرآن پر جاری ہو جاتی ہے حالانکہ میرا دل غافل ہوتا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ اللہ کا شکر کرو۔ اس نے تمہارے ایک عضو کو خیرو بھلائی میں لگا دیا اور ذکر کا عادی بنایا' اسے شر میں نہ لگایا نہ فضول کا عادی بنایا۔

فائدہ :۔ حضرت مغربی قدس سرہ کا قول درست ہے۔ اس لیے کہ جب اعضا کو اگر خیر کی عادت امور طبعی کی طرح ہو جاتی ہے تو وہ بہت سے گناہوں کے دفع کرنے کا موجب ہوا کرتی ہے۔

کوئی شخص استغفار کا عادی ہے' وہ جب کسی سے کوئی سنے گا تو فوراً کہے گا استغفراللہ اور جس کی عادت لغویات کی ہوگی' وہ اس سے کہے گا کہ تم بڑے بیوقوف ہو یا کیسا بڑا جھوٹ ہے یا ایک شخص نعوذ باللہ منہ سے کہنے کا عادی ہے' وہ جب کسی شریر کی شرارت کی باتیں سنے گا تو عادت ۔ طور پر کہہ دے گا (نعوذ باللہ) اگر فضول و لغویات کا عادی ہوگا تو کہے گا اللہ اس پر لعنت کر' ان میں ایک کلمہ کہنے میں گنہگار ہوگا اور دوسرا کہنے میں بچا رہے گا اور بچاؤ کی صورت زبان کی عادت کا اثر ہے اور منجملہ معانی اس آیت کے ہے۔ ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین اور

اس آیت کے وان تک حسنة یضاعفها ویوت من لدنه اجراً عظیما (النساء 40) ترجمہ کنزالایمان : اور اگر کوئی نیکی ہو اسے دونی کرتا اپنے پاس سے بڑا ثواب دیتا ہے۔

سورت مذکورہ بالا میں کس طرح حسنہ کو دو گنا کیا یعنی غفلت میں استغفار پڑھنا زبان کی عادت کر دے یہاں تک کہ اس عادت کی وجہ سے گناہ کے شر کو دفع کیا کہ غیبت اور لعنت اور فضول سے روک دیا۔ یہ زیادتی دنیا میں اس ادنیٰ طاعت کی وجہ سے ہے اور آخرت کی جزا کا تو کوئی حساب ہی نہیں۔

پند سودمند :- یہ عادت اس سالک کو لائق نہیں کہ طاعات میں صرف اوقات کا لحاظ کر کے ان کی رغبت کم کر دے، اس لیے کہ یہ ایک مکر شیطانی ہے کہ شیطان اس سے مغالطہ والوں کو ترغیب دیا کرتا ہے۔ ان کو یہ سمجھاتا ہے کہ تم ارباب دانش ہو کر خفیہ اسرار و رموز کو پہچانتے ہو، زبان سے ذکر کرنا اور دل کا غافل رہنا محض بے فائدہ ہے۔

شیطانی مکر سے دھوکا کھانے والوں کی اقسام :- یہ لوگ تین قسم کے ہوتے ہیں۔ (1) جنہوں نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ (2) خیرات میں سبقت کرنے والے۔ (3) میانہ رو جو خیرات میں سبقت کرتے ہیں لیکن شیطان کے جواب میں کہتے ہیں کہ تو درست کہتا ہے مگر اس کلمہ حق سے تیرا مطلب باطل ہے۔ ہم تمہیں دو بار ستائیں گے اور مختلف طریقوں سے تجھے ذلیل بنائیں گے۔ اسکے بعد حرکت زبان کے ساتھ حرکت دل بھی شامل کر لیتے ہیں۔ ان کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی شیطان کے زخم کا علاج کرے اور اس پر نمک چھڑک دے۔

تفصیل اقسام ثلاثہ :- اپنے نفس پر ظلم کرنے والے وہ لوگ ہیں جو خود کو حقائق شناس سمجھتے ہیں۔ اخلاص قلبی سے عاجز بھی ہوتے ہیں تو زبان کی عادت بھی ذکر کے ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ ان پر شیطان کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ اس کی شیطان کے ساتھ کمال درجے کی موافقت ہو جاتی ہے۔

میانہ رو وہ ہیں جو شیطان کے برخلاف اپنے دل کو عمل میں شریک تو نہیں کر سکتا مگر یہ جانتا ہے کہ صرف ذکر لسانی بہ نسبت قلبی کے ناقص ہوتا ہے مگر پھر بھی سکوت اور لغوگوئی بہتر ہے۔ اس لحاظ سے کہ حرکت زبانی نہ چھوڑے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ جیسے میری زبان کو عادت خیر ڈالی ہے، ایسے ہی دل کو اس کا شریک فرما دے۔

ان میں پہلے کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی جولاہا اپنے کام کو برا سمجھ کر محرر بن جائے اور دوسرے کی مثال یہ ہے کہ جولاہا اپنا پیشہ برا جان کر پاخانہ صاف کرنے کا کام کرنے لگے اور میانہ رو کی مثال یوں ہے کہ پیشہ جولاہی سے تنگ ہے لیکن جو کتابت سے بھی عاجز ہے۔ پھر یہ کہے کہ میں اس پیشہ کی مذمت کا منکر نہیں ہوں مگر یہ نسبت کے کتابت کے یہ برا ہے اور بہ نسبت پاخانہ اٹھانے کے تو اور زیادہ برا ہے اور چونکہ میں کتابت سے عاجز ہوں اس لیے اپنا پیشہ کیوں چھوڑوں؟

نکتہ :- قول حضرت رابعہ عدویہ (رضی اللہ عنہا) یعنی ہماری استغفار کے لیے بھی بہت استغفار چاہیے۔ اس کی غرض یہ ہے کہ ہماری استغفار میں دل غافل رہتا ہے اور صرف زبان حرکت کرتی ہے۔ اس وجہ سے غفلت دل کے

اس استغفار سے بھی استغفار چاہیے۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ زبان کی حرکت کی بھی مذمت ہے بلکہ اس سے غفلت دل کی قباحت مراد ہے کہ جس سے پھر استغفار کی ضرورت ہے کہ ذکر زبانی سے ضرورت استغفار پوری نہ ہوئی۔ پس اگر بالفرض کوئی استغفار زبانی بھی نہ کرے تو اس صورت میں دوبارہ استغفار کی ضرورت ہوگی۔ (1) استغفار غفلت کی وجہ سے۔ (2) استغفار میں غفلت قلبی کی وجہ سے۔

مذمت مذموم کی اور تعریف عمدہ کی اسی طرح سمجھنی چاہیے ورنہ اس حدیث کا معنی سمجھ نہ آئے گا۔ حسنات الابرار سیات المقربین "ابرار کی نیکیاں مقربین کی برائیاں ہیں کیونکہ یہ باتیں باضافت پائی جاتی ہیں۔ ان کو بغیر اضافت نہ لینا چاہیے بلکہ ذرہ بھر طاعت اور گناہ کو حقیر و ناچیز نہ سمجھنا چاہیے۔ چنانچہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے تین چیزیں تین چیزوں میں مخفی رکھی ہیں۔ اپنی رضا کو اپنی طاعت میں اسی لیے کسی طاعت کو حقیر نہ جانو شاید اللہ تعالٰی کی رضا اسی میں ہو۔ (2) اپنے غضب کو معاصی میں تو کسی گناہ کو چھوٹا نہ سمجھو شاید اس کا غضب اس میں ہو۔ 3) اپنی ولایت اپنے بندوں میں مخفی رکھی ہے تو بندوں میں سے کسی کو حقیر نہ سمجھو شاید اللہ کا ولی وہی ہو۔

ان تین باتوں سے آپ نے ایک اور فرمایا کہ اجابت کو بھی اللہ تعالٰی نے دعا میں پوشیدہ رکھا ہے' اسی لیے دعا مانگنا ترک نہ کرو شاید قبولیت اسی میں ہو۔

توبہ کیمیائی نسخہ اور گناہوں پر اصرار کا علاج:۔ صوفیاء کرام کے نزدیک سالک دو قسم کے ہیں وہ جن کو بری بات کی رغبت نہ ہو' ان کا نشوونما شر سے احتراز اور خیر پر ہوا ہو۔ ایسے لوگوں کی شان میں حدیث شریف وارد ہے۔ یعجب ربک من شباب لیس لہ صبوۃ الی الجھل واللھو۔ ترجمہ "تیرا پروردگار تعجب کرتا اس جوان سے جسے میل جہل و لہو و لعب کی رغبت نہ ہو مگر ایسے لوگ نادر و کمیاب ہوتے ہیں۔ (2) وہ ارتکاب گناہ سے نہیں بچتے۔ اس قسم کے لوگ دو گروہ ہیں۔ (1) اصرار کرنے والے' (2) تائب اس سے ہماری غرض یہ ہے کہ اصرار کے دور کرنے کا علاج یہاں ہم گناہ پر اصرار سے اجتناب کا طریقہ و علاج بتاتے ہیں لیکن یاد رہے کہ بیماری شفا توبہ کے بغیر میسر نہیں ہوگی اور یہ بھی ہے کہ اسباب مرض کے خلاف کرنے کا نام علاج ہے تو جو شخص مرض سے واقف نہ ہو گا' وہ علاج سے بھی جاہل رہے گا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو مرض کسی سبب سے پیدا ہوا' اس کی دوا یہی ہے کہ اس سبب کو دور اور ختم کیا جائے اور ظاہر ہے کہ ہر چیز اپنی ضد سے ختم ہوتی ہے۔

علاج گناہوں پر اصرار کرنے کا:۔ یاد رہے کہ اس کا سبب غفلت اور شہوت ہے اور غفلت سب برائیوں کی جڑ ہے:۔ چنانچہ اللہ تعالٰی ارشاد فرماتا ہے واولئک ھم الغافلون لا جرم انھم فی الاخرۃ ھم الخاسرون (النحل 108-109) ترجمہ کنزالایمان: یہ ہیں وہ جن کے دل اور کان اور آنکھوں پر اللہ نے مہر کردی ہے اور وہی غفلت میں پڑے ہیں آپ ہی ہوا کہ آخرت میں وہی خراب ہیں۔

ثابت ہوا کہ آخرت میں وہی برباد ہیں بہر حال جو چیز غفلت اور شہوت کی ضد ہوگی' اسی سے اس کا علاج ہوگا اور چونکہ غفلت کی ضد علم اور شہوت کی ضد محرکات شہوت کے ترک پر صبر کرنا اسی لیے توبہ کا علاج بھی اس معجون سے ہوگا جس میں علم کی حلاوت اور تلخی صبر کی تلخی ہو اور جس طرح کہ سکنجبین میں شکر کی شیرینی اور ترشی سرکہ کی تلخی اسی لیے علاج کرتے وقت مقصود اور فائدہ دونوں کا ملحوظ رہتا ہے اور صفرا کے ہیجان میں آنے والے اسباب کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ اسی طرح جس دل میں اصرار گناہ کا مرض ہے' اس کے علاج میں بھی فائدہ معجون کے دونوں اجزاء علم صبر کا جدا جدا سمجھنا چاہیے۔ علم میں یہ بات قابل تحقیق ہے کہ اصرار گناہ کے دفع کرنے میں ہر علم کار آمد ہے یا کوئی علم مخصوص تو اس کے لیے جاننا چاہیے کہ علوم سب کے سب امراض قلبی کا علاج ہیں مگر ہر مرض کے لیے ایک علم مخصوص ہے جیسا کہ علم طب تمام امراض کے لیے نافع ہے مگر ہر علت کے لیے ایک خاص علم ہے۔ اسی طرح اصرار گناہ کے علاج کو سمجھنا چاہیے۔

فائدہ:۔ یہاں ہم وہی علم لکھتے ہیں جو اس علاج میں کام آئے اور اسے بدن کے امراض کی مثال پر لکھتے ہیں تاکہ جلد سمجھ آئے۔

طبی مثال:۔ مریض کو کئی باتوں کی تصدیق کرنی پڑتی ہے۔ سب سے پہلے اس بات کو ماننے کے مرض اور صحت دونوں کے لیے سبب ہیں اور وہ اسباب اللہ تعالیٰ نے ہمارے اختیار میں رکھ دیئے ہیں۔ اس سے اصل طب کا یقین ہوتا ہے جسے یہ یقین نہیں ہوتا' وہ علاج بھی نہیں کرپاتا بلکہ موت کا لقمہ ہوتا ہے۔ اسی طرح اصرار گناہ میں سب سے پہلے شرع پر ایمان ہونا چاہیے یعنی اس بات کا یقین کرے کہ سعادت اخروی کا بھی ایک سبب ہے جسے طاعت کہتے ہیں اور شقاوت کا بھی ایک سبب ہے جسے معصیت کہا جاتا ہے۔ ایمان کا ہونا ضرور ہے۔ وہ بطور تحقیق ہو یا بطور تقلید۔ دوسرا یہ کہ مریض کو کسی طبیب خاص کا اعتقاد چاہیے کہ وہ طب کا عالم اور حاذق ہو۔ جو دوا بتاتا ہے' صحیح ہوتی ہے' جھوٹ نہیں کہتا نہ طمع و لالچ میں گرفتار ہے۔ اس لیے کہ صرف علم طب پر یقین کرنے سے کیا ہوتا ہے۔ اسی طرح گناہ پر اصرار کرنے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق ہونے پر ایمان ضروری ہے۔ جو کچھ آپ نے فرمایا بے شک وہ حق اور سچ ہے' اس کے خلاف ہرگز نہ ہوگا۔ تیسرے یہ کہ طبیب کا قول سننا چاہیے کہ کس کس میوے کے کھانے اور کونسے نقصان دہ اسباب کو منع کرتا ہے تاکہ بدپرہیزی کا خوف دل میں رہے اور اس کے سبب پرہیز پر آمادہ ہو۔ اسی طرح گناہ پر اصرار کرنے والے کو ان آیات و احادیث کو ماننا چاہیے جن میں تقویٰ کی ترغیب' گناہوں کے ارتکاب اور خواہش نفس کی پیروی کی ترتیب میں مذکور ہے جو کچھ اس کے متعلق سنے' اسے بلا تردد مان لے تاکہ اس سے خوف پیدا ہو کہ جس سے صبر کو تقویت ہوتی ہے اور یہی صبر کا دوسرا رکن ہے۔ چوتھے یہ کہ مریض کو چاہیے کہ طبیب جو کچھ اس کے مرض کے لیے بتائے اور جس پرہیز کو اس کے لیے لازم کردے' اس پر خوب عمل کرے یعنی اول تفصیل احوال اور افعال اور اکل و شرب کی معلوم کرلے کہ ان میں سے مرض خاص کے لیے کون

سی شے مضر ہے۔ اس لیے ہر مریض کو ہر چیز سے پرہیز ضرور نہیں' نہ ہر دوا مفید ہے بلکہ ہر مرض خاص کے لیے علم بھی خاص ہے اور علاج بھی خاص۔ اسی طرح ہر ایک انسان تمام شہوات کا اور تمام معاصی کا مرتکب نہیں ہوتا بلکہ ہر مومن کے لیے ایک گناہ یا چند گناہ خاص ہوتے ہیں۔ اس کو سردست اس قدر جاننا ضروری ہے کہ یہ گناہ ہیں' پھر یہ جاننا چاہیے کہ ان گناہوں کی سزائیں کیا ہیں اور ان سے دین کو کیا نقصان ہوتا ہے۔ پھر اس بات کا علم چاہیے کہ ان سے صبر کس طرح ہو سکتا ہے۔ پھر یہ معلوم کرنا چاہیے کہ پہلے جو گناہ ہوئے' ان کا معاف ہونا کیسے ہوگا؟

یہ علوم وہ ہیں جنہیں خاص علمائے دین جو وارث سید المرسلین ہیں' جانتے ہیں تو گنہگار کو جب اپنا گناہ معلوم ہو' اسے چاہیے کہ اپنے مرض کا علاج کسی طبیب یعنی باعمل سنی عالم دین سے شروع کرے۔ اگر اسے معلوم نہ ہو کہ جس فعل کا میں مرتکب ہوا ہوں' وہ گناہ ہے تو عالم دین کو چاہیے کہ اسے سمجھادے۔

دینی علوم اور اسلامی احکام کی اشاعت کا طریقہ :۔ ہر عالم دین ایک علاقہ یا شہر یا محلّہ یا مسجد یا مجمع کا ذمہ دار ہو جائے۔ کہ وہاں کے لوگوں کو مسائل بتائے اور جو بات ان کے حق میں مضر یا مفید ہو' سب کو علیحدہ علیحدہ سمجھائے۔ اسباب سعادت اور شقاوت کو واضح طور بتائے اور اس بات کا منتظر نہ رہے کہ کوئی پوچھے تو بتاؤں بلکہ خود لوگوں کے پاس جا کر یا ان کو بلا کر افہام و تفہیم کا کفیل ہو' اس لیے کہ علماء وارث سید المرسلین ہیں۔ انبیاء علیہم السلام نے لوگوں کو ان کی جہالت پر نہ چھوڑا بلکہ مجمعوں میں ان کو بلاتے اور ابتداء میں ان کے گھر گھر میں پہنچتے اور ایک ایک کو تلاش کر کے ہدایت کرتے کیونکہ دل کے مریضوں کو اپنے مرض کا حال معلوم نہیں ہوتا۔

۱۔ جیسے ہمارے دور میں یہ طریقہ دعوت اسلامی نے اختیار کر رکھا ہے۔

مثال :۔ کسی کو چہرے پر برص کے داغ ہوں اور آئینہ اس کے پاس نہ ہو تو اسے اپنے مرض کا حال معلوم نہیں ہوگا جب تک کہ کوئی دوسرا نہ بتائے۔ **مسئلہ :۔** یہ بات تمام علماء اور تمام حکام و افسران پر فرض ہے کہ ہر ایک گاؤں اور ہر محلّہ میں ایک عالم دین مقرر کر دیں جو لوگوں کو دین سکھلائے کیونکہ انسان جاہل ہی پیدا ہوتے ہیں۔ اسی لیے اصول و فروع کی دعوت اسلامی کے لیے وفود بھیجنا ضروری ہیں۔

دنیا ایک بیمار خانہ ہے' اس لیے کہ جو اس کے اندر ہیں وہ مردے اور جو اس پر موجود ہیں' وہ اکثر بیمار ہیں اور دل کے بیمار بہ نسبت جسم کے بیماروں کے زیادہ ہیں اور علماء طبیب ہیں اور سلاطین (حکام و افسران) اس بیمار خانہ کے منتظم و متولی ہیں جو بیمار کہ علاج نہ کرائے اور عالم دین کی بتائی دوا کو قبول نہ کرے تو اسے جیل میں بھیجا جائے تاکہ اس کے شر سے لوگوں کو بچایا جاسکے۔

مثال :۔ جیسے کوئی مریض پرہیز نہیں کرتا یا دیوانہ ہو جاتا ہے تو طبیب اسے پاگل خانہ کے داروغہ کے سپرد کرتا ہے تاکہ اسے بیڑیاں اور ہتھکڑیاں ڈال کر تمام خلق اللہ کو اس کے شر سے بچائے۔

قلبی و روحانی امراض کی کثرت کے وجوہ :۔ اس کی تین وجہ ہیں۔ (۱) دل کے مریض کو یہ معلوم نہیں کہ

میں مریض ہوں۔ (2) انجام اس مرض کا دنیا میں محسوس نہیں ہوتا۔ بدن کے مرض کا انجام تو سب دیکھتے ہیں کہ موت ہوتی ہے جس سے طبیعت کو نفرت ہوتی ہے اور موت کے بعد کا احوال کسی کو معلوم نہیں حالانکہ گناہوں کا انجام دل کی موت ہے جو دنیا میں محسوس نہیں ہوتی' اس لیے گناہوں سے نفرت کم ہوتی ہے۔ اگرچہ مرتکب کو معلوم بھی ہوتا ہے کہ میں گناہ کر رہا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ دل کے مرض کے لیے تو اللہ کے فضل پر توکل ہونا چاہیے۔ عوام بدن کے مرض کے لیے علاج میں خوب کوشش کرتے ہیں۔ کسی ایک دوا پر اکتفا نہیں کرتے۔ (3) تیسری وجہ (جو قلبی روحانی مرض لاعلاج ہو گیا ہے) وہ یہ ہے کہ طبیب نایاب ہو گئے' اس لیے کہ اس مرض کے طبیب علما ہیں اور وہ اس زمانہ میں خود مرض سخت میں مبتلا ہیں جس کے علاج سے وہ خود بھی مایوس ہیں اور چونکہ یہ مرض اکثر میں ہے' اس لیے اس کا نقصان ظاہر نہیں ہوتا' اسی لیے خواہ مخواہ خلق اللہ کو بہکاتے ہیں اور ایسی باتیں بتاتے ہیں جن سے ان کا مرض اور زیادہ ہو کیونکہ مرض مہلک تو حب دنیا ہے اور یہی مرض خود طبیبوں (علماء) پر غالب ہے۔ (یہ مضمون مریضوں کے لیے بیان ہو رہا ہے) اور علماء خلق اللہ کو حب دنیا سے نہیں ڈراتے۔ اس خیال سے کہ کوئی یہ نہ کہے کہ اوروں کو علاج بتاتے ہو' پہلے خود تو بچو۔ اسی وجہ سے یہ مرض عام پھیل گیا ہے بلکہ بڑی وباؤ چھا گئی۔ لوگ تباہ ہو گئے' دوا کا نام نہ رہا' نہ طبیب کا نشان بلکہ طبیب بہکانے میں مختلف طریقوں سے مشغول ہیں۔ کیا اچھا ہوتا کہ یہ لوگ نصیحت نہ کرتے تاکہ خیانت کا گناہ ان پر نہ ہوتا۔ اگر اصلاح نہ کرتے تو بگاڑ کو رہنے دیتے بلکہ اگر چپ رہتے اور کچھ نہ بولتے' جب بھی بہت اچھا تھا کیونکہ جب کچھ کہتے ہیں تو تمام وعظ و تقریر میں زیادہ ان کی غرض یہ ہوتی ہے کہ کسی طرح لوگوں کے دل ہماری طرف ہوں اور اس کا حصول بغیر اس کے نہیں ہو سکتا کہ ان کو مغفرت کی توقع دلوائیں اور اسباب رجا کو ترجیح دیں اور رحمت کے دلائل ذکر کریں' اس لیے کہ یہ باتیں عوام کو اچھی طرح معلوم ہیں اور طبیب پر بھی ہلکی ہیں۔ لوگ ایسے وعظ و تقریر سن کر جب گھروں کو لوٹتے ہیں تو گناہوں کی اور زیادہ جرات ان میں ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل پر تکیہ بڑھ جاتا ہے تو ظاہر ہے کہ جب طبیب جاہل یا خائن ہو گا تو اس کا نسخہ سم قاتل ہو گا کیونکہ جہاں موقع کسی دوا کا ہے' وہاں اور کچھ لکھ دے گا۔

ازالہ وہم :۔ مانا کہ خوف و رجا دونوں دوائیں ہیں مگر دو شخصوں کے لیے ہیں جن کو علیحدہ علیحدہ امراض ہوں مثلاً جس پر خوف اتنا غالب ہو کہ دنیا کو ترک کر دے اور جو بات نہ ہو سکے' نفس کو تکلیف دے اور عیش اور زندگی کو نفس پر بالکل تنگ کر دے تو ایسے شخص کو کثرت خوف کے بجائے اسباب رجا بیان کرنے چاہیں تاکہ حد اعتدال پر آجائے۔ اسی طرح جو شخص گناہوں پر مصر ہو اور توبہ کا متمنی مگر ناامیدی اور مایوسی کی وجہ سے توبہ نہ کرتا ہو اور گزشتہ گناہوں کو بڑا جانتا ہو تو ایسے شخص کے علاج میں بھی اسباب رجا کا ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں تاکہ اسے توبہ کی قبولیت کا طمع ہو اور توبہ کرے لیکن جو شخص کہ گناہوں میں خوب ڈوبا ہوا ہو اور باوجود اس کے اللہ کے فضل پر مغرور ہو' اس کا علاج اسباب رجا کے ذکر کرنے سے ایسا ہے جیسا حرارت والے کا علاج شہد سے کرنا کہ شفا ہو۔ یہ جاہلوں اور غبی لوگوں کا طریقہ ہے۔ طبیبوں کا فساد مرض کو لاعلاج کیے ہوئے ہے' اس کی کوئی تدبیر بھی نہیں۔

ترک عصیاں کا علاج:- یہاں پر ہم وعظ کا وہ طریقہ بتلاتے ہیں کہ جس سے اصرار گناہ میں نفع ہو اگرچہ وہ بہت طویل ہے کہ اس کا بیان کامل ممکن نہیں' تاہم اس کے وہ اقسام لکھتے ہیں جن سے لوگوں کو گناہ کے ترک کرنے پر آمادگی ہوگی اور اصرار کو چھوڑ دیں۔

ترک عصیان کے چار نسخے:- واعظ کو وعظ میں چار قسمیں بیان کرنا ضروری ہے۔ قرآن مجید میں جو آیات عاصیوں اور گنہگاروں کو خوف دلانے کے لیے مذکور ہیں' ان کا ذکر کرے۔ اسی طرح احادیث مثلاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "روزانہ جب صبح ہوتی ہے اور ہر شب کو جب مغرب ہوتی ہے تو دو فرشتے چار آوازوں میں ایک دوسرے کا جواب دیتے ہیں۔ ایک کہتا ہے کہ کیا خوب ہوتا یہ خلق اللہ پیدا نہ ہوتی۔ دوسرا کہتا ہے کیا اچھا ہوتا کہ خلق اللہ بعد پیدا ہونے کے جان لیتی کہ وہ کس لیے پیدا ہوئے ہیں۔ پھر پہلا کہتا ہے افسوس کہ ان لوگوں کو جب یہ معلوم نہ ہوا کہ کس لیے پیدا ہوئے ہیں تو اپنے علم کے مطابق عمل کرتے۔

ایک روایت میں یہ قول یوں مروی ہے کہ کیا اچھا ہوتا جو لوگ آپس میں بیٹھ کر جو کچھ جانا تھا' اس کا چرچا کرتے۔ پھر دوسرا کہتا ہے کہ اچھا ہوتا یہ لوگ اپنے علم کے مطابق اگر عمل نہ کرتے تو اپنے برے اعمال سے توبہ کر لیتے۔

بعض اکابر کا فرمان ہے کہ جب بندہ گناہ کرتا ہے' داہنا فرشتہ بائیں سے کہتا ہے یہ اس پر حاکم ہے کہ چھ ساعت تک یہ عمل نہ لکھنا۔ اس عرصہ میں اگر اس نے توبہ و استغفار کیا تو وہ نہیں لکھتا ورنہ لکھ لیتا ہے۔ بعض اکابر فرماتے ہیں کہ جب کوئی بندہ گناہ کرتا ہے تو زمین پر جس جگہ ہوتا ہے' وہ اللہ تعالیٰ سے اجازت چاہتی ہے کہ حکم ہو تو اسے غرق کر دوں۔ اسی طرح آسمان اجازت چاہتا ہے کہ حکم ہو تو اس پر ٹوٹ پڑوں۔ ان دونوں کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے سے باز رہو اور اسے چھوڑ دو۔ تم نے اسے پیدا نہیں کیا' اگر اسے پیدا کرتے تو تم کو اس پر رحم آتا شاید وہ توبہ کرے اور میں اس کو معاف کر دوں یا اس کے گناہ کے بدلے کوئی عمل صالح کرے اور میں اس گناہ کو بھی نیکی سے بدل دوں۔ اس آیت شریف میں یہی معنی مراد ہے ان اللہ یمسک السموات والارض ان تزولا ولئن زالتان امسکھما من احد من بعد (پ 22_ فاطر 41) ترجمہ کنزالایمان : بے شک اللہ روکے ہوئے ہے آسمانوں اور زمین کو کہ جنبش نہ کرے اور اگر وہ ہٹ جائیں تو انہیں کون روکے اللہ کے سوا۔

حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ مہر کرنے والا عرش کے پلیہ سے لٹکا ہوا ہے۔ جب بہت سی بے حرمتیاں ہوتی ہیں اور حرام چیزیں حلال سمجھی جاتی ہیں اللہ تعالیٰ مہر کرنے والے کو بھیج دیتا ہے' وہ دلوں پر مہر لگا جاتا ہے۔ جو چیزیں دلوں کے اندر ہوتی ہیں' وہ اس میں رہ جاتی ہیں۔

مثال:- دل کی مثال صوفیہ کرام نے ہتھیلی سے دی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ دل ہتھیلی کی طرح ہے کہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو گویا اس کی انگلی بند ہو جاتی ہے یہاں تک کہ تمام انگلیاں بند ہو جائیں۔ جب دل بند ہو جاتا ہے تو وہی

اس کا قتل ہے۔

حضرت حسن کا قول ہے کہ بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان گناہوں کی ایک حد معلوم ہے۔ جب بندہ اس پر پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر کر دیتا ہے اور پھر کبھی نیک کام کی توفیق نہیں دیتا۔ اسی طرح احادیث و آثار گناہوں کی مذمت اور تائبین کی تعریف میں بے شمار ہیں۔ مقرر واعظ پر لازم ہے کہ اسی طرح کی روایات کثرت سے بیان کرے۔ اگر دعویٰ وراثت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے' یونہی کرنا پڑے گا کیونکہ آپ نے روپیہ اشرفی تو چھوڑا نہیں' صرف علم و حکمت کو چھوڑا ہے اور عالم دین کو اسی قدر ملا ہے جتنا اس نے قبول کر کے اسے دستور عمل بنایا۔

قسم 2: حکایات انبیاء علیہم السلام اور اسلاف صالحین اس میں یہی بیان ہو گا کہ ظاہری خطاؤں کے سبب سے ان پر کیسے مصائب گزرے۔ اسی طرح کی حکایات دل پر بہت بڑا اثر کرتی ہیں اور نفع ہوتا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام:۔ حضرت آدم علیہ السلام کا حال کہ ایک ظاہری خطا سے کیا کیا تکلیفیں اٹھائیں۔ جنت سے نکل کر دنیا میں تشریف لائے۔ مروی ہے کہ جب آدم علیہ السلام نے درخت سے کچھ کھایا تو بہشتی لباس بدن سے اتار آگیا۔ شرمگاہ ظاہر ہو گئی مگر تاج کو شرم آئی کہ آپ کے سر سے جدا ہو۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے تاج سر سے اتارا اور اسے پیشانی سے کھولا۔ پھر عرش کے اوپر سے آواز آئی کہ تم دونوں (آدم و حوا) اتر جاؤ جو میرے نہیں' اس کا میرے ہاں ٹھکانا نہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے حوا رضی اللہ عنہا کی طرف منہ کر کے فرمایا کہ خطا کی پہلی شامت یہ ہوئی ہے کہ محبوب سے جدا ہو گئے۔

سلیمان علیہ السلام:۔ سلیمان بن داؤد علیہ السلام پر جب خطا کی وجہ سے عتاب ہوا یعنی اس تصویر پر جو ان کے گھر میں چالیس دن تک پوجی گئی۔ بعض کا یہ قول ہے وہ خطا یہ تھی کہ ایک عورت نے آپ سے درخواست کی تھی کہ میرے باپ کی مرضی کے موافق فیصلہ فرمانا۔ آپ نے وعدہ فرمایا تھا مگر بھول گئے' وعدہ پورا نہ ہوا۔ بعض فرماتے ہیں کہ آپ کی خطا یہ تھی کہ اس عورت کے لیے دل میں یہ آیا تھا کہ فیصلہ اس کے باپ کے لیے فرمائیں گے' بہرحال خطا کے بدلے چالیس دن کے لیے آپ کی سلطنت لے لی گئی اور آپ پر مصائب نازل ہوئے۔ یہاں تک کہ کھانے کے لیے بھی کچھ نہ رہا۔ اگر لوگوں سے کہتے کہ کھانا دو میں سلیمان بن داؤد علیہ السلام ہوں تو لوگ کوئی توجہ نہ کرتے۔ مروی ہے کہ ایک بڑھیا کے گھر سے آپ نے کھانا مانگا۔ اس نے جھڑک دیا۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک بڑھیا نے ایک پیشاب کا گھڑا آپ کے سر پر الٹ دیا۔ یہاں تک کہ بحکم الٰہی آپ کی انگوٹھی مچھلی کے پیٹ سے نکلی اور چالیس دن کے امتحان کے بعد آپ نے اسے پہنا تو پرندے آپ کے سر پر سایہ کر کے کھڑے ہوئے اور جن اور شیطان و وحوش حاضر ہو گئے جنہوں نے آپ کے حق میں کسی طرح کا قصور یا گستاخی کی تھی' معذرت کی۔ آپ نے فرمایا کہ میری طرف سے نہ تمہارے افعال گزشتہ پر ملامت ہے' نہ اس معذرت پر کوئی تعریف۔ یہ ایک امتحان

تھا جس کا ہونا ضروری تھا۔

حکایت :۔ بنی اسرائیل کے ایک شخص نے کسی دوسرے شہر میں نکاح کیا تھا۔ اپنے غلام کو اس عورت کو لانے کے لیے بھیجا۔ راستہ میں اس کے نفس نے اس عورت سے اپنا مقصود چاہا مگر غلام نے اپنے نفس پر قابو پالیا اور اس کی خواہش سے مغلوب نہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے تقویٰ کی وجہ سے اسے بنی اسرائیل کا نبی بنا دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم غیب کس لیے عنایت فرمایا؟ انہوں نے فرمایا کہ میں نے اللہ کی رضا پر گناہ چھوڑ دیئے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ ہوا چلتی تھی۔ آپ نے اپنی قمیض کی طرف دیکھا اور وہ آپ کو اچھا لگا۔ ہوا نے اسے گرا دیا۔ آپ نے فرمایا اے ہوا' یہ تو نے کیوں کیا؟ میں نے تو تجھے حکم نہیں دیا تھا۔ عرض کیا کہ ہم آپ کی اطاعت جبھی کرتے ہیں کہ آپ اللہ (عزوجل) کی اطاعت کرتے ہیں۔ اب چونکہ آپ نے اپنے نفس کو خوش کیا' اس لیے میں نے قمیض ہی گرا دیا۔

حکایت یعقوب علیہ السلام :۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ میں نے تمہارے لخت جگر یوسف علیہ السلام کو تم سے کیوں جدا کیا؟ انہوں نے عرض کیا کہ یا اللہ آپ ہی فرمایئے۔ ارشاد ہوا کہ اس لیے کہ تم نے اس کے بھائیوں سے کہا تھا اخاف ان یاکلہ الذئب وانتم عنہ غافلون (پ 12_ یوسف 13) ترجمہ کنزالایمان : ڈرتا ہوں کہ اسے بھیڑیا کھالے اور تم اس سے بے خبر رہو' تم نے بھیڑیے سے خوف کیوں کیا' مجھ سے امید کیوں نہ کی اور بھائیوں کی غفلت کو کیوں خیال میں لائے۔ میری حفاظت کی طرف کیوں نہ دیکھا۔ پھر ارشاد ہوا کہ بتایئے میں نے یوسف علیہ السلام کو کیوں واپس کیا۔ عرض کیا کہ مجھے معلوم نہیں۔ فرمایا تم نے جب مجھ سے توقع کی اور کہا عسی اللہ ان یاتینی بھم جمیعا (یوسف 83) ترجمہ کنزالایمان : قریب ہے کہ اللہ ان سب کو مجھ سے لا ملائے۔ اذھبوا فتحسسوا من یوسف واخیہ ولا تیاسوا من روح اللہ (یوسف 87) ترجمہ کنزالایمان : اے بیٹو جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کا سراغ لگاؤ اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔

حکایت یوسف علیہ السلام :۔ جب یوسف علیہ السلام نے بادشاہی مصاحب سے قید میں ارشاد فرمایا تھا کہ میرا ذکر اپنے آقا سے کرنا۔ اللہ تعالیٰ اس قصہ کو اسی طرح بیان فرماتا ہے فانساہ الشیطان ذکر ربہ فلبث فی السجن بضع سنین (پ 12_ یوسف 42) ترجمہ کنزالایمان : تو شیطان نے اسے بھلا دیا کہ اپنے رب (بادشاہ) کے سامنے یوسف کا ذکر کرے تو یوسف کئی برس اور جیل خانہ میں رہا۔

فائدہ :۔ اسی طرح کی حکایات بے شمار ہیں۔ قرآن و حدیث میں جو حکایات وارد ہیں تو وہ کہانی یا قصہ کے طور پر نہیں بلکہ ان سے عبرت اور بصیرت مطلوب ہے تاکہ عوام سمجھیں کہ تمام انبیاء علیہم السلام سے خلاف اولیٰ سرزد ہو جائے تو معاف ہونے تک معافی مانگتے رہتے تو عوام سے کبیرہ کس طرح معاف کیئے جائیں گے۔ ہاں انہیں دنیا میں

تکالیف میں مبتلا کیا گیا۔ آخرت میں ان سے حساب نہ ہو گا کہ یہ ان کی سعادت کی وجہ سے ہوا۔

عوام کو مہلت دی جاتی ہے تاکہ گناہ کر لیں' پھر توبہ کریں یا سزا پائیں اور انبیاء علیہم السلام سے دنیا میں ہی امتحان ہو جاتا ہے اور آخرت کا عذاب شدید اور بڑا ہے۔ ان کے عمل کی سزا سخت عذاب کو چاہتی ہے۔ اس لیے مہلت دی جاتی۔ اس قسم کی حکایات گناہوں پر اصرار کرنے والوں کے سامنے زیادہ بیان کرنی چاہیں۔ اس لیے کہ توبہ پر آمادہ کرنے کے لیے ایسی حکایات اکثر مفید ہوتی ہیں۔

قسم 3 :۔ واعظ مقرر عوام کے سامنے یہ بیان کرے کہ گناہوں پر دنیا میں سزا متوقع ہوتی ہے اور جس قدر کہ بندے پر مصائب پہنچتے ہیں' وہ گناہوں کی شامت ہوتی ہے' اس لیے اکثر لوگ امر آخرت کو معمولی سمجھتے ہیں مگر اللہ تعالٰی کے دینوی عذاب سے جہالت کی وجہ سے زیادہ ڈرتے ہیں تو ضروری ہوا کہ ایسے لوگوں کو اسی قسم کی باتوں سے راہ راست پر لایا جائے کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ گناہوں کی نحوست دنیا میں انسان پر نازل ہوتی ہے۔ جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام بن داؤد علیہ السلام کے قصہ میں گزرا۔ یہاں تک کہ بعض اوقات گناہوں کی شامت سے روزی تنگ ہو جاتی ہے۔ کبھی لوگوں کے دلوں سے اس کی قدر و منزلت چلی جاتی ہے' دشمن غالب ہو جاتے ہیں۔

حدیث نمبر1:۔ "بندہ گناہ کی وجہ سے رزق سے محروم ہو جاتا ہے۔" (ابن ماجہ)

حدیث نمبر2: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے "گناہ کی وجہ سے انسان علم بھی بھول جاتا ہے۔" یہی مراد ہے اس حدیث شریف میں کہ جو شخص گناہ کا مرتکب ہوتا ہے' اس کی عقل اس سے جدا ہو جاتی ہے اور پھر کبھی اس کے پاس نہیں آتی۔

بعض اکابر کا قول ہے کہ لعنت منہ کے سیاہ ہونے اور مال کی کمی کا نام نہیں بلکہ لعنت یہ کہ انسان ایک گناہ سے نکل کر دوسرے ایسے گناہ میں مبتلا ہو جو اس جیسا ہو یا اس سے بڑھ کر۔

انہوں نے درست فرمایا' اس لیے کہ لعنت کا معنی رحمت سے دور اور محروم کرنا ہے۔ جب کسی کو توفیق خیر حاصل نہ ہو اور برائی کے لوازم مہیا ہوں تو ظاہر ہے کہ رحمت سے دور ہوا اور توفیق کا عنایت نہ ہونا کیسی بڑی محرومی ہے۔ علاوہ ازیں ہر ایک گناہ دوسرے گناہ کی طرف بلاتا ہے۔ پھر بڑھتا جاتا ہے یہاں تک کہ انسان کی وجہ سے اس رزق سے محروم رہتا ہے جو اس کی غذائے روحانی ہوتی ہے اور علمائے کرام کے پاس بیٹھنا جو گناہوں سے روکنے میں اسے صلحاء کی ہم نشینی بھی میسر نہیں ہوتی بلکہ ایسے شخص سے اللہ تعالٰی ناراض رہتا ہے تاکہ صلحاء بھی اس سے ناراض رہیں۔

حکایت :۔ ایک عارف کامل کا طریقہ تھا کہ وہ کیچڑ سے کپڑا بچا کر اور پاؤں ہٹا کر رکھتے تاکہ پھسل نہ جائیں مگر ان کا پاؤں پھسل گیا اور کیچڑ میں گر پڑے۔ پھر اٹھ کر کیچڑ میں ہی روتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ یہی حال انسان کا ہے کہ ہمیشہ گناہوں سے بچتا رہتا ہے اور کنارہ کشی کرتا ہے یہاں تک کہ کبھی گناہوں میں مبتلا بھی ہو جاتا ہے' پھر یا تو

بالکل گناہوں میں دھنس جاتا ہے (یا اس سے توبہ کرتا ہے)

ثابت ہوا کہ گناہ کی سزا میں یہ بھی داخل ہے کہ کسی دوسرے گناہ کا مرتکب ہو نیز دنیا کے مصائب میں مبتلا ہونا عارفین کے نزدیک گناہ کی سزا میں داخل ہے۔ حضرت فضیل رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ انسان پر گردش زمانہ یا احباب کا ظلم و ستم ہو تو سمجھ لے کہ سب میرے گناہوں کی شامت ہے۔ بعض اکابر کا قول ہے کہ اگر میرے گدھے کی عادت بگڑ جائے تو میں یہی سمجھتا ہوں کہ میرے گناہوں کی شامت ہے۔ ایک عارف کا فرمان ہے کہ میں اپنے گناہوں کی شامت اپنے گھر کے چوہے بھی سمجھتا ہوں۔

حکایت :۔ ایک شخص نے کہا کہ میں نے ملک شام میں نصرانی غلام خوبصورت کو دیکھا تو حیران ہو کر اس کے جمال کو دیکھنے لگا۔ اسی دوران میرے پاس ابن جلاء مشقی آئے اور میرا ہاتھ پکڑا' مجھے شرم آئی۔ ان سے عرض کیا کہ مجھے اس کی صورت دیکھ کر تعجب تھا کہ نہ جانے اللہ کی کیا حکمت ہے کہ ایسی صورت بھی آگ میں جائے گی۔ انہوں نے میرا ہاتھ دبا کر فرمایا کہ چند روز بعد تمہیں اس کی سزا ملے گی۔ وہی صاحب کہتے ہیں کہ تیس سال بعد مجھے اس کی سزا ملی کہ میں کسی مصیبت میں گرفتار ہو گیا۔

حضرت ابو سلیمان دارانی فرماتے ہیں کہ احتلام بھی ایک سزا ہے اور فرمایا کہ کسی کو جو نماز باجماعت نہیں ملتی تو کسی گناہ کے ارتکاب سے یہ امر ظہور میں آیا ہے۔ حدیث شریف میں ہے ما انکرتم من زمانکم فبما غیرتم من اعمالکم ترجمہ "زمانہ سے جو بات تمہیں بری معلوم ہو' اسے اپنے اعمال کو بدل ڈالنے سے سمجھو۔" (بیہقی) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب بندہ شہوت کو میری طاعت پر مقدم سمجھتا ہے تو اس کی ادنیٰ سزا یہ ہے کہ اسے اپنی مزیدار مناجات سے محروم کر دوں گا۔

حکایت :۔ عمرو بن علوان سے ایک قصہ منقول ہے کہ وہ قصہ بہت طویل ہے' میں مختصراً لکھتا ہوں۔ خود فرماتے ہیں کہ میں ایک دن نماز پڑھ رہا تھا۔ نماز میں میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی۔ اس کی سوچ بہت دیر تک سوچتا رہا۔ یہاں تک کہ اس سے لواطت کی خواہش پیدا ہوئی' فوراً میں زمین پر گر پڑا اور تمام جسم سیاہ ہو گیا۔ لوگوں کی شرم سے میں تین دن گھر چھپا رہا اور بدن کو صابن سے حمام میں جا کر دھویا مگر سیاہی بڑھتی گئی۔ تین دن کے بعد رنگ صاف ہوا' پھر میں حسب الطلب حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس بغداد گیا۔ جب میں ان کی خدمت میں پہنچا تو فرمایا کہ تجھے شرم نہ آئی کہ اللہ کے سامنے کھڑا تھا اور تیرا نفس ایسی شہوت میں غرق مغلوب کر کے حضوری الٰہی سے نکال دیا۔ اگر میں تیرے لیے دعا نہ کرتا اور تیری طرف سے اللہ کے سامنے تائب نہ ہوتا تو تو اللہ کے سامنے اسی کالے رنگ سے جاتا۔ مجھے تعجب ہوا کہ حضرت جنید نے میرا حال کس طرح معلوم کیا۔ میں تو رقہ (اپنے گھر) میں تھا اور آپ بغداد میں تشریف رکھتے تھے۔

جو کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کا چہرہ' دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ اگر وہ نیک بخت ہوتا ہے تو سیاہی ظاہر بدن پر بھی

معلوم ہونے لگتی ہے تاکہ وہ اپنی حرکت سے باز آجائے۔ اگر بدبخت ہوتا ہے تو وہ سیاہی اندر ہی اندر رہتی ہے یہاں تک کہ تمام باطن سیاہ ہو کر مستحق آتش ہو جاتا ہے اور دنیا میں گناہوں کی آفات فقر و مرض وغیرہ آنے کے متعلق احادیث بکثرت وارد ہیں۔

دنیا میں بھی کچھ گناہ کی شامت ظاہر ہوتی ہے یعنی کسی مصیبت میں مبتلا ہونا گناہ کی سزا کی وجہ سے ہے' پھر اگر اس پر اچھی طرح صبر نہ کرے تو مزید محرومی بلکہ بدبختی دوبالا ہو جائے گی۔ اگر کوئی نعمت ملے تو گنہگار کے حق میں مہلت ہے۔ اگر وہ اس پر شکر سے محروم ہو تو ناشکری پر اسے سزا ہوگی وہاں اطاعت گزار کا حال اس کے برعکس ہے۔ اس کے حق میں طاعت کی برکت سے جو نعمت عطا ہوتی ہے' وہ جزائے طاعت ہوتی ہے اور اس کے شکر کی توفیق اس کو مرحمت ہوتی ہے اور جو مصیبت اس پر آتی ہے تو اس کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے اور اس پر صبر کرنے سے درجات بلند ہوتے ہیں۔

قسم 4 :۔ واعظ اور مقرر کو ضروری ہے کہ گناہ پر اصرار کرنے والوں کو ہر گناہ پر علیحدہ علیحدہ جو احادیث وارد ہیں مثلاً شراب خوری' زنا' چوری' قتل' غیبت' کبر' حسد کی برائی علیحدہ علیحدہ بیان کرے۔ ہر ایک میں بے شمار روایات وارد ہیں مگر اتنا ضرور خیال رکھے کہ جو شخص جس چیز کا اہل ہو' اس سے اسی چیز کا حال بیان کرے۔ بے موقع بیان کرنا ایسے ہی ہے جیسے بیماری کچھ اور ہو اور دوا کرے کچھ۔ عالم دین کا حال طبیب حاذق جیسا ہونا چاہیے۔ طبیب پہلے نبض' رنگ' حرکات و سکنات سے علت باطنی پر واقف ہوتا ہے' پھر علاج کرتا ہے۔ عالم دین بھی اسی طرح انسان کے قرائن احوال سے صفات پوشیدہ معلوم کرکے ان کا حال بیان کرے تاکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کامل نصیب ہو۔ کسی نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے وصیت فرمایئے مگر بہت زیادہ نہ ہو' آپ نے فرمایا غصہ نہ کرنا۔ ایک اور صحابی نے عرض کیا مجھے وصیت کیجئے۔ تو آپ نے فرمایا علیکم بالیاس ممانی ایدی الناس فان ذلک ہوالغنی وایاک والطمع فانه الفقر الحاضر وصل صلٰوۃ مودع وایاک ماتعتذر منه "تجھے چاہیے کہ لوگوں کے مال سے ناامید ہو کہ اسی کا نام دولت مندی ہے اور طمع سے دور رہ کہ وہ سروست کی مفلسی ہے اور نماز رخصت ہونے والے کی طرح پڑھنا اور ایسی بات سے خود کو بچانا جس سے عذر کرنا پڑے۔" (ابن ماجہ)

کسی نے آپ سے وصیت کے لیے عرض کیا تو فرمایا کہ جھوٹ نہ بولنا۔ کسی نے حضرت محمد بن واسع رحمتہ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ مجھے وصیت فرمایئے تو آپ نے فرمایا "دنیا اور آخرت میں بادشاہ بن کر رہنا" اس نے عرض کیا کہ یہ بادشاہی کیسے میسر ہوگی؟ آپ نے فرمایا کہ دنیا میں زہد کو اپنے اوپر لازم کرنا۔

خلاصہ :۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گویا سائل اول میں علامات غضب محسوس فرماتے تھے اس لیے اسے غصہ کرنے سے منع فرمایا تو اسے وہی حکم فرمایا۔ دوسرے میں کلام بدل ڈالنے کی علامات پائیں' اسے اسی کے مناسب جھوٹ نہ بولنے کا فرمایا۔ حضرت محمد بن واسع رحمتہ اللہ علیہ نے بھی اپنے سائل میں علامت حرص بفراست معلوم

کر کے اسی کے موافق وصیت فرمائی۔

حکایت :۔ کسی نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ مجھے کوئی وصیت فرمایئے تو آپ نے فرمایا اگر تو رحم کیا کرے تو میں تیرے لیے جنت کا ضامن ہوں یا آپ کو بفراست اس کا سخت دل ہونا معلوم ہو گیا تھا' اسی لیے رحم کی وصیت فرمائی۔

کسی نے حضرت ابراہیم بن ادھم رحمتہ اللہ علیہ سے وصیت چاہی تو آپ نے فرمایا کہ آدمیوں سے تنہا رہا کرو ورنہ نیک آدمیوں کے ساتھ رہا کرو اور نیک آدمیوں کی ضرورت اس لیے ہے کہ بھولنا اور خطا انسان کا کام ہے اور تمام انسان برابر نہیں ہوتے۔ اچھے لوگ گزر گئے اور نااہل رہ گئے۔ ہم انہیں انسان کیسے سمجھیں' وہ تو انسانیت کی توہین کرتے ہیں۔ گویا حضرت ابراہیم بن ادھم نے اپنی فراست سے اس شخص میں میل جول کی علامت محسوس کی اور جو حال اس پر اس وقت غالب تھا' اسے سنا دیا اور اس پر غالب حال یہی تھا کہ وہ لوگوں کو ایذا دیتا تھا غرضیکہ گفتگو مناسب حال سائل کے ہونی چاہیے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو لکھا کہ میرے لیے وصیت لکھ کر بھیجئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے لکھا کہ بعد حمد و صلوٰۃ معلوم ہو کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا تھا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا لوگوں کی ناراضگی سے چاہے' اللہ تعالیٰ لوگوں کی مشقت سے اسے بچاتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی لوگوں کی رضا میں چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے لوگوں کے حوالے کر دیتا ہے۔

اس خط سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فہم و فراست معلوم ہوئی کہ آپ نے وہی لکھا جس کے درپے حکام و امراء ہوتے ہیں یعنی لوگوں کی طرف داری اور ان کی رضاجوئی انہیں ملحوظ رہتی ہے۔

دوسری دفعہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا حمد صلوٰۃ کے بعد معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو کیونکہ جب اللہ (عزوجل) سے ڈرو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو لوگوں سے بچائے گا اور جب لوگوں سے ڈرو گے تو اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہارے لیے ان کی کچھ پیش نہ جائے گی۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ ہر مقرر واعظ پر ضروری ہے کہ اس کی توجہ اس طرف ہو کہ لوگوں کے صفات پوشیدہ کیا ہیں اور ان کے احوال مناسب اور مصلحت وقت پہچانے تاکہ جو ضروری امر ہو' وہی بیان کرے ورنہ تمام نصیحتیں ایک شخص کو کہنا ناممکن ہے۔ علاوہ ازیں جس امر کی ضرورت نہ ہو' اس میں مشغولیت تضیع اوقات ہے۔

سوال :۔ اگر مقرر یا واعظ مجمع میں وعظ کہتا ہو یا کوئی ایسا شخص سوال کرے جس کے باطن کا حال معلوم نہ ہو تو پھر واعظ کیا کرے؟

جواب :۔ دونوں صورتوں میں ایسا بیان کرے کہ جس میں تمام مخلوق کو عام ہو یعنی ایسی ضروری باتیں کرے کہ جن

کی سب کو ضرورت ہوتی ہے' ہروقت یا اکثر اوقات۔ علوم شرعیہ میں یہ ممکن بھی ہے' اس لیے کہ وہ علوم غذا اور دوا دونوں میں ہے۔ غذا تو تمام لوگوں کے لیے ہے اور تکلیف میں مبتلا لوگوں کے لیے دوا ہے۔

کسی نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا کہ مجھے وصیت فرمایئے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ (عزوجل) کا خوف اپنے اوپر لازم کرنا' یہ خیرو بھلائی کی جڑ ہے اور جہاد فی سبیل اللہ اپنے اوپر لازم کرنا۔ اسلام میں رہبانیت اسی کو کہتے ہیں اور قرآن مجید ہمیشہ پڑھنا کہ وہ تیرے لیے زمین والوں میں نور ہوگا اور آسمان والوں میں تیری یاد رہے گی اور بہتر گفتگو کے سوا سکوت اختیار کرنا کیونکہ اس سے تو شیطان پر غالب ہو جائے گا۔

کسی نے حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ سے عرض کی کہ مجھے وصیت فرمایئے تو آپ نے فرمایا کہ اللہ کی کبریائی بیان کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ تیری عزت بڑھائے گا۔

پند سود مند:۔ حضرت لقمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹے سے کہا کہ علماء کی صحبت اختیار کرنا۔ ان سے جھگڑا نہ کرنا ورنہ وہ تجھے برا سمجھیں گے اور دنیا میں مقدار قوت بشری لے رکھنا جو باقی مال بچے' اسے آخرت کے لیے خرچ کرنا اور دنیا کو بالکل ترک نہ کرنا کہ اپنا بوجھ لوگوں پر ڈال دو کہ تمہارا بوجھ ان کی گردن کا وبال ہو اور روزہ ایسا رکھنا کہ جس سے شہوت کمزور ہو۔ ایسا روزہ نہ رکھنا کہ جس سے نماز میں خلل ہو۔ اس لیے کہ نماز' روزہ سے افضل ہے اور بیوقوف کے پاس نہ بیٹھنا اور نہ دوزخی انسانوں سے ملنا۔

فائدہ:۔ یہ بھی انہیں کی نصیحت ہے جو انہوں نے اپنے فرزند کو فرمایا کہ بغیر تعجب کے نہ ہنسنا اور بغیر ضرورت کے ادھر ادھر نہ گھومنا اور جس چیز سے تجھے کوئی فائدہ نہ ہو' اس کا حال نہ پوچھنا اور اپنے مال کو ضائع کرکے دوسرے کا مال سنوارنا۔ اس کی مراد یہ ہے کہ تیرا مال وہ ہے جو مرنے سے پہلے لوگوں کو دیا جائے اور دوسرے کا مال وہ ہے جو چھوڑ دیا جائے۔ اے فرزند جو رحم کرتا ہے' اس پر رحم کیا جاتا ہے اور جو چپ رہتا ہے' وہ سلامت رہتا ہے اور جو اچھی بات کہتا ہے' وہ غنیمت پاتا ہے اور جو بری بات کہتا ہے' وہ گنہگار ہوتا ہے اور جو اپنی زبان نہیں روکتا' وہ پریشانی اٹھاتا ہے۔

کسی نے حضرت ابو حازم رحمتہ اللہ علیہ سے کہا کہ مجھے وصیت کیجئے۔ انہوں نے فرمایا کہ جو کام ایسا ہو کہ اگر بالفرض اس میں تجھے موت آجائے تو اس پر مرنا اچھا معلوم ہو' ایسے کام سے اجتناب کرو۔

حکایت:۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے کہا کہ مجھے وصیت فرمایئے۔ انہوں نے فرمایا کہ ہنس مکھ رہا کرو' غصہ نہ کیا کرو اور ایسے رہو کہ دوسروں کو فائدہ ہو۔ کسی کو نقصان نہ پہنچاؤ۔ جھگڑے سے کنارہ کرو۔ بے ضرورت ادھر ادھر نہ پھرو اور بغیر تعجب کے نہ ہنسو اور اہل قصور کو ان کی خطاؤں' عیب کا طعنہ نہ دو بلکہ اے ابن عمران اپنی خطا پر رونا مناسب ہے۔

حکایت:۔ حضرت محمد بن کرام سے کسی نے وصیت چاہی تو آپ نے فرمایا کہ اپنے خالق کی رضا میں اتنی کوشش کرو

جتنا اپنے نفس کی رضا میں کرتے ہو۔

حکایت :۔ کسی نے حامد لفاف سے وصیت کے لیے عرض کیا تو انہوں نے فرمایا کہ اپنے دین کے لیے ایسا غلاف بناؤ جیسے کلام مجید کے لیے بنوایا جاتا ہے کہ کسی طرح کی گرد قرآن پر نہ پڑے۔ سائل نے پوچھا کہ دین کے غلاف سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا کہ طلب دنیا چھوڑ دو مگر بقدر ضرورت اور کثرت کلام اور زائد از ضرورت کا بھی تدارک ہو اور بے ضرورت لوگوں سے ملاقات ترک کر دو۔

حکایت :۔ حضرت حسن بصری نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو خط لکھا۔ حمد و صلوٰۃ کے بعد معلوم ہو کہ جس چیز سے اللہ تعالیٰ خوف دلاتا اور ڈراتا ہے' اس سے ڈرنا اور خوف کرنا چاہیے اور جو تمہارے پاس اب موجود ہے' اس میں آئندہ کے لیے لے لو اور موت کے بعد اس کا صحیح نتیجہ معلوم ہو گا۔

حکایت :۔ ایک دفعہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کو لکھا کہ آپ مجھے نصیحت کیجئے۔ اس کے جواب میں آپ نے لکھا کہ حمد و صلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ سب سے بڑے ہولناک اور دہشت ناک امور تمہارے آگے ہیں اور تمہیں ان سے واسطہ ضرور پڑے گا۔ اس کے بعد نجات یا تباہی ہے اور یہ بھی جان لو کہ جو شخص اپنے نفس کا امتحان لیتا رہتا ہے' وہ نفع میں رہتا ہے اور جو اس سے غافل ہے' وہ نقصان اٹھاتا ہے اور جو شخص انجام پر نظر رکھتا ہے' وہ نجات پاتا ہے اور جو ہوائے نفس کی اطاعت کرتا ہے' وہ گمراہ ہوتا ہے اور جو شخص حوصلہ کرتا ہے' اسے غنیمت ملتی ہے اور جو ڈرتا رہتا ہے' وہ بچ جاتا ہے اور جو بے خوف رہتا ہے' وہ عبرت پکڑتا ہے اور عبرت والا صاحب بصیرت ہوتا ہے اور اہل بصیرت فہیم ہوتا ہے اور فہیم واقف کار ہوتا ہے۔ جب تم سے کوئی لغزش ہو جائے تو اس سے باز آنا چاہیے اور جب ندامت کرو تو خطا کو جڑ سے اکھاڑ دو اور اگر کوئی بات سمجھ نہ آتی ہو' پوچھ لو اور جس وقت غصہ آئے تو اسے روکو۔

حکایت :۔ مطرف بن عبداللہ رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں لکھا کہ بعد حمد و صلوٰۃ معلوم ہو کہ دنیا عقوبت کا گھر ہے' اسے وہی جمع کرتا ہے جسے عقل نہیں اور اس سے دھوکہ اسی کو ہوتا ہے جسے علم نہیں۔ اے امیر المومنین دنیا میں ایسے رہو جیسے کوئی اپنے زخم کا علاج کرتا ہے اور درد کی شدت سے دوا پر صبر کرتا ہے۔

حکایت :۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ نے عدی بن ارطاط کو لکھا کہ حمد و صلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ دنیا اولیاء اللہ اس کے اعداء (دونوں) کی دشمن ہے۔ اولیاء کو رنج پہنچاتی ہے اور اعداء کو مغالطہ دیتی ہے۔

فائدہ :۔ آپ نے بعض حکام کو لکھا کہ تم کو بندوں پر ظلم کرنے کی قدرت حاصل ہے مگر جب کسی پر ظلم کا ارادہ کرو تو یاد کرنا کہ تمہارے اوپر بھی اللہ عزوجل قادر ہے اور خوب سمجھ لینا کہ جو کچھ لوگوں پر تم جور و ستم کرو گے' وہ

ان پر گزر جائے گا مگر تم پر باقی رہے گا اور یہ بھی جان لو کہ اللہ تعالیٰ مظلوموں کے انتقام میں ظالموں کو پکڑے گا۔ (والسلام) حاصل یہ کہ وعظ عام اس طرح کا ہونا چاہیے اور جس کا حال معلوم نہ ہو' اس کو بھی اسی طرح نصیحت کرنی چاہئے۔

فائدہ :۔ یہ وصیتیں اور نصیحتیں غذاؤں کی طرح ہیں۔ ان سے ہر ایک کو فائدہ ہو سکتا ہے لیکن ایسے مقرر اور واعظ نایاب ہیں بلکہ باب وعظ بالکل مسدود ہو گیا اور معاصی و فساد غالب ہو گئے۔ لوگوں کو ایسے واعظوں سے کام پڑا جو سجع اور قافیہ سے چکنا چوڑی باتیں کرتے اور اشارے کرتے ہیں اور جو بات ان کے مقصد علمی کے موافق نہیں' اسے بھی بتکلف بیان کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں کے مشابہ ہونے پر مرتے ہیں۔ اسی وجہ سے عوام کے دلوں سے ان کا وقار جاتا رہا۔ ان کا کلام دلوں پر اثر نہیں کرتا اس لیے کہ وہ خود دل سے نہیں کہتے۔ واعظین کے اقوال خالی از لاف و گزاف نہیں' نہ سننے والے تکلف سے صاف دل ہیں' دونوں ہی دین سے روگردان اور خلاف ہیں۔

فائدہ :۔ چونکہ مریض کا علاج تلاش طبیب ہے تو گنہگاروں کے لیے بھی پہلے علماء کا طلب کرنا ضروری ہے۔ یہ علاج کا رکن ہے۔ اس کی اصل یہی ہے جو مذکور ہوئی۔ دوسری اصل احزار کے علاج کی صبر ہے اور صبر کی ضرورت کی وجہ یہ ہے کہ مریض کا مرض بڑھتا ہے تو صرف مضر چیزوں کے استعمال کی وجہ سے۔ مضر چیزوں کا استعمال دو سبب سے ہوتا ہے۔ (1) اس کے ضرر سے غافل ہو۔ (2) غلبہ شہوت میں ضرر کا خیال نہ کرے۔

فائدہ :۔ جو مذکور ہوا' وہ تو علاج غفلت کا تھا۔ اب صرف شہوت کا علاج باقی رہا اور اس کے علاج کا طریقہ ہم باب ریاضت نفس میں لکھ چکے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے۔

علاج شہوت :۔ کسی مضر غذا کا بہت زیادہ اشتیاق ہو تو تدبیر یہ ہے کہ پہلے اس کے ضرر کی زیادتی سے واقف ہو' پھر وہ چیز اس کی آنکھوں سے پوشیدہ کر دی جائے کہ کبھی سامنے نہ آنے پائے اور اس کے بدلے میں کوئی اور چیز اسی کے قریب جو صورت میں مشابہ اور ضرر میں کمتر ہو' استعمال کرے۔ پھر درد اور تکلیف جو اس کے استعمال سے ہو' اسے بھی چھوڑ دے اور اس کے چھوڑنے پر صبر کرے اور مریض کو بہرحال تلخی صبر ضروری ہے۔ اسی طرح معاصی کی شہوت کا علاج ہونا چاہیے۔

مثال :۔ کسی نوجوان کو شہوت کا جوش ہو اور وہ اپنی آنکھ اور دل اور اعضاء کو مقتضائے شہوت سے نہ روک سکے تو اسے چاہیے کہ پہلے اپنے گناہ کے ضرر سے واقف ہو یعنی وہ وعیدات جو کتاب اللہ اور احادیث میں وارد ہیں' خواہ کسی سے سنے (اگر ان پڑھ ہو) جب خوف زیادہ ہو گا تو ان اسباب سے دور بھاگے گا جو شہوات کو جوش میں لاتی ہیں۔

فائدہ :۔ شہوت کا سبب یا تو خارج سے ہوتا ہے یعنی جس کی خواہش ہے' اسے دیکھنے اور سامنے ہونے سے۔ اس

سبب کا علاج تو یہ ہے کہ اس کے پاس نہ رہے یا اس سے تنہائی اختیار کرے اور یا سبب شہوت داخل سے ہوتا ہے یعنی لذیذ اور مقوی غذاؤں سے تو اس کا علاج بھوکا رہنا اور ہمیشہ روزہ دار رہنا ہے۔ یہ دونوں علاج صبر کے محتاج ہیں اور صبر بغیر خوف کے اور علم کے اور علم بغیر بصیرت و تامل کے حاصل نہیں ہوتا ہاں سننے اور تقلید سے بھی علم حاصل ہو سکتا ہے۔

علاج :۔ ایسے مریض (گنہگار) کو مجلسوں یعنی وعظ کے جلسوں میں حاضر ہونا چاہیے۔ پھر دل کو تمام شغلوں سے خالی کر کے سننے کی طرف مصروف ہو اور جو سنے اسے خوب سمجھنے کے لیے غور کرے۔ اسے ایسی تدبیر سے خوف پیدا ہوگا اور جب خوف غالب ہو جائے گا تو اس کی اعانت سے صبر میسر ہوگا اور طلب وعلاج کے اسباب پیدا ہوں گے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی توفیق ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اس پر آسان کر دے گا۔

فائدہ :۔ جو شخص دل لگا کر وعظ سنے گا اور خوف سے واقف ہو کر اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا اور منتظر ثواب کا ہوگا اور اچھی بات کو جان جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو رفتہ رفتہ آسانی پر پہنچا دے گا اور جو اس بارے میں بخل کرے گا اور توجہ نہ دے گا بلکہ بے پرواہی کر کے اچھی بات کو جھٹلائے گا' اسے اللہ تعالیٰ آہستہ آہستہ سختی میں پہنچا دے گا۔ پھر دنیا کی لذیذ چیزیں اس کے کام نہ آئیں گی' ہلاک ہو کر گڑھے میں جا پڑے گا۔

انبیاء علیہم السلام کا کام یہی تھا کہ ہدایت کے طریقے بیان کرتے باقی دنیا و آخرت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

سوال :۔ اس تقریر کا انجام کار ایمان پر ہے' اس لیے کہ ترک گناہ بغیر اس سے صبر کیے ممکن نہیں اور صبر بغیر واقفیت خوف کے ممکن نہیں اور خوف بغیر علم کے نہیں ہوتا اور علم اس وقت حاصل ہوتا ہے جب زیادتی گناہوں کے ضرر کی تصدیق ہو اور گناہ کے ضرر کی تصدیق بعینہ اللہ جل جلالہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق ہے' اسی کا نام ایمان ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو کوئی گناہ پر اصرار کرتا ہے' وہ اس لیے کرتا ہے کہ اسے ایمان نہیں حالانکہ یہ بات قیاس کے خلاف ہے کہ اصرار والے کو ایماندار نہ کہیں۔

جواب :۔ اصرار گناہ میں ایمان مفقود تو نہیں ہوتا بلکہ ضعف ایمان سے یہ حرکت صادر ہوتی ہے' اس لیے کہ یہ بات تو ہر ایماندار مانتا ہے کہ گناہ اللہ تعالیٰ سے دوری اور عذاب اخروی کے سبب سے ہوتا ہے۔ پھر جو گناہ میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کی کئی وجہیں ہیں۔

وجہ 1 :۔ جس عذاب کی وعید ہے وہ موجود نہیں' اس کی نظر سے غائب ہے اور نفس انسانی کی فطرت اس طریقہ پر ہے کہ اسے جتنا اثر موجود سے ہوتا ہے' اتنا غائب سے نہیں ہوتا' اس لیے موجود چیز کی تاثیر اس پر بہ نسبت حاضر کے ضعیف ہوتی ہے۔

وجہ 2 :۔ یہ کہ شہوات جو گناہوں کی موجب ہوتی ہیں' ان کی لذتیں نقد ہیں جو انسان کو ہر وقت محسوس ہوتی ہیں اور ان کی عادت و الفت ہونے سے قوت و غلبہ پا جاتی ہیں' اس لیے کہ عادت بھی ایک دوسری طبیعت ہوتی ہے

اور حال کی لذت آئندہ کے خوف سے چھوڑنا نفس پر مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کلا بل تحبون العاجلۃ وتذرون الاخرۃ (پ 29_ قیامۃ 21'20) ترجمہ کنزالایمان: کوئی نہیں بلکہ اے کافرو تم پاؤں تلے کی دوست رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑ بیٹھے ہو۔ اور فرمایا تؤثرون الحیاۃ الدنیا (پ 30_ الاعلیٰ 16) ترجمہ کنزالایمان: تم جیتی دنیا کو ترجیح دیتے ہو۔

حدیث 1:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حفت الجنۃ بالمکارہ وحفت النار بالشہوات ترجمہ " گھیری گئی ہے بہشت مکروہ چیزوں سے' گھیری گئی ہے دوزخ خواہشوں سے۔" (بخاری شریف)

حدیث 2:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دوزخ کو پیدا کر کے حضرت جرائیل علیہ السلام کو حکم فرمایا' اسے دیکھو۔ انہوں نے دیکھ کر عرض کیا کہ قسم ہے تیری عزت کی جو کوئی اس کا حال سنے گا' کبھی اس میں نہ جائے گا۔ پھر اسے شہوات سے ڈھانپ کر حضرت جرائیل کو حکم ہوا کہ اب جا کر دیکھو۔ انہوں نے دیکھ کر عرض کی کہ قسم ہے تیری عزت کی' اب مجھے خوف ہے کہ کوئی بھی اس میں داخل ہوئے بغیر نہ رہے گا اور جنت کو پیدا کر کے حضرت جرائیل علیہ السلام کو حکم کیا کہ اسے دیکھو۔ انہوں نے دیکھ کر عرض کی کہ قسم ہے تیری عزت کی جو بھی اس کا حال سنے گا' وہ اس میں ضرور داخل ہو گا۔ پھر جنت کو مکروہات میں چھپا کر حضرت جرائیل علیہ السلام کو فرمایا کہ اب جا کر دیکھو۔ انہوں نے دیکھ کر عرض کیا کہ اب مجھے خوف ہے کہ اس میں کوئی بھی داخل نہ ہو گا۔

فائدہ:۔ اس سے معلوم ہوا کہ شہوات کا موجود ہونا اور عذاب کے انجام غائب ہونا اصرار کے لیے یہی دو سبب واضح ہیں باوجودیکہ اصل ایمان موجود رہتا ہے۔

امثال:۔ جو مرض میں برف کا پانی شدت پیاس سے پیتا ہے' وہ اصل طب کا منکر نہیں۔ نہ اس بات کا منکر ہے کہ یہ پانی میرے لیے مضر ہے مگر چونکہ شہوت غالب ہے اور صبر بھی نہیں ہو سکتا' اس لیے جو تکلیف اور ضرر آئندہ ہو گا' وہ آسان معلوم ہوتا ہے۔

وجہ 3:۔ یہ کہ گنہگار مومن اکثر توبہ کا ارادہ رکھتا ہے اور اپنی برائیوں کو حسنات سے مٹانا چاہتا ہے اور وعدہ بھی شرع میں موجود ہے کہ حسنات سے سیئات مٹ جاتی ہیں مگر چونکہ طول امل طبائع پر غالب رہتی ہے' اس لیے انسان ہمیشہ توبہ میں تاخیر کرتا رہتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ باوجود ایمان اور توفیق توبہ کی امید میں گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔

وجہ 4:۔ کوئی مسلمان ایسا نہیں جس کو یہ اعتقاد نہ ہو کہ گناہ ایسے عذاب کے اسباب نہیں ہوتے جن کا معاف ہونا ممکن نہ ہو' اس لیے گناہ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل پر بھی بھروسہ کرتے ہیں یعنی گناہ معاف ہو جانے کی توقع رکھتے ہیں۔

فائدہ:۔ یہ چار وجوہ ہیں کہ باوجود باقی رہنے اصل ایمان کے یہی اسباب موجب اصرار گناہوں کے ہوتے ہیں۔ ہاں

بعض اوقات مجرم ایک پانچویں سبب سے گناہ کا مرتکب ہوتا ہے جس سے اصل ایمان ہی میں خلل واقع ہو جاتا ہے اور وہ سبب یہ ہے کہ سرے سے مجرم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صادق ہونے میں شک ہوتا ہے۔ اس کا نام کفر ہے۔ جیسے کوئی طبیب کسی مریض کو فرمائے کہ فلاں چیز تمہارے لیے مضر ہے اور مریض اس طبیب کا معتقد نہ ہو تو وہ بالضرور اس کے قول کو جھٹلائے گا یا شک کرے گا' بہرحال اس کے کہنے کی کوئی پروانہ کرے گا اور نہ اس کی بات مانے گا' اسی کا نام کفر ہے۔

وجہ کا علاج :۔ سبب اول یعنی عذاب کے غائب ہونے میں تو یہ سوچ کہ جو چیز ہونی ہے' وہ ہو کر رہے گی' آنے والی چیز آکر رہے گی۔ غور کیا جائے تو قیامت بالکل قریب ہے اور موت ہر ایک کے تسمے سے بھی نزدیک تر ہے تو کیا خبر کہ شاید قیامت ہی نزدیک ہو۔ جس وقت قائم ہوگی' اسی وقت موجود ہو جائے گی اور سالک یہ بھی دل میں سوچے کہ دنیا میں آئندہ کے خوف کے لیے نقد دکھ اور مشقت اٹھاتے ہیں مثلاً اس خوف سے کہ شاید کبھی محتاج ہو جائیں' خشکی و تری کا سفر کرکے نفع حاصل کرتے ہیں کہ بوقت ضرورت کام آئے بلکہ اگر کوئی طبیب اگرچہ نصرانی ہو' کسی مریض سے کہہ دے کہ ٹھنڈا پانی تیرے لیے مضر ہے' پانی پیئے گا تو مرجائے گا۔ اگرچہ مریض کے نزدیک ٹھنڈا پانی تمام چیزوں سے لذیذ تر ہے مگر موت کے خوف سے اسے چھوڑ دے گا باوجودیکہ موت کا رنج صرف ایک لحہ ہوتا ہے بشرطیکہ اس کے بعد کا خوف (قبر وغیرہ) نہ ہو اور دنیا سے جدائی بھی ضروری ہے اور دنیا کے وجود کا ازل اور ابد کے عدم سے کوئی نسبت نہیں' اب مقام غور ہے کہ ایک نصرانی کے قول سے کس طرح اپنی لذت کی چیز چھوڑ دیتا ہے حالانکہ اس کی طبابت کوئی معجزہ نہیں مگر اب سوچ کہ تیری عقل کے شایان شان نہیں کہ میرے نزدیک قول انبیاء علیہم السلام کا جن کو معجزہ سے تائید ہے' ایک نصرانی کے قول سے بھی کم سمجھوں جو صرف خود اپنے آپ کو وہ طبیب بتاتا ہے اور ان کی طب پر کوئی معجزہ قائم نہیں' نہ عوام کے سوا کوئی دوسرا اس کا گواہ ہے۔ پھر دوزخ کا عذاب بہ نسبت مرض کی تکلیف کے ہلکا بھی نہیں حالانکہ قیامت کا ایک دن دنیا کے دنوں کی بہ نسبت پچاس ہزار سال کا ہوگا اور اسی طرح کی فکر سے سبب ثانی کا علاج ہو سکتا ہے یعنی اگر گناہ کی وجہ غلبہ لذت ہو تو اسے نفس پر قابو پا کر چھوڑ دے اور یوں کہے کہ جب میں اس لذت کو زندگی بھر نہیں چھوڑ سکا حالانکہ زندگی کے دن بہت تھوڑے ہیں تو دائمی زندگی کی لذت مجھ سے کیسے چھوٹے گی اور یہ ذرا سا رنج صبر اگر مجھ سے نہیں اٹھ سکتا تو دوزخ کی تکلیف کی برداشت کیسے ہوگی اور جب دنیا کی زیبائش کی چیزوں پر جن میں کدورت اور تغیر ہوتا ہے اور کوئی شے خالی از رنج بھی نہیں' مجھ سے صبر نہیں ہو سکتا تو آخرت کی نعمتوں سے کیسے صبر ہوگا اور وجہ سوم یعنی توبہ کرنے کے لیے ٹال مٹول کا علاج یہ ہے کہ سوچے کہ دوزخیوں کی اکثر فریاد اس سے ہوگی کہ ہم نے توبہ کے وقت کیوں ٹال مٹول کیا۔ علاوہ ازیں ٹالنے والا اپنے کام کی بنا ایسی چیز پر رکھتا ہے جو اس کے اختیار میں نہیں یعنی فرض کر لیتا ہے کہ میں آئندہ زندہ رہوں گا اور توبہ کر لوں گا' اسے کیسے معلوم ہوا کہ وہ زندہ رہے گا شاید کل تک مرجائے اور اگر زندہ بھی رہے تو گناہ نہ چھوڑ سکے' جیسا اب نہیں چھوڑ رہا۔ اس لیے کہ وجہ گناہ نہ چھوڑنے کی جو اس وقت ہے یعنی غلبہ

شہوت وہ تو اسے چمٹی رہے گی بلکہ دور نہیں کہ اتنا عرصہ گناہ کے عادی ہونے سے اور زیادہ مضبوط ہو جائے کیونکہ جس شہوت کا انسان لتو ہوتا ہے' وہ شہوت زیادہ قوی ہوتی ہے بہ نسبت اس کے کہ جس کی عادت نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ عموماً توبہ ٹالنے والے تباہ ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ ہر ایک معاملہ کو ایک جیسا سمجھتے ہیں۔ یہ نہیں جانتے کہ ہر دن دوسرے سے مشابہ ہے۔ ایسے لوگوں کو ترک شہوات ہمیشہ دشوار ہوتا ہے۔

مثال :۔ توبہ میں ٹال مٹول کرنے والوں کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی درخت کو جڑ سے اکھاڑنا چاہے اور جب دیکھے کہ یہ تو مضبوط ہے' بغیر محنت سے نہیں اکھڑے گا تو کہے کہ ایک طویل عرصہ تک چھوڑ دوں' پھر اکھاڑوں گا۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ درخت جتنے دن زمین میں رہے گا' مضبوط ہوتا جائے گا۔ اسی طرح وہ جانتا ہے کہ وہ جتنا بڑا ہوتا جائے گا' اس میں کمزوری بڑھتی جائے گی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ دنیا میں اس کے برابر کا کوئی احمق نہ ہوگا کہ جب اس کے بدن میں جان تھی اور درخت کمزور تھا' اس وقت تو اسے نہ اکھاڑا۔ ایسے وقت پر چھوڑا کہ وہ تو مضبوط ہو جائے اور خود کمزور تو ایسے وقت میں کیسے ذلیل ہوگا اور چوتھی وجہ یعنی اللہ تعالیٰ کے عفو کی توقع تو اس کا علاج پہلے گزر چکا' اس کی وہی مثال ہے کہ کوئی اپنا تمام مال خرچ کر ڈالے اور اپنے آپ کو اور عیال کو فقیر رہنے دے اور توقع کرے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے کسی ویرانے میں خزانہ بتائے گا یا کوئی ایسے شہر میں ہو کہ وہاں کے لوگ زبردستی مال لوٹ لیتے ہوں تو یہ شخص اپنا مال گھر کے صحن میں ڈال دے اور باوجود قدرت اس کے دفن اور پوشیدہ کرنے کے کہے کہ مجھے اللہ عزوجل کے فضل سے توقع ہے کہ لٹیروں کو اندھا کر دے یا ان پر کوئی مصیبت ڈال دے کہ میرے گھر میں نہ آئیں۔ اگر آئیں تو دروازے پر مر جائیں۔

فائدہ :۔ ان مثالوں میں خزانے کا ملنا اور غارت گروں' لٹیروں کا اندھا ہونا یا مر جانا ممکن ہے اور بعض اوقات ایسا ہو بھی جاتا ہے مگر جو کوئی اس پر تکیہ کر کے اپنا مال ضائع کرے تو وہ نہایت ہی پاگل اور احمق ہے۔ اسی طرح گناہ کا معاف ہونا ممکن ہے مگر اس پر خوامخواہ تکیہ کرنا داخل جہالت ہے۔ پانچویں وجہ یعنی شک کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صادق ہونے میں شک کرنا' اس کا علاج وہ اسباب ہیں کہ جن سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صدق ثابت ہو مگر ایسے شخص کا علاج وہ لوگ کر سکتے ہیں جو اس کے عقل و فہم سے واقف ہوں مثلاً اس سے یوں کہا جائے کہ جس امر کو انبیا علیہم السلام کہ ان سے معجزات صادر ہوئے ہیں تو انہیں سچا سمجھتا ہے۔ انہوں نے آخرت کی خبر دی' اب بتا کہ امر آخرت تیرے نزدیک ممکن ہے یا محال۔ اگر وہ جواب دے کہ میں تو اسے محال جانتا ہوں تو اسے خارج از عقل سمجھنا چاہیے کیونکہ غالباً ایسا احمق عقلاً" میں کوئی نہ ہوگا۔ اگر جواب دے کہ مجھے اس میں شک ہے تو اسے یہ کہنا چاہیے کہ اگر تو اپنے گھر میں کھانا چھوڑ جائے اور کوئی اجنبی تجھے کہے کہ تیرے پیچھے اس کھانے میں سانپ نے منہ ڈال کر زہر اگل دیا ہے اور تجھے اس کی بات میں شک ہو کہ معلوم نہیں سچ کہتا ہے یا جھوٹ تو ایسی صورت میں اس کھانے کو تو کھائے یا باوجود لذیذ ہونے کے چھوڑ دے گا۔ پس وہ جواب دے گا کہ میں

اس کھانے کو نہ کھاؤں گا' اس لیے کہ میں سمجھوں گا اگر بالفرض اس نے جھوٹ بھی کہا ہے تو صرف اسی قدر نقصان ہے کہ وہ کھانا جاتا رہے گا اور اس سے صبر کرنا اگرچہ مشکل ہے مگر ہو سکتا ہے کہ اس نے سچ کہا ہے تو زندگی جاتی رہے گی۔ ظاہر ہے کہ بہ نسبت کھانے سے صبر کرنے اور اس کے ضائع ہو جانے کے موت بہت زیادہ سخت ہے تو اس سے کہنا چاہیے کہ ایک عام آدمی کا کہنا تو مانتا ہے کہ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ شاید غلط کہہ دیا ہو پھر تمام انبیاء علیہم السلام کا قول باوجود ان سے معجزات کے ظہور کے اور تمام اولیاء اور علماء اور حکماء بلکہ تمام عقلا کا تو قول نہیں مانتا۔ جہاں سے ہمیں بحث نہیں عقلاء میں سے تو کوئی ایسا بتا دیں جسے قیامت کا یقین نہ ہو اور ثواب و عذاب کو صحیح نہ مانتا ہو' اگرچہ ان کی کیفیتؑ میں اختلاف ہو مگر ان کے وجود کے تمام قائل ہیں۔ اگر یہ تمام لوگ سچے ہیں تو بے شک تجھ پر ایسا عذاب ہو گا جو ہمیشہ تک رہے گا۔ اگر جھوٹے ہیں تو تیرا حرج نہیں' صرف یہ ہو گا کہ بعض شہوات اس دارفانی کی تجھ سے فوت ہو جائیں گی۔ اگر وہ شخص عاقل ہو گا تو اس تقریر کے بعد اسے کچھ گنجائش توقف نہ رہے گی' اس لیے کہ دنیوی زندگی کو دائمی زندگی کے ساتھ کوئی نسبت نہیں بلکہ اگر تمام دنیا میں چینا ہوا اور فرض کرو کہ ایک پرندہ دس لاکھ سال کے بعد ایک دانہ اٹھالے تب بھی بالاخر بخلاف آخرت کی زندگی کے کہ وہ کبھی فنا نہ ہو گی' پس سمجھدار انسان دنیا کے تھوڑے دن شہوات سے صبر کر کے ہمیشہ کی سعادت حاصل کرنے میں کیسے سستی کرے گا۔

تقریر دہریہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہ :۔ ایک دہریہ امور آخرت کے وقوع کے سمجھنے سے قاصر تھا اور اسے امور آخرت میں شک تھا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر تیرا کہنا ٹھیک ہے تو ہم دونوں بچیں گے اور اگر ہمارا کہنا درست ہے تو ہم بچیں گے اور تو تباہ ہو گا۔

فائدہ :۔ خلاصہ یہ کہ سمجھدار انسان تمام ہولناکیاں اور دہشت کے مقامات میں وہ راہ اختیار کرے کہ جس میں امن ہو۔

مانا کہ یہ باتیں بدیہی نہیں' بغیر تامل کے حاصل نہیں ہوتیں تو دلوں پر بلا نازل ہوتی ہیں کہ اس بارے میں فکر چھوڑ دیں۔

سوال :۔ دلوں کے امور آخرت کا علاج اور اس فکر کی طرف متوجہ ہونا بالخصوص ایسے شخص کا جو ایمان اصل شرع اور اس کی تفصیل پر رکھتا ہو' اسے کونسی شے مانع ہے کہ وہ فکر نہیں کرتا؟

جواب :۔ اس کی فکر کی مانع دو باتیں ہیں۔ (1) فکر نافع آدمی کے لیے ایک وہ ہے جو عذاب اخروی اور اس کے اہوال و شدائد اور گنہگاروں کی حسرت اور ان کے جنت سے محروم رہنے کے بارے میں کرے' مگر یہ فکر آدمی کے دل میں کانٹا ہے' اس لیے دل کو اس سے نفرت ہوتی ہے اور دنیوی امور میں فکر کرنے سے لذت پاتا اور فرحت و راحت محسوس کرتا ہے۔ (2) یہ کہ فکر بھی ایک ایسا شغل ہے کہ جس وقت انسان پر مسلط ہوتا ہے تو لذائذ دنیوی

اور قضائے شہوات سے روک دیتا ہے کیونکہ کوئی انسان ایسا نہیں جس کے ہر حال اور ہر آن میں شہوت کسی چیز کی شہوت نہ ہوتی ہو۔ یہی شہوت کبھی اس پر مسلط ہو کہ عقل کو مغلوب کر لیتی ہے' اسی وجہ سے اس شہوت کے حیلے کی تدبیر میں لگا رہتا ہے اور یہی اس کو اچھا معلوم ہوتا ہے کہ یا کوئی تدبیر نکالے یا داؤ شہوت دیجئے اور فکر میں یہ بات کہاں ہو سکتی ہے۔

دونوں امور کا علاج :۔ ان دونوں مانع کا علاج یہ ہے کہ سالک اپنے دل میں سوچے کہ تو کتنا سخت غبی ہے کہ موت اور اس کے مابعد کی فکر سے بچتا ہے اور اس کی یاد سے رنج اٹھاتا ہے اور اس کے آنے کو حقیر جانتا ہے۔ جب آئے گی تو کیسے اس کا عذاب اٹھائے گا تو موت اور مابعد کے احوال مانتا ہے' پھر برداشت نہیں کر سکے گا۔ اسی سے رنج پاتا ہے اور فکر کی وجہ سے جو لذات دنیا کے فوت ہو جانے کا خوف ہوتا ہے' اس کا علاج یہ ہے کہ یہ بات یقیناً جان لے کہ آخرت کی لذات کا جاتا رہنا بہت سخت اور گراں ہو گا' اس لیے کہ اول تو ان لذات کی کچھ پایاں نہیں' دوسرے ان میں کسی طرح کی مشقت یا کدورت نہیں اور لذات دنیاوی ناپائیدار ہیں اور نہ خالی از کدورت تو ان میں لذت خالص بے کدورت بھی نہیں ہو سکتی البتہ گناہوں سے توبہ کر کے طاعت الٰہی پر متوجہ ہونے سے لذت مناجات الٰہی اور اس کی معرفت و طاعت سے آرام ملتا اور زیادہ انس پانا بڑی عمدہ لذت ہے کہ اگر مطیع کو عمل کی جزا سوا اس حلاوت کے اور کچھ نہ ملتی تب بھی کافی تھی۔ پھر جب اس پر اور جنت کی نعمتیں بھی دی جائیں گی تو اس لذت کا کیا کہنا۔ ہاں یہ لذت توبہ کے بعد ہی نہیں میسر آتی لیکن توبہ کے بعد اگر مدت تک اس پر صابر رہے گا اور خیر کا بھی اتنا عادی ہو جائے گا جتنا شر کا عادی تھا تو مقصود حاصل ہو سکتا ہے کیونکہ نفس اسی چیز کو قبول کرتا ہے جس کا عادی ہو۔ خیر کا بھی عادی ہو سکتا ہے اور شر کا بھی۔

خلاصہ یہ کہ یہ فکرات اسی طرح کے ہیں جن سے خوف ابھرتا ہے جو باعث جوش قوت صبر ہے اور یہ فکر واعظوں کے وعظ سے اور ایسی تنبیہات سے جو کبھی اتفاقاً" اسباب بے شمار سے دل پر موافق طبع ہو جاتی ہیں اور دل کو ان کی طرف رغبت ہوتی ہے اور جو سبب کہ طبیعت اور ان فکروں میں موافقت کرتا' اسے توفیق کہتے ہیں۔ اس لیے کہ توفیق اسی کا نام ہے کہ ارادہ اور مطلوب یعنی اس اطاعت میں جو آخرت میں نافع ہو' موافقت ہو جائے۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں عرض کیا کہ کفر کی بنا کس پر ہے؟ آپ نے فرمایا کہ چار ارکان پر (1) جفا (2) نابینائی (3) غفلت (4) شک۔ جو جفا کرے گا' وہ حق کو حقیر جانے گا اور باطل کو اور علماء کو برا جانے گا اور جو اندھا ہو گا' ذکر کو بھول جائے گا اور غفلت کرے گا۔ وہ راہ راست سے پھر جائے گا اور جو شک کرے گا' وہ آرزوؤں سے مغالطے میں پڑ جائے گا' پھر حسرت اور ندامت اس کو آزمائے گی اور جس چیز میں اس کو شک تھا' وہ اللہ کی طرف سے اس پر ظاہر ہو جائے گی۔

فائدہ :۔ بعض آفات کا بیان ہے جو فکر کی غفلت سے ہوتی ہیں اور اس قدر توبہ کے باب میں کافی ہے۔ ہاں صبر ایسا

رکن ہے جس پر توبہ کا دوام منحصر ہے' اس لیے اس کا بیان ایک مستقل باب میں ضروری ہوا۔ الحمد للہ باب توبہ اللہ کے فضل اور اس کے حسن توفیق سے ختم ہوا والحمد اللہ اولا و آخرا وصلی اللہ علی سیدنا محمد و آلہ واصحابہ وسلم

باب 2

صبرو شکر

احادیث و آثار سے ثابت ہے کہ ایمان کے دو حصے ہیں' نصف شکر ہے اور نصف صبر۔ علاوہ ازیں اللہ تعالٰی کے اسمائے حسنٰی میں صبور اور شکور دونوں نام ہیں تو صبرو شکر کا اوصاف خداوندی اور اسماء حسنٰی میں داخل ہونا مستحق ہے اور ان دونوں سے بے خبری گویا ایمان کے دونوں حصوں سے جاہل رہنا ہے یا اللہ تعالٰی کی دونوں صفات سے غافل رہنا اور بغیر حصول قرب اللہ کے کوئی صورت نہیں اور طریق ایمان پر چلنا اس بات کے پہچانے بغیر کہ کس چیز پر اور کس ذات پر ایمان چاہیے' غیر ممکن ہے جو اس بات کے پہچاننے میں سستی کرے' وہ صبر اور شکر کی معرفت سے بھی محروم رہے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایمان کے دونوں حصوں کا جاننا ضروری ہے اس لیے ہم اس باب میں صبر اور شکر کو یکجا لکھتے ہیں' اس لیے کہ ان دونوں میں ارتباط و مناسبت زیادہ ہے۔

فضائل صبر:۔ اللہ تعالٰی نے صابرین کو بہت سے اوصاف سے ذکر فرمایا ہے اور صبر کا ذکر قرآن مجید میں کچھ اوپر ستر (70) جگہ ہے اور بہت سے درجات اور خیرات کو صبر کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور اس کا ثمرہ بہتر ٹھہرایا ہے۔

قرآن مجید:۔ وجعلنا منهم ائمة يهدون بامرنا لما صبروا (السجدہ 24) ترجمہ کنز الایمان : اور ہم نے ان میں سے کچھ امام بنائے کہ ہمارے حکم سے بتاتے جبکہ انہوں نے صبر کیا۔

وتمت كلمة ربك الحسنى على بنى اسرائيل بما صبروا (الاعراف 13) ترجمہ کنزالایمان : اور تیرے رب کا اچھا وعدہ بنی اسرائیل پر پورا ہوا بدلہ ان کے صبر کا۔

ولنجزين الذين صبروا اجرهم باحسن ما كانوا يعملون(النحل 96) ترجمہ کنزالایمان : اور ضرور ہم صبر کرنے والوں کو ان کا وہ صلہ دیں گے جو ان کے سب سے اچھے کام کے قابل ہو۔

اولئک يؤتون اجرهم مرتين بما صبروا (القصص 54) ترجمہ کنزالایمان : ان کو ان کا اجر دوبالا دیا جائے گا بدلہ ان کے صبر کا۔

انما يوفى الصابرون اجرهم بغير حساب (الزمر 10) ترجمہ کنزالایمان : صابروں ہی کو ان کا ثواب بھرپور دیا دیا

جائے گا بے گنتی۔

فائدہ:۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ نیکیوں کا ثواب سوائے صبر کے کسی مقدار خاص اور حساب کے موافق نہ ہوگا اور صبر کا ثواب بے حساب ہوگا اور چونکہ روزہ بھی صبر میں داخل ہے کیونکہ نصف صبر ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا الصوم لی وانا اجزی بہ "روزہ میرے لیے ہے اور میں اس کی جزا دوں گا یا اس کا بدلہ میں خود ہوں"

فائدہ:۔ اس حدیث قدسی میں روزہ کو اپنی طرف منسوب فرمایا دیگر کسی عبادت کو اپنے لیے مخصوص نہیں فرمایا اور ثواب صبر میں ارشاد فرمایا کہ میں ان کے ساتھ ہوں۔ چنانچہ فرمایا واصبروا ان اللہ مع الصابرین اور دوسری جگہ اپنی نصرت کو صبر سے مشروط فرمایا کہ بلٰی ان تصبروا وتتقوا ویاتوکم من فور ھذا یمددکم ربکم بخمسۃ الاف من الملائکۃ مسومین (آل عمران 125) (ترجمہ کنزالایمان: ہاں کیوں نہیں اگر تم صبر و تقویٰ کرو اور کافر اسی دم تم پر آپڑے تو تمہارا رب تمہاری مدد کو پانچ ہزار فرشتے نشان والے بھیجے گا۔ نیز صابرین کے لیے ایسی باتیں جمع فرمائیں جو دوسروں کے لیے نہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے اولئک علیھم صلوت من ربھم ورحمۃ و اولئک ھم المھتدون (البقرہ 159) ترجمہ کنزالایمان: یہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی درودیں ہیں اور رحمت اور یہی لوگ راہ پر ہیں۔

اس آیت میں ہدایت اور رحمت اور صلوٰۃ صابرین کے لیے یکجا ہیں غرضیکہ صبر کی فضیلت میں جتنی آیات وارد ہیں سب کا لکھنا طوالت ہے۔ احادیث بھی اس باب میں بکثرت وارد ہیں۔

احادیث مبارکہ:۔ (1) نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الصبر نصف الایمان "صبر آدھا ایمان ہے" اس کے نصف ہونے کی وجہ عنقریب مذکور ہوگی (ان شاء اللہ تعالیٰ)

(2) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو چیزیں تمہیں کم عنایت ہوئی ہیں' ان میں سے یقین اور صبر ہے اور جسے ان دونوں میں سے بہرہ وافر ملا ہے' اسے اگر تہجد اور روزہ نفل نہ ملے تو کوئی حرج نہیں اور جس حال پر تم اب ہو اگر اس پر صبر کرو تو مجھے اس بات کی بہ نسبت زیادہ محبوب ہے کہ تم میں سے ہر ایک اتنے اعمال لائے کہ جتنا تم سب کرتے ہو لیکن مجھے یہ خوف ہے کہ میرے بعد تم پر دنیا مفتوح ہوگی اور تم ایک دوسرے کو برا جانو گے۔ اس وقت آسمان کے لوگ تم کو برا جانیں گے اور جو اس حال میں صبر کرکے ثواب کی نیت کرے گا' اسے کامل ثواب ملے گا۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی ماعندکم ینفد وما عند اللہ باق ولنجزین الذین صبروا اجرھم باحسن ماکانوا یعملون (النحل 96) ترجمہ کنزالایمان: جو تمہارے پاس ہے ہو چکے گا اور جو اللہ کے پاس ہمیشہ رہنے والا ہے اور ضرور ہم صبر کرنے والوں کو ان کا وہ صلہ دیں گے جو ان کے سب سے اچھے کام کے قابل ہو۔

(3) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ایمان کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا کہ صبر اور سخاوت۔

(4) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الصبر کنزمن کنوزا بختہ ترجمہ: "صبر جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے"

(5) ایک دفعہ کسی نے عرض کیا کہ ایمان کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صبر۔

فائدہ:۔ ایمان کو صبر فرمانا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا ہے جیسے ایک بار آپ نے حج کے بارے میں فرمایا کہ حج عرفہ ہی ہے یعنی بڑا رکن حج کا عرفہ ہے۔ اسی طرح بڑا رکن ایمان کا صبر ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام اعمال میں بہتر وہ ہیں جن پر نفسوں کو جبر ہو۔

وحی داؤد علیہ السلام:۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ میرے اخلاق اپناؤ۔ ایک میرا خلق یہ ہے کہ میں صبور ہوں۔

(6) حضرت عطا حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے ہاں تشریف لائے تو ان سے پوچھا کہ تم ایمان دار ہو' تمام چپ رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ ہم ایمان دار ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تمہارے ایمان کی پہچان کیا ہے تو انصار نے عرض کیا کہ نعمتوں پر شاکر رہتے ہیں اور مصیبت پر صابر اور حکم الہی پر راضی۔ آپ نے فرمایا رب کعبہ کی قسم' تم ایماندار ہو۔

(7) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فی الصبر علی ماتکرہ خیراً کثیراً ترجمہ: "جو چیز کہ تجھے بری معلوم ہوتی ہے' اس پر صبر کرنے پر جنت میں خیر کثیر ہے۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جس چیز کو تم محبوب جانتے ہو' وہ تمہیں ملے گی۔ جب اس چیز پر صبر کرو گے جسے تم بری جانتے ہو۔

(8) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوکان الصبور رجلا لکان کریما واللہ یحب الصابرین ترجمہ: "اگر صبر آدمی ہوتا تو کریم ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کو صبر کرنے والے محبوب ہیں۔" صبر کے متعلق بے شمار احادیث ہیں۔

اسلاف صالحین رضی اللہ تعالیٰ عنہ:۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کو خط لکھا۔ اس میں یہ بھی تھا کہ اپنے اوپر صبر لازم کرو اور جان لو کہ صبر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک دوسری سے بہتر ہے' صبر کرنا مصیبتوں پر بہتر ہے مگر اس سے افضل یہ ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ نے مقسوم میں لکھی ہے' اس پر صبر ہو اور جان لو کہ صبر ایمان کی اصل ہے کیونکہ نیکیوں میں سے عمدہ تقویٰ ہے اور وہ صبر سے حاصل ہوتا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ ایمان کی بنا چار ارکان پر ہے۔ (1) یقین (2) صبر (3) جہاد (4) عدل۔ نیز فرمایا کہ صبر کو ایمان سے وہ نسبت ہے جو سر کو بدن سے۔ جس طرح کہ بغیر بدن کے سر نہیں ہوتا' اسی طرح جس کو صبر نہ ہو' اس کو ایمان نہیں ہوتا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے کہ صابروں کے لیے دونوں گٹھڑیاں بھی خوب اور ان کا اضافہ بھی

اچھا ہے۔

فائدہ :۔ گٹھڑیوں سے مراد صلوٰۃ اور رحمت ہے اور اضافہ سے مراد ہدایت ہے یعنی یہ ثواب صبر جو قرآن مجید میں مذکور ہے کہ اولئک علیھم صلوات من ربھم و رحمتہ و والئک ھم المنھدین (پ 2 - البقرہ 157) ترجمہ کنزالایمان: یہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی درودیں ہیں اور رحمت یہی لوگ راہ پر ہیں۔

اس کی طرف آپ نے اشارہ فرمایا کہ صابروں کو گویا صلوٰۃ اور رحمت ایسی ہیں جیسے سواری کے دونوں طرف کا بوجھ اور ہدایت بمنزلہ ایک چھوٹی گٹھڑی کے ہے جو اوپر رکھ دیتے ہیں۔

حضرت حبیب بن ابی حبیب جب اس آیت کو پڑھتے انا وجدناہ صابر نعم العبدانہ اواب(پ 23_ ص 44) ترجمہ کنزالایمان: بے شک ہم نے اسے صابر پایا کیا اچھا بندہ بے شک وہ بہت رجوع لانے والا ہے۔

تو روتے اور کہتے سبحان اللہ عنایت بھی کی اور تعریف بھی یعنی خود ہی خداوند قدوس نے صبر عنایت فرمایا اور خود ہی تعریف فرماتا ہے۔

حضرت ابو دردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایمان کا چوٹی اور بلندی حکم الٰہی پر صبر کرنا اور تقدیر پر راضی رہنا ہے۔

فائدہ :۔ یہاں تک فضیلت صبر کا بیان تھا۔ اب اگر باعتبار چشم بصیرت کے اس کی فضیلت معلوم کرنی ہو تو بغیر حقیقت اور معنی صبر کے معلوم کیے بغیر سمجھ میں نہ آئے گی' اس لیے کہ فضیلت اور رتبہ کسی چیز کا اس کی صفت ہوتی ہے۔ اس کا جاننا بغیر موصوف کے جاننے کے نہیں ہو سکتا' اسی لیے صبر کی حقیقت اور معنی کو ذکر کیا جاتا ہے۔

حقیقت صبر اور اس کا مقام :۔ صبر دین کے مقام اور سلوک کی ایک منزل کا نام ہے اور دین کے جتنے مقامات ہیں' تین چیزوں سے منتظم ہوتے ہیں۔ (1) معارف (2) احوال (3) اعمال۔ معارف سب کی اصل ہے اور ان کی وجہ سے احوال پیدا ہوتے ہیں اور احوال سے اعمال بروئے کار آتے ہیں۔

مثال :۔ معاف کو مثل درخت کے اور احوال کو مثل ٹہنیوں کے اور اعمال کو مثل پھلوں کے سمجھنا چاہیے۔

فائدہ :۔ اور یہ بات سالکین کی تمام منزلوں میں پائی جاتی ہے اور لفظ ایمان کبھی تو معارف ہی پر بولا جاتا ہے اور کبھی ان تین چیزوں کے مجموعے پر اختلاف لفظ ایمان اور اسلام کے بیان میں اختلاف باب قواعد العقائد (جلد اول احیاء العلوم) میں مذکور ہے۔

فائدہ :۔ صبر کامل اس وقت حاصل ہوتا ہے جب معرفت ہو اور اس کے بعد ایک حالت سالک پر قائم ہو اور واقع میں صبر انہیں دونوں چیزوں کا نام ہے۔ عمل تو مثل ثمر کے ہے کہ انہیں دونوں سے صادر ہوتا ہے اور یہ امر بغیر دریافت ترتیب فرشتوں اور انسانوں اور جانوروں کے معلوم نہیں ہو سکتا' اس لیے کہ صبر خاصہ انسان ہے۔ ملائک

اور جانوروں میں نہیں ہو سکتا۔ ملائکہ میں ان کے کمال کی وجہ سے اور جانوروں میں ان کے نقصان کی وجہ سے۔

ملائکہ و انسان اور بہائم کا امتیاز:۔ جانوروں پر شہوات مسلط کر دی گئی ہیں۔ وہ انہیں کے قلوب میں ان کی حرکت و سکون کا باعث سوائے شہوات کے اور کچھ نہیں اور ان میں کوئی قوت نہیں جو شہوت کا مقابلہ کر کے اس کے مقتضی سے اسے روکے اور شہوت کے مقابلے میں اس قوت کا ثابت رہنا صبر ہے اور جانوروں میں کہاں۔ اور ملائکہ علیہم السلام صرف اس لیے پیدا ہوئے کہ انہیں شوق حضرت ربوبیت ہو اور وہ ہر وقت قرب سے خوش رہیں۔ ان کے اندر شہوت نہیں رکھی گئی جو اس مرتبہ اور شوق سے انہیں روکے اور نہ ان کو کسی ایسے لشکر کی محتاجی ہے کہ اس کی مدد سے موانعات پر غالب ہوں جو ان کی حضوری سے باز رکھتے ہوں' اس لیے کہ مقتضائے شہوات ہی موانع ہیں جو سرے سے ان میں موجود نہیں اور انسان کا حال یہ ہے کہ بچپن سے ناقص جانوروں جیسا پیدا ہوا' اس وقت سوائے خواہش غذا کے جس کی اسے محتاجی ہوتی ہے اور کسی چیز کی اسے خواہش نہیں ہوتی' پھر ایک مدت کے بعد اس میں کھیل اور آرائش کی خواہش پیدا ہوتی ہے' پھر اسے نکاح کی شہوت ہوتی ہے اور یہ شہوات بہ ترتیب ظاہر ہوتی ہیں اور شروع زندگی میں قوت صبر نہیں ہوتی' اس لیے کہ صبر اس کا نام ہے کہ جن دو لشکروں میں اختلاف مطالب اور ضدیت مقصود کے باعث لڑائی ہو تو ایک لشکر ان میں سے دوسرے کے مقابل مضبوط رہے۔ اسی مضبوطی کا نام صبر ہے مگر بچپن میں صرف ایک لشکر شہوات ہی ہوتا ہے جیسے بہائم میں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم اور جود و فضل کے طفیل انسان کو اشرف بنایا ہے اور اس کا درجہ بہائم سے اعلیٰ رکھا ہے' اس لیے جب اس کا وجود کامل ہو جاتا ہے اور بلوغ کے قریب پہنچتا ہے' اس پر دو فرشتے معین کرتا ہے۔ ایک اسے ہدایت کرے اور دوسرا اس کی مدد کرتا رہے۔ انہیں دو فرشتوں کی مدد سے انسان بہائم سے ممتاز ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں انسان میں دو وصف خاص ہیں جو انہیں دو فرشتوں کی وجہ سے حاصل ہوتے ہیں۔ (۱) اللہ جل جلالہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت (2) انجام کے مصلحتوں کی معرفت اور یہ اس فرشتے سے حاصل ہوتی ہیں جن کو کام ہدایت و معرفت ہے۔ جانوروں کو نہ تو پہچان اللہ جل جلالہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر اور نہ انجام کی بہتری کی پہچان بلکہ اسے اسی چیز کی خبر جو بالفعل اس کی خواہش کے موافق ہو اور اسی وجہ اسے سوائے لذیذ چیزوں کے اور کسی کی تلاش نہیں ہوتی یہاں تک کہ اگر کوئی دوا نافع اس کے لیے ہو مگر اس وقت مضر ہو تو اس کی طلب بھی اسے ہرگز نہ ہوگی اور نہ اس کو وہ پہچانے گا لیکن انسان نور ہدایت سے یہ جانتا ہے کہ اتباع شہوات میرے حق میں انجام برا ہے لیکن صرف ہدایت کافی نہیں جب تک کہ اسے مضر چیز کے چھوڑنے کی قدرت نہ ہو۔ بہت سی مضر چیزیں ایسی ہیں کہ انسان ان کو جانتا ہے مگر دفع نہیں کر سکتا۔ جیسے بیمار ہو جاتا تو ایسے حال میں اسے ایک ایسی قدرت و قوت کی ضرورت پڑے گی جس سے شہوات کو دفع کر سکے اور اس سے اس قدر مجاہدہ کر سکے کہ ان کی دشمنی کو اپنے نفس سے دور کر سکے۔ اس مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک اور فرشتہ مقرر کیا جو انسان کو بہتری پر رکھے اور اس کی تائید و تقویت ایسے لشکروں سے کرے جو نظر نہ آتے ہوں اور یہ لشکر اس بات پر مامور ہے کہ لشکر شہوت سے لڑے۔

یہی وجہ ہے کہ کبھی کمزور پڑ جاتا ہے اور کبھی قوت پکڑتا ہے اور اس کا کمزور اور زور آور ہونا اسی قدر جس قدر اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تائید غیبی نصیب ہوتی ہے جس کا نور ہدایت خلق اللہ میں مختلف ہے کہ جس کی کوئی انتہاء نہیں۔

فائدہ :۔ اس صفت انسانی کا کہ جس سے اسے شہوات کی بیخ کنی اور مغلوب کرنے میں جانور پر امتیاز ہے' دینی سبب نام رکھتے ہیں اور شہوات کے مطالبہ مقتضیات کا نام باعث شہوات رکھتے ہیں۔

اسرار و رموز کی باتیں :۔ ان دونوں چیزوں یعنی باعث دینی اور باعث شہوت میں لڑائی برپا ہے اور کبھی وہ غالب اور کبھی یہ غالب اور اس جنگ کا میدان قلب ہے اور باعث دینی کو فرشتوں سے مدد پہنچتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی جماعت ہے۔ وہ ایمان والوں کے مددگار ہیں اور باعث شہوت کو شیاطین سے مدد ملتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی مدد کرتے ہیں۔ اس معنی پر صبر کی حقیقت یہ کہ باعث شہوت کے مقابلے میں باعث دینی ثابت قدم رہے۔ پھر اگر ثابت رہ کر حریف کو مغلوب کرے اور شہوت کی مخالفت پر ہمیشہ آمادہ رہے تو اللہ تعالیٰ کی جماعت اس کی مدد کرے گی اور زمرہ صابرین میں داخل ہوگا۔ اگر ضعیف و خفیف ہوا اور شہوت نے دبوچ لیا اور وہ اسے دفع نہ کر سکا تو شیطان کے تابعین میں داخل ہوگا۔

فائدہ :۔ اس سے معلوم ہوا کہ افعال شہوت کا ترک وہ عمل ہے جو صبر سے پیدا ہوتا ہے یعنی حالت صبر کا ثمرہ ہے کہ آدمی شہوت کے مقتضیات کو چھوڑ دے اور صبر باعث دینی کے قائم رہنے کا نام ہے۔ باعث شہوت کے مقابلے میں اور اس کا ثابت رہنا ایک ایسا حال ہے جو شہوات کی عداوت اور ضدیت کے جاننے سے پیدا ہوتا ہے یعنی اس معرفت سے کہ شہوات اسباب سعادت کے لیے دنیا و آخرت میں دشمن اور طریق اللہ کے رہزن ہیں۔ جب اس معرفت کا یقین (جسے ایمان کہتے ہیں) قوی ہوتا ہے تو باعث دینی بھی قوی ہو جاتا ہے اور جب اس باعث کا استقلال اور ثبات اچھا ہوتا ہے تو انسانی افعال خواہش شہوت کے خلاف سرزد ہوتے ہیں غرضیکہ ترک شہوت کمل کو اسی وقت پہنچے گا جب باعث دینی جو باعث شہوت کا مقابل اور حریف قوی ہوگا اور انجام شہوات کی برائی کا یقین بھی قوی ہوگا اور وہ دونوں فرشتے جن کا اوپر ذکر ہوا' اللہ کے فضل سے اور ان دونوں لشکروں کے کفیل رہتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو اسی لیے پیدا کیا ہے اور ہر انسان میں دو فرشتے اسی طرح مقرر ہیں اور ان کو کاتبین کہتے ہیں اور چونکہ ہادی فرشتے کا تقویت دینے والے فرشتے کی بہ نسبت مرتبہ زیادہ ہے تو ظاہر ہے کہ داہنی طرف ہر انسان میں اشرف ہے' اسی کو ملنی چاہیے۔ اسی لیے ہادی داہنی طرف پر ہے اور مقوی بائیں طرف پر۔

فائدہ :۔ غفلت کرنے اور فکر کرنے میں اور گناہوں میں مطلق العنان رہنے اور مجاہدہ کرنے میں بندے کے دو حال ہیں۔ جب غفلت کرتا ہے تو داہنے فرشتے سے گویا منہ پھیرتا ہے اور اس کے ساتھ برائی کرتا ہے' اس لیے وہ اس کے منہ پھیرنے کو برائی لکھ لیتا ہے اور جب فکر کرتا ہے تو اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے تاکہ اس سے ہدایت کا

استفادہ کرے تو اس صورت میں گویا اس فرشتے کے ساتھ سلوک کرتا ہے' اس لیے وہ اس کے متوجہ ہونے کو نیکی لکھتا ہے۔ اسی طرح جب گناہوں میں مطلق العنان رہتا ہے تو بائیں فرشتے سے اعراض کرتا ہے اور اس کی مدد کا خواہاں نہیں ہوتا اور اپنی اس حرکت سے اس کے ساتھ برائی کرتا ہے۔ اسی لحاظ سے وہ اس پر برائی لکھ دیتا ہے اور چونکہ نیکیوں اور برائیوں کا وجود انہیں دو فرشتوں کے لکھنے سے ہوتا ہے' اسی لیے ان کو کراما" کاتبین کہتے ہیں۔

فائدہ :۔ کرام تو اس وجہ سے کہ بندے کو ان کے کرم سے نفع ہوتا ہے ورنہ تمام فرشتے بزرگ اور پاک ہیں اور کاتبین اس لیے کہ نیکیاں اور برائیاں لکھتے ہیں اور جن صحیفوں پر یہ لکھتے ہیں' وہ سر قلب میں لپٹے ہوئے ہیں۔ یاد رہے کہ سر قلب سے مخفی ہے یہاں تک کہ اس عالم میں ان پر اطلاع نہ ہوگی' اس لیے کہ وہ دونوں فرشتے اور ان کے خط اور نوشتے اور جو کچھ ان سے متعلق ہے' عالم غیب اور عالم ملکوت سے ہیں۔ عالم ظاہری سے ان کا کوئی تعلق نہیں اور کوئی چیز عالم ملکوت کی قابل محسوس ہونے کے چشم ظاہری سے اس عالم دنیا میں نہیں۔

عمل نامے کب کھلیں گے :۔ وہ عمل نامے جو مخفی ہیں' وہ دو دفعہ کھولے جائیں گے۔ (1) قیامت صغریٰ میں (2) قیامت کبریٰ میں۔ قیامت صغریٰ سے حالت موت مراد ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے۔ من مات فقد قامت قیامتہ ترجمہ : جو کوئی مرتا ہے' اس کی قیامت برپا ہو جاتی ہے۔ اس قیامت میں بندہ اکیلا ہوتا ہے اور اس میں اس سے کہا جاتا ہے (1) ولقد جئتمونا فرادی کما خلقنکم اول مرۃ (الانعام 94) ترجمہ کنزالایمان : اور بے شک تم ہمارے پاس اکیلے آئے جیسا ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا۔ (2) کفٰی بنفسک الیوم علیک حسیبا (بنی اسرائیل 14) ترجمہ کنزالایمان : آج تو خود ہی اپنا حساب کرنے کو بہت ہے۔

قیامت کبریٰ جو تمام مخلوق کی جامع ہوگی' وہاں انسان تنہا نہ ہوگا بلکہ غالباً حساب مجمع کے سامنے لیا جائے گا اور اس قیامت میں متقی جنت میں اور مجرم دوزخ میں چلے جائیں گے۔

قیامت صغریٰ' کبریٰ کا نمونہ :۔ سب سے پہلے دہشت قیامت صغریٰ ہے اور جتنا دہشتیں اور حالات کہ بڑی قیامت میں ہوں گی' ان سب کی مثال اور نظیر قیامت صغریٰ میں موجود ہے مثلاً زمین کا ہلنا جو قیامت کبریٰ میں ہوگی' اس کی نظیر موت میں یہ ہے کہ جو زمین خاص اس کے لیے ہے یعنی اس کا بدن وہ موت کے وقت ڈگمگا جائے گا تو اس کے حق میں گویا زلزلہ زمین کا موجود ہو گیا' اس لیے کہ اگر کسی ملک میں زلزلہ آجائے تو یہی کہیں گے کہ فلاں مقام پر زلزلہ آیا۔ اگرچہ اس کے پاس پڑوس والوں کو اس کا نقصان نہ ہوا غرضیکہ زلزلے کا ہونا انہیں لوگوں کے حق میں ہوگا جن کو اس سے صدمہ پہنچا ہو۔ اس اعتبار سے جس کے گھر میں اور کسی چیز کو اس سے نقصان ہوا ہوگا' اس کے حق میں زلزلہ ہوا کیونکہ تمام زمین کے زلزلے سے اسے نقصان اس وقت ہے جب اس کا گھر ہل جائے۔ دوسرے کے مکان وغیرہ کے زلزلے سے اس کا کیا نقصان ہے مثلاً موت کا صدمہ بدن پر کسی طرح بھی کم نہیں بلکہ زلزلے سے بڑھ کر ہے۔

فائدہ:- بدن کو زمین قرار دینا اس وجہ سے ہے کہ آدمی خاکی ہے اور مٹی سے بنا ہے- اس کے حصے میں جس قدر مٹی خاص ہے' وہ اس کا بدن ہے' غیر کا بدن اس کے حصے میں نہیں اور جس زمین پر کہ آدمی بیٹھا ہوا ہے' وہ بدن کا ظرف اور مکان ہے اور ساری زمین کے ہلنے سے جو آدمی کو ڈر لگتا ہے' اس کی یہی وجہ ہے کہ کہیں بدن اس کے سبب سے لغزش نہ کھا جائے ورنہ ہوا تو ہمیشہ چلتی رہتی ہے- اس سے کبھی خوف نہیں ہوتا' اس لیے کہ اس سے بدن میں کوئی اضطراب نہیں ہوتا' بہرحال تمام زمین کی جنبش سے آدمی کا حصہ اسی قدر ہے کہ اس کے بدن کو جنبش ہوتی ہو جو اس کی مٹی اور زمین خاص ہے- اب جس طرح زمین کے لیے اور سامان ہوتے ہیں' اسی طرح زمین بدن میں انہیں چیزوں کی نظیریں موجود ہیں- ہڈیاں مثل پہاڑوں کے اور سر بمنزلہ آسمان کے اور دل آفتاب ہے اور آنکھ اور کان اور ناک اور دوسرے حواس اس زمین کے ستارے ہیں اور پسینے کا بہنا دریا ہے اور بالوں کا بڑھنا اور ہاتھ پاؤں اس زمین کے درخت ہیں- اسی طرح تمام اجزاء کو قیاس کرنا چاہیے- پس جب موت کی وجہ سے ارکان بدن منہدم ہو جاتے ہیں تو یہ قول صادق آتا ہے- اذا زلزلت الارض زلزالھا (پ 30_ الزلزال) ترجمہ کنزالایمان: جب زمین تھرتھرا دی جائے جیسا اس کا تھرتھرانا ٹھہرا ہے-

وحملت الارض والجبال فدکتا دکہ واحدۃ (پ 20_ الحاقہ 14) ترجمہ کنزالایمان: اور زمین اور پہاڑ اٹھا کر دفعتہ" چوڑے کر دیئے جائیں-

جب ہڈیاں گل جائیں گی تو مضمون صادق آئے گا اذا الجبال نسفت (پ 30_ المرسلت 10) ترجمہ کنزالایمان: جب پہاڑ غبار کر کے اڑا دیئے جائیں-

جب دماغ پھٹے گا تو یہ مضمون صادق آئے گا اذا السمآء انشقت (اشقاق 1) ترجمہ کنزالایمان: جب آسمان شق ہو-

جب موت کے وقت دل پر تاریکی چھا جائے گی تو یہ مضمون صادق آئے گا اذا الشمس کورت (التکویر 2) ترجمہ کنزالایمان: جب دھوپ لپیٹی جائے-

کان اور آنکھ اور دوسرے حواس کے بیکار ہونے سے مضمون اذا النجوم انکدرت (الانفطار 3) ترجمہ کنزالایمان: اور جب تارے جھڑ پڑیں-
صادق آئے گا-

جب خوف و موت کی وجہ سے پیشانی پر پسینہ آئے گا تو یہ مضمون اذا البحار فجرت (الانفطار 3) صادق آئے گا-

جب ایک پنڈلی دوسری پر لپٹ جائے گی تو مضمون اذا لعشار عطلت (التکویر 4) ترجمہ کنزالایمان: اور جب تھکی اونٹنیاں چھوٹی پھرتیں- صادق آئے گا-

اور جسم و روح کی مفارقت سے یہ مضمون واذا الارض مدت والقت مافیھا وتخلت (اشقاق 3) ترجمہ

کنزالایمان: اور جب زمین دراز کی جائے اور جو کچھ اس میں ہے ڈال دے اور خالی ہو جائے۔ صادق آئے گا یعنی جو جو واقع کہ کلام مجید میں احوال قیامت کے باب میں موجود ہیں' موت انسانی میں ان میں سے ہر ایک نظیر پائی جاتی ہے۔ تمام احوال کا بیان طویل ہے پھر بھی یہ کہہ سکتے ہیں کہ مرنے کے ساتھ ہی قیامت صغریٰ ٹوٹ پڑتی ہے۔

فائدہ:۔ اس موت سے قیامت کبریٰ کی کوئی چیز جو خاص اس کے لیے ہوگی' وہ اس سے فوت نہ ہوگی مگر جو چیز دوسروں کے لیے خاص ہے' وہ اس سے فوت ہو جائے گی مثلاً دوسرے کے حق میں ستاروں کا باقی رہنا مردے کو کیا فائدہ دے سکتا ہے۔ جب اس کے حواس و بینائی میں ابتری ہوگئی ہو جیسے نابینا کے لیے رات دن برابر ہوتے ہیں۔ آفتاب کی روشنی اور اس کا گرہن اس کے نزدیک یکساں ہے کیونکہ اس کے حق میں ایک ہے۔ بار آفتاب کو گویا گہن لگ گیا' اس کو اسی قدر اس سے بہرہ ہے۔ اب جو آفتاب صاف و روشن ہوگا تو وہ دوسروں کے لیے ہوگا اور جس کا سر پھٹ جائے گویا آسمان پھٹ گیا کیونکہ آسمان اس کو کہتے ہیں جو جانب سر ہو۔ پس جب کسی کا سر ہی نہ ہو تو دوسرے کے لیے آسمان کا ہونا اس کے کس کام آئے گا۔ یہ چھوٹی قیامت کا حال ہے۔

قیامت کبریٰ کا منظر:۔ جب قیامت کبریٰ قائم ہوگی سب کے لیے برابر ہوگی۔ خصوصیت کسی کی نہ رہے گی۔ آسمان و زمین بے کار ہو جائیں گے' پہاڑ جاتے رہیں گے اور خوف و احوال کمال کو پہنچے گا۔

قیامت صغریٰ کا حال اگرچہ ہم نے بہت کچھ لکھا ہے لیکن یہ عشر عشیر بھی نہیں اور یہ قیامت کبریٰ کے سامنے ایسے ہے جیسے ولادت صغریٰ ولادت کبریٰ کے سامنے یعنی انسان کی دو پیدائش ہیں۔ نکلنا پشت پدر سے رحم مادر میں کہ یہاں پہنچ کر ایک مدت مقررہ تک وہیں رہتا ہے۔ وقت پورا ہونے تک کئی حالات بدلتا ہے گویا یہ حالات اس کے حق میں کمال کی منازل ہیں۔ پہلے نطفہ ہوتا ہے' پھر خون جما ہوا' پھر لوتھڑا وغیرہ اور تنگی رحم سے وسعت میں آیا۔ جب زمین پر قدم رکھتا ہے' اس کا نام ولادت دوم ہے۔

فائدہ:۔ قیامت کبریٰ کے عموم کو قیامت صغریٰ کے خصوص کی طرف وہ نسبت تصور کرنی چاہیے۔ جیسے وسعت عالم کو ہے رحم سے اور جس عالم میں کہ انسان موت کے بعد پہنچتا ہے۔ اس کی وسعت کو دنیا کی وسعت سے وہ نسبت ہے جو دنیا کی وسعت کو رحم کی وسعت سے ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اسی سے آخرت کو دنیا کی نسبت پر قیاس کرنا چاہیے۔ قرآن مجید میں اشارہ ہے ماخلقکم ولا بعثکم الکنفس واحدۃ (لقمٰن 28) ترجمہ کنزالایمان: تم سب کا پیدا کرنا اور قیامت میں اٹھانا ایسا ہی ہے جیسا ایک جان کا۔

دوسری دفعہ کا پیدا کرنا بھی پہلی بار جیسا ہے بلکہ اگر غور کیا جائے تو پیدائشوں کی شمار کا انحصار صرف دو میں ہی نہیں' اس کی طرف اشارہ مننشکم فی مالا تعلمون دونوں قیامتوں کا اقرار ہے۔ وہ دونوں عالم ظاہری و باطنی کا معتقد ہے اور وہ ملک و ملکوت دونوں کا یقین رکھتا ہے اور جو صرف قیامت صغریٰ کا اقراری ہے اور کبریٰ کو نہیں مانتا تو اس کی ابھی ایک آنکھ کھلی ہے۔ اس کا نام جہل اور گمراہی ہے۔ انسان بیچارہ کتنا غافل ہے اور اس غفلت میں ہم

سب برابر ہیں۔ گو جب ہمیں اسی طرح کے خوف کے مقامات درپیش ہیں تو پھر غفلت کے کیا معنی؟ اگر بالفرض جہالت اور گمراہی کی وجہ سے قیامت کبریٰ کا اعتقاد نہیں تو قیامت صغریٰ کیا ہے؟

حدیث شریف میں ہے کفی بالموت واعظا "موت کی وعظ کافی ہے" خود سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو وصال کے وقت کرب تھا۔ آپ فرماتے تھے اللھم ہون علی محمد سکرات الموت ترجمہ: الٰہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر موت کی سختیاں آسان فرما۔"[1] (ترمذی، ابن ماجہ)

[1] اس سے بھی تعلیم امت مدنظر تھی ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے موت کی سختی کا کیا معنی 12 ۔ اویسی غفرلہ

موت کے آنے میں توقف سمجھ کر بیوقوفوں اور غافلوں کی پیروی کرتے ہو جن کے متعلق یہ آیت آئی ہے

ماینظرون الا صیحۃ واحدۃ تاخذھم وھم یخصمون فلا یستطیعون توصیت ولا الٰی اھلھم یرجعون (یٰسین 49) ترجمہ کنزالایمان: راہ نہیں دیکھتے مگر ایک چیخ کی کہ انہیں آلے گی جب وہ دنیا کے جھگڑے میں پھنسے ہوں گے تو نہ وصیت کر سکیں گے اور اپنے گھر پلٹ کر جائیں۔ ان غافلوں کا یہ حال ہے کہ اگر ان پر خوف دلانے کے لیے مرض آتا ہے تو اس سے نہیں سمجھتے اور اگر بڑھاپا موت کا پیغام سناتا ہے تو اس سے عبرت نہیں پکڑتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یاحسرۃ علی العباد مایتیھم من رسول الا کانوا بہ یستھزءون (پ 23_ یٰسین 30) ترجمہ کنز الایمان: اور کہا گیا کہ ہائے! افسوس ان بندوں پر جب ان کے پاس کوئی رسول آتا ہے تو اس سے ٹھٹھا ہی کرتے ہیں۔ اگر ان کو یہ گمان ہو کہ ہم دنیا میں ہمیشہ رہیں گے تو انہیں یوں ارشاد ہے الم یروا کم اھلکنا قبلھم من القرون انھم الیھم لا یرجعون (پ 23_ یٰسین 31) ترجمہ کنزالایمان: کیا انہوں نے نہ دیکھا ہم نے ان سے پہلے کتنی سنگتیں ہلاک فرمائیں کہ وہ اب ان کی طرف پلٹنے والے نہیں۔

اگر یہ سمجھتے ہوں کہ مردے نیست و نابود ہو گئے تو وہ معدوم ہی ہیں۔ ان کا وجود کہیں نہیں تو اس خیال کے دفع کے لیے فرمایا وان کل لما جمیع لدینا محضرون (پ 23_ یٰسین 32) ترجمہ کنزالایمان: اور جتنے بھی ہیں سب کے سب ہمارے حضور حاضر لائے جائیں گے۔ آیات خداوندی سے پھر ان کے اعراض اور روگردانی کی وجہ سے فرمایا کہ کس وجہ سے ہر ایک آیت سے روگردانی کرتے ہیں۔ فرمایا وجعلنا من بین ایدیھم سدا ومن خلفھم سدا فاغشینا ھم فھم لا یبصرون و سوآء علیھم انذرتھم ام لم تنذرھم لا یومنون (پ 23_ یٰسین 9 تا 10) ترجمہ کنز الایمان: اور ہم نے ان کے آگے دیوار بنا دیا اور ان کے پیچھے ایک دیوار اور انہیں اوپر سے ڈھنک دیا تو انہیں کچھ نہیں سوجھتا اور انہیں ایک سا ہے تم انہیں ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ ایمان لانے کے لئے نہیں۔

فائدہ:۔ یہ تقریر ایسے امور کی طرف اشارہ کرتی ہے جو علم معاملہ سے اعلیٰ ہیں۔ اس لیے اصلی کی طرف رجوع کر کے ہم کہتے ہیں کہ یہ معلوم ہو گیا کہ صبر باعث دینی پر مضبوط رہنے کا نام ہے۔ مقابلے میں باعث خواہشات ہیں اور یہ مقابلہ خاصہ انسان ہے۔ اسی وجہ سے ان پر کراماً" کاتبین مقرر ہیں۔

کراماً" کاتبین لڑکوں اور دیوانوں پر مقرر نہیں کیونکہ پہلے ہم لکھ چکے ہیں کہ اگر ان کی طرف استغناء کے

لیے توجہ کی جائے تو نیکی لکھتے ہیں۔ اگر ان سے روگردانی کی جائے تو برائی لکھتے ہیں اور چونکہ لڑکوں اور مجنونوں میں استفادہ کی استعداد نہیں تو ان سے متوجہ ہونے اور روگردانی متصور نہیں اور کراما" کاتبین سوائے توجہ اور روگردانی کے اور کچھ نہیں لکھتے اور یہ بھی ایسے لوگوں کے لیے لکھتے ہیں جن کو قدرت متوجہ ہونے اور روگردانی کرنے کی ہو۔

فائدہ:۔ بعض اوقات نور ہدایت کا آغاز سننے کی تمیز سے ہی شروع ہوتا ہے اور بتدریج حالت بلوغ تک بڑھتا جاتا ہے۔ جیسے صبح کی روشنی کہ آفتاب کے نکلنے تک تدریجا" زیادہ ہوتی جاتی ہے مگر یہ ہدایت ناقص ہے۔ اس کے بموجب عمل نہ کرنے سے آخرت کے ضرر سے محفوظ رہتے ہیں۔ دنیا کے ضرر سے نہیں بچتا مثلاً اگر ایسے وقت میں نماز نہ پڑھے تو زدوکوب کی جائے گی مگر آخرت میں اس پر عذاب نہ ہوگا اور نہ اس کے لیے کوئی نامہ اعمال لکھا جاتا ہے جو آخرت میں کھولا جائے بلکہ جو کسی لڑکے کا کفیل یا مربی ولی شفیق ہو اور کراما" کاتبین کی طرح نیک بخت ہو تو اسے چاہیے کہ لڑکے کی بھلائی اور برائی اس کے دل کے صحیفے پر لکھ دیا کرے یعنی اس سے پہلے خوب یاد کرائے کے دل پر نقش پتھر ہو جائے۔ اگر کوئی کام قابل تعریف ہے تو اس کی تعریف کرے ورنہ سزا دے۔ جس مربی کا لڑکے کے حق میں یہ طریقہ ہوگا تو وہ فرشتوں کی عادت کا وارث ہے اور لڑکے کے حق میں استعمال کرکے درجہ قرب الٰہی کا فرشتوں کی طرح حاصل کرے گا اور انبیاء اور صدیقین اور مقربین کی جماعت میں ہوگا۔ اسی طرف اشارہ ہے انا وکافل الیتیم "میں اور یتیم کا کفیل ان دونوں انگلیوں کے جیسے ہیں۔" (بخاری) آپ نے اپنی دو انگشت مبارک کی طرف اشارہ فرمایا۔

صبر نصف الایمان کیوں:۔ ایمان کبھی تو اصول دین کی تصدیقات پر بولتے ہیں اور کبھی ان اعمال پر بولتے ہیں جو ان تصدیقات کے باعث سرزد ہوتے ہیں اور کبھی دونوں کے مجموعے پر بولتے ہیں اور چونکہ معارف کی بھی بہت اقسام ہیں اور اعمال کے بھی اور لفظ ایمان سب پر بولا جاتا ہے' اس لیے ایمان کچھ اوپر ستر (70) قسم کا ہوا۔ چنانچہ اس کی تقریر باب قواعد العقائد جلد اول میں لکھی گئی ہے مگر صبر کو جو نصف ایمان کہتے ہیں' صرف دو اعتبار سے کہتے ہیں اور ایمان کے ہی دو معنی ہیں۔ اس کے مقتضی ہیں کہ صبر نصف ایمان ہو۔ اول معنی تو یہ کہ ایمان کو تصدیقات یعنی معارف اور اعمال دونوں پر بولا جائے۔ اس صورت میں ایمان کے دو رکن ہوں گے۔ (1) یقین (2) صبر یقین سے مراد وہ معارف قطعی اصول دین ہیں جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے حاصل ہوتے ہیں اور صبر سے مقصود عمل کرنا ہے بموجب یقین کے اس لیے کہ یقین انسان کو یہ بات بتلا دیتا ہے کہ گناہ مضر ہے اور طاعت مفید اور ترک معصیت اور مداومت طاعت بغیر صبر کے نہیں ہو سکتی یعنی اس کے لیے باعث دینی کو باعث خواہشات اور سستی کے مغلوب کرنے کے لیے کام میں لانا پڑتا ہے اور اسی کا نام صبر ہے۔ پس اس اعتبار سے صبر نصف ایمان ٹھہرا' اسی لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یقین اور صبر کو یکجا ارشاد فرمایا۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ من اقل ما اوتیتم الیقین

و عزیمنه البصر "جن چیزوں میں سے جو تم کو بہت کم دی گئی ہیں' وہ یقین اور ارادہ صبر ہے۔" معنی یہ ہیں کہ ایمان ان احوال پر بولا جائے جو موجب اعمال ہوں نہ معارف۔

نکتہ :- جمیع حالات انسان کے دو قسم ہیں۔ (1) دنیا و آخرت میں اس لیے نافع ہوں۔ (2) مضر ہوں اور انسان کو باعتبار مضر چیزوں کے لحاظ سے حالت صبر ہے اور نافع چیزوں کی بہ نسبت حالت شکر ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس معنی کے رو سے شکر ایک نصف ایمان کا ہے جیسے کہ پہلے معنی کے اعتبار سے یقین نصف ایمان تھا۔ اسی بنا پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ایمان کے دو نصف ہیں۔ ایک نصف صبر ہے اور ایک شکر اور یہ روایت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مرفوعاً ہے۔

چونکہ صبر باعث دینی کی وجہ سے باعث خواہشات رکنے کا نام ہے' اسی لیے اس کی دو قسمیں ہوئیں۔ (1) باعث شہوت کی طرف سے رکنا (2) غضب کی طرف سے رکنا کیونکہ اگر لذیذ چیز کی طلب کے لیے ہوگا تو شہوت کی طرف سے ہوگا اور اگر درد دینے والی چیز سے اجتناب کے لیے ہوگا تو غضب کی طرف سے ہوگا اور روزہ میں صرف رکنا مقتضائے شہوت یعنی فرج و شکم کی خواہش سے پایا جاتا ہے۔ مقتضائے غضب سے صبر کرنا اس میں داخل نہیں اسی لیے حدیث شریف میں ہے کہ الصوم نصف الصبر "روزہ صبر کا نصف ہے" کیونکہ کمال صبر اس صورت میں ہے کہ اسباب شہوت اور مقتضیات غضب دونوں سے کیا جائے اور روزہ میں صرف ایک شق سے صبر ہے۔ اس لیے روزہ صبر ہوا اور چونکہ صبر نصف ایمان تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ روزہ چوتھائی ایمان ہے۔

فائدہ :- شریعت میں جو اعمال اور احوال کی حدود مقرر ہیں اور ان کی نسبت ایمان کی طرف آدھی یا چوتھائی وغیرہ ان کو اسی طرح سمجھنا چاہیے اور اس میں اصل یہ ہے کہ اول ایمان کے اقسام معلوم ہونے چاہیں تاکہ معلوم ہو کہ ایمان کے کون سے معنی کی رو سے یہ نسبت بیان کی گئی ہے ورنہ سمجھنا دشوار ہے' اس لیے کہ لفظ ایمان بہت سے معانی مختلفہ پر بولا جاتا ہے (جیسا کہ کتاب الایمان بخاری شریف میں تفصیل ہے)

صبر کی اقسام :- صبر کی دو قسمیں ہیں۔ صبر بدن پر یعنی مشقتوں سے متحمل ہونا اور اس پر مستقل رہنا وغیرہ۔ پھر اس کی بھی دو صورتیں ہیں یا تو خود کوئی فعل کرنا یا دوسرے کے فعل کی برداشت کرنا۔ پہلے کی مثال جیسے کوئی مشکل کام یا عبادت بجا لانا اور دوسرے کی مثال جیسے کسی کی سخت مار پی جانا یا بڑے مرض کو اور زخم مہلک کو سہنا وغیرہ۔ یہ قسم کبھی اعلیٰ ہوا کرتی ہے بشرطیکہ موافق شرع ہو۔

فائدہ :- صبر کی عمدگی قسم دوم میں ہے یعنی نفس سے صبر کرنا کہ نفس کو طبیعت کے مقتضیات اور باعث بننے سے روکتے رہتے ہیں۔ پھر اس قسم میں اگر صبر شہوت شکم اور شرمگاہ سے ہوگا تو اس کا نام غضب ہے۔ اگر کسی بری بات سے ہو تو ہر ایک مکروہ چیز سے صبر کے لیے علیحدہ نام ہے مثلاً اگر کسی مصیبت پر ہو تو اسے صرف صبر کہتے ہیں اور اس کی ضد وہ حالت ہے جسے جزع و فزع کہتے ہیں یعنی مقتضی ہونے کو مطلق العنان کر دینا کہ خوب چیخے چلائے'

گریبان پھاڑے وغیرہ اگر تو دولت مندی کی برداشت کرنے میں صبر ہو تو اسے ضبط نفس کہتے ہیں اور اس کی ضد اترانا ہے۔ اگر صبر مقام جنگ اور صف قتال میں ہو تو اسے شجاعت کہتے ہیں جس کا بالمقابل نامردی و بزدلی ہے۔ اگر غصہ پینے میں ہو تو اس کا نام حلم ہے جس کی ضد غضبناکی ہے۔ اگر زمانے کی کسی مصیبت پر ہو تو اس کا نام فراخی حوصلہ ہے اور اس کی ضد کم حوصلگی ہے۔ بات چھپانے میں ہو تو اسے رازداری اور جس شخص میں یہ صفت ہو اسے رازدار کہتے ہیں۔ اگر عیش زائد از حاجت سے ہو تو اس کا نام زہد ہے جس کی ضد حرص ہے۔ اگر ایک حظ بھی نفسانی پر تھوڑی شے پر صبر ہو تو قناعت کہتے ہیں۔ اس کا بالمقابل شوے کہتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ایمان کے اکثر اخلاق صبر میں داخل ہیں۔

حدیث:۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے ایمان کے متعلق سوال کیا کہ وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا صبر! یہ اس لیے کہ ایمان کے اعمال میں سب سے بڑا اور بھاری صبر ہے جس طرح کہ حج کو آپ نے اسی لحاظ سے عرفہ فرمایا کہ وہ بھی حج کے ارکان میں سب سے زیادہ بھاری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان ارکان اقسام کو یکجا بیان فرما کر سب کا نام صبر رکھا ہے۔ فرمایا والصابرین فی الباسآء والضراء وحین الباس اولئک الذین صدقوا واولئک ھم المتقون(پ 2_ البقرہ 177) ترجمہ کنزالایمان: اور صبر والے مصیبت اور سختی میں اور جہاد کے وقت یہی ہیں' جنہوں نے اپنی بات سچی کی اور یہی پرہیزگار ہیں۔

فائدہ:۔ باساء سے مراد وقت مصیبت ہے اور ضراء سے وقت افلاس اور حین الباس سے وقت جنگ۔ یہ ہیں اقسام صبر کی۔ اقسام بوجہ اختلاف متعلقات علیحدہ علیحدہ اسماء سے مسمی ہوئے اور جو الفاظ کے معانی سمجھتا اور جانتا ہے' اسے معلوم ہے کہ یہ الفاظ مختلف ہیں' اس لیے ضروری ہے کہ ان کے معانی بھی مختلف ہیں یعنی جو حالتیں کہ ان الفاظ سے سمجھی جاتی ہیں' ان کی ذات و ماہیت علیحدہ علیحدہ ہونی چاہیے اور جو صراط المستقیم پر چلتا ہے اور نور الٰہی سے دیکھتا ہے' اس کی نظر پہلے معانی پر پڑتی ہے' پھر ان کی حقیقت سے باہر ہو کر الفاظ کی طرف متوجہ ہوتا ہے' اس لیے کہ الفاظ معانی کے لیے وضع ہوئے ہیں۔ اصل تو معانی ہی ہیں اور الفاظ ان کے تابع ہیں اور جو فرع سے اصل کا طالب ہو' وہ لازما لغزش کھائے گا اور ان دونوں کی طرف کلام مجید میں اشارہ مذکور ہے۔ فرمایا افمن یمشی مکبا علی وجھہ اھدیٰ امن یمشی سویا علی صراط مستقیم (الملک 22) ترجمہ کنزالایمان: تو کیا وہ جو اپنے منہ کے بل اوندھا چلے زیادہ راہ پر ہے یا وہ جو سیدھا چلے سیدھی راہ پر۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو کفار کو جو غلطی ہوئی تو اسی طریقہ سے اوپر مذکور ہوا۔ اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے حسن توفیق عنایت فرمائے۔ (آمین بجاہ النبی الامین ﷺ)

قوت وضعف کی وجہ سے صبر کی اقسام:۔ باعث دینی کو باعث ہوئی کی نسبت سے دیکھا جائے تو اس کے تین احوال ہوتے ہیں ایک حال تو یہ ہے کہ داعیہ ہوئی کو بالکل مغلوب کر دے اس میں کچھ قوت نزاع کی باقی رہے اور

یہ بات دوام صبر سے حاصل ہوئی ہو۔ ایسی صورت میں یہ جملہ کہا جاتا ہے۔ من صبر ظفر "جس نے صبر کیا وہ فتح یاب ہوا۔" اس مرتبے تک پہنچنے والے بہت کم ہیں۔ اگر ہیں تو وہ صدیق و مقرب ہیں کہ خداوند کریم قدوس کو اپنا رب جان کر اسی عقیدہ پہ ڈٹے رہے اور راہ راست کو کبھی نہ چھوڑا اور نہ اس طرف سے منہ موڑا اور ان کے نفسوں کو باعث دینی کے تقاضا۔ اطمینان کا ندا دینے والا پکارے گا۔ یایها النفس المطمئنة ارجعی الی ربک راضیة مرضیة (پ 30_ الفجر 27 تا 28) ترجمہ کنزالایمان: اے اطمینان والی جان اپنے رب کی طرف واپس ہو یوں کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔

(2) خواہشات کے اسباب غالب ہو جائیں اور باعث دینی کی منازعت ان کے ساتھ بالکل نہ رہے اور سالک اپنے نفس کو لشکر شیطانی کے حوالہ کرے اور مجاہدہ سے مایوس ہو کر کوشش سے باز رہے۔ یہ لوگ زمرہ غافلین میں ہیں اور کثرت سے ایسے لوگ پائے جاتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں کہ بندہ شہوات ہو گئے ہیں اور بدبختی کا جو زور ان پر ہوا تو اپنے دلوں پر جو اسرار الہی اور امر ربانی میں سے تھے' اعدائے الہی کو مسلط کر دیا۔ انہیں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا لوشئنا لاتینا کل نفس هداها ولکن حق القول منی لاملان جهنم من الجنة والناس اجمعین (پ 21 _ السجدہ 13) ترجمہ کنزالایمان: اور اگر ہم چاہتے ہر جان کو اس کی ہدایت فرماتے مگر میری بات قرار پا چکی کہ ضرور جہنم کو بھر دوں گا ان جنوں اور آدمیوں سب سے۔ "انہیں لوگوں نے آخرت کے بدلے میں زندگی دنیا کو خرید لیا اور خسارہ پایا اور کوئی واجب ایسے لوگوں کو ہدایت کرنا چاہیے کہ اللہ انہیں منع فرماتا ہے۔

فاعرض عمن تولی عن ذکرنا ولم یرد الا الحیوة الدنیا ذالک مبلغهم من العلم (النجم 29) ترجمہ کنزالایمان: تو تم اس سے منہ پھیر لو جو ہماری یاد سے پھرا اور اس نے نہ چاہی مگر دنیا کی زندگی یہاں تک ان کے علم کی پہنچ ہے۔

علامت شقاوت:۔ ایسے لوگوں کی اس حالت کی پہچان مجاہدہ سے ناامیدی اور آرزوؤں پر مغرور رہنا اور یہ نہایت درجے کی بیوقوفی ہے۔ نبی اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الکیس من دان نفسه وعمل لمابعد الموت والاحمق من اتبع هوا با وتمنی علی اللہ ترجمہ: "دانا وہ ہے جو اپنے نفس پر غالب رہے اور موت کے بعد کے لیے عمل کرے اور احمق وہ ہے جو اپنے نفس کو اس کی خواہش کے تابع کرے اور اللہ تعالیٰ سے اپنی تمنا کرے۔

اس حالت والے کو اگر کوئی نصیحت کرے تو یہ جواب دیتا ہے کہ میں توبہ کرنا تو چاہتا ہوں مگر مجھ سے ہو نہیں سکتی۔ اس لیے اس کی طمع بھی نہیں کرتا یا اسے اشتیاق توبہ نہ ہو تو کہتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ غفور و رحیم اور کریم ہے تو پھر توبہ کی کیا ضرورت ہے۔

اس بیچارے کی عقل شہوت کی غلام بن ہو گئی ہے' یہ صرف ایسے ہی دقیق حیلے نکالنے میں لگا رہتا ہے کہ جن سے اس کی شہوت پوری کر سکے۔ اس کی عقل شہوات کے ہاتھ میں ایسی گرفتار ہوتی ہے جیسے کوئی مسلمان کافروں کی قید میں ہو اور وہ اس سے خنزیر چروائیں اور شراب کی حفاظت اور اس کا اٹھانا اس کے ذمے لگا دیں۔

مثال:۔ اس کا حال اللہ تعالیٰ کے نزدیک یوں ہوگا جیسے کسی مسلمان کو زبردستی پکڑ کر کفار کے حوالہ کر کے ان کا قیدی بنا دیں۔ اس لیے کہ اس کی بڑی خطا یہی ہے کہ جس پر غالب رہنا چاہیے تھا' اسے خود پر مسخر کر دیا جس کے مسخر اور مغلوب رہنا تھا یعنی مسلمان کا حلوی اور غالب رہنا تھا' وہ اس لیے لائق ہے کہ اس میں معرفت دین اور باعث دینی موجود ہو اور کافر کو مغلوب رہنا بہتر ہے کہ اس میں دین کی جہالت اور باعث شیاطین پایا جاتا ہے اور مسلمان کا حق اپنے نفس پر بہ نسبت دوسروں کے زیادہ واجب ہے۔ پس جب اس اعلیٰ کو جو اللہ تعالیٰ کی جماعت اور لشکر ملائکہ میں سے ہے یعنی عقل کو ایک ایسی رذیل چیز کا مسخر کر دے گا جو گروہ شیاطین سے ہو اور اللہ تعالیٰ سے دور کرتی ہو تو یہ شخص بعینہ ویسا ہی ہوگا جیسا کوئی مسلمان کو کافروں کے حوالہ کر دے بلکہ جیسے کوئی بادشاہ محسن اور منعم پر چڑھائی کر کے اس کے سب سے زیادہ عزیز کو پکڑ کر سب سے زیادہ بغض رکھنے والے دشمن کے حوالہ کر دے۔

فائدہ:۔ غور کرنا چاہیے کہ اس میں کیسی ناشکری پائی جاتی ہے اور کتنے بڑے انتقام شاہی کا یہ شخص سزا کا مستحق ہے اور یہ مثال اس لیے مناسب تر ہے کہ ہوائے نفسانی سب سے بڑا معبود ہے جس کی زمین پر پرستش کی جاتی ہے اور تمام روئے زمین میں عمدہ چیز اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے عقل ہے تو ایسی عمدہ چیز کو ایسی بری چیز کے حوالہ کرنا نہایت ناشکری ہے۔

(3) لڑائی برابر کی ہو' کبھی فتح باعث دینی کو ہو اور کبھی باعث خواہش نفسانی کو' ایسا شخص مجاہدین میں فتح پانے والوں میں نہیں اور اس قسم کے سالکوں کا حال آیت میں مذکور ہے خلطوا عملا صالحا و اخر سیئا عسی اللہ ان یتوب علیهم (التوبہ 102) ترجمہ کنزالایمان: اور ملایا ایک کام اچھا اور دوسرا برا قریب ہے کہ اللہ ان کی توبہ قبول کرے۔

فائدہ:۔ یہ حالتیں باعتبار قوت و ضعف کے ہیں اور سالک پر تین حالتیں اور بھی باعتبار شمار صبر کے امور کے ہو سکتی ہیں۔ (1) تمام شہوات پر غالب ہو جائے۔ (2) کسی پر غالب نہ ہو۔ (3) بعض پر غالب ہو اور بعض پر نہ ہو اور آیت خلطوا عملا صالحا و آخر سیئا کو اس تیسری حالت والوں کی شان میں کہنا بہتر ہے اور جو لوگ شہوات کے ساتھ مجاہدہ نہیں کرتے' وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر' اس لیے کہ جانور کے لیے معرفت اور قدرت پیدا نہیں ہوئی کہ جس سے وہ مقتضائے شہوات کا مجاہدہ کرے اور انسان کے لیے قدرت پیدا ہوئی ہے مگر اس نے اسے بیکار رکھا تو واقع میں ناقص اور بدبخت یہی شخص ہے جو قدرت پا کر درجہ کمال کو حاصل نہ کر سکا۔

فائدہ:۔ آسانی اور دشواری کی وجہ سے بھی صبر کی دو قسمیں ہیں۔ (1) نفس پر شاق گزرے اور بہت سی محنت اور سخت مشقت کے بغیر اس پر مداومت ممکن نہ ہو۔ اس کا نام بزور صبر کرنا ہے۔ (2) بغیر شدت اور محنت کے حاصل ہو جائے یعنی نفس پر کوئی زور دینے سے صبر کا متحمل ہو جائے' کچھ مشقت نہ کرنی پڑے۔ اس صورت کا نام صبر ہے۔

جب سالک ہمیشہ تقویٰ کرتا ہے اور اسے انجام کی بہتری کا یقین قوی ہو جاتا ہے تو صبر آسان ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اعطی واتقی وصدق بالحسنٰی فسنیسرہ للیسرٰی (اللیل 5 تا 7) ترجمہ کنزالایمان : تو وہ جس نے دیا اور پرہیزگاری کی اور سب سے اچھی کو سچ مانا تو بہت جلد ہم اسے آسانی مہیا کر دیں گے۔

مثال :۔ جیسے پہلوان کی قدرت دوسرے عارض پر کہ اگر آدمی قوی اور کشتی کرنے والا ہوگا تو کمزور کو ذرا سے حملے اور ادنیٰ سی قوت سے پچھاڑ دے گا۔ اسی طرح کہ پچھاڑنے میں نہ کچھ تھکن ہوگی' نہ پریشانی' نہ سانس چڑھے گی' نہ اور کسی طرح کا اضطراب پیش آئے گا لیکن اگر بالمقابل بھی سخت اور قوی ہوگا تو اس کے پچھاڑنے کے لیے بہت محنت کرنی ہوگی۔ اسی طرح باعث دینی اور باعث ہوائے نفس کی کشتی کا حال ہے کہ درحقیقت وہ بھی لشکر ملائکہ اور لشکر شیاطین کا مقابلہ ہے۔

جب شہوات بالکل دفع ہو جاتے ہیں اور باعث دینی مسلط ہو کر حاوی و غالب ہو جاتے ہیں اور طویل مواظبت سے صبر کرنا آسان پڑ جاتا ہے تو اس باعث مقام رضا ملتا ہے۔ چنانچہ باب رضا میں عنقریب مذکور ہوگا۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

فائدہ :۔ معلوم ہوا کہ رضا کا مرتبہ صبر سے زیادہ ہے۔

حدیث شریف :۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اعبد واللّٰہ علی الرضآء فان لم یستطع ففی الصبر علی ماتکرہ خیر کثیر ترجمہ : "اللہ عزوجل کی رضا سے عبادت کرو۔ اگر رضا پر نہ ہو سکے تو جو چیز تجھے بری محسوس ہو' اس پر صبر کرو' اس میں بہت بہتری ہے۔ (ترمذی بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

بعض عارفین کا قول ہے کہ صبر والوں کے تین درجات ہیں۔ (1) چھوڑنا شہوت کا' یہ درجہ توبہ کرنے والوں کا ہے۔ (2) راضی ہونا تقدیر پر' یہ درجہ زاہدین کا ہے۔ (3) درجہ محبت کرنا' اس فعل سے جو اللہ تعالیٰ کے قریب کر دے' یہ درجہ صدیقین کا ہے۔ (ہم اسے باب محبت میں بیان کریں گے کہ مرتبہ محبت رضا کے مرتبے سے زیادہ ہے جس طرح کہ مقام رضا صبر سے اشرف ہے۔) یہ مراتب ایک صبر خاص میں ہو سکتے ہیں یعنی مصائب اور بلا پر صبر کرنے میں۔

باعتبار حکم صبر کے احکام :۔ صبر باعتبار حکم کی بھی کئی قسم ہیں۔ (1) فرض (2) نفل (3) مکروہ (4) حرام۔ (1) ممنوعات شرعیہ سے صبر کرنا فرض ہے۔ (2) مکروہات سے صبر کرنا مستحب ہے۔ (3) جو ایذا کہ شرعاً ممنوع ہو' اس پر صبر کرنا حرام ہے مثلاً کوئی اس کا ناحق ہاتھ کاٹے یا اس کے بیٹے کا ہاتھ کاٹے اور یہ اس پر چپ کرکے صبر کرے یا کوئی اس کی منکوحہ سے قصداً شہوت زنا کرلے اور جوش غیرت ہو مگر اظہار غیرت پر صبر کرے اور چپکا دیکھا کرے تو یہ صبر حرام ہے۔ اگر وہ ایذا شرعاً مکروہ ہو' حرام نہ ہو تو اس پر صبر کرنا مکروہ ہے۔ خلاصہ یہ کہ شریعت کو صبر کی

کسوٹی سمجھنا چاہیے' فقط اس صبر کو نصف ایمان جان کر یہ سمجھنا چاہیے کہ تمام صبر اچھے ہوتے ہیں بلکہ اچھے صبر کے اقسام مخصوص ہیں۔

صبر ہر حال میں ضروری ہے :۔ ہر انسان کو کسی حال میں صبر سے چارہ نہیں' ہر حال میں اس کی ضرورت ہے کیونکہ جو حالات انسان کو اس دنیوی زندگی میں پیش آتے ہیں' وہ دو حال سے خالی نہیں یا تو اس کی خواہش کے موافق ہوتے ہیں یا ناموافق' دونوں حالوں میں صبر ضروری ہے۔

(1) وہ احوال جو خواہش کے موافق ہوں' وہ صحت اور تندرستی اور مال و جاہ کا ہونا اور بہت سے لشکر ہونا اور کثرت سے اسباب کا ہونا اور یارومددگار و خدمت گزار بہت زیادہ ہونا اور تمام لذائذ کا موجود ہونا۔ ان احوال میں انسان کو صبر کی بہت زیادہ ضرورت ہے' اس لیے کہ انسان اگر لذات دنیوی میں پڑ کر اپنے نفس کو نہ روکے گا اور اسے مطلق العنان کر کے ان میں غرق رہے گا تو وہ لذائذ اگرچہ مباح ہوں لیکن بالآخر سرکشی اور اترانے پر پہنچا دیں گے' اس لیے کہ انسان کی عادت ہے کہ جب اپنے آپ کو غنی سمجھتا ہے تو سرکشی کرتا ہے۔ کلام مجید میں ہے ان الانسان لیطغی ان راہ استغنی (العلق 6'7) ترجمان کنزالایمان : بے شک آدمی سرکشی کرتا ہے اس پر کہ اپنے آپ کو غنی سمجھ لیا۔

فائدہ :۔ بعض عارفین ارشاد فرماتے ہیں کہ بلا پر ایماندار صبر کرتا ہے مگر عافیت پر صبر کرنا صرف صدیق کا کام ہے اور حضرت سہل تستری فرماتے ہیں کہ صبر کرنا عافیت پر بہ نسبت بلا پر صبر کرنے کے بہت زیادہ سخت ہے۔

جب اموال دنیا صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس آئے تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ مصیبت اور فقر میں امتحان لیا گیا تو ہم نے صبر کیا مگر جب ہم فتنہ عافیت و دولت میں مبتلا ہوئے تو ہم نے صبر نہ کیا۔ ہمیں خداوند قدوس عزوجل نے مال اور ازواج اور اولاد کے فتنے سے اپنی کتاب پاک میں خوف دلایا ہے۔ فرمایا یایھا الذین امنوالا تلھکم اموالکم ولا اولادکم عن ذکر اللہ (المنفقون 9) ترجمہ کنزالایمان : اے ایمان والو تمہارے مال نہ تمہاری اولاد کوئی چیز تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کرے۔ اور فرمایا ان من ازواجکم و اولادکم عدوالکم فاحذروھم (التغابن 14) ترجمہ کنزالایمان : تمہاری کچھ بی بیاں اور بچے تمہارے دشمن ہیں تو ان سے احتیاط رکھو۔

حدیث :۔ ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے حضور اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں الولد مبخلۃ مجبنۃ محزنۃ ترجمہ : "بچہ بخل و نامردی اور غم میں مبتلا کرتا ہے۔"

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لخت جگر حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ اٹک کر گر رہے ہیں تو منبر سے اتر کر گود میں اٹھا لیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سچ فرماتا ہے کہ انما اموالکم و اولادکم فتنہ (التغابن 15) ترجمہ کنزالایمان : تمہارے مال اور تمہارے بچے جانچ ہی ہیں۔ "میں نے جب اپنے فرزند کو گرتا دیکھا تو اپنے آپ کو نہ روک سکا یہاں تک کہ اسے اٹھا لیا۔"

فائدہ:- ارباب دانش سوچیں کہ بڑا مرد وہی ہے جو عافیت پر صبر کرے اور عافیت پر صبر کرنے کا یہ معانی ہے کہ اس کی طرف رغبت نہ کرے اور سمجھے کہ یہ چند روزہ امانت ہے' مجھ سے جلد جاتی رہے گی اور وہ اس سے زیادہ خوش نہ ہو اور عیش اور لذت اور لہو و لعب میں غرق نہ رہے بلکہ جو انعام اللہ تعالیٰ کے اس پر ہیں' ان سے حقوق اللہ ادا کرے مثلاً مال کو اللہ کی راہ میں دینے سے اور بدن سے دوسروں کی مدد کرنے سے اور زبان سے سچ بول کر اس کا حق ادا کرے اور اس طرح کا صبر شکر کے قریب ہے۔ جب تک انسان پر قائم نہ ہو' اس وقت تک صبر کامل نہ ہو گا (چنانچہ عنقریب مذکور ہوگا) اور عافت پر صبر کرنا اس لیے سخت تر ہے کہ اس میں قدرت موجود ہے ورنہ جو قدرت ہو تو وہ صبر نہ کرے تو کیا کرے؟

مثال:- کوئی فصد کھولے یا پچھنے لگائے تو مریض کو صبر کرنا آسان ہوگا بہ نسبت اس کے کہ یہ کام خود اپنے اوپر کر لے۔

بھوکے آدمی کے سامنے اگر کھانا نہ ہو تو صبر آسانی سے کر سکتا ہے بہ نسبت اس کے کہ عمدہ و لذیذ کھانا اس کے سامنے ہو اور اس کو قدرت بھی کھانے کی ہو' اس لحاظ سے فتنہ عافیت سخت تر ہے۔

قسم نمبر 2:- جو خواہش اور طبیعت کے ناموافق ہو' اس کی تین صورتیں ہیں۔ (1) وہ جو بندے کے اختیار سے منسلک ہو جیسے طاعات اور معاصی۔ (2) اس کے اختیار میں نہ ہو جیسے مصائب اور حوادث۔ (3) شروع میں تو اختیار کو کچھ دخل نہ ہو مگر اس کا دفع کرنا اختیار میں ہو جیسے موذی سے بدلہ لینا۔ صورت اول یعنی وہ افعال جو بندہ کے اختیار سے وابستہ ہوں اور اس میں بندے کے تمام افعال (جو طاعات اور معصیت ہو سکتے ہیں) داخل ہیں۔ ان کی دو نوع ہیں۔ نوع اول طاعت اور نوع دوم معصیت اور ہر ایک میں صبر کی ضرورت ہے۔ طاعت پر صبر کرنا دشوار ہے' اس لیے کہ نفس کو طبعاً" عبودیت سے نفرت ہے۔ یہ ربوبیت کو چاہتا ہے' اس لیے بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ کوئی نفس ایسا نہیں جس میں وہ بات چھپی نہ ہو جسے فرعون نے انا ربکم الاعلیٰ کہہ کر ظاہر کی تھی مگر فرعون کو اس کے ظاہر کرنے کا موقع مل گیا تھا کہ جب اپنی قوم کو حقیر جانا تو انہوں نے اس کی اطاعت کرلی اور جو کچھ کہا' مان لیا۔ اگر ان کو ظاہر کرنے سے تو انکار ہے مگر خفیہ طور پر وہی بات ہے مثلاً کوئی اپنے غلام یا نوکر اور محکوم اور زبردست اور مطیع سے ان کے قصور کے وقت کیسا نیلا پیلا ہوتا ہے اور قصور خدمت کو ان سے بعید جانتا ہے۔ اس کی وجہ اگر کبر باطنی اور دعوئی ربوبیت نہیں تو اور کیا ہے؟

اس سے معلوم ہوا کہ عبودیت نفس پر مطلقاً شاق ہے۔ پھر عبادات میں سے بعض ایسے ہیں جو سستی کی وجہ سے برے محسوس ہوتے ہیں۔ جیسے نماز اور بعض بخل کی وجہ سے جیسے زکوۃ کے سستی اور بخل دونوں کی وجہ سے جیسے حج اور جہاد پس طاعت پر بہت سے شدائد پر صبر کرنا ہوتا ہے۔

اطاعت گزار کا صبر:- مطیع کو اپنی طاعت پر صبر کرنے میں تین وقت کی محتاجی ہوتی ہے۔ طاعت سے اس وقت

درستی نیت اور اخلاص اور ریا کی ملاوٹ اور لوازم آفات سے صبر کرنا اور عزم اخلاص و وفا پر مضبوط ہونا جتنا ضروری ہے اور جو حقیقت نیت اور اخلاص اور مکائد نفس کو سچا جانتا ہے' اسے خوب معلوم ہے کہ یہ قسم صبر کی بڑی سخت ہے اور نیت کی عظمت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے۔ روایت ہے کہ حضور اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمائی ہے کہ انما لا عمال بالنیات ولکل امرء مانوی "اعمال کا دار و مدار اعتبار (نیتوں) پر ہے اور ہر مرد کو وہی ملے گا جو اس نے نیت کی۔" (بخاری و مسلم) اللہ تعالیٰ نے فرمایا وما امر ولا لیعبدواللّٰہ مخلصین لہ الدین (البینت 5) ترجمہ کنزالایمان: اور ان لوگوں کو تو یہی حکم ہوکہ اللہ کی بندگی کریں نرے اسی پر عقیدہ لاتے۔

فائدہ :۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے صبر کو عمل پر مقدم فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ الا الذین صبرو اوعملوا الصالحات (ھود 11) ترجمہ کنزالایمان: جنہوں نے صبر کیا اور اچھے کام کئے۔

عین عمل کے وقت پر صبر کرنا یعنی اثنائے عمل اللہ تعالیٰ سے غافل تر ہے اور عبادت کے سنن و آداب کی بجا آوری میں سستی نہ کرے اور شرط ادب کو عمل کے آخر تک ملحوظ رکھے یعنی عمل سے فارغ ہونے تک جن لوازم سے کہ عمل میں خلل ہوتا ہے' ان سے صبر کرنا پڑے گا اور یہ صبر بھی سخت ہے اور غالباً اس آیت میں بھی یہی صبر مراد ہے۔ نعم اجر العاملین الذین صبروا (العنکبوت 58) ترجمہ کنزالایمان: اچھا اجر کام والوں کا وہ جنہوں نے صبر کیا۔

فائدہ :۔ یعنی جن لوگوں نے عمل کے مکمل ہونے تک صبر کیا۔ تیسرے عمل سے فارغ ہونے کے بعد یعنی اب صبر کی ضرورت یہ ہے کہ عمل ظاہر نہ کرے اور شہرت اور ریا کا خواہاں نہ ہو اور اپنی طرف عجب کی نظر سے نہ دیکھے۔

جو چیزیں عمل کو بعد عمل کے باطل کرتی ہیں' ان سے صبر کرے ورنہ عمل باطل ہو کر اس کا اثر نہ رہے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولا تبطلوا اعمالکم (البقرہ 264) ترجمہ کنزالایمان: اپنے صدقے باطل نہ کردو احسان رکھ کر اور ایذا دے کر۔ اور فرمایا لا تبطلوا صدقاتکم بالمن و الاذی (ترجمہ از کنزالایمان)

فائدہ :۔ جو شخص صدقہ دینے کے بعد احسان جتائے اور ایذا دینے پر صبر نہ کرے گا' اس کا عمل بیکار ہوگا۔

طاعت کی اقسام :۔ طاعت کی دو قسمیں ہیں۔ (1) فرض (2) نفل۔ سالک کو دونوں میں صبر کی ضرورت ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اس آیت میں جمع فرمایا ہے۔ ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ (النحل 90) ترجمہ کنزالایمان: بے شک اللہ حکم فرماتا ہے انصاف اور نیکی اور رشتہ داروں کے دینے کا۔

فائدہ :۔ عدل کرنا فرض ہے اور احسان نفل ہے اور اقارب کو دینا' ان سے مروت کرنا اور صلہ رحمی وغیرہ ان ہر ایک میں صبر کی ضرورت ہے۔

نوع 2 :۔ معصیت پر صبر کرنا بھی بڑا ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ نے جمیع اقسام معاصی کو اس آیت میں جمع کر دیا ہے۔ وینھی عن الفحشاء والمنکر و البغی (النحل 90) ترجمہ کنزالایمان : اور منع فرماتا ہے بے حیائی اور بری بات اور سرکشی سے۔

حدیث :۔ حضور اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا المھاجر من ھجر السوء والمجاہد من جاھد ہواہ ترجمہ: "ہجرت کرنے والا وہ ہے جو برائی کو چھوڑ دے اور جہاد کرنے والا وہ ہے جو اپنی خواہش نفس سے لڑے۔"

فائدہ :۔ معاصی باعث ہوا کے لوازم سے ہیں اور صبر کے اقسام میں زیادہ سخت ان معاصی پر صبر کرنا ہے جو عادت کے باعث دل کو پسند ہوں' اس لیے کہ عادت بھی انسان کی دوسری طبیعت ہوتی ہے۔ جب خواہش نفس پر عادت زیادہ ہو جاتی ہے تو گویا شیطان کے دو لشکر آپس میں مل کر ایک دوسرے کی مدد کر کے باعث دینی کا مقابلہ کرتے ہیں' اس لیے وہ ان کے قلع قمع پر قادر نہیں ہوتا۔ پھر اگر وہ گناہ ان افعال میں سے ہوں جن کے کرنے میں کچھ دقت نہیں ہوتی' بآسانی ہو سکتے ہیں تو اس سے صبر کرنا نہایت دشوار ہوتا ہے مثلاً زبان کے گناہ' غیبت' جھوٹ' خصومت اشارتاً یا صراحتاً اپنے نفس کی تعریف کرنا وغیرہ سے صبر کرنا یا اقسام مزاح سے جو دلوں کو ایذا دیں اور ان کلمات سے جو بقصد تحقیر و تذلیل بولے جائیں اور مردوں کا ذکر کرنا اور ان پر ان کے علوم پر اور سیرت و منصب پر اعتراض کرنا ان سب سے صبر کرنا بہت دشوار ہے' اس لیے کہ ظاہر میں تو یہ غیبت ہیں مگر باطن میں اپنے نفس کی تعریف پائی جاتی ہے۔ ایسے گناہ میں نفس کو لذت محسوس ہوتی ہے۔ ایک تو دوسرے کا نہ ہونا' دوسرے اپنا ہونا' انہیں دونوں باتوں سے ربوبیت پوری ہوتی ہے جو نفس کی طبیعت میں ہے اور ربوبیت' عبودیت کی ضد ہے جس کا انسان کو حکم ہے۔ انہیں دو شہوتوں کے اجتماع اور زبان کے ہلانے میں وقت نہ ہونا اور محاورات میں عادی ہو جانے سے ایسی باتوں سے صبر مشکل ہے بلکہ لوگ ان کو برا نہیں جانتے اور نہ دلوں میں ان امور کی کچھ قباحت سمجھتے ہیں کیونکہ اکثر لوگوں کا روزمرہ یہی طریقہ ہو گیا ہے اور تمام لوگوں میں یہ بلا پھیلی ہوئی ہے۔ اگر کوئی مسلمان آدمی ریشم کا کپڑا پہنے تو لوگ نہایت بعید جانیں لیکن اگر تمام دن اپنی زبان سے لوگوں کو برا کہے جائے تو کوئی برا نہ مانے حالانکہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ "غیبت زنا سے بھی سخت تر ہے۔"

زیادہ گفتگو سے بچنے کا علاج :۔ اگر کوئی گفتگو میں اپنی زبان نہ روک سکے اور اس کے معاصی سے صبر بھی نہ کر سکے تو اس پر گوشہ نشینی اور تنہائی واجب ہے۔ اس کے سوا اس کے لیے اور کوئی نجات کی صورت نہیں' اس لیے کہ تنہا رہنے پر صبر کرنا اس سے آسان ہے کہ لوگوں میں رہ کر سکوت پر صبر کرے اور جیسا جس معصیت کا سبب قوی یا ضعیف ہو گا' ویسا ہی صبر کرنا بھی سخت یا آسان ہو گا اور زبان ہلانے کی بہ نسبت وسوسوں کے غلیان سے دلوں کی حرکت اور بھی زیادہ سہل ہے۔ یہ آفت تنہائی میں بھی باقی رہتی ہے۔ وسوسوں سے صبر ہرگز ممکن نہیں سوائے اس کے کہ دل پر کوئی اور فکر دینی غالب ہو جائے اور ہر طرف سے خالی الذہن ہو کر ایک ہی فکر کا ہو رہے ورنہ

جب تک کسی خاص شے میں اپنی فکر کو نہ لگادے گا' وسواس کا دفع ہونا اس سے ممکن نہ ہوگا۔

صورت نمبر2 :۔ وہ افعال جن کا آنا اختیار سے وابستہ نہ ہو مگر ان کے دفع کرنے کا اختیار ہو گا مثلاً اگر کسی کو کسی نے فعل یا قول سے ایذا دی یا اس کے نفس یا مال میں کوئی قصور کیا تو اس پر صبر کرنا اور مکافات کا ترک کبھی تو واجب ہوتا ہے اور کبھی صرف فضیلت کا موجب ہے۔ بعض صحابہ کرام علیہم الرضوان نے فرمایا ہے کہ ہم ایمان کو ایمان نہ جانتے تھے جب تک کہ ایذا پر صبر نہ کرتے تھے۔ قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کی طرف مخالفین کے جواب میں ارشاد ہے ولنصبرن علیٰ ما اذیتمونا و علی اللّٰہ فلیتوکل المتوکلون

حدیث :۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار کچھ مال تقسیم فرمایا تو ایک اعرابی نے کہا کہ یہ ایسی تقسیم نہیں جس سے اللہ کی رضا منظور ہو۔ یہ خبر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی۔ آپ کے رخسار مبارک سرخ ہو گئے پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رحم کرے میرے بھائی موسیٰ علیہ السلام پر کہ ان کو لوگوں نے اس سے بھی زیادہ ستایا مگر انہوں نے صبر کیا۔

فائدہ :۔ قرآن مجید میں جا بجا آپ کو صبر کا ارشاد ہے۔

آیات قرآن :۔ ودع اذاہم و توکل علی اللّٰہ (الاحزاب 48) ترجمہ کنزالایمان : اور ان کی ایذا پر درگزر فرماؤ اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔

واصبر علیٰ مایقولون واھجرھم ھجرا جمیلا (المزمل 10) ترجمہ کنزالایمان : اور کافروں کی باتوں پر صبر فرماؤ اور انہیں اچھی طرح چھوڑ دو۔

ولقد نعلم انک یضیق صدرک بما یقولون فسبح بحمدربک وکن من الساجدین (حجر 97) ترجمہ کنزالایمان : اور بے شک ہمیں معلوم ہے کہ ان کی باتوں سے تم دل تنگ ہوتے ہو تو اپنے رب کو سراہتے ہوئے اس کی پاکی بولو اور سجدہ والوں میں ہو

ولتسمعن من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم ومن الذین اشرکوا اذًا کثیرا وان تصبروا وتتقوا فان ذالک من عزم الامور (آل عمران 186) ترجمہ کنزالایمان : اور بے شک ضرور تم اگلے کتاب والوں اور مشرکوں سے بہت کچھ برا سنو گے اور اگر تم صبر کرو اور بچتے رہو تو بڑی ہمت کا کام ہے۔

فائدہ :۔ اس صبر سے یہی مراد ہے کہ مکافات سے صبر کرو' اس لیے کہ مکافات سے صبر کرنے کا بڑا مرتبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قصاص وغیرہ میں حقوق کے معاف کرنے والوں کی مدح فرمائی۔ وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ماعوقبتم بہ ولئن صبرتم لھو خیر للصابرین (النحل 126) ترجمہ کنزالایمان : اور اگر تم سزا دو تو ویسی ہی سزا دو جیسی تمہیں تکلیف پہنچائی تھی اور اگر تم صبر کرو تو بے شک صبر والوں کو صبر سب سے اچھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صل من قطعک واعط من حرمک واعف عمن ظلمک ترجمہ: "اس سے جو تجھے چھوڑے اور اسے دے جو تجھے نہ دے اور معاف کر اسے جو تجھ پر ظلم کرے۔"

انجیل کا مضمون:۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ پہلے سے یہ حکم ہے کہ دانت کے بدلے دانت اور ناک کے بدلے ناک یعنی جتنا برائی کوئی تم سے کرے' اسی قدر تم اس سے کرو لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ شر کا بدلہ شر سے نہ دو بلکہ جو کوئی تمہارے دہنے رخسار پر مارے تو اس کے سامنے بایاں رخسار پیش کر دو اور جو کوئی تمہاری چادر لے لے تو اس کو تہمد دے دو اور جو تم کو ایک میل فضول لے جائے تو تم دو میل اس کے ساتھ جاؤ۔

فائدہ:۔ ان تمام روایتوں میں ایذا پر صبر کرنے کا حکم ہے۔ خلاصہ یہ کہ لوگوں کی ایذا پر صبر کرنا اعلیٰ مرتبہ ہے۔ اس لیے اس صورت میں باعث دینی کے مقابلے میں غضب اور باعث شہوت دونوں ہوتے ہیں تو دونوں کو مغلوب کرنا معمولی کام نہیں۔

صورت نمبر3:۔ ایسے امور جن کی ابتداء و انتہاء کچھ بھی بندے کے اختیار میں نہیں۔ جیسے عزیزوں کا مرنا اور مال تلف ہونا اور مرض سے تندرستی کا نہ ہونا اور اعضا کا بگڑ جانا اور تمام اقسام مصائب کہ ان پر صبر کرنا مقامات صبر میں سے اعلیٰ مقام ہے۔

صبر کی تین صورتیں:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں صبر تین صورت پر ہے۔ (1) ادائے فرائض پر' اس کا ثواب تین سو درجے ہیں۔ (2) صبر اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے' اس کے چھ سو درجے ہیں۔ (3) صبر مصیبت پر' پہلے صدمہ کے وقت اس کے لیے نو سو درجے ہیں اور یہ مرتبہ باوجودیکہ فضائل میں سے ہے لیکن دوم کی بہ نسبت باوجود یہ کہ وہ فرائض میں سے ہے' اس وجہ سے افضل ہے کہ محرمات میں سے تو ہر ایک ایماندار صبر کر سکتا ہے مگر مصیبت میں وہی صبر کرے گا جس کو صدیقوں کا مرتبہ حاصل ہوگا' اس لیے کہ یہ نفس پر بہت سخت ہوتا ہے۔

حدیث:۔ حضور اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم یوں دعا مانگتے اسئلک من الیقین ماتھون علی بہ مصائب الدینا "میں تجھ سے اس صبر کی درخواست کرتا ہوں جس سے تو مجھ پر دنیا کی مصیبتیں آسان کر دے۔" (ترمذی)
(فائدہ) اس سے معلوم ہوا کہ اس صبر کا منشا حسن یقین ہوتا ہے۔

فائدہ:۔ حضرت ابو سلیمان فرماتے ہیں کہ قسم بخدا جس چیز کو ہم محبوب جانتے ہیں' اس پر صبر نہیں کرتے تو جو ہم کو بری معلوم ہوتی ہے' اس پر کیسے صبر کریں گے۔

حدیث قدسی:۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میں اپنے بندے کے بدن میں یا مال یا اولاد میں مصیبت بھیجتا ہوں اور وہ اس کو صبر جمیل سے برداشت کرتا ہے تو قیامت میں مجھے شرم آئے گی کہ اس کے لیے ترازو کھڑی کروں یا نامہ

حدیث پاک میں ہے انتظار المفرج بالصبر و عبادۃ ترجمہ: "صبر کے ساتھ کشائش کا انتظار عبادت ہے۔"

<>جب کسی بندے کو مصیبت پہنچے اور وہ بموجب حکم الٰہی انا للہ و انا الیہ راجعون (ہم اللہ کے لیے ہیں اور ہمیں اسی کی طرف پھر جانا ہے) کہے اور پھر کہے اللھم اجرنی فی مصیبتی و اعقبنی جمیلا منھا "الٰہی تو مجھے اجر دے میری مصیبت میں اور اس کے پیچھے اس سے بہت اچھی چیز عنایت کر۔" تو اللہ تعالیٰ ویسا ہی کرتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا کہ اے جبرئیل جس کی میں دونوں آنکھیں لے لوں' اس کا بدلہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا "تو پاک ہے' ہمیں معلوم نہیں مگر جتنا تو نے سکھایا۔" ارشاد ہوا کہ اس کا بدلہ یہ ہے کہ ہمیشہ میرے گھر میں رہے اور میرے دیدار سے مشرف ہو۔

حدیث قدسی :۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میں اپنے بندے کو کسی بلا میں مبتلا کرتا ہوں اور وہ صبر کرتا ہے اور اپنے عیادت کرنے والوں سے میری کچھ شکایت نہیں کرتا تو میں اس کے گوشت سے بہتر گوشت بدلہ دیتا ہوں اور خون کے عوض عمدہ خون عنایت کرتا ہوں اور جب اس کو شفا دیتا ہوں تو کوئی گناہ اس کے ذمے نہیں ہوتا اور اس کو موت دیتا ہوں تو اپنی رحمت میں لے لیتا ہوں۔

وحی داؤد علیہ السلام :۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے جناب باری تعالیٰ میں عرض کیا کہ الٰہی اس غمزدہ کا بدلہ کیا ہے کہ جو تیری رضا کی خواہش کی وجہ سے مصائب پر صبر کرے؟ ارشاد ہوا کہ اس کا بدلہ یہ ہے کہ اس کو لباس ایمان پہنا کر کبھی اس کے بدن سے نہ اتاروں گا۔

حکایت :۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ میں فرمایا کہ جب کبھی اللہ تعالیٰ کسی بندے پر انعام کرکے پھر وہ نعمت اس سے لیتا ہے اور بندہ اس میں صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس نعمت کے بدلے میں جو کچھ عنایت فرماتا ہے' وہ اس پہلی نعمت سے افضل ہوتی ہے۔ اس کے بعد یہ آیت پڑھی انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب (الزمر 10) ترجمہ کنزالایمان : صابروں ہی کو ان کا ثواب بھرپور دیا جائے گا بے گنتی۔

فائدہ :۔ حضرت فضیل سے صبر کی حقیقت پوچھی گئی تو فرمایا "اللہ کے حکم پر راضی ہونا۔" پھر پوچھا گیا کہ یہ کیسے؟ آپ نے فرمایا' یہ یوں راضی ہوتا ہے کہ وہ اپنے مرتبہ سے زیادہ کی تمنا نہیں کرتا۔

حکایت :۔ حضرت شبلی شفا خانہ میں محبوس ہوئے تو ان کے پاس بعض لوگ حاضر ہوئے۔ آپ نے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہم آپ کے دوست ہیں' زیارت کے لیے آئے ہیں۔ آپ نے ان کو ڈھیلوں سے مارنا شروع کردیا' یہاں تک کہ وہ بھاگنے لگے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اگر تم میرے دوست ہوتے تو میری مصیبت پر صبر

کرتے۔

حکایت :۔ ایک عارف کی جیب میں ایک رقعہ تھا' ہر گھڑی اسے نکال کر دیکھ لیا کرتے۔ اس میں یہ لکھا تھا واصبر لحکم ربک فانک باعیننا (الطور 48) ترجمہ کنزالایمان : اور اے محبوب تم اپنے رب کے حکم پر ٹھہرے رہو کہ بیشک تم ہماری نگہداشت میں ہو۔

حکایت :۔ حضرت فتح موصلی کی بیوی کا ایک بار پاؤں پھسلا تو ان کا ناخن ٹوٹ گیا' وہ ہنس پڑیں۔ لوگوں نے پوچھا کیا تکلیف نہیں ہوئی؟ انہوں نے کہا کہ اس کے ثواب کے مزے نے میرے دل سے درد کی تلخی ہٹائی۔

پند داؤد علیہ السلام :۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے فرمایا کہ مومن کے تقویٰ پر تین باتوں سے استدلال کیا جاتا ہے۔ (1) جو چیز نہیں' اس میں کامل طور توکل کرنا۔ (2) جو چیز ملے' اس میں اچھی طرح راضی ہونا (3) جو چیز ملنے کے بعد جاتی رہے' اس پر اچھی طرح صبر کرنا۔

حدیث :۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا من اجلال اللہ ومعر فتہ حقہ ان لا تشکوا وجعک ولا تذکر مصیبتک ترجمہ : "اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اس کے حق کی شناخت میں سے ہے یہ بات کہ تم اپنے درد کا شکوہ نہ کرو اور مصیبت کا ذکر نہ کرو۔"

حکایت :۔ ایک نیک بخت ایک دن آستین میں کچھ لے کر نکلے تو راستہ میں ان کی چوری ہو گئی۔ آپ نے فرمایا کہ جس نے چوری کی ہے' اللہ تعالیٰ اسے برکت دے شاید اسے مجھ سے زیادہ ضرورت ہو گی۔

ایک بزرگ نے فرمایا کہ میں سالم مولا ابی حذیفہ کے پاس اس حال میں گیا کہ وہ حالت نزع میں تھے۔ میں نے پوچھا کہ آپ کو پانی پلاؤں؟ فرمایا مجھے تھوڑا سا دشمن کی طرف آگے کر دو اور پانی میری ڈھال میں رکھ دو کیونکہ میں روزے سے ہوں۔ اگر شام تک جیتا رہوں گا تو پی لوں گا۔

فائدہ :۔ سالکین راہ ہدیٰ کا صبر یوں ہوتا ہے جیسے اوپر مذکور ہوا۔

سوال :۔ مصیبت میں درجہ صبر کس طرح ملے کہ امر اختیاری نہیں' اضطرار کی صورت ہے' اس لیے کہ اگر صبر سے یہ مراد ہے کہ دل میں مصیبت کی کراہت نہ ہو تو یہ بات انسان کے اختیار میں نہیں؟

جواب :۔ صابروں کے درجے سے انسان تب خارج ہوتا ہے جب جزع و نزع کرے اور منہ پیٹے اور گریبان پھاڑے اور بڑی شکایت کرے اور درد و رنج ظاہر کرے اور لباس اور فرش اور غذا میں عادت کے خلاف کرے اور یہ تمام باتیں انسان کے اختیار میں ہیں۔ ان سب سے احتراز واجب ہے اور بجز حکم الٰہی پر راضی ہونے کے اور کچھ بیان نہ کرے اور جس طرح عادت کھانے پینے وغیرہ کی تھی' ویسے ہی بدستور رہنے دے۔ کسی طرح کا فرق نہ کرے اور یہ

جانے کہ وہ شے میرے پاس امانت تھی' اب مالک نے واپس لے لی۔

حکایت :۔ بی بی رمیصا ام سلیم رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرا ایک لڑکا فوت ہو گیا۔ میرے شوہر حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ موقع پر موجود نہ تھے۔ میں نے گھر کے ایک کونے پر کپڑا ڈال دیا۔ اس کے بعد ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے۔ میں نے ان کا کھانا تیار کیا۔ وہ کھانے لگے۔ پھر پوچھا کہ لڑکا کس طرح ہے؟ میں نے کہا کہ الحمد للہ اچھے حال میں ہے اور یہ اس لیے کہا کہ جب سے وہ بیمار ہوا تھا' کسی رات ایسی چین نہ ملی تھی جیسے اس شب وفات کو تھی۔ پھر میں نے خود کو خوب بنایا سنوارا' یہاں تک کہ وہ مجھ سے ہم بستر ہوئے۔ پھر میں نے ان سے کہا کہ ہمارے ہمسائے کو ایک چیز عاریت کے طور ملی تھی' وہ مالک نے واپس لے لی تو شور مچانے لگے۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہمسایہ نے بہت برا کیا۔ پھر میں نے کہا کہ تمہارا فرزند اللہ کی طرف سے عاریت تھا' اللہ تعالیٰ نے اسے لے لیا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر کیا اور انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھ کر صبح کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر تمام حال بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ الٰہی اس رات کے معاملہ میں انہیں برکت دے۔ راوی کہتے ہیں کہ اس دعا کے بعد مسجد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) شریف میں' میں نے اس کے سات لڑکے دیکھے جو سب کے سب قاری قرآن تھے۔

فائدہ :۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں خواب میں جنت کے اندر گیا تو ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بی بی رمیصا کو جنت میں دیکھا۔

بعض اکابر فرماتے ہیں کہ صبر جمیل یہ ہے کہ مصیبت والا دوسروں سے پہچانا نہ جائے۔ اگر اس کا کوئی مر جائے تو دل نہ ڈھائے اور آنسوں بہانے سے صابرین کی حد سے نہ نکلے' اس لیے کہ یہ باتیں بشریت کے تقاضا سے ہیں اور موت کے وقت تک انسان ان سے علیحدہ نہیں ہو سکتا۔

حدیث شریف :۔ جب سیدنا ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو آپ کی آنکھوں سے آنسوں نکلے تو صحابہ کرام نے عرض کیا کہ آپ نے اس پر منع فرمایا تھا آپ نے فرمایا ان ھذہ رحمتہ و انما یرحم اللہ من عبادہ الرحماء ترجمہ : یہ رحمت ہے اور اللہ اپنے بندوں میں رحم کرنے والوں پر رحم کرتا ہے بلکہ یہ امر مقام رضا سے بھی خارج نہیں کرتا۔

مثل :۔ جو پچھنے لگواتا ہے یا فصد کھلواتا ہے وہ راضی ہوتا ہے اور اسے درد بھی محسوس ہوتا ہے۔ کبھی شدت درد میں آنسو نکل پڑتے ہیں (تو یہ جزع فزع نہیں) ان شاء اللہ اس کا بیان باب رضا میں آئے گا۔

حکایت :۔ ابن ابی نجیح نے بعض خلفاء کی تعزیت میں لکھا کہ جو اللہ تعالیٰ کا حق اس چیز میں پہچانتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس سے لے لی ہے وہ اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے باقی رکھی ہے امر...

رہنا ہے اور

اس کے حق کی عظمت جانے اور جان لو کہ جو تم سے پہلے گزر گیا وہ تمہارے لیے باقی ہے۔ اور جو تمہارے بعد رہے گا اس کا تمہیں ثواب ملے گا اور جان لو کہ بروں کا ثواب مصیبت میں اس نعمت کی بہ نسبت زیادہ ہے جو مصائب سے بچے رہنے سے ہوتی ہے۔

فائدہ:- ثواب کی نعمت کو سوچنے سے اگر نفس کی کراہت کو ٹالے گا تو صابروں کا درجہ پائے گا۔ ہاں صبر کا کمال اس میں ہے کہ مرض اور افلاس اور تمام مصیبتوں کو چھپائے۔

فائدہ:- بعض اکابر کا قول ہے کہ احسان کے خزانوں میں سے مصائب اور دردوں اور صدقات کا پوشیدہ رکھنا ان بیانات سے ظاہر ہوا کہ تمام احوال و افعال میں صبر واجب ہے اس لیے کہ جو شخص تمام شہوات سے گوشہ نشین ہو وہ بھی صبر سے بے پروا نہ ہوگا۔ ظاہر میں تو گوشہ نشینی اور تنہائی پر صبر کرنا پڑے گا اور باطن میں وسلوس شیطانی سے وسلوس کو پریشانی چین نہیں لینے دیتی۔

فائدہ:- اکثر باتیں جو دل میں آتی ہیں وہ انہیں چیزوں کے بارے میں ہوتی ہیں جو گزر چکیں اور ان کا تدارک ممکن نہیں یا آئندہ چیزوں کے بارے میں کہ اگر مقدر میں ہوں گی تو ضرور ملے گی بہر حال ان دونوں صورتوں میں وقت ضائع کرتا ہے۔

فائدہ:- سالک کا سازو وسائل اور سرمایہ اس کا قلب ہے۔ اگر ایک سانس بھی دل ذکر اور فکر سے غافل رہے گا تو خسارہ ہوگا اور ذکر سے مراد یہ ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ انس پیدا ہوتا ہے اور فکر سے ایسا فکر مراد ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی معرفت ہو اور معرفت سے محبت الٰہی حاصل ہو۔ یہ صورت اس وقت ہے کہ جب فکر اور وسلوس مباحات میں منحصر ہوں اور ایسا اکثر وقوع میں نہیں آتا بلکہ شہوات کے پورا کرنے کے لیے حیلوں کی صورتیں سوچا کرتا ہے کیونکہ ہمیشہ ایسے سالکوں سے نزاع کرتا ہے جو تمام عمر میں ایک دفع بھی اس کے خلاف ہوئے ہوں یا جس کی طرف نزاع ہو کہ یہ میرے مقصود میں میری مخالفت کرے گا اور اس سے کوئی علامت بھی اسباب میں ظاہر ہوئی ہو بلکہ جو آدمی سب لوگوں سے زیادہ اپنا مخلص ہو اگرچہ اپنے اہل و اولاد سے اسے مخالف فرض کرلیتا ہے پھر یہ سوچتا ہے کہ ان کو کس طرح زجر اور قہر کرے اور کیسے ان کی مخالفت کے حیلوں کا جواب دیجئے اسی طرح ایک شغل دائمی میں رہتا ہے

تخلیق:- شیطان آگ سے پیدا ہوا ہے اور انسان کھنکھناتی ٹھیکری مٹی سے اور ٹھیکری میں آگ ہے اور مٹی کی طبیعت سکون ہے اور آگ کی سرشت حرکت پس کوئی آگ ایسی نہیں ہو سکتی بلکہ ہمیشہ اپنی طبیعت کے تقاضا سے حرکت کرتی رہتی ہے اور شیطان جو آگ سے پیدا ہوا اسے تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا ہے اسے سجدہ کرے مگر اس نے انکار کر دیا اس کی اس نافرمانی کی

کرے گو

وجہ یوں بیان کی ہے خلقتنی من النار و خلقتہ من طین (ص 76) ترجمہ کنزالایمان : تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اسے مٹی سے پیدا کیا۔ اس ملعون نے جب آدم علیہ اسلام کو سجدہ نہ کیا تو پھر اس کی اولاد کو سجدہ کیسے کرے گا۔

فائدہ :۔ اولاد آدم کو سجدہ کرنے سے مقصود یہ ہے کہ دل پر جو وسواس ڈالتا تھا اس سے باز آجائے اس لیے کہ ان حرکات سے اس کا باز رہنا گویا انسان کا مطیع بننا ہے کہ انسان سے عاجز ہو کر یہ حرکتیں چھوڑ دے۔

سجدے کی جان :۔ یاد رہے کہ سجدہ کی جان اطاعت ہے۔ پیشانی کا زمین پر رکھنا سجدے کا جسم ہے اور اصطلاحی پہچان سجدے کی زمین پر رکھنے کو مقرر کرلیا ہے ہو سکتا تھا کہ اصطلاح میں اس سر رکھنے کو حقارت کی علامت ٹھہرلیتے جیسے منہ کے بل گر پڑنا کسی امیر کے سامنے عادتاً گستاخی متصور ہوتا ہے۔

فائدہ :۔ یہ کہنا چاہئے کہ قلب اور روح اور صدف اور مروارید اور پوست اور مغز میں تمیز کرے ایسا نہ ہو کہ صرف عالم ظاہری کا مقصد ہو کہ عالم غیب سے غافل ہو جائے۔

فائدہ :۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ شیطان کو مہلت مل گئی ہے تو قیامت تک انسان میں وسوسہ ڈالنے سے باز رہے اور اس کا فرمانبردار ہو جائے اگر سوائے اللہ کے انسان کو کوئی فکر نہ رہے تب تو اس سے ملعون کو انسان میں کوئی گنجائش نہیں رہتی بلکہ ایسا شخص اللہ کے مخلص بندوں میں شامل ہوتا ہے بحکم نص قرآنی شیطان لعین کے تسلط سے فارغ ہیں۔

فائدہ :۔ یہ گمان نہ ہو کہ دل میں فکر الٰہی بھی نہ ہو اور اس میں شیطان بھی نہ ہو اس لیے کہ شیطان انسان میں خون کی طرح گھومتا ہے وہ گویا ایک سیال چیز ہے اور اس کا سیال ایسا ہے جیسے پیالے میں ہوا کوئی چاہے کہ پیالے سے ہوا بھی نکل جائے اور پانی وغیرہ سے بھی اسے نہ بھرا جائے تو ظاہر ہے کہ یہ امر ناممکن ہے بلکہ جس قدر پانی پیالے میں رہے گا اس قدر ہوا اس میں بھر جائے گی اس طرح جو دل کہ کسی فکر دینی سے پر ہوگا وہ تو شیطان کے وسوسہ سے خالی ہوگا ورنہ جو شخص ایک لمحہ بھی اللہ سے غافل ہوگا اس کا جلیس سوائے شیطان کے نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ومن یعش عن ذکر الرحمن نقیض لہ شیطانا فھولہ قرین (الزخرف 36) ترجمہ کنزالایمان : اور جسے رتوند آئے رحمٰن کے ذکر سے ہم اس پر ایک شیطان تعینات کریں کہ وہ اس کا ساتھی رہے۔

حدیث :۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان اللہ یبغض الشاب الفارغ اللہ تعالیٰ جوان بیکار سے بغض کرتا ہے۔

فائدہ :۔ اس لیے کہ جب جوان آدمی کوئی ایسا کام کرے گا جس سے اس کا دل امر مباح میں مشغول ہو اور دین پر اعانت ہو تو بظاہر میں وہ بیکار ہوگا مگر اس کا دل خالی نہ ہوگا کہ اس میں شیطان گھونسلا بنا کر انڈے ڈالے پھر وہ انڈے بچے بن کر ایسے بڑھیں نہ اس کی نسل دوسرے جانوروں سے بڑھ جائے یعنی شیطان اس دل کو اپنا گھر بنا لے اور

تمام کنبے کو وہاں ٹھہرائے۔ اس لیے کہ اس کی سرشت آگ سے ہے اور آگ کے سامنے اگر سوکھا گھاس آجائے تو کیسے پھیلتی ہے اور آگ سے آگ نکلتی چلی جاتی ہے اور کہیں نہیں ٹھہرتی بلکہ تھوڑی بڑھتی ہی ہے۔

مثال :- نوجوان کے نفس میں شہوت کا ہونا شیطان کے لیے ایسا ہے جیسے وہ سوکھا گھاس آگ کے لیے پھر جس طرح آگ کی غذا نہ ملنے سے بجھ جاتی ہے یعنی لکڑی وغیرہ نہ ہو تو آگ ختم ہو جاتی ہے اس طرح شہوت کے نہ رہنے سے شیطان کی شرارت بھی مٹ جاتی ہے۔

انتباہ :- غور کرنے کے بعد واضح ہوگا کہ سب سے زیادہ دشمن انسان کا اس کی شہوت ہے اور وہ نفس کی ایک صفت ہے۔

حکایت :- کسی نے حضرت منصور رحمتہ اللہ علیہ سے دار پر چڑھنے کے وقت تصوف کا سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ انسان کا اپنا نفس ہے کہ اگر اسے مشغول نہ رکھے تو پھر وہ انسان کو مشغول کر دیتا ہے۔ یعنی نفس سے اگر آخرت کا کوئی کام نہ لیا جائے وہ اپنے شغل میں پھنسا دیتا ہے۔

فائدہ :- خلاصہ یہ کہ درحقیقت انسان کا کمال یہی ہے کہ وہ بری حرکت بد سے صبر کیا جائے اور حرکت باطن سے صبر کرنا بطریق اولیٰ ہے اور صبر دائمی ہے کہ بجز موت کے منقطع نہ ہوگا اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے کرم و احسان سے توفیق عنایت فرمائے۔

صبر کا علاج اور اس کی مقویات :- سب کو معلوم ہے کہ جس ذات نے ہمارے لیے بیماری بھیجی ہے اس نے اس کی دوا بھی اتاری ہے اور شفا کا وعدہ بھی فرمایا ہے اگرچہ صبر دشوار امر ہے مگر اس کا حصول معجون علم و عمل سے بھی ممکن ہے اور علم و عمل ایسے مفردات ہیں کہ امراض قلوب کی تمام دوائیں ان سے تیار ہوتی ہیں مگر ہر مرض کے لیے علم و عمل جدا جدا ہے چونکہ اقسام جب مختلف ہیں تو وہ علتیں جو مانع صبر ہیں وہ بھی مختلف ہیں اسی لیے علاج بھی مختلف ہے کیونکہ علاج علت کی ضد ہوتا ہے اور ہر بیماری کی بیخ کنی علاج سے ہوتی ہے اور اس کا مکمل بیان طوالت ہے مگر ہم طریق علاج بعض امراض کا بیان کرتے ہیں۔

علاج زنا :- ہر شخص شہوت زنا سے صبر کرنے کا محتاج ہے اور شہوت اس پر اتنا غالب ہے کہ اس سے شرم گاہ کو نہیں روک سکتا یا شرمگاہ کو روکتا ہے تو آنکھ کے روکنے پر قادر نہیں یا اس پر بھی قادر ہے تو نفس پر قادر نہیں کہ ہمیشہ شہوات میں پھنسائے رکھتا ہے اور ذکر اور فکر اور اعمال صالحہ کی مواظبت بھی نہیں ہو سکتی تو اس کا علاج پہلے مذکور ہو چکا ہے باعث دینی اور باعث ہوا میں کشتی ہوتی رہتی ہے۔ اب اگر ہم چاہیں کہ دونوں کشتی والوں میں سے ایک جیت جائے اور دوسرا ہار جائے تو جسے جتانا منظور ہے اس کی مدد کرنی چاہئے اور دوسرے کو مغلوب کرنا چاہئے اور چونکہ ہمیں صبر کا حاصل کرنا منظور ہے اور صبر اس وقت حاصل ہوتا ہے جب باعث دینی کو اپنے حریف پر غلبہ ہو

اسی لیے ضروری ہوا کہ باعث دینی کو تقویت دی جائے اور دوسرے کو کمزور کیا جائے تاکہ مدعا حاصل ہو۔

شہوت کمزور کرنے کے طریقے :۔ اس کے تین طریقے ہیں۔ اس کی قوت دیکھیں کہ کیا شے اسے قوت پہنچاتی ہے تو معلوم ہوگا کہ شہوت کی حرکت و قوت کی اصل عمدہ غذائیں ہیں باعتبار اقسام اور کثرت کے پس اصل یعنی غذا کو کم کرنا چاہیے اس طرح ہمیشہ روزہ رکھیں اور افطار کے وقت کچھ تھوڑی سی غذا کھالیں مثلاً گوشت وغیرہ نہ کھائیں۔ وہ غذا کھائیں جو شہوت کو دفع کریں جو اسباب شہوت بالفصل موجود ہوں انہیں دور کرنا چاہیے۔ یعنی ہیجان شہوت کا باعث ہے اس لیے کہ نظر سے دیکھو حرکت ہوتی ہے اور دل سے شہوت کو تو اس سے احتراز ضروری ہے۔ گوشہ نشینی اختیار کریں اور جہاں حسین صورتوں کو دیکھنے کا شبہ ہو وہاں سے کوسوں دور بھاگیں۔

حدیث شریف :۔ حدیث شریف میں ہے النظر سھم من سھام ابلیس ترجمہ : دیکھنا زہر کا تیر ہے شیطان کے تیروں سے۔

فائدہ :۔ شیطان ملعون ایسا تیر پھینکتا ہے کہ جس کے لیے کوئی ڈھال نہیں سوائے اس کے کہ آنکھیں بند کی جائیں یا جس سمت سے وہ تیر پھینکتا ہے وہاں سے ہٹ جائیں اور وہ ملعون قوس ابروئے خوباں سے تیر مارتا ہے۔

قاعدہ :۔ جب کوئی خوبصورت عورتوں کی طرف سے ہٹ جائے گا تو تیر شیطانی نہ لگے گا۔ نفس کو مباح چیز کی تسلی دی جائے مثلاً نکاح سے تسلی دی جائے اس لیے کہ جس چیز کو طبیعت چاہتی ہے وہ مباح میں موجود ہے۔ پھر ممنوع کی کیا ضرورت ہے۔ یہ علاج اکثر کے حق میں مفید ہے پھر بھی اکثر مردوں کی شہوت کا استیصال اس سے نہیں ہوتا۔

حدیث شریف :۔ حدیث شریف میں ہے کہ علیکم بالباءۃ فمن لم یستطع فعلیہ بالصوم فان لہ وجاء ترجمہ : لازم پکڑو اپنے اوپر نکاح کو لازم کرو اور جسے طاقت نہ ہو تو وہ اپنے اوپر روزہ لازم کرے کہ روزہ رکھنا اس کے حق میں خصی ہوتا ہے۔

فائدہ :۔ غذا موقوف کرنا تمام کاموں سے کمزور کردیتی ہے اور غذا کا موقوف کرنا ان تین علاجوں میں سے ہے۔ سرکش جانور یا موذی کتے کو کھانا نہ دیں تاکہ ضعیف ہو کر اس کی قوت جاتی رہے۔ یوں ہے کہ جیسے کتے سے گوشت چھپا دیں اور جانور سے دانا تاکہ نہ دیکھے نہ خواہش کرے اور تیسرا علاج ایسا ہے جیسے جانور موذی اور کتے کی مرغوب چیزوں میں سے تھوڑی سی دیں تاکہ اتنی قوت اس میں رہے کہ کھانے پر صبر کرسکے۔

فائدہ :۔ باعث دینی کی تقویت دو طرح ہوتی ہے نفس کو فوائد مجاہدہ اور دین و دنیا میں اس کے ثمرات کی طمع دلانا اس طرح کہ جو احادیث کہ صبر کی فضیلت میں وارد ہیں ایسے ہی دین و دنیا میں اس کے انجام کے بہتر ہونے میں احادیث ہم نے لکھی ہیں ان کو بکثرت مطالعہ کرے۔

حدیث :۔ حدیث میں ہے کہ ثواب مصیبت کا ثواب دینے والی چیز سے زیادہ ہوتا ہے اسی لیے ایسی مصیبت پر شک

کیا جاتا ہے اس لیے کہ اس سے ایسی چیز چلی گئی ہے جو صرف زندگی بھر اس کے پاس رہتی ہے اور اسے ایسی چیز حاصل ہو جو بعد موت اس کے ساتھ ابد الآباد تک رہے گی۔

مثال:- کوئی بیع سلم اس طرح کرے کہ نکمی بیکار چیز دے کر آئندہ عمدہ چیز لینے کا وعدہ لے ظاہر ہے کہ اسے اس اولیٰ شی پر غم نہ کرنا چاہئے مگر یہ امر متعلق بمعروفت اور از قبیل ایمان ہے اور کبھی یہ معرفت قوی ہوتی ہے اور کبھی ضعیف اس کی قوت سے باعث دینی کو بڑی قوت ہو جاتی ہے اور اس میں بڑا جوش پیدا ہوتا ہے اور اس کے ضعف سے اس میں ضعف آجاتا ہے اور اسے معرفت یعنی قوت ایمانی تو یقین کرتے ہیں۔ جو عزیمت صبر کا محرک ہے مگر حدیث مذکورہ کے مطابق اکثر لوگوں کو یقین اور عزیمت صبر بہت کم عنایت ہوئے ہیں دوسرا طریق باعث دینی کا باعث ہوا کہ پچھاڑنے کی آہستہ آہستہ عادت ڈالے یہاں تک کہ فتح کا مزہ محسوس ہو پھر یکبارگی اس پر حملہ آور ہو کر اس کو پچھاڑنا بڑی بات نہ سمجھے کیونکہ عادت اور مہارت محنت کے کاموں کی ان قوی کو مضبوط کر دیتی ہے جسے وہ اعمال صادر ہوتے ہیں اس وجہ سے طاقت پر مغرور دل اور کسانوں اور سپاہیوں کی طاقت زیادہ ہوتی ہے اور جو محنت کا کام کرتے ہیں وہ درزیوں اور عطاروں اور فقہاء و صلحا سے زیادہ زور آور ہوتے ہیں اس لیے کہ ان قویٰ مہارت سے مضبوط نہیں ہوتے۔

فائدہ:- ان دو علاجوں میں سے پہلا علاج ایسا ہے جیسے پہلوان سے وعدہ کیا جائے کہ اگر پچھاڑو گے تو تم کو خلعت ملے گی کے انعام دیئے جائیں گے جیسے فرعون نے ساحروں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے کہا تھا کہ اگر تم جیتو گے تو تم کو مقرب کروں گا اور دوسرا علاج ایسا ہے کہ اگر کسی لڑکے کو کشتی اور سپہ گری سکھانا منظور ہو تو ان فنون کے لوازم کا عادی کرتے ہیں تاکہ اس سے الفت اور جرات و قوت بڑھے سرے سے صبر کے ساتھ مجاہدہ ہی چھوڑ دے اس میں باعث دینی کمزور ہو جائے گا اور ایسا دب جائے گا کہ شہوت اگرچہ ضعیف اور قلیل ہو اس پر بھی غالب نہ ہوگا اور جو شخص اپنے نفس کو خواہش نفسانی کے خلاف پر عادی کرے گا وہ جس وقت چاہے گا شہوت پر غالب ہو سکتا ہے۔ یہ ہے طریق علاج۔

فائدہ:- تمام خبر کے اقسام میں اگرچہ سب کا بیان کرنا دشوار ہے مگر سب میں زیادہ سخت باطن کا روکنا ہے۔ بالخصوص حدیث نفس سے اور ایسے شخص پر جو بندہ ہو۔ یعنی شہوات ظاہری کا استیصال کر کے گوشہ نشینی اختیار کرے اور مراقبہ اور ذکر و فکر کے لیے زندگی بسر کرے کیونکہ ایسے سالک پر وسواس دور رہتے ہیں اور اس کا کوئی علاج بجز اس کے نہیں کہ ظاہری اور باطنی علاقوں کو توڑ کر زن و فرزند و مال و جاہ و دوست آشنا سے علیحدہ ہو جائے اور قدر قلیل قوت لے کر کسی گوشے میں بیٹھ جائے اور اسی پر قانع ہو۔

فائدہ:- یہ تمام امور اس وقت وافی ہوں گے جب ہمہ تن ہمت ایک طرف کرے گا یعنی بجز اللہ تعالیٰ کے نور کسی چیز کا خیال نہ رہے گا اور جب دل پر یہ خیال غالب ہو گا تو یہ بھی کار آمد نہیں جب تک کہ فکر کی جولانی سے ملکوت

آسمان زمین اور عجائب صنع خالق اور تمام اقسام معرفت الٰہی کی سیر باطنی میسر نہ ہو۔

اوراد و وظائف پر ندامت :۔ نجات کا اصل یہ کہ اوراد و وظائف پر ہر لحظہ آگے بڑھتا رہے مثلاً تلاوت اور ذکر اور نماز سے کوئی تحفہ خالی ہو اور اس کے ساتھ ہی تکلیف دل کا خیال رکھے کیونکہ ظاہر کے ورد و وظیفہ سے مشغولی دل نہیں ہوتی باطن کی فکر سے ہوتی ہے جب یہ سب باتیں کرے گا تو حرف بعض اوقات کا فکر رہے گا اس لیے کہ تمام اوقات میں کوئی نہ کوئی حادثہ ایسا بھی پیدا ہو جاتا ہے جو مانع فکر و ذکر ہو مثلاً مرض، خوف، کسی کی ایذا رسائی اور ملاقیوں کی نافرمانی وغیرہ کہ گوشہ نشینی میں خواہ مخواہ ایسے شخص سے ملنے کی ضرورت پڑتی ہے جو اسباب معیشت میں اعانت کرے بہرحال یہ تمام باتیں ذکر و فکر کی مانع ہیں اور چند امور ضروری ہیں۔

ضروری امور :۔ ان کے علاوہ چند اور ضروری امور بھی خوب ہیں مثلاً کھانے اور لباس اور اسباب معاش میں مشغول ہونا کہ ان کے لیے بھی ایک وقت چاہیے بشرطیکہ ان کی تیاری کا کفیل خود ہو اگر کوئی اور کفیل ہو تو یہ امور اس کے دل کے لیے مانع ہوں گے مگر بعد کل علاقوں کو قطع کرنے کے بعد اکثر اوقات صحیح رہیں گے اگر کوئی مصیبت نہ آجائے۔ اور ان اوقات میں دل صاف ہو جاتا ہے اور فکر آسان ہوتا ہے اور ملکوت آسمان و زمین کے اسرار ایسے منکشف ہوتے ہیں کہ باوجود علائق کے مدت دراز میں ان کا 100 واں حصہ بھی منکشف نہیں ہوتا اور اس مرتبے پر عارف کا پہنچنا اقصائے مراتب میں سے ہے کہ جن پر عام انسان اپنی کوشش سے پہنچ سکتا ہے لیکن مقدار انکشاف اور الطاف الٰہی کا ورود اور صدور احوال و اعمال معلوم نہیں اس کا خیال ایسے ہے جیسے شکار یا رزق کا حصول مرضی حق تعالیٰ پر موقوف ہے۔ کبھی تھوڑی سی محنت سے بڑا شکار ہاتھ لگ جاتا ہے اور بعض اوقات بہت سی محنت میں تھوڑا نہیں ملتا اور اس میں اپنی کوشش کو دخل نہیں صرف فضل الٰہی پر اعتماد چاہیے۔ بندے کا اختیار اس پر کچھ بھی نہیں ہاں بندے کا اختیار اتنا ہے کہ اپنے آپ کو مستعد کر دے بایں طور کہ اپنے دل سے جو باتیں کہ دنیا کی طرف کھینچتی ہیں ان کو منقطع کر دے اس لیے کہ کشش منجانب اللہ جبھی ہوگی جب نیچے کے تمام اسباب ختم کر دیئے جائیں۔ حدیث شریف میں انہیں علائق دنیاوی کے قطع کا اشارہ فرمایا ہے ان لربکم فی ایام دھرکم نفحات الا فتعرضوا لھا ترجمہ: تمہارے رب کو تمہارے زمانے کے دنوں میں نفحات میں سن لو کہ تم ان کے سامنے جاؤ۔

فائدہ :۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان نفحات اور جذبات الٰہی کے لیے اسباب آسمانی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وفی السماء رزقکم وما توعدون (ترجمہ از کنز الایمان) اور آسمان میں ہے روزی تمہاری اور جو کچھ تم سے وعدہ کیا۔ اور کشش الٰہی اور معرفت سے بڑھ کر کون سا رزق ہوگا اور امور آسمانی ہماری نظروں سے غائب ہیں۔ معلوم نہیں کہ کس وقت اللہ تعالیٰ رزق کے اسباب ہم پر آسان کر دے گا۔ ہم کو صرف اسی قدر چاہیے کہ دل کو خالی کر کے نزول رحمت اور وقت معین کے منتظر رہیں جیسے کوئی زمین کو درست کرے اور اسے گھاس کوڑا سے صاف کر کے بیج ڈال دے تو اس کو یہ مفید نہ ہوگا جب تک کہ بارش نہ ہو یا کھیت کو کسی اور طریقے سے پانی نہ ملے انسان کو معلوم بھی

نہیں کہ باران رحمت کب ہو گا مگر چونکہ اللہ کے فضل پر امید ہوتا ہے کہ کوئی برس بارش سے خالی نہیں اس لیے یہ سب محنت گوارا کرتا ہے۔ اس طرح کوئی سال اور مہینہ اور دن جذبہ یزدانی اور کشش حق و نفحہ رحمانی سے خالی نہیں گزرتا تو سالک کو چاہئے کہ اپنے دل کو شہوات کے کوڑے سے صاف کرے اور اس میں تخم ارادت بوئے۔ پھر اسے باران رحمت کے سامنے کردے اور جس طرح کہ بادل دیکھ کر بعض اوقات برسات میں بارش برسنے کی زیادہ توقع ہوتی ہے اس طرح ان نفحات کے نزول کی توقع اوقات شریفہ اور اجتماع ہمت اور قلوب کی موافقت کے وقت زیادہ ہے۔ مثلاً عرفہ اور جمعہ کے دن یا رمضان وغیرہ کی ساعات اجابت میں اس لیے کہ انسان کے ارادے اور انفاس بھی اللہ کے حکم سے اسباب نزول رحمت الٰہی ہیں کہ ان کے طفیل سے قحط سالی میں بھی بادل برس جاتا ہے۔ یہ پہاڑوں کے اطراف اور سمندروں کی جوانب ان کے طفیل ہے کہ وہ پانی کے قطرات کی درخواست کرتے ہیں اس لیے کہ سالک کو خزائن ملکوت سے بارش مکاشفات اور معارف لطیفہ کی استدعا زیادہ مناسب ہے بلکہ احوال و معارف انسان کے ساتھ دل میں موجود ہیں مگر اس وجہ سے کہ علائق اور شہوات انسان اور معارف میں حجاب ہوتے ہیں اس لیے ان کی طرف پروا نہیں کرتا اسی لیے سالک کو ضروری ہے کہ اس حجاب کو دور کرے تاکہ انوار معارف دل میں چمکنے لگیں۔

مثال:- زمین کے پانی کا ظاہر کرنا اس طرح آسان اور قریب تر ہے کہ زمین کھود کر پانی ظاہر کر دیا جائے اور دور دراز مقامات سے پانی کا لانا وقت رکھتا ہے بالخصوص ایسی جگہ سے جو اس سرزمین کے بہ نسبت پست ہو اور چونکہ معارف ایمانی دل میں موجود ہیں اور انسان ان کی طرف سے بے پروا ہو کر خود بھولا ہوا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے تمام معارف ایمانی کو لفظ تذکر سے بیان کیا ولیتذکر اولوالالباب ترجمہ: اور سوچا کریں عقل والے۔ اور فرمایا ولقد یسرنا القرآن لذکر فھل من مدکر (القمر 40) ترجمہ کنزالایمان: اور بے شک ہم نے آسان کیا قرآن یاد کرنے کیلئے تو ہے کوئی یاد کرنے والا۔

وساوس و شواغل کا علاج:- وساوس اور شواغل کا یہی علاج ہے اور یہ مرتبہ درجات صبر میں سب کے بعد ہے اور تمام علائق سے صبر کرنا خواطر اور وساوس پر صبر کرنے سے مقدم ہے۔ حضرت جنید فرماتے ہیں کہ دنیا سے آخرت کی طرف چلنا آسان ہے مگر حق کے لیے خلق کا چھوڑنا سخت ہے اور نفس سے گریز کر کے اللہ کی طرف جانا مزید سخت ہے اور اللہ کے لیے صبر کرنا سب سے زیادہ سخت ہے۔

فائدہ:- اس قول میں پہلے آپ نے شدت اور سختی صبر کی شواغل دلی سے بیان فرمایا ہے اس کے بعد خلق کے چھوڑنے کی سختی کا ذکر کیا اور نفس پر سب علائق سے سے زیادہ شدید خلق کا علاقہ اور محبت جاہ ہے اس لیے کہ ریا اور غلبہ اور بلند مرتبہ اور حاکم بننے کا مزہ دنیا کی تمام لذات سے عقلاء کے نفس پر غالب ہے اور یہ لذت کس طرح غالب نہ ہو حالانکہ مقصود اس سے ایک ایسی صفت ہے جو قلب انسانی کو طبعاً محبوب ہے اور وہ صفت اوصاف الٰہی

میں سے ہے جسے ربوبیت کہتے ہیں اور ربوبیت کے محبوب ہونے کی وجہ قلب کو یہ ہے کہ اس میں مناسبت امور ربوبیت سے پائی جاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قل الروح من امر ربی۔ (بنی اسرائیل 85) ترجمہ کنزالایمان : تم فرماؤ روح میرے رب کے حکم سے ایک چیز ہے۔

فائدہ :۔ قلب کو محبت ربوبیت کا ہونا برا نہیں ہاں مذمت اس وجہ سے ہے کہ شیطان لعین جو عالم امر سے دور کرنے والا ہے اسے بہکا کر دھوکے میں ڈال دیتا ہے یعنی وہ لعین انسان کے قلب پر اس وجہ سے حاسد ہے کہ یہ قلب عالم امر سے کیوں ہے اس وجہ سے اسے بہکا کر گمراہ کرتا ہے ورنہ طلب ربوبیت دل کے لیے کوئی برائی نہیں بلکہ وہ توعین سعادت اخروی ہے کیونکہ اگر واقع میں ربوبیت کا طالب ہے تو گویا ایسی بقا چاہتا ہے جسے فنا نہ ہو ایسی عزت کا طالب ہے جس میں ذلت نہ ہو اور ایسا امن چاہتا ہے جس میں خوف نہ ہو اور ایسی دولت کا خواہاں ہے جس میں افلاس نہ ہو اور اس کمال کا متمنی ہے جس میں نقصان نہ ہو یہ تمام باتیں ربوبیت کی ہیں۔ اگر انسان ان کا طالب ہو تو کسی طرح قابل مذمت نہیں بلکہ بندے پر فرض ہے کہ ایسے ہی ملک یعنی سلطنت کا طالب ہو جسے زوال نہیں اور جو طالب ہوتا ہے وہ برتری' عزت اور کمال کا خواہاں پہلے ہوتا ہے ملک دو ہیں۔ (1) وہ ہے جس میں جملہ اقسام کے رنج و بلائیں ہیں یہ مُدنیا ہے۔ (2) وہ ملک ہے جس میں دوام و بقاء ہے اس میں درد و الم کا نام نشان تک نہیں۔ نہ کسی کو روکنے سے موقوف ہو مگر وہ دیر سے ملے گا اس کا نام ملک آخرت ہے چونکہ انسان جلد باز ہے وہ نقد کو ادھار پر ترجیح دیتا ہے تو شیطان نے اس کی طبیعت جلدی کی طرف راغب دیکھ کر اس ملک موجود دنیاوی کو اس کی نظروں میں آراستہ کیا مگر اس کے مزاج میں حماقت معلوم کرکے آخرت کے باب میں اسے مغالطہ دے دیا اور ملک دنیا کے ہوتے ہوئے ملک آخرت کی توقع اس کے دل میں ڈال دی۔

حدیث شریف :۔ حدیث شریف میں ہے ولا حمق من اتبع نفسہ ہواہا وتمنی علی اللّٰہ تعالیٰ ترجمہ : وہ احمق ہے جو تابعداری تو کرے خواہشات کی اور بھلائی کی امید کرے اللہ تعالیٰ سے۔

فائدہ :۔ جسے توفیق رفیق نہ ہوئی وہ تو اس کے مغالطے میں آکر حتی الوسع دنیا کی عزت و سلطنت کی طلب میں مشغول ہوا اور جو شخص توفیق سے بہرہ یاب ہوا اور شیطان کے جال میں نہ آیا کیونکہ اس کو اس لعین کی گھاتیں خوب معلوم تھیں اس لیے اس نے اس سلطنت دنیا سے روگردانی اختیار کی اللہ جل جلالہ نے اس قسم کے لوگوں کا حال کلام مجید میں یوں ارشاد فرمایا کلا بل تحبون العاجلۃ وتذرون الاخرۃ (القیمہ 20) ترجمہ کنزالایمان : کوئی نہیں بلکہ اے کافرو تم پاؤں تلے کی دوست رکھتے ہو اور آخر کو چھوڑ بیٹھے ہو اور فرمایا فا عرض عمن تولی عن ذکرنا ولم یرد الا الحیوۃ الدنیا ذلک مبلغھم من العلم (النجم 30'29) ترجمہ کنزالایمان : تو تم اس سے منہ پھیر لو جو ہماری یاد سے پھرا اور اس نے نہ چاہی مگر دنیا کی زندگی یہاں تک ان کے علم کی پہنچ۔

فائدہ :۔ جبکہ شیطان کا جال تمام مخلوق میں پھیل گیا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اپنے رسولوں کے پاس بھیج کر ان کو

اس دشمن کے ہلاک کرنے اور بھگانے کا طریقہ بتلا دیا اسی لیے تمام انبیاء علیہم السلام مخلوق کو اس ملک و سلطنت مجازی سے کہ اگر بالفرض مل بھی جائے تو بے اصل اور مطلقاً فانی کہہ کر حقیقی ملک کی طرف بلانے میں مشغول ہوئے چنانچہ انہیں کا ارشاد کلام مجید میں مذکورہ ہے یایھا الذین امنو مالکم اذا قیل لکم انفرو فی سبیل اللہ ثاقلتم الی الارض ارضیتم بالحیوۃ من الاخرۃ فمتاع الحیوۃ الدنیا فی الاخرۃ الا قلیل (التوبہ 38) ترجمہ کنزالایمان: اے ایمان والو تمہیں کیا ہوا جب تم سے کہا جائے کہ خدا کی راہ میں کوچ کرو تو بوجھ کے مارے زمین پر بیٹھ جاتے ہو کیا تم نے دنیا کی زندگی آخرت کے بدلے پسند کرلی اور جیتی دنیا کا اسباب آخرت کے سامنے نہیں مگر تھوڑا۔

رسل کرام اور کتب آسمانی کے نزول کی علت غائی

توریت اور انجیل اور زبور اور قرآن اور صحیفے حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہم السلام کے اور ہر ایک آسمانی کتاب اسی لیے اتری ہیں کہ مخلوق کو سلطنت دائمی کی طرف بلائیں اور مقصود یہی ہے کہ سب لوگ دنیا میں بھی شاد رہیں اور آخرت میں بھی۔

شیطان کا مطمع نظر:۔ شیطان مخلوق کو سلطنت دنیا کی طرف بلاتا رہتا ہے اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ اس کی وجہ سے سلطنت اخروی ان سے فوت ہو جائے گی کیونکہ دنیا اور آخرت دو سوکنیں ہیں ایک دوسری کے ساتھ نہیں رہ سکتی اور یہ بھی شیطان کو معلوم ہے کہ دنیا کسی کے پاس نہیں رہتی اس وجہ سے اس کی طرف راغب کرتا ہے اگر کسی کے پاس رہتی ہے تو اس پر بھی حسد کرتا ہے مگر اس میں ہر طرح کے جھگڑے اور بغاوتیں اور بڑی بڑی مشقتیں اور غلط تدبیریں کرنی پڑتی ہیں اور تمام اسباب مرتبہ جاہ طلبی کے لیے ایسے ہوتے ہیں پھر اگر اسباب درست ہو کر دنیا مل بھی گئی تو عمر ختم ہو جاتی ہے گویا وہ اس آیت کا مصداق ہو جاتا ہے حتی اذا اخذت الارض ذخرفھا وازنیت وظن اھلھا انھم قادرون علیھا اتاھا امرنا لیلًا اونھارا فجعلناھا حصیداً کان لم تغن بالامس (یونس 24) ترجمہ کنزالایمان: یہاں تک کہ جب زمین نے اپنا سنگارے لیا اور خوب آراستہ ہو گئی اور اس کے مالک سمجھے کہ یہ ہمارے بس میں آگئی ہمارا حکم اس پر آیا رات میں یا دن میں تو ہم نے اسے کر دیا کاٹی ہوئی گویا کل تھی ہی نہیں۔

واضرب لھم مثل الحیوۃ الدنیا کما انزلناہ من السماء فاختلط نبات الارض فاصبح ھشیما تذروہ الریاح (الکھف 45) ترجمہ کنزالایمان: اور ان کے سامنے زندگانی دنیا کی کہاوت بیان کرو جیسے ایک پانی ہم نے آسمان سے اتارا تو اس کے سبب زمین کا سبزہ گھنا ہو کر نکلا کہ سوکھی گھاس ہو گیا جسے ہوا میں اڑائیں۔

نکتہ:۔ زہد کو سلطنت اس لیے کہتے ہیں کہ زہد کے معنی ہیں کہ اپنی شہوت اور غضب کا مالک ہو جانا اور یہ دونوں چیزیں باعث دینی اور اشارہ ایمان کی تابع ہو جائیں تو حقیقتاً سلطنت اس کو کہنا چاہیے اس لیے کہ اس کی وجہ سے

انسان آزاد ہو جاتا ہے ورنہ اگر شہوت غالب ہو تو انسان بندہ شکم اور بندہ شرمگاہ یا اور کسی غرض کا غلام ہو جاتا ہے بلکہ جانور کی طرح اس کا قیدی ہو جاتا ہے شہوت کی رسی اس کی گردن میں ہوتی ہے وہ جدھر چاہتی ہے اسے ادھر لیے پھرتی ہے۔

فائدہ :۔ غور کرنا چاہئے کہ انسان کو کیسا بڑا دھوکا ہے کہ شہوت کے غلام ہونے کو تو سلطنت کا حصول خیال کرتا ہے اور دوسری چیز کا بندہ ہو کر گمان کرتا ہے کہ ربوبیت کو پہنچ جائے گا ایسا شخص دنیا میں بھی معکوس رہے گا اور آخرت میں بھی ذلیل۔

حکایت :۔ ایک بادشاہ نے کسی زاہد سے کہا کہ تمہیں کوئی ضرورت ہے اس نے جواب دیا کہ میں تم سے کیا مانگوں میری سلطنت تمہاری سلطنت سے بڑی ہے اس نے کہا وہ کس طرح انہوں نے کہا کہ جس کے تم غلام ہو وہ میرے غلام ہیں اس نے کہا وہ کیونکر انہوں نے کہا کہ تم اپنی شہوت اور غضب اور فرج و شکم کے بندے ہو اور میں ان سب کا مالک ہوں وہ میرے غلام ہیں۔

فائدہ :۔ معلوم ہوا کہ حقیقی سلطنت زہد ہی ہے اس کی وجہ سے سلطنت اخروی نصیب ہوتی ہے کہ شیطان کے مغالطے میں گرفتار دنیا و آخرت دونوں میں خسارہ ہو اور جن حضرات کو راہ راست پر قائم رہنے کی توفیق ملی وہ دونوں چیزوں پر کامیاب ہوئے اب جس وقت کے معنی سلطنت اور ربوبیت اور تسخیر اور عبودیت کے معلوم ہوئے اور شیطان کے دھوکا دینے کا طریق اور اس کا کبر و فریب اور تلبیس بھی معلوم ہوا تو سالک پر ملک و جاہ دنیاوی سے اعراض کرنا اور اس کے فوت ہونے پر صابر ہونا آسان ہوگا اس لیے کہ ان کے چھوڑنے سے سردست سلطنت پائے گا اور سلطنت اخروی کی توقع ہوگی اور جو شخص کہ ان باتوں کو جاہ کے ساتھ مالوف و مانوس ہونے کے بعد جانے اور اس کے اسباب کا مباشر ہونا عادت کی وجہ سے اس کے دل میں جما ہوا ہو تو ایسے کے لیے فقط ان باتوں کا جاننا ہی علاج کے لیے کافی نہ ہوگا جب تک کہ اس علاج پر کچھ عمل نہ بڑھائے۔

علاج پر عمل کے طریقے : ۔جاہ طلبی کے مقام سے بھاگے جیسے غلبہ شہوت میں ان صورتوں کے دیکھنے سے بھاگنا ضروری ہے جو محرک شہوت ہوں اور جو ایسا نہ کرے گا وہ وسعت زمین کی نعمت جو اللہ تعالیٰ نے دی ہے اس کا ناشکرا ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الم تکن ارض اللہ واسعۃ فتھاجروا فیھا (النساء 97) ترجمہ کنزالایمان : کیا اللہ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے۔ اپنے نفس کو ایسے اعمال کا بتکلف پابند کرے جو خلاف عادت سابقہ ہوں مثلاً اگر بناؤ سنگار کا عادی ہو تو اس کو یک لخت چھوڑ دیں اور عام لوگوں کی طرح ہے تواضع اور مسکینی کی عادت بنائے اپنی ہر حالت اور فعل کو مکان و لباس اور اکل و شراب اور نشست و برخاست کو بدل ڈالے صرف ضرورت کے موافق چیزیں رکھے اور عادت گزشتہ کی ضد کو ملحوظ رکھے یہاں تک کہ یہ جلد افعال و احوال طبیعت میں جم جائیں اور انہیں کا عادی ہو جائے۔ علاج سے بھی غرض یہی ہے کہ جس عادت سے کوئی خرابی ہوتی ہو

ان کی ضد اختیار کرے۔ علاج کرنے میں نرمی آہستگی کا لحاظ رہے ایسا نہ کرے یکبارگی حقارت و ذلت اختیار نہ کرے اس لیے کہ طبیعت انسانی میں وحشت بھی ہوتی ہے اس کے اخلاق کا چھوڑنا آہستگی کے بغیر ممکن نہیں۔

علاج کا بہتر طریقہ: بعض افعال کو ترک کرے اور جب بقیہ پر قانع ہو جائے تو انہیں سے کچھ اور چھوڑ دے اس طرح تھوڑے تھوڑے ترک کرتے کرتے بالکل کا استیصال کرلے یہاں تک کہ جو صفات اس میں جمے ہوئے ہوں وہ سب جاتے رہیں اس تدریج اور آہستگی کی طرف اشارہ حدیث شریف میں ہے ان ھذہ الدین متین فادخل فیہ برفق ولا تبغض الی نفسک عبادۃ اللہ ترجمہ: یہ دین مضبوط ہے اس میں نرمی سے داخل ہو اور اپنے نفس پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کو بوجھل نہ کر۔ لا تشادوا ھذا الدین فان من یشادہ یغلبہ ترجمہ: اس دین کا مقابلہ مت کرو جو کوئی اس کا مقابلہ کرے گا اس پر یہ غالب ہو جائے گا۔

فائدہ:۔ اس بیان کو جو ہم نے وسوسہ اور شہوت اور جاہ سے صبر کرنے میں ذکر کیا ہے اس بیان پر اضافہ کرلو جو ہم جلد ثالث کے باب ریاضت نفس میں طریق مجاہدہ کے قوانین کے حال میں لکھے ہیں۔ پھر تمام کو دستور العمل کرلو تاکہ تمام اقسام صبر سے علاج معلوم ہو جائے کیونکہ ہر ہر فرد کی علیحدہ تفصیل طویل ہے اور جو شخص کہ تدریج کی مراعات مدنظر رکھے گا اسے صبر ایسے حال میں پہنچادے گا کہ بغیر اس کے اس کو چین نہ آئے گا جیسے پہلے صبر کے بغیر چین نہ تھا غرض کہ معاملہ بالکل برعکس ہو جائے گا کہ جو چیز پہلے محبوب تھی وہ مبغوض ہو جائے گی اور جو ناپسند تھی اس کے بغیر صبر نہ کر سکے گا اور یہ بات ایسی عیاں ہے کہ تجربہ اور مشاہدہ سے بھی ثابت ہو سکتی ہے۔

تجربہ:۔ بچے کو پہلے جبر کر کے سکول میں بٹھلاتے ہیں تو وہ جب قہر کے خوف سے پڑھتا ہے کھیل کود سے صبر کرنا اسے نہایت شاق ہوتا ہے اور علم میں مشغول رہنے پر صبر نہیں کر سکتا مگر جب اس کو عقل آتی ہے اور علم میں مشغول بلکہ مانوس ہو جاتا ہے تو پھر معاملہ الٹا ہو جاتا ہے کہ کھیل کود پر صبر کر سکتا ہے لیکن علم سے صبر نہیں کر سکتا۔

حکایت:۔ کسی عارف نے حضرت شبلی رحمتہ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ کون سا صبر زیادہ سخت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں صبر کرنا اس عارف نے کہا یہ نہیں۔ حضرت شبلی نے فرمایا کہ اللہ کے لیے صبر کرنا۔ عارف نے کہا کہ یہ بھی نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ کے ساتھ صبر کرنا یعنی مشغول بخدا رہنا۔ عارف نے کہا کہ یہ بھی نہیں۔ حضرت شبلی نے پوچھا کہ پھر کون سا صبر زیادہ سخت ہے۔ اس عارف نے فرمایا کہ اللہ سے صبر کرنا یہ سن کر حضرت شبلی نے ایک ایسی چیخ ماری کہ قریب تھا کہ روح پرواز کر جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اصبروا وصابروا ورابطوا

فائدہ:۔ اس آیت کے معنی میں بعض نے یہ فرمایا ہے کہ صبر کرو اللہ کے بارے میں اور مصابرت کرو اللہ کے ساتھ اور لگے رہو اللہ تعالیٰ سے۔ بعض اکابر کا قول ہے کہ اللہ کے واسطے صبر کرنا رنج و عنا ہے اور صبر بخدا دوام وبقا

اور صبر مع خدا وفا ہے اور صبر از خدا جفا ہے۔ کیا خوب کسی نے فرمایا

والصبر عنک مذموم عواقبہ - والصبر فی سائر الاشیاء محمود

تیری ذات سے صبر توبہ توبہ (یہ برا کام ہے) ہاں باقی چیزوں سے صبر کرنا اچھا کام ہے۔ ایک دوسرے شاعر نے کہا الصبر یحمل فی المواطن کلہا' الا علیک فانہ لا حمل ترجمہ: ہر جگہ صبر برداشت ہے لیکن تیری ذات سے برداشت نہیں ہو سکتا۔

فائدہ:۔ یہ آخری جملہ ہے جو میں نے صبر و اسرار کے علوم کی شرح میں لکھا ہے الحمد للہ علی ذلک اولا و خر وصلی اللہ علی جبریل الکریم وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

شکر کا بیان:۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کریم میں شکر کو ذکر کے ساتھ بیان فرمایا ہے ارشاد فرمایا کہ (1) ولذکر اللہ اکبر ترجمہ: ذکر اللہ بہت بڑا ہے۔ (2) فاذکرونی اذکرکم واشکرولی ولا تکفرون (البقرہ 152) ترجمہ کنزالایمان: میری یاد کرو میں تمہارا چرچا کروں گا اور میرا حق مانو اور میری ناشکری نہ کرو۔
ایسی بڑی چیز کے ساتھ اس کا ذکر کرنا کمال و فضیلت پر دال ہے اور فرمایا (3) یفعل اللہ بعذابکم ان شکرتم و آنتم اور ابلیس لعین کے قول کو نقل فرمایا ہے یعنی (4) لاقعدن لھم صراطک المستقیم (الاعراف 16) ترجمہ کنز الایمان: میں ضرور تیرے سیدھے راستہ پر ان کی تاک میں بیٹھوں گا۔

فائدہ:۔ صراط مستقیم کے معنی بعض مفسرین نے شاکرین کیا ہے اور چونکہ شکر عالی مرتبہ ہے اس لیے اس ملعون نے طعنہ مارا (5) ولا تجد اکثرھم شاکرین۔ (6) وقلیل من عبادی الشکور اور شکر کے ساتھ زیادتی نعمت وعدہ اور اس میں استثناء بھی نہیں کیا۔ (7) لئن شکرتم لازیدنکم حالانکہ پانچ اور نعمتوں سے بھی غنی کرنے' دعا قبول فرمانے' روزی دینے' مغفرت کرنے اور توبہ قبول کرنے سے استثناء فرمایا (8) فسوف یغنیکم اللہ من فضلہ ان شاء اور (9) فیکشف ما تدعون الیہ ان شاء (10) یرزق من یشاء بغیر حساب (11) ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء (12) ویتوب اللہ علی من یشاء

فائدہ:۔ معلوم ہوا کہ شکر نہایت عمدہ ہے کہ اس میں اپنی مشیت کی قید نہیں لگائی۔ یقینی طور زیادتی نعمت کا وعدہ فرمایا اور کیوں نہ ہو کہ شکر ایک خلق اخلاق ربوبیت میں سے ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے لئے فرماتا ہے واللہ شکور حلیم اللہ تعالیٰ شکر اور حلم والا ہے۔ علاوہ ازیں اہل جنت کا شکر پہلا ہی کلمہ ہے (14) وقالوا الحمد للہ الذی صدقنا وعدہ اور واخر دعوھم ان الحمد للہ رب العالمین

فضائل از احادیث مبارکہ:۔ فضائل شکر میں بہت سی احادیث مروی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (1) الصائم الشاکر بمنزلۃ الصائم الصابر حضرت عطاء رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم سب ایک دفعہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی حضور کا سب سے عجیب حال جو آپ نے دیکھا بیان فرمائیے بی بی رونے لگیں اور فرمانے لگیں کہ کوئی سی حالت آپ کی عجیب نہ تھی آپ کی تمام عادات مبارکہ ہی عجیب تھیں ایک رات آپ میرے پاس تشریف لائے اور بستر پر یا لحاف میں میرے ساتھ لیٹ گئے یہاں تک کہ ان کا بدن مبارک میرے بدن سے مس کرنے لگا۔ فرمایا اے بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا مجھے اجازت دے تاکہ میں اپنے پروردگار کی عبادت کروں سب نے عرض کیا کہ میں تو آپ کا پاس رہنا چاہتی ہوں لیکن آپ کی مرضی کے تابع ہوں میں نے اجازت دے دی آپ اٹھ کر ایک مشک پانی کے قریب تشریف لے گئے اس سے وضو کیا اور پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے پھر اتنا روئے کہ آنسو چھاتی مبارک پر بہنے لگے پھر رکوع میں روئے پھر سجدے میں روئے۔ پھر دونوں سجدوں کے درمیان میں روئے اسی طرح آپ روتے رہے یہاں تک کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز کی اطلاع کی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ خدائے تعالیٰ نے تو آپ کے طفیل اگلے پچھلے سب کے گناہ معاف کردیئے ہیں پھر آپ کا گریہ کیسا؟

فرمایا کہ کیا میں بندۂ شکر گزار نہ ہوں اور کیسے گریہ نہ کروں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ آیت اتاری ہے۔ ان فی خلق السموت والارض واختلاف الیل والنھار (البقرہ 164) ترجمہ کنزالایمان : بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدائش اور رات و دن کا بدلتے آنا معلوم ہو کہ رونا کبھی نہیں چھوڑنا چاہیے۔ روایت میں ہے کہ بعض انبیاء علیہم السلام کا ایک چھوٹے سے پتھر پر گزر ہوا جس میں سے پانی بہت نکل رہا تھا آپ کو اس سے تعجب ہوا خداوند کریم نے پتھر کو بولنے کی طاقت دی تو عرض کیا کہ جب سے میں نے سنا ہے کہ آتش دوزخ کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے' اس وقت سے خوف سے رو رہا ہوں کہ پیغمبر علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ الٰہی اس پتھر کو آگ سے بچا ان کی دعا قبول ہوئی پھر مدت کے بعد آپ نے اس پتھر کا وہی حال دیکھا اور پوچھا اب کیوں روتا ہے۔ عرض کیا کہ گریہ سابق خوف کا تھا اور یہ شکر اور سرور کا ہے (نکتہ) چونکہ انسان کا دل بھی مثل پتھر کے یا اس سے سخت تر ہے۔ اس لئے اس کی سختی بدون اس کے بغیر دور نہیں ہوتی کہ حالت خوف اور شکر دونوں میں رویا کرے۔

حدیث نمبر3 :۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن ندا ہو گی کہ بہت حمد کرنے والے کھڑے ہوں۔ ایک گروہ کھڑا ہو گا پھر ان کے لئے ایک نشان کھڑا کیا جائے گا اور اسی صورت سے جنت میں داخل ہوں گے۔ صحابہ کرام نے عرض کی کہ بہت حمد کرنے والے کون لوگ ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ جو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر کرتے ہیں۔

فائدہ :۔ ایک روایت میں ہے کہ جو خوشی اور تکلیف میں (یعنی ہر حال میں) شکر کرتے ہیں وہی حمد کرنے والے ہیں۔ (4) حدیث شریف میں ہے کہ الحمد رداء الرحمن یعنی شکر رحمن کی چادر ہے۔

وحی حضرت ایوب علیہ السلام:۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ میں اپنے اولیاء کے مکافات سے شکر سے راضی ہوتا ہوں اور یہ بھی اور صابرین کا گھر دارالسلام ہے۔ جب اس میں داخل ہوں گے میں ان کو شکر کا الہام کروں گا۔ جو تمام کلاموں میں سے بہتر ہے اور شکر کرنے کے وقت اور زیادہ کی طلب کروں گا اور اپنی طرف نظر کرنے سے ان کو زیادہ مرتبہ عنایت کروں گا۔ (فائدہ) جب خزانوں کے بارے میں آیت والذین یکنزون الذھب والفضۃ (توبہ 34) ترجمہ کنزالایمان: اور وہ کہ جوڑ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی۔ اتری تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ کونسا مال ہم جمع رکھیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا لیتخذ احدکم لسانا ذاکرا وقلبا شاکرا پس مال کے عوض میں قلب شاکر کا ذخیرہ کرنا ارشاد فرمایا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ شکر نصف ایمان ہے۔

شکر کی تعریف و ماہیت:۔ واضح ہو کہ شکر سالکین کی ایک منزل کا نام ہے۔ اور وہ تین باتوں سے مرکب ہے۔ (1) علم (2) حال (3) عمل۔ علم اصل ہے۔ اس سے حال پیدا ہوتا ہے اور حال سے عمل۔ علم سے مراد یہ ہے کہ نعمت منعم سے سمجھے اور حال اس کا نام ہے کہ منعم کے انعام سے خوش ہو اور عمل سے یہ مراد ہے کہ جو مقصود اور محبوب منعم کو ہو اس پر قائم رہے۔ پھر عمل قلب سے متعلق ہے اور اعضاء اور زبان ہے۔ اسی لئے ان سب کا بیان ضروری ہے تاکہ سب سے شکر کی ماہیت کسی کو مکمل طور معلوم ہو کیونکہ جتنے اقوال شکر کی تعریف میں منقول ہیں کسی میں بھی مکمل شکر کا معنی نہیں۔

علم کا بیان: تین باتوں کا علم ضروری ہے۔ (1) خود نعمت کا (2) جس کے حق میں وہ نعمت عطا ہوئی۔ (3) منعم کی ذات اور صفات کا کہ جن سے اس انعام کا دور ہوا اس لئے کہ انعام کے لئے تین چیزیں ضروری ہیں۔ (1) نعمت (2) نعمت دینے والا (3) وہ جس پر منعم کے قصد و ارادے سے نعمت پہنچتی ہے۔ (فائدہ) یہ عام منعم کے بارے میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کیلئے یہ عقیدہ کہ تمام نعمتیں اللہ کی طرف سے ہیں' ہر نعمت دینے والا وہی ہے۔ یہ معرفت تقدیس اور توحید یہ تمام لوگ اس کے تابع ہیں۔ (فائدہ) یہ اس سے بڑھ کر اس لئے ہے کہ وہ دونوں اس میں داخل ہیں کیونکہ ایمان کی معرفتوں میں ابتدائی مرتبہ تقدیس یعنی خدا کو پاک جاننے کا ہے اور جب ایک ذات کو پاک جان لیا تو پھر یہ معرفت ہوتی ہے کہ ذات مقدس ایک ہی ہے اس کے سوا جتنا ہیں وہ سب مرتبہ کی نہیں اس کا نام توحید یعنی خدا کو ایک جاننا ہے پھر اس کے بعد یہ علم ہوتا ہے کہ جتنی چیزیں عالم میں موجود ہیں۔ وہ اسی واحد سے موجود رہیں یعنی ہر شے اس کی طرف سے نعمت ہے تو یہ معرفت ان دونوں معرفتوں کے بعد ہوتی ہے۔ اس لئے اس کا مرتبہ ان دونوں سے بڑھ کر ہوا کیونکہ اس میں تقدیس اور توحید کے سوا کمال قدرت اور افعال میں یکتا ہونا بھی پایا جاتا ہے۔

حدیث:۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے کہ جو سبحان اللہ کہے اس کو دس نیکیاں ہیں اور جو لا الہ الا اللہ کہے' بیس اور جو الحمد للہ کہے اسے تیس۔ (حدیث) حضور علیہ السلام نے فرمایا افضل الذکر لا الہ الا اللہ

وافضل الدعا الحمد للہ۔ فرمایا لیس شئی من الاذکار یضاعف' یضاعف الحمد للہ

ازالہ وہم:۔ یہ گمان نہ ہو کہ صرف زبان پر ہی جاری کرنے کا نام یہی ہے بغیر اس کے کہ ان کے معانی دل میں نہ آئیں بلکہ اصل یہ ہے کہ سبحان اللہ کلمہ تقدیس ہے اور لا الہ الا اللہ کلمہ توحید اور الحمد للہ وہ کلمہ ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ تمام نعمتیں خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ پس نیکیاں ان تین باتوں کی معرفت کے عوض ہوتی ہیں۔ جو ایمان و یقین کے اقسام میں سے ہیں' نہ صرف زبان کے ہلانے کے عوض میں۔ **(مثال)** تاکہ یہ معرفت کامل جب ہوتی ہے جس وقت افعال میں شرکت نہ ہو۔ مثلاً اگر کسی کو کسی بادشاہ نے کچھ انعام دیا تو یہ شخص اگر اس انعام کے ملنے اور اپنے پاس پہنچنے میں بادشاہ کے وزیر یا وکیل کا بھی دخل جانے گا تو اس کی نعمت میں دوسرے کو شریک جانے گا اور ہر وجہ سے اس نعمت کو بادشاہ کی طرف سے نہیں سمجھے گا بلکہ کچھ اس کی طرف سے اور کچھ کسی دوسرے کی طرف سے۔ اسی وجہ سے اس کی خوشی بھی دونوں پر تقسیم ہو جائے گی۔ بادشاہ کے حق میں خالص خیالی رہے گی۔ ہاں اگر یہ جانے کہ جو نعمت مجھے ملی وہ بادشاہ کے فرمان کی وجہ سے ہے جسے اس نے اپنے قلم سے کاغذ پر لکھا تو اس سے بادشاہ کے حق میں کوئی خلل نہ آئے گا اور نہ ہی کمال شکر میں نقصان ہوگا۔ اس لئے کہ اسے قلم اور کاغذ کے موجب تو خوشی نہیں نہ ہی ان کا شکر گزار ہے کیونکہ خود ان کا دخل ہی کچھ نہیں۔ اگر کچھ ہے تو صرف اسی وجہ سے ہے کہ یہ دونوں چیزیں بادشاہ کے زیر حکم ہیں۔

مثال نمبر2:۔ اسی طرح اگر وکیل یا خزانچی کو جانے کہ انہیں بادشاہی دباؤ ہے تو وہ دیتے ہیں ورنہ اگر خود ان کا اختیار ہوتا اور بادشاہ کا حکم نہ ہوتا اور حکم عدولی کا خوف نہ ہوتا تو کچھ بھی نہ دیتے تو اس طرح جاننے سے شرک لازم نہ آئے گا یعنی وہ نعمت صرف بادشاہ کی طرف منسوب رہے گی۔ وکیل و خزانچی کاغذ و قلم کی طرح متصور ہوں گے۔

اسی طرح جو شخص خدائے تعالیٰ کو جانے اور اس کے افعال کو پہچانے اس کو معلوم ہو جائے کہ آفتاب اور چاند اور ستارے سب اس کے امر کے تابع ہیں جیسے قلم کاتب کے ہاتھ میں اور جن حیوانات کو اختیار ہے وہ اپنے نفس اختیار کے زیر حکم ہیں۔ اس لئے کہ خدائے تعالیٰ نے ان پر افعال کے اسباب کو مسلط کردیا ہے کہ کام کریں۔ چاہیں یا نہ چاہیں جیسا کہ خزانچی بادشاہ کے حکم کے خلاف نہیں کرسکتا اور اگر خود اس کا اختیار ہو تو کسی کو کچھ بھی نہ دے۔

(فائدہ) اگر کسی کو خدائے تعالیٰ کی نعمت دوسرے کے ہاتھوں پہنچ تو جانا چاہئے کہ وہ اس کے پہچاننے کے لئے مجبور مضطر تھا اس لئے کہ خدائے تعالیٰ نے اس پر ارادے کو مسلط کردیا اور اس کے اسباب کا ہجوم ہوا اور اس کے دل میں یہ بات ڈالی کہ میری بھلائی دارین میں اسی میں ہے کہ یہ چیز فلاں کو دوں اس کے بغیر میرا مقصود پورا نہ ہوگا۔ جب خدائے تعالیٰ نے یہ اعتقاد اس کے دل میں پیدا کیا تو اب اس کو فعل نہ کرنے کی کیا وجہ ہے۔ (فائدہ) معلوم ہوا کہ وہ جو کسی کو کچھ دیتا ہے تو صرف اپنے فائدے کے لئے دیتا ہے۔ دوسرے کے مقصود سے غرض نہیں اگر اس سے اس کا کچھ مطلب نہ ہوگا تو کبھی نہ دیتا وہ اپنا فائدہ دیکھ کر دوسرے کو کچھ دیتا ہے تو وہ دوسرے پر انعام نہیں کرتا

بلکہ اس کو وسیلہ کسی دوسری نعمت کا جس کی اس کو توقع ہو کرتا ہے۔ (فائدہ) معلوم ہوا کہ منعم اصل میں وہی ذات ہے۔ جس نے اس کو انعام کیلئے مسخر کیا اور اس کے دل میں اعتقاد و ارادۂ خیر ڈالی جن کی وجہ سے اس نے دوسرے کو کچھ پہنچایا۔ (فائدہ) جب ان امور کو سالک اس طرح جان لے تو ذات خدا کو اور اس کے افعال کو بھی جان لے گا اور موحد ہو کر اس کی شکر گزاری پر بھی قادر ہو گا بلکہ صرف اسی معرفت سے شاکر ہو جائے گا۔ چنانچہ روایت ہے کہ مناجات کلیمی موسیٰ علیہ السلام نے اپنی مناجات میں جناب باری سے عرض کیا کہ الٰہی تو نے آدم کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور کیسے کیسے حالات میں انہوں نے تیرا شکر کس طرح ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے ان تمام باتوں کو میری ہی طرف سے جانا یہی جاننا اس کی شکر گزاری تھی۔ (فائدہ) واضح ہوا کہ شکر گزاری میں ضروری ہے کہ تمام نعمتوں کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے جانے اور اگر اس میں کچھ شک کرے گا تو نہ نعمت کا عارف ہو گا نہ منعم کا اسی لئے انسان کو چاہئے کہ صرف منعم ظاہری پر نہ بھولے بلکہ اس کے اصلی منعم کا دھیان رکھے ورنہ علم سے نقصان فرح کا نقصان ہو گا اور فرح کے نقص سے عمل ناقص رہے گا۔ (2) وہ حال ہے جو اصل معرفت نعمت سے حاصل ہوتا ہے یعنی منعم سے خوش ہونا اور صورت خضوع اور تواضع کی اس کے ساتھ اختیار کرنا اور یہ بھی جداگانہ شکر ہے جیسا کہ معرفت تنہا شکر تھی مگر یہ حالت شکر اس وقت سب ہوتی ہے کہ اپنے مشروط کو حاوی ہو اور اس کی شرط یہ ہے کہ صرف منعم سے خوشی ہو نہ نعمت سے اور نہ ہی انعام سے (مثال) یہ بات کسی کی سمجھ میں نہ آئے تو پھر ہم اس کی ایک مثال بیان کرتے ہیں۔ کوئی بادشاہ سفر کو جانا چاہتا ہے اس نے کسی شخص کو گھوڑا انعام میں دیا تو وہ شخص اس گھوڑے کے ملنے سے تین وجہ سے خوش ہو سکتا ہے۔ صرف گھوڑے ہی سے خوش ہو کہ یہ مال فائدہ مند ہے اور سواری کے قابل اور اپنی غرض اور نفیس اور اصیل ہے۔ اس طرح کی خوشی کرے گا جسے بادشاہ سے کچھ غرض نہ ہو۔ صرف گھوڑے ہی سے غرض ہو حتیٰ کہ اگر گھوڑا اس کو جنگل میں مل جاتا تب بھی اتنا ہی خوش ہوتا جتنا اب ہوا۔ (2) خوشی اس وجہ سے نہ ہو کہ گھوڑا بلکہ اس وجہ سے کہ بادشاہ کی عنایت ہوئی اس کی دلیل ہے کہ بادشاہ کو اس شخص پر نظر عنایت و شفقت ہے اور دل شاہی دل میں اس کی جگہ ہے یہاں تک کہ اگر یہ گھوڑا بادشاہ کے سوا کوئی اور اس کو دیتا یا جنگل میں مل جاتا تو ہرگز خوش نہ ہوتا کیونکہ اس کا مطلب صرف گھوڑا لینا تھا بلکہ بادشاہ کے دل میں جگہ بنانا مقصود تھا وہ حاصل نہیں ہوا اور گھوڑے کی اس کو چنداں ضرورت نہ تھی یا مطلب اصلی کے سامنے اس کا ملنا ایک امر حقیر سمجھتا ہے۔

(3) خوشی اس وجہ سے ہو کہ اس پر سوار ہو کر محنت سفر کی ہو گی اور بادشاہ کی خدمت کروں گا تاکہ مرتبہ تقرب حاصل ہو۔ یعنی وہ صرف اس پر قناعت نہ کرے کہ بادشاہ کے دل میں میری اتنا قدر ہے کہ گھوڑا عنایت فرمایا۔ اسی قدر توجہ شاہی کافی ہے بلکہ یہ چاہتا ہے کہ بادشاہ جو کچھ اپنا مال کسی کو مرحمت کرے وہ میرے ہی ذریعہ سے کرے۔ اگر یہ وزارت کا خواہاں ہے تو وزارت بھی مقصود بالذات نہیں بلکہ اس میں بھی اس کا مقصد یہ ہے کہ بادشاہ کا دیدار اور قرب منزلت میسر ہو گا۔ یہاں تک کہ اگر اس سے کہہ دیا جائے کہ وزیر بنو یا بادشاہ کے قریب رہو تو وہ دوسری ہی

شق کو اختیار کرے گا۔

فائدہ :- تین درجے ہوئے جن میں سے پہلے میں تو معنی شکر پائے ہی نہیں جاتے۔ یہ اس لئے کہ اس درجے والے کی نظر صرف گھوڑے پر ہے اور اس کی خوشی بھی گھوڑے تک ہے۔ دینے والے سے کوئی غرض نہیں اور یہ ایسے لوگوں کا حال ہے جو نعمت پر اس وجہ سے خوش ہوتے ہیں کہ وہ لذیذ اور مطالب کے موافق ہے۔ ایسے لوگ شکر سے کوسوں دور ہیں اور (2) دوم اگرچہ معنی شکر میں داخل ہے اور اس کی خوشی منعم کے ساتھ پائی جاتی ہے مگر منعم کی ذات کے اعتبار سے یہ خوشی نہیں بلکہ اس وجہ ہے ہے کہ عنایت سلطانی کا یقین ہوا جو آئندہ انعام کا سبب ہوگی۔ (فائدہ) یہ ان صلحاء کا حال کا ہے جو اللہ تعالیٰ کا شکر اور عبادت کرتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ اس کے عقاب سے خائف اور ثواب کے امیدوار ہیں جب ان دونوں درجوں میں شکر ناقص رہا تو معلوم ہوا کہ شکر کامل کے معنی تیسرے درجے میں پائے جاتے ہیں۔ یعنی سالک کی خوشی نعمت الٰہی پر اس امکان سے ہو کہ اس نعمت کی وجہ سے خدا کا قرب حاصل کر سکتا ہے اور اس کے جوار رحمت میں فروکش ہو کر دوام دیدار سے مشرف ہوگا اور یہ بہت بڑا مرتبہ ہے۔ (فائدہ) اس کی پہچان یہ ہے کہ انسان دنیا کی کسی چیز پر خوش نہ ہو۔ سوا ایسی اشیاء کے جو آخرت کی سرایہ اور اس کی معین و مددگار ہوں اور جو چیز خدا کی یاد سے بھلا دے اور اس کی راہ سے روکے ایسی چیزوں سے دور رہے گا۔ اس لئے کہ اس کی غرض نعمت سے یہ نہیں کہ نعمت مذکور لذیذ، عمدہ و نفیس ہے۔ جیسے تیسرے درجے والے کو گھوڑے سے غرض نہ تھی بلکہ اس کی خوشی اسی وجہ سے تھی کہ اس پر سوار ہو کر بادشاہ کے ساتھ رہے گا اور اسی طرح وہ قرب شاہی سے بہرہ ور ہوگا۔

ملفوظات اولیاء (رحمہم اللہ تعالیٰ) :- (1) حضرت شبلی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شکر سے غرض دیدار منعم ہے نہ صرف نعمت۔ (2) حضرت ابراہیم خواص رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عوام ادائے شکر کھانے پینے پوشاک وغیرہ پر کرتے ہیں اور خواص دلوں کے احوال پر اور یہ مرتبہ ایسے شخص کو معلوم نہیں ہو سکتا جو لذات کو منحصر شکم اور شرمگاہ اور اشیائے محسوسہ رنگ اور آواز وغیرہ میں جانتا ہے اور دل کے مزے سے خالی ہے اس لیے کہ دل تندرستی کے وقت سوائے ذکر الٰہی عزوجل اور اس کے دیدار معرفت کے اور کسی چیز سے لذت نہیں پاتا اور غیر چیز سے اس وقت بھی اسے مزہ ملتا ہے جب وہ بیمار ہو اور بری عادتوں کا عادی ہو جیسے بعض لوگوں کو مٹی کھانے سے مزہ ملتا ہے۔ بعض بیمار میٹھی چیز سے تلخ کو شیریں جانتے ہیں۔ اسی طرح دل کے مریض کو اچھی بات سے مزہ نہیں آتا۔

فائدہ :- شکر نعمت خداوندی عزوجل ایسا چاہئے جسے اوپر مذکور ہوا اگر کسی کو یہ مرتبہ میسر نہ ہو تو پھر دوسرے درجے کو اختیار کرے اور پہلا تو کسی گنتی میں نہیں۔ دوسرے اور تیسرے درجے کا فرق ان دونوں میں بہت بڑا ہے۔ درجہ دوئم والے کا مطلوب بادشاہ ہے۔ بایں خیال کہ گھوڑا عطا کرے۔ تیسرے والے کی غرض گھوڑا ملنا ہے تاکہ خدمت سلطان کرے۔ دونوں مقصودوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اس طرح جو شخص اللہ عزوجل کا طالب اس لیے ہے

کہ اس پر انعام ہو اور دوسرا اللہ کی نعمتوں کا طالب اس لیے ہے کہ ان کے ذریعہ سے مدارج قرب الٰہی عزوجل حاصل ہوں۔ ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ جو خوشی معرفت منعم سے حاصل ہوتی ہے۔ اس کے موافق عمل کرنا اور یہ عمل قلب اور زبان اور اعضاء سے سب کے متعلق ہے۔ دل سے تو یوں کے خیر کا قصد کرے اور تمام مخلوق کے حق میں نیت خیر اور حسن سلوک کا ارادہ خفیہ رکھے اور زبان سے اظہار شکر اللہ ایسے حمد سے کرے جو شکر پر دال ہو اور دوسرے اعضاء سے اس طرح کہ ان کو نعمت الٰہی جان کر اس کی طاعت میں لگا دے اور ان سے اس کی نافرمانی پر درد نہ لے۔ مثلاً آنکھوں سے ادائے شکریہ ہے کہ اگر کسی مسلمان کا عیب دیکھے تو چھپا دے اور کانوں کا شکریہ ہے کہ جو عیب کسی کا سنے افشا نہ کرے اور زبان کا شکریہ یہ ہے کہ ایسے الفاظ زبان سے نکلیں جن کے اظہار پر اللہ تعالیٰ راضی ہو تو اس طرح کام کرنے سے اللہ کی نعمتیں کا شکر ادا ہوتا ہے اور اس کا حکم بھی ہے۔

حدیث شریف:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے پوچھا کہ آج کیسے ہو؟ اس نے عرض کیا کہ خیریت سے ہوں پھر آپ نے ویسے ہی پوچھا اس نے وہی عرض کیا۔ تیسری دفعہ آپ نے پوچھا تو اس نے عرض کیا کہ مع الخیر اللہ کی حمد کرتا ہوں اور اس کا شکر گزار ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ میرا مقصد بھی یہی تھا کہ تم یہی کہو۔

فائدہ:۔ آپس میں مزاج پرسی کرتے تو ان کا مدعا بھی یہی تھا کسی طرح زیادہ شکر الٰہی ادا ہوں اس میں دو فائدے تھے۔ (1) شاکر کا مطیع ہونا (2) جس نے سبب ہو کر شکر کہلایا اس کا مطیع ہونا اسلاف کی غرض نہ تھی کہ ظاہر کے اظہار شوق سے ریا کریں۔

فائدہ:۔ جس کا کوئی حال پوچھے تین حال سے خالی نہیں۔ (1) شکر (2) شکایت اور (3) سکوت۔ پہلی صورت میں مطیع ہوگا اور دوسری صورت اہل دین سے نہایت بری ہے اس لیے کہ شکایت شہنشاہ کی جس کے قبضہ قدرت میں سب کچھ ہے اس کے کسی بندہ سے جس کو کچھ بھی قابو نہیں۔ نہایت قبیح ہے۔ بندہ کے حال کے شایاں یہی ہے کہ اگر مصیبت اور حکم الٰہی پر اچھی طرح صبر نہ کر سکے اور کمزوری کی وجہ سے شکایت کی نوبت پہنچے تو اللہ تعالیٰ سے شکایت کرے کیونکہ مصیبت بھیجنے اور ٹالنے پر قدرت رکھنے والا وہی ہے۔ بندہ اگر اپنے مالک کے سامنے ذلیل ہے تو اس کی عزت ہے اور دوسرے سے اس کی شکایت کرنے میں ذلت ہوگی بالخصوص ایسی صورت میں کہ جب دوسرا بھی اسی جیسا ہو اور کچھ نہ کر سکتا ہو اس سے مالک کی شکایت نہایت قبیح ہے۔ اس لیے ضروری ہوا کہ ہر حال میں اسی کی طرف رجوع کرے۔ ان الذین تعلمون من دون اللہ لا یملکون لکم رزقا فابتغو عند اللہ الرزق وعبدوہ اشکروالہ ان الذین مدعون من دون اللہ عبادا شالکم (العنکبوت 17) ترجمہ کنزالایمان: بے شک وہ جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو تمہاری روزی کے کچھ مالک نہیں تو اس کے پاس رزق ڈھونڈو اور اسکی بندگی کرو اور اس کا احسان۔

فائدہ:۔ زبان سے شکر کہنا بھی شکر گزاری میں داخل ہے۔

حکایت :۔ بعض لوگ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے ان میں سے ایک اٹھا آپ نے فرمایا کہ عمر رسیدہ بات کرے کوئی پھر اس سے چھوٹا اس طرح بترتیب گفتگو کرنی چاہئے نوجوان نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین اگر ہر بات عمر ہی پر منحصر ہوتی تو مسلمانوں کا حاکم کوئی ایسا شخص ہوتا جو آپ سے بڑا ہوتا آپ نے فرمایا جو کچھ کہنا ہے کہو اس نے عرض کیا کہ ہم آپ سے مانگنے نہیں آئے نہ خوف کی وجہ سے آئے ہیں اس لیے کہ آپ کی سخاوت ہم کو گھر بیٹھے پہنچ گئی تو مانگنے کی کیا حاجت اور آپ کی عدالت کے سامنے ڈرنے کی کیا ضرورت ہم تو صرف آپ کا شکر ادا کرنے آئے ہیں۔ لوائے شکر کرکے چلے جائیں گے۔

فائدہ :۔ یہ تینوں امور مذکورہ بالا شکر کے اصول ہیں کہ ان سے سب حقیقت شکر محدود ہو جاتی ہے۔

فائدہ :۔ بعض لوگوں نے جو شکر کی یہ تعریف کی ہے کہ شکر اس کا نام ہے کہ منعم کی نعمت کا عموع کے طور پر اقرار کرے اس تعریف میں قول ربانی اور بعض احوال قلب کا لحاظ ہے اور جس نے یہ کہا ہے کہ شکر یہ ہے کہ محسن کا احسان ذکر کرکے اس کی ثنا کرے اس میں صرف عمل ربانی ہی ملحوظ ہے اور جس نے یہ کہا ہے کہ شکر یہ ہے کہ بساط مشہود پر معتکف ہو اور حرمت منعم کی ہمیشہ یاد رکھے۔ یہ تعریف اکثر باتوں کو شامل ہے۔ اس میں سے صرف زبان کا عمل ہے۔

فائدہ :۔ حمدون قصار (دھوبی) کا قول مبارک یہ ہے کہ شکر نعمت اسے کہتے ہیں کہ انسان اپنے نفس کو شکر کرنے میں طفیلی جانے اس میں صرف یہ بات پائی جاتی ہے کہ معانی شکر میں معرفت بھی داخل ہے۔ حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شاکر اپنے آپ کو نعمت کا قائل تصور نہ کرے اس میں صرف ایک خاص حال دل کا پایا جاتا ہے۔ ان سب لوگوں کے اقوال سے ان کے احوال معلوم ہوتے ہیں اور چونکہ حالات ہر ایک کے مختلف تھے اسی لیے اقوال بھی مختلف ہیں بلکہ ایک ہی شخص کا قول دو حالتوں میں دو طرح کا ہوگا۔ اس لیے کہ ان لوگوں کا دستور تھا کہ جو حالت اوپر غالب ہوتی یا تو اس کے مطابق ارشاد کرتے تاکہ اپنی کار آمد بات میں مصروف رہیں اور کسی بیکار بات میں مشغول نہ ہوں یا ایسا کلام فرمائیں جو سائل کے حال کے لائق ہو تو جس قدر کی حاجت دیکھتے اس قدر کہتے ہیں غیر ضروری بات نہیں کہتے۔

ازالہ وہم :۔ حضرت امام غزالی قدس سرہ اسلاف کے مختلف احوال لکھ کر ایک سوال کا جواب دیتے ہیں۔ ناظرین کو وہم نہ ہو کہ ہم یہ باتیں ان پر طعن کی وجہ سے لکھتے ہیں یا یہ کہ شکر میں جو تحقیق ہم نے لکھی ہے اس میں ان کو انکار تھا بلکہ اس کا انکار تو کوئی عاقل بھی نہ کرے گا ہاں بلکہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ لغت کی وجہ سے کوئی نزاع کرے کہ لفظ شکر اصل زبان میں ان تمام امور کو حاوی ہے یا نہیں یا بعض معانی ان میں سے مقصود بالذات ہیں اور باقی اس کے لوازم اور توابع میں سے ہیں۔ چونکہ تحقیق لغت کا کام طریق آخرت میں کچھ نہیں اس لیے بیان لغت کی

ضرورت نہیں اور نہ ہمیں اس سے کوئی مطلب ہے۔

ذات باری تعالیٰ کے متعلق شکر کا معنی:- شاید کسی کو یہ اعتراض ہو کہ شکر ایسی جگہ متصور ہو سکتا ہے۔ جہاں منعم ہو اور اس کو شکر سے کچھ فائدہ ہو مثلاً بادشاہوں کا شکر ہم کرتے ہیں تو کئی طرح سے ہو سکتا ہے اور ہر طرح میں ان کا کچھ نہ کچھ مطلب ہے۔ (1) تعریف کرنے سے شکر ہوتا ہے تو اس میں بادشاہوں کا یہ فائدہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں ان کا مقام زیادہ ہو جاتا ہے اور مخلوق میں ان کا کرم مشہور ہوتا ہے۔ اس شہرت میں ان کا شہرہ اور جاہ بڑھ جاتا ہے۔ (2) بجا آوری خدمت سے شکر کرتے ہیں تو اس میں ان کی بعض اغراض پر اعانت ہو جاتی ہے۔ (3) نوکروں کی صورت سے ان کے سامنے کھڑا ہونے سے شکر کرتے ہیں تو اس سے ان کے گروپ کی کثرت ہوتی ہے اور جاہ بھی بڑھتا ہے۔ غرضیکہ شکر کے سبب کوئی نہ کوئی بات اسی قسم کی منعم کے لیے ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں اس امر کا ہونا دو وجہ سے محال ہے۔ (1) اللہ تعالیٰ سب اعراض و مطالب سے پاک ہے۔ حاجت خدمت اور اعانت اور زیادتی جاہ و حشمت اور کثرت نوکر چاکر کی نہیں اس کے سامنے رکوع سجدہ کرتے رہیں تو اس صورت میں ہمارا شکر کرنا اللہ کے واسطے ایسے ہے کہ اسے اس سے کوئی فائدہ نہیں جیسا کسی بادشاہ کے شکر کرنے کے لیے ہم اپنے گھروں میں آکر سو رہیں اور رکوع اور سجدہ کریں کیونکہ یہ اشیاء ایسی ہیں جن سے اس بادشاہ کو کچھ فائدہ ہی نہیں اس لیے کہ اسے علم غیب نہیں کہ ہمارا حال جان لے۔ اللہ تعالیٰ کو بندے کے کسی فعل کی ضرورت نہیں اس لیے شکر اس کے لیے کہ نہ ہو دوسری وجہ یہ کہ جتنے افعال ہم اپنے اختیار سے کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہیں کیونکہ ہمارے اعضاء اور قدرت اور ارادہ و خواہشات و دیگر اسباب ہماری حرکت کے ہیں اور خود حرکت کے سبب اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ اور اس کی نعمت ہیں۔ اس پر اس کی نعمت کا شکر اس کی نعمت سے کیسے ہو سکتا ہے۔ فرض کرو کہ کسی بادشاہ نے ہمیں گھوڑا دیا اور ہم نے ایک دوسری سواری لے کر سواری کی یا خود بادشاہ نے دوسرا گھوڑا بھی ہمیں عطا کیا تو ظاہر ہے کہ دوسرا گھوڑا پہلی عطا کا شکریہ نہ ہوگا بلکہ ہمیں اول و دوم دونوں عطاؤں کے شکریہ کی ضرورت رہے گی۔ پھر اس نعمت ثانی کے لیے اور شکریہ اگر ہوگا تو وہ بھی نعمت ہی ہوگی۔ اس طرح سلسلہ جاری رہے گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں ان دونوں وجہ مذکورہ سے شکر محال ہے۔ ان دونوں باتوں سے کوئی شک نہیں کیونکہ شرح میں ان دونوں کا ثبوت پایا جاتا ہے۔ پھر کوئی ایسی سبیل چاہئے جس میں یہ خرابی بھی لازم نہ آئے۔ ادائے شکر بھی ہو اس شے کے جواب میں ہم کہتے ہیں۔

جواب:- حضرت داؤد اور حضرت موسیٰ علیہم السلام کی طرف سے بھی یہ شبہ ہوا تھا کہ انہوں نے اللہ عزوجل کو عرض کیا تھا کہ الٰہی ہم تیری نعمت کا شکر کس طرح کریں کیونکہ جب شکر کریں گے تو تیری نعمتوں میں سے کسی نعمت سے ہی کریں گے۔ یعنی ہمارا شکر کرنا تیری اور نعمت ہوگی جس پر شکر واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ جب تم نے یہ جان لیا تو گویا تم میرا شکر کر چکے۔

فائدہ :- ایک روایت میں ہے کہ جب تم کو معلوم ہوگیا کہ نعمت میری طرف سے ہے تو میں تم سے شکر کرنے سے
خوش ہوں۔

سوال :- اس سے ہم کو حضرات انبیاء علیہم السلام کا سوال تو سمجھ گئے مگر مضمون وحی کے سمجھنے سے قاصر ہیں یعنی
یہ تو ہم سمجھ گئے کہ اللہ تعالیٰ کا کامل شکر کرنا محال ہے اور یہ نہیں سمجھے کہ اس محال ہونے کو جان لینا شکر کیسے ہوگا
کیونکہ جان لینا بھی ایک نعمت ہے۔ پھر وہ کیسے شکر ہو جائے گا اور نہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جو شکر نہ کرے وہ
شاکر کہلائے یا جو کوئی بادشاہ وقت سے دوسری نعمت قبول کرے وہ نعمت اول کا شکر ہو۔ یہ بات سمجھ میں نہیں
اگر اس میں کوئی راز ہے تو اس کو کسی مثال سے سمجھنا چاہئے۔

جواب :- اس راز کے بیان کرنے میں بات عارف تک جا پہنچی اور وہ علوم معاملات سے بڑھ کر ہیں ان کا بیان ان
علوم کے مناسب نہیں تاہم اشارہ کر کے ہم کچھ مختصراً بیان کیے دیتے ہیں وہ یہ کہ اسباب میں دو اعتبار ہیں۔ صرف
توحید وحدت وجود کا ہے جس سے یقینی معلوم ہوتا ہے کہ شاکر اور مشکور اور محب اور محبوب ایک شے ہے اور یہ نظر
ایسے لوگوں کی ہے جو جانتے ہیں کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی موجود نہیں کل شیئی ہالک الا وجھہ ان کے
دل میں تمنی ان کو یقین ہے وہ اس بات کو ہر حال اور ہر زمانہ میں ازلاً اور ابداً جانتے ہیں اور درحقیقت ہونا بھی
یہی چاہئے اس لیے کہ غیر وہ ہو سکتا ہے جسے بذات خود قیام نہ ہو وہ بذات خود موجود بھی نہ ہوگا اور چونکہ اس کا قیام
غیر سے ہے تو اس کا وجود بھی غیر سے ہوگا۔ یہاں تک اگر صرف اسی کی ذات کا لحاظ کریں اور غیر کا خیال نہ کریں تو
اس کا وجود یقیناً نہ ہوگا کیونکہ موجود تو وہی ہے جسے اپنی ذات سے قیام ہو اور قائم بالذات اسے کہتے ہیں کہ اگر اس
کے غیر کو معدوم فرض کیا جائے تو اس کے وجود میں کسی طرح کا خلل نہ آئے وہ بدستور قائم رہے۔ پھر اگر اس طرح
کا موجود قائم بالذات اپنے وجود اور اپنے غیر کے وجود کو قائم رکھتا ہے تو اس کو قیوم کہتے ہیں اور قیوم سوائے ذات
حق کے اور کوئی نہیں اور نہ ہو سکتا ہے۔

فائدہ :- اس سے معلوم ہوا کہ سوائے حی قیوم کے اور کوئی موجود حقیقتاً نہیں اور وہ ذات واحدہ لاشریک ہے۔
جب اس اعتبار سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ سب کا مصدر اور مرجع وہی ذات حق واحد ہے اس لیے وہی شاکر
ہے اور وہی مشکور اور وہی محب ہے اور وہی محبوب ہے۔

حکایت :- جب حبیب ابن حبیب (رحمتہ اللہ علیہ) نے انا وجدنا العبد انہ پڑھا تو فرمایا کہ عجیب بات ہے
صابراً نعم (ص 44) خود صبر دیا اور پھر خود تعریف کی اس میں سے اشارہ ہے کہ جب اپنی دی ہوئی چیز پر تعریف ان
کی تو گویا اپنی ذات کی خود تعریف کی اس لیے جس نے تعریف کی اور جس کی تعریف کی وہ ایک ہی ہوئے۔

حکایت :- شیخ ابو سعید میمنی نے جب یہ آیت سنی یحبھم و یحبونہ تو فرمایا کہ بے شک وہ ان کو چاہتا ہے لیکن وہ

چاہنے کیسے حق چاہتا ہے کیونکہ وہ اپنے ذات کو چاہتا ہے۔

فائدہ:۔ اس سے واقعی وہ معلوم ہوا کہ وہی محب ہے۔ وہی محبوب ہے اور یہ مقام نہایت اونچا ہے جب تک اس کی کوئی مثال عام فہم نہ کہی جائے اس وقت تک سمجھ نہیں آئے گا۔

1۔ جو وہی نظریہ وحدۃ الوجود ہے جو صدیوں پہلے امام غزالی رضی اللہ عنہ بیان فرما رہے ہیں۔ سیدنا محی الدین شیخ اکبر رضی اللہ عنہ تو اس نظریہ کے ترجمان ہیں۔ (اویسی غفرلہ)

2۔ الجلی البصری نزیل 12 شرح احیاء العلوم (اویسی غفرلہ)

مثال:۔ اسے یوں سمجھنا چاہئے کہ مصنف کو جب اپنی تصنیف محبوب ہے تو واقع میں اپنا نفس محبوب ہے اور صانع جب اپنی صنعت سے محبوب کرتا ہے تو گویا وہ خود سے محبت رکھتا ہے اور والد جب اپنے بیٹے سے اس خیال سے محبت کرتا ہے کہ یہ اس کا لڑکا ہے تو واقع میں اپنی ذات سے محبت کرتا ہے۔ اس سے سوچو کہ جو چیزیں اللہ تعالیٰ کے سوا موجود ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ صنعت سے ہیں۔ ان میں سے اگر کسی کو اللہ تعالیٰ محبوب جانے تو یہ محبت اپنی ذات پاک سے ہوگی اور جب اس کو اپنی ذات مقدس کی محبت ہوئی تو ظاہر ہے کہ یہ محبت حق پر ہے۔

فائدہ:۔ یہ حالات چشم توحید سے دیکھنے کی صورت میں ہیں اور صوفیہ کرام اس حال کو فنائے نفس کہتے ہیں یعنی سالک اپنے نفس اور غیر اللہ سے فنا ہو کر سوا اللہ تعالیٰ کے اور کچھ نہیں دیکھتا اور جس شخص کی فہم میں یہ بات نہیں آتی وہ اس حالت کا انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ بھلا جس کا سایہ چار ہاتھ لمبا ہو اور دن بھر میں سیرون روٹیاں کھا جاتا ہو وہ فنا کیسے ہو جاتا ہے۔ جب وہ باتیں کرتا ہے تو اس سے لوگ ہنستے ہیں حالانکہ عوام ان کی تقریر کے معنی نہیں سمجھتے۔

اہل معرفت کو پند غزالی قدس سرہ:۔ اصلی مدعیان وحدۃ الوجود کو امام غزالی قدس سرہ نصیحت خود فرماتے ہیں کہ عارفوں کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ جاہلوں کے لیے باعث خندہ نہ بنیں اور اس کی طرف اشارہ ہے اس آیت میں

ان الذین اجرموا کانوا من الذین امنوا یضحکون واذا امروابھم یتغامزون واذا انقلبو الٰی اھلھم انقلبوا فکھین واذا راوھم قالو ان ھولاء لضآلون وما ارسلو علھیم حافظین (المطففین 29 تا 33) ترجمہ کنزالایمان: بے شک مجرم لوگ ایمان والوں سے ہنسا کرتے تھے اور جب وہ ان پر گزرتے تو یہ آپس میں ان پر آنکھوں سے اشارے کرتے اور جب اپنے گھر پلٹتے۔

1۔ یہی توحید اور وحدۃ الوجود ہے کہ فنائے نفس کے بعد اس مسئلہ میں منہ کھولنا جائز ہے۔ ہمارے دور میں بعض جہلاء نفس پرور قال کے بندے ہو کر توحید وحدۃ الوجود کے مدعی ہیں وہ غلط ہیں۔ (اویسی غفرلہ)

2۔ جیسے وہابی اور جہلاء سنی بریلوی اور حمقاء دیوبندی 12 (اویسی غفرلہ)

فائدہ: کہ عارفوں کا پس ہنسنا کل قیامت میں ان کے خندہ سے بڑھ کر ہے۔ فالیوم الذین امنو من الکفار

يضحكون على الارائك ينظرون

حکایت:۔ حضرت نوح علیہ السلام جب کشتی بناتے تھے تو ان کی قوم ان سے مذاق کرتی تھی آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اگر تم مذاق کرتے ہو تو ہم بھی قیامت میں تمہارے ساتھ مذاق کریں گے۔

سالکین کی قسمیں:۔ (۱) وجود کی طرف نظر مذکورہ بالا سے نہ دیکھا جائے یعنی دیکھنے والے کو مقام فنائے نفس حاصل نہ ہوا ہو (تو پھر نہ دیکھئے) جو لوگ اس رتبے تک نہیں پہنچے ان کی دو قسمیں ہیں۔ اپنے وجود کے سوا اور کسی کو موجود ہی نہیں مانتے اور اس بات کو برا جانتے ہیں کہ ان کا کوئی معبود ہو ایسے لوگ بالکل الٹے دماغ والے ہیں۔ دونوں آنکھوں کے اندھے ہیں۔ الٹے دماغ والے اس لیے کہ جو چیز کہ تحقیقاً ثابت تھی یعنی ذات قیوم کے قائم بالذات اور ہر ایک کو رکھنے والی ہے اور جتنی چیزیں موجود ہیں وہ سب اسی کے باعث موجود ہیں اس کو نہ مانا اور پھر ان نامعقولوں نے صرف اسی پر اکتفا کیا بلکہ اس کے بالمقابل میں اپنے نفسوں کو قائم بالذات ٹھہرالیا اور اگر سوچتے تو معلوم ہوتا کہ ہمیں تو قیام نہیں ہے اور نہ اپنا وجود اور وجود اس لیے کہ دوسرے نے ان کو ایجاد فرمایا ہے۔ اپنے آپ سے موجود نہیں ہوا اور ظاہر ہے کہ موجود اور ایجاد چیز میں بہت بڑا فرق ہے بظاہر موجود صرف چیزیں ہیں۔ (۱) موجود حقیقت کی ایجاد شدہ اشیاء ان میں حقیقی موجود حق تعالیٰ اور ایجاد کی ہوئی چیزیں خود باطل اور موجود حقیقی قائم اور قیوم ہے اور ایجاد کی چیز مالک اور فانی یہاں تک کہ جب کوئی بھی نہ رہے گا تب بھی ذات پاک ہی رہے گی دوسری قسم کے لوگ اندھے تو نہیں مگر یک چشم ہیں یعنی ایک آنکھ سے وجود موجود حقیقی کا دیکھتے ہیں اور اس کے منکر نہیں مگر دوسری آنکھ اگر بالکل ختم ہے۔ اسے نظر ہی نہیں آتا۔ موجود برحق کے اور سب فانی ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے کو بھی موجود ثابت کرتے ہیں۔ یہ لوگ مشرک ہیں جیسے کہ پہلے لوگ منکر تھے اور اگر دوسری آنکھ میں کچھ بینائی ہوئی تو چندھے ہوئے تو اس بینائی کے باعث دونوں بینائی کی وجہ سے دو موجود حق تعالیٰ اور مخلوق میں فرق ثابت کرتے ہیں۔ ایک کو رب تعالیٰ اور دوسرے کو بندہ کہتے ہیں اور اس قدر تفاوت ثابت کرنے اور دوسرے موجود کو ناقص سمجھنے سے حد توحید میں داخل ہو جاتے ہیں گو پورے موحد نہیں ہوتے۔ پھر اگر آنکھ میں سرمہ لگایا جائے اور چندھاپن کم ہو تو جتنا نور آنکھ کا بڑھتا جائے گا اتنا ہی وجود ما سوا اللہ کم ہوتا جائے گا اور سلوک راہ معرفت میں یہی حال اگر رہا تو کم ہوتے ہوتے دوسرا وجود محو ہو جائے گا اور اللہ کے سوا کچھ محسوس نہ ہوگا اس وقت پوری توحید کا مرتبہ حاصل ہوگا اور جہاں سے کہ دوسرے وجود کو ناقص سمجھا تھا وہ ابتدائے توحید تھی اور ان دونوں مرتبوں کے درمیان میں بے انتہا درجات ہیں اسی لیے درجات موحدین کے مختلف ہوتے ہیں۔

امثال: جس سرمہ سے نور بصر زیادہ ہوتا ہے وہ اللہ کی کتابیں ہیں جو رسولوں پر نازل ہوئیں ہیں اور پیغمبر سرمہ لگانے والے ہیں کہ سب کو توحید کی طرف بلاتے ہیں جس کا مضمون لا الہ الا اللہ میں موجود ہے یعنی اس کلمہ طیب کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کچھ نہ دیکھے۔

فائدہ :- جو لوگ کمال توحید پر پہنچے ہوں وہ بھی کم ہیں اور منکر اور مشرک بھی کم اور یہ دونوں توحید کی طرف مقابلہ میں کے پرلے سرے پر ہیں کیونکہ بت پرستوں کا قول تو یہ ہے کہ مانعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفی ترجمہ : ہم ان کو اس لئے پوجتے ہیں کہ ہم کو اللہ کے قریب کر دیں۔ اوائل توحید میں کچھ ضعیف طریقہ پر داخل ہیں اور وہ دونوں فرقے تو کسی طرح بھی داخل توحید نہیں ہو سکتے ہاں متوسط درجے کے لوگ بہت ہیں جو نہ موحد کامل ہیں نہ مشرک و منکر پھر ان میں بعض ایسے ہیں کہ کسی حال میں ان کی بصیرت کھل جاتی ہے تو بجلی کی طرح حقائق توحید ان پر ظاہر ہوتے ہیں مگر ان کو قیام نہیں ہوتا اور بعض ایسے ہیں کہ ان پر یہ حقائق ظاہر ہو کر کچھ ٹھہرتے ہیں مگر ہمیشہ قائم نہیں رہتے اور اس کا دوام بہت کم ہے۔

قرب مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم :-- جب اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو قرب کے لیے حکم فرمایا کہ واسجدواقتراب تو آپ نے سجدے میں یہ دعا پڑھی اعوذ بعفوک من عقابک واعوذ برضاک من سخطک واعوذبک منک لا احصیٰ ثناء علیک کما اثنیت علی انسک (فائدہ) اس دعا کا پہلا جملہ اعوذ بعفوک من عقابک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صرف اللہ تعالیٰ کے فعل کو مشاہدہ فرما کر عرض کیا گویا کہ اس وقت بجز اللہ تعالیٰ اور اس کے افعال کے اور کچھ ملاحظہ نہیں فرمایا تھا۔ اس لئے اس کے فعل کی مدد سے اس کے فعل سے پناہ مانگی پھر اس درجے سے ترقی کر کے مشاہدۂ افعال سے فنا ہو کر ان افعال کے مصادر کا مشاہدہ فرمایا یعنی صفات کو دیکھا تو عرض کیا کہ اعوذ برضاک من سخطک

فائدہ :- رضا اور سخط دونوں صفات ہیں پھر اس میں بھی توحید میں فرق ملاحظہ فرمایا تو اور نزدیک ہوئے اور مشاہدۂ صفات سے مشاہدۂ ذات پر ترقی فرما کر فرمایا اعوذبک منک اس میں ذات الٰہی عزوجل کی طرف ترقی ہے کسی فعل و صفت کا لحاظ نہیں مگر چونکہ اس میں بھی توحید میں خلل انداز سمجھا اور نزدیک ہوئے اور عرض لا احصیٰ ثناء علیک انت کما اثنیت علی الفسک

فائدہ :- لا احصی سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ اپنے نفس سے فنا ہو کر اس کے مشاہدے میں آگے بڑھے اور انت کما اثننت علی نفسک سے معلوم ہوتا ہے کہ ثنا کرنے والا اور جس کی ثنا کی جائے وہ ذات واحد ہے۔ مدح اور ممدوح ایک ہی ہیں اور تمام ماسوائے اسی کا جلوہ ہے اور اس کی طرف احق رکھتے ہیں اور سوا اس کی ذات کے سب فانی ہیں۔

فائدہ :- وہ مقام جو موحدین کے لیے حاصل ہوتا ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شروع سے ہی حاصل ہوا ابتدائے زندگی میں بجز اللہ تعالیٰ اور اس کے افعال کے آپ نے کچھ نہ دیکھا اور آپ کا دستور مبارک تھا کہ جب ایک مرتبے سے دوسرے پر ترقی فرماتے تھے تو رتبہ اول کو بہ نسبت دوم کے بعد اللہ تعالیٰ سے سمجھتے تھے اس لیے کہ

پہلے رتبے سے استغفار فرماتے اور اس کو اپنے سلوک اور مقام کو اپنے لیے تصور فرماتے اور اس کی طرف حدیث میں اشارہ ہے انه لیغان علی قلبی حتی استغفر اللہ فی الیوم واللیلنه سبعین مرة ترجمہ: ستر دفعہ کی تخصیص اس لیے ہے کہ روزانہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ستر مقام پر ترقی فرماتے تھے جو ایک دوسرے سے اوپر تھے اور ان میں جو پہلا مقام تھا وہ اگرچہ خلق عام مخلوق کی طاقت سے باہر تھا مگر چونکہ پچھلے مدارج کی بہ نسبت اس میں کمی تھی اسی لیے آپ استغفار کیا کرتے تھے۔

حدیث:۔ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے طفیل اگلے پچھلے گناہ معاف نہیں فرمائے کہ آپ سجدہ میں بہت زیادہ روتے ہیں اور اتنی سخت محنت فرماتے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ کیا میں بندہ شاکر نہ ہوؤں اس کے یہ معنی ہیں کہ کیا میں طالب زیادہ مقامات کا نہ ہوں کیونکہ شکر سے نعمت زائد ہوتی ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لئن شکر تم لا زید نکم (ابراہیم 7) چونکہ ہم مکاشفہ دریائے ناپید میں کنار جا گھسے ہیں اس لیے وہاں سے باگ روک کر جو علوم معاملہ کی اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ وہ یہ کہ انبیاء علیہم السلام اس لیے بھیجے گئے ہیں کہ مخلوق کو توحید کامل کی طرف جس کا بیان اوپر گزرا بلائیں مگر لوگوں کے اس تک پہنچنے میں بہت سی مسافت اور سخت گھاٹیاں ہیں اور شریعت تمام و کمال طریق ہے اس مسافت کے چلنے اور گھاٹیوں کے طے کرنے کا طریقہ بتلاتی ہے تو یہ دیگر مشاہدہ اور مقام کی نظر ہے اس مشاہدے کے اعتبار سے شکر اور شاکر اور مشکور علیحدہ علیحدہ معلوم ہوتے ہیں اور یہ مثال کے بغیر سمجھ نہ آئے گی۔

مثال:۔ فرض کرو کہ کسی بادشاہ نے اپنے کسی غلام کے پاس (جو اس سے دور تھا) سواری اور لباس اور نقد زاد راہ کے لیے اسے بھیجا کہ قطع مسافت کر کے درگاہ سلطانی کے قریب ہو جائے اور اس قرب کی دو صورت ہیں۔

(1) بادشاہ کو یہ منظور ہے کہ اگر دربار شاہی میں آجائے گا تو کچھ کام کرے گا اور بعض خدمات سے بے فکری ہو جائے گی۔ (2) غلام کے قرب سے بادشاہ کو کوئی فائدہ نہیں نہ اس غلام کی ضرورت دربار میں ہے نہ اس کے آنے سے سلطنت بڑھے کیونکہ اس سے بھی ایسی خدمت کی ضرورت ہو سکتی ہے جس سے بادشاہ کو بے فکری ہو جائے اور نہ ہی اس کے نہ ہونے سے سلطنت کو کوئی نقصان ہو اسے سواری اور زاد راہ اس لیے عنایت ہوا کہ وہ قریب ہو کر سعادت حضوری سے مشرف ہو اور خود غلام کا فائدہ ہو یہ نہیں کہ بادشاہ کو کچھ نفع ہو اس طرح بندوں کو اللہ تعالیٰ کے لیے یہی تصور لینا چاہیے۔ صورت اول اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی شے کی ضرورت نہیں ہاں دوسری صورت مناسب ہے۔ پھر یہ جاننا چاہیے کہ پہلی صورت اول میں غلام صرف سوار ہو کر بادشاہ کے پاس چلے آنے سے شاکر نہ ہو گا جب کہ وہ خدمت جو بادشاہ کو اس سے لینی ہے بجانہ لائے اور دوسری صورت میں تو بادشاہ کو خدمت کی مطلقاً" ضرورت ہی نہیں مگر بھی شاکر و ناشکر ہو سکتا ہے شاکر تو اس طرح ہو گا کہ جو

چیز بادشاہ نے دی ہے اسے ایسے مصارف میں لگائے جو اسے محبوب ہو اپنی من بھاتی چیزوں پر خرچ نہ کرے۔ ناشاکر اس طرح ہے کہ جو مالک کو مد نظر تھا اس میں استعمال نہ کیا یعنی یا تو اس کی عطا کو ضائع کر دیا یا ایسے مصارف میں لگایا جس میں مالک کی مرضی نہ تھی۔ اگر بادشاہی خلعت پہنا اور گھوڑے پر سوار ہوا اور زاد راہ کو ضرورت پر خرچ کیا تو آقا کا شاکر ہو گا کیونکہ اس کی نعمت کو اس کی خواہش میں صرف کیا۔ یعنی جس طرح کہ غلام کا نفع آقا کو مطلوب تھا اسی طرح عطا کا استعمال کیا اور اگر غلام سواری پر سوار ہو کر الٹا بادشاہ کو پیٹھ دکھا کر بہت زیادہ دور چلا جائے تو ناشکرا ہو گا اس لیے کہ اس نے انعام کو ایسے امور میں خرچ کیا جو آقا کو اس کے حق میں برے محسوس ہوتے تھے۔

فائدہ:۔ اور اگر بیٹھ رہا اور سواری کام نہ آئی نہ بادشاہ کے قرب کی تلاش کی تو بھی ناشکر ہو گا اس لیے کہ آقا کے انعام کو ضائع کیا لیکن پہلے کی بہ نسبت یہ کم ناشکر ہے اس طرح اللہ جل جلالہ نے مخلوق کو پیدا کیا اور بندے ابتدائے پیدائش میں شہوات کے استعمال کے محتاج ہیں اور شہوات کے سبب دربار اعلیٰ سے بعید ہو جاتے ہیں او، ان کی سعادت اس میں ہے کہ اللہ عزوجل کے قریب ہوں تو ان کے لیے ایسی نعمتیں بھی مہیا فرمائیں کہ درجہ قرب کے لیے ان کے استعمال پر قادر ہوں۔

فائدہ:۔ اور اسی قرب بعد کو اللہ تعالیٰ اس طرح بیان فرمایا ہے لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ثم رددناہ اسفل سافلین الا الذین آمنو وعملوا الصالحات فلھم اجر غیر ممنون (التین 4 تا 6) ترجمہ کنزالایمان: بے شک ہم نے آدمی کو اچھی صورت پر بنایا پھر اسے ہر نیچی سے نیچی حالت کی طرف پھیر دیا مگر جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے کہ انہیں بے حد ثواب ہے۔

فائدہ:۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ایسے اسباب ہیں کہ جن سے بندہ اسفل السافلین سے ترقی کر کے درجہ سعادت قرب الٰہی حاصل کر کے رہے اور اس سے نفع بندے ہی کو ہے اللہ تعالیٰ کو اس سے کوئی فائدہ نہیں۔ اب بندے کو اختیار ہے اگر اس کی نعمتوں کا استعمال طاعت میں کرے تو شاکر ہو گا کہ مولیٰ کی مرضی کے موافق کام کیا اور اگر اس کی نافرمانی میں استعمال کرے گا تو ناشاکر ہو گا کہ جو بات منظور نہ تھی وہ اختیار کی ولا یرضی العبادہ الکفرین (ترجمہ: اور پسند نہیں فرماتا اپنے بندوں کی منکری۔ خود فرماتا ہے۔ اگر نعمتوں کو ضائع کر دے نہ اطاعت میں صرف نہ معصیت میں تو یہ بھی کفران نعمت ہے وہ اس لیے ہے کہ بندہ اس کے سبب سعادت اخروی تک پہنچ کر قرب الٰہی حاصل کرے۔

فائدہ:۔ معلوم ہوا کہ بندہ اطاعت کرنے والا اپنی اطاعت کے بمطابق ان نعمتوں کا شکر کرتا ہے جن کو طاعت میں استعمال کیا ہے جو ست ہے کہ سرے سے استعمال نہ کرتا بھی ناشکر ہے۔

فائدہ:۔ دوسرے اعتراض کا جواب بھی ہو گیا اس لیے کہ شکر سے تو ہماری مراد وہی ہے کہ نعمت الٰہی کو جس طرح

اسے مطلوب ہو اس طرح صرف کرنا پس جب نعمت الٰہی اس کے فعل سے ایسی جگہ صرف ہوئی ہو اسے محبوب تھی تو مراد حاصل ہوئی اور آدمی کا فعل اللہ تعالیٰ کی عطا ہے مگر چونکہ محل کا محل انسان ہے اسی لیے انسان کی تعریف کی جاتی ہے اور تعریف کا ہونا یہ دوسری نعمت ہے کیونکہ وہی دیتا ہے اور وہی وصف کرتا ہے اور اس کے دو کاموں میں سے ایک کام اس کا سبب ہوا کہ دوسرا فعل وجہ محبت میں صرف کیا جائے تو ہر حال میں اس کو شکر کہنا چاہیے اور انسان کو جو شاکر کہتے ہیں تو اس لیے کہ وہ محل شکر ہے نہ اس وجہ سے کہ وہ موجد شکر ہے مثلاً ہم کہا کرتے ہیں کہ انسان عارف یا عالم ہے اس کا یہ معنی نہیں کہ وہ عرفان و علم کا موجد ہے بلکہ یہ مقصود ہے کہ عرفان اور علم کا محل ہے حالانکہ ان کا وجود انسان میں قدرت ازلیہ سے ہے وہ خود ایجاد نہیں کر سکتا پھر اس کو شاکر کہنے کا یہی مطلب ہے کہ وہ بھی کوئی چیز ہے اور شے اس لیے ہے کہ خالق اشیاء نے اسے شی بنا دیا اور اگر خود اپنے جی میں گمان کرے کہ میں اپنی ذات کی وجہ سے شے ہوا ہوں تو محض ناچیز ہے لیکن اگر اس ذات کے اعتبار سے دیکھیں جس نے کہ اشیاء کو شے ہونا عنایت فرمایا ہے تب تو انسان شے ہے اس لیے کہ اس نے شے بنایا ہے اور اس کے بنانے کا لحاظ درمیان میں نہ ہو تو واقع میں لاشی ہے۔

حدیث:۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جب صحابہ کرام علیہم الرضوان نے پوچھا کہ جب تمام چیزوں سے ہی فراغت ہو چکی ہے تو عمل سے کیا فائدہ فرمایا کہ اعملوا فکل میسر لما خلق لہ ترجمہ: عمل کرو اس لئے کہ ہر شخص کو وہی کام میسر آئے گا جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ (بخاری و مسلم)

فائدہ:۔ اس میں بھی مطلب مذکورہ بالا کی طرف اشارہ ظاہر ہوا کہ خلق اللہ تعالیٰ کی قدرت کے جاری ہونے کی جگہ اور اس کے افعال کا محل ہے اگرچہ مخلوق خود بھی اس کے افعال ہی میں سے ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا افعال بعض کا محل ہوتے ہیں مثلاً حدیث شریف میں لفظ اعملوا اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان سے نکلا مگر افعال الٰہی میں سے وہ بھی ایک فعل ہے اور اس کا سبب ہے کہ مخلوق کو معلوم ہو جائے کہ عمل کرنا مفید ہے۔ اب لوگوں کا جاننا بھی ایک اللہ کا فعل ہے اور وہ بھی ایک دوسری بات کا سبب ہے۔ یعنی علم کے سبب سے حرکت و طاعت کا ارادہ پیدا ہوتا ہے۔ پھر ارادہ شوق بھی فضل الٰہی ہے اور حرکت اعضاء کا سبب ہے اور حرکت اعضاء بھی اللہ عزوجل کے افعال میں سے ہے۔ اس طرح تمام باتیں اس کے افعال میں سے ہیں مگر ایک دوسرے کا سبب ہوتی ہیں یعنی فعل اول دوسرے کی شرط ہوتا ہے جیسے جسم کا پیدا ہونا غرض کے لیے شرط ہے یعنی غرض جسم ہوتا اور زندگی کا پیدا ہونا علم کی پیدائش کے لیے شرط ہے اور علم کا پیدا ہونا ارادے کی پیدائش کے لیے شرط ہے۔ یہ تمام افعال اللہ تعالیٰ کے ہیں اور ایک دوسرے کے لیے اسی اعتبار سے سبب ہیں ان کے سبب ہونے سے یہ مقصود نہیں کہ وہ ایک دوسرے کے موجد ہیں بلکہ یہ مراد ہے کہ غیر کے حاصل ہونے کے لیے شرط ہیں کہ اول یہ ہو چکے تو دوسرا امر ہو جیسے زندگی اس وقت ہو جب پہلے جوہر پیدا ہو اور علم کے قبول کی استعداد اس وقت ہو جب پہلے حیات ہو اور ارادہ اس وقت

ہو جس وقت علم ہو اس طرح اگر کوئی تحقیق کرے گا تو جو مرتبہ توحید ہم پہلے لکھ آئے ہیں تک ترقی کر جائے گا۔

سوال :- جب ہمارے اختیار میں کچھ نہیں سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کو اختیار ہے تو ہمیں کیوں حکم ہوا ہے کہ عمل کرو ورنہ نافرمانی پر عتاب و عقاب ہوگا۔ عتاب و عقاب یعنی سزا کیوں۔

جواب :- یہ حکم الہی ہم میں ایک اعتقاد کی وجہ سے ہے اور اعتقاد ایک سبب ہے خوف کے برانگیختہ کا اور جوش خوف سبب ہے ترک شہوات اور دنیا سے احتراز کا سے اللہ تعالیٰ سبب الاسباب کا قرب نصیب ہوتا ہے یہی ترتیب اسباب اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائی ہے جو شخص کہ ازل میں سعید لکھا گیا ہے اس کے لیے یہ اسباب اسی ترتیب سے میسر ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ سلسلہ وار یہی اسباب اسے جنت میں پہنچادیتے ہیں۔ کل میسر لما خلق میں اسی طرف اشارہ ہے اور جس کے نام پر نیکی کا قلم ازل میں جاری نہیں ہوا وہ کلام خدا اور حدیث مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور نصائح علماء سے دور بھاگتا ہے وہ کوئی توجہ ہی نہیں کرتا اور نہ سننے کی وجہ سے کچھ جانتا ہے اور نہ علم کے باوجود خوف کرتا ہے جب خوف نہیں کرتا تو میل دنیا کو کیسے چھوڑے گا اور جب تک رغبت دنیا نہ چھوڑے گا اس وقت تک زمرہ شیطانوں میں رہے گا جن کی قرارگاہ دوزخ ہے۔

فائدہ :- تقریر گزشتہ کو اگر غور سے دیکھو تو عجیب بات معلوم ہوگی کہ ایک قوم جنت میں زنجیروں سے کھینچی جاتی ہے اور ایک گروہ دوزخ میں زنجیروں سے کھینچا جاتا ہے۔ یعنی جس کو جنت ملے گی وہ بھی اس کے اسباب کی زنجیروں میں پابند ہے کہ علم اور خوف اس پر مسلط ہیں اور جو دوزخی ہیں وہ بھی زنجیروں میں پابند ہے کہ اس پر غفلت اور اللہ کے عذاب سے نڈر رہنا ہے اور اسی پر مغرور رہنا مسلط ہیں۔

فائدہ :- متقی تو جنت میں بزور کھینچے جاتے ہیں اور مجرم دوزخ میں زبردستی گھسیٹے جاتے ہیں اور یہ سوائے اس ذات واحد قہار کے اور کوئی نہیں کر سکتا نہ اس کے سوا کسی کو کچھ قدرت ہے مگر غافلوں کی آنکھ پر پردہ ہے جس دن یہ پردہ ان کی آنکھ سے دور ہوگا۔ اس دن اس کیفیت کو واضح طور دیکھ لیں گے اور اس وقت سرادقات جلال سے آواز ہوگی۔ لمن الملک الیوم للہ الواحد القهار اگرچہ ملک و سلطنت ہر دن واحد قہار ہی کے لیے ہے کچھ تخصیص اس دن کی کوئی تخصیص نہیں لیکن غافلوں کو یہ آواز اسی دن سنائی دے گی پس اس روز کی تخصیص اسی بات پر مبنی ہے کہ کشف احوال ان کو ایسے وقت ہوگا اور مفید نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ جہالت اور غفلت سے بچائے کہ اصل اسباب ہلاکت کے یہی ہیں۔

چوتھا بیان: اللہ کی پسندیدہ چیزیں کون سی ہیں اور ناپسندیدہ کون سی ہیں

فعل شکر اور ناشکری چھوڑنا اللہ کی محبوب چیزوں کے پہچانے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا اس لیے کہ شکر کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو ایسی چیزوں میں استعمال کرے جو اسے محبوب ہوں اور ناشکری کا معنی یہ ہے کہ ان نعمتوں کو یا تو

بالکل استعمال ہی نہ کرے یا ایسی چیزوں میں صرف کرے جو اس کے نزدیک بری ہوں پھر اللہ تعالیٰ کی محبوب اور مکروہ چیزوں کے دریافت کے لیے دو مدرک ہیں۔ (1) سنتا اس کی دلیل آیات و احادیث ہیں (2) دل کی بصیرت یعنی چشم اعتبار سے دیکھنا اور یہ چھپنا دشوار ہے اس لیے یہ بہت کم پایا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو بھیج کر اس کے اسباب مخلوق پر طریق آسان کر دیا ہے۔

فائدہ :- (1) اس طریق کی پہچان تمام احکام کے متعلق بانعش عباد کے جانے پر موقوف ہے جو شخص احکام شرع کے افعال اپنے متعلق سے مطلع نہ ہو گا وہ شکر کے عہدے سے بری الذمہ نہ ہو گا۔ (2) چشم اعتبار سے دیکھنا اس کا معنی ہے اللہ کی مخلوق موجود ہے اس کی حکمت معلوم کرے کیونکہ دنیا میں کوئی ایسی شے نہیں جس میں کوئی حکمت نہ ہو اور اس سے کوئی مقصود نہ ہو جو کسی شے سے مقصود ہے وہی اللہ تعالیٰ کی محبوب ہے۔

حکمت کی اقسام :- حکمت کی دو قسمیں ہیں۔ ظاہر۔ پوشیدہ

(1) حکمت ظاہر جیسے جاننا کہ آفتاب کی پیدائش میں یہ حکمت ہے کہ اس سے دن اور رات ہوتے ہیں یعنی دن سے مقصود تحصیل معاشرہ اور رات سے آرام و چین کا حصول کیونکہ روشنی میں حرکت ہو سکتی اور اندھیرے میں سکون کا حصول۔ بہرحال آفتاب کی حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ ہے جو مذکور ہوئی اور اس کے سوا اس میں اور بہت باریک حکمتیں ہیں اس طرح بادل اور بارش کی حکمت کو معلوم کرتا ہے کہ ان سے زمین میں قسم و قسم کا سبزہ اگتا ہے جو حیوانوں اور انسانوں کی غذا بنتا ہے اور ظاہری حکمتیں جو مخلوق کی سمجھ میں آئیں اللہ تعالیٰ نے ماحول و بارش کی قرآن مجید میں ارشاد فرما دی ہے وہ حکمتیں ہیں کہ جن سے عقل کی فہم قاصر ہو وہ ارشاد نہیں فرمائیں۔ مثلاً فرمایا فلینظر الانسان الی طعامه انا صببنا المآء صبا ثم شققنا الارض شقا فانبتنا فیها حبا و عنبا وقضبا وزیتونا ونخلا وحدآئق غلبا وفاکهة وابا متاعا لکم ولانعامکم (عبس 24 تا 33) ترجمہ کنزالایمان : تو آدمی کو چاہیے اپنے کھانوں کو دیکھے کہ ہم نے اچھی طرح پانی ڈالا پھر زمین کو خوب چیرا تو اس میں اگایا اناج اور انگور اور چارہ اور زیتون اور کھجور اور گھنے باغیچے اور میوے اور دوب تمہارے فائدے کو اور تمہارے چوپاؤں کے اور ستاروں یعنی ثوابت اور سیاروں کی حکمت پوشیدہ ہے اسے عام لوگ نہیں جانتے اور جس قدر کہ ان کی سمجھ میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ ان سے زینت ہے تاکہ آنکھ ان کو دیکھ کر لذت پائے اور اس کی طرف اللہ تعالیٰ نے فرمایا انا زینا السمآء الدنیا بزینتن الکواکب (الصفت 6) ترجمہ کنزالایمان : بے شک ہم نے نیچے کے آسمان کو تاروں کے سنگار سے آراستہ کیا۔

خلاصہ :- خلاصہ یہ کہ اجزائے عالم آسمان ہو یا ستارے، ہوا ہو یا سمندر، پہاڑ یا کان یا کھیتی یا حیوانات یا اعضائے حیوانات ہر ایک کے ذرات میں بہت سی حکمتیں ہیں۔ ہر ذرے میں ایک سے لے کر ہزار اور دس ہزار تک حکمتیں ہیں۔

اعضائے حیوانات کی حکمتیں:- یہ معروف ہیں مثلاً آنکھ دیکھنے کے لیے، پکڑنے کے لیے ہاتھ۔ پاؤں چلنے کے لیے ہیں، سونگھنے کو نہیں اور علی ہذا القیاس لیکن اعضائے باطنی مثلاً آنتیں اور پتہ اور جگر اور گردہ اور رگیں اور پٹھے وغیرہ اور جو باتیں ان اعضاء میں ہیں مثلاً بعض اعضاء اندر سے کھوکھلے ہیں اور بعض اندر سے ایک دوسرے کو لپیٹے ہوئے ہیں بعض اندر میں جال کی طرح ہیں اور بعض کا ایک طرف الٹا ہے بعض پتلے ہیں بعض گاڑھے تو ان کی حکمت تمام لوگوں کو معلوم نہیں اور جو لوگ جانتے ہیں تو بھی انہیں اللہ کے علم سے کوئی نسبت نہیں وما اوتیتم من العلم الا قلیلاً (بنی اسرائیل 85) ترجمہ کنزالایمان: اور تمہیں علم نہ ملا مگر تھوڑا۔

فائدہ:- معلوم ہوا کہ جو شخص کسی چیز کو اس وجہ سے استعمال نہ کرے گا جس کے لیے وہ پیدا ہوئی ہے اور نہ اس طرح جو اس سے مقصود ہے تو وہ اس کی چیز میں نعمت الٰہی کی ناشکری کرے گا مثلاً کسی شخص نے دوسرے شخص کو اپنے ہاتھ سے مارا تو پہلا شخص ہاتھ کی نعمت کا ناشکرا ہوگا اس لیے کہ ہاتھ اس لیے دیئے گئے ہیں کہ مضرشے کو اپنے سے دفع کرے اور مفید چیز کو حاصل کرے۔ ہاتھ اس لیے نہیں دیئے کہ دوسرے کو ہلاک کرے اور جو شخص کسی غیر محرم کی طرف دیکھے گا وہ آنکھوں کی نعمت میں ناشکرہ ہوگا اور نعمت آفتاب کا بھی ناشکرہ ہوگا کیونکہ دیکھنا انہیں دونوں چیزوں سے ہوتا ہے اور یہ دونوں اس لیے پیدا ہوئی ہیں کہ ان سے ایسی چیزیں دیکھے جو دین و دنیا میں مفید ہیں اور جو چیزیں مضر ہیں ان سے بچے اس شخص نے ان اشیاء کو ایسی جگہ استعمال کیا جو ان سے مقصود نہ تھا تو اس لیے کہ مخلوق اور دنیا اور اس کے اسباب سے یہ مقصود ہے کہ تمام لوگ ان اسباب کو استعمال کرکے اللہ عزوجل تک پہنچیں اور دنیا میں محبت الٰہی اور دنیا کے مغالطے سے علیحدہ رہے بغیر اللہ عزوجل تک پہنچ نہیں سکتے اور انس خداوندی ذکر دائمی اور محبت الٰہی ایسی معرفت کے جو دوام فکر سے ہیں کہ بغیر حاصل نہیں ہوتی اور ذکر و فکر پر دوام بغیر بدن کی پائیداری کے ممکن نہیں اور بدن غذا کے بغیر باقی نہیں رہتا اور غذا زمین اور پانی اور ہوا کے تیار نہیں ہو سکتی اور آسمانوں اور زمین اور تمام مخلوق کے اعضائے ظاہری اور باطنی کے پیدائش کے بغیر تمام نہیں ہو سکتی۔ یہ سب چیزیں بدن کے لیے ہیں اور بدن نفس کی سواری ہے اور اللہ عزوجل کی طرف رجوع کرنے والا وہی نفس ہے جس نے موت تک عبادت اور معرفت حاصل کرکے اطمینان پایا ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وماخلقت الجن والانس الا یعبدون (الذریات 56) ترجمہ کنزالایمان: اور میں نے جن اور آدمی اتنے ہی لئے بنائے کہ میری بندگی کریں۔

فائدہ:- کسی بھی دوا کو ان اشیاء سے سوائے طاعت الٰہی کے اور کسی چیز میں استعمال کرے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا ان لوازم و اسباب میں ناشکرہ ہوگا۔

خفیہ حکمتیں اور ان کی مثال:- وہ مثال لکھتے ہیں کہ جس میں خفا نہیں تاکہ سالک اس سے دیگر باتوں پر قیاس کرکے طریق شکر اور ناشکری معلوم کرسکے ہم سب کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک روپیہ پیسہ ہے اور ان سے مقصود انتظام دنیا کا قیام مدنظر ہے دینا۔ و درہم اگرچہ دونوں پتھر ہیں کہ خود ان سے کوئی نفع نہیں کمانے

کے کام آئیں نہ پینے اور پہننے میں مگر مخلوق کو ان کی انتہائی محتاجی اس لیے ہر ایک کو کھانے اور پینے اور لباس اور دوسری حاجات میں بہت سی چیزوں کی ضرورت رہتی ہے اور کبھی ضرورت کی چیز سے خود عاجز ہوتا ہے اور کبھی تو چیز اپنے پاس رکھتا ہے۔ جیسا کسی کے پاس زعفران ہے اور اسے سواری کی ضرورت ہے اور جس کے ہاں سواری ہے شاید اس کو اس کی ضرورت تو نہ ہو لیکن زعفران کی حاجت ضرور ہو تو ان دونوں کا تبادلہ ہو سکتا ہے اور مقدار عوض میں بھی تعین ضروری ہے کیونکہ یہ تو ہوگا نہیں کہ اونٹ کا مالک مقدار زعفران کے بدلے اونٹ حوالہ کردے اور اونٹ اور زعفران میں کوئی مناسبت بھی نہیں جس سے یہ کہہ سکیں کہ اونٹ کے برابر وزن یا صورت میں زعفران دینا چاہیے ایسے ہی جو شخص کپڑے کے عوض مکان خریدنا چاہے یا گھوڑے کے عوض آٹا یا موزے کے عوض غلام لینا چاہے تو ان چیزوں میں کوئی مناسب نہیں اس لیے یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ تبادلہ کے اسباب میں مساوات کس طرح ہوگی۔ اس مشکل کو دور کرنے کے لیے متوسط چیز کی ضرورت ہوگی جو ایسی اشیاء غیر متناسبہ میں حکم مساوات کر سکے۔ اسی لیے خداوند قدوس نے روپیہ پیسہ کو پیدا فرمایا تاکہ یہ دونوں تمام اموال میں مساوات پیدا کر سکتے ہیں اور ان سے مال کا اندازہ ہو سکتا ہے مثلاً کہہ سکیں کہ یہ اونٹ سو روپے کا ہے اور اتنا وزن زعفران سو روپے کا ہے۔ اس لیے آپس میں مساوی ہیں اور روپے پیسہ سے اس لیے مساوات ممکن ہوئی کہ ان کی ذات سے کوئی غرض متعلق نہیں اگر یہ بھی خورد و نوش وغیرہ میں کام آئے تو جس مطلب کے ہوتے اسی مطلب والے کے حق میں ان کو ترجیح ہوتی دوسرے کے حق میں ترجیح نہ ہوتی پھر انتظام درہم برہم ہو جاتا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اسی لیے پیدا کیا کہ یہ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں چلے جائیں اور اموال غیر متناسبہ کے درمیان مساوات پیدا کریں اور یہ حکمت بھی ان میں رکھی کہ ان سے تمام اشیاء حاصل ہو سکیں کیونکہ یہ دونوں محبوب ہیں اور ان کی ذات سے کوئی غرض نہیں اور ان کی نسبت تمام اموال کی طرف ایک جیسی ہے تو ان دونوں کا مالک ہونا گویا تمام چیزوں کا مالک ہونا ہے بخلاف دوسری چیزوں کہ مثلاً کوئی کپڑے کا مالک ہو اس کے پاس صرف کپڑا ہی ہے۔ اگر اسے کھانے کی ضرورت ہو تو شاید کوئی کپڑے کی ضرورت نہ ہو بلکہ سواری کی ضرورت ہو تو ایسی چیز کی حاجت ہوئی کہ ظاہر میں تو کچھ نہ ہو اور باطن میں سب کچھ ہو اور جب کوئی ایسی چیز ہوتی ہو کہ ظاہر میں اس کی صورت خاص نہیں تو اس کی نسبت مختلف چیزوں کی طرف یکساں ہوتی ہے۔ مثلاً آئینہ میں کوئی خاص رنگ نہیں ہوتا مگر ہر ایک رنگ اس میں آسکتا ہے اس طرح نقد روپیہ پیسہ بھی بظاہر کسی مطلب کے نہیں مگر ان کے ذریعہ سے ہر ایک مطلب نکل سکتا ہے۔ ایسے ہی حرف بذات خود اس کا معنی مستقل نہیں ہو سکتا۔ ہاں اس کے وسیلے سے اور کلمات میں معانی ظاہر ہوتے ہیں غرضیکہ روپیہ پیسہ کا ذریعہ حصول اغراض ہونا دوسری حکمت ہے اور ان دونوں میں اور بھی بہت سے حکمتیں ہیں جن کا ذکر طول چاہتا ہے۔

فائدہ:۔ جو کوئی روپیہ پیسہ میں وہ بات کرے جو ان کے لائق نہ ہو بلکہ جس مطلب کے لیے یہ پیدا ہوئے ہیں اس کے مخالف ہو تو اللہ تعالیٰ کی نعمت کا ناشکرا ہوگا مثلاً جو کوئی ان کو بند کر کے رکھ دے تو ان کے ساتھ ظلم کرے گا

کیونکہ جس حکمت کے لیے یہ پیدا ہوئے ہیں اس نے بیکار کر دیا۔

مثال :۔ جیسے کہ مسلمانوں کے حاکم کو قید کر دے تاکہ وہ حکم نہ کر سکے۔ اس طرح روپیہ پیسہ بھی مساوات اموال کے لیے بمنزلہ حاکم کے ہیں جو ان کو روکے رکھے گا ان کا حکم ضائع کرے گا اور جو غرض و مقصود ان سے تھی وہ حاصل نہ ہوگی اور روپیہ پیسہ کسی خاص فرد بشر (زید و عمرو) کے لیے پیدا نہیں ہوئے کیونکہ خود ان کی ذات سے کسی کی غرض کھانے پینے کی متعلق نہیں وہ تو پتھر ہیں وہ اس لیے پیدا ہوئے ہیں کہ ایک ہاتھ سے دوسرے میں چلے جائیں اور لوگوں کے معاملات میں مساوات کے بمنزلہ حاکم کے رہیں یہ حکمتیں صفات موجودات پر قدرتی خط سے منقوش رہتی ہیں انہیں حرف اور آواز نہیں نہ آنکھ سے نظر آئیں بلکہ ان کے لیے چشم بصیرت چاہیے۔

فائدہ: جو لوگ ان نقوش سے عاجز ہیں تو ان کو حرف اور صورت کے ذریعے سے اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ اقدس سے اللہ تعالیٰ نے سنادی چنانچہ ارشاد فرمایا والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم (التوبہ 34) ترجمہ کنزالایمان : اور وہ کہ جوڑ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں خوشخبری سناؤ دردناک عذاب کی۔

فائدہ :۔ جو شخص چاندی سونے کے برتن بنوائے وہ بھی ناشکرا ہوگا اور سونے چاندی روکنے والے کی بہ نسبت اس کا زیادہ برا حال ہے۔

مثال :۔ سونا چاندی روکنے والا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص حاکم شہر سے جولاہے یا جھاڑو یا کوئی اور ایسا کام جو اس کی شان کے لائق نہیں۔

فائدہ :۔ چاندی سونے کے برتن بنوانے اس لیے برے نہیں کہ برتن صرف چیزوں کی حفاظت کے لیے ہوتے ہیں یا بہنے والی چیزوں کے روکنے میں کام آئیں اس مطلب کے لیے مٹی اور لوہا اور جست اور تانبا کام میں آسکتے ہیں اور وہ چاندی سونے کے قائم مقام ہو سکتے ہیں مگر جس مقصود کے لیے چاندی سونا پیدا کیے گئے ہیں ان کے لیے لوہا اور جست وغیرہ کافی نہیں اور جسے یہ حکمتیں معلوم نہ تھیں اسے زبان جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے آگاہ کر دیا گیا کہ من شرب فی آنیۃ من ذھب او فضۃ فکانما یتجرع فی بطنہ نار جھنم ترجمہ : جو شخص سونے چاندی کے برتنوں میں پیتا ہے گویا وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتا ہے (بخاری و مسلم)

فائدہ :۔ اس طرح جو شخص روپیہ پیسہ میں معاملہ سود جاری کرے وہ بھی ناشکرا اور ظالم ہے اس لیے کہ یہ دونوں چیزیں دوسری چیزوں کا وسیلہ ہیں۔ ان کی ذات کوئی خاص فائدہ نہیں بنیں تو جو کوئی انہیں میں تجارت کرے گا تو ان کو خلاف وضع حکمت مقصود بنائے گا کیونکہ نقد کو ایسی چیز کے لیے بنا لینا جس کے لیے وہ موضوع نہیں تو یہ ظلم ہے۔

فائدہ :- جس کے پاس کپڑا ہے اور نقد نہیں تو کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کی غرض غذا اور سواری نہیں لے سکتا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ غذا اور سواری کپڑے کے عوض نہ بکتی ہوں تو خواہ مخواہ وہ کپڑے کو نقد کے عوض بیچے گا تاکہ نقد کی وجہ سے اپنے مقصود تک پہنچ سکے اس لیے کہ نقد حصول اغراض کا ذریعہ ہوتا ہے اس کی ذات سے کچھ غرض نہیں ہوتی۔ اس کا حال مال میں ایسا ہے جیسے حرف کلام میں جس کی تعریف نحو والے کہتے ہیں کہ حرف وہ ہے جو ایسے معنوں کے لیے آئے جو غیر میں ہوں یا نقد کو اموال میں مثل آئینے کے رنگوں کے لیے سمجھنا چاہیے لیکن جس کے پاس نقد ہے اور اس کو اس کا بیچ ڈالنا دوسرے نقد کی عوض درست ہو اور اپنا کاروبار اسی پر منحصر کر دے تو نقد اس کی قید میں رہے گا وہ گویا اسے روکنے والے کی طرح ہو جائے گا اور حاکم کا قید کرنا یا قاصد کا محبوس رکھنا داخل ظلم ہے۔

فائدہ :- نقد کو نقد کے بدلے بیچنے کا یہی معنی ہے اسے جمع کرنا مقصود ٹھہرالے تو یہ ناانصافی ہے۔

سوال :- پھر اشرفی تڑوانا اور روپیہ پیسے سے اشرفی خریدنا اور روپیہ کے بدلے اور روپیہ لینا کیوں جائز ہے۔

جواب :- ہر ایک نقد سے علیحدہ علیحدہ مطلب مدنظر ہے کہ ایک کا کام دوسرے سے نکل سکتا ہے مثلاً اشرفی کے اگر روپے بنائے جائیں تو بہت سے اغراض کا وسیلہ ہو سکے اور تھوڑا تھوڑا کر کے تمام ضروریات پوری ہو سکتی ہیں ورنہ ایک ہی ضرورت میں اشرفی محدود ہو جائے گی بہرحال جو کام اشرفی سے نکلتا ہے وہ روپیہ سے نہیں نکل سکتا اور جو روپیہ سے مقصود ہے وہ اشرفی سے نہیں اگر اس کے تبادلہ سے منع کیا جائے تو مقصود خاص میں خلل واقع ہوگا یعنی دوسری چیز کے حصول کا ذریعہ باآسانی نہ ہوگا اور ایک روپیہ کی بیع اس جیسے روپیہ سے ایسے جائز ہے کہ اس کی سمجھدار کو رغبت نہیں ہوتی نہ کوئی تاجر اس میں مشغول ہوتا ہے اس لیے کہ یہ لغو عمل ہے یہ ایسے ہے جیسے کوئی روپیہ زمین پر رکھ کر پھر اٹھالے ظاہر ہے کہ کوئی سمجھدار ایسا کر کے اپنے اوقات اس میں ضائع نہ کرے گا کہ روپیہ زمین پر رکھ کر جوں کا توں اٹھالیا کرے۔

فائدہ :- جس شے کی طرف نفوس کو شوق نہیں اس سے ہم منع نہیں کرتے مگر اس صورت میں کہ ایک روپیہ کھرا ہو اور دوسرا کھوٹا۔ اگرچہ یہ بات بنتی نظر نہیں آتی چونکہ کھرا روپیہ دے کر کھوٹا پر کون راضی ہوتا ہے اور ان میں معاملہ بننے کی کیا صورت ہے۔

مسئلہ :- اگر وہ اس سے کچھ زائد مانگے تو یہ ناجائز ہے۔ اس میں ہم منع کریں گے اور کہیں گے کہ روپیہ ہونے میں کھرا کھوٹا برابر ہے کیونکہ کھرا اور کھوٹا ان اشیاء میں دیکھنا چاہیے جو بذات خود مقصود ہوتی ہیں اور جنہیں اور کوئی غرض نہ ہو ایسے باریک تغیرات کا لحاظ نہیں چاہیے اس میں ظلم کا ہے جس نے روپیہ دے کر مختلف بنایا کسی کو کھرا کسی کو کھوٹا یہاں تک کہ وہ روپے بذات خود مقصود ہو گئے حالانکہ چاہیے یوں تھا کہ مقصود نہ ہوتے روپے ہونے

میں دونوں مقصود ہیں۔

مسئلہ :۔ روپیہ کی بیع روپیہ کے عوض ادھار اس لیے ناجائز ہے کہ اس پر وہی شخص اقدام کرے گا جسے دوسرے پر احسان کرنا منظور نہ ہو ورنہ قرض دینے کی صورت میں اس بیع میں کوئی ضرورت نہیں بلکہ اس میں اس کی فضیلت ہے چاہیے کہ ایسا کام کرے جس میں مقصود بھی ہو اور ثواب بھی اور بیع کی صورت میں نہ احسان ہے اور نہ ہی ثواب بلکہ مذمت اسی لیے وہ داخل ظلم ہے چونکہ اس میں مروت خاص کا معاوضہ کے پیرائے میں برپا کرتا ہے۔

نکتہ :۔ اللہ تعالیٰ نے غلہ اس لیے پیدا کیا کہ ان سے غذائیں اور دوائیں ہو سکیں تو ان کو ان کی جہت مقصود نہیں ہونی چاہیے اگر انہیں باب تجارت مفتوح کیا جائے تو ان کا قید کر دینا لازم آئے گا اور کھانا جو ان سے مقصود ہے وہ حاصل نہ ہو گا اور چونکہ غلے کھانے کے لیے پیدا ہوئے ہیں اور غذا کی ضرورت سخت ہے اس لیے ضروری ہوا کہ جس کو غلے کی ضرورت نہ ہو اس کے قبضے سے غلہ نکل لیا جائے اور غلے کا کاروبار وہی کرے جس کو اس کی حاجت نہ ہو اس لیے کہ جس کے پاس غلہ ہے وہ اس کو کھاتا کیوں نہیں۔ اگر حاجت مند ہے اور سرمایہ تجارت کیوں کرتا ہے اور اگر سرمایہ تجارت کرتا ہے تو جو شخص سوائے غلہ کے کسی اور چیز کے بدلے میں جس کی ضرورت ہے بیچ ڈالنا چاہیے لیکن جو شخص غلہ کا ویسے ہی خواہ مخواہ دوسرا غلہ عوض میں لینا چاہتا ہے تو وہ غلے کا محتاج نہیں بلکہ صرف غلہ روکنا چاہتا ہے اسی لیے شرعاً محتکر یعنی غلہ جمع کرنے والے پر لعنت فرمائی اور احتکار کے متعلق اور بھی سخت وعیدیں ہمیں ہم باب آداب کسب میں بیان کر آئے ہیں جو گیہوں، کھجور کے عوض بیچے تو وہ معذور ہیں کیونکہ جو غرض ایک شے سے حاصل ہو سکتی ہے وہ دوسری شے سے حاصل نہیں ہو سکتی۔

مسئلہ :۔ جو شخص گیہوں کا پیمانہ اسی کے پیمانہ کے عوض بیچے تو وہ معذور نہیں بلکہ لغو کام کرنے والا ہے اسی لیے اس کے منع کی ضرورت نہیں کہ سمجھ دار ایسی باتوں کو خود گوارا نہیں کرتا جب تک کہ اچھے ہونے میں فرق نہ ہو اور اگر اچھے اور برے کا مقابلہ ہو گا تو اچھے پیمانے والا برے پیمانہ لینے پر راضی نہ ہو گا۔

مسئلہ :۔ ایک پیمانہ اچھا دے کر برے دو پیمانے لینا مقصود بالذات بیع ناجائز ہے۔

مسئلہ :۔ چونکہ اشیائے غذا ضروری چیز ہے اور اصل فائدے میں اچھا برا غلہ برابر ہے۔ صرف لذت کی وجہ سے علیحدہ ہے اسی لیے مشارع نے غرض لذت کو ایسی چیزوں میں سے جو باعث قوام انسان ہیں ختم کیا۔ یہی شرعی سود کے حرام ہونے کی ایک حکمت ہے۔

نکتہ :۔ یہ حکمت فن فقہ سے اعراض کرنے کے بعد محسوس ہوئی تو اسے بھی فقہیات میں شامل کیے دیتے ہیں کیونکہ جتنی باتیں ہم نے خلافیات میں لکھی ہیں ان میں یہی قاعدہ موثر ہے اسی سے مذہب امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا ربا کے باب میں غلبہ حق پایا جاتا ہے کہ انہوں نے تخصیص غلے کی کی ہے یہ نہیں کہ جو چیز کیلی ہو رہا ہو ورنہ جو

نہ (احناف فرماتے ہیں ہر کیلی شے میں سود ہے وہ غلہ ہو یا اور کوئی شے کیونکہ حدیث شریف بلا تخصیص حکم ہے اسی لیے غلبہ احناف کے مذہب ہے) (اویسی غفرلہ)

امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگرچو نہ مثلاً ربا کی چیزوں میں داخل ہو تو کپڑے اور جانور طریق اولیٰ داخل ہوں گے ا۔ اور اگر حدیث شریف میں نمک مذکور ہوتا تو مذہب امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کے مذہب میں درست ہوتا کہ انہوں نے ربا کے لیے تخصیص قوت کی لگائی ہے لیکن جن معنوں کی شرع

ا۔ یہ مذہب شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا قیاس مع الفارق ہے جو ناقابل قبول ہے تفصیل اصول فقہ میں ہے۔ (اویسی غفرلہ)

رعایت کرتی ہے ان کا کسی تعریف وحد سے منضبط ہونا ضروری ہے اور اسی جگہ قوت سے حد مقرر کرنا ممکن ہے اور طعام سے بھی تو شرع نے مطعوم سے حد کرنا ایسی اشیاء جن کے لیے بقا ضروری ہے مناسب سمجھی اور شرع کا حد مقرر کرنا کبھی ایسے اطراف کو محیط ہوتا ہے جن میں اصل معنی جو باعث حکم ہوتے ہیں قوی نہیں ہوتے مگر ضرورت کے باعث اس طرح حد کردی جاتی ہے ورنہ درصورت حد مقرر نہ ہونے کے عوام کو اصل معنی کے اتباع میں بڑی پریشانی ہوتی کہ ایک ہی حکم احوال اور اشخاص کے مختلف ہونے سے متعدد ہو جاتا ہے گو کیسا ہی قوی ہو اس لیے حد مقرر کرنا ضروری ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ومن یتعد حدود اللّٰہ فقد ظلم نفسہ (الطلاق 1) ترجمہ کنزالایمان: اور جو اللہ عزوجل کی حدوں سے آگے بڑھا بے شک اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔

فائدہ:۔ یہ بھی وجہ ہے کہ اصل حکم میں تو شریعتوں کا اختلاف نہیں ہوتا بلکہ اختلاف حد مقرر کرنے کی صورتوں میں ہوتا ہے۔ مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں شراب کی حرمت کی حد نشہ پر ہے تو جس قدر سے نشہ نہ ہو وہ حرمت میں داخل نہیں ہے اور ہماری شریعت اسلامیہ نے اس کی حرمت کی وجہ سے جنس نشہ ٹھہرائی ہے۔ وہ قلیل ہو یا کثیر کیونکہ تھوڑی سے بہت کی رغبت ہوتی ہے۔ قطع مادہ فساد کو قطع کرنے کے لیے تھوڑی بھی حرمت میں داخل ہوگی۔ یعنی جنس نشہ اور اصل حرمت حکمت کی اصل ہے۔

فائدہ:۔ یہ حکمت خفیہ جو نقدین کی حکمت سے بدلنا نہیں چاہیے اور یہ بات وہی جانتا ہے جسے حکمت کا علم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیراً (البقرہ 269) ترجمہ کنزالایمان: اور جسے حکمت ملی اسے بہت بھلائی ملی۔

فائدہ:۔ جو لوگ شیطان کی قید میں گرفتار ہیں وہ ان حکمتوں کے موتیوں کے لیے صدف نہیں بن سکتے ان کے سمجھنے کے لیے عقلمند ہی ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ اگر بنی آدم کے دلوں پر شیطان نہ آتے جاتے تو وہ آسمان کے ملکوت دیکھتے یعنی اسرار غیب جب یہ مثال معلوم ہو چکی تو اسی پر اپنی ہر حرکت اور سکون اور کلام و سکوت اور ہر فعل کو خیال کرلینا چاہیے کہ وہ بھی شکر میں ہے یا ناشکری میں ان دونوں کے سوا کوئی تیسری چیز نہ ہوگی۔

اصطلاح فقہ و تصوف میں تطبیق: جن امور کو فقہ مکروہ اور بعض کو حرام کہتی ہے اہل دل ان سب کو حرام

جانتے ہیں مثلاً اگر کوئی داہنے ہاتھ سے استنجا کرے تو دونوں ہاتھوں کی نعمت کا ناشکرا ہوگا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے دو ہاتھ پیدا کیے اور ایک کو ان میں سے زیادہ قوی بنایا تو جو قوی ہے وہ زیادہ فضیلت اور شرف کا مستحق ہے اور کمتر کو فضیلت دینا عدل کے خلاف ہے۔ ان اللہ یامر بالعدل اللہ عدل کا حکم دیتا ہے پھر جس ذات نے دو ہاتھ دیئے اسی نے انسان کو ایسے اعمال کا محتاج کیا جن میں سے بعض شریف مثلاً کلام مجید کو لینا اور بعض کمتر ہیں مثلاً نجاست کا دور کرنا۔ اگر کوئی قرآن مجید کو بائیں ہاتھ سے لے اور نجاست داہنے ہاتھ سے دھوئے تو جو شریف چیز تھی اس سے خبس کام لے گا اور جس بات کا وہ مستحق تھا اس سے اس کو کم رتبہ پر رکھے گا اور اس سے شریف پر ظلم اور عدل سے عدول پایا جاتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی قبلہ کی طرف تھوکے یا پاخانہ کرتے وقت اس کی طرف منہ کرے تو جو نعمت کہ اللہ تعالیٰ نے اطراف اور دست عالم میں پیدا کی ہے اس کا ناشکرا ہوگا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے سمتیں بنائیں تو اسی لیے کہ انسان اپنی سکنات حرکات میں تنگ نہ ہو جدھر چاہے حرکت کرے اور جہات کو یوں تقسیم کیا کہ بعض میں کوئی شرف نہیں رکھا اور بعض میں یہ شرف رکھا کہ اس طرف ایک مکان بنایا جسے اپنے نفس کی طرف منسوب فرمایا تاکہ انسان کا دل اس طرف مائل ہو اور جب اپنے پروردگار کی عبادت کرے تو قلب اسی کا عبادت گزار رہے اور قلب کے سبب سے تمام بدن سکون اور وقار کے ساتھ اسی طرف مقید رہے۔ اسی طرح افعال کو بھی تقسیم فرمایا کہ بعض افعال شریف ہیں جیسے عبادت اور بعض کمتر ہیں جیسے قضائے حاجت اور تھوکنا تو جب کوئی انسان قبلہ کی طرف تھوکے گا تو قبلہ پر ظلم ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے جو نعمت قبلہ کی عبادت کی تکمیل کے لیے بنائی ہے اس کا ناشکرا ہوگا۔ اس طرح جب کوئی جوتا پہنے اور بائیں پاؤں سے شروع کرے تو ناانصافی ہے کیونکہ جوتا پاؤں کا بچاؤ اور پاؤں کو اس سے فائدہ اور نہ لذت ہے۔ جتنی چیزیں لذت کی ہیں ان میں اشرف کا لحاظ بھی ضروری ہے۔ اگر لحاظ کرے گا تو عدل و حکمت کے موافق ہوگا اور بصورت خلاف ظلم اور ناشکری ہوگی اور وہ ناشکری جوتوں اور پاؤں کی وجہ سے ہوگی۔

فائدہ:۔ فقہا اس مسئلے کو اگرچہ مکروہ کہتے ہیں مگر عارفین کے نزدیک گناہ کبیرہ ہے۔

حکایت:۔ ایک عارف باللہ گیہوں کے پیمانے جمع کر کے ان کو صدقہ کرتے کسی نے ان سے سبب پوچھا تو فرمایا کہ ایک بار میں نے جوتا پہننے میں سہوا بائیں سے شروع کر لیا تھا اس لیے اب میں چاہتا ہوں کہ اس کا تدارک خیرات سے کرو۔

فائدہ:۔ فقیہ کا منصب نہیں کہ وہ اس طرح ایسے عمل کو گناہ کبیرہ لکھ دے اس لیے کہ اس فقیہ کے ذمہ اصلاح عوام ہے جو چوپائے (جانوروں جیسے) اور عوام ایسے گناہوں میں مبتلا ہیں کہ ان کے سامنے ان ادنیٰ باتوں کی کوئی حقیقت نہیں مثلاً جو شخص بائیں ہاتھ میں پیالہ لے کر شراب پیے اس کو یہ نہ کہیں گے کہ اس نے دو وجہ سے حد شرعی سے تجاوز کیا (1) شراب پی (2) پیالہ بائیں ہاتھ میں لیا یا کسی نے اذان جمعہ کے وقت ایک آزاد انسان کی بیع کی

تو اس کے لیے کہتا کہ اس نے مخالفت شرع دو وجہ سے کی ہے۔ (1) آزلو کی بیع کی (2) لذان کے وقت خرید و فروخت کی یا جس نے مسجد کی محراب میں قبلہ کی طرف پشت دے کر پاخانہ کیا تو اسے یہ کہتا کہ اس نے پاخانہ کرنے میں ادب کا لحاظ نہ کیا قبلہ کو داہنی طرف کیوں نہ کیا۔ بہرحال گناہ سب کے سب ظلمات ہیں۔

بعض زیادہ ہیں بعض کم بڑی تاریکی میں چھوٹی تاریکی چھپ جاتی ہے۔ مثلاً اگر کوئی غلام اپنے آقا کی چھری چاقو بلا اجازت استعمال کرے تو آقا اس کو بیع کرے گا لیکن اگر غلام کو مذکور اس چھری سے اس کے پیارے بچے کو ذبح کر ڈالے تو اس صورت میں آقا کو چھری بلا اذن لینے کا کوئی خیال نہ ہوگا نہ اس کے عوض کوئی اس کے لیے سزا مقرر فرمائے گا بلکہ صرف اسی بڑے گناہ (قتل) کی سزا دے گا۔

صوفیہ و فقہا کے دستور کا فرق: یاد رہے کہ آداب و مستحبات کہ اولیاء اور انبیاء نے اس کی مراعات کی ہے اور ہم (فقہا) نے فقہ میں عوام کے حق میں ان سے درگزر کیا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ جو اوپر مذکور ہوئی ورنہ جتنے مکروہات ہیں کون سا ایسا ہے جس میں عدل سے عدول اور ناشکری نعمت اور نقصان درجہ قرب الٰہی نہ ہو اتنی بات ضرور ہے کہ بعض باتیں تو صرف نقصان درجہ اور انحطاط منزلت ہوا کرتی ہیں اور بعض بالکل حدود قرب سے نکل کر عالم بعد میں جو مسکن و ماوائے شیاطین ہے پہنچا دیتی ہیں۔

مثال :- اگر کوئی کسی درخت کی شاخ باضرورت اور غرض صحیح توڑے تو وہ ہاتھ کی نعمت اور پیدائش اشجار کی نعمت کا ناشکرا ہوگا ہاتھ کا تو اس وجہ سے ناشکرا ہے کہ ہاتھ لغو کام کے لیے نہیں بنا بلکہ طاعت کے لیے ہے اور ایسے اعمال کے لیے جو طاعت پر مددگار ہوں اور درخت کا اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا اور اس کی جڑیں بنائیں اور اس کو پانی پہنچایا اور اس میں قوت غذا لینے اور بڑھنے کی پیدا کی تاکہ جتنا نشوونما اسے ہوتا ہے اتنا بڑھے اور پھر اس سے لوگ مستفع ہوں اسے نشوونما کامل سے پہلے کاٹ ڈالنا اور غرض اور نفع لوگوں کا اس سے نہ ہونا صریح مخالف مقصود حکمت ہے اور عدل کے خلاف ہے اگر کوئی غرض صحیح ہو تو درخت کی ٹہنی کاٹنا جائز ہے اس لیے کہ درخت اور حیوان انسان کے اغراض زندگی میں شامل ہیں کیونکہ وہ دونوں فانی اور ختم ہونے والے ہیں کمتر کا فنا کرنا باقی رہے یہ عدل کے قریب ہے اور اس سے تاکہ شرف والے کا شرف بہتر ہے کہ ان کو بے فائدہ برباد کرے اور اسی کی طرف اشارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وسخر لکم ما فی السموات وما فی الارض جمعا منہ

مسئلہ :- اگر باوجود حاجت کے غیر کے ملک سے درخت کاٹے گا' ظالم ہوگا اس لیے کہ ہر ایک درخت تو تمام بندوں کی حاجات کو کافی نہیں ہو سکتا بلکہ ایک درخت سے ایک ہی شخص کی حاجت پوری ہوگی اگر بلا ترجیح کسی شخص کی خصوصیت کسی خاص درخت پر کی جائے تو ظلم ہوگا۔

فائدہ :- صاحب اختصاص وہ ہے جس نے درخت زمین میں بویا اور اسے پانی دیا اور اس کی نگرانی کی تو غیر کی بہ نسبت یہ شخص ان افعال کا زیادہ مستحق ہے کہ درخت سے فائدہ لے پھر اگر وہ درخت زمین غیر مملوک میں پیدا ہو

لور کسی کے بونے سے نہ ہوا بلکہ خود بڑا ہوگیا ہو تو اب کسی لور خصوصیت کی ہے یعنی جس نے پہلے لیا وہی اس کا مستحق ہے کہ اول ہونا بھی خصوصیات ہے تو ترین عدل یہی ہے کہ وہ اس کا مستحق ہو لور اس ترجیح کو فقہا ملک سے تعبیر کرتے ہیں اسے ملک کہنا صرف مجازا ہے اس لیے کہ شایان ملک و شہنشاہ ہے جو آسمان و زمین کا مالک ہے بندہ کس طرح مالک ہو سکتا ہے وہ اپنے نفس کا بھی مالک نہیں بلکہ خود ملک غیر ہے۔ تمام مخلوق اللہ کے بندے ہیں اور زمین اس کا دستر خوان ہے چونکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ہیں لور محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے امام احمد رضا محدث بریلوی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا زمین خوان آسمان خوان زمانہ مہمان (اضافہ اویسی غفرلہ) اللہ (عزوجل) نے مخلوق کو اجازت دی ہے کہ اس دستر خوان سے بقدر ضرورت ہر کوئی کھائے جسے کوئی بادشاہ اپنے غلاموں کی دعوت کرے۔ اگر ایک شخص لقمہ اپنے ہاتھ میں لے کر انگلیوں میں دبا لے کہ ایک غلام آجائے اسے چھیننا چاہے تو نہ ہو سکے گا نہ اس لیے کہ لینے کے سبب لقمہ غلام اول کی ملکیت ہوگیا ہے کیونکہ قبضہ اور صاحب قبضہ دونوں مملوک ہیں بلکہ اس وجہ سے کہ ایک لقمہ تمام غلاموں کی ضرورت کو کافی نہیں تو عدل اسی کا مقتضی ہے کہ جب کوئی ترجیح اور اختصاص ایک ہو جائے تو وہ لقمہ اس کے لیے خاص ہو اس کا قابض ہونا ایسی خصوصیت ہے کہ پہلے سے متعلق ہوگئی اس لیے جس غلام میں وہ خصوصیت نہ ہوگی اسے اس لقمے سے منع کیا جائے گا۔ وہ پہلے کی مزاحمت نہ کرنے پائے گا بلا تمثیل اللہ کا امر بندوں میں سمجھنا چاہیے۔

فائدہ :۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ جو شخص مال دنیاوی زائد از حاجت لے کر لور جن اللہ کے بندوں کو اس کی حاجت ہو ان کو نہ دے تو وہ ظالم ہے او ان لوگوں میں سے ہے جن کی شان میں یہ آیت ہے۔ والذین یکنزون الذہب والفضۃ ولا ینفقونہا فی سبیل اللّٰہ فبشرہم بعذاب الیم (التوبہ 34) ترجمہ کنزالایمان: اور وہ کہ جوڑ کر رکھتے ہیں سونا لور چاندی اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں خوشخبری سناؤ دردناک عذاب کی۔

فائدہ :۔ اللہ (عزوجل) کا راستہ اس کی اطاعت ہے لور اس کی اطاعت میں خلق کا توشہ مال دنیاوی ہے کیونکہ اس کے سبب ان کی ضروریات دفع اور حاجات پوری ہوتی ہیں لیکن تقریر حکم فقہ کی حد میں واقع نہیں اس لیے حاجات کی مقدرین پوشیدہ ہیں اور آئندہ زمانہ میں افلاس پر آگاہ ہونے میں انسان مختلف ہیں لور عمر کی انتہا معلوم نہیں اس لحاظ سے عوام کو مکلف بنانا ایسے ہے جیسے بچوں سے کہیں کہ وقار کے ساتھ رہو کہ سوائے کلام ضروری کے مت بولو حالانکہ وہ کمی عقل کی وجہ سے اس حکم کی تعمیل نہیں کر سکتے اس لیے ہم نے ان پر کھیل کود کا اعتراض بھی چھوڑ دیا۔

ازالہ وہم

بچوں کے لیے ہم نے کھیل کود کو مباح کیا تو کوئی یہ نہ سمجھے کہ کھیل کود جائز اور حق ہے اس طرح عوام کو مال کی حفاظت لور خرچ میں میانہ روی لور دینے میں بقدر زکوٰۃ جو مباح کیا ہے بایں لحاظ ہے کہ ان کی سرشت میں بخل ہے

تو اس سے یہ نہ جاننا چاہیے کہ یہ امور حق ہیں انسان کے بخل فطرتی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ان یسا لکموبا فیحفکم تبخلوا (محمد ﷺ 37) ترجمہ کنزالایمان: اگر انہیں تم سے طلب کرے اور زیادہ طلب کرے۔

مثال :۔ ہم یہاں ایک مثال قائم کرتے ہیں جو سراسر حق ہے اس میں ظلم نشان تک نہیں عدل ہی عدل ہے وہ یہ ہے کہ کوئی اللہ (عزوجل) کے بندوں میں سے مال اللہ میں سے اس قدر لے جس قدر کہ توشہ سوار کا ہو یعنی ہر ایک بندہ خدا اپنے بدن کی سواری کا سوار ہے تاکہ بادشاہ حقیقی حضور میں پہنچے تو جو شخص حاجت سے زائد مال لے اور دوسرے سوار محتاج کو نہ دے وہ ظالم ہوگا اور عدل کا تارک اور مقصود حکمت سے فارغ اور اللہ کی نعمت کا ناشکرا۔

فائدہ :۔ قرآن اور حدیث اور عقل سے ثابت ہے کہ ضرورت کے سوا جس قدر کسی کے پاس ہوگا وہ دنیا و آخرت میں اس پر وبال ہوگا تو جو شخص تمام اقسام موجودات میں اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کو سمجھتا ہے وہ وظیفہ شکر کے سمجھنے کی قدرت رکھتا ہے اور اس کا پورا بیان اگر کیا جائے تو بہت سے دفتر چاہئیں اور پھر بھی مکمل بیان نہ ہوگا یہاں اس قدر ہم نے اس لیے لکھ دیا تاکہ اس آیت کی حکمت معلوم ہو جائے۔ وقلیل من عبادی الشکور (السبا 23) ترجمہ کنزالایمان: اور میرے بندوں میں کم ہیں شکر والے۔ ترجمہ: اور ابلیس کی خوشی کا سبب سمجھ آئے اس نے کہا کہ ولا تجد اکثر ہم شاکرین ترجمہ: تو جو ان باتوں مذکورہ بالا کو نہ جانے گا اسے اس آیت کے معانی معلوم نہ ہوں گے۔

فائدہ :۔ ان کے سوا اور امور بھی ہیں کہ ان کی انتہا کا تو کیا ذکر ہے۔ مبادی ہی بیان کرنے کے لیے عمر نوح چاہیے اور تفسیر آیت کی اور معنی لفظی تو ہر ایک شخص جو لغت سے واقف ہے جانتا ہے۔

فائدہ :۔ اس تقریر سے ظاہر ہوا کہ معنی الفاظ اور تفسیر میں کیا فرق ہے۔ اگر یہ کہوں کہ تمہاری تقریر کا خلاصہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شے میں ایک حکمت رکھی ہے اور اس کے تمام ہونے کا باعث بندوں کے بعض افعال کو بتایا کہ غایت مراد حکمت ان سے حاصل ہو اور بعض افعال اس حکمت کے کمال کا مانع تو جو فعل مقتضائے حکمت کے موافق ہو کہ اس سے حکمت اپنی مراد و علت غائی کو پہنچ جائے وہ تو شکر ہے اور جو فعل کہ مخالف ہو اور اسباب کو علت غائی تک پہنچنے نہ دے وہ ناشکری ہے یہ تو سمجھ میں آگیا مگر اعتراض ابھی تک باقی ہے وہ یہ ہے کہ بندے کا فعل جس کے دو شق ہیں۔ حکمت کا پورا کرنے والا او دوسرا اس کا مخالف یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فعل ہے تو بندہ درمیان میں کہ وہ کبھی شاکر کہلاتا ہے اور کبھی کافر اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ اس کی تحقیق کمال درجہ رکھتی ہے وہ ایک بحر ناپید کنار ہے اسے علوم مکاشفہ سے تعلق ہے اس سے قبل ہم بعض رموز و اشارات اور مبادی لکھ چکے ہیں ابھی ایک عبارت مختصر میں اس کا حال اور غایت لکھتے ہیں جو پرندوں کی گفتگو سمجھتا ہے وہ اسے بھی سمجھے گا اور جو تیز نہیں چل سکتا وہ اس کا منکر ہوگا اور انسان کو تو ممکن نہیں کہ ملکوت میں پرندوں کی طرح اڑتا پھرے بہرحال ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی جلال اور کبریا ایک صفت ہے جس سے خلق اور اختراع کا تعلق ہے اور یہ صفت ایسی نہیں کہ

واضح لغت آنکھ دیکھ سکے یا کسی ایسے لفظ سے اسے بیان کردے جس سے کنہ اور حقیقت خاص اس کے جلال کی سمجھی جائے چونکہ اس صفت کی شان عالی ہے اور واضعین لغت کا مرتبہ اس سے بہت کم ہے کہ ان کی آنکھ اس کے مبادی اشراق پر پڑ سکے اس لیے عالم دنیا میں اس کے لیے کوئی لفظ نہیں جس سے بیان ہو سکے اس لیے واضعین لغت کی آنکھ اس سے نیچے پڑ گئی جیسے شیر کی آنکھ سورج کے نور سے پست ہو جاتی ہے اس وجہ سے نہیں کہ کوئی نور میں قصور ہوتا ہے بلکہ اس وجہ سے کہ خود شیروں کی بینائی میں ضعف ہوتا ہے تو جن لوگوں نے اس صفت کے جلال کے دیکھنے کے لیے آنکھیں نہ کھولیں وہ اس بات کی طرف مجبور ہوئے کہ اگرچہ لفظ حقیقی اس کے لیے ملنا معلوم مگر جو زبان کہ اہل لغت میں مروج ہے اس میں سے کوئی لفظ مجازاً بطور استعارہ ایسا مقرر کرنا چاہیے جس سے بہت ضعیف حال اس حقیقت کی مبادی کا سمجھ میں آئے اس لیے اس کے لیے لفظ قدرت استعارہ کرنے کی وجہ سے ہمیں بھی جرات ہوئی کہا کہ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت قدرت ہے جس سے کہ تخلیق و اختراع صادر ہوتا ہے وہ وجود میں آکر بہت سے اقسام اور صفات خاص میں منقسم ہوتی ہے اور جس صفت سے کہ مخلوق میں یہ اقسام اور اختصاص ہوتا ہے وہ دوسری اللہ تعالیٰ کی اور صفت ہے اور اس کا حال بھی ویسا ہے جیسے پہلی صفت کا ہے اس کے لیے بھی حسب ضرورت مذکورہ بالا استعارہ کی حاجت ہوگی اور اس کے لیے لفظ مشیت مقرر کیا گیا اس لفظ میں اس صفت الٰہی کا حال ان لوگوں کو جو زبان یعنی حروف و اصوات سے گفتگو کرتے ہیں انہیں مجملاً مفہوم ہوتا ہے اور مشیت اس صفت کی اصل حقیقت سے اتنا ہی قاصر ہے جیسا کہ لفظ قدرت صفت خلق و اختراع کی کنہ ماہیت سے قاصر تھا۔

فائدہ:۔ وہ افعال جو قدرت سے صادر ہوتے ہیں وہ بھی دو قسموں میں منقسم ہوتے ہیں۔ (1) منتہٰی تک یعنی غایت حکمت تک پہنچ جانا (2) غایت کے پیچھے کنارہ تک رہ جانا اور ان میں سے ہر ایک کو صفت مشیت کے ساتھ تعلق ہے کیونکہ انجام تو ان کا یہی ہے کہ اختصاصات کی وجہ سے قسمت اور اختلافات کامل ہو جائیں تو وہ فعل جو غایت کو پہنچنے والا ہے اس کے تعلق کے لیے لفظ محبت کو استعارہ کیا گیا جو غایت کے کسی کنارہ تک توقف کرنے والا ہے اس کی نسبت کے لیے لفظ کراہت مقرر ہوا۔

بعض علماء کا یہ قول ہے کہ یہ دونوں وصف مشیت میں داخل ہیں مگر نسبت کی وجہ سے ہر ایک میں وہ خاصیت ہے جو مجملاً لفظ محبت اور کراہت سے ارباب لغت و الفاظ کی سمجھ آتی ہے۔

بندگان خدا کی اقسام: یہ بندگان خدا جو اس خلق و اختراع میں سے ان کی بھی دو قسمیں مشیت ازلی ان کے حق میں اسی طور ہوئی ہے کہ وہ کام کریں جس نے حکمت اپنی غایت پر نہ پہنچے اور یہ امران کے حق میں قہر ہوتا ہے کہ دواعی و اسباب ان پر مسلط کر دیے جاتے ہیں۔ مشیت ازلی ان کے بارے میں یوں ہوئی ہے کہ ان سے اللہ تعالیٰ ایسے کام لے جو حکمت کو بعض امور میں غایت تک پہنچائیں خلاصہ یہ کہ دونوں فریقوں کو مشیت کی طرف ایک نسبت خاص ہے جو نسبت کہ فریق ثانی کو ہے اس کا نام رضا مقرر کیا گیا اور دوسرے فریق کی نسبت کے لیے لفظ

غضب استعارہ کیا گیا ہے تو جن میں پر کہ ازل میں غضب ہوا تھا اس سے وہ فعل ظاہر ہوا کہ اس کے باعث حکمت موقف ہوئی اور اپنی غایت کو نہ پہنچے اس کو کفران اور اس کے بعد لعن اور مذمت اضافہ کی گئی اور جس پر کہ ازل میں رضا تھی اس سے وہ فعل سرزد ہوا کہ اس سے حکمت اپنے کمال غایت کو پہنچ گئی۔ اس کو شکر کہنے لگے اور زیادتی رضا کے لیے اس پر خلعت مدح و ثنا کا عنایت ہوا۔

خلاصہ :- حاصل یہ کہ جمال بھی اللہ تعالیٰ نے دیا اور اس پر ثنا کی اور بدبختی بھی اسی نے دی اس کو برا کہا۔

مثال :- کوئی بادشاہ اپنے غلام کو میل اور کدورت سے صاف کرے اور خلعت فاخرہ اس کے زیب بدن فرمائے اور جب طرح کی زینت کر چکے تو اسے فرمائے کہ اے خوبصورت تو کتنا حسین ہے اور تیری صورت کیسی جمیل ہے حالانکہ وہ خود ہی زیبائش دینے والا ہے اور خود ہی تعریف کرنے والا ہے اس پر غور کرو تو وہ اپنی ہی تعریف کرتا ہے غلام صرف ظاہری طور پر مدح و ثنا کا نشان اس طرح ازل میں تمام امور کا حال ہے اور اسباب اور مسببات کا تسلسل یوں ہی چلا آیا ہے جس طرح رب الارباب اور سبب الاسباب نے مقرر کر دیا ہے اور یہ امور اتفاقی نہیں بلکہ ارادہ اور حکمت اور حکم محکم اور امر یقینی سے ظہور میں آتے ہیں جس کے لیے استعارہ لفظ قضا کا کیا گیا ہے اور کہتے ہیں کہ قضا کا حکم مثل پلک جھپکنے کے یا اس سے بھی کمتر میں ہوتا ہے اور ان کے باعث سب کارخانہ اور انتظام جیسے تقدیر میں ہو چکا ہے ہوتا جاتا ہے اور اس ترتیب واقعات کے لیے لفظ قدر ٹھہرا لیا ہے گویا کہ قضا ایک امر واحد کلی کا نام ہے اور قدر اس تفصیل کے لیے ہوا ہے جو بے نہایت ہوتی چلی جاتی ہے۔

فائدہ :- بعض فرماتے ہیں کہ ان امور میں سے کوئی سی چیز خارج قضا و قدر سے نہیں اسی بنا پر بعض عابدین کو یہ وسوسہ ہوا کہ قسمت اس تفصیل مقتضی کی کیوں ہوئی اور باوجود اس قدر تفاوت کے تفصیل عدل کیسے بنا چونکہ بعض اشخاص اپنے قصور کی وجہ سے اس امر کی اصل ماہیت کے ملاحظہ کی تاب نہیں رکھتے تھے نہ اس کو بالتفصیل حیطہ خیال میں لا سکتے تھے تو جس مقام پر جا پہنچے کی ان کو طاقت نہ تھی اس سے روک دیا گیا اور مہر خاموشی ان کے منہ پر لگا دی گئی اور حکم ہوا کہ چپ رہو تم اس کے لائق نہیں اور اس دربار کی شان یہ ہے۔ لا یسئل عما یفعل وهم یسئلون

فائدہ :- بعض صوفیہ کے دلوں پر جو ایک لمحہ انوار الٰہی چمکا اور پہلے سے ان کی سرشت صاف تھی پھر اس پر خورشید حقیقت سے تجلی پائی تو ان کا نور دوبالا ہو گیا اور اس نور کبریائی سے اطراف عالم ملکوت کے ان کی نظروں میں چمکنے لگے اور تمام چیزوں کو انہوں نے ویسا جانا جیسے وہ واقع تھیں ان کے لیے یہ حکم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے آداب سے متادب ہو اور چپ رہو اور جب ذکر تقدیر کا ہو تو زبان بند کرو کیونکہ تمہارے پیچھے وہ لوگ ہیں جن کو ضعف بصر ہے تم بھی ضعیفوں کی سی چال چلو اور آفتاب کے اوپر سے چمگادڑوں کے لیے پردہ مت ہٹاؤ ورنہ وہ ہلاک ہو جائیں گے تم اللہ تعالیٰ کے اخلاق اختیار کرو اور منتہائے اوج سے آسمان دنیا پر اترو تاکہ تم سے ضعف لوگ انس کریں اور تمہارا نور جو

پردے کی آڑ میں ہے اس کی جھلک سے بہرہ یاب ہوں جیسے نور آفتاب کے بقیہ اور ستاروں کے نور سے ہیں اور جس زندگی کو ان کے وجود اور احوال برداشت کرسکتے ہیں اس سے زندگی بسر کرتے ہیں اگرچہ ایسی زندگی ان کو میسر نہیں جو بھرپور نور آفتاب میں آمدورفت کرنے والوں کی ہوتی ہے اور ایسے لوگوں کی طرح ہو جاؤ جن کی شان ہے۔

شربنا شرابا طیبا عند طیب - کذک شراب الطیبین یطیب شربنا واھرقنا علی الارض فضلہ والارض من کاس الکرم نصیب ترجمہ: ہم نے اچھوں کے ساتھ مل کر شراب پی ایسے اچھوں کا شراب بھی اچھا ہے ہم نے شراب پیا اور اس کا بقایا زمین پر ڈال دیا اور زمین کو بھی اچھے لوگوں کے پیالوں سے حصہ نصیب ہوتا ہے۔

فائدہ:۔ خلق و اختراع کی ابتداء و انتہاء یوں ہوتی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔ اسے وہی سمجھے گا جو اس کا اہل ہوگا۔ وہ خود ہی اسے واضح طور پر دیکھ لے گا۔ اسے کسی سے پوچھنے کی بھی ضرورت نہیں۔ بینا کسی کے پیچھے چلتا ہے تو اس کی بھی کوئی حد ہے لیکن جب راستہ ایسا تنگ ہو جو بال سے باریک اور تلوار سے تیز تو پھر اس پر پرندہ خود تو اڑ سکتا ہے لیکن نابینا کو ساتھ نہیں لے جاسکتا۔ ایسے ہی دریا میں گزرگاہ تنگ ہو اور پانی میں سخت طغیانی' اس میں تیراک کے سوا کوئی دوسرا نہ گزر سکے تو اس گزرگاہ سے تیراک ہی گزرے گا۔ ضروری نہیں کہ یہ تیراک اندھے کو ساتھ لے جاسکے کیونکہ گزرگاہ تنگ ہے۔ اس میں وہی قاعدہ سمجھ لیں جو گہرے پانی کی ہم نے مثال دی ہے۔ ہاں پانی پر تیرنا تو سیکھا جاسکتا ہے لیکن پانی پر چلنا سیکھنے کا نہیں۔ یا تو ولایت کا درجہ حاصل ہو تو پھر دریا پر یوں چلا جاسکتا ہے جیسے خشکی پر (جیسے اولیاکرام رحمہم اللہ کے واقعات میں ہے)

حدیث شریف:۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ مشہور ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام دریا کے پانی پر ایسے چلتے تھے جیسے خشک راستہ پر۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یقین پختہ ہو تو ہوا پر اڑنا بھی اسی طرح ہے جیسے دریا میں چلنا۔

فائدہ:۔ یہ رموز و اشارات ہیں۔ محبت و کراہت اور رضا و رغبت اور غضب و شکر و ناشکری کے معانی علم معاملہ اس سے زیادہ لکھنا موزوں نہیں ہے۔ اسی کی طرف وما خلقت الجن و الانس الا لیعبدون (الذاریات 56) ترجمہ کنزالایمان: اور میں نے جن اور آدمی اپنے ہی لئے بنائے کہ میری بندگی کریں۔ اشارہ فرمایا ہے کہ مخلوق کے لیے عبادت میں انتہائی حکمت ہے۔

فرمایا میرے دو بندے ہیں۔ ایک محبوب و مطاع اور امین و مکین ہے' وہ ہے جبریل علیہ السلام۔ دوسرا بندہ وہ ہے جس سے میرا بغض ہے اور وہ ملعون ہے' وہ ہے ابلیس۔ وہ راندہ درگاہ ہے۔ وہ قیامت تک مہلت لیے ہوئے ہے۔ جبریل علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا قل نزل روح القدس من ربک بالحق (النحل 102) ترجمہ کنزالایمان: تم فرماؤ اسے پاکیزگی کی روح نے اتارا تمہارے رب کی طرف سے۔ اور فرمایا یلقی الروح من امرہ علی من یشآء من عبادہ ابلیس کے لیے فرمایا لیضلھم عن سبیلہ

شیطان کا بہکانا یہی ہے کہ بندوں کو غایت حکمت سے روک دیتا ہے۔ غور فرمایئے کہ بہکانے کو اللہ نے ابلیس کی طرف کیسے منسوب فرمایا ہے حالانکہ اس پر انتہائی درجہ کا غضب ہے اور راہ دکھانا یہ ہے کہ بندوں کو غایت حکمت تک پہنچا دیا جائے۔ اس راہ دکھانے کو بھی محبوب بندے کی طرف منسوب کیا ہے۔ حالانکہ تحقیق کے لحاظ سے دونوں کام خود اللہ تعالیٰ کے اپنے ہیں۔

مثال:۔ اسے ایک مثال سے سمجھئے۔ وہ یہ کہ کسی بادشاہ کو دو آدمیوں کی ضرورت ہو۔ ایک پانی پلائے' دوسرا پچھنے لگائے اور جھاڑو بھی دے۔ خود اس کے اپنے دو غلام ایسے ہیں جو یہ دونوں کام کر سکتے ہیں۔ اب بادشاہ اپنی مرضی سے پچھنے لگانے اور جھاڑو کا کام اپنے کمتر درجہ والے غلام کے سپرد کرے گا اور پانی پلانے کا کام اس سے بہتر اور اچھے کے سپرد کرے گا۔ ان میں دونوں غلام اپنے کام کو اپنی طرف منسوب نہیں کر سکتے۔ حقیقتاً بادشاہ کی طرف منسوب ہوں گے۔ ایسے ہی ہر بندہ اپنے ہر کام کو اپنی طرف منسوب کرے تو یہ اس کی بیوقوفی ہے۔ اگرچہ بندہ بظاہر کہہ سکتا ہے کہ یہ کام میں نے کیا اور میں اس سے لذت یاب بھی ہوتا ہوں لیکن حقیتاً یہ نسب اللہ تعالیٰ کی طرف اسی کو موزوں ہے ہاں یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے کہ اچھے کام اچھے بندوں کے ذمہ لگاتا ہے۔ برے کام برے بندوں کو دیتا ہے یعنی ان امور کی طرف قلوب کا پھیرنا اللہ عزوجل کا کام ہے۔

فائدہ:۔ یہ اس کے عدل کا کرشمہ ہے۔ اس لیے کہ اس کا عدل کبھی ایسی باتوں سے پورا ہوتا ہے جن میں انسان کا کوئی دخل نہیں اور کبھی انسان عین کمال ہو جاتا ہے کیونکہ وہ بھی منجملہ اس کے افعال کے ہے یعنی اس کا ارادہ اور قدرت اور علم و عمل اور تمام اسباب و حرکات تعین ہیں۔ تمام اسی کے افعال ہیں جس نے اسے عدل کے ساتھ ایسی ترتیب پر رکھا ہے کہ اس سے افعال معتدلہ سرزد ہوتے ہیں مگر چونکہ انسان اپنے نفس کے سوا اور کچھ محسوس نہیں ہوتا' اس لیے اسے یہی گمان ہوتا ہے کہ جو کچھ دنیا میں مجھ پر ظاہر ہوتا ہے' اس کا کوئی سبب عالم غیب اور عالم ملکوت سے نہیں۔ اسی لئے اس کو اپنے طرف ہی منسوب کرتا ہے۔

مثال:۔ اس حقیقت کو ایک مثال سے سمجھئے۔ وہ یہ کہ رات کو ایک بچہ پتلیوں کا تماشہ دیکھتا ہے کہ وہ پتلیاں پردے سے نکل کر اچھلتی اور ناچتی اور قسم و قسم کی حرکت کرتی ہیں حالانکہ وہ تو کپڑے کی گڑیاں ہیں' وہ خود تو کوئی حرکت نہیں کر سکتیں' ان کی حرکتیں تاروں یا بالوں سے ہوتی ہیں جو رات کی تاریکی کی وجہ سے معلوم نہیں ہو سکیں اور ان کے سر بازیگر کے ہاتھوں میں ہوتے ہیں جو بچوں کی نگاہوں سے چھپا ہوا ہے اور پردے کے پیچھے ایسی جگہ پر جو بچوں کی نگاہوں سے اوجھل ہے' پتلیوں کی حرکت دیکھ کر بچے تعجب کرتے اور خوش ہوتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ناچنے والی یہی پتلیاں ہیں' یہی اٹھتی ہیں' یہی بیٹھتی ہیں حالانکہ عقلمند جانتا ہے کہ پتلیاں خود متحرک نہیں' انہیں کوئی اور حرکت دیتا ہے لیکن اس کی تفصیل عقلمند کو بھی معلوم نہیں کہ انہیں حرکت دینے والا کیسے حرکت دیتا ہے۔ ان تفصیلی حرکات کو صرف بازیگر جانتا ہے۔ اسی طرح دنیا میں لوگوں کو سمجھئے کہ ان کی حرکات و سکنات کا علم سوائے علماء

کرام کے اور کوئی نہیں جانتا۔ علماء کرام (اولیاء) کے سوا باقی تمام عوام انجان بچے ہیں کیونکہ یہ عوام جب خود کو اور دوسروں کو دیکھتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ یہ تمام حرکات و سکنات ان کی اپنی ہیں' اس لیے انہیں اپنی طرف اور دوسرے اشخاص کی طرف منسوب کر دیتے ہیں حالانکہ علماء کرام جانتے ہیں کہ ان کا متحرک کوئی اور ہے لیکن ان حرکات کی تفصیل سے یہ (علماء) بھی نا واقف ہیں لیکن عارفین کو ان حرکات کا بھی مشاہدہ ہو جاتا ہے یعنی وہ حضرات اپنی تیز نگاہی سے دیکھ لیتے ہیں کہ آسمان سے مکڑی کے جالے سے بھی باریک تار نیچے لٹکے ہوئے ہیں اور وہ تار تمام اشخاص کے سروں میں پیوست ہیں' وہ ان ظاہری آنکھوں کو نظر نہیں آتے' ہاں وہ مشاہدہ والے اولیاء دیکھ رہے ہوتے ہیں کہ ان تاروں کا قبضہ غیبی ہاتھوں میں ہے اور وہ غیبی ہاتھ فرشتے ہیں جو حاملین عرش کے محتاج ہیں جو اشارے وہاں سے پاتے ہیں' اسی طرح یہ بھی حرکت کرتے ہیں اور حاملین عرش کو اللہ (عزوجل) کا حکم ہوتا ہے جسے صرف یہی جانتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حاملین عرش کبھی بھی حکم اعلیٰ سے عدولی نہیں کرتے۔ جو حکم پاتے ہیں' وہی نیچے والے فرشتوں کو بتاتے ہیں اور اس مشاہدہ غیبی کا ذکر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وفی السمآء رزقکم وما توعدون (الذاریات 22) ترجمہ کنزالایمان: اور آسمان میں تمہارا رزق ہے اور جو تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے۔

فائدہ:۔ اس آیت میں اسی مشاہدہ مرقومہ بالا کی طرف اشارہ ہے اور آسمان کے ملائکہ جو اشارۂ غیبی کے منتظر ہوتے ہیں' ان کا ذکر بھی قرآن مجید میں ہے۔ خلق سبع سمٰوت ومن الارض مثلھن تنزل الامر بینھن لتعلموا ان اللہ علی کل شئی قدیر و ان اللہ قد احاط بکل شئی علما (الطلاق 12) ترجمہ کنزالایمان: سات آسمان بنائے اور انہیں انہی کے برابر زمین حکم ان کے درمیان اترتا ہے تاکہ تم جان لو کہ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے اللہ کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔

یہ وہ معانی ہیں جنہیں اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا یا راسخین فی العلم (اولیاء کرام) جانتے ہیں۔

عجوبہ:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ راسخین فی العلم وہ حضرات ہیں کہ جن کے علوم عوام کی فہم و فراست کی برداشت سے باہر ہیں۔ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے یتنزل الامر پڑھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس کا معانی کچھ مجھے معلوم ہے۔ اگر میں بیان کروں تو تم سنگسار کرو گے۔ ایک روایت میں ہے کہ تم مجھے کافر کہو گے۔

فائدہ:۔ امام غزالی قدس سرہ یہ بیان لکھ کر فرماتے ہیں کہ عنان کلام قبضہ اختیار سے نکل گئی۔ ہم مطلب سے دور نکل گئے' اس لیے کہ ہم نے علم معاملہ بیان کرنا تھا لیکن علم مکاشفہ بیان شروع کر دیا۔ لو سنو اب ہم علم معاملہ کی طرف آتے ہیں:۔

جب حقیقت شکر یہی ہے کہ انسان ایسا عمل کرے جس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت پوری ہو جائے تو بندوں میں جو بندہ زیادہ شاکر ہو گا' وہی اللہ تعالیٰ کا زیادہ محبوب ہو گا بلکہ اس کے قریب تر ہو گا۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کو قریب ہیں اور

ان میں بھی قرب کی تربیت ہے اور ہر ایک کا درجہ علیحدہ علیحدہ ہے۔ مرتبہ قرب میں سب سے زیادہ قریب اسرافیل علیہ السلام ہیں۔ اس مرتبہ میں اسرافیل علیہ السلام تمام فرشتوں سے اعلیٰ ہیں۔ دیگر فرشتوں کے درجات بھی بامعنی بلند تر ہیں کہ وہ بذات خود کرام و بررہ ہیں۔ اسی وجہ سے بعض انبیاء علیہم السلام کو صالح اس لیے فرمایا کہ وہ زمین پر تمام مخلوق سے اشرف ہیں اور ملائکہ کے درجے انبیاء علیہم السلام کے قریب ہوتے ہیں۔ چونکہ انبیاء علیہم السلام بذات خود اشرف و برگزیدہ ہیں' اسی لیے اللہ نے انہیں خلق کی ہدایت کے لیے منتخب فرمایا۔ اسی طرح سے اس نے اپنی حکمت پوری فرمائی۔ انبیاء علیہم السلام کے مراتب کے اختتام کے بعد علماء کا درجہ ہے کہ وہ وارث الانبیاء ہیں اور وہ بھی بذات خود اہل صلاح ہیں۔ انہی کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی اصلاح فرماتا ہے اور علماء کرام میں بھی اعلیٰ پھر اعلیٰ وہی ہوگا جس نے سب سے پہلے اپنی اصلاح' پھر عوام کی اصلاح کی ہوگی۔ (جیسے حضور غوث اعظم حضور غریب نواز اجمیری و داتا ہجویری وغیرہ۔ اویسی غفرلہ) یہ اس لیے اعلیٰ درجہ والے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ اپنی حکمت پوری فرمائی۔

افضل الکل:۔ تمام مخلوق میں سب سے اعلیٰ مرتبہ ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ختم الرسل کا ہے جن کی ذات اقدس سے اللہ تعالیٰ نے اپنا دین مکمل فرمایا اور نبوت ختم فرمائی۔ ان کے بعد انبیاء کا درجہ انبیاء کے بعد علماء کا درجہ' علماء کے درجات وہی ہیں جتنا انہوں نے اپنی اصلاح فرمائی اور خلق خدا کی اصلاح فرمائی۔ ایسے ہی ان کے بعد سلاطین کا درجہ ہے لیکن وہ جنہوں نے مخلوق کی اصلاح فرمائی۔

مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان:۔ چونکہ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دونوں نعمتیں تھیں یعنی جن و سلطنت' اسی لیے آپ کا مرتبہ تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہے۔ اس لیے کہ آپ کے پاس دین تھا تو اللہ نے آپ کو تلوار بھی دی اور جہاد کے لیے یہ عمدہ تلوار آپ سے پہلے کسی نبی علیہ السلام کو نہ ملا۔ یہی وجہ ہے کہ ان انبیاء علیہم السلام کو تمنا رہتی کہ وہ بھی ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہوتے۔

فائدہ:۔ باعمل علما اور عادل سلاطین کے مرتبہ کے بعد ان لوگوں کا مرتبہ ہے جنہوں نے اپنے دین و نفس کی اصلاح کی اور خود کو احکام الٰہی کا پابند بنایا۔ ان کے بعد باقی عوام (قیامت میں) کسمپرسی میں ہوں گے۔

انتباہ:۔ سلاطین سے دین کو تقویت پہنچتی ہے' اسی لیے انہیں حقیر نہیں سمجھنا چاہیے۔ اگرچہ ظالم و فاسق و فاجر ہو (اس کی علت وہی ہے کہ دین کو تقویت پہنچے لور جن ظالموں کا الٹا دین مٹانے پر کام ہے جیسے ہمارے دور کے اکثر ظالموں کا طریقہ کار ہے انہیں کیا کہا جائے (اویسی غفرلہ)

مسئلہ:۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حاکم ظالم دائمی فتنہ و فساد سے بہتر ہے۔ (جو خود دین کے لیے فتنہ و فساد ہو جیسے ہمارے دور کے اکثر صدور و وزراء ان کو ہم کیا سمجھیں؟) (اویسی غفرلہ)

حدیث شریف :- عنقریب (میرے بعد) حاکم ظالم پیدا ہوں گے۔ بعض کو تم جانتے ہو گے، بعض کو نہیں جانتے ہو گے۔ وہ فتنہ و فساد کریں گے اور جن کے ذریعے اللہ اصطلاح فرمائے گا' وہ بھی اکثر ہوں گے۔ اگر وہ لوگ بھلائی کریں تو ان کے لیے ثواب ہے اور تم پر شکر۔ اگر وہ برائی کریں تو ان کو گناہ ہے اور تم پر صبر ضروری ہے۔

جو شخص سلطان کی سلطنت کا منکر ہو' وہ کافر (باغی) ہے اور جسے بادشاہ بلائے اور وہ نہ جائے' وہ بدبخت ہے اور جو ان کے پاس بلا دعوت جائے' وہ نادان ہے۔ یہ حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔ پھر ان سے پوچھا گیا کہ انسانوں میں کون افضل ہے' فرمایا سلطان۔ لوگوں نے کہا کہ ہم تو سلاطین کو برا سمجھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا' ایسا نہ کرو' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ روزانہ بادشاہ کی دو باتیں دیکھتا ہے۔ (1) اس کی وجہ سے عوام کے قلوب باسلامت ہیں۔ (2) ان کو بادشاہوں کی وجہ سے کوئی فکر اور پریشانی نہیں۔ یہ دونوں باتیں بادشاہوں کے اعمال نامے میں دیکھی جاتی ہیں۔ جب دونوں صحیح معیار پر ہوتی ہیں تو بادشاہوں کے دوسرے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

تجویہ :- یہ بھی حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ سیاہ لکڑیاں (جو مجرموں کے جرائم کی سزا کے لیے ان کے دروازوں پر لٹکی ہوئی ہوتی ہیں' وہ ستر واعظوں (مقررین) کے وعظ سے بہتر ہیں۔ اس لیے کہ وعظ سن کر عوام بہت کم برائیوں کو چھوڑتے ہیں لیکن ڈنڈا' سرواعظین سے بہتر ہے۔ اسی لیے کسی منچلے شاعر نے کہا:-

عرشوں اتریں چار کتابیں پانچواں اترا ڈنڈا ### چار کتابیں سب کچھ کرتیں لیکن سیدھا کرتا ڈنڈا

(اضافہ اویسی غفرلہ)

وہ امور جن پر شکر واجب ہے :- ہم اس مضمون میں یہ ذکر کریں گے کہ نعمت کیا ہے اور کونسی شے نعمت خاص ہے اور کس شے کو نعمت عام کہا گیا ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شمار نہیں ہو سکتا۔ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا وان تعدو انعمت اللّٰہ لا تحصوھا (ابراہیم 34) ترجمہ کنزالایمان: اور اگر اللہ کی نعمتیں گنو تو شمار نہ کرسکو گے۔

اسی لیے ہم پہلے چند کلی امور بیان کرتے ہیں تاکہ وہ نعمتوں کی معرفت کے قوانین کے قائم مقام ہو سکیں' پھر ان کا (ہر نعمت کا) علیحدہ علیحدہ ذکر کریں گے۔

حقیقت نعمت اور اس کی اقسام :- ہر خیر و بھلائی اور ہر لذت و سعادت طلبہ ہر مطلب کو نعمت کہا جا سکتا ہے۔ ان کے باقی کو نعمت کہنا غلط ہے۔ ہاں اصلی اور حقیقی نعمت تو اخروی سعادت ہے جنہیں غلطی سے نعمت کہا جائے۔ اس کی بات نہیں' ان کے سوا باقی تمام دنیوی سعادتوں کو مجاز نعمت کہتے ہیں جو شے سعادت اخروی کی مدد کرے یا اس کا سبب بنے یا سعادت اخروی تک پہنچائے' ایک واسطہ سے یا کئی واسطوں سے۔ اسے بھی نعمت کہا جا سکتا ہے' اس لیے یہ حقیقی نعمت (اخروی) کا ذریعہ اور سبب ہے' بہرحال جو اسباب و لذات سعادت اخروی کی معین ہیں اور جن کا نام نعمت ہے' اس کی کئی قسمیں ہیں۔

تقسیم اول :- وہ امور جن کو اگر ہم اپنی طرف خیال کر کے دیکھیں تو وہ چار طرح ہیں۔ (1) دنیا و آخرت میں نافع ہوں' جیسے علم اور حسن خلق۔ (2) دنیا و آخرت میں مضر (ضرر رساں) ہوں جیسے جہل اور بد خلقی۔ (3) دنیا مفید اور آخرت میں مضر (ضرر رساں) جیسے اتباع شہوات سے لذت پانا۔ (4) دنیا میں مضر ہوں' آخرت میں مفید جیسے شہوات نفسانی کی بیخ کنی کرنا اور نفس کی مخالفت۔ اب ان کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

(1) دنیا و آخرت میں مفید ہو۔ وہی حقیقت نعمت ہے جیسے علم و حسن خلق۔

(2) وہ جو دنیا و آخرت میں مضر ہے' وہ پہلی نعمت کی نقیض ہے' وہ سراسر مصیبت ہے۔

(3) جو دنیا میں نافع' آخرت میں مضر' وہ ارباب بصیرت کے نزدیک بلکہ ہر سمجھدار کے ہاں یہ سراسر مصیبت ہے لیکن جہلاء اسے نعمت سمجھتے ہیں۔

مثال :- کسی بھوکے کو شہد حاصل ہو لیکن اس میں زہر کی ملاوٹ ہے تو جو زہر کی ملاوٹ سے بے خبر ہو گا' وہ اسی شہد کو نعمت سمجھے گا۔ جب یہی شہد پی کر بیمار ہو جائے گا' پھر سمجھے گا کہ وہ شہد اس کے لیے ایک بلا تھی۔

(4) جو شے دنیا میں مضر اور آخرت میں مفید ہو' وہ عقلمندوں کے نزدیک نعمت ہے اور جہلاء کے نزدیک مصیبت ہے۔

مثال :- اس کی مثال کڑوی دوائی جیسی ہے کہ پیتے وقت تو اس کا ذائقہ برا لگتا ہے لیکن اس کا انجام صحیح ہے کہ اس سے صحت و تندرستی نصیب ہوتی ہے۔ جس نادان بچے کو ایسی دوائی پلائی جائے تو وہ اسے وبال سمجھتا ہے لیکن عقلمند اسے نعمت تصور کرتا ہے کہ اس سے بچے کو صحت نصیب ہو گی بلکہ جو بھی اس بچے کے لیے ایسی دوائی تجویز کرتا ہے یا لاتا ہے تو بچے کا سرپرست اس کا بھی ممنون اور شکر گزار ہوتا ہے۔

دوسری مثال :- ماں بچے کو پچھنے لگوانے سے پس و پیش کرتی ہے کہ بچے کا خون نکلے گا۔ چونکہ ماں کی عقل کمزور ہے' باپ عقلمند ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ بچے کے خون نکلوانے میں شفا ہے۔ بچہ ناواقفیت کی وجہ سے ماں کا شکر گزار ہو گا اور اسی سے ہی مانوس ہو گا اور باپ سے نفرت کرے گا لیکن بچے کو سمجھ ہو تو معلوم کر لے کہ اس صورت میں اس کی ماں دشمن ہے۔ اگرچہ ظاہر میں اس کی خیر خواہ ہے اور باطن میں اس کی دشمن ہے' اس لیے کہ گندے خون کو نکالنے کو روک رہی ہے جو بعد کو اسی بچے کا جان لیوا ثابت ہو گا۔ اسی لیے کہتے ہیں جاہل دوست عقلمند دشمن سے زیادہ برا ہوتا ہے۔ ہر انسان اپنے نفس کا دوست ہے مگر یہ دوست حقیقتاً دشمن ہے کیونکہ اس کے انجام سے جاہل ہے' پھر اس کے ساتھ ایسے کام کرتا ہے جو دشمن بھی نہ کرے یعنی اس کی خواہشات پوری کر کے اپنا انجام برباد کرتا ہے۔

تقسیم 2 :- دنیا کے جتنے اسباب ہیں وہ ایک دوسرے سے ملے جلے ہوتے ہیں۔ بھلائی بھلائی کے ساتھ۔ ایسا بہت کم

اتفاق ہو گا کہ جو اسباب بہتر ہیں' وہ صاف پاک بھی ہوں مثل مال اور اہل مال اور ارقاب اور جاہ و مراتب اور دوسرے اسباب میں سے بقدر حاجت و کفایت ہونا دوسرے یہ کہ اکثر لوگوں کے حق میں اس کا ضرر و نفع کی نسبت زیادہ ہو جیسے مال کثیر اور بہت زیادہ۔ تیسرے یہ کہ ضرر و فائدہ دونوں برابر ہوں۔

فائدہ :- یہ وہ باتیں ہیں جو لوگوں کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہیں۔ بہت سے انسان نیک بخت یوں ہوتے ہیں کہ اچھے مال سے بہت سا فائدہ اٹھاتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں تو ایسا مال ایسے انسان کے لیے نعمت ہے۔ نیز کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ کسی مال کی وجہ بارگاہ الٰہی میں شکایت کرتے ہیں (جیسے عموماً یہی آج کل ہو رہا ہے) اس کے پاس جتنا مال ہے' وہ اس کے لیے مصیبت ہے کہ راہ اللہ میں خرچ بھی نہیں کرتا' الٹا زیادتی کی فکر میں ہے۔

تقسیم 3 :- تمام خیرات کی باتیں جو انسان سے ہو سکتی ہیں' ان کے ساتھ ایک اعتبار سے تین قسم ہیں۔ (1) بذات خود وہ مقصود و محبوب ہوں۔ (2) غیر کے لیے محبوب ہوں۔ (3) خود بھی محبوب ہوں' کسی غیر کو حاصل کرنے کے لیے بھی محبوب ہوں۔ پہلی کی مثال دیدار الٰہی کی لذت اور اس کے وصال کی سعادت یعنی اخروی سعادت کہ کبھی منقطع نہ ہو۔ عوام کو اس سعادت کی طلب اس لیے نہیں کہ یہ کسی سعادت کے حاصل کرنے کا ذریعہ تو ہے نہیں' اس کی طلب بذات خود مقصود ہے۔ اس لیے عوام اس کی حقیقت سے بے خبر ہیں' اس لیے وہ اس کی طلب نہیں کرتے۔

#وہ سعادت کہ جسے دوسری شے کے حاصل کرنے کے لیے مطلوب ہے' اس کی ذات سے کوئی سروکار نہیں جیسے سونا چاندی۔ یہ ذاتی طور مطلوب نہیں بلکہ ضروریات پورا کرنے کے لیے مطلوب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر ان ضروریات کو پورا کرنے کی غرض نہ ہوتی تو چاندی' سونا اور کنکریاں برابر ہوتیں لیکن سونا' چاندی لذات و ضروریات کا اعلیٰ ذریعہ ہیں' اس لیے تمام دنیوی اسباب سے محبوب تر ہیں۔ ایسی محبوب ہیں کہ آئندہ ضروریات کا تصور نہ بھی ہو تب بھی انہیں ذخیرہ کر کے خزینہ بنا کر چھپائی جاتی ہیں اور انہیں جب خرچ کیا جاتا ہے تو ریاء کو بھی دخل ہوتا ہے۔ ان کی شدید ضرورت کی وجہ سے بعض لوگ انہیں مقصود بالذات سمجھتے ہیں۔

مثال :- سونا' چاندی کو مقصود بالذات سمجھنے والوں کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی کسی دوسرے انسان کو چاہتا ہے کہ اس سے اسے اتنا پیار ہے کہ اسے اس کا قاصد بھی پیارا لگتا ہے اور وہ قاصد بار بار محبوب کا پیام لانے کی وجہ سے اتنا پیارا ہو جائے کہ اصلی محبوب بھول جائے' پھر بیوقوفی سے اصل محبوب کو بھلا کر سارا پیار و محبت قاصد پر لگا دے۔ گویا اب وہی مقصود و مطلوب ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر جاہل بلکہ احمق اور کون ہو گا۔

وہ شے خود بھی مطلب ہے' دوسری شے کے حاصل کرنے کی وجہ سے بھی محبوب ہے جیسے صحت و سلامتی کہ انسان اسے اس لیے چاہتا ہے کہ اس سے ذکر و فکر و دیگر وہ نیکیاں جن سے دیدار الٰہی نصیب ہو گا اور یہی صحت و

سلامتی دنیوی امور کے حاصل کرنے کا ذریعہ بھی ہے' اس لیے صحت و سلامتی دونوں اعتبار سے محبوب و مطلوب ہے۔

فائدہ :۔ کبھی صحت و سلامتی ذاتی طور بھی محبوب ہوتی ہے۔ اس سے یہ غرض نہیں کہ اس سے کوئی اور شے حاصل ہو یا نہ مثلاً جسے پیدل چلنے کی ضرورت نہ ہو کیونکہ اس کو ہر طرح کی سواریاں حاصل ہیں۔ جہاز' موٹر کار وغیرہ۔ اس کے باوجود وہ چاہتا ہے کہ اس کے پاؤں صحیح و سالم ہوں حالانکہ پاؤں کی صحت و سلامتی سفر طے کرنے میں ہے۔ مگر سلامتی خود بھی ایک محبوب شے ہے اس لئے بذاتہ بھی مقصود ہے۔

ان تینوں صورتوں میں بہتر و اعلیٰ صورت اول ہے اور اسی کو نعمت حقیقی کہا جائے گا کیونکہ وہ خود بھی مقصود ہے اور دوسروں کے حاصل کرنے کے لیے بھی مقصود ہے۔ اس کے بعد صورت دوم' تیسری صورت یعنی وہ جو خود تو مقصود نہیں لیکن دوسری چیزوں کے حاصل کرنے کے لیے مطلوب ہے۔ جیسے سونا' چاندی وغیرہ تو یہ معدنی حیثیت کی وجہ سے نعمت نہیں کیونکہ محض پتھر ہیں لیکن اس وجہ سے نعمت ہیں کہ یہ دوسرے مقاصد و اغراض کا وسیلہ ہیں لیکن یہ بھی اس شخص کے لیے نعمت ہوں گی جو ان کے بغیر اپنے مقاصد حاصل نہیں کر سکتا۔

ولی اللہ کی شان :۔ جن حضرات کو سونا چاندی کے بغیر کاروبار چلانا آتا ہے مثلاً وہ علم و عمل اور عبادت کے دھنی ہیں' وہ اپنی گزر اوقات بقدر کفایت رکھتے ہیں تو ایسے حضرات کے نزدیک سونا' چاندی اور ڈھیلے پتھر برابر ہیں۔ ان کی نظر میں سونے' چاندی کا ہونا نہ ہونا برابر ہے بلکہ الٹا ان کے نزدیک سونا' چاندی وبال محسوس ہوتا ہے۔ جب یہ چیزیں انہیں عبادت اور علم و عمل کے لیے باعث تشویش ہوں۔

تقسیم 4 :۔ خیرات و سعادت کے اور اعتبار سے تین قسم اور ہیں۔ (1) لذیذ جس کا نفع نقد ہو۔ (2) نافع ہو لیکن اس کا نفع اس کے انجام پر محسوس ہو۔ (3) جمیل جو ہر حال میں اچھی' اس کے برعکس برائی بھی تین قسم ہیں۔ (1) ضرر رساں۔ (2) قبیح۔ (3) لذت رساں۔ پھر خیر و شر کی دو قسمیں (1) مطلق (2) مقید۔ خیر مطلق وہ جس میں خیر کے تینوں مذکورہ اوصاف جمع ہوں' مثلاً علم و حکمت کہ یہ اہل علم و حکمت کے نزدیک نافع بھی ہیں' جمیل بھی ہیں اور لذیذ بھی اور سرف مطلق جیسے جہل کہ وہ مضر قبیح اور لذت رساں ہے لیکن جاہل کو اس کے ضرر کا علم تب ہو گا جب وہ سمجھے کہ وہ واقعی جاہل ہے اور اپنے دوسرے ہمعصر کو عالم دیکھ کر اس کے علم کا اعتراف کرے۔ تب اسے محسوس ہو گا کہ واقعی علم ضرر رساں ہے' اس سے اسے علم حاصل کرنے کا شوق اٹھے گا کیونکہ وہ علم مزیدار شے ہے۔

فائدہ :۔ جب ایسا جاہل علم حاصل نہ کر سکے گا بوجہ موانعات کے' ان موانع میں حسد' کبر اور شہوت ہے۔ اب یہ شخص لٹک گیا' نہ علم حاصل ہو سکتا ہے کہ جس سے جہالت کا ورد جائے اور دوسرے جہالت کی وجہ سے خود کو کم مرتبہ دیکھتا ہے جو جلتا رہتا ہے۔ اگر علم حاصل کرتا ہے تو بھی شہوات نفسانیہ کے ترک اور دوسروں (اہل علم) کے سامنے گھٹنے ٹیکنے کے عجز و انکسار کے اظہار یا تکبر چھوڑنا یہ باتیں بھی سخت ہیں' اسی لیے علم کا حاصل ہونا بھی بعید اسی

لیے یہ شخص گویا کئی طرح کے عذاب میں ہے۔

مقید کی تفصیل :۔ یہ وہ ہے کہ جس میں بعض اوصاف خیر کے اور بعض اوصاف شر کے ملے ہوئے ہوں مثلاً بعض اوقات ایک نافع شے سے اذیت پہنچتی ہے جیسے کسی کی انگلی کو آکلہ بیماری ہو گئی ہے تو اسے کٹوانا ضروری ہے تو وہ اسے کٹوا دے یا رسولی (بیماری) ہے' اسے کٹوا ڈالے۔ (نافع تھیں لیکن ان میں ضرر کی ملاوٹ ہو گئی) ایسے ہی کبھی نافع شے قبیح ہوتی ہے جیسے حماقت کہ بعض اعتبار سے یہ نافع بھی ہے' اسی لیے بعض لوگ کہا کرتے ہیں احمق بعض وجوہ سے راحت میں ہے کیونکہ بے عقل بے فکری کی زندگی گزارتا ہے کیونکہ اسے انجام کا علم نہیں ہوتا' اس لیے وہ انجام سے بے خبری کی وجہ سے من وجہ خوش رہتا ہے' مرتے دم تک اس کا یہی حال رہتا ہے۔

فائدہ :۔ بعض چیزیں من وجہ مضر ہوتی ہیں تو وہ نافع بھی ہوتی ہیں۔ جیسے دریا میں ڈوبنے کی خطرہ سے مال دریا میں پھینک دینا' اس سے اگرچہ مال کے ضائع ہونے کا ضرر ہے مگر جان بچ جانے کا نفع تو ہے یعنی بوجھ اتارنے سے کشتی ڈوبنے سے بچ گئی۔ اس سے کئی جانوں کو نجات ملی۔ یہ نفع مال کے دریا میں ڈالنے کے نقصان سے بہتر ہے۔

نافع کی قسمیں :۔ نافع کی دو قسمیں ہیں۔ (1) ضروری جیسے ایمان' حسن خلق۔ اس لیے کہ یہ سعادت اخروی کے پہچاننے کا اعلیٰ وسیلہ ہیں۔ حسن خلق سے مراد علم و عمل ہیں۔ یہ ضروری اس لیے کہ ان کے قائم مقام کوئی شے نہیں ہو سکتی۔ (2) غیر ضروری جیسے سکنجبین صفرا کو دفع کرنے کے لیے یہ اس لیے غیر ضروری ہے کہ صفراء کے دفیعہ کے لیے سکنجبین کے قائم مقام اور اشیاء بھی ہیں کہ وہ صفراء کو دفع کر سکتی ہیں۔

تقسیم 5 :۔ پہلے ثابت ہو چکا کہ نعمت لذت کو کہتے ہیں اور یہ لذتیں اس اعتبار سے کہ انہیں انسان سے تعلق ہے یا اس کے غیر بھی اس میں شریک ہیں' یہ تین قسم کے ہیں۔ (1) مخصوص بہ انسان (2) انسان کے ساتھ شرکت غیر۔ یہ دو قسم ہے۔ (1) انسان کے ساتھ بعض حیوانات شریک ہیں۔ (2) انسان کے ساتھ جملہ حیوانات شریک ہیں۔ پہلے کی مثال عقل کہ یہ صرف انسان سے مخصوص ہے۔ دوسرے اور تیسرے کی مثال بدن ہے۔ عقل کی نعمت سے علم و حکمت ہے کہ ان کی لذت قلب کو نصیب ہوتی ہے۔ اس نعمت یعنی لذت سے آنکھ' کان اور باقی حواس کو اس سے کوئی حصہ نصیب نہیں یعنی علم و حکمت کی لذت سے بے بہرہ ہیں۔ ایسے ہی پیٹ و شرمگاہ دونوں علم و حکمت کی لذت سے فارغ ہیں۔

نکتہ :۔ علم و حکمت کی لذت صرف قلب سے اس لیے مخصوص ہے کہ عقل ضعیف ہے' اس کا تعلق قلب سے ہے اور وہ قوی ہے۔

سوال :۔ عقل ضعیف کیسے؟

جواب :۔ اگرچہ لذت کے لحاظ سے یہ تمام لذتوں سے اشرف ہے لیکن ہے ضعیف لیکن کمزوری کے معنی میں نہیں

بلکہ نادر الوجود کی حیثیت سے ہے کہ علمی لذت پانے والے بہت کم ہیں یعنی علم و حکمت کی لذت حاصل کرنے والے بہت ہی قلیل اور کم ہیں۔ اگرچہ نام کے حکیم و عالم تو بکثرت ہیں لیکن حقیقی حکیم و عالم نہایت ہی کم ہیں۔ اس معنی پر یہ کم یعنی نادر الوجود ہوا کہ علم و حکمت کی لذت پانے والے لوگ نادر الوجود ہیں۔

نکتہ :۔ علم و حکمت اشرف ہیں۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ ان کی لذت انسان کے ساتھ ہروقت موجود رہتی ہے۔ نہ یہ دنیا میں زائل ہو نہ آخرت میں، پھر لطف یہ کہ اس لذت سے تھکن اور ملال بھی نہیں بخلاف دوسری نعمتوں و لذتوں کے کہ ان سے وہ تھکن اور ملال ہوتی ہے مثلاً کھانا نعمت یعنی لذت ہے لیکن زیادہ کھاؤ تو بوجھ اور سستی ہوتی ہے۔ ایسے ہی جماع لذت ہے لیکن بعد فراغت بدن میں ثقالت محسوس ہوتی لیکن علم و حکمت سے نہ تھکن نہ بوجھ۔

پند غزالی قدس سرہ :۔ حضرت امام غزالی قدس سرہ مذکورہ بالا تقریر کے بعد فرماتے ہیں کہ جس خوش قسمت کو علم و حکمت کی دولت نصیب ہے، وہ اگر اس اعلیٰ و اشرف دولت (علم و حکمت) کو ادنیٰ شے (دنیا) کے عوض بیچ ڈالے۔ اس جیسا احمق اور بدبخت اور کون ہوگا کہ اس نے دنیا کے عوض میں علم و حکمت کی اعلیٰ دولت بیچ ڈالی جیسے آج کل ہو رہا ہے کہ علم و حکمت کو دنیا کے بدلے بعض علماء بیچ رہے ہیں۔

علم و حکمت وہ دولت ہے کہ اس کی حفاظت کے لیے نہ چوکیداروں کی ضرورت نہ نگرانوں کی بخلاف مال دنیا کے کہ اس کی حفاظت کتنا سر درد ہے بلکہ علم و حکمت انسان کی خود حفاظت کرتے ہیں۔

موازنہ علم و مال :۔ علم خود محافظ ہے۔ مال کی حفاظت کی جاتی ہے، مال خرچ کرنے سے گھٹتا ہے جبکہ علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے۔ مال چوری ہو جاتا ہے، دنیوی عہدہ ختم ہو سکتا ہے، علم نہ چوری ہو سکتا ہے اور نہ اہل علم کا عہدہ چھینا جا سکتا ہے۔ جس دل میں علم ڈیرہ ڈالے، وہ دل ہمیشہ آباد و شاد اور پرسکون ہو اور جہاں مال دنیا گھر بنائے وہاں بے سکونی اور اضطراب مال والے ہمیشہ خوفزدہ رہیں اور اہل علم کو کسی کا خوف نہ ڈر۔

فائدہ :۔ علم سراسر لذیذ، جمیل اور نافع اور مال کبھی اہل مال کو ہلاک کر ڈالتا ہے مثلاً ڈاکو، لٹیرے مال بھی چھین لیتے ہیں اور بعض ظالم مال والے کو قتل بھی کر ڈالتے ہیں۔ ہاں کبھی مال نجات کا موجب بھی بنتا ہے۔ جب اسے کار خیر میں صرف کیا جائے۔ اسی لیے مال کو اللہ تعالیٰ نے خیر کی صفت سے بھی موصوف فرمایا ہے۔ ہاں ساتھ ہی اس کی مذمت بھی فرمائی ہے۔

سوال :۔ جب علم سراسر لذیذ، جمیل اور نافع ہے، اس سے اکثر لوگ محروم کیوں ہیں؟

جواب :۔ انہیں علم کی لذت کا ذوق نہیں جسے ذوق نہ ہو، وہ لذت کو کیا جانے؟ صفراء کا غلبہ ہو تو شہد کے مٹھاس کا کیا علم۔ قاعدہ ہے شے کا اشتیاق چیز کے چکھنے کے بعد ہوتا ہے اور جنہیں علم کی چاشنی نصیب نہیں تو وہ علم کا شوق

کیسے کریں گے۔ نیز ان لوگوں کے مزاج خراب ہو چکے ہیں۔ قلوب اتباع شہوات کے امراض سے بیمار ہو گئے تو جیسے بیماری سے زبان پر کڑوا پن کا غلبہ ہو تو اس وقت شہد بھی کڑوا لگتا ہے۔ نیز جہلاء کی طبائع اور دانائی کا قصور ہے کہ انہیں تاحال وہ صفت نصیب ہی نہیں ہوئی کہ جس سے وہ علم کی لذت سے آشنا ہوں۔

مثال:۔ ان کی مثال شیر خوار بچوں سی ہے کہ وہ شہد اور دیگر لذائذ سے ناآشنا ہے۔ اسے دودھ کے سوا اور کوئی شے اچھی نہیں لگتی بلکہ دودھ کے سوا کوئی اور شے منہ میں ڈالو تو کراہتا ہے اور منہ بگاڑتا ہے۔ اس سے گویا وہ جتاتا ہے کہ یہ چیزیں اسے مزیدار محسوس نہیں ہوتیں۔ اس کے نزدیک تو اس وقت صرف دودھ لذیذ تر شے ہے۔

جو لوگ علم و حکمت کے ادراک سے قاصر ہیں' وہ تین طرح ہیں۔ (1) ان کا باطن تاحال زندہ نہیں ہوا جیسے شیر خوار بچہ کہ اس کا باطن دودھ کے علاوہ دوسری اشیاء کے لیے تاحال زندہ نہیں ہے۔ (2) اتباع شہوات کے انہماک سے ان کے قلوب مردہ ہو گئے۔ (3) اتباع شہوات سے ان کے قلوب بیمار ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فی قلوبھم مرضی لینذر من کان حیا (پ ا- ترجمہ کنزالایمان) اس آیت میں اشارہ ہے کہ بعض لوگ باطنی حیات سے زندہ ہیں۔ زندہ ہے تب بھی مردہ ہے۔ بعض لوگ اللہ کے نزدیک مردے ہیں۔ اگرچہ جہلاء کے نزدیک وہ زندہ سمجھے جاتے ہیں۔ اسی سے ہے شہداء اللہ تعالیٰ کے نزدیک زندہ ہیں۔ وہ کھاتے پیتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔ اگرچہ وہ بظاہر مردہ ہیں۔ (یہ نعمت کی قسم مخصوص بہ انسان ہے)

مشترک انسان بہ بعض حیوانات:۔ یہ نعمت بدن ہے اور اس میں انسان کے ساتھ بعض حیوانات شریک ہیں۔ یہ نعمت کی دوسری قسم ہے مثلاً ریاست اور غلبہ کی لذت یہ شیر' چیتے اور بعض دوسرے جانوروں میں بھی پائی جاتی ہے۔

مشترک بہ جملہ حیوانات:۔ اس لذت میں انسان جملہ حیوانات کا شریک ہے۔ جیسے پیٹ اور شرمگاہ کی لذت یہ تمام لذات سے کمتر اور خسیس ہے اور ہے بھی بکثرت کیونکہ زمین پر جملہ حیوانات انسان' پرند' درند سب میں ہے۔ یہاں تک کہ کیڑے' مکوڑے اور جملہ حشرات الارض جتنا جس میں لذت بڑھے گی اتنا ہی وہ غلبہ لذت میں گرفتار ہوگا۔ یہ لذت غافلوں میں بہت زیادہ ہوتی ہے۔

فائدہ:۔ انسان کے لیے سب سے بڑی اور زیادہ لذت علم و حکمت کی ہے جس میں یہ لذت زیادہ ہوگی' وہ آگے کے مراتب کی طرف بڑھے گا' وہ ہے ذات الٰہی اور افعال و صفات لامتناہی کی معرفت کی نصرت جن میں یہ لذت غلبہ پاتی ہے' وہ صدیقین ہوتے ہیں۔ اس مرتبہ سے نوازے جانے پر انسان سے ریاست اور جاہ و جلال کی خواہش قلب سے نکل جاتی ہے۔

صوفیہ کرام کے نزدیک یہ قاعدہ کلیہ مشہور ہے کہ صدیقین کے دل سے سب سے آخر میں حب ریاست و جاہ و جلال ہے' اس لیے شکم کی خواہشات کا توڑنا تو تمام صلحاء جانتے ہیں بلکہ اس کے عامل ہوتے ہیں لیکن ریاست کی

خواہش کا توڑ صرف صدیقین کے پاس ہے لیکن یہ اس وقت ہے جبکہ دل سے اس کا ایسا قلع قمع کر دیا جائے کہ ریاست کی بو بھی نہ آئے بلکہ اس کا نشان تک مٹ جائے۔ یہ اعلیٰ مراتب کے صدیقین (جیسے صدیق اکبر اور دیگر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم) کر سکتے ہیں ورنہ ادنیٰ مراتب کے لوگوں کا حال یہ ہے کہ اس خواہش کو مٹانے کے باوجود کبھی عود کر آتی ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حب ریاست بالکل مٹ نہیں جاتی بلکہ اس کا اثر قلب پر باقی ہوتا ہے کہ جب بھی کوئی اسباب سامنے آتے ہیں' وہ مادہ حب ریاست جاگ اٹھتا ہے (سوائے مخصوص لوگوں کے لیے پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے' حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی انہیں سے ہیں جبکہ آپ کو کے شاہی کی پیشکش ہوئی تو آپ نے ٹھکرا دی۔ کیا خوب فرمایا کسی نے :-

تخت سکندری پر وہ تھوکتے نہیں ہیں ### بستر لگا ہوا ہے جن کا تیری گلی میں

قلوب کی اقسام :- مذکورہ بالا تقریر سے ثابت ہوتا ہے کہ قلوب کی چار قسمیں ہیں۔ (1) سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی سے محبت نہیں اور نہ ہی اسے معرفت الٰہی اور اس کی فکر کے بغیر چین و قرار ہو۔ (2) اسے خبر ہی نہیں کہ لذت معرفت کسے کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ انس و محبت کا کیا معنیٰ ہے۔ یہ صرف حب جاہ و ریاست اور مال و دولت اور جملہ شہوات بدنیہ میں گرفتار ہے۔ (3) اکثر تو اللہ تعالیٰ سے مانوس ہے اور اس کی معرفت و فکر سے لذت بھی پاتا ہے لیکن بعض اوقات اوصاف بشریہ کے تقاضے بھی پورے کر لیتا ہے۔ (4) اکثر اوقات تو لذات بشریہ سے لذت پاتا ہے لیکن کبھی علم و حکمت کی لذت سے بھی لذت پا لیتا ہے۔

تفصیل اقسام اربعہ :- مذکورہ بالا چار قسموں میں سے قسم اول اگرچہ ممکن ہے لیکن ہے بہت بعید از قیاس کیونکہ ایسا ہونا طاقت بشری سے خارج ہے۔ دوسری قسم کے قلوب تو ان اوصاف سے پر ہیں جن کا ذکر اسی قسم میں ہے۔ تیسری قسم اور چوتھی قسم کے لوگ دنیا میں موجود ہیں مگر بہت کم بلکہ ہر دور میں شاذ و نادر ہی رہے ہیں۔ ہاں قلت و کثرت کا فرق ہر دور میں رہا اور رہے گا البتہ زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب میں ایسے لوگ بکثرت تھے۔ اب جتنا ہی قیامت قریب آتی جائے گی' ایسے لوگوں کی کمی ہوتی جائے گی۔ اللہ جیسے چاہتا ہے' کرتا ہے۔

نکتہ :- قرب قیامت میں ایسے لوگوں کی قلت کا نکتہ یہ ہے کہ ایسے قلوب سلطنت آخرت کے آغاز ہوتے ہیں اور ظاہر ہے سلطنت کے لیے بادشاہ زائد نہیں ہوتے کیونکہ ملک (سلطنت) ایک شے ہے اور وہ سب کو اچھی لگتی ہے تو جس طرح ملک و جمال کے لیے فائق ایک یا دو ہوتے ہیں' ایسے ہی ملک آخرت کے لیے بھی فائق ایک یا دو ہوں اور دنیا کی مثال ہم نے اس لیے دی ہے کہ دنیا آخرت کا نمونہ ہے کیونکہ دنیا ظاہر کا نام اور آخرت باطن یعنی عالم غیب ہے جس طرح آئینہ میں دیکھنے والے کو اپنی صورت نظر آتی ہے' ایسے ہی آخرت کے لیے دنیا آئینہ ہے۔ اگرچہ آئینے میں صورت کا مرتبہ ثانی ہے' اس لیے کہ پہلے دیکھنے والا ہوتا ہے' پھر اس کی صورت بن کر سامنے آتی

ہے لیکن دیکھنے کے اعتبار سے وہی صورت پہلے ہے' اس لیے دیکھنے والا خود کو اس آئینہ کے بغیر دیکھ ہی نہیں سکتا۔ ثابت ہوا کہ دیکھنے میں آئینہ والی صورت اول ہے اور حقیقی لحاظ سے اصلی صورت اول۔ اسی آئینہ سے دیکھ کر دیکھنے والا یقین کرتا ہے کہ وہ یونہی ہے۔ اس قاعدہ سے واضح ہوا کہ جو چیز وجود میں تابع تھی یعنی عکس وہ جاننے کے باب میں متبوع اور اصل ہو گئی اور جو چیز وجود میں بعد کو تھی وہ پہچان میں اول ہو گئی لیکن یہ تغیرات دنیا میں ہیں اور حق بھی ہے کہ دنیا ایسے ہی ہو۔ اس معنی پر اب ہم سمجھاتے ہیں کہ دنیا عالم غیب یعنی آخرت کے مشابہ ہے۔ جن حضرات کو چشم بصیرت سے دیکھنا نصیب ہوا تو وہ اس ملک (دنیا) کی جس چیز کو دیکھتے ہیں' وہ عالم ملکوت کی اشیاء کو دیکھتے ہیں۔ ان کے اسی دیکھنے کو عبرت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فاعتبروا یا اولی الابصار (الحشر 2) ترجمہ کنز الایمان: تو عبرت لو اے نگاہ والو۔

دنیا میں عوام کی مثال:۔ جن لوگوں کی بصیرت کی آنکھ اندھی ہے یعنی عوام انہوں نے کچھ عبرت نہ کی' اس لیے وہ دنیا کے قیدی رہے۔ پھر عنقریب جہنم میں ان کے لیے قید خانے کے دروازے کھل جائیں گے۔ یہ قید خانہ ایسی آگ سے لبریز ہے جو دلوں کو جھانکتی ہے لیکن کسی کو اس کی تعریف معلوم نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے اور آگ کے درمیان میں ایک حجاب ہے۔ جب موت سے وہ حجاب دور ہو گا تب اسے دوزخ کی آگ کا عذاب محسوس ہو گا۔

مذہب اہلسنت کی تائید:۔ معتزلہ کا مذہب تھا کہ جنت و دوزخ اب موجود نہیں' قیامت میں پیدا کی جائیں گی۔ اہلسنت فرماتے ہیں کہ جنت و دوزخ دونوں اب موجود ہیں۔ امام غزالی قدس سرہ اہلسنت کی تائید میں فرماتے ہیں کہ ہماری مذکورہ بالا تقریر سے واضح ہوتا ہے کہ غیبی طور اللہ تعالیٰ نے اہل حق کی زبان سے کہلوا دیا اور اللہ تعالیٰ ایسے ہی اہل حق سے اپنی حق بات کہلواتا رہتا ہے۔ وہ یہی کہ جنت اور دوزخ دونوں مخلوق (موجود) ہیں لیکن یہ ان لوگوں کو محسوس ہوتی ہے جنہیں علم الیقین حاصل ہے اور یہ کبھی عین الیقین سے ہوتا ہے اور دنیا میں ہی محسوس ہوتا ہے کہ جنت بھی ہے اور دوزخ بھی لیکن انہیں جن کو عین الیقین حاصل ہے اور یہ عین الیقین آخرت میں تو سب کو حاصل ہو جائے گا اور یہ علم الیقین بھی دنیا میں انہیں نصیب ہوتا ہے جنہیں نور الیقین کی دولت نصیب ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کلا لو تعلمون علم الیقین لترون الجحیم (التکاثر 5'6) ترجمہ کنز الایمان: ہاں ہاں اگر یقین کا جاننا جانتے تو مال کی محبت نہ رکھتے بے شک ضرور جہنم کو دیکھو گے۔

فائدہ:۔ اس دیکھنے سے دنیا کا دیکھنا مراد ہے ورنہ آخرت میں تو سب دیکھیں گے۔ پھر فرمایا ہے ثم لترونها عین الیقین (التکاثر 7) ترجمہ کنز الایمان: پھر بے شک ضرور اسے یقینی دیکھنا دیکھو گے۔ یعنی آخرت میں تم سب کو یقین ہو جائے گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ جو دل سلطنت آخری کی صلاحیت رکھتا ہے' وہ بہت کم یعنی نادر الوجود ہیں۔ یہ ایسے ہے جیسے دنیا کے ملک کی سلطنت چلانے والے بہت کم ہوتے ہیں۔

تقسیم 6 :- یہ تقسیم تمام نعمتوں کو حاوی ہے۔ نعمتیں دو قسم کی ہیں۔ (1) غایت مطلوب بالذات (2) اس غایت مطلوب بالذات کے لیے وسیلہ۔ غایت سے سعادت آخرت مراد ہے۔ وہ چار باتوں پر مشتمل ہے۔ (1) بقاء جسے فنا نہ ہو۔ (2) سرور جس میں غم نہ ہو۔ (3) علم جس میں جہل نہ ہو۔ (4) دولتمندی جس کے بعد افلاس (تنگ دستی) نہ ہو۔ انہی کو نعمت حقیقی کہا جاتا ہے اور یاد رہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نہایت سختی و شدت کے وقت فرماتے لاعیش الاعیش الاخرۃ "کوئی عیش نہیں سوائے آخرت کے عیش کے۔" (بخاری و مسلم) حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے فرماتے تاکہ صحابہ کو شدت و سختی سے ناگواری نہ ہو مثلاً غزوۂ خندق میں خندق کھودتے وقت تکلیف محسوس فرمائی تو یہ الفاظ ارشاد فرمائے تاکہ صحابہ کو تسلی ہو۔

فائدہ :- ایک دفعہ آپ نے سرور کے وقت بھی یہی الفاظ ارشاد فرمائے تاکہ نفس دنیا کے سرور کی طرف مائل نہ ہو نیز یہی الفاظ آپ نے حجۃ الوداع میں اس وقت بیان فرمائے جب صحابہ کرام علیہم الرضوان آپ کے گرد ایسے کھڑے تھے جیسے ہالہ چاند کے گرد ہوتا ہے تو کسی نے دعا مانگی یا الٰہی مجھے کمال نعمت عطا فرما۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ تمہیں معلوم بھی ہے کہ کمال نعمت کیا ہے؟ اس نے عرض کی' نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ کمال نعمت دخول جنت ہے۔ (ترمذی)

نعمت غایتہ مطلوب بالذات کے وسیلہ کی اقسام :- یہ چار قسم ہیں (1) یہ سب سے زیادہ خاص ہے جیسے نفس کے فضائل۔ (2) اس سے قریب تر جیسے بدن کے فضائل۔ (3) جو ان دونوں کے قریب ہو لیکن بدن سے نہ ہو جیسے اسباب بدن کے قریب مثل مال اور اہل و عیال اور اقربا وغیرہ (4) وہ اسباب جو خارج از نفس اور موجود ہوں اور نفس کے لیے جامع ہوں جیسے توفیق و ہدایت۔ ہم ان چاروں کو آئندہ اوراق میں مفصل بیان کریں گے۔ (ان شاء اللہ)

قسم اول :- اخص وسائل یعنی نفس کے فضائل اگرچہ ان کے فروع بکثرت ہیں لیکن وہ سب ان دو میں آجاتے ہیں۔ (1) ایمان (2) حسن خلق۔ ایمان کے لیے دو قسمیں ہیں۔ (1) علم المکاشفہ یعنی اللہ اور اس کی صفات اور انبیاء و ملائکہ (علی نبینا و علیہم السلام) کا علم و معرفت۔ (2) علم المعاملہ اور حسن خلق کی بھی دو قسمیں ہیں۔ (1) مقتضیات شہوات و غضب کا ترک اسے عفت کہا جاتا ہے۔ (2) مقتضیات شہوات کے ارتکاب و ترک میں عدل کا لحاظ کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جہاں چاہے ارتکاب کرے اور جہاں چاہے ترک کرے بلکہ یہ بھی میزان عدل کے مطابق ہو یعنی شرعی حکم کو ہر وقت سامنے رکھے۔ چنانچہ اللہ (عزوجل) نے فرمایا ان لا تطغوا فی المیزان واقیموا الوزن بالقسط ولا تخسروا المیزان (رحمٰن 8) ترجمہ کنزالایمان : کہ ترازو میں بے اعتدالی نہ کرو اور انصاف کے ساتھ تول قائم کرو اور وزن نہ گھٹاؤ۔

مثال :- شرع کی ترازو سامنے رکھنے کی ایک مثال یہ ہے کہ سالک مقتضیات شہوات کو مٹانے کے لیے خصی ہونے

کی شرعاً اجازت نہیں۔ یونہی نکاح کی قدرت کے باوجود نکاح نہ کرے تو یہ تجاوز عن الحد ہے۔ ایسے ہی شہوات کے مٹانے کے لیے کھانا چھوڑ دے یہاں تک کہ ذکر و فکر میں کمی آجائے۔ یہ بھی نہیں چاہیے' یہ خلاف عدل ہے اور شہوت پیٹ وغیرہ کے لیے بھی یہ دوائی عدل کے خلاف ہے۔

طریقہ عدل :۔ اس صورت میں طریقہ عدل یہ ہے کہ پیٹ کو نہ بالکل خالی رکھے اور نہ تنور کی طرح اسے کھانے سے بھر دے' دونوں پلڑے برابر ہوں' کوئی ایک پلڑا اونچانیچا نہ ہو۔

قرب خدا کی باتیں :۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کے فضائل نفس کی وہ خاص باتیں ہیں جن سے قرب اللہ تعالیٰ نصیب ہو' وہ چار ہیں۔ (1) علم المکاشفہ (2) علم المعاملہ (3) عفت (4) عدالت اور یہ چار باتیں چار بدنی باتوں کے بغیر کامل نہیں ہو سکتیں۔ وہ چار بدنی باتیں یہ ہیں۔ (1) تندرستی (2) قوت (3) جمال (4) عمر زیادہ نصیب ہو۔

فائدہ :۔ یہ فضائل بدنی تیسری قسم فضائل یعنی فضائل خارجیہ یعنی فضائل ازبدن سے خارج اور محیط بدن سے حاصل ہوتے ہیں اور یہ بھی چار چیزیں ہیں۔ (1) مال (2) اہل و عیال (3) جاہ (4) نسب کا عمدہ ہونا۔

ان فضائل سے بھی کوئی نفع نہیں پا سکتا جب تک چوتھی قسم کے فضائل حاصل نہ ہوں یعنی اسباب جامع بدنی اور خارجی اور فضائل نفسی اور یہ بھی چار ہیں۔ (1) ہدایت منجانب اللہ (2) ارشاد ربانی (3) تسدید (4) تاکید۔

فائدہ :۔ چونکہ نعمتوں کی ہم نے چار قسمیں بیان کی ہیں' ان کی ہر ایک کی چار چار قسمیں ہیں تو گویا کل میزان سولہ قسمیں ہو گئیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض نعمتیں بعض دوسری کی محتاج ہیں۔ خواہ حاجت ضروری ہو یا بطور نافع۔

ضروری کی مثال :۔ سعادت اخروی ایک نعمت ہے اور اسے ایمان والوں اور حسن خلق کی ضرورت ہے اور یہ ضرورت اس کے لیے ضروری ہے' اس لیے کہ اس سعادت تک رسائی ان دو کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اس لیے انسان کو وہی ملے گا جو کمائے گا اور جو دنیا میں زاد راہ تیار کرے گا' وہی اسے آخرت میں ملے گا۔ اسی طرح فضائل نفسی کو کسب علوم ضروری ہے اور تہذیب اخلاق کو صحت بدن لازم ہے۔

فائدہ :۔ جس حالت میں کبھی کوئی فائدہ ہوتا ہے' وہ ضروری نہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جتنی نعمتیں نفسی یا بدنی ہیں' انہیں خارجی نعمتوں کی ضرورت ہوتی ہے لیکن یہ ضرورت ضروری نہیں بلکہ صرف نافع ہے۔ اگرچہ اس سے کام بہت حاصل ہوتا ہے مثلاً جاہ و مرتبہ اور اہل و عیال یہ خارجی نعمتیں ہیں۔

نکتہ :۔ طریق آخرت میں خارجی نعمتوں کی اس لیے ضرورت پڑتی ہے کہ یہ اسباب ہیں اور اسباب شے کے بازو کے قائم مقام ہوتے ہیں کہ جن کے ذریعے مقصد تک پہنچنا آسان ہو جاتا ہے یا انہیں مثل آلہ کی طرح سمجھنا چاہیے مثلاً مال بھی طریق آخرت کی ایک نعمت ہے۔ اس سے فائدہ بھی بہت بڑا ہوتا ہے جس کے پاس ہو' کھانے پینے اور

دیگر ضروریات میں اسے بے فکری ہوتی ہے ورنہ ظاہر ہے کہ کوئی سالک تحصیل علم یا کسب کمال چاہے اور اس کے پاس قوت بشری کی کوئی صورت نہ ہو تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی ہتھیار کے بغیر جنگ کو جائے یا شکاری باز تو اس کے پاس ہے لیکن وہ اسے اڑانا اور اس سے شکار کرنے کا طریقہ نہیں جانتا۔

خلاصہ یہ کہ افلاس و تنگ دستی سے کوئی کام نہیں چلتا۔ ہروقت تلاش معاش اور فکر لباس اور دوسرے بے شمار تفکرات میں مبتلا رہتا ہے۔ ذکر فکر نہیں کر سکتا۔ حج و زکوۃ اور دوسری خیرات و صدقات سے محروم رہتا ہے۔ اگر مال و دولت کی فراوانی ہو تو تمام قباحتیں تکلیفیں دور ہو جاتی ہیں اور مقصد تک پہنچنا آسان ہو جاتا ہے۔

فضائل مال :۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نعم المال الصالح للرجل الصالح ترجمہ "اچھا مال نیک بخت کے لیے ہے۔" (مسند فردوس)

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نعم العول علے تقوی اللّٰہ المال "اللہ تعالیٰ سے تقویٰ کے لیے بہترین مددگار مال ہے۔"

حکایت :۔ کسی دانشور سے کسی نے پوچھا کہ نعمت کیا ہے؟ فرمایا دولتمندی اس لیے کہ میرے نزدیک مفلس تنگدست کی کوئی زندگی نہیں۔ سائل نے کہا کہ اس کے علاوہ اور نعمت کیا ہے؟ دانشور نے فرمایا دوسری نعمت امن و چین ہے' اس لیے کہ جو ہروقت خوفزدہ رہتا ہے' اس کی کوئی زندگی نہیں۔ سائل نے پوچھا اور بتائیے؟ دانشور نے فرمایا تیسری نعمت تندرستی ہے' اس لیے کہ بیمار کو زندگی کا کوئی مزا نہیں۔ سائل نے کہا اور نعمت کیا ہے؟ دانشور نے فرمایا جوانی اس لیے کہ بوڑھے کی تلخ زندگی ہے۔

ان نعمتوں کو دانشور نے نعمتیں بتایا ہے' اگر یہی نعمتیں آخرت کی معین و مددگار ہوں تو بہت بڑی نعمتیں ہیں۔

نعمتوں کے متعلق احادیث مبارکہ :۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو صبح کرے اس حال میں کہ بدن باامن اور نفس مطمئن اور اس دن کی اسے غذا حاصل ہو تو گویا اس نے ساری دنیا حاصل کی۔ (ترمذی' ابن ماجہ) (2) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نعم العون علی الدین المراۃ الصالحۃ ترجمہ "عورت نیک دین کی امداد کے لیے بہتر مددگار ہے۔" (مسلم) (3) حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا مات العبد انقطع عملہ الا من ثلث ولد صالح یدعولہ ترجمہ "جب انسان مرتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں' سوائے تین کے ان میں ایک اولاد صالح جو اس کے لئے دعا کرے۔" (مسلم شریف)

فائدہ :۔ اہل و عیال اور اولاد کے فوائد ہم کتاب النکاح میں لکھ آئے ہیں۔ اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ جب کسی خوش قسمت کے بچے اور اقارب (رشتہ دار) زیادہ ہوتے ہیں تو وہ اس کے بازو اور آنکھ کی جگہ پر ہوتے ہیں۔ ان کی وجہ سے وہ امور جو دین کے لیے ضروری ہوتے ہیں' وہ جلد اور آسانی سے طے ہو جاتے ہیں بخلاف اس کے کہ وہ اکیلا ہو اور وہ ان کی بجا آوری میں مشغول ہو تو ذکر و شغل بھی نہ ہو سکے گا اور ضروریات زندگی سے بھی

فراغت نہ ہو سکے گی۔ جب اہل و عیال اور بچے اور رشتہ دار دین پر معین و مددگار ٹھہرے تو ان کے نعمت ہونے میں کیا شک ہے۔

انتباہ اویسی غفرلہ :۔ اس تقریر سے واضح ہوا کہ امام غزالی قدس سرہ بھی منصوبہ بندی کے خلاف تھے۔ اگرچہ اس دور میں یہ تصور نہ ہوگا لیکن آپ اس کارروائی کے فوائد بیان فرما رہے ہیں جو منصوبہ بندی کے خلاف ہیں بلکہ مزید فرماتے ہیں کہ انسان عزت و جاہ کی وجہ سے اپنے نفس سے ذلت اور ظلم دفع کرتا ہے جس کی ہر اہل اسلام کو ضرورت ہے کیونکہ کوئی نہ کوئی ہر کسی کا دشمن ضرور ہوتا ہے اور دین و دنیا کے امور میں روڑے اٹکانے والے بھی بکثرت ہوتے ہیں۔ اس سے انسان کی فارغ البالی میں تشویش ہوتی ہے اور جب دل فارغ البال نہ ہو تو کام نہ ہوگا' اسی لیے اس کے لیے معاون و مددگار ضروری ہیں اور وہ ہیں جوان' بچے اور دیگر رشتہ دار وغیرہ۔ اسی لیے بزرگوں کا قول ہے کہ دین اور حکومت توام ہیں یعنی لازم و ملزوم ہیں۔

قرآنی استدلال :۔ ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لفسدت الارض (البقرہ 251) ترجمہ کنزالایمان : اور اگر اللہ لوگوں میں بعض سے بعض کو دفع نہ کرے تو ضرور زمین تباہ ہو جائے۔

فائدہ :۔ قلوب کے تابع ہونے کے تصور کا نام جاہ ہے اور مال و دولت کے مالک ہونے کا نام دولتمندی ہے جس کے قلوب تابع ہو جاتے ہیں تو وہ لوگ اس سے اذیتیں و مشقتیں دور کرنے کے لیے کمربستہ رہتے ہیں تو جیسے بارش سے بچنے کے لیے مکان کی چھت اور سردی سے بچاؤ کے لیے کپڑے کی اور مال کی حفاظت کے لیے شکاری کتے کی ضرورت ہوتی ہے' ایسے ہی انسان کو اپنے سے اذیت اور لوگوں کی طرف سے مشقت دفع کرنے کے لیے آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے تو اس بارہ میں اولاد و اقارب سے بڑھ کر اور کون ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی منجملہ منصوبہ بندی کی تردید کے لیے ایک دلیل ہے۔

یہی وجہ ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام حکومت و سلطنت نہیں رکھتے تھے تو بادشاہوں کی رعایت کرتے تاکہ وہ دنیوی' دینی امور میں ان کے معاون و مددگار ہوں' اسی لیے علماء کرام بھی سلطنت و حکومت کی لالچ سے اگرچہ پاک تھے لیکن سلاطین اور اہل حکومت کی رعایت کرتے تو وہ دنیا کی وجہ سے نہیں بلکہ دین کے امور میں اعانت کی وجہ سے۔

سوال :۔ اگر سلطنت و حکومت ایک نعمت ہے تو پھر (معاذ اللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کافروں نے اذیتیں پہنچائیں تو اس وقت آپ کے پاس حکومت نہ تھی تو اذیتیں' تکلیفیں برداشت فرمائیں۔ پھر مدینہ پاک میں اپنی حکومت قائم فرمائی۔ اس کے بعد روز بروز ترقی ہوتی گئی تو گویا آپ کو نعمت کی فراوانی ہوگئی حالانکہ یہ تصور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ناجائز ہے۔

جواب :۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دونوں حالتوں میں نعمتیں حاصل تھیں لیکن آپ کے ہر امر میں کئی

حکمتیں تھیں اور وہ حکمتیں کتب سیر میں تفصیل سے مذکور ہیں۔

شرف نسب و خاندان :- ظاہر ہے کہ شرف نسب و شرف خاندان بھی ایک نعمت ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الائمة من قریش "آئمہ قریش میں ہوں گے۔" (نسائی)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے اشرف خاندان میں پیدا ہوئے۔ (مسلم شریف) حضور سرور عالم صلی اللہ علیہو سلم نے فرمایا کہ اپنے نطفوں کے لیے اچھی جگہ پسند کرو یعنی اچھا خاندان تلاش کرو۔ (ابن ماجہ)

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایاکم وخضراء الدمن "خود کو گھورے گندگی کے سبزے سے بچاؤ۔" صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کی' سبزے کی گندگی سے کیا مراد ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ خوبصورت عورت جس کا خاندان اچھا نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اچھا خاندان بھی ایک نعمت ہے۔

ازالہ وہم :- اس سے یہ مراد نہیں کہ اچھے خاندان والوں کے ظالم لوگوں کے ساتھ رشتے کرو بلکہ مراد ہے کہ خاندان میں جو اچھے ہوں' ان سے رشتے قائم کرو مثلاً خاندان نبوت شجرہ نسب صحیح ہو (تو وہ ان سادات کا نسب سادات سے ہو' وہ نہ ملیں تو ایسے آئمہ اسلام اور صلحاء و علماء سے جو علم و عمل میں موصوف ہوں۔)

سوال :- فضائل بدنی کی کیا ضرورت ہے؟

جواب :- بدن کی صحت ایک اعلیٰ نعمت ہے کہ اس کی صحت و قوت اور طویل عمری ہو تو اعمال صالحہ کی فراوانی نصیب ہوگی۔ حدیث شریف میں ہے کہ افضل سعادت یہ ہے کہ طاعت الٰہی میں انسان تادیر زندہ رہے۔

فائدہ :- حسن و جمال بھی نعمت ہے یا نہ اس میں تردد ہے۔ اس لیے کہ عبادت کے لیے بدن کا صحیح و سالم ہونا تو نعمت ہے لیکن بدن کا حسین و جمیل ہونا ضروری نہیں۔ ہاں اس کے لیے اچھے ہونے میں کوئی شک نہیں' اس لیے کہ دنیا میں اس کا فائدہ یہ ہے کہ حسن و جمال والے کی ہر انسان عزت کرتا ہے اور آخرت کے بھی اسے وہ فائدہ نصیب ہو سکتے ہیں۔

بدشکل سے طبائع کو نفرت اور خوبصورت کی طرف طبائع کا میلان ہوتا ہے' اس لیے گویا اسے ایک قسم کا جاہ و مرتبہ حاصل ہے کہ جس سے جو کام لے سکتا ہے تو پھر کیوں نہ ہو کہ اسے کسی نیکی کے لیے استعمال کرے۔

خوبصورتی میں اکثر نفس کی اچھائی کا اظہار ہوتا ہے' اس لیے کہ نفس میں جو نور چمکتا ہے' اس کا اثر بدن پر ظاہر ہوتا ہے۔ اکثر یوں ہوتا ہے کہ ظاہر و باطن کا موافق ہو جاتا ہے۔

علم فراست :- فن فراست میں بدن کی ہیئت کو دیکھ کر اندازہ لگاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ چہرہ اور آنکھ انسان کے باطن کا آئینہ ہے۔ اس سے باطن کا حال واضح ہوتا ہے' اس لیے کہ انسان کے اندر کا حال بھی اس کے چہرہ اور آنکھ سے نمودار ہوتا ہے مثلاً غصہ اور سرور و غم دل میں ہوتے ہیں لیکن ان کا اثر آنکھ اور چہرہ سے محسوس ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کشادہ پیشانی انسان کے اچھے ہونے کی نشانی ہے۔

• لطیفہ :۔ بدشکل کی بدی کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ بدصورت ہے۔

حکایت :۔ مامون الرشید (خلیفہ عباسی) کی فوج میں کچھ لوگ بھرتی ہو رہے تھے۔ ان میں ایک بدشکل بھی لایا گیا۔ اس نے خلیفہ سے گفتگو کی تو اس کی زبان میں بھی لکنت تھی۔ خلیفہ نے کہا' اس کا نام فہرست میں سے کاٹ دو' اس لیے کہ روح کی چمک کا اثر بدن پر ظاہر ہوتا ہے۔ اگر اس کی چمک باطن پر پڑے تو فصاحت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس بیچارے کا نہ ظاہر درست ہے' نہ باطن۔

حسن و جمال کی احادیث :۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اطلبو الخیر عند حسان الوجوہ "حسین چہروں سے خیر و بھلائی طلب کرو۔"

سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب تم کہیں قاصد بھیجو تو خوبصورت اور اچھے نام کا تلاش کر کے بھیجو۔

مسئلہ :۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ جب امامت کے لیے آئمہ ہر کیفیت میں برابر ہوں تو پھر اسے امام بناؤ جو خوبصورت ہو۔ اسی بنا پر قرآن مجید میں فرمایا وزادہ بسطۃ فی العلم و الجسم (البقرہ 247) ترجمہ کنزالایمان : اور اسے علم اور جسم میں کشادگی زیادہ دی

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ جمیل و یحب الجمال "اللہ تعالیٰ خود بھی جمیل ہے اور وہ جمال کو پسند فرماتا ہے۔"

ازالہ وہم :۔ ہماری مراد جمال سے وہ نہیں جو محرک شہوت ہے۔ ایسا حسن و جمال عورتوں کا ہے (وہ محرک شہوت ہے) ہماری مراد جمال سے یہ ہے کہ انسان درمیانہ قد اور سیدھا اور گوشت میں معتدل اعضاء چہرہ کا عنوان بھی موزوں ہو کہ دیکھنے میں لوگوں کو نفرت نہ ہو۔

سوال :۔ آپ کی مذکورہ بالا طویل تقریر سے ثابت ہوتا ہے کہ مال و جاہ اور نسب و اہل و عیال اور آل اولاد سب نعمت میں داخل ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت فرمائی ہے۔

ان من ازواجکم و اولادکم عدوالکم فاحذورھم (التغابن 14) ترجمہ کنزالایمان : تمہاری کچھ بی بیاں اور بچے تمہارے دشمن ہیں تو ان سے احتیاط رکھو۔

انما اموالکم و اولادکم فتنہ (التغابن 15) تمہارے مال اور تمہارے بچے جانچ ہی ہیں۔

احادیث مبارکہ میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کی مذمت فرمائی ہے اور علماء کرام بھی انہیں مذموم فرماتے ہیں۔

ملفوظ علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ :۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ لوگ ابنائے اعمال

ہیں۔ اعمال اچھے تو وہ اچھے' وہ برے تو یہ بھی برے۔ بعض اکابر کا فرمان ہے کہ انسان ذاتی طور پر اچھا ہوتا ہے نہ کہ حسب و نسب اور ماں باپ سے۔ خلاصہ سوال یہ ہے کہ جب یہ جاہ و مال اور نسب کا یہ حال ہے تو پھر یہ چیزیں نعمت کیسے ہوئیں؟

جواب:۔ جو شخص علوم تو پڑھے لیکن اس کی نظر صرف الفاظ کے ظاہر پر رہے تو وہ گمراہی کا شکار ہو جاتا ہے۔ جیسے اہل ظہور ہر دور سابق میں اور وہابی فرقہ دور حاضر میں) علم پڑھنے کے بعد جب تک نور الٰہی سے ہدایت نہ پائے' صحیح راستہ نصیب نہ ہوگا۔ جب اس طرح کی ہدایت نصیب ہو جائے تو پھر ظاہر کو اس پر منطبق کرے' تاویل کرکے یا تخصیص سے جب یہ قاعدہ معلوم ہو گیا۔ اب ہم کہتے ہیں کہ جن امور (مال' آل اولاد و اعزہ اقارب) کو نعمت کہا گیا ہے' اس کا مطلب ہے کہ یہ اشیاء دین پر معین و مددگار ہوں اور آخرت میں فائدہ پہنچائیں۔ اگر مال وغیرہ آخرت کے لیے مفید و معین نہ ہوں تو پھر انہیں سانپ سے بھی زیادہ زہریلا تصور کرنا چاہیے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ امور تریاق بھی ہیں اور زہر بھی۔ جیسے سانپ کہ جو کوئی سانپ کے پکڑنے کا منتر جانتا ہے اور اس کے زہر سے بچنے کی ترکیب بھی معلوم ہے اور تریاق کے نکالنے کی تدبیر کا بھی ماہر ہے تو اس کے لیے سانپ پکڑنا نعمت ہے لیکن اگر کوئی بے خبر جاہل اسے پکڑے گا تو اس کے لیے عظیم مصیبت ہوگی۔

مثال:۔ مال کی مثال سانپ کی سمجھ لی تو اس کی دوسری مثال سمندر کی ہے کہ جس کی گہرائی میں بہترین قسم کے جواہر اور موتی ہیں تو جو شخص تیراک ہے اور غوطہ زنی جانتا ہے اور اسے سمندر اور دریا کی آفات و بلیات کی مہارت ہے کہ ان سے آسانی سے بچ سکتا ہے تو ایسے ماہر کو سمندر سے اعلیٰ نعمتیں یعنی جواہر اور ہیرے ملیں گے۔ اگر کوئی سمندر اور دریا کی تیراکی نہیں جانتا تو اسے سوائے ڈوب مرنے کے چارہ نہ ہوگا۔

خلاصہ جواب:۔ جب ان نعمتوں کے وجود کا یقین ہے تو اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف کی ہے اور اسے (مال وغیرہ) کو خیر سے تعبیر فرمایا ہے۔ چنانچہ مذکورہ بالا تقریر میں گزرا کہ اللہ تعالیٰ کے خوف کے لیے مال عمدہ مددگار ہے۔ اسی طرح عزت و جاہ کی بھی اللہ تعالیٰ نے تعریف فرمائی ہے کہ ان کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر احسان کیا کہ اس کی وجہ سے آپ کا دین تمام ادیان پر غالب رہا اور مخلوق کے دلوں میں آپ کو محبوب بنایا اور جاہ و عزت سے بھی یہی غرض و طلب ہوتی ہے۔

فائدہ:۔ یہ یاد رکھو کہ ان اشیاء (مال و عزت وغیرہ) کی اللہ تعالیٰ نے مدح کم فرمائی ہے لیکن مذمت بہت زیادہ مثلاً جہاں ریاء کی مذمت کی ہے' وہاں جاہ طلبی کی بھی مذمت فرمائی ہے' اس لیے جاہ طلبی میں یہ مقصد ہوتا ہے کہ قلوب اس کے تابع ہوں۔ یہی ریاء کی مقصد ہے۔

نکتہ:۔ ان چیزوں (جاہ وغیرہ) کی مدح کی قلت اور مذمت کی کثرت کی وجہ یہ ہے کہ اکثر لوگ مال (جو سانپ کی

طرح ہے) کا منتر نہیں جانتے۔ ایسے ہی جاہ طلبی کے سمندر میں غوطہ لگانے کا طریقہ بھی نہیں جانتے تو اس لیے عوام کو اس سے ڈرانا ضروری ہوا۔ اس لیے کہ تریاق کے حصول سے پہلے ہی انہیں مال (سانپ) کا زہر مار مٹائے گا۔ ایسے ہی جاہ طلبی کے جواہر پر عوام کو آگاہی نہیں' اس لیے کہ وہ اس کی موجوں میں گھر کر تباہ ہو جاتے ہیں۔

شان حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:۔ اگر مال و جاہ وغیرہ مطلقاً ضرر رساں ہوتے تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا بہت بڑا جاہ و جلال نصیب نہ ہوتا اور نہ ہی سیدنا سلیمان علیہ السلام کو سلطنت ملتی۔ ثابت ہوا کہ جن کا مال بچوں کی طرح کمزور ہے' وہ ان (مال و جاہ وغیرہ) کے لائق نہیں اور جن کا مال انبیاء علیہم السلام کی طرح مضبوط ہے' ان کے مال و جاہ میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ حضرات مال (سانپ) کے منتر کے واقف بلکہ عارف کامل ہیں جس کو زہر (سانپ مال) کا منتر معلوم ہے' اسے مال و جاہ ضرر نہ دیں گے اور جسے معلوم نہیں' اسے ان سے زبردست نقصان ہوگا۔

مثال:۔ کسی منتردان کو کسی بچے سے پیار ہو جس کے لیے وہ چاہتا ہے کہ یہ بچہ زندگی میں پھلے پھولے لیکن وہ سمجھتا ہے کہ اگر میں سانپ کو تریاق کے لیے پکڑوں تو یہ بچہ محض کھیل تماشہ سمجھ کر اسے پکڑے گا تو مارا جائے گا۔ اس لیے وہ سانپ کو اس کے سامنے نہیں پکڑتا۔ اس سے اس کی دو غرضیں ہیں۔' (۱) سانپ سے تریاق نکالنا (2) بچے کی حفاظت جان۔ ان دونوں غرضوں کا موازنہ کیجئے کہ سانپ پکڑنے سے تریاق جیسی قیمتی شے ملتی ہے لیکن نہ پکڑنے میں بچے کی قیمتی جان محفوظ ہوتی ہے۔ اب سمجھدار تو یہی کرے گا کہ بچے کی قیمتی جان بچانے کے لیے زہریلے سانپ سے خود بھی بھاگے اور بچے کو بھی اس سے بہت دور رکھے کہ بلکہ اسے ڈرائے کہ خبردار اس سانپ کے قریب بھی نہ جانا کہ اس کا زہر قاتل تیری جان لے لے گا۔ یہ خود اگرچہ جانتا ہے کہ سانپ میں تریاق بھی ہے لیکن بچے سے اس کا ذکر تک نہ کرے گا کہ کہیں وہ بے خبری میں تریاق کی لالچ میں تباہ نہ ہو جائے۔

فائدہ:۔ اگر عوام کے لیے کسب مال کی اجازت دی جاتی اور اسے بند رکھنے کی رغبت دلائی جاتی تو گویا ان لوگوں کو زہر کی طرف متوجہ کیا جا رہا ہے۔ دنیا کی مذمت اس لیے ہے کہ وہ زہر ہے اور اس کے تریاق سے ناواقفیت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسے جمع کرنا اور اس کی زیادتی کا حرص مذموم امر ہے کیونکہ اس کے جمع کرنے اور زیادہ ہونے سے دنیا کی رغبت اور اس کا میلان ثابت ہوتا ہے۔ ہاں بقدر کفایت مال حاصل کرکے اسے ضروریات میں خرچ کرنا برا نہیں۔ مسافر کے لیے ہر کوئی یہی کہے گا کہ وہ زاد راہ بقدر کفایت ساتھ لے جائے۔ اتنا زیادہ نہ ہو کہ بوجھ محسوس ہو۔ اسی طرح اس کا یہ خیال ہو کہ سفر میں اپنے احباب و رفقاء پر خرچ کروں گا تو زیادہ زادراہ لے جانے میں حرج نہیں۔

سوال:۔ حدیث شریف میں ہے کہ دنیا میں تمہارا اتنا توشہ و سامان ہو جتنا سوار کا یعنی وہ سواری کے احساس میں تھوڑا سامان ساتھ لے کر جاتا ہے تو ایسے ہی دنیا میں توشہ اور سامان تھوڑا ہو۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ دنیا میں

سامان بالکل معمولی ہو۔

جواب :- اس سے مراد یہ ہے کہ اپنی ضرورت کے لیے اتنا سامان ہو کہ کفایت کر سکے۔ اگر دوسروں کی سرپر ذمہ داری ہے تو ان کی ضرورت کے لیے زیادہ مال ہو تو کوئی حرج نہیں۔

جیسے ہم نے کہا اس حدیث کے راویوں کے حالات میں مذکور ہے کہ وہ زائد از ضرورت اگر لاکھ روپیہ مل جاتا تو لے لیتے لیکن اسے اسی جگہ خرچ دیتے۔ ایک ٹیڈی بھی اپنے پاس نہ رکھے۔

حکایت :- حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ بیان فرمایا کہ دولت مند جنت میں بمشکل جائے گا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی' میرے پاس جتنا مال ہے' وہ سب راہ خدا عزوجل میں لٹاتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اجازت عطا فرما دی۔ اسی وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور عرض کی کہ آپ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یوں فرماتے کہ وہ اس مال سے غریبوں کو کھانا کھلائیں اور مساکین کو کپڑے خرید کر دیں اور مہمان نوازی کریں۔ خلاصہ یہ کہ دنیا کی نعمتوں میں دوا کے ساتھ مرض اور نفع کے ساتھ ضرر ضرور ہوتا ہے' اس کا خیال ضروری ہے۔

فائدہ :- جسے اپنی بصیرت اور کمال معرفت پر اعتماد ہو' اسے چاہیے کہ دنیا و دولت سے اتنا اپنے پاس رکھے جتنا بیمار کو دوا کہ جس سے بیماری سے بچاؤ ہو اور جسے اعتماد نہ ہو' اسے اس سے علیحدگی اور گریز ضروری ہے اور یہ نہایت خوفناک امر ہے۔ اس سے بچ کر رہنا بہتر ہے۔ عموماً تو دنیا و دولت میں پھنسے ہوئے ہیں' ہاں وہ محفوظ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ بچائے۔ یہی لوگ ارباب بصیرت ہیں۔

صحت قسم 4 :- یہ نعمت توفیقی کہلاتی ہے۔ اس نعمت کی ضرورت کس طرح ہوتی ہے لیکن سب کو معلوم ہے کہ نعمت توفیقی کی ہر ایک کو ضرورت ہے۔ (توفیق) کا معنی ہے کہ بندے اور قضا و قدر کا موافق ہونا اس میں خیر و شر اور سعادت و شقاوت دونوں شامل ہیں لیکن عوام میں یہ مشہور ہے قضا و قدر کا خیر و سعادت میں موافق ہونا اب یہی عرف عام ہے جیسے الحاد لغت میں میلان اور اصطلاح شرع میں وہ خاص میلان جو صدق سے منہ موڑ کر بطلان کی طرف ہو' اسے ارتداد بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے لغت میں معنی ہیں پھرنا اور اصطلاح شرع میں حق سے پھر جانا۔ اس سے واضح ہوا کہ توفیق کی اشد ضرورت ہے۔

ہدایت :- وہ فعل ہے کہ اس کے بغیر کوئی بھی سعادت کا طالب نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے بعض اوقات انسان کا ارادہ اس طرف ہوا کرتا ہے کہ جس میں اس کا آخرت میں بھلا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو شر و فساد کو اپنے لیے بہتری سمجھ لیتے ہیں تو اگر ارادہ سے کام بنتا تو وہ ایسے غلط طریقہ کو اختیار نہ کرتے۔ ارادہ و قدرت اور اسباب کا ہدایت کے بغیر کوئی فائدہ نہیں۔ قرآن مجید میں ہے ربنا الذی اعطی کل شئی خلقہ ثم ھدی (طہ 50)

ترجمہ کنزالایمان: ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کے لائق صورت دی پھر راہ دکھائی۔

ولولا فضل اللہ علیکم ورحمتہ ما زکی منکم من احد ابدا ولکن اللہ یزکی من یشآء (النور 21) ترجمہ کنزالایمان: اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تم میں کوئی بھی کبھی ستھرا نہ ہو سکتا ہاں اللہ ستھرا کر دیتا ہے جسے چاہے۔

حدیث شریف:۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بھی جنت میں داخل ہوگا' وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہی داخل ہوگا۔ اس حدیث شریف میں رحمت سے ہدایت مراد ہے۔

مذکورہ بالا حدیث شریف سن کر صحابہ کرام نے عرض کی کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم آپ بھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں میں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر جنت میں داخل نہ ہوں گا۔

ہدایت کے درجات:۔ ہدایت کے تین درجات ہیں۔ (1) خیر و شر کا راستہ بتانا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وھدینہ النجدین (البلد 10) ترجمہ کنزالایمان: اور اسے دو ابھری چیزوں کی راہ بتائی۔ اللہ تعالیٰ کا یہ انعام تمام بندوں پر ہے۔ بعض کو اللہ تعالیٰ نے راہ بتائی' اس کے ساتھ عقل کہ اس نے خیر و شر کو عقل سے سمجھا اور بعض کو ہدایت بخشی۔ انبیاء علیہم السلام کے وسیلہ جلیلہ سے۔ چنانچہ فرمایا واما ثمود فھدینا ھم فاستحبوا العمیٰ علی الھدیٰ (السجدہ 17) ترجمہ کنزالایمان: اور رہے ثمود انہیں ہم نے راہ دکھائی تو انہوں نے سوجھنے پر اندھے ہونے کو پسند کیا۔ اس ہدایت کے اسباب انبیاء علیہم السلام اور کتب الٰہی اور عقول کی بصیرت اور اس سے کسی کو روک ٹوک نہیں۔ ہاں اس راہ سے وہ رکتا ہے جس میں حسد و کبر اور حب دنیا ہے اور ایسے لوازم کہ جن سے دل اندھے ہو جائیں۔ اگرچہ وہ ظاہری آنکھیں بھی رکھتے ہوں۔ مذکورہ امور والے لوگ عادتاً" کسی چیز سے مانوس ہوں اور اسے اچھا جانیں تو وہ معذور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی خبر دی۔ چنانچہ فرمایا انا وجدنا آباء نا علیٰ امۃ وانا علیٰ آثارھم مقتدون (الزخرف 23) ترجمہ کنزالایمان: ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا اور ہم ان کی لکیر کے پیچھے ہیں۔ اور کبر و حسد والوں کی خبر ان آیات میں دی ہے۔

وقالوا لولا نزل ھذا القرآن علیٰ رجل من القریتین عظیم (الزخرف 31) ترجمہ کنزالایمان: اور بولے کیوں نہ اتارا گیا یہ قرآن ان دو شہروں کے کسی بڑے آدمی پر۔

یہ امراض (حسد کبر) دل کو اندھا کر دیتے ہیں' اس لیے وہ بیچارے سیدھے راستہ پر نہیں آسکتے۔

مذکورہ بالا ہدایت عام کے بعد ہے۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی ہر حال میں مدد فرماتا ہے جس سے مجاہدہ کی دولت نصیب ہوتی ہے۔ چنانچہ فرمایا والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا (العنکبوت 69) ترجمہ کنزالایمان: اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم انہیں اپنے راستے دکھا دیں گے۔ اس آیت میں ہدایت سے یہی دوسرا درجہ مراد ہے نیز اسی ہدایت کے متعلق فرماتا ہے والذین اھتدوا زادھم ھدی (محمد ﷺ 17) ترجمہ کنزالایمان: اور

نھوں نے راہ پائی اللہ نے ان کی ہدایت۔

یہ دوسرے درجہ کے بعد ہے۔ یہ ایک نور ہے جو کمل ہدایت کے بعد عالم نبوت و ولایت میں چمکتا ہے۔ اس کی وجہ سے صاحب ہدایت کو وہ باتیں سامنے آتی ہیں جہاں عقل کی رسائی نہیں۔ اس پر ہی لوامرو نواہی اور امکان تحصیل علوم کا دار و مدار ہے۔ اسی کا نام ہدایت مطلقہ ہے۔ اس کے علاوہ باقی جملہ ہدایات اس کا مقدمہ و تمہید ہیں۔ یہ وہی درجہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔ اگرچہ اور ہدایات بھی اس کی طرف منسوب ہیں لیکن اسے ایک خصوصیت حاصل ہے جو دوسروں کو نہیں۔ خود فرماتا ہے قل ان ھدی اللہ ھو الھدٰی (البقرہ 120) ترجمہ کنزالایمان: تم فرما دو اللہ کی ہدایت' ہدایت ہے۔ اسی کا نام حیات بھی ہے جسے اللہ عزوجل نے دوسری آیت میں بتایا کہ اومن کان میتا فاحییناہ وجعلنالہ نور یمشی بہ فی الناس (الانعام 122) ترجمہ کنزالایمان: اور کیا وہ مردہ تھا تو ہم نے اسے زندہ کیا اور اس کے لئے ایک نور کردیا جس سے لوگوں میں چلتا ہے۔ افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علٰی نور من ربہ (الزمر 22) ترجمہ کنزالایمان: تو کیا وہ جس کا سینہ اللہ نے اسلام کرے لئے کھول دیا تو وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے۔ اس آیت میں بھی یہی ہدایت مراد ہے۔

رشد:۔ اس سے ہماری مراد اللہ تعالیٰ کی وہ عنایت ہے جو انسان کو اپنے مقصد کی طرف متوجہ ہونے کے لیے مدد کرتی ہے یعنی اگر مقصد مذکور میں اس کی بہتری ہوتی ہے تو اسے وہ قوت دیتی ہے۔ اگر وہ اس کے لیے برائی ہوتی ہے تو وہ اس سے اسے روک دیتی ہے لیکن یہ ایک امر باطنی ہے جسے ظاہر سے کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولقد آتینا ابراھیم رشدہ من قبل وکنا بہ عالمین (الانبیاء 51) ترجمہ کنزالایمان: اور بے شک ہم نے ابراہیم کو پہلے ہی سے اس کی نیک راہ عطا کردی اور ہم اس سے خبردار تھے۔ خلاصہ یہ کہ رشد اس ہدایت کو کہتے ہیں جو سعادت کی طرف کا موجب محرک ہو۔

مثال 1:۔ کوئی بچہ اس حالت میں بالغ ہو کہ وہ طریق تجارت اور مال و دولت کو بڑھانے کے طریقوں کا ماہر ہو لیکن فضول خرچ بھی ہو۔ مال و دولت کو بڑھانے کی مہارت کے باوجود مال و دولت کو بڑھانے کا اسے ارادہ نہ ہو تو اسے رشد نہ کہیں گے۔ اگرچہ وہ خیر و شر کا طریقہ جانتا ہے لیکن چونکہ اس کی ہدایت ناقص ہے کہ اس کے ارادہ کو متحرک نہیں کرتی' اسی وجہ سے وہ رشد نہ ہوا۔

مثال 2:۔ اسی طرح کوئی شخص مضر شے پر عملاً جرات کرے تو ایسے شخص کو اگر ہدایت بھی حاصل ہو اور اسے جاہل سے بھی امتیاز حاصل ہے چونکہ وہ بیمار ضرر رساں شے کو نہیں جانتا تو ہم اس شخص کے لیے کہیں گے کہ اسے رشد حاصل نہیں ہوا۔

اس سے معلوم ہوا کہ صرف اعمال کے طریقوں پر ہدایت کی بہ نسبت رشد کو زیادہ کمال ہے اور یہ نعمت بھی عظیم ہے۔

تسدید یا سداد:۔ اس سے مراد یہ ہے کہ بندے کو مطلوب کی طرف متوجہ کیا جائے اور اس پر وہ حرکت آسان کر دینا جو طریق صواب پر بہت جلد مضبوط ہو جائے جیسے صرف ہدایت سے کام نہیں چلتا اور رشد کی ضرورت رہتی ہے کہ یہی ارادہ کی محرک ہے۔ اسی طرح رشد بھی ناکافی ہے جب تک کہ حرکت کی آسانی حاصل نہ ہو اور وہ اعضاء کی موافقت اور آلات کی صحت کے ذریعے ہوتی ہے۔ یہ اس وقت تک ہو جب کہ مقصد و مراد حاصل ہو۔ خلاصہ یہ کہ شے کے متعلق بتلا دینا اور اس کی شناخت کرا دینے کا نام ہدایت ہے اور ارادہ کو حرکت کے لیے متنبہ اور تیار کرنا رشد ہے اور راہ حق کی طرف اعضاء کی حرکت کا مدد دینا تسدید (و سداد) ہے۔

تائید:۔ یہ ان سب کی جامع ہے یعنی اس کا معنی یہ ہے کہ بندے کو باطن میں بصیرت کی وجہ سے قوت دینا اور ظاہر میں بباعث موافقت اسباب لوازم کے مدد کرنا' اس آیت میں یہی مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اذا یدنک بروح القدس (المائدہ 110) ترجمہ کنزالایمان: جب میں نے پاک روح سے تیری مدد کی۔ **عصمت** تائید کے قریب ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ سالک کے دل میں وہ عنایت ربانی نصیب ہو جس کی وجہ سے وہ جرات سے احترام کرنے پر قادر ہو گویا کوئی روکنے والا اس کے اندر موجود ہے جسے بظاہر معلوم نہیں کیا جا سکتا۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے برہان سے تعبیر فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا ولقد ہمت بہ وھم بہ لولا ان رای برہان ربہ (یوسف 24) ترجمہ کنزالایمان: اور بے شک عورت نے اس کا ارادہ کیا اور وہ بھی عورت کا ارادہ کرتا اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتا۔

کلی طور پر یہی نعمتیں ہیں اور جب یہ تمام کسی خوش قسمت انسان میں جمع ہوتی ہیں جسے اللہ تعالیٰ فہم صاف اور تیز اور گوش ہوش نیوش اور دل بصیرت سے لبریز اور دیگر اعلیٰ اسباب سے نوازتا ہے کہ وہ کسی کمی کے باعث مہمات و ضروریات سے قاصر ہو اور نہ کثرت اسباب اسے مانع اشغال دینی ہوں اور وہ باعزت ہوتا ہے جو احمقوں اور جاہلوں کی حماقت و جہالت اور ظلم اعداء سے محفوظ رہتا ہے۔

مذکورہ بالا 16 اسباب میں سے ہر ایک خود اسباب بسیار کی طالب ہے۔ پھر ان اسباب کے لیے اور اسباب چاہئیں یہاں تک کہ یہ سلسلہ مسبب الاسباب تک ختم ہو چونکہ وہ اسباب بہت طویل و کثیر ہیں جنہیں اس کتاب (احیاء العلوم) میں بیان کرنا ممکن نہیں اسے بطور نمونہ ہم کچھ یہاں لکھ دیتے ہیں تاکہ اس سے آیت وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا (ابراہیم 34) ترجمہ کنزالایمان: اور اگر اللہ کی نعمتیں گنو تو شمار نہ کرسکو۔ کا مطلب سمجھ میں آسکے۔

نعمت ہائے خداوندی عزوجل ان گنت اور مسلسل ہیں:۔ ہم نے اوپر تمام نعمتوں کو سولہ قسموں پر منقسم کیا ہے اور تندرستی بھی منجملہ نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے اور یہ ہے بھی تمام مراتب میں سے نچلے مرتبہ کی۔ اگر صرف اسی نعمت کے اسباب ہم لکھنا چاہیں تو بھی ناممکن ہے۔ یاد رہے کہ تندرستی کے اسباب میں سے ایک سبب کھانا بھی ہے۔ اس کے وہ لوازم جن سے کھانے کی نعمت مکمل ہوتی ہے' چند مختصر سے ہم لکھ دیتے ہیں تاکہ مشتے نمونہ از خروارے ہو۔

یہ تو سب کو معلوم ہے کہ کھانا ایک فعل ہے اور جو اس قسم کا فعل ہوتا ہے' اسے حرکت لازم ہے اور ہر ایک حرکت کے لیے ایک جسم بھی ضروری ہے۔ جو آلہ حرکت پر قدرت دے' اس کے لیے بھی ارادہ شرط ہے اور ہر انسان کو اپنی مراد کا علم و ادراک بھی چاہیے۔ پھر کھانے کے لیے غذا کے اجزاء لازمی ہیں اور غذا کے لیے کوئی ایسی شے ضروری ہے جس سے غذا حاصل ہو۔ پھر اس غذا کو بنانے والا بھی چاہیے جو اسے صحیح طریق سے بنائے۔ ان وجوہ میں سب سے پہلے ہم ادراک کے اسباب بتائیں گے۔ اس کے بعد ارادہ کے اسباب' پھر اسباب قدرت' پھر اسباب غذا۔ ان چاروں کو ہم یہاں اشارتاً" و مجملاً" بیان کرتے ہیں' تفصیلی بیان کی گنجائش نہیں۔ چونکہ اس بیان میں چند اشیاء کا ذکر ہے' اسی لیے اس کے آٹھ نکات مقرر کیے گئے ہیں۔

اسباب ادراک :- اللہ تعالیٰ نے پتھر' ڈھیلے' لوہا' تانبہ اور تمام جواہرات سے نباتات کو کامل تر بنایا ہے۔ اس لیے کہ وہ بڑھتے نہیں اور نباتات بڑھتی ہیں نیز اس میں قوت غذا ہے اور یہ انسانی غذا ان کھیتوں کی رگوں اور جڑوں میں قوت غذائیہ ہوتی ہے۔ اگرچہ یہ جڑیں زمین کے اندر ہوتی ہیں لیکن کھیتوں کے آلات یہی ہیں۔ انہی کے ذریعے کھیت غذائیت جذب کرتی ہیں۔ کھیتوں کی رگیں پہلے باریک ہوتی ہیں جو پتوں میں محسوس ہوتی ہیں' پھر ان کی جڑیں موٹی ہو کر پھیلنے لگتی ہیں۔ پھر موٹی رگوں میں سے پتلی رگیں نکھرتی ہیں۔ پھر وہی پتلی رگیں پتوں میں گم ہو جاتی ہیں یہاں تک کہ نظر بھی نہیں آتیں۔

باوجودیکہ نباتات میں یہ کمال ہے مگر پھر بھی وہ ناقص ہے۔ اس لیے کہ کھیتوں کا لازمی امر ہے کہ اگر کھیتی کو اپنی غذا اس کی جڑ کو نہ پہنچے گی اور ان کی رگوں کو متصل نہ ہوگی تو کھیتی سوکھ جائے گی۔ کھیتی کو یہ طاقت نہیں کہ وہ اپنی غذا کہیں سے تلاش کرے' اس لیے کہ تلاش کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ (1) شے مطلوب کا علم۔ (2) مطلوب تک پہنچنا۔ نباتات (کھیتیاں) ان دونوں سے عاجز ہیں۔ انسان سمجھے تو یہ نعمت صرف اسے نصیب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غذا کی تلاش کے لیے اس میں غذا علم اور آلات حرکت برائے تحصیل پیدا فرمائے ہیں۔

حواس خمسہ کی ترتیب میں حکمت :- یاد رہے کہ جملہ حواس آلہ ادراک ہیں۔ حاسہ لمس اللہ تعالیٰ نے اسے اس لیے پیدا فرمایا ہے کہ جب انسان پر آتش سوزاں اور تیغ براں گرے تو وہ اسے محسوس کر سکے۔ جب اسے اس کا احساس ہو تو وہ اس سے دور ہو جائے۔ یہ حس حیوان (انسان و غیر انسان) میں تمام حواس سے پہلے پیدا ہوتی ہے۔ یہ حس نہ ہو تو حیوان کا وجود کالعدم ہے۔

حس کا سب سے کم درجہ یہ ہے کہ شے بدن کو چھوئے تو اسے فوراً محسوس ہو' اس لیے کہ دور والی شے کو معلوم کرنا وہ کامل حس کا کام ہے اور یہ ناقص حس ہر حیوان میں ہوتی ہے یہاں تک کہ کیچوے میں بھی کہ جب سوئی اس کے بدن پر لگائی جائے تو وہ بچاؤ کرتے ہوئے فوراً سکڑ جاتا ہے۔ ہاں نباتات میں یہ حس نہیں یہاں تک کہ اسے کاٹا جائے تب بھی وہ نہیں سکڑتی اس لیے کہ اسے اپنے کٹنے کا علم نہیں نیز انسان میں اگر صرف یہی قوت ہوتی

تو وہ کیڑے کی طرح ناقص ہوتا کہ دور سے غذا تلاش نہ کر سکتا بلکہ جو شے اس کے بدن کو لگتی' وہ اسے اپنی طرف کھینچ لیتا' اس لیے کہ انسان کو ایک اور حس کی ضرورت ہوتی جس سے اسے دور کی چیز معلوم ہو سکیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے انسان میں قوۃ شامہ پیدا فرمائی کہ اس سے انسان کو شے کی بو معلوم ہوتی ہے لیکن اس سے اسے معلوم نہیں ہو سکتا کہ یہ بو کہاں سے آئی۔ اگر انسان میں صرف قوۃ شامہ ہوتی تو چار سو پھرتا رہتا۔ یہاں تک کہ بو والی شے تک پہنچ جاتا۔

قوۃ شامہ کے باوجود پھر بھی انسان ناقص رہتا۔ جب تک اسے قوۃ بینائی نصیب نہ ہوتی یہ قوت اللہ تعالیٰ نے انسان میں اس لیے پیدا فرمائی تاکہ مطلوبہ شے تک پہنچ جائے۔ قوۃ بینائی کے باوجود پھر بھی انسان ناقص رہتا کیونکہ بینائی کے باوجود یہ دیواروں اور پردوں کے پیچھے والی اشیاء کو نہیں جان سکتا۔ اس کی غذا کسی آڑ میں چھپی ہو تو وہ اس سے بے خبر ہوگا۔ اس کا دشمن اس کی گھات میں ہو تو اسے معلوم نہیں کر سکے۔ دشمن سر پر چڑھ آئے جب تک نہ دیکھے' اس سے بھاگ نہیں سکتا' اسی لیے اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے کان پیدا فرمائے اور اسے قوت سامعہ عطا فرمائی جس سے دیواروں اور پردوں کے پار کی باتیں سنے۔ اس لیے کہ آنکھ تو صرف سامنے والی چیزوں کو دیکھ سکتی ہے کیونکہ غائب کا حال بغیر آواز سننے کے معلوم نہیں ہو سکتا' اسی لیے قوت سامعہ پیدا کی گئی اور اس میں سمجھنے کی قوت رکھی گئی۔ اس طرح سے حضرت انسان دوسرے حیوانات سے ممتاز ہوا۔ اس کے باوجود کہ انسان کو تمام حواس حاصل ہیں لیکن اب بھی ناقص ہے جب تک کہ اسے قوۃ ذائقہ نصیب نہ ہو' اس لیے کہ غذا کے حصول کے بعد انسان کو کیا پتہ کہ یہ غذا موافق ہے یا ناموافق' اس میں کوئی شے تو نہیں کہ کھاتے ہی مرجائے یہ درخت کی طرح ہے کہ جونہی سیال شے اس کی جڑ میں پہنچے' وہ اسے کھینچ لیتا ہے حالانکہ بعض درخت کو مضر ہوتی ہیں کہ اس کی جڑ میں پہنچ کر اسے نقصان دیتی ہیں جس کی وجہ سے وہ سوکھ جاتا ہے' اسی لیے حضرت انسان اس سے بھی ممتاز ہے کہ وہ شے قوۃ ذائقہ سے شے کے ضرر و نفع سے آگاہ ہو جاتا ہے۔

حس مشترک:۔ انسان کو حواس خمسہ کی عطا کے باوجود پھر بھی حس مشترک کا محتاج ہوتا ہے۔ یہ حس انسان کے دماغ سے اگلے حصہ میں جمع رہتے ہیں۔ اگر ان میں حس مشترک نہ ہوتی تو وہ سخت مشکل میں پڑا رہتا۔

مثال:۔ حس مشترک کی ضرورت یوں ہے کہ کوئی شخص مثلاً کوئی زرد رنگ کی شے کھالے اور وہ اسے ناموافق دے تو وہ پھر جب بھی کوئی زرد شے دیکھے گا' نہیں کھائے گا لیکن اگر وہ اسے چکھے تو اچھی محسوس ہو تو پھر وہ پہلے والا خطرہ ٹل جائے گا۔ دیکھئے یہ شے صرف آنکھ کے دیکھنے سے زرد تو نظر آئی لیکن اس کے ضرر و نقصان کی خبر قوۃ ذائقہ نے دی اور یوں یہ دونوں قوتیں علیحدہ علیحدہ کام نہیں کر سکتی تھیں۔ جب تک دونوں جمع نہ ہوئیں' یہی حس مشترک ہے کہ اس سے زرد شے کا نظر آنا اور اس قوۃ ذائقہ سے چکھنے کے بعد موافق و ناموافق سے باخبر ہونا حس مشترک سے حاصل ہے۔

حواس خمسہ مع حس مشترک ہر حیوان میں ہیں۔ انسان ہو یا غیر انسان مثلاً بکری کو دیکھئے اس میں یہ تمام حواس مع حس مشترک موجود ہیں۔

نعمت عقل :۔ حواس خمسہ مع حس مشترک کے باوجود پھر بھی ایک اور شے کی ضرورت ہے جو صرف اور صرف حضرت انسان کو نصیب ہے۔ وہ ہے عقل ورنہ حواس خمسہ اور حس مشترک کے باوجود حیوان کو اپنی حفاظتی تدبیر کی تمیز نہیں ہے۔ حیوان کو حیلے سے گرفتار کیا جائے گا۔ کوئی حیوان خود کو ضرر رساں شے سے بچنے کی تدبیر نہیں رکھتا۔ بعض اوقات حیوان کنویں میں گر جاتے ہیں' گرتے وقت اسے یہ خیال نہیں آتا کہ اس میں گر کر مر جاؤں گا۔ حیوانات بہت سی ایسی چیزیں کھا لیتے ہیں' جن سے وہ مر جاتے ہیں۔ انہیں خیال نہ تھا کہ ان کے کھانے سے مر جائیں گے۔ یہ حضرت انسان کا خاصہ ہے کہ اس میں اللہ عزوجل نے عقل پیدا فرمائی' اس لیے وہ نفع و نقصان کو سمجھتا ہے۔ اس طرح اپنی غذا پکانا' اسے مرکب کرکے تیار کرنا اور غذا کے اسباب مہیا کرنا وغیرہ وغیرہ سب کچھ جانتا ہے تو عقل سے جانتا ہے تو غذا کے معاملہ میں جو انسان کو تندرستی کا سبب ہے' اتنا عقل کافی ہے حالانکہ عقل کا یہ ادنیٰ فائدہ ہے۔ یہ اس کی ایک حکمت ہے۔ عقل کی سب سے بڑی اور چوٹی کی حکمت ہے' معرفت الٰہی عزوجل۔

حواس انسانی کی حکمتیں :۔ عقل میں اعلیٰ حکمت یہی ہے کہ اس سے معرفت ذات حق اور اس کی صفات کا جاننا نصیب ہوتا ہے۔ اس حس سے دیگر حواس خمسہ کا فائدہ اور بڑھ گیا۔ وہ یہ کہ حواس خمسہ انسان میں بمنزلہ جاسوسوں اور خبر رسانوں کے ہیں جنہیں سلطنت کے اطراف میں بادشاہوں کی طرف سے مقرر کیے جاتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کو ایک خاص کام سپرد کیا جاتا ہے مثلاً آنکھ کو رنگوں کی خبر اور کان کو آوازوں کا علم اور ناک کو خوشبو کی خبر اور قوۃ ذائقہ کو چکھنے کا پتہ اور قوت لامسہ کو گرمی' سردی' سختی اور نرمی اور ہمواری و ناہمواری کی خبر پر متعین کیا جاتا ہے اور تمام جاسوس انسانی سلطنت کے اطراف کی خبریں لے کر حس مشترک میں جمع ہوتے ہیں اور اپنی تمام خبریں اس کے حوالے کر دیتے ہیں اور یہ حس مشترک دماغ کے صدر دروازہ پر بیٹھا ہوا ہے جیسے دربان بادشاہوں کے دروازوں پر ہوتے ہیں کہ جو بھی بیرون سلطنت سے اخبار و حالات آئیں' وہ بادشاہ کو جا کر من و عن سنا دیں۔ صرف اتنا ہی دربانوں کو اختیار ہوتا ہے۔ اس بڑھ کر ان کا اور کوئی کام نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ وہ لکیر کے فقیر ہوتے ہیں۔ انہیں اندرونی معاملات سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ یونہی حس مشترک کا حال ہے کہ وہ حواس خمسہ کی جملہ خبریں دل کو جسم میں بمنزلہ امیر سلطنت کے لیے پہنچا دیتا ہے۔ اگر کسی کا دل بیدار ہوتا ہے تو وہ تمام آئی ہوئی خبروں کی تفتیش و تحقیق کرتا ہے۔ ان میں سے ہی اخبار مملکت کے متعلق اسرار و رموز سمجھ کر رعایا پر احکام نافذ فرماتا ہے۔ اس کا مفصل بیان یہاں نہیں ہو سکتا۔

لشکر قلب :۔ حس مشترک نے اخبار قلب کے حوالے کیے تو اس نے اسرار مملکت کی مناسبت پر اعضاء (جو اس کے بمنزلہ لشکر کے ہیں) کو حکم فرماتا ہے۔ کبھی کسی شے کی تلاش کے لیے کبھی کسی شے سے احترام کے لیے اور کبھی

تمام تدبیرات کے لیے جو کہ اسے آگے چل کر پیش آئیں گی وغیرہ وغیرہ۔ خلاصہ یہ کہ اللہ کی اوراک کی نعمتوں میں اس طرح کا انتظام ہے جو ہم نے اختصار کے طور عرض کیا ہے اور یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ اوپر کا بیان مفصل ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر کچھ تفصیل کی جائے تو بھی اس کے لیے دفاتر چاہئیں۔

حواس باطنہ :- اوپر کا بیان بھی صرف حواس ظاہرہ کا تھا اور وہ حواس باطنہ جو اللہ تعالیٰ نے حضرت انسان کو عطا فرمائے ہیں۔ وہ اور ہم انہیں پھیلائیں تو مضمون کہاں سے کہاں تک پھیلے۔ یہاں انہی حواس ظاہرہ کے متعلق مختصر سے جھلک سمجھئے۔ وہ یہ کہ مثلاً حس باصرہ (بینائی) ہے اس کے لیے آنکھ ایک آلہ ہے اور اس میں غور فرمائیں تو معلوم ہوگا کہ اس میں دس مختلف طبقات ہیں جس سے یہ آلہ (آنکھ) تیار ہوئی ہے۔ بعض رطوبات ہیں' بعض پردے ہیں اور ان پردوں میں بعض لکڑی کے سے جالے ہیں۔ بعض رحم کی جھلی کی طرح ہیں اور رطوبتوں میں سے بعض انڈے کی سفیدی جیسے ہیں اور بعض برف کی مانند ہیں اور ان دسوں طبقات میں سے ہر ایک کے لیے ایک صفت و صورت اور خاص عرض (گولائی) ہے جس کی ایک خصوصی بناوٹ ہے۔ ان دسوں میں اگر کسی ایک میں بھی خلل آجائے یا کسی صفت میں قصور واقع ہو تو تمام اطباء و ڈاکٹر اس کے علاج سے عاجز آجائیں۔

درس عبرت :- غور فرمایئے کہ جب اس ایک حس (قوت بینائی) کا یہ حال ہے تو دوسری حواس کا کیا حال ہوگا۔ ان کا اس پر قیاس کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں و حکمتیں آنکھ اور اس کے طبقات میں ودیعت رکھی ہیں' ان کا بیان تو بہت بڑی کتابوں میں نہیں آسکتا حالانکہ ان حواس سب کو ملا کر دیکھا جائے تو یہ بدن کا ایک چھوٹا حصہ ہیں۔ پھر غور فرمائیے کہ ساری بدن اور تمام اعضاء میں جو جو حکمتیں ہیں۔ وہ کس طرح بیان ہو سکتی ہیں۔
اوراکلت کی تخلیق میں جو اللہ تعالیٰ نے نعمتیں ودیعت رکھی ہیں۔ مختصراً اسرار و رموز کا بیان ہو چکا (الحمد للہ علی ذلک)

قوۃ ارادی :- پہلے عرض کیا گیا ہے کہ انسان میں حواس باطنہ بھی ہیں' وہ ان حواس باطنہ سے اور زیادہ اہم ہیں مثلاً کسی کو حواس خمسہ حاصل ہیں۔ کسی چیز کو آنکھ دیکھ رہی ہے لیکن اس میں اس کا ارادہ نہ ہو تو وہ شے اس کی غذا کے کام نہ آئے گی جب تک انسان کی طبیعت میں میلان اور رغبت پیدا نہ ہوگی کہ جس سے اس کی طرف حرکت ہوتی ہے تو صرف شے دیکھتے رہنا کام نہ آئے گا۔

مثال :- بہت سے مریض ہم نے دیکھے ہیں کہ وہ غذا کو دیکھتے رہتے ہیں (جبکہ غذا انسان کے لیے تمام نعمتوں سے بڑھ کر نعمت ہے) لیکن اس کی طرف انہیں رغبت نہیں ہوتی تو اس غذا کا کھانا تو درکنار بعض اوقات اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اس وقت بینائی کام نہ آئی۔ اس لیے ضروری ہے کہ کوئی ایک شے بینائی کے ساتھ معاونت کرے' وہ جو غذا انسان کے کام آئے' وہ ہے شہوت یعنی کھانے کی خواہش۔
خواہش کے مخالف شے کا نام کراہت ہے یا جس شے سے نفرت ہو وہ بھی کراہت ہے۔ پھر جس کی خواہش

موافقت کرے اس کا نام رغبت ہے اور جس سے نفرت کرے' اس کا نام کراہت ہے۔ اس لیے اللہ عزوجل نے انسان میں ایک ملوہ مسلط فرمایا جس سے انسان کسی شے کے کھانے کا تقاضا کرے پھر وہ مجبور ہو کر اسے کھائے تاکہ زندہ رہ سکے۔ اس شہوت (خواہش) انسان کے ساتھ تمام حیوانات شریک ہیں۔ ہاں نباتات اس میں شامل نہیں۔ شہوت یعنی خواہش کا ایک خاص پیمانہ ہے اگر اس سے آگے بڑھے تو موت کا منہ دیکھے یعنی زیادہ کھانا زندگی کے لئے مضر ہے۔ جس طرح کھیتی کو پانی مناسب مقدار میں دیا جائے تو وہ پھل پھول جاتی ہیں۔ اگر پانی مقدار سے زیادہ ہو تو وہ کھیتی تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔

نکتہ :- یہی وجہ ہے کہ انسان کا جب غذا سے پیٹ بھر جاتا ہے تو اس کی طبیعت خود ناگواری محسوس کرتی ہے تو پھر چاہیے کہ کھانے سے ہاتھ کھینچ لے ورنہ جس طرح کھیتی میں زیادہ پانی جانے سے تباہ و برباد ہو جاتی ہے' یہی کیفیت انسان کی زیادہ کھانے سے ہوگی۔

شہوت جماع :- جیسے انسان میں کھانے کی شہوت پیدا کی گئی ہے' ایسے ہی اس میں جماع کی بھی شہوت پیدا کی گئی ہے تاکہ نسل انسانی قائم رہے۔ اگر ہم یہاں رحم کے متعلق گفتگو شروع کر دیں کہ اللہ کی رحمیں کیسی صنعت عجیبہ اور اسے کیسے بنایا اور اس میں کتنے امور و کوائف ہیں تو عقل دنگ ہو جائے مثلاً اس میں خون حیض کیوں اور بچے کا خون حیض اور منی سے مرکب ہونا کیسا اور خصیتین کی تخلیق اور وہ رگیں جو اس کی پشت اور ہڈیوں کی کیفیت کہ جن میں نطفہ رہتا ہے اور عورت کی منی سینے کی رگوں سے اور کیفیت رحم کے اندر کے سانچوں کی جن میں سے بعض میں نطفہ پہنچ کر نر بنتا ہے اور بعض میں پہنچ کر مادہ بنتی ہے۔ اس کے بعد کی کیفیت کہ نطفہ سے پھٹکی' پھر لوتھڑا' پھر ہڈی' پھر گوشت اور خون۔ جیسے قرآن نے بیان فرمایا ثم جعلناہ نطفنہ فی قرار مکین' ثم جعلنہ نطفة فی قرار مکین ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة فخلقنا المضغة عظما فکسونا العظم لحما ثم انشا نه خلقا اخر فتبرک اللہ احسن الخالقین (المومنون 14-13) ترجمہ کنزالایمان :اے پانی کی بوند کیا ایک مضبوط ٹھہراؤ میں پھر ہم نے اس پانی کی بوند کو خون کی پھٹک کیا پھر خون کی پھٹک کو گوشت کی بوٹی پھر گوشت کی بوٹی کو ہڈیاں پھر ان ہڈیوں پر گوشت پہنایا پھر اسے اور صورت میں اٹھان دی تو بڑی برکت والا ہوے اللہ سب سے بہتر بنانے والا ہے۔

پھر ان اجزاء کی کیفیت تقسیم یعنی نطفہ سے انسانی ڈھانچہ سر اور ہاتھ اور پاؤں اور پیٹ اور پیٹھ اور جملہ اعضاء۔ اگر ہم ان کی تفصیل بیان کریں تو انسان کو یقین ہو گا کہ ابتدائے پیدائش سے ہم پر اللہ تعالیٰ کی کتنی بیشمار نعمتیں ہیں۔ چونکہ یہاں پر ہمیں صرف کھانے کی نعمتوں کا بیان مطلوب ہے' اس لیے دوسری باتوں کی تفصیل ترک کرکے صرف کھانے کا بیان پر اکتفا کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ خواہش حکام انسان کے منجملہ دین و دنیا و آخرت کے مددگاروں میں سے ہے اور صرف اسے مددگار نہ سمجھے بلکہ اس کے ارد گرد چار سو اس کی بیشمار مہلکات بھی ہیں۔ اس میں

غضب پیدا نہ کیا جائے کہ جس سے مخالف و ناموافق کو دفع کرے تو بیسیوں آفات کا نشانہ بنے گا۔ پھر جو غذا بھی جہاں سے پیدا کرے گا' اس سے چھن جائے گی کیونکہ ہر ایک غذا کا خواہشمند ہے' اس لیے لازم ہوا کہ انسان میں ارادہ دفع و مقاتلہ بھی ہو۔ اسی کا نام غضب ہے۔

یاد رہے کہ شہوت غضب انسان میں لازمی ہونے کے باوجود بھی کام نہ نکلے گا۔ اس لیے کہ ان کا نفع و ضرر حال میں ہے۔ حال میں ان سے کوئی کام نکل سکتا' اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ انسان میں ایک اور ارادہ پیدا فرمایا جو عقل کے اشارہ پر چلتا ہے۔ اس ارادہ کے امور کا انجام سوچا جاتا ہے۔ شہوت و غضب کو اس کا محکوم بنایا گیا ہے۔ اسی سے ہی موجودہ حالت معلوم ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ ارادہ مذکورہ کی وجہ سے انسان کو عقل سے نفع کامل ہوتا ہے۔ اس لیے کہ صرف یہ معلوم کرلینا کہ شہوت ہے' اس سے بچنے کے لیے صرف علم کافی نہیں جب تک اس علم کے موافق عمل کی رغبت نہ ہو۔

یہ ارادہ بھی صرف حضرت انسان کو نصیب ہوا ہے' حیوانات اس سے محروم ہیں۔ دوسرا انجام کی سوچ بھی حضرت انسان کو ملی ہے۔ ان دونوں نعمتوں سے صرف انسان کا شرف مدنظر تھا۔ اسی ارادہ کا نام ہماری اصطلاح میں باعث دینی ہے۔ اس باعث دینی کا مفصل بیان صبر کے باب میں گزرا ہے۔

قدرت اور آلات حرکت بھی نعمت ہیں :- جس کام کے لیے صرف ارادہ ہو جاتا ہے کہ اسے کیا جائے' اس ارادہ کے ساتھ خواہش طلب یا اس شے سے گریز بھی ہو لیکن جب تک انسان کے پاس کوئی طلب خواہش یا آلہ گریز نہ ہو تو ادراک و خواہش کسی کام کے نہیں ہیں۔

مثال :- مریض جو نہایت کمزور ہو' اسے کسی شے کی خواہش ہوتی ہے۔ چاہتا ہے کہ وہ اسے حاصل کرلے لیکن بدنی قوت کے ضعف کی وجہ سے وہاں نہیں پہنچ سکتا یا مثلاً فالج نے ہاتھ کو بیکار بنا دیا۔ اب کوئی شے حاصل بھی ہو لیکن اسے کھا نہیں سکتا' اس لیے کہ ہاتھ بیکار ہیں جن سے وہ اس شے کو منہ تک لے جاسکے۔ ثابت ہوا کہ آلات حرکت ضروری ہیں اور ساتھ ہی ان کے استعمال کی قدرت بھی حاصل ہو تاکہ ہم اسے مقتضائے شہوت کے مطابق حرکت کرنا کہہ سکیں اور اسے شے سے کراہت کے باعث گریز کہا جاسکے۔ اس حکمت کے تحت اللہ عزوجل نے انسان و حیوانات کو اعضاء عنایت فرمائے ہیں جنہیں آنکھوں سے دیکھ تو رہے ہیں لیکن اسرار سے بے خبر ہیں۔

یاد رکھئے حیوانات اور انسان کے بعض اعضاء ایسے ہیں جن سے شے کی طلب اور اس سے گریز دونوں کے لیے کام آتے ہیں مثلاً انسان کے ہتھیار اور حیوانات کے سینگ۔ اسباب میں حیوانات مختلف ہیں مثلاً بعض حیوان ایسے ہیں کہ ان کے دشمن زیادہ ہیں اور ان کی غذا بھی دور ہوتی ہے' اسی لیے انہیں تیز حرکت کی ضرورت ہوتی ہے تو انہیں اللہ تعالیٰ نے پر عطا فرمائے کہ وہ اپنی جان بچانے کے لیے جلد اڑ سکیں۔ بعض جانوروں کو چار پاؤں عطا ہوئے۔ بعض ایسے ہیں کہ ان کی صرف دو ٹانگیں ہیں۔ بعض زمین پر بغیر پاؤں اور ٹانگوں کے زمین پر رینگتے ہیں۔

اس اختلاف حیوانات کا بیان بھی طویل تفصیل چاہتا ہے' اس لیے ہم طوالت کو چھوڑ کر صرف ان اعضاء کا ذکر کرتے ہیں جنہیں کھانے سے تعلق ہے' باقی دوسرے اعضاء کو ان پر قیاس کر لیا جائے۔

انسان کے دو ہاتھوں کی حکمت :- کوئی دور کھانا دیکھے' یہ اس کے حصول کے لیے اس کی طرف حرکت کرے تو صرف حرکت کام نہ دے گی جب تک کہ اسے حاصل نہ کر لے۔ اسے حاصل کرنے کے لیے کسی آلہ سے پکڑنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے دو ہاتھ بنائے جو شے حاصل کرنے اور لینے کی طرف پھیلتے ہیں۔ سب کو معلوم ہے کہ دو ہاتھوں میں بے شمار جوڑ ہیں تاکہ ان سے ہر طرف حرکت کر سکتے ہیں۔ ہاتھ گڑی ہوئی لکڑی کی طرح بھی نہیں کہ حرکت نہ کر سکیں۔ پھر ہاتھوں کے سرے پر دو پنجے بنا دیئے جو کہ وہ چوڑے بھی ہیں اور ان میں پانچ پانچ انگلیاں فٹ فرمائیں۔ انگلیوں کی دو طرفیں بنائیں۔ ایک طرف کو انگوٹھا اور دوسری طرف چاروں انگلیوں کو گھومتا ہوا تیار فرمایا۔ اگر یہ انگلیاں ایک طرف جڑی ہوئی ہوتیں تو مطلب حاصل نہ ہوتا۔ اس لیے خالق لم یزل نے انہیں ایسے بنایا کہ انسان انہیں پھیلائے تو بیلچہ بن جائیں۔ اگر ملا کر خم کردے تو چمچ کا کام دیں۔ اگر ان سب کو خوب بند کر دے تو ڈنڈا بن جائیں اور مارنے میں خوب کام کریں جسے گھونسا کہا جاتا ہے۔ شے کو پکڑنے کا آلہ بھی یہی انگلیاں ہیں۔ انگلیوں کے سروں پر ناخن بنائے تاکہ انگلیاں ٹوٹنے سے بچ جائیں جو باریک شے انگلیوں سے اٹھ سکے' اسے ناخنوں سے اٹھایا جا سکے۔

مثال :- غذا ہاتھ میں آجائے تو وہ کار آمد نہیں جب تک وہ معدے میں نہ پہنچے اور معدہ تو پیٹ میں ہے تو ضروری ہے کہ کوئی ایسی شے ہو جو غذا کو باہر سے اندر لے جائے تاکہ غذا معدہ تک پہنچ سکے۔ براہ راست کوئی راستہ نہیں جس سے ہم غذا معدہ میں پہنچائیں۔ اللہ تعالیٰ نے منہ بنایا' اس سے ہی معدہ کی طرف راستہ ہے۔

منہ کے فائدے اور حکمتیں :- منہ کی صرف یہی ایک حکمت نہیں کہ اس کے ذریعے معدہ میں غذا پہنچتی ہے بلکہ اس کے علاوہ اور بھی بہت بڑے فائدے اور حکمتیں ہیں۔ منجملہ ان کے ایک وہی جو مذکور ہوا' دوسرا یہ کہ لقمہ جب منہ میں پہنچتا ہے تو اسے یکبارگی نگلنا تو دشوار ہے' اسی لیے اس لقمے کے لیے کوئی ایسی شے ضروری ہے جو چکی کا کام دے سکے' جس سے لقمہ پس کے اندر جا سکے۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے دو ہڈیوں کے جبڑے بنائے' ان میں دانت لگائے۔ اوپر نیچے کی داڑھوں کو برابر کر دیا تاکہ لقمہ آسانی سے پیسا جا سکے۔

غذا کی قسمیں :- غذا کئی قسم کی ہوتی ہیں۔ (1) پیسنے کی ضرورت والی۔ (2) کاٹے جانے والی۔ (3) توڑی جانے والی لیکن توڑی جانے کے بعد پیسنے کی محتاج۔ اسی لیے دانتوں کی تقسیم بھی تین طرح ہے۔ (1) داڑھیں جن کا کام پیسنا اور چبانا ہے۔ (2) آگے کے دانت' یہ تیز ہیں اور کاٹنے کا کام کرتے ہیں۔ (3) کچلیاں جو توڑنے اور غذا کو جدا کرنے کا کام دیتی ہیں۔

جبڑوں کا جوڑا پلپلا بنایا تاکہ نیچے کا جبڑا آگے پیچھے ہو سکے اور اوپر کے جبڑے پر چکی کی طرح پھر سکے۔ اگر صفت

باری تعالیٰ جبڑوں کی ساخت یوں نہ بناتی تو دونوں جبڑے کھٹا کھٹ ہو جایا کرتے اور ان سے چبانے کا مقصد پورا نہ ہوتا۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا انعام ہے کہ اس نے نیچے کے جبڑے میں دوری حرکت رکھی اور اوپر کے جبڑے کو ساکن اور بے حرکت رکھا۔

عجوبہ :- یہ عالم دنیا کی چکیوں کے برعکس ہے' اس لیے دنیا کی چکیوں کے اوپر کا پاٹ گھومتا ہے اور نیچے کا ساکن رہتا ہے لیکن انسان کی چکی پلٹ کے برعکس یوں ہے کہ نیچے کا پاٹ گھومتا ہے اور اوپر کا پاٹ ساکن ہے۔ یہ اس کریم کی شان و برہان ہے اور اس کا فضل و احسان ہے' ہم کمزور ذہن بندے اس کی حکمتوں کو کیا سمجھیں؟

انسان غذا منہ میں تو رکھ لے لیکن اسے دانتوں کے نیچے کیسے لے جائے اور جب تک غذا دانتوں کے نیچے نہیں آئے گی' کام نہ بنے گا تو اس کے لیے ایسی شے کی ضرورت ہے جس سے غذا دانتوں کے نیچے پہنچے تو وہ کام انگلیوں نے کر دیا کہ منہ میں ڈالتے ہوئے انگلیاں غذا دانتوں کے حوالے کرتی ہیں اور وہ بھی تھوڑا تھوڑا کر کے جیسے چکی میں دانے یکبارگی نہیں ڈالے جاتے' تھوڑے تھوڑے کر کے ڈالے جاتے ہیں جس سے آٹا باآسانی پیسا جا سکتا ہے۔ ایسے ہی دانتوں میں غذا بھی آسانی سے پس کر پیٹ کے اندر داخل کی جاتی ہے۔

زبان کے فائدے :- انگلیوں نے تو غذا منہ اور دانتوں کے حوالے کر دی لیکن اس کے بعد زبان نے کا سرانجام دیا۔ زبان کے فوائد بے شمار ہیں۔ ان میں سے ایک یہی جو اوپر مذکور ہوا' دوسرا یہ کہ غذا کا ذائقہ بھی زبان نے بتایا اور گفتگو کا آلہ تو زبان ہے ہی۔ علاوہ ازیں اس کے بیشمار فوائد اور حکمتیں ہیں یہاں پر جن کے بیان کرنے کا موقع نہیں۔

لطیفہ :- جب غذا چبائی گئی اور اسے کتر کتر کر پیٹ کے اندر داخل کرنے کی باری آئی تو غذا تو خشک اور سوکھی شے ہے' اسے نگلنے میں دقت ہوتی ہے۔ جب تک کہ وہ تر نہ ہو تو اس کے لیے اللہ نے زبان کے نیچے ایک چشمہ بنایا جس سے لعاب بہتا ہے اور وہ بقدر ضرورت گرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس سے غذا تر ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد آسانی سے پیٹ میں اترتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے زبان کو انسان کے ایسا مسخر فرمایا ہے کہ ابھی کھانا دور ہوتا ہے' یہ اپنے چشمہ کو پہلے سے تیار کر لیتی ہے اور اس کی خدمت کی استعداد یہ ہے کہ بسا اوقات رال باچھوں تک بہ نکلتی ہے۔

معدہ میں غذا کے پہنچانے کا پروگرام :- غذا لعاب سے مل کر ایک عجیب گوندا بن گئی۔ اب اسے معدہ تک کون لے جائے۔ ہاتھ سے تو دھکیلی نہیں جا سکتی اور نہ ہی معدہ کا ہاتھ ہے کہ وہ اس سے لے کر اپنے پاس پہنچائے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے نرخرہ اور مری بنائے۔ نرخرے کے ساتھ منہ پر کئی درجے بنا دیئے جو غذا لینے کے لیے کھل جاتے ہیں۔ پھر بند ہو کر بھنچتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے دبنے کی وجہ سے غذا لڑھکتی ہوئی معدہ میں جا پڑتی ہے۔

معدہ ہنڈیا کی شکل میں :- جب غذا معدہ میں پہنچ گئی تو روٹی یا چھوٹے ٹکڑے وغیرہ میں یہ استعداد تو نہیں کہ وہ

انسان کا گوشت یا ہڈی بن سکیں تو ضروری ہوا کہ کوئی ایسی شے ہو جو غذا کو پکائے اور وہ پک کر انسان کی ہڈیاں اور گوشت بن سکے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے معدہ کو ہنڈیا کی شکل میں بنایا کو جونہی غذا اس کے اندر پہنچتی ہے تو اس کے چاروں طرف دروازے بند ہو جاتے ہیں اور غذا معدہ میں ٹھہر کر ہضم ہو کر مکمل طور پر پختہ ہو جاتی ہے۔

کھانے کی معدہ میں پختگی اس نری سے ہوتی ہے جو معدے کو چار طرف سے اعضاء گھیرے ہوتے ہیں' اس لیے معدہ کی داہنی طرف کو جگر ہے اور بائیں جانب تلی' آگے کو چربی کی چادر اور پیچھے کو پیٹھ کا گوشت۔ ان اعضاء کی گرمی سے معدہ غذا کو پکاتا ہے۔ یہ غذا اس گرمی سے پگھل کر آش کی صورت اختیار کر کے اس لائق ہو جاتی ہے کہ وہ رگوں کے اندر جا سکے لیکن پھر بھی اس لائق نہیں کہ یہ غذائے بدن ہو۔

معدہ سے جگر تک :۔ معدہ سے جگر تک اللہ تعالیٰ نے چند راستے بنائے ہیں جو رگوں کی شکل میں ہیں۔ ان میں بے شمار منہ ہیں' انہیں کے ذریعے غذا معدہ سے جگر تک پہنچتی ہے۔

نظارہ قدرت :۔ جگر کا خمیر خون سے بنا ہے' اسے یوں سمجھئے کہ وہ سراسر خون ہی خون ہے' اس میں بیشمار باریک رگیں ہیں۔ جب غذا معدہ سے جگر میں پہنچ جاتی ہے تو وہ غذا تمام جگر کے اندر پھیل جاتی ہے تو پھر وہ رگیں جو جگر میں ہیں' وہ تمام جس میں پہنچاتی ہیں اس غذا میں جگر کے خون کا غلبہ ہوتا ہے اور وہ جگر میں اتنا دیر ٹھہرتی ہے کہ اسے کامل پختگی حاصل ہو جاتی ہے اور خالص خون کا رنگ اختیار کر لیتی ہے تاکہ ہر عضو میں پہنچنے کے لائق ہو جائے۔ حرارت جگر جب غذا کو پکاتی ہے تو اس خون میں سے دو فضلے ظاہر ہوتے ہیں۔ جیسے ہر پکنے والی چیز کا خاصہ ہے کہ پکنے پر کوئی شے تیار ہو' ایک فضلہ تیل کی طرح خلط سوداوی ہوتا ہے' دوسرا مکھن جیسا سفید خلط صفراوی بنتا ہے۔ اگر یہ دونوں فضلے غذا سے باہر نہ نکالے جاتے تو اعضاء کا مزاج فاسد رہتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے تلی اور پتہ بنایا ہے۔

پتہ اور تلی کی ساخت :۔ پتہ اور تلی ہر دونوں کی لمبی گردنیں جگر سے ملی ہوئی ہیں۔ جگر سے دو فضلے جو خارج ہوئے سوداوی فضلہ تلی کھینچ لیتی ہے اور صفراوی کو پتہ جذب کر لیتا ہے۔ اب جگر میں خالص خون ہی خون رہ جاتا ہے جس میں صرف رقت اور رطوبت ہے اور بس۔

اگر یہ غذا جو اب رطوبت و رقت کا رنگ اختیار کر گئی ہے' اگر ایسے نہ ہو تو پھر وہ نہ رقیق رگوں میں جا سکے اور نہ دیگر تک چڑھ سکے اور اس میں زیادہ رطوبت بھی نہیں' اسی خامی کو دور کرنے کے لیے خداوند قدوس عزوجل نے دو گردے بنائے۔

گردوں کی ساخت میں حکمت :۔ ان دونوں گردوں کی گردنیں بھی جگر تک پھیلی ہوئی ہیں۔ صرف تلی اور پتے' ان میں فرق یہ ہے کہ ان کی گردنیں جگر کے اندر تک نہیں بلکہ صرف ان رگوں کے پاس رکھ دی گئی ہیں جو

جگر کے اوپر لگی ہوتی ہیں۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ گردے رطوبت خون اس وقت جذب کریں جب جگر کی رگوں سے خون باہر نکل آئے۔ اس لیے کہ اگر یہ اس سے باریک پہلے جذب کریں تو خون گاڑھا ہو جاتا ہے تو پھر وہ باریک رگوں سے باہر نہ نکل پاتا۔ جب خون سے رطوبت جدا ہو جاتی ہے تو تینوں فضلوں سے خون ان اشیاء سے جو مفسد ہیں' صاف ہو کر پاک و درست ہو جاتا ہے۔

تقسیم غذا کا بیان :۔ جب غذا کا نظام مکمل ہو گیا تو پھر اللہ عزوجل نے وہ بیشمار باریک رگیں جگر میں لگا رکھی ہیں اور ان کی بے شمار اقسام ہیں اور ہر قسم کے بے شمار شعبے ہیں۔ ان کے ذریعے سر سے لے کر پاؤں تک تمام بدن کے ظاہر و باطن میں غذا پہنچتی ہے یعنی وہی صاف شدہ خون بدن کے ہر ہر رونگٹے میں پہنچتا ہے اور ان باریک رگوں کے شعبے باریک ہوتے ہوتے اتنا رقیق ہو جاتے ہیں کہ دکھائی نہیں دیتے۔ اسے یوں سمجھئے کہ جیسے درخت کی پتیوں کی پتلی رگوں کا حال ہے۔ خلاصہ یہ کہ جگر کی انہی باریک رگوں کے ذریعے بدن کے تمام اعضاء میں غذا پہنچتی ہے۔

اگر پتے پر کوئی آفت پہنچتی ہے اور وہ فضلہ صفراوی کو نہیں کھینچ سکتا تو پھر خون فاسد ہو جاتا ہے۔ اس سے ہی موذی امراض پیدا ہوتے ہیں۔ جیسے یرقان' پھنسی پھوڑے اور سرخ باد وغیرہ وغیرہ۔ ایسے ہی اگر تلی پر کوئی آفت پڑتی ہے اور وہ سوداوی خلط کو جذب نہیں کر سکتی تو سوداوی امراض پیدا ہو جاتے ہیں جیسے جذام و مالیخولیا اور برص (چھپ) وغیرہ وغیرہ۔ اگر گردوں کی طرف رطوبت نہیں جاتی تو پھر امراض رطوبت پیدا ہو جاتے ہیں جیسے جلندر (مرض) وغیرہ وغیرہ۔

حکیم مطلق عزوجل کی حکمت :۔ خالق کائنات عزوجل کی کیا ہی عجیب حکمت ہے کہ اس کریم نے ادنیٰ چیزوں میں کتنے عظیم فائدے ودیعت رکھے ہیں مثلاً پتہ اپنی ایک گردن سے فضلہ کھینچ کر دوسری طرف سے اس فضلہ کو آنتوں میں پھینکتا ہے تاکہ اس میں غذا کی آمد و رفت سے چکناہٹ رہے اور آنتوں میں ایک ایسی خلش پیدا ہو جس سے طبیعت قضائے حاجت کی خواہش کرے اور اس چکنائی کی وجہ سے پاخانہ آسانی سے خارج ہو۔

پاخانہ میں زردی کیوں :۔ عموماً پاخانہ زرد اس لیے ہوتا ہے کہ غذا کے فضلات میں خلط صفراوی زیادہ غلبہ ہوتا ہے اور تلی اپنے فضلہ کو یوں کر دیتی ہے کہ اس میں ترشی اور بستی ہو اور وہ اس میں معمولی سا حصہ روزانہ فم معدہ تک پہنچا دیتی ہے تاکہ ترشی کی وجہ سے اشتہاء میں حرکت آئے اور معدہ کو غذا طلبی پر اکسائے۔ اس کے علاوہ باقی فضلات کو باہر پھینک دیتی ہے جسے پاخانہ کی شکل میں دیکھا جا رہا ہے اور گردہ بھی رطوبت کو اپنی ضرورت کے مطابق اپنے پاس رکھ کر باقی زائد فضلات کو مثانہ کی طرف پھینک دیتا ہے جو پیشاب کی صورت میں خارج ہوتے ہیں۔

اسباب غذا کی نعمت کو ہم یہاں چھوڑتے ہیں کیونکہ اگر اس سے آگے بڑھیں تو مضمون طویل ہو جائے گا مثلاً ہم بیان سمجھائیں کہ جگر کو دل و دماغ کی کیسے ضرورت ہوتی ہے اور اعضائے رئیسہ کو آپس میں ایک دوسرے کی کیسے حاجت پڑتی ہے اور قلب میں اچھلتی رگیں تمام بدن میں کس طرح پھیلی ہوئی ہیں کہ جن کے ذریعے اعضائے

انسانی میں حس ہوتی ہے اور وہ دوسری رگیں جن سے غذا تمام بدن میں پہنچتی ہے' وہ کہاں ہیں اور جگر سے کس طرح متفرق ہوتی ہیں اور غذا سے اعضاء کیسے بنتے ہیں اور ہڈیاں کتنی ہیں۔ اس طویل تفصیل کو یہاں چھوڑتے ہیں۔
اگرچہ کھانے کے لیے ان سب کی ضرورت ہے' ان سے اور کام بھی ہیں بلکہ انسان میں ہزاروں پٹھے' رگیں اور چھوٹی بڑی مچھلیاں ان میں بعض موٹی بعض پتلی ہیں' بعض بہت بڑا پھیلاؤ رکھتی ہیں اور بعض کم اور یہ تمام انسان کے بدن میں ہیں' پھر ان ہر ایک کے لیے صرف ایک یا دو حکمتیں ہوں بلکہ ہر ایک میں درجنوں بیسیوں سینکڑوں حکمتیں مضمر ہیں۔ یہ تمام اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں اور ہیں بھی صرف حضرت انسان کے لیے۔
مذکورہ بالا بے شمار رگیں پٹھے وغیرہ یعنی بڑے عملہ میں سے کوئی ایک رگ یا پٹھہ وغیرہ کام کرنے سے رک جائے یا کوئی ساکن رگ متحرک ہو پڑے تو انسان کو موت کے بغیر چارہ نہیں۔

درس عبرت :۔ ہر انسان پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں پر نگاہ کرے کہ اس کریم نے اس ضعف انسان کو کتنی نعمتوں سے نوازا ہے۔ پھر ان نعمتوں کا شکر کرے۔ انسان پر اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہیں جن کا اسے علم نہیں' صرف کھانے کی نعمت کو جانتا ہے حالانکہ اللہ عزوجل کی نعمتوں سے کھانا ایک معمولی نعمت ہے۔ اسے بھی انسان اتنا جانتا ہے کہ بھوک لگی اور کھالیا اور بس۔ غور کیا جائے تو اتنا تو گدھا بھی جانتا ہے کہ بھوک لگی اور کھالیا اور بس۔ پھر گدھے اور انسان میں فرق کیا رہا۔ ایسے ہی گدھے کا حال ہے کہ تھک گیا تو سو گیا اور شہوت ہوئی تو اسے پورا کر لیا اور اسے آرام ملا تو ادھر ادھر بھاگنے اور لات مارنے لگا۔ تمام انسان کا حال بھی اس گدھے سے کم نہیں کہ وہ بھی اتنا جانتا ہے جتنا گدھے کو خبر ہے تو پھر گدھے نے تو نعمتوں کا شکریہ کھا کر کرنا ہے۔ یہ تو انسان کا کام ہے کہ کم از کم ان نعمتوں کا شکر تو کرے تاکہ گدھے میں اور اس میں امتیاز ہو۔
ہم نے مختصراً بطور اشارہ اللہ تعالیٰ کی بحر بے کنار نعمتوں میں سے ایک قطرہ بھی بیان نہیں کیا۔ اسی پر تمام نعمتوں کا مجملاً" قیاس کر لیں۔ بس ہم طویل تفصیل کو یہاں چھوڑتے ہیں۔
جتنا ہم نے نعمتوں کا بیان کیا ہے' انہیں عوام میں سے ہر فرد جانتا ہے۔ ان تمام کو ان نعمتوں کے مقابلہ میں لایا جائے جنہیں عوام بلکہ اکثر خواص بھی نہیں جانتے تو ان نعمتوں کو ان کے مقابلے میں وہی نسبت ہوگی جو قطرہ کو سمندر کے مقابلہ میں بلکہ اس سے بھی کم۔
جو صرف اس قدر جانتا ہے جتنا ہم نے اوپر مختصراً بیان کیا ہے تو آیت وان تعدوا نعمة الله لا تحصوها (ابراہیم 34) ترجمہ کنزالایمان : اور اگر ان کی نعمتیں گنو تو شمار نہ کر سکو گے۔ کا معنی اسے سمجھ آجائے گا۔
ایک بات یہاں یاد رکھنا ضروری ہے' وہ یہ کہ غور فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ نے اعضاء کا قوام اور ان کے منافع صرف ایک معمولی اور لطیف بخار سے کیسے منتظم کر رکھا ہے اور وہ بخار اخلاط اربعہ سے خارج ہوتا ہے اور اس کی قرارگاہ دل ہے۔ اس سے اچھلتی رگوں کے ذریعہ تمام بدن میں پھیلتا ہے۔ اس کی کیفیت یوں ہے کہ یہ بخار جس جزو بدن میں پہنچتا ہے تو اس میں قوت حس و ادراک اور قوت حرکت اور تمام حاجات کی اشیاء پیدا ہو جاتی ہیں۔ جیسے چراغ

گھر میں پھیرو تو چراغ کا جہاں سے گزر ہو گا' وہاں روشنی ہو گی۔ اللہ تعالیٰ نے چراغ کو روشنی کا ایک سبب بنایا ہے یونہی اس بخار کو سمجھے اطباء کی اصطلاح میں اس بخار کا نام روح ہے۔ اس کا محل وقوع انسانی قلب ہے۔

مثال :۔ چراغ کے شعلہ کے جسم کو بخار اور قلب کو چراغ اور قلب میں سیاہ خون بمنزلہ بتی کے ہے اور غذا کو چراغ کا تیل سمجھئے اور حیات ظاہری جو ہر عضو میں ہے' اسی (بخار شعلہ) کی وجہ سے ہے۔ یہی وہ روشنی ہے جو چراغ کی وجہ سے گھر روشن ہے جس طرح روغن ختم ہونے سے یہ چراغ گل ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی چراغ روح کو غذا نہ ملنے سے موت واقع ہو جاتی ہے۔ یونہی جیسے بتی کبھی جل کر خاک ہو جاتی ہے اور تیل کو نہیں کھینچ سکتی' ایسے ہی چراغ میں روغن کی کثرت کے باوجود چراغ ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح وہ خون جو دل میں ہے' کبھی حرارت کی زیادتی سے جل جاتا ہے باوجودیکہ غذا موجود ہے لیکن روح بیکار ہو گئی' اس لیے کہ خون دل غذا کو قبول نہیں کرتا جس سے روح کو بقا نصیب ہوتی ہے جیسے راکھ تیل کو نہیں کھینچ سکتی کہ جس سے روشنی کا ظہور ہو۔ کبھی چراغ داخلی سبب سے بجھ جاتا ہے جیسے اوپر مذکور ہوا لیکن کبھی خارجی سبب سے بھی چراغ بجھ جاتا ہے۔ جیسے تیز آندھی سے چراغ گل ہو جاتے ہیں۔ ایسے ہی روح بھی کبھی داخلی اسباب سے فنا پا جاتی ہے اور کبھی خارجی سبب سے جیسے قتل وغیرہ سے نیز جیسے تیل ختم ہونے یا بتی کی خرابی یا آندھی چلنے یا کسی کے پھونک مارنے سے اسباب بنائے گئے ہیں کہ ان سے چراغ گل ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی انسان کے لیے بھی داخلی خارجی اسباب کے وقوع اس پر موت واقع ہو جاتی ہے۔ یہ تمام اسباب اللہ عزوجل کے مقدر کرنے سے ہوتے ہیں۔ کوئی بھی نہیں مرتا جب تک حکم ایزدی نہ ہو۔ اگرچہ اسباب جیسے ہوں۔

جس طرح چراغ کا گل ہونا' اس کے وجود کی انتہاء ہے' اس کی یہ کیفیت بھی ام الکتاب (لوح محفوظ) میں مندرج و معین ہوتی ہے۔ اسی طرح روح کے متعلق قیاس کیجئے جس طرح چراغ گل ہونے پر تمام گھر میں تاریکی چھا جاتی ہے۔ ایسے ہی جسم سے روح کے خروج سے بدن میں اندھیرا چھا جاتا ہے یعنی وہ نور جو جسم میں روح کی وجہ سے تھا اور اس کی وجہ سے حس و قدرت اور ارادہ اور دوسرے لوازمات حیات اسے میسر تھے' وہ سب ختم ہو گئے۔

میری یہ مختصر سی تقریر بھی اللہ عزوجل کی نعمتوں کے رموز میں سے ایک نعمت ہے اور اللہ عزوجل کی عجائبات صفت و حکمت کے اقسام میں سے ایک قسم ہے۔ اسے آیت ذیل میں یوں بیان فرمایا والو ان مافی الارض (لقمان) مع ترجمہ

رد کمیونسٹ :۔ ہمارے مذکورہ بالا دلائل جاننے کے باوجود اگر کوئی اللہ تعالیٰ کے وجود کا منکر ہے یا اس کی نعمتوں کا ناشکرا ہے' وہ رحمت خداوندی سے دور ہے بلکہ وہ اللہ عزوجل کے عذاب و لعنت و قہر و غضب سے مقہور ہے۔

سوال :۔ تم روح کی تفصیل پھر تمثیل سے سمجھانے کی کوشش کی۔ یوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے علم کے بڑھانے کا دعویٰ ہے کیونکہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا قل الروح من امر ربی (بنی اسرائیل 85) ترجمہ

کنزالایمان: تم فرماؤ روح میرے رب کے حکم سے ایک چیز ہے۔ آیت اس وقت نازل ہوئی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ روح کیا شے ہے؟ آپ نے تو اس کی تفصیل نہ بتائی۔ آپ نے روح کی وہ تفصیل نہ بتائی جو تم نے بیان کر دی ہے۔

جواب:۔ تفصیلی جواب سے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ روح بہت سے معانی میں مشترک ہے۔ ہم نے ان سب کو یہاں مراد نہیں لیا۔ اس کا ایک معنی مراد لیا ہے۔ وہ یہ کہ روح ایک لطیف جسم ہے' اسے اطباء روح کہتے ہیں۔ انہوں نے اس لطیف جسم کی صفت و وجود اور اعضاء میں جاری ہونے کی کیفیت اور اس سے حس اور قوت اعضاء میں ہونے کا تمام حال بیان کیا ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی عضو بے حس ہو جاتا ہے تو سمجھ جاتے ہیں کہ کوئی سدہ روح کے چلنے کی جگہ حائل ہے۔ پھر وہ اس کا اس طرح علاج کرتے ہیں جس سے وہ سدہ ہٹ جائے کیونکہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ یہ روح قلب میں ہے۔ اپنی لطافت کی وجہ سے پٹھوں کے جال میں گھس کر تمام بدن میں پھیلتی ہے۔ یہ معنی جو اطباء نے لکھا ہے' یہ کوئی مشکل امر نہیں۔ ہاں وہ روح کہ جس سے بدن مٹ کر رہ جاتا ہے' وہ اسرار الٰہیہ سے ایک راز ہے۔ ہم نے اس کی بحث نہیں کی اور نہ اس کی تعریف بیان کی ہے اور نہ ہی اس کی حقیقت کے اظہار کی اجازت ہے۔ اس کے بارے میں ہم اتنا کہہ سکتے ہیں جتنا قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے کہ قل الروح من امر ربی (بنی اسرائیل 85) ترجمہ کنزالایمان: تم فرماؤ روح میرے رب کے حکم سے ایک چیز ہے۔ اور امر ربانی کے بارے میں کسی عقل کو تاب نہیں کہ اسے بیان کرے بلکہ اس کے بارے میں عقل حیران و سرگرداں ہے۔ کسی طرح بھی کسی وہم و گمان سے اسے معلوم نہیں کیا جا سکتا نہ ہی ہمیں اس کے ادراک کی لیاقت ہے جیسے ہم آنکھ سے آواز کا ادراک نہیں کر سکتے۔ خلاصہ یہ کہ امور ربانی کے مبادی عقل کی مجال سے باہر ہیں' اس لیے کہ عقل کے پاؤں میں جو ہر و عرض کی بیڑیاں ہیں' وہ انہی میں محبوس ہے تو پھر اس سے امر ربانی کا ادراک کیسا؟

حقیقت روح کا ادراک:۔ حقیقت روح کے دریافت کے لیے ایک اور نور ہے جو عقل سے اشرف و اعلیٰ ہے۔ وہ عالم نبوت و ولایت میں چمکا کرتا ہے۔ اس نور سے عقل کو وہی نسبت ہے جو عقل سے وہم و خیال کو ہے جس طرح انجان لڑکا سوائے محسوسات کے کچھ نہیں سمجھتا یعنی اسے معقولات سے بے خبری ہوتی' اسی لیے معقولات کے اطوار تک تاحال اس کی عقل نہیں پہنچی۔ اسی طرح باسمجھ جوان بھی کچھ مزید جانتا ہے تو وہ معقولات تک محدود ہے۔ معقولات سے آگے اس کی بھی رسائی نہیں کیونکہ وہ مقام ارفع و اعلیٰ ہے۔ وہ تو نور و ایمان یقین سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ مقام بارگاہ حق کا ہے یہاں تک رسائی ہر ایک کا کام نہیں' اس کے لیے مرد کامل چاہیے' وہ ہیں انبیاء و اولیاء۔

بارگاہ حق تعالیٰ:۔ اس بارگاہ کا ایک صدر مقام ہے۔ اس مقام کے آگے ایک نہایت وسیع میدان ہے جس کے شروع میں ایک آستان ہے اور وہ امر ربانی اس آستان کا پاسبان ہے تو جو شخص اس آستان تک نہ پہنچے اور نہ اس

پاسبان کو دیکھے' اس کا اس وسیع میدان تک پہنچنا ناممکن بلکہ محال ہے۔ جس کا یہ حال ہے تو اس کے بعد کے مشاہدات عالیہ کو کب دیکھ سکتا ہے' اس لیے اکابر فرماتے ہیں جو اپنے نفس کو نہیں پہچانتا' وہ اللہ تعالیٰ کو بھی نہیں پہچانتا۔ مذکورہ مقام کے لیے کتب اطباء کو کیا تعلق اور اطباء کو ان معنیٰ سے واسطہ کہاں؟ اس لیے عرف اطباء میں روح کے معنیٰ کو امر ربی سے کوئی رابطہ نہیں: (اس لیے مذکورہ بالا اعتراض بے سود ہے)

مثال :- جو یہ سمجھے کہ روح عرف اطباء کو امر ربی سے کوئی نسبت ہوگی' ہم کہتے ہیں اسے کوئی نسبت نہیں۔ اگر کوئی اس نسبت کا تصور رکھتا ہے تو وہ احمق ہے جیسے کوئی گیند کی بادشاہ سے نسبت قائم کرے یعنی بادشاہ گیند کو ڈنڈے سے مار کر دور پھینکتا ہے تو کوئی احمق گیند کو دیکھ کر کہے کہ میں نے بادشاہ کو دیکھا ہے تو ہر ایک یہی کہے گا کہ یہ محض خام خیال بلکہ پاگل ہے۔ ایسے ہی ہم کہیں گے کہ جو روح طبی کا علم حاصل کر کے کہے کہ میں نے امر ربی کو معلوم کر لیا ہے بلکہ گیند والے سے یہ زیادہ پاگل ہے۔

امر ربی ایسا مخفی راز ہے کہ اسے عقل انسانی کہ جن کے سبب سے احکام ربانی صادر ہوتے ہیں اور مصالح وغیرہ یہ معلوم کیے جاتے ہیں' بھی نہیں دیکھ سکتے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت نہیں بخشی کہ اس کا حال عام بیان فرمائیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم تھا کہ آپ لوگوں کے فہم و عقل کے مطابق گفتگو فرمائیں۔ خود اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے کلام میں اس کی حقیقت بیان نہیں فرمائی۔ صرف روح کی نسبت اور فعل کا ذکر فرمایا۔ اس کی حقیقت کو مخفی رکھا' اس کی نسبت کا ذکر الروح من ربی میں ہے اور اس کے فعل کا بیان آیت یاایتھا النفس المطمئنة ارجعی الی ربک راضیة مرضیة فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی (الفجر 27'30) ترجمہ کنزالایمان: اے اطمینان والی جان اپنے رب کی طرف واپس ہو یوں کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی پھر میرے خاص بندوں میں داخل ہو اور میری جنت میں آ۔

گفتگو کہاں چلی گئی۔ اب ہم اصلی مقصد کی طرف لوٹتے ہیں۔ اوپر کھانے میں نعمت ہائے خداوندی اور آلات غذا کی بعض نعمتوں کا ذکر تھا' اب ہم عنوان ذیل کے مطابق گفتگو کریں گے۔

غذاؤں کی تخلیق کے بعد ان کی درستی کی نعمتیں :- یہ تو سب کو معلوم ہے کہ غذائیں بے شمار ہیں جن کی گنتی اور احصاء ناممکن ہے اور ان کے اسباب کی تو انتہا ہی کوئی نہیں' پھر ہر غذا کے عجائب و اسباب کا ذکر نہایت ہی طویل بحث کا متقضی ہے' اس لیے کہ کھانے کی تین قسمیں ہیں۔ (1) دوائیں (2) میوہ جات (3) غذائیں۔ ان ہر تینوں کی اجناس ان گنت ہیں' کہاں تک انہیں ہم جیسے بیان کر سکتے ہیں۔ ہم مختصر بیان کریں گے تو ان میں سے پہلے غذا کی تفصیل عرض کی جاتی ہے۔

گندم کا بیان :- چونکہ غذا کا اہم جزو گندم ہے' اس لیے باقی اجناس و انواع کو ہم چھوڑتے ہیں۔ اگر کسی ایک یا چند دانے گندم کے حاصل ہوں اور وہ انہیں کھا جائے تو وہ ختم ہو جائیں گے۔ اس کے بعد وہ بدستور بھوکا رہے گا'

اس لیے ضروری ہوا کہ گندم دانہ میں بڑھنے کی خاصیت ہو تاکہ حاجت انسانی کے لیے کافی و وافی ہو اس لیے اللہ تعالیٰ نے دانہ 'گندم میں وہ قوت پیدا کی کہ وہ بھی انسان کی طرح غذا حاصل کرے کیونکہ انسان اور نباتات میں صرف حس و حرکت کا فرق ہے ورنہ یہ دونوں مساوی ہیں کیونکہ کھیتیاں بھی اپنی باطنی رگوں کے ذریعے غذا کو کھینچتی ہیں اور انسان بھی اسی طرح ہے۔ نباتات باطنی رگوں سے غذا کو کس طرح کھینچتی ہیں۔ یہ طویل بحث ہے' اس لیے اسے ہم چھوڑتے ہیں۔ ہاں نباتات کی غذا کی بحث ضروری ہے' اس لیے ہم اس بحث کو چھیڑتے ہیں۔

جس طرح انسان کا لکڑی اور مٹی سے پیٹ نہیں بھرتا یعنی بھوک نہیں مرتی بلکہ پیٹ ایک خاص غذا کا محتاج ہے' اسی طرح غذا کا غلہ بھی ہر شے سے غذا نہیں پاتا بلکہ اس کے لیے بھی ایک خاص غذا ہے۔ اس کی خاص غذا یہ ہے کہ مثلاً اسے گھر پر رکھ کر چھوڑا تو ہرگز نہ بڑھے گا۔ اگر اسے پانی میں ڈال دو تب بھی نہیں بڑھے گا۔ اس کی غذا دراصل ہوا ہے لیکن صرف ہوا بھی اس کے کھانے کے لیے ناکافی ہے بلکہ اسے زمین میں ڈالنا پڑے گا لیکن سادہ زمین بھی کام نہ آئے گی بلکہ وہ جس میں پانی پہنچا ہو' اس مٹی سے پانی مل کر گارا کی طرح ہو گیا ہو' اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا فلینظر الانسان (عبس 24) ترجمہ کنزالایمان: تو آدمی کو چاہئے۔ پھر یہ پانی اور مٹی بھی کھیتی کے لیے کافی نہیں' اس لیے ٹھوس ازر سخت زمین اگرچہ تر ہو' میں دانہ نہ اگے گا جب تک اس میں ہوا کی آمد و رفت نہ ہو' اس لیے زمین کا کھوکھلا ہونا ضروری ہے نیز یہ معمولی ہوا کا کام بھی نہیں جب تک اس کے لیے تیز آندھی نہ ہو کہ وہ زور سے ہوا کو دانہ تک لے جائے' اسی کو اللہ عزوجل نے قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے۔

وارسلنا الریاح لواقح

لواقح لاقح کی جمع ہے۔ پھلدار یہاں لواقح سے یہی مراد ہے جسے ہم نے بیان کیا کہ آندھی' ہوا اور پانی اور زمین خلط ملط کرتی ہے' تب کھیتی اگتی ہے لیکن یہ بھی ناکافی اس لیے کہ معمولی حرارت بھی ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر اسے سردی میں بویا جائے تو کھیتی پیدا نہ ہو گی۔

کھیتی کے لیے چار اشیاء:۔ ہماری تقریر بالا سے ثابت ہوا کہ کھیتی کے لیے چار چیزیں ضروری ہیں۔ (1) ہوا (2) پانی (3) زمین (4) گرمی پھر ان ہر ایک کو کئی چیزوں کی ضرورت ہے مثلاً پانی ہے کہ اسے دریا و چشمہ یا نہر یا نلی سے حاصل کیا جائے۔ اس لیے اللہ عزوجل نے کتنے بے شمار دریا بہائے ہیں اور کیسے اور کتنے چشمے پیدا فرمائے اور ان سے نہریں' نالے' نالیں نکالیں۔

وہ زمین جو اونچی ہے جہاں پانی نہیں پہنچ سکتا' ان کے لیے بارش کا انتظام فرمایا (بے شمار علاقے بارانی پانی سے آباد ہوتے ہیں) بارش کے لیے بھی کئی اشیاء کی ضرورت پڑتی ہے مثلاً بادل پھر بادل پر ہوا کو مسلط کر دیا جو بحکم خدا ہوا بادل کو روئے زمین کے چپہ چپہ گھماتی پھرتی ہے حالانکہ بادل پانی کی ٹینکی کی طرح ہیں لیکن اسے معمولی قدرت والی ہوا ادھر سے ادھر پھینک جاتی ہے۔ طرفہ یہ کہ کھیتی کی پیدائش کے موقع پر ربیع و خریف ہر دونوں موسموں میں بادل برستے ہیں۔

پہاڑوں کے فوائد :۔ پہاڑوں کے بے شمار فوائد میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ یہ پانی کے محافظ ہیں تاکہ پانی بتدریج بہایا جا سکے۔ اگر پہاڑوں سے پانی یکبارگی نکل پڑے تو تمام آبادیاں غرق ہو جائیں۔ یہ تمام اسباب کھیتی اور جانوروں (انسان سمیت) کے لیے بنائے۔ اس سے واضح ہوا کہ پہاڑوں اور بادلوں اور سمندروں اور بارشوں میں اللہ تعالیٰ کی بیشمار نعمتیں ہیں کہ ان کا شمار محال ہے۔

سورج بھی نعمت عظمیٰ ہے :۔ کھیتی میں پختگی ہوتی ہے' اس کے نوازنے کی ضرورت ہوئی' اسی لیے سورج پیدا کیا گیا۔ ویسے تو سورج میں بیشمار نعمتیں ہیں' ان میں ایک نعمت یہ ہے کہ اسے پابند کیا کہ وہ زمین پر گرمی پھینکے باوجود یکہ وہ زمین سے بہت اونچا ہے لیکن اس سے کھیتی کو ضرورت ہے اور وہ بھی کبھی گرمی کی اور کبھی سردی کی اسی لیے سورج کو یونہی بنا دیا کہ گرمی بھی ہو اور سردی بھی تاکہ اس سے دونوں کام کھیتی کے لیے جا سکیں۔ اس سے خود سمجھئے کہ سورج کی گرمی سے کھیتی کو کتنی ضرورت ہے۔ اس کی سردی سے کتنا اس کے بعد اندازہ لگائیں کہ یہ کتنی نعمتیں ہوئیں۔

چاند کے فوائد :۔ اس کے بھی بیشمار فوائد میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ کھیتی کو صرف گرمی سردی کی ضرورت نہیں بلکہ اسے رطوبت بھی ضروری ہے کیونکہ کھیتی میں گرمی اور سردی سے بستی اور سختی ہوتی ہے۔ اس کے پکانے کے لیے رطوبات چاہییے اور وہ چاند میں ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے چاند پیدا فرمایا تاکہ اس کی رطوبت کھیتیوں پر پڑے تو وہ پک جائیں۔ حرارت کا کام سورج نے سرانجام دیا اور رطوبت کا چاند نے اور صرف رطوبت نہیں بلکہ کھیتی جو مختلف رنگ حاصل کرتی ہے تو وہ بھی چاند سے۔

لطیفہ :۔ کوئی درخت یا کھیتی اس جگہ پر ہو جہاں سورج اور چاند ستاروں کی روشنی کے اثرات نہ پہنچ سکیں تو وہ کھیتی وغیرہ بگڑ جاتی ہے۔ تجربہ شاہد ہے کہ چھوٹا درخت بڑے درخت کے گھیرے میں ہو تو وہ خراب اور ناقص ہوتا ہے۔

تجوبہ :۔ چاند کی رطوبت کا تجربہ کرنا ہو تو رات کو چاند کی چاندنی میں سر ننگا کر کے بیٹھو تو چند لمحات کے بعد سر میں لیس محسوس ہوگی' یہی چاند کی رطوبت ہے۔ عموماً زکام ہونے کا ایک سبب یہ بھی ہے۔ اسی لیے بزرگان دین نے فرمایا سوتے وقت سر ڈھانپ لیا کرو۔ چاند جیسے سر میں رطوبت پہنچاتا ہے' ایسے ہی کھیتوں میں رطوبت پہنچاتا ہے۔ میں نے گفتگو شروع کر دی ہے جو ختم نہ ہو سکے گی تو پھر ایسی بحث کا کیا فائدہ؟

خلاصہ :۔ اللہ عزوجل کی قدرت کا کمال دیکھئے کہ آسمان کا کوئی ستارہ نہیں جس میں انسان کا دنیوی کوئی فائدہ نہ ہو۔ (اس لحاظ سے غور فرمائے کہ انسان پر اللہ تعالیٰ کی کتنی بیشمار نعمتیں ہیں) مثلاً سورج' سورج میں حرارت' چاند میں رطوبت وغیرہ وغیرہ بہرحال ہر ستارہ میں اتنی بیشمار نعمتیں ہیں کہ ان کا شمار طاقت بشری سے باہر ہے۔

عقلی دلیل :۔ اگر یہی عقیدہ نہ رکھیں کہ ہر ستارہ میں بیشمار نعمتیں ہیں تو کہنا پڑے گا کہ یہ ویسے بلاضرورت ہیں تو

اللہ عزوجل کی حکمت پر حرف کرتا ہے کیونکہ اس نے ہر شے بلافائدہ پیدا نہیں فرمائی۔ چنانچہ فرمایا ربنا ماخلقت ھذا باطلا (آل عمران 191) ترجمہ کنزالایمان: اے رب ہمارے تو نے یہ بے کار نہ بنایا۔

وما خلقنا السموت والارض ومابینھما لاعبین (الدخان 38) ترجمہ کنزالایمان: اور ہم نے نہ بنائے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کرے درمیان ہے کھیل کے طور پر۔

نکتہ :۔ انسان کا کوئی عضو خالی از فائدہ نہیں۔ ایسے ہی جملہ عالمین کا ذرہ ذرہ خالی از فائدہ نہیں کیونکہ جملہ عالمین بمنزلہ ایک جسم کے ہیں اور ان کے اجسام بمنزلہ اعضاء کے ہیں۔ پھر جیسے انسان کے ایک عضو سے دوسرے عضو کو مدد پہنچتی ہے اسی طرح عالمین کے اجرام میں سے ہر ایک کو دوسرے سے مدد ملتی ہے۔ یہ بحث بھی بہت طویل ہے۔ یہ تصوف کے ایک قاعدہ کی ایک تقریر ہے۔ وہ یہ کہ انسان عالم صغیر ہے اور جملہ عالمین عالم کبیر یعنی اللہ عزوجل نے عالمین جو شے بنائی ہے' وہ تمام انسان میں موجود ہے۔

سوال :۔ آفتاب' چاند اور جملہ ستاروں کو جن آثار کے لیے اللہ تعالیٰ نے مسخر فرمایا ہے ان کی تسخیر کو ماننا خلاف شرع ہے' اس لیے شریعت نے نجومیوں اور ان کے علم نجوم کی تصدیق سے منع فرمایا ہے؟

جواب :۔ اس میں دو باتیں ممنوع ہیں (1) یہ عقیدہ رکھنا کہ ستارے اپنی تاثیرات کے خود فاعل مستقل ہیں' اپنے خالق کی تدبیر و تقدیر کے تابع نہیں تو یہ کفر ہے۔ (2) نجومی جو بات مفصل ستاروں کے ایسے آثار سے بیان کرے جو ہر ایک کو معلوم نہیں' اسے سچا سمجھنا بھی ممنوع ہے کیونکہ وہ لوگ ان تمام امور نہیں جانتے ویسے ہی علم کا دعویٰ کر دیتے ہیں اور نجومیوں کے ان کے تمام امور کو نہ جاننے کی دلیل یہ ہے کہ علم نجوم بعض انبیاء علیہم السلام کا ایک معجزہ تھا اور وہ معجزہ اس نبی علیہ السلام کے وصال کے بعد اٹھالیا گیا۔ اس لئے کچھ علم باقی رہ گیا تو اس میں بھی خلط ملط ہو گئی کہ اس میں صواب و خطا کا امتیاز نہیں ہو سکتا۔ خلاصہ جواب یہ کہ ستاروں میں ایسا اعتقاد رکھنا کہ اللہ عزوجل کے پیدا کرنے سے وہ آثار ہیں جیسے زمین اور نباتات و حیوانات میں اللہ عزوجل کی تخلیق سے ہوتے ہیں تو یہ اعتقاد خلل انداز نہیں (یہی جواب ہم اہلسنت وہابیہ دیو بندیہ کو دیتے ہیں کہ انبیاء اولیا کا نفع ضرر اللہ عزوجل کی عطا ہے تو عین اسلام ہے۔ اگر وہی عقیدہ رکھے جو اوپر ستاروں کے لیے مذکور ہوا تو وہ کفر ہے لیکن الحمد للہ اس طرح کا عقیدہ کسی بھی مسلمان کا نہیں ہے۔ یہ وہابیوں' دیوبندیوں کا معاملہ مسلمان پر عظیم بہتان ہے۔

مذکورہ بالا عقیدہ صحیح اور درست ہے یعنی یہی عقیدہ کہ ستاروں میں تاثیر اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے ایسے انبیاء و اولیاء کا نفع و ضرر بھی اللہ عزوجل کا عطا کردہ ہے۔ (اضافہ اویسی غفرلہ)

کفریہ عقیدہ :۔ نجومیوں کا باوجودیکہ ستاروں کا مفصل علم نہیں' پھر بھی ان کے علوم کی تفصیل کا دعویٰ کریں چونکہ یہ عقیدہ کفریہ ہے' اسی لیے نجومیوں کی ایسی تصدیق شرعاً" ممنوع ہے۔ ہاں بعض تاثیرات کا علم سب کو ہے۔ کوئی شخص کپڑا دھو کر اس کو سکھانا چاہے اور اس کا خشک ہونا سورج کی دھوپ سے ہوگا کیونکہ یہی سورج کی تاثیر

ہے۔ اب اسے کوئی خبر دے کہ دھوپ نکلی ہوئی ہے اور ہوا بھی چل رہی ہے تم اپنا کپڑا سکھا لو' ایسی خبر کی تصدیق کفر نہیں۔

کسی کے چہرہ کے رنگ پر کدورت آجائے۔ اس سے پوچھا جائے تو جواب دے کہ راستہ طے کرنے میں سورج کی دھوپ میرے چہرے پر پڑی اس کی وجہ سے میرا چہرہ متغیر ہے تو کہنا کفر نہیں۔ اگرچہ وہ سورج کی ایک تاثیر کی خبر دے رہا ہے اور ہم اس کی تصدیق کر رہے ہیں۔ اسی طرح باقی تاثیرات کو سمجھے۔

ستارگان کے بعض آثار ہمیں معلوم ہوتے ہیں اور بعض نامعلوم۔ جو معلوم ہوتے ہیں' وہ دو قسم ہیں (1) سب کو معلوم ہوں جیسے سورج کی دھوپ اور اس کی گرمی (2) بعض کو معلوم ہوں بعض کو معلوم نہ ہوں جیسے چاند کی چاندنی سے زکام ہو جانا۔ خلاصہ یہ کہ ستاروں کی تخلیق بے فائدہ نہیں ان میں بیشمار فوائد ہیں اور ان کی ان گنت حکمتیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کے لیے اٹھتے وقت یہ پڑھتے تھے ربنا ماخلقت هذا باطلا سبحانک فقنا عذاب النار (آل عمران 191) ترجمہ کنزالایمان: اے رب ہمارے تو نے یہ بے کار نہ بنایا پاکی ہے تجھے تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت پڑھ کر فرماتے کہ ہلاکت ہے اسے جو یہ آیت پڑھے' پھر بھی غرور میں رہے۔ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ انسان اس آیت میں غور و فکر کرے یعنی صرف آسمان کا رنگ اور ستاروں کی روشنی ہی جان بلکہ ان کی حکمتوں میں غور و فکر کرے ورنہ اتنا تو جانور بھی سمجھتے ہیں کہ آسمان ہے اور اس میں ستارے چمک رہے ہیں وغیرہ وغیرہ یعنی آسمان کے ظاہری رنگ اور ستاروں کی روشنی پر اکتفا نہ کرے بلکہ تدبر و تفکر کرکے اللہ عزوجل کی قدرت کاملہ کا اعتراف کرے۔

درس عبرت:۔ آسمان کے عجائبات کے ملکوت میں اور آفاق و نفس اور حیوانات و نبات میں بہت سی عبرتیں ہیں۔ ان کے طالب وہی ہیں جو اللہ عزوجل کے سچے محب ہیں کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ دنیا میں جسے کسی عالم دین سے محبت ہوتی ہے تو وہ اس کی تصنیف کا مطالعہ کرتا رہتا ہے تاکہ اس کی تصنیف سے علمی فوائد سے مالامال ہو۔ ایسے ہی اللہ عزوجل کا محب صادق عجائبات صنعت (باری تعالیٰ) پر نگاہ کرکے تفکر و تدبر کرتا ہے۔ جسے کسی عالم دین کی کسی تصنیف سے کوئی اچھی چیز معلوم ہو تو وہ نہ صرف مصنف کے خیال میں گم ہو جائے بلکہ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کو سامنے رکھے کہ اس کریم نے ایسے عالم کو کیسی توفیق بخشی کہ اس نے ایسی تصنیف لکھ ڈالی۔

مثال:۔ پتلیوں کو دیکھو کہ وہ کیسی ناچتی ہیں اور بہت عمدہ اور موزوں حرکتیں کرتی ہیں۔ ایسے ہی کھلونے کو دیکھو کیسی عجیب و غریب ساخت سے تیار ہے اور وہ پتلیاں تو کپڑے کی گڑیاں ہیں' انہیں ازخود کوئی حرکت حاصل نہیں بلکہ یہ ساری کارروائی بازیگر کی ہے جو انہیں نچاتا ہے کہ کیسے وہ پتلی تاروں کو ہلا رہا ہے کہ وہ تاریں آنکھوں سے نظر تک نہیں آتیں۔ بلاتمثیل محبان خدا یونہی دنیا کی ہر چیز کو دیکھ کر صفت خدا تعالیٰ کا تصور کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ نباتات کی غذا پانی اور ہوا اور سورج اور چاند اور ستاروں سے مکمل ہوتی ہے اور ان سورج' چاند' ستاروں کے لیے علیحدہ علیحدہ آسمان ہیں جن میں یہ گڑے ہوئے ہیں اور افلاک کے لیے حرکتیں کرتے ہیں اور یہ حرکتیں فرشتوں کے ذریعے ہیں۔ اسی طرح تمام ایک دوسرے کے ذریعے کام کر رہے ہیں۔

انسان تک غذاؤں کے پہنچنے کی نعمتیں:۔ یہ تو سب کو معلوم ہے کہ انسان کی تمام غذائیں ایک جگہ پر نہیں بلکہ مختلف مقامات سے مخصوص شرائط سے انسان تک پہنچتی ہیں۔ وہ شرائط مکمل ہوں گی تو غذا حاصل ہو جائے گی ورنہ نہیں۔ بعض غذائیں تو ایسی ہیں جو سمندر کے پار ہیں لیکن پھر بھی وہ انسان کو مل رہی ہیں۔ وہ یوں ہوتا ہے کہ اللہ عزوجل نے تاجروں کے دلوں میں خیال ڈال دیا کہ سمندر پار والی غذائیں یہاں پہنچائی جائیں تو معقول نفع حاصل ہوگا۔ وہ لالچ و حرص سے وہ تری اور خشکی کے سفر کی صعوبتیں سر پر رکھ کر جان کی بازی لگا دیتے ہیں کہ مشرق کی غذائیں مغرب میں اور مغرب کی غذائیں مشرق میں پہنچاتے ہیں۔ پھر طریقہ یہ کہ یہ لوگ تمام مشقتیں، غفلت سے جھیل رہے ہیں اور غور و فکر سے کام لیا جائے تو یہ تمام کارروائی رائیگاں ہے کیونکہ یہ لوگ جو کچھ کرتے ہیں۔

یا تو کشتیوں میں ڈوب جاتا ہے یا لٹیروں کے ہاتھ آتا ہے یا کہیں سفر میں مرجاتے ہیں تو مال اور دولت دیکھ کر افسروں کے قبضے میں آجاتا ہے اور ان کا عمدہ حال یہ ہے کہ مال وارثوں کے ہاتھ میں لگے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وارث ہی سب سے زیادہ ان کے دشمن ہیں۔ اس میں یہ حکمت ہے کہ ان پر جہل اور غفلت مسلط ہے۔

کشتی و جہاز کی تخلیق:۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے کشتی بنانے اور جہاز رانی کا کام کیسے سکھلایا اور حیوانات کو سواری اور بار برداری کے لیے کس طرح مسخر کیا کہ ہر جانور میں ایک وصف جداگانہ عنایت فرمائی۔ گھوڑے کو تیز رفتار' گدھے کو مشقت پر صبر' اونٹ کو کم خوری اور کثرت بار برداری مرحمت کی اور وہ انسان کو تری اور خشکی میں بذریعہ کشتیوں اور حیوانات کے کس طرح پھراتا ہے تاکہ غذا و دیگر حوائج انسان تک پہنچائیں اور حیوانات کے لیے اسباب اور سامان اور گھاس دانہ وغیرہ کی کیا کیا ضرورت ہوتی ہے۔ اور کشتیوں کے لیے کون سے لوازم کی حاجت پڑتی ہے۔ ان سب چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے بقدر ضرورت اور زائد از حاجت پیدا کیا ہے۔ ان کا شمار کرنا غیر ممکن ہے' پھر ان سے اور امور بے شمار کی نوبت پہنچتی ہے جن کا ترک اختصار کے لیے مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اسی لیے اس بحث کو ترک کیا جا رہا ہے۔

اصلاح غذا میں نعمتیں:۔ جو چیزیں زمین میں از قسم نبات اور حیوانات پیدا ہوتی ہیں' ان کا اسی طرح پر کھالینا ممکن نہیں بلکہ ہر ایک میں اصلاح اور پکانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ بعض کو پھینک دینا پڑتا ہے اور بعض کو باقی رکھنا ہوتا ہے۔ اسی طرح کی بیشمار باتیں کرنی پڑتی ہیں اور ہر غذا میں ان ترکیبوں کا مفصل لکھنا دشوار ہے' اس لیے ہم صرف روٹی کو خاص طور پر بیان کرتے ہیں۔ بیج ڈالنے کے بعد اس کے گول ہونے اور غذا کے قابل ہونے کے لیے

کیا کیا کرنا پڑتا ہے۔ سب سے پہلے جو حاجت ہوتی ہے' وہ زمین کی درستی ہے جس کے لیے کسان کی حاجت ہے' پھر بیلوں اور ہل کی ضرورت ہے۔ مع جمیع لوازم کے پھر ایک مدت تک پانی دینا' پھر کھیت کو بونا' پھر کاٹنا' پھر گاہنا اور اناج علیحدہ کرنا' پھر پیسنا' پھر گوندھنا' پھر پکانا۔ سوچنا چاہیے کہ یہ کتنے کام ہوئے اور جو ہم نے نہیں لکھے' وہ علاوہ ہیں اور جتنے لوگ ان کاموں کو کرتے ہیں اور جتنے اوزاروں سے کرتے ہیں' ان کو بھی ذہن میں رکھئے اور یہ آلات لوہے اور لکڑی اور پتھر کے ہوتے ہیں۔ کھیتی کے آلات بنانے والوں کا لحاظ کرو اور پیسنے اور پکانے والوں کو دیکھو۔ پھر منجملہ ان کاریگروں کے لوہاروں کو دیکھو کہ لوہے اور تانبے اور سیسے کی حاجت پڑتی ہے۔ پھر دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں اور پتھروں اور کانوں کو کیسے جدا جدا بنایا۔ غرضیکہ اگر تلاش کرو تو یقین کرو کہ ایک روٹی گول ہو کر غذا کے قابل تب ہوتی ہے جب اس پر ہزاروں کاریگروں نے کام کیا ہے۔

خلاصہ:۔ اس فرشتے سے شروع کرکے جو ابر کے لیے ہے اور آخر تک یہاں تک کہ فرشتوں کی طرف سے کام ختم ہونے کے بعد انسان کے کام کا آغاز ہوتا ہے۔ روٹی کے گول بنانے تک ہزاروں کاریگر ہوتے ہیں جس میں سے ہر ایک کاریگر ایک خاص کام پر متعین ہوتا ہے جس سے مخلوق کی ضرورت پوری ہوتی ہے۔ پھر ہر کاریگر کی کثرت عمل کا لحاظ کریں کہ ان آلات نے کتنا کام کیا ہے مثلاً ایک چھوٹا سا آلہ (سوئی) ہے کہ اس کا فائدہ لباس کا سینا ہے جو سردی کا مانع ہے۔ سوئی کو دیکھو تو اس کی شکل لوہے سے تب بنتی ہے جب سوئی بنانے والے کے ہاتھ میں پچیس دفعہ گزرتی ہے اور ہر دفعہ وہ ایک ایک کام اس میں کرتا جاتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ شہروں کو جمع نہ کرتا اور بندوں کو مسخر نہ کرتا اور کسی کو مثلاً گیہوں کاٹنے کے لیے درانتی کی حاجت پڑتی تو تمام عمر اس میں کٹ جاتی اور نہ بن سکتی مگر اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ آدم خاکی کو نطفہ پاک سے پیدا کرکے ایسے ایسے عجیب و غریب آلات بنانے کی ہدایت کی۔ مقراض کو دیکھو کہ دو پھلے ایک دوسرے پر منطبق رہتے ہیں مگر چیز کو لیتے ہی جلد جلد کاٹتی جاتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس کے بنانے کا طریقہ پہلے لوگوں پر واضح نہ فرماتا اور ہم کو اس کا طریقہ نکالنے کی حاجت اپنی فکر سے ہوتی اور طریق لوہے کے نکالنے کا پتھر سے اور پیدا کرنا ان آلات کا جن سے مقراض بنائی جاتی ہے' سوچنا پڑتا اور عمر مثل حضرت نوح علیہ السلام کے ہوتی اور عقل بھی نہایت کامل دی جاتی تو تمام عمر اس ایک آلہ کے ایجاد کرنے سے قاصر ہو گی۔ دوسروں کا تو کیا ذکر ہے مگر اللہ عزوجل کا بڑا احسان کہ اس نے سب کچھ اپنے کرم سے بتا دیا اب اگر فرض کرو کہ کسی شہر میں پیسنے والا نہ رہے یا لوہار یا حجام یا جولاہا یا کوئی اور کوئی پیشہ ور نہ رہے تو لوگوں کو کیسی ایذا پہنچے اور کیسی ابتری کاروبار میں پڑے۔ اللہ عزوجل کی شان ہے کہ اس نے بعض بندوں کو بعض کا مسخر رکھا ہے تاکہ اس کی مشیت پوری ہو اور حکمت کامل ذیل میں ہم اس بحث کو مختصراً بیان کرتے ہیں کیونکہ مقصود تو یہ ہے کہ نعمتوں پر انتباہ نہ کہ ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ نام ذکر کرنا۔

مصلح غذا نعمتیں:۔ یہ پیشہ ور جو اصلاح غذا کرتے ہیں' اگر ان کی راہیں مختلف ہوتیں اور طبیعت میں وحشی جیسی

نفرت ہوتی تو ایک دوسرے سے علیحدہ ہو کر دور رہتے اور کوئی کسی سے متنفع نہ ہوتا بلکہ جیسے وحشی ایک جگہ میں نہیں رہتے' نہ ایک غرض پر متفق ہوں' ایسے یہ لوگ بھی ہوتے لیکن اللہ تعالیٰ نے کس طرح ان کے دلوں میں الفت اور انس و محبت پیدا کی ہے۔ چنانچہ خود فرماتا ہے لوانفقت مافی الارض جمیعا مالفت بین قلوبھم ولکن اللّٰہ الف بینھم (انفال 63) ترجمہ کنزالایمان: اگر تم زمین میں جو کچھ ہے سب خرچ کر دیتے ان کے دل نہ ملا سکتے لیکن اللہ نے ان کے دل ملا دیئے۔

ثابت ہوا دلوں میں الفت و محبت کا ڈالنا خود اسی کا کام ہے۔ اسی الفت اور ارواح کی شناسائی کے باعث لوگ اکٹھے ہوئے اور ایک دوسرے کے ساتھ انس ہوا اور شہر و قصبات بنائے۔ اپنے مکانوں کو پاس پاس تعمیر کیا اور ان کو آرائشوں سے مزین کیا۔ بازار اور دکانیں مرتب کیں اور تمام اقسام کے کارخانے بنائے جن کا بیان طویل ہے۔ پھر چونکہ انسان کی سرشت میں غصہ اور حسد اور حرص ہے۔ اسی وجہ سے یہ محبت جاتی بھی رہتی ہے اور جہاں دو آدمیوں کی غرض ایک ہی مطلب پر جمع ہوتی ہے وہاں آپس میں نقیض و نفرت بلکہ نوبت کشت و خون تک بھی پہنچتی ہے تو دیکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے کیسے ان حکام کو مسلط کر دیا اور قوت اور سامان سے ان کی اعانت کی اور ان کا رعب رعایا کے دلوں میں ڈال دیا کہ جبراً قہراً فرمانبرداری کریں' خواہ طبیعت چاہے یا نہ چاہے۔ پھر غور فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اصلاح شہروں کا انتظام کیسے ہدایت فرمایا۔ یہاں تک کہ انہوں نے شہروں کو ایسی وضع پر بنایا اور ان کے حصے ایسے کیے جیسے ایک شخص کے اعضاء ہوتے ہیں کہ بعض کو بعض سے نفع ہوتا ہے۔ اس لیے انہوں نے ہر ایک شہر میں رئیس اور قاضی اور کوتوال اور ممبر مقرر کر کے عدل و انصاف کا پابند کیا اور آپس کی موافقت اور معاونت سب پر ضروری کر دی یہاں تک کہ لوہار مثلاً قصاب اور نانبائی اور تمام اہل شہر سے متنفع ہوتا ہے۔ جیسے ان سب کو لوہار سے فائدہ پہنچتا ہے۔ حجام' کسان سے اور کسان حجام سے اور ہر ایک شخص ایک دوسرے سے متنفع ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے کہ حاکم کی ترتیب و جمع کے موافق سب متفق اور مجتمع رہتے ہیں۔ جس طرح کہ تمام اعضائے بدن ایک دوسرے کے معاون اور باہم متنفع ہوتے ہیں۔ پھر غور فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ نے سلاطین کی اصلاح کے لیے انبیاء علیہم السلام کو معبوث فرمایا جنہوں نے ان کو علاوہ اصلاح دین کے ارشادات کے یہ قوانین شریعت بھی سکھلائے تاکہ سلطنت عدل پر برقرار رہنی چاہیے اور انتظام کے لیے آئین سیاست جاری رہے۔ اسی طرح احکام سلطنت اور امامت اور احکام فقہ متعلق باصلاح دنیا سب بتلا دیئے۔

یاد رہے کہ انبیاء علیہم السلام کی اصلاح اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعے کی اور فرشتوں میں سے اصلاح ایک دوسرے سے ہوئی یہاں تک کہ انتہاء اس سلسلے کی اس فرشتہ مقرب پر پہنچی ہے کہ اس میں اور اللہ تعالیٰ میں کوئی واسطہ نہیں رہتا۔

امثال:۔ نانبائی آٹے کی اصلاح پکانے سے کرتا ہے اور پیسنے والا دانہ کی اصلاح پیسنے سے اور کسان غلہ کی اصلاح کاٹنے سے اور آلات زراعت کی اصلاح لوہار کرتا ہے اور اس کے اوزار کی اصلاح بڑھئی کرتا ہے۔ اسی طرح ہر ایک

پیشہ والوں کو جو آلات غذا درست کرتے ہیں' جاننا چاہیے اور ان سب پیشہ وروں کی اصلاح سلطان کرتا ہے اور سلطان کی اصلاح علماء کرتے ہیں جو وارث انبیاء علیھم السلام ہیں اور علماء کی اصلاح انبیاء کرتے ہیں اور ان کی اصلاح عالم قدس سے بترتیب ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ سلسلہ بارگاہ احدیت پر پہنچتا ہے جو ہر ایک انتظام اور منشا تمام ترتیب و تالیف کا اصل ہے اور یہ سب باتیں اس رب الارباب اور مسبب الاسباب کی نعمتوں میں سے ہے اور اگر وہ اپنے فضل و کرم سے یہ نہ فرماتا والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا (الخ) تو یہ ذرا سی نعمتیں بھی معلوم نہ ہوتیں اور اگر بحکم قہرو قدرت اس آیت وان تعدوا نعمة اللّٰہ لا تحصوھا (ابراہیم 34) ترجمہ کنزالایمان : اور اگر اللہ کی نعمتیں گنو تو شمار نہ کر سکو گے۔ ہماری امیدوں کو نعمتوں کے شمار سے منع نہ فرماتا تو ہم بھی ان کی کنہ تک پہنچنے کا شوق کرتے۔ کچھ نہیں جو کچھ بولتے ہیں' وہ بھی اسی کے حکم سے بولتے ہیں اور اگر چپ ہوئے تو بھی اسی کے روکنے سے رکے کیونکہ جو چیز وہ عنایت کرتا ہے' اس کا کوئی روکنے والا نہیں اور جو چیز وہ نہیں دیتا' اس کا کوئی دینے والا نہیں' اس لیے کہ زندگی کے ہر ہر لحہ میں گوش دل میں یہ آواز اس بادشاہ کی سنتے ہیں لمن الملک الیوم للّٰہ الواحد القھار (المومن 16) ترجمہ کنزالایمان: آج کس کی بادشاہی ہے ایک اللہ سب پر غالب کی۔

الحمدللہ کہ اس ذات پاک نے ہمیں کافروں سے جدا رکھا اور موت سے پہلے یہ آواز ہمارے دلوں میں ڈال دی۔

ملائکہ کی تخلیق میں نعمتیں:۔ ہم نے پہلے تفصیل سے بیان کیا ہے کہ فرشتوں کی پیدائش میں اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت رکھی ہے کہ ان سے انبیاء علیھم السلام کی اصلاح فرماتا ہے اور ہدایت اور وحی کا پہنچانا انہیں کے ذریعے سے ہوتا ہے مگر اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ فرشتے صرف اسی قدر ہیں بلکہ فرشتوں کے طبقات باوجود کثرت اور ترتیب مراتب کے تین طبقات میں منحصر ہیں (1) ملائک زمین (2) آسمان (3) عرش کے اٹھانے والے۔ ان طبقات میں سے جن کو اللہ تعالیٰ نے غذائے انسانی پر موکل کر رکھا ہے اوروں سے کچھ غرض نہیں جن سے ہدایت و ارشاد وغیرہ متعلق ہے۔

مخفی نہ رہے کہ ہر ایک جزو انسان کے بدن کا بلکہ نبات کے جسم کا غذا نہیں پاتا جب تک کہ اس پر سات فرشتے جو کم درجہ ہے یا دس یا سو یا زیادہ موکل نہ ہوں۔

غذا کے معنی یہ ہیں کہ ایک جزو غذا کا دوسرے جز کا قائم مقام ہو جو جاتا رہا ہو مثلاً غذا انجام کو خون ہو کر گوشت اور ہڈی بن جاتی ہے اور جب یہ حالت مکمل ہوتی ہے تو غذا کامل ہو جاتی ہے اور خون اور گوشت اجسام ہیں کہ ان کو کچھ قدرت اور معرفت اور اختیار نہیں' نہ اپنے آپ حرکت کر سکیں' نہ اپنے آپ متغیر ہو سکیں اور صرف طبیعت اس بات کو کافی نہیں کہ کبھی کوئی چیز بنا دے' کبھی کوئی جس طرح گیہوں کہ خود بخود نہ پستا ہے' نہ گندھتا ہے' نہ روٹی ہوتا ہے۔ جب تک کہ کوئی کاریگر نہ ہو' اسی طرح خون بھی نہ خود بخود گوشت ہوتا ہے' نہ ہڈی بنتا ہے' نہ رگ و ریشہ ہوتا ہے جب تک کہ کوئی بنانے والا نہ ہو اور باطن میں بنانے والے فرشتے ہیں جیسے ظاہر کہ پیشہ ور اہل شہر ہیں اور چونکہ اللہ عزوجل نے نعمتیں اپنی ظاہر و باطن دونوں میں عنایت کی ہیں تو ان کی نعمتوں سے غافل نہ ہونا

چاہیے۔

ملائکہ کی ڈیوٹی :۔ ایک فرشتہ تو ایسا چاہیے جو غذا کو گوشت اور ہڈی کے پاس تک پہنچا دے' اس لیے کہ غذا تو خود حرکت کرتی نہیں اور دوسرا وہ ہو جو غذا کو وہاں سے انہیں کے پاس روکے رہے اور تیسرا وہ جو غذا پر سے خون کی صورت دور کرے اور چوتھا وہ جو اس کو گوشت یا ہڈی یا رگ کی صورت بنا دے اور پانچواں وہ جو زیادتی رہ جائے' اسے دفع کرے اور چھٹا وہ جو ان چیزوں کو آپس میں ملا دے یعنی جس جزو غذا میں صفت گوشت کی آتی ہے' اس کو گوشت میں ملا دے اور جس میں ہڈی کی ہے' اس کو ہڈی میں ملا دے تاکہ علیحدہ نہ رہ جائے اور ساتواں وہ کہ اس انضمال میں رعایت اصل مقدار کی رکھے کہ جو چیز گول ہے' اس کی گولائی نہ جاتی رہے اور جو چوڑی ہے' اس کی چوڑائی قائم رہے اور مجوف کی گہرائی بنتی رہے اور ہر عضو پر مقدار حاجت بھی ملحوظ رکھے مثلاً لڑکے کی ناک پر غذا اس قدر جمع کر دے جس قدر ان پر نہ چاہیے تو ناک بہت بڑی ہو جائے گی اور نتھنے جاتے رہیں اور صورت ڈراؤنی ہو جائے بلکہ مناسب یہ ہے کہ جو چیز یا جس کے لائق ہو' وہی پہنچائے مثلاً پلکوں میں پتلا پن ہے اور ڈیلے میں صفائی اور رانوں میں موٹا پن اور ہڈی میں سختی تو ہر ایک کے لیے ایسی ہی غذا پہنچانی چاہیے جو مقدار و شکل میں ان کے مناسب ہو ورنہ صورت بگڑ جائے گی اور بعض جگہیں بڑھ جائیں گی اور بعض کمزور رہیں گی بلکہ یہ فرشتہ اگر عدل کا لحاظ نہ کرے اور لڑکے کے سر اور تمام بدن میں غذا پہنچائے اور ایک پاؤں مثلاً چھوڑ دے تو سارا بدن تو بڑھے گا مگر ایک پاؤں ویسا ہی رہے گا جیسا بچپن میں تھا۔ ایسا شخص زندگی سے کیسے متمتع ہو گا جو سب اعضا بڑے آدمی جیسے ہوں اور ایک پاؤں لڑکے جیسا ہو۔

اس تقسیم مقدار کی رعایت بھی ایک فرشتے کے سپرد ہے۔ یہ نہ خیال کرنا چاہیے کہ خون اپنی سرشت کی وجہ سے اپنی شکل بدل لیتا ہے' اس لیے کہ جو شخص ایسے امور طبیب کے حوالے کرتا ہے' وہ جاہل ہے۔ وہ یہ نہیں جانتا کہ یہ کام زمین کے فرشتوں کے سپرد ہیں کہ آدمی کے اندر سب فرشتے اپنے اپنے کام میں مصروف ہیں' خواہ آدمی خواب استراحت میں ہو یا غفلت میں ہو' وہ اپنا کام کیے جاتے ہیں اور ان کو ان کی کچھ خبر نہیں اور یہ بات اجزائے بدن کی ہر ایک چیز میں موجود ہے۔ وہ کیسا ہی چھوٹا جزو ہو یہاں تک کہ بعض اجزاء مثل آنکھ اور دل میں ایک سو سے زیادہ فرشتوں کی ضرورت ہے جن کی تفصیل بقصد اختصار ہم ترک کیے دیتے ہیں۔

زمین کے فرشتوں کو آسمان کے فرشتوں سے مدد پہنچتی ہے اور ان میں وہ ترتیب معین ہے جس کی کنہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا اور آسمان کے فرشتوں کو عرش کے اٹھانے والوں سے مدد ملتی ہے اور ان سب پر انعام تائید اور ہدایت اور تسدید کا بارگاہ رفیع الشان قدوس مالک الملکوت و الجبروت شاہنشاہ جلال عزت ولاہوت سے ہوتا رہتا ہے اور فرشتے جو آسمانوں اور زمین پر مقرر ہیں اور اجزائے نباتات و حیوانات پر موکل ہیں یہاں تک کہ ہر قطرۂ باران اور ہر بادل کے قطعات پر جو ادھر ادھر پھرتے ہیں' مامور ہیں۔ ان کے بارے میں احادیث بے شمار ہیں۔

سوال :۔ یہ سب کام آدمی کے اندر کے ایک ہی فرشتے کو کیوں نہ سپرد ہوئے' سات فرشتوں کی ضرورت کیوں ہوئی'

گیہوں میں بھی تو بہت سے افعال کیے جاتے ہیں۔ اول پیسے جاتے ہیں' پھر آٹا چھانا جاتا ہے' پھر پانی ڈالا جاتا ہے' پھر گوندھا جاتا ہے؟

جواب :- فرشتوں کی پیدائش آدمی کی پیدائش کے مخالف ہے۔ جو فرشتہ ہے' اس کی صفت بھی ایک ہی ہے۔ اس میں کسی طرح کا خلط یا ترکیب نہیں۔ جب یہ بات ہے تو ایک فرشتے سے ایک ہی فعل ہوگا۔ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وما منا الہ مقام معلوم (الصفت 164) ترجمہ کنزالایمان : اور فرشتے کہتے ہیں ہم نے ہر ایک کا ایک مقام معلوم ہے۔ فرشتوں کو نہ ایک دوسرے سے نفرت ہے' نہ باہم مقابلہ بلکہ وہ اپنے کاموں پر ایسے مامور ہیں جیسے حواس خمسہ کہ بینائی شنوائی کی مزاحم نہیں ہوتی کہ ادراک اصوات میں اس سے جھگڑا کرے' نہ قوت شامہ ان دونوں کی مزاحم ہے' شنخه دونوں اس کے مانع' حواس خمسہ کا حال اور اعضاء جیسا نہیں۔ بعض اوقات آدمی پاؤں کی انگلیوں سے گرفت کر لیتا ہے جو ہاتھ کا کام ہے۔ اگرچہ اس کی گرفت ضعیف ہوتی ہے مگر ہاتھ کا شریک و مزاحم تو ہو سکتا ہے۔ اسی طرح کبھی ایک شخص دوسرے آدمی کو ٹکر مارتا ہے اور جو کام ہاتھ کا ہے' وہ سر سے لیتا ہے اور نہ حواس خمسہ کا حال انسان سا ہے کہ ایک ہی آدمی بیسیوں کام کر لیتا ہے اور یہ بات انسان میں ایک طرح کا ٹیڑھا پن اور عدل و انصاف کے خلاف ہے۔ وجہ یہی ہے کہ انسان کی صفات اور ارادات میں اختلاف ہے۔ یہ ایک وصف نہیں رکھتا۔ اسی وجہ سے ایک ہی فعل کا پابند بھی نہیں رہتا۔ اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ آدمی کبھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے اور کبھی نافرمانی کرتا ہے کیونکہ اس کی صفات و ارادات میں اختلاف ہے اور یہ بات فرشتوں کی طبیعت میں ناممکن ہے۔ ان کی سرشت طاعت پر ہے۔ ان کو معصیت کی طاقت نہیں تو بالضرور ان کا یہی حال ہے جو اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے لا یعصون اللہ ما امرھم ویفعلون مایومرون (التحریم 6) ترجمہ کنزالایمان : جو اللہ کا حکم ہمیں ٹالتے اور جو انہیں حکم ہو وہی کرتے ہیں۔ اور فرمایا یسبحون اللیل والنہار لا یفترون (الانبیاء 20) ترجمہ کنزالایمان : رات دن اس کی پاکی بولتے ہیں اور سستی نہیں کرتے۔

فرشتوں کی صفات :- جو فرشتہ رکوع کرنے والا ہے' وہ ہمیشہ رکوع ہی کرتا ہے اور جو سجدہ کرنے والا ہے' وہ ہمیشہ سجدہ ہی کرتا ہے اور جو کھڑا ہے' وہ ہمیشہ کھڑا ہے۔ ان کے افعال میں اختلاف نہیں' نہ کسی طرح کا فتور اور ہر ایک کے لیے ایک مقام اور مرتبہ ہے کہ ان سے تجاوز نہیں کرتے۔ ان کی اطاعت بجا لانا اس طرح ہے کہ اس میں مجال عدول حکمی نہ ہو۔

مثال :- جیسے آدمی کے ہاتھ پاؤں وغیرہ آدمی کی اطاعت کرتے ہیں اور مخالفت کی مجال متصور نہیں مثلاً جب آدمی پلکیں کھولنی چاہے تو اگر وہ صحیح و سالم ہوں گی تو ان کو کچھ تردد کھلنے میں نہ ہوگا' نہ یہ ہوگا کہ کبھی کھلنے میں اطاعت کریں اور کبھی کہنا نہ مانیں بلکہ وہ تو انسان کے فرمان کی پابند ہیں کہ اشارے کے ساتھ ہی کھل جاتی ہیں اور اشارے کے ساتھ ہی بند ہو جاتی ہیں۔ یہ تشبیہ اگرچہ عدول حکمی کے نہ ہونے میں ہو سکتی ہے مگر من وجہ درست نہیں۔ وہ

یہ ہے کہ پلکوں کو علم نہیں اور مردہ کی طرح ہیں۔ انہیں پتہ نہیں کہ وہ کیا کر رہی ہیں' بخلاف فرشتوں کے کہ وہ زندہ ہیں جو کرتے ہیں' اس کو جانتے ہیں۔

زمین اور آسمان کے فرشتوں میں جو اللہ تعالیٰ نے انسان کے بارے میں نعمت رکھی ہے' ان کا بیان یہاں ختم ہوا اور ان کی حرکات اور حاجات کا ذکر نہیں کیونکہ ان کے بیان کے لیے تفصیل چاہیے بہرحال فرشتوں کی نعمت ایک علیحدہ درجہ ہے اور ملائکہ کے طبقات نعمت کا بھی شمار کرنا غیر ممکن ہے۔ ان کے اقرار کا ذکر بہت دور کی بات ہے۔ پر اللہ تعالیٰ نے نعمت ظاہری اور باطنی دونوں پوری کی ہیں اور پھر فرمایا وذروا ظاھر الاثم و باطنہ (الانعام 120) ترجمہ کنزالایمان: اور چھوڑ دو کھلا اور چھپا گناہ۔ "باطن کا گناہ چھوڑنا عوام نہیں جانتے یعنی حسد اور لوگوں کا بغض دلوں میں رکھنا وغیرہ۔"

گناہان قلبی سے کنارہ کش ہونا باطنی نعمتوں کا شکر ہوگا اور ظاہری گناہوں کا ترک کرنا نعمت ظاہری کا شکر ہوگا بلکہ ہم کہتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے گا' اگر پلک جھپکنے میں بھی ہو۔ مثلاً اپنی آنکھ ایسی جگہ کھول دے جہاں بند کرنا واجب ہے تو ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا (جو آسمان و زمین اور ان کے درمیان ہیں) منکر ہوگا کیونکہ جو چیز اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے' یہاں تک کہ فرشتے اور آسمان اور زمین اور حیوانات اور نباتات اور سب کے سب ہر چیز بندہ کے حق میں نعمت ہے کہ وہ اس کا نفع ان سے پورا ہوتا ہے اگرچہ غیروں کا بھی فائدہ ہے۔

آنکھ کی پلک کی نعمتیں:۔ آنکھ کی ہر پلک نعمت ہے بلکہ بیشمار نعمتیں خود پلک میں ہیں' اس لیے کہ ہر پلک کے نیچے عضلات پیدا کیے ہیں اور ان میں اوتار اور رباط ہیں جو دماغ کے پٹھوں میں ملے ہیں جن کے ذریعہ سے اوپر کی پلک نیچے کو ہلتی ہے اور نیچے کی اوپر کو اٹھتی ہے اور ہر پلک میں سیاہ بال ہیں اور ان کے سیاہ ہونے میں یہ نعمت ہے کہ آنکھ کی روشنی کو اکٹھا رکھیں۔ سفید چیزوں کو متفرق کرتی ہے اور سیاہ مجتمع رکھتی ہے۔

نکتہ:۔ ان کو ایک صف جو میں رکھا ہے۔ اس میں یہ نعمت ہے کہ چھوٹے کیڑے آنکھ کے اندر نہ جا سکیں اور جو تنکے ہوا میں اڑتے ہیں' وہ آنکھ میں نہ پڑیں' بالوں میں رک جائیں اور آنکھ کے ہر بال میں دو نعمتیں ہیں اور بالوں کی جڑ نرم بنائی اور باوجود جڑ کی نرمی کے اسے کھڑا رکھا اور دونوں پلکوں کے بال اوپر نیچے سے مل کر جو جال کی صورت ہو جاتے ہیں' اس میں سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ ہوا' غبار کبھی آنکھ کے کھلنے کا مانع ہوتا ہے اور آنکھ بند کرلی تو کچھ سوجھتا نہیں' اس لیے ایسے وقت میں آدمی آنکھ بند کر سکتا ہے کہ اوپر نیچے کی پلک کے بال بشکل جال ہو جائیں اور وہ غبار' ہوا کو آنکھ میں نہ جانے دے اور بالوں کی آڑ میں سے پلکیں نیچے اوپر کی ایسی ڈیلے سے متصل پیدا ہوئی ہے اور کنارے ان کے پتلے بنے ہیں کہ وہ ڈیلے پر اثر کرتی ہیں جو صیقل آئینہ پر کرتی ہے یعنی جہاں ایک دو دفعہ پلکیں کھولیں' بند کیں فوراً ڈیلا غبار سے صاف ہو جاتا ہے اور تنکا وغیرہ کوؤں اور پلکوں میں نکل آتا ہے اور مکھی کے ڈیلے میں چونکہ پلکیں مخلوق نہیں ہوئیں' اس لیے ان کے دو پاؤں اس کے عوض زیادہ ہیں جن سے وہ

ہمیشہ اپنی آنکھوں کو ملتی رہتی ہے تاکہ ڈیلے صاف ہوں۔

ہمیں نعمت ہائے خداوندی مفصل بیان کرنا نہیں' اس لیے کہ اس میں طوالت ہے اور کتاب بہت بڑھ جائے گی۔ اگر زمانے نے فرصت دی اور توفیق یاور ہوئی تو ہم ایک کتاب لکھ کر (عجائب صنع اللہ) اس کا نام رکھیں گے اس لیے اب اصل غرض کی طرف رجوع کرتے ہیں اور کہتے ہیں مثال مذکورہ بالا میں جس شخص نے مثلاً غیر محرم کی طرف آنکھ کھولی تو اس نے آنکھ کھولنے میں اللہ تعالیٰ کی نعمت جو پلکوں میں تھی' اس کی ناشکری کی اور چونکہ پلکیں بغیر آنکھ کے نہیں ہوتیں اور نہ بغیر سر کے آنکھ اور نہ سر بغیر جسم کے اور نہ جسم بغیر غذا کے اور نہ غذا بغیر پانی کے اور زمین اور ہوا اور بارش اور ابر اور آفتاب و ماہتاب کے اور نہ یہ چیزیں بغیر آسمان کے اور نہ آسمان بغیر فرشتوں کے کیونکہ یہ سب چیزیں مثل ایک شے کے ہیں جیسے اعضائے بدن ایک دوسرے سے مربوط ہیں' ویسے ہی یہ اشیاء بھی ایک دوسرے سے مرتبط ہیں تو معلوم ہوا کہ اس شخص نے ہر ایک نعمت کی ناشکری کی جو سمک سے سماک تک موجود ہیں۔ اسی وجہ سے کوئی آسمان یا فرشتہ یا حیوان یا نباتات یا پتھر ایسا نہیں رہتا جو اس شخص کو لعنت نہ کرے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس زمین پر آدمی جمع ہوتے ہیں' پھر علیحدہ ہوتے ہیں تو وہ زمین ان کو لعنت کرتی ہے یا ان کی طلب مغفرت کرتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ عالم دین کے لیے تمام چیزیں طلب مغفرت کرتی ہیں یہاں تک کہ سمندر میں مچھلی بھی اس کے لیے بخشش کا سوال کرتی ہے اور فرشتے نافرمانوں کو لعنت کرتے ہیں۔ اسی طرح بہت سی روایتیں اس باب میں ہیں۔ ان سب کا لکھنا دشوار ہے اور ان سب روایات سے یہ پایا جاتا ہے کہ جو شخص ایک دفعہ کے پلک مارنے سے بھی گنہگار ہوگا' وہ تمام ملک اور ملکوت کا قصوروار ٹھہرے گا اور اگر اس برائی کے پیچھے تدارک کرکے نیکی نہ کرے گا تو وہ خود کو ورطہ ہلاکت میں ڈالے گا اور نیکی کرنے کی صورت میں سب چیزیں لعنت کے عوض اس کے لیے طلب مغفرت کریں گے اور یہ بھی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما کر اس کی خطا سے درگزر فرمائے۔

حضرت ایوب علیہ السلام:- اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ میرے ہر بندے کے ساتھ دو فرشتے ہیں۔ جب وہ میرا شکر کرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں کہ الٰہی اس کی نعمت زیادہ کر اس لیے کہ تو لائق حمد و شکر ہے تو اے ایوب علیہ السلام تو بھی جلد شاکرین میں ہو جا کیونکہ ان کو اتنا ہی علو مرتبہ میرے نزدیک کافی ہے کہ میں خود ان کے شکر کا قبول کرنے والا ہوں اور میرے فرشتے اس کے لیے دعا مانگتے ہیں اور تمام جگہیں ان سے محبت کرتی ہیں اور آثار ان پر روتے ہیں اور جس طرح معلوم ہوا کہ ہر پلک میں بہت سی نعمتیں ہیں' اسی طرح یہ بھی یقین کرلو کہ جو سانس نیچے اور اوپر آتی جاتی ہے' اس میں بھی دو نعمتیں ہیں یعنی سانس کے اوپر آنے سے دھواں جلا ہوا دل سے نکل جاتا ہے اور اگر نہ نکلے تو آدمی ہلاک ہو جائے اور سانس کے نیچے جانے سے باہر کی تازہ ہوا دل کو پہنچتی ہے۔ اگر یہ نہ پہنچے تو دل جل جائے' اس لیے کہ ہوا کی روح اور سردی سانس کے ساتھ جب تک نہ جائے گی تو حرارت کی وجہ سے دل تباہ و ہلاک ہو جائے گا۔ اب اگر رات دن کا حساب کرو تو دن رات کے چوبیس گھنٹے ہوتے

ہیں اور ہر گھنٹے میں تقریباً ایک ہزار سانس کے ہوتے ہیں اور ہر سانس میں دس لحظہ کے قریب ہوتے ہیں۔ اس حساب سے ہر لحظے میں آدمی کے ایک ایک جزو بدن پر ہزارہا نعمتیں ہوتی ہیں بلکہ ہر جزو عالم میں لاکھوں کروڑوں نعمتیں ہر لحظہ ہوتی ہیں۔ جب یہ کیفیت ہے تو پھر نعمتوں کا شمار ممکن ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام:۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر حقیقت اس قول خداوندی کی کھلی وان تعدوا نعمة اللہ لا تحصوھا (ابراہیم 34) ترجمہ کنزالایمان: اور اگر اللہ کی نعمتیں گنو تو شمار نہ کر سکو گے۔ تو انہوں نے عرض کیا کہ الٰہی میں تیرا شکر کیسے کروں؟ ہر ایک بال میں میرے جسم کے تیری دو نعمتیں موجود ہیں کہ اس کی جڑ تو نے ملائم بنائی ہے اور اس کا سر اونچا بنایا اور حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نعمت کو سوائے اپنے کھانے اور پینے کے نہ جانے تو اس کا علم کم ہے اور اس کو سخت عذاب ہوگا اور یہ سب جو ہم نے ذکر کیا' کھانے اور پینے ہی کی نعمتوں کا حال ہے۔ اس سے اور نعمتوں کا قیاس کر لینا چاہیے کیونکہ ہوشیار انسان کی آنکھ عالم میں جس چیز پر پڑتی ہے یا جو موجود چیز اس کے دل میں گزرتی ہے' وہ اس میں سے اپنے اوپر کوئی نعمت مستحق کر لیتا ہے۔ اب تفصیل کو ہم موقوف کرتے ہیں کہ محال چیز کی طمع سے کچھ فائدہ نہیں۔

شکر سے غفلت کے اسباب:۔ غافل انسان شکر نعمت جہالت و غفلت کی وجہ سے نہیں کرتا' غفلت کی وجہ سے نعمت کو نہیں جانتا اور جب تک نعمت معلوم نہ ہو اس وقت تک اس کا شکر کیسے ادا ہو؟ علاوہ ازیں جو لوگ نعمت کو جانتے بھی ہیں' ان کو یہ گمان ہے کہ شکر نعمت یہی ہے کہ زبان سے الحمد للہ اور اللہ عزوجل کا شکر کہتا ہے اور یہ نہیں جانتے کہ شکر کے معنی یہ ہیں کہ جو نعمت جس حکمت کے لیے بنی ہے' اس کو اسی حکمت کے کام کرنے میں استعمال کرے اور حکمت جو نعمت سے مطلوب ہے' وہ طاعت الٰہی عزوجل ہے۔ اگر یہ دونوں باتیں لوگ جانتے ہوں تو پھر شکر کا مانع سوائے غلبہ شہوت اور استیلائے شیطان کے اور کچھ نہیں رہتا۔

اسباب غفلت کی پہچان:۔ نعمت سے غافل رہنے کے کئی اسباب ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ آدمی جہالت کے باعث جو بات کہ سب لوگوں میں پائی جاتی ہے اور ہر حال میں ان کے پاس ہے' اس کو نعمت نہیں جانتے۔ اس لیے کوئی اس کا شکرگزار نہیں ہوتا مثلاً جو نعمتیں ہم نے اوپر ذکر کی ہیں یعنی کھانے اور اعضائے متعلق غذا کے باب میں' ان پر کوئی شکر نہیں کرتا اس لیے کہ یہ نعمتیں عام ہیں۔ سب کو ہروقت حاصل ہیں' کسی کو اپنے ساتھ ان کی خصوصیت نہیں ہوتی اسی وجہ سے اس کو نہ نعمتیں جانیں نہ شکر ادا کریں یا مثلاً روح ہوا پر شکر نہیں کرتے حالانکہ اگر ایک لحظہ گلا پکڑ لیا جائے کہ ہوا باہر کی اندر نہ جاسکے تو مرجائیں گے یا کسی ایسے حمام میں بند کیے جائیں جس میں ہوا گرم ہے یا کسی کنویں میں جس کی ہوا پانی کی تری سے بھاری پڑ گئی ہو تو گھٹ کر مرجائیں۔ ہاں اگر کوئی اسی طرح بند ہو کر پھر نکالا جائے تو روح ہوا کو نعمت جانے گا اور پھر اس پر شکر کرے گا اور یہ بڑی جہالت ہے کیونکہ اس صورت میں شکر اس بات پر موقوف ہوا کہ نعمت ان سے چھن جائے اور پھر کسی وقت اسے دی جائے۔ جب یہ

قدرت اس جان کی شکر گزاری کریں حالانکہ نعمت کا ہر وقت شکر گزار رہنا چاہیے۔

فائدہ:۔ بینا آدمی کو دیکھئے کہ وہ اپنی آنکھوں کی سلامتی کا شکر نہ کرے گا یہاں تک کہ اندھا نہ ہو۔ اندھا ہونے پر قدر آنکھوں کی معلوم ہوتی ہے اور پھر اگر بینائی واپس آتی ہے تو اس کو نعمت جان کر شکر کرتا ہے مگر چونکہ رحمت الٰہی عزوجل سب پر عام ہے اور ہر حال میں ہر ایک پر ہے تو اس کو یہ جاہل نعمت نہیں جانتا۔

مثلاً جیسے کوئی بدعادت غلام کو ہمیشہ سزاوار زدوکوب ہو یہاں تک کہ اگر ایک گھڑی اس کی مارپیٹ بند کی جائے تو وہ احسان مانے گا اور اگر ہمیشہ کو ترک کردی جائے تو اکڑنے لگے اور شکر گزاری ترک کرے۔ عام لوگوں کا یہی حال ہے کہ شکر صرف مال کا کرتے ہیں جس پر کچھ اختصاص ہو جاتا ہے۔ ان کا بہت مال ہو یا تھوڑا' اس کے سوا اور تمام نعمتوں کو بھول جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بدن میں کیا کیا نعمتیں دی ہیں۔

حکایت:۔ ایک درویش نے کسی اہل دل سے شکایت کی اور اس وجہ سے اپنا شدت سے غمگین رہنا بیان کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ تمہیں یہ منظور ہے کہ تم اندھے ہو جاؤ اور دس ہزار درہم لو' اس نے انکار کیا۔ پھر انہوں نے فرمایا کہ تم چاہتے ہو کہ دس ہزار درہم لو اور گونگے ہو جاؤ' اس نے عرض کیا نہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ دس ہزار درہم کے عوض تم کو لنجا اور لولا ہونا منظور ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ دس ہزار کے بدلے تم دیوانہ بننا پسند کرتے ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ تمہیں اپنے آقا کی شکایت کرتے شرم نہیں آتی کہ باوجودیکہ پچاس ہزار درہم کی مالیت اس نے مفت دی پھر شکایت کرتے ہو۔

حکایت:۔ ایک حافظ قرآن نہایت تنگ دل اور مضطر ہوا۔ خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہتا ہے کہ تم چاہو تو ہزار دینار لے لو' ہم سورہ انعام تجھ کو بھلا دیں۔ اس نے کہا کہ یہ مجھے منظور نہیں۔ پھر منادی غیب نے کہا سورہ ہود کو بھلا دیں' اس نے کہا نہیں۔ کہا سورہ یوسف' اسی طرح دس صورتوں کے نام لیے اور یہ انکار کرتا گیا۔ اس نے کہا کہ تیرے پاس ایک لاکھ کی مالیت ہے اور تو شکایت کرتا ہے۔ صبح کو اس کا غم افلاس جاتا رہا۔

ابن السماک علیہ الرحمتہ کسی خلیفہ کے پاس تشریف لے گئے۔ وہ اس وقت پانی پی رہا تھا۔ اس نے عرض کیا کہ مجھے کچھ نصیحت کیجئے۔ آپ نے فرمایا اگر یہ پیالہ پانی کا تم کو تمہارے تمام نقدی کے عوض ملتا نہیں تو پیاسے رہتے تو تم نقدی سے دستبردار ہوتے یا نہ۔ اس نے عرض کیا کہ بیشک میں سب نقدی دے ڈالتا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اگر اس کے عوض تمام ملک دینا پڑتا' تب بھی دیتے؟ اس نے کہا بیشک۔ آپ نے فرمایا کہ پھر ایسے ملک پر خوشی مت کرو جس کی قیمت ایک گھونٹ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت بندے کی پیاس کے وقت گھونٹ پانی میں ساری زمین سلطنت سے زیادہ ہے اور چونکہ طبیعتیں اس کی طرف مائل ہیں کہ نعمت خاص ہی کو نعمت جانتے ہیں' عام نعمتوں کو تصور میں نہیں لیتے' ان کی جہالت اور غفلت ہے۔

اب تک ہم نے عام نعمتوں کا ذکر کیا ہے' اب ہم مختصراً کچھ نعمت خاص کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ کوئی

آدمی ایسا نہیں کہ اگر اپنے احوال پر غور کرے تو یقیناً سمجھے گا کہ اس میں ایک یا دو ایسی نعمتیں ہیں جو اس کے ساتھ خاص ہیں۔ اس میں اکثر لوگ اس کے شریک نہیں یا کوئی بھی شریک نہیں۔ ان تین باتوں میں ہر ایک کو اس کا اقرار ہے۔ (1) عقل (2) خلق (3) علم۔ عقل کا حال تو خود مشہور اور واضح ہے۔ کوئی اللہ عزوجل کا بندہ ایسا نہیں جو اپنی عقل سے خوش نہ ہو اور اپنے آپ کو عقیل تر نہ سمجھتا ہو۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے عقل کا سوال کم کرتا ہے اور اس کے لیے دعا نہیں کرتا اور یہ بات بھی شرف عقل میں داخل ہے کہ جو اس سے خالی ہے' وہ بھی اس سے خوش ہے اور جو اس سے موصوف ہے' وہ بھی۔ اب جب ہر ایک اپنے اعتقاد کے موافق سب لوگوں سے زیادہ عقل رکھتا ہے تو واقع میں اگر ایسا ہی ہے تو اس پر شکر واجب ہے اور اگر ایسا نہیں صرف اس کا اعتقاد عقیل تر ہونے کا ہے' جب بھی شکر واجب ہے کہ اس کے حق میں تو نعمت موجود ہے۔ جیسے کوئی شخص زمین میں خزانہ چھپا دے اور اس پر خوشی کا اظہار کرے اور شکر کرے۔ پھر اگر کوئی اس خزانے کو نکال کرلے جائے اور اس کو معلوم نہ ہو تو اس کے اعتقاد کے موافق خوشی اس کی باقی رہے گی اور شکر بھی باقی رہے گا کیونکہ اس کے علم میں خزانہ گویا موجود ہے اور عوام کا حال یہ ہے کہ کوئی بشر ایسا نہیں جو دوسرے میں کچھ عیب ناپسند نہ کرتا ہو اور بعض اخلاق دوسروں کے برے نہ جانتا ہو تو چاہیے کہ اللہ عزوجل کا شکر کرے کہ میری عادت اچھی بنائی اور بری عادت میں دوسرے کو جتلا کیا اور علم کا حال یہ ہے کہ کوئی بشر ایسا نہیں ہے جو اپنے نفس کے امور باطن اور افکار خفیہ ایسے نہ رکھتا ہو جو خاص اسی میں ہوں اور اگر ان پر کوئی بھی مطلع ہو جائے تو شرمسار ہو جائے اور اگر تمام لوگ اس کی دل کی باتوں پر واقف ہو جائیں تو کیا حال ہو غرضیکہ ہر ایک کو ایک امر خاص کا علم ہوتا ہے کہ اس میں کوئی خاص بندۂ خدا اس کا شریک نہیں ہوتا تو ایسی صورت میں وہ شخص اللہ تعالیٰ کی پردہ پوشی کا شکر گزار کیوں نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے عیوب پوشیدہ رکھے اور لوگوں کی نظروں سے غائب اور اچھی بات کو ظاہر کیا اور بری بات کا علم سوا اس کے اور کسی کو نہ دیا تو یہ تین نعمتیں خاص ایسی ہیں جن کا اقرار ہر ایک کرتا ہے۔

ایک اور طبقہ:۔ یہاں پر ہم اس طبقے کے بعد ایک اور طبقہ کا ذکر کرتے ہیں جو کچھ اس طبقے کی بہ نسبت عام ہے۔ کوئی فرد ایسا نہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے صورت یا وجود یا اخلاق یا صفات یا اہل اولاد یا مسکن یا شہر یا رفیق یا قربت و عزیز یا دوسری محبوب چیزوں میں سے ایسے امور نہ دیئے ہوں کہ اگر بالفرض وہ اس سے چھن جائیں اور جو دوسروں کو دیا گیا ہے' اس کو ملے تو ہرگز راضی نہ ہو مثلاً کسی شخص کو اللہ تعالیٰ نے ایماندار بنایا' کافر نہیں بنایا نہ کہ پتھر اور انسان پیدا کیا نہ کہ جانور اور مرد بنایا نہ کہ عورت اور تندرست پیدا کیا' نہ مریض بے عیب بنایا' نہ کہ عیبی تو یہ سب خواص اگرچہ ان میں بھی عموم ہیں لیکن اگر ان کے مقابل سے بدلے جائیں تو ہرگز کوئی راضی نہ ہوگا بلکہ انسان کے لیے بعض امور ایسے خاص ہوتے ہیں کہ ان کو آدمیوں کے احوال سے بھی نہیں بدلتا اور یہ دو طرح ہیں یا تو ایسے کہ کسی کے حال سے بدلنا منظور نہ کرے یا کہ اکثر کے احوال سے بدلنا منظور نہ ہو بہرحال جب اپنا حال دوسرے کے حال سے نہیں بدلتا تو معلوم ہوا کہ اس کا حال بہ نسبت غیروں کے بہتر ہے۔ جب یہ کیفیت ہے کہ کوئی بھی غیر کے

حال سے کسی حالت میں بدلنے پر راضی نہیں یا کسی خاص بات میں بدلنا نہیں چاہتا تو ضروری ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی اس پر ایسی نعمت ہے جو اس کے سوا دوسرے بندوں پر نہیں اور اگر اپنا حال بعض اشخاص کے حال سے بدلنا چاہتا ہو اور بعض سے نہیں تو جن کے احوال سے بدلنا چاہتا ہے تو ان کے شمار کو دیکھنا چاہیے۔ شمار کے لحاظ سے ایسے لوگ بہت کم نکلیں گے جن کے حال سے یہ شخص اپنا حال بدلنا چاہتا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ جو لوگ اس کی بہ نسبت کم ہیں' وہ بہت زیادہ ہیں۔ ان لوگوں کی بہ نسبت جو اس سے بہتر ہیں تو پھر تعجب ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی نعمت کو حقیر جاننے کے لیے اپنے آپ سے بہتر کی طرف دیکھے اور کمتر کی طرف نہ دیکھے اور دین کا معاملہ دنیا کے برابر بھی نہ کرے یعنی اگر کوئی خطا اس سے سرزد ہوتی ہے تو یہی عذر کرتا ہے کہ ایسے خطاوار بہت ہیں۔ اگر مجھ سے بھی قصور ہوا تو کیا ہوا تو دین کے معاملات میں ہمیشہ نظر کمتر کی طرف کرتا ہے۔ دنیا میں ایسا کیوں نہیں کرتا کہ جب اپنے پاس مایہ کم ہو تو کہے کوئی حرج نہیں' مجھ سے لوگ بہت کم مایہ ہیں۔ خلاصہ یہ کہ جب حال اکثر مخلوق کا دین میں اس سے بہتر ہو اور اس کا حال دنیا میں اکثر سے بہتر ہو تو اس کو شکر کیسے نہ واجب ہو گا۔

حدیث:۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص دنیا میں اپنے سے کمتر کو دیکھے اور دین کے بارے میں اپنے آپ سے بہتر کو تو اللہ تعالیٰ اس کو صابر و شاکر لکھتا ہے اور جو شخص دنیا کے بارے میں اپنے آپ سے زیادہ کو دیکھے اور دین کے بارے میں اپنے سے کمتر کو تو اللہ تعالیٰ اس کو ناشکرا اور بے صبرا لکھتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص اپنے حال کو بنظر عبرت دیکھے اور جو اوصاف کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے خاص کیے ہیں' ان کی تلاش کرے تو اللہ تعالیٰ کی بہت سے نعمتیں اپنے نفس پر محسوس کرے گا' خصوصاً جس شخص کو کہ حدیث اور ایمان اور علم قرآن فراغت اور تندرستی اور امن وغیرہ مرحمت ہوئی ہوں۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من لم یستغن بایات اللہ القرآن فلا غناہ اللہ ترجمہ: "جو اللہ کی آیات سے استغناء نہیں کرتا' اسے اللہ تعالیٰ غنا نہ دے گا۔" اس میں اشارہ نعمت علم کا ہے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان القرآن ھوالغنی الذی لا غنی بعدہ ولا فقر معہ ترجمہ: "بے شک قرآن وہ دولت ہے جس کے مقابلہ میں کوئی دولت ہے اور نہ اس کے ہوتے افلاس و تنگ دستی۔" مزید ارشاد فرمایا۔

من اتاہ اللہ القرآن فظن ان احداً اغنی منہ فقد استھزا بایات اللہ "جسے اللہ عزوجل قرآن کی دولت عطا فرماتا ہے اور وہ گمان کرے کہ مجھ سے بڑھ کر اور کوئی غنی تر ہے تو اس نے آیات الٰہی سے ٹھٹھا کیا۔"

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کفی بالیقین غنی ترجمہ: "تونگری کے لیے یقین کافی ہے۔" بعض اکابر فرماتے ہیں کہ بعض کتب آسمانی میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر میں کسی بندے کو تین باتوں سے بے پروا کر دوں تو اس پر میری نعمت کامل ہو جاتی ہے۔ (1) کسی سلطان کو اس کی حاجت نہ ہو۔ (2) کسی معالج کی ضرورت نہ ہو۔ (2) کسی کے مال کی ضرورت نہ ہو۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من اصبح امنافی بہ

معافیا فی بدنه عنده قوت یومه فکانما حیزت له الدنیا بحذا فیرها جو صبح کرے اور اس کا بدن تندرست ہو اور جان امن و سلامتی سے ہو اور اس دن کی غذا بھی اسے حاصل ہو تو گویا اسے تمام دنیا حاصل ہے۔" کہ ان تینوں باتوں کے سوا اور ہی شکوہ کرتے ہوں گے حالانکہ وہ امور ان کے لئے وبال ہیں اور ان تینوں باتوں کا نہ شکر کرتے اور نہ نعمت ایمان کا شکر کرتے ہیں جس کی وجہ سے یقین اور ایمان کے اور کسی چیز پر خوش نہ ہو بلکہ ہم بعض حکماء کو جانتے ہیں کہ اگر بالفرض تمام روئے زمین مشرق تا مغرب کے بادشاہوں کا مال و ملک اور اتباع اور انصار ان کو دے دیا جائے اور ان سے کہا جائے کہ یہ سب مال و دولت وغیرہ اپنے علم کے بدلے میں بلکہ سوویں حصہ علم کے عوض میں لے لو تو وہ کبھی نہ لیں' اس لیے کہ ان کو توقع ہے کہ نعمت علم آخرت میں قرب الٰہی پر پہنچا دے گی بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ تم کو آخرت میں تمہاری آخرت کے موافق بلاکم و کاست ملے گا تو ان لذات دنیاوی کو انہیں لذات کے بدلے میں لے لو جو تم علم سے دنیا میں پاتے ہو تب وہ ملک و مالک کو لذات علمی کے عوض میں اختیار نہ کریں گے۔ اس لیے کہ ان کو معلوم ہے کہ لذت علم دائمی ہے' کبھی منقطع نہ ہوگی اور اپنے ساتھ رہے گی۔ نہ چور ہو گی' نہ غصب ہوگی' نہ اس پر کوئی حسد کرے گا۔ علاوہ ازیں یہ لذت صاف ہے' کسی طرح کی کدورت اس میں نہیں اور دنیا کی لذات سب ناقص اور پر کدورت اور تشویش میں ڈالنے والی ہیں' نہ ان کی توقع خوف کے ہم پلہ ہو نہ لذت مساوی رنج کے نہ خوشی مقابل غم کے۔ اب تک ایسی ہی رہی اور آئندہ کو بھی ایسی ہی رہے گی۔ اس لیے کہ لذات دنیا اس لیے پیدا ہوئی ہے کہ ناقص عقلیں ان کے جال میں پھنس کر اس کے دام میں آجائیں۔ جب وہ ان کے فریب میں مقید و مبتلا ہو جاتے ہیں تو پھر وہ لذتیں ان سے انکار کرتی ہیں اور پاس نہیں پھٹکتیں جیسے کوئی خوبصورت عورت ظاہر میں اپنے آپ کو کسی جوان مالدار کے لیے ہار سنگار کرے' جب وہ اسی سے دوچار ہو کر دل سے فریفتہ اور شیفتہ ہو تو پردے میں چلی جائے اور اس کے بس کی نہ رہے تو ظاہر ہے کہ وہ شخص ہمیشہ اس کے عشق میں رنج و مصیبت اور درد و زحمت سے گا۔

یہ تمام مصیبت اس پر بھی اس لیے نازل ہوئی کہ وہ اپنی نظر کے فریب میں آگیا۔ اگر عقل سے کام لیتا تو اس نامحرم عورت کو دیکھتا ہی نہ بلکہ سامنے آئی تھی تو آنکھیں بند کر لیتا تو اس کے لیے ہزارہا پریشانیوں کا ازالہ تھا۔ اگر لمحہ بھر کی لذت کو ٹھوکر مار دیتا تو عمر بھر حفظ و امان میں رہتا۔

مثال:۔ مذکورہ بالا مثال ان دنیاداروں کی ہے جو دنیا کی محبت میں دنیا کے جال فریب میں پھنس جاتے ہیں۔ جو لوگ دنیا سے اعراض کرتے ہیں' ان کو صبر اس پر کرنے سے ایذا ہوتی ہے کیونکہ ایذا تو اس کو بھی ہوتی ہے جو اس پر متوجہ ہیں کہ کہیں حفاظت کا دکھ رکھیں' تحصیل کا رنج' کہیں چوروں کا خوف وغیرہ تکلیفات عائد حال رہتی ہیں اور اکثر دنیا کے تارکوں کو یہاں تکلیف ہے تو آخرت میں لذت و راحت ہوگی' بخلاف دنیاداروں کے کہ یہاں بھی رنج میں ہیں اور آخرت کا رنج جدا ہوگا۔ پس جو لوگ اس کی طرف متوجہ نہیں' ان کو اپنے نفس پر یہ آیت پڑھنی چاہیے۔

ولا تھنوا فی ابتغآء القوم ان تکونوا تالمون فانھم یالمون کما تالمون وترجون من اللہ مالا یرجون

(النساء 104) ترجمہ کنزالایمان: اور کافروں کی تلاش میں سستی نہ کرو اگر تمہیں دکھ پہنچتا ہے تو انہیں ظاہری بھی دکھ پہنچتا ہے جیسا تمہیں پہنچتا ہے اور تم اللہ سے وہ امید رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھتے۔ خلاصہ تقریر یہ ہے کہ خلق پر جو راہ شکر مسدود ہوئی تو اسی وجہ سے ہوئی کہ ان کو نعمتوں نعمتوں اور ایسے ہی باطنی اور خاص اور عام سے واقفیت نہ ہوئی۔ یہاں پر علاج لکھا جاتا ہے اس توقع پر کہ شاید خواب غفلت سے بیدار ہوں اور شکر بجا لائیں۔ جو دل دانا اور ہوشیار ہیں' ان کا علاج تو یہ ہے کہ جو قسمیں ہم نے عام نعمتوں کی اشارتاً بیان کی ہیں' ان کو تامل کریں اور جو دل غنی ہوں کہ جب تک کوئی نعمت خاص ان پر نہ ہو تو نعمت ہی نہ جانیں یا مصیبت آنے کے بعد اس کو نعمت پہچانیں تو ان کا علاج یہ ہے کہ ہمیشہ اپنے سے کمتر حال والے کو دیکھا کریں اور وہ تدبیر کریں کہ بعض صوفی کیا کرتے تھے؟ ان کا دستور تھا کہ ہر روز شفاخانہ اور گورستان اور ایسی جگہ میں جہاں مجرموں کو سزا ملتی تھی' جایا کرتے تھے۔ شفاخانوں میں اس لیے جاتے تھے کہ بیماروں کو انواع و اقسام کے امراض میں مبتلا دیکھ کر اپنی صحت و سلامتی کا دھیان کریں اور دل کو لوگوں کے مصائب دیکھ کر اپنی صحت کی نعمت ہونے کا شعور ہو جائے اور شکر نعمت بجا لائے اور مجرموں کو اس لیے دیکھتے کہ ان کو بوجہ قتل و چوری وغیرہ کے طرح طرح کے عذاب دیئے جاتے تھے۔ کوئی جان سے مار ڈالا جاتا تھا' کسی کا ہاتھ کٹتا تھا' کسی کا پاؤں تو ان کو دیکھ کر اللہ عزوجل کا شکر کرتے کہ اس نے گناہوں سے محفوظ رکھا اور ان سزاؤں کی نوبت نہ آنے دی۔

قبرستان میں جانے کی وجہ یہ تھی کہ ان کو دیکھ کر یہ تصور آئے کہ مردوں کو سب سے زیادہ محبوب یہ ہے کہ وہ دنیا میں واپس آئیں اگرچہ ایک دن کے لیے' عاصی تو اس لیے رجوع پسند کرتا ہے کہ تدارک ایام گزشتہ کا کرے اور مطیع اس لیے کہ طاعت زیادہ کرے' اس لیے کہ قیامت کا دن خسارہ کا دن ہے۔ مطیع کو خسارہ کی صورت ہے کہ جب اپنی طاعات کا بدلہ دیکھے گا تو کہے گا کہ میں تو اس سے زیادہ طاعات کر سکتا تھا' مجھ کو بڑا خسارہ رہا کہ اپنی عمر کے بعض اوقات میں نے مباحات میں کھو دیئے اور عاصی کا خسارہ صاف ظاہر ہے۔ پس جب انسان قبرستان کو دیکھے اور تصور مذکورہ بالا بھی کرے تو جان لے کہ جس بات کے لیے یہ لوگ آرزو لوٹنے کی کرتے ہیں اور وہ مجھے حاصل ہے یعنی تدارک ایام گزشتہ خواہ زیادتی طاعت میں اب کر سکتا ہوں باقی ایام حیات کو اس میں صرف کروں کہ اتنے ہی دن اللہ تعالیٰ کی نعمت جان لوں بلکہ ایک ایک سانس کی مہلت اور زندگی نعمت ہے۔ جب اس نعمت کو جانے لگا تو اس کا شکر بھی کرے گا یعنی عمر کو ایسے کام میں صرف کرے گا جس کے لیے وہ بنائی گئی ہے یعنی دنیا سے آخرت کے لیے توشہ لینے کے لیے زندگی دی گئی ہے۔ اس میں صرف کرے یہ ہے علاج ان غافل دلوں کا' اس علاج سے توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے واقف ہو کر ان کا شکر کریں۔

حکایت: حضرت ربیع ابن خثیم رحمتہ اللہ علیہ باوجود کمال بصیرت کے اسی طریق سے مدد لیا کرتے تھے تاکہ معرفت نعمائے الٰہی پختہ ہو جائے۔ انہوں نے اپنے گھر میں ایک قبر کھود رکھی تھی۔ اپنے گلے میں ایک طوق ڈال کر لحد میں لیٹتے اور کہتے رب ارجعون لعلی اعمل صالحا (المومنون 100'99) ترجمہ کنزالایمان: یہاں تک کہ جب ان میں

کسی کو موت آئے تو کہتا ہے اے میرے رب مجھے واپس پھیر دیجئے شاید اب میں کچھ بھلائی کماؤں۔ حضرت ربیع یہ کہہ کر پھر کھڑے ہو جاتے اور کہتے کہ اے ربیع تیرا سوال پورا ہوا تو اس وقت سے پہلے کچھ کر لے جس وقت رجوع کرنے کی آواز آئے اور واپس نہ بھیجا جائے گا اور جو دل شکر سے دور رہتے ہیں' ان کا علاج یہ بھی ہے کہ اس بات کو جان لیں کہ نعمت کا شکر جب نہیں ہوتا تو وہ نعمت جاتی رہتی ہے اور پھر دوبارہ نہیں آتی' اس لیے حضرت فضیل بن عیاض رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوگو نعمتوں کا شکر ضرور کیا کرو۔ ایسا کم ہوا ہے کہ نعمت کسی قوم کے پاس سے جا کر پھر آئی ہو اور بعض اکابر کا قول ہے کہ نعمتیں وحشی ہیں' ان کو شکر سے قید کرو اور حدیث میں ہے کہ جب کسی بندے پر اللہ تعالیٰ کی نعمت زیادہ ہوتی ہے تو اس کی طرف لوگوں کی حاجتیں بھی زیادہ ہوتی ہیں۔ پس اگر وہ ان سے سستی کرتا ہے تو اس نعمت کے درپے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم (الرعد 11) ترجمہ کنزالایمان: بے شک اللہ کسی قوم سے اپنی نعمت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلیں۔

سوال:- آپ کی تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر موجود چیز میں اللہ تعالیٰ کی نعمت پائی جاتی ہے اور اس سے لازم آتا ہے کہ مصیبت کا وجود سرے سے نہ ہو اور جب مصیبت نہ رہے تو صبر کس چیز پر ہوگا۔ اگر مصیبت ہے تو اس پر شکر کیسے اور یہ جو مدعی کہتے ہیں کہ ہم مصیبت پر شکر کرتے ہیں' نعمت کا تو کیا ذکر ہے تو مصیبت پر صبر کیسے خیال میں آئے یعنی جس چیز پر صبر کیا جاتا ہے' اس پر شکر کیونکر ہوگا اس لیے کہ مصیبت پر صبر کرنے میں تو درد پایا جاتا ہے اور شکر خوشی کا مقتضی ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں اور یہ جو آپ نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیز ایجاد کی ہے' سب بندوں پر نعمت ہے۔ اس کیا مطلب؟

جواب:- جس طرح نعمت موجود ہے۔ اسی طرح مصیبت بھی موجود ہے۔ جب نعمت کے وجود کے قائل ہوں گے تو مصیبت کے وجود کا بھی قائل ہونا پڑے گا اس لیے کہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ مصیبت کا دفع ہونا نعمت کہلاتا ہے اور نعمت کا جاتا رہنا مصیبت تو دونوں کا وجود ضروری ہے لیکن یہ پہلے گزر چکا ہے کہ نعمت کی دو قسم ہیں (1) مطلق کہ ہر وجہ سے نعمت ہو آخرت میں جیسے سعادت قرب الٰہی سے بندے کا مشرف ہونا دنیا میں جیسے ایمان اور حق خلق اور جو ان دونوں پر معین و مددگار ہوں۔ (2) مقید کہ ایک طرح کی نعمت ہو دوسری طرف سے مصیبت جیسے مال کہ اس سے من وجہ دین کی بہتری ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے نعمت ہے لیکن چونکہ اس سے فساد بھی دین میں ہو سکتا ہے' اس اعتبار سے مصیبت ہے۔ اسی طرح مصیبت بھی دو طرح پر ہے۔ (1) مطلق (2) مقید جو مصیبت کہ ہر طرح سے مصیبت ہے۔ اس کی مثال آخرت میں اللہ عزوجل سے کچھ مدت یا ہمیشہ کو دور رہنا ہے اور دنیا میں کفر اور معصیت اور بدخلقی ہے کہ ان کا انجام ہر طرح سے مصیبت اور بلا ہے۔ مقید جیسے فقر اور مرض' مرض اور خوف اور تمام انواع کے مصائب جو صرف دنیا میں ہوں اور دین میں نہ ہوں' وہ سب مقید ہیں اور نعمت پر شکر کی تفریع اس

طرح ہے کہ جو نعمت مطلق ہے۔ اس پر شکر مطلق چاہیے اور جو مصیبت مطلق دنیوی ہے' اس پر صبر کرنے کا حکم نہیں مثلاً کفر مصیبت مطلق دنیاوی ہے' اس پر صبر کرنے کے کوئی معنی نہیں۔ اسی طرح کسی مصیبت پر صبر کرنے کو جاننا چاہیے بلکہ کافر کو لازم ہے کہ کفر چھوڑ دے اور عاصی پر ضروری ہے کہ عصیاں ترک کر دے۔ ہاں اتنی بات ہے کہ کافر کو یہ کبھی معلوم نہیں ہوتا کہ میں کافر ہوں۔ جیسے کوئی شخص غشی اور بے ہوشی کی وجہ سے اپنا مرض نہیں جانتا اور نہ اس کی تکلیف سے ایذا پاتا ہے تو اس کے ذمہ صبر نہیں اور گنہگار جانتا ہے کہ میں گناہ کرتا ہوں' اس لیے اس پر معصیت کا چھوڑنا واجب ہے بلکہ جو مصیبت کہ آدمی اس کے دور کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو' اس پر صبر کرنے کا مامور نہ ہو گا مثلاً ایک آدمی نے پانی پینا باوجود شدت پیاس کے چھوڑ دیا یہاں تک کہ جان لبوں پر آگئی تو اس کو صبر کی اجازت نہیں دی جائے گی بلکہ پیاس کی تکلیف دور کرنے کا حکم ہو گا۔ صبر کا موقع وہ رنج ہے جس کا دور کرنا بندے کے قابو میں نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں صبر کا موقع مصیبت مطلق نہیں ہے بلکہ ہو سکتا ہے کہ وہ مصیبت جس پر صبر کیا جائے' کسی وجہ سے نعمت بھی ہو۔ جب یہ بات ہوئی تو خیال میں آسکتا ہے کہ ایک ہی موقع پر صبر اور شکر دونوں جمع ہو سکتے ہیں مثلاً تونگری اگرچہ نعمت ہے مگر مال کی وجہ سے مالدار اس کی اولاد کی جان جاتی ہے۔ اسی طرح تندرستی نعمت ہے مگر اس پر بھی کوئی حسد کرے اور مار ڈالے تو وبال ہو سکتی ہے تو جتنی نعمتیں دنیاوی ہیں' وہ نعمت والے کے حق میں مصیبت ہو سکتی ہیں اور علیٰ ہذا القیاس جتنے مصائب دنیا میں ہیں' وہ اہل مصیبت کے حال کے اعتبار سے نعمت ہو سکتے ہیں مثلاً اکثر آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ فقر و مرض بھی ان کو محبوب ہوتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں اگرچہ مصیبت ہیں مگر ان کے حق میں نعمت ہیں۔ اس وجہ سے کہ اگر مال بہت ہوتا اور بدن تندرست رہتا تو اکثر سرکشی اختیار کرتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولو بسط اللہ الرزق (الشوریٰ 27) ترجمہ کنزالایمان: اور اگر اللہ اپنے سب بندوں کا رزق وسیع کر دیتا۔ اور فرمایا کلا ان الانسان لیطغی ان راہ استغنی (العلق 6) ترجمہ کنزالایمان: ہاں بے شک آدمی سرکشی کرتا ہے اس پر کہ اپنے آپ کو غنی سمجھ لیا۔

حدیث:- حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ ایماندار کو دنیا سے بچاتا ہے باوجود یکہ وہ بندہ دنیا کو اچھا جانتا ہے جیسے کوئی اپنے بیمار کو پانی سے بچاتا ہے اور یہی حال زوجہ اور اولاد اور قریب اور ان تمام اشیاء کا ہے جنہیں ہم نے نعمت کے اقسام میں بیان کیا ہے' سوائے ایمان اور حسن خلق کے کہ بعض کے حق میں یہ بھی مصیبت ہو سکتے ہیں' اس لیے ضروری ہوا کہ ان کے بالمقابل اشیاء اسی صورت میں ان کے حق میں نعمت ہوں گی مثلاً پہلے گزر چکا ہے کہ تمام چیزوں کی معرفت ایک کمال اور نعمت ہے کیونکہ یہ صفت اللہ کی صفات میں سے ہے مگر بعض صورتوں میں یہی نعمت وبال ہو جاتی ہے۔ اس وقت لاعلمی بھی نعمت ہے مثلاً انسان اپنی موت کو نہیں جانتا کہ کب ہو گی تو ہر شے کا علم نعمت کمال ہے مگر موت کا نہ جاننا نعمت ہے اس لیے کہ اگر وقت موت معلوم کر لے تو زندگی تلخ ہو جائے اور بڑا تردد ہو اور کوئی کام نہ کر سکے۔ اسی طرح لوگوں کے دلوں کے اعتقاد کا اپنی نسبت اور اپنے اقارب کی نسبت نامعلوم ہونا نعمت ہے کیونکہ اگر اعتقاد معلوم ہو جائیں تو بہت رنج اور کینہ اور حسد پیدا ہو گا

اور بدلہ لینے کے لیے آمادہ ہونا پڑے گا۔ اسی طرح دوسرے کی بری صفات کا نہ جاننا بھی نعمت ہے کیونکہ اگر ان کو جان لیا جائے تو اس سے بغض رکھے گا اور اس کو ایذا دے گا اور یہی ایذا سبب خرابی دین و دنیا کی ہوئی بلکہ دوسروں کی صفات نہ جاننا بھی داخل نعمت ہیں کیونکہ بعض اوقات ایک شخص خوامخواہ دوسرے کو ایذا دیتا اور اس کی اہانت چاہتا ہے اور اگر وہ ولی اللہ ہو تو ناواقفی میں اگر اس کو ایذا دے گا تو اتنا گناہ نہ ہوگا جتنا جاننے کے بعد ایذا دینے سے ہوگا اس لیے کہ جو بدبخت کسی نبی اللہ اور ولی اللہ کو جان کر ستائے تو وہ سخت گناہ گار ہے اور جو ناوانستہ ایذا دے تو گناہ کم ہے۔ علی ہذا القیاس اللہ تعالیٰ نے جو قیامت اور لیلتہ القدر اور جمعہ کی ساعت کو خفیہ رکھا اور بعض کبیرہ گناہ کو مبہم رکھا تو یہ بھی نعمت ہے اس لیے کہ اس کے خفیہ رہنے سے تلاش میں کوشش اور ارادہ زیادہ کرنا پڑتا ہے۔ جب نہ جاننے کی صورت میں نعمت الٰہی کا یہ حال ہو تو علم اشیاء میں کیسے نعمت نہ ہوگی اور ہم نے یہ جو کہا ہے کہ ہر ایک موجود چیز میں اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے تو یہ درست ہے اور ایک کے حق میں عام ہے اور اس سے کوئی شے خارج نہیں رہتی مگر ایسی تکلیفات اس سے خارج ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بعض میں پیدا کیا ہے حالانکہ وہ بھی کبھی ایذا پانے والے کے حق میں نعمت ہوتی ہے۔

مثال :۔ اگر کسی کو معصیت کی وجہ سے تکلیف پہنچے یعنی اپنا ہاتھ آپ ہی کاٹ لے اور اپنے چہرے کو آپ ہی گو دے تو اس فعل سے مرتکب گناہ بھی ہوگا اور درد بھی پائے گا اور کافروں کا رنج آتش دوزخ میں بھی نعمت ہے مگر ان کے حق میں نعمت نہیں بلکہ ان کے غیروں کے حق میں ہے کیونکہ ایک قوم کی مصیبت سے دوسرے کے بہت فائدے ہوتے ہیں۔ اگر بالفرض اللہ تعالیٰ عذاب کو پیدا نہ فرماتا اور اس سے کسی کو عذاب نہ کرتا تو جن کو نعمت عنایت ہوتی ہے' وہ قدر نعمت نہ جانتے اور نہ اس کی جنت سے خوش ہوتے' اس لیے کہ ان کی بہت سی خوشی اسی طرح ہوگی کہ دوزخ والوں کا رنج سوچیں گے اور دنیا دار آفتاب کی روشنی دیکھ کر باوجود شدت حاجت کے اس سے خوش نہیں ہوتے کیونکہ یہ نعمتیں سب پر عام ہے اور کسی سے روک نہیں دی جاتی۔ اسی طرح آسمان کے ستاروں کو دیکھ کر خوش نہیں ہوتے حالانکہ کوئی باغ دنیا میں اچھا نہیں جس کی تعمیر میں جان و مال خرچ نہ کریں لیکن چونکہ آسمان کی آرائش عام ہے' اس لیے اس سے واقف نہیں نہ اسے نعمت سمجھتے ہیں کہ جسے دیکھ کر وہ خوش ہوں۔

ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیز بھی پیدا کی ہے اس میں کوئی حکمت ضرور ہے اور اس میں نہ صرف حکمت بلکہ اس میں کوئی فائدہ بھی ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مصیبت کو پیدا کیا ہے' اس میں بھی نعمت ہے خواہ اہل مصیبت پر ہو یا ان لوگوں پر جو اس مصیبت میں مبتلا نہیں اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس حالت کو نہ بلائے مطلق کہہ سکتے ہیں' نہ نعمت مطلق۔ اس طرح کی حالت میں بندے کو صبر اور شکر دونوں کرنے پڑیں گے۔

سوال :۔ صبر اور شکر اکٹھے کیسے ہوں گے۔ وہ دونوں تو ایک دوسرے کی ضد ہیں اس لیے کہ صبر غم پر ہوتا ہے اور

شکر خوشی پر تو ان دونوں کا یکجا جمع ہونا کیسا؟

جواب :- ایک ہی چیز سے بعض اوقات غم بھی ہوتا ہے اور خوشی بھی تو غم کے لیے صبر ہوگا اور خوشی کے لیے شکر مثلاً فقر اور مرض اور خوف اور مصیبت میں اگرچہ رنج ہوتا ہے' مقتضی صبر ہے مگر پانچ باتیں ایسی ہیں کہ سمجھدار کو ان پر خوش ہونا چاہیے اور ان پر شکر کرنا چاہیے۔ (1) جو مصیبت اور مرض ہے' اس سے بڑھ کر بھی کوئی دوسرا مرض اور مصیبت ممکن ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں کسی کو دخل نہیں تو اگر بالفرض اس مرض اور مصیبت کو دوگنا کر دے تو کوئی کیا کر سکتا ہے اور کون مانع ہو سکتا ہے تو ہر مرض و مصیبت پر شکر کرنا چاہیے کہ صرف اسی قدر پر اللہ تعالیٰ نے جتلا کیا۔ اس سے زیادہ مصیبت نہ بھیجی۔ (2) یہ مصیبت دنیا ہوئی دین کی نہیں' یہ بات بھی لائق شکر ہے۔

حکایت :- کسی نے حضرت سہل تستری رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ میرے گھر میں سے ایک چور تمام اسباب لے گیا۔ آپ نے اس کو فرمایا کہ اللہ عزوجل کا شکر کر اگر شیطان تیرے دل میں گھس کر توحید کو بگاڑ دیتا تو تو کیا کرتا۔ اسی پر خیریت ہے۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام نے اپنی دعا میں کہا کہ الٰہی مصیبت میرے دین میں نہ ہو۔

حضرت عمر بن خطاب فرماتے ہیں کہ کوئی مصیبت ایسی نہیں جس میں اللہ تعالیٰ کے چار انعام نہ ہوں۔ (1) وہ مصیبت کسی کے دین پر نہ ہو۔ (2) اس مقدار پر ہوئی زیادہ نہ ہوئی یعنی مصیبت جتنی آئی وہی کافی رہی۔ (3) اس پر راضی رہنے سے محروم نہ فرمایا۔ (4) اس پر توقع ثواب ہو۔

کسی اہل دل کا کوئی دوست تھا' اس کو بادشاہ نے مقید کیا۔ اس نے یہ خبر ان بزرگ کو کہلا بھیجی اور شکوہ لکھا۔ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ اللہ کا شکر کرو بادشاہ نے قید دی اور مروایا۔ اس نے پھر شکایت لکھی۔ انہوں نے اسے صبر کی تلقین کی۔ اسی دوران ایک مجوسی قیدی ہو کر آیا جو بیچارہ دستوں کی بیماری میں بھی جتلا تھا۔ بحکم خدا عزوجل اسے اسی مسلمان قیدی کے ساتھ ایک ہی بیڑی میں بندھوایا یعنی بیڑی کا ایک سرا مسلمان کے پاؤں میں' دوسرا مجوسی کے پاؤں میں۔ اس نے یہ ماجرا بھی کہلا بھیجا۔ انہوں نے فرمایا کہ شکر الٰہی عزوجل کر۔ پھر وہ مجوسی پاخانے کے واسطے بہت دفعہ اٹھتا اور اس شخص کو بھی اس کے ساتھ اٹھنا پڑتا اور وقت فراغت تک اس کے سر پر کھڑا رہنا پڑتا۔ اس تکلیف کو بھی اس نے بزرگ کی خدمت میں لکھا۔ انہوں نے فرمایا کہ شکر کر۔ اس نے دل تنگ ہو کر لکھا کہ کہاں تک شکر کیے جاؤں' اس مصیبت سے بڑھ کر کونسی مصیبت ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جو زنار مجوسی کی کمر میں ہے' اگر تیری کمر میں ڈال دیا جاتا تو تو کیا کرتا؟ (یعنی کفر کا لباس)

معلوم ہوا کہ جو انسان جتلائے مصیبت ہوتا ہے' اگر وہ خوب غور سے تامل کرے کہ میں نے ظاہر و باطن میں اپنے آقا کے حق میں کتنی بے ادبی کی ہے تو اسے معلوم ہوگا کہ جس قدر مصیبت پہنچی' وہ کم ہے ورنہ میں اس سے

زیادہ کا مستحق تھا یعنی جس قدر جرم تھا' اس قدر سزا نہیں دی مثلاً سو کوڑے کے قابل گستاخی تھی تو صرف دس ہی لگے یا دونوں ہاتھ کاٹے جانے کے لائق سزا تھی مگر ایک ہی کٹا تو ظاہر ہے کہ مقام شکر ہے۔

حکایت :- ابو یزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کے حال میں لکھا ہے کہ کسی کوچے میں تشریف لے جا رہے تھے۔ اوپر سے کسی نے راکھ کا طشت آپ پر ڈال دیا۔ آپ نے جناب الٰہی عزوجل میں سجدہ شکر کیا۔ لوگوں نے پوچھا کہ سجدہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے انتظار اپنے اوپر آگ گرنے کا تھا تو صرف راکھ کا گرنا میرے حق میں نعمت ہے۔ ایک بزرگ سے کسی نے درخواست کی کہ آپ دعائے استسقاء کے لیے باہر نکلئے' بارش مدت سے بند ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ تم بارش میں تاخیر جانتے ہو اور میں پتھر کی بارش میں تاخیر سمجھتا ہوں یعنی بد اعمال قابل پتھر برسنے کے ہیں۔ گویا تاخیر عذاب کا ہونا انعام ہے' اس لیے میں طلب باران کے لیے نہیں چلتا کہ مقام شکر میں اظہار مصیبت کو گنجائش نہیں۔

سوال :- مصیبت میں خوش کیسے ہوں کیونکہ دیکھتے ہیں کہ بعض لوگوں نے ہم سے زیادہ گناہ کیے ہیں اور ہماری جیسی مصیبت ان پر نہ آئی یہاں تک کہ بار بار کفر کرتے ہیں مگر ہماری طرح مبتلائے مصیبت نہیں ہوتے؟

جواب :- کافر کے لیے تو بہت زیادہ مصائب ہوں گے۔ آج نہ سہی بعد موت ضرور آئیں گے اور دنیا میں اس کو مہلت اس لیے ہے کہ گناہ زیادہ کرلے تاکہ عذاب بہت شدید دیا جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے انما نملی لھم لیزدادوا اثما (آل عمران 178) ترجمہ کنزالایمان : بھلا ہے ہم تو اسی لئے انہیں ڈھیل دیتے ہیں کہ اور گناہ میں بڑھیں۔

تتمہ جواب اور ازالہ وہم :- یہ کہاں سے معلوم ہو کہ کوئی گنہگار ہم سے زیادہ خطاوار ہے مثلاً شرابی اور زانی کو کچھ نہ ہوا تو کیا ہوا' اس سے بھی بڑھ کر ہوتے ہیں تو دنیا میں کچھ نہیں ہوتا مثلاً اللہ تعالیٰ کی گستاخی اور اس کی صفات کی بے ادبی۔ یہ جرائم شراب و زنا سے کئی گنا بڑھ کر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہے و تحسبونہ ھینا وھو عنداللہ عظیم (النور 15) ترجمہ کنزالایمان : اور اسے سہل سمجھتے تھے اور وہ اس کے نزدیک بڑی بات ہے۔

اس تقریر کے بعد اندازہ لگائے کہ کیسے معلوم ہوا کہ دوسرا شخص ہم سے زیادہ خطاوار ہے۔ پھر اگر بالفرض واقع میں کسی کا گناہ زیادہ ہو تو ہو سکتا ہے کہ اس کی سزا آخرت میں زیادہ ہو اور اس کی دنیا میں تو یہ بات بھی قابل شکر ہے کہ مواخذہ اخروی سے نجات ملی۔

یہ تیسری وجہ شکر ہے یعنی جو سزائے جرم ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ آخرت تک ملتوی رہے اور دنیا کی مصیبت کے تو چند اسباب ایسے بھی ہو سکتے ہیں جن سے وہ سہل اور خفیف ہو جائے مگر آخرت کی مصیبت اول تو دائمی ہوتی ہے اور دائمی نہ ہو تو اتنا ضرور ہے کہ اس میں کچھ تخفیف نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کہ اسباب تسلی کے عذاب والوں سے آخرت میں بالکل جدا ہو جاتے ہیں تو تخفیف کہاں سے آئے اور یہ بھی ثابت ہے کہ جس کو عذاب دنیا میں ہو

چکا اسے دوبارہ عذاب نہ ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب بندہ گناہ کرتا ہے اور اس پر کوئی شدت یا مصیبت دنیا میں پہنچ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس بات سے راضی بھی ہے کہ اس کو دوبارہ عذاب دے۔

وجہ شکر 4:۔ یہ مصیبت و بلا لوح محفوظ میں لکھی ہوئی تھی کہ فلاں پر آئے گی اور اس کا پہنچنا ضروری تھا اور جب وہ پہنچ گئی خواہ تھوڑی ہو یا سب تو جس قدر سے فراغت و راحت ہوگی' وہ نعمت ہوگی۔

وجہ شکر 5:۔ مصیبت کا ثواب مصیبت سے بڑھ کر ہے اس لیے کہ دنیا کے مصائب دو وجہ سے آخرت کی راہ ہیں۔ جیسے سے بدمزہ اور تلخ دوائیں مریض کے حق میں نعمت ہیں اور لوازم کھیل و کود سے روک دینا بچے کے حق میں نعمت ہے کیونکہ مثلاً اگر لڑکے کو اس کی طبیعت پر چھوڑ دیا جائے اور کھیل میں مصروف رہنے دیں تو علم و ادب کیسے سیکھے گا۔ تمام عمر ضائع ہو جائے گی۔ اسی طرح مال اور اہل اور اقارب اور اعضاء یہاں تک کہ آنکھ بھی کہ تمام اشیاء سے عزیز تر ہے۔ کبھی سبب ہلاک بعض احوال میں ہو جاتی ہے بلکہ عقل جو سب سے زیادہ عزیز تر ہے' کبھی سبب ہلاک ہوتی ہے مثلاً ملحد لوگ تو عقل ہی سے تباہ ہوئے' اس لیے قیامت میں تمنا کریں گے کہ وہ مجنون اور بچے ہوتے تو خوب ہوتا ہم نے اپنی عقلوں سے کیوں کام لیا اور اللہ تعالیٰ کے دین میں اگر عقل بموجب تصرف نہ کرتے تو اچھا تھا۔ ان سب اسباب کی ہر ایک چیز میں انسان کے لیے دینی بہتری بھی ہو سکتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن کر کے ان اشیاء میں دینی بہتری مان لے اور اس پر شکر بجالائے' اس لیے کہ اس کی حکمت بہت وسیع ہے اور بندوں کی مصلحت کو وہ ان کی بہ نسبت زیادہ جانتا ہے اور قیامت کے دن بندے جب دیکھیں گے کہ مصیبت پر ثواب ملتا ہے تو شکر نعمت کریں جیسے بچہ عقل کے بعد اپنے باپ اور استاد کا شکر مارنے اور ادب سکھانے پر کرتا ہے کیونکہ ثمرہ تادیب اور تکلیف اس وقت پاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مصیبت کا آنا بھی تادیب اور عنایت بندوں کے حال پر ہے اور یہ عنایت الٰہی باپ کی عنایت سے زیادہ اور کامل تر ہے۔ اس کو محض خیر و برکت جاننا چاہیے۔

کسی نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ وصیت فرمایئے۔ آپ نے فرمایا کہ جو حکم الٰہی تیرے اوپر ہو' اس میں اللہ تعالیٰ پر بدگمانی نہ کرے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم آسمان کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے اس سے تعجب ہوا کہ ایماندار کے لیے اللہ تعالیٰ کا حکم اگر اس کی آسائش کا حکم ہو تو راضی رہتا ہے اور اس کے حق میں بہتر ہوتا ہے۔ اگر اس کی تکلیف کا ہو تب بھی راضی رہتا ہے اور اس کے حق میں مفید ہوتا ہے۔

وجہ 2:۔ مہلک خطاؤں کی جڑ دنیا ہے اور سب اسباب نجات کی اصل دنیا سے دل علیحدہ رکھنا اور ظاہر ہے کہ اگر نعمتیں دنیاوی مراد کے موافق بلا مصیبت ملا کریں تو اس سے دل کو دنیا کی طرف میلان اور اس کے اسباب کے ساتھ انس ہو جاتا ہے یہاں تک کہ دنیا مثل جنت ہوتی ہے تو مرنے کے وقت اس کے اسباب کی جدائی بڑی مصیبت ہو جاتی ہے اور اگر مصیبتیں آتی رہیں تو دل اس کی طرف سے کھٹا ہو جاتا ہے' نہ اس سے الفت ہوتی ہے' نہ رغبت

بلکہ دنیا مثل زندان کے ہو جاتی ہے کہ یہاں سے چھوٹنا گویا قید سے چھوٹنا تصور کرتا ہے اور دنیا سے خلاصی کو لذت پاتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے الدنیا سجن المومن وجنته الکافر ترجمہ: دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے۔ کافر اس کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے روگرداں ہو کر صرف دنیا کی زندگی کا خواہاں ہو اور اسی پر اطمینان رکھے اور مومن وہ جو دل سے دنیا سے روگرداں ہو اور اس سے نکلنے کا مشتاق ہو اور کفر کچھ ظاہر ہوتا ہے اور کچھ پوشیدہ اور جس قدر محبت دنیا کی دل میں ہوتی ہے' اسی قدر شرک خفی بھی اس میں رہتا ہے۔ موحد مطلق وہ ہے جو واحد مطلق کو محبوب جانے۔ خلاصہ یہ کہ مصیبت میں ان پانچوں وجہ سے نعمت بھی ہوتی ہے' اس لیے ان پر خوش ہونا ضروری ہے اور رنج کرنا تو ظاہر ہے کہ ہوتا ہی ہے اور رنج میں خوش ہونے کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کو پچھنے لگوانے ہوں اور دوسرا شخص مفت لگائے یا کسی مرض میں دوا کڑوی مفت پلائے تو ظاہر ہے کہ پچھنے اور کڑوی دوا سے تکلیف ہوتی ہے مگر اس پر بیمار صبر کر کے معالج کا شکر گزار ہوتا ہے اس لیے کہ مفت علاج ہونے کی خوشی ہوتی ہے۔ اسی طرح کو مصیبت امور دنیاوی میں ہوتی ہے۔ اس کو کڑوی دوا کی طرح جاننا چاہیے جو سردست تکلیف دیتی ہے اور انجام کو راحت پہنچاتی ہے بلکہ اگر کوئی سیر کے لیے کسی بادشاہ کے محل میں جائے اور جان لے کہ یہاں سے واپس جانا پڑے گا اور وہاں کوئی اچھی صورت دیکھے جو اس کے ساتھ وہاں سے نکلنے والی نہیں ہے اور اس کے ساتھ انس کرے تو یہ بات اس پر وبال اور مصیبت ہے کہ ایسی جگہ انس کرتا ہے جہاں ٹھہرنے کا مقام نہیں۔ اگر اپنے دل میں یہ خطرہ ہو کہ ایسا نہ ہو کہ بادشاہ کو اطلاع ہو تو وہ سزا دے اور اس خطرہ کی وجہ سے اس مقام سے نفرت کرے گا۔ یہ اس کے حق میں نعمت ہوگی۔ اس طرح دنیا بھی ایک مکان ہے جس میں ماں کی رحم سے داخل ہوتے ہیں اور لحد کے پھاٹک سے نکل جاتے ہیں تو جس قدر کہ ان کا انس اس مقام سے ثابت ہوگا' اسی قدر ان کے حق میں وبال و مصیبت ہے اور جس قدر دل اس کی طرف مائل رہے گا اور رغبت نہ ہوگی اسی قدر نعمت ہے تو جو شخص اس کو امر جانتا ہے' وہ تو بلا پر بھی شکر کرے گا اور جو بلا میں ان نعمتوں سے واقف ہے' اس کا شکر گزار ہونا ناممکن ہے کیونکہ شکر بعد معرفت نعمت کے ہوتا ہے اور جس کو اس امر کا اعتقاد نہیں کہ مصیبت کا ثواب مصیبت سے بڑھ کر ہے وہ مصیبت پر شکر کیوں کرنے لگا؟

حکایت :۔ ایک اعرابی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے والد ماجد کی وفات میں ایک قطعہ تعزیت لکھا:۔

اصبر نکن لک صابرین فانما۔ صبر الرعیته بعد صبر الراس خیر من العباس اجرک بعدہ۔ واللہ خیر منک للعباس ترجمہ :۔ صبر کیجئے ہم بھی صبر کریں گے اس لیے کہ سردار کے صبر پر ہی رعیت صبر کرتی ہے۔ اس کے بعد تیرا اجر عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہتر ہوگا بخدا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے تیرا اجر عظیم ہوگا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس شخص کی تعزیت سے بہتر اور کسی نے میری تعزیت نہیں کی۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ من یرد اللہ بہ خیرا یصبب منہ ترجمہ: جس کے لیے اللہ

تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے مصیبت دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جب میں اپنے بندے پر بدن یا مال یا اولاد کی مصیبت بھیجتا ہوں اور وہ اس کو صبر جمیل کے ساتھ سہتا ہے تو قیامت کے دن مجھے حیا آتی ہے کہ ایسے شخص کے عمل کے لیے ترازو کھڑی کروں یا دفتر اعمال کھولوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی پر کوئی مصیبت آتی ہے اور وہ حکم الٰہی کے بموجب انا للہ وانا الیہ راجعون کہہ کر اللھم اجرنی فی مصیبتی واعقبنی خیرا منھا کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ ویسا ہی کرتا ہے اور فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس شخص کی میں دونوں آنکھیں لے لیتا ہوں تو اس کا بدلہ یہ ہے کہ وہ میرے گھر میں ہمیشہ رہے گا میرا دیدار کرتا رہے گا۔

صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرا مال جاتا رہا اور جسم بیمار ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جس بندے کا مال نہ جائے اور مریض نہ ہو اس میں بہتری نہیں اللہ تعالیٰ جس بندے کو دوست رکھتا ہے تو اس کو مبتلا کرتا ہے اور جب مبتلا کرتا ہے تو صبر عنایت فرماتا ہے۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ کسی کے لیے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک درجہ ہوا کرتا ہے جس پر وہ عمل کے باعث نہیں پہنچ سکتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ اس کے جسم پر کوئی مصیبت بھیج دیتا ہے کہ اس کے باعث وہ درجہ اس کو مل جاتا ہے اور خباب بن ارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہم حاضر ہوئے' آپ اس وقت اپنی چادر مبارک کا تکیہ لگائے خانہ کعبہ کے سایہ میں تشریف رکھتے تھے۔ ہم نے آپ سے شکایت کی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ اللہ عزوجل سے ہمارے لیے دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ ہماری مدد کرے آپ کے رخسار مبارک سرخ ہو گئے اور اٹھ بیٹھے اور فرمایا کہ تم سے پہلے لوگوں میں بعض لوگ ایسے تھے کہ زمین کھود کر ان کو گاڑ دیتے تھے اور سر پر آرا رکھ کر چیر ڈالتے تھے مگر باوجود اس کے وہ لوگ اپنے دین سے نہیں پھرتے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ جس شخص کو بادشاہ ظلم سے قید کر دے اور وہ مر جائے تو شہید مرے گا اور اگر اس کو اتنا مارے کہ مر جائے' تب بھی شہید ہو گا۔

حدیث شریف:۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ من اجلال اللہ و معرفۃ حقہ ان لا تشکو وجعک ولا تذکر مصیبتک ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی بزرگی اور معرفت کے حقوق میں سے ہے کہ نہ تو درد کی شکایت کی جائے اور نہ ہی مصیبت کا ذکر کیا جائے۔

اقوال اسلاف صالحین:۔ حضرت ابو الدردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تم موت کے لیے پیدا ہوئے ہو اور اسی کے لیے عمارت بناتے ہو' فانی چیز کے حریص اور باقی کے تارک آگاہ ہو کہ یہ تینوں مکروہات بہت عمدہ اشیاء ہیں یعنی فقر اور مرض اور موت۔ (2) حضرت انس فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو

کسی بندے کی بہتری منظور ہوتی ہے اور اس سے دوستی چاہتا ہے تو اس پر مصیبتیں ڈال دیتا ہے اور حوادث کی بوچھاڑ گراتا ہے۔ جب وہ بندہ اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں کہ یہ آواز تو جانی پہچانی ہے اور اگر دوبارہ پکارتا ہے اور یارب کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے "میرا بندہ کیا کہتا ہے' میں موجود ہوں جو کچھ تو مجھ سے مانگے گا' میں دوں گا۔" اگر یہاں تجھ سے کوئی بہتر چیز ہٹا دوں گا تو تیرے لیے اس سے بہتر اپنے پاس رکھ چھوڑوں گا۔ جب قیامت کا دن ہوگا تو عمل والے حاضر ہوں گے اور ان کے اعمال نماز و روزہ اور صدقہ اور حج سب ترازو میں تولے جائیں گے اور پورا پورا ثواب عنایت ہوگا مگر جب مصیبت والے آئیں گے تو ان کے لیے نہ ترازو کھڑی ہوگی' نہ نامہ اعمال کھولا جائے گا اور ثواب ان پر ایسے ہی ڈالا جائے گا جیسے بلا ڈالی گئی تھی۔ اس وقت جن لوگوں کو دنیا میں عافیت رہی تھی' یہ تمنا کریں گے کہ کیا خوب ہوتا جو ہمارے جسم مقراضوں سے کاٹے جاتے اور ایسا ثواب ہم کو عنایت ہوتا جیسا اہل مصائب کو ملا۔ قرآن میں ہے۔ انما یوفی الصبرون اجرھم بغیر حساب (الزمر 10) ترجمہ کنزالایمان: صابروں ہی کو ان کا ثواب بھرپور دیا جائے گا بے گنتی۔

حکایت:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی نبی نے جناب باری میں شکایت کی کہ الٰہی بندہ مومن تیری اطاعت کرتا ہے اور گناہوں سے اجتناب کرتا ہے مگر تو اس سے دنیا کو علیحدہ رکھتا ہے اور مصیبت بھیجتا ہے اور بندہ کافر تیری اطاعت نہیں کرتا اور گناہوں پر جرات کرتا ہے۔ اس سے تو بلا دور رکھتا ہے اور دنیا بہت زیادہ دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی بھیجی کہ بندے بھی میرے ہیں اور بلا بھی میری اور ہر ایک میری حمد میں تر زبان ہے۔ وجہ یہ ہے کہ بندہ مومن پر گناہ ہوتے ہیں' اس لیے میں اس سے دنیا کو دور رکھتا ہوں اور بلا بھیج دیتا ہوں کہ ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے یہاں تک کہ میرے پاس آئے تو اس کی نیکیوں کا بدلہ عطا کروں اور کافر کی کچھ نیکیاں ہوتی ہیں' اس لیے میں اس کو رزق زیادہ دیتا ہوں اور بلا کو اس سے علیحدہ رکھتا ہوں کہ اپنی نیکیوں کا بدلہ دنیا میں حاصل کرے اور جب میرے پاس آئے تو اس کو سئیات کی سزا دوں۔ آیت اتری من یعمل سوء یجزبہ تو حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کیا کہ اس آیت کے بعد خوشی کس طرح ہوگی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوبکر اللہ تجھے معاف کرے' کیا تو بیمار نہیں ہوتا یا تجھے کوئی ایذا نہیں پہنچتی کہ جس پر غم ہوتا ہو۔ یہی بدلہ ہے تمہارے اعمال کا یعنی جمیع مصائب تمہارے گناہ کا کفارہ ہوتے ہیں۔ عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کسی کو دیکھو کہ اللہ تعالیٰ اس کی مراد دیئے جاتا ہے اور وہ اپنی خطا پر مصر ہے تو جان لو کہ یہ امر اس کے مہلت دینے کے لیے ہے۔ اس کے بعد یہ آیت پڑھی فلما نسوا ما ذکروا بہ فتحنا علیھم ابواب کل شئی حتی اذا فرحوا بما اوتوا اخذنھم بغتۃ فاذا ھم مبلسون (الانعام 44) ترجمہ کنزالایمان: پھر جب انہوں نے بھلا دیا جو نصیحتیں ان کو کی گئی تھیں۔ ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے۔ یہاں تک کہ جب خوش ہوئے اس پر جو انہیں ملا تو ہم نے اچانک انہیں پکڑ لیا۔ یعنی جب انہوں نے امر کے بموجب کام کرنا چھوڑ دیا تو ہم نے ان پر ہر طرح کی بہتری کے دروازے کھول دیئے۔ یہاں تک کہ جب وہ اس

بہتری سے خوش ہوئے تو ایک دفعہ ہی ان کو ماخوذ کر لیا۔

حکایت:۔ حضرت حسن بصری علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے صحابہ علیہم الرضوان سے ایک عورت دیکھا جس کو جاہلیت میں جانتے تھے۔ اس سے کچھ گفتگو کر کے چھوڑ دیا اور چلتے جاتے تھے اور اس کی طرف پھر کر دیکھتے جاتے تھے۔ اسی اثنا میں سامنے سے ایک دیوار کا دھکا جو ان کو لگا تو منہ پر نشان ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کی بہتری چاہتا ہے تو اس کی سزا دنیا میں اسے دے دیتا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں تم کو ایک آیت قرآن مجید کی ایسی بتائے دیتا ہوں جو سب آیات سے زیادہ توقع کی ہو۔ دوستوں نے عرض کیا کہ فرمایئے۔ آپ نے یہ آیت پڑھی ماا صابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم ویعفو عن کثیر (الشوریٰ 30) ترجمہ کنزالایمان: تمہیں جو مصیبت پہنچی وہ اس کے سبب سے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کمایا اور بہت کو تو معاف فرما دیتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ دنیا کے مصائب گناہوں کی وجہ سے ہوا کرتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ بندے کو دنیا میں سزا دے لیتا ہے تو پھر دوبارہ عذاب نہیں ہوگا۔ اگر دنیا میں معاف کر دیا تو پھر اس کا کرم اس کا مقتضی نہیں کہ قیامت میں سزا دے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل کے دو گھونٹوں سے زیادہ بندے کا کوئی گھونٹ محبوب تر نہیں۔ غصے کا گھونٹ کہ حلم کی وجہ سے پی جائے۔ مصیبت کا گھونٹ جو صبر کے سبب سے پی جائے اور نہ کوئی قطرہ محبوب تر اللہ تعالیٰ کے نزدیک دو قطروں سے ٹپکتا ہے۔ قطرہ خون جو اس کی راہ میں گرے۔ قطرہ اشک جو شب تاریک میں بندے کی آنکھ سے سجدے کی حالت میں گرے اور اس کو سوائے اللہ عزوجل کے اور کوئی نہ دیکھتا ہو اور نہ کوئی قدم بندے کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک دو قدموں سے محبوب تر ہے۔ (1) قدم فرض نماز کے لیے۔ (2) قدم رشتہ داروں کو سلامت کرنے کے لیے۔

حکایت:۔ حضرت سلیمان بن داؤد علیہم السلام کے صاحبزادے نے وفات پائی۔ آپ کو نہایت قلق ہوا۔ آپ کے پاس دو فرشتے آئے۔ آپ کے سامنے دو زانو بیٹھ گئے۔ جیسے دو مدعی اور مدعا علیہ ہوں۔ ایک نے عرض کیا کہ میں نے کھیت بویا تھا' جب وہ تیار ہوا تو اس نے پامال کر دیا۔ آپ نے دوسرے سے فرمایا کیا جواب ہے؟ اس نے عرض کیا کہ میں ایک راستہ طے کر رہا تھا' اسی کھیت پر گزر ہوا۔ دائیں بائیں ہر طرف دیکھ کر معلوم کیا تو راہ کھیت میں تھی۔ وہاں سے گزرا۔ آپ نے مدعی سے فرمایا کہ تو نے راستے میں بیج کیوں ڈالا تھا' تجھے معلوم نہیں تھا کہ لوگوں کے لیے راستہ ضروری ہے۔ اس نے عرض کیا کہ پھر آپ اپنے بچے پر غم کیوں کرتے ہیں۔ آپ کو معلوم نہیں کہ موت آخرت کی سڑک ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے توبہ کی اور پھر کبھی لڑکے پر رنج نہ کیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہما اپنے بیمار لڑکے کے پاس گئے اور فرمایا کہ جان پدر اگر تو میری ترازو میں

ہو تو میرے نزدیک اس سے اچھا ہے کہ میں تیری ترازو میں ہوں۔ اس نے عرض کیا کہ آپ کی مرضی کے موافق اگر ہو تو میرے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ میری مرضی کے موافق ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر تو وفات پائے اور میں صبر کروں تو اس سے اچھا ہوں کہ میں وفات پاؤں اور تو صبر کرے یعنی جزائے صبر میرے نامہ اعمال میں رہے اور لڑکے کے جواب کا خلاصہ ظاہر ہے کہ جو بات والد کو محبوب دیکھی' اس کو محبوب جانا۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ کسی نے ان کی دختر کی وفات کی خبر سنائی۔ آپ نے انا للہ وانا الیہ راجعون (البقرہ 156) ترجمہ کنزالایمان: ہم اللہ کے مال ہیں اور ہم کو اسی کی طرف پھرنا۔ پڑھ کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک عیب کو چھپایا اور مشقت کو ٹالا اور ثواب پہنچایا۔ پھر دو رکعت نماز پڑھ کر فرمایا کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا' وہ ہم کر چلے یعنی اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ (البقرہ 45) ترجمہ کنزالایمان: اور صبر اور نماز سے مدد چاہو۔ تو ہم نے دونوں باتیں ادا کیں۔

حضرت ابن مبارک علیہ الرحمہ کا ایک لڑکا فوت ہو گیا تھا۔ ایک مجوسی نے بطور تعزیت یہ جملہ ان کی خدمت میں عرض کیا کہ عاقل کو چاہیے کہ آج وہ کام کرے جو جاہل چند روز کے بعد کرتا تھا۔ اس سے مراد صبر ہے' آپ نے فرمایا یہ جملہ لکھ لو۔

بعض علماء کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے پر مصیبت ڈالے جاتا ہے حتیٰ کہ وہ زمین پر چلتا ہے اور ایک گناہ بھی اس کے ذمہ نہیں رہتا۔ حضرت فضیل علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جیسے آدمی اپنے گھر والوں کے لیے خیر کا کفیل ہوتا ہے' اللہ عزوجل اپنے بندہ مومن کے لیے بلا کا عہد کر لیتا ہے۔ حاتم اصم رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کے چار طرح کے لوگوں پر قیامت کے دن چار چیزوں میں حجت فرمائے گا توانگروں پر حضرت سلیمان علیہ السلام سے' فقیروں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے' غلاموں پر حضرت یوسف علیہ السلام سے' مریضوں پر حضرت ایوب علیہ السلام سے کہ تم ایسے کیوں نہ ہوئے۔ مروی ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام جب کفار بنی اسرائیل سے علیحدہ ہو کر درخت کے اندر چھپ گئے اور شیطان مردود نے ان کا حال ان سے کہہ دیا تو وہ ایک آرا لائے اور درخت کو چیرنا شروع کیا۔ جب آپ کے سر مبارک پر آرا پہنچا تو آپ نے ایک آہ سرد دل پر درد سے نکالی۔ وحی الٰہی نازل ہوئی کہ اے زکریا علیہ السلام اگر دوبارہ آواز نکلی تو دفتر صابرین سے نام مٹا دوں گا۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے دانتوں تلے زبان دے لی اور صبر کیا یہاں تک کہ دو ٹکڑے ہو گئے۔

حضرت ابن مسعود بلخی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس کو کوئی مصیبت آئے اور وہ اس میں کپڑے پھاڑے یا چھاتی کو پیٹے تو ایسا ہے کہ نیزہ لے کر اللہ تعالیٰ سے لڑنے کو تیار ہوا۔ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو ارشاد فرمایا کہ سونے کا آگ سے امتحان کیا جاتا ہے اور ایماندار کا امتحان مصیبت سے ہوتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو محبوب بناتا ہے تو ان کو مبتلائے مصیبت کر کے امتحان لیتا ہے۔ اس صورت میں جو شخص اس سے راضی رہتا ہے' وہ بھی

اس سے راضی ہے اور جو ناراض ہے' اس سے وہ ناراض ہے۔

احناف بن قیس علیہ الرحمتہ کہتے ہیں کہ ایک دن میری داڑھ میں بہت درد تھا۔ میں نے اپنے چچا سے کہا کہ داڑھ کے درد کی وجہ سے مجھے رات بھر نیند نہیں آئی۔ یہ کلمہ شکایت تین بار میں نے کہا' انہوں نے فرمایا کہ تو ایک رات میں داڑھ کی اتنی شکایت کرتا ہے۔ میری آنکھ تیس برس سے جاتی رہی ہے مگر کسی کو معلوم نہیں۔ حضرت عزیز علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ جب تجھ پر بلا نازل ہو تو میری شکایت مخلوق سے مت کرنا جو کہنا ہو' مجھ سے کہہ میں تیری شکایت اپنے فرشتوں سے نہیں کرتا جس وقت کہ تیرے عیوب و خطائیں میرے پاس آتی ہیں۔

مصیبت کی فضیلت بھی نعمت ہے :۔ مصیبت کے فضائل سن کر شاید کسی کے ذہن میں خیال گزرے کہ ان احادیث مذکورہ بالا سے ثابت ہوتا ہے کہ دنیا میں مصیبت کا نزول ایک نعمت ہے تو پھر انسانوں پر واجب ہو کہ وہ مصیبت کے نزول کا سوال کریں۔ اس غلط خیالی کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ مصیبت کی آرزو ناجائز ہے۔ اس کی کوئی وجہ نہیں جس سے جواز ثابت ہو بلکہ مصائب سے پناہ مانگنے کا حکم ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا و آخرت دونوں کی مصیبت سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء علیہم السلام کی یہ دعا تھی ربنا اتنا فی الدنیا حسنة وفی الاخرة حسنة (البقرہ 201) ترجمہ کنزالایمان : اے رب ہمارے ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور ہمیں آخرت میں بھلائی دے۔ نیز شماتت اعداء وغیرہ سے پناہ مانگتے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ نے اپنی دعا میں فرمایا کہ الٰہی میں تجھ سے صبر کی درخواست کرتا ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم مصیبت کا سوال کرتے ہوئے' اللہ تعالیٰ سے عافیت کی دعا کرو۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگا کرو کیونکہ ایسا کوئی نہیں جس کو عافیت سے عمدہ تر چیز سوائے یقین کے ملی ہو اور یقین سے دل کی عافیت اور صحت مراد ہے جس میں شبہات اور مرض جہل نہ ہو' اس لیے کہ دل کا اچھا رہنا بدن کی تندرستی سے اعلیٰ تر ہے۔ حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ شے کہ جس میں شر نہیں' وہ تندرستی ہے جس میں شکر ہو کیونکہ بعض لوگ نعمت پاتے ہیں مگر اس کا شکر نہیں کرتے۔ مطرف بن عبداللہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے بھی تندرستی ملے اور اس پر میں شکر گزار ہوں تو اس سے بہتر ہے کہ مجھ پر مصیبت آئے اور اس پر صبر کروں۔ ایک دعا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دعا فبنک احب الی یہ امر ظاہر ہے اس میں دلیل کی حاجت نہیں کیونکہ مصیبت دو اعتبار سے نعمت ہو جاتی ہے۔ اس مصیبت کی بہ نسبت جو اس سے بڑی ہو' دنیا میں یا دین میں اور دوسرے اس توقع ثواب کے اعتبار سے جو اللہ تعالیٰ عنایت فرمائے گا۔ اسی لحاظ سے سالک کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے دنیا میں نعمت کامل کی درخواست کرے اور اپنے سے بلا کے دور ہونے کی دعا کرتا رہے۔ نیز اس کی نعمت کی شکر گزاری پر ثواب اخروی کی استدعا کرے کیونکہ وہ اس بات پر قادر ہے کہ شکر کے عوض میں وہ کچھ عطا فرمائے جو صبر میں دیتا ہو۔

سوال :- بعض لوگوں نے ایسے مضمون لکھے ہیں جن سے استدعائے مصیبت کی مشروعیت پائی جاتی ہے مثلاً لکھا ہے کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ دوزخ کا پل ہو جاؤں کہ تمام لوگ مجھ پر گزر کر نجات پائیں اور صرف میں دوزخ میں رہ جاؤں۔ حضرت سمنون کا قول ہے :-

ولیس لی فی سواک جفا۔ فکیفما مشت فاخبرنی ترجمہ : میرے میں تیرے جفا کے سوا کچھ نہیں تم جو چاہو میرا امتحان لے لو۔" یہ اقوال دلالت کرتے ہیں کہ مصیبتوں کی آرزو جائز ہے۔

جواب :- حضرت سمنون عاشق باللہ رحمتہ اللہ علیہ کا حال یہ ہوا کہ اس شعر کے بعد وہ قبض کی بیماری میں مبتلا ہوئے اور مکتبوں کے دروازوں پر تکلیف کے مارے پھرتے اور لڑکوں سے کہتے کہ اب تم اپنے چچا کو لپا ٹپا کیا کرو یعنی امتحان میں پورا نہیں اترا باقی رہی انسان کی محبت کہ فقط اکیلا وہ دوزخ میں رہے اور تمام مخلوق بچ جائے تو یہ ناممکن ہے لیکن کسی کے دل پر غلبہ محبت کبھی اس قدر ہوتا ہے کہ اس جوش محبت میں اپنے نفس کو ایسی باتوں کے لائق سمجھ لیتا ہے کیونکہ شراب عشق میں نشہ ہوتا ہے جو شخص اس کو پیتا ہے' مست ہو جاتا ہے اور عالم مستی میں اس قسم کی باتیں سرزد ہو جاتی ہیں کہ اگر اس کا نشہ جاتا رہے تو خود اس کو معلوم ہو کہ یہ کلام واقعی صحیح نہیں بلکہ یہ فطری حالت تھی۔ ایسے جملوں کو کلام عاشقانہ پر محمول کرنا چاہیے۔ جن کو افراط سے محبت ہوتی ہے اور عاشقوں کا کلام سننے میں اچھا ہوتا ہے مگر ان کی بات قابل اعتبار نہیں ہوتی۔

حکایت :- ایک فاختہ کا نر اس سے وطی کرنا چاہتا تھا' وہ مانع ہوتی تھی۔ اس نے کہا کہ تو مجھ سے کیوں رکتی ہے۔ اگر میں چاہوں تو تیرے لیے سلطان سلیمان زیرو زبر کر دوں۔ یہ بات حضرت سلیمان علیہ السلام نے سنی اور اسے بلا کر عتاب فرمایا۔ اس نے عرض کیا اے نبی اللہ عاشقوں کا کلام قابل گرفت نہیں ہوتا اور واقعی میں ایسا ہی ہے۔ کسی شاعر نے کہا :-

اریدو صالک تربد بجری اریدک بجرک کما ترید

ترجمہ : میں تیرا وصال چاہتا ہوں اور تو ہجر چاہتا ہے۔ اب میں بھی تیرا ہجر چاہتا ہوں جیسے تو چاہتا ہے یعنی تیری مرضی مد نظر ہے۔

یہ مضمون بھی محال ہے اس لیے اس نے لازم آتا ہے کہ جو مرضی محبوب نہیں' اس کا میں طالب ہوں کیونکہ وصل مرضی محبوب کے خلاف ہے جس کا اپنے آپ کو طالب قرار دیا ہے اور پھر کہتا ہے کہ اس کی خواہش کے لیے میں نے اپنی خواہش چھوڑ دی اور ہجر کو چاہنے لگا تو جو شخص وصل کا خواہاں ہے' وہ ہجر کا خواہاں کیسے ہوگا۔ ان دونوں میں تو ضد ہے لیکن اگر تاویل کی جائے دو طرح سے اس کے معنی بن سکتے ہیں۔ یہ صورت بعض اوقات میں پیش آتی ہو تاکہ رضائے محبوب حاصل ہو جو وسیلہ وصال زمان مستقبل ہے۔ اب شعر کا معنی یہ ہوا کہ ہجر وسیلہ رضا ہے اور رضا وسیلہ وصال محبوب اور وسیلہ محبوب بھی محبوب ہوتا ہے۔ ہجر کو پسند کرتا ہے جس طرح کہ مال کا چاہنے والا

ایک درم دے اور بعد چند روز دو درم دے تو وہ دو درم کو چاہتا ہے مگر سردست ایک درم کا تارک ہے۔ اسی طرح عاشق بھی خواہاں وصل ہے مگر سردست اسے ترک کرتا ہے تاکہ آئندہ امید اچھی طرح حاصل ہو۔ عاشق کو صرف رضائے دوست مطلوب ہے۔ اگر اس کو علم ہو کہ دوست مجھ سے راضی ہے تو اتنی لذت پائے کہ اگر مشاہدہ اس کا میسر ہو اور وہ راضی نہ ہو تو اس مشاہدے میں وہ لذت نہ ہو ایسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ اس کی خواہش وہی ہو جو اس میں رضا ہو' اس لیے بعض عاشقان خدا کا حال اس درجہ کو پہنچ گیا۔ جب معلوم کرلیا کہ اللہ تعالیٰ ہم سے اس مصیبت میں راضی ہے اور عافیت میں رضا کا حال معلوم نہیں ہوتا کہ راضی ہے یا نہیں تو مصیبت میں عافیت کی نسبت زیادہ مزہ پاتے ہیں اور بلا کو زیادہ محبوب جانتے ہیں اور غلبہ عشق میں اس حال کا واقع ہونا بعید نہیں مگر یہ حالت قائم نہیں رہتی اور اگر قائم رہتی ہے تو یہ معلوم کرنا کہ صحیح حالت ہے' دوسری کسی حالت کی وجہ سے دل پر وارد ہوگئی ہے اور اس کے باعث دل طریقہ اعتدال سے مائل ہو گیا۔ اس میں شک ہے اور اس کی تحقیق مناسب مقام نہیں غرضیکہ تقریر سابق سے معلوم ہوا کہ عافیت و سلامتی بلا و مصیبت سے بہتر ہے۔ ہم اللہ سے عفو و عافیت کا سوال کرتے ہیں۔

صبر افضل ہے یا شکر:۔ اس کے متعلق صوفیہ کرام کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض صوفیہ کہتے ہیں کہ صبر شکر سے افضل ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ شکر افضل ہے۔ بعض کا قول ہے کہ دونوں برابر ہیں۔ بعض لوگوں کی یہ رائے ہے کہ افضلیت احوال کے اعتبار سے مختلف ہے یعنی بعض احوال میں صبر افضل ہے اور بعض میں شکر اور ان حضرات نے اپنے اپنے قول کی دلیل بھی غیر منتظم سی بیان کی ہے جس سے مطلب کا حصول بعید ہے' اس لیے اس کی نقل سے کوئی فائدہ نہیں بلکہ اظہار حق بہتر ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اس باب میں دو تقریریں ہیں۔ (۱) تقریر مساہلت کے طور پر ہے یعنی صرف ظاہر امر پر لحاظ کرنا اور تفتیش اور تحقیق کے درپے نہ ہونا۔ اس طرح کا بیان عوام کے سمجھانے کے لائق ہے کیونکہ ان کا فہم باریک باتوں کے سمجھنے سے قاصر ہوتا ہے۔ واعظین کے بھی حال کے مناسب ایسا کلام ہے اس لیے کہ ان کا مقصود عوام سے گفتگو کرنے کا یہی ہے کہ ان کی اصلاح ہو جائے جیسے دایہ مشفقہ لڑکے کو مونے اور بڑے جانور اور اقسام اور انواع شیرینی نہیں کھلاتی بلکہ لطیف دودھ سے پرورش کرتی ہے اور یہی سلوک اس کو چاہیے بھی کہ نفیس غذائیں نہ کھلائے۔ جب تک کہ اس میں قوت ہضم کی نہ آئے اور ضعف جسم دور نہ ہو جائے۔ اسی طرح یہ بیان بھی بحث و تفصیل کے لائق نہیں بلکہ صرف شرعی اولہ سے ظاہر مفہوم جو عوام کے لائق سے نکال لیتا ہے اور باعتبار ظاہر جو لحاظ اعتبار کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ صبر افضل ہے۔ اگرچہ فضائل شکر میں بھی بہت سی احادیث وارد ہیں مگر جب ہم فضائل صبر دیکھتے ہیں تو صبر کے فضائل زیادہ پائے جاتے ہیں اور خود الفاظ میں بھی تصریح فضل صبر کی موجود ہے۔ حدیث شریف میں ہے من افضل ما اوتیتم الیقین وعزیمة الصبر ترجمہ: وہ افضل چیزیں جو تم کو دی گئی ہیں' وہ یقین اور صبر کی عزیمت ہے۔"

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن ایک شخص روئے زمین سے زیادہ شاکر بلایا جائے

گا اور اس کو شاکرین کا ثواب عطا ہو گا۔ پھر جو تمام لوگوں سے زیادہ صابر ہو گا' وہ بلایا جائے گا اور اس سے ارشاد ہو گا کہ ہم تجھے اتنا ثواب دیں جتنا اس شاکر کو دیا تو راضی ہو گا' وہ کہے گا راضی ہوں گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ ایسا نہ ہو گا ہم نے تجھ پر نعمت بھیجی تو تو نے شکر کیا اور تجھ کو مبتلائے مصائب کیا تو تو نے صبر کیا۔ ہم تجھے دوگنا ثواب عنایت فرمائیں گے۔ پھر اسے شاکر سے دوگنا ثواب دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انما یو فی الصبرون اجرھم بغیر حساب (الزمر 10) ترجمہ کنزالایمان: صابروں ہی کو ان کا ثواب بھرپور دیا جائے گا بے گنتی۔ حدیث مبارکہ: الشکر بمنزلته الصائم الصابر ترجمہ: یعنی غذا کھانے والا جو شکر کرے وہ ایسا ہے جیسا روزہ دار صابر۔" اس سے بھی فضیلت صبر پائی جاتی ہے اس لیے کہ درجہ شکر کے بڑھانے کو اس کو صبر سے تشبیہ دی اور تشبیہ دینے میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مشبہ بہ رتبہ میں اعلیٰ ہو تو اگر صبر افضل نہ ہوتا تو شکر کو اس کے ساتھ تشبیہ نہ دی جاتی اور یہ تشبیہ ایسی ہے جیسے ان حدیثوں میں ہے کہ الجمعة حج المساکین وجهاد المراة حسن التبعل ترجمہ: جمعہ مسکینوں کا حج ہے اور عورت کا جہاد مرد کے ساتھ نیک سلوک۔"

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شارب الخمر کعابد الوثن ترجمہ: شرابی بت پرست جیسا ہے۔ فرمایا الصبر نصف الایمان ترجمہ: صبر ایمان کا آدھا ہے۔

ان احادیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ شکر صبر کے برابر ہے۔ یہ تو ایسے ہے جیسے فرمایا الصوم نصف الصبر' روزہ صبر کا آدھا ہے۔" بلکہ اصل یہ ہے کہ جس چیز کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ان میں سے ایک کو اس شے کا نصف کہہ دیا کرتے ہیں تاکہ دونوں میں فرق ہو مثلاً کہتے ہیں کہ ایمان علم و عمل کا نام ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عمل نصف ایمان ہے۔ اس سے یہ نہیں پایا جاتا کہ عمل علم کے برابر ہے۔ علاوہ ازیں ایک حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نبیوں میں سے جنت میں حضرت سلیمان علیہ السلام سلطنت کی وجہ سے سب نبیوں کے بعد بہشت میں داخل ہوں گے اور میرے اصحاب میں سے عبدالرحمٰن بن عوف غنا کے سبب سب صحابہ کے بعد جنت میں جائیں گے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام چالیس برس نبیوں کے بعد جنت میں داخل ہوں گے۔ یہ حال تو تونگری کا فرمایا اور فقراء اور اہل مصائب کے بارے میں ارشاد ہے کہ جنت کے تمام دروازوں کے دو کواڑ ہیں مگر صبر کا ایک ہی کواڑ ہے۔ اول جو شخص اس میں داخل ہوں گے' وہ اہل مصائب ہوں گے۔ ان کے پیشوا حضرت ایوب علیہ السلام ہوں گے۔ فضائل فقر سے بھی صبر کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے کہ صبر فقر کے حال کا نام ہے اور شکر دولتمندی کے حال کا نام ہے۔

یہ وہ تقریر ہے کہ عوام اس سے مستفید ہوتے ہیں اور واعظ کے شایان حال ہے۔ اس میں اس قدر بتا دینا کافی ہے کہ اسی میں عوام کے دین کی مصلحت ہے۔ یہ تقریر وہ ہے جس سے اہل علم و بصیرت کو حقائق امور پر بطریق کشف اطلاع دینا مقصود ہے۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ ہر دو مبہم امروں میں باوجود ابہام کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ جب

تک کہ ہر ایک کی حقیقت واضح نہ ہو اور جن چیزوں کی حقیقت کھل جائے اور وہ چند اقسام پر مشتمل ہوں' ان میں بھی ہیئت اجتماعی برابری نہیں ہو سکتی بلکہ ضروری ہے کہ ہر ایک چیز کی ایک ایک فرد کا مقابلہ کیا جائے تاکہ زیادتی معلوم ہو۔ اب صبر اور شکر کو دیکھتے ہیں تو ان کے اقسام اور فروع بہت ہیں' اس لیے کی زیادتی مجملاً" بیان نہیں ہو سکتی بلکہ دونوں کے ہر ہر فرد کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ پھر یہ امر پہلے گزر چکا ہے کہ اسی طرح کے مقامات صبر و شکر ہوں یا اور کوئی تین افراد سے مرکب ہوتے ہیں۔ (1) علوم (2) احوال (3) اعمال اور ان تینوں چیزوں میں سے اگر ایک دوسرے کی مساوات پر غور کریں تو ظاہر کے دیکھنے والوں کو تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ علوم سے مراد احوال ہیں اور احوال کی طلب اعمال کے لیے ہوتی ہے تو اس اعتبار سے اعمال افضل ٹھہرے مگر ارباب عقل کے نزدیک معاملہ برعکس ہے۔ ان کی اعمال سے غرض حصول احوال ہے اور احوال کی طلب علوم معرفت کے لیے کرتے ہیں تو ان کے نزدیک علوم افضل ہیں اور پھر احوال ہیں۔ پھر اعمال کیونکہ جو چیز کسی دوسری چیز کا ذریعہ ہوتی ہے تو وہ دوسری چیز اس سے عمدہ ہوتی ہے اور ان تینوں چیزوں کے جدا جدا افراد کو اعمال کے افراد اگر ایک دوسرے کی نسبت کو دیکھا جائے تو بعض مساوی ہیں اور بعض کم و بیش اسی طرح احوال کے افراد کا حال ہے کہ اگر ان میں بھی ایک دوسرے کی طرف لحاظ کر کے دیکھیں تو برابر ہوں گے یا کم و بیش ایسا ہی افراد علوم و معارف کو سمجھنا چاہیے اور تمام معارف میں سے افضل علوم مکاشفہ ہیں اور یہ علم معاملہ کے علوم سے اعلیٰ اور اشرف ہیں اور علوم معاملہ خود معاملہ کی وجہ سے بھی کمتر ہیں' اس لیے کہ ان کی طلب صرف معاملہ کے لیے ہوتی ہے یعنی ان کا فائدہ اصلاح عمل ہے اور حدیث میں جو فضیلت عالم کی آئی ہے۔ اس سے یہ مراد ہے کہ اس کا علم ایسا ہو جس کا نفع عام ہو۔ یہی وجہ ہے کہ عالم البتہ خاص عبادت کرنے والے سے افضل ہے ورنہ اگر اس کا علم عمل سے کم ہے تو یہ علم عمل سے افضل نہیں ہو سکتا۔ اب ہم کہتے ہیں کہ اصلاح عمل سے فائدہ یہ ہے کہ قلب کی اصلاح ہو اور قلب کی اصلاح کا یہ فائدہ ہے کہ اہل دل پر جلال ذات و صفات و افعال الٰہی منکشف ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ علم مکاشفہ میں بڑا مرتبہ معرفت الٰہی کا ہے اور یہی انتہائے مقصود ہے جو خود نفس نفیس مطلوب ہے اس لیے کہ سعادت اخروی اسی سے نصیب ہوتی ہے بلکہ اصل سعادت یہی ہے کہ دل کو کبھی اس بات کا علم دنیا میں بھی نہیں ہوتا کہ عین سعادت معرفت الٰہی ہے بلکہ آخرت میں اس سے واقف ہوتا ہے غرضیکہ معرفت الٰہی سب میں عمدہ چیز ہے۔ اس پر کچھ روک نہیں تو غیر کی مقید بھی نہیں اور اس کے سوا جتنی معرفتیں ہیں' سب اس کی تابع اور خادم ہیں کیونکہ اور معارف اس لیے مطلوب ہوتے ہیں کہ معرفت الٰہی حاصل ہو۔ جب یہ امر ثابت ہوا کہ معرفت الٰہی سے ہی تمام معرفتیں حاصل ہوتی ہیں تو جس قدر جو معرفت اس مطلب میں کام آئے گی' اتنا قدر اس کا تفاوت بھی ایک دوسرے سے ہوگا مثلاً بعض معارف صرف ایک ہی واسطہ سے معرفت الٰہی تک پہنچاتے ہیں اور بعض کو بہت سے وسائل چاہئیں تو جس معرفت میں اور معرفت الٰہی میں واسطہ کم ہوگا' وہ دوسرے کی بہ نسبت افضل ہوگی۔ احوال قلب سے ہماری غرض اس کا پاک و صاف ہونا ہے۔ دنیا کی آلودگی اور مخلوق کے

اشتغال سے یہاں تک کہ پاک و صاف ہو کر اس پر حقیقت حق واضح ہو جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ احوال میں فضیلت اسی قدر کہ ان کو تاثیر قلب کی اصلاح اور صفائی میں ہوگی اور جس قدر کہ اس میں لیاقت علوم مکاشفہ کے حاصل ہونے کی پیدا کر سکیں گے۔

مثال:- جس طرح کہ آئینہ کی جلائے کامل میں ایسے ایسے احوال کے مقدم کرنے کی حاجت ہوتی ہے جن میں سے بعض جلا دینے میں قریب تر ہوتے ہیں۔ بعض سے اسی طرح احوال قلب کا حال ہے جو حالت کے صفائے قلب کے قریب ہوگی' وہ دوسری حالتوں سے افضل ہوگی اس لیے کہ وہ اوروں کی بہ نسبت اصل مقصود کے قریب ہوگی اور اسی ترتیب کو اعمال میں بھی تصور کرنا چاہیے اس لیے کہ اعمال کی تاثیر سے ہی قلب کی صفائی کی تاکید ہوتی ہے اور انہیں کی وجہ سے دل پر حالات آتے ہیں۔ یہ دو صورتوں سے خالی نہیں۔ (1) دل پر ایسے حالات لاتا ہے جو مانع مکاشفہ اور موجب تاریکی قلب اور باعث کشش مکروہات دنیاوی کی طرف ہوں۔ (2) ایسی حالت پر لائے جس سے دل مکاشفہ کے لیے مستعد ہو اور صفائی پیدا کرے اور علائق دنیاوی برطرف ہو جائیں۔ حالت اول کا نام معصیت' دوسری کا نام طاعت ہے اور معاصی باعتبار قلب کے تاریک اور سخت کرنے کے متفاوت ہیں۔ اسی طرح طاعات بھی دل کے روشن و صاف کرنے میں مختلف ہیں یعنی معاصی اور طاعات کے درجات ان کی تاثیر پر منحصر ہیں اور یہ امر احوال کے اختلاف سے مختلف ہوتا ہے مثلاً ہم مطلقاً" کہہ سکتے ہیں کہ نماز نفل تمام نفل عبادتوں سے افضل ہے اور حج صدقہ سے بہتر اور تہجد اور نوافل سے بہتر ہے مگر تحقیق یہ ہے کہ جو کہ مالدار اس پر بخل غالب ہو اور حب مال زیادہ رکھتا ہو تو اسے ایک درم خیرات کرنا بہت سی شب بیداریوں اور روزوں سے افضل ہے اس لیے روزہ اس کے شایان ہے جس پر شہوت شکم غالب ہو اور وہ اس کو توڑنا چاہے یا شکم سیری اس کو مانع فکر و ذکر سے ہوتی ہے۔ اس کو دور کرنے کی تدبیر بھوک سے ہو مگر کم بخت بخیل کا تو یہ حال نہیں پیٹ کی شہوت سے اسے نقصان تھا یا شکم سیری سے فکر علوم مکاشفہ نہیں کر سکتا تھا۔ پھر اس کا روزہ رکھنا اصلی حالت چھوڑ کر دوسری حالت کا اختیار کرنا ہے۔

مثال:- اسے یوں سمجھئے جیسے کسی بیمار کے پیٹ میں درد ہو اور وہ علاج درد سر کا کرے تو کیا اس علاج سے اس کو کیا فائدہ ہوگا بلکہ اس کو تو یہ مناسب ہے کہ جو بلائے مہلک اس پر مسلط ہے' اس کو دفع کرے اور بخل ان مہلکات میں سے ہے کہ اگر سو سال کے روزے رکھا کرے اور ہزار رات جاگے تو وہ موذی مرض کا ایک ذرہ بھی کم نہ ہوگا۔ اس کو دور کرنے کی تدبیر سوائے مال کے خیرات کرنے کے اور کوئی نہیں۔ اس بخیل پر واجب ہے کہ جو کچھ اپنے پاس ہو' اس کو خیرات کر دے اور اس کی تفصیل جلد سوم میں اس کتاب (احیاء العلوم) میں گزری ہے۔

تاثیر طاعت حالات کے اعتبار سے مختلف ہوا کرتی ہے۔ اب اہل ذکر و فکر حضرات کو معلوم ہوا ہوگا کہ اسباب میں کسی کو مطلقاً افضل کہہ دینا غلط ہے مثلاً اگر کوئی کہے کہ روٹی افضل ہے یا پانی تو اس کا جواب ٹھیک تب ہوگا جب کہو کہ بھوکے کو روٹی افضل ہے اور پیاسے کو پانی۔ اگر کسی کو دونوں چیزیں مطلوب ہوں تو جو ان دونوں میں سے

غالب ہوگی' اس کے اعتبار سے حکم فضیلت کا دیا جائے گا یعنی پیاس غالب ہوگی تو پانی کو افضل کہیں گے۔ اگر بھوک غالب ہوگی تو روٹی کو اور اگر دونوں مساوی ہوں گے تو یہ دونوں مساوی ہوں گے۔ اسی طرح اگر پوچھا جائے کہ سکنجبین اچھی ہے یا شربت نیلوفر تو مطلق جواب درست نہ ہوگا۔ ہاں اگر کوئی یہ پوچھے کہ سکنجبین افضل ہے یا صفراء کا نہ ہونا تو ہم صفراء کے نہ ہونا کو افضل بتائیں گے اس لیے کہ سکنجبین کی ضرورت صفراء کے لیے ہوتی ہے اور یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ جو شے غیر کے لیے مطلوب ہوتی ہے تو غیر چیز اس سے اچھی ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ شخص مذکور کے لیے بہتر مال دینا ہے اس لیے کہ مال کا خرچ کرنا ایک عمل ہے جس سے ایک حالت یعنی زوال بخل اور حب دنیا کا دل سے نکلنا حاصل ہوتی ہے اور جب دل سے حب دنیا نکل جاتی ہے تو اس کو معرفت الٰہی حاصل ہوتی ہے۔ افضل معرفت ہے اور اس سے کمتر حال ہے اور اس سے کمتر عمل ہے۔

سوال :۔ آپ عمل کو افضل نہیں بتلاتے حالانکہ شرع میں ترغیب اعمال کی موجود ہے اور ان کے افضل کے ذکر میں بہت مبالغہ پایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ شارع نے خود صدقات کو طلب فرمایا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا من ذالذی یقرض اللّٰہ قرضا حسنا (البقرہ 245) ترجمہ کنزالایمان : ہے کوئی جو اللہ کو قرض حسن دے۔ اور فرمایا خذالصدقات "صدقات لو۔" پھر کیا وجہ ہے کہ عمل افضل نہیں؟

جواب :۔ طبیب اگر کسی دوا کی تعریف کرے تو اس کی تعریف کرنے سے یہ نہ جاننا چاہیے کہ وہی دوا بذات خود مقصود ہے اور شفا سے بڑھ کر ہے جو اس سے حاصل ہوتی ہے بلکہ اس کی تعریف میں ایک حکمت ہے کہ اگر مریض اس کا استعمال کرے گا تو شفا حاصل ہوگی۔ اسی طرح اعمال بھی دل کے امراض کی دوا ہیں اور بیماری اکثر معلوم نہیں ہوتی جیسے کسی کے منہ پر برص کے داغ ہوں اور اس کے پاس آئینہ نہ ہو تو اس کو کبھی خبر نہ ہوگی کہ مجھ میں یہ عیب ہے۔ اگر کوئی اس سے کہے گا تو اس کی بات نہ مانے گا تو ایسے شخص کا علاج یہی ہے کہ اس کے سامنے بہت مبالغہ سے تعریف (مثلاً گلاب سے منہ دھونے) کی تعریف کی جائے۔ اگر گلاب سے داغ برص دور ہوتے ہوں یا دوسری کسی ایسی چیز سے جو اس کو زائل کرتی ہو' اس سے منہ دھونے کا مبالغہ کیا جائے تاکہ بہت سی تعریف سے شخص مذکور اس کی مداومت کرلے اور مرض اس کا دور ہو جائے کیونکہ اگر اس سے پہلے ہی کہہ دے گا کہ مقصود یہ ہے کہ تیرے منہ سے برص زائل ہو جائے تو وہ علاج چھوڑ دے گا اور کہے گا کہ میرے منہ پر تو کوئی عیب نہیں۔

مثال :۔ یہاں پر ایک مثال پیش کرتے ہیں۔ وہ یہ کہ کسی کا ایک بچہ ہے جس کو اس نے قرآن پڑھایا اور علم سکھایا اور اس کو یہ منظور ہے کہ یہ دونوں چیزیں اس کو یاد رہیں اور کبھی فراموش نہ ہوں اور یہ جانتا ہے کہ اگر میں اس کو مکرر پڑھنے کی اور مطالعہ کی تاکید کروں گا' وہ جواب میں کہے گا کہ مجھے یاد ہیں۔ دور و تکرار کی ضرورت نہیں کیونکہ اسے یہ گمان ہے کہ جو چیز مجھے اب یاد ہے' وہ ہمیشہ ایسے رہے گی اور فرض کرو کہ اس شخص کے یہاں کچھ غلام بھی ہیں' اس نے اپنے لڑکے کو حکم کیا کہ تو ان لڑکوں کو پڑھایا کر کہ ہم تیرے ساتھ اچھی طرح پیش آیا کریں گے اور

اعلیٰ وعدے اس سے سنا دیئے تاکہ اس کا ارادہ تعلیم مستحکم ہو جائے تو ایسی صورت میں لڑکا سادہ لوح ہے۔ یہی گمان کرتا ہے کہ مقصود صرف غلاموں کی تعلیم ہے کہ ان کو قرآن آجائے اور اس خیال سے بڑا پریشان ہوتا کہ عجیب طرح کا حال ہے کہ باوجودیکہ باپ کے نزدیک میرا رتبہ ان غلاموں سے بڑھ کر ہے مگر پھر بھی مجھ سے ان کی خدمت کرائی جاتی ہے۔ کہاں میں اور کہاں یہ غلام اور یہ مجھے معلوم ہے کہ اگر میرا باپ ان کو پڑھانا چاہتا اور مجھے تکلیف نہ دیتا تب بھی ہو سکتا تھا اور یہ بھی جانتا ہے کہ اگر یہ سب غلام میرے باپ کے یہاں نہ رہیں تو اس کا کچھ نقصان نہیں تو اگر عالم قرآن نہ ہوں گے تو کونسی خرابی پیش آئے گی۔ ایسے ایسے خیالات سے وہ بیچارہ کبھی سستی کرنے لگتا ہے کہ ان کو پڑھا کر کیا ہوگا۔ میرے باپ کو ان کی کیا ضرورت ہے اور اگر یہ کام میں نہ کروں گا تو وہ مجھے کچھ نہیں کہے گا بلکہ معاف کر دے گا۔ پس علم و قرآن کی اگر تعلیم جاری نہ رکھے گا تو بھول جائے گا اور وہ بدبخت و محروم رہ جائے گا اور اس کو خبر بھی نہ ہوگی۔ بعض لوگ اسی طرح کے خیال خام میں دھوکا کھا گئے اور طریق اباحت کو اختیار کر لیا۔ ان کی تقریر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو نہ ہماری عبادت کی پرواہ ہے' نہ ہم سے قرض لینے کی ضرورت۔ پھر اس کے کیا معنی ہیں من ذالذی یقرض اللہ قرضا حسنا (البقرہ 245) ہے کو جو اللہ کو قرض حسن دے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کو مسکین کا کھلانا منظور ہو تو کھلا سکتا ہے۔ اس کی کیا حاجت ہے کہ ہم ہی ان کو اپنا روپیہ دیں تو ان کو غذا ملے۔ چنانچہ کفار کا قول اللہ تعالیٰ بھی نقل فرماتا ہے واذا قیل لھم انفقوا مما رزقکم اللہ قال الذین کفرو للذین امنو انطعم من لویشاء اللہ اطعمہ (یٰسین 47) ترجمہ کنزالایمان: اور جب ان سے فرمایا جائے اللہ کے دیئے میں سے کچھ اس کی راہ میں خرچ کرو تو کافر مسلمانوں کے لئے کہتے ہیں کہ کیا ہم اسے کھلائیں جسے اللہ چاہتا تو کھلا دیتا۔ اور دوسری جگہ فرمایا لو شآء اللہ ما اشر کنا ولا اباء نا (انعام 148) ترجمہ کنز الایمان: اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے نہ ہمارے باپ دادا۔ ان کفار کا قول کیسا سچا تھا مگر اپنے سچ ہی سے کیسے تباہ ہو گئے۔ (درس عبرت) کیا شان ہے جب چاہے سچ سے ہلاک کر دے اور جب چاہے جھل سے سعادت کو پہنچا دے یضل بہ کثیرا ویھدی بہ کثیرا (البقرہ 26) ترجمہ کنزالایمان: اللہ بہتیروں کو اس سے گمراہ کرتا ہے اور بہتیروں کو ہدایت فرماتا ہے۔ خود فرماتا ہے۔ وہ لوگ بھی ہلاک ہو گئے جو کہتے کہ کیا ہم سے مساکین کی خدمت کرائی جاتی ہے کہ اللہ کے لیے ان کو خیرات دو اور ہم کو نہ مساکین سے کچھ ملتا ہے نہ اللہ تعالیٰ کو ہم سے اور ہمارے مال سے کچھ فائدہ ہے تو پھر دینا اور نہ دینا برابر ہے تو یہ لوگ بھی ہلاک ہو گئے۔ جیسا کہ اوپر کی مثال میں وہ لڑکا ہلاک ہوا تھا جس نے یہ خیال کر لیا کہ باپ نے مجھ کو ان کی خدمت کرنے پر مقرر کر دیا' اس نے نہ جانا کہ باپ کا مقصود یہ نہ تھا کہ صفت علم بیٹے کے دل میں خوب پختہ اور مستحکم ہو جائے اور دل پر نقش پتھر ہو جائے تاکہ موجب سعادت دنیاوی ہو اور یہ بات باپ کی طرف سے کمال شفقت سے تھی کہ ایسے خیال کو سامنے رکھا جس میں اس کے بیٹے کی سعادت تھی۔

اس مثال سے ان لوگوں کی گمراہی جنھوں نے اس طریق کو چھوڑ دیا۔ ناظرین پر واضح ہے۔ نیز اس تقریر سے معلوم ہوا کہ جو مسکین سے کچھ لے جاتا ہے' وہ اس ادنیٰ مال کے واسطہ سے بخل کی خباثت اور دنیا کی محبت دینے

والے کے دل میں سے نکلتا ہے اور یہ دونوں مہلک امراض ہیں۔
اسے یوں سمجھئے جیسے پچھنے لگانے والا کہ وہ بیمار کا خون اس لیے نکلتا ہے کہ خون کے ساتھ مرض مہلک بھی جاتا رہے تو واقع میں پچھنے لگانے والا مریض کا خادم ہے اور اگر بالفرض حجام کو بھی کوئی غرض تھی مثلاً خون میں کپڑا رنگنا ہو تب بھی وہ خادم ہونے کی حیثیت سے خارج نہ ہوگا اور چونکہ صدقات باطن کو پاک کرتے اور اندر سے بری صفات کو دور کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقات قبول نہ فرمائے اور نہ اپنے لیے جائز سمجھا اور اپنے اہل بیت کو بھی ان سے منع فرمایا اور پچھنے لگانے والا کی مزدور کو بھی ناجائز اور اس کا نام تمام مالوں کا میل رکھا۔ خلاصہ یہ کہ اعمال دلوں پر اثر کرتے ہیں۔ جیسا کہ جلد سوم میں گزرا اور جس قدر عمل سے تاثیر دل میں ہوتی ہے اسی قدر دل کو استعداد قبول ہدایت اور نور معرفت حاصل ہوتی ہے تو یہ قول کلی اور قاعدہ اصلی ہے جس سے فضائل اعمال اور احوال اور معارف کے پہچاننے کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

اب ہم ان دونوں اشیاء یعنی صبر اور شکر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان دونوں میں سے ہر ایک میں معرفت اور حال اور اعمال ہی ہے اور یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک کی معرفت کو دوسرے کے حال اور عمل سے مقابلہ کیا جائے بلکہ مقابلہ نظیر کا نظیر سے چاہیے تاکہ مناسبت ظاہر ہو اور تناسب کی وجہ سے ایک کی فضیلت دوسرے پر ثابت ہو۔ معرفت شاکر اور معرفت صابر کا جب مقابلہ کیا جاتا ہے تو دونوں کا مال ایک ہی معرفت پر آجاتا ہے مثلاً معرفت شاکر کی آنکھ کے بارے میں یہ ہے کہ آنکھوں کی نعمت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مانے اور معرفت صابر کی ان میں یہ ہے کہ اندھاپن اللہ کی طرف سے جانے اور یہ دونوں معرفتیں ایک دوسرے کو لازم اور مساوی ہیں اور یہ اس صورت میں ہے کہ صبر کو بلا اور مصائب میں لیا جائے اور چونکہ اس کو موافق بیان گزشتہ صبر کبھی طاعت پر بھی ہوتا ہے اور کبھی صبر معصیت سے ہوتا ہے تو ایسے مقامات میں صبر اور شکر ایک ہی ہوں گے' اس لیے کہ طاعت پر صبر کرنا عین شکر گزاری طاعت ہوگی کیونکہ شکر کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کو اس حکمت کی طرف پھیرنا جو اس سے مقصود ہے اور صبر کا معنی ہے کہ خواہش کے سبب کے مقابلہ میں دینی سبب کا قائم اور مستقل رہنا تو یہاں صبر اور شکر دو الفاظ مختلف کے ایک معنی خاص ہیں دونوں میں فرق اعتباری ہے مثلاً خواہش نفسانی لیں باعتبار خواہش کی نفسانی کے سبب کے مقابلہ میں دینی سبب پر قائم رہنا صبر ہے۔ اگر اس کا اعتبار دینی سبب ہو تو اس کا نام شکر ہے' اس لیے دینی سبب اپنے مقصود تک پہنچ جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ دونوں کا ایک مدلول ہو تو پھر ایک شے کے کیسے کم و بیش ہوگی۔

صبر تین مقامات پر ہوتا ہے۔ (1) طاعت (2) معصیت (3) بلا۔ طاعت اور معصیت میں تو اس کا حکم معلوم ہو چکا۔ اب بلا کا حکم جاننا چاہیے کہ بلا نعمت کے چلے جانے کو کہتے ہیں اور نعمت یا تو ضروری ہے جیسے آنکھیں اور حاجت کے محل میں واقع ہو یعنی اس کی طرف حاجت پڑتی ہو جیسے مال مقدار کفایت سے زیادہ لیں۔ آنکھوں کے بارے میں اندھے کے صبر سے یہ غرض ہے کہ شکایت ظاہر نہ کرے اور حکم الٰہی عزوجل پر رضا ظاہر کرے اور

اندھے پن کی وجہ سے گناہوں کی آرزو نہ کرے اور بینا آدمی کا شکر عمل کے اعتبار سے دو طرح ہے۔ (1) ان کو معصیت میں استعمال نہ کرے۔ (2) طاعت میں استعمال کرے اور یہ دونوں باتیں صبر سے خالی نہیں مثلاً اندھے کو خوبصورتوں سے صبر کرنے کی ضرورت نہیں' اس لیے کہ وہ ان کو دیکھتا ہی نہیں اور بینا آدمی کی آنکھ جب خوبصورت پر پڑے گی اور وہ صبر کرے گا تو آنکھوں کی نعمت کا شکر گزار ہوگا اور اگر دوبارہ پھر دیکھے گا تو اس نعمت چشم کا ناشکرا ہوگا۔

معلوم ہوا کہ شکر کی حالت میں صبر داخل ہے۔ اسی طرح جب آنکھوں سے طاعت پر مدد لے گا تب بھی طاعت پر صبر کرنا پڑے گا۔ پھر کبھی آدمی آنکھوں کی نعمت کا شکر اس طرح کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صنعت کے عجائبات دیکھتا ہے تاکہ اس سے معرفت الٰہی عزوجل تک پہنچ جائے تو اس طرح کا شکر صبر سے افضل ہے۔ اگر یہ بات نہ ہو تو چاہیے کہ مرتبہ حضرت شعیب علیہ السلام کا (جو انبیاء علیہم السلام میں بصیر نہ تھے) حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے انبیاء کے مرتبہ سے بڑھ کر ہوا' اس لیے کہ انہوں نے بینائی کے جاتے رہنے پر صبر کیا اور حضرت موسیٰ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کو یہ امر پیش نہ آیا۔ اس لیے یہ بھی لازم آتا ہے کہ کمال اسی میں ہے کہ آدمی کے سب اعضا جاتے رہیں' وہ ایک گوشت کا لوتھڑا ہو کر پڑا رہے حالانکہ یہ بات نہیں' اس لیے کہ اعضاء میں سے ہر ایک عضو ایک آلہ دین ہے جب وہ عضو جاتا رہے گا تو وہی رکن دین جس کا یہ عضو آلہ تھا' جاتا رہے گا۔

شکر ہر ایک عضو کا یہ ہے کہ جس دینی کے لیے وہ بنا ہے' اس کو اسی میں استعمال کرے اور یہ استعمال بھی صبر نہ ہوگا اور جو نعمت کہ محل حاجت میں واقع ہوتی ہے مثلاً مال میں سے قدر کفایت پر زیادہ ہونا اس کا حال یہ ہے کہ اگر آدمی کو قدر ضرورت ہی مال ملا ہے اور اس کو زیادہ کی بھی ضرورت ہے تو اس زیادتی سے صبر کرنا مجاہدہ ہے اور یہ جہاد فقراء کا ہوتا ہے۔ اگر قدر ضرورت سے زیادہ ملا تو زیادتی نعمت کہلاتی ہے اور اس کا شکر یہ ہے کہ خیرات میں صرف کر دی جائے' معصیت میں صرف نہ ہو۔ اگر صبر کو اس شکر کی نسبت دیکھیں جس سے غرض صرف کرنا مال کی طاعت میں ہے تو شکر افضل ہوگا کیونکہ ایسا شکر متضمن صبر کو بھی ہے اس لیے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ عزوجل کی نعمت پر خوش ہو کر فقراء پر صرف کرنے کی تکلیف گوارا کی اور عیش مباح میں صرف نہ کیا۔ خلاصہ یہ ہوا کہ ایسے شکر میں دو باتیں موجود ہیں جن میں سے ایک صبر ہے اور اس صورت میں شکر کل ہوا اور صبر جزو اور ظاہر ہے کہ کل اپنے جزو سے افضل ہوتا ہے اور فقیر صابر اس مالدار سے افضل ہوگا جو اپنا مال روک کر مباحات میں صرف کرتا ہو مگر اس مالدار کی بہ نسبت افضل نہ ہوگا جو اپنے مال کو خیرات میں صرف کرتا ہو' اس لیے کہ فقیر نے اپنے نفس پر مجاہدہ کیا اور اس کی حرص کو توڑا اور اللہ تعالیٰ کے امتحان پر اچھی طرح راضی رہا اور اس کے لیے ایک قوت چاہیے بخلاف اول قسم کے غنی کے کہ اس نے اپنی حرص کا اتباع کیا اور شہوات کی اطاعت کی مگر صرف مباح پر اکتفا کیا اور مباح میں حرام سے بچاؤ ہے۔ اگرچہ حرام سے بچنے کے لیے بھی صبر میں قوت چاہیے مگر جو قوت کہ اس سے فقر کا صبر صادر ہوتا ہے وہ اس غنی کی قوت سے بہت اعلیٰ اور اکمل ہے جو صرف مباحات پر اکتفا کرتا ہے۔

علاوہ ازیں شرف اسی قوت کو ہوتا ہے جس پر عمل دلالت کرے اس لیے کہ اعمال صرف اسی لیے مطلوب ہوتے ہیں کہ ان سے قلب کے حالات حاصل ہوں اور یہ قوت فقیر کے قلب کی ایک حالت ہے کہ جس قدر قوت ایمان میں ہوگی' اسی قدر اس میں بھی ہوگی تو جو چیز کہ قوت ایمان کی زیادتی پر دلالت کرے وہ اوروں سے افضل ہوگی۔ اس سے ثابت ہوا کہ قوت صبر فقیر کی افضل ہے غنی کی قوت سے اور جس قدر کہ آیات و احادیث میں فضیلت صبر کے ثواب کی شکر کے ثواب پر وارد ہے' اس سے یہی خاص مرتبہ مراد ہے کیونکہ عوام نعمت سے ابتداء یہی معنی سمجھتے ہیں کہ اموال اور ان کے متمتع ہونے کا نام ہے اور شکر سے بھی یہی سمجھتے ہیں کہ آدمی اپنی زبان سے الحمد اللہ کہے اور نعمت سے معصیت پر مدد نہ لے۔ یہ کوئی نہیں سمجھتا کہ نعمت کو طاعت میں صرف کرے تو اسی لحاظ سے صبر شکر سے افضل ہے۔ خلاصہ یہ کہ صبر جس کو عام لوگ سمجھتے ہیں وہ اس شکر سے افضل ہے جس کو عوام جانتے ہیں۔ اسی کی طرف جنید علیہم الرحمتہ نے اشارہ کیا تھا۔ جب ان سے کسی نے پوچھا کہ صبر اور شکر میں کون افضل ہے؟ تو فرمایا کہ غنی کی مدح مال ہونے سے نہیں نہ فقیر کی تعریف مال کے نہ ہونے سے ہے بلکہ دونوں کی مدح اس صورت میں ہے کہ جس حالت میں وہ دونوں ہیں' اس کے شرائط کا لحاظ رکھیں مگر حالت غنا کے شروط ایسے ہیں کہ نفس کو مناسب ہیں اور تمتع اور لذت یا نفس کا حصہ اس میں موجود ہے اور فقیر کی حالت کی شرطوں میں ایسی چیزیں جو نفس کو ایذا دیں اور اس کو رکا ہوا اور منکسر رکھیں۔ اب ظاہر ہے کہ جب دونوں اللہ عزوجل کے لیے اپنی اپنی حالت کی شرطیں ادا کرتے ہوں تو جو شخص اپنے نفس پر مشقت ڈالے گا اور منکسر رکھے گا' وہ اس سے اچھا ہوگا جو اس کو تمتع اور عیش میں رکھے گا۔

واقع میں ایسا ہی ہے جیسا کہ انہوں نے فرمایا مگر یہ بات صبر و شکر کے اقسام میں سے صرف اخیر میں صادق آتی ہے جو ابھی گزری اور حضرت جنید علیہ الرحمتہ کا بھی مقصود اس قول سے یہی قسم ہے اور مشہور یوں ہے کہ ابوالعباس بن عطا اس مسئلہ میں ان کے خلاف کہتے تھے۔ ان کا قول یہ تھا کہ غنی شاکر فقیر صابر سے افضل ہے۔ ان کے حق میں حضرت جنید علیہ الرحمتہ نے بددعا کی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بڑی خرابیوں میں مبتلا ہوئے' مال جاتا رہا۔ دونوں قول کے لیے بعض احوال میں ایک وجہ ہے بہت سے فقیر صابر غنی شاکر سے افضل ہوتے ہیں جیسے اوپر گزرا اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ غنی شاکر فقیر صابر سے افضل ہوتا ہے اور یہ وہ غنی ہے جو اپنے نفس کو فقیر کی طرح جانتا ہے اور اپنے نفس کے لیے مال قدر ضرورت کے سوا نہیں رکھتا باقی کو خیرات میں خرچ کر دیتا ہے یا اس لیے رکھتا ہے کہ محتاجوں اور مساکین کے کام آئے اور ان کی ضرورت تلاش میں رہتا ہے کہ جب موقع ملے تو صرف کر دے۔ پھر صرف کرنے میں بھی طلب جاہ شہرت یا استدعا قبول منت نہیں ہوتی بلکہ صرف ادائے حقوق اللہ کی بنا پر بندوں پر رحم کرنے میں ملحوظ رکھتا ہے تو ایسا غنی فقیر صابر سے افضل ہے۔

سوال :- مال دینا تو ہر نفس پر گراں نہیں معلوم ہوتا ہاں فقیر کو بھاری محسوس ہوتا ہے اس لیے کہ غنی قدرت سے واقف ہے اور فقیر صبر کی تکلیف کو جانتا ہے۔ اگر غنی کو مال کے چلے جانے کا کچھ درد ہوتا بھی ہے تو دینے میں جو

لذت قدرت ہے' اس سے یہ درد رنج مٹ جاتا ہے تو غنی کس طرح افضل ہو گا؟

جواب :- ہماری دانست میں وہی غنی افضل ہے جو اپنا مال رغبت اور خوشی سے خرچ کرے۔ ایسا شخص جو بخیل ہو اور اپنے نفس سے اس کو بتکلف خرچ کرتا ہو' اس کا حال اچھا نہیں۔ چنانچہ اس کی تفصیل باب توبہ میں ہم لکھ آئے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ صرف نفس کو رنج پہنچانا بذات خود مطلوب نہیں بلکہ تادیب کے لیے تکلیف دینا ہوتا ہے اور یہ بات ایسی ہے جیسے شکاری کتے کو مارے تو جو کتاب کہ ادب سیکھا ہوا ہے' وہ اس سے اچھا ہے جس کو مار کی حاجت ہو۔ اگر مار پر صبر کرتا ہو اور اسی وجہ سے پہلے رنج دینے اور محنت کرنے کی ضرورت ہوا کرتی ہے بالآخر ضرورت نہیں ہوتی بلکہ اس میں یہ حال ہوتا ہے کہ جو چیز اول میں ناگوار گزرتی تھی' وہی لذیذ معلوم ہوتی ہے جیسے ہوشیار لڑکے کو پڑھنا لذیذ معلوم ہوتا ہے مگر ابتداء میں اسے ناگوار تھا۔

اکثر لوگوں کا یہ حال ہے کہ ابتداء میں بلکہ اس سے بھی بہت پہلے سے لڑکوں کی طرح ہیں۔ اسی لیے حضرت جنید علیہ الرحمتہ نے مطلق بیان فرمادیا کہ جو شخص اپنے نفس کو تکلیف دے' وہ افضل ہے۔ عوام کے لیے آپ کا فرمان درست ہے۔ اس صورت میں اگر کسی کو جواب مفصل کہنا منظور نہ ہو اور باعتبار اکثر کے مطلق بیان کرنا منظور ہو تو یہی کہنا چاہیے کہ صبر افضل ہے۔ شکر سے اس لیے کہ جو معنی صبرو شکر کے عوام سمجھتے ہیں' ان کے اعتبار سے یہ قول درست ہے لیکن اگر تحقیق منظور ہو تو جواب مذکور کافی نہ ہو گا۔ تفصیل چاہیے اس لیے کہ صبر کے بھی بہت سے درجات ہیں۔ کم از کم یہ ہے کہ مصیبت کو برا جان کر شکایت نہ کر اور ان درجات کے بعد مقام رضا ہے جو صبر سے اوپر ہے اور رضا کے اوپر یہ درجہ ہے کہ مصیبت میں شکر کرے۔

اس شکر کا رضا سے افضل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ صبر تکلیف پر ہوتا ہے اور رضا ایسی چیز میں بھی ہو سکتی ہے جس میں نہ رنج ہو' نہ خوشی اور شکر ایسی چیز پر ہو سکتا ہے جو محبوب اور خوشی کی چیز ہو تو ظاہر ہے کہ مصیبت پر راضی ہونا اور بات ہوئی اگر اسے خوشی کی شے سمجھ کر اس پر شکر گزار ہونا اور بات۔ اسی طرح شکر کے بہت درجات ہیں جن میں ہم نے وہ لکھے ہیں جو سب سے اعلیٰ ہیں حالانکہ ان میں بعض باتیں ایسی بھی ہیں جو مراتب سابق کی بہ نسبت کم ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے پے در پے آنے سے بندے کا شرمانا اور اپنے آپ کو شکر سے قاصر جاننا اور قدرت شکر کا عذر کرنا اور اللہ تعالیٰ کے حلم اور اس کی پردہ پوشی کو سمجھنا اور اس بات کا اقرار کرنا کہ نعمتیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے بلا استحقاق خودبخود آتی ہیں اور یہ جاننا کہ ادائے شکر بھی ایک نعمت الٰہی عزوجل اور اس کا کرم ہے اور نعمتوں میں اچھی طرح تواضع اور انکسار کرنا اور ان کے لیے خشوع کے ساتھ رہنا۔ یہ تمام امور جداگانہ شکر ہیں اور جو شخص واسطہ نعمت ہو' اس کا شکر گزار ہونا بھی شکر ہے۔ حدیث شریف میں ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ ترجمہ: جس نے لوگوں کا شکریہ نہ کیا' اس نے اللہ تعالیٰ کا بھی شکر ادا نہ کیا۔" اس کی حقیقت ہم نے اسی (احیاء العوم) میں باب اسرار زکوۃ میں لکھی ہے۔

منعم پر اعتراض نہ کرنا اور منعم کے سامنے مودب رہنا بھی شکر ہے اور نعمتوں کو اچھی طرح قبول کرنا اور چھوٹی

سی نعمت کو بڑا جاننا بھی داخل شکر ہے غرضیکہ جتنے اعمال اور احوال کو لفظ شکر اور صبر کے اندر داخل ہیں' وہ بے حد و شمار ہیں اور ہر ایک کا درجہ مختلف ہے تو کیسے کوئی مجملاً" ایک دوسرے پر ترجیح دے سکتا ہے۔ جب تک کہ لفظ عام سے کوئی خاص قسم کا صبر اور شکر مراد نہ کرے جیساکہ آثار و اخبار میں وارد ہے۔

حکایت:۔ بعض اکابر سے مروی ہے کہ میں نے ایک سفر میں ایک بوڑھا ضعیف العمر دیکھا۔ میں نے اس کا حال پوچھا' اس نے کہا کہ ابتدائے جوانی میں میں اپنے چچا کی بیٹی پر عاشق تھا اور وہ بھی ایسا ہی چاہتی تھی اور الحمد اللہ اس کا نکاح مجھ سے ہوا۔ شب زفاف کو میں نے اس سے کہا کہ آج رات نوافل شکر میں گزار دیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ ہم کو ملایا۔ غرض وہ رات ہم دونوں نے نماز میں گزار دی۔ جب دوسری رات ہوئی' تب بھی ہم دونوں نے وہی گفتگو کی اور رات بھر شکر گزاری میں گزار دی۔ اسی طرح ستر یا اسی برس سے اسی حال پر ہیں' پھر اس نے بڑھیا سے پوچھا کیا یونہی ہے؟ اس نے کہا کہ واقعی یونہی ہے جیسے وہ کہتا ہے۔ اگر بالفرض اللہ تعالیٰ ان دونوں کو نہ ملاتا اور ان کو فراق میں صبر کرنا پڑتا تو اس صبر کو اس شکر وصال کی طرف سے جسے انہوں نے ادا کیا تو واضح ہو گیا کہ بے شک یہ شکر اس صبر سے افضل ہے بہرحال مشکل امور کے حقائق بلا تفصیل معلوم نہیں ہو سکتے۔

باب نمبر3

خوف و رجاء

خوف و رجاء دو ہیں جن سے مقربین اعلیٰ مقامات تک پہنچنے کے لیے اڑتے ہیں یا انہیں سالکین کی سواری کہنا چاہیے کہ ان کی وجہ سے آخرت کی مشکل منزلیں طے ہوں گی۔ بہرحال قرب رحمٰن اور رحمت جلوداں اور روضہ رضوان جو بہت دور دراز فاصلہ پر ہے اور مکروہات قلبی اور اعقاء کی محنتوں سے چھپی ہوئی ہیں' ممکن نہیں کہ بلا وسیلہ رجاء ان تک پہنچا جا سکے اور نار جہنم اور عذاب عظیم جو شہوات محفبہ اور عجیب انداز سے پوشیدہ ہے' اس سے خوف کے ذریعہ کے بغیر بچنا مشکل ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی حقیقت اور خوبی باوجود ایک دوسرے کی ضد ہونے کے ان کے جمع کرنے کی آسانی کے لیے واضح بیان بہت ضروری ہے۔ اسی لیے اس بات کو دو فصلوں پر تقسیم کیا جائے گا۔ (۱) رجاء (۲) خوف۔

حقیقت رجاء:۔ سالکین راہ ہدیٰ کے مقامات اور طالبین راہ خدا کے احوال میں سے رجاء بھی ہے۔ حال و مقام میں فرق ہے وہ یہ کہ جب کوئی وصف سالکین ثابت یا قائم ہو جاتا ہے اسے صوفیہ کی اصطلاح میں مقام کہا جاتا ہے۔ اگر وہ وصف عارضی اور جلد زائل ہو جاتا ہے تو اسے حال کہتے ہیں مثلاً زردی یہ تین قسم کی ہوتی ہے (۱) دائمی جیسے سونے کی زردی (2) جلد زائل ہونے والی جیسے خوف سے چہرے کی زردی (3) نہ بہت جلد زائل ہو اور نہ ہمیشہ رہے جیسے بیماری کی زردی۔ اسی طرح قلبی صفات سمجھئے جو وصف قائم و دائم نہ رہے' وہ حال ہے بایں وجہ کہ یہ جلد متغیر ہو جاتی ہے اور یہ بات اوصاف قلب میں سے ہر ایک کے لیے جاری ہے۔ اس وقت ہمارا مقصد رجاء کا بیان کرنا ہے۔ اس میں تینوں (علم، عمل اور حال) ہوتے ہیں۔ علم باعث حال اور حال موجب عمل ہے لیکن رجاء صرف حال کا نام ہے۔

توضیح:۔ اس کی وضاحت یوں ہے کہ جو شے کسی کو محبوب یا مکروہ ہوتی ہے' وہ تین حال سے خالی نہیں (۱) یا وہ زمانہ ماضی میں موجود تھی یا حال یا مستقبل میں۔ جب اس کا تصور دل پر آتا ہے اور اس کا ہونا زمانہ ماضی میں ہو چکا تو تصور کو ذکر اور تذکر کہتے ہیں اور وہ شے اگر دل میں آئی اور وہ دل میں یا حال موجود ہے' اس کا نام وجد و ذوق ہے اور یہی صوفیہ کرام کا وجد مشہور ہے' اس لیے کہ یہ ایک حالت ہے جسے انسان اپنے نفس کی میں پاتا ہے۔ اگر کسی شے کا وجود کا خطرہ دل میں مستقبل میں ہو اور یہی خطرہ دل پر غالب ہو تو پھر اسے انتظار اور توقع کہتے ہیں' وہ بری ہو

کہ اس کی وجہ سے دل میں صدمہ ہو تو اسی انتظار کو خوف کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور اگر وہی شے محبوب و مرغوب ہو کہ اس کی طرف توجہ کرنے اور اسے سوچنے کی وجہ سے دل میں آرام و سکون اور لذت حاصل ہوتی ہو تو اس کے انتظار میں دل کا خوش ہونا۔ صاف ظاہر ہے کہ جو چیز محبوب ہوتی ہے' اس کے توقع کرنے کی کوئی نہ کوئی وجہ بھی ہوتی ہے۔

فائدہ :۔ پس اگر توقع اس حیثیت سے ہے کہ اکثر سامان اس کا موجود ہے تو پھر ایسی توقع پہ رجا صحیح ہے اور اگر حصول کے اسباب تو بالکل نہیں یا خراب ہوں تو یہ رجاء نہیں ہے' اسے غرور یا بیوقوفی کہنا چاہیے۔

تمنی :۔ اگر اسباب معلوم نہ ہوں اور نہ ہی یہ جانتا ہو کہ کوئی بھی سبب نہیں ہے تو پھر ایسے انتظار کو تمنی کہا جاتا ہے' اس لیے کہ یہ انتظار تمام اسباب کے بغیر ہے۔

فائدہ :۔ بہرحال جن چیزوں کے ہونے کے بارے میں تردد ہو' ان کو رجاء اور خوف بولتے ہیں جبکہ یقینی پر رجاء نہیں بولا جاتا۔

مثال :۔ مثلاً سورج کا طلوع ہونا اور غروب ہونا یقینی ہے ہاں البتہ یہ ضرور کہا جاتا ہے کہ بارش برسنے کی رجاء ہے اور خوف خشکی کا ہے۔

آخرت کی کھیتی :۔ یہ بات ارباب دل پر روز روشن کی طرح عیاں ہو چکی ہے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے اور دل زمین کی مثل ہے اور ایمان تخم اور طاعتیں زمین جوتنے' صاف کرنے' نہریں کھودنے اور پانی پہنچانے کی طرح ہیں۔ حریص اور دنیا میں متغرق دل شور زدہ زمین کی مانند ہے کہ جس میں بیج نہ اگے۔ چونکہ آخرت کھیت کاٹنے کا دن ہے' اس دن کاٹے گا وہی جو بوئے گا اور وہاں کی کھیتی تخم ایمان کے بغیر نہیں بڑھتی جبکہ جو ایمان قلبی خباثت اور بد خلقی سے لبریز ہوتے ہیں' ان سے فائدہ کم ہی ہوتا ہے۔ جس طرح کہ شور زدہ زمین میں تخم کوئی فائدہ نہیں دیتا۔

فائدہ :۔ توقع مغفرت کی رکھنے والے کا حال بھی کھیت والے جیسا ہی سمجھنا چاہیے یعنی کسان نے اگر اعلیٰ قسم کی زمین بھی ڈھونڈ لی ہے اور اس میں اعلیٰ قسم کا تخم بھی ڈالا جو کہ نہ تو خراب تھا اور نہ ہی بدبودار۔ اس کے علاوہ کھیتی کی تمام ضروریات کا بھی خیال رکھا۔ پانی وقت پر دیتا رہا' جڑی بوٹیوں کو نکالا' بیج کے جمنے اور بڑھنے کے خلاف جو کچھ دیکھا' اسے بھی دور کیا۔ بعدازاں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر توقع رکھی کہ اللہ تعالیٰ تمام ارضی و سماوی بلیات سے اسے محفوظ رکھ کر ہمیں غلہ عطا فرمائے تو یہ توقع رجاء ہے۔

فائدہ :۔ اگر بیج کا خیال نہ کیا کہ یہ بیج کیسا ہے۔ شور زدہ زمین میں کاشت کر دیا' پھر فصل کاٹنے کی امید لے بیٹھا تو ایسی امید کو رجاء نہیں کہا جا سکتا بلکہ اسے بیوقوفی اور احمق پن کہیں گے۔ نیز اگر بیج تو اول نمبر کی زمین میں کاشت کیا مگر اسے پانی وقت مقررہ پر نہ دیا بلکہ بارش کے انتظار میں وقت گزار دیا' ایسے وقت میں کہ عموماً ان دنوں بارش نہیں

برستی لیکن بارش برسنا منع بھی نہیں تو یہ بارش برسنے کا انتظار رجاء نہیں ہے بلکہ تمنا ہے۔

فائدہ:۔ معلوم ہوا کہ رجاء صرف تب ہی ہے جب محبوب چیز کا انتظار ہو مگر ساتھ ہی ساتھ جو اسباب بندے کے اختیار میں ہیں' انہیں استعمال میں لائے۔ صرف وہی اسباب باقی رہ جائیں جو بندے کے اختیار میں نہ ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم شامل حال ہوا کرتا ہے کہ جس کے موانعات و آفات دور کر دی جائیں۔

رجاء حقیقی:۔ اگر بندہ اپنے دل میں ایمان بو دے اور اسے طاعت کا پانی دیتا رہے' برے اخلاق کے کانٹوں سے اپنے دل کی زمین کو پاک و صاف کرے پھر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا انتظار کرے' ثبوت ایمان موت تک اور حسن خاتمہ کی توقع رکھے جو کہ مغفرت کا موجب ہے تو اس انتظار کو رجاء حقیقی کہا جائے گا۔

فائدہ:۔ یہ رجاء اس بات کی وجہ ثابت ہوگی کہ جن ایمانی اسباب سے مغفرت کامل کے لوازمات کامل ہوا کرتے ہیں' ان کی مواظبت تادم آخر کرتا رہے۔ اگر ایمان کی طرف توجہ نہ دی' اسے طاعتوں کے پانی سے نہ سینچا' دل کو برے اخلاق سے بھرپور رکھا اور ہر وقت دنیوی لذتوں کی طلب میں مستغرق رہا' ان حالات میں مغفرت کا منتظر ہونا یہ احمق پن و غرور کا انتظار ہے۔

حدیث شریف:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا الاحمق من اتبع نفسہ ھواھا وتمنی علی اللہ ترجمہ: "جو شخص احمق ہے جو اپنے نفس کو اس کی خواہشات کا تابع کرے اور پھر اللہ تعالیٰ پر تمنا بھی کرے۔

آیات مبارکہ:۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فخلف من بعد ھم خلف اضاع الصلوٰۃ واتبعوا الشھوات فسوف یلقون غیا (مریم 59) ترجمہ کنزالایمان: تو ان کے بعد ان کی جگہ وہ ناخلف آئے جنہوں نے نمازیں گنوائیں اور اپنی خواہشوں کے پیچھے ہوئے تو عنقریب وہ دوزخ میں غی کا جنگل پائیں گے۔

(2) فخلف من بعدھم خلف ورثوا الکتٰب یاخذون عرض ھذا الادنی ویقولون سیغفر لنا (الاعراف 169) ترجمہ کنزالایمان: پھر ان کی جگہ ان کے پھر وہ ناخلف آئے کہ کتاب کے وارث ہوئے اس دنیا کا مال لیتے ہیں اور کہتے اب ہماری بخشش ہو گی۔ نیز باغ والے کی مذمت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ وہ جب اپنے باغ میں پہنچا تو کہنے لگا ما اظن ان تبید ھذہ ابدا وما اظن الساعۃ قائمۃ ولئن رددت الی ربی لاجدن خیرا منھا منقلبا (الکہف 36) ترجمہ کنزالایمان: مجھے گمان نہیں کہ یہ کبھی فنا ہو اور میں گمان نہیں کرتا کہ قیامت قائم ہو اور اگر میں اپنے رب کی طرف پھر گیا بھی تو ضرور اس باغ سے بہتر پلٹنے کی جگہ پاؤں گا۔

فائدہ:۔ بہرحال جو بندہ طاعت میں کوشش کرتا رہے' گناہوں سے بچے' وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے نعمت پوری ہونے کی توقع کر سکتا ہے اور بغیر دخول جنت کمال نعمت نہیں ہوگی مگر جب گنہگار توبہ کرے جو گناہ کیے ہوں' ان کا تدارک کرے' اسے زیبا ہے کہ وہ رجاء کرے۔

اگر گناہ کو برا جانے' نیکی سے راضی ہو' اپنے نفس کی برائی بیان کرتا ہو' توجہ کی خواہش رکھے اور توبہ کا مشتاق ہو تو ایسے شخص کے لائق ہے کہ وہ رجاء توبہ کی کرے کیونکہ گناہوں کو برا سمجھنا توبہ کی حرص کرنا' اس سبب کے قائم مقام ہے جو بندے کو توبہ تک پہنچا دیتا ہے۔

فائدہ:۔ اسباب جب پختہ ہو جائیں تو پھر ہی رجاء ہوتی ہے۔ اسی حیثیت سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ان الذین امنوا والذین ھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ اولئک یرجون رحمتہ اللہ (البقرہ 280) ترجمہ کنزالایمان : وہ جو ایمان لائے اور وہ جنہوں نے اللہ کے لئے اپنے گھربار چھوڑے اور اللہ کی راہ میں لڑے وہ رحمت الٰہی کے امیدوار ہیں۔

فائدہ:۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی رجاء کے مستحق یہی لوگ ہیں۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ ان لوگوں میں ہی رجاء کا وجود ہے کیونکہ اور لوگ بھی رجاء تو کرتے ہیں جن لوگوں میں یہ صفتیں نہ ہوں' انہیں رجاء کا استحقاق نہیں ہے۔ استحقاق صرف انہیں ہی ہے جو یہ صفتیں اپنے اندر رکھتے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی ناپسندیدہ اشیاء میں مستغرق ہو' اپنے نفس کی مذمت نہ کرے اور نہ ہی توبہ کا ارادہ اور رجوع کرے تو ایسے شخص کا رجائے مغفرت کرنا بیوقوفی ہے۔ جیسے شور زدہ زمین میں بیج بونے والا اور پانی وغیرہ کا خیال نہ کرنے اور تلائی نہ کرنے والے شخص کا رجاء غلہ کی کرنا بیوقوفی ہے۔

بڑی غلطی:۔ حضرت یحییٰ بن معاذ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرے نزدیک سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ ندامت کے بغیر گناہ معاف ہونے کی توقع کی بنا پر کیے جائیں اور اللہ تعالیٰ کے قرب کی توقع بغیر طاعت کے رکھی جائے۔ جنت کا منظر دوزخ کا بیج (برے اعمال) بیج کر رہے گناہوں کے بدلے مطیع و فرمانبرداروں کے مقام کے حصول کی توقع رکھے۔ عمل کے بغیر ثواب کا آرزومند ہو' زیادتی کے باوجود اللہ تعالیٰ سے کسی امر کی تمنا رکھے۔

فائدہ:۔ پس جب رجاء کی حقیقت واضح ہو گئی ہے تو یہ بات سمجھ آگئی ہو گی کہ رجاء ایک ایسی حالت ہے جو اکثر اسباب کے واقع ہونے کی بنا پر علم سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ حالت اس بات کی متقاضی ہے کہ جو اسباب باقی رہ گئے ہوں حتی الامکان انہیں اپنانے کی کوشش کی جائے مثلاً اس مثال میں جس کا بیج بہترین ہو گا اور اعلیٰ قسم کی زمین' پانی کا خاص خیال رکھا جائے تو اسی کی رجاء سچی ہے۔ یہ رجاء اسے اس بات پر مستعد کرے گی کہ زمین کا خیال رکھتا ہے۔ جڑی بوٹیاں جو اس میں پیدا ہو جائیں' انہیں اکھاڑنے میں سستی کا مظاہرہ نہ کرے۔ فصل تیار ہونے تک خوب دیکھ بھال کرے اور اس کی وجہ دراصل یہ ہے کہ رجاء یاس کی متضاد ہے۔ یاس یعنی ناامیدی میں دیکھ بھال نہیں ہو سکتی۔

مثال:۔ جو شخص جانتا ہے کہ زمین شور زدہ ہے۔ فصل تک پانی کا پہنچنا بھی مشکل ہے۔ بیج بھی اگنے والا نہیں' ایسا

شخص زمین کے بھمیلوں میں نہیں پڑے گا' دیکھ بھال کے تردد میں بھی نہیں پڑے گا۔

فائدہ:۔ رجاء بہترین چیز ہے کیونکہ رجاء سے کام کرنے کی رغبت پیدا ہوتی ہے جبکہ مایوسی بری چیز ہے۔ رجاء کی متضاد ہے کیونکہ یہ بندے کو عمل سے روکتی ہے۔

فائدہ:۔ خوف رجاء کا متضاد نہیں ہے بلکہ خوف تو دراصل رجاء کا رفیق ہے۔ عنقریب اسے بیان کیا جائے گا بلکہ یہ بھی عمل کی طرف راغب کرنے والا ایک الگ عمل ہے۔ جیسا کہ رجاء ترغیب کی حیثیت سے ہے۔ رجاء اس بات کا موجب ہے کہ نیک اعمال میں بہت کوشش کی جائے خواہ کیسے ہی حالات ہوں مگر طاعات پر ہمیشگی میں فرق نہ آئے۔

رجاء کا نتیجہ:۔ رجاء کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرنے میں لذت و سرور حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مناجات پیش کرنے سے سکون میسر آئے۔ نرمی سے اس کی تعریفیں بیان کرتا رہے۔ یہ باتیں تو ایسے شخص پر ظاہر ہوتی ہیں جو بادشاہ وغیرہ کسی سے رجاء رکھتا ہو تو پھر حقیقی بادشاہ سے رجاء رکھنے میں کیونکر ظاہر نہیں ہوں گے۔ اگر فرض محال ظاہر نہ ہوں تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ شخص رجاء سے محروم ہے' غرور و پستی کی اتھاہ گہرائیوں میں گرا ہوا ہے۔

فائدہ:۔ رجاء کس چیز سے پیدا ہوتی ہے یعنی اس سے جو علم و عمل پیدا ہوتے ہیں اور ان اعمال کا رجاء سے پیدا ہونا اس حدیث مبارکہ میں ہے کہ:۔

حدیث شریف:۔ یہ حدیث مبارکہ حضرت زید خیل سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں آپ کے حضور اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ آپ سے یہ بات دریافت کروں کہ اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بہتری چاہتا ہے' اس کی پہچان کیا ہے؟ جو ایسا نہیں' اسے پہچاننے کی علامت کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "تیرا حال کیسا ہے؟" اس نے عرض کیا۔ میرا حال تو یہ ہے کہ میں خیر اور اہل محبوب جانتا ہوں اور جب کسی خیر کی بات پر قدرت رکھتا ہوں تو اسے عملی جامہ پہناتا ہوں اور پھر اس کے ثواب پہ یقین رکھتا ہوں اور اگر کوئی شے میرے ہاتھ سے چلی جائے تو پھر میں غم کرتا ہوں اور اس کا مشتاق ہوتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی چاہتا ہے' اس کی یہی پہچان ہے اور اگر اللہ تعالیٰ تیرے لیے کچھ اور چاہتا تو پھر تمہیں اس کے لیے تیار کر دیتا۔ بعد ازاں کوئی پرواہ نہ کرتا کہ تم اس کے کون سے جنگل ختم ہو گئے ہو۔

فائدہ:۔ اس حدیث شریف میں رسول کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اہل خیر حضرات کی پہچان بیان فرمائی ہے۔ پس جو شخص رجاء کرے کہ میں اہل خیر میں سے ہوں اور اس میں یہ علامتیں موجود نہ ہوں تو پھر وہ شخص مغرور ہے۔

فضیلت رجاء:۔ رجاء کے ساتھ عمل کرنا' خوف کے ساتھ عمل کرنے سے کہیں زیادہ عمدہ و اعلیٰ ہے کیونکہ وہی بندہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی محبت سب سے زیادہ رکھتا ہو اور محبت رجاء سے زیادہ ہوتی ہے۔ اسے اسی طرح سمجھئے کہ دو بادشاہ ہیں۔ ان میں سے ایک بادشاہ کی خدمت تو لوگ اس سے ڈرتے ہوئے کرتے ہیں جبکہ دوسرے بادشاہ کی خدمت اس کے احسان کی امید پر کریں تو صاف ظاہر ہے کہ دوسرے بادشاہ کے ساتھ زیادہ محبت ہوگی' اسی لیے رجاء اور حسن ظن کے باب میں خصوصاً موت کے وقت شریعت مطہرہ میں بہت ترغیبیں بیان ہوئی ہیں۔

آیات قرآنی:۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ لا تقنطوا من رحمتہ اللہ (الزمر 53) ترجمہ کنزالایمان: اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔

فائدہ:۔ اس آیت مبارکہ میں تو ناامیدی کو صراحتاً حرام فرمایا گیا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ الصلوۃ والسلام پر اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ آپ جانتے ہیں کہ میں نے تمہارے اور یوسف (علیہ السلام) کے مابین جدائی کیوں کی؟ اس جدائی کی وجہ یہ ہے کہ تم نے کہا تھا۔ واخاف ان یاکلہ الذئب وانتم عنہ غافلون (یوسف 13) ترجمہ کنزالایمان: اور ڈرتا ہوں کہ اسے بھیڑیا کھالے اور تم اس سے بے خبر رہو۔ "بھیڑیئے کا خوف تو نے کیوں کیا تھا' مجھ سے رجاء کیوں نہ کی۔ یوسف کے بھائیوں کی غفلت کا لحاظ کیوں کیا جبکہ میری حفاظت کا آپ نے خیال کیوں نہیں کیا؟"

حدیث شریف:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا یموتن احدکم الا ھوا یحسن الظن باللہ تعالیٰ (مسلم شریف) "تم میں سے جو کوئی بھی فوت ہو' وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن رکھتا ہو۔"

ایک حدیث قدسی شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ: انا عندظن عبدی بی فلیظن بی ماشاء" میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں' اب وہ جو چاہے گمان کرے۔"

ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نزع کی حالت میں ایک شخص کے پاس تشریف لے گئے اور ارشاد فرمایا "تیرا کیا حال ہے؟" اس نے عرض کیا "میں اپنے گناہوں سے ڈرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا متوقع ہوں۔" آپ نے فرمایا اس وقت (نزع کے وقت) جس کے دل میں یہ دونوں چیزیں ہوں' اسے اللہ تعالیٰ اس کی توقع عطا فرماتا ہے کہ وہ جس سے ڈرتا ہے' اللہ تعالیٰ اسے اس چیز سے امن عطا فرماتا ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے فرمایا کہ جو شخص کثرت گناہ کے ڈر کی وجہ سے مایوس ہو گیا تھا' اسے فرمایا کہ اے شخص تیرے تمام گناہوں سے زیادہ یہ گناہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہوتا ہے۔

حضرت سفیان ثوری کا فرمان:۔ حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو شخص کوئی گناہ کر کے یہ سمجھ

بیٹھے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس گناہ کو کرنے کی قدرت دی ہے اور بخشش کی رجاء رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دیتا ہے کیونکہ اس کی وجہ ہے کہ ایک قوم کا عیب اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ ذلکم ظنکم الذی ظننتم بربکم اردکم (حم السجدہ) ترجمہ کنزالایمان: یہ ہے تمہارا وہ گمان جو تم نے اپنے رب کے ساتھ کیا اور اس نے تمہیں ہلاک کر دیا۔

وظننتم ظن السوء وکنتم قوما بورا

حدیث شریف نمبر1:۔ حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بندوں کو فرمائے گا کہ جب تو نے برائی دیکھی تو اسے نہ روکنے کی کیا وجہ تھی؟ اس وقت اللہ تعالیٰ خود ہی اپنی رحمت سے جواب بتائے گا تو وہ بندہ عرض کرے گا "یااللہ! میں نے تجھ سے رجاء کی اور لوگوں سے خوف کیا' پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ ہم نے تیرا گناہ معاف کر دیا۔"

حدیث شریف نمبر2:۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص جو کہ لوگوں کو قرض دیتا' اغنیاء پر آسانی کرتا اور مفلسین کو معاف کر دیتا' جب بارگاہ حق عزوجل میں حاضر ہوا تو اس نے زندگی بھر کوئی نیک عمل نہیں کیا تھا مگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن اور رجاء رکھتا کہ یہ صحیح ہے کہ اطاعت کے لحاظ سے میں مفلس ہوں مگر وہ مجھے معاف کر دے گا اور اسے حکم ہوا کہ اس کے لیے ہم سے زیادہ کوئی بھی مستحق نہیں ہے اور اسے معاف کر دیا۔

ان الذین یتلون کتاب اللہ واقامو الصلوۃ وانفقوا مما رزقنھم سرا وعلانیۃ یرجون تجارۃ لن تبور (فاطر 29) ترجمہ کنزالایمان: بے شک وہ جو اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں اور ہمارے دیئے سے کچھ ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں پوشیدہ اور ظاہر وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں۔

حدیث شریف نمبر1:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ اگر تمہیں اس بات کا علم ہو جسے میں جانتا ہوں تو پھر تم کم ہنستے اور زیادہ روتے' جنگلات میں اپنی چھاتی پیٹتے اپنے رب عزوجل کی طرف چیختے چلاتے پھرتے۔ اسی اثناء میں حضرت جبرئیل علیہ السلام بارگاہ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے (اے میرے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میرے بندوں کو مایوس کیوں کرتے ہو؟ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے پاس تشریف لائے اور انہیں رجاء اور شوق کے کلمات تعلیم فرمائے۔

حدیث شریف نمبر2:۔ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داود علیہ الصلوۃ والسلام پر وحی نازل کی کہ میرے ساتھ دوستی کیجئے نیز جو شخص مجھ سے محبت کرے' اس کے ساتھ ہی محبت کیجئے اور مجھے (میری) مخلوق کے دلوں میں محبوب کیجئے۔" آپ نے عرض کی کہ تجھے خلق کے نزدیک کیسے محبوب کروں؟ تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میرا ذکر بڑی خوبی سے کیا کرو' میری نعمتوں اور احسان کو بیان کیجئے اور انہیں یاد دلایا کیجئے کہ سوائے احسان کے وہ کچھ بھی نہیں جانتے۔

حکایت :- حضرت ابان بن ابی عیاش رحمتہ اللہ علیہ جو اکثر و بیشتر لوگوں سے رجائیہ کلمات بیان کرتے' جب وہ فوت ہوئے تو لوگوں نے انہیں خواب میں دیکھا کہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے سامنے کھڑا کر کے مجھ سے دریافت کیا کہ تو ایسا کیوں لوگوں سے کہا کرتا تھا؟ میں نے عرض کیا میں چاہتا تھا کہ تجھے خلق کے نزدیک محبوب کر دوں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "میں نے تجھے بخش دیا۔"

حکایت :- حضرت یحییٰ بن اکثم رحمتہ اللہ علیہ کو کسی نے بعد وصال خواب میں دیکھا تو ان سے پوچھا کہ تمہارے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا معاملہ کیا ہے؟ تو حضرت یحییٰ علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنے سامنے کھڑا کر کے ارشاد فرمایا کہ "اے بوڑھے! کیا یہ کام تم نے کئے ہیں؟" یہ سن کر مجھ پر خوف کا اتنا غلبہ ہوا کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ پھر میں نے عرض کیا کہ یا اللہ عزوجل! حدیث پاک میں تو تیرا حال مجھ تک اس طرح نہیں پہنچا' پھر ارشاد مبارک ہوا کہ پھر تجھ تک میرا حال کس طرح پہنچا ہے؟ میں نے عرض کیا مجھ تک ایک حدیث پاک یہ پہنچی ہے کہ یہ حدیث پاک عبدالرزاق سے اور اسے معمر سے' اسے زہری سے' اسے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے' حضرت انس کو تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جبرئیل علیہ السلام سے کہ تو نے ارشاد فرمایا کہ انا عند الظن عبدی بی فلیظن ماشاء "میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں پس جو چاہے مجھ پہ گمان کرے۔" مجھے تو یہ گمان تھا کہ میرا اللہ مجھے عذاب نہیں دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام نے سچ کہا اور میرے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی سچ بیان فرمایا۔ انس نے بھی سچ کہا' زہری' معمر اور عبدالرزاق نے بھی صحیح کہا۔ پھر مجھے خلعت سے نوازا' میرے آگے آگے جنت تک (پہنچانے کے لیے) غلام چلے۔ اس وقت میں نے کہا کہ اسے خوشی کہتے ہیں۔

حدیث شریف :- ایک خبر میں وارد ہے کہ بنی اسرائیل میں سے ایک شخص لوگوں کو اللہ کی رحمت سے ناامید کیا کرتا تھا اور ان پر سختی کرتا۔ روز قیامت اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا کہ جیسے تو نے میرے بندوں کو ناامید کیا' میں آج اپنی رحمت سے تجھے ناامید کروں گا۔

ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ایک شخص دوزخ میں جائے گا' وہ وہاں ہزار سال رہے گا۔ وہ یاحنان یا منان پکارے گا تو اللہ تعالیٰ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو فرمائے گا کہ جاؤ اور میرے اس بندے کو میرے پاس لے آؤ۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام حکم مانتے ہوئے اسے حاضر کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس سے دریافت فرمائے کہ بتاؤ وہ جگہ کیسی ہے؟ وہ شخص عرض کرے گا کہ بہت بری ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ جاؤ اسے وہیں لے جاؤ' پھر وہ وہیں چلا جائے گا' جاتے جاتے پیچھے مڑ مڑ کر دیکھتا بھی جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے کہ پیچھے مڑ کر کیا دیکھتا ہے؟ وہ عرض کرے گا کہ میں نے تو یہ توقع کی تھی کہ ایک دفعہ جب یہاں سے نکل جاؤں گا تو پھر مجھے اللہ تعالیٰ یہاں نہیں ڈالے گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہو گا کہ اسے جنت میں لے جاؤ۔

فائدہ :- معلوم ہوا کہ اس کی نجات موجب صرف رجاء ہی ہوگی۔

تدبیر رجا

دو قسم کے آدمیوں کو رجاء کی ضرورت ہوتی ہے۔ (1) ایک اس شخص کو جس پر مایوسی کا غلبہ ہو اور وہ عبادت بھی چھوڑ دے۔ (2) یا پھر اس شخص کو جس پر خوف کا غلبہ ہو اور وہ مواظبت عبادت میں اتنی کثرت کرے کہ اس سلسلے میں اپنے نفس اور گھر کے افراد کو بھی نقصان پہنچائے۔ یہ دونوں قسم کے افراد حد اعتدال سے تجاوز کر کے افراط و تفریط کی طرف لڑھک جاتے ہیں۔ وہ ایسے علاج کے محتاج ہوتے ہیں کہ جس کے سبب وہ اعتدال کی راہ اختیار کر لیں۔

رجاء کس کے لیے زہر ہے :- جو شخص عصیاں پہ مغرور ہو کر حق تعالیٰ پہ تمنا کرے اور عبادت سے دور رہے "گناہوں کی دلدل میں ڈبکیاں لگاتا رہے تو اس شخص کے لیے رجاء مہلک زہر بن جاتی ہے۔ جس طرح کہ شہد غلبہ برودت والے کے لیے تو شفا ہے مگر حرارت کے غلبہ والے کے لیے زہر ہے۔ یونہی مغرور کے لیے خوف کے علاوہ اور ان اسباب کے علاوہ کہ جن سے خوف پیدا ہو' کچھ بھی مفید نہیں۔

وعظ کہنے والے کے لیے لازم ہے کہ وہ موقع علت کو ضرور مد نظر رکھتا رہے۔ ہر علت کا علاج اس کی ضد کے ذریعے کرے۔ کسی بھی علت کا علاج کسی ایسی چیز سے نہ کرے جس سے مرض بڑھے کیونکہ یہی مطلوب ہے کہ ہر صفت و خلق میں اعتدال و درمیانہ درجہ بہتر ہوتا ہے' مل جائے جب اس سے بڑھ جائے تو پھر اس کا علاج ایسے طریقے سے کرنا چاہیے کہ درمیانہ درجہ پر آجائے۔ ایسا علاج نہیں کرنا چاہیے کہ جس سے درمیانہ درجہ سے زیادہ فاصلہ پیدا ہو جائے۔

فائدہ :- فی زمانہ (امام غزالی کا دور) ایسا وقت ہے کہ لوگوں کے سامنے رجاء کے اسباب بیان نہیں کرنے چاہیں بلکہ اگر خوف دلانے کے سلسلے میں بھی مبالغہ کیا جائے تو پھر بھی راہ راست پہ لانا مشکل ہے۔ رجاء کے اسباب کا بیان کرنا تو بالکل ہی تباہی میں ڈال دیتا ہے۔

فائدہ :- رجاء کا ذکر چونکہ دلوں پر ہلکا معلوم ہوتا ہے اور نفسوں کو لذیذ محسوس ہوتا ہے جبکہ واعظین کا وعظ کہنے کی غرض ہی یہی ہوتی ہے کہ لوگوں کے دل میری طرف پھر جائیں اور ہر حال میں میرے لیے ثناء خواں بن جائیں' اسی غرض کی بنا پر وہ رجاء کے بیان کی طرف ہی متوجہ رہتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ لوگوں کی خرابی و سرکشی میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔

فرمان حیدر رضی اللہ تعالیٰ عنہ :- حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ "عالم وہ شخص ہوتا ہے جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ کرے اور نہ ہی اس کے عذاب سے بے خوف کرے۔ ہم جو اسباب رجاء بیان

کرتے ہیں' وہ مایوسی کے بارے میں استعمال کرنے کی غرض سے بیان کرتے ہیں یا جس شخص پر خوف غالب ہو' اس کے لیے بیان کرتے ہیں- یہی قرآن پاک اور حدیث مبارک کا مقتضی بھی ہے کیونکہ دونوں میں خوف و رجاء ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ پائے جاتے ہیں- کتاب اللہ و حدیث شریف میں ہر قسم کے مریضوں کے لیے شفا کے اسباب بیان کیے گئے ہیں تاکہ وارثین انبیاء علمائے کرام انہیں اپنی ضرورت کے مطابق استعمال میں لائیں- جس طرح کہ حاذق طبیب علاج کرتا ہے' اس طرح علاج کریں- بیوقوفوں کی طرح علاج نہ کریں- جنہیں یہ وہم گزرتا ہے کہ ہر مرض کے لیے ہر دوا مناسب ہے' خواہ کوئی کیسا ہی مرض رکھے-

فائدہ:- معلوم کیجئے کہ غلبہ رجاء کی دو صورتیں ہیں-

غلبہ رجاء کی پہلی صورت:- غلبہ رجاء کی پہلی صورت وہی ہے جو کچھ کسی نعمت کی اقسام کے سلسلے میں بیان کر آئے ہیں- باب لشکر میں اسے غور سے ملاحظہ کیجئے- یہاں تک کہ حق تعالیٰ نعمتوں کے لطائف بندوں پر دنیا میں ہی ظاہر ہو جائیں اور جو عجیب و غریب حکمتیں اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش میں ملحوظ رکھی ہیں' وہ معلوم ہو جائیں کہ انسان کے ہمیشہ رہنے کے لیے جو چیز ضروری تھی' وہ ہر ایک کے لیے عطا فرما دی- جیسا کہ آلات غذا اور کام کرنے کے سلسلے میں جو چیز کار آمد تھی' وہ بھی- مثلاً انگلیاں' ناخن' خوبصورتی کی اشیاء بھی عطا فرما دیں جس طرح کہ خمدار ابرو' کئی رنگ آنکھ میں ہونا' سرخ لب وغیرہ- اگر یہ چیزیں نہ ہوتیں تو غرض انسانی میں خرابی تو واقع نہ ہوتی- فرق صرف اتنا پڑتا کہ خوبصورتی ختم ہو کے رہ جاتی- اب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے خوبصورتی بھی ہے-

فائدہ:- غور و فکر کرنے کا مقام ہے کہ جب حق تعالیٰ نے ایسے حقائق میں بھی بندوں کے لیے کمی نہیں کہ خوبصورتی میں اضافے' ضرورت اور بقاء کی چیزیں بندوں سے جدا نہیں ہونے دیں تو وہ پھر کس طرح ناراض ہو گا کہ وہ ہلاکت ابدی میں بندوں کو ڈالے-

فائدہ:- ان کے علاوہ اگر محض دنیا میں بھی غور و فکر کرو تو پتہ چل جائے گا کہ اسباب سعادت بھی اکثر لوگوں کے لیے دنیا میں موجود ہیں- یہاں تک کہ دنیا سے جدائی انہیں بری معلوم ہوتی ہے' خواہ انہیں یہ بھی کہہ دیا جائے کہ تمہیں مرنے کے بعد کبھی بھی عذاب نہیں ہوگا اور نہ ہی تم سے کوئی حساب کتاب ہو گا- پس وہ نہ ہونے کو برا جانتے ہیں- اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ اکثر و بیشتر نعمت کے اسباب زیادہ رہتے ہیں اور موت کے تمنائی بہت کم اور ایسے لوگ کیسی شاذ حالت یا عجیب و غریب حادثہ کے وقت ہی موت کی تمنا کرتے ہیں-

جب دنیا میں اکثر مخلوق پر خیر و سلامتی زیادہ ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کا طریقہ نہیں بدلتا بلکہ یکساں رہتا ہے- اس سے یہ گمان غلبہ اختیار کر لیتا ہے کہ پھر آخرت کا معاملہ بھی ایسا ہی ہونا چاہیے کیونکہ دنیا و آخرت دونوں کا مدبر ایک ہے- غفور و رحیم اور لطیف اسی تدبر کے اسماء مبارکہ ہیں جس طرح دنیا میں لطف و کرم فرماتا ہے' آخرت میں بھی یونہی لطف و کرم فرمائے گا جب یوں سوچے گا تو پھر رجاء کے اسباب غالب ہوں گے-

فائدہ:۔ نیز یہ بھی اس صورت میں ہے کہ حکمت شریعت میں غور و فکر کرے کہ جو مصالح دنیا میں بروئے کار آتے ہیں' انہیں ملاحظہ کرے کہ اللہ تعالیٰ کی کیسی کیسی رحمت بندوں پر ہے۔

فائدہ:۔ بعض عارفین سورہ بقرہ کی آیت مبارکہ مدائنیت کو رجائے اسباب میں سے سب سے زیادہ مضبوط خیال کرتے ہیں۔ ان عارفین سے لوگوں نے پوچھا کہ اس آیت مبارکہ میں رجاء کیا ہے؟ عارفین نے فرمایا' ساری دنیا ہی قلیل ہے اور اس میں سے بھی بندے کا رزق تھوڑا ہے اور قرض کم رزق سے بھی کم ہے مگر اللہ تعالیٰ نے قرض کے سلسلے میں تمام آیات میں سے سب سے بڑی آیت مبارکہ نازل کی تاکہ بندے قرض کو یاد رکھنے کے سلسلے میں محتاط رہیں۔ جب ایسی قلیل چیز کی احتیاط کے سلسلے میں اتنا لحاظ رکھا گیا تو پھر دین کی احتیاط کیسے نہیں کرے گا' اس لیے یہ ایسی شے ہے کہ جس کا بدلہ کوئی چیز بھی نہیں بن سکتی۔

غلبہ رجاء کی دوسری صورت:۔ رجاء کی دوسری صورت کے سلسلے میں بہت سی آیات' اخبار اور آثار ملتے ہیں۔ آیات یہ ہے:۔

آیت نمبر1:۔ قل یا عبادی الذی اسرفوا علیٰ انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللّٰہ ان اللّٰہ یغفر الذنوب جمیعا انہ ھو الغفور الرحیم (الزمر53) ترجمہ کنزالایمان: تم فرماؤ اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو بے شک اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے بے شک وہی بخشنے والا مہربان ہے۔

حدیث شریف نمبر1:۔ ولا یبالی انہ ھور الغفور الرحیم اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جہنم دشمنوں کے لیے بنایا ہے مگر پھر بھی دوستوں کو جہنم سے ڈرایا ہے۔

آیت نمبر2:۔ لھم من فوقھم ظلل من النار ومن تحتھم ظل ذلک یخوف اللّٰہ بہ عبادہ (الزمر16) ترجمہ کنزالایمان: ان کے اوپر آگ کے پہاڑ ہیں اور ان کے نیچے پہاڑ اس سے وہ اللہ ڈراتا ہے اپنے بندوں کو۔

آیت نمبر3:۔ فاتقوا النار التی (تا) للکفرین (البقرہ 24) ترجمہ کنزالایمان: ہرگز نہ لا سکو گے تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں تیار رکھی ہے کافروں کے لئے۔

آیت نمبر4:۔ فانذرتکم نارا تلظی لا یصلھا الا الا شقی الذی کذب وتولی (الیل 14 تا 16) ترجمہ کنزالایمان: تو میں تمہیں ڈراتا ہوں اس آگ سے جو بھڑک رہی ہے نہ جائے گا اس میں مگر بدبخت جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا۔

آیت نمبر5:۔ وان ربک لذو مغفرۃ للناس علی ظلمھم (الرعد 6) ترجمہ کنزالایمان: اور بے شک تمہارا رب تو لوگوں کے ظلم پر بھی انہیں ایک طرح کی معافی دیتا ہے۔

شان نزول :- روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے لیے ہمیشہ دعا مانگتے تھے کہ آپ پر یہ آیت مبارکہ فان ربک النح نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ارشاد مبارک ہوا کہ اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم آپ اب بھی راضی نہیں ہوئے۔

آیت نمبر 6 :- ولسوف یعطیک رب فترضیٰ (ضحیٰ 5) ترجمہ کنزالایمان : اور بے شک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔

فائدہ :- اس آیت مبارکہ کی تفسیر کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے اگر ایک فرد بھی دوزخ میں رہا تو اس وقت تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم راضی نہیں ہوں گے۔

سب سے زیادہ توقع والی آیت مبارکہ :- حضرت امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ تم عراقی کہتے ہو کہ قرآن مجید میں تمام آیات میں سے سب سے زیادہ توقع والی آیت مبارک یہ ہے کہ قل یعبادی الذی اسرفوا علیٰ انفسھم لا تقنطوا من رحمتہ اللہ (الزمر 53) ترجمہ کنزالایمان : ابھی گزرا (منیر رضا) اور ہم اہل بیت تو یہ کہتے ہیں کہ تمام آیات میں سے سب سے زیادہ توقع والی آیت ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ (ضحیٰ 5) ترجمہ کنزالایمان : اوپر گزرا (منیر رضا) -

رجاء کے اخبارات درج ذیل ہیں :-

احادیث :- حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میری امت مرحومہ ہے۔ آخرت میں اس پر عذاب نہیں ہوگا۔ اس کی سزا دنیا میں ہی اللہ تعالیٰ زلزلے اور آفات کے ذریعے دے دیتا ہے۔ قیامت کے دن میری امت میں سے ایک شخص کسی اہل کتاب سے ملے گا تو میرے امتی کو کہا جائے گا کہ تیرے لیے یہ شخص (کتابی) نار جہنم کا فدیہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا ہر امتی کسی یہود و نصاریٰ کو لائے گا اور عرض کرے گا کہ دوزخ کے لیے میرا فدیہ یہ ہے۔ اتنا کہہ کر (وہ یہودی و نصرانی) جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا الحمی من فیح جھنم وھی حظ المومن من النار "بخار جہنم کی لپیٹ میں سے ہے اور وہ (بخار) جہنم میں سے مومن کا حصہ (دنیا میں ہی) ہے۔

یوم لا یخزی اللہ النبی والذین امنوا معہ (التحریم 8) ترجمہ کنزالایمان : جس دن اللہ رسوا نہ کرے گا نبی اور ان کے ساتھ کے ایمان والوں کو۔

فائدہ :- اللہ تعالیٰ کے اس فرمان مبارک کی تفسیر کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل فرمائی کہ اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی امت کا حساب میں آپ کے سپرد کر دیتا ہوں۔ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا "ایسا نہ کر! ان کے لیے میرے سپرد کرنے کی نسبت تو بہتر ہے۔" اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "آپ کے امتیوں کے سلسلے میں اب میں تجھے رسوا نہیں کروں گا۔"

حدیث :۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا کہ یا اللہ! میری امت کے گناہوں کا حساب و کتاب میرے سپرد کر دے تاکہ ان کی خطاؤں پر میرے سوا کوئی دوسرا مطلع نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم یہ لوگ آپ کی تو صرف امت ہیں جبکہ میرے تو بندے ہیں۔ ان پر میں آپ سے بھی زیادہ رحیم ہوں۔ ان کی خطاؤں کا حساب و کتاب اپنے سوا کسی کو نہ دوں گا تاکہ ان کی خطائیں نہ تو آپ کو معلوم ہوں اور نہ ہی کسی دوسرے کو۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری حیات و ممات دونوں ہی تمہارے لئے بہتر ہیں۔ میں تمہارے لئے اپنی حیات مبارکہ میں راہ شریعت مسنون و مشروع کرتا ہوں اور جب میں وصال فرما جاؤں گا تو تمہارے اعمال میرے سامنے پیش کیے جائیں گے۔ ان اعمال میں سے جو اعلیٰ ہوں گے' اس پر میں اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاؤں گا اور اگر کوئی برا عمل ہوا تو پھر تمہارے لیے دعائے مغفرت کروں گا۔

مدنی تاجدار احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن یا کریم العفو کہا۔ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام نے آپ سے پوچھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ الٰہی میں تمام نعمت کی تجھ سے ابتدعا کرتا ہوں۔ آپ نے اس سے دریافت فرمایا کہ تجھے معلوم ہے کہ تمام ہونا نعمت کا کیا ہے؟ اس نے کہا۔ "میں تو نہیں جانتا۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "کمال نعمت جنت میں داخلہ ہے۔"

فائدہ :۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ ہم پر اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت تمام کر دی ہے کہ ہمارے لیے دین اسلام کو پسند کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا (المائدہ 3) ترجمہ کنزالایمان : اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب بندہ گناہ کر کے اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور عفو طلب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کو کہتا ہے کہ میرے اس بندے کو دیکھئے کہ اس نے گناہ کر لیا ہے' پھر یہ سمجھا کہ میرا کوئی رب بھی ہے جو گناہوں کو بخشتا ہے اور گناہوں کی وجہ سے گرفت بھی کرتا ہے۔ میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ اسے میں نے بخش دیا ہے۔

ایک حدیث قدسی شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی بندہ اتنے زیادہ گناہ کرے کہ اس کے گناہ آسمان کی چوٹی تک پہنچ جائیں تو وہ جب تک مجھ سے اپنے گناہ بخشواتا رہے گا اور مجھ سے رجاء رکھے گا تو میں اسے بخش دوں گا۔

ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ اگر کوئی بندہ زمین کے برابر بھی میرے پاس گناہ لے کر آئے گا تو میں بھی اس سے اسی قدر ہی مغفرت و بخشش سے ملوں گا۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب بندہ گناہ کرتا ہے تو فرشتہ اس کے نامہ اعمال میں چھ گھڑی تک اس کا گناہ نہیں لکھتا۔ اس دوران میں اگر وہ بندہ توبہ و استغفار کر لے تو پھر وہ فرشتہ اس گناہ کو نہیں لکھتا۔ اتنے وقت میں اگر وہ توبہ و استغفار نہ کرے تو پھر ایک گناہ لکھ دیتا ہے۔

ایک حدیث شریف میں یوں بھی ہے کہ وہ فرشتہ جب اس کا گناہ لکھ لیتا ہے تو پھر وہ بندہ اگر کوئی نیک عمل کر لے تو پھر دائیں طرف والا فرشتہ (نیکیاں لکھنے والا) جو کہ بائیں طرف والے فرشتے (گناہ لکھنے والا) کا حاکم ہے' اپنے تابع سے کہتا ہے کہ یہ گناہ جو تو نے ابھی لکھا ہے' اسے مٹا دے۔ میں اس کی ایک نیکی مٹا دوں گا یعنی اس نے جو نیک عمل اب کیا ہے' میں اسے دس کی بجائے نو تحریر کروں گا۔ اس طرح اس بندے کا وہ گنا بھی مٹا دیا جاتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو وہ اس کے ذمے لکھ دیا جاتا ہے۔ ایک اعرابی نے کہا "اگر وہ شخص توبہ کر لے تو پھر؟" آپ نے ارشاد فرمایا "تو پھر مٹا دیا جاتا ہے۔" اسی اعرابی نے پھر پوچھا۔ "اگر وہ پھر دوبارہ گناہ کرے تو پھر؟" آپ نے فرمایا "اس پہ پھر لکھا جائے گا۔" پھر اس نے پوچھا۔ "اگر وہ پھر توبہ کرلے؟" آپ نے ارشاد فرمایا "اس کے نامہ اعمال سے گناہ پھر مٹا دیا جائے گا۔" اس نے پھر عرض کیا کہ یہ سلسلہ کب تک چلتا رہے گا؟ آپ نے ارشاد فرمایا "اس وقت تک کہ جب تک وہ استغفار کرتا رہے گا۔" اللہ تعالیٰ مغفرت کرنے سے بالکل نہیں گھبراتا۔ یہاں تک کہ بندہ خود ہی استغفار کرنے سے گھبرا جائے۔ (تو یہ الگ بات ہے مگر اللہ تعالیٰ مغفرت سے ہرگز نہیں گھبراتا۔)

پھر جب بندہ نیکی کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو پھر دائیں طرف والا فرشتہ نیک عمل کرنے سے قبل ہی ایک نیکی اسکے نامہ اعمال میں تحریر کر دیتا ہے' پھر اگر وہ ارادہ کرنے کے بعد اس ارادے کو عملی جامہ پہنا دیتا ہے تو وہ فرشتہ دس نیکیاں لکھ دیتا ہے اور جب وہ بندہ کوئی گناہ کر لے تو پھر ایک ہی گناہ اس کے ذمے لکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حسن عفو اس کے بعد بھی ہے یعنی وہ گناہ بھی معاف ہو جائے' یہ تو کوئی تعجب والی بات نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں روزے ایک ماہ سے زیادہ نہیں رکھتا۔ نمازیں پانچ سے زیادہ نہیں پڑھتا۔ میرے مال میں سے صدقہ' حج زکوٰۃ اور خیرات کچھ بھی نہیں' میں ایسے حال میں اگر مر جاؤں تو میرا ٹھکانہ کہاں ہوگا؟ آپ نے فرمایا "جنت میں۔" اس نے عرض کیا "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے ساتھ؟" آپ نے تبسم فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "ہاں! میرے ساتھ ہی مگر شرط یہ ہے کہ تو اپنے دل کو دو باتوں (کینہ اور حسد) سے محفوظ رکھے نیز غیبت اور جھوٹ سے زبان کو محفوظ رکھے۔ دو ہی چیزوں سے اپنی آنکھوں کو روکے۔ (1) اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء کو دیکھنا (2) حقارت کرنی اور کسی مسلمان پر چشمک مارنی۔ اگر اپنے آپ کو ان تمام باتوں سے بچائے گا تو پھر میرے ساتھ ہی رہے گا بلکہ میری ان دونوں کف دست پر تو جنت میں پہنچے

گا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک بڑی حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک اعرابی نے دریافت کیا کہ "مخلوق کے حساب کا کون متکفل ہوگا؟" آپ نے ارشاد فرمایا "اللہ تعالیٰ ہوگا۔" اس نے پوچھا۔ "کیا اللہ تعالیٰ خود حساب لے گا؟" آپ نے فرمایا "ہاں۔" یہ سن کر اعرابی مسکرا اٹھا۔ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تو کس بات سے مسکرایا؟" اس نے جواب دیا۔ "مجھے اس لیے خوشی ہے کہ جب کریم قدرت پاتا ہے تو پھر وہ معاف کر دیتا ہے۔ اور اگر وہ حساب بھی لیتا ہے تو پھر حساب لینے میں بھی چشم پوشی سے کام لیتا ہے۔" آپ نے ارشاد فرمایا "یہ اعرابی سچ کہتا ہے۔ "جان لو! کوئی بھی کریم اللہ تعالیٰ سے زیادہ کرم والا نہیں ہے۔ بالکل تمام کریموں سے زیادہ وہی اکرم ہے۔ بعد ازاں آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ حقیقت اعرابی سمجھ گیا ہے۔"

علاوہ ازیں یہ بھی اسی حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کعبۃ اللہ کو شرف و عظمت سے نوازا اور اگر اسے کوئی بندہ ایک ایک پتھر کر کے شہید کر دے اور پھر اس کے بعد اسے پھونک دے تو پھر بھی اسے اتنا زیادہ گناہ نہیں ہوگا جتنا گناہ کہ کسی ولی اللہ کی حقارت کرنے سے گناہ ہوتا ہے۔ اعرابی نے عرض کیا۔ "اولیاء اللہ کون ہوتے ہیں؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "تمام ایماندار اولیاء اللہ ہیں۔" "کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان مبارک نہیں سنا ہے کہ اللہ ولی الذین امنوا یخرجھم من الظلمت الی النور (البقرہ 257) ترجمہ کنزالایمان: اللہ والی ہے مسلمانوں کا انہیں اندھیروں سے نور کی طرف نکالتا ہے۔

بعض احادیث میں یہ بھی ہے کہ المومن افضل من الکعبہ والمومن طیب وطاھر والمومن اکرم علی اللہ تعالٰی من الملائکہ

ایک حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے بقیہ حصہ سے ایک کوڑا دوزخ کو بنایا جس سے وہ اپنے بندوں کو جنت کی طرف لے جاتا ہے۔

ایک حدیث قدسی شریف میں وارد ہے کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ خلق کو میں نے اس لیے تخلیق کیا ہے کہ وہ

یہ حدیث حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایسی کوئی چیز بھی پیدا نہیں کی کہ جس سے اعلیٰ کوئی دوسری چیز نہ بنائی ہو اور غصہ پر اپنی رحمت کو غالب پیدا کیا ہے۔

ایک مشہور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خلق کی پیدائش سے پہلے ہی اپنے ذمہ کرم سے یہ جملہ لکھ لیا کہ ان رحمتی تغلب غضبی "بے شک میری رحمت میرے غضب پہ غالب ہوتی ہے۔"

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ من قال لا الہ اللہ دخل الجنتہ "جس نے لا الہ الا اللہ کہا' وہ جنت میں داخل ہوگا۔" اور فرمایا کہ من کان اخر کلامہ لا الہ الا اللّٰہ لم تمسہ النار ومن لقی اللہ لا یشرک بہ شیئا

حرمت علیہ النار "جس کا آخری کلام لا الہ الا اللہ ہوا اسے آگ (جہنم کی) نہیں چھوئے گی۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ اگر اللہ جل جلالہ کی رحمت کی وسعت معلوم ہو جائے تو پھر وہ بھی اللہ تعالیٰ کی بہشت سے ناامید نہ ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ آیت مبارکہ تلاوت کی ان زلزلۃ الساعۃ شئی عظیم (الحج ۱) ترجمہ کنزالایمان: بے شک قیامت کا زلزلہ بڑی سخت چیز ہے۔ تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے دریافت کیا کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ کون سا دن ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ارشاد مبارک ہوگا کہ کھڑے ہو کر اپنی اولاد میں سے دوزخ کی رسد باہر نکالو تو حضرت آدم علیہ السلام کہیں گے۔ "کتنے؟" اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوگا کہ جنت کے لیے ہزار میں سے ایک رکھ لو باقی نو سو ننانوے (999) دوزخ کے لیے نکالو۔ یہ سن کر سب ہی حیرت میں ڈوب گئے اور پھر رونا شروع کر دیا کہ کچھ کام بھی نہ کیا۔ ان کے پاس اسی اثناء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ نے فرمایا "تم کام کیوں نہیں کرتے تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا "آپ سے وہ حدیث سن کر کام میں مشغول ہونے کی کس میں تاب ہے؟"

آپ نے فرمایا کہ تمہیں یہ معلوم ہے کہ تم دوسری قوموں کی نسبت گنتی کے لحاظ سے کتنے ہو، تاویل، تاریس، منسلک اور یاجوج و ماجوج کی قومیں کہیں گئیں۔ اتنی زیادہ قومیں ہیں کہ ان کی گنتی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا۔ ان کے مقابلے میں تم تو گنتی کے لحاظ سے کچھ بھی نہیں ہو۔ ان سب کی نسبت تم تو ایسے ہی ہو جیسے سیاہ بیل کے چمڑے میں ایک سفید بال ہوتا ہے یا گھوڑے کے پاؤں میں کسی دوسرے رنگ کا کوئی چھوٹا سا نشان ہوتا ہے۔

فائدہ :۔ اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہونا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو خوف کے کوڑے سے کیسے ہانکا کرتے تھے اور پھر حق تعالیٰ کی طرف کیسے رجا کی باگ کے ذریعے کھینچتے تھے۔

پہلے بھی کو تازیانہ خوف سے ہنکایا بعد ازاں جب آپ کو معلوم ہوا کہ انہیں (صحابہ کرام رضی اللہ علیہم اجمعین) شدت خوف نے حد اعتدال سے باہر کر دیا۔ اسی وجہ سے مایوسی کے گڑھے میں گر پڑے ہیں تو پھر فوراً ہی ان کا علاج رجاء کے ذریعے کیا اور انہیں اعتدال پر قائم کر دیا۔

دوسرا قول پہلے قول کے مخالف بھی نہیں تھا بلکہ پہلے جسے شفا کا سبب جانا اسے بیان کر دیا اور اسے ہی کافی جانا مگر پھر جب علاج کی ضرورت محسوس کی تو پھر رجاء کے ذریعے علاج کیا اور اصل پوری بات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سامنے بیان کر دی۔

فائدہ :۔ واعظوں کو بھی وعظ کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنی چاہیے۔ ضرورت کا لحاظ رکھتے ہوئے خوف و رجاء کے اسباب کو اپنائیں یعنی علت باطنی کے مطابق ہی تدبیریں اپنا کر اسے دور کرنے کی کوشش کریں۔ اگر کوئی واعظ اس کا لحاظ نہیں کرے گا تو پھر اس سے درستگی و اصلاح کی جتنی توقع ہوگی، اس سے اسی

نسبت سے خرابی پیدا ہوگی۔

ایک حدیث میں ہے کہ اگر تم گناہ نہیں کرو گے تو پھر اللہ تعالیٰ اور مخلوق پیدا کرے گا' وہ گناہ کریں گے تو ان کے گناہ بخشے جائیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات غفور الرحیم ہے۔

ایک حدیث شریف میں وارد ہے کہ اگر تم گناہ نہیں کرو گے تو پھر تم پہ مجھے ایک ایسی خبر کا خوف لاحق ہے کہ وہ خبر گناہوں سے بھی بری ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ وہ کیا خبر ہے؟ آپ نے فرمایا' وہ عجب ہے۔

ایک حدیث پاک میں وارد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اس ذات کی قسم ہے کہ جس کے قبضہ قدرت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے کہ اللہ جل جلالہ بروز قیامت ایسی مغفرت فرمائے گا کہ کبھی کسی کے دل پر بھی ویسی مغفرت نہیں گزری ہوگی یہاں تک کہ ابلیس بھی اس وقت اس بات کے انتظار میں ہوگا' شاید مغفرت مجھ تک بھی پہنچ جائے۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سو رحمتیں ہیں۔ ان میں سے ننانوے (99) رحمتیں تو اپنے پاس (قیامت کے دن کے لیے) رکھ لی ہیں اور ایک رحمت پوری دنیا میں ظاہر کی ہے۔ اسی ایک رحمت کی وجہ سے ہی ساری مخلوق ایک دوسری پر رحم کرتی ہے۔ ماں اپنے بیٹے پر' جانور اپنے بچوں پر شفقت کرتے ہیں۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ دنیا والی رحمت بھی ننانوے (99) رحمتوں میں شامل کر کے مخلوق میں پھیلائے گا۔ ان رحمتوں میں سے ہر رحمت آسمان و زمین کے سات طبقوں کی مقدار جتنی بڑی ہوگی۔ بھلا اتنی بڑی رحمت کے ہوتے ہوئے تباہ کار کے علاوہ اور کون ہلاکت میں پڑ سکتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے کہ جسے اس کے اعمال جنت میں پہنچائیں یا دوزخ سے بچائیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا' کیا آپ بھی ایسے نہیں ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا "میں بھی ایسا نہیں ہوں مگر اس صورت میں کہ میرے پروردگار کی رحمت مجھے ڈھانپ لے۔"

ایک حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اعملوا وابشروا واعلموا ان احدا لن ینجیه عمله "عمل کیجئے اور بشارت لیجئے اور جان لیجئے کہ کسی کو بھی اس کا عمل نجات نہیں دلائے گا یعنی سوائے اس کی رحمت کے۔"

حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اپنی شفاعت اپنے گنہگار امتیوں کے لیے چھپا رکھی ہے۔ کیا تمہیں یہ معلوم ہے کہ شفاعت متقیوں اور طاعت کرنے والوں کے لیے ہی نہیں بلکہ گنہگاروں کے لیے بھی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بعثت بالحنیفته اسمعته السهلته

آپ نے فرمایا کہ یہ بات مجھے اچھی طرح معلوم نہیں ہوئی کہ دونوں اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) جان لیں کہ ہمارے دین میں وسعت ہے۔

یہ دلیل اسی معنی کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومن کی دعا قبول کی کہ ان کے دعا کے جواب میں یوں ارشاد فرمایا لاتحمل علینا اصرا (البقرہ آخری آیت) نیز ارشاد فرمایا کہ ویضع عنھم اصرھم والا غلال التی کانت علیھم (الاعراف 157) ترجمہ کنزالایمان: اور ان پر سے وہ بوجھ اور گلے کے پھندے جو ان پر تھے اتارے گا۔

فائدہ:- حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان مبارک نازل ہوا۔ فاصفح الصفح الجمیل (الحجر 85) ترجمہ کنزالایمان: تو تم اچھی طرح درگزر کرو۔ تو حضرت جبرئیل امین سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ صفح جمیل کسے کہتے ہیں۔ حضرت جبرئیل نے کہا اگر کوئی شخص آپ پر ظلم کرے تو آپ اسے معاف کر دیں' پھر اس پر اعتاب نہ کریں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے جبرئیل اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ جسے معاف فرمادے گا' پھر اس پر عتاب نہیں کرے گا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام رو پڑے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی رو پڑے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جبرئیل علیہ السلام کے پاس حضرت میکائیل علیہ السلام کو روانہ فرمایا۔ حضرت میکائیل علیہ السلام نے کہا' آپ کا پروردگار آپ کو سلام کہتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ میں جسے معاف کر دوں گا' اس پر عتاب کیسے کروں گا۔ یہ بات میرے فضل و کرم کے لائق نہیں ہے۔" بہرحال اسباب رجاء کے سلسلے میں بے شمار اخبار وارد ہیں۔

آثار رجاء:- اب آثار ملاحظہ فرمایئے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہ نے فرمایا کہ جو شخص گناہ کرے اور اسے حق تعالیٰ دنیا میں پوشیدہ رکھے تو پھر اللہ تعالیٰ یہ پسند نہیں فرماتا کہ اس کا پردہ آخرت میں کھولے اور اگر کوئی گناہ کرے اور سزا بھی اسے دنیا میں مل جائے تو پھر عدل حق تعالیٰ اس بات کا مقتضی ہرگز نہیں کہ دوبارہ آخرت میں بھی اپنے بندے کو سزا دے۔

حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ نے فرمایا کہ میں تو یہ بھی اچھا نہیں سمجھتا کہ میرا حساب کتاب میرے والدین کے سپرد کر دیا جائے کیونکہ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ تو مجھ پر میرے والدین سے بھی زیادہ رحیم ہے۔

بعض اکابرین کا قول مبارک ہے کہ جب کوئی ایماندار نافرمانی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا گناہ فرشتوں کی نگاہ سے بھی پوشیدہ کر دیتا ہے' کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ بھی خطا دیکھ کر گواہ بن جائیں۔

حضرت محمد بن مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسود بن سالم کو اپنے ہاتھ مبارک سے لکھا کہ اپنے آپ پر جب کوئی زیادتی کرتا ہے اور پھر یارب کہتے ہوئے دعا کے لیے ہاتھ بلند کرتا ہے تو فرشتے اس کی آواز روک لیتے ہیں۔ دوسری بار بھی اسی طرح کرتے ہیں اور جب بندہ تیسری بار کہتا ہے تو اتفاق ہوتا ہے' اسی طرح جب چوتھی بار یارب کہتا ہے تو پھر حق تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے کہ اے فرشتو! میرے بندے کی آواز کب تک مجھ سے چھپاتے رہو

گے۔ یہ بات میرے بندے نے جان لی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا میرا کوئی بھی ایسا پروردگار نہیں ہے جو میرے گناہوں کو بخش دے' میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اسے بخش دیا ہے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجھے ایک رات خانہ کعبہ کا طواف کرنے کا موقع نصیب ہوا۔ وہ رات بہت اندھیری تھی' دروازہ خانہ کعبہ کے پاس ملتزم میں کھڑے ہو کر دعا کی کہ یااللہ! مجھے گناہ کی آلودگی سے محفوظ رکھ میں کبھی بھی تیری نافرمانی نہیں کروں گا۔ فوراً خانہ کعبہ کے اندر سے ہاتف غیبی نے کہا "اے ابراہیم! تو ہم سے عظمت چاہتا ہے۔ تمام ایماندار یہی چاہتے ہیں پس میں تمام کو ہی معصوم کر دوں تو پھر میں اپنا فضل و کرم اور مغفرت کن لوگوں پر کروں؟"

حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر ایماندار گناہ نہ کرے تو پھر عالم غیب اور آسمانی اسرار میں سیر کرتا پھرے مگر اس کے گناہوں کی وجہ سے اللہ عزوجل اس کے پر کو نوچ دیا ہے۔

حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ کی نظر کرم ہو گئی تو پھر گنہگاروں کو بھی صالحین میں شامل کر دے گی۔

حضرت مالک بن دینار رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت آبان رحمتہ اللہ علیہ سے ملاقات کی تو انہوں نے فرمایا کہ تم رخصتوں کے متعلق احادیث کب تک لوگوں کو سناتے رہو گے۔ انہوں نے کہا کہ میاں صاحب! مجھے توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عفو قیامت کے دن تمہیں اتنا دیکھنے میں آئے گا کہ تمہیں بہت خوشی نصیب ہو گی۔

حضرت ربعی بن خراش تابعی رحمتہ اللہ علیہ بڑے بڑے تابعین میں سے تھے۔ وصال کے بعد آپ نے اپنے بھائیوں سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ جب میرے والد گرامی وصال فرما گئے تو انہیں کفن دے کر ان کا جنازہ تیار کیا۔ اپنے منہ سے انہوں نے کفن پیچھے ہٹا کر سیدھے بیٹھ گئے اور فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے میری خاطر داری راحت اور رزق سے کی۔ اللہ تعالیٰ مجھ سے ناراض نہیں تھا' مجھے جیسا گمان تھا میں نے یہ معاملہ اس سے بھی زیادہ آسان پایا۔ اب کاہلی نہ کرو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میرا انتظار کر رہے ہیں۔ اب پھر میں ان کے پاس جاؤں گا' یہ کہہ کر پھر گر گیا جس طرح کہ کسی طشت میں کوئی کنکر گرتا ہے۔ بعد ازاں ہم نے اسے دفن کر دیا۔

حکایت :۔ حدیث یمن میں مروی ہے کہ بنی اسرائیل کے دو اشخاص نے محض اللہ کی رضا کے لیے آپس میں بھائی چارہ قائم کیا۔ ان میں سے ایک تو اپنے نفس پر بھی زیادتی کیا کرتا جبکہ دوسرا عابد تھا۔ ہمیشہ پہلے کو وعظ و نصیحت اور طعن کرتا رہتا۔ پہلا شخص صرف یہی کہہ دیتا چھوڑ یار میں جانوں یا میرا پروردگار۔ مجھ پر تم کوئی نگہبان تو مقرر ہی نہیں' نوبت یہاں تک پہنچی کہ ایک شخص عابد نے اپنے دوسرے ساتھی کو گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اسے غصے میں آکر کہہ دیا کہ تجھے تو اللہ تعالیٰ ہرگز نہیں بخشے گا۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس گنہگار کو فرمائے گا کہ کیا اتنی طاقت کسی میں ہے کہ وہ میری رحمت میرے بندوں سے روک سکے۔ جا میں نے تجھے

بخش دیا اور اس عابد سے فرمائے گا کہ جا میں نے تجھ پر دوزخ واجب کر دیا ہے۔

فائدہ :- یہ بیان کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس عابد نے ایک ایسی بات کہہ دی جس کی وجہ سے دین اور دنیا دونوں ہی خراب کر لیں۔

حکایت :- مروی ہے کہ بنی اسرائیل میں سے ایک چور چالیس سال تک رہزنی کے پیشے میں ملوث رہا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کے پاس ایک دن گزرے۔ آپ کے حواریوں میں سے ایک آپ کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا۔ چور اپنے دل میں کہنے لگا کہ یہ اللہ کے پیغمبر میرے پاس سے گزر رہے ہیں' ان کے ساتھ ان کا ایک حواری بھی ہے۔ اگر اتر کر میں بھی ان کے ساتھ ساتھ چلوں تو یہ بہتر ہے۔ اس ارادے سے راہزن نیچے اترا اور عابد کے قریب جانا چاہتا تھا مگر پھر عابد کی تعظیم اور اپنے نفس کی ذلت و رسوائی کر کے کہتا کہ میرے جیسے گنہگار کو اس عابد کے برابر ہرگز نہیں چلنا چاہیے مگر جب عابد کو پتہ چلا کہ میرے ساتھ ساتھ تو چور آرہا ہے تو یہ محسوس کر کے اپنے دل میں کہنے لگا' یہ شخص تو میری برابری کرنے پر تلا ہوا ہے۔ یہ سوچ کر اس سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہوئے اس سے آگے بڑھ گیا حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے برابر چلنے لگا۔ اب چور اس سے پیچھے رہ گیا۔

راوی نے کہا کہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل کی کہ آپ ان دونوں کو کہہ دیجئے کہ تمہارے پہلے تمام اعمال میں نے باطل کر دیئے ہیں' اب اعمال نئے سرے سے کرو۔

فائدہ :- حواری کی نیکیاں اس عمل سے برباد ہو گئیں کیونکہ اس نے غرور کیا جبکہ رہزن کے گناہ اس لئے ختم کر دیئے کیونکہ اس نے اپنے نفس کو حقیر سمجھا' بہرحال حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق انہیں بتا دیا اور چور کو اپنے برابر کر لیا اور اپنا حواری بنا لیا۔

حکایت :- حضرت مسروق رحمتہ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ انبیاء کرام میں سے ایک نبی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ ریز تھے کہ آپ کی گردن پر کسی سرکش نے پاؤں اتنے زور سے رکھا کہ نبی اللہ کی پیشانی مبارک میں کنکر گھس گیا۔ انہوں نے غصے میں سر اٹھا کر اسے فرمایا کہ جا اللہ تعالیٰ تجھے بالکل نہیں بخشے گا' فوراً ان پر وحی نازل ہوئی کہ میرے بندوں کے سلسلے میں مجھ پر قسم کھاتے ہو' اسے میں نے بخش دیا ہے۔

شان نزول :- حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشرکوں کے لیے بددعا فرمایا کرتے تھے کہ یہ آیت مبارک نازل ہوئی۔ لیس لک من الامر شئی او یتوب علیھم او یعذبھم (آل عمران 128) ترجمہ کنزالایمان : یہ بات تمہارے ہاتھ نہیں یا انہیں توبہ کی توفیق دے یا ان پر عذاب کرے۔ اس آیت مبارکہ کے نازل ہونے کے بعد آپ نے مشرکین کے حق میں بددعا کرنی چھوڑ دی۔ ان مشرکوں میں سے اکثر کو اللہ تعالیٰ نے دولت اسلام سے مشرف فرما دیا۔

حکایت :- مروی ہے کہ دو عابد عبادت کرنے کے سلسلے میں برابر تھے- جب وہ جنت میں پہنچے تو ایک کو دوسرے سے اعلیٰ مقام ملا- کم مرتبہ جس عابد کو ملا' اس نے حق تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں عرض کیا "یااللہ! دنیا میں رہتے ہوئے اس نے مجھ سے زیادہ تو عبادت نہیں کی- اس کے باوجود (عبادت میں ہم برابر ہیں) تو نے اسے اعلیٰ مقام عطا فرما دیا ہے- اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وہ شخص دنیا میں رہتے ہوئے مجھ سے اعلیٰ درجات کے لیے درخواست کیا کرتا تھا جبکہ تو صرف دوزخ کی آگ سے نجات کی دعا مانگتا تھا- میں نے تو ہر بندے کو اس کی طلب کے مطابق عطا کیا ہے-

فائدہ :- معلوم ہوا کہ عبادت رجاء کے ساتھ کرنا بہتر ہے کیونکہ رجاء کرنے والے پر خائف کی نسبت محبت غالب ہوتی ہے-

مثال :- دیکھئے ایسا بادشاہ کہ جس کی خدمت عتاب سے ڈرتے ہوئے کریں جبکہ دوسرے بادشاہ کی خدمت انعام کی توقع رکھتے ہوئے کریں- ان دونوں بادشاہوں میں بہت بڑا فرق ہے- اسی بحث کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے حسن ظن کا حکم دیا ہے-

حدیث شریف :- اسی حیثیت کو مدنظر رکھتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بڑے بڑے درجات کی دعا کیا کرو کیونکہ تم بہت بڑے سخی سے طلب کرتے ہو- سب کچھ عطا کر دینا' اس کے نزدیک کوئی بڑی بات نہیں ہے-

حدیث شریف :- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے جب سوال کرو تو بڑی رغبت سے سوال کرو- جنت الفردوس طلب کرو کیونکہ اس کے نزدیک کوئی چیز بھی عطا کر دینا ناممکن نہیں ہے-

حکایت :- حضرت بکر بن سلیم رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہم حضرت مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ان کی زندگی کی آخری شام کے وقت حاضر ہوئے- ہم نے دریافت کیا کہ اب آپ کا حال کیسا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ تمہارے اس سوال کا جواب کیا کروں مگر جلد ہی اللہ تعالیٰ کا عفو اتنا زیادہ ملاحظہ کرلو گے کہ جس کا تم نے کبھی گمان بھی نہیں کیا ہوگا- پھر ہم وہیں تھے کہ آپ نے وصال فرمایا حتیٰ کہ آپ کی آنکھیں بھی ہم نے ہی بند کیں-

حضرت یحییٰ بن معاذ کی مناجات :- یحییٰ بن معاذ اپنی مناجات میں فرماتے ہیں کہ یااللہ! مجھے جو توقع اپنے گناہوں کے ساتھ ساتھ تجھ سے ہے' میری وہ اس کے ساتھ بڑی ہو جاتی ہے جو اپنے نیک اعمال کے ساتھ تجھ سے ہے کیونکہ اعمال میں بڑا اخلاص ہے- ایسا اخلاص مجھ میں کہاں سے آیا تھا- میں تو معرفت میں ہوں' تیرے عفو پر بھروسہ تو مجھے اپنے گناہوں کی وجہ سے ہوتا ہے تو پھر تو میرے گناہ کیسے معاف فرمائے گا تو تو جود کر رہا ہے-

حکایت :- ایک مجوسی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مہمان بننا چاہتا تھا- آپ نے اسے فرمایا کہ اگر تو مسلمان بن جائے

تو میں پھر تجھے کھانا کھلاؤں گا' وہ مجوسی واپس چلا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی نازل فرمائی کہ دین کے اختلاف کی وجہ سے آپ نے اسے کھانا نہیں کھلایا۔ ایک رات اگر کھانا کھلا دیتے تو کیا تھا جبکہ ہم اسے اس کے کفر کی وجہ سے ستر سال سے رزق دے رہے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام فوراً اس مجوسی کے پیچھے گئے۔ اسے واپس لا کر کھانا کھلایا۔ اب اس مجوسی نے آپ سے پوچھا۔ "اب کھانا کھلانے کی کیا وجہ ہے؟" پہلے تو آپ نے وجہ بتانے سے انکار کر دیا مگر بعدازاں تمام قصہ بیان کر دیا۔ مجوسی نے عرض کیا' کہ اللہ تعالیٰ میرے ساتھ یہ معاملہ کر رہا ہے' پھر وہ مجوسی مسلمان ہو گیا۔

حکایت :۔ استاد ابو سہل صلعو رحمتہ اللہ علیہ آپ ہمیشہ ڈرانے کی وجہ سے مشہور و معروف تھے۔ آپ نے حضرت ابو سہل زجاجی کو خواب میں ملاحظہ کیا تو ان کا حال دریافت کیا جس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ جتنا تم ہمیں ڈراتے تھے' معاملہ اس سے آسان دیکھا ہے اور استاد ابو سہل کو کسی نے خواب میں بڑی عمدہ صورت میں دیکھا تو پوچھا کہ بتایئے آپ کو یہ درجہ کیسے ملا؟ آپ نے ارشاد فرمایا' میرے حسن ظن کی وجہ سے یعنی جیسا تجھے' اے میرے اللہ پر گمان تھا' اسے ویسا ہی پایا۔

حکایت :۔ حضرت ابو العباس بن شریح رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی مرض الموت میں خواب دیکھا کہ قیامت قائم ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ علماء کہاں جائیں؟ علمائے کرام جب حاضر ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے علمائے کرام سے پوچھا کہ تم نے اپنے حاصل کردہ علم سے کیا کچھ عمل کیا؟ تمام علماء نے جواباً عرض کیا "یا اللہ! ہم سے خطاء ہوئی' ہم نے برا کیا ہے۔" راوی کا کہنا ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ کو یہ جواب پسند نہ آیا ہو' پھر وہی سوال دہرایا تاکہ وہ اس جواب کے علاوہ کوئی اور جواب دیں۔ ابن شریغ رحمتہ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے بارگاہ حق میں عرض کیا "یا اللہ! شرک میرے نامہ اعمال میں نہیں ہے جبکہ تیرا وعدہ ہے کہ شرک سے گھٹیا تمام گناہ معاف کر دوں گا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اسے لے جاؤ' ہم نے تمام کو بخش دیا ہے۔ یہ بزرگ اس خواب سے تین دن کے بعد وصال فرما گئے۔

حکایت :۔ روایت ہے کہ ایک آدمی بڑا شرابی تھا۔ ایک دفعہ اس نے اپنے ساتھیوں کو اکٹھا کیا اور اپنے غلام کو چار درہم اس لیے دیئے کہ ہماری مجلس کے لیے کچھ خرید لائے۔ وہی غلام حضرت منصور بن عمامہ رحمتہ اللہ علیہ کے دراقدس کے قریب جب پہنچا تو آپ اس وقت کسی دوسرے فقیر کے لیے کچھ مانگتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ جو کوئی اس فقیر کو چار درہم دے گا' میں اس شخص کے لیے چار دعائیں مانگوں گا۔ یہ سن کر اس غلام نے وہی چار درہم اس فقیر کو دے دیئے۔ حضرت منصور رحمتہ اللہ علیہ نے اس غلام سے دریافت فرمایا کہ تو کیا چاہتا ہے؟ بتاؤ تیرے لیے کیا دعا مانگوں۔ اس غلام نے عرض کیا یا حضرت! میرا ایک آقا ہے' میں چاہتا ہوں کہ مجھے اس سے نجات مل جائے۔ حضرت منصور رحمتہ اللہ علیہ نے اس کے لیے دعا مانگی۔ پھر پوچھا کہ بتاؤ دوسرا کیا مقصد ہے؟ اس نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان چار درہموں کا بدل بھی عطا فرمائے۔ حضرت منصور نے پھر دعا مانگی۔ پھر دریافت کیا "اور کیا چاہتا ہے؟"

اس نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ میرے آقا کو توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور پھر اس کی توبہ قبول بھی ہو جائے۔ آپ نے پھر دعا مانگی۔ حضرت صاحب نے چوتھی بات دریافت فرمائی تو اس نے عرض کیا۔ اللہ تعالیٰ میری' آپ کی اور میرے آقا کی اور تمام قوم کی مغفرت فرما دے۔ حضرت منصور رحمتہ اللہ علیہ نے پھر دعا مانگی۔ بعد ازاں وہ غلام واپس اپنے آقا کے پاس حاضر ہوا تو اس کے آقا نے دریافت کیا کہ تم نے اتنی دیر کیوں لگا دی ہے؟ اس نے گزرا ہوا تمام واقعہ بیان کر دیا۔

اس نے پھر پوچھا کہ پھر ان چاروں دعاؤں کی تشریح کرو۔ اس نے کہا' پہلی دعا تو یہ منگوائی کہ میں آزاد ہو جاؤں۔ آقا نے جواب دیا "جا تو آزاد ہے۔" آقا نے پوچھا "بتا دوسری دعا کیا تھی؟" اس نے کہا "اللہ تعالیٰ مجھے میرے درہموں کا بدل دے دے۔" آقا نے کہا "جا تجھے میں نے چار ہزار درہم دے دیئے اور اب تیسری دعا بیان کر۔" اس نے کہا "اللہ تعالیٰ آپ کو توبۃ نصوح نصیب کرے۔" آقا نے کہا "میں نے توبہ کی' اب چوتھی دعا بھی بتا۔" اس نے کہا "میری چوتھی دعا یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ مجھے' آپ کو' پوری قوم اور منصور کو بخش دے۔" آقا نے کہا "یہ بات میرے اختیار سے باہر ہے۔"

جب اس رات سویا تو اسے خواب آیا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے کہ جو بات تیرے اختیار میں تھیں' وہ تو نے کر دی۔ کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ جو ہمارے اختیار میں ہے' ہم نہیں کریں گے۔ ہم نے تجھے' تیرے غلام' منصور بن عمار اور تمام حاضرین کو بخش دیا۔

حکایت:۔ حضرت عبدالوہاب بن عبدالمجید ثقفی رحمتہ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک دن میں نے تین مردوں اور ایک عورت کو جنازہ لے جاتے دیکھا۔ عورت کی طرف سے چارپائی میں نے اٹھائی۔ نماز جنازہ ادا کرنے کے بعد اسے قبرستان میں دفن کر دیا۔ بعد ازاں اس عورت سے میں نے دریافت کیا کہ یہ مرد تیرا رشتے کے لحاظ سے کیا لگتا تھا تو اس نے جواب دیا کہ یہ میرا بیٹا تھا۔ پھر میں نے اس عورت سے دریافت کیا کہ تمہارے پڑوسی نہیں تھے؟ عورت نے جواب دیا "میرے پڑوسی کیوں نہیں ہیں؟ میرے پڑوسی تو ہیں مگر اسے حقیر سمجھتے تھے۔" میں نے پھر پوچھا "کہ اس مردے میں کیا برائی تھی؟" اس نے جواب دیا "یہ مخنث تھا۔" اس عورت پہ مجھے رحم آ گیا۔ اسے اپنے گھر لے جا کر کچھ نقد رقم' جنس اور کپڑا دیا۔ رات جب میں سویا تو میں نے خواب دیکھا کہ ایک شخص میرے قریب آیا جیسے چودھویں رات کا چاند ہو' سفید لباس میں ملبوس تھا۔ اس نے میرا شکریہ ادا کیا۔ اس شخص سے میں نے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں وہی مخنث ہوں جسے آج تم نے دفن کیا۔ دوسرے لوگوں نے جب مجھے حقیر سمجھا تو رب تعالیٰ نے مجھ ناچیز پر رحم فرمایا۔

حکایت:۔ حضرت ابراہیم اطروش رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ایک دن ہم حضرت معروف کرخی رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ بغداد شریف میں دجلہ کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے کہ کچھ نوجوان ایک چھوٹی سی ڈونگی پر سوار' ڈھول

بجاتے' شراب پیتے ہوئے اور کھیلتے کودتے نظر آئے۔ حضرت معروف کرخی رحمتہ اللہ علیہ سے لوگوں نے عرض کیا کہ جناب! انہیں دیکھیے۔ یہ اعلانیہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر رہے ہیں' ان کے حق میں بددعا فرمایئے۔ آپ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور یوں دعا مانگی کہ یااللہ! تو نے جیسے انہیں دنیا میں خوش کیا ہے' اسی طرح انہیں آخرت میں بھی خوش و خرم کر۔

اس پر لوگوں نے عرض کیا "ہم نے تو ان کے حق میں بددعا کے لیے کہا تھا۔" آپ نے انہیں فرمایا کہ اگر انہیں اللہ تعالیٰ آخرت میں خوش کرنا چاہے گا تو انہیں پہلے دنیا میں ہی توبہ کرنے کی توفیق بخش دے گا۔ میری اس دعا کا خلاصہ یہ ہے کہ یااللہ! انہیں ان کی ان بری حرکتوں سے توبہ کرنے کی توفیق عطا فرما۔

دعا:- بعض اکابرین یوں دعا مانگا کرتے تھے کہ الٰہی! دنیا میں ایسا کون ہے جو تیری نافرمانی پر کمربستہ نہ ہو مگر پھر بھی تیری رحمت تمام پر کامل ہے اور تیرا رزق بھی مسلسل جاری ہے۔ تیری شان بہت عظیم ہے' ترا حلم بہت کہ تیری نافرمانی بھی ہو رہی ہے مگر پھر بھی تو مسلسل رزق عطا فرما رہا ہے۔ پوری نعمت عطا فرما رہا ہے گویا جیسے تو غصہ ہوتا ہی نہیں۔

خلاصہ :- یہ تمام ایسے ہی اسباب ہیں کہ جن کی وجہ سے خائفین اور مایوسوں کے دلوں میں رجاء پیدا ہو جاتی ہے مگر بیوقوفوں اور مغروروں کو ایسی باتیں نہیں سنائی چاہیں کیونکہ ان کے لیے وہ کچھ بیان کیجئے جو عنقریب ہم خوف کے بارے میں بیان کریں گے کیونکہ اکثر لوگ خوف سے اصلاح پذیر ہوتے ہیں۔ جیسے شرارتی غلام اور لڑکا کوڑے' چھڑی اور سخت کلامی کے بغیر راہ راست پر نہیں آتا۔ اگر انہیں اس کے خلاف برتا جائے تو ان کی دین و دنیا کی بھلائی میں نقصان ہو گا۔

حقیقت خوف

خوف کی تعریف :- درد دل اور درونی سوزش کا نام خوف ہے جو مستقبل میں کسی بری توقع کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔

یہ بات حقیقت رجاء کے بیان میں معلوم ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو شخص مانوس ہو' اس کے دل پر حق تعالیٰ محیط ہو جائے کہ وہ ہمیشہ ہی جمال حق کے مشاہدے میں مستغرق رہے اور اپنے دور میں یکتا ہو تو ایسے شخص کی توجہ مستقبل پہ نہیں رہتی۔ اسی جہت کی بناء پر نہ تو انہیں خوف لاحق ہوتا ہے اور نہ ہی رجاء بلکہ ایسے شخص کا حال خوف و رجاء دونوں سے ہی افضل و اعلیٰ ہوتا ہے کیونکہ یہ دونوں چیزیں تو دو باگوں کی مثل ہیں کہ نفس کو ان کی رعونتوں میں بھٹکنے نہیں دیتیں۔ حضرت واسطی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے قول مبارک میں اسی طرح اشارہ کیا ہے کہ خوف اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان ایک حجاب ہے اور یہ قول مبارک بھی انہیں کا ہے کہ جب حق باطن پر غالب

آجاتا ہے تو پھر اس کے دل میں خوف و رجاء کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

فائدہ :۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر محب کا دل محبوب کے مشاہدہ میں فراق کے خوف سے مشغول ہو گا تو پھر مشاہدہ حق میں نقصان ہو گا بلکہ ہمیشہ مشاہدہ رہنا تو انتہائی مقام ہے لیکن اب ہم پہلے ابتدائی مقامات کے سلسلے میں گفتگو کرتے ہیں جہاں کہ خوف بھی ہوتا ہے۔

خوف تین چیزوں سے مرکب :۔ کہا جاتا ہے کہ حالت خوف تین چیزوں سے مرکب ہوتی ہے۔ (1) علم (2) حال (3) عمل۔

1۔ علم سے مقصود تو وہ علم ہے جس سے برائی کی طرف پہنچانے والے سبب کا ادراک ہو مثلاً کسی بادشاہ کے سلسلے میں کسی شخص نے قصور کیا ہو' پھر اسی بادشاہ کے ہاتھوں قید بھی ہو جائے تو ایسے شخص کو اپنے قتل کیے جانے کا خوف ہو گا حالانکہ یہ بھی ممکن ہے کہ اسے معاف بھی کیا جا سکتا ہے اور وہ وہاں سے کسی نہ کسی طریقے سے بھاگ بھی سکتا ہے مگر پھر بھی اس کے دل میں صدمہ خوف کا اتنا ہی ہو گا جتنا کہ علم اسباب موجب قتل کا زیادہ ہو گا اور وہ اسباب یہ ہیں کہ قصور کا بڑا ہونا' بادشاہ خود بھی کینہ پرور' غضبناک' انتقام لینے والا ہو' بادشاہ پر بھی انتقام لینے پہ آمادہ کرنے والوں کا غلبہ ہو' وہاں اس کا کوئی سفارشی نہ ہو' خائف کے پاس کوئی وسیلہ و بھلائی بھی نہ ہو کہ جس وجہ سے بادشاہ کے دل سے اس کی خطا مٹائی جا سکے۔ ان تمام اسباب کا اکٹھے ہونا اور ان تمام اسباب کا مجرم کو معلوم ہونا یہ سب قوت خوف اور دل کے صدمے کی شدت کا سبب ہیں۔ یہ اسباب جتنے کمزور ہوں گے' خوف بھی اسی قدر کم ہو گا۔ کسی قصور کے کرنے سے خوف نہیں ہوا کرتا بلکہ خوف تو خوف والی چیز کی خاصیت جاننے سے ہوتا ہے۔ مثلاً درندے کا خوف اس لیے ہوتا ہے کہ درندے کی صفت چیرنا پھاڑنا معلوم ہے گویا درندے کی یہ صفت اختیاری ہے اور کبھی کبھی ایسے وصف کی وجہ سے بھی خوف ہو جایا کرتا ہے کہ جو ڈر کی چیز کے قبضہ و اختیار میں نہیں ہوتا بلکہ اس کی سرشت میں ہوتا ہے جس طرح کہ کوئی شخص رو کی دھار میں پھنس جائے یا جہاں یہ آگ لگی ہوئی ہو' وہاں اس کے قریب رہتا ہو۔ پس پانی اور آگ کا خوف اسی جہت کی بنا پر ہے کہ یہ چیزیں فطرتاً ڈبونے اور جلانے کی خاصیت رکھتی ہیں۔

فائدہ :۔ سوزش دل اور درد درونی کے اٹھنے کا سبب برے اسباب کا علم ہے۔ اسی سوزش کو خوف کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یونہی اللہ تعالیٰ سے خوف کرنا کبھی تو حق تعالیٰ کی معرفت اور اس کی صفتیں جان لینے سے بھی ہوتا ہے کہ اگر وہ تمام عالمین کو تباہ کر دے تو اسے کوئی پروا نہیں ہو گی اور نہ ہی کوئی اسے روک سکتا ہے۔ کبھی بندہ اپنے گناہوں کی کثرت کی وجہ سے ڈرتا ہے اور کبھی کبھی ان دونوں وجوہات کی بنا پر ڈرتا ہے جتنی اپنی برائیاں' اللہ تعالیٰ کی بزرگی اور اس کا استغفار معلوم ہو گا کہ وہ جو کچھ بھی کرے' اس بارے میں اس سے کوئی بھی پوچھنے والا

نہیں ہے جبکہ بندوں سے اس کے کیے ہوئے تمام افعال کی پوچھ گچھ ہوگی' اتنا ہی اسے خوف ہوگا۔

فائدہ:- لازم ہوا کہ وہی شخص رب تعالیٰ سے زیادہ ڈرے گا جو تمام لوگوں سے زیادہ اپنے نفس اور اپنی ذات کو زیادہ جانتا ہوگا۔

حدیث شریف:- اسی جہت سے حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بخدا تمہاری نسبت میں اللہ تعالیٰ کا خوف زیادہ رکھتا ہوں۔

حکم قرآن:- انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء (فاطر 28) ترجمہ کنزالایمان: اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔

فائدہ:- یہی معرفت جب کامل ہوتی ہے تو پھر خوف و سوزش دل کی مورث ہوتی ہے۔ پھر سوزش کا اثر دل سے بدن' اعضاء اور صفات پر پہنچتا ہے۔ اس کی تاثیر بدن میں لاغری' زردی پن' بیہوشی' رونا اور چیخنا چلانا ہے' کبھی کبھار اسی سوزش کی وجہ سے پتہ بھی پھٹ جاتا ہے جو کہ موت کا سبب بھی بن جاتا ہے۔ یہی حرارت اگر دماغ کی طرف اثر کر جائے تو عقل جواب دے جاتی ہے۔ یہ حرارت قوی ہو تو مایوسی کا سبب بنتی ہے۔

فائدہ:- اس کی تاثیر اعضاء میں یہ ہوتی ہے کہ اعضاء کو گناہوں سے روکتی ہے۔ طاعات کا قیدی بنا دیتی ہے تاکہ گزشتہ تقصیر کی تلافی اور آئندہ استعداد حاصل ہو۔

فائدہ:- اسی لیے کہتے ہیں کہ رو کر آنکھیں پونچھ لینے والے کو خائف نہیں کہتے بلکہ خائف تو اسے کہتے ہیں جو سزا کا موجب جس چیز کو جانے اسے ترک کر دے۔

ابوالقاسم حکیم کا قول:- حضرت ابو القاسم حکیم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس چیز سے کوئی ڈرتا ہے' وہ اس چیز سے دور بھاگتا ہے مگر اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اسی کی طرف بھاگتا ہے۔

فائدہ:- حضرت ذوالنون رحمتہ اللہ علیہ سے کسی نے سوال کیا کہ بندہ کب اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا "جب بندہ اپنے آپ کو مریضوں جیسا بنا لے جو مرض کے بڑھنے کے خوف سے پرہیز کرتا ہے۔ خوف کے اثر کی وجہ سے اس کی صفتوں میں شہوتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ تمام لذتیں مکدری کا شکار ہو جاتی ہیں جس طرح کہ کسی شخص کو شہد محبوب ہو مگر جب وہ کہیں سے سن لے کہ اس میں زہر ہوتا ہے تو اس خوف کی وجہ سے اسے شہد کی رغبت نہیں رہتی۔ اسی طرح دوسری تمام شہوتوں کا حال ہے کہ خوف کی وجہ سے ختم ہو جاتی ہیں۔ تمام اعضائے جسمانی ادب کی پابندی اختیار کر لیتے ہیں۔ اس کے دل میں عجز و انکساری' خشوع و خضوع اور مسکنت جیسی صفات پیدا ہو جاتی ہیں۔ کبر' حقد اور حسد وغیرہ بیماریاں دور ہو جاتی ہیں بلکہ بندہ تمام کوشش سے خوف میں لگ جاتا ہے۔

وہ اپنے انجام پر نظر رکھتا ہے' کسی دوسری طرف مشغولیت کی اسے فرصت ہی نہیں ملتی سوائے مراقبے' محاسبے اور مجاہدے کے وہ کوئی کام نہیں کرتا۔ ہر سانس' ہر لحہ' قدم اور ضائع کرنے سے بخیل بن جاتا ہے بلکہ اس کا تو حال ایسا ہو جاتا ہے جیسا کہ کوئی شخص کسی موذی درندے کے پنجے میں پھنس جائے اور اسے یہ معلوم ہو کہ جب یہ غافل ہوگا تو میں اس کے پنجے سے نکل بھاگوں گا یا اس کے حملے سے موت کا شکار ہو جاؤں گا تو ایسی صورت حال کا جب وہ شکار ہوگا تو پھر وہ ظاہر و باطن سے اسی درندے کی طرف متوجہ رہے گا۔ توجہ کسی دوسری طرف بھٹکنے نہیں دے گا۔ اس شخص کا بھی یہی حال ہو جاتا ہے جس پر خوف غالب آجائے جو کہ درد دل اور اس کی سوزش کو کہا جاتا ہے۔

فائدہ :- خوف کی اتنی ہی طاقت ہوتی ہے جتنی کہ حق تعالیٰ کے جلال' صفات و افعال کی معرفت ہوئی ہے نیز اپنے نفس کے عیبوں' ان کے خطرات اور وحشتوں کی قوی معرفت ہوتی ہے جو کہ اسے آنے والی ہے۔

تقویٰ :- خوف ظاہر ہونے کی تاثیر معمولی درجہ عمل میں یہ ہے کہ بندہ شرعی محرمات و ممنوعات سے بچے کہ جن میں حرمت میں امکان ہو سکتا ہے یعنی جو چیزیں یقینی حرام تو نہ ہوں مگر ان میں حرمت کا کچھ نہ کچھ شبہ ضرور ہو تو ایسی مشتبہ چیزوں سے بھی بچ جائے۔ اسی مقام کو تقویٰ کہا جاتا ہے کیونکہ شبے کی چیز چھوڑ دینے کو ہی تقویٰ کہا جاتا ہے اور عمل صرف یقینی پر کرے (صدق فی التقویٰ) بلکہ کبھی کبھی تو حال اس سے بھی آگے گزر جاتا ہے۔ بعض اوقات ایسی چیزوں کو بھی چھوڑ بیٹھتا ہے جن میں کچھ بھی مضائقہ نہیں ہوتا۔ اسے صدق فی التقویٰ کہا جاتا ہے۔

صدق :- بلکہ اس سے بھی اتنی بات اور بڑھ جائے کہ تجربہ بھی ہو یعنی صرف ان چیزوں کو ہی استعمال میں لائے جو اس کے کام کی ہیں مثلاً جس گھر میں نہ رہے' اسے تعمیر ہی نہ کرے۔ جو چیز کھانے کے نہیں' اسے جمع ہی نہ کرے۔ دنیا کی طرف توجہ ہی نہ دے اور جانے کہ یہ توجہ ہو جائے گی غیر اللہ میں اپنی کوئی سانس بھی نہ صرف کرے تو ایسی حالت کو صدق کہا جاتا ہے' صدیق کہلانا ایسی صفتوں کے مالک کو ہی زیب دیتا ہے۔

عفت :- یہ درجے اس طرح ہیں کہ نچلے درجے سے اوپر والا درجہ عام ہے اور اس میں نچلا درجہ داخل ہے مثلاً صدق میں تقویٰ بھی داخل ہے یونہی ورع تقویٰ میں داخل ہے۔ اسی طرح ورع میں عفت بھی داخل ہے کیونکہ محض مقتضائے شہوت سے باز ہونے کے لیے جو ورع ہوتا ہے' اسے ہی عفت کہتے ہیں۔ بہرحال اعضاء میں خوف رک جائے تو پھر بھی خوف کی تاثیر ان اعضاء میں پیدا ہو جاتی ہے اور اعمال پر مبادرت کرنے سے بھی مگر جو اعضاء عمل نہیں کرتے تو ہر چیز بچنے سے اس کا ایک نیا نام رکھ دیا جاتا ہے مثلاً اگر شہوت سے بچے تو اس بچنے کو عفت کہتے ہیں۔

ورع :- اس سے بڑا ورع کا مقام ہے جو بہ نسبت اس کے عام ہے کیونکہ ہر ممنوع چیز سے رکنے کو ورع کہتے ہیں۔

اس سلسلے میں شہوت کی تخصیص نہیں ہے۔

تقویٰ:۔ ورع سے اعلیٰ مقام تقویٰ ہے کیونکہ ممنوعہ اور مشتبہ ہر قسم کی چیزوں سے بچنے کو تقویٰ کہا جاتا ہے۔

صدق و قرب:۔ تقویٰ سے اعلیٰ صدق و قرب کا مقام کیونکہ شبہ کے خوف کی بنا پر مباحات سے بھی بچنے کا نام ہے۔

فائدہ:۔ درجات میں سے ہر درجہ اپنے پہلے درجہ سے افضل ہے تو اگر انتہائی درجہ بولنے سے اس میں تمام درجات آجائیں گے۔ اگر کہا جائے کہ انسان عربی یا عجمی اور عربی ہے یا قریشی ہے یا نہیں' قریشی ہاشمی ہے یا نہیں اور اسی طرح ہاشمی اولاد علی ہے یا نہیں' پھر اولاد علی ہے تو حسنی یا حسینی ہے یا نہیں۔ سب سے اعلیٰ درجہ انسان میں حسنی و حسینی ہوگا۔ پس اگر کسی کو کہو کہ وہ حسینی ہے تو اس درجہ سے نچلے تمام درجات و اوصاف اس میں ضرور ہوں گے۔

امثال:۔ مثلاً وہ حسینی حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد سے بھی ہوگا۔ ہاشمی' قریشی اور عربی وغیرہ سب کچھ ہوگا۔

صدیق:۔ اسی طرح اگر کسی کو صدیق کے لقب سے موسوم کیا جائے تو اس مقام سے نچلے تمام اوصاف سے وہ موصوف ہوگا' دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ صدیق کہنا ایسا ہی ہے کہ وہ شخص متقی' پرہیزگار بھی ہے۔ صاحب ورع و عفت بھی ہے۔

فائدہ:۔ اس بارے میں یہ گمان بالکل نہیں کرنا چاہیے کہ ان درجات میں جو الگ الگ الفاظ ہیں' ان کے معنی بھی ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ اگر ایسا سمجھا جائے تو پھر حق مشتبہ ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ الفاظ سے معنی کی طلب کرتے ہیں' انہیں امر حق میں اشتباہ پڑ جاتا ہے اور اگر معنی کے تابع الفاظ کو کریں تو پھر ایسی صورتحال سے آدمی بچ جاتا ہے۔ خوف کے کلی معنی کا یہی اشارہ ہے اور اس چیز کا جسے اوپر کی جانب متضمن ہے یعنی جو معرفت خوف کا سبب ہوتی ہے اور جسے نچلی جانب شامل ہے یعنی جو اعمال خوف کی وجہ سے ہوتے ہیں یا چھوٹتے ہیں۔

مدارج خوف:۔ یہ پہلے ہی بیان ہو چکا ہے کہ خوف ایک عمدہ چیز ہے مگر پھر بھی کبھی کبھی قیاس اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ عمدہ چیز جتنی قوی اور زیادہ ہوگی' اتنی ہی زیادہ بہتر ہے۔ اس لحاظ سے خوف جتنا زیادہ اور شدید ہو' اتنا ہی بہتر ہے۔ حالانکہ یہ تصور محض غلط کہ خوف ایک تازیانہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جس سے علم و عمل یہ ہمیشہ اپنانے کے لیے ہنکاتا ہے تاکہ علم و عمل سے مقام قرب حق حاصل ہو۔ چوپائے اور لڑکے سے یہ کوڑا کسی وقت بھی جدا نہیں کرنا چاہیے۔

فائدہ:۔ مگر یاد رکھئے کہ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ زیادہ پٹنا اچھا کام ہے بلکہ مارپیٹ کی بھی ایک حد مقرر ہے۔

یونہی خوف کے لیے بھی کمی و بیشی ہے۔ عمدہ بات تو اعتدال یعنی میانہ روی ہے۔

کم خوف کو عورتوں کے رونے کی مانند سمجھنا چاہیے کہ وہ جب کوئی قرآنی آیت سن لیتی ہیں یا ان کے سامنے کوئی اور خوفناک سبب سامنے آجائے تو وہ اس سے ڈر کر رونے اور آنسو بہانے لگتی ہیں۔ وہ سبب جب نگاہوں سے اوجھل ہو جائے تو پھر ان کا دل غفلت کی طرف جھک جاتا ہے تو ایسا خوف اعتدال سے کم ہے' اس میں فائدہ بھی تھوڑا ہے۔

کم خوف کی مثال :۔ کم خوف کی مثال یوں سمجھئے کہ کسی قوی جانور کو ایک نرم و نازک ٹہنی درخت کی مارے جائے کہ اس ٹہنی سے نہ تو اسے تکلیف ہوگی اور نہ ہی کوئی خاطرخواہ کام کرے گا اور اکثر لوگوں کا خوف کرنا ایسا ہی ہے ہاں البتہ عارف اور علماء کرام اس سے مستثنیٰ ہیں۔

حقیقی عالم :۔ علماء کرام سے ہماری غرض وہ علماء نہیں جو محض علماء جیسا لباس پہن لیتے ہیں۔ برائے نام فاضل بن بیٹھتے ہیں۔ ایسے نام کے علماء تو تمام لوگوں سے بڑھ کر بے خوف ہوتے ہیں بلکہ ہماری مراد وہ علماء کرام ہیں جو اللہ تعالیٰ' اس کی نعمتوں اور حق تعالیٰ کے افعال سے باخبر ہیں۔ فی زمانہ ایسے علماء کرام کا وجود بہت ہی کم ہے۔

حضرت فضیل کا فرمان :۔ حضرت فضیل ابن عیاض رحمتہ اللہ علیہ نے اسی جہت سے ارشاد فرمایا کہ جب تم سے کوئی پوچھے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہو؟ تو اس کے جواب میں تم خاموشی اختیار کرو کیونکہ تم اگر جواب دو گے کہ ہاں ہم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں تو جھوٹے ہوگے اور فرمایا کہ دراصل خوف تو وہی ہے جو گناہوں کے کرنے سے اعضاء کو روک دے۔ حق تعالیٰ کی طاعت کا پابند بنا دے۔ اعضاء میں جب تک خوف کی تاثیر نہیں پیدا ہوگی' اس وقت اسے وسوسہ اور جنبش خاطر ہی کہنا چاہیے۔ اسے خوف کہنا زیب نہیں دیتا۔

اعتدال سے زیادہ خوف :۔ اعتدال سے زیادہ خوف یہ ہے کہ بندہ مایوسی کا شکار ہو جائے۔ ایسا خوف بھی منع ہے کیونکہ یہ عمل کی مانع ہے حالانکہ خوف سے تو وہی غرض ہوتی ہے جو کوڑے سے کہ وہ کام پہ انسان کو آمادہ کرے اور اگر خوف طاری ہونے کے باوجود عمل نہ ہو تو پھر ایسا اچھا تو نہیں ہے بلکہ الٹا نقصان ہے۔ اس نقصان کی وجہ یہ ہے کہ جہل اور عاجزی اس خوف کا منشاء ہے جبکہ جہل یہ ہے کہ وہ اپنے انجام سے بے خبر ہے۔ اگر اپنے سے باخبر ہوتا تو پھر اتنا نہ ڈرتا کیونکہ انجام میں تردد ڈرنے والے کو ہی ہوتا ہے جبکہ عاجزی اس کی یہ ہے کہ وہ اس امر کی بنا پر ایسے پیچ کی دلدل میں پھنس جاتا ہے کہ وہ جسے دور نہیں کر سکتا۔

فائدہ :۔ بہرحال اگر نقص کے اعتبار سے دیکھیں تو ایسے خوف کو اچھا کہہ سکتے ہیں کہ یہ ہونا اس کے نہ ہونے سے بہتر ہے۔ اگر مثلاً دوائی استعمال کرنے کی تکلیف برداشت کرنا بھی اچھی نہیں ہے بلکہ اس لحاظ سے کہ یہ تکلیف برداشت کرنا مرض اور موت کی نسبت آسان ہے۔ اس بنا پر اچھی ہے۔

مذموم خوف :۔ بہرحال مایوسی کا موجب خوف مذموم ہے۔ نیز کبھی کبھار مرض' کمزوری' حیرانی' بیہوشی' دیوانگی اور موت موجب بھی خوف بن جاتا ہے۔ یہ بھی مذموم ہے جیسا کہ ایسی مارپیٹ کہ جس سے لڑکا مرجائے' ایسا کوڑا کہ جس سے جانور مرجائے یا بیمار ہو جائے یا اس کا کوئی عضو ٹوٹ جائے۔

فائدہ :۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجاء کے جو بہت زیادہ اسباب بیان فرمائے' اس لیے کہ خوف مفرط کے صدمے کا اس کے ذریعے علاج کیا جائے جو کہ مایوسی یا مرض وغیرہ کا باعث ہو کیونکہ کسی کے لیے جو چیز مطلوب ہوتی ہے تو اس میں سے وہی چیز عمدہ ہوتی ہے کہ جس سے اس کا مقصود حاصل ہو۔ جس چیز سے بندہ اپنے مقصود تک پہنچ ہی نہ سکے یا اس سے بھی آگے بڑھ جائے تو وہ چیز اس کے حق میں مذموم ہوتی ہے۔

فائدہ :۔ بہرحال خوف کا فائدہ بچنا' پرہیزگاری' تقویٰ اختیار کرنا' مجاہدہ و عبادت' ذکر و فکر میں مشغولیت اور اللہ تعالیٰ کے مقربین والوں کے تمام اسباب کا حاصل ہونا ہے۔ ان تمام میں سے ہر امر زندگی' تندرستی اور عقل کی سلامتی پر موقف ہے' اس لیے کہ ان اسباب میں جو خوف خلل ڈالے گا' وہی مذموم ہوگا۔

اعتراض :۔ جو شخص حق تعالیٰ کا خوف کرتے ہوئے مرجائے تو وہ شہید ہوتا ہے تو ایسے شخص کے حال کو مذموم کیسے کہتے ہیں؟

جواب :۔ اس کے شہید ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے مرنے کی بنا پر ایسے درجہ ملے گا کہ اگر اس وقت خوف کی وجہ سے نہ مرتا تو ایسا درجہ نہ پاتا۔ پس اس نقطہ نظر کی بنا پر اسے فضیلت ہے لیکن فرض کیجئے اگر وہ شہید نہ ہوتا' بڑی لمبی عمر پاتا۔ حق تعالیٰ کی طاعت اور راہ معرفت کا سالک بن کر چلتا رہتا' معرفت کے درجات طے کرتا رہتا تو پھر اسے ہر لحہ ایک ایک شہید کا درجہ ملتا تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسے کئی شہداء کا درجہ نہ ملتا۔ نیز اگر ایسا نہ ہو تو پھر یہ بات لازم آئے گی کہ قتل ہونے والا لڑکا یا دیوانہ کہ اسے کوئی درندہ چیر پھاڑ ڈالے' اس مقام ایسے نبی و ولی کے مقام سے بڑھ جائے جو کہ اپنی موت سے وصال فرما جائیں۔

فائدہ :۔ حالانکہ یہ امر محال ہے۔ پس یہ گمان بالکل نہیں کرنا چاہیے کہ خوف سے مرجانا افضل ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ افضل سعادت تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی طاعت میں زیادہ سے زیادہ زندگی بسر ہو۔

پس جس خوف سے اپنے انجام کو پہنچے یا عقل و صحت میں فتور پڑ جائے کہ اس سے زندگی بیکار ہو جائے تو اسے چند امور میں نقصان سمجھنا چاہیے' خواہ اس کی بعض قسموں کو بعض امور کے لحاظ سے فضیلت ہی کیوں نہ ہو۔ مثلاً شہادت کو ایسی باتوں پہ فضیلت ہے جو ان سے کم ہیں نہ کہ انبیاء اور شہداء کے درجہ کی نسبت۔

فائدہ :۔ بہرحال اگر عمل میں خوف اثر نہ کرے تو پھر اس کا ہونا اور نہ ہونا ایک برابر ہے جیسے ایسا کوڑا کہ جس سے جانور اپنی چال میں اضافہ نہ کرے۔ ہاں اگر خوف اثر کرے تو پھر اس سے جتنا ظاہر ہوگا' ویسا ہی درجہ ہوگا۔

مثال :- مثال کے طور پر اگر خوف کی وجہ سے شہوت کے تقاضوں سے باز رہے تو پھر اسے عفت کا درجہ میسر آئے گا۔ اگر ورع کا سبب خوف بنے تو پھر پہلے سے اس کا مقام زیادہ ہوگا اور اس کا سب سے بڑا درجہ یہ ہے کہ صدیقین کا درجہ مل جائے یعنی غیر اللہ سے اپنے ظاہر و باطن کو ہٹادے' یہاں تک کہ کسی بھی غیر اللہ کی گنجائش ہی نہ رہے۔ خوف کا یہ درجہ بڑا محمود ہے۔ یہ درجہ تندرستی اور عقل سلامت رہنے سے ملتا ہے' اس لیے اگر خوف اتنا بڑھ جائے کہ اس کی وجہ سے عقل یا صحت کو یہ خوف ختم کردے تو اسے مرض سمجھنا چاہیے' اس کا بھی علاج ضروری ہے۔ یہ درجہ اگر اچھا ہوتا تو پھر رجاء کے اسباب کے ذریعے اس کا علاج ضروری ہوتا کہ خوف ختم ہو جائے۔

فائدہ :- حضرت سہیل تسری رحمتہ اللہ علیہ اپنے مریدوں کو کافی دن فاقہ کروایا کرتے تھے۔ آپ انہیں اسی جہت سے ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ اپنی عقلوں کی حفاظت کرتے رہنا کیونکہ اولیاء اللہ میں سے کوئی بھی کم نہیں گزرا۔

فضیلت خوف :- یہ بیان ہو چکا ہے کہ کسی بری بات کے پہنچنے کی توقع سے خوف لاحق ہوتا ہے جبکہ بری چیز دو قسم کی ہوتی ہے۔

1- یا تو یہ کہ وہ چیز خود اپنی ذات کے لحاظ سے بری ہو جیسے دوزخ کی آگ۔

2- یا یہ کہ اس چیز میں برائی یہ ہو کہ اس میں کسی دوسری بری چیز کا ذریعہ شامل ہوتا ہو جیسے گناہوں کو اسی لیے برا خیال کیا جاتا ہے کہ ان کے ذریعے ہی آخرت میں تکلیف ہوگی جیسے میووں کو بھی مریض برا خیال کرتا ہے کیونکہ وہ موت کا سبب بنتے ہیں۔

فائدہ :- پس ہر خائف کے لیے لازم ہے کہ ان دونوں قسموں میں سے کوئی نہ کوئی بات ضروری اپنے نفس میں ٹھہرا لے۔ اس کے دل میں اس کی توقع اتنی بڑھ جائے کہ اس کی تکلیف کا تصور کرکے اس کا دل جلنے لگے جبکہ باعتبار امر مکروہ ان کے دل پہ چھا جانے کی وجہ سے خوف کھانے والوں کا حال مختلف ہے۔

خائفین کے مختلف احوال :- خائفین میں سے پہلا گروہ ان خائفین کا ہے کہ ان کے دلوں پہ ایسی چیز چھا جاتی ہے جو کہ بذات خود تو مکروہ نہیں ہوتی بلکہ وہ کسی دوسری چیز کی وجہ سے مکروہ بن جاتی ہے۔ جیسے بعض لوگوں پہ توبہ سے پہلے ہی مرنے کا خوف غلبہ پا جاتا ہے۔ بعض اسی طرح توبہ شکنی اور عہد شکنی کے خوف میں مغلوب ہو جاتے ہیں۔ ایسے خوف میں یہ خوف بھی شامل ہے کہ اس بات کا خوف پیدا ہو جاتا کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی کے لیے ہماری قوت کمزور ہے یا نرمی کے ختم ہونے اور سختی میں تبدیل ہونے کا خوف یا استقامت سے ہٹ جانے کا خوف یا شہوتوں میں پڑ جانے یا اس چیز کی وجہ سے ڈرنا کہ کہیں اللہ تعالیٰ ہمیں ہماری حسنات کے سپرد ہی نہ کردے کہ جن پر ہمیں اعتماد ہے اور ان کی وجہ سے ہی ہماری عزت بنی ہوئی ہے یا اللہ تعالیٰ کی بکثرت نعمتوں سے اترانے کا خوف یا اللہ تعالیٰ سے پھر کر غیر اللہ میں مشغولیت کا ڈر یا مسلسل نعمتیں ملنے سے مہلت ملنے کا ڈر' طاعت کے مکرو

قریب اللہ تعالیٰ کے حضور میں واضح ہونے' لوگوں کے بارے میں جو کچھ غیبت' خیانت' کینہ اور بد معاملگی کی ہو اور اس کے بدلے کا خوف یا ممکن ہے آئندہ زندگی میں کیا کیا گناہ سرزد ہوں گے یا گناہوں کا بدلہ دنیا میں ملنے اور موت سے قبل ہی ذلیل و رسوا ہونے کا ڈر یا زیبائش دنیا میں پڑ جانے کا ڈر' باطنی غفلت میں اللہ تعالیٰ کے جاننے کا خوف' مرنے کے وقت برے خاتمے یا تقدیر ازلی کا خوف۔

فائدہ :۔ غرضیکہ ایسے خوف عارفین کو ہوتے ہیں اور ہر خوف کی وجہ سے الگ ایک خاص فائدہ ملتا ہے یعنی جس چیز سے انہیں خوف لاحق ہوتا ہے' اس سے بندہ بچتا ہے مثلاً بندے کو جس چیز میں ملوث ہونے کا خوف ہوتا ہے' وہ اس چیز کے چھوڑنے پر مواظبت کرے گا۔ جو شخص ڈرے کہ میری باطنی غفلت سے اللہ تعالیٰ واقف ہے تو وہ دل کی صفائی کی فکر کرے گا۔ دل کو تمام وسوسوں سے پاک کرے گا۔ اسی طرح تمام قسموں کو سمجھنا چاہیے۔

فائدہ :۔ متقیوں کو اکثر ان تمام چیزوں سے ڈر رہتا ہے' اس لیے کہ ان میں بہت بڑا خطرہ ہے۔ کمال معرفت پر جس سے اعلیٰ قسم کی دلیل ہو' وہ سابقہ ازلی خوف ہے کیونکہ اسی سابقہ تقدیر کا ثمرہ و فرع خاتمہ ہی ہے۔ محض درمیان میں چند اسباب پیدا ہو گئے۔ خاتمے سے لوح محفوظ میں جو بات تحریر کی ہوئی ہو'

مثال :۔ اگر دو ایسے اشخاص کو مد نظر رکھا جائے کہ ان میں ایک شخص تو سابقے سے ڈرے جبکہ دوسرا خاتمے سے تو ان دونوں کی مثال ایسے ہی ہوگی جیسے دو ایسے شخص کہ جن کے بارے میں بادشاہ نے کوئی فرمان تو تحریر کر دیا ہو مگر معلوم نہ ہو کہ اس فرمان میں قتل کر دینے کا فرمان تحریر کیا یا عہدہ و وزارت یا انعام خلعت عطا کرنے کا۔ بادشاہ کا فرمان ابھی ان کے پاس نہیں پہنچا مگر ان میں سے ایک شخص کے دل میں ہو کہ جب وہ فرمان کھلے گا تو پتہ نہیں' اس میں کیا تحریر ہوگا جبکہ دوسرے شخص کا دل حکم جاری کرنے کی حالت پر وابستہ ہو کہ پتہ نہیں اس وقت بادشاہ کا مزاج رحم کی حالت میں تھا یا غضب میں۔ پس ظاہر ہے کہ اس دوسرے شخص کی التفات کا سبب حکم کی جانب ہے جبکہ پہلے کی فرع کی جانب۔

فائدہ :۔ اسی اعتبار سے اس کی التفات پہلے کی نسبت اعلیٰ ہے یونہی قضائے ازلی کا لحاظ کرنا کہ جس کے کھلنے کے لیے قلم تو اپنی کارروائی مکمل کر چکا' اس بات سے اعلیٰ ہے کہ جو خاتمے پر ظاہر ہوگی۔

حدیث شریف :۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرف اشارہ فرمایا کہ آپ ایک دفعہ منبر پر جلوہ افروز تھے۔ آپ نے اپنی داہنی مٹھی بند کی اور ارشاد فرمایا کہ یہ ہے نوشتہ الٰہی۔ اس میں جنتیوں کے نام اور ان کے باپوں کے نام درج کیے ہوئے ہیں۔ ان سے نہ تو زیادہ ہوں گے اور نہ ہی کم ہوں گے۔

آپ نے پھر بائیں ہاتھ کی مٹھی بند کی اور ارشاد فرمایا کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا نوشتہ ہے۔ اس میں دوزخیوں اور ان کے باپوں کے نام درج کیے گئے ہیں۔ ان میں بھی کمی بیشی نہیں ہوگی۔ جو لوگ تقدیر ازلی میں سعید ہیں' وہ اگر

بدبختوں جیسے کام بھی کریں گے' ان کی حالت یہاں تک پہنچ جائے گی کہ لوگ انہیں کہیں گے کہ یہ بھی بدبختوں میں ہی ہیں بلکہ یقیناً وہی ہیں مگر پھر اللہ تعالیٰ انہیں مرنے سے قبل ہی خواہ ایک لمحہ کے لیے کیوں نہ ہو' بچالیتا ہے اور جو ازلی بدبخت ہوتے ہیں' وہ سعیدوں جیسے کام کرتے ہیں' یہاں تک کہ ان کی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ لوگ انہیں کہیں گے کہ یہ بھی سعید ہیں بلکہ یقیناً سعید ہیں مگر اللہ تعالیٰ انہیں مرنے سے پہلے خواہ تھوڑا سا وقت ہی پہلے کیوں نہ ہو' انہیں سعیدوں سے خارج کر دے گا۔ سعید وہی ہے جو قضائے الٰہی میں سعید ہے جبکہ بدبخت بھی (حقیقت میں) وہی ہے جسے ازل سے شقی لکھا جا چکا ہے۔ اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔

فائدہ:۔ ان دونوں خوف کرنے والوں کے بارے میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ان کا خوف ان دو اشخاص جیسا ہے کہ جن میں سے ایک شخص تو اپنے گناہوں اور خطاؤں سے ڈرتا ہو جبکہ دوسرا خود اللہ تعالیٰ کی ذات سے اس وجہ کی بنا پر کہ اس کا وصف و جلال جو ہیبت و رعب کا مقتضی ہے۔ جانتا ہو تو ان دونوں میں سے دوسرا شخص مقام کے لحاظ سے اعلیٰ ہے' اس لیے کہ یہ خوف باقی رہتا ہے' خواہ بندہ صدیقین جیسی ہی طاعت میں ہی مشغول کیوں نہ ہو مگر پہلا شخص دھوکہ کھا کے مقام پہ ہے۔ یہ اگر طاعت پر مواظبت اختیار کرے گا تو پھر وہ امن بھی حاصل کر سکتا ہے۔

فائدہ:۔ غرضیکہ گناہوں سے ڈرنا صالحین کا خوف ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا موحدین اور صدیقین کا خوف ہے۔ معرفت الٰہی کا ثمرہ یہی خوف ہے جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا اور اس کی صفتوں کو جان لیا تو اس کی صفتیں ایسے بھی اسے معلوم ہوں گی کہ ان کے ہوتے ہوئے بھی ان سے ڈرنا ہی زیب دیتا ہے' خواہ قصور نہ بھی کیا ہو بلکہ گنہگار اگر اللہ تعالیٰ کے حق معرفت کو پہچانے تو پھر اللہ تعالیٰ سے ہی ڈرے۔ اور اپنے گناہ سے نہ ڈرے اور اگر اللہ تعالیٰ کو اپنی ذات سے خوف نہ دلانا مطلوب ہوتا تو گنہگار کو گناہ کی وجہ سے کیوں پکڑتا اور اس پہ گناہ کا راستہ آسان کیوں ہوتا۔ اس کے اسباب اس کے ہاتھ کیوں آتے۔ گناہ کے اسباب عطا کرنا بھی رحمت سے دور کرنا ہے۔ جرم سے پہلے اس سے کوئی ایسی خطا سرزد نہ ہوئی کہ جس وجہ سے وہ مستحق ٹھہرتا کہ گناہ کی دلدل میں دھکیل دیا جائے۔ اس کے لوازمات اس پر جاری ہو جائیں۔ نہ ہی طاعت گزار کے لیے طاعت سے قبل اس کے پاس کوئی ایسا وسیلہ تھا کہ جس کی وجہ سے اسے طاعت کے اسباب مل گئے طریق ثواب سے روشناس کروایا گیا۔ بہرحال عاصی چاہے یا نہ چاہے' اس پہ گناہ کا حکم جاری ہو گیا۔ مطیع چاہے یا نہ چاہے' اس پہ طاعت کا حکم ہو چکا۔ جب اس دربار بے پرواہ کا حال مبارک یہ ہو کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی سابقہ ذریعہ و واسطہ کے بغیر ہی اتنا عظیم درجہ عطا فرما دیا کہ اسے اعلیٰ علیین تک پہنچا دے اور ابوجہل کو اتنا گرا دیا کہ اسے اسفل السافلین تک پہنچا دیا حالانکہ اپنے ہونے سے قبل اس نے کوئی خطا نہیں کی تھی' اس لیے ایسی ذات اور ایسے جلال سے خوف کھانا ہی مناسب ہے۔

دیکھیے اگر کوئی اطاعت کرتا ہے تو اسی طرح ہی کرتا ہے جیسے اس پہ اللہ تعالیٰ طاعت کا ارادہ مسلط کر دیتا ہے اور پھر اسے قدرت سے نوازتا ہے۔ پیدائش کے بعد ارادہ مضبوط اور کامل قدرت کے ہوتے ہوئے فعل لازم ہوتا ہے۔

یونہی جو گناہ عاصی کرتا ہے' اس پر گناہ کا پختہ ارادہ مسلط کر دیا جاتا ہے۔ اسے تمام اسباب و قدرت مہیا کر دیئے جاتے ہیں۔ مصمم ارادہ' قدرت و لوازمات جب دے دیئے جاتے ہیں تو پھر گناہ کا صدور لازم ہو جائے گا۔ اب ہمیں یہ نہیں معلوم کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ طاعت گزار کو تو بزرگی سے نواز دیا گیا اور اس پر طاعت کا ارادہ خاص کر دیا جبکہ دوسرے کی اہانت اور دور کرنے کا سبب کیا بنا کہ اس پر معصیت کے لوازمات مسلط کر دیئے۔ یہ بھی نہیں معلوم کہ ان باتوں کو کیسے بندے کے حوالے کریں جبکہ انجام کار آخر قضائے ازلی کے سپرد ہے جو کہ بغیر خطا و وسیلے کے ٹھہرتا ہے۔

فائدہ :۔ ظاہر ہے خوف کرنا ہی ہر عاقل کو زیب دیتا ہے۔ جو وہ چاہے' ہر وقت وہی کچھ کرے۔ اس کے علاوہ مزید کچھ بھی بیان نہیں کر سکتے کیونکہ اس سے آگے تقدیر کا معاملہ ہے جسے ظاہر کرنا صحیح نہیں۔ اس سے سمجھانا خوف کا مثال کے بغیر ناممکن ہے۔ اگر شرع مطہرہ اس کی اجازت سے نہ نوازتی تو کسی بھی صاحب بصیرت کی طاقت نہ تھی کہ اس کی مثال بھی بیان کر سکے۔ چونکہ حدیث شریف میں اس کی مثال بیان کی گئی ہے' اس لیے سمجھانے کے لیے اسے نقل کر دینا مناسب نہیں ہے۔

حدیث شریف :۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی کہ اے داؤد! مجھ سے ایسے ڈر کہ جیسے ایذا رساں درندے سے ڈرتے ہو۔

فائدہ :۔ اس حدیث مبارکہ میں بیان کی گئی مثال سے مطلب کا خلاصہ سمجھ میں آجاتا ہے گو سبب کا پتہ نہ بھی چلے کیونکہ سبب کا جان لینا بعینہٖ تقدیر کے راز سے واقفیت حاصل کر لیتا ہے اور راز تقدیر سے ہر ایک کو آشنا نہیں کیا جاتا یہ اسے ہی بتایا جاتا ہے جو اس کا اہل ہو۔

مثال کی تشریح :۔ اس مثال کی وضاحت یہ ہے کہ بندہ جو خوف اس درندے ۔۔ کھاتا ہے' اس لیے خوف نہیں کھاتا کہ اس جانور نے کوئی قصور کیا ہے بلکہ بندہ اس کی خاصیت گرفت' حملے' کبر اور ہیبت سے ڈرتا ہے یعنی وہ درندہ جو چاہتا' وہ کر بیٹھتا ہے' ذرہ بھر بھی تامل نہیں کرتا۔ بندے کو چیر پھاڑ ڈالے تو وہ دل میں رقت و درد بالکل نہیں کرتا۔ وہ اگر اسے چھوڑ دے تو اس جہت سے نہیں چھوڑے گا کہ اسے اس بندے پر شفقت آگئی ہو اور جان بچانے کی وجہ سے چھوڑ دیا بلکہ بندے کا وجود تو اس کے نزدیک اتنی بھی نہیں کہ وہ اس کی موت و حیات کی حالت میں اس کی طرف کا کچھ بھی لحاظ کرے۔ ایک آدمی تو کیا ہزار آدمی کو چیر پھاڑ ڈالنا اور ایک آدمی کو ختم کر دینا برابر ہے کیونکہ دونوں صورتوں میں اس کی درندگی' قدرت اور حملے میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پس اس حدیث شریف کا نتیجہ یہ ہے کہ باقی خوف خدا کا معاملہ ہے تو اس کی مثال اس سے بدرجہا افضل و اعلیٰ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ وللہ المثل الاعلیٰ لیکن جس نے اللہ تعالیٰ کو مشاہدہ باطنی سے جان لیا جو کہ ظاہری مشاہدہ سے قوی تر' معتبر اور زیادہ ظاہر ہے اور یہ جان لیا کہ حدیث قدسی شریف میں اللہ تعالیٰ نے صحیح فرمایا ہے کہ ھو لا فی الجنتہ ولا

ابالی وھو لہ فی النا ولا ابالی استغنا صرف لاپرواہی میں ہی ہیبت و خوف کے کافی موجبات پائے جاتے ہیں۔

دوسرا گروہ :۔ خائفین کا دوسرا گروہ یہ ہے کہ جن کے دلوں میں وہ بات پختہ ہو جائے' بڑی بد تر ہے۔ جیسے خوف سکرات موت یا منکر و نکیر کے سوال یا قبر کے عذاب کا یا دہشت قبریا قبر سے اٹھنے کا خوف یا اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے کی ہیبت یا پردہ فاش ہونے کی شرم' معمولی معمولی باتوں کے سلسلے میں سوال ہونے کا خوف' پل صراط اس کی تیزی' اس سے اترنے کا خوف' یا نار جہنم' جہنمی طوق اور اہوال کا خوف یا جنت سے محرومی کا خوف جو کہ عیش و عشرت کا گھر اور سلطنت جاوید ہے یا درجات کے کم ہونے کا خوف یا اللہ تعالیٰ سے حجاب ہونے کا خوف یہ تمام چیزیں بڑی بد تر ہیں' ضرور ہی یہ تمام چیزیں خوف کی ہیں۔

فائدہ :۔ ان میں بھی خائفین کے احوال مختلف ہیں۔ ان سب سے اعلیٰ ترین مقام ان لوگوں کا ہے جن کو اللہ تعالیٰ سے محجوب رہنے کا خوف لاحق ہے۔ عارفین کو یہ خوف لاحق ہوتا ہے۔ اس سے پہلے تمام خوف عابدین' صالحین' زاہدین اور تمام علماء کو ہوا کرتے تھے۔

معرفت جس کی کامل نہیں ہوتی' اس کی چشم پوش بصیرت نہیں کھلتی۔ ی شخص وصال کی لذت اور فراق کے رنج سے آشنا نہیں ہوتا۔ جب اسے کہا جائے کہ دوزخ سے عارف نہیں' بلکہ وہ تو حجاب سے ڈرتا ہے تو وہ اس بات کو دلی طور پر برا جانتا ہے۔ اسے حیرانگی والی بات سمجھتا ہے۔ کبھی کبھی ، تعالیٰ کے دیدار کی لذت کا انکار ہی کر دیتا ہے مگر چونکہ شرع مطہرہ کا انکار ہرگز جائز نہیں' اس لیے اسے زبانی طور پر تو تسلیم کر لیتا ہے مگر اسے دل سے تسلیم نہیں کرتا کیونکہ اسے تو صرف لذت شکم' لذت شرمگاہ اور لذت نظر معلوم ہیں کہ خوبصورت رنگ ملاحظہ کر لے' حسین و جمیل لوگ دیکھ لے غرضیکہ جن لذات میں بہائم بھی شریک ہیں' انہیں تو جانتا ہے' عارفین کی لذت کو نہیں جانتا۔

فائدہ :۔ نااہلوں سے اس لذت کی تفصیل و شرح بیان کرنی حرام ہے اور اس لذت کے اہلوں کو یہ لذت خود بخود ہی معلوم ہو جاتی ہے' اسے کوئی دوسرا شخص بیان کرے' اس کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔

فضیلت خوف اور اس کی طرف راغب کرنا :۔ ایک تو خوف کی فضیلت تامل و خوف سے معلوم ہوتی ہے اور ایک فضیلت آیات قرآنی اور احادیث مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہوتی ہے۔

تامل و قیاس سے معلوم ہونے والی فضیلت :۔ ہر افضل چیز کی فضیلت اسی قدر ہے جس قدر کہ وہ چیز حق تعالیٰ کے دیدار کی سعادت تک آخرت میں پہنچانے میں معاون ثابت ہو کیونکہ بغیر سعادت کے کچھ بھی اور حق تعالیٰ کے دیدار اور اس کے قرب کے بندے کے لیے اور کیا سعادت ہو سکتی ہے۔ پس اس سعادت کے حصول کے لیے جو چیز بھی مددگار ثابت ہو گی اور جس قدر معاونت کرے گی' اس چیز کی اتنی ہی فضیلت ہو گی۔

فائدہ :- آخرت میں سعادت دیدار سے مستفید ہونا دنیا میں اس کی محبت و انس حاصل ہونے کے بغیر ممکن نہیں جبکہ معرفت حق کے بغیر محبت حاصل نہیں ہوتی اور بے فکری کی حالت میں معرفت حاصل نہیں ہوتی۔ علاوہ ازیں محبت و ذکر دائمی کے بغیر انس میسر نہیں آتی۔ دائمی ذکر و فکر میں مشغولیت اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک کہ اپنے دل سے دنیوی محبت کو نکال نہ دیا جائے دنیوی لذتیں اور شہوتیں ترک کیے بغیر دنیا کی محبت دل سے نہیں نکلتی۔ ان دنیوی لذتوں اور شہوتوں کو جتنا کہ آتش خوف سے ختم کیا جا سکتا ہے' ان کی بیخ کنی کی جا سکتی ہے۔ اتنی بیخ کنی کسی اور چیز سے ممکن نہیں۔

پس معلوم ہوا کہ خوف ایک ایسی آگ ہے کہ جس سے لذتیں اور شہوتیں جل جاتی ہیں تو لازم ہوا کہ پھر خوف کی فضیلت بھی اتنی ہی ہو جتنی کہ یہ شہوتوں کو جلاتا ہے اور گناہوں سے بچاتا ہے۔ طاعت حق کی طرف راغب کرتا ہے۔ خوف کے درجات مختلف ہوتے ہیں۔

چنانچہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ خوف میں کیوں فضیلت نہیں ہوگی کہ خوف کی وجہ سے تو عفت' ورع' تقویٰ اور مجاہدہ وغیرہ یہ تمام فضائل حاصل ہوتے ہیں۔ یہ تمام کام فضائل والے ہیں اور اللہ کے نزدیک کرنے والے ہیں۔

فائدہ :- پس اللہ تعالیٰ کے قریب کرنے والی ایسی عمدہ و افضل نتائج مہیا کرنے والی چیز کے بارے میں قیاس تو یہی چاہتا ہے کہ وہ بدا تر بھی اعلیٰ و افضل ہو۔ آیات قرآنی اور احادیث مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ خوف کے بارے میں ہیں' بہت زیادہ ہیں۔ خوف کی فضیلت تو اتنی ہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت' رحمت' علم اور جو کہ دراصل تمام جنتیوں کے مقام ہیں' یہ چاروں ہی ان خوف والوں کے لیے تین آیات میں ارشاد فرمایا ہے۔

آیات قرآنی :- ھدی ورحمۃ للذین ھم لربھم یرھبون (الاعراف 154) ترجمہ کنزالایمان : ہدایت اور رحمت ہے ان کے لئے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔

علم :- علم کو اس آیت مبارکہ میں بیان فرمایا ہے انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء (فاطر 28) ترجمہ کنزالایمان : اوپر گزرا _ (منیر رضا)

رضا :- رضا کو اس آیت ربانی میں بیان فرمایا گیا ہے رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ ذلک لمن خشی ربہ (البینہ 8) ترجمہ کنزالایمان : اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی یہ اس کے لئے ہے جو اپنے رب سے ڈرے۔

علاوہ ازیں جو فضیلت علم کے بارے میں وارد ہے' اس سے خوف کی فضیلت بھی سمجھی جاتی ہے کیونکہ علم کا ثمرہ خوف ہے۔

حدیث شریف :- اس لیے کہ حضرت علیہ السلام والی حدیث مبارک میں بیان ہوا ہے کہ خائفین کا حال یہ ہوگا کہ انہیں رفیق اعلیٰ کا ساتھ نصیب ہوگا' اس سلسلے میں ان کے ساتھ کوئی دوسرا نہیں ہوگا۔

فضیلت علماء ربانی :- غور کیجئے کہ خاص ان کے لیے رفیق اعلیٰ کی مرافقت انہیں کیسے نصیب ہوئی۔ اس کا سبب صرف یہی ہے کہ علماء ہی خوف والے ہوتے ہیں۔ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام رفاقت کا درجہ علماء کو ہی حاصل ہے کیونکہ علماء ہی انبیاء کرام کے وارث ہیں۔ انبیاء کرام اور ان کے لواحقین کو ہی رفیق اعلیٰ کی ہمراہ نصیب ہوگی۔

حدیث شریف :- اسی جہت کی بنا پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب آخری مرض میں اختیار دیا گیا تھا کہ آپ کو اختیار حاصل ہے کہ آپ دنیا میں رہنا چاہیں یا اللہ تعالیٰ کے پاس چلے جائیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اسالک الرفیق الاعلیٰ اس حال مبارک کو اگر خوف کی اصل کی طرف غور کیا جائے تو علم اور اگر اس کے نیچے کی طرف دیکھا جائے تو ورع و تقویٰ ہے اور جو کچھ ورع و تقویٰ کے فضائل کے سلسلے میں فضائل بیان ہوئے ہیں' وہ ظاہر ہے یہاں تک کہ خود عاقبت بھی تقویٰ کے ساتھ مخصوص ہوگی جس طرح کہ حمد اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے۔ درود شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص ہوگیا ہے۔ بعینہ عاقبت کو بھی تقویٰ سے خصوصیت ہے۔ یہاں تک کہ اکثر و بیشتر یوں لکھا جاتا ہے کہ الحمد اللہ رب العالمین والعاقبة للمتقین والصلوٰة علیٰ محمد واله اجمعین بہر حال اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کو اپنی ذات مبارکہ کے لیے خاص فرمایا ہے۔

آیت مبارکہ :- اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ لن ینال اللہ لحومها ولا دماء ها ولکن یناله التقوٰی منکم (الحج 37) ترجمہ کنزالایمان : اللہ کو ہرگز نہ ان کے گوشت پہنچتے ہیں نہ ان کے خون ہاں تمہاری پرہیزگاری اس تک باریاب ہوتی ہے۔

تقویٰ :- تقویٰ کے معنی بیان کیے جا چکے ہیں کہ مقتضائے خوف کی وجہ سے رکنا اور باز رہنا تقویٰ ہے۔ اس کی بزرگی بھی اسی لیے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم (الحجرات 13) ترجمہ کنزالایمان : بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔ اسی جہت سے اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کی وصیت تمام اولین و آخرین کو کی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے ولقد وصینا الذین اُتوالکتاب من قبلکم وایاکم ان اتقوا اللہ (النساء 131) ترجمہ کنزالایمان : اور بے شک تاکید فرمادی ہے ہم نے ان سے جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے اور تم کو کہ اللہ سے ڈرتے رہو۔

نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وخافون ان کنتم مومنین (آل عمران 175) ترجمہ کنزالایمان : اور مجھ سے ڈرو اگر ایمان رکھتے ہو۔

اس آیت مبارکہ میں خوف کو واجب کہا گیا ہے کہ صیغہ امر سے بیان کیا ہے مومن خوف سے الگ متصور نہیں ہو سکتا۔ اس لحاظ سے ایمان میں اس کی شرط لگا دی ہے یعنی امر مومن میں خوف ضرور ہوگا' خواہ تھوڑا ہو یا کمزور ہو' کمزوری ایمان میں اتنی ہی ہوگی جتنی کہ معرفت و ایمان میں کمزوری ہوگی۔

حدیث شریف:- تقویٰ کی فضیلت کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ اولین و آخرین سب کو جمع کرے گا تو یکایک ایک آواز سنائی دے گی جسے دور و نزدیک والے سبھی یکساں سنیں گے۔ وہ آواز یہ ہوگی کہ اے لوگو! میں نے جب سے تمہیں پیدا کیا ہے' اس دن سے آج تک میں خاموش رہا ہوں اور آج تم خاموشی اختیار کرو۔ آج تمہارے اعمال تمہارے سامنے آ رہے ہیں۔ اے لوگو! میں نے ایک خاص نسب مقرر فرمایا تھا اور تم نے اور نسب کو اپنایا۔ میرے مقرر کردہ نسب کو تم نے پس پشت ڈال دیا اور اپنے مقرر کردہ نسب کو سب سے اعلیٰ تصور کر بیٹھے۔ میں نے تو تجھے ارشاد فرمایا تھا کہ ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم (الحجرات 13) ترجمہ کنزالایمان: اوپر گزر چکا ہے (منیر رضا) اسے تم نے تسلیم نہ کیا اور تم کہنے لگے کہ فلاں بن فلاں بڑا غنی ہے۔ فلاں سے تو آؤ' میں تمہارے نسب کو نیچا کر دکھاؤں گا اور اپنے بیان کردہ نسب کو بلند' متقی کہاں ہیں؟ فوراً متقین کے جھنڈے بلند ہوں گے۔ سبھی اس کے ساتھ ساتھ اپنی جنتی مکانات میں بغیر حساب چلے جائیں گے۔

حدیث شریف:- ایک اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ الحکمتہ مخافتہ اللہ حکمت کی اصل اللہ تعالیٰ کا خوف ہے۔ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا کہ اگر میرے بعد مجھے ملنا چاہو تو مرے (وصال) کے بعد بہت زیادہ خوف کیا کرنا۔

اقوال اکابرین:- حضرت فضیل رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے جو شخص ڈرتا ہے' اسے ہر طرح کی بہتری خوف سکھاتا ہے۔

حضرت شبلی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں جب اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں تو ایک دروازہ حکمت و عبرت کا ایسا کھل جاتا ہے کہ جسے میں نے اس سے قبل پہلے کبھی بھی نہ دیکھا ہو۔

حضرت یحیٰی بن معاذ رحمتہ اللہ علیہ کا قول مبارک ہے کہ جو مومن کچھ نہ کچھ خطا کر بیٹھا ہے' اس خطا کے عقب میں دو نیکیاں ہوتی ہیں۔ (1) خوف عذاب (2) معافی کی توقع۔ وہ برائی خوف و رجاء کے درمیان ہو جاتی ہے جس طرح لومڑی دو شیروں کے درمیان ہوتی ہے۔

حدیث شریف:- حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک حدیث مبارکہ میں ہے کہ بروز قیامت اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ اہل ورع کے علاوہ ایسا کوئی شخص بھی نہیں بچ سکے گا میں جس کا حساب نہ کروں اور اس کے اعمال کے بارے میں تفتیش نہ کہوں کہ اہل ورع سے مجھے شرم آتی ہے۔ اس بات سے ان کا مقام بہت بلند ہے کہ میں انہیں حساب لینے کے لیے کھڑا کروں۔

فائدہ:- ورع اور تقویٰ دونوں الفاظ ہی ایسے معنی سے مشتق ہیں کہ جن میں خوف شرط ہے یعنی اگر یہ دونوں ہی خوف سے خالی ہوں گے تو پھر ان کا نام ورع یا تقویٰ نہیں ہوگا۔ اسی طرح فضائل میں جو اخبار وارد ہیں' اللہ تعالیٰ

نے انہیں بھی خائفین کے لیے مخصوص کیا ہے۔

آیت نمبر1 :- اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ سیذکر من یخشی (الاعلیٰ 10) ترجمہ کنزالایمان : عنقریب نصیحت مانے گا جو ڈرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ولمن خاف مقام ربه جنتان (الرحمٰن 46) ترجمہ کنزالایمان : اور جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرے اس کے لئے دو جنتیں ہیں۔

احادیث :- حدیث قدسی شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مجھے اپنے عزت و جلال کی قسم! کہ میں اپنے بندے پر دو خوف یکجا نہیں کروں گا اور نہ ہی دو امن۔ پس اگر میرا بندہ مجھ سے دنیا میں مامون و نڈر رہے گا تو پھر میں اسے قیامت کے دن ڈراؤں گا اور اگر وہ مجھ سے دنیا میں ڈرے گا تو پھر میں اسے قیامت کے دن امن اور بے خوفی سے نوازوں گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ من خاف اللّٰہ تعالٰی خاف منه کل شی ومن خاف غیر اللّٰہ خوفه اللّٰہ من کل شی "اللہ تعالیٰ سے جو شخص ڈرتا ہے' ہر چیز اس سے ڈرتی ہے اور جو شخص غیراللہ سے ڈرتا ہے' اللہ تعالیٰ اسے ہر چیز سے ڈراتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اتممکم عقلا اشدکم خوفا من اللّٰہ تعالٰی واحسنکم نظر افیما امر اللّٰہ تعالٰی و نهی عنه نظر تم میں سے کامل عقل والا وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کا خوف سب سے زیادہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے جن باتوں کا حکم دیا ہے اور جس سے منع کیا ہے' ان سب سے اچھی طرح غور و فکر کرے۔

اقوال اسلاف صالحین رحمتہ اللہ

حضرت یحیٰ بن معاذ نے فرمایا کہ اگر انسان افلاس جتنا ہی ڈرتا تو پھر وہ جنت میں داخل ہو جاتا۔

2 - حضرت ذوالنون رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے جو شخص ڈرتا ہے' اس کا دل نرم ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے محبت ہوتی اور عقل صحیح ہو جاتی ہے۔

3 - یہ قول مبارک بھی آپ کا ہی ہے کہ رجاء کی نسبت خوف زیادہ ہونا چاہیے کیونکہ جب رجاء کا غلبہ ہوتا ہے تو پھر بندے کا دل پریشان ہو جایا کرتا ہے۔

4 - حضرت ابوالحسین نابینا رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ پہچان سعادت یہ ہے کہ بندے کو بدبختی کا خوف ہو کیونکہ خوف بندے اور اللہ تعالیٰ کے مابین ایک باگ ہے' جب یہ ختم ہو جائے تو پھر بندہ تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔

5 - حضرت یحیٰ بن معاذ رحمتہ اللہ علیہ سے کسی نے دریافت کیا کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ بے خوف

کون ہوگا؟ آپ نے ارشاد فرمایا دنیا میں جو سب سے زیادہ ڈرتا ہوگا۔

6۔ حضرت سہیل تستری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بندہ جب تک حلال نہ کھائے گا' اس وقت تک اسے خوف کی دولت میسر نہیں آئے گی۔

7۔ بعض لوگوں نے حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا کہ ہم اپنی اس حالت کا علاج کیا کریں کہ ہم ایسے لوگوں کی محفل میں بیٹھتے ہیں' وہ ہمیں اتنا ڈراتے ہیں کہ ہماری حالت یہ ہو جاتی ہے کہ گویا ہمارے دل اڑنے لگتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا' اسے اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ ایسے لوگوں کے ساتھ بیٹھنا کہ وہ تمہیں اتنا ڈرائیں کہ تم ڈرتے ڈرتے امن کے مقام پر پہنچ جاؤ۔ اس سے کہیں بہتر ہے کہ تم ایسے لوگوں کے ساتھ نشست و برخواست اختیار کرو کہ وہ تمہیں بے خوفی کے راستے پر گامزن کردیں یہاں تک کہ تمہیں خوف آدبائے۔

8۔ حضرت ابو سلیمان درانی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس دل سے خوف ختم ہو جاتا ہے' وہ تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔

شان نزول :۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت مبارک میں ویونون ماآتوا وقلوبھم وجلۃ (المومنون 60) ترجمہ کنزالایمان : جو کچھ دیں اور ان کے دل ڈر رہے ہیں۔ سے مراد چوری کرنے والے ہیں یا زنا کرنے والے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (یہ لوگ مراد) نہیں بلکہ اس آیت مبارکہ سے مراد نماز و روزہ کرنے والے' صدقہ دینے والے ہیں اور وہ لوگ مراد ہیں جو ڈرتے ہیں کہ کہیں غیر مقبول نہ ہو اور وہ تمام سختیاں اور مذمت جو کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے خوف رہنے کے سلسلے میں ہیں' وہ تمام ہی خوف کی خوبی پر دلالت کرتے ہیں' اس لیے کہ کسی چیز کی مذمت کرنے سے اس کی متضاد چیز کی اصل میں خوبی کا بیان ہوتا ہے۔ امن خوف کی ضد ہے جیسے یاس کی ضد رجاء ہے۔ جیسے مایوسی کی برائی کے بیان سے رجاء کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح امن کی برائی بیان کرنے سے خوف کی فضیلت کا علم ہوتا ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ہم کہتے ہیں کہ رجاء کی فضیلت کے سلسلے میں جو کچھ بیان ہوا ہے' وہ سب کچھ فضیلت خوف پر دلالت کرتا ہے کیونکہ رجاء و خوف ایک دوسرے ساتھ ساتھ ہی ہوتے ہیں کیونکہ محبوب کے متوقع شخص کو محبوب کے نہ ملنے کا خوف بھی ہوگا اور اگر اسے ملاقات نہ ہو سکنے کا خوف نہیں ہوگا تو حقیقتاً اسے اس کے ساتھ محبت بھی نہیں ہوگی۔ توقع کے طور پر اس کا انتظار بھی نہیں کرے گا۔

فائدہ :۔ مختصر یہ کہ خوف و رجاء دونوں ہی لازم و ملزوم ہیں۔ دونوں کا ایک دوسرے سے جدا ہونا محال ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ دونوں ہی رہیں مگر ان میں ایک دوسرے پر غالب ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان میں کسی ایک کے ساتھ قلب مشغول رہے۔ غفلت کی وجہ سے دوسرے کی طرف دھیان نہ کرے۔

رجاء :- دونوں کے ملزوم کی وجہ دراصل یہ ہے کہ ان دونوں کی شرط یہ ہے کہ شک والی چیز کے متعلق ہوں کیونکہ جو چیز قطعی طور پر معلوم ہو' اس کے بارے میں نہ تو رجاء کی جا سکتی ہے اور نہ ہی اس کے بارے میں خوف لاحق ہوتا ہے۔ اب اگر محبوب چیز کے متعلق دھیان کیجئے کہ وجود جس چیز کا ممکن ہے' اس کا عدم بھی ممکن ہے۔ اس لیے اگر محبوب کا وجود فرض کیا جائے تو اس کی وجہ سے دل کو راحت و سرور میسر آئے گا' اسی کو رجا کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور اگر عدم فرض کیجئے تو پھر دل کو صدمہ سے دوچار ہونا پڑے گا' یہی خوف ہے۔

ظن :- یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کی بالکل ہی ضد ہیں بشرطیکہ مدنظر امر مشکوک ہو۔ ایسے مقام پر یہ ہوتا رہتا ہے کہ شک کی دونوں جانب میں سے کسی ایک ، کو بعض اوقات بعض اسباب کے باعث دوسرے پر ترجیح ہو جاتی ہے۔ ظن اسی کا نام ہے۔

فائدہ :- اسی ظن کی وجہ سے خوف و رجاء کو ایک دوسرے پر غلبہ حاصل ہو جاتا ہے یعنی جب وجود محبوب کا ظن پر غلبہ ہو جاتا ہے تو پھر رجاء کو غلبہ اور قوت ہوتی ہے اور خوف پوشیدہ ہو جاتا ہے جیسے خوف ہے ہی نہیں۔ یونہی اگر عدم محبوب کا ظن غالب ہو جائے تو پھر رجاء خوف کے سامنے دب جاتی ہے۔ بہرحال خوف و رجاء میں لزوم پایا جاتا ہے' اسی لیے اللہ تعالٰی نے خوف و رجاء کو ایک ساتھ ہی ارشاد فرمایا ویدعوننا رغبا و رھبا (الانبیاء 90) ترجمہ کنزالایمان : اور نہیں پکارتے تھے امید اور خوف سے۔ وادعوہ خوفا وطمعا (الاعراف 56) ترجمہ کنزالایمان : اور اس سے دعا کرو ڈرتے اور طمع کرتے۔ اس لحاظ سے عربی بھی خوف کو رجاء کے معنی میں استعمال کرتے تھے جس طرح کہ اس آیات مبارکہ میں ہے۔ مالکم لا ترجون للہ وقاراً الاعراف 56) ترجمہ کنزالایمان : اور اس سے دعا کرو ڈرتے اور طمع کرتے۔

فائدہ :- قرآن مجید میں اکثر مقامات پر رجاء المعنی خوف آیا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ اہل عرب کی عادت تھی کہ ایک لفظ بول کر مراد اس سے لازم و ملزوم دونوں ہی لیتے۔ اسی طرح رجاء کے لفظ سے معنی خوف کا مراد لینا ہے بلکہ خوبی خوف کی وجہ سے رونے میں ہے تو اس سے بھی خوف کی خوبی معلوم ہوتی ہے کیونکہ رونا خوف کا ثمر ہے۔

اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا ہے فلیضحکو قلیلا ویبکوا کثیرا (التوبہ 82) ترجمہ کنزالایمان : تو انہیں چاہئے کہ تھوڑا ہنسیں اور بہت روئیں۔ اور ارشاد فرمایا یبکون ویزیدھم خشوعا افمن ھذا الحدیث تعجبون و تضحکون ولا تبکون وانتم سامدون (النجم 59 تا 61) ترجمہ کنزالایمان : تو کیا اس بات سے تم تعجب کرتے ہو اور ہنستے ہو اور روتے نہیں اور تم کھیل میں پڑے ہو۔

رونے کے فضائل :- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا کوئی مومن نہیں کہ اس کی آنکھیں سے

کوئی آنسو اللہ تعالیٰ کے خوف سے بہہ کر رخسار پر رواں ہو جائے' خواہ وہ مکھی کے سر کے برابر ہی کیوں نہ ہو تو پھر اللہ تعالیٰ اس پر آتش جنہم حرام نہ کرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مومن کے دل پہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے لرزہ طاری ہو جاتا ہے تو اس کے گناہ یوں جھڑتے ہیں جیسے درخت سے پتے جھڑتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لایلیج النا احد بکی من خشتہ اللہ حتی یعود اللبن الضواع اللہ تعالیٰ کے خوف سے جو شخص رویا وہ دوزخ میں داخل نہیں ہوگا جب تک کہ دودھ واپس پستان میں نہ لوٹ جائے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بارگاہ نبوی ﷺ میں عرض کیا کہ نجات کی کیا صورت ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اپنی زبان بند رکھ اور اپنے گھر سے باہر نہ نکل اور اپنی خطا پہ رویا کر۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی شخص آپ کی امت میں سے بغیر حساب بھی جنت میں جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنے گناہوں کو یاد کرکے روئے گا' وہ جنت میں بغیر حساب جائے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دو قطروں سے زیادہ کوئی قطرہ نہیں ہے۔ (1) ایک قطرہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے نکلے ہوئے آنسو کا۔ (2) دوسرا اللہ تعالیٰ کی راہ میں بدن سے گرنے والا خون کا قطرہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا یوں مانگا کرتے تھے کہ اللھم ارزقنی عینین ھطالتین تشفیان بذرفتہ الدمع قبل ان تصیر الدموع دما والا ضراس جمرا الٰہی! مجھے بکثرت پانی بہانے والی دو آنکھیں عطا فرما جو آنسو گرا کر تسکین دیں' اس سے پہلے کہ آنکھیں خون ہو جائیں اور داڑھیں چنگاریاں بن جائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس دن (قیامت کے دن) سات اشخاص کو اپنے سایہ رحمت میں رکھے گا جس دن سوائے اس کے سایہ رحمت کے کسی کا سایہ نہ ہوگا۔ ان میں سے ایک شخص وہ ہوگا جو اللہ تعالیٰ کو خلوت میں یاد کرکے روئے گا۔

اقوال بزرگان دین:۔ اس سلسلے میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول مبارک ہے کہ جو شخص رو سکتا ہے' اسے چاہیے کہ وہ روئے اور جو رو نہ سکے' اسے رونے کی سی صورت ضرور بنا لینی چاہیے۔

حضرت محمد بن منکدر جب روتے تو آنسو اپنے چہرہ مبارک اور ریش پہ مل لیا کرتے تھے اور ارشاد فرماتے کہ مجھے خبر پہنچی ہے کہ جہاں آنسو لگ جائیں' وہاں نار جہنم نہیں پہنچے گی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ گریہ زاری کیا کرو اور اگر گریہ زاری نہ کر سکو تو پھر رونے جیسی صورت ضرور بنا لو کیونکہ تم میں سے اگر کوئی امر کی حقیقت سمجھ لے تو اتنا چیخے' اتنا چیخے چلائے کہ اس کا دم ہی بند ہو جائے اور نماز اتنی پڑھے کہ کمر ٹوٹ جائے۔

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آنسوؤں سے جس کی آنکھ بھر جائے' قیامت کے دن اس

کے چہرے پہ غبار اور ذلت نہیں آئے گی اور اگر آنسو اس کے بہہ نکلیں تو پھر پہلے ہی قطرے سے کئی آگ کے سمندر ٹھنڈے ہو جائیں گے۔ اگر کوئی کسی جماعت میں روئے گا تو اس سارے مجمع کو عذاب نہیں ہوگا۔

یہ قول مبارک بھی آپ کا ہی ہے کہ خوف کی وجہ سے رونا ہوتا ہے اور طرب شوق کی وجہ سے رجاء۔

حضرت کعب احبار رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! مجھے خوف خدا سے اتنا رونا آئے کہ میرے آنسو رخسار پہ جاری ہو جائیں۔ اس سے زیادہ اچھا معلوم ہوتا کہ سونے کا ایک پہاڑ صدقہ خیرات کر دوں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میری آنکھ سے ایک آنسو کا نکلنا میرے نزدیک ایک ہزار دینار صدقہ خیرات کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر تھے کہ آپ نے ہمیں ایسی نصیحت فرمائی' اس سے ہمارے دل نرم پڑ گئے۔ ہماری آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ ہم نے اپنے نفسوں کو پہچان لیا' پھر جب میں اپنے گھر واپس آیا تو میرے اہل خانہ میرے پاس آئے تو ہم دنیوی باتوں میں اتنے گم ہوئے کہ ہمارا جو حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہوا تھا' وہ مجھے یاد نہ رہا۔ دنیا میں مبتلا ہو گیا' پھر جب مجھے یاد آیا تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں تو منافق بن گیا ہوں۔ اس حیثیت سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جو خوف اور رقت کا حال تھا' وہ اب نہ رہا۔ اپنے گھر سے باہر نکلا اور پکار پکار کر کہنے لگا کہ حنظلہ تو منافق ہو گیا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھے ملے۔ آپ نے مجھے فرمایا کہ اے حنظلہ! تو بالکل منافق نہیں ہوا۔ یہی کہتے ہوئے میں بارگاہ حبیب کبریا میں حاضر ہو گیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! جب ہم آپ کی بارگاہ مقدس میں حاضر تھے تو آپ نے ہمیں ایسا وعظ فرمایا کہ ہمارے دلوں پہ خوف طاری ہو گیا۔ ہماری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ ہمیں اپنے نفسوں کی حقیقت معلوم ہو گئی مگر جب میں اپنے گھر واپس گیا' دنیوی باتوں کی مشغولیت کی وجہ سے وہ سب بھول گیا جو کیفیت آپ کے سامنے تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے حنظلہ! تم اگر ہر وقت اسی کیفیت میں رہو تو پھر تمہاری راہوں اور بستروں پر فرشتے مصافحہ کریں مگر ہر بات کے لیے ایک وقت متعین ہے۔ مختصر یہ کہ رجاء' رونے کی خوبی' تقویٰ اور ورع کے فضائل میں جو باتیں وارد ہوئی ہیں' علم کی فضیلت اور امن کی برائی کے سلسلے میں بیان ہوئی ہیں۔ وہ تمام ہی خوف کی خوبی پہ دلالت کرتی ہیں' اس لیے ان تمام باتوں کا اصل سبب یہی خوف ہوتا ہے۔

خوف کا غلبہ افضل ہے یا رجاء کا غلبہ؟: خوف اور رجاء دونوں کی فضیلت کے بارے میں بہت اخبار وارد ہیں۔ اس لحاظ سے پڑھنے والا اس شک میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ خوف اور رجاء میں سے کونسی چیز افضل ہے؟

یہ سوال سرے سے ہی غلط ہے کیونکہ ایسا سوال پوچھنا اس طرح ہی ہے جیسے کوئی یہ سوال کر بیٹھے کہ روٹی بہتر ہے یا پانی؟ اس سوال کا جواب یہی ہے کہ جو شخص بھوکا ہے' اس کے لیے روٹی افضل ہے اور جسے زیادہ پیاس لگی ہو گی' اس کے لیے پانی افضل ہے اور اگر کسی کو پیاس اور بھوک دونوں لگی ہوئی ہیں اور ان میں سے جو چیز غالب

ہوگی' اس کے لیے اسی کا اعتبار ہوگا یعنی بھوک کا غلبہ ہے تو پھر روٹی افضل ہوگی اور اگر پیاس کا غلبہ ہوا تو پھر پانی افضل ہوگا اور اگر بھوک و پیاس دونوں ہی برابر ہیں تو پھر روٹی اور پانی دونوں کی حیثیت برابر ہوگی کیونکہ کسی مقصود کے لیے جو چیز مطلوب ہوتی ہے' اسی مقصود کے لحاظ سے ہی اس چیز کی خوبی ہوتی ہے۔ اس کی خوبی محض اپنی ذات کے لحاظ سے نہیں ہوتی۔

فائدہ :۔ یہاں بھی یہی حال ہے خوف اور رجاء دونوں ہی دوائیں ہیں۔ ایسی دوائیں کہ جن سے دلوں کا علاج کیا جاتا ہے۔ پس ان کی خوبی بھی اتنی ہی ہوگی جتنی بیماری ہوگی۔ پس اگر اللہ کے عذاب سے بے خوف اور مغرور ہونے کا مرض ہو تو پھر خوف افضل ہے اور اگر یاس و قنوط کا غلبہ دل پہ ہو تو پھر اس صورت میں افضل رجاء ہوگی۔ اسی طرح اگر بندے پر گناہوں کی گندگی غالب ہو تو پھر خوف افضل ہوگا۔

ممکن ہے کہ کوئی کہے کہ خوف مطلقاً افضل ہے جیسے کہہ سکتے ہیں کہ سکنجبین سے روٹی افضل ہے۔ اس لیے کہ روٹی کے ذریعے بھوک کا علاج کیا جاتا ہے جبکہ سکنجبین کے ذریعے صفرا کا علاج جبکہ صفرا سے بھوک کا مرض سخت ہے کیونکہ روٹی کی حاجت بہت ہے' اس لیے یہی افضل ہے۔ اس لحاظ سے خوف کا غلبہ افضل ہے چونکہ مخلوق میں گناہ اور مغالطے میں پڑنا بہت ہے۔

اگر خوف و رجاء کو دیکھیں تو پھر ان دونوں میں سے رجاء افضل ہے کیونکہ منبع رجاء بحر رحمت ہے جبکہ خوف کا بحر غضب ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ایسی صفتوں کا جو شخص لحاظ رکھے گا جو کہ لطف و کرم اور رحمت کی مقتضی ہوں' ایسے شخص پہ محبت کا غلبہ ہوگا حالانکہ محبت کے مقام کے بعد کوئی مقام نہیں ہے جبکہ خوف کا سبب یہ بات ہوتی ہے کہ بندہ کی توجہ اللہ تعالیٰ کی ایسی صفتوں کی طرف ہو جاتی ہے جو کہ درشتی کی مقتضی ہوں تو اس التفات میں محبت کا میل رجا جیسا نہیں ہوگا۔

بہرحال جو چیز کسی غیر کے لیے مطلوب ہوا کرتی ہے' اس کے بارے میں یہ زیادہ مناسب ہے کہ لفظ اصلح مستعمل ہو' لفظ افضل اس حیثیت سے ہم کہتے ہیں کہ اکثر و بیشتر خلق کے حق میں خوف رجاء سے زیادہ اصلح ہے کیونکہ اکثر لوگوں پر خوف رجاء کی نسبت اصلح ہے کیونکہ خوف و رجاء دونوں ہی معتدل حالت میں مساوی درجہ کے حامل ہیں۔

اس لیے یہ قول مشہور ہے کہ اگر مومن کے خوف اور رجاء دونوں کا وزن کیا جائے تو ان دونوں کا وزن برابر ہوگا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول :۔ منقول ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے کسی صاحبزادے کو ارشاد فرمایا کہ بیٹا! اللہ تعالیٰ سے اتنا ڈر کہ اگر بالفرض تو اس سے تمام لوگوں کی نیکیاں لے بھی جائے تو پھر بھی وہ تجھ سے پذیرا نہ کرے' اور ایسی ہی رجاء بھی اختیار کر کہ اگر تو تمام لوگوں کی برائیاں بھی لے کر

اس کے پاس چلا جائے تو پھر بھی وہ تجھے بخش دے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول مبارک :- حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا بالفرض محال اگر اس طرح ندا ہو کہ ایک بندے کے سوا باقی تمام لوگ ہی دوزخ میں پھینکے جائیں گے' صرف ایک آدمی دوزخ سے بچ جائے گا تو میں پھر بھی یہی رجاء اختیار کروں گا کہ وہ بچنے والا میں ہی ہوں اور اگر بالفرض محال اس طرح ندا ہو کہ تمام لوگ بہشت میں داخل ہوں گے سوائے ایک بندے کے تو مجھے یہی خوف لاحق ہو گا کہ کہیں پیچھے رہ جانے والا میں ہی نہ ہوں۔

خوف و رجاء کا یہ نہایت درجہ ہے کہ دونوں ہی اعتدال پر ہیں اور غلبہ و استیلاء بھی یکساں ہیں لیکن حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خوف و رجاء دونوں مساوی ہیں' گنہگار کو جب یہ گمان ہو کہ میں تو ان لوگوں میں سے ہوں گا جو دوزخ سے مستثنیٰ ہوں' یہ حالت اس کے مغالطے میں پڑے ہوئے شخص کی ہے۔

اعتراض :- اگر کوئی کہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے شخص کا خوف و رجاء برابر نہیں ہونا چاہیے بلکہ رجاء زیادہ ہونی چاہیے۔ جیسا کہ رجاء کے باب کے آغاز میں بیان ہو چکا ہے کہ قوت اسباب جتنی رجاء ہوتی ہے جیسے اس کی مثال بیج اور زراعت میں بیان ہو چکی ہے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص بہترین بیج صاف زمین میں کاشت کرے' اس کی نگرانی بھی کرتا رہے۔ زراعت کے متعلقہ تمام شروط کو ادا کرتا رہے تو ایسے شخص کے دل پر رجاء غالب ہوگی جبکہ خوف رجاء کے برابر ہرگز نہیں ہوگا۔ پس ایسا ہی حال پرہیزگاروں کا بھی ہونا چاہیے۔

جواب :- الفاظ اور مثالوں کے ذریعے جو شخص کسی چیز کی معرفت حاصل کرتا ہے تو اسے اکثر لغزش سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ بیان کردہ یہ مثال کسی طرح بھی اس امر کے متعلق نہیں ہے جسے ہم بیان کر رہے ہیں کیونکہ علم رجاء کے غلبے کا سبب ہوتا ہے جو کہ تجربے سے حاصل ہوتا ہے۔ پس اس مثال میں تجربہ سے زمین کا عمدہ اور صاف ہونا' بیج کا عمدہ ہونا' ہوا کا درست ہونا اور مہلک صواعق کی کمی وہاں ہو سکتی ہے۔ اس مسئلہ کے خلاف کہ یہاں بیج کا امتحان نہیں ہوا' یہ بیج ایسی زمین میں ڈالا گیا جسے اجنبی زمین میں ڈالا گیا۔ بیج ڈالنے کے بعد دیکھ بھال بھی نہ کی اور نہ ہی اسے یہ معلوم ہے کہ اس زمین میں صواعق زیادہ ہوتی ہیں یا کم تو ایسے کسان کو رجاء خوف پر زیادہ نہیں ہو سکتی۔ خواہ وہ حتی المقدور اپنی بھرپور کوشش اور تدبیر اختیار بھی کر لے۔ اس مسئلہ میں تخم ایمان ہے۔ ایمان کے عمدہ اور سالم ہونے کی شرائط نہایت دقیق ہیں اور اس ایمان کے لیے زمین دل ہے۔ اس کی چھپی ہوئی خباثتیں اور صفتیں یعنی شرک جلی' نفاق' ریاء اور دوسری چھپی ہوئی عادات بڑی دقیق ہیں' اس سرزمین کی آفات شہوتیں ہیں۔ دنیا کی زیب و زینت اور اس کی طرف آئندہ کے لیے دل کا التفات کرنا گو سردست نہ سہی اور ان میں سے کوئی بھی ایسی چیز نہیں ہے کہ جسے تجربہ کے ذریعے معلوم کیا جا سکے کیونکہ کبھی کبھار ایسے اسباب بھی سامنے آجاتے ہیں جن کی مخالفت کی تاب کوئی بشر نہیں لا سکتا اور ایسے امور کا امتحان پہلے کبھی ہوا نہیں ہوتا اور مزرعہ صواعق دل کے لیے

سکرات موت کے احوال اور اس وقت معتدل حالت ڈگمگا جاتا ہے۔ یہ تمام چیزیں ہی ایسی ہیں کہ جن کا تجربہ پہلے نہیں ہوا۔ علاوہ ازیں اس کھیت کے پکنے اور کٹنے کا وقت تو وہ ہے کہ جب قیامت سے جنت میں جائے گا۔ اور یہ تجربہ بھی نہیں ہے۔ ان باتوں کی حقیقت جو شخص جانتا ہے تو وہی شخص اگر دل کا ضعیف اور کچا ہے تو پھر اس پر خوف رجاء سے زیادہ غالب ہو جاتا ہے۔ ایسے اشخاص کا حال صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین سے عنقریب بیان کیا جائے گا۔

فائدہ :۔ اگر کوئی دل کا مضبوط' پکا اور معرفت میں کامل ہو تو اس کے خوف و رجاء دونوں ہی مساوی ہوتے ہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ اس پہ رجاء غالب ہو۔

سیدنا فاروق اعظم کا طریقہ :۔ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دل کی تفتیش کے سلسلے میں بہت مبالغے سے کام لیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت فرمایا کرتے کہ مجھ میں تجھے نفاق کے آثار نظر آتے ہیں یا نہیں؟

فائدہ :۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کرنے کی وجہ یہ تھی کہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقوں کے پہچاننے کے لیے مخصوص کیا۔

اب بتایئے کون ایسا شخص ہے جو اپنے دل کو پوشیدہ نفاق و شرک خفی سے بچائے۔ اگر کوئی اپنے گمان فاسد میں یہ سمجھ بیٹھے کہ میرا دل تو صاف ہے تو اللہ تعالیٰ کی سزا سے کب بچ سکتا ہے کہ اس پہ اس کے حال کو مشتبہ کر دیا ہو۔ حقیقتاً تو حال کچھ اور ہو اور وہ کچھ اور سمجھتا ہو۔ اسے اپنے عیوب نہ نظر آتے ہوں۔ بالفرض محال اگر اسے قطعی طور پر قلبی صفائی حاصل ہو بھی جائے اور بندے کو اسی بموجب اعتقاد بھی ہو تو پھر بھی اس نے یہ کہاں سے معلوم کر لیا کہ خاتمے تک ایسا ہی حال رہے گا۔

حدیث شریف :۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ پچاس سال تک جنتیوں جیسے عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس شخص اور جنت کے مابین ایک بالشت کا فرق ہی رہ جاتا ہے اور بعض روایتوں میں مقدار اس فاصلہ کی "فواق" آیا ہے یعنی دو دفعہ دودھ نکالنے کے لیے درمیان کے وقت جتنا وقت اس شخص میں رہ جاتا ہے مگر ازلی نوشتہ غالب آجاتا ہے اور دوزخیوں کے عمل پہ اس کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

فائدہ :۔ ایسے تھوڑے سے وقت میں بندہ کوئی عمل اپنے اعضاء کے ذریعے تو کر نہیں سکتا ہاں البتہ اتنی دیر میں اس کے دل میں خلش اور وسوسہ پھر اسے ہی پیدا ہو سکتا ہے۔ پس ایسا وسوسہ اگر دل میں موت کے وقت پیدا ہو جائے تو زندگی بھر کے تمام اعمال برباد ہو جائیں گے اور خاتمہ برا ہو گا۔ اس بنا پر بے خوف ہونا کیسے ممکن ہے۔

فائدہ :۔ درج بالا بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ایماندار کی انتہائی غرض و غایت یہ ہے کہ خوف و رجاء دونوں ہی یکساں

ہوں۔ اکثر لوگوں میں رجاء کا غلبہ مغالطے میں مبتلا ہونے اور معرفت کم ہونے کی دلیل ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے جو اوصاف اپنے بندوں کے بیان فرمائے ہیں' ان میں ان دونوں یعنی خوف و رجاء کا ذکر ایک ساتھ کیا ہے۔ فرمایا یدعون ربھم خوفا وطمعا (الخ)

نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ویدعوننا رغبا ورھبا (الانبیاء 90) ترجمہ ابھی گزرا (منیر رضا)

قنوط :۔ مگر افسوس کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے افراد آج کل کہاں کہ جن کے خوف و رجاء دونوں ہی برابر ہوں' اس لیے آج کل کے لوگوں کے حق میں مناسب اور اصلح غلبہ خوف ہی ہے بشرطیکہ اس پہ خوف کی وجہ سے مایوسی کا بادل نہ چھا جائے کہ اب گناہوں کی مغفرت تو ہو سکتی نہیں' اس لیے اب عمل کرنا فضول ہے۔ اس خیال کی وجہ سے نیک اعمال چھوڑ بیٹھے اور گناہوں کی دلدل میں دھنستا چلا جائے۔ ایسی صورت حال کو قنوط کہا جاتا ہے۔

فائدہ :۔ خوف اس کا نام نہیں ہے کیونکہ خوف تو وہ حالت ہے کہ جس سے عمل کی ترغیب پیدا ہو اور تمام شہوتیں بری معلوم ہوں۔ دنیا کی طرف رغبت نہ رہے۔ یہ نہیں کہ کسی نہ کسی دل میں خوف کا وسوسہ تو گزر گیا مگر اس کا اثر برائی کے روکنے یا بھلائی پہ ترغیب دینے پر کچھ بھی نہ ہو اور مایوسی کا نام بھی خوف نہیں ہے جو کہ امید توڑنے کا سبب ہے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ کا قول :۔ حضرت یحییٰ بن معاذ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ صرف خوف کی وجہ سے جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے گا' وہ فکر کے سمندروں میں غرق ہو جائے گا اور جو شخص رجاء سے اس کی عبادت کرے گا' مغالطے کی وادی میں پریشان ہو کر بھٹکتا پھرے گا اور اگر خوف و رجاء اور محبت سے عبادت کرے گا تو پھر طریق ذکر میں مستقیم ہو گا۔

حضرت مکحول دمشقی کا قول :۔ آپ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے خوف سے عبادت کرتا ہے' وہ خارجی ہے اور رجاء کے ساتھ جو شخص عبادت کرے' وہ مرجیہ ہے۔

فائدہ :۔ معلوم ہوا کہ خوف و رجاء دونوں کا جمع ہونا ضروری ہے مگر زیادہ مناسب اور اصلح خوف کا غلبہ ہے۔ جب تک کہ سامنے موت نہ آجائے۔ فوتگی کے وقت رجاء کا غلبہ زیادہ مناسب ہے۔ قوت حسن ظن اس لیے زیبا ہے کہ خوف کوڑے کے قائم مقام ہے جو کہ بندے کو عمل پر آمادہ کرتا ہے۔ نزع کے وقت عمل تو ختم ہو گیا' سکرات موت میں کسی بشر سے کوئی عمل نہیں ہو سکتا اور نہ ہی خوف کے لوازمات وہ برداشت کر سکتا ہے کیونکہ اس سے مزید زیادہ دل شکنی ہوتی ہے اور کل کا مرنا آج ہی ختم ہو جاتا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ رجاء ہونے کی وجہ سے دل کو کچھ تقویت ملتی ہے اور جس سے رجاء ہوتی ہے' اس کے دل میں اسی کی محبت رچ بس جاتی ہے' اس لیے بندے کو

مناسب بھی یہی ہے۔ جب دنیا سے رخصتی اختیار کرے تو اس وقت وہ حق تعالیٰ کی محبت میں ہی سفر پہ روانہ ہو تاکہ حق تعالیٰ کی ملاقات بھی بھلی معلوم ہو' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ سے ملنا جو شخص اچھا جانتا ہے' اس سے ملاقات کرنے کو اللہ تعالیٰ بھی اچھا جانتا ہے۔ یہ حالت رجاء میں ہی بن سکتی ہے کیونکہ رجاء محبت سے ملی ہوئی ہوتی ہے۔

فائدہ:۔ بہرحال جو بھی اس کے کرم کا راجی ہوگا' وہی شخص محبوب بھی ہوگا۔ تمام علوم و اعمال سے غرض معرفت حق تعالیٰ ہی ہے۔ یہاں تک کہ معرفت سے محبت پیدا ہو جائے کیونکہ بالآخر اسی طرف لوٹتا ہے اور بعد از مرگ وہیں جاتا ہے۔ جو اپنے محبوب کے حضور حاضر ہوتا ہے تو محبت کے مطابق ہی اسے خوشی میسر آتی ہے اور محبوب سے اگر الگ ہوتا ہے تو محبت کی مقدار کے مطابق ہی اسے رنج اور عذاب بھی ہوتا ہے۔ پس موت طاری ہونے کے وقت اس کے دل پر اگر بیوی' فرزند' مال' گھر' زمین اور دوست احباب کی محبت کا غلبہ ہوگا تو پھر یہ شخص ایسا ہوگا کہ اس کی محبوب چیزیں تو دنیا میں ہی اس کی جنت تھیں' اس لیے جنت تو اس جگہ کا نام ہے جہاں تمام دل کی محبوب چیزیں موجود ہوں۔ ان چیزوں سے محبت رکھنے والے ایسے شخص کی موت گویا جنت سے باہر نکلنا ہے۔ اس کی خواہش والی چیزوں میں اور اس کے مابین پردہ پڑ جاتا ہے' موت ہے اور ظاہر ہے کہ بندے کی محبوب چیزوں کے آگے پردہ پڑ جانا بڑا گراں گزرتا ہے' اس لیے ایسے بندے کا فوت ہونا بھی اس کے لیے بڑی بھاری مصیبت ہے۔

فائدہ:۔ مگر جس کا محبوب اللہ تعالیٰ' اس کے ذکر' معرفت اور فکر کے سوا کچھ بھی نہ ہو اور بلکہ دنیا اور دنیوی علائق اس کے اوقات میں حارج ہوتے ہیں تو ایسے شخص کے حق میں اس کے لیے دنیا قید خانہ ہے' اس لیے کہ قید خانہ اسی جگہ کو کہتے ہیں کہ جس جگہ پر بندے کو من پسند بات سے راحت و سکون نہ لینے دیا جائے۔ اس لیے ایسے شخص کے لیے مرنا قید سے چھوٹنے کے مترادف ہے اور اپنے محبوب حقیقی کے پاس حاضری دینا ہے۔ قید سے رہائی کے سلسلے میں اس کا حال بھی قید جیسا ہوتا ہے اور جسے اپنے محبوب کا وصل بلا کسی مزاحمت کے ملے' اس کی کیفیت معلوم ہے۔ یہ معاملہ بھی اسی پہ قیاس کرنا چاہیے۔ ایسے شخص کو کتنی خوشی ہوتی ہوگی۔

فائدہ:۔ یہ معاملہ ثواب و عذاب کا تو وہ ہے جو مرنے کے بعد بندے کو ابتداً ملتا ہے یہاں نہ تو اس کا ثواب بیان کیا گیا ہے جو حق تعالیٰ نے اپنے صالحین بندوں کے لیے مقرر کیا ہے۔ جو نہ تو کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ ہی کانوں نے سنا۔ نہ کسی بشر کے دل پہ اس کا خیال گزرا اور نہ ہی اس میں وہ عذاب بھی شامل ہے جو کہ حق تعالیٰ نے ان کے لیے تیار کیا ہے جو دنیوی زندگی کو آخرت کی زندگی سے اچھا جانتے ہیں۔ اس پہ خوش ہو جاتے اور تسلی سے بیٹھ جاتے ہیں۔

فائدہ:۔ وہ عذاب مختلف قسم کے وبال' زنجیریں' طوق اور مختلف قسم کی ذلت و رسوائی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس دنیا سے مسلمان اٹھائے اور صالحین میں ملائے۔ اس دعا کی قبولیت کے لیے حق تعالیٰ کی محبت کے حصول کے سوا کوئی طمع نہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا حصول اپنے دل سے غیر اللہ کی محبت نکالے

بغیر ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا تمام علائق دنیوی مال' جاہ اور وطن وغیرہ سے تعلق توڑے بغیر کوئی چارہ نہیں' لہٰذا بہتر یہ ہے کہ ہم وہ دعا مانگیں جو دعا نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگی۔

دعائے نبوی :- حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللھم ارزقنی حبک وحب من احبک وحب ما یقربنی الی حبک واجعل حبک احب الی من الماء البارد ترجمہ : یااللہ عزوجل مجھے روزی دے اپنی محبت اور جو شخص تجھ سے محبت کرے' اس کی محبت اور اس عمل کی محبت جو مجھے تجھ سے قریب کردے اور اپنی محبت کو میرے نزدیک سرد پانی سے بھی زیادہ محبوب کردے۔

فائدہ :- مرتے وقت رجاء کا غلبہ زیادہ مناسب ہے' اس لیے کہ اس سے محبت پیدا ہوتی ہے جبکہ قبل از موت خوف کا غلبہ زیادہ مناسب ہے۔ اس لیے کہ خوف سے شہوتوں کی آگ سرد پڑ جاتی ہے اور دل سے دنیوی محبت ختم ہو جاتی ہے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لا یموتن احدکم الا وھو یحسن الظن بربہ ترجمہ : نہ مرے تم میں سے کوئی مگر اس طرح کہ اچھا گمان رکھتا ہو اپنے رب عزوجل سے۔

حدیث قدسی شریف :- اور یہ حدیث قدسی شریف میں ہے انا عندظن عبدی بی فلیظن بی ماشاء ترجمہ : میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں جو چاہے مجھ سے گمان کرے۔

حکایت :- حضرت سلیمان علیہ السلام کے وصال مبارک کا وقت قریب ہوا تو آپ نے اپنے بیٹے کو فرمایا کہ میرے سامنے رجاء بھری باتوں کو بیان کر۔ یہاں تک کہ میرا وصال ہو جائے کہ میں اپنے رب سے حسن ظن کے ساتھ ملاقات کا شرف حاصل کروں۔

حکایت :- اسی طرح جب حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ پہ نزع کا عالم طاری ہوا تو آپ کو بہت خوف محسوس ہوا۔ آپ نے اپنے ارد گرد علماء کرام کو اس لیے اکٹھا کیا تاکہ وہ آپ کو رجاء دلائیں۔

حکایت :- حضرت امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے صاحبزادے کو نزع کے وقت فرمایا کہ میرے سامنے وہ حدیث بیان کر کہ جس میں حسن ظن اور رجاء کا بیان ہو۔

فائدہ :- ان سے مقصود محض یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی وقت محبوب بن جائے۔

وحی داؤد علیہ السلام :- اس لیے حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ مجھے میرے بندوں کے نزدیک محبوب بنا دے تو حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کیا کہ الٰہی! کیسے؟ حق تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہوا کہ ان کے سامنے میرے انعام اور احسان کو بیان کر۔

فائدہ :- بہرحال بندے کی سعادت اسی میں ہے کہ وہ حق تعالیٰ کی محبت میں فوت ہو جائے جبکہ حق تعالیٰ کی محبت دو

چیزوں سے حاصل ہوتی ہے۔ (1) معرفت (2) دنیوی محبت دل سے نکال دینے سے' یہاں تک کہ اسے دنیا ایسے محسوس ہو جیسے دنیا قید خانہ ہے جو اسے محبوب سے ملاقات کا شرف حاصل کرنے نہیں دیتا۔

حکایت :۔ بعض صالحین نے حضرت ابو سلیمان درانی رحمتہ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا کہ وہ بھاگ رہے ہیں۔ انہوں نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ کا کیا حال ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں تو ابھی ابھی قید سے آزاد ہوا ہوں۔ صبح جب وہ بیدار ہوئے تو لوگوں سے حضرت ابو سلیمان کا حال دریافت کیا تو لوگوں نے بتایا کہ گزشتہ رات وہ فوت ہو گئے ہیں۔

خوف کے حصول کا طریقہ :۔ صبر کے بیان میں علاج تو ہم نے بیان کر دیا ہے کیونکہ اگر پہلے خوف و رجاء ہوگا تو صبر بھی ہوگا کیونکہ دین کے مقامات میں سے پہلا مقام یقین ہے یعنی اللہ تعالیٰ روز جزاء اور جنت و دوزخ پر اعتقاد و ایمان مضبوط ہو۔ ظاہر ہے کہ اس اعتقاد سے دوزخ کا خوف اور جنت کی رجاء ضرور ہی ہیجان میں آئے گی جبکہ صبر سے زیادہ زبردست خوف و رجاء ہیں۔

فائدہ :۔ جنت، مکروہات سے ڈھانپی ہوئی ہے۔ ان پر رجاء کی قوت کے بغیر صبر نہیں ہو سکتا' یونہی شہوتوں سے دوزخ چھپی ہوئی ہے۔ ان کے خاتمے کے سلسلے میں صبر کرنا خوف کی طاقت کے بغیر ناممکن ہے۔

حیدر کرار کا قول مبارک :۔ حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جنت کا مشتاق شہوتوں والی اشیاء کو بھول جاتا ہے اور دوزخ کی آگ سے ڈرنے والا حرام چیزوں سے پرہیز کرتا ہے۔ پھر خوف و رجاء سے حاصل ہونے والے مقام سے مقام مجاہدہ' ذکر الٰہی اور دائمی فکر کے لیے خلوت میں رہنا حاصل ہوتا ہے۔ دائمی ذکر سے انس کی نوبت' دائمی فکر سے اور کمال معرفت و انس سے مقام محبت میسر آتا ہے۔ محبت کے بعد رضا اور توکل وغیرہ کے مقامات میسر آتے ہیں۔

فائدہ :۔ دینی منازل کے سلوک میں ترتیب یہ ہے۔ (1) اصل یقین۔ (2) اصل یقین کے بعد خوف و رجاء کے بعد دوسرا کوئی مقام نہیں ہے۔ (3) خوف و رجاء کے بعد بھی صبر کے علاوہ کوئی مقام نہیں ہے۔ (4) مجاہدہ اور حق تعالیٰ کی خاطر ظاہری و باطن میں مجرد ہونا صبر سے حاصل ہوتا ہے۔ (5) مجاہدے کے بعد اگر کسی پر راہ کھلے تو وہ ہدایت و معرفت کے سوا کوئی مقام نہیں ہے۔ (6) معرفت کے بعد انس و محبت کے علاوہ دوسرا کوئی مقام نہیں۔ (7) محبت کے لیے ضروری ہے کہ ہر وقت محبوب کے ہر فعل سے راضی رہے اور اس کی عنایت پر اعتماد کلی رکھے جس سے رضا و توکل کے تمام مقامات میسر آتے ہیں۔

فائدہ :۔ خلاصہ کلام یہ کہ جو کچھ ہم صبر کے بیان میں علاج کے طور پر بیان کر آئے ہیں' اتنا ہی کافی ہے مگر پھر بھی خوف کو علیحدہ مختصر طور پر بیان کر دیتے ہیں۔

خوف :۔ کہتے ہیں کہ دو مختلف صورتوں سے خوف پیدا ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک دوسری سے اعلیٰ ہے۔ ان کی مثال یہ ہے کہ فرض کیجئے کہ گھر میں ایک لڑکا موجود ہے کہ اچانک اس گھر میں کوئی درندہ یا سانپ آجائے تو کیا عجب کہ وہ لڑکا اس سے نہ ڈرے بلکہ الٹا اسے پکڑنے کے لیے ہاتھ آگے بڑھا دے اور اس طرح وہ سانپ سے کھیلنا چاہے لیکن اگر اس کے ساتھ اس کا باپ بھی ہو اور اسے کچھ سمجھ بوجھ بھی ہو۔ اس لڑکے کا باپ سانپ یا درندے کو دیکھ کر ڈر جائے اور بھاگ کھڑا ہو تو لڑکا بھی جب باپ کو کانپتے اور بھاگتے ہوئے دیکھے تو اس پر بھی خوف طاری ہو جائے گا۔ یہاں پہ ایک تو باپ کا خوف ہے جو کہ سانپ کی حقیقت اور زہر سے شناسا ہے اور درندے کی پکڑ' جھپٹ اور بیدردی کو جانتا ہے اور ایک خوف لڑکے کا بھی ہے جو کہ صرف باپ کی تقلید میں بھاگا ہے' اس لیے باپ کا خوف کھانا کسی خوفناک چیز کی وجہ سے ہے۔ پس اسے دیکھ کر وہ جانتا ہے کہ درندہ اور سانپ کوئی خوفناک قسم کی چیز ہے اور اس خوفناکی کا سبب اور وجہ کو نہیں جانتا۔

فائدہ :۔ جب یہ مثال سمجھ لی ہے تو پھر سمجھ لیجئے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کے بھی دو مقامات ہیں۔ (1) اللہ تعالیٰ کے عذاب سے خوف اس کی ذات سے خوف۔ 2) دوسری قسم کا خوف تو انہیں ہوتا ہے جو علماء اور ارباب کشف ہیں۔ وہ اس کی صفتوں کے ان امور سے واقف ہیں جو ہیبت' رعب اور خوف کے مقتضی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول مبارک کے بھید سے بھی خوب واقف ہیں کہ :۔

قرآنی آیت نمبر1 :۔ ویحذرکم اللہ نفسہ (آل عمران 30) ترجمہ کنزالایمان : اور اللہ تمہیں اپنے عذاب سے ڈراتا ہے۔

آیت قرآنی نمبر2 :۔ اتقوا اللہ حق تقتہ (آل عمران 102) ترجمہ کنزالایمان : اللہ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے۔

خوف کی پہلی قسم :۔ اور پہلی قسم کا خوف خلق کا خوف ہے جو صرف جنت و دوزخ پر ایمان لانے اور طاعت و معصیت کی پاداش میں انہیں اعتقاد کرنے سے میسر آتا ہے۔ یہ خوف غفلت اور کمزور ایمان کی وجہ سے کم پڑ جاتا ہے جبکہ یہ غفلت واعظ و نصیحت سننے' قیامت کے دن والی دہشتوں کے ہمیشہ سوچتے رہنے اور مختلف قسم کے اخروی عذاب یاد کرنے کی وجہ سے ختم ہو جاتی ہیں۔ علاوہ ازیں خائفین کو دیکھنے' ان کے پاس بیٹھنے اور ان کے حالات دیکھنے سے بھی مٹ جاتی ہے۔ اگر مشاہدہ نہ بھی ہو تو پھر بھی محض سننا بھی تاثیر سے خالی نہیں ہوتا۔

خوف کی دوسری قسم :۔ خوف کی دوسری قسم پہلی سے بھی بڑھ کر ہے۔ وہ یہ ہے کہ خود حق تعالیٰ کی ذات سے خوف کیا جائے یعنی حق تعالیٰ کی دوری اور حجاب سے تو خوف کرنا چاہیے جبکہ قرب کی رجاء۔ حضرت ذوالنون رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دوزخ کے خوف اور فراق کے خوف کا آپس میں مقابلہ ایسا ہی ہے جیسے سمندر کے سامنے ایک

قطرہ جبکہ یہی خوف علماء ربانی کو حاصل ہوتا ہے۔ انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء (فاطر 28) ترجمہ کنزالایمان : اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔

فائدہ :۔ اس خوف سے کچھ فائدہ عام مومنوں کو بھی حاصل ہوتا ہے مگر عام مومنین کا یہ خوف محض تقلیدی خوف ہے۔ جیسے محض باپ کی تقلید کی بنا پر سانپ سے ڈرنا چونکہ اس تقلیدی خوف میں بصیرت نہیں ہوتی' اس لیے یہ خوف کمزور ہوتا ہے اور جلد ہی ختم ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر کبھی کسی منتر والے کو سانپ پکڑتے دیکھ کر لڑکا مغالطے کا شکار ہو جاتا ہے' اسے پکڑتا دیکھ کر خود بھی پکڑنے کی جرات کرتا ہے جیسے باپ کو دیکھ کر خوف کیا تھا۔

فائدہ :۔ بہرحال عموماً تقلیدی عقائد ضعیف ہوا کرتے ہیں مگر اس حال میں ہمیشہ ان کے اسباب کو مدنظر رکھا جائے جن سے ان عقائد کی تاکید ہوا کرتی ہے' پھر ان اسباب کے تقاضوں کے بموجب کثرت طاعت اور گناہوں سے بچنے پر عرصہ دراز تک ہمیشگی اختیار کی جائے تو پھر وہ عقائد مضبوط ہو جاتے ہیں۔

فائدہ :۔ خلاصہ یہ ہے کہ مقام معرفت پر پہنچ کر اللہ تعالیٰ کو پہچانتا ہے تو پھر وہ ضرور خوف کرتا ہے۔ ایسے شخص کے لیے اس کا علاج کرنے کی ضرورت ہرگز نہیں جس سے کہ خوف میسر آئے' اسے جیسا کہ کوئی درندے کی حقیقت جان لینے کے بعد اپنی ذات کو اس درندے کے پنجوں میں پھنسا ہوا دیکھے تو ایسے شخص کو خوف کے اسباب کی ضرورت نہیں کہ وہ درندے سے ڈرنے کے لیے کوئی طریقہ اختیار کرے بلکہ وہ شخص تو ہر حال میں اس سے ڈرے گا۔

وحی داؤدی :۔ اسی لیے حضرت داؤد علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی کہ مجھ سے اسی طرح ڈر جیسے تو درندے سے ڈرتا ہے۔

فائدہ :۔ نقصان پہنچانے والے درندے سے ڈرنے کے لیے سوائے درندے کی معرفت اور اس کے پنجوں میں پھنسنے کی کیفیت جاننے کے کوئی دوسرا طریقہ نہیں ہے۔

فائدہ :۔ پس جو شخص اللہ تعالیٰ کی ذات کو جان لے گا اور اس حقیقت سے بھی واقف ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جو چاہتا ہے' وہی کچھ کرتا ہے' وہ کچھ بھی پروا نہیں رکھتا۔ جو کچھ چاہتا ہے' اسی کا حکم دیتا ہے۔ وہ کسی سے نہیں ڈرتا۔ وہ بغیر کسی سابقہ سبب کے فرشتوں کو اپنے قرب کی دولت سے نوازتا ہے اور ابلیس کو کسی بھی سابقہ جرم کے بغیر اپنی بارگاہ سے رندہ درگاہ کیا۔ اس کی صفت وہی ہے جو کہ ایک حدیث قدسی میں بھی بیان ہوئی ہے۔

حدیث قدسی شریف :۔ ھولاء فی الجنۃ ولا ابالی وھولا فی النار ولا ابالی ترجمہ : یہ لوگ میر، ہیں تو مجھے کچھ پرواہ نہیں اگر یہ لوگ جہنم میں ہیں تو مجھے کچھ پرواہ نہیں۔

اور اگر کسی کو یہ گمان ہو کہ وہ کسی کو گناہوں کے بغیر عذاب نہیں دیتا اور اسی طرح نہ ہی طاعت کے بغیر ثواب تو ایسے شخص کو غور کرنا چاہیے کہ مطیع و فرمانبردار کے لیے اطاعت کے اسباب سے معاونت کیوں کرتا ہے کہ اسے

خواہمخواہ ہی اطاعت کرنی پڑتی ہے کہ وہ گنہگار کو گناہوں کے لوازمات کیوں مہیا کرتا ہے کہ جن کی وجہ سے وہ چارو ناچار گناہوں کی دلدل میں گرتا ہے یعنی حق تعالیٰ نے اس میں غفلت' شہوتیں اور شہوت پوری کرنے کی قدرت پیدا کی تو پھر اس سے وہ فعل ضرور سرزد ہوگا۔ اب اس نے اسے اپنی بارگاہ سے دور اس لیے کیا کہ اس نے جرم کا ارتکاب کیا۔ اس سلسلے میں ہم یہ کہتے ہیں کہ اسے جو یہ گناہ کی قدرت عطا فرمائی اور اس سے گناہ کروایا یہ کس سبب کی بنا پر ہوا۔ کیا اس سے قبل کوئی گناہ سرزد ہوا تھا کہ جس کی سزا کی وجہ سے اس سے یہ دوسرا گناہ سرزد ہوا؟ پھر اس پہلی خطا کے بارے میں پوچھیں گے کہ وہ کس لیے ہوئی' یہاں تک کہ سلسلہ چلتا رہے گا حتیٰ کہ پہلے گناہ کے بارے میں یہی کہا جائے گا کہ پہلے گناہ کے وقت سے پہلے اس سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا تھا بلکہ روز ازل سے ہی اسی طرح اس کی قسمت میں لکھا گیا تھا۔ اسی بات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ارشاد فرمایا:۔

حدیث شریف:۔ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی گفتگو کا قصہ جو اللہ تعالیٰ کے سامنے ذکر فرمایا کہ دونوں انبیاء کرام کے درمیان آپس میں گفتگو ہوئی۔ اس گفتگو میں حضرت آدم علیہ السلام غالب آئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کو فرمایا کہ تم وہی آدم ہو جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص دست قدرت سے پیدا کیا اور اپنی روح ڈالی۔ اپنے ملائکہ سے سجدہ بھی کروایا' پھر جنت میں رکھا' پھر تم لوگوں کو اپنی خطا کی وجہ سے زمین پر اتارا۔ یہ سن کر حضرت آدم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ "کیا تم بھی وہی موسیٰ ہو جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت اور اپنے کلام سے مخصوص کیا۔ ایسی تختیاں عطا فرمائیں کہ جن میں ہر ایک چیز کا واضح بیان تھا۔ تجھے خلوت میں اپنے کلام سے سرفراز فرمایا۔ بھلا یہ تو بتایئے اللہ تعالیٰ نے میری پیدائش سے کتنا عرصہ پہلے توریت تحریر فرمائی؟"

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ "چالیس سال پہلے۔" حضرت آدم علیہ السلام نے پوچھا کہ توریت میں یہ بھی لکھا ہوا ہے یا نہیں کہ عصیٰ ادم ربہ فغویٰ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ "ہاں۔"

حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا کیا تم مجھے ایسے عمل کی وجہ سے ملامت کرتے ہو جو میرے عمل کرنے اور پیدا ہونے سے بھی پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے میری قسمت میں لکھ دیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا' اس تقریر سے موسیٰ علیہ السلام پہ حضرت آدم علیہ السلام غالب آ گئے۔

فائدہ:۔ پس اس امر میں جو شخص بھی کسی سبب کو معلوم کرے گا' اس کا یہ معلوم کرنا بھی نورہدایت کے باعث ہوگا۔ تقدیر کے راز سے آشنا عارفین میں سے وہ شخص ہوگا اور سن کر جو شخص ایمان لائے اور سنتے ہی یقین کر لے' وہ عام مومنین میں سے ہوگا۔ جس طرح کہ کمزور لڑکا درندے کے چنگل میں اور درندہ کبھی بھول کر اسے چھوڑ دیتا اور کبھی غراتے ہوئے چیر پھاڑ ڈالتا' یہ تمام صورتیں "اتفاقاً" پیدا ہوتی ہیں۔ اس اتفاق کے لیے بھی تقدیر کے اسباب

مقرر ہوتے ہیں لیکن اگر اس امر کا لحاظ نہ رکھنے والے اسے اتفاق کہیں گے' درندے کے چنگل میں پھنسے ہوئے شخص کو دیکھئے' اگر اس پھنسے ہوئے شخص کی معرفت کامل ہے تو پھر وہ شخص ہرگز خوف نہیں کرے گا کیونکہ وہ خود مسخر ہے۔ اگر اس شیر پر بھوک مسلط کی جائے تو پھر وہ شکار کرے گا اور اگر غفلت مسلط کر دی جائے تم پھر وہ چھوڑ دے گا' اس لیے ایسے مسخر سے کیا ڈرنا بلکہ اس ذات سے ڈرنا چاہیے کہ جس ذات نے اس درندے اور اس کی صفتوں کو پیدا کیا۔

فائدہ:۔ یہی وجہ ہے کہ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اللہ عزوجل سے ڈرنے کی مثال درندے سے ڈرنے جیسی ہے بلکہ جب حقیقتاً پردہ اٹھا دیا جائے تو پھر پتہ چلے کہ درندے سے خوف کھانا اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی طرح ہے کیونکہ وہی ذات تو درندے کے ذریعے ہلاک کرنے والی ہے۔

فائدہ:۔ اسی طرح آخرت کے درندے بھی دنیوی درندوں کی مانند ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ثواب و عذاب کے اسباب کو پیدا فرمایا۔ دونوں کے لیے ان کے اہل بھی پیدا کر دیئے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر اللہ تعالیٰ کے ازلی حکم سے اسی طرف لیے جا رہی ہے جس کے لیے وہ پیدا کیے گئے ہیں۔

مثال:۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کو پیدا فرمایا اور پھر جنت کے لیے کچھ لوگ پیدا فرمائے۔ ان کے لیے جنت کے سامان مسخر فرمائے۔ وہ انہیں چاہیں یا نہ چاہیں اور اسی طرح دوزخ پیدا کیا اور پھر دوزخ کے لیے لوگ بھی پیدا فرمائے۔ انہیں دوزخ کے اسباب کا مسخر کر دیا اور وہ چاہیں یا نہ چاہیں۔

فائدہ:۔ اس لیے جو شخص اپنی ذات کو گرداب تقدیر اور چار موجہ قضا میں ملاحظہ کرے گا' بے شک اس پر خوف غالب ہوگا۔ یہ خوف ان لوگوں کا ہے جو تقدیر کے راز کو پہچانتے ہیں۔

اس کا علاج یہ ہے کہ اخبار و آثار سن کر اپنے نفس کا علاج کرے یعنی خائفین و عارفین کے قصص اور اقوال کا مطالعہ کرے۔ پھر ان بزرگوں کی عقلوں اور درجات کو رجاء کی وجہ سے مغرورین کی عقلوں اور درجات سے نسبت دے تو پھر اس سلسلے میں شک نہ کرے۔ پیروی اختیار کرنے میں اس سلسلے میں بزرگان دین کی اولیٰ ہے کیونکہ وہ بزرگ انبیاء و علماء ہیں اور دوسرے لوگوں کا گروہ یعنی بے خوف لوگ فرعون' جاہل اور غبی قسم کے ہیں۔ اس سے زیادہ کیا ہوگا۔ کہ ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو سید الاولین والاخرین ہیں وہ سب سے زیادہ متردد رہتے تھے۔

حدیث شریف:۔ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک لڑکے کی نماز جنازہ پڑھا رہے تھے کہ کسی کو پڑھتے ہوئے آپ نے سنا کہ "یااللہ! اسے عذاب قبر اور عذاب دوزخ سے بچا۔"

ایک حدیث شریف میں یہ ہے کہ آپ نے کسی کو اس طرح کہتے ہوئے سنا ھنیا لک عصفور من عصافی

الجنتہ آپ نے غصے ہوتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ تو نے کیسے معلوم کیا کہ اللہ تعالیٰ نے جنت پیدا کی اور اس کے لیے کچھ لوگ پیدا کیے کہ ان سے وہ نہ تو زیادہ ہو سکتے ہیں اور نہ ہی کم۔

حدیث شریف :- ایک روایت میں یوں بیان ہوا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی (درج بالا والا) ارشاد حضرت عثمان بن مظعون کے جنازے پر ارشاد فرمایا جو کہ مہاجرین میں سے اول ہیں۔ آپ نے یہ ارشاد گرامی اس وقت ارشاد فرمایا کہ جب ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انہیں کہا ھنیا لک الجنۃ بعد میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد میں کسی کو بھی پاک نہیں کہوں گی۔

حکایت :- حضرت محمد بن خولتہ الحنفیہ رحمتہ اللہ علیہ یعنی حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا کے صاحبزادے نے فرمایا کہ بخدا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر میں کسی کو بھی پاک نہیں کہتا حتیٰ کہ اپنے باپ کو بھی پاک نہیں کہوں گا جن کا میں بیٹا ہوں۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ یہ بات سن کر شیعوں نے آپ پہ ہجوم کیا تو آپ نے حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا کے فضائل و مناقب بیان کرنے شروع کر دیے۔

حدیث شریف:۔ ایک حدیث شریف میں ایک شخص اہل صفرہ کا حال بیان کیا گیا ہے کہ جب وہ شہید ہوا تو اس کی والدہ ماجدہ نے کہا بیٹا! تجھے جنت مبارک ہو' تم تو جنتی چڑیوں میں سے ہو۔ تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید کیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی والدہ کو ارشاد فرمایا " اس کا جنتی ہونا تمہیں کیسے معلوم ہوا؟ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی زندگی میں غیر نافع کلام کرتا رہا ہو یا ایسی چیز کو نہ دیا کرتا ہو جو اس کو مضر نہ ہو۔"

حدیث شریف:۔ ایک دوسری حدیث شریف میں وارد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک صحابی کی عیادت کے لیے گئے۔ آپ نے وہاں ایک عورت کو کہتے ہوئے سنا۔ "وہ کہہ رہی تھی کہ تجھے جنت مبارک ہو۔" آپ نے فرمایا کہ یہ اللہ (عزوجل) پر حکم کرنے والی کون ہے۔ مریض نے عرض کیا کہ یہ میری والدہ ہے۔

آپ نے اس کی والدہ کو فرمایا کہ اس بات کا تجھے کیسے علم ہوا۔ ہو سکتا ہے تیرا بیٹا زندگی میں بے فائدہ کلام ہی کرتا رہا ہو یا کسی ایسی چیز کے بارے میں بخل کرتا رہا ہو کہ جس سے مالدار نہ ہو سکتا ہو۔ اس کے علاوہ تمام مسلمان خوف کیسے نہ کریں؟

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے سورۂ ہود اور اس کی بہنوں سورۂ واقعہ' کورت اور عم تیساء لون نے بوڑھا کر دیا ہے۔

فائدہ:۔ علمائے کرام اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں۔ آپ کا یہ فرمان مبارک شاید اس لیے ہے کہ سورہ ہود میں دور کرنے کا مضمون بہت بیان کیا گیا ہے جس طرح کہ الا بعدالعاد قوم ھود (پ 12 ھود 60) ترجمہ کنزالایمان: ارے دور ہو ھود کی قوم اور الا بعد الثمود (پ 12 ھود 18) ترجمہ کنزالایمان: ارے لعنت ہو ثمود پر اور الا بعد المدین کما بعدت ثمود (پ 12 ھود 95 ترجمہ کنزالایمان: ارے دور ہو مدین جیسے دور ہوئے ثمود

حالانکہ آپ جانتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو پھر یہ قوم شرک نہ کرتی۔ اگر وہ چاہتا تو تمام کو ہدایت سے نواز دیتا۔ سورہ واقعہ میں یہی مضمون بیان ہوا ہے کہ لیس لوقعتھا کاذبۃ خافضۃ الرافعۃ (الواقعہ 302) ترجمہ کنزالایمان: اس وقت اس کے ہونے میں کسی کو انکار کی گنجائش نہ ہوگی' کسی کو پست کرنے والی کسی کو بلندی دینے والی۔ یعنی جو کچھ ہونا ہے' اسے (لکھ کر) قلم خشک ہو گیا ہے' اس لیے پہلے کا لکھا ہوا پورا ہوگا۔ جب تک کہ رونما ہو اور وہ خافضہ یعنی نیچا کرنے والی ہوگی۔ انہیں جو دنیا میں بلند مقام کے حامل تھے یا رافعہ ہوگی یعنی کم مقام رکھنے والوں کو دنیا میں بلند مقام کرنے والی ہوگی۔

فائدہ:۔ سورہ کورت میں قیامت کے حالات کا بیان ہے اور خاتمے کا ظاہر ہونا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ واذا الجحیم سعرت واذا الجنۃ ازلفت علمت نفس ما احضرت پ 30 التکویر 12 تا 14 ترجمہ کنزالایمان: اور جب جہنم بھڑکایا جائے اور جب جنت پاس لائی جائے ہر جان کو معلوم ہو جائے گا جو حاضر لائی۔

فائدہ:۔ سورۃ النبا میں بھی ایسا ہی مضمون بیان کیا گیا ہے یوم ینظر المرء ماقدمت یدہ پ 30 النباء 40 ترجمہ

کنزالایمان: جس دن آدمی دیکھے گا جو کچھ اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا۔

لا یتکلمون الا من اذن له الرحمٰن وقال صوابا (پ 30 النبأ 38) ترجمہ کنزالایمان: نہ بول سکے گا مگر جسے رحمٰن نے اذن دیا اور اس نے ٹھیک بات کہی۔

قرآن مجید میں شروع سے آخر تک خوف ہی کا بیان ہے۔ اگر کوئی قرآن مجید کو سمجھتے ہوئے پڑھے۔ اگر پورے قرآن مجید میں صرف یہی آیت ہوتی تو کافی تھی کہ ان لغفارہ لمن تاب وامن وعمل صالحا ثم اھتدیٰ (پ 16 طہٰ 82) ترجمہ کنزالایمان: اور بے شک میں بہت بخشنے والا ہوں اسے جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھا کام کیا پھر ہدایت پر رہا۔ کیونکہ اس آیت مبارکہ میں مغفرت کو چار ایسی شرائط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ بندہ ان میں سے ایک ادا کرنے سے بھی بے بس ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول مبارک اس سے بھی زیادہ سخت ہے فاما من تاب وامن وعمل صالحا فعسی ان یکون من المفلحین یعنی شرائط ادا کرنے کے باوجود بھی فلاح کا یقین نہیں ہے۔

دیگر آیات:۔ یسئل الصادقین عن صدقھم (پ 21 الاحزاب 8) ترجمہ کنزالایمان: تاکہ سچوں سے ان کے سچ کا سوال کرے۔

سنفرغ لکم ایھا الثقلان (پ 27 الرحمٰن 31) ترجمہ کنزالایمان: جلد سب کام نمٹا کر ہم تمہارے حساب کا قصد فرماتے ہیں، اے دونوں بھاری گروہ۔

افامنوا مکر اللہ (پ 9 الاعراف 99) ترجمہ کنزالایمان: کیا اللہ کی خفی تدبیر سے بے خبر ہیں۔

وکذلک اخذ ربک اذا اخذ القریٰ وھی ظالمۃ ان اخذہ الیم شدید

یوم نحشر المتقین الی الرحمٰن وفدا ونسوق المجرمین الی جھنم وردا (پ 16 مریم 85، 86) ترجمہ کنزالایمان: جس دن ہم پرہیزگاروں کو رحمٰن کی طرف لے جائیں گے مہمان بنا کر اور مجرموں کو جہنم کی طرف ہانکیں گے پیاسے۔

وان منکم الا واردھا کان علی ربک حتما مقضیا (پ 16 مریم 71) ترجمہ کنزالایمان: اور تم میں کوئی ایسا نہیں جس کا گذر دوزخ پر نہ ہو تمہارے رب کے ذمہ پر یہ ضرور ٹھہری ہوئی بات ہے۔

اعملوا ما شئتم انه بما تعملون بصیر

من کان یرید حرث الاخرۃ نزدله فی حرثه ومن کان یرید حرث الدنیا نوته منھا وماله فی الاخرۃ من نصیب (پ 25 الشوریٰ 20) ترجمہ کنزالایمان: جو آخرت کی کھیتی چاہے ہم اس کے لئے اس کی کھیتی بڑھائیں اور جو دنیا کی کھیتی چاہے ہم اسے اس میں سے کچھ دیں گے اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں۔

فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ (پ 30 الزلزال 7، 8) ترجمہ کنزالایمان: تو جو ایک ذرہ بھر بھلائی کرے اسے دیکھے گا اور جو ایک برائی کرے اسے دیکھے گا۔

وقدمنا الی ما عملوا من عمل فجعلنه ھباء منثورا (پ 19 الفرقان 23) ترجمہ کنزالایمان: اور جو کچھ

انہوں نے کام کئے تھے ہم نے قصد فرما کر انہیں باریک باریک غبار کے بکھرے ہوئے ذرے کردیا کہ روزن کی دھوپ میں نظر آتے ہیں۔

والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین امنوا وعملوا الصلحت وتوا صوا بالحق وتواصوا بالصبر (پ 30 العصر 1 تا 3) ترجمہ کنزالایمان : اس زمانہ محبوب کی قسم! بے شک آدمی ضرور نقصان میں ہے مگر جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور ایک دوسرے کو حق کی تاکید کی اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی۔

فائدہ :- اس سورۃ مبارک میں نقصان سے بچنے کی چار شرطیں بیان کی گئی ہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام جو کہ اللہ تعالیٰ کے انعام و احسان کے باوجود اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے' اس خوف کی اصل میں وجہ یہی تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف نہیں تھے۔

فلا یامن مکر اللہ الا القوم الخسرون خود اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

حدیث شریف :- روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خوف کے باعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت جرائیل امین علیہ السلام دونوں ہی روئے تو اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ تم (دونوں) کیوں روتے ہو؟ میں نے تو تمہیں مامون کر دیا ہے۔ عرض کی "یا اللہ تیری خفیہ تدبیر سے بے خوف کون ہو سکتا ہے؟"

فائدہ :- گویا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت جبرئیل نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ تو تمام غیبوں کو جانتا ہے۔ ہم کاموں کے انجام کو نہیں جانتے تو اسباب سے مامون رہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہیں براہ امتحان' ابتلا اور خفیہ تدبیر کی حیثیت سے ہی نہ ہو یعنی اگر اللہ تعالیٰ کے فرمان مبارک کے بعد خوف ختم ہو جاتا تو معلوم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے مامون ہیں اور اپنے سابقہ قول کی وفا نہ ہوتی جس طرح کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پھن میں رکھے گئے تو کہا کہ حسبی اللہ (عزوجل) یعنی مجھے اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے۔ آپ کا یہ کہنا ایک دعویٰ تھا۔ اس بنا پر آپ کو آزمایا گیا۔ جب آپ ہوا میں تھے' اس وقت آپ کی ملاقات حضرت جرائیل علیہ السلام سے ہوئی۔ حضرت جرائیل علیہ السلام نے آپ سے دریافت فرمایا کہ آپ کو کوئی حاجت ہو تو بیان کیجئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا "مجھے تم سے کوئی مطلب نہیں۔"

فائدہ :- آپ کا یہ ارشاد فرمانا قول سابق حسبی اللہ کو ایفاء کرنا تھا۔ اسی واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے کہ وابراھیم الذی وفی یعنی قال حسبی اللہ آپ نے جیسا کہا' ویسا ہی کر دکھایا۔ یونہی اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا واقعہ بھی ارشاد فرمایا کہ اننا نخاف ان یفرط علینا او ان یطغی قال لا تخافا اننی معکما اسمع واری (پ 3 طہ 45'46) ترجمہ کنزالایمان : دونوں نے عرض کیا اے ہمارے رب بے شک ہم ڈرتے ہیں کہ وہ ہم پر زیادتی کریں یا شرارت سے پیش آئیں فرمایا ڈرو نہیں میں تمہارے ساتھ ہوں سنتا اور دیکھتا۔

اس کے باوجود جب جادوگروں نے اپنے جادو کے کرشمے دکھائے تو حضرت موسیٰ کے دل مبارک میں خوف پیدا ہوا کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف نہیں تھے اور یہ امر شبہے میں پڑا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے

آپ کے لیے نئے سرے سے امن کا فرمان ارشاد فرمایا کہ لا تخف انک انت الا علٰے اسی طرح بدر کے دن جب مسلمانوں کی شان و شوکت کفار کے دل سے کم ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حق تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ اگر تو اس جماعت کو تباہ کر دے گا تو پھر تمام زمین پر کوئی ایسا نہ رہے گا جو تیری عبادت کرے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ تعالیٰ کے وعدے پر اعتماد کلی تھا۔ بشر میں سے کسی میں بھی اتنی قوت نہیں کہ صفات الٰہی کی حقیقت کا ادراک کر سکے۔ جو شخص حقیقت معرفت معلوم کر لے اور یہ بھی سمجھ لے کہ میری یہ معرفت کنہ امور کو احاطہ نہیں کر سکتی۔ ایسے شخص کو خوف بلا شبہ بہت زیادہ ہوگا' اس لیے جب حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ انت قلت للناس اتخذونی وامی الھین من دون اللہ (پ7 المائدہ 116) ترجمہ کنزالایمان: کیا تو نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو دو خدا بنا لو اللہ کے سوا۔ تو آپ نے جواباً" عرض کیا ان کنت قلتہ فقد علمتہ تعلم ما فی نفسی ولا اعلم ما فی نفسک (پ7 المائدہ 116) ترجمہ کنزالایمان: اگر میں نے ایسا کیا ہو تو ضرور تجھے معلوم ہوگا تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے۔ آپ نے یہ بھی جواب دیا کہ ان تعذبھم فانھم عبادک وان تغفرلھم فانک انت العزیزالحکیم (پ 7 المائدہ 118) ترجمہ کنزالایمان: اگر تو انہیں عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بے شک تو ہی غالب حکمت والا۔

آپ نے تمام کام مشیت ایزدی کے سپرد کر دیا۔ اپنے عمل کو درمیان سے بالکل ہی الگ کر دیا' اس لیے کہ جانتے تھے کہ ہمیں کوئی اختیار نہیں' تمام کام ہی مشیت ایزدی سے وابستہ ہیں کہ عقل اور عادت سے باہر ہیں۔ قیاس' گمان اور وہم سے بھی ان پہ حکم نہیں ہو سکتا۔ چہ جائیکہ کسی معاملے کی تحقیق و یقین ہو سکے۔ اس بات سے ہی قلوب عارفین ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔

فائدہ :- یعنی قیامت کبریٰ وجہ ہے جس میں بندے کو صرف ایک ہی ذات سے کام پڑے گا جسے کوئی پروا نہیں۔ اگر وہ ہلاک کرنا چاہے تو اس جیسے بیشمار بندوں کو ہلاک کر دے۔ دنیا میں انہیں ہمیشہ مختلف قسم کی تکالیف و امراض سے عذاب دیتا رہتا ہے۔ اس کے باوجود ان کے دلوں کو کفر و نفاق کی بیماری سے دوچار کر کے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان پہ عذاب مقرر کر دیتا ہے۔ پھر خود ہی ارشاد فرماتا ہے لوشئنا لا تینا کل نفس ھداھا ولکن حق القول منی لاملئن جھنم من الجنتہ والناس اجمعین (پ 21 السجدہ 13) ترجمہ کنزالایمان: اگر ہم چاہتے ہر جان کو اس کی ہدایت فرماتے مگر میری بات قرار پا چکی کہ ضرور جہنم کو بھر دوں گا ان جنوں اور آدمیوں سب سے۔

قرآن پاک میں ایک اور جگہ یوں ارشاد فرمایا کہ وتمت کلمتہ ربک لاملئن جھنم من الجنتہ والناس اجمعین اب سوچ طلب امر یہ ہے کہ جب یہ قول پہلے ہی ہو چکا ہے اور اسے مٹانے کا کوئی خیال نہیں ہے' پھر خوف کیسے نہیں ہوگا۔ اگر بالفرض محال تقدیر نہ بھی ہوتی اور معاملہ حال کی روداد پہ ہی منحصر ہوتا تو پھر بھی کسی تدبیر یا حیلے کا طمع ضرور ہوتا مگر اب تو تسلیم کیے بغیر کیا ہو سکتا ہے کہ دل اور اعضاء جسمانی پر جو اسباب مہیا ہوں گے جگہ خیر کے اسباب کے سلسلے میں انہیں حجاب واقع ہو۔ دنیا سے اس کا علاقہ پختہ ہو تو گویا اس سلسلے میں تقدیر کا راز کھل

گیا ہے کہ میری قسمت میں بدبختی لکھی ہوئی ہے کیونکہ جو جس کے لیے پیدا ہو' اس کے لیے ویسا ہی سامان مہیا کر دیا جاتا ہے۔

اگر کسی کے لیے نیکیاں میسر ہوں' دل دنیا سے بالکل ہی جدا اور وہ ظاہر و باطن سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو تو یہ تمام باتیں اس امر کو چاہتی ہیں کہ ایسے شخص کے لیے خوف کم ہو بشرطیکہ اسے اس حال پر ہمیشہ رہنے کا اعتماد ہو لیکن ایک ہی حال پہ ہمیشہ ہمیشہ رہنا بڑا مشکل ہے۔

اس کے علاوہ خاتمے کا خطرہ جہنم کے خوف کو بڑھا دیتا ہے جبکہ اس شعلے کے بجھنے کا کوئی جتن نہیں۔ حال بدلنے کا خوف جان پہ بوجھ بن جاتا ہے۔

حدیث شریف:۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ "مومن کا دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں میں ہے۔"

ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ "دل بدلنے کے لحاظ سے ہانڈی کے ابال سے بھی زیادہ ہے۔"

فرمان حق:۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ان عذاب ربھم غیر مامون (پ 29 المعارج 28) ترجمہ کنزالایمان: بے شک ان کے رب کا عذاب نڈر ہونے کی چیز نہیں۔ یہ ارشادات سن کر کوئی بہت بڑا جاہل ہی ہو گا جو بے خوف ہو گا یعنی اللہ تعالیٰ اعلانیہ طور پر ڈرا رہا ہے تو پھر بے خوفی کی گنجائش کہاں ہے۔ یہ تو عارفین پہ اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ ان کے دل کو روح رجاء سے ترو تازہ رکھتا ہے ورنہ ان کے دل خوف کی آتش سے جل کر کباب بن جاتے۔ جیسے اسباب رجاء خواص الٰہی کے لیے رحمت ہیں یونہی غفلت کے لوازمات عام لوگوں کے حق میں رحمت کا سبب ہیں۔ اگر ان سے غفلت ہٹا دی جائے اور لوگوں کو اصل حال کا پتہ چل جائے تو پھر ان کے بدنوں سے جان نکل جائے۔ دلوں کے بدلنے والے کے خوف سے ان کے دل پرزے پرزے ہو جائیں۔

عارفین کا قول:۔ بعض عارفین کا یہ قول ہے کہ میرے ساتھ اگر کوئی پچاس سال تک موحد رہے اور محض ایک ستون کی آڑ میں مر جائے تو پھر بھی میں اس کی توحید کے بارے میں یقینی بات سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اس لیے کہ کیا پتہ کہ اتنے عرصہ میں کہ وہ ستون کی آڑ میں گیا تو اس کے دل میں کیسے کیسے تغیرات پیدا ہوئے؟

عارفین کا دوسرا قول:۔ بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ اگر گھر کے دروازے پر فوت ہونے سے شہادت ملے اور حجرے کے دروازے پر مرنے سے ایمان پر خاتمہ ہو تو مجھے اسلام پر مرنا ہی منظور ہے اور حجرے کے باہر نہ نکلوں اس لیے کہ کیا معلوم کہ حجرے کے دروازے سے گھر کے دروازے تک پہنچتے پہنچتے میرا دل تغیر و تبدل کا شکار ہو جائے۔

حضرت ابو دردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول:۔ حضرت ابو دردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ قسماً" ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص مرنے کے وقت ایمان چھین لیے جانے سے بے خوف ہو جاتا ہے' اس کا ایمان لازماً" چھین لیا جاتا ہے۔

حضرت سہل تستری کا فرمان:۔ آپ نے فرمایا کہ ہر قدم و ہر وسوسے پہ صدیقین کو خاتمے کے برا ہونے سے دھڑکا لگا رہتا ہے۔

ان کا وصف مبارک بھی اللہ تعالیٰ صدیقین سے ارشاد فرماتا ہے کہ وقلوبھم وجلنہ

حکایت:۔ حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ کے وصال کا وقت جب قریب ہوا تو آپ رونے لگے۔ آپ پہ خوف بہت وارد ہوا۔ آپ کو لوگوں نے کہا کہ اس وقت تو آپ کو رجاء اختیار کرنی چاہیے کیونکہ تمہارے گناہوں سے بھی بڑا اللہ تعالیٰ کا عفو ہے۔ یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں گناہوں کے سبب نہیں روتا' اگر مجھے پتہ چل جائے کہ میرا خاتمہ توحید پہ ہوگا تو پھر خواہ پہاڑوں کے برابر بھی گناہ میرے ساتھ جائیں' مجھے کوئی پروا نہیں۔

حکایت:۔ بعض خوف کرنے والوں میں سے کسی نے اپنے بھائی کو وصیت کرتے ہوئے کہا کہ میرے فوت ہوتے وقت میرے سر کی طرف بیٹھ کر دیکھنا اگر توحید پر میرا خاتمہ ہو تو پھر میرے مال سے بادام اور شکر خرید کر شہر کے بچوں میں بانٹ دینا اور یہ کہنا کہ ایک شخص کو قید سے رہائی ملی ہے' یہ مٹھائی اس کی ہے اور اگر توحید پہ میرا خاتمہ نہ ہو تو پھر لوگوں کو بتا دینا کہ یہ توحید پر نہیں مرا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی دھوکے میں آکر میرا جنازہ پڑھنے آئے' اس طرح مرنے کے بعد بھی مجھے ریا چمٹی رہے۔ اس طرح اگر تم تمام لوگوں کو بتا دو گے تو پھر اگر کوئی آئے گا تو اپنی مرضی سے آئے گا' ریاء کی وجہ سے کوئی نہیں آئے گا۔

اس بزرگ سے ان کے بھائی نے دریافت کیا کہ مجھے کیسے معلوم ہوگا کہ آپ کا خاتمہ توحید پر ہوا ہے یا نہیں؟ اس اللہ کے بندے نے اس کی علامت بیان کر دی کہ توحید پر مرنے کی علامت یہ ہوگی۔ جب وہ فوت ہوئے تو ان کے بھائی نے فوتگی کے وقت توحید پر مرنے کی علامت پائی۔ نصیحت کے مطابق بادام اور شکر لے کر شہر کے بچوں میں بانٹ دیئے۔

اقوال بزرگان:۔ حضرت سہل رحمتہ اللہ علیہ کا قول مبارک ہے کہ عام مرید کو خوف میں مبتلا ہونے کا ڈر ہوتا ہے اور عارفین کفر میں مبتلا ہونے کے خوف میں مبتلا ہوتے ہیں۔

حضرت ابو یزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب میں مسجد میں جاتا ہوں' پتہ چلتا ہے جیسے میری کمر میں زنار پڑی ہوئی ہے۔ مجھے خوف لاحق ہو جاتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ مجھے گرجا گھر یا آتش کدے میں ہی نہ لے جائے۔ مسجد میں داخل ہونے تک وہ زنار میرے ساتھ ساتھ رہتا ہے۔ جب مسجد میں داخل ہو جاتا ہوں تو پھر وہ مجھ سے جدا ہوتا ہے۔ یہ معاملہ دن میں پانچ بار میرے ساتھ پیش آتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ "اے حواریو! تم گناہوں سے ڈرتے ہو جبکہ ہم پیغمبروں کی جماعت کفر سے ڈرتے ہیں۔"

حکایت:۔ کہیں انبیاء کرام کے تذکرے میں یہ حکایت بیان ہوئی ہے کہ کوئی پیغمبر کئی سال تک اللہ تعالیٰ سے بھوک' برہنگی اور جوؤں کی شکایت عرض کرتا رہا۔ اون سے بنا ہوا ان کا لباس تھا۔ ان پہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی کہ کیا اس بات سے راضی نہیں ہو کہ ہم نے تمہیں کفر سے بچائے رکھا ہے اور اب دنیا طلب کر رہے ہو۔ انہوں نے اپنے سر میں خاک ڈالتے ہوئے عرض کیا کہ یااللہ! میں راضی ہوں' مجھے کفر سے بچائے رکھنا۔"

فائدہ :- غور و فکر کرنے کا مقام ہے کہ جب خاتمے کی برائی سے ایسے ایسے عارفین خوف کھاتے ہیں کہ جن کے قدم راسخ اور ایمان مضبوط ہیں تو پھر کمزور کیسے نہیں خوف کھائیں گے۔

خاتمہ برا ہونے کے اسباب :- چند اسباب خاتمہ برا ہونے کے ہیں جو کہ قبل از موت ہو جاتے ہیں۔ مثلاً بدعت' نفاق' کبر اور کچھ اور دوسری بری صفتیں۔

نفاق :- نفاق ایسی بری بلا ہے کہ اس سے بھی خاتمہ خراب ہو جاتا ہے۔ اسی بنا پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نفاق سے بہت ڈرتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر مجھے پتہ چل جائے کہ میں نفاق سے بری ہوں تو یہ بات مجھے دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے۔

فائدہ :- ان بزرگوں کے نزدیک نفاق ایمان کی ضد والا نفاق مراد نہیں ہے بلکہ وہ نفاق مراد ہے جو ایمان کے ساتھ بھی یکجا ہو سکتا ہے یعنی اس نفاق کے لحاظ سے یہ ہو سکتا ہے کہ بندہ مسلمان ہوتے ہوئے بھی منافق ہو۔ ایسے نفاق کی علامات احادیث میں بہت بیان ہوئی ہیں۔

حدیث شریف :- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اربع من کن فیہ فھو منافق خالص وان صلی وصام وزعم انہ مسلم وان کانت فیہ۔ خصلتہ منھن ففیہ شعبۃ من النفاق حتی یدعھا من اذا حدث کذب' واذا وعد اخلف واذا تمن خان واذا خصم فجر "چار ایسی چیزیں ہیں کہ یہ جس میں ہوں گی' وہ پکا منافق ہے خواہ نماز پڑھے' روزہ رکھے اور کہے کہ میں مسلمان ہوں۔ ان عادتوں میں سے ایک (بری) عادت بھی ہو تو پھر اس میں نفاق کی ایک شاخ ہوگی جب تک کہ وہ اسے نہ چھوڑے کہ وہ جب بات کرے تو جھوٹ بولے' جب وعدہ کرے تو پھر اسے پورا نہ کرے اور جب (اس کے پاس کوئی) امانت رکھی جائے تو (اس میں سے) خیانت کرے اور جب خصومت کرے تو برا بھلا کہے۔

فائدہ :- ایک اور روایت میں واذا عاھد غدر بیان ہوا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین نے نفاق کی ایسی تفسیر بیان کی ہے کہ جس سے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بغیر نفاق سے کوئی بھی نہیں بچا ہوا۔

حضرت بصری کا فرمان :- حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نفاق کی حقیقت یہ ہے کہ ظاہر اور باطن کا مختلف ہونا' دل و زبان کا آپس میں مختلف ہونا' اندر اور باہر کا مختلف ہونا۔

فائدہ :- اب ہم دریافت کرتے ہیں کہ کوئی ہمیں بتائے کہ ان تمام باتوں سے کون بچا ہوا ہے بلکہ یہ تمام باتیں تو لوگوں میں اس طرح رچ بس گئی ہیں کہ انہیں کوئی برا ہی نہیں سمجھتا۔ علاوہ ازیں یہ امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک کے قریبی دور میں بھی پائے جاتے تھے' اس دور میں انہیں کون جانے۔

حضرت حذیفہ کا فرمان :- حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد

مبارک میں آدمی ایسا لفظ کہتا کہ وہ محض جس کے کہنے کی وجہ سے منافق ہو جاتا' فی زمانہ وہی لفظ میں ایک دن میں دس بار تم سے سنتا ہوں۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ تم لوگ ایسے اعمال کرتے ہو جو تمہاری نظر میں بال سے بھی زیادہ باریک ہوتے ہیں مگر انہیں اعمال کو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں گناہ کبیرہ خیال کرتے تھے۔

بعض اکابرین کا فرمان :- بعض اکابرین نے ارشاد فرمایا کہ نفاق کی نشانی یہ ہے کہ جیسا کام بندہ خود کرے' اگر اسی جیسا کام دوسرے لوگوں سے سرزد ہو جائے تو اسے برا تصور کرے۔ کسی سے تو ظلم کرنے کی وجہ سے محبت کرے اور کسی سے حق بات کہنے کی وجہ سے بھی دشمنی کرے۔

بعض اکابرین نے فرمایا کہ نفاق یہ ہے کہ جب کوئی تعریف ایسی بات سے کرے جو کہ ممدوح میں نہ ہو تو ممدوح کو وہ تعریف کرنا اچھی لگے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ جب ہم امراء کے پاس حاضر ہوتے ہیں تو وہ اس وقت جو کچھ بھی کہتے ہیں' ہم اسے صحیح کہتے ہیں اور جب وہاں سے چلے جاتے ہیں تو پھر ان کی حقارت کرتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہم اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں نفاق تصور کرتے تھے۔

حکایت :- مروی ہے کہ کسی کو کہتے ہوئے آپ نے سنا کہ وہ حجاج کو برا کہہ رہا تھا۔ آپ نے اسے فرمایا کہ اگر حجاج تیرے سامنے یہاں موجود ہوتا تو کیا پھر تو اس کے سامنے بھی یہی کچھ کہتا تو اس شخص نے عرض کیا' اس کے سامنے تو میں یہ کچھ نہ کہتا۔ آپ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ہم ایسی بات کو نفاق تصور کرتے تھے۔

حکایت :- اس حکایت سے بھی زیادہ سخت یہ حکایت ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے در اقدس پہ چند لوگ بیٹھ کر آپ کا انتظار کر رہے تھے اور آپ کے احوال ایک دوسرے کے سامنے بیان کر رہے تھے۔ جب آپ اپنے در اقدس سے نکلے تو پھر تمام لوگ آپ سے حیا کرتے ہوئے خاموش ہو گئے۔ آپ نے فرمایا تم جو باتیں کر رہے تھے' اب وہی باتیں کرو' تمام حاضرین چپ سادھے بیٹھے رہے۔ آپ نے فرمایا' اسے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں نفاق تصور کرتے تھے۔

فائدہ :- حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ بزرگ صحابی ہیں کہ جو منافقین اور اسباب نفاق پہچاننے میں مخصوص تھے۔ آپ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ دل پہ ایک ایسا وقت بھی آتا ہے کہ جس وقت بندے کا دل ایمان سے معمور ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس میں سے نفاق کو سوئی برابر گنجائش داخل ہونے کی نہیں ملتی اور ایک لمحہ ایسا بھی آتا ہے کہ جس وقت بندے کا دل نفاق سے اس حد تک معمور ہو جاتا ہے کہ ایمان کو سوئی چبھانے کی مقدار برابر بھی گنجائش نہیں میسر آتی۔

خلاصہ :- خلاصہ کلام یہ کہ خاتمے کی برائی کا خوف عارفین کو چمٹا رہتا ہے اور اس کے چند امور سبب بنتے ہیں جو کہ خاتمہ سے قبل ہی واقع ہوتے ہیں۔ ان امور میں سے بدعات' گناہ اور نفاق بھی ہیں۔ ان سے بندہ کسی وقت خالی رہتا ہے؟ اگر یہ گمان کر بھی لے کہ میں نفاق سے بچا ہوا ہوں تو حقیقتاً یہ بھی نفاق ہی ہے کیونکہ مشہور قول یہ ہے کہ نفاق سے بے خوف جو شخص بھی ہو' وہ بھی منافق ہے۔ بعض اکابرین نے کسی عارف سے دریافت کیا کہ میں اپنے نفس پہ نفاق (کی مصیبت) سے ڈرتا ہوں تو عارف نے فرمایا اگر تو واقعی منافق ہوتا تو پھر نفاق سے ہرگز نہ ڈرتا' بہرحال عارف کو ہمیشہ سابقہ ازلی اور خاتمے کی طرف سے التفات رہتا ہے' اس لیے حدیث شریف میں ہے کہ العبد المومن بین مخافتین بین اجل قدمضی لا یدری ما اللہ صانع فیہ بین اجل قدبقی لا یدری ما اللہ قاض فیہ فوالذی نفسی بیدہ ما بعد الموت من مستعتب ولا بعد الدنیا وارا الجنتہ اوالنار ترجمہ: "ایک وہ مدت تھی کہ جو گزر گئی جسے نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اس میں کیا کرتا ہے اور ایک مدت وہ ابھی باقی ہے' اسے بھی نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اس میں بھی کیا کچھ ارشاد فرمانے والا ہے۔ پس اس ذات کی قسم کہ جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے' مرنے کے بعد اس کی رضا حاصل کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے اور دنیا کے بعد جنت یا دوزخ کے سواء کوئی گھر نہیں ہے۔

سوء خاتمے کا مفہوم :- چونکہ یہ بیان ہوا ہے کہ اکثر عارفوں کو برے خاتمے کا خوف لاحق ہوتا ہے' اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سوء خاتمہ کا مطلب بیان کر دیا جائے۔ خاتمے کا برا ہونا دو طرح پر ہے (1) جن میں ایک دوسرے سے زیادہ خطرناک ہے۔ وہ یہ ہے کہ دل پہ سکرات موت کے وقت شدت احوال کے ظہور کے وقت' شک یا انکار حق تعالیٰ کی ذات کے سلسلے میں غلبہ اختیار کر جائے اور اسی شک یا انکار کی حالت میں ہی جان جسد عنصری سے نکل جائے۔ پس انکار کی یہ گرہ بندے اور حق تعالیٰ میں حجاب بن جاتی ہے۔ ہمیشگی کی فرقت اور دائمی حجاب کا حقدار ٹھہراتی ہے۔

(2) یہ پہلے کی نسبت کم درجہ رکھتی ہے کہ مرنے کے وقت بندے کے دل پہ دنیا کی تمام چیزوں میں سے کسی ایک دنیوی چیز غالب آجائے۔ دل پہ کوئی دنیوی شہوت چھا جائے اور اس شہوت میں دل یوں ڈوب جائے کہ اس حال کے سوا کسی دوسری چیز کی گنجائش دل میں نہ رہے۔ اتفاقاً" ایسے وقت میں جان جسد عنصری چھوڑ جائے تو پھر اس وقت کے دل کے استغراق کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بندے کا چہرہ اور سر دنیا کی طرف پھرا ہوا ہوگا۔ اس وقت بندے کا چہرہ جب حق تعالیٰ سے پھر گیا تو پھر حجاب ہی ہوگا۔ جہاں حجاب ہوگا' وہاں عذاب نازل ہوگا' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو آگ سلگائی ہے' وہ محض محجوبوں کو ہی لگتی ہے۔ جن ایمانداروں کے دل دنیوی محبت سے محفوظ ہیں' وہ ہمہ تن و ہمہ ہمت حق تعالیٰ میں مصروف ہیں۔ انہیں تو آگ اس طرح کہہ کر جان چھڑائے گی کہ اے مومن تو جلدی گزر جا کہ تیرے نور نے تو میرے شعلے کو بجھا دیا ہے۔

فائدہ :- غرضیکہ اگر جان نکلتے وقت دنیا کی محبت کا غلبہ ہوگا تو پھر واقعی خطرے والی بات ہے' اس لیے کہ بندہ اس

حالت پر فوت ہوتا ہے جس پر حقیقتاً زندہ تھا۔ اسے بعد از مرگ کوئی صفت بھی نہیں ملتی جو کہ دل پہ چھائی ہوئی صفت کے مخالف ہو کیونکہ ظاہری اعمال کے بغیر دلوں پہ تصرف نہیں ہوتا اور بعد از مرگ تمام بیکار ہو جاتے ہیں اور ان کے اعمال بھی بند ہو جاتے ہیں۔ کسی نئے عمل صادر ہونے کا طمع بھی نہیں رہتا اور نہ ہی دنیا میں پلٹ کر اس کے تدارک کی توقع بھی نہیں رہتی۔ اس حالت میں بندے کو حسرت بہت ہوگی۔ پھر بھی چونکہ اصل ایمان اور اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں کافی عرصہ جمی رہی تھی اور مزید نیک اعمال کی بدولت مضبوط ہو گئی اس لیے ان دونوں سے وہ حالت جو بندے کو مرتے وقت لاحق ہوئی' مٹ جائے گی۔ پس اگر ایمان مثقال برابر بھی مضبوط ہوا تو پھر بندے کو جلد ہی دوزخ سے نکل لے گا اور اگر اس سے بھی کم ہوا تو پھر کافی عرصہ دوزخ میں ٹھہرنا پڑے گا۔ اگر رتی برابر بھی دل میں ایمان ہوگا تو پھر بھی دوزخ سے باہر نکل آئے گا' خواہ ہزار ہا برس عذاب جھیل کر ہی کیوں نہ نکلے۔

سوال :۔ اگر کوئی کہے کہ اس تقدیر سے معلوم ہوتا ہے کہ موت کے بعد ہی دوزخ کی آگ مجرم کو آئے گی' پھر قیامت تک کی دیر اور اتنا عرصہ کی مہلت کیوں ہوتی ہے؟

جواب :۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ عذاب قبر کا منکر جو شخص ہے' وہ بدعتی ہے۔ وہ نور حق' نور قرآن اور نور ایمان سے محجوب ہے۔ اہل بصیرت کے نزدیک درست یہی ہے کہ قبر دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے یا جنت کے باغوں میں سے ایک باغ اور یہی بات صحیح احادیث سے معلوم بھی ہوتی ہے۔ پس اگر بندے کا خاتمہ بالخیر نہیں ہوا' بدبخت ہو کر اس جہان فانی سے گیا تو جسم سے روح کے جدا ہوتے ہی فوراً عذاب میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اسے عذاب قبر ہی سے شروع ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات اس کی قبر پہ دوزخ کے ستر دروازے کھل جاتے ہیں۔ عذاب کی قسمیں بھی اوقات کے اختلاف کے حساب سے مختلف ہوتی ہیں۔ مثلاً میت کو جب قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو پھر میت سے منکر نکیر کا سوال ہوتا ہے۔ اس کے بعد اسے عذاب دیا جاتا ہے' پھر حساب کتاب کی الجھن اور تمام کے سامنے قیامت کے دن رسوائی ہونا' پھر اس کے بعد پل صراط سے گزرنے کا خوف' دوزخ کے فرشتوں کی ہیبت وغیرہ۔ جو احوال احادیث میں بیان ہوئے ہیں' پس بدبخت اپنے تمام حالات اور عذاب کی اقسام میں ہی پھرتا رہتا ہے اور اپنے اعمال کی سزا بھگتتا رہتا ہے مگر اس صورت میں وہ عذاب سے مستثنیٰ رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمت میں چھپالے۔

فائدہ :۔ یہ کبھی بھی تصور نہ کرنا کہ مقام ایمان کو مٹی چاٹ جاتی ہے بلکہ مٹی تو ظاہری اعضاء جسمانی کو کھا کر جدا جدا کر دیتی ہے یہاں تک کہ وہ مقرر کردہ وقت آجائے' اس وقت تمام بکھرے ہوئے اجزاء اکٹھے ہو جائیں گے اور اس جسم میں دوبارہ روح آجائے گی جو کہ ایمان کا مقام ہے اور یہ روح بعد از مرگ سے اس وقت تک یا تو سبز جانوروں کے پوٹوں میں رہے گی جو کہ عرش عظیم کے نیچے لٹکتے رہتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ وہ سعید ہو اور اگر بدبخت ہوگی تو پھر کسی بری حالت میں پہلی حالت کے خلاف رہے گی۔

سوء خاتمہ کے اسباب :۔ اب وہ تمام اسباب بیان کیے جاتے ہیں جو سوء خاتمہ کا موجب بنتے ہیں۔ اگرچہ یہ

اسباب بہت زیادہ ہیں، انہیں تفصیلاً بیان کرنا ممکن نہیں مگر پھر بھی کلیتہ۔ اشارے سے بیان کیا جا سکتا ہے۔

1- شک اور انکار پر خاتمہ کا سبب دو صورتوں میں منحصر ہوا کرتا ہے۔ پہلی صورت کہ ورع و زہد اور اعمال میں صلاح تام مقصود ہو سکتی ہے، وہ یہ ہے کہ زہد کرنے والا بدعتی ہو کیونکہ ہر بدعتی کا انجام بڑا خطرناک ہے، خواہ ظاہری عمل اچھے ہی کیوں نہ ہوں اور بدعت سے ہماری غرض معین کردہ مذہب نہیں ہے کہ اسے بدعت کے زمرے میں گھسیٹ لیں، اس لیے کہ اسے بیان کرنے کے لیے کافی تفصیلات بیان کرنے کی ضرورت ہے بلکہ بدعت سے ہماری مراد یہ ہے کہ بندہ حق تعالیٰ کی ذات، صفات اور اعمال کے سلسلے میں کسی غیرواقع بات پہ عقیدہ رکھ لے اور اس کا یہ غلط عقیدہ یا تو اس کی اپنی تجویز قیاس یا عقل سے ہو کہ جب وہ اپنی تجویز یا قیاس سے اپنے مد مقابل کو زک پہنچائے تو پھر اپنی عقل پر اعتماد اور عزہ اختیار کیا اور غلط امر پہ اپنی عقل پر اعتماد کرتے ہوئے عقیدہ اختیار کر لیا یا کسی دوسرے شخص کی پیروی کرتے ہوئے اس میں یہ عقیدہ مضبوط ہو گیا۔ بہرحال جب ایسے شخص کی موت کا وقت قریب آجاتا ہے، وہ ملک الموت کے چہرے کو دیکھتا ہے، اس کے دل کو اپنے اندر والی چیز کی وجہ سے پھر گھبراہٹ طاری ہو جاتی ہے۔ اس طرح بعض اوقات سکرات موت کی حالت میں ہی، اس پہ یہ راز کھل جاتا ہے کہ جس پہ پہلے میں نے عقیدہ کی بنیاد رکھی تھی، وہ محض جہالت اور باطل ہے۔

فائدہ:- اس وقت معلوم ہونے کی اصل وجہ یہ ہے کہ موت کا حال پردے کے اٹھ جانے کا وقت ہے یعنی چیزوں کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے جبکہ سکرات موت، موت میں ہی شامل ہے۔ اسی جہت کی بنا پر بعض باتیں واقعی سکرات کے وقت واضح ہو جاتی ہیں۔

پس جب بندے کو پتہ چل گیا کہ یہ میرا حیات مستعار والا عقیدہ کہ جس پر مجھے یقین اور قوی اعتماد تھا، باطل ہے تو پھر وہ اپنے صرف اسی ایک عقیدے کو جھوٹا نہیں سمجھ بیٹھتا کہ جس میں اپنی رائے کو دخل دیا تھا بلکہ یہ اس گمان میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ میں نے جو کچھ بھی سمجھا، اس میں سے کسی کی بھی کوئی اصل نہیں یعنی پہلے تو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھنے اور اپنے فاسد عقیدے کو درست سمجھنے میں تفریق نہیں کرتا تھا۔ مرنے کے وقت کچھ عقائد کا حال جہالت کے غشا سے پتہ چلے گا تو اس کی وجہ سے دوسرے عقائد جو کہ حقیقتاً درست تھے، وہ انہیں بھی غلط ہی سمجھ بیٹھے گا یا ان صحیح عقائد میں بھی شک کر بیٹھے گا۔ اب اگر اس غلط حالت میں اتفاقاً" اس کی روح بدن سے نکل جائے اور اصل ایمان اور اصلی حالت پر کرنا چاہے تو واضح ہے کہ اس کا خاتمہ سوء ہی ہو گا (اللہ نہ کرے) کہ اس کی روح حالت شرک پر نکلے گی۔ پس ان آیات مبارکہ میں ایسے ہی لوگ مراد ہیں۔

آیت نمبر1:۔ وبدا انهم من الله مالم يكونوا يحتسبون

آیت نمبر2:۔ قل هل ننبئكم بالاخسرين اعمالا الذين ضل سعيهم في الحيوة الدنيا وهم يحسبون انهم يحسنون صنعا پ 16 ا لکہف 103'104) ترجمہ کنز الایمان: تم فرماؤ کیا ہم تمہیں بتا دیں کہ سب سے بڑھ کر ناقص عمل کن کے ہیں ان کے جن کی ساری کوشش دنیا کی زندگی میں گم گئی اور وہ اس خیال میں ہیں کہ ہم اچھا

خیال کر رہے ہیں۔

فائدہ :- اور جس یہ کہ خواب میں زمانہ مستقبل کے حال کا پتہ چل جاتا ہے تو اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ سونے کے وقت دل پہ دنیوی شغل کم ہوا کرتے ہیں یونہی سکرات موت کے وقت بھی بعض امور ظاہر ہو جایا کرتے ہیں کیونکہ دنیوی کاروبار اور بدنی شہوتیں قلب کو اسباب سے رکاوٹ بن جاتی ہیں کہ ملکوت کو دیکھ کر لوح محفوظ میں سے مطالعہ کرے اور جیسے حقیقتاً ہیں اسے اس کا علم وہ جائے' پس ایسی حالت دل کو کشف کا سبب بن جاتی ہے اور کشف کی بنا پر ہی بقیہ عقائد میں شک کی بو آنے لگتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے صفات و اعمال میں کسی غیرواقعی امر کا معتقد ہو جائے' تقلید کی بنا پر یا عقل و تجویز کی بنا پر' اس کے لیے درج بالا بیان کردہ خطرہ لاحق ہونے کا خوف ہے۔ اسے دور کرنے کے لیے محض زہد کافی نہیں ہے۔ اس خطرے سے صحیح اعتقاد کے بغیر نجات کی کوئی صورت نہیں ہے۔

فائدہ :- جبکہ عام بھولے بھالے لوگ اس خطرے کے کنارے پہ ہیں یعنی جو لوگ حق تعالیٰ' اس کے رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور آخرت پر جمالاً ایمان لائے' اسی پر مضبوطی اختیار کی جیسے بدو (دیہاتی) اور عوام جو کہ بحث و تمحیص کی بھول بھلیوں سے دور رہتے ہیں۔ کلام کو مقصود بالذات سمجھ کر نہیں کرتے اور نہ ہی متکلمین کے مختلف اقوال کی تقلید کو بیان کرتے ہیں' ان میں سے کس کی سنیں' ایسے ہی لوگوں کے حق میں حدیث شریف میں آیا ہے کہ اکثر اھل الجنۃ البلہ ترجمہ : اکثر جنتی بھولے بھالے ہیں

فائدہ :- غالباً اسی وجہ کی بنا پر سلف صالحین بحث و تمحیص' تقریر اور کلام اور ان امور کے سلسلے میں تفتیش سے روکتے تھے۔ عام مخلوق کو یہی ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے' صرف اسی پر ایمان لاؤ اور الفاظ کی ظاہری سمجھ بوجھ سے جو کچھ سمجھ آتا ہے' اسے ہی صحیح سمجھو اور تشبیہ کا عقیدہ نہ رکھو اور نہ ہی تاویلوں کے بھول بھلیوں میں پڑو۔ کیونکہ صفتوں میں گفتگو کرنا بری بات ہے اور اس کی گھاٹیاں بڑی سخت ہیں' اس کے راستے مشکل' حق تعالیٰ کے جلال کے ادراک سے عقول قاصر ہیں۔

فائدہ :- چونکہ دل دنیوی محبت میں مشغول ہیں' اس لیے نور یقین سے جو اللہ تعالیٰ کی ہدایت ان پر وارد ہوتی ہے' وہ ٹھہری ہوئی ہے اور بحث و تمحیص میں مبتلا اپنی عقل و دانش کے مطابق جو کچھ کہتے ہیں' وہ ایک دوسرے کے خلاف ہے اور دل ان باتوں کے ساتھ مالوف اور متعلق ہوا کرتے ہیں جو کہ نشوونما کی ابتداء میں ان میں پڑتے ہیں۔

مخلوق میں پھیلے ہوئے تعصبات ہی موروثی عقائد کی جڑ ہیں۔ نیز وہ عقائد جو اساتذہ سے شروع شروع میں ہی حسن ظن کی وجہ سے ہوتے ہیں' علاوہ ازیں پھر طبیعتوں کا یہ حال ہے کہ طبیعتیں بھی دنیوی محبت میں شاغل اور اسی کی طرف توجہ کیے ہوئے ہیں۔ ان کا گلا دنیوی شہوتیں دبائے بیٹھی ہیں۔ صحیح اور کامل فکر سے روگرداں ہیں۔

پس ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ اور اس کی صفتوں کے بارے میں اپنی اپنی رائے کے مطابق گفتگو کرنے کا دروازہ کھلا ہے جبکہ لوگوں کی طبیعتوں اور ذہنوں میں فرق تو ہوتا ہی ہے اور ہر جاہل یہی حرص رکھتا ہے کہ بدگی کمال ہونا چاہیے جبکہ کنہ حق محیط' اس نقطہ نظر سے جسے جو کچھ بھی سمجھ آئے گا' وہی کچھ کہنے لگے گا اور پھر ان سے جو بھی

سنے گا' اس کا دل بھی اس بات کا اعتقاد اختیار کر لے گا اور پھر آہستہ آہستہ اسی عقیدے کے ساتھ مالوف ہونے کی بنا پر اسے مضبوط ہو جائے گا اور جو بات ان کی قوت سے باہر ہے' اس کے درپے نہیں ہوں گے۔

مگر کیا کیا جائے معاملہ بہت ست روی کا شکار ہو گیا۔ ہر طرف بیہودگی کا دور دورہ ہے جو کچھ بھی ہر جاہل کے گمان فاسد میں سما گیا ہے' وہ اسی کا ہو گیا ہے۔ وہ اپنے اعتقاد باطل میں اسی کو علم اور استیقان تصور کرتا ہے۔ وہ اپنی ذات کو ایمان کی صفتوں سے متصف جانتا ہے کہ میں جس بات پر بھی اپنی رائے پہ قانع ہو بیٹھا ہوں' علم یقین بھی یہی ہے اور عین یقین بھی۔ حالانکہ چند روز بعد اسے اس کا مزہ معلوم ہو جائے گا کہ جب حقیقت واضح ہو گی کہ وہ خود ہی غلطی پر تھا۔

اس بات کو یقین سے سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس کے رسل اور کتب سماوی پہ خالص ایمان کو ترک کر کے جو اس بات میں ملوث ہو جاتا ہے' وہ اس خطرہ کی دلدل میں اپنے آپ کو گرا دیتا ہے۔

مثال:۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کسی شخص کی کشتی ٹوٹ جائے اور وہ موجوں کے رحم و کرم میں ہچکولے کھا رہا ہو۔ موجیں اسے ادھر سے ادھر پھینک رہی ہوں تو اس حال میں کم ہی ایسا اتفاق ہوا کرتا ہے کہ بندہ سلامتی سے کنارے پر آ جائے بلکہ غالب امر یہی ہے کہ ہلاکت کا مزہ چکھے گا۔

فائدہ:۔ پس کنہ حقیقت یا اوصاف کے چکر میں پھنسنا محض جہالت ہے۔ اس کے علاوہ جو لوگ اپنی عقل کے بموجب کچھ بیان کرتے ہیں اور دوسرے لوگ ان سے عقائد سیکھتے ہیں' وہ بھی دو احوال سے خالی نہیں ہوتے۔

(1) یا تو اس کی کوئی نہ کوئی دلیل ہو گی کہ دلیل سے اس عقیدے کو اختیار کیا۔

(2) یا بے دلیل یعنی کوئی بھی دلیل نہیں ہو گی یعنی بے دلیل ہی عقیدہ اختیار کر لیا۔

اب اگر اس دوسرے فرقے والوں کو اس میں شک ہو گا تو پھر ان کا دین فاسد ہے اور اگر پہلے گروہ کے قول کا اعتماد ہو گا تو پھر اللہ تعالیٰ کے فکر سے مامون ہونا اور اپنی ناقص عقل پر مغرور ہونا اس شخص پہ لازم آتا ہے۔ اسی طرح جو بھی اس بحث مباحثہ میں شامل ہو گا' ہر اس شخص کی بھی دو حالتیں ممکن ہیں مگر اس کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ حدود عقل سے نکل جائے اور عالم ولایت و نبوت میں چمکنے والا نور بھی اس تک پہنچے۔ یہ بات مسلم ہے کہ کبریت احمر ہے مگر پھر بھی کہاں میسر آ سکتی ہے۔ بھولے بھالے آدمی اور عوام اس خطرے سے آزاد ہیں۔

فائدہ:۔ نار جہنم کے خوف کی وجہ سے جو لوگ حق تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں اور اس فضول بات کی بنا پر حق تعالیٰ سے نہیں ڈرتے۔ خلاصہ یہ کہ ایک حیثیت سے سوء خاتمے کا اندیشہ انہیں بھی ہے۔ دوسری صورت شک اور انکار پر خاتمہ ہونے کی وجہ ایک یہ بھی ہے کہ ایمان دراصل کمزور ہوتا ہے' پھر دل پہ دنیوی محبت غلبہ اختیار کر لیتی ہے۔ جب ایمان کمزور ہو جاتا ہے تو پھر اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی محبت بھی کمزور ہو جاتی ہے۔ اس کے مقابلے میں دنیوی محبت مضبوط ہو جاتی ہے اور اس کی اتنی زیادہ قوت ہوتی ہے کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت کے لیے کوئی جگہ نہیں رہتی' صرف دل کے وسواس اور اس محبت کا محض خطرہ ہی رہ جاتا ہے۔ حقیقتاً حق تعالیٰ کی محبت دل

سے ختم ہو جاتی ہے۔

فائدہ:۔ نفس کی مخالفت کرنے اور شیطانی راہ سے پھرنے میں اس کے دل پر کچھ اثر ہو تو پھر اس کا یہ حال ہوتا ہے کہ بندہ شہوتوں کی اندھیر نگری میں غرق ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا دل سیاہ اور سخت ہو جاتا ہے۔ اس طرح مسلسل گناہوں کے کرنے کی وجہ سے اس کے دل پر گناہوں کی سیاہی کی تہہ جم جاتی ہے۔ اس کے دل میں جو معمولی سا ایمان کا نور تھا' کم ہوتا رہتا ہے یہاں تک کم ہو جاتا ہے کہ اس کے دل پہ مہر اور زنگ لگ جانے کی نوبت تک آ پہنچتی ہے۔

سکرات موت جب شروع ہوتے ہیں تو حق تعالیٰ کی محبت مزید کمزور ہو جاتی ہے کیونکہ اسے اس وقت معلوم ہوتا ہے کہ جو چیز سب سے زیادہ محبوب تھی' اب اسے چھوڑنے کا وقت آ پہنچا۔ اس کے دل میں اس جدائی کا صدمہ بہت زیادہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی جدائی کی وجہ جانتا ہے' اس لیے دل میں یہ بات پیدا ہو جایا کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے وقت مجھ پہ موت کو کیوں مسلط کر دیا ہے؟ کیونکہ موت تو بڑی بری ہے۔ اسے موت کی آمد اور محبوب سے جدائی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بری معلوم ہوتی ہے' اس لیے اس وقت یہ خوف لاحق ہوتا ہے کہ اس کے دل میں کہیں اللہ (عزوجل) کی محبت کی بجائے اللہ (عزوجل) سے بغض کا مادہ جوش نہ مارنے لگے۔

مثال:۔ جس طرح کہ کوئی اپنے بیٹے سے تھوڑی سی محبت رکھتا ہو اور مال سے محبت زیادہ' اس حالت میں اس کا بیٹا اس کا مال چوری کر کے بھاگ جائے یا جلا دے تو ایسی حالت میں وہ جو قلیل سی محبت اسے اپنے بیٹے سے تھی' وہ قلیل سی محبت بھی بغض میں بدل جائے گی۔ یہاں کا معاملہ بھی ایسا سمجھنا چاہیے۔ پس اگر اتفاقاً بندے کی روح اسی وقت نکل جائے جس وقت اللہ (عزوجل) کی طرف سے اس کے دل میں بغض جوش مار رہا ہو تو پھر صاف ظاہر ہے' اس کا خاتمہ برا ہی ہوگا اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تباہی کے عمیق گڑھے میں جا گرے گا۔

فائدہ:۔ یہ جو سبب کہ اس کا ایسا برا خاتمہ ہوا' دنیوی محبت کا غالب ہونا' اس کی طرف میل کرنا' اس کے اسباب سے خوش ہوتا ہو کہ جس وجہ سے ایمان کمزور ہو اور اللہ تعالیٰ کی محبت کی کمزوری کا موجب جو ہو' اس سے پتہ چلا کہ اگر کوئی اپنے دل میں دنیا کی محبت سے زیادہ اللہ (عزوجل) کی محبت کو دیکھے' خواہ دنیا سے بھی محبت کیوں نہ رکھتا ہو تو ایسا شخص اس خطرے سے دور رہے گا مگر دنیوی محبت ہر خطا و گناہ کی جڑ ہے۔

اور یہ مرض ایسی ہے کہ جس کا کوئی علاج نہیں۔ تمام مخلوق اس لاعلاج بیماری میں پھنسی ہوئی ہے اور اس مرض کے لاحق ہونے کا بڑا سبب یہی ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کو بہت کم پہچانتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کو پہچانتے ہوتے تو پھر اللہ تعالیٰ سے ضرور محبت کرتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی معرفت جو رکھتا ہے' اسے جو کوئی بھی پہچانتا ہے' وہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ سے محبت بھی کرتا ہے۔ اسی جحت کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ قل ان کان اباء کم وابناء کم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال ن اقترفتموھا وتجارۃ تخشون کسادھا ومساکن ترضونھا احب الیکم من اللہ ورسولہ وجھاد فی سبیلہ فتربصوا حتی یاتی اللہ بامرہ (پ 10 التوبہ 24) ترجمہ

کنزالایمان : تم فرماؤ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارا کنبہ اور تمہاری کمائی کے مال اور وہ سودا جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے اور تمہارے پسند کا مکان یہ چیزیں اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور اس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیاری ہوں تو راستہ دیکھو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے۔

خلاصہ :۔ جس کی روح ایسے وقت میں نکلے کہ اللہ تعالیٰ کا اسے موت دینا' اس میں اور اس کے بیوی بچوں' مال اسباب اور تمام محبوب چیزوں میں جدائی ڈال دے اور اسے دل سے یہ برا معلوم ہو تو ایسے شخص کی موت اسی بغض کے ساتھ ہی مرنا اور محبوب اشیاء کو چھوڑنا ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے ایسے آئے گا جیسے آقا سے بغض رکھنے والا غلام بھاگا ہوا ہو اور زبردستی آقا کے سامنے گرفتار کرکے لایا گیا ہو' ایسے شخص کی جو کچھ آقا کی طرف سے رسوائی اور درگت بنے گی' وہ اظہر من الشمس ہے۔

فائدہ :۔ جس کی وفات اللہ جل جلالہ کی محبت پر ہوگی وہ اللہ تعالیٰ کے روبرو ایسے ہی آئے گا جیسے اچھا غلام' خدمت گار اپنے آقا کا مشتاق جان کا ہی سے آقا کی خدمت کرنے والا' سخت محنت سے خدمت کرنے والا' آقا کا محض دیدار کرنے کے لیے سفر کی سختیاں سے۔ پس ایسا شخص تو دربار عالی شان میں پہنچتے ہی جس طرح خوش ہوگا' وہ واضح ہے۔ اس کی خوشی کے علاوہ اسے مختلف قسم کے انعام و اکرام اس بارگاہ سے میسر آئیں گے۔

شک و انکار پر مرنے سے کم درجے والے کا انجام :۔ اب اس شخص کے انجام کا حال بھی سنئے جو شک و انکار پہ مرنے سے کم درجے پہ ہے جو ہمیشہ دوزخ میں رہنے کا مقتضی نہیں ایسے سوء خاتمہ کے بھی دو اسباب ہیں۔ (1) گناہوں کی کثرت خواہ ایمان مضبوط ہی کیوں نہ ہو۔ (2) ضعف ایمان خواہ اس کے گناہ کم ہی کیوں نہ ہوں۔

گناہوں کے ارتکاب کا سبب :۔ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ اس سبب سے گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے کہ اس پر شہوتیں غلبہ پا جاتی ہیں۔ الفت و عادت زیادہ ہونے کی وجہ سے اس کے دل میں گھر جاتی ہیں۔ ساری زندگی بندہ جن چیزوں سے مالوف رہتا ہے' ان تمام چیزوں کی یادیں اس کے دل میں مرتے وقت بھی چلی آتی ہیں۔

مثال :۔ طاعتوں کی طرف میل اکثر ہوتا ہو تو سکرات موت کے وقت حق تعالیٰ کی طاعت ہی اکثر و بیشتر ہوا کرتی ہے اور اگر بندے کا میل زندگی بھر گناہوں کی طرف ہوتا ہو تو پھر سکرات کے وقت دل پہ انہیں کا ذکر غالب ہوتا ہے اور کبھی کبھاریوں بھی ہو جاتا ہے کہ جب دنیا کی شہوتوں میں سے کوئی شہوت یا کوئی گناہ اس کے دل پہ غالب ہو جاتا ہے تو پھر اسی حال میں ہی اس کی روح نکل جاتی ہے اور اسی کا مقید ہو کر دل اللہ تعالیٰ سے محجوب بن جاتا ہے۔ پس جو شخص کبھی کبھار گناہ کا مرتکب ہوتا ہے تو وہ ایسے خطرے سے بری ہے اور جو شخص گناہ کبھی نہیں کرتا' وہ (ان شاء اللہ) یقیناً سوءِ خاتمہ سے مامون رہے گا مگر جس پر گناہ غالب ہوتے ہیں' طاعت سے زیادہ اس کے گناہ ہیں اور اس کا دل طاعتوں سے بھی زیادہ گناہوں کی گندگی سے خوش ہوتا ہے تو ایسے شخص کے لیے یہ خطرہ بہت ہے۔ اسے ایک مثال کے ذریعے سمجھ لیجئے۔

مثال:- وہ مثال یہ ہے کہ یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ بندہ اکثر و بیشتر انہیں باتوں کو خواب میں دیکھتا ہے جنہیں زندگی میں بکثرت کرتا ہے۔ یہاں تک کہ جو بات جاگنے کی حالت میں کرتا ہے' اسی سے ملتی جلتی ہی خواب میں دیکھتا ہے حتیٰ کہ قریب بلوغ کے لڑکا جسے احتلام ہوتا ہے' وہ خواب میں جماع کی حالت نہیں دیکھے گا بشرطیکہ جاگتے ہوئے اس نے کبھی بھی جماع نہ کیا ہو۔ اگر عرصہ دراز تک اس نے جماع نہ کیا تو پھر بھی وہ بوقت احتلام خواب میں جماع کرتا اپنے آپ کو نہیں دیکھے گا۔

دوسری مثال:- یونہی اگر کوئی اپنی تمام حیات مستعار فقہ سیکھنے میں ہی گزار دے تو پھر وہ خواب میں بھی علم اور علماء کے متعلق ہی دیکھے گا اور وہ ایسے خواب تاجر کی نسبت زیادہ دیکھے گا کہ جس نے ساری زندگی تجارت میں صرف کردی اور تاجر تجارت کے احوال کے متعلق اور اس کے لوازم خواب میں طبیب اور فقیہ سے زیادہ نظر آئیں گے کیونکہ نیند کی حالت میں وہی بات دل پر زیادہ ظاہر ہوتی ہے جسے دل کے ساتھ زیادہ مہارت و الفت ہوا کرتی ہے اور موت بھی نیند کی مثل ہے مگر نیند سے بڑھ کر۔ ہے مگر سکرات موت کے علاوہ اور مرنے سے قبل جو بے ہوشی سی طاری ہوتی ہے' وہ نیند کے قریب تر ہے۔

فائدہ:- جب یہ بات ہے تو لازم آیا کہ نیند کی طرح اس میں بھی یاد کرنا الفت اور دل میں ان چیزوں کا آنا متحقق ہوا' اس لیے کہ دل کو ان کے ساتھ مدت سے الفت ہی ہے۔ یہی ترجیح اس وقت یاد ہونے کے لیے کافی ہے۔ معاصی اور طاعات کے ساتھ مانوس ہونا بھی ایک ہی ایسی وجہ ہے کہ جس سے ان کی یاد کو مرنے کے وقت ترجیح ہو اور اسی وجہ سے نیک بختوں اور بروں کے خواب میں مخالفت ہوتی ہے غرضیکہ زیادہ مانوس ہونا بھی ایک سبب ہے جس سے برائی کی صورت دل میں منقش ہوتی ہے اور نفس کو رغبت ہوتی ہے۔ اگر اتفاقاً" اسی حال میں روح بدن سے پرواز کر جائے تو خاتمہ اچھا نہ ہوگا۔ اصل ایمان باقی ہو جس سے کہ امید نجات و خلاص ہو جیسے بیداری میں جو بات دل پر گزرتی ہے' اس کا کوئی سبب خاص ہوتا ہے۔ اسی طرح جتنی خوابیں ہوتی ہیں' سب کے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسباب ہوتے ہیں کہ ہم بعض کو پہچانتے ہیں اور بعض کو نہیں جانتے۔ ہم کو معلوم ہے کہ خیالات دل ایک چیز سے دوسری کی طرف جو اول کے مناسب ہو' منتقل ہوتے ہیں۔ دونوں میں مشابہت ہے جیسے کسی خوبصورت کو دیکھ کر دوسرا خوبصورت یاد آئے یا دونوں میں بوجہ ضد ہونے کے علاقہ ہو مثلاً خوبصورت سے بدصورت یاد آئے' دونوں کے تفاوت میں تامل کیا جائے یا ان دونوں چیزوں میں صرف ایک ساتھ ہونے کا تعلق ہو جیسے کوئی گھوڑا نظر آئے کہ پہلے بھی کسی کے پاس دیکھا ہو اور اب اس کو دیکھ کر آدمی کا خیال آئے اور کبھی ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف خیال جاتا ہے مگر مناسبت کی وجہ دونوں میں کچھ نہیں ہوتی اور یہ اس طرح ہوتا ہے' پہلے ایک سے دوسرے کا خیال ہو اور دوسری سے تیسری کا پھر دوسری چیز کو بھول گیا اور اول اور تیسری میں کچھ نسبت معلوم نہیں ہوتی۔ اسی طرح خواب میں بھی خیالات دل کے انتقال کے لیے کچھ اسی قسم کے اسباب ہوتے ہیں۔ سکرات موت کے وقت بھی ایسے ہی سمجھنا چاہیے کہ جو چیز دماغ میں ہوتی ہے' اس کا خیال اس وقت رہتا ہے مثلاً سلائی والا ایسے وقت سر کی

طرف ہاتھ لے جاتا ہے گویا سلائی لینا چاہیے' پھر اپنے اوپر کی چادر پر ہاتھ رکھتا ہے گویا سینے کے لیے ناپتا ہے۔ ایسے ہی اور کام والوں کے خیالات کو قیاس کرنا چاہیے' پس جس کو خیال ہو کہ گناہوں اور شہوتوں کی طرف نہ جائے' اس کا طریقہ یہی ہے کہ تمام عمر نفس کو شہوات سے عاری رکھنے میں کوشش کرے اور دل سے شہوات کی بیخ کنی میں جہد بلیغ کو کام میں لائے' اس لیے کہ یہ اس کے اختیار میں ہے کہ اس کو مرنے کے وقت اگر ہمیشہ خیر پر مواظبت رہے گی اور فکر سے پاک و صاف ہوگا تو سکرات موت کی حالت کے لیے یہ ایک سامان اور ذخیرہ ہو جائے گا۔ اس لیے کہ انسان اسی حالت پر مرتا ہے جس پر وہ جیتا ہے اور جس حالت پر مرتا ہے' اسی حالت پر قیامت کو اٹھے گا۔

حکایت :۔ کسی سبزی فروش کو مرنے کے وقت کلمہ شہادت سکھانے لگے تو وہ چار پانچ چھ کہنے لگا' اس لیے کہ موت سے پہلے بہت دنوں سے حساب میں مصروف تھا۔

فائدہ :۔ بعض عارفین کا قول ہے کہ عرش ایک جوہر ہے کہ نور سے چمکتا ہے جو بندہ کسی حال پر ہوتا ہے' اس کی صورت اسی حال پر عرش میں منقش ہو جاتی ہے۔ جب سکرات موت میں ہوتا ہے تو اس کی وہی صورت عرش سے نظر آتی ہے تو کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو گناہ کی صورت دیکھتا ہے اور اسی طرح قیامت کو بھی اسکو اپنی صورت نظر آئے گی اور اپنے سارے احوال دیکھے گا تو اس وقت جس قدر اسے حیاء اور خوف ہوگا' اس کا بیان نہیں ہو سکتا۔

واقع میں اس صاحب کا قول درست ہے اور خواب صحیح کا سبب بھی اسی کے قریب ہے یعنی سونے والا معلوم کر لیتا ہے' لوح محفوظ کے مطالعہ سے کہ آئندہ کو کیا ہوگا اور خواب صحیح کا معادم ہونا بھی ایک جزو ہے' اجزائے نبوت سے یہ ہر کسی کو میسر نہیں ہوا کرتا۔

بہرحال یہ معلوم ہوا کہ سوئے خاتمہ کا مال راجع ہے۔ قلب کے احوال اور خلجان خواطر کی طرف چونکہ دلوں کو بدلنے والا خدا تعالیٰ ہے اور اتفاقات جو بری خواطر کے منقضی ہیں' وہ بالکل بندہ کے اختیار میں نہیں' اگرچہ بہت دنوں کی عادت سے ان میں کچھ تاثیر ہوتی ہے۔ اسی لیے عارفین کو سوء خاتمہ سے بڑا خوف رہتا ہے کہ خاتمہ کا اچھا ہونا اختیاری نہیں کیونکہ اگر کوئی شخص چاہے کہ خواب میں بجز احوال صالحین اور صادقین کے یعنی ان کی طاعات وعبادات کے اور کچھ نہ دیکھوں تو یہ امر اس پر دشوار ہوگا کہ خود کثرت نیک بختی اور اس پر مواظبت کرنے کو اسباب میں تاثیر ہے مگر خیال کا بھٹکنا اپنے قابو میں نہیں' اگرچہ یہی ہوتا ہے کہ جو چیز خواب میں نظر آتی ہے' وہ اس کے مشابہ اور مناسب ہوتی ہے جو ماتگنے میں آدمی پر غالب ہوتی ہے۔

حضرت امام غزالی کا اپنے استاد سے واقعہ سننا : حضرت امام غزالی قدس سرہ نے فرمایا کہ میں نے اپنے استاد ابو علی فارمدی رحمتہ اللہ علیہ سے سنا کہ مجھ سے یہ بیان فرماتے تھے کہ مرید پر واجب ہے کہ اپنے مرشد کا اچھی طرح ادب کرے اور جو کچھ مرشد کہے' اس کا انکار بوجہ مجادلہ نہ زبان پر آئے' نہ دل میں ہو۔ اسی ذکر میں انہوں نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ایک بار میں نے اپنے مرشد ابوالقاسم گرگانی سے ایک خواب بیان کیا اور عرض کیا کہ میں نے یہ

دیکھا کہ آپ نے مجھ سے فلاں بات کہی اور میں نے خواب میں ہی کہا کہ یوں کیوں ہے؟ انہوں نے مجھے مہینہ تک چھوڑ دیا اور کچھ کلام نہ کیا اور فرمایا کہ اگر دل میں میرے قول کا انکار اور اعتراض نہ ہوتا تو خواب میں ہرگز تیری زبان پر یہ کلمہ جاری نہ ہوتا اور واقع میں ان کا قول درست ہے' اس لیے ایسا اتفاق کم ہوتا ہے کہ حالت بیداری میں جو چیز آدمی کے دل پر غالب آتی ہے' خواب میں اس کے خلاف دیکھے۔

فائدہ:۔ اسرار خاتمہ کو اس سے زیادہ ہم نہیں لکھ سکتے۔ علم معاملہ میں اسی قدر مناسب ہے' اس کے سوا علم مکاشفہ میں داخل ہے اور اس سے یہ بات معلوم ہوگی کہ سوء خاتمہ سے آدمی کو اس طرح امن ہو سکتا ہے کہ جتنی چیزیں ہیں' ان کا علم جیسی واقع میں ہے۔ جہالت کے بغیر آجائے اور تمام عمر خدا کی طاعت میں بلا معصیت گزرے۔ اگر کسی کو یقین ہو کہ یہ دونوں باتیں محال اور دشوار ہیں تو وہ خوف غالب ہونا چاہیے جو عارفین پر غالب تھا تاکہ اسی وجہ سے ہمیشہ وہ "چشم گریاں" اور دل سوزاں رہے اور دائما" حزن و غم دامن گیر رہے۔ اسلاف صالحین کے خوف کے واقعات آئندہ لکھوں گا۔ ان شاء اللہ (عزوجل)

فائدہ:۔ اس گریہ و قلق دائمی سے توقع ہے کہ تمہارے دلوں میں خوف کی آگ مشتعل ہو اور اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اعمال تمام عمر کے ضائع ہیں۔ اگر بوقت نزع یعنی جب جان نکلتی ہے' آدمی سلامت نہ رہے اور اس پر ظاہر کہ آدمی کی سلامتی باوجود ان وساوس کی موجوں کے نہایت دشوار ہے۔

فائدہ:۔ مطرف بن عبداللہ کہا کرتے ہیں کہ میں اس سے تعجب نہیں کرتا کہ ہلاک ہونے والا کیسے ہلاک ہوا بلکہ مجھے یہ تعجب ہوتا ہے کہ نجات پانے والا کیسے نجات پا گیا اور حامد لفاف کہتے ہیں کہ جب بندہ مومن کی روح فرشتے لے کر چڑھتے ہیں اور خیر اور اسلام پر اس کا خاتمہ ہوتا ہے تو فرشتے تعجب سے دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ شخص دنیا سے کیسے بچا جس میں بہتر سے بہتر بگڑ گئے۔

حکایت:۔ ایک روز حضرت سفیان ثوری رو رہے تھے۔ ان سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ کیوں روتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ کچھ دنوں ہم گناہ پر روئے' اب اسلام پر روتے ہیں یعنی اندیشہ ہے کہ اسلام باقی رہے گا یا نہ؟

فائدہ:۔ خلاصہ یہ کہ جس کی کشتی گرداب میں پھنس گئی ہو اور طوفان کے باعث موجوں کا بھی کوئی پتہ نہ ہو' اس شخص کے حق میں بچنا بہ نسبت تباہ ہونے کے بعید معلوم ہوتا ہے اور مومن کا دل کشتی کی بہ نسبت زیادہ مضطرب ہے اور وسوسوں کی موجیں سمندر کی موجوں سے زیادہ صدمہ پہنچاتی ہیں اور ڈرنے کی صرف یہی چیز ہے کہ مرتے وقت برا اندیشہ دل میں نہ گزرے۔

حدیث:۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آدمی جنت والوں کے عمل پچاس برس تک کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس میں اور جنت میں اتنا فرق رہ جاتا ہے جتنا دودھ نکالنے کی دو دھاروں میں مگر اس کا خاتمہ اس حال پر ہوتا ہے جو پہلے لکھا گیا ہے۔

فائدہ :- دو دھاروں کے بیچ کا وقت اتنا نہیں کہ اس میں کوئی عمل موجب شقاوت ہو سکے بلکہ اس وقت وسوس اور خواطر ہی ہو سکتے ہیں کہ بجلی کی طرح گزر جاتے ہیں۔

حکایت :- حضرت سہل تستری فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں یہ دیکھا کہ گویا جنت میں گیا ہوں اور تین سو پیغمبروں سے ملاقات ہوئی۔ ان سب سے میں نے پوچھا کہ دنیا میں آپ سب سے زیادہ کون سی چیز سے ڈرتے ہیں۔ سب نے فرمایا سوء خاتمہ سے۔

فائدہ :- اسی خوف عظیم کے باعث شہادت عمدہ اور غبطہ کی چیز ہے اور مرگ ناگہانی مکروہ وہ اس لیے کہ ناگہانی موت کبھی ایسے وقت ہو جاتی ہے کہ برا اندیشہ دل پر غالب ہو اور دل ایسے اندیشوں سے خالی نہیں رہتا مگر یہ کہ برا جان کر خواہ نور معرفت ان کو ٹال دے اور شہادت کا معنی یہ ہے کہ قبض روح ایسے حال میں ہو کہ دل میں سوائے محبت الٰہی کے کچھ نہ رہا ہو۔ دنیا کی محبت' گھر والوں اور مال اور اولاد اور تمام شہوات کی محبت دل میں سے نکل گئی ہو کیونکہ صرف قتال میں لقمہ اجل ہونے کو وہی جاتا ہے جو اللہ (عزوجل) کی محبت رکھتا ہو اور اس کی رضا کا طالب اور دنیا کو آخرت کے بدلے میں بیچنا مد نظر رکھتا ہو اور جو معاملہ کہ خدا تعالیٰ نے اس سے بیع و شرا کا کیا' اس پر راضی ہو جس کا اس آیت میں ذکر ہے۔ ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ (پ 11 التوبہ 111) ترجمہ کنزالایمان : بے شک اللہ نے مسلمانوں سے ان کے مال اور جان خرید لئے ہیں اس بدلے پر کہ ان کے لئے جنت ہے۔

فائدہ :- ظاہر ہے کہ جو کوئی شے بیچتا ہے' اس سے وہ دل اٹھالیتا ہے۔ اس کے بدلے دوسری شے دل میں سماتی ہے اور ایسی شے ویسے بھی کبھی دل میں آ بھی جاتی ہے لیکن اس میں جان نکلنا اختیاری نہیں اور صف جنگ میں جان نکلنا اکثر یہ حال ہے۔ اس وجہ سے شہادت محبوب ہے لیکن یہ ایسے شخص کا حال ہے جو غلبہ اور غنیمت اور شہرت و شجاعت کا خواہاں نہ ہو ورنہ جس کا ارادہ ان باتوں میں سے کوئی ہو گا' وہ اگرچہ میدان جنگ میں ہی مارا جائے' اس کو رتبہ شہادت ملنا بعید ہے۔ چنانچہ احادیث سے ایسا ہی ثابت ہوتا ہے۔

فائدہ :- جب سوء خاتمہ کی حقیقت اور جو چیز اس میں خوفناک ہے' معلوم ہو چکی تو اس کی تیاری میں مشغول ہو اور ذکر الٰہی کی مداومت کر اور اپنے دل سے محبت دنیا نکال دھر اور اپنے گناہ کے ارتکاب سے اور دل کو اس کی فکر سے محفوظ رکھ اور معاصی کے دیکھنے اور گنہگاروں کی ملاقات سے حتی الوسع احتراز کر اور یہ تدبیر بھی تیرے دل پر موثر ہو گی اور تیری فکر و خاطر اور خدا کی طرف پھیرے گی اور ایسا نہ کرنا کہ کہیں اسباب لیت و لعل کرے اور یوں کہے کہ جب خاتمہ آئے گا تو اس کی تیاری کر لوں گا کیونکہ ہر ایک تیرے نفسوں میں سے تیرا خاتمہ ہے یعنی ہو سکتا ہے کہ اس میں تیری جان نکل جائے' اس لیے ضروری ہوا کہ ہر لحظہ دل کی نگرانی کرے اور کسی دم اس کو بیکار نہ چھوڑے' شاید یہی دم آخرین ہو اور روح پرواز کر جائے۔ یہ حال تو جاگنے کا ہے اور سونے کے وقت یہ چاہیے کہ ظاہر و باطن کی طہارت پر سوئے اور نیند کا غلبہ جبھی ہو جب دل پر غلبہ ذکر الٰہی کا ہو' ہماری غرض ذکر لسانی سے نہیں

کیونکہ صرف زبان کی حرکت بہت کم تاثیر کرتی ہے اور اس بات کو قطعاً" جان لے کہ نیند کے وقت دل پر وہی بات غالب ہوتی ہے جو نیند سے پہلے اس پر غالب تھی اور خواب میں بھی وہی غالب رہے گی جو جاگنے میں غالب تھی اور خواب سے اٹھنے میں بھی وہی غالب رہے گی جو سوتے میں غالب رہی۔

فائدہ :۔ موت اور سونا ایک دوسرے کے مشابہ ہیں اور جاگنا اور قیامت کو اٹھانا بھی ایک دوسرے کی طرح ہے اور جیسے آدمی نہیں سوتا ہے مگر ان خیالات پر جو بیداری میں اس پر غالب رہتے ہیں اور نہیں جاگتا مگر انہی باتوں پر جو خواب میں غالب رہتی ہیں' اسی طرح نہیں مرتا مگر اس حال پر جو زندگی میں غالب رہا اور نہیں اٹھے گا مگر اسی پر جس پر مرا۔

فائدہ :۔ موت اور اس کے بعد اٹھنے کو اپنی دو حالتیں جاننی چاہیں جیسے کہ خواب بیداری کی دو حالتیں ہیں اور اس بات کو تہ دل سے سچ جاننا اور اس پر ایمان لانا چاہیے۔ اگر عین یقین اور نور بصیرت سے اس کا مشاہدہ نہ ہو سکے اور اپنی سانس اور لحظوں کی حفاظت کرنی چاہیے اور خبردار خدا سے ایک پل بھی غافل نہ ہونا کیونکہ باوجود ان سب باتوں گزشتہ کے کرنے کے پھر بھی بڑی خوف کی جگہ ہے جب نہ کرے گا تب کیا حال ہوگا؟

فائدہ :۔ انسان تمام ہلاک ہیں مگر عالم اور عالم بھی سب ہلاک ہیں مگر عامل اور عامل سب ہلاک ہیں مگر اخلاص والے بڑے خوف پر ہیں۔

فائدہ :۔ جاننا چاہیے کہ یہ بات میسر نہ ہوگی بجز اس صورت کے کہ دنیا سے مقدار ضرورت پر قانع ہو اور دنیا کی ضرورت تین چیزیں ہیں کھانا' پوشاک اور مکان اور باقی سب فضول ہے اور کھانے میں سے اس قدر ضروری ہے کہ جس سے تو زندہ رہے اور جان بچ سکے تو چاہیے کہ غذا ایسی کھائے جیسے کوئی مجبوری اور نفرت کی صورت میں کھاتا ہے اور کھانے کی خواہش پاخانہ پھرنے کی خواہش سے زیادہ نہ ہو کیونکہ کھانے کا پیٹ میں ڈالنا اور اس کو پیٹ میں سے نکالنا دونوں یکساں ہیں اور دونوں ضروری داخل سرشت انسانی ہیں تو جیسے پاخانہ پھرنے میں ایسی ہمت نہیں کرتا جس سے دل بھی مصروف ہو جائے' اسی طرح کھانا کھانے میں بھی مشغول دل نہیں چاہیے اور جان لینا چاہیے کہ اگر آدمی کی ہمت اسی چیز میں لگی رہے جو اس کے پیٹ کو بھرے تو اس کی قیمت وہ ہوگی جو پیٹ سے نکلے یعنی اس میں اور نجاست میں کچھ فرق نہیں اور جب کھانے سے غرض بجز قوت عبادت الٰہی اور کچھ نہ ہو اور کھانے اور پاخانے پھرنے کو داخل ضرورت یکساں جانے تو اس کی پہچان تین باتوں میں ہے۔ (1) وقت غذا۔ (2) مقدار غذا۔ (3) جنس غذا' وقت میں تو یہ پہچان کہ رات دن ایک بار پر کفایت کرے بلکہ روزے پر مواظبت کرے۔ مقدار کی علامت یہ ہے کہ تہائی پیٹ سے زیادہ نہ کھائے۔ جنس کی صورت یہ ہے کہ پابند لذیذ کھانوں کا نہ رہے بلکہ جو میسر ہو' اس پر قانع ہو۔

فائدہ :۔ اگر تو ان تینوں باتوں پر قادر ہو جائے گا اور شہوات و لذتوں کی فکر تجھ سے دور ہو جائے گی تو اس کے بعد تو شہوات کے ترک پر قادر ہو گا اور ہو سکے گا کہ بجز حلال اور کچھ نہ کھائے کیونکہ حلال اول تو کم ملتا ہے' دوسرے

جمیع شہوات کو وافی نہیں ہوتا' اس لیے اس کے اوپر قانع ہونا وقت رکھتا ہے مگر بقدر ضرورت رکھنا اختیار کرنے سے حاصل ہو سکتا ہے اور لباس میں یہ چاہیے کہ غرض اس سے دور کرنا گرمی اور سردی کا ہو اور ستر عورت منظور ہو اور تکلف منظور نہ ہو مثلاً اگر ایک دمڑی کی ٹوپی سے سر کا جاڑا موقوف ہو جائے تو اس کے سوا اور کی تلاش کرنا فضول اور تضیع اوقات ہے جس میں ہمیشہ کا شغل اور معصیت کہیں کمائی کہ کہیں حرص کے مال حرام مشتبہ سے قائم ہے۔ اس کی قیاس پر سردی اور گرمی کو تمام بدن کو لحاظ کرنا چاہیے۔ اگر کسی پوشاک سے باوجود کم حیثیت ہونے کے مقصود حاصل ہو کہ مقدار ستر عورت کے بھی ہو اور حرارت و برودت کو بھی جسم میں اثر نہ کرنے دے تو تیرا اس پر بس نہ کرنا خام خیال ہے بلکہ اس صورت میں تو ایسے لوگوں میں سے ہے جن کے شکم بجز خاک کے اور کوئی چیز نہ بھرے۔ یہی حال مکان کا ہے کہ اگر اس کے مقصود پر لحاظ کی جائے تو آسمان کی چھت اور زمین رہنے کو کافی ہے۔ اگر گرمی یا سردی غالب ہو تو مسجدوں میں جانا چاہیے ورنہ اگر اپنا مکان خاص چاہو تو بہت دشوار ہو گا اور اکثر عمر اسی میں لگ جائے گی اور وہی تیرا سرمایہ ہے' پھر اگر تیرے لیے سامان مکان بہم پہنچ گیا اور دیوار سے تو نے سوا آڑ ہونے کے تجھ میں اور دوسرے لوگوں میں کوئی اور غرض کیا سمجھی اور چھت سے تو نے سوائے بارش سے بچنے کے سواء کوئی اور مطلب سوچا' صرف اپنے خیال سے مکان کی دیواریں اونچی کرنے لگا' پھر وہ ایسے گڑھے میں گرے گا کہ اس سے نکلنا دشوار ہے اور یہی حال اپنے ضروری مطالب کا جاننا چاہیے کہ اگر ان پر کوتاہی کرے گا تو خدا تعالیٰ کے لیے فارغ ہو جائے گا اور اچھے خاتمے کی تیاری اور آخرت کی زاد کے لیے مستعد رہے گا اور اگر بالفرض حد ضرورت سے بڑھے گا اور آرزوؤں میں مبتلا ہو گا تو تمام ارادے پراگندہ ہو جائیں گے اور خدا تعالیٰ پروا نہ کرے گا کہ کون سے جنگل میں تجھے ہلاک کر دے۔

(پند سودمند) اے عزیز یہ نصیحت قبول کر۔ اگرچہ محبت کرنے والا تیری نسبت زیادہ نصیحت کا محتاج ہے۔

فائدہ :- جاننا چاہیے کہ جتنا وقت تدبیر اور زاد راہ لینے اور احتیاط کا ہے وہ یہی تھوڑی سی زندگی ہے۔ اگر اس کو ایک ایک روز غفلت میں ڈالنا ہو گا تو کیا عجیب ہے کہ ایسے وقت میں موت آئے جس میں تیرا دل مرنے کے لیے نہ چاہتا ہو' پھر تو حسرت اور ندامت کبھی نہ جائے۔ اب اگر جو بات مجھے کہی گئی ہے' اگر خوف کی کمی کی وجہ سے تجھ سے اس کی پیروی نہ ہو سکے اور جس قدر ہم نے خاتمے کا حال لکھا ہے' وہ تیرے ڈرانے کے لیے کافی نہ ہو تو ہم حال خائفین لکھتے ہیں جس سے توقع ہے کہ کچھ سختی دل کی موقوف ہو جائے کیونکہ یہ تجھے بھی خوب معلوم ہے کہ انبیاء و اولیاء و علماء کی عقل اور ان کے عمل اور ان کے مرتبے خدا تعالیٰ کے یہاں تیری عقل اور تیرے مرتبے سے بڑھ کر تھے تو یہ سوچنا چاہیے کہ ان پر خوف کیوں زیادہ تھا اور ان کا غم و گریہ کی کیا وجہ تھی کہ ان میں بعض چیخیں مارتے تھے اور بعض بے ہوش ہو جاتے تھے۔ بعض غش کھا کر گرتے تھے۔ بعض مردہ ہو کر زمین پر پڑ جاتے تھے۔ اگر ان کے خواص سے بھی تیرے دل میں خوف پیدا ہو تو بھی کچھ تعجب نہیں' اس لیے کہ غفلت والے کے دل پتھر جیسے یا ان سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فھی کالحجارۃ اواشد قسوۃ وان من الحجارۃ لما یتفجر منہ الانھار وان منھا لما یشقق فیخرج منہ لما وان منھا لما یھبط من خشیۃ اللہ وما اللہ بغافل

عما تعملون (پ 1 البقرہ 73) ترجمہ کنزالایمان: تو وہ پتھروں کی مثل ہے بلکہ ان سے بھی زیادہ کرے اور پتھروں میں تو کچھ وہ ہیں جن سے ندیاں بہہ نکلتی ہیں اور کچھ وہ ہیں جو پھٹ جاتے ہیں تو ان سے پانی نکلتا ہے اور کچھ وہ ہیں جو اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں اور اللہ تمہارے کوتکوں سے بے خبر نہیں۔

خوف خدا انبیاء و ملائکہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ جب ہوا بدلتی تھی اور آندھی چلتی تھی تو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے مبارک کا رنگ بدل جاتا تھا اور کھڑے ہو کر حجرے میں پھرتے تھے اور باہر اندر جاتے تھے۔ یہ سب باتیں خدا (عزوجل) کے خوف سے ہوتی تھیں۔

ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم سورہ حاقہ کی ایک آیت پڑھ کر بے ہوش ہو گئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وخر موسیٰ صعقا (پ 9 الاعراف 143) ترجمہ کنزالایمان: اور موسیٰ (علیہ السلام) گرا' بے ہوش۔

سرکار نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے صورت جبرئیل علیہ السلام زمین بطحا دیکھی اور بے ہوش ہو گئے۔ روایت ہے کہ جب آپ نماز میں ہوتے تھے تو آپ کے سینے میں دل کا جوش ہنڈیا کے جوش کی طرح سے سنائی دیتا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس جبرئیل کبھی نہیں آئے مگر اس صورت سے کہ خوف خدا تعالیٰ سے کانپتے تھے۔

روایت ہے کہ جب شیطان مردود ہوا تو حضرت جبرئیل و میکائیل علیہ السلام نے رونا شروع کیا' ان کو وحی الٰہی ہوئی کہ کیوں روتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ الٰہی ہم تیرے ڈر سے بے خوف نہیں۔ حکم ہوا کہ تم ایسے ہی رہو' میرے سوا بے خوف نہ رہو۔ محمد بن منکدر روایت کرتے ہیں کہ جب دوزخ پیدا ہوئی تو فرشتوں کے دل اپنی جگہ سے اڑ گئے مگر جب نبی آدم علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے کہ میں نے میکائیل علیہ السلام کو ہنستے نہیں دیکھا۔ انہوں نے کہا کہ جب سے دوزخ پیدا ہوئی ہے' وہ کبھی نہیں ہنسے۔

روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض فرشتے ہیں کہ جب سے آگ پیدا ہوئی ہے' وہ نہیں ہنستے۔ اس خوف سے کہ کہیں خدا تعالیٰ ہم پر غصہ ہو کر اس سے ہم کو عذاب نہ دے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ باہر نکلا یہاں تک کہ آپ کسی باغ انصار کے اندر تشریف لائے اور خرما اٹھا کر کھانا شروع کیا اور مجھے فرمایا کہ تم کیوں نہیں کھاتے؟ میں نے عرض کیا کہ مجھے بھوک نہیں۔ آپ نے فرمایا مجھے اس کی خواہش ہے اور یہ چوتھا دن ہے کہ میں نے غذا نہیں چکھی اور نہ مجھے ملی اور اگر میں اپنے پروردگار سے مانگتا تو وہ مجھے روم اور فارس کی سلطنت عنایت فرما دیتا۔ اے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمہارا کیا حال ہو گا۔ جب تم ایسے لوگوں میں رہو گے جو اپنی خوراک سال تک ذخیرہ کر کے رکھیں گے اور ان کے دل میں یقین کمزور ہو گا۔ حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ ہم وہاں سے نہ ہٹے تھے کہ آیت اتری وکاین من دابۃ لا تحمل رزقھا ...... اللہ یرزقھا و ایاکم وھوا السمیع (پ 21 العنکبوت 60) ترجمہ کنزالایمان: اور زمین پر کتنے ہی چلنے والے ہیں کہ اپنی روزی ساتھ نہیں رکھتے اللہ روزی دیتا ہے انہیں اور تمہیں اور وہ سنتا جانتا ہے۔

آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو مال ذخیرہ کرنے اور شہوات کے اتباع کا حکم نہیں دیا۔ جو شخص دنیا اس لیے رکھتا ہے کہ اس سے اس کی غرض حیات ناپائیدار ہو تو زندگی اللہ (عزوجل) کے قبضے میں ہے۔ خبردار میں نہ دنیا میں جمع رکھتا ہوں نہ درم نہ کل کے لیے رزق کا ذخیرہ کرتا ہوں۔

حضرت ابو دردا رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب نماز میں کھڑے ہوتے تھے تو ان کے دل کا جوش خدا کے خوف سے ایک کوس کے فاصلے سے سنائی دیتا تھا۔

حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام چالیس روز سجدے میں رویا کرتے اور اپنا سر نہ اٹھاتے تھے یہاں تک کہ ان کے آنسوؤں سے سبزہ جم آیا اور اس میں ان کا سر چھپ گیا۔ آواز آئی کہ اے داؤد اگر تو بھوکا ہے تو کھانا ملے اور پیاسا ہے تو پانی پلایا جائے اور ننگا ہے تو کپڑا دیا جائے۔ آپ نے گرم آہ بھری کہ اس کی حرارت سے لکڑی جل گئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر توبہ اور مغفرت اتاری۔ عرض کیا کہ الٰہی میری لغزش میرے ہاتھ میں کردے تو فوراً ان کی لغزش گناہ ان کی ہتھیلی میں لکھی گئی تو جب کھاتے یا پیتے اور کسی مطلب کے ہاتھ بڑھاتے تھے' اس خطا کو دیکھ کر روتے تھے۔ راوی کہتے ہیں کہ پانی کا پیالہ جو ان کے سامنے آتا تھا تو تہائی خالی ہوتا تھا۔ جب اپنی خطا آپ دیکھتے تو ہونٹوں سے ملانے تک آنسوؤں سے لبریز ہو جاتا اور یہ بھی آپ کے احوال میں مروی ہے کہ کبھی اپنا سر مارے حیاء کے آسمان کی طرف نہیں اٹھایا یہاں تک کہ وفات پائی اور دعا میں یوں عرض کیا کرتے کہ الٰہی اگر میں اپنی خطا یاد کرتا ہوں تو زمین باوجود وسعت کے مجھ پر تنگ ہوتی ہے اور جب تیری رحمت کو یاد کرتا ہوں تو جان میں جان آتی ہے تو پاک ہے بار خدایا میں تیرے بندوں میں سے جو طبیب ہیں۔ ان کے پاس گیا کہ میری خطا کا علاج کریں' وہ سب کے سب تجھے ہی بتلاتے ہیں تو خرابی ہے اس کی جو تیری رحمت سے ناامید ہو۔

حضرت فضیل فرماتے ہیں کہ ایک دن داؤد علیہ السلام نے اپنا گناہ یاد کیا' اسی وقت چیختے اپنا ہاتھ سر پر رکھ کر اٹھے یہاں تک کہ پہاڑوں میں چلے گئے۔ آپ کے پاس درندے اکٹھے ہوئے۔ آپ نے فرمایا تم چلے جاؤ' مجھے تم سے کوئی مطلب نہیں۔ مجھ کو وہی چاہیے جو اپنی خطا پر روئے تو میرے سامنے روتا آئے اور جو خطاوار نہیں' اس کا داؤد خطاکار کے پاس کیا کام ہے اور جب کوئی آپ کو کثرت گریہ کرنے سے منع کرتا تو فرماتے کہ مجھے رونے دو' پہلے اس سے کہ رونے کا دن ہاتھ سے جاتا رہے اور ہڈیاں جل جائیں اور آنتیں بھڑک اٹھیں اور پیشتر اس سے کہ میں حوالہ ایسے فرشتوں کے ہوں جن کی شان یہ ہے کہ ملائکۃ غلاظ شداد لا یعصون اللہ ما امرھم ویفعلون مایومرون (پ 28 التحریم 6) ترجمہ کنزالایمان : فرشتے مقرر ہیں جو اللہ کا حکم نہیں ٹالتے اور جو انہیں حکم ہو وہ ہی کرتے ہیں۔

عبدالعزیز بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام سے لغزت خطا ہوئی تو آپ کی آواز پڑ گئی۔ آپ نے عرض کیا کہ الٰہی صدیقین کی آواز صاف ہے اور میرا گلا پڑ گیا۔

روایت ہے کہ جب آپ بہت روئے اور کچھ فائدہ نہ ہوا تو آپ کا دل تھک گیا اور بہت رنج ہوا۔ جناب باری میں عرض کیا کہ الٰہی تو میرے رونے پر رحم نہیں کرتا' حکم ہوا کہ اے داؤد اپنا گناہ بھول گیا۔ رونا یاد ہے' عرض کیا

اے اللہ میرے آقا اپنے گناہوں کو کیسے بھولوں گا۔ میرا تو یہ حال تھا کہ جب زبور پڑھتا تھا تو پانی اور ہوا چلنے سے رک جاتے تھے اور پرندے میرے سر پر سایہ کرتے تھے۔ وحشی میری محراب میں مانوس ہوتے تھے۔ اے اللہ اب یہ کونسی وحشت ہے جو مجھ میں اور تجھ میں ہے۔ حکم ہوا اے داؤد! وہ انس طاعت تھا اور یہ وحشت گناہ ہے۔ اے داؤد' آدم ایک میری مخلوق ہے جس کو میں نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اپنی روح اس میں پھونکی اور اپنے فرشتوں سے اس کو سجدہ کرایا اور اپنے اکرام کی خلعت اس کو پہنائی اور تاج اپنے وقار کا اس کے سر پر رکھا اور جب مجھ سے شکایت تنہائی کی تو اس کا جوڑا اپنی بندی حوا کو بنایا اور جنت میں اس کو رہنے دیا مگر جب اس نے لغزش کی' اس کو اپنے پاس سے برہنہ کر کے نکال دیا۔ اے داؤد میرا قول سن اور میں سچ کہتا ہوں کہ تو نے میری طاعت کی تو ہم نے تیرا کہنا پورا کیا اور جو مانگا' وہ دیا اور لغزش کی تو ہم نے چھوڑ دیا اور باوجود اس کے اگر تو ہماری طرف رجوع کرے گا' ہم تجھے قبول کریں گے۔

یحییٰ بن ابی کثیر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام جب گریہ کرنا چاہتے تھے تو سات دن پہلے نہ کچھ کھاتے' نہ پیتے اور نہ عورتوں کے پاس جاتے تھے۔ جب ایک دن رہتا تھا تو ان کے لیے ایک منبر جنگل میں نکالا جاتا تھا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو فرماتے تھے کہ شہروں اور گرد و نواح اور جنگلوں اور پہاڑوں اور ٹیلوں اور بت خانوں اور کیسنوں سے پکارو کہ لوگو جس کو حضرت داؤد کا گریہ اپنے نفس پر سننا منظور ہو' وہ آئے تو جنگلوں اور ٹیلوں سے وحشی اور نیستانوں سے درندے اور پہاڑوں سے جانور اور گھونسلوں سے پرندے اور باکرہ عورتیں اپنے پردوں سے آتی تھیں اور لوگ وہاں جمع ہوتے تھے اور حضرت داؤد علیہ السلام آکر منبر پر بیٹھتے تھے اور آپ کے گرد بنی اسرائیل ہوتے تھے اور ہر ایک قسم آپ کے گرد ہوتی تھی اور حضرت سلیمان علیہ السلام آپ کے سر پر کھڑے ہوتے۔ اول آپ خدا کی ثنا کرتے تھے اور لوگ رونے میں چیخیں اور دھاڑیں مارنے لگتے تھے۔ پھر آپ جنت اور دوزخ کا ذکر فرماتے تھے تو زمین کے اندر رہنے والے بعض جانور اور وحشی درندے مرجاتے تھے۔ پھر قیامت کی دہشتوں اور اپنے اوپر گریہ کا بیان فرماتے تھے تو ہر قسم کے جاندار میں سے لشکر الٹ جاتے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام مردوں کی کثرت دیکھتے تھے تو والد بزرگوار کی خدمت میں عرض کرتے تھے۔ آپ نے سننے والوں کے ٹکڑے بکھیر دیئے اور بنی اسرائیل میں سے بہت سے لوگ مر گئے اور حوش و حشرات زمین سے بہت سے فنا ہوئے۔ آپ دعا مانگنا شروع کرتے' وہ دعا میں ہی ہوتے تھے کہ کوئی بنی اسرائیل کا عابد ان کو پکارتا تھا کہ اے داؤد جزاء کے مانگنے میں آپ نے جلدی فرمائی' یہ سن کر آپ بے ہوش ہو کر گر پڑتے تھے۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام آپ کا یہ حال دیکھتے تھے تو ایک چارپائی لاتے اور اس پر ان کو اٹھاتے۔ پھر ایک پکارنے والے کو فرماتے کہ یوں پکار دے کہ اگر کسی کا دوست و آشنا یا قریب داؤد کے ساتھ تھا تو وہ چارپائی لے کر اسے اٹھا لائے کیونکہ جو لوگ ان کے ساتھ تھے' ان کو جنت اور دوزخ کے بیان نے مار ڈالا تو ہر عورت چارپالاتی اور اپنے رشتہ دار کو اس پر اٹھاتی اور کہتی کہ اے وہ شخص جس کو ذکر دوزخ کے بیان نے مار ڈالا ہے۔ اے وہ شخص کہ جس کو خوف خدا نے فنا کیا' پھر حضرت داؤد علیہ السلام کو افاقہ ہوتا تو کھڑے ہوتے اور اپنا ہاتھ سر پر رکھے ہوئے اپنے عبادت خانے میں جا کر دروازہ

بند کر لیتے اور کہتے کہ اے داؤد کے مالک کیا تو داؤد سے ناراض ہے اور اسی مناجات میں رہتے۔ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام دروازے پر آکر اندر آنے کی اجازت چاہتے اور ایک ٹکیہ جو کی لے کر اندر جاتے اور عرض کرتے بابا جان اس کو کھا کر جو بات چاہتے ہو،اس کی قوت پیدا کر لو۔ اس میں سے کسی قدر کھاتے' پھر بنی اسرائیل میں نکل کر رہتے۔

فائدہ :- یزید رقاشی راوی ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام ایک روز چالیس ہزار آدمیوں کے ساتھ نکلے۔ ان کو واعظ سناتے تھے اور ڈراتے تھے۔ ان میں سے تیس ہزار مر گئے اور دس ہزار کے ساتھ آپ واپس آئے۔ آپ کی دو لونڈیاں تھیں' انہیں یہ کام سپرد تھا کہ جب آپ پر خوف طاری ہو اور خوف سے گر پڑیں تو وہ آپ کے پاؤں اور ہاتھ پر بیٹھ جائیں کہ کہیں جوڑ جدا نہ ہو جائیں۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے بیت المقدس کے اندر آٹھ سال کی عمر میں عابدین کو دیکھا کہ بالوں اور اون کے کپڑے پہنے ہیں اور ان میں سے جو نہایت کوشش کرنے والے ہیں' ان کو دیکھا کہ اپنے گلے کی ہڈیوں کو چیر کر ان میں زنجیر ڈال رکھی ہیں اور اپنے آپ کو بیت المقدس کے کونے میں باندھ رکھا ہے۔ ان کو دیکھ کر آپ کو خوف ہوا اور اپنے ماں باپ کی طرف رجوع کیا۔ بعض لڑکوں پر آپ کا گزر ہوا کہ وہ کھیل رہے تھے۔ انہوں نے آپ کی خدمت میں یہی عرض کیا کہ آؤ ہمارے ساتھ کھیلو۔ آپ نے فرمایا کہ میں اس لیے نہیں پیدا ہوا کہ کھیلوں۔ گھر آکر ماں باپ سے عرض کیا کہ مجھ کو بالوں کا کرتہ بنا کر دو۔ انہوں نے بنا دیا۔ آپ بیت المقدس کو چلے آئے۔ دن کو ان کی خدمت کرتے اور رات گزار کر وہاں صبح کر دیتے۔ یہاں تک کہ ان پر پندرہ برس گزر گئے' پھر آپ بیت المقدس سے نکل کر پہاڑوں اور گھاٹیوں کے اندر زندگی بسر کی۔ آپ کے ماں باپ ڈھونڈنے لگے۔ ان کو بحیرہ اردن پر پایا کہ پانی سے پاؤں تر کر رکھے ہیں اور پیاس کی شدت سے گویا جان نکلی جاتی ہے اور یہ کہہ رہے ہیں کہ قسم ہے تیری عزت اور بزرگی کی کہ ٹھنڈا پانی نہیں پیوں گا' جب تک مجھے یہ معلوم نہ ہو کہ تیرے نزدیک میرا ٹھکانہ کہاں ہے۔ آپ کے ماں باپ ایک جو کی ٹکیہ اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ اس میں سے کھا کر پانی پینا چاہیے۔ انہوں نے منظور کیا اور حکم کی تعمیل کی اور اپنی قسم کا کفارہ دیا' اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف میں فرمایا وبرا بوالدیہ

ان کو ماں باپ بیت المقدس سے لائے تو آپ کا دستور تھا کہ جب نماز پڑھنے کو کھڑے ہوتے تو اتنا روتے کہ درخت اور پتھر رونے لگتے اور حضرت زکریا علیہ السلام بھی آپ کے رونے سے اس قدر روتے کہ بے ہوش ہو جاتے تو ہمیشہ اسی طرح رویا کرتے حتیٰ کہ ان کے آنسوؤں سے ان کے رخساروں کا گوشت جاتا رہا اور دیکھنے والوں کو آپ کی ڈاڑھیں معلوم ہونے لگتیں۔ ان کی ماں نے ان سے فرمایا کہ بیٹا اگر تم کہو تو کوئی ایسی چیز تمہارے لیے بنا دوں جس سے تم اپنی داڑھیں لوگوں کی نظروں سے چھپاؤ۔ آپ نے عرض کیا کہ بہتر' انہوں نے دو لمدے لے کر آپ کے گالوں کو چمٹا دیئے۔ جب نماز کو کھڑے ہوتے تو روتے اور جب لمدے آنسوؤں سے بھیگ جاتے' ان کو مادر شفقہ ان کو نچوڑ ڈالتیں۔ جب اپنے آنسو اپنی ماں کے ہاتھوں پر بہتے دیکھتے تو فرماتے کہ الٰہی یہ میرے آنسو ہیں اور

یہ میری ماں ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور تو ارحم الراحمین ہے۔

فائدہ :۔ ایک دفعہ حضرت زکریا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جان پدر میں نے تو یہ دعا مانگی تھی کہ تجھے میری آنکھوں کی ٹھنڈک بنا دے اور تو رویا کرتا ہے۔ تیرے حال زار سے ہم کو کیسے چین ہو۔ انہوں نے فرمایا کہ بابا جان حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھ سے کہا ہے کہ جنت اور دوزخ کے بیچ میں ایک جنگل ہے جس کو بجز رونے والے کے اور کوئی طے نہ کرے گا۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے فرمایا کہ تو بیٹا اب رویا کر تاکہ اطمینان ہو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اے حواریو خدا کا خوف اور جنت کی محبت اس بات کے باعث ہیں کہ مشقت پر صبر کیا جائے اور دنیا سے دور کرتے ہیں۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو کھانا اور خس و خاشاک پر کتوں کے ساتھ سو رہنا' جنت کی تلاش میں ایک ادنیٰ بات ہے۔

مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب اپنی لغزش یاد کرتے بے ہوش ہو جاتے تھے اور آپ کے دل کے جوش کی آواز ایک کوس تک سنی جاتی تھی' اس وقت آپ کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لاتے اور کہتے کہ خدا تعالیٰ آپ کو کہتا ہے کہ تم نے کبھی دیکھا کہ کوئی خلیل اپنے خلیل سے ڈرتا ہو۔ آپ نے فرمایا کہ اے جبریل علیہ السلام جب میں اپنے قصور یاد کرتا ہوں تو اپنی خلعت بھول جاتا ہوں۔

خلاصہ :۔ انبیاء علیہ السلام کا یہ حال تھا۔ اس سے خوب سوچنا چاہیے کہ جب یہ لوگ تمام خلق سے خدا تعالیٰ کے عارف اور اس کی صفات کے عالم تھے' ان کا یہ حال تھا تو ہم کو کس طرح زندگی بسر کرنی چاہیے۔

صحابہ و تابعین میں خوف خدا کے واقعات :۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک پرندے کو دیکھ کر اس کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ کیا اچھا ہوتا جو میں تجھ جیسا ہوتا اور آدمی نہ ہوتا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں یہ بات چاہتا ہوں کہ کاش! میں درخت ہوتا اور کوئی کاٹ ڈالتا۔

ایسے ہی حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد اٹھایا نہ جاؤں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں کہ مجھے یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ میں نسیا منسیا ہو جاؤں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب کوئی آیت قرآن مجید سنتے تو خوف سے بے ہوش ہو کر گر پڑتے اور پھر چند روز ان کی عیادت ہوا کرتی۔ ایک دن آپ نے ایک تنکا زمین سے اٹھا کر کہا کہ کیا خوب ہوتا جو میں تنکا ہوتا' کاش! میں کوئی چیز مذکور نہ ہوتا' کاش! میں "نسیا" "منسیا" ہوتا' کاش میری ماں مجھے نہ جنتی۔

آپ کے منہ پر آنسوؤں کے دو کالے خط تھے اور فرماتے تھے کہ جو کوئی اللہ (عزوجل) سے ڈرتا ہے' وہ اپنا غصہ نہیں نکالتا اور جو کوئی اس سے تقویٰ کرتا ہے' وہ اپنی جی چاہتی بات نہیں کرتا۔ اگر قیامت نہ ہوتی تو ہم کچھ اور ہی ڈھنگ دیکھتے اور جب آپ نے سورۂ کورت پڑھی اور اس آیت پر پہنچے واذ الصحف نشرت (پ 30 التکویر 10)

ترجمہ کنزالایمان : اور جب نامہ اعمال کھولے جائیں۔

ایک دن ایک شخص کے مکان کے پاس سے گزرے کہ وہ نماز پڑھ رہا تھا اور سورۂ طور پڑھتا تھا۔ آپ کھڑے ہو کر سننے لگے۔ جب اس نے پڑھا ان عذاب ربک لواقع مالہ من دافع پ 27 طور 807) ترجمہ کنزالایمان : بے شک تیرے رب کا ضرور ہونا ہے اسے کوئی ٹالنے والا نہیں۔ تو اپنی سواری سے اترے اور ایک دیوار سے تکیہ لگا کر تھوڑی دیر ٹھہرے' پھر گھر چلے آئے اور مہینہ تک بیمار رہے۔ لوگ عیادت کو آئے مگر کسی کو معلوم نہ تھا کہ آپ کو کیا مرض ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے نماز فجر کے سلام کے بعد فرمایا' اس وقت کہ کچھ آپ کو رنج تھا اور اپنا ہاتھ پھیرتے جاتے تھے کہ میں نے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم و رضی اللہ تعالیٰ عنھم کو دیکھا ہے لیکن آج کوئی چیز ایسی نہیں دیکھتا جو ان جیسی ہو۔ ان کا دستور تھا کہ پراگندہ منہ' زرد رنگ غبار آلوہ رہتے۔ ان کی آنکھوں کے بیچ میں بکریوں کے زانو کا سا گھٹیا تھا رات کو اللہ کے لیے سجدہ کرتے اور کھڑے رہتے۔ خدا کی کتاب پڑھتے۔ عبادت میں پیشانی اور پاؤں پر باری باری زور دیتے اور جب صبح ہوتی تو جیسے تیز ہوا سے درخت ہلتا ہے' اس طرح کانپتے۔ آنکھوں میں سے اتنے آنسو بہاتے کہ ان کے کپڑے تر ہو جاتے اور کہتے' اب تو بخدا میں ایسے لوگوں میں ہوں جو رات کو نیند میں رہتے ہیں' پھر آپ اٹھ کھڑے ہوتے اور جب تک کہ آپ کو ابن ملجم ملعون نے زخمی نہیں کیا' کبھی کسی نے اس تقریر کے بعد ہنستے نہ دیکھا۔

عمران بن حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اچھا سمجھتا ہوں کہ راکھ ہو جاؤں اور میرے اجزاء ہوا میں آندھی کے دن میں متفرق کر دیں۔

حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ مجھ کو اچھا معلوم ہوتا ہے کہ میں مینڈھا ہوں اور میرے گھر والے مجھے ذبح کریں اور کھالیں اور میرا شوربا پی لیں۔

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب وضو کرتے تو آپ کا چہرہ زرد ہو جاتا' ان کے گھر والے پوچھتے کہ وضو کے وقت آپ کا یہ کیا حال ہوتا ہے؟ تو آپ فرماتے کہ تم کو معلوم ہے کہ میں کس کے سامنے کھڑا ہوا چاہتا ہوں۔

موسیٰ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جب ہم حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھتے تو ان کے خوف کو دیکھ کر یہ جانتے کہ گویا آگ ہمارے چاروں طرف محیط ہے۔

ایک دن کسی قاری نے پڑھا ھذا کتابنا ینطق علیکم بالحق انا کنا نتسنسخ ماکنتم تعملون (پ 25 الجاثیہ 29) ترجمہ کنزالایمان : ہمارا یہ نوشتہ تم پر حق بولتا ہے ہم لکھتے رہے تھے جو تم نے کیا۔

پس عبدالواحد بن زید اتنا روئے کہ غش آگیا۔ جب افاقہ ہوا تو کہا کہ قسم ہے تیری عزت کی' اپنے مقدور بھر کبھی تیری نافرمانی نہ کروں گا تو اپنی توفیق سے مجھے اپنی طاعت پر مدد کر۔

مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ شدت کی وجہ سے کلام مجید کچھ نہیں سن سکتے تھے۔ جب کوئی ایک حرف یا ایک

آیت پڑھتا تو ایک چیخ مارتے تھے اور کئی دن تک ہوش نہ آتا تھا۔ ایک دن ایک شخص قبیلہ خثعم سے آیا اور ان کے پاس یہ آیت پڑھی یوم نحشر المتقین الی الرحمٰن وفدا ونسوق المجرمین الی جھنم وردا (پ 16 مریم 68'85) ترجمہ کنزالایمان: جس دن ہم پرہیزگاروں کو رحمٰن کی طرف لے جائیں گے مہمان بنا کر اور مجرموں کو جہنم کی طرف ہانکیں گے پیاسے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ میں تو مجرمین میں ہوں' متقی نہیں ہوں۔ ذرا قاری صاحب پھر پڑھئے' اس نے پڑھا' وہ ایک نعرہ مار کر سفر آخرت کر گئے۔

یحییٰ رونے والے کے سامنے کسی نے یہ آیت پڑھی ولوتریٰ اذ وقفوا علیٰ ربھم انہوں نے ایک چیخ ماری کہ اس سے چار مہینے بیمار رہے۔ بصرہ کے نواح تک کے لوگ ان کی بیمار پرسی کو آئے۔

حضرت مالک بن دینار فرماتے ہیں کہ کعبہ کا میں طواف کر رہا تھا۔ دیکھتا ہوں کہ ایک جوان عورت عابدہ کعبہ کا غلاف پکڑ کر کہہ رہی ہے کہ الٰہی بہت سی شہوتوں کی لذت تو جاتی رہی' عذاب ان کا باقی رہا۔ الٰہی تیرے پاس سوائے دوزخ کے کیا اور کوئی سزا اور عذاب کی چیز نہیں اور یہ کہہ کر روتی تھی۔ اسی طرح روتے روتے صبح کر دی۔ میں نے یہ حال دیکھ کر اپنا ہاتھ سر پر رکھ کر چیخ ماری کہ ہمارے حال پر افسوس۔

حضرت فضل عرفہ کے دن خوب پھوٹ پھوٹ روتے تھے اور لوگ دعا مانگ رہے تھے کہ جب آفتاب قریب بغروب ہوا تو اپنی داڑھی مٹھی میں پکڑ کر آسمان کی طرف سر اٹھایا اور کہا کہ اگر تو بخش بھی دے گا تب بھی مجھ کو تجھ سے بڑی حیا ہے۔ پھر لوگوں کے ساتھ وہاں سے چلے آئے۔

کسی نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حقیقت خائفین کی پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ خائف وہ ہیں جن کے دل خوف سے مشوش ہیں اور آنکھیں روتی ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ خوش ہوں' اس صورت میں کہ موت پیچھے لگی ہے اور قبر سامنے ہے اور قیامت ہماری وعدہ گاہ ہے اور دوزخ پر ہمارا راستہ ہے اور خدا تعالیٰ کے سامنے ہم کو کھڑا ہونا ہے۔

حضرت حسن بصری ایک جوان پر گزرے کہ اپنی ہنسی میں ڈوبا ہوا تھا۔ ایک مجلس میں لوگوں کے ساتھ بیٹھتا تھا۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ تو پل صراط پر سے گزرا ہے؟ اس نے عرض کیا' نہیں! آپ نے پوچھا کہ تجھے معلوم ہے کہ تو جنت میں جائے گا یا دوزخ میں؟ اس نے عرض کیا نہیں! آپ نے فرمایا کہ پھر یہ ہنسی کیسی ہے؟ راوی کہتا ہے کہ پھر اس شخص کو کسی نے ہنستے نہ دیکھا۔

حماد بن عبدربہ جب بیٹھتے تو اس طرح بیٹھتے گویا نصف کھڑے ہیں۔ اگر کوئی ان سے کہتا کہ آپ اطمینان سے بیٹھیں تو فرماتے کہ اطمینان کا بیٹھنا نڈر شخص کا ہوتا ہے۔ میں تو بے خوف نہیں' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو اپنے بندوں پر غفلت ڈال دی ہے' یہ بھی رحمت ہے تاکہ خوف خدا سے مر نہ جائیں۔

حضرت مالک بن دینار رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ارادہ کیا ہے کہ جب مروں گا تو لوگوں سے کہہ دوں

گا کہ بیڑیاں اور طوق ڈال کر مجھے خدا کے پاس یوں لے جائیں جیسے کسی بھاگے ہوئے غلام کو آقا کے سامنے لے جاتے ہیں۔

حاتم اصم علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں کہ کسی مکان اعلیٰ پر فریفتہ مت ہو کہ جنت سے زیادہ بہتر کوئی جگہ نہیں مگر آدم کا حال اس میں جو ہوا سو ہوا اور نہ کثرت عبادت پر فریفتہ ہو کہ ابلیس کا حال بعد کثرت عبادت کے خود ظاہر ہے۔ نہ کثرت علم سے مغرور ہو کہ بلعم اسم اعظم اچھی طرح جانتا تھا مگر انجام اس کا کیا ہوا اور نہ صلحا کی زیارت پر فریفتہ ہو کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر تو کسی کا مرتبہ نہیں ہوتا مگر بعض اقارب اور اعداء کو آپ کی زیارت کام نہ آئی۔

فرماتے ہیں کہ میں اپنی ناک کو دن میں کئی بار دیکھ لیتا ہوں' اس خوف سے کہ کہیں میرا منہ تو کالا نہیں ہو گیا۔

ابو حفص رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ چالیس برس سے میرا اعتقاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو نگاہ غضب سے دیکھتا ہے اور میرے اعمال اس پر دلالت کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مالک ایک دن اپنے دوستوں میں نکلے اور فرمایا کہ رات تو میں نے اللہ (عزوجل) پر بڑی جرات کی کہ اس سے جنت کا سوال کیا ہے۔ جو آپ کو معلوم ہو ہمیں بتایئے آپ نے محمد بن کعب القرظی کی ماں نے اپنے بیٹے کو کہا کہ میں تجھے جانتی ہوں کہ لڑکپن میں بھی پاک تھا اور بڑا ہو کر بھی اچھا رہا اور چونکہ رات دن تو عبادت کرتا ہے تو یہ ایک عمل گویا اپنے اوپر مہلک تو نے رکھ لیا ہے۔ اتنی مشقت کیوں کرتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اے مادر مشفقہ میں کونسی بات سے اس امر سے نڈر ہو جاؤں کہ اگر خدا تعالیٰ نے مجھے کوئی گناہ کرتے دیکھ لیا ہو اور ناراض ہو گیا ہو اور یہ فرما دے کہ اپنی عزت و جلال کی قسم میں تجھ کو نہیں بخشوں گا! اور حضرت فضیل فرماتے ہیں کہ مجھے نہ کسی نبی مرسل کا غبط ہوتا ہے اور نہ فرشتے مقرب کا' نہ کسی بندے نیک کا کیونکہ ان لوگوں پر قیامت کو عتاب نہ ہوگا۔ مجھے تو صرف اس شخص پر رشک ہے جو پیدا ہی نہ ہوا ہو۔

ایک جوان انصاری کو خوف دوزخ ہوا تو ہمیشہ رویا کرتے۔ یہاں تک کہ رونے کے باعث گھر سے بھی نہ نکلتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ہاں تشریف لائے اور اسے گلے لگایا۔ وہ اسی وقت مر کر گر پڑا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو فرمایا کہ اپنے ساتھی کی تجہیز و تکفین کرو کہ خوف آتش نے اس کے جگر کو ٹکڑے کر دیا ہے۔

ابن ابی میسرہ جب اپنے بستر پر آتے تو کہتے کہ کاش! میری ماں مجھے نہ جنتی۔ ان کی ماں نے کہا "اے میسرہ اللہ نے تو تیرے اوپر احسان کیا کہ تجھے مسلمان کیا' پھر تو کیوں خائف ہے؟" انہوں نے کہا کہ اس کے احسان میں شک نہیں مگر اس نے ہم سے کہا ہے کہ ہم سب دوزخ میں جائیں گے اور یہ بیان نہیں کیا کہ اس میں سے نکل آئیں گے۔

فرقد سنجی کو کسی نے کہا کہ بنی اسرائیل کی کوئی بڑی عجب بات جواب دیا کہ بیت المقدس میں پانچ سو باکرہ عورتیں جن کا لباس کمبل اور ٹاٹ تھا' آئیں اور خدا کے ثواب و عذاب کر آپس میں ذکر کیا اور سب کی سب ایک ہی دن میں مر گئیں۔

حضرت عطائے سلمی بھی خائفین میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ سے کبھی جنت کا سوال نہ کرتے۔ صرف معافی کی درخواست کیا کرتے اور مرض میں ان سے لوگوں نے کہا کہ آپ کا دل کس چیز کو چاہتا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ دوزخ کے خوف نے میرے دل میں کسی چیز کی خواہش کی جگہ نہیں چھوڑی۔ کہتے ہیں کہ چالیس برس تک انہوں نے اپنا سر آسمان کی طرف نہیں اٹھایا تھا اور نہ کبھی اس عرصے میں ہنسے تھے۔ ایک دن سر آسمان کی طرف اٹھایا تو اتنا ڈرے کہ گر پڑے اور آنت پھٹ گئی۔ آپ کا دستور تھا کہ رات کو کسی وقت اپنا جسم ٹٹول لیا کرتے' اس خوف سے کہ کہیں مسخ تو نہیں ہو گیا۔ اور جب کبھی آندھی چلتی یا بجلی گرتی یا غلہ گراں ہوتا تو فرماتے کہ یہ سب آفتیں میرے سبب سے ہیں۔ اگر میں مرجاؤں تو لوگ راحت پائیں اور خود فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم عتبہ غلام کے ساتھ تھے اور ہم میں ایسے نوجوان اور ادھیڑ عمر کے لوگ تھے کہ عشا کے وضو سے صبح کی نماز پڑھتے۔ کثرت قیام سے ان کے پاؤں سوج گئے تھے اور آنکھیں اندر کو دھنس گئی تھیں اور پوست ہڈیوں کو جا لگا تھا۔ رگیں تار تار کی طرح معلوم ہوتی تھیں۔ ایسے ہو گئے تھے جیسے تربوز کے چھلکے کے اندر کچھ نہیں ہوتا گویا قبروں سے نکلے ہیں۔ یہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اطاعت کرنے والوں کو کیسی بزرگی دی اور نافرمانوں کو کیسے ذلیل کیا' اسی حال میں چلے جاتے تھے کہ اچانک ان میں سے ایک کا گزر ایک جگہ پر ہوا' فوراً بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ اس کے ساتھی گرد بیٹھ کر رونے لگے۔ سردی بہت شدت سے تھی مگر اس کی پیشانی سے پسینہ ٹپکتا تھا۔ جب منہ پر پانی کا چھینٹا دیا' اس کو ہوش آیا۔ اس سے ماجرا پوچھا' اس نے کہا کہ میں نے اس جگہ خدا کی نافرمانی کی تھی۔ جگہ دیکھ کر مجھے یاد آگئی اور خوف سے گر پڑا۔

صالح مری کہتے ہیں کہ میں نے ایک زاہد کے پاس یہ آیت پڑھی یوم تقلب وجوھھم فی النار یقولون یالیتنا اطعنا اللہ واطعنا الرسول (پ 22 الاحزاب 66) ترجمہ کنزالایمان: جس دن ان کے منہ الٹ الٹ کر آگ میں تلے جائیں گے کہتے ہوں گے ہائے کسی طرح ہم نے اللہ کا حکم مانا ہوتا اور رسول کا حکم مانا ہوتا۔ وہ بے ہوش ہوگیا او پھر ہوش آیا تو کہا کہ اے صالح اور پڑھ کہ مجھے رنج معلوم ہوتا ہے۔ میں نے ارادوا ان یخرجو منھا اعیدوا فیھا (پ 21 السجدہ 20) ترجمہ کنزالایمان: اس میں سے نکلنا چاہے گے پھر اس میں پھیر دیے جائیں گے۔ وہ شخص مردہ ہو کر گر پڑا۔

حکایت:۔ زراوہ بن ابی اوفی نے لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی۔ جب یہ آیت پڑھی فاذا نقر فی الناقور بے ہوش ہو کر گر پڑے اور مر گئے۔

یزید رقاشی حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس گئے۔ آپ نے فرمایا کہ اے یزید مجھے نصیحت کر۔ انہوں نے کہا اے امیر المومنین' تم وہ اول خلیفہ نہیں جو مر گئے یعنی تم سے پہلے بھی بہت سے خلیفہ مر چکے ہیں۔ آپ روئے اور فرمایا کہ اور نصیحت کیجئے۔ فرمایا کہ اے امیر المومنین تمہارے اور حضرت آدم علیہ السلام کے درمیان کوئی بزرگ ایسا نہیں جو مرا نہ ہو۔ آپ روئے اور فرمایا کچھ اور فرمائیے۔ انہوں نے فرمایا کہ اے امیر المومنین تمہارے اور جنت اور دوزخ کے درمیان میں کوئی منزل نہیں ایہ سن کر آپ بے ہوش ہو گئے۔

میمون بن مہران کہتے ہیں کہ جب یہ آیت اتری وان جھنم لموعدھم اجمعین حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چیخ ماری اور اپنا ہاتھ سر پر رکھ کر باہر نکل گئے۔ تین دن تک نہ پتہ چلا۔

حضرت داؤد طائی نے ایک عورت کو لڑکے کی قبر پر روتے دیکھا' کہہ رہی تھی بیٹا نہ معلوم تیری کون سی گال کو پہلے کیڑے نے کھایا۔ سنتے ہی آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

حضرت سفیان ثوری بیمار ہوئے۔ ان کا قارورہ ایک ذمی (کافر) طبیب کو دکھلایا گیا۔ اس نے کہا کہ اس شخص کے جگر کو خوف نے ٹکڑے کر دیا ہے۔ پھر نبض دیکھی' کہا کہ ملت اسلام میں اس جیسا آدمی مجھے معلوم نہیں ہوا۔

حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ میرے اوپر ایک دروازہ کھول دے۔ دعا قبول ہوئی اور خوف کا دروازہ مفتوح ہوا کہ میں نے اپنی عقل پر ڈر کر التماس کی (الٰہی میری طاقت کے مقدار سے) تب میرا مطمئن ہوا۔

حضرت عبداللہ بن عمر بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ گریہ کرو ورنہ رونی صورت بناؤ۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میرا دل ہے' اگر تم کو علم ہو جائے تو اتنا چیخو کہ گلا بند ہو جائے اور نماز اتنی پڑھو کہ پیٹھ ٹوٹ جائے۔

فائدہ:۔ اس قول میں گویا آپ نے اس حدیث شریف کے مضمون کی طرف اشارہ کیا لو تعلمون ما اعلم فضحکتم قلیلا ولبکیتم کثیرا ترجمہ: اگر تم جانو جو میں جانتا ہوں تو ہنسو گے کم اور روؤ گے بہت زیادہ۔

محدثین رحمتہ اللہ حضرت فضیل ابن عیاض رحمتہ اللہ کے دروازے پر جمع ہوئے۔ آپ نے ایک روشندان سے ان کی طرف سر نکالا۔ داڑھی آپ کی ہلتی تھی اور روتے تھے۔ فرمایا کہ لوگو قرآن پر مواظبت کرو اور نماز کو پڑھو۔ یہ وقت حدیث کا نہیں بلکہ یہ وقت رونے اور تضرع اور مسکنت اور ڈوبنے والے کی طرح دعا مانگنے کا ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ آدمی اپنی زبان کی حفاظت کرے اور اپنی جگہ کسی کو نہ بتائے اور اپنے دل کا علاج کرے۔ معلوم کو دستور العمل کرے جو نہ جانتا ہو' اس کا ترک کرے۔

حکایت:۔ ایک دفعہ آپ خوف سے حیران چلے جا رہے تھے۔ ان سے کسی نے پوچھا کہ آپ کہاں جاتے ہیں' فرمایا میں نہیں جانتا۔

ذر بن عمر نے اپنے باپ عمر بن ذر سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ دوسرے وعظ کرنے والوں کے وعظ سے لوگ نہیں روتے لیکن جب آپ وعظ کرتے ہیں تو ہر طرف سے رونے کی آواز سنتا ہوں؟ آپ نے فرمایا کہ جس عورت کا بچہ مرجائے' اس کا رونا اور جو اجرت لے کر روئے' اس کا رونا برابر نہیں ہوتا!

فائدہ:۔ ثابت ہوا کہ گریہ خوف کو دل میں تاثیر زیادہ ہے۔

حکایت:۔ بعض لوگ اس عابد کے پاس کھڑے تھے جو رو رہا تھا۔ اس سے پوچھا کہ خدا تم پر رحم کرے۔ رونے کا سبب کیا ہے؟ اس نے کہا کہ ایک خوف ہے جس کو ڈرنے والے اپنے دلوں میں پاتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ وہ کیا

ہے؟ فرمایا کہ خدا تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کے لیے جو ندا ہوگی' اس کا خوف ہے؟

فائدہ :- خواص روتے اور مناجات میں کہتے کہ الٰہی میں بوڑھا ہوا اور میرا بدن تیری عبادت سے کمزور ہوگیا تو مجھے آزاد کر دے۔

حکایت :- صالح مری کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ابن السماک میرے پاس آئے اور کہا کہ مجھے اپنی قوم کے عابدوں کی کوئی عجیب بات دکھلا دیں۔ میں ان کو ایک محلے میں ایک شخص کے پاس لے گیا جو ایک جھونپڑے میں رہتا تھا۔ ہم نے اس سے اجازت چاہی اور چلے گئے۔ دیکھا تو ایک شخص چٹائی بنا رہا تھا۔ میں نے اس کے سامنے یہ آیت پڑھی اذا الا غلال فی اعناقھم والسلاسل یسحبون فی الحمیم ثم فی النار یسجرون (پ 24 المومن 71'72) ترجمہ کنزالایمان :جب ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور زنجیریں گھسیٹے جائیں گے کھولتے پانی میں پھر آگ میں دہکائے جائیں گے۔ وہ شخص چیخ مار کر بے ہوش ہوگیا۔ ہم اسے ویسا ہی چھوڑ کر نکل آئے اور دوسرے کے گھر چلے گئے۔ اس کے پاس بھی میں نے یہی آیت پڑھی' وہ بھی چیخ مار کر بے ہوش ہو کر گرا' وہاں سے ہم تیسرے کے پاس چلے گئے اور اس سے اجازت چاہی۔ اس نے کہا کہ ہم کو ہمارے پروردگار سے نہ روکو تو چلے آؤ۔ اس کے پاس میں نے پڑھا ذلک لمن خاف مقامی وخاف وعید ترجمہ کنزالایمان : اس نے ایک نعرہ مارا اور اس کے نتھنوں سے خون نکلنے لگا اور اسی خون میں تڑپنے لگا۔ یہاں تک کہ خون خشک ہوگیا۔ اس کو بھی ہم ویسا ہی چھوڑ آئے۔ اسی طرح میں نے ابن السماک کو چھ شخصوں کے پاس پھرایا کہ ہر ایک کو بے ہوش چھوڑ کر اس کے پاس سے چلے آئے۔ پھر میں نے ان کو ساتویں کے پاس لایا اور اجازت چاہی تو جھونپڑے کے اندر سے کہا کہ چلے آؤ۔ دیکھا تو ایک بوڑھا اپنے مصلے پر بیٹھا ہوا ہے۔ اس کو ہم نے سلام کیا' وہ متوجہ نہ ہوا۔ میں نے زور سے کہا کہ خبردار لوگوں کو کل کھڑا ہونا ہے۔ بوڑھے نے کہا کہ کم بخت کس کے سامنے اتنا کہہ کر حیران منہ کھلا ہوا آنکھیں اوپر کو دیکھتا رہ گیا۔ ایک آواز پست اوہ اوہ کرنے لگا۔ یہاں تک کہ آواز بند ہوگئی۔ اس کی عورت نے کہا کہ اب اس کے پاس سے جاؤ کیونکہ اس وقت تم کو اس سے کچھ نفع نہ ہوگا۔ اس کی حالت کچھ اور ہوگئی ہے۔ پھر کچھ دنوں کے بعد میں نے وہاں کے لوگوں سے انہیں ساتوں بزرگوں کا حال پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ ان میں سے تین تو اچھے ہوگئے اور تین جاں بحق ہوئے اور بوڑھے کا یہ حال ہوا کہ تین دن تک ویسا ہی حیران اور مبہوت رہا کہ فرض بھی نہیں پڑھتا تھا۔ تین دن کے بعد ہوش آیا۔

(ابدال کا حال) زید بن الاسود کو لوگ ابدال جانتے تھے۔ انہوں نے قسم کھائی تھی کہ کبھی نہ ہنسوں گا' نہ کبھی لیٹ کر سوؤں گا' نہ کبھی گھی کی چیز کھاؤں گا وہ اس قسم پر اپنے مرنے تک قائم رہے۔

حکایت- حجاج نے حضرت سعید بن جبیر سے پوچھا کہ میں نے سنا ہے کہ تم کبھی نہیں ہنسے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہنسنے کی کیا صورت ہے؟ دوزخ گرم کی گئی ہے اور طوق ہیں اور فرشتے دوزخ کے مستعد و آمادہ کھڑے ہیں!

حکایت :- کسی نے حضرت حسن بصری سے پوچھا کہ اے ابوسعید آپ کی صبح کیسے ہوئی؟ آپ نے فرمایا کہ خیریت

کے ساتھ! اس نے پوچھا کہ آپ کا حال کیا ہے؟ آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ تو میرا حال پوچھتا ہے۔ یہ بتاؤ کہ اگر لوگ کشتی میں سوار ہو کر وسط سمندر میں پہنچیں اور کشتی ٹوٹ جائے اور ایک ایک آدمی ایک ایک تختے پر رہ جائے تو ان کا حال تمہارے خیال میں کیسا ہے؟ اس نے کہا یہ بہت سخت مصیبت ہے! آپ نے فرمایا کہ تو میرا حال ان کے حال سے بھی زیادہ سخت ہے!

حکایت :۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی ایک لونڈی ان کی خدمت میں حاضر ہوئی اور سلام کر کے ان کے گھر کی مسجد میں دو رکعت نماز پڑھی اور پھر اس کو نیند آگئی اور سو رہی اور خواب میں روئی۔ جب جاگی تو آپ کی خدمت میں عرض کیا اے امیر المومنین میں نے اس وقت عجیب معاملہ دیکھا۔ آپ نے پوچھا کیا معاملہ ہے؟ اس نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ دوزخ دوزخیوں کے لیے دھڑا دھڑ جل رہی ہے' پھر پل صراط لا کر اس کی پشت پر رکھی گئی۔ آپ نے فرمایا کہ پھر کیا ہوا؟ اس نے کہا کہ پھر عبدالملک ابن مروان کو لائے اور اس پل پر اس کو چڑھایا' وہ تھوڑا ہی جانے پایا کہ پل الٹ گئی اور وہ دوزخ میں جا گرا۔ آپ نے فرمایا کہ پھر اس نے کہا کہ پھر عبدالملک کے بیٹے ولید کو لائے اور اس کو پل پر لے گئے۔ وہ بھی تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ پل نے کروٹ لی اور وہ دوزخ میں جا گرا۔ آپ نے پوچھا کہ پھر' اس نے کہا کہ پھر سلیمان بن عبدالملک کو لائے اور پل پر چڑھایا گیا' وہ بھی تھوڑی دور چلا تھا کہ پل ترچھا ہو گیا اور دوزخ میں گر پڑا۔ آپ نے پوچھا کہ پھر' اس نے کہا کہ پھر میں نے دیکھا کہ آپ کو لائے۔ اس کا یہ کہنا تھا کہ آپ نے ایک دفعہ ایک ایسی چیخ ماری کہ بے ہوش ہو کر گر پڑے اور وہ لونڈی اٹھی اور ان کے کان میں پکار پکار کر کہنے لگی کہ اے امیر المومنین بخدا میں نے دیکھا کہ آپ بچ گئے۔ آپ نے نجات پائی۔ وہ کان میں چیختی رہی مگر آپ برابر نعرے مارتے تھے اور پاؤں زمین پر مارتے تھے۔

حکایت سیدنا اویس قرنی :۔ حضرت اویس قرنی قاص کے پاس آئے اور ان کے کلام سے روئے۔ جب وہ دوزخ کا ذکر کرتے تو آپ چیخ مارتے' پھر بھاگے چلے جاتے تو لوگ ان کو دیوانہ کہتے۔

حضرت معاذ بن جبل فرماتے ہیں کہ مومن کا خوف جب تک نہیں ٹھہرتا جب تک کہ دوزخ کے پل کو پیچھے نہ چھوڑے۔

حضرت طاؤس رحمتہ اللہ علیہ کے لیے بستر کیا جاتا تو لیٹتے تو گرم کڑاہی کے دانے کی طرح اس پر ادھر ادھر لوٹتے' پھر اس پر سے اچھل کر اس کو لپیٹ دیتے اور قبلہ کی طرف صبح تک متوجہ ہوتے اور کہتے تھے کہ دوزخ کے بیان نے خوف والوں کی نیند اڑا دی۔

حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ دوزخ میں سے ایک شخص ایک ہزار برس کے بعد نکلے گا' کیا اچھا ہو کہ وہ شخص میں ہوں اور یہ اس لیے فرمایا کہ آپ کو دوزخ میں ہمیشہ رہنے اور سوء خاتمہ کا خوف تھا۔

فائدہ :۔ کہتے ہیں کہ آپ چالیس سال نہیں ہنسے۔ راوی کہتا ہے کہ جب میں انہیں بیٹھا دیکھتا تو معلوم ہوتا کہ گویا قیدی ہے کہ اسے قتل کرنے کے لیے گرفتار کیا گیا ہے۔ جب آپ وعظ فرماتے تو معلوم ہوتا تھا کہ گویا آخرت کو دیکھ

رہے ہیں اور اس کا حال آنکھوں دیکھا بیان کرتے ہیں اور جب چپ ہوتے تو گویا آنکھوں کے سامنے آگ بھڑک رہی ہے اور جب ان پر اس شدت خوف و غم کا لوگوں نے عتاب کیا تو فرمایا کہ میں کیسے بے خوف ہو جاؤں' اس سے کہ خدا تعالیٰ نے اگر کوئی مجھ سے برائی دیکھ لی ہو اور مجھے برا جان کر فرمانے لگے کہ چلا جا' میں تجھ کو نہ بخشوں گا۔ تو پھر عمل کرنا میرا بے فائدہ ہے۔

حکایت:۔ حضرت ابن السماک فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مجلس میں وعظ کیا۔ ایک جوان نے اٹھ کر کہا' آپ نے آج ایک ایسا جملہ کہا ہے کہ اگر ہم اس کے سوا اور کچھ نہ سنتے تو کچھ پروا نہیں' میں نے پوچھا کہ وہ کیا جملہ ہے؟ اس نے کہا کہ آپ نے فرمایا ہے کہ خائفین کے دل کے دو خلود یعنی ہمیشہ کے ٹکڑے کیے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ جنت میں ہمیشہ رہنا ہے یا دوزخ میں۔ حضرت ابن السماک فرماتے ہیں کہ پھر وہ چلا گیا اور دوسرے وعظ میں' میں نے اس کو نہ پایا۔ لوگوں سے اس کا حال پوچھا تو معلوم ہوا کہ بیمار ہے۔ میں اس کی عیادت کو آیا اور پوچھا تیرا کیا حال ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اے ابو العباس یہ تمہارے اسی جملے سے ہوا کہ دو خلود یعنی خلود جنت' خلود دوزخ نے خائفین کے دل کے ٹکڑے کر ڈالے ہیں' پھر وہ شخص اسی مرض میں مر گیا۔ میں نے اس کو خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ خدا تعالیٰ نے تجھ سے کیا معاملہ کیا۔ اس نے کہا کہ مجھے بخش دیا اور رحم کر کے جنت میں داخل کیا' اسی جملہ کی برکت سے۔

خلاصہ:۔ انبیاء اور اولیاء و علماء اور صلحاء سب کے خوف کا حال تم نے سنا۔ جب ان لوگوں کا یہ حال ہوا تو ہم کو خوف کرنا زیادہ لائق ہے اور یہ کچھ ضروری نہیں کہ جب بہت گناہ ہوں تب خوف ہو بلکہ اگر قلب صاف اور معرفت کامل ہو تب بھی خوف زیادہ چاہیے ورنہ کثرت طاعت اور گناہوں کی کمی بے خوف ہو جانے کی مقتضی نہیں بلکہ بے خوف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ نفس شہوات کے مطیع ہوں اور بدبختی غالب اور غفلت اور سختی دل کی وجہ سے اپنے احوال کو نہ دیکھ سکتے ہوں' نہ موت کے پاس آنے سے جاگیں اور نہ کثرت گناہوں سے خوف زدہ ہوں' نہ خائفین کا احوال دیکھ کر عبرت پکڑیں' نہ اندیشہ خاتمہ کو دل میں جگہ دیں۔ اس صورت میں اگر خدا اپنے فضل سے ہمارے احوال کا تدارک فرما دے تو اصلاح ممکن ہے' اس لیے اسی بات کی اصلاح کے لیے دعا مانگتے ہیں بشرطیکہ صرف زبان دعا بلا استعداد کے مقبول ہو اور عجیب تر بات یہ ہے کہ جب ہم دنیا میں مال کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے کتنے لوازم جمع کرتے ہیں مثلاً ہل جوتتے اور بیج بوتے ہیں اور تجارت کرتے ہیں اور خشکی و تری میں کیسی کیسی خطرناک باتیں اختیار کرتے ہیں اور اگر علم میں کوئی مرتبہ حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے کتنی مشقتیں اٹھاتے ہیں اور کتابوں کی بحث و تکرار اور یاد کرنے میں راتوں کو جاگتے اور کو[illegible]ش کرتے ہیں۔ رزق کی تلاش میں کیا کیا محنتیں کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو کفالت اور ضمانت روزی دینے کی [illegible]ی ہے' اس پر یقین کر کے گھر پر نہیں بیٹھتے اور خدا تعالیٰ سے نہیں عرض کرتے کہ الٰہی روزی دے مگر جب ملک [illegible] اور سلطنت پائیدار آخرت پر نظر کرتے ہیں تو اس کے لیے صرف اسی پر کفایت کرتے ہیں کہ زبان سے کہہ لیا کہ الٰہی تو [illegible] کر' الٰہی تو رحم کر حالانکہ جس ذات کی طرف توقع ہے اور جس نام سے دھوکا کھائے ہوتے ہیں' وہ تو فرماتا ہے ان لیس للانسان الا ماسعی (پ 27 النجم 39) ترجمہ کنز الایمان: اور یہ کہ آدمی نہ پائے گا مگر اپنی کوشش۔ اور فرماتا ہے ولا یغرنکم باللہ

الغرور (پ 22 الفاطر 5) ترجمہ کنزالایمان : اور ہرگز تمہیں اللہ کے حکم پر فریب نہ دے وہ بڑا فریبی۔ اور فرمایا یاایھا الانسان ماغرک بربک الکریم (پ 30 الانفطار 6) ترجمہ کنزالایمان : اے آدمی تجھے کس چیز نے فریب دیا' اپنے کرم والے رب سے۔

انتباہ :- ان اقوال میں سے کسی سے بھی ہمیں تنبیہہ ہوتا ہے' کوئی بات بھی ہم کو ہمارے مغالطوں اور جھوٹی آرزوؤں سے نکالتی ہے۔ اگر خوب غور کرو تو یہ مفید بات ہے بشرطیکہ خدا تعالیٰ اپنے فضل سے توبہ خالص مرحمت فرمائے اور اس سے پناہ دے۔ ہم خدا سے دعا مانگتے ہیں کہ ہماری توبہ قبول کرے بلکہ یہ التجا ہے کہ شوق توبہ ہمارے دلوں کے اندر ڈال دے' صرف زبانی حرکت توبہ کی دعا کے لیے ہمارے لیے کافی نہ فرما دے ورنہ ہم ان لوگوں میں سے ہو جائیں گے جو کہتے ہیں اور نہیں کرتے اور سنتے ہیں' نہیں مانتے۔ جب وعظ تو رو پڑے اور جب کام کا وقت آیا تو پہلوتہی کر گئے۔ اس سے زیادہ رسوائی کی نشانی اور کیا ہوگی' خدا تعالیٰ ہم کو وحق اور رشد اپنے فضل سے عنایت کرے۔ اب ہم احوال خائفین کے مضمون کو اس حکایت ذیل پر کفایت کرتے ہیں۔

حکایت :- عیسیٰ بن مالک خولانی ایک بڑے اعلیٰ عابدوں میں سے ایک راہب کا حال کہتے ہیں کہ انہوں نے اس کو بیت المقدس کے دروازے پر غمگین صورت بنائے کھڑے دیکھا۔ سخت حیران تھا اور کثرت گریہ سے آنسو نہیں رکتا تھا۔ راوی کہتے ہیں کہ جب میں نے اسے دیکھا تو اس کی صورت سے ڈر گیا اور اس سے کہا کہ اے راہب مجھے وصیت کر کہ اسے یادگار رکھوں۔ اس نے جواب دیا کہ اے عزیز کیا نصیحت کروں سو کی ایک یہ ہے کہ اگر تجھ سے ہو سکے تو ایسی طرح رہو جیسے کسی کو چار طرف سے درندوں اور کیڑوں نے گھیر لیا ہو اور وہ ہراساں اور خائف رہتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ذرا سی غفلت ہو جائے تو درندے چیر ڈالیں یا چوک جائے تو نیشدار کیڑے کاٹ لیں۔ غرضیکہ رات بھر اس کا دل خوف و ہراس ہی میں رہتا ہے گو مغالطہ کھانے والے بے خوف ہوا کریں اور دن بھر رنج میں گزرتا ہے۔ اگرچہ نکمے لوگ خوش ہوا کریں' پھر وہ راہب مجھے چھوڑ کر کہیں چلا گیا۔ میں نے کہا کہ کچھ اور' اس نے کہا کہ پیاسے کو جتنا پانی مل جاتا ہے' وہی کافی ہوتا ہے۔

فائدہ :- یہ اس نے درست کہا' اس لیے کہ صاف دل کو تو ادنیٰ سا خوف کافی ہوتا ہے اور ٹیڑھے دل سے وعظ نصیحت کوسوں دور رہتی ہے اور اس نے جو مثال بیان کی کہ اس طرح رہو جیسے وہ شخص جس کے چاروں طرف درندے اور زہریلے کیڑے ہوں تو اس کو یوں نہ جاننا چاہیے کہ یہ مثال فرضی ہے بلکہ یہ صورت واقعی ہے کیونکہ اگر آدمی نور عقل سے اپنے باطن کو دیکھے تو معلوم ہوگا کہ انواع و اقسام کے درندے اور زہریلے جانور سے واسطہ پڑا ہے مثلاً غضب اور شہوت اور کینہ اور حسد اور کبر اور عجب اور ریاء وغیرہ جو ہمیشہ اس کو چیرتے اور نیش زنی کرتے رہتے ہیں بشرطیکہ ایک لمحہ بھی ان سے غافل رہے مگر یہ کہ آدمی کو ان کا نقصان اور ایذا دینا نہیں محسوس ہوتا۔ جب پردہ اٹھا لیا جائے گا اور آدمی قبر میں رکھا جائے گا' اس وقت دیکھے گا کہ یہ سب صفات اپنے اپنے معانی کی صورت بن کر آئیں گے'۔ اس وقت یہ نظر آئے گا کہ سانپ اور بچھوؤں نے قبر میں آکر بدن کو گھیر لیا حالانکہ نہ سانپ

ہوگا' نہ بچھو بلکہ یہی صفات جو زندگی میں ہیں' یہی ہوں گے۔ ان کی صورت اس دن محسوس ہوگی اگر یہ منظور ہو کہ ان کو مار ڈالنا چاہیے اور ان پر غالب ہونا چاہیے حالانکہ مرنے سے پہلے یہ بات انسان کے اختیار میں ہے تو اس سے ہرگز غفلت نہیں کرنی چاہیے ورنہ ان کا کاٹنا اور ایذا دینا جو ب دل میں یقین رکھ لینا چاہیے۔

فقر اور زہد

دنیا اللہ جل شانہ کی دشمن ہے۔ اس کے فریب میں بہت لوگ گمراہ ہوئے' اس کے مکر سے بہتوں کو لغزش ہوئی۔ اس کی دوستی خطا روز سیات کی جڑ ہے اور اس کی دشمنی طاعات و قربات کی اصل ہے۔ ہم نے اس کا حال اور ان کی دوستی کی مذمت اسی کتاب کے باب ذم دنیا جلد سوم میں مفصل لکھا ہے۔ یہاں اس سے باز رہنے اور اس میں زہد میں فضیلت ہے' کو ذکر کرتے ہیں کہ منجیات میں اصل وہی ہے کیونکہ نجات کی طمع دنیا سے علیحدگی اور دوری کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اس سے علیحدگی کی دو صورتیں ہیں۔ (1) وہ خود آدمی سے الگ ہو' اسے فقر کہتے ہیں۔ (2) اس سے کنارہ کشی کی جائے' اسے زہد کہتے ہیں اور ان دونوں چیزوں کو سعادات کے حاصل ہونے اور فوز و نجات پر مدد کرنے میں اثر ہے' اس لیے ہم ان دونوں کی حقیقت اور درجات و اقسام اور شرطیں اور احکام ذکر کرتے ہیں۔ اس بات میں دو فصل ہیں۔ فقر و زہد

حقیقت فقر:۔ فقر حاجت کی چیز کے نہ ہونے کا نام ہے۔ اسی لیے بے حاجت چیز کے نہ ہونے کو فقر نہیں کہتے اور اگر حاجت کی چیز موجود ہو اور اس پر آدمی قادر ہو تو اس کو کبھی فقیر نہ کہیں گے۔ جب یہ معلوم ہو چکا تو اب ظاہر ہے کہ ہر شے جو سوا خدا تعالیٰ کے موجود ہے' وہ فقیر ہے' اس لیے کہ ہر موجود چیز کو اپنے دوسرے وقت میں موجود ہونے کی حاجت ہے اور وجود کا ہمیشہ رہنا خدا کے فضل و احسان سے ہے۔ پس اگر ہستی کے پردے پر کوئی موجود ایسا ہو جس کا وجود دوسرے سے مستفاد نہ ہو تو وہ غنی مطلق ہے اور ایسا موجود سوا ایک ذات کے ہو نہیں سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ وجود میں غنی ایک ہی ہے اور اس کے سوا جتنے ہیں' وہ اسی کی طرف محتاج ہیں تاکہ ان کو دوام وجود کی مدد دے۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان فرمایا کہ اللّٰہ غنی وانتم الفقرا (پ 26 محمد 38) ترجمہ کنز الایمان: اور اللہ بے نیاز ہے اور تم سب محتاج۔

فائدہ:۔ یہ معنی فقر مطلق کے ہیں اور ہماری غرض فقر مطلق کے بیان سے نہیں بلکہ خاص فقر مال کا بیان کرنا منظور ہے ورنہ بندے کی حاجت کو باعتبار اس کی ضروریات کے اس کا بھی شمار نہیں ہو سکتا' اس لیے کہ ضروریات و حاجات بے شمار ہیں اور منجملہ اس کے حاجتوں کے وہ ہیں جو مال سے مل سکتی ہیں۔ پس انہیں کا بیان اس وقت مدنظر ہے' اس لیے کہتے ہیں کہ جو شخص مال نہیں رکھتا' اس کو ہم اس مال کے لحاظ سے فقیر کہتے ہیں جو اس کے پاس نہیں بشرطیکہ اس شخص کو اس مال مفقود کی طرف حاجت بھی ہو۔ فقر میں انسان کے پانچ احوال ہیں اور ہم ان سب میں امتیاز کے لیے جدا جدا نام رکھتے ہیں تاکہ ان کے احکام بھی علیحدہ علیحدہ بیان کر سکیں۔

حالت ا۔ یہ سب سے عمدہ ہے۔ یہ کہ سالک یوں ہو کہ اگر اس کے پاس مال آئے تو اس کو برا معلوم ہو

لور ایذا پائے لور اس سے بھاگے لور اس کے مشغول ہونے سے اجتناب کرے اور اس کے شر سے محترز رہے۔ ایسے شخص کو زاہد کہتے ہیں۔

حالت 2۔ یہ ہے کہ مال کی رغبت اتنی نہ ہو کہ جس کے حصول سے خوشی ہو اور نہ اتنی نفرت ہو کہ اس سے ایذا پائے یا اگر ملے تو چھوڑ دے۔ ایسے شخص کا نام راضی ہے۔

حالت 3۔ یہ ہے کہ مال کا ہونا اس کے نزدیک نہ ہونے کی نسبت محبوب ہو' اس وجہ سے کچھ مال کی رغبت رکھتا ہے مگر رغبت اتنا نہیں کہ اس کی طلب میں سرگرم ہو بلکہ اس قسم کی ہے کہ اگر بلا محنت و مشقت ملا تو لے کر خوش ہو جائے۔ اگر طلب میں کچھ مشقت کا محتاج ہو' اس میں مشغول نہ ہو۔ ایسی حالت والے کا نام قانع ہے کیونکہ اس نے موجود چیز پر قناعت کر کے طلب موقوف کی باوجودیکہ کسی قدر رغبت بھی تھی۔

حالت 4۔ یہ کہ طلب مال کو موقوف کرنا عاجزی کے باعث ہو ورنہ رغبت اتنی ہے کہ اگر کوئی سبیل تلاش کی ملے جو محنت ہی سے ملے تو اس کو ضرور طلب کرے یا طلب میں مشغول ہی ہو' ایسی حالت والے کو ہم حریص کہتے ہیں۔

حالت 5۔ یہ ہے کہ جو مال اس کے پاس نہیں' اس ضرورت میں مضطر ہو مثلاً بھوکے کے پاس روٹی نہ ہو اور ننگے کے پاس لباس نہ ہو' ایسی حالت والے کو ہم مضطر کہتے ہیں۔ اس کی رغبت طلب کے متعلق کسی طرح کی ہو۔ ضعیف ہو یا قوی اور یہ حالت عیب سے بہت کم جدا ہوتی ہے۔ پس یہ پانچ احوال ہیں جن میں سے اعلیٰ زہد ہے لور اضطرار کے ساتھ میں زہد ملا لیا جائے اور یہ صورت ممکن ہو تو ایسا حال زہد کے اقصیٰ درجات میں ہے لور ان پانچوں حالتوں سے بڑھ کر ایک اور حالت ہے جو زہد سے بھی اعلیٰ ہے' وہ یہ ہے کہ آدمی کے نزدیک ہونا اور نہ ہونا مال کا برابر ہو کہ آنے کی خوشی نہ جانے کا غم اور اس کا حال ایسا ہو جیسا حضرت عائشہ کا تھا' جب ان کے پاس ایک درہم کہ کسی سبب آئے تو لے لیے اور اسی روز تقسیم کر دیئے اور جب ان کی خادمہ نے عرض کیا کہ اگر آج کے درہموں سے آپ ایک درہم کا گوشت لے دیتیں تو اسی سے افطار کرتے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر پہلے یاد دلاتی تو ایسا ہی کرتی۔

فائدہ :۔ جس شخص کا حال ایسا ہو تمام دنیا اس کے قبضے اور خزانے میں ہو تو تب بھی اس کی کو ضرر نہ کرے گی' اس لیے کہ وہ شخص تمام خزانے کو خدا تعالیٰ کے قبضے میں جانتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مال اس کے قبضہ میں یا کسی دوسرے کے اس کے نزدیک برابر ہے۔ ایسی حالت والے کو مستغنی کہا جاتا ہے۔ اس لیے کہ وہ مال کے وجود لور عدم دونوں سے غنی ہے لور مستغنی کا معنی لفظ غنی سے علیحدہ سمجھنا چاہیے جو خدا تعالیٰ پر اور اس کے بندوں میں سے بہت سامان رکھنے والوں پر بولا جاتا ہے کیونکہ بندوں میں جس کے پاس مال زیادہ ہوتا ہے' وہ اس سے خوش ہوتا ہے تو وہ اس بات کا محتاج ہے کہ مال مذکور اس کے پاس رہے' ہر چند وہ مال کے قبضے میں آنے سے غنی ہے' تاہم اس کے باقی رہنے کا محتاج ہے' اس لیے وہ من وجہ فقیر ہے مستغنی وہ ہے جو مال کے قبضے میں آنے اور اس کے باقی

رہنے اور اس کے قبضے میں نکل جانے سے سب سے غنی ہے کیونکہ یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ اس کو مال سے ایذا نہیں ہوتی اور نہ خوشی ہوتی ہے۔ پس احتیاج قبضے سے نکالنے اور قبضے میں رکھنے کی دونوں نہ رہی اور یہ بھی نہیں کہ اس کے پاس نہ ہو تاکہ محتاج قبضے میں آنے کا ہو بہرحال مستغنی غنا عام ہے اور اسی وجہ سے ایسا شخص اس غنی سے جو وصف خداوندی ہے' قریب تر ہے اور ظاہر ہے کہ بندے کا قرب خدائے تعالیٰ سے اسی طرح ہے کہ صفات الٰہی میں قریب ہو۔ قریب مکانی تو ہوتا نہیں لیکن ہم ایسی حالت والے کو مستغنی ہی کہتے ہیں تاکہ لفظ غنی اس بات پر بول سکیں جس کو غناء مطلق ہر چیز سے ہو اور اس قسم کا بندہ اگرچہ مال کے وجود اور عدم سے مستغنی ہے مگر سوا اس کے اور چیزوں سے مستغنی نہیں' نہ مدد توفیق الٰہی سے مستغنی ہے جس سے اس کا استغناء باقی ہے۔

فائدہ:۔ استغنا بڑی نعمت ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس سے اس کے دل کو زینت دی ہے جو دل کہ مال کی محبت میں مقید رہتا ہے' وہ غلام ہے اور جو اس سے مستغنی ہے' وہ آزاد ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہی اس کو اس غلامی سے آزاد کیا ہے تو اس آزادی کے ہمیشہ رہنے کی حاجت اس کو ضروری ہے اور دل غلامی اور آزادی میں لحظہ بہ لحظہ بدلتے رہتے ہیں کیونکہ تمام دل خدا تعالیٰ کی انگلیوں کے درمیان ہیں' اس لیے ایسے شخص کو مطلقاً غنی کہہ دینا درحقیقت نہیں زیبا ہے۔ اگر کہا جائے تو مجازاً ہوگا۔

فائدہ:۔ زاہد ابرار کے درجے کا کمال ہے اور اس حالت والا یعنی مستغنی مقربین میں سے ہے تو ضروری ہوا کہ زاہد اس کے حق میں درجہ نقصان ہو' اس لیے کہ ابرار کی نیکیاں مقربین کی برائیاں ہوتی ہیں نیز دنیا کا برا جاننے والا بھی دنیا میں مشغول ہے جیسا اس کا رغبت کرنے والا ہے اور شغل ماسوا خدا تعالیٰ اس سے حجاب ہوتا ہے کیونکہ خدا کچھ فاصلے پر تو نہیں ہے کہ دوری اس کا حجاب ہو جائے بلکہ وہ تو آدمی کی رگ گردن سے بھی قریب تر ہے اور نہ خدائے تعالیٰ کسی مکان میں ہے تاکہ آسمان و زمین اس میں اور آدمی میں حجاب ہو جائیں تو اب ضرور ہے کہ حجاب اس میں اور آدمی میں بجز غیر اللہ کے ساتھ مشغول ہونے اور کوئی نہ ہو اور اپنے نفس کی شہوات میں مشغول ہونا بھی غیر اللہ کے ساتھ مشغول ہونے میں داخل ہے اور چونکہ آدمی ہمیشہ اپنے نفس اور شہوات میں مشغول رہتا ہے' اس لیے ہمیشہ خدا تعالیٰ سے محجوب رہتا ہے۔

خلاصہ:۔ جو شخص اپنے نفس کی محبت میں مشغول ہے' وہ خدا تعالیٰ سے منحرف ہے اور جو شخص اپنے نفس کے بغض میں ہے' وہ بھی خدا کے ساتھ مشغول نہیں۔

مثال:۔ اسے ایک مثال سے سمجھئے کسی مجلس میں عاشق و معشوق ہوں تو عاشق کا دل رقیب کی طرف اور اس سے بغض کی طرف اور اس کے آنے کو برا جاننے کی طرف متوجہ ہوگا اور چونکہ وہ ان واہیات اور فضول امور میں مصروف ہے' لذت مشاہدہ معشوق سے محروم رہے گا اور اگر عشق میں مستغرق ہوگا تو غیر سے غافل ہوگا اور اس کی طرف توجہ نہ کرے گا۔ غرض کہ جس طرح معشوق کے ہوتے ہوئے دوسرے کو محبت کی راہ سے دیکھنا عشق کی راہ میں شرک اور موجب نقصان ہے' اسی طرح بغض کی راہ سے بھی دوسرے کو دیکھنا معشوق کے ہوتے ہوئے عشق

میں شرک و نقصان ہے۔ اگرچہ نقصان بہ نسبت اول کے خفیف تر ہے' تاہم پورا کمال نہیں اور کمال پورا یہ ہے کہ قلب محبوب کے سوا اور کسی کی طرف نہ دوستی کی وجہ سے نظر کرے' نہ دشمنی کی وجہ سے کیونکہ جیسے ایک دل میں دو محبت ایک حالت میں جمع نہیں ہوتے' ایسے ایک ہی حالت میں دوستی اور دشمنی بھی جمع نہیں ہوتی۔ پس جو شخص دنیا کی دشمنی میں مشغول ہے' وہ بھی خدا سے غافل ہے۔ جیسے وہ شخص کہ اس کی دوستی میں مشغول ہے مگر اتنا فرق ہے کہ جو دنیا کی دوستی میں مشغول ہے' وہ غافل ہے اور اپنی غفلت میں راہ بعد طے کرتا ہے اور جو اس کی دشمنی میں مصروف ہے' وہ بھی غافل ہے مگر غفلت میں طریق قرب پر راہ چلتا ہے' اس لیے کہ ایسے شخص کے لیے توقع ہے کہ اس کا حال انجام کو ایسا ہو جائے کہ یہ غفلت جاتی رہے اور صرف حضور اور مشاہدہ میسر ہو جائے۔ بہرحال درجہ کمال ایسے شخص کے لیے متوقع ہے بایں وجہ کہ بغض دنیا ایک سواری ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف پہنچاتی ہے۔

مثال :۔ دنیا سے محبت اور بغض والوں کی یہ مثال ہے جیسے دو شخص راہ حج میں سواری پر سوار ہوتے اور اس کے گھاس دانے کی خبرگیری اور ہانکنے میں مشغول ہوں مگر ایک تو کعبے کی طرف منہ کرکے جاتا ہو اور دوسرا پیٹھ پھیر کر دوسری طرف جاتا ہو تو یہ دونوں شخص اس بات میں برابر ہیں کہ کعبے سے محجوب اور اس سے غافل اور اپنی سواری کی فکر میں شاغل ہیں لیکن جو کعبہ کی جانب جاتا ہے' اس کا حال دوسرے کی نسبت اچھا ہے جو پشت کعبہ کو چلتا ہے۔ اس کو کبھی پہنچنا نصیب نہ ہوگا مگر شخص اول کا حال اگر بلحاظ اس شخص کے جو کعبے میں معتکف ہے اور اس میں سے باہر ہی نہیں جاتا کہ حاجت سواری فکر کی پہنچنے کے لیے پڑے تو اس کی نسبت اچھا نہیں۔

فائدہ :۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ تصور کرنا چاہیے کہ دنیا سے بغض کرنا مقصود بالذات نہیں ہے بلکہ یوں سمجھنا چاہیے کہ دنیا خدا سے روکنے والی چیز ہے' اس تک پہنچنا اس کے دفع کرنے کے بغیر ممکن نہیں۔

حضرت ابو سلیمان دارانی کا قول :۔ جو شخص دنیا میں زہد کرے اور اسی پر کفایت کر سکے تو جلدی راحت چاہتا ہے بلکہ اس کو چاہیے کہ آخرت میں مشغول ہو۔

فائدہ :۔ اس قول میں بتلا دیا کہ راہ آخرت کا چلنا زہد کے سوا ہے جیسے طریق حج کا چلنا اور ہے اور قرض خواہ مانع حج کا دفع کرنا اور اس تقریر سے ظاہر ہوا کہ دنیا میں زہد کرنے سے اگر مقصود یہ ہے کہ اس کے وجود اور عدم دونوں میں رغبت نہ ہو تب تو یہ نہایت درجہ کا کمال ہے اور اگر صرف اسکے نہ ہونے کی رغبت منظور ہو تو یہ درجہ بہ نسبت درجہ راضی اور قانع اور حریص کے تو کمال گنا جائے گا مگر مستغنی کے درجے کی نسبت ناقص رہے گا بلکہ مال کے حق میں کمال ہے یہی کہ انسان کے نزدیک مال اور پانی برابر ہو۔ ہمسایہ کے پاس پانی کثرت نقصان دہ نہیں مثلاً کوئی شخص دریا کے کنارہ پر ایسے ہی پانی کی قلت سے ایذا ہو بشرطیکہ قدر ضرورت سے کم نہ ہو باوجود یکہ پانی اور مال دونوں حاجت کی چیزیں ہیں تو جیسے بہت سا پانی دیکھ کر اس کے پڑوس سے بھاگنے میں مشغول نہیں ہوتا' نہ اس کو برا سمجھتا ہے بلکہ دل میں کہتا ہے کہ اس سے بقدر حاجت میں بھی پیوں گا اور خدا کے بندوں کو بھی پلاؤں گا اور کسی پر بخل نہ کروں گا۔ اسی طرح کا مال کا حال بھی ہونا چاہیے' اس لیے کہ روٹی اور پانی حاجت کے بارے میں ایک ہیں۔ فرق

صرف ایک کی قلت اور دوسرے کی کثرت کا ہے اور جب آدمی خدا تعالیٰ کو پہچانے اور جس تدبیر سے اس نے انتظام عالم کیا ہے' اس کو جانے تو معلوم ہو جائے کہ جب تک وہ زندہ رہے گا' اس کو بقدر حاجت روزی ضرور پہنچے گی جیسے بقدر حاجت پانی آتا ہے۔ چنانچہ اس کا بیان عنقریب باب توکل میں ضرور آئے گا۔ (ان شاء اللہ)

حکایت :۔ ابی الحواری کہتے ہیں کہ میں نے ابو سلیمان دارانی سے کہا کہ حضرت مالک بن دینار نے مغیرہ سے فرمایا کہ وہ کوزہ جو تو نے مجھے تحفہ دیا ہے' لے لے۔ اس لیے کہ شیطان مجھے وسوسہ ڈالتا ہے کہ اس کو چور لے گیا۔

فائدہ :۔ ابو سفیان نے فرمایا کہ یہ بات صوفیہ کے دلوں کے ضعف کی دلیل ہے۔ مالک نے دنیا میں زہد کیا' اگر کوئی کوزہ لے جاتا تو ان کو کیا تھا۔ اس سے غرض یہ ہوئی کہ کوزہ کے گھر میں رہنے کی کراہت میں بھی اس کی طرف التفات پایا جاتا ہے جس کا سبب ضعف اور نقصان ہے۔

سوال :۔ جب نفرت دنیا داخل کمال نہیں تو انبیاء اور اولیاء کیوں شدت سے متنفر اور بھاگتے رہے؟

جواب :۔ ان کا بھاگنا ایسا ہے جیسے پانی سے بھاگنا یعنی پانی کو مقدار حاجت پی لیا اور جس قدر بچا' اس کو مشکوں وغیرہ میں بھر کر اپنے ساتھ لیے نہ پھرے بلکہ نہروں اور کنوؤں اور چشموں میں ہی ان لوگوں کے لئے چھوڑ دیا جن کو اس کی ضرورت ہو' نہ اس وجہ سے کہ ان کے دل اس کی دوستی یا دشمنی میں مصروف تھے۔ مثلاً زمین کے خزانے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ انہوں نے لے کر ان کے محل اور موقع پر خرچ کر دیئے' ان سے بھاگے نہیں کیونکہ ان کے نزدیک مال اور پانی اور سونا اور قلعی برابر تھے اور کسی سے مال کے لینے سے انکار منقول ہے تو وہ ایسے سالک سے منقول ہے کہ اسے خوف ہوا کہ اگر مال لوں گا تو شاید مال کے فریب میں آ کر دل کا مقید ہو جاؤں گا اور شہوات کی طرف بلائے گا اور یہ حال ضعیفوں کا ہے۔ پس ان کے حق میں مال کی دشمنی اور اس سے بھاگنا ہی کمال ہے اور تابع مخلوق کے لیے ایسا ہی حکم ہے' اس لیے کہ سوائے انبیاء اور اولیاء اور علماء باعمل کے سب ضعیف ہیں' ہاں شخص قوی سے منقول ہے جو درجہ کمال کا پہنچا ہو۔ اس کے انکار کی وجہ یہ تھی کہ نفرت اور انکار اس لیے ظاہر کیا کہ ضعف دیکھ کر پیروی کریں اور مال نہ لیں ورنہ لینے کی پیروی میں ان کی بربادی متصور ہے۔ جیسا کہ سانپ کا منتر والا اپنی اولاد کے سامنے سانپ سے بھاگتا ہے۔ اس کا بھاگنا اس وجہ سے نہیں کہ وہ سانپ پکڑنے سے عاجز ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ سانپ پکڑتے میری اولاد دیکھے گی تو وہ بھی پکڑیں گے اور ہلاک ہوں گے۔ اسی طرح انبیاء اور اولیاء اور علماء بھی ضعیفوں میں ضعیفوں سا حال بنا لیتے ہیں تاکہ ان کی اقتداء کی جائے۔

خلاصہ :۔ مراتب چھ ہیں جن میں سب سے اعلیٰ رتبہ مستغنی کا ہے' پھر زاہد' اس کے بعد رضی' اس کے بعد قانع' پھر حریص کا' ہاں مضطر تو اس کے بارے میں زاہد اور رضا اور قناعت کا تصور ہو سکتا ہے اور ان احوال کے اختلافات کے بموجب اس کا مرتبہ مختلف ہوتا ہے مگر فقیر ان پانچوں زاہد اور راضی و قانع و حریص و مضطر کو کہہ سکتے ہیں لیکن مستغنی کو اس معنی میں فقیر نہیں کہہ سکتے۔ اگر اس کو فقیر کہیں گے تو اس اعتبار سے کہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف ہر ایک

چیز میں محتاج ہے بالخصوص اپنے استغنا میں مال سے' پس مستغنی کو فقیر کہنا ایسا ہے جیسا وہ شخص کہ اپنے نفس کو پہچانے کہ خدا کا بندہ ہے اور اقرار بھی عبودیت کا کرے تو ایسے شخص پر بندے کا اطلاق عاشقوں کی بہ نسبت زیادہ شایاں ہے گو بندہ کا لفظ تمام خلق کے لئے عام ہے۔ اسی طرح لفظ فقیر بھی عام ہے اور جو شخص اپنے نفس کو جانے کہ اللہ تعالیٰ کا فقیر یعنی محتاج ہے تو اس کو فقیر کہنا زیادہ اچھا ہے۔

فائدہ:۔ لفظ فقیر دونوں معنی میں مشترک ہے اور جب یہ معلوم ہوا تو ثابت ہوا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فقیر کے بارے میں یہ فرمایا کہ اعوذ بل من الفقر اور فرمایا الفقران یکون کفرا "میں فقر سے پناہ مانگتا ہوں۔" اس دعائے نبوی کے مخالف نہیں اللھم احینی مسکینا وامتنی مسکینا کیونکہ اول میں مضطر کا فقر مراد ہے جس سے کہ آپ نے پناہ مانگی ہے اور جس فقر کی دعا مانگی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اقرار مسکنت اور ذلت اور احتیاج کا خدا کی طرف سے ہے' لہذا دونوں حدیثوں میں مخالفت نہیں۔

فضائل فقر:۔ آیات قرآنی سے فضیلت فقر ثابت ہے۔ للفقراء المہاجرین الذین اخرجوا من دیارھم واموالھم یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا وینصرون اللہ ورسولہ اور فرمایا للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ لا یستطیعون ضربا فی الارض (پ 3 البقرہ 273) ترجمہ کنز الایمان: ان فقیروں کے لئے جو راہ خدا میں روکے گئے زمین میں چل نہیں سکتے۔ سیاق کلام مدح کے طور پر فرمایا مفقر کی صفت اور گھر جانے کے وصف سے مقدم فرمایا اور اس تقدیم سے ظاہر فقر کی مدح پائی جاتی ہے۔

احادیث مبارکہ:۔ حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے پوچھا کہ لوگوں میں سے کون بہتر ہے؟ عرض کیا کہ جو مالدار ہو اور اللہ کا حق نفس و مال میں ادا کرتا ہو۔ آپ نے فرمایا کہ یہ شخص اچھا ہے مگر جس کو میں نے پوچھا ہے' وہ نہیں۔ پھر صحابہ نے عرض کیا کہ پھر کون شخص بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا فقیر یعطی جہدہ "وہ فقیر جو اپنی محبت راہ خدا میں دے۔"

حضرت بلال کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الق اللہ فقیرا ولا تلقیہ غنیا ترجمہ: اللہ عزوجل سے اس طرح مل کے فقیر ہو نہ کہ غنی۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان اللہ یحب الفقیرا المعفف ابا العیال ترجمہ: اللہ عزوجل ایسے فقیر کو پسند فرماتا ہے جو عیال دار ہوتے ہوئے بھی سوال نہ کرے۔

حدیث شریف مشہور ہے یدخل فقراء امتی الجنتہ قبل اغنیاء ھم بخمسماتہ "حدیث میں چالیس خریف یعنی چالیس سال آئے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فقیر حریص غنی حریص کی نسبت چالیس سال پہلے جائے گا اور فقیر زاہد غنی راغب کی نسبت پانچ سو برس پہلے جنت میں داخل ہوگا اور ہم نے جو درجات فقر کا اختلاف ذکر کیا ہے' اس سے تم کو قطعا" فرق فقراء کے درجات کا ذہن میں آیا ہوگا اور اس تحریر بالا سے معلوم کر لو گے کہ فقیر حریص کا درجہ فقیر بہ نسبت زاہد کی نسبت ساڑھے بارہواں ہے جو کہ نسبت چالیس کو ہے۔ پانسو کی طرف یہ گمان نہ

کرنا چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مقدار معین فرمائی تو بحسب اتفاق یا زبان سے نکل گئی ہے بلکہ آپ تو
ہربات میں حقیقت بیان فرماتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' وما ینطق عن الھوٰی ان ھوا لا وحی یوحٰی (پ
27 النجم 3'4) ترجمہ کنزالایمان: اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو ہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے۔
اور ان درجات فقر کے باب میں جو تعین ہے' وہ ایسی ہے جیسے آپ نے فرمایا ہے الرویا الصالحۃ جزء من ستۃ
بعین جزء من النبوۃ اس میں جو سچے خواب کو چھیالیسواں حصہ نبوت کا فرمایا ہے تو یہ انداز درحقیقت ایسا ہی ہے
لیکن آپ کے سوا کسی کی مجال نہیں کہ اس نسبت کی وجہ سوائے تخمین کے جان لے کہ واقعی علت کسی کو معلوم
نہیں ہو سکتی۔

فائدہ:۔ نبوت اس کو کہتے ہیں جو نبی سے خاص ہو اور اسی کے باعث نبی اور لوگوں سے علیحدہ بھی ہو اور نبی میں
بہت سے خواص ہوتے ہیں۔ اول تو یہ کہ جو امور خدا تعالیٰ سے اور اس کی صفات اور فرشتوں اور دار آخرت سے
متعلق ہوں' ان کا احوال واقعی جانتا ہو نہ اس طرح کہ جیسے اور لوگ سمجھتے ہیں بلکہ کثرت معلومات اور زیادتی یقین و
تحقیق اور کشف میں عوام کے مخالف ہو۔ دوسرے یہ کہ نبی کے نفس میں وہ صفت ہوتی ہے کہ جس سے افعال
عادات کے خلاف پورے ہوتے ہیں۔ جس طرح ہم میں ایک صفت ہے کہ اس کے باعث ہمارے ارادے اور اختیار
یعنی قدرت سے پورے ہوتے ہیں گو قدرت اور مقدور سب اللہ تعالیٰ کے افعال سے ہیں۔ تیسرے یہ کہ نبی میں
ایک ایسی صفت ہوتی ہے جس کے باعث فرشتوں کو دیکھ لیتا ہے۔ جیسا بینا آدمی میں مثلاً ایک صفت ایسی ہے جو
اندھوں میں نہیں' وہ یہ ہے کہ محسوسات کو دیکھ لیتا ہے۔ چوتھی صفت یہ ہے کہ نبی میں وہ خاصیت ہوتی ہے جس
سے غیب کا حال اس کو خواب یا بیداری میں معلوم ہو جاتا ہے یعنی اس خاصیت کے باعث لوح محفوظ کا مطالعہ کرلیتا
ہے اور کچھ اس میں غیب کا حال لکھا ہوتا ہے' اس کو معلوم کرلیتا ہے۔ پس یہ کمالات و صفات ایسے ہیں کہ ان کا
ثبوت انبیاء کے لیے ظاہر ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ان میں سے ہر ایک خاصیت کئی اقسام میں منقسم ہو سکتی ہے
اور ہم بھی اس کی تقسیم اگر چالیس اور ساٹھ وغیرہ تک کرنا چاہیں تو کرسکتے ہیں بلکہ اگر تکلف کریں تو ہو سکتا ہے کہ
تمام صفات متعلقہ نبی علیہ السلام کو چھیالیس ثابت کر دیں تاکہ سچے خواب چھیالیسواں حصہ نبوت کا ہوں مگر تقسیمات
کے طریقوں کا معین کرنا بغیر ظن اور تخمین کے نہ ہوگا تو اچھی طرح معلوم نہ ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
بھی چھیالیسواں حصہ اسی تقسیم کی وجہ سے مراد لیا ہے یا نہ ہاں صفات کلی جن سے نبوت کامل ہوتی ہے' وہ معلوم ہیں
اور ان کے منقسم ہونے کی اصل معلوم ہے مگر اس سے مقدار خاص مقرر کرنے کی وجہ معلوم نہیں ہو سکتی۔ اسی
طرح حدیث مذکور میں ہم جانتے ہیں کہ فقراء کے بہت سے درجات ہیں جیسے پہلے معلوم ہوا مگر یہ فقیر حریص کا درجہ
فقیر کی یہ نسبت ساڑھے بارھواں حصہ کیوں ہوا جس کی وجہ سے اول تو صرف چالیس سال پہلے غنی سے رہے گا اور
دوسرا پانچ سو برس کے تقدم کے لائق ہوگا تو اس کا جاننا سوائے انبیاء علیہم السلام کی طاقت بشری سے خارج ہے البتہ
اگر کوئی کچھ کہے گا تو گمان سے کہے گا جس پر اعتماد واثق نہ ہوگا۔ اس سے ہماری غرض یہ ہے کہ کوئی ضعیف الایمان
یہ نہ سمجھے کہ آپ نے جو مقادیر مقرر فرمائے ہیں' وہ قیود اتفاقی ہیں کیونکہ منصب نبوت ایسی باتوں سے مبرا ہے تو یہی

جان لینا چاہیے کہ اندازہ جو کچھ آپ نے فرمایا ہے وہ بجا اور درست ہے۔ اب اصل غرض کی طرف متوجہ ہوتے ہیں یعنی احادیث فقر کے مدح کی لکھتے ہیں۔

احادیث فضائل فقر:۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس امت کے بہترین لوگ فقراء ہیں اور جنت میں تیزی سے جانے والے ضعفاء ہیں۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے دو طریقے ہیں' ان سے جنہیں محبت ہے' انہیں مجھ سے محبت ہے اور جنہیں ان سے بغض ہے' انہیں مجھے سے بغض ہے' فقر اور جہاد۔

حضرت جبریل علیہ السلام حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے محمد اللہ عزوجل سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ کیا تم کو پسند ہے کہ میں ان پہاڑوں کو سونے کا کردوں جہاں تم رہو' تمہارے ساتھ رہا کریں۔ پس حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ساعت سر جھکا لیا' پھر فرمایا کہ اے جبریل دنیا اس کا گھر ہے جو بے گھر ہو اور مال اس کا مال ہے کہ جس کا مال نہ ہو اور دنیا بے عقل جمع کرتا ہے۔

حدیث عیسیٰ علیہ السلام:۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے سفر میں ایک سوتے آدمی کے پاس سے گزرے جو ایک کملی میں لپٹا ہوا تھا۔ آپ نے جگایا اور فرمایا کہ اے سونے والے اٹھ اور خدا کا ذکر کر۔ اس نے کہا کہ آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟ میں نے دنیا کو اس کے اہل کے لیے چھوڑ دیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اے حبیب اب تم سو رہو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک شخص پر گزرے جو مٹی پر سوتا تھا اور سر کے نیچے اینٹ تھی اور چہرے اور داڑھی پر خاک تھی اور اونی تہبند باندھے تھا۔ آپ نے جناب باری میں عرض کیا کہ الٰہی تیرا یہ بندہ دنیا میں ضائع ہے۔ حکم ہوا کہ اے نبی آپ کو معلوم نہیں کہ جب میں اپنے کسی بندے کی طرف سارے منہ سے توجہ کرتا ہوں تو اس سے تمام دنیا کو علیحدہ کر دیتا ہوں۔

حکایت روایت:۔ ابو رافع سے روایت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں ایک مہمان وارد ہوا۔ آپ کے پاس اس وقت اس کی خاطرداری کی کوئی چیز نہ تھی۔ آپ نے مجھ کو خیبر کے ایک یہودی کے پاس بھیجا اور فرمایا کہ اس سے کہنا کہ رجب کے مہینے کے وعدے پر ہم کو آٹا خواہ قرض دے یا پھر فروخت کرکے اس کے دام وعدے پر لے۔ میں نے اس یہودی کے پاس آکر پیام سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کا ادا کیا۔ اس نے کہا کہ میں بدون رہن کے نہیں دوں گا۔ میں نے آپ کی خدمت میں ماجرا عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ آگاہ رہو' بخدا کہ میں آسمان والوں میں امین ہوں اور زمین والوں میں امین ہوں۔ اگر وہ شخص میرے ہاتھ بیچتا یا قرض دیتا تو میں ادا کر دیتا۔ جا میری زرہ لے جا اور گروی کر دے۔ پس جب میں نکلا تو یہ آیت اتری ولا تمدن عینیک الی ما متعنا بہ ازواجا منھم زھرۃ الحیوۃ الدنیا لنفتنھم فیہ ورزق ربک خیر وابقیٰ (پ 16 طہ 131) ترجمہ کنز الایمان: اور اے سننے والے اپنی آنکھیں نہ پھیلا اس کی طرف جو ہم نے کافروں کے جوڑوں کو برتنے کے دی ہے جیتی دنیا کی تازگی' کیا ہم نے اس کے سبب فتنہ میں ڈالے اور تیرے رب کا رزق سب سے اچھا اور سب سے دیرپا ہے۔

فائدہ:- اس میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا مطلوب ہے۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فقر مومن پر زائد زینت ہے بہ نسبت زین والے گھوڑے کے۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی اس حال میں صبح کرے کہ اس کا جسم تندرست ہو اور اسے اپنے نفس پر اطمینان ہو اور اس کے پاس ایک دن کی خوراک موجود ہو تو گویا اس نے تمام دنیا سمیٹ لی۔

اقوال اسلاف صالحین:- حضرت کعب احبار فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ اے موسیٰ جب تو فقیر کو آتے دیکھے تو یوں کہہ کہ خوب ہوا کہ صلحا کا شعار آیا۔

عطاء خراسانی کہتے ہیں کہ ایک نبی علیہ السلام کنارہ دریا پر تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ ایک شخص شکار کھیلتا تھا۔ اس نے بسم اللہ کہہ کر جال ڈالا مگر کچھ نہ نکلا۔ پھر ایک دوسرے شخص کے پاس سے گزر ہوا۔ اس نے جال بسم الشیطان کہہ کر پھینکا کہ اس میں اس قدر مچھلیاں آئیں کہ کثرت سے ان کے پکڑنے سے پہلوتہی کرتا تھا۔ آپ نے جناب باری میں عرض کیا کہ الٰہی یہ کیا بات ہے۔ یہ تو میں جانتا ہوں کہ سب تیرے ہی قبضہ قدرت میں ہے۔ خدا تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ میرے بندے کے لیے ان دونوں کا مرتبہ دکھلا دو۔ جب آپ نے پہلے شخص کی بزرگی اور دوسرے کی اہانت اور ذلت کا مشاہدہ کیا تو فرمایا کہ الٰہی میرا اطمینان ہو گیا۔

حدیث شریف:- نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے جنت میں جھانکا تو اکثر اس کے لوگوں کو فقیر دیکھا اور دوزخ میں جھانکا تو اس میں لوگ اکثر غنی اور عورتیں نظر آئیں۔

حدیث:- ایک روایت میں ہے کہ میں نے پوچھا غنی کہاں ہیں، حکم ہوا کہ ان کو غنا نے رد کر دیا اور مقید کیا۔

روایت میں ہے کہ اکثر دوزخ والوں کو میں نے عورتیں دیکھیں۔ میں نے پوچھا کہ ان کا کیا حال ہے یعنی یہ سب دوزخ میں کیوں گئیں۔ حکم ہوا دو سرخ چیزوں میں رہنے سے سونا اور زعفران۔ حدیث شریف میں ہے کہ مومن کا تحفہ دنیا میں فقیر ہے۔

انبیاء علیہم السلام میں سب سے بعد کو جنت میں حضرت سلیمان علیہ السلام جائیں گے۔ اپنی سلطنت کی وجہ سے اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے حضرت عبدالرحمان بن عوف اپنی دولت کی وجہ سے سب کے بعد جنت میں جائیں گے۔

میں نے دیکھا کہ عبدالرحمن جنت میں آہستہ آہستہ چل کر داخل ہوا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ غنی جنت میں شدت یعنی بڑی محنت سے داخل ہو گا اور ایک حدیث میں جو اہل بیت سے مروی ہے، وارد ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا احب اللہ عبدا ابتلاہ فاذا احب الحب البالغ اقتناہ۔ لوگوں نے اقتناہ کے معنی پوچھے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کے لیے نہ اہل چھوڑا نہ مال۔

حدیث میں ہے کہ جب تو فقر کو آتے دیکھے تو کہہ کہ مرحبا ۔شعار الصالحین کہو۔ جب غنا کو آتے دیکھے تو کہہ کہ کسی گناہ کا عذاب جلد آگیا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جناب باری میں عرض کیا کہ الٰہی تیری مخلوق میں سے تیرے دوست کون لوگ ہیں؟ مجھے معلوم ہوں تو میں بھی ان کو تیری خاطر دوست رکھوں؟ حکم ہوا کہ کل فقیر فقر یعنی میرے دوست ہر ایک فقیر محتاج ہیں۔ دوبارہ فرمانا فقیر فقیر تاکید ہے یا دوسرے فقیر سے سخت مصیبت والا مراد ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں مسکنت کو پسند کرتا ہوں اور دولت کو برا جانتا ہوں۔ اگر کوئی آپ کو یا مسکین کہہ کر پکارتا تو اس کو سب ناموں سے اچھا جانتے۔

جب سرداروں اور عرب کے تونگروں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ ایک دن ہمارے لیے مقرر کر دیجئے۔ ایک دن فقرا یعنی حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے اور سلمان فارسی اور صہیب رومی اور ابوذر غفاری اور جناب بن ارت اور عمار بن یاسر اور ابو ہریرہ اور فقراء اصحاب صفہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لیے جس دن وہ آپ کے پاس آئیں تو ہم نہ آئیں اور ہم آئیں تو وہ نہ آئیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان لوگوں کا لباس اون کا ہوتا تھا۔ گرمی کی شدت میں پسینہ نکلتا تو کپڑوں سے بدبو پیدا ہوتی اور دولتمندوں (قرع بن حابس تمیمی اور عینیہ بن بدر فزاری اور عباس بن مرداس وغیرہ) کو ان کی بو سے ایذا ہوتی تھی۔ اس لیے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کی۔ آپ نے ان کی درخواست کی پذیرائی فرمائی کہ اچھا ایک مجلس میں دونوں فریق کو جمع نہ کریں گے تو یہ آیت اتری واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغداوۃ والعشی یریدون وجھہ ولا تعد عیناک عنھم ترید زینتہ الحیوۃ الدنیا ولا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا (پ 15 الکھف 28) ترجمہ کنزالایمان: اور اپنی جان ان سے مانوس رکھو جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اس کی رضا چاہتے ہیں اور تمہاری آنکھیں انہیں چھوڑ کر اور پر نہ پڑھیں کیا تم دنیا کی زندگانی کا سنگھار چاہو گے اور اس کا کہنا نہ مانو جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کردیا اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا اور اس کا کام حد سے گزر گیا۔ یعنی فقراء کے ساتھ رہو اور اغنیاء کی اطاعت نہ کرو اور دوسری جگہ ارشاد ہے وقل الحق من ربکم یعنی فقراء کے ساتھ۔ فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر

فقر فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:۔ حضرت ابن ام مکتوم نابینا نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آنے کے لیے اجازت چاہی۔ اس وقت آپ کی خدمت اقدس میں ایک شخص قریش کا سردار حاضر تھا۔ آپ کو ان کا حاضر ہونا ناگوار ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی عبس وتولی ان جاء الاعمی وما یدریک لعلہ یزکی اویذکر فتنفعہ الذکری یعنی ابن مکتوم کو اما من استغنی فانت لہ تصدیٰ (پ 30 عبس 1 تا 6) ترجمہ کنزالایمان: تیوری چڑھائی اور منہ پھیرا اس پر کہ اس کے پاس وہ نابینا حاضر ہوا اور تمہیں کیا معلوم شاید وہ ستھرا ہو یا نصیحت لے تو اسے نصیحت فائدہ دے وہ جو بے پروا بنتا ہے تم اس کے تو پیچھے پڑتے ہو۔ سے مراد وہ رئیس ہے۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ قیامت کے دن فقیر کو اللہ تعالیٰ بلا کر ایسے معذرت فرمائے گا جیسے آدمی آپس میں ایک دوسرے سے معذرت کرتے ہیں۔ ارشاد فرمائے گا کہ قسم ہے اپنے عزت و جلال کی۔ میں

نے دنیا تجھ سے اس وجہ سے علیحدہ نہیں رکھی کہ تو میرے نزدیک ذلیل تھا بلکہ اس وجہ سے کہ تجھے یہاں کرامت اور فضیلت موجود کر رکھی تھی۔ میرے بندے اب تو ان صفوں میں جا اور پہچان کہ جس نے تجھے دنیا میں میرے لیے کھلایا یا پہنایا ہو اور اس کی غرض سوائے میری رضا کے کچھ اور نہ ہو تو اس کا ہاتھ پکڑ لے۔ اس کام میں نے تجھے اختیار دیا اور اس وقت لوگوں کا یہ حال ہوگا کہ پسینہ منہ تک آیا ہوا ہوگا۔ وہ شخص صفوں کو چیر کر دیکھے گا کہ کس نے میرے ساتھ یہ سلوک کیا تھا۔ جس کو ایسا دیکھے گا' اس کا ہاتھ پکڑ کر جنت میں لے جائے گا۔

حدیث میں ارشاد فرمایا کہ فقیروں کی شناخت بہت کیا کرو اور ان کے پاس سے نعمت حاصل کرو اس لیے کہ ان کے پاس دولت ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ ان کے پاس کیا دولت ہے؟ فرمایا کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو ان سے یہ کہا جائے گا کہ دیکھو جس نے تم کو ایک ٹکڑا کھلایا یا ایک گھونٹ پانی پلایا ہو یا کوئی کپڑا پہنایا ہو تو اس کا ہاتھ پکڑو اور جنت میں پہنچا دو۔

حدیث شریف میں ہے کہ میں جنت میں گیا تو اپنے آگے ایک آواز سنی۔ دیکھا تو بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا اور جنت کے اوپر کے جو طبقات دیکھے تو ان میں میری امت کے فقراء کی جماعت نظر آئی اور نیچے کو دیکھا تو اس میں توانگر اور عورتیں دکھائی دیں اور ان کی بھی تعداد کم' میں نے پوچھا کہ ان کی قلت کی وجہ کیا ہے؟ حکم ہوا کہ عورتوں کو تو دو سرخ چیزوں سونے اور ریشم نے نقصان میں ڈالا اور توانگر بڑے حساب میں پھنس گئے اور میں نے اپنے صحابہ کو وہاں تلاش کیا تو عبدالرحمان بن عوف کو نہ دیکھا۔ پھر وہ میرے پاس روتے ہوئے آئے۔ میں نے پوچھا کہ تم مجھ سے پیچھے کیوں رہ گئے تھے؟ عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے آپ تک آنا میسر نہ ہوا' یہاں تک کہ سب گھاٹیوں کو طے کر گیا اور مجھے یہ شک تھا کہ دیکھئے آپ سے ملتا ہوں یا نہیں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ یہ کیوں؟ عرض کیا کہ مجھ سے میرے مال کا حساب لیا جا رہا تھا۔

فائدہ :۔ غور فرمایئے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیؓ جو بڑے مرتبہ والے ہیں اور ان دس آدمیوں میں سے ہیں جو مخصوص اور قطعی جنتی ہیں اور ایسے دولت مندوں میں سے ہیں جن کی شان میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے الا من قال ھکذا وھکذا یعنی آپ سخاوت بہت کرتے تھے مگر باوجود اس کے توانگری سے اس درجہ کا ضرر پایا۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ایک فقیر آدمی کے پاس تشریف لے گئے اور اس کے پاس کچھ نہ دیکھا۔ فرمایا کہ اگر اس کا تمام فقر زمین والوں کو تقسیم کیا جائے تو سب کو ہی پہنچے۔ ارشاد فرمایا کہ کیا نہ بتاؤں تم کو جنت والوں کے بادشاہ لوگوں نے عرض کیا کہ بتلا دیجئے۔ آپ نے فرمایا کل ضعیف ضعف اغبرا شعت ذی طمرین لا یعبا لہ لو اقسم علی اللہ لابرہ

عمران بن حصین فرماتے ہیں کہ مجھے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک عزت اور منزلت تھی۔ آپ نے فرمایا کہ تمہاری ہم عزت و منزلت کرتے ہیں۔ اگر کہو تو اپنی لخت جگر فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیمار پرسی کو چلیں۔ میں نے عرض کیا کہ حاضر ہوں۔ آپ روانہ ہوئے' میں بھی آپ کے ساتھ یہاں تک کہ حضرت فاطمہ کے

دروازے پر کھڑے ہو کر دستک دی اور فرمایا السلام علیکم! میں اندر آؤں۔ حضرت فاطمہ زہرا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ تشریف لائیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں اور میرے ساتھ والا دونوں۔ انہوں نے پوچھا کہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا عمران حضرت فاطمہ نے عرض کیا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے۔ میرے بدن پر سوا ایک کمبل کے اور کچھ نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس کو یوں لپیٹ لو اور ہاتھ سے اشارہ کر دیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے اپنا بدن تو چھپا لیا مگر سر کا کیا کروں۔ آپ کے پاس ایک پرانی چادر تھی' وہ ان کے پاس پھینک دی اور فرمایا کہ اس سے سر باندھ لو۔ جب انہوں نے بدن اور سر چھپا لیا تو اجازت اندر آنے کی دی اور السلام علیکم کہہ کر پوچھا کہ صبح کو تمہارا کیا حال رہا؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں جتلائے درد رہی اور مزید یہ ہے کہ میرے پاس کھانے کے لیے کچھ نہیں۔ بھوک نے مجھے ستایا ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم رو پڑے اور فرمایا کہ اے جان پدر نہ گھبراؤ بخدا میں نے بھی تین دن سے کھانا نہیں چکھا اور میری عزت خدا کے نزدیک تجھ سے زیادہ ہے اور اگر میں اپنے پروردگار سے درخواست کرتا تو وہ مجھ کو کھلا دیتا مگر میں نے آخرت کو دنیا پر اختیار کیا' پھر اپنا دست مبارک ان کے شانے پر مارا اور فرمایا کہ تجھ کو مژدہ ہو کہ تو جنت کی عورتوں کی سردار ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ آسیہ (فرعون کی زوجہ) اور مریم (عمران کی بیٹی) کا درجہ کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا کہ آسیہ اپنے وقت کی عورتوں کی سردار ہے اور مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے وقت کی عورتوں اور خدیجہ اپنے وقت کی اور تو اپنے وقت کی عورتوں کی سردار ہے۔ تم سب کی سب ایسے مکان میں رہو گی جو زبرجد یا یاقوت سے جڑے ہوں گے۔ ان میں نہ کسی طرح کی ایذا ہوگی' نہ شور و غل نہ تھکان اور مشقت۔ پھر فرمایا کہ اپنے چچا کے بیٹے یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر قانع رہ کہ میں نے تیرا نکاح ایسے سے کیا ہے جو دنیا میں سردار ہے اور آخرت میں بھی سردار ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب لوگ اپنے فقیروں کو برا جاننے لگیں اور دنیا کی امارت ظاہر کریں گے اور مال جمع کرنے میں جھگڑا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو چار خصلتوں کا نشانہ بنائے گا۔ (1) قحط۔ (2) ظلم۔ (3) حکام یعنی قاضی و مفتی وغیرہ کی خیانت۔ (4) دشمنوں کا زور۔

اقوال اسلاف رحمتہ اللہ:- حضرت ابو دردا فرماتے ہیں کہ دو درم والا ایک درم والے کی بہ نسبت سخت روکا جائے گا یا برا حساب لیا جائے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سعید بن عامر کے پاس ہزار دینا بھیجے تو بہت رنجیدہ اور دردمند ہو کر گھر آئے۔ ان کی بیوی نے پوچھا کہ کیا نئی بات پیدا ہوئی؟ آپ نے فرمایا کہ اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ پھر فرمایا کہ ذرا اپنا پرانا دوپٹہ مجھے دو۔ جب دوپٹہ دیا تو اسے پھاڑ کر تھیلیاں بنائیں۔ ان میں وہ دینار بھر کر تقسیم کر دیئے۔ پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھنا شروع کر دی اور صبح تک روتے رہے۔ پھر فرمایا کہ میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ میری امت کے فقیر جنت میں دولت مندوں سے پانسو برس پہلے داخل ہوں گے یہاں تک کہ اگر کوئی غنی ان کی جماعت میں داخل ہو جائے گا تو اس کا ہاتھ پکڑ کر نکال دیا جائے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تین آدمی جنت میں بے حساب داخل ہوں گے۔ (1) وہ شخص

کہ اپنا کپڑا دھونا چاہے تو پرانا اس کے پاس نہ ہو کہ اس کو پہن لے۔ (2) وہ کہ اپنے چولہے پر دو ہنڈیاں نہ چڑھائی ہوں۔ (3)وہ کہ پانی مانگے تو اس سے یہ نہ کہا جائے کہ کونسا پانی منظور ہے یعنی تکلف اور کثرت کھانے پینے اور لباس میں نہ ہو۔

حکایت :- ایک فقیر حضرت سفیان ثوری کی مجلس میں حاضر ہوا تو آپ نے اس سے کہا کہ نزدیک آؤ۔ اگر تو غنی ہوتا تو کبھی پاس نہ بلاتا اور جو لوگ ان کے یار دوستوں میں دولت مند تھے' وہ یہ تمنا کرتے کہ کاش! ہم بھی فقیر ہوتے کیونکہ فقراء کو آپ بہت پاس بٹھلاتے تھے اور توانگروں کی طرف توجہ نہ کرتے تھے۔

فائدہ :- موئل کہتے ہیں کہ غنی کو جیسے ذلیل میں نے ان کی مجلس میں دیکھا ہے' ایسا کہیں نہیں دیکھا۔ اس طرح فقیر کی عزت جیسی ان کے یہاں ہوتی تھی اور کہیں نہیں دیکھی۔

بعض حکماء کا قول ہے کہ اگر بیچارہ آدمی دوزخ سے اتنا ڈرتا جتنا درویشی سے ڈرتا ہے تو دونوں سے نجات پاتا۔ اگر جنت کی رغبت ایسے کرتا جیسے مالداری کی تو دونوں باتیں حاصل ہوتیں۔ اگر دل میں خدا تعالیٰ سے اتنا ڈرتا جتنا ظاہر میں اس کی مخلوق سے ڈرتا ہے تو دونوں جہانوں میں سخاوت پاتا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ جو شخص کسی کے مال کی وجہ سے تعظیم کرے اور فقیری کی وجہ سے اہانت' وہ ملعون ہے۔

حضرت لقمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ کسی کو پرانے کپڑے ہونے کی وجہ سے حقیر نہ جاننا کیونکہ تیرا اور اس کا پروردگار ایک ہی ہے۔

یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں کہ فقراء کی محبت پیغمبروں کی عادات میں سے ہے اور ان کی ہم نشینی اختیار کرنا صلحاء کی شناخت ہے اور ان کی صحبت سے بھاگنا منافقوں کی علامات میں سے ہے۔

سابقہ کتابوں سے یہ خبر منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض انبیاء علیہم السلام پر وحی بھیجی کہ اس بات سے ڈراتے کہ میں تجھ پر غصہ ہوں۔ میری نظر سے گر جائے' پھر میں دنیا تیرے اوپر یکبارگی انڈیل دوں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا دستور تھا کہ ایک دن میں لاکھ لاکھ درھم بانٹ دیتیں اور یہ درھم آپ کے پاس حضرت معاویہ اور ابن عامر وغیرہ بھیجا کرتے تھے اور باوجود اس کثرت مال کے دوپٹہ آپ کا پیوند لگا رہتا تھا۔ اگر آپ کی خادمہ کہتی کہ ایک درھم کا گوشت اگر آپ خرید دیتیں تو روزہ اسی سے افطار کرتیں' آپ فرماتیں کہ اگر تو یاد دلا دیتی تو میں ایسا کرتی۔

فائدہ :- یہ سب اس لیے تھا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو وصیت فرمائی تھی کہ اگر تو مجھ سے ملنا چاہتی ہے تو فقراء کی سی زندگی اختیار کرنا اور توانگروں کے پاس نہ بیٹھنا اور اپنا دوپٹہ نہ اتارنا جب تک اس میں پیوند نہ لگا لے۔

حکایت :- ایک شخص حضرت ابراہیم بن ادھم کے پاس ایک ہزار درھم لایا۔ آپ نے اس کے قبول کرنے سے انکار

فرمایا- اس شخص نے بہت منت کی تو آپ نے فرمایا کہ کیا تجھے یہ منظور ہے کہ دس ہزار درہم کے عوض میرا نام فقیروں کے دفتر میں سے مٹادے- میں ایسا کبھی نہ کروں گا۔

فقر کے فضائل:- حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ طوبی لمن ھدی الی الاسلام وکان عیشہ کفافا وقنع بہ ترجمہ: خوشحالی ہے اس کو جو ہدایت کیا گیا ہو اسلام کی طرف اور اس کی معیشت بقدر گزر اوقات ہو اور وہ ان پر قانع ہو۔

ارشاد ہے یا معشر الفقراء اعطوا اللہ الرضی من قلوبکم تظفروا ثبواب فقرکم اولا فلا یہ حدیث قانع کی فضیلت ہے اور دوسری میں راضی کی نیز دوسری حدیث کے معانی سے معلوم ہوتا ہے کہ حریص کو فقر کا ثواب نہیں ہوتا مگر عام احادیث جو فقر کی فضیلت میں وارد ہیں- ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حریص کو بھی ثواب ملے گا۔ چنانچہ عنقریب اس کی تحقیق آئے گی شاید یہاں مراد عدم رضا سے یہ ہوگی کہ خدا تعالٰی کے اس فعل (دنیا اس سے روک لی) کو برا جانے- اسی برا جاننے سے فقر کا ثواب جاتا رہتا ہے اور بہت سے حریص ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے دل میں ان کا انکار خدا تعالٰی کے فعل پر اس کو برا جاننا نہیں گزرتا تو ان کو ثواب بھی ملے گا۔

حضرت عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر شے کی ایک کنجی ہے اور جنت کی چابی ساکین کی محبت ہے اور صابر فقیر قیامت کے دن خداوند کریم کے جلیس ہوں گے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہ سے مروی ہے کہ بندوں میں سے محبوب تر خدا تعالٰی کے نزدیک وہ ہے جو اس کے رزق پر قانع ہے اور خدا تعالٰی سے خوش ہے- فرمایا اللھم اجعل قوت ال محمد کفافا اور فرمایا مامن احد غنی ولا فقیر الا ودیوم القیامہ انہ کان اوفی قوتا فی الدنیا خدا تعالٰی نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ مجھ کو ان لوگوں کے پاس تلاش کر جن کے دل شکستہ ہوں- انہوں نے عرض کیا کہ الٰہی وہ کون لوگ ہیں؟ حکم ہوا کہ فقرا ہیں- فرمایا کہ کوئی فقیر سے افضل نہیں ہے جبکہ وہ راضی ہو- فرمایا کہ خدا تعالٰی قیامت کے روز فرمائے گا کہ میری خلق میں سے برگزیدہ لوگ کہاں ہیں؟ فرشتے عرض کریں گے کہ الٰہی وہ کون ہیں؟ فرمائے گا کہ مسلمان فقیر جو قانع رہے' میری عطا پر اور راضی رہے میرے حکم پر ان کو جنت میں داخل کر' پس وہ لوگ جنت میں کھائیں گے' پیئیں گے اور لوگ حساب میں ہوں گے- یہ فضیلت قانع اور راضی کی ہے اور زہد کی بزرگی ہم اسباب کی فصل دوم میں لکھیں گے اور قناعت اور رضا کے باب، میں آثار بھی بہت ہیں-

اقوال اسلاف:- قناعت کی ضد طمع ہے- حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ طمع محتاجی ہے اور ناامید ہونا لوگوں سے توانگری ہے اور جو شخص لوگوں کے مال سے توقع منقطع کرتا ہے اور قانع ہوتا ہے' وہ ایسے غنی ہو جاتا ہے-

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کوئی دن ایسا نہیں کہ جو ایک فرشتہ عرش کے نیچے سے یہ نہ پکارتا ہو یعنی تھوڑا مال جو تجھے کافی ہو' بہت مال سے بہتر ہے جو تجھے سرکش کرے-

حضرت ابودردا رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کوئی آدمی ایسا نہیں جس کی عقل میں کچھ نقصان نہ ہو- اس کی وجہ

یہ ہے کہ جب دنیا بڑھتی ہے تو آدمی خوش ہوتا ہے حالانکہ رات اور دن اس کی عمر پر آرہ پھیرتے جاتے ہیں اور اس کا غم اس کو نہیں ہوتا۔ ارے کم بخت مال کی زیادتی کیا کام آئے گی۔ اگر عمر کم ہوتی ہے۔

بعض حکماء سے کسی نے پوچھا کہ غنا کیا چیز ہے؟ کہا کہ تھوڑی تمنا کرنا اور قدر کفایت پر راضی ہونا۔

حکایت:۔ حضرت ابراہیم بن ادھم خراسان کے امراء میں سے تھے۔ ایک دن اپنے ایک محل کی کھڑکی سے جھانک رہے تھے۔ دیکھا کہ اس مکان کے صحن میں ایک شخص ہے اور اس کے ہاتھ میں ایک روٹی ہے۔ وہ کھا رہا ہے' جب کھا چکا تو سو رہا۔ آپ نے اپنے کسی غلام سے کہا کہ جب یہ شخص اٹھے' میرے پاس لے آنا۔ جب وہ اٹھا تو اسے لے آیا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ تو نے وہ روٹی کھائی تھی تو بھوکا تھا۔ اس نے کہا ہاں آپ نے پوچھا کہ اس سے شکم سیر ہو گیا۔ کہا ہاں۔ آپ نے کہا کہ پھر مزے میں سویا' اس نے کہا ہاں۔ آپ نے اپنے دل میں کہا کہ پھر میں دنیا لے کر کیا کروں گا' نفس تو اتنے پر قناعت کرتا ہے۔

حکایت:۔ ایک شخص کا گزر عامر بن عبدالقیس کے پاس ہوا اور وہ نمک اور ساگ کھا رہے تھے۔ اس نے آپ سے پوچھا کیا آپ دنیا سے اس قدر پر راضی ہو گئے؟ آپ نے فرمایا کہ میں تجھے وہ شخص بتا دوں جو اس سے بری چیز پر راضی ہوا؟ اس نے کہا بہتر۔ آپ نے فرمایا کہ وہ شخص وہ ہے جو آخرت کے بدلے دنیا پر راضی ہوا!

حکایت:۔ محمد بن واسع سوکھی روٹی نکالتے اور اس کو پانی میں تر کر کے نمک سے کھا لیتے اور فرماتے کہ جو دنیا سے اس قدر پر راضی ہو گیا' وہ کسی کا محتاج نہ ہو گا۔

حکایت:۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ ان لوگوں پر اللہ عزوجل لعنت کرے جن کے لیے خدا نے تو قسم کھائی اور انہوں نے اس کو سچا نہ جانا۔ پھر آپ نے پڑھا وفی السماء رزقکم وما توعدون فو رب السماء والارض انہ لحق (پ 26 الذریت 22'23) ترجمہ کنز الایمان: اور آسمان میں تمہارا رزق ہے اور جو تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے تو آسمان اور زمین کے رب کی قسم بے شک یہ قرآن حق ہے۔

حکایت:۔ ابوذر رضی اللہ عنہ ایک دن لوگوں میں بیٹھے تھے۔ ان کی زوجہ آئیں اور کہا کہ آپ یہاں بیٹھے ہیں اور گھر میں نہ سالن ہے' نہ ستو۔ آپ نے فرمایا کوئی مضائقہ نہیں' ہمارے سامنے ایک بڑی سخت گھاٹی دشوار گزار ہے۔ اس سے وہی بچے گا جو ہلکا ہو گا۔ ان کی زوجہ راضی ہو کر چلی گئیں۔

فائدہ:۔ حضرت ذوالنورین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں میں سے کفر کے قریب تر وہ شخص ہے کہ فاقے میں صبر نہ کرے۔ بعض حکماء سے کسی نے پوچھا کہ تمہارا مال کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ظاہر کی زینت اور باطن کی میانہ روی اور لوگوں کے مال سے توقع منقطع کرنا۔

روایت ہے کہ اللہ عزوجل نے بعض کتب سابقہ میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اے ابن آدم اگر تمام دنیا تیری ہو جائے' تب بھی تجھے دنیا میں سے بجز غذا کے اور کچھ نہ ملے گا۔ اگر میں تجھے دنیا میں سے روزی دیئے جاؤں اور اس کا

حساب نہ کروں تو میرا احسان ہے اور قناعت اور لوگوں سے امید نہ رکھنے کے متعلق یہ اشعار ہیں۔

(1) تضرع الی اللہ لا تضرع الی الناس۔ (2) واقنع بیاٴیس فان العزفی الیاس (3) واستغن عن کل ذی قربی وذی رحم۔ (4) والغنی من استغنی عن الناس "عاجزی اللہ تعالیٰ سے کر لوگوں سے نہ کر اور مایوسی پر قناعت کر' اس لیے کہ ناامیدی میں عزت ہے۔ ہر رشتہ داری قربی سے بے نیاز ہو جائے۔ غنی وہ ہے جو لوگوں سے بے نیاز ہے۔"

فائدہ :۔ اسی معنی پر ایک قطعہ ہے یا جا معا کانہاواں بر برمقہ۔ مقدار ای باب منہ یغلقہ مفکرا کیف تاتیہ منیتہ اغادیا ام بہاء "اے مال جمع کرنے والے' مال روکنے والے زمانہ تیرے انتظار میں ہے۔ اس فکر میں ہے کہ تیرا دروازہ بند کرے اور تجھے موت کیسے آئے۔ دن کو آئے یا رات کے کسی وقت میں آئے۔"

جمعت مالا فقل لی ھل جمعت لریاجامع المال ایاما نفرقہ "تو نے مال تو جمع کیا لیکن مجھے یہ تو بتا تو نے مال جمع کیا' کس کے لئے _ اے مال جمع کرنے والے چند دنوں کے بعد تو اس سے جدا ہو جائے گا۔ المال عندک مخزون یوارث یاالمال مالک الا یوم تنفقہ "مال تیرے پاس جمع ہے تو اس کے وارث کے لیے تیرا مال وہی ہے جسے تو نے آج خرچ کیا۔ ارضہ بہال فتی یغفو علی نفقہ۔ ان الذی قسم الا رزاق یرزقہ "مال اپنی ضرورت پر خرچ کر دے جو رزق تقسیم کرتا ہے' وہ تجھے رزق دے گا۔ فالفرض منہ مصون مایدسہ۔ والوجہ منہ جدید لیس یخلقہ ان القناعتہ من الجلل باسحتہ نم یلق فی ظلہا ھما بورقہ "عزت اسے ہے جو اس کی گرد سے خود کو بچاتا ہے۔ اس کا ہر نیا چہرہ ہوتا ہے جسے پرانا نہیں کرتا۔ قناعت اسے حاصل ہے جو قناعت کے میدان میں چلتا ہے۔ یہاں کوئی غم لاحق نہ ہوگا جسے وہ پریشان کرے۔"

دولت مندی کے بالمقابل فقر کی فضیلت :۔ فقر کی فضیلت میں توانگری کو نہیں۔ علماء اس بارے میں مختلف ہیں۔ حضرت جنید علیہ الرحمتہ اور خواص علیہ الرحمتہ اور اکثر تو فقر کو فضیلت دیتے ہیں۔

ابن عطا علیہ الرحمتہ کہتے ہیں کہ غنی شاکر جو اپنے حق ادا کرتا رہے' وہ فقیر صابر سے افضل ہے۔

حضرت جنید علیہ الرحمتہ نے اس مخالفت کی وجہ سے ابن عطا علیہ الرحمتہ پر بددعا کی تھی اور اس وجہ سے ان کو رنج و تکلیف پہنچی اور اس کا حال ہم باب الصبر میں لکھ آئے۔ اور صبر اور شکر میں فرق کی وجہ بھی لکھ آئے ہیں اور یہ بھی لکھ دیا ہے کہ اعمال و احوال میں فضیلت بلا تفصیل معلوم نہیں ہو سکتی۔ فقر اور غنا کو اگر مطلق دیکھیں تو جس شخص نے اخبار و آثار کا مطالعہ کیا ہوگا' اس کو فقر کی فضیلت میں کچھ تردد نہ ہوگا مگر اس میں تفصیل ضروری ہے' اس لیے دو مقاموں میں شک پڑتا ہے۔

فقیر صابر جو حریص نہیں بلکہ قانع ہے یا راضی اس کو بمقابلہ ایسے غنی کے دیکھیں جو اپنا مال خیرات میں دیتا ہو اور مال کے امساک کا حریص نہ ہو۔ پھر فقیر حریص کو غنی حریص کی نسبت خیال کریں کیونکہ فقیر قانع تو بلاشبہ غنی حریص ممسک سے افضل ہے اور غنی خیرات کرنے والا بھی فقیر مریض سے افضل ہے تو صرف دو ہی صورتیں شک کی رہیں۔ پہلی صورت میں بھی یہ گمان رہتا ہے کہ غنی بہ نسبت فقیر کے افضل ہے' اس لیے کہ مال کی حرص تو

دونوں میں کم ہے۔ اس میں تو برابر ہی رہے مگر غنی صدقات و خیرات سے تقرب کرتا ہے جو فقیر سے نہیں ہو سکتا کہ عاجز ہے اور ہماری سمجھ میں ابن عطا علیہ الرحمتہ کے قول کا یہی منشاء ہے لیکن جو غنی کہ مال سے متمتع ہو گو مباح میں ہو' وہ فقیر قانع پر افضل نہیں ہو سکتا اور ان کی شاہد وہ روایت ہے کہ فقرا نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو شکایت کی کہ غنی خیرات و صدقات اور حج اور جہاد میں ہم سے بڑھ گئے۔ آپ نے ان کو چند کلمات تسبیح میں ارشاد فرمائے اور فرمایا کہ تم کو ان کلمات سے غنیوں کی بہ نسبت زیادہ ثواب ملے گا۔ پھر غنیوں نے بھی وہ کلمات سیکھ لیے اور پڑھنا شروع کیے۔ فقراء دوبارہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اب تو غنی بھی یہ کلمات پڑھنے لگے۔ آپ نے فرمایا ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء یعنی یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہے عنایت فرمائے۔ اس سے ظاہر اغنی کی فضیلت معلوم ہوئی یعنی اغنیاء کو جو دونوں باتوں کا ثواب مل گیا تو خدا کی عنایت ان کے شامل حال ہے۔

فائدہ:۔ ابن عطا علیہ الرحمتہ نے اپنے قول کی وجہ یہ بھی بیان کی ہے یعنی جب ان سے غنی اور فقیر کی فضیلت کا سوال کیا گیا تو کہا کہ غنی افضل ہے' اس لیے کہ غنی خدا تعالیٰ کی صفت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو وصف حق تعالیٰ میں ہے' وہی افضل ہے۔ ان دونوں دلیلوں سے انہوں نے غنی کا افضل ہونا ثابت کیا ہے مگر دونوں دلیلیں ٹھیک نہیں۔ دلیل اول میں تو یہ بات ہے کہ حدیث میں ایسی تفصیل پائی جاتی ہے جو دلالت ان کے مقصود کے خلاف پر کرے۔ وہ یہ کہ تسبیح میں فقیر کا ثواب غنی کے ثواب سے زیادہ ہے اور فقیر کا اس مرتبے پر پہنچنا خدا کے فضل سے ہے جس کو وہ چاہے فضل عنایت کرے یعنی ذلک فضل اللہ کا مشار الیہ ثواب فقیر کو کرنا چاہیے نہ حال غنی کو' اس لیے کہ دوسری حدیث زید بن اسلم حضرت انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ فقراء نے کسی کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا۔ آپ نے اسے اور فقراء کو مرحبا فرمایا اور فرمایا کہ جس سے تم آئے ہو' وہ ایسی قوم ہے جن کو میں چاہتا ہوں۔ اس نے عرض کیا کہ توانگر خیر و بھلائی لے گئے کہ حج کرتے ہیں اور ہم حج پر قادر نہیں' عمرہ کرتے ہیں اور ہم کو قدرت نہیں اور جب وہ مریض ہوتے ہیں تو جو مال ان کے پاس زیادہ ہے' اس کو ذخیرہ بنانے کے لیے دے ڈالتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ان کو میری طرف سے یہ کہہ دینا کہ جو کوئی تم میں سے صبر کرے گا اور طالب ثواب ہوگا' اس میں تین باتیں ہوں گی جو اغنیا میں نہ ہوں گی۔ (1) جنت میں بہت کھڑکیاں ہیں کہ ان کو جنت والے یوں دیکھیں گے جیسے زمین والے آسمان کے ستاروں کو دیکھتے ہیں۔ اس میں بجز پیغمبر فقیر اور شہید فقیر اور ایماندار فقیر اور کوئی نہیں جائے گا۔ (2) توانگروں کی نسبت جنت میں پانسو سال پہلے جائیں گے۔ (3) غنی جب کہتا ہے سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر اور فقیر بھی یہی کلمات کہتا ہے تو غنی فقیر کے ثواب کو نہیں پہنچ سکتا۔ اگرچہ دس ہزار درھم اس کے لیے خرچ کرے اور تمام صالحہ اعمال کو یونہی خیال کرنا چاہیے۔ وہ قاصد سن کر واپس آیا اور فقرا سے ماجرا بیان کیا۔ سب نے کہا کہ ہم راضی ہیں' ہمارا اطمینان ہوا۔

فائدہ:۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء آپ کی مراد ثواب فقرا کی زیادتی ہے۔

اغنیاء کے ذکر سے۔ رہی دوسری بات کہ غنی وصف حق ہے؟ پس اس کا جواب بعض اکابر نے یہ دیا ہے کہ خدا تعالیٰ کچھ اسباب و اغراض کے باعث غنی نہیں جو غنی کو وصف حق کہتے ہیں۔ اسی لیے بندے کے غنا کو خدا کے غنا سے کیا تعلق۔ اس کا جواب ابن عطا علیہ الرحمتہ نے کچھ نہ دیا۔

فائدہ:۔ بعض اکبار نے یہ بھی جواب دیا کہ جیسے غنی وصف حق ہے' ویسے تکبر بھی تو خدا کا وصف ہے تو چاہیے کہ تواضع سے جو افضل ہو' پھر ان جواب دینے والوں نے یہ فرمایا یوں کہنا چاہیے کہ فقر افضل ہے' اس لیے کہ بندے کی صفت ہے اور بندے کے حق میں صفات بندگی ہی افضل ہیں جیسے خوف و رجاء وغیرہ اور صفات ربوبیت میں تو نزاع نہیں چاہیے' اس لیے کہ حدیث قدسی میں وارد ہے کہ کبریا میری چادر ہے اور عظمت میرا تہ بند ہے جو کوئی ان دونوں میں مجھ سے نزاع کرے گا' اس کو میں مٹادوں گا۔

فائدہ:۔ حضرت سہل تستری علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں کہ عزت اور باقی رہنے کی محبت سے ربوبیت میں شرک اور نزاع پایا جاتا ہے کیونکہ یہ دونوں صفات رب تعالیٰ ہیں۔ بہرحال تفصیل غنا اور فقر میں اسی طرح گفتگوئیں ہوئی ہیں اور سب کا حاصل متعلق عام روایت سے ہے جن میں تاویل کی گنجائش ہے اور ہر ایک کا دل ایسے کلمات پر ہے کہ ان سے خلاف ثابت ہونا بعید نہیں مثلاً جس طرح ابن عطا علیہ الرحمتہ کا قول غنا کی فضیلت میں بایں وجہ کہ وصف حق ہے' تکبر سے رد کر دیا گیا۔ اسی طرح جو لوگ فقر کو بندے کا وصف کہہ کر افضل کہتے ہیں' ان کا قول بھی مردود ہو سکتا ہے کہ جہل و غفلت بندے کے اوصاف ہیں اور علم اور معرفت صفات ربوبیت میں سے ہیں تو چاہیے کہ جہل و غفلت علم اور معرفت سے افضل ہو حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہ ہو گا کہ جہل بہ نسبت علم کے افضل ہے پس امر واقعی وہی ہے جو ہم نے باب صبر میں ذکر کیا ہے یعنی جو شے مقصود بالذات نہیں بلکہ اس کی طلب کسی دوسری شے کے لیے ہے تو چاہیے کہ اسے مقصود شے کے لحاظ سے دیکھیں کہ اسی سے اس کا فضل ظاہر ہوا کرتا ہے اور دنیا کا مال صرف اسی وجہ سے ممنوع ہے کہ وہ خدا تک پہنچنے سے مانع ہے۔ اسی طرح فقر بھی خود مطلوب ہے کہ اس کے سبب خدا تعالیٰ سے جو چیز مانع ہے' وہ دور ہو جاتی ہے اور بہت سے غنی ایسے ہیں کہ ان کو غنا نے خدا تعالیٰ سے نہیں روکا۔ جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت عثمان و عبدالرحمان بن عوف اسی طرح بہت سے فقراء ایسے ہوتے ہیں کہ فقیری کے شغل میں مقصود سے پھر جاتے ہیں اور دنیا میں غایت مقصد اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے ساتھ انس کرنا ہے اور محبت و انس بلا معرفت کی راہ چلنا اور اشغال کے ہوتے ہوئے ممکن نہیں اور فقر بھی کبھی مانع سلوک ہوتا ہے جیسے غنا کبھی رکاوٹ ہوتی ہے اور واقع میں مانع محبت دنیا ہے کہ اس کے ساتھ محبت الٰہی دل میں جمع نہیں ہوتی اور کسی چیز کا محبت رکھنے والا اس میں مشغول رہتا ہے خواہ اس کی جدائی میں ہو یا وصل میں اور بعض اوقات تو فراق میں شغل زیادہ ہوتا ہے اور بعض اوقات وصل میں اور دنیا غافل لوگوں کی معشوقہ ہے جو اس سے محروم ہے' وہ اس کی حفاظت اور اس سے تمتع ہونے میں لگا ہوا ہے۔ اس صورت میں اگر وہ شخص یوں فرض کرے جو مال کی محبت سے خالی ہو' ایسے کہ مال ان کے نزدیک پانی جیسا ہو تو سبحان اللہ یعنی ہر ایک مال سے اسی قدر نفع لیتا ہے جس قدر اس کو حاجت ہے اور مقدار حاجت اس کے عدم کی نسبت افضل ہے' اس لیے کہ فاقے والا موت کی

راہ طے کرتا ہے نہ کہ معرفت کی۔ اگر بلحاظ اکثر کے دیکھو تو فقیر خطرے سے دور تر ہے' اس لیے کہ غنا کا فتنہ مفلسی کے فتنے سے سخت تر ہے اور اس سے بچاؤ کی صورت بھی ہے کہ آدمی کو مقدور نہ ہو' اسی لیے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا کہ مفلسی کے فتنے میں جو ہم مبتلا ہوئے تو ہم نے صبر کیا اور تونگری کے فتنے سے جو امتحان لیے گئے تو صبر نہ کیا اور یہ بات ہر انسان کی فطرت میں ہے۔ الا ماشاء اللہ لیکن ایسا بہت شاذ و نادر ہے اور چونکہ یہ عادت اکثر لوگوں کی ہوتی ہے۔ ہاں البتہ افلاس سب کو محیط ہے سوائے چند ایک کہ اسی لیے شرع مطہرہ نے غنا سے منع فرمایا ہے بلکہ اس کی مذمت بھی کی اور فقر کی مدح فرمائی ہے۔

فرمان عیسوی:۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ دنیا داروں کے مال کی طرف نہ دیکھو کیونکہ ان کے مال کی چمک دمک تمہارے ایمان کے نور کو ضائع کر دے گی۔

فائدہ:۔ بعض علماء کا قول ہے کہ اموال کی آمد و رفت ایمان کی حلاوت چاٹ لیتی ہے۔

حدیث شریف:۔ حدیث شریف میں ہے کہ ہر امت کے لیے ایک بچھڑا ہے اور میری امت کا بچھڑا دنیا و دولت ہے۔

فائدہ:۔ دراصل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا بچھڑا بھی سونے اور چاندی کا تھا۔

خلاصہ:۔ خلاصہ یہ کہ مال' پانی' سونے اور پتھر کا سالک کے نزدیک ہونا اولیاء و انبیاء علیہم السلام کے لیے متصور ممکن ہے۔ پھر انہیں بھی یہ بات اس وقت کامل ہوتی ہے جب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کافی مجاہدہ کریں۔

طریقہ مصطفیٰ:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کو ارشاد فرماتے کہ مجھ سے الگ تھلگ رہ۔ اس کے باوجود دنیا آپ کے روبرو اپنی تمام تر زیب و زینت کے ساتھ مجسم صورت میں آجاتی تھی۔

حضرت علی المرتضیٰ کا فرمان:۔ حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ وجہہ نے ارشاد فرمایا کہ اے زرد رنگ والی یہ دھوکہ میرے سوا کسی اور کو دے اور اے سفید رنگت والی یہ دھوکہ میرے علاوہ کسی اور کو دے (میں تیرے دھوکے میں آنے والا نہیں) یعنی جب اپنے جسم اطہر میں دنیا سے مغالطہ کھانے کا احساس محسوس کرتے تو پھر یہ کلمات اپنی زبان مبارکہ سے ادا فرماتے۔ اس لیے کہ آپ اپنے پروردگار کی محبت پیش نظر رکھتے تھے۔ مال اور پانی کے مساوی ہونے کو غناء مطلق کہا جاتا ہے۔

حدیث شریف:۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ کثرت مال سے غناء نہیں بلکہ غناء تو نفس سے ہے۔

فائدہ:۔ حالانکہ یہ بات بڑی مشکل ہے تو لازم ہوا کہ عام مخلوق کے حق میں مال نہ ہونے میں ہی بہتری ہے۔ خواہ وہ مال کو صدقہ و خیرات میں ہی صرف کرے کیونکہ جب مال حاصل ہو جاتا ہے تو پھر (اکثر) مال سے محبت پیدا ہو جاتی ہے اور اس پر قدرت سے فوائد حاصل کریں۔ اسے خرچ کر کے آرام پائیں اور ان تمام باتوں سے اس عالم کے

ساتھ محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ بندہ جتنی زیادہ اس کے ساتھ محبت کرتا ہے' اتنا ہی زیادہ آخرت سے ڈرتا ہے۔ انسان دنیوی جس صفت سے جتنا زیادہ مانوس ہوتا ہے' وہ اتنا ہی زیادہ اللہ تعالیٰ اور اللہ کی دوستی سے دور ہوتا ہے۔ جب انس دنیا کے اسباب ختم ہو جاتے ہیں تو پھر بندے کا دل' دنیا اور دنیوی زیب و زینت سے دور ہو جاتا ہے۔ اللہ (عزوجل) کے سوا ہر چیز سے دل بیزار ہو جاتا ہے۔ اللہ (عزوجل) پر ایمان کامل رکھتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف ضرور توجہ کرتا ہے کیونکہ دل خالی تو نہیں رہتا۔ دو چیزوں میں سے ایک چیز ضرور اس میں رہتی ہے یا دل کہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوگا یا غیر اللہ کی طرف۔ اس کی توجہ اللہ کی طرف ہوگی یا غیر اللہ کی طرف۔ اگر غیر اللہ کی طرف توجہ ہوگی تو پھر اللہ تعالیٰ سے الگ ہوگا اور اگر اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کی تو غیر خدا سے جدائی ضروری ہوگی۔ جتنا ایک طرف متوجہ ہوگا' دوسرے سے اتنا ہی دور ہوگا۔ جتنا ایک طرف ہوگا' دوسرے سے اتنی ہی دوری ہوگی۔ اس کی مثال مشرق اور مغرب کی طرح سمجھنی چاہیے کہ یہ دونوں مختلف اور متضاد طرفیں ہیں۔ ان دونوں کے درمیان جو پھرے گا' جتنا ایک طرف کے قریب ہوگا' اتنا ہی دوسری سمت سے بعید ہوگا بلکہ یوں سمجھئے کہ دونوں سمتوں میں سے کسی بھی ایک کا قریب بعینہٖ دوسری کا بعد ہے۔ بالکل اسی طرح ہی دنیوی محبت اور اللہ (عزوجل) کی محبت کو سمجھئے۔ دنیا کی محبت ہی عین بغض حق ہے۔

فائدہ:۔ پس عارف کی نظر تو اپنے دل پر ہونی چاہیے کہ اس کا دل دنیا سے زہد کرتا ہے یا نہیں یا وہ دنیا سے مانوس ہے یا نہیں ہے۔

فائدہ:۔ بہرحال فقیر اور غنی کی فضیلت تو ان کے دلوں کے لحاظ سے ہے۔ اگر دل کا تعلق دونوں کے لحاظ سے ایک جیسا ہو تو سمجھنا چاہیے کہ ان دونوں کا مقام اس کے دل میں برابر ہے مگر یہ تو مقام دھوکہ اور مقام نفرت ہے کیونکہ اکثر و بیشتر اغنیاء یہ خیال کر بیٹھتے ہیں کہ میں تو اموال دنیا سے نالاں ہوں حالانکہ اس کے دل میں حب مال کوٹ کوٹ کر بھری رہتی ہے۔ اسے پتہ بھی نہیں چلتا' علم اس وقت ہوتا ہے جب مال ختم ہو جاتا ہے۔ اس لیے اپنے نفس کا امتحان مال دے کر لے' خواہ جب اس کا مال چوری ہو جائے۔ اگر اس طرف دل توجہ کرے تو پھر سمجھ لیجئے کہ یہ دعویٰ غلط ہے اور مغالطہ تھا۔

مثال:۔ اسی طرح بعض لوگوں کا گمان تھا کہ ہمیں لونڈی کی طرف میل ہرگز نہیں ہے۔ اس گمان کی وجہ سے لونڈی کو فروخت کر دیا تو پھر اس کے دل میں لونڈی کی طرف میل جو دل میں پوشیدہ تھا' اس وجہ سے دل میں ایک آگ بھڑک اٹھی۔ پھر پتہ چلا کہ اسے مغالطہ ہوا تھا کیونکہ اس لونڈی کا عشق تو اس کے دل کے نہاں خانہ میں پوشیدہ تھا جیسے چنگاری راکھ میں پوشیدہ ہوتی ہے۔

فائدہ:۔ انبیاء کرام اور اولیائے عظام کے علاوہ تمام اغنیاء کا یہی حال ہے۔
پس مطلقاً غنا کا حاصل ہونا بڑا مشکل ہے تو پھر لازم یہی ہے کہ کہا جائے کہ فقیری ہی عام لوگوں کے لیے زیادہ بہتر ہے کیونکہ دنیا سے انس اور لگاؤ فقیر کا کم ہوتا ہے۔

جتنا کم تعلق ہوتا ہے' اتنا ہی زیادہ تسبیحات و عبادات کا ثواب ملتا ہے۔ اس لیے کہ تسبیحات بیان کرنے سے حرکت زبان ہی منظور نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ زبان پہ جس کا ذکر جاری ہے' اسی ذات سے انس مضبوط ہو جائے۔

فائدہ:۔ زبان کو حرکت دینے کا اثر تو خالی دل میں ہوتا ہے جبکہ دل دوسری چیزوں سے پر ہیں' اس لیے بعض بزرگوں کا قول مبارک ہے کہ جو شخص زہد و تقویٰ اور عبادت طلب دنیا میں کرے' اس شخص کی مثال اس طرح ہے جیسے کوئی شخص گھاس (خشک) سے آگ بجھانے کی کوشش کرے یا چربی دور کرنے کی خاطر اپنے ہاتھ گھی سے اچھی طرح دھولے۔

فضائل فقر:۔ حضرت ابو سلیمان دارانی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شہرت کے بغیر فقیر کا سانس لینا سوائے اس کے کہ جس پہ اس کا اختیار نہ ہو غنی کی ہزار سالہ عبادت و ریاضت سے افضل ہے۔

حضرت ضحاک رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو شخص بازار میں جائے تو اپنی پسندیدہ چیز دیکھ کر صبر کرے اور طالب ثواب ہو تو اس کے لیے ہزار دینار ۔۔ افضل ہے جسے حق تعالیٰ کی راہ میں صدقہ و خیرات کرے۔

بشیر بن حارث رحمتہ اللہ علیہ سے کسی نے عرض کیا کہ آپ میرے لیے دعا فرمایئے کہ اہل و عیال نے مجھے تنگ کیا ہوا ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تجھے جب تیرا خاندان کہے کہ ہمارے پاس کھانے پکانے کے لیے کچھ نہیں ہے تو اس وقت اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا کیونکہ اس وقت کی تیری مانگی ہوئی دعا میری دعا سے بہتر ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا کہ غنی اگر زاہد بننا چاہے تو اس کا زاہد بننا ایسے ہی ہے جیسے گھوڑے پر باغ ہو۔ اگر فقیر زاہد بننا چاہے تو اس کی مثال یوں سمجھئے جیسے کسی خوبرو کے گلے میں موتیوں کا ہار پڑا ہوا ہو۔

فائدہ:۔ اکابر سلف صالحین کا دستور مبارک تھا کہ وہ اغنیاء سے علم معرفت سماعت کرنا برا سمجھتے تھے۔

دعائے صدیقی:۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یوں دعا مانگتے تھے کہ اللھم انی اسالک الذل عند النصف من نفسی والزھد فیما جاوزاء الکفاف ترجمہ: "یااللہ! میں تجھ سے سوالی ہوں کہ جب میرا نفس پورا حق مانگے تو میں تجھ سے ذلت کو طلب کرتا ہوں اور سوالی زہد کا ہوں کہ مقدار گزر سے زہد بڑھ جائے۔"

فائدہ:۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مال کامل ہونے کی وجہ سے دنیا اور اس کے وجود سے ڈرتے تھے تو پھر اب شک کیسے کریں کہ مال کا نہ ہونا اس کے وجود کی نسبت اصلح ہے۔ اس کے علاوہ غنی کے حالات میں سے بہتر یہی ہے کہ حلال مال حاصل کرے اور اچھی جگہ پر ہی خرچ کرے۔ اس کے باوجود پھر بھی اس کا حساب میدان قیامت میں بڑا لمبا چوڑا ہوگا۔ کافی دیر وہیں رکنا پڑے گا جسے حساب کے سلسلے میں الجھاؤ پیدا ہوا' اسے عذاب اخروی دیا جائے گا۔

حکایت:۔ اسی لیے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنت میں دیر سے داخل ہوئے۔ جیسے حضور سید

المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا حال ملاحظہ فرمایا (اس دیر کی وجہ یہ ہے) آپ حساب میں مبتلا رہے۔

فرمان ابو دردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ :۔ اسی وجہ سے حضرت ابو دردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ بات مجھے پسند نہیں ہے کہ مسجد کے دروازے پر میری دوکان ہو۔ اس حال میں کہ نماز یا ذکر مجھ سے ادا نہ ہو سکے۔ اس کے باوجود کہ مجھے پچاس دینار نفع حاصل ہوں اور میں اسے راہ حق میں خرچ کر دیا کروں۔ آپ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ اس میں کیا خرابی ہے؟ اس سلسلے میں کیا خوف ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا "حساب کی سختی اچھی نہیں لگتی۔"

فرمان سفیان ثوری رضی اللہ عنہ :۔ حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ تین چیزیں فقراء نے اختیار فرمائی ہیں اور اغنیاء نے بھی تین چیزیں اختیار کی ہیں۔ (1) فقراء نے نفس کا آرام و سکون سے رہنا (2) دل بافراغت رہنا اور (3) ہلکا حساب ہونا۔ ان تین چیزوں کو اختیار کیا ہے جبکہ غنیوں نے (1) نفس پر مشقت' (2) دل کی مشغولیت اور (3) شدت حساب کو اختیار کیا ہے۔

فائدہ :۔ حضرت ابن عطا رحمتہ اللہ علیہ نے جو یہ فرمایا کہ وصف غنی حق ہے' یہ اس نقطہ نظر سے افضل ہے اور یہ صحیح تب ہو سکتا ہے کہ جب مال کے ہونے یا نہ ہونے دونوں حالتوں سے بندہ غنی ہو یعنی مال ہو یا نہ ہو دونوں حالتیں ہی اس کے نزدیک برابر ہوں لیکن اگر مال کے نہ ہونے سے تو غنی ہو مگر مال کے باقی رہنے کا محتاج ہو تو پھر اس کی یہ غنا اللہ تعالیٰ کی غنا سے مشابہ نہیں ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ بذاتہ غنی ہے ایسی چیزوں کی وجہ سے نہیں کہ جسے کبھی بھی زوال ہو سکے جبکہ مال تو زوال پذیر چیزوں میں سے ہے' جاتا رہتا ہے مثلاً مال چوری ہو جائے اور کسی اور بلا کے سبب ختم ہو جائے۔

حضرت ابن عطا رحمتہ اللہ علیہ کے قول مبارک پر جو کسی نے اعتراض کیا کہ اللہ تعالیٰ مال و اسباب کی وجہ سے غنی نہیں' وہ ایسی غناء کے سلسلے میں سچا ہے کہ جس غنا کا مطلب بقائے مال و اسباب ہو۔

ایک اور قول :۔ ایک صاحب نے یہ قول بھی ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ کی صفات شایان شان بندہ کے نہیں ہیں۔ صفات بندگی ہی بندے کے شایان ہیں' یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت علم بھی تو ہے جو کہ اس کے حق میں بھی ایک عمدہ ترین چیز ہے بلکہ بندے کا اعلیٰ ترین مقام تو یہی ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے اخلاق کا عادی ہو۔

مشائخ کا قول :۔ بعض مشائخ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو بھی اللہ تعالیٰ کا طریق مبارک یعنی مغفرت کا راستہ طے کرتا ہے۔ ابھی یہ راستہ پورا طے نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ اس شخص کے اوصاف بن جاتے ہیں یعنی اسے ہر اسم مبارک سے ایک خاص بہر میسر آتا ہے مگر یاد رکھئے تکبر بندے کے لیے نہیں ہے کیونکہ جس پر تکبر کا استحقاق نہ ہو' اس پر تکبر کرنا اللہ تعالیٰ کی خاص صفات میں سے ہے۔ تکبر سے فخر اور اصل حقیقت سے بڑھ کر دعویدار ہونا' اس سے تکلیف دہی مقصود ہوتی ہے۔

فائدہ :۔ یہ تکبر اللہ جل جلالہ کی صفت نہیں ہے کیونکہ اس کی صفت تو وہی تکبر ہے جس کا یہ مطلب ہے کہ اللہ

تعالیٰ سب سے بڑا ہے' اسے خود ہی علم ہے کہ میں سب سے بڑا ہوں اور بندے کے لیے تو یہ حکم ہے کہ اگر اس سے ممکن ہو تو تمام مراتب میں سے اعلیٰ ترین مرتبے کی طلب کرے مگر اس کے لیے شرط یہ ہے کہ کماحقہ اس کا استحقاق بھی رکھتا ہو۔ محض جھوٹ' فریب اور دغابازی کی بنا پر نہیں۔

اس بحث سے یہ نتیجہ نکلا کہ بندے کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ جانے کہ کافر کی نسبت مومن اچھا (بڑا) ہے۔ مطیع و فرمانبردار بہ نسبت عاصی و گنہگار کے۔ عالم بہ نسبت جاہل کے۔ انسان حیوان کی نسبت' پتھر اور نباتات کی نسبت بڑا (اچھا) ہے۔ ان تمام چیزوں سے زیادہ ہی انسان کو حق تعالیٰ کا قرب حاصل ہے۔

پس اس صفت کو حقیقی طور پر اگر کوئی دیکھ لے تو بے شک اسے بھی تکبر کی صفت حاصل ہوگی۔ وہ اس صفت مبارکہ کے قابل ہوگا۔ یہ صفت اس کے حق میں فضیلت ہوگی مگر اسے اپنی پہچان کا کوئی طریقہ معلوم نہیں کیونکہ یہ تو بندے کی زندگی کے اختتام پر موقوف ہے جبکہ بندے کو اپنے خاتمے کا حال معلوم نہیں کہ میرا خاتمہ کیسے ہوگا؟ اس لیے جب خاتمے کا پتہ نہیں تو پھر لازم ہوا کہ اپنا مقام کافر کے مقام سے اعلیٰ کا عقیدہ نہ رکھے کیونکہ ہو سکتا ہے کافر کا خاتمہ تو ایمان پر ہو جائے جبکہ اس کا خاتمہ کفر پر' اس لیے یہ شخص تکبر کے لائق نہیں کیونکہ اسے اپنا انجام معلوم نہیں۔

جب یہ ممکن ہوا کہ کسی چیز کو اس کی حقیقت اور ماہیت کے ذریعے جانے تو پھر ایسے شخص کے سلسلے میں وہ علم کمال ہوگا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے۔

پہچان:۔ بعض اشیاء کو پہچاننے سے بندے کو نقصان بھی پہنچ سکتا ہے تو ایسی چیزوں کا علم حاصل کرنا اس کے حق میں نقصان دہ ہے کیونکہ حق تعالیٰ کے اوصاف میں سے ایسا کوئی علم نہیں ہے جو اسے نقصان پہنچائے۔

غناء:۔ ایسی باتوں کو جاننا پہچاننا کہ جن میں بندے کا کسی بھی قسم کا نقصان نہ ہو۔ یہ بندے میں حق تعالیٰ کی صفتوں میں سے تو ہو سکتا ہے کہ یہ منتہائے فضیلت ہو اور اسی بنا پر اولیاء اور علماء کو فضیلت ہو تو پھر ثابت ہوگیا کہ اگر بندے کے نزدیک مال کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہو تو وہ غنا ہے کہ ایک وجہ سے اللہ کی صفت غناء کے مشابہ ہے۔ یہی غنا فضیلت والی ہے۔ محض مال کے وجود کی وجہ سے جو غنا ہے' اس کی کوئی فضیلت نہیں۔ یہاں تک کہ فقیر قانع' غنی اور شاکر کی نسبت کا ہونا چاہیے۔

دوسری صورت:۔ اب حریص فقیر اور حریص غنی میں سے کون افضل ہے' اس بات کو بیان کیا جاتا ہے۔ اس کے لیے ہم ایک مثال بیان کرتے ہیں کہ فرض کیجئے ایک شخص مال کا طلبگار ہے۔ اسی کے لیے کوشش بھی کرتا ہے۔ کوشش کے باوجود حاصل نہیں کر سکتا۔ پھر کسی نہ کسی طرح مال اسے میسر آجاتا ہے تو اس کے لیے دونوں ہی حالتیں بن گئیں۔ (1) مال نہ ہونے والی بھی اور (2) مال ہونے والی بھی۔ ان دونوں حالتوں میں سے کونسی حالت افضل ہے؟

جواب:۔ ہم اس سلسلے میں کہتے ہیں کہ دیکھنا چاہیے کہ اگر تو اس شخص کو معیشت اور زندگی گزارنے کے لیے جتنا مال درکار ہے' صرف اتنا ہی وہ چاہے اور طلب مال کے سلسلے میں اس کی غرض بھی یہ ہو کہ دین کا راستہ طے کرے

اور اس سلسلے میں مال سے مدد چاہے تو ایسی حالت میں مال کا وجود افضل ہے کیونکہ فقر تلاش میں مشغول رکھتا ہے۔ روزی کی تلاش میں مارا مارا پھرنے والے شخص کو فکر و ذکر کی قدرت نہیں ہوگی۔ اگر حاصل ہوگی بھی تو پھر بھی اس میں دوسرا شغل گھسا ہوا ہوگا حالانکہ ذکر و فکر بہت مضبوط چاہیے۔

حدیث شریف :۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللھم اجعل قوت ال محمد کفافا ترجمہ: "یا اللہ (عزوجل)! بقدر گزران کے آل محمد کی غذا کر دے۔"

ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کادالفقر ان یکون کفرا ترجمہ: "قریب ہے کہ فقیری (حالت) کفر تک ہو جائے۔

فائدہ :۔ اس حدیث مبارکہ میں وہی فقر مراد ہے کہ جس میں بندہ ضروری چیز کے لیے طلبگار ہو اور اگر مطلوب حاجت سے مال زیادہ ہے یا حاجت کے مطابق ہی ہے مگر طلب مال کی غرض یہ نہیں ہے کہ اس کے ذریعے سلوک راہ دین پر مدد لے گا تو پھر اس صورت میں فقر افضل ہے۔ اس لیے کہ مال کی حرص اور محبت میں تو غنی اور فقیر دونوں ہی برابر ہیں نیز دونوں کی غرض دین پر استعانت حاصل کرنے کی نہیں اور نہ ہی ان دونوں میں سے کوئی کسی گناہ کا معترض ہے مگر ہاں وہ دنیا پہ اتنا ہی مطمئن ہوگا کہ جس کے پاس نہ ہوگا' اس کا دل بہ امر مجبوری دنیا سے کنارہ کشی کرے گا' اس کے نزدیک دنیا قید خانہ کی مانند ہوگی جس سے آزاد ہونا چاہے گا۔

جب دونوں ہی تمام باتوں میں یکساں ہوئے اور دنیا سے جاتے وقت ایک کو زیادہ میل دنیا ہوا تو صاف ظاہر ہے کہ دوسرے سے اس کا حال سخت ہوگا کیونکہ اسے دنیا سے جتنی محبت یا لگاؤ ہوگا' اسے اتنی ہی آخرت سے وحشت ہوگی۔

حدیث شریف :۔ حدیث شریف میں ہے کہ میرے نفس مبارک میں روح القدس نے یہ بات پھونک دی ہے کہ احبب من احببت فانک مضارقہ ترجمہ: جس سے چاہے محبت کرلے' اس سے تم نے ضرور علیحدہ ہونا ہے۔

تنبیہ :۔ یہ اس بات پر تنبیہ ہے کہ محبوب سے جدائی کی گھڑی بڑی شاق گزرتی ہے پھر لازم ہے کہ محبت ایسی ذات سے کرے جو کبھی بھی داغ مفارقت نہ دے۔ ایسی ذات صرف اللہ جل شانہ کی ذات ہی ہے اور جدا ہونے والی ذات (چیز) سے محبت نہ کرے جبکہ دنیا تو جدا ہونے والی ہے۔ اگر بندہ دنیا سے محبت کرے گا تو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو برا سمجھے گا تو اس کی موت اسی حال پہ ہی ہوگی جسے وہ برا جانتا ہے۔ اسی طرح وہ اپنی محبوب چیز سے داغ مفارقت کھا جائے گا۔ جب کوئی اپنے محبوب سے علیحدہ ہوتا ہے تو اسے درد و فراق اس کی محبت کی مقدار جتنا ہوتا ہے۔ جس شخص کے پاس دنیا ہے' وہ دنیا پہ قدرت رکھتا ہے تو اسے نادار کی نسبت دنیا سے محبت زیادہ ہوتی ہے خواہ نادار دنیا کا حریص بھی ہو۔

فائدہ :۔ اس سے معلوم ہوا کہ فقر تمام مخلوق کے حق میں افضل و اعلیٰ ہے مگر دو مقامات میں غنی فقیر سے افضل ہے۔

1- حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جیسی غناء کہ اس کے لیے مال کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہو کیونکہ ایسی غناء کثرت ثواب کا سبب ہوا کرتی ہے یعنی ایسی غناء کا یہ فائدہ ہے کہ فقراء و مساکین کی دعا حاصل ہوتی ہے۔

2- فقر مقدار ضروری سے ہو یعنی ضروری مقدار کا بھی بندہ محتاج ہو۔ اس حال میں بھی فقر افضل ہے کیونکہ ایسے فقر کے سلسلے میں ہی ہے کہ یکاد ان یکون کفرا ترجمہ: قریب ہے کہ فقیری حالت کفر تک ہو جائے۔

اور اس فقر میں کوئی بھلائی نہیں ہے مگر یہ تب ہے کہ ضروری مقدار اس کی زندگی کو باقی رکھے اور یہ شخص اس زندگی سے اللہ تعالیٰ کی معصیت و کفر پہ مدد کا طالب ہو اور اگر بالفرض بھوک سے مرجائے تو پھر اس کے گناہ بھی کم ہوں تو پھر اس کے حال کے مناسب یہی ہے کہ بھوکا مرا ہے۔ اضطراب جس کی طرف تھا' وہ بھی نہ ملے۔ غنی اور فقیر کے سلسلے میں یہ تفصیل ہے۔

حریص فقیر:۔ علاوہ ازیں ایک اور صورت یہ ہے کہ اگر کوئی حریص فقیر ہو کہ ہر لحہ طلب مال میں مصروف ہو' اسے طلب مال کے سوا کوئی کام نہ ہو جبکہ دوسرا امیر ایسا شخص ہو کہ فقیر سے کم حرص رکھتا ہو۔ اگر اس سے مال جاتا رہے تو پھر بھی اسے فقیر سے کم درد ہو تو پھر ان دونوں کے حال میں اختلاف ہے۔ ظاہراً تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ان دونوں کی ہی اتنی زیادہ دوری ہوگی جس قدر انہیں مال نہ ہونے سے درد ہوگا۔ یہ درد جتنا کم ہوگا' اسی مقدار برابر انہیں حق تعالیٰ کا قرب نصیب ہوگا (واللہ تعالیٰ اعلم)

آداب فقر: باطن و ظاہر میں لوگوں سے ملاقات کے وقت سالک کو اپنے افعال میں چند آداب کا خاص خیال رکھنا ضروری ہے۔

باطنی ادب:۔ اس امر کی جس میں کراہت نہ ہو کہ اسے جس امر میں اللہ تعالیٰ نے مبتلا کیا ہے یعنی دل میں فقر کو برا نہ سمجھے اور نہ ہی یہ تصور کرے کہ اللہ تعالیٰ نے جو سلوک میرے ساتھ کیا ہے' اچھا نہیں کیا۔ خواہ اس کا نفس برا ہی کیوں نہ سمجھے۔ جیسے پچھنے لگوانے والا ایذا کی جہت سے تو پچھنے لگوانے کو برا تصور کرتا ہے مگر پچھنے لگانے والے کو برا نہ سمجھے بلکہ اسے محسن سمجھتا ہے تو یہ مقام حاصل ہونا اقل مرتبہ ہے۔ فقیر کے لیے اتنا مقام حاصل ہونا واجب ہے اور خلاف اس کے حرام ہے۔ ثواب فقر کو ضائع کر دیتا ہے۔ یہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک سے مراد ہے۔

حدیث شریف:۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اے گروہ فقراء! اللہ تعالیٰ جل جلالہ کو اپنے قلوب سے رضا دیجئے کہ تمہیں تمہارے فقر کا ثواب عطا فرمایا جائے ورنہ تجھے فقر کا ثواب نہیں عطا ہوگا۔

فائدہ:۔ اور اس سے بھی بلند مقام یہ ہے کہ فقر کو برا خیال نہ کرے بلکہ فقر سے راضی ہو اور اس سے بھی اعلیٰ مقام یہ ہے کہ فقر کو طلب کرے۔ اس سے راضی ہو۔ اس لحاظ سے آفات غنا سے باخبر ہو۔ دلی طور پر اللہ تعالیٰ پہ

توکل اختیار کرے اور اس بات پر اعتماد رکھتا ہو کہ ضروری مقدار تو بلاشبہ مجھے عطا ہوگی اور ضرورت سے زیادہ کو برا سمجھے۔

فرمان حیدر کرار رضی اللہ عنہ :۔ حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ وجہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فقر سے عذاب بھی دیتا ہے اور ثواب بھی عطا فرماتا ہے۔ فقر کی وجہ سے جب ثواب عطا فرمانا منظور ہوتا ہے تو ایسے فقر کی پہچان یہ ہے کہ اس بندے کی عادت اچھی کر دے۔

اس سے اپنے رب کی اطاعت کرے۔ اپنے احوال کا کسی سے شکوہ شکایت نہ کرے۔ فقر پہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور جب فقر سے ثواب کرنا منظور ہو تو پھر اس کی پہچان یہ ہے کہ بندہ بد خلق ہو۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کرے۔ اپنے احوال کے سلسلے میں شکایات کثرت سے کرتا رہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم پر غصہ ہو۔

فائدہ :۔ معلوم ہوا کہ ہر فقر اچھا نہیں ہے بلکہ فقر تو صرف وہی اچھا ہے جس میں آدمی غصے نہ ہو یا اپنے فقر پر راضی ہو' اس لیے کہ اس کا انجام جانتا ہو۔

چنانچہ یہ قول بڑا مشہور ہے کہ دنیا سے جو کچھ بندے کو ملتا ہے تو اس سے یہ بات کہلائی جاتی ہے کہ اسے تین حصوں پر حاصل کر یعنی تین باتیں تجھے اس کے ساتھ ہی پیش آئیں گی۔ (1) مصروف رہنا۔ (2) فکر و تردد۔ (3) حساب کا زیادہ ہونا۔

ظاہر فقر کا ادب :۔ فقر کے ظاہر کا ادب یہ ہے کہ کچھ بھی طلب نہ کرنا۔ اچھی طرح رہنا ظاہر کرے۔ کسی کے سامنے شکایت اور فقر ظاہر نہ کرے بلکہ حتی الوسع اپنے فقر کو پوشیدہ رکھے اور مزید برآں یہ کہ یہ بات بھی لوگوں سے پوشیدہ رکھے کہ میں اپنا فقر چھپاتا ہوں۔ لوگوں کے سامنے ظاہر نہیں کرتا کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ ان اللہ یحب الفقیر المتعفف ابا العیال ترجمہ : "بے شک اللہ تعالیٰ عیالدار فقیر سوال نہ کرنے والے کو پسند کرتا ہے۔" اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ یحسبھم الجاھل اغنیاء من التعفف (پ 3 البقرہ 273) ترجمہ کنزالایمان: نادان انہیں تونگر سمجھے بچنے کے سبب۔

حضرت سفیان ثوری کا فرمان :۔ حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حالت احتیاج کا عمل افضل الاعمال ہے۔

بعض اکابرین کا قول :۔ بعض اکابرین نے ارشاد فرمایا کہ نیکی کے خزانوں میں سے یہ بھی ہے کہ فقر کو چھپایا جائے اور اعمال کے سلسلے میں ادب یہ ہے کہ کسی امیر کے لیے اس کی امارت کی وجہ سے عاجزی اختیار نہ کرے بلکہ اس کے لیے تو تکبر اختیار کرے۔

حضرت علی کا فرمان :۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ عمدہ ہے غنی کا تواضع کرنا۔ فقیر کے واسطے ازراہ رغبت ثواب کے اور اس سے بھی عمدہ فقیر کا تکبر ہے۔ غنی پر خدا تعالیٰ پر اعتماد کی رو سے تو ایسا حال فقیر

کا ہونا تو ایک رتبہ عالی ہو کہ کمتر درجہ یہ ہے کہ اغنیاء کے پاس نہ بیٹھے' نہ ان کے پاس بٹھلانے کی رغبت کرے۔ اس لیے کہ مبادی طمع یہی باتیں ہوتی ہیں۔

حضرت سفیان ثوری کا فرمان:۔ آپ نے فرمایا کہ جب فقیر امراء سے ملاقات کرنے لگے تو جانو کہ ریاکار ہے۔ جب بادشاہ سے ملاقات کرنے لگے تو پھر سمجھ لیجئے کہ یہ چور ہے۔

عارفین کا قول:۔ بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ فقیر جب امراء سے ملاقات کرتا ہے تو اس کے اعتکو (توکل) میں ڈھیلا پن پیدا ہو جاتا ہے اور فقیر ذکر اللہ سے غافل ہو جاتا ہے۔ فقیر کو چاہیے جو بات حق ہو' وہ بیان کرے اور فقر کی وجہ سے عبادت میں سستی نہ کرے اور اگر فقیر کے پاس کچھ مال بچ جائے تو فوراً اس کو خیرات کر دے کیونکہ فقیر کا تھوڑا مال جو وہ خیرات کرتا ہے' وہ امراء کے کثرت مالوں کے خرچ کرنے سے کئی درجے بہتر ہے۔

حدیث شریف:۔ حضرت زید بن اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقے کا ایک درہم خدا تعالیٰ کے نزدیک لاکھ درھم سے افضل ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے عرض کی یا رسول اللہ آپ پر ہمارے مال اور باپ قربان ہوں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے میرے جانثارو میری طرف توجہ فرماؤ۔ ایک شخص نے اپنے بہت سے مال سے لاکھ درھم اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کیئے اور ایک آدمی کے پاس صرف دو درھم تھے تو اس نے ایک درھم خوشی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کردیا تو یہ ایک درھم والا اس لاکھ درھم والے سے افضل ہوگا۔

عارفین فرماتے ہیں کہ امراء کو چاہیے کہ مال جمع نہ کرے بلکہ قدر حاجت اپنے پاس رکھے اور باقی تمام مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کر دے اور جمع کرنے میں تین درجے ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ ایک دن اور ایک رات کا سامان رکھے' یہ درجہ صدیقین کا ہے۔ دوسرا یہ کہ چالیس روز کا ذخیرہ کرے' یہ درجہ متقین کا ہے۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ ایک سال کا ذخیرہ کرے' یہ سب سے ادنیٰ مرتبہ ہے اور یہ صالحین کا درجہ ہے جو ایک سال سے زیادہ ذخیرہ کرے۔ وہ عوام میں داخل ہوتا ہے' خاص یعنی مقبولان حق کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔

عارفین فرماتے ہیں جو اطمینان قلبی میں کمزور ہو' وہ صالح ہوتا ہے۔ ایک سال کی غذا جمع کرنے والا غنی ہوتا ہے۔ چالیس روز والا خاص غنی ہوتا ہے (زیادہ مقبول خدا ہوتا ہے یعنی وہ بھی ہوتا مگر ایک سال والے غنی سے زیادہ افضل یعنی خاص ہوتا ہے) ایک دن ایک رات کی غذا جمع کرنے والا غنی نہیں ہوتا بلکہ وہ صرف خاص مقبول حق ہوتا ہے۔ یہ سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازدواج مطہرات کو ایک دن اور ایک رات کی غذا عنایت فرماتے تھے۔

امراء کے تحائف: عارفین فرماتے ہیں کہ اگر فقیر کے پاس امیر لوگ کچھ لائیں تو فقیر کو تین باتوں کا لحاظ رکھنا چاہیے۔

اول نفس مال' دوم دینے والے کی غرض' سوم قبول کرنے میں اپنی غرض۔

اول نفس مال :- نفس مال کا لحاظ یہ ہے کہ اگر مال تمام شبہات سے پاک ہو تو وہ لے لیں ورنہ قبول کرنے سے احتراز کرے۔

دوم دینے والے کی غرض :- دینے والے کی غرض تین صورتوں سے خالی نہیں ہوتی۔ (1) دل کا خوش کرنا' اس سے طلب محبت منظور ہے۔ اس کو ہدیہ کہتے ہیں۔ (2) غرض ثواب۔ اس کو صدقہ اور زکوٰۃ کہتے ہیں۔ (3) شہرت یا ریا۔ مراد یہ تنہا ہوتی ہے یا پہلی غرضوں سے ملی ہوتی ہے۔

جائز و ناجائز کی تفصیل :- صورت اول یعنی ہدیہ کے قبول کرنے کا حرج نہیں کہ سنت ہے لیکن چاہیے کہ اس میں منت نہ ہو ورنہ ایسے ہدیہ کا ترک قبول اولیٰ ہے اور اگر یہ معلوم ہو کہ بعض میں منت زیادہ ہو تو اس عزت کو واپس کردے۔

عمل محبوب :- ایک شخص نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گھی' پنیر اور مینڈھا بطور ہدیہ پیش کیا تو محبوب دوعالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھی اور پنیر قبول کرلیا اور مینڈھے کو واپس کردیا۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ آپ بعض لوگوں کے ہدیئے قبول فرماتے تھے اور بعضوں کے ہدیئے واپس کردیتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ میں نے ارادہ کیا ہے کہ میں قریشی ثقفی اور دوسی کے بغیر کسی سے ہدیہ نہ لوں' یہی بات بعض تابعین نے بھی بیان فرمائی ہے۔

فتح موصلی :- فتح موصلی کے پاس ایک تھیلی تھی جس میں پچاس درہم تھے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھ سے عطا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان فرمائی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کے پاس بدو روزی مانگنے آئے اور وہ بدو کو ہٹادے تو وہ شخص بدو کو واپس نہیں کرتا بلکہ خداتعالیٰ کو واپس کرتا ہے۔ پھر آپ نے تھیلی کھولی اور ایک درھم لے لیا اور باقی سب کو واپس کردیا۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ :- حضرت حسن بصری بھی اس حدیث کو روایت کرتے تھے مگر جب ان کے پاس ایک شخص نے ایک تھیلی اور خراساں کے باریک کپڑے کی گٹھڑی پیش کی تو آپ نے واپس کردی اور آپ نے فرمایا کہ "جو شخص میری جگہ بیٹھے اور لوگوں سے اس قسم کی چیزیں لے' وہ قیامت کے روز خداتعالیٰ سے ایسے حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کو بہرہ ثواب سے نہ ہو۔"

حضرت حسن بصری کے اس قول سے ثابت ہوتا ہے کہ عالم اور واعظ کو بھی قبول کرنا سخت تر ہے۔ حضرت حسن بصری اپنے دوستوں کا ہدیہ قبول کرلیا کرتے تھے اور حضرت ابراہیم تیمی اپنے دوستوں سے درھم یا دو درھم تک مانگ لیا کرتے تھے۔ کوئی دوسرا آکر سینکڑوں درھم پیش کرتا تو آپ نہ قبول کرتے اور بعض کا یہ دستور تھا کہ اگر کوئی دوست ان کو کچھ دیتا تو کہتے کہ اس کو اپنے پاس رہنے دو اور دیکھو کہ اگر اس چیز کے لینے کے بعد میں تمہارے دل میں لینے سے پیشتر کی نسبت افضل ہوں تو مجھے بتادینا' میں لے لوں گا ورنہ نہ لوں گا۔

عارفین فرماتے ہیں کہ اس حال کی پہچان یہ ہے کہ اگر لینے والا ہٹا دے تو دینے والے پر ناگوار گزرے اور اگر قبول کرے تو خوش ہو اور اس کو قبول کرنے میں اپنے اوپر احسان سمجھ لیں۔ اگر لینے والے کو معلوم ہو کہ اس ہدیہ میں کس قدر احسان مخلوط ہے تو یہ ہدیہ کا لینا مباح ہے مگر فقراء صادقین کے نزدیک مکروہ ہے اور بشر فرماتے ہیں کہ میں نے کسی سے کبھی کوئی چیز نہیں مانگی سوائے حضرت سری سقطی کے اس لیے کہ میرے نزدیک اس کا زہد دنیا میں ثابت ہے۔ جب ان کے قبضے سے کوئی چیز نکلتی ہے تو آپ بہت خوش ہوتے ہیں اور اگر کوئی چیز باقی رہتی ہے تو آپ غمگین ہوتے ہیں۔ پس میں ان کی خاطر خواہ چیز پر ان کا مددگار ہوتا ہوں۔

حکایت:۔ ایک خراسانی حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس آیا اور آپ کے پاس کچھ مال لایا اور عرض کی کہ آپ اس کو کھائیں۔ حضرت جنید بغدادی نے فرمایا کہ تم فقراء میں اس کو بانٹ دو تو اس شخص نے عرض کی کہ مجھ کو یہ غرض نہیں تو آپ نے فرمایا کہ اگر میں اتنا مال کھاؤں تو زندہ کیسے رہوں گا۔ اس شخص نے عرض کی کہ آپ اس کو چٹنی اور سالن میں خرچ کریں بلکہ میں چاہتا ہوں کہ آپ شیرینی اور میووں اور پھلوں وغیرہ میں صرف کر ڈالیے تو حضرت جنید بغدادی نے قبول کر لیا۔

خراسانی نے کہا کہ بغداد میں کوئی شخص ایسا نہیں جس کا احسان مجھ پر آپ سے زیادہ ہو۔ حضرت جنید نے فرمایا کہ تم جیسے کے سوا اور کسی کا ہدیہ قبول ہی نہیں کرنا چاہیے۔

صدقہ اور زکوٰۃ:۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اگر دینے والا صرف ثواب کے لیے دیتا ہے تو یہ صدقہ ہو گا یا زکوٰۃ ہوگی تو اس صورت میں فقیر کو اپنے حال پر نظر کرنا چاہیے کہ مستحق زکوٰۃ کا ہوں یا نہیں اور اگر کوئی شخص فقیر کو صدقہ صرف دین کے باعث دیتا ہو تو فقیر کو چاہیے کہ اپنے دل میں سوچے کہ میں باطن میں کسی ایسے گناہ کا مرتکب تو نہیں ہوں جس کا پتہ دینے والے کو چل جائے تو وہ مجھ سے نفرت کرے گا اور صدقہ دینا روک دے گا تو ایسی صورت میں عارفین کے نزدیک لینا حرام ہے۔ مثلاً اگر کسی شخص نے اس گمان سے دیا کہ فلاں شخص عالم یا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد ہے اور فقیر اس صفت سے موصوف نہیں تو اس کو لینا محض حرام ہے کہ اس میں شبہ نہیں۔ تیسری یہ کہ دینے والے کی غرض ریاء یا شہرت ہو تو فقیر کو چاہیے کہ اس کی چیز واپس کر دے۔

حضرت سفیان ثوری:۔ حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ کو جو کوئی شخص کچھ دیتا تو حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ واپس کر دیتے اور فرماتے کہ اگر میں جانتا کہ یہ لوگ کچھ دینے کو فخر کی راہ سے ذکر نہیں کرتے تو میں قبول کر لیتا۔

بعض اکابرین نے آپ پر طعن کیا کہ جو لوگ آپ کی طرف بمقصد ثواب تحائف بھیجتے ہیں' آپ اس کو کیوں ہٹا دیتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ میں ان پر شفقت اور نصیحت کی راہ سے واپس کرتا ہوں' اس لیے کہ وہ اپنی دی ہوئی چیز لوگوں میں مشہور کر دیتے ہیں۔ لوگوں میں مشہور کرنا ان لوگوں کو اچھا معلوم ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ ثواب سے محروم رہ جاتے ہیں' اس لیے میں واپس کر دیتا ہوں۔ حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں

کر لینے میں فقیر اپنی غرض کا لحاظ ایسے کرے کہ دیکھے کہ اس چیز کی مجھ کو ضرورت ہے یا نہیں۔ اگر مقدار ضرورت کا محتاج ہو اور پہلی آفتوں سے بھی کوئی آفت موجود نہ ہو تو بہتر ہے کہ قبول کر لے۔

حدیث شریف میں ہے ماالمعطی من سعته باعظم اجرا من الاخذ اذا کان محتاجا دوسری حدیث من اتاه شی من هذا المال من غیر مسئله ولا استشراف فانما هو رزق ساق الله الیه ایک روایت میں ہے فلا یرده۔

علماء کرام کا قول:۔ بعض علماء کرام کا قول ہے کہ جس شخص کو کچھ ملے اور وہ نہ لے' جب وہ سوال کرے گا تو نہیں دیا جائے گا۔

حکایت:۔ ایک دفعہ حضرت سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت امام احمد بن حنبل کے پاس کچھ بھیجا کرتے تھے۔ ایک بار انہوں نے واپس کر دیا تو حضرت امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کو حضرت سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا کہ اے احمد واپس کرنے کی آفت سے خوف کرو کہ پھیرنے کی آفت لینے کی آفت سے سخت تر ہے۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ اے سری سقطی دوبارہ پھر ارشاد فرمایئے۔ انہوں نے دوبارہ بھی یہی عرض کیا تو حضرت امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ میں نے اس وجہ سے واپس کیا کہ میرے پاس غذا ایک ماہ کی موجود ہے' تم اس چیز کو اپنے پاس رہنے دو۔ ایک مہینے کے بعد میرے پاس بھیج دینا' ابھی مجھے ضرورت نہیں۔

علماء کا قول:۔ بعض علماء کا قول ہے کہ باوجود حاجت کے کسی چیز کو واپس کر دینے سے یہ خوف ہے کہ کہیں اللہ رب العزت اس کی سزا میں مبتلائے طمع کر کے کسی شبہ میں نہ ڈال دے' پھر اگر جو مال آیا ہے جو حاجت سے اگر زیادہ ہو تو دو حال سے خالی نہیں یا تو آدمی اپنے ہی حال میں مشغول ہو یا فقراء کے امور کا متکفل ہو کہ اپنی طبیعت میں رفق و سخاوت کی وجہ سے انہیں یاد کرتا ہو۔ اگر اپنے ہی حال میں مصروف ہو تو کوئی وجہ قبول کرنے کی نہیں بشرطیکہ سالک طریق آخرت ہو' اس لیے کہ ضرورت سے زیادہ لے کر رکھ لینا نفسانی خواہش کی اتباع میں ہے اور جو عمل اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نہیں ہوتا' وہ شیطان کی رضا میں ہوتا ہے۔ طلبگار ہونے کا جل کی کوٹھڑی میں گھس جانے سے داغ لگ جاتا ہے' پھر اسے حاصل کرنے کی بھی دو حالتیں ہیں۔ (1) ظاہری طور پر تو لے لے اور چھپ کر واپس کر دے یا فقراء میں بانٹ دے' یہ مقام صدیقین ہے۔ یہ نفس پہ بڑا ناگوار ہوتا ہے۔ اس کی تاب تحمل اسے ہی ہوتی ہے' ریاضت پر جو مطمئن ہو۔ (2) فقیر اس لیے قبول نہ کرے تاکہ مالک اس چیز کو کسی زیادہ حاجت مند کو دے ڈالے یا فقیر خود لے کر ایسے شخص کو دے ڈالے جو اپنے آپ سے زیادہ حاجت رکھتا ہو۔ یہ دونوں باتیں پوشیدہ کرے یا ظاہر کرے۔

فائدہ:۔ باب زکوۃ کے اسرار میں ہم لکھ چکے ہیں کہ لینے کا اظہار بہتر ہے یا اخفاء اور بعض احکام فقر بھی وہاں لکھے گئے ہیں۔ وہاں سے دیکھ لینا چاہیے۔

ازالہ وہم:۔ امام احمد بن حنبل کا حضرت سری سقطی کے ہدیہ کو قبول نہ کرنا صرف اس جہت سے تھا کہ ان کو

حاجت نہ تھی۔ اس نظریے سے کہ ان کے پاس مہینے بھر کی خوراک موجود تھی۔ امام صاحب کی طبیعت نہ چاہی کہ اس کو قبول کرلیں یا کسی دوسرے شخص کو دے دیں کیونکہ اس میں بہت سی آفات اور خطرے ہیں اور "ورع" اسی کا نام ہے کہ آفتوں کی جگہ سے بچے کیونکہ شیطان کے قریب سے امن مشکل ہے۔

اور بعض مجاور مکہ فرماتے ہیں کہ میرے پاس کچھ درہم تھے جن کو میں نے خدا کی راہ میں صرف کرنے کو رکھے تھے۔ میں نے ایک فقیر کو سنا کہ اپنے طواف سے فارغ ہو کر آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا "کہ یا اللہ میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے۔" میں نے اس شخص کی طرف دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس کے پاس دو کپڑے ایسے پھٹے ہوئے تھے کہ اس کا بدن بھی نہیں چھپا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ میرے درہموں کے لیے اس شخص سے بڑھ کر اور کوئی مصرف نہیں ہوگا۔ میں اپنے درہموں کو ان کے پاس لے آیا۔ اس نے دیکھ کر ان میں سے پانچ درہم لے لیے اور کہا کہ چار درہم کی دو چادریں آجائیں گی اور ایک درہم کو میں تین دن خرچ کروں گا' باقی درہموں کی مجھ کو حاجت نہیں' لے جاؤ۔ جب دوسری رات ہوئی تو میں نے اس کو نئی چادریں پہنے دیکھا اور اس وقت میرے دل میں اس کی طرف سے کچھ وسوسہ شیطانی گزرا۔ اس نے میری طرف دیکھ کر میرا ہاتھ پکڑا اور اپنے ساتھ سات بار طواف کرایا۔ ہر ایک پھیرے میں ایک نئی قسم کا جوہر زمین کی کانوں میں سے ہمارے پاؤں کے نیچے ٹخنوں تک ہو جاتا۔ مثلاً ایک دفعہ چاندی' پھر یاقوت اور موتی و گوہر' یہ سب چیزیں لوگوں کو نہ سوجھتی تھیں۔ اس نے کہا کہ خدا تعالیٰ نے یہ سب کچھ دیا مگر میں نے زہد کیا۔ لوگوں کے ہاتھ سے نے لیتا ہوں' اس لیے یہ سب چیزیں بوجھ اور وبال ہیں۔

فائدہ:۔ مقدار حاجت سے زیادہ جو آدمی کے پاس آتا ہے' وہ امتحان اور ابتلاء کے لیے آتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ دیکھے کہ وہ اس میں کیا کرتا ہے۔ مقدار حاجت جو عنایت ہوتا ہے' وہ ارفق کے طور پر عنایت ہوتا ہے۔ ارفق اور ابتلاء کے معنوں کو یاد رکھنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انا جعلنا ما علی الارض زینته لها لنبلوهم ایهم احسن عملا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لا حق لابن ادم الا فی طعام یقیم صلبه وثواب یواری عورته وبیت یکمنه فما زاد فهو حسابه ترجمہ: "صرف تین چیزوں میں بندے کا حق ہے۔ ایک کھانا کہ اس کی پشت کو سیدھا رکھے۔ کپڑا کہ اس کی برہنگی کو چھپائے۔ گھر کہ اسے پناہ دے (ان تینوں سے) جو زائد ہو' وہ حساب کی چیز ہے۔

فائدہ:۔ اگر بندہ ان چیزوں میں سے ضرورت کے مطابق لے گا تو پھر ثواب پائے گا اور یہ چیزیں زائد از ضرورت حاصل کرے تو پھر اگر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے گا تو پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے آپ کو پیش کرنا پڑے گا اور اگر نافرمانی اختیار کرے گا تو پھر عذاب کا مستحق ٹھہرے گا۔

امتحان:۔ آزمائش کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ بندہ کوئی لذت اللہ تعالیٰ کی نفرت کے لیے اور اپنے نفس کو زیر کرنے کے لیے ترک کرنے کا پختہ عہد و عزم کرلے۔ بعد ازاں وہی لذت صاف و شفاف حالت میں اس کے پاس آئے تاکہ اس کی عقلی قوت کو جانچے تو اس وقت بہتر یہی ہے کہ اس سے دور رہے کیونکہ اگر نفس کو وعدہ خلافی کی اجازت دے گا تو پھر اسے اس کی عادت پڑ جائے گی۔ ہمیشہ اپنی اس عادت کی طرف رجوع کرے گا۔ پھر اسے دبا نہیں

سکے گا۔ اسی لیے ایسی لذت کو دبا دینا لازم ہے۔ اگر دینے والے کو ہی لوٹا دے تو پھر زہد ہو گا۔ اگر اس سے لے کر کسی دوسرے محتاج کو دے دے تو یہ زہد کا درجہ نہایت اعلیٰ ہے۔ اس پر سوائے صدیقین کے کوئی بھی قادر نہیں۔

فائدہ :۔ اگر کسی کا حال سخاوت' خرچ کا کرنا' فقیروں کا تکفل' فقراء اور صالحین کی خبرگیری کرنا ہو تو پھر اپنی ضرورت سے زائد لینے میں بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ حاجت فقراء سے تو زیادہ نہیں ہے مگر پھر بھی جلد ہی ایسا مال فقیروں میں صرف کر دینا چاہیے۔ اسے اپنے پاس رکھ نہیں لینا چاہیے۔ اس لیے کہ ایسا مال محض ایک رات بھی اپنے گھر میں رکھنے میں بھی فتنہ و آزمائش ہے۔ ہو سکتا ہے گھر میں رکھ لینے سے دل کو اچھا لگا' پھر وہی مال واپس کرنے کو جی نہ چاہے' وہی وبال جان بن جائے۔

تباہی :۔ بعض لوگوں نے تکفل فقیروں کی خدمت کا کیا ہے۔ اس پیرائے میں کثرت مال و دولت اور کھانے پینے کی کثرت میں پھنس گئے' تباہی اسے کہتے ہیں۔

فائدہ :۔ رفق و طلب ثواب جس کی غرض ہو' اسے جائز ہے کہ وجہ جلال سے اللہ تعالیٰ بھیج دے تو دے دے اور اگر اسے ادا کرنے سے قبل ہی مرجائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے ادا کر دے گا اور اس سے قرض خواہوں کو اللہ تعالیٰ راضی کر دے گا لیکن اس راضی کرنے میں شرط یہ ہے کہ اس کا حال قرض خواہ اچھی طرح جانتا ہو تو لازم ہے کہ قرض خواہ سے وعدہ وغیرہ کرکے دھوکہ نہ دے بلکہ صاف صاف اپنا حال بیان کر دے تاکہ احوال سے اچھی طرح باخبر ہو کر قرض دے' چاہیے کہ ایسے شخص کا قرض ادا کیا جائے خواہ زکوٰۃ کے مال سے ادا ہو۔

تفسیر آیت :۔ بعض اس آیت مبارکہ کا مفہوم یہ بیان کرتے ہیں کہ اپنے دو کپڑوں میں سے ایک فروخت کر ڈالے اور بعض فرماتے ہیں کہ قرض اپنی وجاہت پہ لے لے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے۔ اس بارے میں بعض اکابرین نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض ایسے بندے بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جتنا انہیں ظن ہوتا ہے' وہ اپنے سرمایہ میں سے اتنا خرچ کرتے ہیں۔

وصیت :۔ وصال فرماتے ہوئے کسی بزرگ نے وصیت فرمائی کہ میرا ترکہ تین گروہوں میں تقسیم کر دینا۔ (1) قوی (2) سخی (3) غنی۔ ان سے پوچھا گیا کہ ان تین گروہوں میں ترکہ تقسیم کرنے سے آپ کی غرض کیا ہے تو اس بزرگ نے فرمایا کہ قوی سے مراد متوکل ہیں۔ سخی سے مراد اللہ تعالیٰ پہ حسن ظن رکھنے والے اور غنی سے مراد محض اللہ تعالیٰ کے ہو رہنے والے ہیں۔

فائدہ :۔ خلاصہ کلام یہ کہ جب فقیر' مال اور دینے والے میں درج بالا شرطیں پائی جائیں تو پھر اسے فقیر لے لے مگر پھر بھی یہ بات جان لینی چاہیے کہ یہ جو کچھ میں نے لیا ہے' اللہ تعالیٰ سے لیا' اس دینے والے سے نہیں لیا کیونکہ دینے والا تو صرف ایک واسطے کی حیثیت رکھتا ہے کہ وہ دینے کے لیے مسخر کر دیا گیا ہے' اس لیے وہ تو دینے کے لیے مجبور ہے کیونکہ اس پہ ارادہ' اعتقاد اور لوازم مسلط کر دیئے گئے ہیں۔ دیئے بغیر تو کوئی چارہ ہی نہیں۔

حکایت:- کسی شخص نے حضرت شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ان کے مریدوں اور پچاس دیگر آدمیوں کے ساتھ دعوت دی- اس نے بڑا عمدہ کھانا تیار کروایا- آپ جب بیٹھے تو آپ نے اپنے مریدوں کو ارشاد فرمایا کہ دعوت دینے والا یوں کہتا ہے کہ جو شخص یہ بھی خیال نہ کرے کہ میں نے یہ کھانا تیار کیا ہے اور یہ کھانا میں نے ہی کھانے والے کے سامنے رکھا ہے تو میرا کھانا ایسے شخص پہ حرام ہے- آپ کے تمام ساتھی یہ سنتے ہی وہاں سے چلے گئے- صرف ایک شخص وہاں رہ گیا جو کہ ان کے درجہ سے کم درجہ رکھتا تھا- آپ کی خدمت میں صاحب دعوت نے عرض کیا' یہ فرمانے سے آپ کا مقصود کیا تھا- آپ نے کہا کہ میں ان تمام کی توحید کا امتحان لینا چاہتا تھا-

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے عرض کیا کہ الٰہی! تو نے بنی اسرائیل کے ہاتھوں پہ میرا رزق اتار دیا ہے- صبح کوئی کھانا کھلاتا ہے اور شام کے وقت کوئی- اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ میں اپنے دوستوں کے ساتھ ایسا ہی کرتا ہوں کہ انہیں اپنے بندوں میں سے بڑے لوگوں کے ہاتھ سے رزق دلواتا ہوں تاکہ ان کی وجہ سے انہیں ثواب عطا کیا جائے-

فائدہ:- بہرحال بندے کو چاہیے کہ اگر کوئی اسے کچھ عطا کرے' تو جان لے کہ یہ اس لیے دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے مسخر کر دیا ہے-

بلاضرورت سوال کی حرمت اور مضطر کے سوال کا بیان: سوال کے بارے میں کافی مناہی و تشدد وارد ہوئے ہیں- بعض روایات میں سوال کرنے کی اجازت کا بھی بیان ہے- جیسے حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ للسائل حق ولو جاء علی فرس "سائل کے لیے حق ہے اگرچہ وہ گھوڑے پر ہی آئے-"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ردالسائل ولو بظلف محرق "سائل کو (کچھ نہ کچھ دے کر) واپس کرو' اگرچہ جلی ہوئی کھری دے کر ہی سہی-

فائدہ:- ان احادیث مبارکہ سے سوال کرنے کی اجازت سمجھی جاتی ہے کیونکہ اگر سوال کرنا مطلقاً حرام ہوتا تو سائل کو کچھ نہ کچھ دینے پہ معاونت برائی کرنے والے کے برے کام کے لیے ہوتی-

پس تحقیق اس امر میں یہ ہے کہ اصل میں عموماً سوال حرام ہے اور اگر کسی ضرورت یا حاجت فہم کے لیے جو کہ ضرورت کے قریب تر ہو تب سوال مباح ہو جاتا ہے- پس اگر اس سے مضطر ہے تو پھر حرام ہی ہوگا- ہم نے جو سوال کو حرام کہا ہے' وہ صرف اس لیے کہ سوال کرنے میں تین حرام باتیں ضرور پائی جاتی ہیں-

1- اللہ تعالیٰ کی شکایت کا اظہار اس لیے کہ اپنی احتیاج کا اظہار ہی سوال ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمت اپنی ذات پہ کم ظاہر کرنا یہ واضح طور پر اللہ کی شکایت ہے- جیسے کسی کا غلام کسی دوسرے سے سوال کرے- اس کا سوال کرنا دراصل اس کے آقا کی توہین اور شکایت ہی ہوتی ہے- یونہی بندوں کا سوال کرنا بھی اللہ تعالیٰ کی بے ادبی اور شکایت ہی ہے- اس لیے سوال کرنا حرام ہونا چاہیے اور ضرورت کے بغیر سوال کرنا حلال نہیں

ہونا چاہیے جبکہ بوقت ضرورت تو مردار کا استعمال بھی جائز ہو جاتا ہے۔

2- سوال میں سوال کرنے والا اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسرے کے سامنے اپنے نفس کو ذلیل و رسوا کرتا ہے جبکہ ایماندار کے لیے یہ جائز نہیں کہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے سامنے ذلیل کرے بلکہ اسے تو چاہیے کہ اپنے آپ کو صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے ذلیل کرے کہ اسی میں اس کی عزت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا بقیہ تمام مخلوق تو اس کی اپنی ذات جیسی ہے۔ اس لیے بلا ضرورت اس کے سامنے ذلیل نہیں ہونا چاہیے۔ سوال کرنے میں تو صاف ہے کہ سائل اس شخص کی نسبت ذلیل ہوتا ہے کہ وہ جس سے سوال کرتا ہے۔

3- اکثر و بیشتر جس سے سوال کیا جاتا ہے' اس کو ایذا ہوتی ہے کیونکہ بعض اوقات وہ اپنی خوشی سے دینے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ اگر اس سائل سے شرمسار ہوتے ہوئے یا ریاء کے طور پر کچھ نہ کچھ دے دے تو پھر وہ لینا سائل پہ حرام ہے اور اگر وہ نہ دے تو پھر بعض اوقات اسے شرمندگی اٹھانی پڑتی ہے۔ وہ اپنے دل میں تکلیف اٹھاتا ہے۔ اس لیے کہ بخیلوں جیسی صورت خوامخواہ بنتا ہے۔ دینے میں تو اس کے مال کا نقصان ہے جبکہ نہ دینے میں اس کی جاہ و حشمت کا نقصان ہے۔ اس کے نہ دینے کی یہ دو صورتیں ہی ایذا پہنچانے والی ہیں۔ اس کی اس ایذا پہنچنے کا سبب وہی سائل ہوتا ہے جبکہ کسی کو بلاضرورت ایذا دینا بھی حرام ہے۔

فائدہ:۔ جب سوال کی ان تین خرابیوں کو جان لے تو نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی بھی معلوم ہو گیا کہ مسالتہ الناس من الفواحش ما احل من الفواحش سواہ ترجمہ: "بڑے گناہوں میں سے یہ بھی ہے کہ لوگوں سے (بلاضرورت) سوال کرنا اس کے سوا بڑے گناہوں میں سے کوئی بھی حلال نہیں۔"

اس کا نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاحشہ رکھا یعنی بڑی خطا۔ پس واضح ہے کہ بلاضرورت گناہ کبیرہ مباح نہیں ہوتا۔ جیسے شراب پینا کہ لقمہ اگر کسی کے گلے میں پھنس جائے اور اس کے پاس اس وقت شراب کے علاوہ کچھ نہیں تو محض اتنا سا شراب پی لینا جائز ہے کہ جس سے لقمہ حلق سے نیچے گزر جائے۔

حدیث شریف:۔ حدیث شریف میں ہے کہ غنا کے باوجود پھر بھی (بلا ضرورت) جو سوال کرے تو (ایسا شخص) دوزخ کی چنگاری اپنے لیے مزید بڑھاتا ہے اور جو شخص اس حال میں سوال کرے کہ اس کے پاس اتنا کچھ ہو کہ اس کے لیے کفایت کرتا ہو تو پھر وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا منہ ایک متحرک ہڈی ہوگی کہ جس پر گوشت نہیں ہوگا۔

ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ اس کے منہ پہ سوال کے داغ اور نشان ہوں گے۔

فائدہ:۔ ان احادیث سے سوال کی صریحاً" حرمت و تشدد ثابت ہوتا ہے۔

حدیث شریف:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند لوگوں سے مسلمان ہونے کی بیعت لی۔ ان سے سننے اور ماننے سے شرط کی۔ بعد ازاں ارشاد فرمایا کہ لا تسالوا الناس شیئا "لوگوں سے کوئی چیز مت مانگنا۔"

حدیث شریف:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور مبارک تھا کہ آپ لوگوں کو عموماً سوال کرنے سے روکتے تھے کہ ہم سے جو کوئی مانگے تو ہم اسے عطا فرمائیں گے اور جو بے پرواہی کا طالب ہوگا' اللہ تعالیٰ اسے بے پرواہ کر دے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارا زیادہ محبوب وہ ہے جو ہم سے سوال نہ کرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا استغنوا عن الناس وما قل من السوال فھو خیر "سوال نہ کرنا لوگوں سے' جتنا سوال کم اتنا ہی بہتر ہے۔" لوگوں نے پوچھا' آپ سے سوال کرنا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھ سے بھی کم کرنا بہتر ہے۔

حکایت:۔ روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک سوالی کو سوال کرتے دیکھا کہ وہ مغرب کے بعد سوال کرتا تھا۔ آپ نے اس کی قوم میں سے ایک شخص کو حکم دیا کہ اسے کھانا دے دو۔ اس شخص نے اس سائل کو کھانا دے دیا' پھر آپ نے اسے دوبارہ مانگتے دیکھا' آپ نے فرمایا کہ میں نے کہا نہیں کہ اسے کھانا دے دو۔ اس شخص نے عرض کیا کہ میں نے اسے کھانا کھلا دیا ہے۔ پھر آپ نے اس سوالی کی جھولی کو دیکھا۔ اس کی جھولی روٹیوں سے بھری ہوئی تھی۔ آپ نے فرمایا "تو سوالی نہیں ہے بلکہ تاجر ہے۔" پھر اس کی روٹیوں سے بھری ہوئی جھولی لے کر زکوٰۃ کے اونٹوں کے آگے ڈال دی اور سوالی کو دروں سے سزا دی اور ارشاد فرمایا کہ پھر ایسا نہ کرنا۔

فائدہ:۔ پس اگر سوال کرنا حرام نہ ہوتا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے درے کیوں لگاتے اور اس سے اس کی جھولی کیوں چھین لیتے؟

اشکال شیعہ:۔ اس موقع پر بعض بیوقوف تنگ حوصلہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فعل مبارک کو بعید خیال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ کا سائل کو سزا دینا ادب کے لیے تھا کہ شرع مطہرہ میں سیاست کا بھی حکم ہے۔ اس کا مال چھین لینا تو ڈانٹ ہے' شریعت مطہرہ میں مال لینے کی سزا نہیں ہے تو پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا مال کیوں چھین لیا؟

فاروق اعظم کی شان:۔ انہیں یہ اشکال محض اس لیے ہوا کہ وہ فقہ کم جانتے ہیں بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ تمام فقہاء کی سمجھ بوجھ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سمجھ کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ جتنے دین حق کے اسرار و رموز اور حق تعالیٰ کے بندوں کی جانتے تھے۔ ان برائے نام فقہاء کو وہ کہاں نصیب؟ کیا آپ یہ نہیں جانتے تھے کہ مال کا مصادرہ اور ڈانٹ جائز نہیں ہے یا یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ آپ جانتے تو تھے مگر محض غصے میں آکر جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی یا محض مصلحت کے طور پر زجر کے طور پر ایسی سزا دی جو کہ شریعت مطہرہ میں نہیں۔

فائدہ:۔ حاشا و کلا ایسا ہرگز نہیں بلکہ آپ نے یہ فعل جس منشاء کے تحت کیا' وہ یہ ہے کہ آپ نے اسے سوال سے

مستغنی سمجھا اور قطعی طور پر معلوم کر لیا کہ جن لوگوں نے اسے دیا ہے' اسے محتاج سمجھ کر دیا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اس معاملے میں جھوٹا ہے تو اس نقطہ نظر سے وہ مال اس کی ملک میں نہیں آیا کہ اس نے دھوکہ سے وہ مال لیا ہے۔ ان روٹیوں کو ان کے مالکان تک پہنچانا تو مشکل امر تھا' اس لیے کہ کیا معلوم کہ کونسی روٹی کس نے دی ہے' اس لیے یہ مال لاوارث ہے' اس لیے اس مال کو مصالح اہل اسلام میں خرچ کرنا واجب ہے۔ اب ملاحظہ فرمایئے کہ زکوٰۃ کے اونٹوں کا گھاس دانہ وغیرہ بھی مصالح اہل اسلام میں داخل ہے جبکہ سوالی نے حاجت ظاہر کر کے وہ مال جھوٹ بول کر لیا ہے۔ اسے ایسا سمجھنا چاہیے جیسے کوئی جھوٹ بولتے ہوئے یہ کہہ کر کہ میں سید ہوں یعنی حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا کی اولاد ہوں' کچھ لے لے۔ ایسی صورت میں وہ جو مال لے گا' وہ مال اس کی ملک نہیں بنتا یا کوئی اور نیک بخت اس وجہ کی بنا پر دیا جائے کہ یہ نیک ہے حالانکہ وہ باطنی طور پر ایسے گناہ کا مرتکب ہوتا ہو کہ وہ گناہ اگر دینے والے کو معلوم ہو جائے تو پھر اسے نہ دے۔

مسئلہ:۔ کئی مقامات پر ہم بیان کر چکے ہیں کہ جو لوگ مال اس طرح لے کر ھضم کر جاتے ہیں' وہ اس مال کے مالک نہیں بن جاتے' وہ مال ان پر حرام ہے۔ واجب ہے کہ اس طرح کا حاصل کردہ مال واپس کر دیا جائے۔

فائدہ:۔ اس مسئلہ کی تصدیق فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فعل مبارک سے ہو گئی۔ بہت سے فقہاء اس حقیقت سے غافل ہیں حالانکہ ایسا نہیں کرنا چاہیے کہ وہ اس اصول کو بھلا کر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فعل مبارک کو لغو سمجھا جائے۔ بہرحال جب معلوم ہو گیا کہ ضرورتاً" سوال کرنا مباح ہے۔

چار حالتیں:۔ اب یہ جاننا چاہیے کہ آدمی کو کس چیز کی طرف اضطرار ہوتا ہے یا حاجت مہم یا خفیف حاجت مدنظر ہوتی ہے یا بالکل ہی بندہ اس سے مستغنی ہوتا ہے۔ مضطر تو ایسے کہ جیسے بھوکا آدمی موت یا مرض کے خوف کر کے سوال کرے یا جب کوئی شخص ستر چھپانے کے لیے کوئی چیز نہ پائے۔ ایسی حالت میں سوال کرے تو ایسی اضطراری حالت میں سوال کرنا مباح ہے مگر اس میں شرط یہ ہے کہ چیز میں بقیہ شرائط پائی جائیں کہ مباح ہو۔ سوالی کو دینے والا بھی راضی ہو کر وہ چیز خیرات کرے اور سوالی بھی کسب نہ کر سکتا ہو۔ اس لیے کہ جو شخص کسب کر سکتا ہے اور محض نکما پن کی وجہ سے کچھ نہیں کرتا تو اسے سوال کرنا جائز نہیں ہے مگر یہ معاملہ اس سے جدا ہے کہ طلب علم نے اس کے تمام اوقات گھیر لیے ہوں یعنی وہ ہر وقت علم کے حصول میں مصروف رہتا ہو ورنہ اگر وہ شخص لکھنا جانتا ہے تو پھر وہ کتابت کر کے سامان حاصل کر سکتا ہے۔

مستغنی وہ شخص ہے کہ سوالی ایسی چیز کا سوال کرے کہ جس کی ایک مثل یا کئی مثل اس کے پاس پہلے سے ہی موجود ہوں مثلاً وہ ایک روپیہ مانگے حالانکہ اس کے پاس پہلے ہی ایک یا کئی روپے موجود ہوں تو ایسے شخص کو مانگنا حرام ہے اور یہ دونوں قسمیں تو واضح ہیں۔

جیسے حاجت فہم کی ہو۔ اس کی یہ مثال ہے کہ اوپر والا کپڑا تو ایک شخص کے پاس ہے مگر پہننے کے لیے کرتہ اس کے پاس نہیں ہے حالانکہ سردی کا موسم ہے' اسے سردی بھی تنگ کرتی ہے مگر اتنا تنگ نہیں کہ اس سے نقصان

پہنچے- اس طرح کہ وہ کرائے کے لیے مانگے حالانکہ پیدل چل سکتا ہے مگر بڑی مشکل سے چل سکتا ہے تو ایسے شخص کے لیے سوال مباح ہے کیونکہ بے شک ضرورت تو ہے مگر پھر بھی اسے ایسے سوال کرنے سے بہتر ہے کہ صبر کیا جائے- اس کے لیے سوال چھوڑنا اولیٰ ہو گا- پھر بھی اگر وہ سوال کرے تو اس کے لیے سوال کرنا مکروہ نہیں کہلائے گا بشرطیکہ سوال کرتے ہوئے سچائی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے اور یوں کہے کہ میرے لباس کے نیچے کرتہ نہیں ہے' مجھے سردی اتنا تنگ کرتی ہے کہ میں سردی برداشت تو کر سکتا ہوں مگر مجھے تکلیف ضرور ہوتی ہے- پس اگر وہ سچ بیان کرے گا تو اس کا سچ بولنا ہی ان شاء اللہ اس کے لیے سوال کا کفارہ بن جائے گا-

حاجت خفیف کی مثال :- خفیف کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص اس کے لیے طلب کرے کہ دیگر لباس کے اوپر وہ کرتہ باہر جانے کے وقت پہن لیا کرے تاکہ اپنے کپڑوں کا پھٹا ہوا ہونا یا پیوند لباس کے دیگر لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہیں یا کسی کے پاس روٹی تو موجود ہے مگر سالن کے لیے لوگوں سے سوال کرے یا اتنی گنجائش تو ہو کہ وہ گدھا کرایہ کے لیے لے سکتا ہے مگر گھوڑے کے کرائے کے لیے سوال کرتا پھرے یا اتنی گنجائش تو رکھتا ہو کہ سواری کا کرایہ تو ہو مگر محمل کے کرائے کے لیے سوال کرے-

فائدہ :- اگر ایسی ضروریات کے لیے جو کہ فریب ہو گا یعنی ضرورت تو کسی چیز کی ہو مگر ظاہر اور ضروریات کرے تو ایسی حالت میں سوال کرنا حرام ہے اور اگر فریب نہ ہو مبنی برحقیقت ہو مگر کوئی اور خرابی یعنی اللہ تعالیٰ کی شکایت یا اپنی ذلت و رسوائی یا جس سے سوال کیا جائے' کسی طرح اسے تکلیف پہنچائی جائے' پھر بھی حرام ہے' اس لیے کہ ایسی معمولی ضروریات کے لیے سوال اور یہ امور مباح نہیں ہو سکتے اور اگر نہ تو فریب ہو اور نہ ہی ان خرابیوں میں سے کوئی خرابی ہو تو پھر سوال کرنا کراہت کے ساتھ مباح ہے-

سوال :- ان خرابیوں کو سوال سے کیسے دور کیا جا سکتا ہے؟

جواب :- شکایت تو اس طرح دور ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے شکر کا اظہار کرے اور ظاہر کرے کہ میں مخلوق سے غنی ہوں- بھکاریوں کی طرح دست سوال دراز نہ کرتا پھرے بلکہ یوں کہے کہ جو کچھ میرے پاس ہے' اس کی حیثیت سے تو مجھے حاجت نہیں مگر نفس کی طمع و بیوقوفی چاہتی ہے کہ ایک کپڑا اوپر کے لیے بھی ہو اور وہ ضرورت سے زیادہ اور نفس کی فضولیات میں سے ہے- پس یوں کہنے سے شکایت کے زمرے میں نہیں آئے گا اور دور کرنا ذلت کا یوں ہے کہ اپنے والد گرامی سے یا رشتہ دار یا کسی ایسے دوست سے سوال کرے کہ جسے وہ جانتا ہو کہ سوال کرنے کی وجہ سے اس کی نظروں میں حقیر نہیں ہوں گا یا کسی سخی سے سوال کرے کہ جس نے اپنا مال ایسی ہی ضرورتوں کے لیے تیار کر کے رکھ چھوڑا ہو- اس جیسے دیگر سائلین کے آنے سے خوش ہو بلکہ اس کا مال اگر کوئی قبول کر لے تو اسے اپنے اوپر احسان سمجھے تو ایسے لوگوں سے سوال کرنے میں ذلت ہمیشہ نہیں رہنے والی کیونکہ احسان ہو تو پھر ذلت رہتی ہے- جہاں سوالی پہ احسان ہی نہیں تو پھر ذلت کیسی؟ یہی احسان سے بچنے کا طریقہ ہے کہ کسی معینہ شخص سے سوال نہ کرے بلکہ حال کی طرح اشارے کنائے سے سب کچھ سنا دے تاکہ جسے کچھ دینے کی رغبت ہو' وہ خود ہی کچھ نہ

کچھ دے اور اگر اس محفل میں ایسا کوئی شخص بھی ہو کہ جس کی طرف آنکھ اٹھتی ہو کہ اگر وہ نہیں دے گا تو پھر ملامت کا نشانہ بنے گا تو پھر ایسی جگہ سوال کرنا ایذا میں داخل ہے۔ ممکن ہے وہ کچھ دے بھی دے مگر برضا و رغبت نہ دے بلکہ مجبوراً ملامت کے خوف کی وجہ سے کچھ نہ کچھ دے دے اور دلی طور پر وہ چاہتا ہو کہ اگر ملامت بھی نہ ہو اور کچھ دینا بھی نہ پڑے تو بہتر ہے۔

معین شخص سے مانگنا: ۔ اگر کسی معینہ شخص سے سوال کرے تو پھر بھی اس کے نام کی صراحت نہ کرے بلکہ صرف اشارے کنائے کے طور پر کہے تاکہ اگر وہ اس سے غافل ہونا بھی چاہے تو بغیر کسی قسم کے تردد کے کر سکے اور جب غفلت نہ کرے حالانکہ وہ دے سکتا ہے تو اس کا دینا دلیل ہے کہ وہ اپنی خوشی سے دے رہا ہے۔ اسے سوال سے کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچی۔ ایسے شخص سے سوال کرنا چاہیے۔ اگر وہ صاف صاف انکار کر دے تو پھر سائل سے شرمندہ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ سوالی سے شرمندگی ہونے کی وجہ سے بھی ایذا ہوتی ہے۔ جیسا کہ غیر سائل کے ساتھ ریاکاری موذی بیماری ہے۔

مسئلہ: ۔ اگر سوالی سمجھ بیٹھے کہ اس کے دینے کا سبب یہی بنا کہ مجھ سے یا حاضرین سے شرمندہ ہو گیا اور اگر اسے حیا نہ ہوتی تو پھر دینے کے لیے ہاتھ نہ بڑھاتا تو ایسے مال کا حاصل کر لینا اسے حلال نہیں اور نہ ہی حلال کا شبہ بلکہ مطلقاً حرام ہے۔ تمام امت میں سے اس بارے میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ اس کا حکم اسی طرح ہے جیسے کسی کا مال مارپیٹ کر یا ڈنڈے کے زور پر چھین لے کیونکہ اس میں کوئی فرق نہیں کہ ظاہری جسم پر کوڑے مارے یا باطنی طور پر دل کو حیاء' خوف اور ملامت کے کوڑے لگائے بلکہ عقل مندوں کے دل میں باطنی ضرب کا صدمہ بہت بڑا ہوتا ہے اور اگر کوئی کہے کہ ظاہری طور پر تو وہ راضی ہو چکا تھا۔

حدیث شریف: ۔ حدیث شریف میں ہے کہ انما احکم بالظاہر واللہ یتولی السرائر میں ظاہر کے اعتبار سے حکم کرتا ہوں۔ باطن کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔" لہٰذا ظاہر کا ہی اعتبار کرنا چاہیے۔

جواب: ۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ظاہری لڑائی جھگڑوں کے فیصلے کے سلسلے میں فیصلے کے لیے ظاہر کے حکمرانوں کے لیے ظاہری حال ضروری ہوتا ہے' اس لیے کہ انہیں باطنی احوال کی رونمائی حاصل نہیں ہوتی تو مجبوراً وہ ظاہر کے زبانی قول پر حکم کر دیتے ہیں۔ اکثر دل کی طرف سے زبان جھوٹ بول دیتی ہے مگر ضرورت کا کیا حل کیا جائے کہ اعتبار اسی کا کیا جاتا ہے جبکہ یہ سوال اس حال کا ہے کہ جو بندے اور اللہ تعالیٰ کے مابین ہے اور اس میں حاکم احکم الحاکمین ہے کہ جس کے نزدیک دلوں کا حال بھی اسی طرح ہے جیسے زبانوں کا حال اور حکام کے نزدیک ہوتا ہے۔

فائدہ: ۔ لہٰذا بندے کو چاہیے کہ اس سلسلے میں اپنے دل کی طرف توجہ کرے' خواہ مفتی اور علماء فتویٰ بھی دے دیں کیونکہ مفتی قاضی اور بادشاہ کو سکھاتے ہیں کہ وہ لوگوں پر حکم کریں۔ دلوں کے مفتی آخرت کے علماء ہیں کہ ان کے فتوے سے شہنشاہ آخرت کی سطوت سے نجات ملتی ہے۔ فقیہ کے فتوے سے دنیوی حکمران سے چھٹکارہ ملتا ہے۔

معلوم ہوا کہ دوسرے کی رضا کے بغیر جو مال سائل لے گا' اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیانی معاملے میں اس کا مالک نہیں ہوگا۔ اس پر واجب ہے کہ ایسے مال کو واپس کر دے۔ اگر مال واپس لینے سے مالک شرمائے اور شرمندگی کی وجہ سے واپس نہ لے تو پھر اسے چاہیے کہ اس چیز کے برابر کوئی اور چیز مالک کو ہدیہ کے طور پر بھیج دے تاکہ وہ اس کے ذمے سے بری ہو جائے۔ اگر یہ ہدیہ مالک قبول نہ کرے تو پھر اس کے وارثین کے پاس اصل چیز بھیج دے۔ اگر وہ اصل چیز ضائع ہو گئی تو پھر اس کا ضمان اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس پہ لازم ہے۔ تصرف کرنے کی وجہ سے اور ایسا کرنے کی وجہ سے بھی کہ جس کی وجہ سے کسی کو ایذا پہنچے' گنہگار ہے۔

علاوہ ازیں رضا کا حال باطنی امر ہے۔ اسے جاننا اور اس سے نجات مشکل اس لیے ہے کہ سائل کو گمان ہے کہ دینے والا راضی ہے جبکہ باطنی طور پر وہ راضی نہ ہو تو ایسی باتوں کی وجہ سے سوال کرنے کو متقیوں نے مطلقاً ناجائز کہا ہے۔ کسی سے کچھ نہیں لیتے۔

حکایت :- حضرت بشر رحمتہ اللہ علیہ سری رحمتہ اللہ علیہ کے سوا کسی سے کچھ نہیں لیتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ مجھے پتہ چل گیا ہے کہ سری اپنے ہاتھ سے مال دینے سے خوش ہوتے ہیں' اس لیے جو بات انہیں پسند ہے' میں اس پہ اس کی مدد کرتا ہوں۔

سوال سے انکار کی وجہ :- زیادہ تر سوال سے انکار کی وجہ اور سوال نہ کرنے کا امر موکد اس لیے ہے کہ صرف ضرورت کے لیے یہ ایذا حلال ہوتی ہے اور جبکہ ضرورت یہ ہے کہ سائل مرنے کے قریب جا پہنچا ہو سوائے اس چیز کے کوئی راستہ نہ سوجھے اور جو شخص برا مانے اور ایذا پائے بغیر کچھ دے دے اور اگر اس وقت میسر نہ ہو تو پھر سوال کرنا مباح ہے۔ جیسے سور نامردار کا کھانا مباح ہو جاتا ہے۔

فائدہ :- پس اس سے بچنا ہی اہل ورع کا طریقہ ہے۔ بعض بزرگ اہل دل اپنی باطنی بصیرت سے قرائن احوال خود کے جاننے پر بڑا اعتکو کرتے تھے' اس لیے بعض لوگوں سے لے لیتے۔ بعض بزرگوں کا یہ طریقہ تھا کہ اگر کوئی انہیں کوئی چیز دیتا تو اس میں سے کچھ رکھ لیتے اور کچھ واپس دے دیتے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مینڈھے' گھی اور پنیر میں سے مینڈھا واپس کر دیا۔

یہ حال مبارک ان اکابرین کا تھا جبکہ کوئی بغیر مانگے دیتا' اس لیے کہ مانگے بغیر محض رغبت کی وجہ سے ہوتا ہے لیکن کبھی کبھی اس طمع سے بھی بندے کو رغبت ہوتی ہے کہ جاہ حاصل ہو یا ریاکاری و شہرت حاصل ہو۔ اس وجہ کی بنا پر ایسی عطا لینے سے بھی گریز کرے۔ سوال تو بالکل ہی نہ کرے' سوائے دو حالتوں کے۔

سوال کرنے کی دو حالتیں :- بوقت ضرورت جیسے حضرت سلیمان' حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہم السلام نے کیا۔ بے شک ایسے شخص سے سوال کیا جسے پہلے جان لیا کہ ہمیں کچھ نہ کچھ دینے کو دل سے چاہے گا۔ (2) دوستوں اور بھائیوں وغیرہ سے سوال کرنا۔ پہلے اکابرین اپنے دوستوں اور بھائیوں کا مال سوال کیے بغیر اور پوچھے بغیر بھی لے لیا کرتے تھے' اس لیے کہ جانتے تھے کہ دلی رضا مقصود ہے' خواہ زبانی طور پر گفتگو نہ بھی ہوئی ہو۔ نیز انہیں اپنے

بھائیوں پر یقین تھا کہ اگر ہم ان کی چیز لے بھی لیں گے تو پھر بھی وہ ہمارے لینے کی وجہ سے تکلیف محسوس نہیں کریں بلکہ الٹا ہم سے خوش ہوں گے۔ جب انہیں اپنے بھائیوں کی طرف سے شک ہوتا کہ ہم جو چیز ان سے لینا چاہتے ہیں' وہ چیز ہمیں دینے سے راضی ہوں گے یا نہیں تو پھر ان سے پوچھنے کی نوبت آتی ورنہ انہیں سوال کرنے کی نوبت نہ آئی' وہ سوال سے غنی تھے جبکہ سوال کے مباح ہونے کی حد یہ ہے کہ سائل کو پتہ چل جائے کہ وہ جس سے سوال کرنا چاہتا ہے' اس کی صفت یہ ہے کہ اگر اسے میری حاجت کا پتہ چل جائے تو سوال کی نوبت بھی نہیں آئے گی۔ بغیر پوچھے ہی مجھے دے دے گا۔ پس ایسے شخص پہ اتنا اثر ہوگا کہ اس کا پتہ چل جائے' کس طرح کی تحریک حیاء سے یا کسی حیلے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

سائل کی تین حالتیں:۔ پہلی صورت میں لینا جائز ہے۔ دوسری صورت کے لحاظ سے سوال کرنا قطعاً" حرام ہے۔ سائل کی تیسری صورت یہ ہے کہ اسے تردد رہے اور شک ہو کہ دینے والے نے باطنی طور پر راضی ہو کر یہ چیز دی ہے یا کراہتاً" تو ایسی صورت میں دل سے پوچھنا چاہیے اور شک کو مٹانا چاہیے کہ وہ گناہ ہے' پس دل میں جو بات تردد و شک سے بالاتر ہو کر ٹھہر جائے' اس پر عمل کریں۔ شک و تردد والی بات کو چھوڑ دینا چاہیے۔ قرائن احوال سے اسے جان لینا قوی عقل' ضعیف حرص اور کمزور شہوت والے شخص کے لیے آسان ہے۔ حرص اگر مضبوط ہوگی اور عقل کمزور تو پھر وہی معاملہ سامنے آئے گا جو اس کا نفسانی خواہش کے موافق ہوگا۔ دینے والے کے قرائن اس کی سمجھ میں بالکل نہیں آئیں گے۔ انہیں باریک بینوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کا بھید سمجھ میں آجاتا ہے۔

حدیث شریف:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان اطیب ما اکل الرجل من کسب "بندے کا بہترین کھانا اس کی اپنی کمائی سے ہے۔"

فائدہ:۔ بخدا کہ آپ کو جامع کمالات سے نوازا گیا۔ آپ کے ہر ہر لفظ میں حکمت کے دریا ٹھاٹھیں مار رہے ہیں۔ اس حدیث مبارکہ میں غور و فکر کیا جائے کہ بہترین غذا اپنے ہاتھ کی کمائی کو قرار دیا گیا ہے' اس لیے کہ جس کے پاس اس کے اپنے ہاتھ کی کمائی کا مال نہیں اور نہ ہی اسے باپ یا کسی دوسرے رشتہ دار کی وراثت سے ملا ہے تو ایسا شخص دوسرے لوگوں کے ہاں سے کھائے گا۔ اگر اسے سوال کیے بغیر ملا تو کوئی شخص اسے محض دیندار شخص سمجھ کر دے گا' جیسا اس نے سمجھ کر اسے دیا۔

اگر اس کا باطن ایسا ہو کہ اگر اس کی باطنی حالت لوگوں کو معلوم ہو جائے تو کوئی بھی دینداری کی وجہ سے کوئی کچھ بھی نہ دے۔ ایسی حالت میں جو کچھ بھی لوگوں سے لے' وہ سب کچھ اس کے لیے حرام ہوگا اور اگر کوئی کچھ سوال کرنے کی وجہ سے دے تو فی زمانہ ایسا کون ہے جو سوال کرنے پر بہ رضا و رغبت دے اور نہ ہی کوئی ایسا سائل ہے کہ محض ضرورت کی مقدار کے مطابق ہی سوال کرے۔

پس جب ان کا حال کا پتہ چلایا جائے جو بیگانے ہاتھ سے کھاتے ہیں تو پتہ چلے گا کہ ان سوالیوں کا اکثر و بیشتر کھانا

حرام ہے اور حلال کھانا تو محض اتنا ہی ہے جتنا کہ حلال وجہ سے خود حاصل کیا ہو یا مورث سے وراثت کا مال ملا ہو جبکہ اس مورث نے بھی حلال ذرائع سے مال حاصل کیا ہو۔

معلوم ہوا کہ لوگوں کے ہاں کھانے میں احتیاط اور ورع کا قائم رہنا بڑا مشکل ہے اور حلال رزق کی وجہ سے حرام سے غنی کر دے۔

آٹھواں بیان :سوال کے حرام ہونے کا بیان :- سوال کی حرمت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مبارک صریح ہے من سأل عن ظهر غنى فانما يسأل جمرا فليستقل منه اويستكثر "جو شخص توانگری کے ہوتے بھی سوال کرے' وہ گویا کہ چنگاری کا سوال کر رہا ہے۔ اب چاہے سوال کم کرے یا زیادہ۔"

فائدہ :- توانگری کی حد بڑی مشکل ہے اور اسے توانگری کرنا مشکل اور مقداریں مقرر کرنا ہمارے اختیار میں ہرگز نہیں ہے بلکہ اس کی مقدار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلانے سے معلوم ہوتی ہے۔

حدیث شریف :- حدیث شریف میں ہے کہ استغنوا بغنى الله تعالىٰ عن غيره قالوا وماهو قال غداء يومرو عشاء ليلته "اللہ تعالیٰ کی توانگری سے توانگری طلب کرو۔ لوگوں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا دن کا کھانا اور رات کا کھانا۔"

حدیث نمبر3 :- من سأل وله خمسون درهما او عدلها من الذهب فقد سأل الحافا "جو سوال اس حال میں کرے کہ اس کے پاس پچاس درہم یا اس کے مساوی سونا ہو تو وہ سوال کرتا لپٹ کرے۔"

فائدہ :- ایک روایت میں اربعون درهما" واقع ہے۔ بجائے خمسون درهما کے واقع ہے' بہرحال ایسی تمام احادیث جمع ہیں اور توانگری کی مقدار مختلف ہے۔ اس لیے یوں سمجھا جائے کہ مختلف احوال کے اعتبار سے مقداریں بھی مختلف ہیں کیونکہ واقع میں امر حق بھی ایک ہی ہوگا اور اسے مقرر کرنا ناممکن ہے۔ جتنا امکان ہے وہ یہ ہے کہ اندازے سے کہا جائے جبکہ اندازہ بھی اس وقت درست ہوگا جبکہ تقسیم ایسی کی جائے کہ تمام محتاجوں کے احوال پر حاوی ہو' اس لیے ہم کہتے ہیں کہ حدیث شریف میں ہے کہ لا حق لابن ادم الا في ثلث طعام يقيم به صلبه و ثواب يوارى به عورته وبيت يسكنه فما زاد فهو حساب ابن آدم کا حق صرف تین چیزوں میں ہے۔ (1) کھانا جو اس کی پشت سیدھی رکھے۔ (2) کپڑا جو برہنگی چھپائے۔ (3) گھر کہ اسے پناہ دے۔ اگر اس سے زائد ہو تو وہ حساب کی چیز ہے۔

فائدہ :- حدیث شریف میں غذا' لباس اور گھر کا بیان تمام حاجتوں کی اصل ہے۔

تاکہ حاجات کی اجناس بیان کریں اور پھر اجناس اور مقادیر و اوقات کا ذکر کریں۔ اجناس حاجات تو یہی تین چیزیں ہیں یا جو ایسی ہوں مثلاً مسافر کے لیے کرایہ بشرطیکہ پیدل نہ چل سکے وہ بھی انہیں تینوں میں ملا لیا جائے گا اور کوئی ایسی ہی ضروری چیز ہو وہ بھی داخل ان اجناس میں ہوگی اور آدمی میں اس کا کنبہ یعنی زن و فرزند اور جس چیز کی کفالت اس پر ہے مثلاً سواری کا جانور وغیرہ سب داخل ہیں اور ان اجناس کی مقادیر کا حال یہ ہے کہ کپڑے میں

رعایت اس مقدار کی ہو گی جو دین داروں کے لائق ہے یعنی ایک جوڑا جس میں کرتہ' دوپٹہ' پاجامہ' جوتا ہو اور دوسرا جوڑا ہونا ضروری نہیں بلکہ ہر جنس میں دوسرے کی ضرورت نہیں اور اسی پر سب گھر کے لوازم کو قیاس کرنا چاہیے اور یہ نہ چاہیے کہ باریک کپڑے کی تلاش کی جائے' یا جہاں مٹی کا برتن کافی ہو تو وہاں تانبے اور پیتل کے ڈھونڈھے جائیں' کیونکہ یہ امر بے ضرورت ہے غرضیکہ شمار میں تو ایک پر کفایت کرنی چاہیے اور قسم میں سب سے لوئی پر کفایت چاہیے بشرطیکہ عادت سے نہایت دور نہ ہو جائے اور غذا کی مقدار دن رات میں ایک مد یعنی قریب ڈیڑھ پاؤ چاہیے اور یہ وہ مقدار ہے کہ شرع میں مقرر ہوئی ہے اور نوع غذا وہ ہونی چاہیے جس کو کھاتے ہیں۔ اگرچہ جو ہی کی ہو اور سالن کا ہمیشہ ہونا زائد از ضرورت ہے اور بالکل چھوڑ دینا بھی تکلیف ہے۔ اس لیے کبھی کبھار اس کے طلب کی اجازت ہے باقی رہتا سہتا اس کی مقدار کم سے کم اس قدر چاہیے کہ کافی ہو اس میں کچھ سجاوٹ جس کی حرمت حدیث مذکورہ بالا میں گزری اور توقف کے لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو جس کی طرف کہ سردست آدمی محتاج ہے وہ ایک دن اور رات کی غذا اور کپڑے جس کو پہنے اور رہنے کی جگہ ہے اس کے ضروری ہونے میں تو کچھ شک نہیں مگر آئندہ کے لیے اگر سوال کرے تو اس کے تین درجے ہیں' ایک تو یہ کہ ایسی چیز ہو جس کی احتیاج دوسرے دن ہو گی۔ دوم یہ کہ اس کی احتیاج چالیس یا پچاس دن کی ہوگی۔ سوم یہ کہ برس میں اس کی ضرورت ہو گی۔ اب اس باب میں تو ہم حکم قطع کرتے ہیں کہ جس کے پاس اس قدر ہو کہ اس کو اور اگر عیال دار ہو تو اس کے خاندان کو برس کے لیے کافی ہو تو اس کو سوال کرنا حرام ہے کیونکہ یہ نہایت درجے کی تونگری ہے اور حدیث شریف میں جو پچاس درم مذکور ہیں وہ مقدار اسی تونگری کی ہے کیونکہ اکیلے آدمی کے لیے میانہ روی اگر کرے تو پانچ دینار سال بھر کافی ہیں عیال دار کو غالباً کافی نہ ہوں گے اور اگر سائل ایسا ہو کہ ضرورت کے وقت بھی موقع سوال جاتا نہ رہے گا اور سوال پر قادر اس وقت سے پیشتر ہی مرجائے تو ایسی چیز کا سوال جس کی ضرورت نہ ہو کیا فائدہ اس صورت میں ایک دن رات کا کھانا مقدار غنا ہے اور اسی حالت کا بیان ہے اس حدیث شریف میں جس میں مقدار تونگری میں قدر مذکور ہے اور اگر سائل ایسا ہو کہ پھر موقع سوال اس کو نہ ملے گا اور نہ کوئی دینے والا میسر ہو گا اگر اب نہ مانگے گا تو سوال مباح ہے اس لیے توقع زیست کی برس روز تک کرنی کوئی محال نہیں اور سوال کی دیر سے اس بات کا خوف ہے کہ عاجز و مضطر رہ جائے گا اور کوئی اعانت کرنے والا نہ ہو گا۔ پس اگر خوف سوال سے عاجز ہونے کا آئندہ کو کمزور ہو۔ اور جس چیز کا سوال کرتا ہے وہ بھی محل ضرورت سے خارج ہو تو سوال کرنا خالی کراہت سے نہ ہو گا اور کراہت اس قدر مختلف ہو گی جس قدر اضطرار کی کمی اور موقع کے جاتے رہنے کے خوف اور جس زمانے میں ضرورت سوال کی ہو گی اس کی تاخیر میں اختلاف ہو گا اور ان باتوں میں سے ہر ایک کا ضبط نہیں ہو سکتا بلکہ یہ امور آدمی کے قیاس پر متعلق ہیں کہ اپنے نفس کو دیکھے اور جو معاملہ اس کے اور خدا تعالیٰ کے درمیان میں ہے' اس میں تامل کرے اور دل سے فتویٰ لے کر اس کے بموجب عمل کرے۔ اگر راہ آخرت طے کرنا چاہتا ہے اور جس شخص کا یقین قوی ہوا اختلو رزق کے آنے کا آئندہ کو کامل رکھے اور سردست کی قوت پر قناعت کرے تو اس کا درجہ خدا تعالیٰ کے نزدیک بڑا بلند ہے۔ پس جب خدا تعالیٰ نے آدمی کو آج کا رزق اس کے اور اس کے عیال کے لیے عنایت

فرمایا ہو تو پھر کل کا خوف کرنا بجز ضعف یقین اور شیطان کے ڈرانے کے اور کسی چیز سے نہ ہو حالانکہ خداتعالیٰ فرماتا ہے۔ فلا تخافوھم و خافون ان کنتم مومنین (پ 4 آل عمران 175) ترجمہ کنزالایمان: تو ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر ایمان رکھتے ہو۔ الشیطان یعدکم الفقر و یامرکم بالفحشاء واللہ یعدکم مغفرۃ منہ و فضلا (پ 3 البقرہ 268) ترجمہ کنزالایمان: شیطان تمہیں اندیشہ دلاتا ہے محتاجی کا اور حکم دیتا ہے بے حیائی کا اور اللہ تم سے وعدہ فرماتا ہے بخشش اور فضل کا۔ اور سوال بھی وہ بری چیز ہے جو ضرورت کے واسطے مباح کیا گیا ہے اور جو شخص ایسی ضرورت کے واسطے مانگے جو اس دن نہ رکھتا ہو گو سال میں اس کی ضرورت لائق ہو اس کا حال اس شخص کی نیت سخت تر ہے۔ جس کو مال موروثی ملے اور اس کو برس کے بعد کی ضرورت کے واسطے رکھ چھوڑے اور یہ دونوں ظاہر شریعت کے فتوے کی رو سے مباح ہیں مگر ان دونوں کاموں کا منشا محبت دنیا اور طول امل اور نہ اعتماد کرنا خدا تعالیٰ کے فضل پر ہے جو اصل مہلک چیز ہے خداتعالیٰ ہم کو اور سب اہل اسلام کو توفیق نیک عنایت فرمائے۔ آمین۔

حالات السالکین و الصادقین:۔ (i) حضرت بشر رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے کہ فقراء تین ہیں۔ (1) سوال نہ کرے اور کوئی دے تو نہ لے۔ ایسا شخص علیین میں روحانیوں کے ساتھ ہو گا۔

(2) وہ کہ سوال نہ کرے اور اگر کوئی کچھ دے تو لے لے تو یہ شخص مقربین کے ساتھ جنت فردوس میں رہے گا۔

(3) وہ کہ ضرورت کے وقت سوال کرے۔ ایسا شخص اصحاب یمین میں بچوں کے ساتھ ہو گا۔ غرض سب کا اتفاق سوال کی مذمت پر ہے۔ علاوہ ازیں فاقے کے ساتھ مرتبہ اور درجہ بھی کم ہو جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم بن ادہم نے حضرت شفیق بلخی سے جبکہ آپ خراساں سے ان کے پاس تشریف لائے پوچھا کہ آپ نے اپنے یاروں میں سے فقراء کو کیسے چھوڑا۔ حضرت شفیق نے فرمایا کہ میں نے اس حال میں چھوڑا کہ اگر کوئی کچھ دے تو شکر کریں اور نہ دے تو صبر کریں اور اپنی دانست میں چونکہ سوال نہ کرنے کا وصف بیان کیا تھا تو نہایت درجہ کی گویا تعریف کی تھی۔ حضرت ابراہیم بن ادہم نے فرمایا کہ بلخ کے کتوں کو تم نے ہمارے لیے چھوڑا ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ پھر آپ کے پاس فقیر کیسے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہمارے پاس فقیر ایسے ہیں کہ اگر ان میں کوئی کچھ نہ دے تو شکر کریں اور اگر دے تو اپنے اوپر دوسرے کو ترجیح دیں اور وہ مال اسے حوالہ کریں۔ حضرت شفیق نے ان کا سر چوم لیا اور کہا کہ استاد بجا فرماتے ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ ارباب احوال کے درجات رضا اور صبر و شکر اور سوال کے باب میں بہت ہیں۔ سالک طریق آخرت کو ان کا پہچاننا اور ان کی تقسیم کا جاننا اور درجات کے اختلاف کو معلوم کرنا ضروری ہے کیونکہ اگر نہیں جانے گا تو پستی درجات سے بلند کمال پر نہ پہنچ سکے گا اور اسفل السافلین سے اعلیٰ علیین تک رسائی نہ ہو گی اور انسان احسان تقویم میں پیدا کیا۔

پھر اسفل السافلین میں اتارا گیا' پھر حکم کیا گیا کہ اعلیٰ علیین کی طرف ترقی کرے اور جو شخص پستی اور اوج میں فرق نہ کرے گا وہ یقیناً ترقی نہ کر سکے گا بلکہ اس میں شک ہے کہ اگر جان بھی لے اور پھر کسی وجہ سے ترقی پر قادر

نہ ہو اور ارباب احوال پر کبھی ایسی حالت غالب ہوتی ہے کہ وہ مقتضی اس بات کی ہوتی ہے کہ سوال کے باعث ان کے درجات کی ترقی ہو مگر یہ امر انہیں کے حال کی نسبت ہے کہ مدار کار اعمال کی نیت پر ہے مثلاً روایت ہے کہ کسی بزرگ نے حضرت ابوالحسن نوری کو دیکھا کہ اپنا ہاتھ پھیلاتے اور بعض موقع پر لوگوں سے سوال کر لیتے۔ وہ بزرگ کہتے ہیں کہ مجھ کو ان کی یہ بات ناپسند ہوئی کہ ایسے شخص کو سوال کیا مناسب ہے۔ پھر میں حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس آیا اور ان کی خدمت میں ان کا حال ذکر کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ نوری کے اس فعل کو برا نہ جاننا چاہیے کہ وہ لوگوں سے اسی لیے بہتر ہیں کہ ان کو دیں یعنی ان سے سوال اس لیے کیا کہ آخرت میں ان کو ثواب ملے اور ان کا کچھ نقصان نہ ہو اور گویا کہ اس قول میں اشارہ ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ارشاد مقدس کی طرف المعطی ھی العلیا) اس کے معنی بعض نے یہ ارشاد فرمائے ہیں کہ معطی کے ہاتھ سے غرض مال کے لینے والے کے ہاتھ سے ہے۔ اس واسطے کہ ثواب وہی دیتا ہے اور اعتبار ثواب ہی کا ہے' مال کا نہیں۔ پھر حضرت جنید نے فرمایا کہ ترازو لے آؤ۔ جب ترازو آیا تو سو درہم تولے اور ایک مٹھی بھر کر ان سو میں ملائے اور کہا کہ نوری کے پاس لے جاؤ اور ان کو دے دو۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے دل میں کہا کہ وزن تو اس لیے کیا کرتے ہیں تاکہ مقدار معین ہو جائے مگر انہوں نے ایک سو کو لے کر اس میں بے گنتی پھر کیسے ملائے۔ یہ تو آدمی حکمت ہیں اور پوچھتے ہوئے مجھے حیا آئی۔ آخر تھیلی کو میں حضرت نوری کے پاس لایا۔ انہوں نے فرمایا کہ ترازو لاؤ۔ ترازو سے سو درہم تول کر فرمایا کہ ان کو جنید کے پاس لے جاؤ اور کہنا کہ میں تم سے کچھ نہیں پذیراں کرتا اور سو سے جس قدر زیادہ ہوں وہ لے لیتا ہوں۔ ان کی اس بات سے مجھے اور زیادہ تعجب ہوا اور میں نے ان سے پوچھا۔ انہوں نے فرمایا کہ جنید حکمتی آدمی ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ رسی کے دونوں سرے آپ ہی پکڑے۔ اس نے سو جو تولے تھے تو خود اپنے سمجھ کر ثواب آخرت کے لینے کے لیے تولے تھے اور ان پر مٹھی بھر بے تولے جو ڈالے وہ خدا تعالیٰ کی نیت سے ڈالے تو میں نے جو خدا کے واسطے تھے' ان کو لے لیا اور جو ان کے خود کے تھے' ان کو واپس کر دیا۔ راوی ان درموں کو حضرت جنید کی خدمت میں لائے۔ وہ رونے لگے اور فرمایا کہ نوری نے اپنا مال لے لیا اور ہمارا پھیر دیا' خیر خدا تعالیٰ مالک ہے۔ لنسہی دیکھنا چاہیے کہ ان لوگوں کے دل کیسے صاف تھے اور حالات کیسے خالص خدا تعالیٰ کے لیے تھے کہ ہر ایک کو ایک دوسرے دل کا حال بدوں گفتگو بے زبانی دلوں کے مشاہدے اور کشف راز سے معلوم ہو جاتا تھا اور یہ ثمرہ غذا کے حلال اور محبت دنیا سے دل کے فارغ ہونے اور باتمام ہمت خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کا ہے۔ پس جو کوئی اس بات و بدون تجربہ کے انکار کرے وہ جاہل ہے جیسے کوئی بدون دوا ہے اس کے دست آور ہونے کا انکار کرے اور اگر کوئی شخص بہت دنوں محبت کرے اور یہ بات حاصل نہ ہو دوسرے کے حق میں اس کا انکار کرنے لگے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی دوا لے دست آور پیئے اور اس کو کسی اندر کے روگ سے دست آئیں تو وہ اس کے دست آور ہونے سے ہی انکار کرنے لگے اور یہ مرتبہ جہالت میں اگرچہ اول کی نسبت کمتر ہے مگر پھر بھی جہالت میں ایسا شخص کچھ کامل ہی ہے۔ اہل بصیرت دو شخصوں میں سے ایک کہلائے گا ایک تو وہ شخص کہ راستے چلے اور جو کچھ اہل اللہ کو معلوم ہو تو وہ صاحب ذوق و معرفت ہو گا اور عین الیقین کے درجے

کو پہنچ جائے گا۔ وہ شخص کہ راستہ نہیں چلا ہے اور اس مرتبہ تک نہیں پہنچا' مگر اس پر ایمان و تصدیق رکھتا ہے۔ اس شخص کو ذریعہ علم الیقین کا ہے۔ عین الیقین تک نہیں پہنچا اور یہ بھی ایک رتبے میں داخل ہے اور جو نہ علم الیقین رکھتا ہو' نہ عین الیقین تو وہ ایمانداروں کے زمرے سے خارج ہے۔ قیامت کے دن منکر و نکیروالی جماعت میں اٹھے گا جن کے دل مردہ اور شیطان کے تابع ہیں۔ خدا تعالیٰ سے ہم دعا مانگتے ہیں کہ ہم کو پکے لوگوں میں سے کر دے جن کا قول یہ نقل فرمایا ہے۔ آمنا به کل من عند ربنا وما یذکر الا اولو الالباب (پ 3 آل عمران 7) ترجمہ کنزالایمان: ایمان لائے سب ہمارے رب کے پاس سے ہے اور نصیحت نہیں مانتے مگر عقل والے۔

زہد کا بیان:۔ دنیا میں زہد کرنا سالکوں کے مقامات میں سے ایک مقام عمدہ ہے اور یہ مقام بھی اور مقامات کی طرح علم اور حال و عمل سے بنتا ہے۔ اس واسطے کہ ایمان کے سبب اقسام بموجب قول بزرگان سلف کے رجوع کرتے ہیں۔ عقد اور قول اور عمل کے ان میں سے قول کی جگہ حال رکھا گیا کیونکہ قول ظاہر ہے اور اس سے باطن کا حال کھل جاتا ہے اور نہ خود قول مقصود اور بالذات نہیں اور اگر قول اسی طرح پر صادر نہ ہے کہ باطن سے نہ ہو تو اس کو سلام کہتے ہیں۔ ایمان نہیں کہتے اور علم سب حال کا ہوتا ہے۔ گویا حال اس کا پھل ہے تو اب ہم حال کو اس کے دونوں طرفوں یعنی علم و عمل کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ زہد کسی حال کا نام ہے۔ پس زہد سے ہماری یہ مراد ہے کہ ایک چیز سے دوسری چیز بہتر کی طرف رغبت کرتی تو جو کوئی ایک شے سے دوسری کی طرف توجہ کرتا ہے' خواہ معاوضہ سے یا بیع وغیرہ سے تو ظاہر ہے کہ جس سے رغبت دور کرتا ہے اس سے منہ پھیرتا ہے اور جس کی خواہش ہوتی ہے' اس کا راغب ہوتا ہے تو اول شے کے لحاظ سے اگر اس شخص کا حال دیکھا جائے تو اس کو زہد کہیں گے اور دوسری چیز کی نسبت کو رغبت و محبت بولیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ زہد کے لیے دو چیزیں چاہیں' ایک وہ جس کی طرف سے رغبت ہٹائی جائے۔ دوسری وہ کہ جس کی طرف رغبت کی جائے اور یہ دوسری پہلی شے کی نسبت اچھی ہو اور اول شے میں بھی یہ شرط ہے کہ کسی نہ کسی سے اس کی طرف رغبت ہوا کرتی ہو۔ پس جو شخص اپنی رغبت ایسی چیز سے ہٹا دے جو خود مطلوب نہ ہو' وہ زاہد نہ کہلائے گا مثلاً پتھر اور مٹی کا چھوڑ دینے والا زاہد نہ ہو گا۔ زاہد وہی ہو گا جو روپیہ پیسہ چھوڑ دے کیونکہ مٹی پتھر کی طرف رغبت نہیں ہوتی اور شرط دوسری چیز کی یہ ہے کہ زاہد کے نزدیک اول چیز سے بہتر ہو گا کہ اس کی رغبت غالب ہو مثلاً بائع اپنی چیز کو جب تک نہیں بیچتا جب تک کہ اس کے نزدیک بیع سے اس کا عوض بہتر نہیں ہوتا تو بائع کا حال مبلغ کی نسبت کر زہد میں داخل ہے اور عوض کے لحاظ سے رغبت اور محبت میں شامل اور اسی بنا پر قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ وشروہ بثمن دراھم معدودۃ وکانوا فیہ من الزاھدین (پ 12' یوسف 20) ترجمہ کنزالایمان: اور بھائیوں نے اسے کھوٹے داموں گنتی کے روپوں پر بیچ ڈالا اور انہیں اس میں کچھ رغبت نہ تھی۔

فائدہ:۔ اس آیت مقدسہ میں شرا کے معنی بیع کے ہیں اور برادران یوسف علیہ السلام کا وصف بیان کیا کہ انہوں نے یوسف میں زہد کیا یعنی انہوں نے طمع کی کہ باپ کی وجہ صرف ہماری طرف رہ جائے اور یہ امران کے نزدیک

یوسف علیہ السلام کی نسبت محبوب تھا۔ اسی عوض کی طمع کی ان کو فروخت کر ڈالا۔ اس بیان سے ثابت ہوا کہ دنیا میں زہد وہ کہلائے گا جو اس کو آخرت کے عوض بیچ ڈالے۔ جو شخص اس کا عکس کرے یعنی آخرت کو دنیا کے عوض دے دے وہ آخرت کے حق میں زاہد ہو گا مگر عادت یہ ہو رہی ہے کہ جو خاص دنیا ہی میں زہد کرے' اس کو زاہد کہتے ہیں جیسے الحاد اسی میل کو کہتے ہیں۔ جو باطل کی اور ازانجا کہ زہد میں یہ قید ہے کہ فی الجملہ محبوب چیز کی طرف سے رغبت ہو۔

تو ظاہر ہے کہ یہ بھی متصور ہو گی جب اس شے کی نسبت کر دوسری چیز محبوب تر کی طرف میل پایا جائے گا ورنہ چھوڑنا محبوب چیز کا بدون اس سے زیادہ محبوب کے محال ہے اور جو شخص کہ خدا تعالیٰ کے سوا ہر ایک چیز کی طرف سے دل اٹھالے یہاں تک کہ بہشتوں سے بھی غرض نہ رکھے صرف محبت الٰہی ہی کی رغبت ہو تو وہ زاہد مطلق ہے اور جو کہ محظوظ دنیاوی سے تو دل اٹھائے اور حظوظ آخرت میں زہد نہ کرے بلکہ حور و قصور اور نہروں اور میووں کی طمع رکھے تو وہ بھی زاہد ہو گا مگر اول شخص کی بہ نسبت کم ہو گا اور جو شخص دنیا کی بعض لذت کو چھوڑ دے اور بعض کو نہ چھوڑے مثلاً مال کو چھوڑ دے اور جاہ کو نہ چھوڑے یا غذا کے تکلفات کو ترک کرے اور زینت کا تحمل نہ چھوڑے تو ایسے شخص کو زاہد مطلق نہ کہیں گے اور درجہ اس کا زاہدوں میں ایسا ہو گا جیسا توبہ کرنے والوں میں اس شخص کا ہے جو بعض گناہوں سے توبہ کر لے مگر یہ زہد اس کا درست ہے جیسے توبہ بعض گناہوں سے صحیح ہے کیونکہ توبہ ممنوعات کے چھوڑنے کا نام ہے اور زہد مباحات کے ترک کرنے کا جو نفس کی لذت میں سے ہوں اور یہ کچھ دشوار نہیں کہ آدمی بعض مباحات کے چھوڑنے پر تو قادر ہو اور بعض کے ترک پر نہ ہو جیسے کہ ممنوعات کے ترک میں بھی یہ امر بعید نہیں اور جو شخص کہ صرف ممنوعات کو ترک کر دے وہ زاہد نہ کہلائے گا' ہر چند اس نے ممنوعات میں زہد کیا اور اس نے دل اٹھالیا لیکن اصطلاح میں زہد مباحات کے چھوڑنے ہی کا نام ہے۔ پس اب معلوم ہوا کہ زہد یا اس کو کہیں گے کہ دنیا سے رغبت ہٹا کر آخرت کی طرف میل کرے یا غیر اللہ سے محبت دور کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت کرے اور یہ درجہ بہت بلند ہے اور جس طرح کہ دوسری چیز میں یہ شرط ہے کہ اس کے نزدیک بہتر ہو اسی طرح اول چیز میں یہ قید ہے کہ وہ زاہد کی قوت میں ہو کیونکہ جس پر قدرت ہی نہ ہو اس کا چھوڑنا محال ہے اور رغبت کا دور ہونا چھوڑنے ہی سے ظاہر ہوتا ہے اور اسی وجہ سے جب حضرت ابن مبارک سے کسی نے کہا کہ اے زاہد انہوں نے فرمایا کہ زاہد عمر بن عبدالعزیز ہیں کہ ان کے پاس دنیا ذلیل ہو کر آئی اور انہوں نے اس کو چھوڑ دیا اور میں نے کون سی چیز میں زہد کیا ہے۔ اب علم کا بیان سننا چاہیے جو زہد میں ضرورت ہے اور جس کا ثمرہ حال ہوتا ہے' وہ اس بات سے واقف ہوتا ہے کہ متروک چیز بہ نسبت مرغوب کے حقیر ہے جیسے تاجر جان لیتا ہے کہ عوض بیع کی نسبت بہتر ہے اور جب تک یہ علم نہیں ہوتا تب تک خیال میں نہیں آتا کہ رغبت بیع کی دل سے جائے تو اسی طرح جو شخص یہ بات جان لیتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے پاس کی چیز ملدار ہے اور آخرت بہتر چیز اور دائمی ہے یعنی اس کی لذتیں بالذات اچھی اور باقی ہیں تو اس کو ذوق آخرت و رغبت الی اللہ ہوتی ہے اور جس طرح جواہر برف کی نسبت عمدہ اور پائیدار ہوتے ہیں اور برف کے مالک کو اس کا جواہر کے بدلے میں دے ڈالنا مشکل نہیں

معلوم ہوتا۔ اسی طرح دنیاو آخرت کی مثال جاننی چاہیے۔ دنیا کو سمجھنا چاہیے کہ برف آفتاب کے سامنے رکھی ہوتی ہے اور پگھلتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ کچھ نہ رہے اور آخرت مثل جواہر کے ہے جس کو کبھی فنا نہیں تو جس قدر دنیاو آخرت میں فرق ہونے کی معرفت زیادہ ہو گی اسی قدر بیع اور معاملہ کی رغبت زیادہ ہو گی۔ یہاں تک کہ جس کو اپنے نفس اور مال کے فروخت کرنے کا یقین کامل ہو گا بموجب محو اس آیت کےان اللہ شتری من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنة (پ ۱۱ التوبہ ۱۱۱) ترجمہ کنزالایمان: بے شک اللہ نے مسلمانوں سے ان کے مال اور جان خرید لئے ہیں اس بدلے پر کہ ان کے لئے جنت ہے۔ تو اس کا حال خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کا معاملہ مفید ہے۔

فاستبشروا ببیعکم الذی بایعتم بہ (پ ۱۱ التوبہ ۱۱۱) ترجمہ کنزالایمان: تو خوشیاں مناؤ اپنے سودے کی جو تم نے اس سے کیا ہے۔

یہ زہد ہی علم سے اس قدر کی ضرورت ہوتی ہے کہ آخرت کو بہتر اور باقی جانے اور بعض اوقات یہ امر کسی شخص کو معلوم ہوتا ہے مگر وہ دنیا کے چھوڑنے پر قدرت نہیں رکھتا اور یہ امر علم و یقین کے کم ہونے یا اس وقت غلبہ شہوت میں زنی ہونے یا شیطان کے ہاتھ میں گرفتار ہونے یا شیطان کے وعدہ ہائے امرور فردا سے دھوکا کھا جانے سے ہوا کرتا ہے۔ یہ اسی مغالطے میں رہتا ہے کہ موت باقی ہے اور اس وقت بجز حسرت و ندامت اور کچھ ساتھ نہیں جاتا۔ دنیا کی حقارت اس قول خداوندی سے ثابت ہے۔ (قل متاع الدنیا قلیل)اور آخرت کی نفاست پر اس آیت میں اشارہ ہے۔ وقالالذین اوتوالعلم ویلکم ثواب اللہ خیر لمن آمن (پ 20 القصص 80) ترجمہ کنزالایمان: اور بولے وہ جنہیں علم دیا گیا خرابی ہو تمہاری اللہ کا ثواب بہتر ہے اس کے لئے جو ایمان لائے۔

اس میں بتا دیا کہ علم جوہر کی نفاست کا اس کی عوض سے دل اٹھا دیا کرتا ہے اور چونکہ زہد بدون معاوضہ اور رغبت محبوب تر چیز کے متصور نہیں ہو سکتا۔ اس لیے ایک شخص نے اپنی دعا میں یہ التجا کی کہ الٰہی میرے نزدیک دنیا ایسی کر دے جیسی تیرے نزدیک ہے۔ پس اس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس طرح مت کہو یوں دعا کر کہ الٰہی دنیا میری بجھ میں ایسی کر دے جیسی تو نے اسے اپنے نیک بندوں کے نزدیک کیا اس کو مفتی فتویٰ دیا کریں کیونکہ مفتی قاضی اور بادشاہ کو سکھاتے ہیں تاکہ ظاہر کے لوگوں پر حکم کریں اور دلوں کے معنی علمائے آخرت ہیں کہ ان کو فتوے سے سلطان کو آخرت کی سطوت سے نجات ہوتی ہے جیسے فقیر کے فتوے سے دنیا کے حاکم سے نجات ملتی ہے۔ اس تقریر سے معلوم ہوا کہ سائل جو مال سے دوسرے کی رضا کے لیے لے گا اور خدا تعالیٰ کے درمیان کے معاملے میں اس کا مالک نہ ہو گا اور اس مال کو اس کے مالک کو ہٹا دینا اس پر واجب ہو۔ پس اگر مالک اس کے واپس لینے سے شرمائے اور واپس نہ لے تو اس کو چاہیے کہ مالک کے پاس اس چیز کے برابر کی کوئی چیز ہدیہ کے طور پر بھیج دے تاکہ اس کے ذمے سے باہر ہو اور اگر مالک ہدیہ قبول نہ کرے تو اس کے وارثوں کے پاس اصل چیز بھیج دے۔ اگر اس سے ضائع ہو گئی ہو تو خدا تعالیٰ کے نزدیک اس کا ضمان اس پر ہے اور تعریف کرنے کے باعث اور ایسے سوال سے بھی جس سے کہ تکلیف ہو گنہگار ہے۔

اور ازانجا کہ رضا کا حال امر باطن ہے اور اس پر واقف ہونا مشکل اور نجات کی صورت اس سے مشکل باایں وجہ کہ سائل کو گمان ہے کہ دینے والا راضی ہے اور وہ باطن میں راضی نہ ہو تو انہیں باتوں کے سبب سے متقی لوگوں نے سرے سے سوال ہی ترک کر دیا' کسی سے کچھ لیتے ہی نہ تھے۔ حضرت بشر رحمۃ اللہ علیہ کسی سے سوائے سری کے نہ لیتے اور فرماتے کہ مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ سری اپنے ہاتھ سے مال نکلنے سے خوش ہوتے ہیں۔ اس واسطے جو بات ان کو پسند ہے اس پر میں ان کی مدد کرتا ہوں اور سوال میں زیادہ تر انکار کی وجہ اور اس سے باز رہنے کا امر مقتضی ہے کہ یہ انکار صرف ضرورت کے لیے حلال ہوتا ہے اور ضرورت یہ ہے کہ سائل مرنے پر آلگا ہو اور اس سے بچنے کی کوئی سبیل نہ رہی ہو اور جو شخص بدوں برا ماننے اور ایذا پانے کے کچھ دید کے میسر نہ ہو اس وقت اس مانگنا مباح ہے جیسے کھانا سور اور مردار کا مباح ہو جاتا ہے۔ پس اس سے باز رہنا ہی اہل ورع کا طریق ہے اور بعض اہل دل اپنی بصیرت سے قرائن احوال کے جاننے پر خوب اعتماد رکھتے تھے۔ اسی لیے بعض لوگوں سے لے لیتے تھے اور بعض سے نہیں لیتے تھے اور کچھ بزرگ ایسے تھے کہ وہ صرف اپنے دوستوں سے لیتے تھے اور بعض کا دستور یہ تھا کہ جو چیز ان کو کوئی دیتا' اس میں سے کچھ رکھتے اور کچھ پھیر دیتے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مینڈھے اور گھی اور پنیر میں سے مینڈھے کو پھیر دیا تھا اور یہ حال ان اکابر کا جب تھا کہ جب کوئی بدون مانگے دیتا اس لیے کہ بدوں مانگے' دینا صرف رغبت ہی سے ہوتا ہے لیکن کبھی آدمی کی رغبت اس طمع سے بھی ہوتی ہے کہ جاہ حاصل ہو یا ریا و شہرت ہو تو اس وجہ سے ایسی عطا کے وقت جیسے کہ حضرت سلیمان اور حضرت موسیٰ علیہ السلام' حضرت خضر علیہ السلام نے کیا تھا اور اس میں بھی شک نہیں کہ سوال ایسے شخص سے کیا جس کو جان لیا کہ ہمارے دینے کو دل سے چاہے گا۔ دوسرے سوال دوستوں اور بھائیوں کے واسطے پہلے اکابر اپنے دوستوں اور بھائیوں کے واسطے پہلے اکابر اپنے دوستوں اور بھائیوں کا مال بدون سوال اور استفسار کر لیتے تھے۔ اس واسطے کہ جانتے تھے کہ دل کی رضا مقصود ہے۔ گفتگو سے زبانی گو نہ ہو اور اپنے بھائیوں سے اس بات کا یقین نہ تھا کہ اگر ہم ان کی چیز لیں گے اور تکلف نہ کریں گے تو وہ ہم سے خوش ہوں گے اور جب بھائیوں کی طرف شک ہوتا تھا کہ جو ہم چاہتے ہیں' اس پر وہ راضی ہوں گے یا نہیں تو نوبت سوال کی ان سے پہنچتی تھی ورنہ سوال سے غنی تھے اور سوال کے مباح ہونے کی حد یہ ہے کہ سائل کو معلوم ہو جائے کہ جس سے میں مانگتا ہوں وہ اس صفت پر ہے کہ اگر میری ضرورت اس کو معلوم ہو جائے تو نوبت سوال کی نہ پہنچے گی' بے سوال ہی دے دے گا۔ پس ایسے شخص میں سوال کا اس قدر اثر ہو گا کہ اس کو ضرورت معلوم ہو جائے اور کسی طرح کی تحریک حیا کی یا ضرورت حیلے کی نہ ہو گی' پھر سائل کے تین حال اس کے بعد ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس کو یقین ہوتا ہے کہ اپنے والا دل سے راضی۔

دوسرے یہ کہ اس کی ناراضگی باطن کی یقیناً معلوم ہو جائے اور یہ دونوں امر احوال کے قرائن سے معلوم ہو جایا کرتے ہیں تو اول صورت میں لینا حلال ہے اور دوسری میں قطعاً حرام۔

تیسری حالت سائل کی یہ ہے کہ اس میں اس کو تردد رہے اور شک ہو کہ دینے والے نے رضا کے باطن سے دیا یا کراہت سے تو اسی صورت میں اپنے دل سے فتویٰ لے اور شک کو دور کرے کہ وہ گناہ ہے۔ پس دل میں جو

بات بلا تردد و شک سمجھ میں آئے' اس کو اختیار کرے۔ شک والی کو ترک کرے اور اس کا معلوم کرنا قرائن احوال سے ایسے شخص کو جس کی عقل قوی اور حرص ضعف اور شہوت کمزور ہو' آسان ہے اور حرص قوی ہو گی اور عقل تب تو وہی صورت نظر پڑے گی جو اس کی غرض کے موافق ہو اور قرائن دینے والی کی نارضامندی کے ہرگز سمجھ میں نہ آئیں گے اور ان باریک نکتوں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ارشاد اقدس کا بھید سمجھ میں آتا ہے کہ آپ نے فرمایا ان اطیب ما اکل الرجل من کسبہ

بخدا کہ آپ کو کلمات جامع عنایت ہوئے ہیں' ہر ہر لفظ میں حکمت کوٹ کوٹ بھری ہے۔ اس حدیث میں تامل کرو کہ اپنے ہاتھ کی کمائی کو عمدہ غذا فرمایا۔ اس وجہ سے کہ جس شخص کے پاس حلال نہ ہاتھ کی کمائی ہے' نہ اس کو اس کے باپ یا اور کسی رشتہ دار کے ترکہ سے پہنچا ہے تو وہ لوگوں کے پاس سے کھائے گا اور اگر سوال اس کو ملے گا تو کوئی اس وجہ سے دے گا کہ دیندار ہے اور جب اس کا باطن اسی طرح ہو گا کہ اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے تو کوئی دیندار کی وجہ سے کچھ نہ دے تو پھر جو کچھ لے گا' وہ سب حرام ہو گا اور اگر سوال کرنے سے کوئی کچھ دے تو ایسا شخص کہاں ہے کہ سوال کرنے پر خوش ہو کر دے' نہ ایسا سائل کہ حق دار ضرورت ہی سوال کرے پس جب ان لوگوں کا حال تفتیش کرو جو پرائے ہاتھ سے کھاتے ہیں تو معلوم ہو گا کہ ان کا سب کھانا خواہ اکثر حرام ہے اور حلال صرف اس قدر ہے جو وجہ حلال سے خود پیدا کیا ہو یا مورث کے ترکہ میں سے پہنچا ہو اور اس نے بھی حلال ہی سے پیدا کیا ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ لوگوں کے پاس سے کھانے میں احتیاط اور ورع کا رہنا بہت مشکل ہے۔ ہم اللہ تعالٰی سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہماری طمع اپنے غیر سے منقطع کرے اور حلال رزقِ کے باعث حرام سے بے پروا کرے۔

فائدہ:۔ اس ارشاد کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالٰی دنیا کو ایسے حقیر کہتا ہے جیسے وہ واقعے میں ہے اور ہر ایک مخلوق اس کے جلال کی نسبت کہ حقیر ہے اور وہ بندہ جو دنیا کو اپنے لیے حقیر جانتا ہے تو اس شے کی نسبت جو بندے کے لیے بہتر ہے اور یہ نہیں ہو سکتا کہ گھوڑا بیچنے والا اگرچہ اس سے دلبرداشتہ ہو وہ گھوڑے کو ایسے سمجھے جیسے زمین کے بیکار کیڑے مکوڑوں کو کیونکہ ان چیزوں کی تو اس کو حاجت نہیں ہو گی مگر گھوڑے سے مستغنی نہیں ہے اور اللہ تعالٰی بذات خود ہر ایک ماسوائے غنی ہے وہ ہر ایک چیز کو اپنے جلال کے سامنے ایک ہی درجے میں سمجھتا ہے اور فرق صرف ایک دوسرے کی نسبت سے جانتا ہے نہ اپنے جلال کے لحاظ سے اور زاہد وہ ہے جو فرق اشیاء کا اپنے نفس کے لحاظ سے جانتا ہے نہ دوسرے کے اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے منع فرمایا کہ خدا تعالٰی جس طرح کسی چیز کو حقیر سمجھتا ہے اس طرح کی حقارت اور شخص کے نزدیک ہوتی منظور نہیں۔ اس کی دعا بھی نہ چاہے باقی رہا عمل جو حال زہد سے صادر ہوتا ہے وہ چھوڑنا اور اختیار کرنا ہے کیونکہ زہد معاملہ داد و ستد اور معاوضہ بہتر چیز سے ادنٰی کا ہے تو جیسے بیع و شرا میں یہ مقصود ہوتا ہے کہ بیع کو ترک کرے یہاں تک کہ اس کی محبت دل سے جاتی رہے اور محبت طاعات دل میں آجائے اور جو چیز دل میں سے نکلے' وہ آنکھ اور ہاتھ اور تمام اعضاء سے نکل جائے اور آنکھ وغیرہ اعضاء وظائف طاعات پر جدا وت کریں ورنہ صرف دنیا ترک کرنے سے ایسے ہو گا جیسے بائع (مبیع) (جو شے بیچی

گئی) تو مشتری کو دے دے اور اس سے نہ لے اور جب جانبین کی شرائط لین دین مذکورہ زر ثمن بالا ہو جائیں تو اس کو مژدہ ہو کہ یہ معاملہ نفع کا ہوا کیونکہ جس شخص سے معاملہ ہوا ہے وہ اپنا عہد پورا کرے گا مثلاً اگر کوئی شخص بیع سلم کرے اور مقدار موجودہ چیز غائب کے لیے دے دے اور اس کی تلاش میں سرگرم ہو تو اگر عاقد یعنی معاملہ کرنے والا معتبر اور وعدہ کا سچا اور دینے پر قادر بھی ہے تو اسے مال مطلوب دے گا۔ اسی طرح یہ معاملہ گویا خدا تعالیٰ کے ساتھ ہے جس میں سب صفات مذکورہ بدرجہ کمال موجود ہیں۔ پس اس معاملہ کے نافع ہونے میں کوئی شک نہیں اور جو شخص دنیا کو اپنے پاس رکھے گا اس کا زہد بھی درست نہیں ہوگا۔

فائدہ:۔ اللہ تعالیٰ نے برادران یوسف علیہ السلام کی صفت زہد نیامین کے باب میں ذکر فرمائی ہر چیز دونوں ہے۔ کہتے تھے کہ یوسف اور اس کا بھائی ہمارے باپ کے نزدیک ہم سے بہتر ہیں اور ان کو بھی مثل یوسف علیہ السلام کے جدا کرنا چاہتے تھے کہ ایک کی سفارش کے باعث رہنے دینا علامت رغبت کی ہے اور پاس سے نکال دینا علامت زہد کی' پھر اگر تم نے اپنے قبضے میں سے نکال دیا زاہد مطلق کہلائے اور اگر ہمارے پاس کچھ حال ہی نہ ہو اور اگر تمہارے پاس بھی حال ہی نہ ہو اور دنیا موافق نہ ہو تو پھر تم سے زہد ہونا ممکن نہیں کیونکہ جس چیز پر تم کو قدرت ہی نہیں اس کے چھوڑنے کا کیا غصہ اور اگر شیطان تم کو خیریت دے اور سوجھاوے کہ دنیا تو تمہارے پاس نہیں آئی' تم اس میں زاہد ہو تو تم کو نہیں چاہیے کہ اس کے جال میں آؤ اور اپنے آپ کو زہد سمجھو۔ بدون اس کے کہ اعتماد قوی اور عہد مضبوط خدا تعالیٰ کی طرف سے لکھتے ہو اس لیے کہ جب تک تم قدرت کے وقت کو امتحان نہ کرو گے تب تک کیسے اعتبار کرو گے کہ ہم ترک پر قادر ہیں۔ بہت آدمی ایسے ہیں کہ اپنے گمان میں گناہ کو برا جانتے ہیں جب تک کہ اس لیے دسترس نہیں ہوتا مگر جب اس گناہ کے لوازم ان کو میسر ہو جاتے ہیں اور کوئی روک ٹوک یا خوف لوگوں کا نہیں ہو تو اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ پس جب نفس کے مغالطے کا حال گناہوں میں یہ ہو تو اگر مباحات میں یہ وعدہ کرے اس پر کیسے اعتبار کر لو گے اور اس نفس کا عہد غلیظ اس طرح ہے کہ تم اس کا امتحان چند بار قدرت کے وقت کرو اور جب اپنے وعدے کو ہمیشہ پورا کرے حالانکہ کوئی مزاحم اور عذر ظاہری اور باطنی بھی نہ ہو تب کچھ مضائقہ نہیں کہ تم نفس پر کس قدر اعتماد کرو لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ اس کے برتے جانے سے بھی ڈرتے رہو اس لیے کہ وہ جلدی سے عہد توڑ کر اپنی اپنی خواہش طبعی کی طرف رجوع کر جاتا ہے۔ حاصل یہ کہ نفس سے امن جب ہی ہے جبکہ وہ کسی چیز کو ترک کر دے اور اس صورت میں بھی امن صرف اسی متروک چیز کی نسبت کو ہو گا بشرطیکہ باوجود قدرت ترک کیا ہو۔ ابن ابی لیلیٰ نے ابن شبرمہ سے کہا کہ تم اس نوربافزادہ یعنی امام ابو حنیفہ کوئی ہے کو دیکھتے ہو کہ جب مسئلہ میں ہم فتویٰ دیتے ہیں' اس کو رد کر دیتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے معلوم نہیں کہ وہ نورباف کے بیٹے ہیں یا کیا ہیں' اتنا جانتا ہوں کہ دنیا ان کے پاس آئی تو وہ اس سے بھاگے اور ہم سے دنیا بھی گئی تو ہم نے اس کی طلب کی یعنی آپ نے باوجود قدرت کے دنیا میں زہد کیا' یہ کتنا فضل ہے۔ اسی طرح زمانہ فصیح نشانہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مسلمانوں نے کہا کہ ہم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں اور اگر ہم کو معلوم ہوتا کہ اس کی محبت کون سی چیز کرنے سے ہے تو ہم وہی کرتے۔ اس وقت یہ آیت اتری۔

ولوانا کتبنا علیھم ان اقتلو انفسکم اواخرجوا من دیارکم مافعلو الا قلیل منھم (پ 5 النساء 66) ترجمہ کنزالایمان: اگر ہم ان پر فرض کرتے کہ اپنے آپ کو قتل کرو یا اپنے گھر بار چھوڑ کر نکل جاؤ تو ان میں تھوڑے ہی ایسا کرتے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مجھ کو فرمایا کہ تو ان تھوڑوں میں ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو معلوم نہ تھا کہ ہم میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو دنیا سے محبت رکھتے ہیں مگر اس آیت کے اترنے سے معلوم ہوا منکم من یرید الدنیا و منکم من یرید الآخرہ (پ 4 آل عمران 152) ترجمہ کنزالایمان: تم میں کوئی دنیا چاہتا تھا اور تم میں کوئی آخرت چاہتا تھا۔

اب جاننا چاہیے کہ زہد اس کا نام نہیں کہ مال کو ترک کرے اور اس کو سخاوت اور جوانمردی کی راہ سے خرچ کر ڈالے یا بطور دلوں کے مائل کرنے کے یا اور کسی طمع سے دیدے کیونکہ یہ باتیں اخلاق عمدہ میں سے ہیں' ان کو عبادت میں کچھ دخل نہیں۔ زہد اس کا نام ہے کہ آخرت کی نفاست کے مقابل دنیا کو حقیر جان کر ترک کردے ورنہ ہر ایک قسم ترک کی ایسے شخص سے ممکن ہے جو آخرت پر ایمان ہی نہ رکھتا ہو مگر اس کا ترک یا براہ ضرورت یا سخاوت یا جوش خلقی کے ہوتا ہے' زہد نہیں ہوتا کیونکہ نام کا ہونا اور دلوں کا مائل ہونا' یہ لذات دنیاوی ہیں اور مال سے زیادہ لذیذ ہیں اور جس طرح کہ مال کو سلم کے طور پر دینا اور عوض کے لیے طمع رکھنی زہد نہیں ہے۔ اس طرح مال کا اس طمع سے دینا کہ نام ہو گا یا لوگ تعریف کریں گے یا سخاوت میں شہرت ہو گی یا اس خوف سے دینا کہ خوف سے دنیا کہ پاس رکھنے سے اس کی حفاظت میں محنت و مشقت اٹھانی پڑے گی یا اس کے حاصل کرنے کے لیے بادشاہوں کے یہاں یا امراء کے سامنے ذلیل ہونا پڑے گا' یہ بھی داخل زاہد نہیں بلکہ ایک لذت دنیاوی کو چھوڑ کر دوسری کا حاصل کرنا ہے۔ زاہد وہی ہے جس کے پاس دنیا بے غل و غش ذلیل ہو کر آئے اور وہ اس سے لذت لینے پر قادر ہو۔ اس طرح کا نہ نقصان جاہ کا ہوتا ہو نہ بدنامی ہوتی ہو نہ اور کس طرح کا حظ نفسانی فوت ہوتا ہو اور وہ ایسی صورت میں دنیا کو اس خوف سے چھوڑ دے کہ اس کے ساتھ انس کرنے سے غیراللہ سے مانوس اور ماسوا کا محب ہو جاؤں گا اور خدا تعالیٰ کی محبت میں مشرک ہوں گا۔ اس طمع سے چھوڑے کہ آخرت کا ثواب اس کے چھوڑنے سے ملے گا مثلاً دنیا کے شربت اس طمع سے چھوڑے کہ جنت کے شربت ملیں گے اور عورتوں اور لونڈیوں سے ہم بستر اس وجہ سے نہ ہو کہ جنت میں حور عین سے محبت رہے گی اور باغوں کی سیر جنت کے باغوں اور گلزاروں کی توقع سے ترک کرے اور زینت و تکلف جنت کی آرائش و تجمل کی طمع سے چھوڑ دے۔ یہاں کے لذیذ کھانوں پر اس وجہ سے لات مارے کے جنت کے میوں پر ہاتھ مارے اور اس بات کا تردد نہ ہو کہ وہاں کوئی یہ کہے گا اذہبتم طیبا تکم فی حیا تکم الدنیا" غرضیکہ جمیع ان باتوں کو جو جنت میں وعدہ ہے۔

دنیا کی بے غل و غش چیزوں پر ترجیح دے یہ سمجھ کر کہ جو کچھ آخرت میں ہے' وہی بہتر اور پائیدار ہے اور اس کے سوا تمام دنیوی معاملات فانی اور بے فائدہ ہیں۔

فضائل زہد و فقر

قرآن مجید:۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فخرج علی قوم فی زینتہ قال الذین اوتوا العلم ویلکم ثواب اللہ خیر لمن آمن (پ 20 القصص) ترجمہ کنزالایمان: تو اپنی قوم پر نکلا اپنی آرائش میں' بولے وہ جنہیں علم دیا گیا خرابی ہو تمہاری اللہ کا ثواب بہتر ہے اس کے لئے جو ایمان لائے۔

اس آیت میں زہد کو علماء کی طرف منسوب کیا اور اہل زہد کو علم سے موصوف فرمایا یہ نہایت درجے کی تعریف ہے۔ لسنک یونوں اجرھم مرتین بما صبروا ترجمہ کنزالایمان:

اس تفسیر میں مفسرین نے فرمایا کہ جنہوں نے دنیا میں زہد کرنے پر صبر کیا وہی لوگ مراد ہیں۔انا جعلنا ما علی الارض زینتہ لھا السلوھم ایھم احسن عملا

احسن عملاً کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ کون سا زیادہ زاہد ہے۔ دنیا میں اسی سے معلوم ہوا کہ زاہد کو احسن اعمال فرمایا۔ من کان یرید حرث الاخرۃ نزدلہ فی حرثہ ومن کان یرید حرث الدنیا نوتہ منھا ومالہ فی الاخرۃ من نصیب (پ 25 الشراء 20) ترجمہ کنزالایمان: جو آخرت کی کھیتی چاہے ہم اس کے لئے اس کی کھیتی بڑھائیں اور جو دنیا کی کھیتی چاہے ہم اللہ اس میں سے کچھ دیں گے اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں۔

لا تمدن عینیک الی مامتعنا بہ ازواجا منھم زہرۃ الحیوۃ الدنیا لنفتنھم فیہ و رزق ربک خیر وابقی (پ 16 طٰہٰ 131) ترجمہ کنزالایمان: اور اے سننے والے اپنی آنکھیں نہ پھیلا اس کی طرف جو ہم نے کافروں کے جوڑوں کو برتنے دی ہے جیتی دنیا کی تازگی کہ ہم انہیں اس کے سبب فتنہ میں ڈالیں اور تیرے رب کا رزق سب سے اچھا اور سب سے دیرپا ہے۔

یستحیون الحیوۃ الدنیا علی الاخرہ

یہ وصف کفار کا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن وہ ہے جو اس صفت کی ضد سے موصوف ہو یعنی آخرت کی محبت دنیا پر چاہتا ہو اور احادیث میں ہے جو دنیا کی احادیث مبارکہ جو وارد ہیں ان میں سے چند ہم جلد ثالث میں لکھ چکے ہیں کیونکہ محبت دنیا مہلکات میں سے ہے جو اس جلد میں مذکور ہیں اور اب ہم بعض دنیا کی فضیلت لکھتے ہیں جو منجیات میں سے ہے اور وہی مراد زہد سے ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو دنیا ہی کا تردد ہو اللہ تعالیٰ اس کا کام ابتر اور روزی پریشان کر دیتا ہے اور افلاس اس کے پیش نظر کرتا ہے اور اس کو دنیا سے اس قدر آتا ہے جتنا اس کے لیے لکھا ہوا ہے اور جس شخص کو صرف آخرت کی فکر ہو اللہ تعالیٰ اس کو ہمت مجمع رکھتا ہے اور اس کی معیشت کو محفوظ رکھتا ہے اور توانگری اس کے دل میں ڈالتا ہے اور اس کے پاس دنیا ذلیل و خوار آتی ہے اور ایک حدیث میں فرمایا کہ جب تم کسی بندہ کو دیکھو کہ اس کو سکوت اور دنیا میں زہد ملا ہے تو اس سے قریب ہوا کرو اس لیے کہ وہ سکھلایا جاتا ہے حکمت اور اللہ تعالیٰ فرمایا ہے: ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا (پ 3 البقرہ 298) ترجمہ کنزالایمان: جسے حکمت ملی اسے بہت بھلائی ملی۔

اور اس واسطے کہا گیا ہے کہ جو شخص چالیس روز دنیا میں زہد کرے' خدا تعالیٰ اس کے دل میں چشمے حکمت جاری فرماتا ہے اور وہی اس کی زبان سے نکلواتا ہے اور بعض اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے

عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون سا آدمی بہتر ہے۔ آپ نے فرمایا کل مومن مخموم القلب صدوق اللسان

ہم نے عرض کیا کہ مخموم القلب کس کو کہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ وہ پرہیزگار اور صاف آدمی ہے جس نے نہ خیانت کی ہو' نہ کھوٹ پن' نہ سرکشی ہو نہ حسد۔ ہم نے عرض کیا کہ اس کے بعد کون بہتر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ الذی یشناء الدنیا ویحب الآخرۃ اس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ برا آدمی وہ ہے جو دنیا کو دوست رکھے اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا۔ ان اردت ان نجیک اللہ فا زہد فی دنیا

اس میں زہد کو سبب محبت فرمایا اور جس کو خدا تعالیٰ دوست رکھتا ہے' وہ اعلیٰ درجات میں پہنچتا ہے۔ اس لیے ضرور ہوا کہ دنیا میں زہد کرنا افضل مقامات میں سے ہو اور اس کا مفہوم بھی یہی ہے کہ دنیا سے دوستی کرنے والا خدا کے بغض میں جتلا ہوتا ہے اور ایک حدیث میں جو اہل بیت سے مروی ہے۔ یہ ارشاد ہے کہ الذہد و الودا ع یجولان فی القلب فان صلو فالیا فیہ الا یمان والحیاء فا مافیہ والاء تحلا

اور جب کہ حضرت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میں یقیناً ایماندار ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیرے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے اپنے نفس کو دنیا سے علیحدہ کر دیا۔ اس کے ڈھیلے' پتھر اور سونا میرے نزدیک برابر ہیں۔ گویا میں جنت و دوزخ میں ہوں اور گویا میں اپنے رب کے عرش کے پاس کھڑا ہوا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو نے پہچانا' اسی پر رہنا ہے۔ پھر فرمایا کہ ایک بندہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا دل ایمان سے روشن کیا ہے۔ پس دیکھنا چاہیے کہ حضرت حارثہ نے اظہار حقیقت ایمان کو زہد ہی سے شروع کیا اور پھر اس کو یقین سے متصل کیا اور اس وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو صاف بتایا اور ارشاد کیا کہ یہ ایک بندہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ایمان سے منور کیا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت میں فمن یرید اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام (پ 8 الانعام 125) ترجمہ کنزالایمان : اور جسے اللہ راہ دکھانا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔

پوچھا کہ یہ شرح کیسی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ نور جب داخل ہوتا ہے تو اس کے لیے سینہ کھل جاتا ہے تو لوگوں نے عرض کیا کہ اس کی کوئی پہچان ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں پہچان یہ ہے کہ دارنا پائیدار سے علیحدہ رہنا اور دار خلود کی طرف رجوع کرنا اور موت سے پیشتر اس کی تیاری کرنا۔ تو دیکھو کیسے آپ نے زہد کو شرط اسلام فرمایا کہ یعنی علامت اس کی دنیا سے علیحدگی اور آخرت کی رغبت کو ارشاد فرمایا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ سے جتنا حق شرمانے کا ہے شرماؤ۔ لوگوں نے عرض کیا کہ ہم اللہ تعالیٰ سے شرماتے تو ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ایسا نہیں' اس لیے کہ مکان بناتے ہو جس میں نہیں رہتے اور جمع کرتے ہو وہ چیز کہ نہیں کھاتے۔ اس حدیث شریف میں بیان فرمایا کہ دونوں باتیں خدا تعالیٰ سے حیا کرنے کے خلاف ہیں اور جب کسی جگہ کے لوگ قاصد آپ کی خدمت میں آئے تو عرض کیا کہ ہم مومن ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تمہارے ایمان کی پہچان کیا ہے؟ انہوں نے عرض

کیا کہ صبر کرنا مصیبت کے وقت اور شکر کرنا فراخی عیش کی حالت میں اور حکم الٰہی پر راضی رہنا اور دشمنوں پر جب مصیبت آئے تو اس پر شماتت نہ کرنا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم واقع میں ایسے ہی تو جو کھاتے نہیں اس کو مت کرنا جنسی۔ اس حدیث میں زہد کو اس کے ایمان کا تتمہ فرمایا اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اثنائے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ جو کوئی لا آلہ الا اللہ کہے گا اس طرح کہ اس میں دوسری چیز نہ ملائے تو اس کے لیے جنت واجب ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اٹھ کر عرض کیا کہ میرے پدر و مادر آپ پر فدا ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوسری چیز نہ ملانے سے کیا غرض ہے؟ اس کی صفت یا تفسیر فرما دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ دنیا کی طلب اور اس کی پیروی کے لیے اس کو دوست رکھنا اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ قول تو دونوں کے سے کہتے ہیں اور کام حکام ظالم کے سے کرتے ہیں جو کوئی لا الہ الا اللہ کہے اور امور میں سے اس میں کچھ نہ ہو تو اس کے لیے جنت واجب ہو اور ایک حدیث میں ہے کہ سخاوت یقین میں سے ہے اور یقین میں سے ہے اور یقین والا دوزخ میں نہ جائے گا اور بخل شک میں سے ہے اور جس نے شک کیا وہ جنت میں نہ جائے گا۔ یہ بھی ایک حدیث میں وارد ہے کہ سخی اللہ تعالیٰ سے قریب ہے' لوگوں سے قریب ہے' جنت سے قریب ہے اور بخیل اللہ تعالیٰ اور مخلوق سے دور اور دوزخ سے قریب ہے اور چونکہ بخل ثمرہ رغبت دنیا کا ہے اور سخاوت زہد کا ثمرہ تو ظاہر ہے کہ ثمرہ کی صفت کرنی بعینہ مثمر کی صفت کرنی ہے اور حضرت ابن حبیب۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص دنیا میں زہد کرے اللہ تعالیٰ اس کے دل میں حکمت داخل کرتا ہے پھر اس کی زبان سے حکمت ہی بلواتا ہے اور اس کو دنیا کا مرض اور اس کی دوا دونوں بتا دیتا ہے اور اس کو دنیا سے دارالسلام کی طرف سلامت نکالتا ہے اور روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ ایسی اونٹنیوں پر گزرے کہ وہ بہت دودھ دیتی تھیں اور حاملہ تھیں اور ایسی اونٹنیوں کو عرب کے لوگ بہت محبوب اور نفیس مال جانتے تھے کیونکہ ان سے سب طرح کے فائدے تھے کہ بار برداری اور گوشت اور دودھ اور اون کے لیے مفید تھیں اور اس وجہ سے کہ اس مال کی عظمت ان کے دلوں میں تھی۔ کلام مجید میں ارشاد فرمایا واذا العشار عطلت (پ 30 التکویر 4) ترجمہ کنزالایمان: اور جب تھلی (گابھن) اونٹنیاں چھوٹی ہیں۔ غرض کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اونٹنیوں کی طرف منہ پھیر لیا اور اپنی آنکھیں بند کرلیں۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو ہم لوگوں کا بڑا عمدہ مال ہے' اس کو آپ کیوں نہیں دیکھتے؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو منع فرمایا ہے' پھر یہ آیت پڑھی ولا تمدن عینیک الا ما متعنا بہ ازواجا منھم زہرۃ الحیوۃ الدنیا لنفتنھم فیہ (پ 14 طہ 131) ترجمہ کنزالایمان: اور اے سننے والے اپنی آنکھیں نہ پھیلا اس کی طرف جو ہم نے کافروں کے جوڑوں کو برتنے کے لئے دی ہیں جیتی دنیا کی تازگی کہ ہم انہیں اس کے سبب فتنہ میں ڈالیں۔

مسروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ خدا تعالیٰ سے غذا کیوں نہیں طلب فرماتے کہ آپ کو کھانا کھلائے اور آپ کی بھوک کی حالت دیکھ کر میں رو پڑی؟ آپ نے فرمایا کہ اے عائشہ قسم ہے اس ذات کی جس

کے قبضے میں میری جان ہے' اگر میں اپنے پروردگار سے دعا کرتا کہ میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلیں تو اللہ تعالیٰ ان کو جہاں میں چاہتا زمین پر میرے ساتھ کر دیتا لیکن میں نے دنیا کی بھوک کو سیری پر اور یہاں کے فقر کو غنا پر اور یہاں کے رنج کو خوشی پر اختیار کر لیا۔ اے عائشہ دنیا محمد اور آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مناسب نہیں۔ اے عائشہ اللہ تعالیٰ نے رسولوں میں اولو العزموں کے لیے یہی پسند کیا ہے۔ دنیا کی برائی پر صبر کریں اور اس کی محب چیز سے رکے رہیں۔ پھر میرے لیے یہ پسند کیا کہ جس بات کا ان کو حکم کیا' وہی میرے لیے پسند فرمایا۔ جیسا کہ کلام مجید میں ارشاد ہے فاصبر کما صبرا والعزم من الرسل (پ 26) الاحقاف 35) ترجمہ کنزالایمان : تو تم صبر کرو جیسا ہمت والے رسولوں نے صبر کیا۔

میں اس کی فرمانبردار سے مفر نہیں دیکھتا اور جیسا انہوں نے صبر کیا' ویسا ہی میں بھی اپنے حتی الوسیع کروں گا اور بدون خدا کی توفیق کے قوت بھی اس کام کی نہیں اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حال میں کہتے ہیں کہ جب آپ کے وقت میں بہت سی فتوحات ہوئیں تو آپ کی بیٹی حضرت حفصہ ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ جب اور جگہ کے لوگ اطراف سے آپ کے پاس آیا کریں تو آپ نرم و باریک کپڑے پہنا کیجئے اور کچھ کھانے کے واسطے فرمایا کیجئے کہ آپ بھی کھائیں اور دوسروں کو بھی کھلا دیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اے حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تم کو معلوم ہے کہ مرد کا مال اس کی بی بی کو زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ درست و بجا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں تم سے قسم پوچھتا ہوں کہ بھلا تم کو معلوم ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اتنے برس نبی رہے اور کبھی آپ نے اور ان کے گھر والوں نے دن کا کھانا شکم سیر ہو کر نہ کھایا مگر کہ رات کو بھوکے رہے اور رات کا کھایا تو دن کو بھوکے رہے اور تمہیں معلوم ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اتنے برسوں پیغمبر تھے مگر خرما سے بھی کبھی انہوں نے یا ان کے گھر والوں نے شکم سیر نہ کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے صبر کو مفتوح فرمایا اور تم جانتی ہو کہ ایک روز تم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دستر خوان بچھایا کہ وہ کچھ اونچا تھا۔ یہ امر آپ کو ناگوار ہوا حتیٰ کہ چہرہ مبارک کا رنگ بدل گیا۔ پھر آپ نے اس دسترخوان کو اٹھوایا اور کھانا اس سے کچھ نیچے خواہ زمین پر رکھا گیا اور تم جانتی ہو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک کمبل کو دو تہہ کر کے اس پر سویا کرتے تھے۔ ایک رات کسی نے چار تہہ کر دیا' آپ نے اس پر خواب استراحت فرمائی۔ جب آپ جاگے تو ارشاد فرمایا کہ تم نے مجھے رات کے جاگنے سے روک دیا' اس سے کمبل کی بدستور دو تہہ کر کے بچھایا کرو اور تمہیں معلوم ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کپڑے دھونے کے واسطے اتارتے اور دھو کر پھیلاتے۔ اتنے میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ آکر نماز کی اطلاع کرتے تو آپ کے پاس دوسرا کپڑا نہیں ہوتا تھا کہ اس کو پہن کر نماز کے واسطے نکلتے۔ جب وہی کپڑے سوکھتے تو ان کو پہن کر نکلتے اور تم کو معلوم ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت نے بنی ظفر میں سے دو چادریں' ایک تہبند ایک ایک دوپٹہ بنایا تھا اور ان میں سے ایک اول بھیج دی تھی کہ دوسری جب تک تیار نہ تھی' آپ اسی ایک چادر کو بدن پر لپیٹے ہوئے نماز کو نکلے اور دوسرا کپڑا بدن پر کوئی نہ تھا۔ اسی کے دونوں کناروں کی گردن کے پاس گرہ لگائی تھی اور اس طرح نماز

پڑھی- غرض حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنا حال بیان کیا کہ حضرت ام المومنین حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونے لگیں اور خود بھی روئے اور ایسی دھاڑ ماری کہ لوگوں کو معلوم ہوا کہ آپ کی جان نکل جائے گی اور بعض روایات میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول اتنا زیادہ آیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میرے دو ساتھی تھے جو ایک راہ پر چلے- اب میں اگر ان کے طریق کے سوا چلوں گا تو مجھے دوسرا ہی بیراہ طے کرایا جائے گا اور میں بخدا کہ انہیں کی زندگی پر صبر کروں گا تاکہ ان دونوں کے ساتھ ویسا ہی عیش واسع پاؤں اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ مجھ سے پہلے انبیاء فقر میں مبتلا کیے جاتے تھے- وہ کمبل کے سوا اور کچھ نہ پہنتے اور پھر وہ دن سے ان کا امتحان ہوا تھا کہ اتنی جوئیں ہو جاتی تھیں کہ قریب تھا کہ ان کو مار ڈالیں مگر یہ حالت ان لوگوں کو زیادہ محبوب تھی بہ نسبت اس کے کہ تم عطا کو پسند کرتے ہو اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بدیف کے پانی پر پہنچے تو ساگ کی سبزی ان کی لاغری کی جہرہ سے پیٹ سے معلوم ہوتی تھی غرضیکہ اللہ تعالیٰ کے انبیاء اور رسول جو خلق کی نسبت کہ خدا تعالیٰ کو زیادہ جانتے تھے اور آخرت کی فلاح سے زیادہ واقف تھے' ان کا زہد میں یہ حال تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث میں وارد ہے کہ جب یہ آیت اتری والذین یکنزون الذہب والفضۃ ولا ینفقونہا فی سبیل اللہ (پ 10 التوبہ 34) ترجمہ کنزالایمان : اور وہ جوڑ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے- تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خرابی ہے دنیا کی اور خرابی ہے دینار و درہم یعنی روپیہ اشرفی کی- حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم سب نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو خدا تعالیٰ نے سونے اور چاندی کے ذخیرہ کرنے سے منع فرمایا' اب ہم کونسی چیز جوڑیں؟ آپ نے فرمایا کہ تم کو یہ باتیں حاصل کرنی چاہیں زبان ذاک اور دال شاک اور بی بی نیک بخت کہ خاوند کو امر آخرت پر اس کی مدد کرے اور حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے من اثر النیا علی الاخرۃ ابتلاہ اللہ تبلات بما لا یفالق غلبہ اجرا وفقر الا لیستغنی ابدا رصا لا ینبع ابدا

اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ ایمان کامل نہیں ہوتا جب تک کہ نہ مشہور ہوتا- مشہور ہونے کی نسبت اگر محبوب نہ ہو اور جب تک کہ شے کی قلت کثرت کی نسبت کر پسند نہ ہو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ دنیا ایک پل ہے' اس پر سے اتر جاؤں- اس پر عمارت مت بناؤ- ان سے لوگوں نے عرض کیا کہ اے نبی اللہ اگر آپ اجازت دیں تو ہم ایک گھر بنا دیں جس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں- آپ نے فرمایا کہ جاؤ پانی پر گھر بناؤ- انہوں نے عرض کیا کہ پانی پر عمارت کیسے ٹھہرے گی؟ آپ نے فرمایا کہ عبادت دنیا کی محبت کے ساتھ کیسے بنے گی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرے پروردگار نے مجھ پر یہ معاملہ پیش کیا کہ اگر تم چاہو تو سارے سنگستان مکہ کو تمہارے لیے سونا کر دیا جائے- میں نے عرض کیا کہ الٰہی مجھ کو منظور نہیں بلکہ میں ایک روز بھوکا رہوں اور ایک روز شکم سیر ہوں تاکہ جس روز میں بھوکا ہوں تو تیری درگاہ میں تفرع اور دعا کروں اور جس دن میں شکم سیر

ہوں' اس میں تیری حمد و ثنا کروں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر جاتے تھے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کے ساتھ تھے۔ آپ صفا پر چڑھے' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے جبرئیل قسم ہے' اس ذات کی جس نے تم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ شام کو آل محمد کے نہ مٹھی ستو کی ہوئی نہ آٹے کی۔ یہ کلام آپ کہہ نہ پائے تھے کہ ایک دفعہ ہی آسمان سے ایک کڑک کی آواز سنی جس سے آپ کو خوف معلوم ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ کیا قیامت کو حکم برپا ہونے کا ہوا؟ حضرات اسرافیل علیہ السلام نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تم نے کہا تھا' وہ سنا۔ اب مجھ کو زمین کی کنجیاں لے کر بھیجا ہے اور حکم ہے کہ آپ سے عرض کروں کہ اگر آپ کی مرضی ہو تو پیغمبر اور بادشاہ ہو' چاہو نبی ہو' بندہ ہو' حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ کی طرف اشارہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے تواضع کیجئے۔ آپ نے تین بار فرمایا کہ میں رسول اور بندہ رہوں گا اور ایک حدیث میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کی بہتری چاہتا ہو تو اس کو دنیا میں زاہد کر دیتا ہے اور آخرت کا راغب اور اپنے عیبوں کا جاننے والا بنا دیتا ہے اور ایک شخص کو آپ نے فرمایا کہ دنیا میں زہد کر' خدا تعالیٰ تجھ کو محبوب جانے گا اور لوگوں کے ہاتھ کی چیزیں زہد کر کہ لگ تجھ کو محبوب جانیں گے اور ایک حدیث شریف میں ہے کہ من ارادان یوتیہ اللّٰہ علما بغیر تعلیم دہری بغیر بدایتہ قلیز بدنی الدنیا

اور ایک حدیث شریف میں ارشاد فرمایا کہ من اشتاق الی الجنتہ سارع الی الحیرات ومن خاف من النار تہا عن الشہوات ومن شرقب الموت ترک النداث ومن زہد فی الدنیا انت علیہ المصیبات

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مروی ہے کہ چار چیزیں ایسی ہیں کہ بدون مشقت نہیں ملتیں۔ اول سکوت جو عبادت کا آغاز ہے' دوم تواضع' سوم کثرت ذکر' چہارم شے کی قلت اور از انجاکہ انبیاء علیہ السلام خلق کو دنیا سے پھیرنے کے ہی مبعوث ہوئے تھے کہ اس سے پھیر کر متوجہ آخرت کر دیں اور انہوں نے جو خلق سے کلام کیے تو اکثر کلام متضمن دنیا کی برائی اور اس کی محبت کی مذمت پر تھے' اس جہت سے بغض دنیا کے سبب احادیث کا بیان کرنا غیر ممکن ہے مگر جو کچھ بیان کیا گیا' اس قدر کافی ہے اور آثار بھی اس باب میں بہت ہیں۔ چنانچہ روایت ہے کہ لا الہ الا اللہ ہمیشہ بندوں کی طرف سے خدا تعالیٰ کے غصے کو ٹالتا رہتا ہے۔ جب تک دنیا کے معاملے کو دین کے معاملے پر ترجیح نہ دیں اور اگر ایسا کریں گے اور پھر کہیں گے لا الہ الا اللہ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم جھوٹے ہو۔ اس کلمہ کے کہتے سچے نہیں ہو اور بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم نے سب اعمال کو کیا مگر امر آخرت کے باب میں دنیا کے زہد سے بڑھ کر کوئی عمل نہ پایا اور بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ایک تابعی سے فرمایا کہ تم عمل اور کوشش اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی نسبت زیادہ کرتے ہو اور حالانکہ وہ تم سے بہتر تھے۔ کسی نے پوچھا کہ اس کی وجہ کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ وہ تمہاری نسبت کہ دنیا میں زہد بہت کرتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ دنیا میں زہد کرنا دل اور بدن کی راحت ہے اور بلال بن سعد فرماتے ہیں کہ ہمارا گناہ یہی کافی ہے' خدا تعالیٰ ہم کو دنیا میں زہد کرنے کو فرماتا ہے اور

ہم اس میں رغبت کرتے ہیں اور ایک شخص نے حضرت سفیان ثوری سے عرض کیا کہ میری تمنا ہے کہ کسی عالم زاہد کو دیکھوں۔

آپ نے فرمایا کہ کمبخت یہ تو کھوئی ہوئی چیز ہے جو ملتی نہیں اور وہب بن منبہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں۔ جب جنت والے ان کی طرف جائیں گے تو ان کے دربان ان سے کہیں گے کہ قسم ہے اپنے رب کی عزت کی کہ ان دروازوں میں زاہدوں سے پہلے کوئی نہ جائے گا۔ جو جنت کے عاشق اور دنیا کے تارک تھے اور یوسف بن اسباط نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے تین باتیں چاہتا ہوں۔ اول یہ کہ جب میں مروں تو میرے پاس ایک درہم بھی نہ ہو۔ دوم یہ کہ مجھ پر کسی کا قرض نہ ہو۔ سوم یہ کہ میری ہڈی پر گوشت نہ ہو۔ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ تینوں باتیں ان کو عطا فرمائیں۔ روایت ہے کہ کسی بادشاہ نے فقہا کے پاس کچھ انعام بھیجا۔ انہوں نے اس کو قبول کر لیا اور حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جو دس ہزار درہم بھیجے تو انہوں نے قبول نہ کیے۔ ان کے بیٹوں نے ان سے عرض کیا کہ اور فقہاء نے تو قبول کر لئے ہیں اور آپ باوجود افلاس کے پھیرے دیتے ہیں۔ حضرت فضیل رو پڑے اور فرمایا کہ تم کو معلوم ہے کہ میری مثال اور تمہاری ایسی ہے جیسے کچھ لوگوں کے پاس ایک بیل تھا' اس سے کھیت باڑی کرتے تھے۔ جب وہ بوڑھا ہو گیا تو اس کو ذبح کر ڈالا۔ قبل اس کے کہ اس کے چمڑے سے مستفع ہوں۔ ایسے ہی تم بھی مجھے ذبح کرنا چاہتے ہو کہ میں بوڑھا ہو گیا' بیٹو تم کو بھوک سے مر رہنا اس بات سے بہتر ہے کہ تم اپنے پدر پیر کو ذبح کرو۔

حضرت عبید بن عمیر کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اون پہنتے اور درختوں کے پتے کھاتے۔ نہ ان کے کوئی لڑکا جو مرے' نہ گھر جو خراب ہو۔ کل کے واسطے کچھ نہ رکھتے تھے۔ جہاں شام ہوتی' وہاں ہی سو رہتے اور ابو حازم کی بی بی نے ان سے کہا کہ اب موسم سرما سر پہ آگیا' ہم کو غلہ اور کپڑے اور لکڑی کی ضرورت ہے کہ اس کے بدوں چارہ نہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ ان سب چیزوں سے چارہ ہی چارہ' اس سے نہیں کہ مریں گے اور اس کے بعد اٹھائے جائیں گے اور خدا تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہوں' پھر جنت بپا ہو گی یا دوزخ اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ اپنے کپڑے کیوں نہیں دھوتے؟ آپ نے فرمایا کہ مرگ اس سے بھی جلاتر ہے یعنی موت بہت قریب ہے اور حضرت ابراہیم بن ادھم فرماتے ہیں کہ ہمارے دلوں پر تین پردے ہیں۔ جب تک وہ دور نہیں ہوتے تب تک بندے پر یقین ظاہر نہیں ہوتا۔ ایک موجود چیز سے خوش ہونا' دوسرے مفقود پر رنج کرنا' سوم تعریف سے خوش ہونا۔ پس جب کوئی موجود چیز سے خوش ہوتا ہے تو وہ حریص ہے اور جب مفقود پر غم کرتا ہے تو غصہ کرنے والا ہے اور غصے والے کو عذاب ہوتا ہے اور جب تعریف سے خوش ہوتا ہے تو تعجب کرتا ہے اور عجب عمل کو باطل کر دیتا ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جس شخص کا دل زاہد ہے' اس کی دو رکعتیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی کوشش سے عبادت کرنے والوں کی تمام عمر کی عبادت کی نسبت محبوب اور بہتر ہیں اور بعض اکابر کا قول ہے کہ جو چیزیں خدا تعالیٰ نے ہم سے پھیر دیں اور ہم کو نہیں دی' ان میں اس کا انعام ہمارے اوپر زیادہ ہے بہ نسبت ان اشیاء کے جو ہم کو دی ہیں اور گویا اس میں اس حدیث شریف کی طرف اشارہ ہے کہ ان

اللہ یحی عبدہ المومن من الدنیا وھو کیہ کما تحمون مریضکم الطعام واشراب تخافون علیہ پس اگر مریض اس بات کو سمجھے تو جانے کہ لوگوں کا سلوک کھانے کے نہ دینے میں جس کا انجام صحت ہے' دینے کی نسبت زیادہ ہے جس کا ثمرہ مرض ہو اور حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ دنیا دار فانی ہے نہ باقی اور خانہ مصیبت ہے نہ خانہ راحت' جو اس کو پہچان لیتا ہے وہ اس کی وسعت پر خوش نہیں ہوتا نہ تنگی پر رنج کرے اور حضرت سہل تستری فرماتے ہیں کہ کسی عابد کا عمل خالص نہیں ہوتا جب تک چار چیزوں سے فارغ نہ ہو بھوک' برہنگی' فقر اور ذلت اور حضرت بصری فرماتے ہیں کہ میں نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے اور ایسوں کے ساتھ رہوں کہ دنیا کی کسی بات سے خوش نہ ہوتے تھے۔ کوئی شے ان پر آئے اور کسی چیز پر رنج نہ کرتے تھے جو چلی جائے اور دنیا ان کے نزدیک خاک سے بھی ذلیل تر ہے۔ بعض پچاس برس اور ساٹھ برس زندگی بسر کرتے تھے۔ اس طرح کہ کبھی ان کا کپڑا تہ ہو' نہ ان کے لیے ہنڈیا چڑھی' نہ زمین پر کچھ بچھا اور نہ اپنے گھر میں کھانے کو کھایا۔ جب رات ہو جاتی تو کھڑے ہو جاتے' سجدے کرتے' آنسو رخساروں پر بہاتے۔ اللہ تعالیٰ سے اپنی آزادی کے لیے سرگوشی کرتے رہتے۔ جب نیکی کرتے تو اس کے شکر میں مشغول ہو جاتے اور اللہ سے اس کے قبول کی درخواست کرتے اور جب بدی کرتے تو رنج کرتے اور درخواست مغفرت کرتے۔ ہمیشہ ایسا ہی کیا کرتے تھے مگر بخدا کہ گناہوں سے نہیں بچے اور نہ بدوں مغفرت اور رحمت الٰہی کے ساحل نجات پر پہنچے۔

مدارج زہد : یہ چار قسم ہے۔ (1) خود زہد۔ (2) جس چیز کی رغبت سے زہد ہوتا ہے۔ (3) جس چیز سے زہد کرتے ہیں۔ (4) احکام زہد کی۔

قسم اول یعنی زہد فی نفسہ بحسب تفاوت اپنی قوت کے تین درجے رکھتا ہے۔ (1) یہ سب سے نیچے ہے۔ وہ یہ ہے کہ زہد دنیا میں کرے مگر دنیا کی خواہش بھی ہے اور دل کو میل اور نفس کو التفات دنیا کی طرف ہو مگر زاہد بہ تکلف اور مجاہدہ سے اس کو روکتا ہے۔ ایسے شخص کو زہد کہتے ہیں اور یہ آغاز زاہد کا ہوتا ہے۔ ایسے شخص کے حق میں جو درجہ زہد پر پہنچے' اپنی کوشش اور علم سے پہنچے۔ ایسا شخص اول اپنے نفس کو گلاتا ہے' پھر تھیلی کو اور زاہد اول تھیلی کو گلاتا ہے۔ پھر نفسکو طاعات میں گھلاتا ہے' نہ یہ کہ جو چیز جدا ہو گئی ہے۔ اس کے فراق کے صبر میں نفس کو گلا دے اور مستزید خطرے سے ہے کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس کا نفس غالب ہو جاتا ہے اور شہوت اس کو کھینچتی ہے تو دنیا کی طرف اور اس سے آرام لینے کی طرف عود کرتا ہے' خواہ تھوڑی چیز میں ہو یا بہت میں۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ دنیا کو اپنی رغبت سے چھوڑ دے۔ بائیں وجہ کہ جس چیز کی طمع میں جانے دے کہ اس کو اس درھم کے رنج نہیں ہوتا گو تھوڑا سا انتظار کرنا پڑتا ہے لیکن یہ زاہد اپنے زہد کو سمجھتا ہے اور اس کی طرف التفات کرتا ہے۔ جیسے بیچنے والا اپنی چیز کو دے کر جانتا ہے کہ میں نے ایسی چیز کو دے کر عوض لیا' اسی لحاظ سے اس طرح کا زاہد اپنے نفس پر ہو سکتا ہے کہ عجب کرے یا زہد پر عجب کرے اور جانے کہ ہم نے ایک ایسی چیز چھوڑی جس کی کچھ قدر تھی اور اس کے عوض اس سے زیادہ قدر کی چیز اختیار کی۔ بہرحال یہ درجہ بھی نقصان کا ہے۔

تیسرا درجہ جو سب سے بڑھ کر ہے یہ کہ کہ زہد اپنی خوشی سے کرے اور زہد میں بھی زہد کرے یعنی اس کو کچھ

نہ سمجھے۔ اس لحاظ سے کہ دنیا کو محض بیکار چیز جانے جیسے کوئی ٹھیکری دے اور موتی لے لے تو اس کو معاوضہ نہ جانئے اور یہ نہ سمجھے گا کہ میں نے یہ سودا کچھ دے کر لیا ہے اور نہ اس ٹھیکری کا بھی خیال کرے گا اور دنیا کو اگر بلحاظ خدا تعالیٰ اور عیش آخرت کے دیکھو تو جیسے ٹھیکری موتی کی نسبت اور خسیس ہے۔ وہ اس سے بھی زیادہ خسیس ہے۔ پس زہد کا کمال اس درجہ میں ہے اور سبب اس زہد کا کمال معرفت ہے یعنی اس کو خوف دنیا کی طرف التفات کا نہیں جیسے لینے والے کو خیال ٹھیکری کا نہیں آتا اور یہ دل نہیں چاہتا کہ اس معاملے کو ختم کر کے اپنی چیز واپس لے لوں۔ حضرت ابو یزید نے ابو موسیٰ عبدالرحیم سے پوچھا کہ تم کیا ذکر کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ زہد کا پوچھا کہ کس چیز سے کہا۔ دنیا سے انہوں نے اپنا ہاتھ جھاڑا اور کہا کہ میں جانتا تھا کہ کسی چیز کی گفتگو ہوتی ہوگی۔ دنیا تو نا... ہے زہد اس میں کیا ہوگا اور جو شخص کہ دنیا کو آخرت کے لیے چھوڑ دے۔ اس کی مثال اہل معرفت اور ا... قلوب کے نزدیک جن کو مشاہدہ اور مکاشفہ ہر وقت رہتا۔ ایسی ہے جیسے کوئی شخص بادشاہی دربار میں جانا چاہے اور دروازے پر ایک کتا کھڑا ہو کہ وہ اس کو نہ جانے دے اور یہ اس سامنے ایک روٹی کا ٹکڑا پھینک دے۔ وہ کتا اس کے شغل میں لگے اور یہ دروازے میں گھس جائے اور بادشاہی تقریب حاصل کر کے تمام سلطنت کا کاروبار اس کے سپرد ہو جائے تو بھلا ایسا شخص اس نعمت و انعام بادشاہی کے عوض اپنا کچھ احسان بادشاہ پر جانے گا اور کہے گا کہ ہم نے بھی دروازے کے کتے کو ایک لقمہ دے دیا ہے۔ اس طرح شیطان خدا تعالیٰ کے دروازے کا کتا ہے کہ لوگوں کو اندر نہیں جانے دیتا باوجود یہ کہ دروازہ کھلا ہوا ہے اور پردہ اٹھا ہو اور دنیا ایک لقمہ کی طرح ہے کہ اگر اس کو کھاؤ تو لذت صرف چانے کے وقت ہوتی ہے اور نگلتے ہی جاتی رہتی ہے۔ پھر اس کا بوجھ معدہ میں رہتا ہے اور نوبت بدبو اور نجاست ہو جانے کی پہنچتی ہے' پھر حاجت اس بوجھ کے نکالنے کی پڑتی ہے۔ پس جو شخص ایسی چیز کو اس لیے چھوڑ دے کہ سلطنت ملے' اس کو اس دنیا کا کیا خیال ہوگا اور ساری دنیا کی نسبت یعنی جو کچھ ایک شخص کو ملتی ہے۔ گو اس کی حیات سو برس کی ہو۔ آخرت کی نعمت کی طرف اس سے بھی کم ہے جو لقمہ کو ہی سلطنت کی طرف اس لیے کہ متناہی چیز کو بے نہایت چیز کی طرف کچھ نسبت نہیں اور اگر دنیا بالفرض ہزار برس کی زیست ہو اور بے غل و غش ملے۔ جب بھی متناہی رہے گی اور عیش جاودانی آخرت سے اس کو کچھ نسبت نہ ہوگی اور جبکہ مدت عمر بھی کم اور لذت بھی خالی از کدورت نہیں تو پھر بلا اس کو آخرت سے کیا نسبت حاصل۔ یہ کہ زاہد اپنے زہد کو جبھی دیکھتا ہے جب جس چیز میں زہد کیا ہے۔ اس کی طرف التفات کرے اور اس کی طرف جو التفات کرے گا' جب اس کو کوئی چیز قابل قدر و قیمت جانے گا اور اس قدر و قیمت کے قابل جاننا نقصان معرفت سے ہوا کرتا ہے۔ اس لیے سبب زہد کے نقصان کا معرفت کا نقصان ٹھہرا۔ یہ ہیں درجات زہد کے اور ان میں سے پھر ہر ایک درجے کے بہت سے درجات ہیں مثلاً متزید آدمی جو صبر دنیا پر کرتا ہے تو بعض صبر میں مشقت زیادہ ہوتی ہے اور بعض میں کم تو اسی مشقت کی کمی بیشی پر اس درجے میں بھی اضافہ و تفاوت ہوگا۔ اس طرح جو شخص اپنے زہد کی باعتبار اس چیز کے جس کی رغبت سے زہد کرنے کی طرف ہوگا' اسی کے بموجب اس کے درجے ہیں۔ سب سے نیچے کا درجہ یہ ہے کہ مرغوب فیہ آگ دوزخ اور تمام تکلیفات مثل عذاب قبر اور مناقشہ حساب اور پل صراط کے خطرے اور سب احوال سے

نجات پانا یعنی جب احوال کا ذکر احادیث میں ہے مثلاً مذکور ہے کہ آدمی حساب میں کھڑا کیا جائے گا۔ اسی طرح کہ اگر اونٹ پیاسے' اس کے پسینے سے پانی پیئیں تو سب کا پیٹ بھر جائے تو ایسے احوال سے نجات پانے کی رغبت زہد ہے اور یہ زہد خوف کرنے والوں کے لیے ہوتا ہے اور وہ لوگ گویا نیست ہونے پر راضی ہو جائیں۔ گر نیست کر دیئے جائیں کیونکہ تکلیف سے چھوٹنا بعجز و نیستی کے حاصل ہو جاتا ہے۔

دوسرے یہ کہ زہد سے رغبت خدا تعالیٰ کے ثواب لذیذ انعام اور لذتوں کی جن کا وعدہ جنت میں ہے۔ مثل حور و قصور وغیرہ کے ہو۔ یہ زہد رجاء والوں کا ہوتا ہے کیونکہ ان لوگوں نے جو دنیا کو چھوڑا تو اس لیے نہیں کہ نیستی پر قناعت کر کے رنج سے چھٹی پائیں بلکہ طمع وجود دائمی اور دولت سرمدی کی جس کی کچھ انتہاء نہیں۔ تیسرا درجہ جو سب میں اعلیٰ ہے وہ یہ ہے کہ رغبت سو خدا اور دیدار خدا کے اور کچھ نہ ہو' نہ دل کو التفات تکلیفات کی طرف ہو کہ اس سے نجات چاہے۔ نہ توجہ لذات کی طرف ہو کہ ان کا حصول منظور ہو بلکہ ہمہ وقت مستغرق خدا تعالیٰ میں ہو اور حسب حال اس کا یہ شعر ہے کہ

بین دے کر دان دیئے گوئے یکے خواہ یکے خوان دیکے جو بے

موجد حقیقی وہی ہے جو خدا تعالیٰ کے سوا اور کسی کی طلب کرتا ہے۔ کیونکہ جو خدا تعالیٰ کے سوا کسی کی طلب کرے' وہ اس کی پرستش کرتا ہے اور ہر ایک مطلوب معبود ہے اور ہر ایک طالب اپنے مطلوب کے لحاظ سے اس کا بندہ ہے۔ غیر اللہ کی طلب بھی شرک خفی ہے۔ اس قسم کا زہد محبین کا ہے اور وہی عارف ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ سے خاص وہی محبت کرتا ہے جو اس کو پہچانتا ہے اور جو شخص کہ دینار اور درہم کو جانتا ہے اور اس کو معلوم ہو کہ دونوں ایک ساتھ نہ رکھ سکوں گا تو وہ دینار ہی کی محبت کرے گا' اس لیے جو شخص خدا تعالیٰ کو پہچانتا ہے اور لذت دیدار کو بھی جانتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے اور اس کو معلوم ہے کہ لذت دیدار الٰہی اور لذت آسائش جنت اور حور و قصور اور دیکھنا وہاں کے رنگ و نقش و نگاہ کا ایک ساتھ ممکن نہیں تو وہ صرف لذت دیدار ہی چاہے گا' غیر کو ترجیح نہ دے گا۔ شعر:-

دولت دیار تیری گر نہ ہو کیا کریں گے جنت و فردوس کو

اور یہ نہ کرنا چاہیے کہ دل میں باقی رہے گی بلکہ لذات دیدار کو لذات جنت کی طرف ایسی نسبت ہے جیسی لذت سلطنت دنیا اور تمام لوگوں کے مالک ہونے کو ہے۔ لذت چڑیا پکڑنے جانے اور اس کے کھیل میں مصروف ہونے کی طرف ہے۔ جو لوگ طالب آسائش جنت ہیں' وہ اہل معرفت اور صاحب دلوں کے نزدیک ایسے ہیں جیسے کوئی لڑکا لذت سلطنت چھوڑ کر چڑیا سے کھیلنے کا طالب ہو اور یہ امر اس وجہ سے ہوتا ہے کہ وہ لذت سلطنت سے ناواقف ہوتا ہے' نہ اس جہت سے کہ چڑیا سے کھیلنا فی نفسہ سلطنت سے بڑھ کر اور لذیذ تر ہے۔ تیسری تقسیم زہد کی باعتبار اس چیز کے ہے جس سے زہد کرتے ہیں۔ اس باب میں اقوال بہت ہیں اور غالباً سو سے زیادہ ہوں گے۔ سب کی نقل سے کچھ فائدہ نہیں مگر ایک تقریر ایسی لکھتے ہیں جو جامع تفصیلوں کی ہو جس سے معلوم ہو جائے گا کہ جو کچھ اس باب میں منقول ہو' خالی قصور سے نہیں۔ کل کا احاطہ کسی میں نہیں۔ پس ہم لکھتے ہیں کہ وہ چیز جس سے

زہد ہو' وہ یا مجمل ہے یا مفصل کے لیے بھی چند مراتب ہیں۔
کہ بعض میں تفصیل افراد کی زیادہ ہے اور بعض میں مجمل کی جمعیت بہت ہے۔ اب اجمال درجہ اول میں تو یہ ہے کہ ہر ایک چیز ماسوائے اللہ سے زہد کرنا چاہیے۔ یہاں تک کہ اپنے نفس سے بھی زہد کرے اور دوسرے درجے کا اجمال یہ ہے کہ جس صفت سے نفس کو نفع ہو' اس میں زہد کرے۔ اس میں سب مقتضائے طبیعت کی مثل شہوت اور غضب اور کبر اور ریاست اور مال اور جاہ وغیرہ میں آگئے اور تیسرے درجے کا اجمال یہ ہے کہ مال اور جاہ اور ان کے لوازم میں زہد کرے کیونکہ تمام خطوط نفسانی کا مال انہیں کی طرف آرہتا ہے اور چوتھے درجے کا اجمال یہ ہے کہ علم اور قدرت اور دینار و درہم میں زہد کرے کیونکہ مالوں کے اقسام گو کتنے ہی ہوں' سب دینار و درہم میں آجاتے ہیں اور جاہ کے کتنے ہی اسباب ہوں' وہ علم و قدرت میں شامل ہیں اور علم و قدرت سے ہماری مراد اس علم و قدرت سے ہے جس سے غرض دلوں کا مالک ہونا ہے۔ اس لیے کہ معنی جاہ کے دلوں کا مالک ہونا اور ان پر قابو پانا جیسے مال کے معنی چیزوں کا مالک ہونا اور ان پر قدرت پانا ہے۔ پس اگر اس تفصیل کو بڑھاتے جاؤ اور اس سے زیادہ شرح و بسا کرتے جاؤ تو کیا عجب ہے کہ یہ چیزیں جن سے زہد ہوتا ہے' شمار سے زائد ہو جائیں۔ خداوند کریم نے ایک آیت میں ان میں سے سات بیان کیے ہیں اور فرمایا زين للناس حب الشهوت من النساء والبنين والقناطير المقنطره من الذهب والفضة والخيل المسومة والانعام و الحرث ذلك متاع الحيوة الدنيا (پ 3 آل عمران 14) ترجمہ کنزالایمان: لوگوں کے لئے آراستہ کی گئی ان خواہشوں کی قیمت عورتیں اور بیٹے اور تلے اوپر سونے چاندی کے ڈھیر اور نشان کئے ہوئے گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی' یہ جیتی دنیا کی پونجی ہے۔
دوسری آیت میں ان کو پانچ کر دیا ہے اور فرمایا اعلموا انما الحيوة الدنيا لعب ولهو و زينة وتفاخر بينكم وتكاثر في الاموال والاولاد (پ 27 الحدید 20) ترجمہ کنزالایمان: جان لو کہ دنیا کی زندگی تو نہیں مگر کھیل کود اور آرائش اور تمہارا آپس میں بڑھائی مارنا اور مال اولاد پر زیادتی چاہنا۔
پھر ایک ہی کرکے ارشاد فرمایا ونهى النفس عن الهوى فان الجنة هى المأوى (پ 30 النزعت 40'41)
ترجمہ کنزالایمان: اور نفس کو خواہش سے روکا تو بے شک جنت ہی ٹھکانہ ہے۔
لفظ ہوی ایسا ہے کہ تمام خطوط نفسانی دنیاوی کو شامل ہے تو چاہیے کہ زہد اسی میں ہو اور جب تم کو مال مجمل کرنے اور مفصل کرنے کا معلوم ہوا جان لیا ہو گا کہ ان میں سے بعض مخالف بعض کے نہیں بلکہ فرق صرف ایک دفعہ شرح کرنے کا اور دوسری بار اجمال کا ہے۔ حاصل یہ کہ زہد یہ ہے کہ' تمام خطوط نفسانی سے دل اٹھالیا جائے اور جب حظوظ سے دل برداشتہ ہو گی تو دنیا سے بھی ہوگی اور بالفرو رائل بھی کوتاہ ہوگی کیونکہ زندگی اسی لیے مطلوب ہوتی ہے کہ دنیا سے متمتع ہو اور بقاء کا چاہنا اسی تمتع کے واسطے ہے مثلاً کوئی شخص جو ایک چیز کا ارادہ کرتا ہے کہ اس کا دوام چاہتا ہے اور زندگی کی محبت کے بھی معنی یہی ہیں کہ جو چیز موجود یا ممکن اس زندگی میں ہے' اس کی محبت ہمیشہ کرے۔ پس جب اسی سے دل برداشتہ ہوگا تو زندگی بھی نہیں چاہے گا اور اسی بنا پر جب لوگوں پر جہاد فرض ہوا ہو تو کہا ربنا لم كتبت علينا القتال لولا اخرتنا الى اجل قريب (پ 5 النساء 77) ترجمہ کنزالایمان: اے

رب ہمارے تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کردیا تھوڑی مدت تک ہمیں اور جینے دیا ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ قل متاع الدنیا قلیل (پ 5 النساء 77) ترجمہ کنزالایمان: تم فرما دو کہ دنیا کا برتنا تھوڑا ہے۔ یعنی تم جو باقی رہنا اپنا چاہتے ہو' تو دنیا کے فائدے لینے کے لیے ہے اور وہ ایک بہت تھوڑی چیز ہے۔ اس کے بعد حال زاہدوں اور منافقوں کا کھل گیا۔ زاہد جو اللہ کی محبت رکھتے تھے وہ تو اللہ کی راہ میں ایسے لڑے کہ گویا سیسہ پلائی دیوار ہے اور متوقع دو عمدہ باتوں میں سے ایک کے ہوئے اور جب جہاد کے واسطے پکار ہوتی تھی تو ان کے مشام جان جنت کی خوشبو سے معطر ہو جاتے تھے اور جہاد کے واسطے جیسا پیاسا پانی پر گزرتا ہے' دوڑتے تھے تاکہ دین خدا کی مدد کریں اور درجہ شہادت لیں اور اگر کوئی ان میں سے اپنی موت مرتا تھا تو اس درجے کے نہ ملنے کی حسرت کرتا تھا۔ یہاں تک کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اپنے مرض موت میں بستر پر حالت نزع میں ہوئے تو فرماتے تھے کہ میں نے متوقع شہادت اپنی جان بہت لڑائی اور صفوں میں کفار کی گھس گیا مگر وہ درجہ نہ ملا اور آج بڑھیوں کی سی موت مرتا ہوں۔ جب آپ کا انتقال ہوا تو آٹھ سو زخموں کے داغ بدن پر تھے۔ ایمان میں بچے لوگوں کا یہ حال تھا اور منافقین کا یہ حال تھا کہ موت کے خوف سے جماعت میں سے بھاگ گئے۔ ان سے کہا گیا ان الموت الذی تفرون منہ فانہ ملاقیکم (پ 28 الجمعہ) ترجمہ کنزالایمان: وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو وہ تو ضرور تمہیں ملنی ہے۔

ان لوگوں نے جو زندہ رہنے کو شہادت پر ترجیح دی تو ادنیٰ چیز اعلیٰ کے بدلے میں لیا تھا۔ ان کا یہ ہوا کہ اولئک الذین اشتروا الضلالۃ بالھدیٰ فما ربحت تجارتھم وما کانوا مھتدین (پ 1 البقرہ 106) ترجمہ کنزالایمان: یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی تو ان کا سودا کچھ نفع نہ لایا اور وہ سودے کی راہ جانتے ہی نہ تھے۔ اس دعا پر کہ ان کو جنت ملے۔ جب دیکھیں گے کہ بیس بائیس برس کی عوض عیش و جاودانی ملی تو اس وقت اپنے معاملہ سے خوش ہوں گے۔ جب تم کو یہ حال معلوم ہو چکا کہ جس چیز سے زہد چاہیے' اس کی تفصیل یہ ہے کہ جان لو گے کہ جو کچھ لوگوں نے اس باب میں یعنی تعریف زہد میں لکھا ہے' ان کے اقوال میں صرف بعض اقسام زہد کی چیزوں کے پائے جاتے ہیں۔ ہر ایک شخص نے تعریف زہد میں یا تو مخاطب کے حال کے مناسب کچھ لکھا ہے۔ یا جو بات اپنے نفس پر غالب پائی اس کو بیان فرما دیا ہے مثلاً حضرت بشر علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ دنیا میں زہد کرنا یہ ہے کہ لوگوں میں زہد کرے۔ اس قول میں صرف جاہ سے زہد کا ارشاد پایا جاتا ہے اور قاسم جوعی فرماتے ہیں کہ زہد دنیا زہد شکم کو کہتے ہیں جس قدر آدمی اپنے پیٹ پر قابو رکھتا ہوگا' اسی قدر زاہدوں میں ہوگا۔ اس میں اشارہ ایک خواہش کی طرف ہے اور واقع میں یہ خواہش اور شہوت سے بڑھ کر ہے اور اکثر شہوات کا منشا یہی ہوتی ہے اور حضرت فضیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ زہد دنیا سے مراد قناعت لئے اس قول میں اشارہ صرف مال کے زہد کا ہے اور حضرت سفیان ثوری علیہ السلام فرماتے ہیں کہ زہد امل کے کوشاں کرنے کا نام ہے۔ یہ قول جامع تمام شہوات کا ہے کیونکہ جو شخص کسی شہوت کی طرف میلان کرتا ہے' اپنی جی میں جب تک اس کا باقی رہنا تجویز کر لیتا ہے' اسی لیے اس کے امل میں طول ہوتا ہے اور جس کی امل کوتاہ ہوتی ہے' وہ گویا تمام شہوات سے دل اٹھا لیتا ہے

اور حضرت اویس فرماتے ہیں کہ جب زاہد طلب معاش کے لیے نکلے تو اس کا زہد جاتا رہتا ہے۔ اس سے ان کا مقصود تعریف زہد کی نہیں بلکہ توکل کو زہد میں شرط کیا ہے اور یہ بھی انہیں کا قول ہے کہ زہد اس کا نام ہے کہ رزق مضمون کی طلب نہ کرے اور ارباب حدیث کا قول ہے کہ دنیا کیا ہے کہ رائے اور عقل سے عمل کرنا اور زہد اس کا نام ہے کہ علم کا اتباع کرے اور سنت کا اقتدا لازم کرے۔ اس قول میں اگر رائے سے رائے فاسد اور عقل سے مراد وہ عقل ہے جس سے کہ دنیا میں طلب کیا جاتا ہے تو واقع میں یہ قول ٹھیک ہے لیکن اس میں اشارہ یا تو صرف بعض اسباب جاہ کی طرف ہے یا ایسی شہوات کی طرف جو فضول ہیں مثلاً بعض علوم اس طرح کے ہیں کہ ان سے کچھ فائدہ نہیں اور لوگوں نے ان کو اتنا طول دیا ہے کہ اگر آدمی تمام عمر ایک ہی علم میں مصروف رہے تو پورا نہ کرپائے تو زاہد کے لیے ضروری ہوا کہ فضول امر سے اول زہد کرے اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ زاہد وہ ہے کہ جب کسی کو دیکھے تو کہے کہ یہ مجھ سے بہتر ہے۔ ان کا مذہب یہ ہے کہ زہد تواضع کا نام ہے اور یہ اشارہ ہے جاہ و عجب کے نہ ہونے کا جو بعض اقسام زہد سے ہے اور بعضوں کا قول ہے کہ زہد طلب حلال کو کہتے ہیں اور اس قول کو حضرت اویس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ ہم کے قول سے کچھ نسبت نہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ زہد طلب کو ترک کر دینے کا نام ہے اور اس میں شک نہیں کہ ان کی مراد طلب حلال ہی کو ترک کرنے سے تھی اور یوسف بن اسباط فرماتے ہیں کہ جو شخص ایذا پر صبر کرے اور شہوات کو چھوڑ دے اور روٹی وجہ حلال سے کھائے' اس کو اصل زہد حاصل ہے۔ اس طرح ان کے سوا زہد کے باب میں بہت سے اقوال ہیں۔ ان کے لکھنے سے کچھ فائدہ نہیں کیونکہ جو شخص امور کے حقائق لوگوں کے قول سے معلوم کرنے چاہے تو قولوں میں اختلاف پا کر حیران رہ جائے گا مگر جس کو امر حق ظاہر ہو جائے گا اور اس کا ادراک اپنے دل کے مشاہدہ سے کرے گا تو پھر سنی ہوئی بات سے کچھ مستفید نہ ہوگا' اس لیے کہ حق بات پر اعتماد کر چکا اور جس شخص نے کہ اپنے قصور بصیرت سے کچھ کوتاہی کی' اس پر اطلاع پائے گا اور جس نے کمال معرفت کے ہوتے ہوئے جتنی حاجت دیکھی' اس قدر بیان پر اکتفا کی۔ اس پر بھی واقف ہو جائے گا اور ان بزرگوں نے جو اختصار پر کفایت کی تو اس وجہ سے نہیں کہ ان کی بصیرت کچھ کم تھی مگر اس سبب سے کہ جو کچھ انہوں نے فرمایا ہے' حاجت ہی کے وقت فرمایا ہے تو جس قدر حاجت دیکھی' اس قدر بیان کیا اور چونکہ حاجات مختلف ہوتی ہیں' اسی جہت سے کلمات جواب بھی مختلف ہوئے اور بعض اوقات سبب کفایت کرنے کا یہ ہوتا ہے کہ غرض ان کلمات سے خبر دینا اس حال کا ہوتا ہے جو بندے میں دائمی ہوتا ہے اور وہ حال بھی خود بندے کا ایک مقام ہے اور از انجاکہ ہر ایک بندے کے لیے ایک نیا حال ہوتا ہے تو جن کلمات سے اس کی خبر دی جائے گی' وہ بھی بلاشک مختلف ہوں گے لیکن امر حق واقع میں ایک ہی ہوگا۔ اس کا مختلف ہونا ممکن نہیں اور سب اقوال میں سے زہد کے باب میں جو جامع اور در حقیقت کامل ہے گو اس میں تفصیل نہیں۔ قول ابو سلیمان دارانی کا کہ وہ فرماتے ہیں کہ زہد کے باب میں ہم نے بہت تقریریں سنیں اور ہمارے نزدیک زہد یہ ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ سے مانع ہو اس کو ترک کرے اور ایک قول میں تفصیل بھی بیان کی اور کہا کہ جو شخص نکاح کرے یا طلب معیشت کے لیے سفر کرے یا حدیث لکھے' وہ دنیا کا مائل ہوا تو ان سب چیزوں کو زہد کے خلاف کر دیا اور ایک بار انہوں نے یہ آیت

پڑھی الامن اتی اللہ بقلب سلیم (پ 19 الشعراء 89) ترجمہ کنزالایمان: مگر وہ جو اللہ کے حضور حاضر ہوا سلامت دل لے کر

اور فرمایا کہ قلب سلیم سے وہ دل مراد ہے کہ جس میں خدا کے سوائے کچھ نہ ہو اور فرمایا کہ لوگوں نے جو دنیا میں زہد کیا تو اس لیے کہ ان کے دل دنیا کے تردوات سے چھوٹ کر آخرت کے لیے فارغ ہو جائیں۔ اب زہد کی چوتھی تقسیم کو سننا چاہیے کہ احکام کے لحاظ سے زہد کی تین قسمیں ہیں۔ فرض اور نفل اور سلامت اور یہی قول حضرت ابراہیم بن ادھم کا ہے۔ زہد فرض تو حرام میں زہد کرنا ہے اور نفل حلال میں اور سلامت شبہات میں اور ہم نے تفصیل درجات ورع کے باب حلال اور حرام میں لکھی ہے اور وہ زہد میں سے ہے کیونکہ حضرت مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ زہد کیا چیز ہے؟ فرمایا کہ تقویٰ ہے اور اگر زہد کو بلحاظ خفیہ امور کے چھوڑنے کے دیکھا جائے تو کچھ انتہاء نہیں کیونکہ نفس جن چیزوں سے مثل خطرات اور تمام حالات کے خصوصا ریائے خفی وغیرہ کہ سوائے بڑے علماء کے اور کوئی ان پر واقف نہیں ہوتا ہے' متمتع ہوتا ہے۔ ان کی کچھ انتہاء نہیں تو اس میں زہد کرنے کی بھی انتہاء نہیں بلکہ امور ظاہر میں بھی درجات زہد کے غیر متناہی ہیں۔ نہایت اعلیٰ درجہ اس میں وہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حاصل تھا کہ لیٹتے وقت پتھر سر کے تلے رکھ لیا۔ شیطان نے آپ سے کہا کہ آپ نے تو دنیا کو ترک کیا تھا' اب یہ کیا ہوا؟ آپ نے فرمایا کہ تو نے کون سی چیز دنیا کی دیکھی؟ اس نے کہا کہ سر تلے پتھر رکھا کہ سر اونچا رہے اور آسائش ملے۔ آپ نے پتھر سر تلے سے نکال کر پھینک دیا کہ لے اس کو اور دنیا کو دونوں کو لے جا اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کے حال میں ہے کہ آپ نے ٹاٹ اس قدر پہنا کہ آپ کی جلد میں اس کے نشان پڑ گئے اور نرم لباس کو نہ پہنا کہ جلد کو آسائش ہوگی۔ آپ کی مادر مشفقہ نے فرمایا کہ ٹاٹ کی عوض اون کا کرتہ پہن لو۔ آپ نے ویسا ہی کیا۔ وحی ہوئی کہ اے یحییٰ ہمارے اوپر دنیا کو پسند کیا۔ آپ روئے اور اس کے کرتے کو نکال کر اپنا پہلا لباس پہن لیا۔

حضرت امام احمد رحمتہ اللہ فرماتے ہیں کہ زہد حضرت اویس ہی کا تھا کہ برہنگی سے یہ نوبت پہنچی تھی کہ ایک چٹائی کی تھیلی میں بیٹھ رہے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک دیوار کے سائے میں بیٹھ گئے۔ دیوار والے نے ان کو اٹھا دیا۔ آپ نے فرمایا کہ تو نے مجھ کو نہیں اٹھایا' مجھ کو اس نے اٹھایا جس کو میرے لیے سائے میں آسائش لینا منظور نہ ہوئی غرضیکہ درجات زہد کے ظاہر و باطن کے اعتبار سے بے شمار ہیں۔ اول درجہ یہ ہے کہ ہر شے اور ممنوع چیز میں زہد کرے اور بعض اکابر فرماتے ہیں کہ زہد اس کا نام ہے کہ حلال میں ہو نہ شبہ اور ممنوع میں اور ممنوع چیز میں زہد کرنا تو زہد کے درجات میں سے کسی میں نہیں۔ پھر دیکھا کہ اس زمانے میں حلال باقی نہیں۔ اس واسطے ان کے نزدیک زہد غیر ممکن ہے۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ جب یہ ٹھہرا کہ زہد خدا تعالیٰ کے ماسوا کا ترک کرنا ہے تو کھانے اور پینے اور لباس اور لوگوں کے ملنے اور گفتگو کرنے سے زہد کیسے ہو سکے گا کیونکہ ان امور میں مشغول ہونا تو ماسوا اللہ میں مشغول ہونا ہے۔ پس اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا سے پھر کر خدا تعالیٰ کی طرف تمام توجہ سے مشغول ہونے کے یہ معنی ہیں کہ خدا تعالیٰ کی طرف اہتمام دل و ہمت ذکر اور فکر کی رو سے متوجہ ہوا اور یہ بات بدون زندگی کے

ممکن نہیں اور زندگی بدوں ضروریات نفس کے نہیں ہو سکتی- پس جب آدمی دنیا سے مہلکات بدن کے دفع پر اکتفا
کرے اور اس سے غرض عبادت پر بدن سے مدد لینی ہو تو اس حرکت سے غیر اللہ کے ساتھ مشغول نہ ہوگا' اس لیے
کہ جو چیز ایسی ہو کہ مقصود کی طرف بدوں اس کے جانا ممکن نہ ہو' وہ مقصود ہی میں گنی جاتی ہے مثلاً کوئی شخص راہ
حج میں سواری کو آب و دانہ دیتا ہے توحج سے روگردان نہ ہوگا مگر چاہیے کہ بدن خدا تعالیٰ کے راستے میں ایسا ہی ہو
جیسے سواری حج کے راستے میں یعنی آسائش سواری کی مقصود بالذات نہیں' صرف اتنا مطلب ہے کہ اس سے مہلکات
دور کرتا رہے تاکہ منزل مقصود پر پہنچائے- اس طرح بدن کا محفوظ رکھنا' بھوک اور پیاس اور گرمی اور سردی سے جو
اس کے حق میں مہلک ہیں- کھانے اور پینے اور لباس اور مسکن سے چاہیے اور ان چیزوں میں سے مقدار پر اکتفا
کرے اور لذت اور آسائش مقصود نہ ہو بلکہ اطاعت الٰہی پر قوت منظور ہو تو یہ بات مخالف زہد کے نہیں بلکہ شرط
کی ہے کہ زہد میں اس کا ہونا ضروری ہے اور اگر کہو کہ بھوک کے وقت کھانا کھانے میں تو لذت خوامخواہ ہوگی تو یہ
لذت مضر نہیں بشرطیکہ مقصود لذت حاصل کرنا نہ ہو مثلاً اگر کوئی ٹھنڈا پانی پیئے تو بھی اس کو لذت معلوم ہوتی ہے مگر
انجام اس کا یہی ہے کہ تکلیف پیاس کی دفع ہو جائے اور اگر کوئی پاخانہ پھرتا ہے تو اس سے بھی راحت ہوا کرتی ہے
مگر اس کو آدمی مقصود اور مطلوب نہیں سمجھتا' اس لیے دل کو اس کی طرف کچھ توجہ نہیں ہوتی- ایسے ہی بعض
اوقات آدمی تہجد کو اٹھتا ہے اور اس وقت کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا اچھی معلوم ہوا کرتی ہے یا صبح کو جانوروں کی بولیاں
خوش معلوم ہوتی ہیں لیکن اگر مقصود بالذات نہ ہوں تو اس نے کچھ ضرر نہیں اور مقصود بالذات اس طرح ہو جاتے
ہیں کہ کوئی جگہ ایسی ہی تلاش کرے جہاں کی ہوا بھی اچھی ہو اور جانوروں کی آواز بھی ہوتی ہو وغیرہ- پس اگر بدوں
اپنے قصد کے ایسی جگہ ہاتھ آگئی تو کچھ حرج نہیں اور خوف کرنے والوں میں بعض لوگ ایسے بھی تھے جنہوں کے
ایسی جگہ ہاتھ آگئی تو کچھ حرج نہیں اور خوف کرنے والوں میں بعض لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے ایسی جگہ تلاش
کی جہاں صبح کی ہوا نہ لگے- اس خوف سے کہ کہیں اس سے راحت پاکر دل کو انس نہ ہو جائے کہ اس سے انس
ہونا دنیا کے ساتھ انس ہوتا ہے اور جس قدر غیر خدا سے انس ہوتا ہے' اسی قدر خدا کے اور متوسط درجہ آدھ سیر اور
اعلیٰ درجہ وہ مقدار ہے کہ شارع نے کفارہ کی مساکین کے لیے مقرر کی ہے اور جو اس سے زیادہ کھائے تو بسیار
خواری اور پیٹ کے دھندے میں ملنے میں داخل ہے اور جو شخص ایک مروی پر بس نہ کرے تو شکم کے باب میں
اس کو زہد ذرہ بھر نہ ہوگا اور جنس کی رو سے کمی یہ ہے کہ جو غذا ہو سکے خواہ بھوسی ہی کی روٹی ہو اور اوسط درجہ جو
اور چنے کی روٹی ہو اور اعلیٰ درجہ بدون چھنے آٹے کی روٹی اور اگر چھنے ہوئے آٹے کا پھلکا ہوگا تو زہد کے اول درجہ کا
تو کیا ذکر ہے- سب سے پہلے مقام زہد سے بھی خارج ہوگا اور آسائش والوں میں داخل ہوگا اور سالن میں ادنیٰ نمک
یا ساگ یا سرکہ ہے اور اوسط زیتون کا تیل یا کوئی اور چکنائی تھوڑی سی اور اعلیٰ گوشت ہے کسی قسم کا ہو اور یہ ہفتے
میں ایک دو دفعہ سے زیادہ ہفتے میں ہوگا تو سب اقسام زہد سے خارج ہو جائے گا- ایسا شخص شکم کے باب میں ہرگز
زاہد نہ کہلائے گا اور وقت کے اعتبار سے کمی یہ ہے کہ رات دن میں ایک بار کھائے یعنی روزہ رکھا کرے اور اوسط
یہ ہے کہ ایک دن روزہ رکھے اور رات کو کھانا نہ کھائے' صرف پانی پی لے اور دوسرے روز روزہ رکھے تو کھانا کھا

لے اور پانی نہ پیئے اور بڑھ کر یہ ہے کہ تین دن یا ہفتہ بھر یا زیادہ طے کا روزہ رکھ سکے اور ہم نے طریق خوراک کے کم کرنے اور اس کی حرص کے توڑنے کا حال جلد ثالث میں لکھا ہے اور احوال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنے پیش نظر رکھنا چاہیے کہ انہوں نے غذا میں اور سالن کے چھوڑنے میں کیسے زہد کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں کہ ہم پر چالیس چالیس روز گزر جاتے تھے کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں چراغ نہ جلتا تھا' نہ آگ سلگتی تھی۔ کسی نے پوچھا کہ پھر بسر اوقات کی کیا صورت تھی؟ آپ نے فرمایا کہ دو سیاہ چیزوں خرما اور پانی سے۔ اس سے گوشت اور شوربا اور سالن سب کا ترک پایا جاتا تھا اور حضرت حسن فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دراز گوش پر سوار تھے اور اون کا کپڑا پہنتے تھے اور گھنٹی ہوئی جوتی کو اپنے پائے مبارک سے مشرف فرماتے تھے اور کھانے کے بعد اپنی انگلیاں چاٹتے اور زمین پر کھانا کھاتے اور فرماتے کہ میں بندہ ہوں۔ کھانا بندوں کی طرح کھاتا ہوں اور بندوں کی طرح بیٹھتا ہوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو شخص جنت کا طالب ہو تو جو کی روٹی اور گھوڑے پر کتوں کے ساتھ پڑ رہنا اس کو کافی ہے اور حضرت فضیل فرماتے ہیں کہ جب سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لاتے تھے۔ کبھی تین روز پیٹ بھر کر گیہوں کی روٹی نہ کھائی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اے بنی اسرائیل خالص پانی پیو اور جنگل کا ساگ اور جو کی روٹی کھاؤ اور غذا اور پانی کے باب میں سیرت انبیاء اور بزرگان سلف کی لکھدی دوبارہ بیان نہیں کرتے اور جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبا والوں کے پاس تشریف لائے تو وہ لوگ آپ کی خدمت میں دودھ اور شہد ملا کر لائے۔ آپ نے پیالہ ہاتھ سے رکھ دیا اور فرمایا کہ میں اس کو حرام نہیں کرتا مگر خدا تعالیٰ کے واسطے انکساری کرنے کے لیے چھوڑتا ہوں اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جو شہد کا سرد شربت لائے اور گرمی کے موسم میں تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کا حساب مجھ سے الگ کرو اور یحییٰ بن معاذ رازی۔ فرماتے ہیں کہ سچا زاہد وہ ہے جو غذا جو کچھ میسر ہو کھائے اور لباس مقدار ستر عورت پہنے اور جہاں جگہ ملے وہاں رہے۔ دنیا اس کی مجلس ہو اور قبر خوابگاہ اور خلوت مجلس عبرت پکڑنا اس کا تامل ہو اور قرآن اس کی گفتگو اور رب اس کا انیس اور ذکر رفیق اور زہد ہمسر اور حزن اس کا حال اور حیا شعار بھوک اس کا سالن ہو اور حکمت سخن اور خاک اس کا بستر ہو اور تقویٰ توشہ اور سکوت غنیمت اور صبر تکیہ اور توکل حسب اور عقل راہنما اور عبادت پیشہ اور جنت پہنچنے کا مقام ہو۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ) ضرورت دوم لباس ہو' اس میں کمتر درجہ وہ ہے جو گرمی اور سردی کو دور کرے اور برہنگی کو چھپائے اور وہ ایک چادر ہے جس میں سب چھپ جائے اور اوسط پوشاک یہ ہے کہ ایک کرتہ اور ٹوپی اور جوتے کا جوڑا اور اعلیٰ یہ ہے کہ اس کے ساتھ عمامہ اور پاجامہ بھی نہ رکھتا ہو بلکہ گھر میں بیٹھا رہے اور جب دو دو کرتے اور پاجامے اور عمامے ہوں تو سب اقسام زہد سے خارج ہو جائے گا جو مقدار کی رو سے ہوتے ہیں اور جنس لباس میں ادنیٰ درجہ موٹا ٹاٹ ہے اور اوسط درجہ موٹا کمبل اور اعلیٰ درجہ موٹا کپڑا اونی اور وقت کی رو سے سب سے زیادہ وقت یہ ہے کہ ایک برس اس کو پہن سکے اور کمتر یہ ہے کہ ایک دن پہن سکے یہاں تک کہ بعض بزرگوں نے اپنے کپڑے میں پتوں کے پیوند لگائے گو بہت جلد خشک ہو جاتے تھے مگر دفع الوقتی ممکن ہو اور اوسط وقت یہ ہے کہ

لباس ایسا ہو جو ایک مہینہ یا اس کے قریب تن پر رہ سکے۔ پس ایسے کپڑے کا ڈھونڈنا جو برس روز سے زیادہ رہے، طول امل میں داخل ہے جو زہد کے خلاف ہے مگر اس صورت میں کہ موٹے کپڑے کی تلاش کی اور موٹا اکثر دیرپا ہوتا ہے اور بہت رہتا ہے تو اس میں کچھ حرج نہیں۔ پس جو شخص اس مقدار سے زیادہ کپڑا پائے چاہیے کہ اس کو دے ڈالے کیونکہ اگر رکھ چھوڑے گا تو زاہد نہ رہے گا بلکہ دنیا سے محبت کرنے والا ہوگا اور اس باب میں بھی احوال انبیاء اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مدنظر رکھنا چاہیے کہ انہوں نے لباس کو کیسے چھوڑا تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہم کو ایک چادر نمدے کی اور موٹا نمدا دکھلایا اور فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف ان دنوں میں ہوئی تھی اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ متبذل آدمی کو چاہتا ہے کہ جو کچھ پہنے، اس کی پروا نہ کرے۔ حضرت عمرو بن الاسود نے فرمایا کہ میں کبھی شہرت کا کپڑا نہ پہنوں گا اور نہ کبھی رات کو کپڑا بچھا کر سوؤں گا اور نہ کبھی عمدہ سواری پر سوار ہوں گا اور نہ اپنا پیٹ غذا سے کبھی بھروں گا۔ پس حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جس شخص کو طریق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنا اچھا معلوم ہو، وہ عمرو بن اسود کو دیکھے اور حدیث شریف میں ہے کہ جو بندہ شہرت کا لباس پہنتا ہے، خدا تعالیٰ اس کی طرف سے منہ پھیر لیتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کو بدن سے نکالے۔ اگرچہ اس کے نزدیک پیارا ہو اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کپڑا مول لیا جس کی قیمت چار درہم یعنی قریب سوا روپیہ کے تھی اور آپ کا جوڑا کپڑے کا دس درہم کا تھا اور ازار یعنی تہبند ساڑھے چار ہاتھ کا تھا اور آپ نے پاجامہ تین درہم کا خرید فرمایا اور آپ دو شملے سفید اون کے پہنا کرتے تھے۔ اس کا نام حلہ تھا کیونکہ وہ دونوں ایک ہی جنس سے تھے اور بعض اوقات آپ دو چادریں یمانی یا سحولی موٹی قسم کی پہنا کرتے تھے اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کرتہ چھچی کا سا کپڑا ہوتا تھا اور ایک روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ریشمی کپڑا سندس کا زرد لکیریں کھینچا ہوا پہنا جس کی قیمت دو سو درہم تھے۔ اصحاب اس کو چھوتے تھے اور تعجب سے کہتے تھے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے پاس یہ جنت سے آیا ہے حالانکہ وہ کپڑا آپ کو اسکندریہ کے بادشاہ مقوقس نے ہدیئے کے طور پر بھیجا تھا۔ آپ نے چاہا کہ اس کو پہن کر اعزاز و اکرام بادشاہ کا فرمائیں۔ پھر آپ نے اس کو نکال کر ایک شخص کے پاس مشرکوں میں سے بھیج دیا جس سے صلہ رحم کرنا منظور تھا۔ پھر دیبا حریر کو مردوں کے لیے حرام فرمایا گویا اول اسی لیے پہنا تھا کہ حرمت کی تاکید ہو جیسے سونے کی انگوٹھی ایک روز پہنی پھر نکال ڈالی اور اس کا پہننا مردوں پر حرام کر دیا اور جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بریرہ ان کی لونڈی کے باب میں فرمایا کہ ولا کی شرط مالک کے واسطے کر لو۔ جب انہوں نے شرط کر لی تو آپ منبر پر چڑھے اور اس کو حرام کیا اور جیسے کہ تین روز متع مباح فرمایا اور پھر امر نکاح کی تاکید کے لیے اس کو حرام فرمایا اور ایک بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سیاہ چادر علمدار میں نماز پڑھی۔ جب سلام پھیرا تو فرمایا کہ اس کی طرف دیکھنے نے مجھے نماز سے مشغول کر دیا، اس کو ابو جہم کے پاس لے جاؤ اور اس کی چادر مجھے لا دو یعنی اپنا عمدہ کپڑا دے کر لوئی چادر فرمائی اور آپ کے جوتے کا تسمہ پرانا ہو گیا تھا۔ اس میں نیا تسمہ لگا کر نماز پڑھی۔ جب سلام پھیرا تو فرمایا

وہی پرانا تسمہ اس میں لگا دو اور نیا نکال ڈالو کہ نماز میں میری نگاہ اس پر جاتی ہے اور سونے کی انگوٹھی پہنی اور پھر اس کو جو دیکھا تو پھینک دیا اور فرمایا کہ اس نے مجھ کو تم سے روک دیا۔ کبھی اس کو دیکھتا ہوں' کبھی تم کو اور ایک بار آپ نے جوتے کا جوڑا نیا پہنا اور اچھا معلوم ہوا تو سجدہ کیا اور لوگوں سے فرمایا کہ مجھ کو اس کی خوبی اچھی معلوم ہوئی۔ میں نے اس خوف سے سجدہ کیا کہ خدا تعالیٰ مجھ سے ناراض نہ ہو' پھر اس کو نکال کر جو مسکین پہلے دیکھا' اس کے حوالہ فرمایا اور سنان بن سعد سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک جبہ اون کا سیاہ و سفید دھاء اون کا بنایا گیا اور اس کا کفارہ سیاہ رکھا گیا۔ جب اس کو آپ نے اپنے تن مبارک سے مشرف فرمایا تو لوگوں سے ارشاد فرمایا کہ دیکھو تو کیسا عمدہ اور ملائم ہے۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ ایک اعرابی نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو مجھے دے ڈالیے اور آپ کا دستور تھا کہ جب کوئی چیز مانگتا تو بخل اس چیز کا نہ کرتے' وہ جبہ شریف اس کو دے دیا اور فرمایا کہ میرے واسطے ایک اور بنایا جائے۔ ابھی وہ دوسرا تیاری ہی میں تھا کہ آپ نے سفر آخرت اختیار کیا اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تشریف لے گئے۔ وہ اس وقت آٹا پیستی تھیں اور اونٹ کے بالوں کی چادر لوڑھے ہوئے تھیں۔ جب آپ نے ان کو دیکھا تو رو پڑے اور فرمایا کہ اے فاطمہ آسائش جاودانی کے واسطے تلخی دنیا کی پی جا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت بھیجی ولسوف یعطیک ربک خترضٰی (پ 30 والضحیٰ 5) ترجمہ کنزالایمان: اور بے شک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مجھ کو ساکنین عالم بالا نے یہ خبر دی ہے کہ بہترین میری امت کے وہ لوگ ہیں جو ظاہر میں وسعت رحمت الٰہی کے باعث ہنستے رہتے ہیں اور خفیہ عذاب کے خوف سے روتے ہیں۔ ان کا بوجھ لوگوں پر ہلکا ہے اور ان کے خود کے اوپر بھاری ہے۔ پرانے کپڑے پہنتے ہیں اور راہوں کی پیروی کرتے ہیں۔ جسم ان کے زمین میں ہیں اور دل عرش بریں کے پاس۔ غرض کہ لباس کے باب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی علامت شریف یہ تھی کہ اپنی امت کو حکم اپنی پیروی کا فرمایا جیسا کہ ارشاد ہے۔ من اجنبی فلیتن بسنتی اور فرمایا علیکم بسنتی وسنتہ الخلفاء الراشدین من بعدی عضوا علیہا بالنوا خدا ترجمہ کنزالایمان: اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرمایا ہے قل ان کنتم یحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ (پ 3 آل عمران 31) ترجمہ کنزالایمان: اے محبوب تم فرما دو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اللہ تمہیں دوست رکھے گا۔

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کو خاص کر ارشاد فرمایا کہ اگر تو مجھ سے ملنا چاہے تو اغنیاء کے پاس بیٹھنے سے اجتناب کرنا اور اپنا کپڑا بدن سے نہ نکالنا۔ جب تک کہ اس میں پیوند نہ لگائے اور حضرت عمر کے کرتے پر بارہ پیوند گنے گئے جن میں سے بعض چمڑے کے تھے اور حضرت علی کرم اللہ وجہ نے اپنی خلافت میں تین درہم کا کپڑا مول لے کر پہنا اور اس کی آستینیں پہونچے پر سے کاٹ ڈالیں اور فرمایا کہ خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھ کو یہ لباس اپنے خلعت میں سے پہنایا اور حضرت سفیان ثوری وغیرہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ کپڑا وہ پہننا چاہیے جس سے نہ علماء کے نزدیک شہرت ہو نہ جہاں کے نزدیک حقارت اور فرمایا کہ فقیر میرے پاس سے نکلتا ہے اور میں

نماز پڑھتا ہوں تو اس کو چلا جانے دیتا ہوں اور اگر کوئی دنیا داروں میں سے میرے پاس سے نکلتا ہے اور اس پر یہ بڑھیا لباس ہو تو میں اس سے ناراض ہوتا ہوں اور جوتیوں کی قیمت لگائی تو ایک درہم اور چار دانگ کے تھے اور ابن مشیرم فرماتے ہیں کہ میرے کپڑوں میں بہتر وہ ہیں جو میری خدمت کریں اور برے کپڑے وہ ہیں جن کی میں خدمت کروں اور بعض اکابر سلف کا قول ہے کہ کپڑے ایسے پہننے چاہئیں جن سے آدمی بازاریوں میں مل جائے۔ ایسے نہ پہنے جن سے شہرت ہو اور لوگوں کی نظر پڑے اور حضرت ابو سلیمان دارانی کا قول ہے کہ کپڑے تین ہیں۔ ایک کپڑا خدا کے واسطے ہے جس سے کہ برہنگی چھپ جائے اور ایک کپڑا نفس کے واسطے ہے جس کی نرمی مطلوب ہوتی ہے اور لوگوں کے واسطے ہے جس کا حسن اور جوہر منظور ہوتا ہے اور بعض بزرگوں کا قول ہے کہ جس کا کپڑا پتلا ہوتا ہے' اس کا دین بھی پتلا ہوتا ہے اور علماء تابعین کے سب کے کپڑوں کی قیمت بیس درہم سے لے کر تیس درہم تک ہوتی تھی اور خواص دو کپڑوں سے زیادہ نہ پہنتے تھے۔ ایک کرتہ اور اس کے نیچے غد اور کبھی اپنا کرتہ پلٹ کر اس کا دامن سر پر ڈال لیتے تھے اور بعض اکابر فرماتے ہیں کہ اول زہد لباس کا ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ البذاذة من الایمان یعنی کپڑوں کا پرانا ہونا یا تواضع کی صورت میں رہنا ایمان میں سے ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص باوجود قدرت کے خدا کے لیے انکسار اور اس کی مرضی کی خواہش کے واسطے خوبصورتی کا کپڑا چھوڑ دے' اللہ تعالٰی پر ضروری ہے کہ اس کے لیے جنت کے خلعت یاقوت کی جادانیوں میں جمع رکھے اور اللہ تعالٰی نے اپنے بعض انبیاء کی طرف وحی بھیجی کہ میرے اولیاء سے کہہ دو کہ میرے دشمنوں کا لباس نہ پہنو اور جس راہ کو میرے دشمن آتے ہیں' اس راہ میں داخل نہ ہو ورنہ دشمنوں کی طرح وہ بھی میرے دشمن ہو جائیں گے اور رافع بن خدیج رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بستر بن مروان کو کوفے کے منبر پر باریک کپڑے پہنے وعظ کہتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ اپنے سردار کو دیکھو کہ لوگوں کو وعظ سناتا ہے اور اس کے بدن پر کپڑے فاسقوں کے سے ہیں اور عبداللہ بن عامر لباس فاخر پہنے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خدمت میں حاضر ہو اور کچھ زہد میں گفتگو کرنے لگا۔ حضرت ابو ذر نے اپنی ہتھیلی منہ پر رکھ کر پڑ کی بجائی ابن عامر غصے ہوا اور شکایت ان کی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کی۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ تم نے خود بے جا کیا ہے یہ لباس پہن کر ان کے سامنے زہد میں گفتگو کرتے ہو؟ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالٰی نے آئمہ ہدی سے عہد لے لیا ہے کہ لوگوں کے حالوں میں سے ادنیٰ سی حالت میں رہا کریں تاکہ تو اگر ان کا اتباع کریں اور فقر کے باعث فقیر کی حقارت نہ ہو اور جبکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں کسی نے عرض کیا کہ آپ ایسا موٹا لباس کیوں پہنتے ہیں تو فرمایا کہ یہ لباس تواضع کے قریب ہے اور اس بات کے شایان کہ مسلمان اس کی اقتدا کریں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آرام طلبی سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ کچھ اللہ کے بندے ایسے ہیں جو تنعم نہیں کرتے ہیں اور فضالہ بن عبید جب والی مصر تھے تو کسی نے ان کو بال بکھرے یا برہنہ دیکھ کر کہا۔ آپ سردار ہو کر ایسا کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ ہم کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آرام طلبی سے منع فرمایا اور اس بات کا حکم کیا کہ کبھی ننگے پاؤں بھی پھرا کریں اور حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا کہ اگر آپ کو اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ ملنا منظور ہو تو

کرتے میں پیوند لگایئے اور تہمد کو سرنگوں رکھیے اور جوتی گھٹی ہوئی پہنے اور شکم سیری سے کم کھایئے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ پرانا موٹا کپڑا پہنا کرو اور لباس عجم یعنی ایران و روم کے بادشاہوں کے لباس سے اجتناب کرو اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی قسم کا لباس پہنے' وہ انہیں میں سے ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری امت کے برے لوگ وہ ہیں جو دولت میں پہلے رنگا رنگ کے کھانے اور کپڑے تلاش کرتے ہیں اور گفتگو میں وضاحت ظاہر کرتے ہیں اور فرمایا کہ ایماندار کی نصف افراد ساق تک ہوئی ہے اور اس سے لے کر ٹخنوں تک بھی کچھ گناہ نہیں اور جو اس سے نیچے ہو تو دوزخ میں ہے اور اللہ تعالیٰ نہیں دیکھے گا قیامت کے دن اس شخص کی طرف اپنی ازار شیخی سے لٹکا دے اور حضرت ابو سلیمان دارانی سے یہ حدیث مروی ہے کہ میری امت میں بال نہیں پہنے گا مگر ریاکار احمق اور اوزاعی فرماتے ہیں کہ سفر میں اون کا لباس سنت ہے اور حضر میں بدعت اور محمد بن واسع حضرت قتیبہؒ کے پاس اون کا کرتہ پہنے گئے۔ انہوں نے پوچھا کہ اون کے کرتے کی تم کو کیا ضرورت ہوئی۔ وہ چپ ہو رہے۔ انہوں نے کہا کہ میں تم سے کہتا ہوں' جواب نہیں دیتے۔ محمد بن واسع نے کہا کہ اگر یہ کہوں کہ زہد کی راہ سے پہنا تو اپنے منہ میاں مٹھو بنتا ہے اور مفلسی کے باعث کہوں تو خدا کی شکایت ہوتی ہے۔ یہ دونوں باتیں مجھے ناپسند ہیں اور ابو سلیمان فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو خلیل بنایا تو حکم کیا کہ اپنی برہنگی زمین سے پوشیدہ رکھ اور آپ کا دستور تھا کہ ہر چیز میں سے ایک لیتے تھے مگر پاجامے دو بناتے تھے اور جب ایک کو دھوتے تھے' دوسرا پہن لیتے تھے تاکہ کوئی ایسا وقت نہ گزرے کہ آپ کی عورت کھلی ہو اور کسی نے حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ آپ عمدہ لباس کیوں نہیں پہنتے؟ آپ نے فرمایا کہ غلام کو عمدہ کپڑے سے کیا نسبت مگر جب آزاد ہو جاؤں گا تو اس کو بخدا ایسے کپڑے ملیں گے کہ کبھی پرانے نہ ہوں گے اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کے حال میں لکھا ہے کہ ان کے پاس ایک جبہ اور ایک چادر بالوں کی تھیں۔ جب تہجد کی نماز کے واسطے اٹھتے تھے' پہن کر نماز پڑھا کرتے تھے اور حضرت حسن بصری نے فرقد سخی سے کہا کہ تم یہ جانتے ہو گے کہ تم کو گلیم پوشی کی ہیبت سے لوگوں پر فضیلت ہے۔ مجھ کو یہ خبر پہنچی ہے کہ اکثر دوزخی کمل والے ہوں گے۔ نفاق کی جہت سے اور یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں کہ میں نے ابو معاویہ اسود کو دیکھا کہ وہ گھوڑوں پر سے چیتھڑے اٹھاتے تھے اور ان کو دھو کر اور سی کر پہنتے تھے۔ میں نے ان کو کہا کہ تم اس سے بہتر پہنا کرو۔ انہوں نے فرمایا کہ ہمارا کیا نقصان ہے جو مصیبت فقیروں کو دنیا میں پہنچتی ہے' اللہ تعالیٰ اس کا تدارک جنت میں کرے گا۔ یحییٰ بن معین ان کے اس قول کو بیان کر کے رویا کرتے۔ تیسری ضرورت رہنے کی جگہ ہے۔ اس میں زہد کرنے کے تین درجات ہیں۔ سب سے عمدہ یہ ہے کہ کوئی جگہ خاص اپنے واسطے تلاش نہ کرے' صرف مسجدوں کے گوشوں پر قناعت کرے۔ جیسے اصحابہ صفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور اوسط یہ ہے کہ کوئی خاص جگہ اپنے واسطے کرے۔ مثل چھپر اور نرکل اور پھوس وغیرہ کے اور سب سے پست درجہ یہ ہے کہ اپنے واسطے خاص کوئی کوٹھری محل کو کرایہ پر تلاش کرے۔ پس اگر وسعت مسکن کی مقدار حاجت کے موافق ہی زیادہ نہ ہو اور اس میں زینت بھی نہ ہو تو اس قدر مسکن کے ہونے سے پچھلے درجات سے زہد کے نکلے گا اور اگر مکان پختہ چونا گچ کیا ہوا خوب واسع چھ ہاتھ سے

اونچی چھت کا تلاش کرے گا تو بالکل زہد کی حد سے خارج ہو جائے گا۔ سکونت کے باب میں زاہد نہ رہے گا۔

اب جاننا چاہیے کہ جنس مکان مختلف ہو سکتا ہے یعنی یا گھاس کا ہو یا گارے کا یا اینٹ کا اور اس کی وسعت کی مقدار بھی جدا ہو سکتی ہے اور اوقات کے لحاظ سے بھی اس میں اختلاف اس کی ملکیت کا ہو سکتا ہے مثلاً اپنی ملکیت ہو یا کرایہ پر لیا ہو یا عاریت کا ہو تو ہر ایک میں ملکیت امتداد جداگانہ ہوتا ہے۔ بہرحال زہد تو ان سب اقسام میں داخل ہے اور حاصل یہ ہے کہ جو چیز ضرورت کے لیے مطلوب ہو اس کا حد ضرورت سے تجاوز کرنا نہ چاہیے۔ دنیا میں سے مقدار ضرورت دین کا آلہ اور وسیلہ ہوتا ہے اور جس قدر تجاوز ہوتی ہے' اسی قدر دین کے مخالف ہے اور غرض رہنے کے مکان سے مینہ اور جاڑے کا رکنا لوگوں کی نظر اور ایذاء کا بچانا ہے اور جس قدر یہ بات ممکن ہے' وہ معلوم ہے زیادہ اس سے فضول ہے اور فضول سب دنیا ہے اور جو فضول کا طالب اور ساعی ہے' وہ یقیناً زہد سے بعید ہے اور کہتے ہیں کہ اول طول' امل جو بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہر ہوئی تو کپڑوں کی عمدہ سلائی اور چونا کی اینٹ کی پختہ عمارت ہے۔ پہلے سلائی میں بڑے بڑے ٹانکے ہوتے تے اور مکان نرکل اور نے کے بناتے تھے اور حدیث شریف میں ہے کہ لوگوں پر ایک وقت ایسا آئے گا کہ اپنے گھر کو یمن کی چادروں کی طرح منقش کریں گے اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بالاخانہ کو اونچا کیا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم کیا کہ گرا دیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ وہاں سے گزرے تو اس کو نہ دیکھا اور معلوم ہوا کہ اس شخص نے اس کو ڈھا ڈالا۔ آپ نے اس کے لیے دعائے خیر کی۔ حضرت حسن فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات شریف تک نہ کوئی اینٹ اینٹ پر رکھی' نہ بی بی پر یعنی کسی قسم کا مکان نہیں بنوایا اور ایک حدیث میں مروی ہے کہ جب اللہ کسی بندے کی برائی چاہتا ہے تو اس کا مال گارے اور پانی میں تلف کرتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک چھپر کی مرمت کر رہے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور پوچھا کہ کیا کرتے ہو؟ ہم نے عرض کیا کہ ہمارا چھپر ٹوٹ گیا ہے' اس کو درست کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں اس سے جلد امر کو دیکھتا ہوں اور حضرت نوح علیہ السلام نے ایک نے کا گھر بنایا۔ ان سے کسی نے عرض کیا کہ اگر آپ پختہ مکان بنوالیں تو بہتر ہو۔ آپ نے فرمایا کہ مرنے والے کے واسطے یہی بہت ہے۔ اور حضرت حسن فرماتے ہیں کہ ہم صفوان بن محرز کی خدمت میں گئے۔ وہ ایک نرکل کے مکان میں موجود تھے جو جھک گیا ہوا تھا۔ کسی نے ان سے کہا کہ اگر آپ اس کو درست کر لیں تو بہتر ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ بہت سے آدمی اس میں مر چکے ہیں اور یہ بدستور موجود ہے اور ایک حدیث شریف میں ہے کہ آپ نے فرمایا:۔

"ایک شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت اپنے مکان کی تنگی کی۔ آپ نے فرمایا انسع فی السماء۔ یعنی جنت میں مکان واسع طلب کرنا چاہیے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شام کو تشریف لے جاتے ہوئے ایک محل میں دیکھا کہ چونے اور اینٹ کا بنا ہوا تھا۔ آپ نے اللہ اکبر کہہ کر فرمایا کہ مجھے گمان نہ تھا کہ اس امت میں ایسے شخص ہوں گے جو ہامان کی سی عمارت بنائیں گے اور کہتے ہیں کہ اول جس شخص کے لیے عمارت چونے اور اینٹ کی ہوئی' وہ فرعون تھا اور جس نے اول بنایا' وہ ہامان تھا۔ پھر انہیں کا اتباع اور سلاطین نے کیا

اور یہ سب ملمع اور زینت ہے اور بعض اکابر نے ایک جامع مسجد کسی شہر میں دیکھی اور فرمایا کہ میں نے اس مسجد کو شاخ خرما کی بنی دیکھی ہے۔ پھر کچے روڑے کی پھر اب اینٹ کی بنی دیکھی۔ جنھوں نے اول بنائی تھی' وہ دوسرے فرقے سے بہتر تھے اور دوسری دفعہ کے بنانے والے تیسری بار کے لوگوں سے اچھے تھے اور سلف میں بعض لوگ ایسے تھے کہ اپنا مکان زندگی بھر میں کئی بار بناتے تھے۔ اس لیے کہ وہ مکان بہت کمزور ہوتا تھا اور وہ خود امل کو تاہ رکھتے تھے اور مکان کے باب میں زاہد تھے اور بعض کا دستور یہ تھا کہ جب حج یا جہاد کو تشریف لے جاتے تو اپنا مکان گرا جاتے یا ہمسایہ کو دے جاتے۔ جب وہاں سے پھر کر آتے تو اور بنا لیتے اور ان کے مکان گھاس اور چمڑے کے ہوا کرتے تھے۔ جیسے عرب کے لوگ یمن میں اب تک اس کے عادی ہیں اور بلندی ان کے مکانات کی قد آدم ایک بالشت ہوتی تھی اور حضرت حسن فرماتے ہیں کہ جب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکانات میں جاتا تھا تو اپنا ہاتھ چھت سے لگا دیتا تھا اور عمر بن دینار کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص عمارت چھ ہاتھ سے اونچی بناتا ہے تو ایک فرشتہ اس کو پکارتا ہے کہ اے بدکاروں کے بدکار کہاں تک اونچا کرے گا اور حضرت سفیان ثوری نے مضبوط عمارت کے دیکھنے سے منع فرمایا اور وجہ یہ ارشاد کی کہ اگر لوگ نہ دیکھتے تو ایسے کیوں بنتے۔ پس جو کوئی تاکتا ہے تو بنانے والے کو گویا مدد کرتا ہے اور حضرت فضیل فرماتے ہیں کہ مجھے اس شخص سے تعجب نہیں کہ اس نے عمارت بنائی اور چھوڑ دی۔ مجھے تعجب اس سے ہے جو اس عمارت کو دیکھ کر عبرت نہیں پکڑتا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک قوم ایسی آئے گی جو مٹی کو اونچا کرے گی اور دین کو پست اور بردوں گھوڑوں کو کام میں مدد دے گی۔ نماز تمہارے ہی قبلہ کی طرف کو پڑھے گی مگر تمہارے دین کی سوا پر مرے گی۔

چوتھی ضرورت اسباب خانہ ہے۔ اس میں بھی زہد کے بہت سے درجے ہیں۔ سب میں اعلیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حال ہے کہ آپ اپنے ساتھ ایک کنگھی اور کوزہ رکھتے تھے۔ پس ایک شخص کو دیکھا کہ اپنی انگلیوں سے داڑھی میں کنگھی کرتا ہے۔ اس کی بھی حاجت نہ سمجھی۔ اس کو بھی پھینک دیا۔ اسی طرح سب اسباب کو سمجھنا چاہیے کیونکہ ہر ایک چیز کسی مقصود کے لیے مطلوب ہوتی ہے۔ جب اس سے کوئی حاجت نہ ہو تو دونوں جہاں میں آدمی پر وبال ہے اور جس چیز سے استفادہ نہ ہو' اس میں کمتر درجے کی چیز پر اکتفا کرے مثلاً جس بات کے لیے مٹی کا برتن کافی ہو' اس میں اسی پر اکتفا کرے اور اس بات کی پروا نہ کرے کہ اس برتن کا کنارہ ٹوٹا ہوا بشرطیکہ مقصود اس سے بھی حاصل ہو سکتا ہو اور اوسط درجہ یہ ہے کہ آدمی کے پاس اسباب بقدر حاجت ثابت ہو مگر ایک چیز سے بہت سے کام لے مثلاً اگر پیالہ ہو تو اسی میں کھائے' اسی میں پانی پی لے' اسی میں اپنی چیز رکھ لے۔ بزرگان سلف ایک برتن کو کئی مطلب کے واسطے رکھنے ایک چیز ادنیٰ جنس کی رکھتا ہو۔ پس اگر گنتی میں چیز زیادہ ہوگی یا نفیس ہوگی تو زہد کے کسی درجے میں نہ رہے گا اور طلب فضول کی طرف مائل ہوگا اور اس باب میں بھی سیرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کی مدنظر رکھنی چاہیے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس بستر پر سوتے تھے' وہ چمڑے کا گدا تھا جس کے اندر خرما کے پیڑ کا پوست بھرا ہوا تھا اور حضرت فضیل فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بچھونا دہرا کمبل ہوتا تھا یا چمڑے کا گدا جس میں خرما کا

پوست بھرا ہوا تھا۔ روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوئے۔ آپ اس وقت ایک چارپائی پر جو خرما کے پوست کے بالوں سے بنی ہوئی تھی' لیٹے تھے۔ جب اٹھ کر بیٹھے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کے پہلوئے مبارک پر نشان بالوں کے دیکھے اور آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اے خطاب کے بیٹے! کیا بات ہے جو روتے ہو؟ عرض کیا کہ میں نے فارس اور روم کے بادشاہوں کو خیال کیا کہ ان کے پاس کیا کچھ ملک ہے اور آپ کو خیال کیا کہ آپ اللہ کے حبیب اور اس کے برگزیدہ ہیں۔ آپ اس موٹے بالوں کی چارپائی پر لیٹے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم کو یہ بات پسند نہیں کہ ان کے لیے دنیا ہو اور ہمارے واسطے آخرت۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ کیوں نہیں؟ آپ نے فرمایا کہ یہ یونہی ہے اور ایک شخص حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر گیا اور ہر طرف دیکھنے لگا۔ پھر عرض کیا کہ اے ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے گھر میں کچھ سامان وغیرہ نہیں نظر آتا۔ آپ نے فرمایا کہ ہمارا ایک اور مکان ہے۔ اچھی چیز ہم وہاں بھیج دیتے ہیں۔ اس نے عرض کیا کہ جب تک آپ اس مکان میں رہیں۔ جب تک کچھ یہاں بھی چاہیے۔ آپ نے فرمایا کہ گھر کا مالک ہم کو اس میں رہنے نہیں دے گا اور جب حضرت عمر بن سعد جو امیر حمص تھے' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے پوچھا کہ تیرے پاس دنیا سے کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ایک لاٹھی ہے جس پر میں تکیہ کرتا ہوں اور اگر سانپ وغیرہ مل جائے تو مار ڈالتا ہوں او رایک توشدان ساتھ ہے جس میں کھانا رہتا ہے اور ایک پیالہ ہے جس میں کھاتا ہوں اور سر دھوتا ہوں اور ایک لوٹا ہے جس میں پینے اور وضو کرنے کے لیے پانی رکھتا ہوں۔ اسکے سوا دنیا میں جتنی چیزیں ہیں' وہ انہیں کی تابع ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے درست کہا' اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم کرے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر سے تشریف لائے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جانے کا قصد کیا۔ ان کے گھر کے دروازے پر پردہ پڑا ہوا تھا اور ان کے ہاتھوں میں دو چاندی کے کنگن دیکھے۔ آپ ویسے ہی پھر گئے۔ اس وقت حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے' آپ رو رہی تھیں۔ ان سے حال حضرت کے واپس تشریف لے جانے کا بیان کیا۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سبب واپس تشریف لانے کا پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ پردہ اور کنگنوں کی جہت سے چلا آیا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ دونوں کنگن حضرت بلال کے ہاتھ آپ کی خدمت میں بھیج دیئے کہ میں نے ان کو خدا کی راہ میں صدقہ کیا۔ آپ جہاں مناسب ہو وہاں خرچ کیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ ان کو فروخت کرو اور ان کی قیمت ارباب صفہ کو دے دو۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ڈھائی درہم میں فروخت کیا اور اصحاب صفہ کو بانٹ دیا۔ تب آپ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے اور ارشاد فرمایا کہ جان پدر تو نے خوب کیا اور ایک بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کے مکان پر ایک پردہ دیکھا۔ اس نے آپ نے اٹھا ڈالا اور فرمایا کہ جب میں اسے دیکھتا ہوں تو دنیا یاد آتی ہے۔ اس کو فلاں شخص کے پاس بھیج دو۔ ایک رات حضرت عائشہ نے آپ کے لیے نیا فرش بچھایا اور پیشتر آپ دوہرے کمبل پر آرام فرمایا کرتے تھے' اس رات صبح تک کروٹیں لیتے رہے۔ جب صبح ہوئی تو حضرت عائشہ سے ارشاد فرمایا کہ اس

بستر کو علیحدہ کرو اور پرانا کمبل بچھا دو۔ اس نے تمام رات مجھے سونے نہیں دیا۔ اسی طرح آپ کے پاس پانچ یا چھ درھم رات کو آئے تو آپ نے رہنے دیئے مگر رات بھر جاگتے رہے یہاں تک کہ آخر شب میں ان کو تقسیم فرمایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں کہ اس وقت آپ کو نیند آئی حتیٰ کہ میں نے آپ کے خراٹے کی آواز سنی۔ پھر فرمایا کہ اگر یہ درھم میرے پاس رہ جاتے اور میری وفات ہو جاتی تو میرا گمان اپنے پروردگار پر کیا ہوتا۔ حضرت حسن فرماتے ہیں کہ میں نے ستر نیک بندے ایسے دیکھے ہیں کہ ان کے پاس بجز کپڑے کے اور کچھ نہ تھا۔ ان میں سے کسی نے بچھونے پر کوئی کپڑا نہیں بچھایا۔ جب سونا چاہا زمین پر اپنا جسم لگا کر کپڑا اوپر ڈھانک لیا۔

پانچویں ضرورت نکاح ہے۔ اس باب میں کچھ کہتے ہیں کہ اصل نکاح اور کثرت نکاح میں زہد کے کچھ معنی نہیں اور یہی قول حضرت سہیل تستری کا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب سید الزاہدین صلی اللہ علیہ وسلم کو عورتیں پسند تھیں تو ہم ان میں زہد کیسے کر سکتے ہیں اور اسی قول پر ان کی موافقت ابن عینیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کی ہے اور فرمایا ہے کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں سے زاہد تر حضرت علی کرم اللہ وجہ تھے۔ ان کی چار بیبیاں اور کچھ اوپر دس لونڈیاں تھیں اور صحیح اس بات میں قول حضرت ابو سلیمان دارانی کا ہے کہ فرماتے ہیں کہ جو چیز اللہ تعالیٰ سے روکے' خواہ بی بی ہو یا مال یا اولاد' وہ آدمی کے ہے بری ہے اور عورت کبھی خدا تعالیٰ سے روکا کرتی ہے اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ بعض احوال میں مجرد رہنا افضل ہے۔ جیسا کہ باب النکاح میں بیان ہوا تو اس صورت میں نکاح نہ کرنا داخل زہد ہی ہے اور جس جگہ زور شہوت کے دفع کے لیے نکاح افضل ہو تو ایسا نکاح واجب ہے' اس کا ترک کرنا زہد میں کیسے ہو سکتا ہے۔ ہاں اگر نکاح کرنے سے کوئی آفت نہ ہوتی ہو' نہ کرنے سے کچھ قباحت ہو مگر ترک اس لیے کرے کہ دل کا میل عورتوں کی طرف نہ ہو جائے اور ایسا مانوس نہ ہو جس سے انس الٰہی میں خلل پڑے تو البتہ چھوڑنا نکاح کا زہد میں سے ہے۔ پس اگر یہ معلوم ہو کہ عورت خدا تعالیٰ سے نہ روکے گی مگر ترک نکاح بصرف لذت نظر اور ہم بستری اور مباشرت سے بچنے کے لیے ہو تو یہ زہد نہیں ہو۔ اس واسطے کہ مقصود نکاح اولاد ہے جو بقاء نسل اور امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑھانے میں موجب ثواب ہے اور جو لذت کہ انسان کو ایسی چیز میں حاصل ہو جو وجود میں ضروریات سے ہے۔ وہ اگر مقصود بالذات نہ ہو تو کچھ ضرر نہیں کرتی۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی روٹی کھانی اور پانی پینا اس وجہ سے چھوڑ دے کہ کھانے اور پینے کی لذت سے بچا رہوں گا تو یہ زہد میں داخل نہیں۔ اس واسطے کہ اس میں اپنے بدن کا ہلاک کرنا ہے۔ ایسے ہی ترک نکاح میں اپنی نسل کو کاٹ ڈالتا ہے تو صرف لذت کے بچاؤ کی جہت سے نکاح چھوڑنا نہ چاہیے۔ جب تک کہ کسی اور آفت کا خوف نہ ہو اور یہی مراد حضرت سہیل تستری کی ہے اور یہی وجہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کی تھی اور جب یہ امر ثابت ہو تو جس شخص کا حال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سا ہو' اس باب میں کہ کثرت عورتوں کی مانع شغل قلبی نہ ہو اور نہ دل کو ان کے اصلاح اور خرچ میں لگائے رکھے تو ایسا شخص اگر صرف لذت محبت سے بچنے کے لیے نکاح نہ کرے تو اس کا زہد کسی کام کا نہیں مگر یہ بات بدوں انبیاء اور اولیاء کے دوسرے کو کہاں میسر ہے۔ اب تو اکثر لوگوں کا یہ حال ہے کہ عورتوں کی کثرت ان کے دل کو مصروف کر دیتی ہے تو اس وقت میں یہی مناسب ہے کہ سرے سے نکاح

ہی نہ کرے اور اگر خوف دل کے مشغول ہونے کا نہ ہو لیکن یہ خوف ہو کہ ایک سے زیادہ ہوں گی یا خوبصورت ہوں گی تو دل نہیں ماننے کا' اسی کی طرف ہو رہے گا تو چاہیے کہ ایک عورت سے نکاح کرے جو خوبصورت نہ ہو اور اپنے دل کی رعایت اس میں ضرور کرے اور حضرت ابو سلیمان دارانی فرماتے ہیں کہ عورتوں میں زہد یہ ہے کہ جو عورت حقیر ہو یا یتیم' اس کو خوبصورت اور شریف عورت پر ترجیح دے اور اسی سے نکاح کرے اور حضرت جنید فرماتے ہیں کہ میں مرید مبتدی کے لیے یہ پسند کرتا ہوں کہ اپنا دل تین چیزوں میں نہ لگا دے ورنہ اس کا حال بدل جائے گا۔ اول پیشہ کرنا' دوم طلب حدیث' سوم نکاح کرنا اور فرمایا کہ صوفی کے لیے میں پسند کرتا ہوں کہ نہ لکھے' نہ پڑھے۔ اس لیے کہ اس سے ہمت نہیں۔ غرض کہ جب معلوم ہوا کہ نکاح کی لذت مثل غذا کی لذت کے ہے تو ثابت ہوا کہ ان دونوں لذتوں میں سے جو خدا سے روکنے والی ہوگی' وہ ممنوع اور پر حذر ہے۔ چھٹی ضرورت وہ ہے جو وسیلہ ان پانچوں ضروریات کے حاصل کرنے کا ہو اور وہ مال اور جاہ ہے۔ جاہ کے تو معنی یہ ہیں کہ دلوں کا مالک ہونا۔ اس طرح کہ ان کے اندر اپنی جگہ ڈھونڈنی تاکہ اس کے ذریعے سے لوگ اغراض اور اعمال میں کام آئیں اور جو شخص کہ سب اپنے کام خود نہیں کر سکتا اور دوسرے کی خدمت کا محتاج ہے تو ضرور ہے کہ اس کا کچھ جاہ خادم کے دل میں ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ اگر خدمت گزار کے دل میں اس کی قدر و منزلت نہ ہوگی تو وہ خدمت کیوں کرے گا اور اسی قدر و منزلت کا دل میں ہونا جاہ کہلاتا ہے اور اس کا آغاز تو نزدیک ہی ہے مگر انجام کی نوبت ایسے گڑھے تک پہنچا دیتا ہے جس کی کچھ تھا نہیں اور کاجل کی کوٹھری میں گھسنے سے عجب نہیں کہ داغ لگ جائے۔ اب جاننا چاہیے کہ لوگوں کے دلوں میں جگہ کرنی یا تو کسی نفع کے حاصل کرنے کے لیے ہوتی ہے یا ضرر کے دفع کرنے کے لیے یا کسی ظلم سے چھوٹنے کے لیے۔ پس مال کے ہوتے ہوئے تو نفع کی کچھ ضرورت نہیں' اس لیے کہ اجرت پر جو شخص خدمت کرتا ہے وہ خدمت کرے گا۔ اگر یہ آقا کی قدر و منزلت اس کے دل میں نہ ہو ہاں جو شخص بے اجرت خدمت کرتا ہے' اس کے دل میں جگہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور رفع ضرر کے لیے حاجت جاہ کی ایسے شہر میں ہے کہ جہاں عدل خوب نہ ہو یا ایسے ہمسایوں میں رہتا ہو کہ وہ اس کو ستاتے ہوں اور یہ ان کے شر دفع نہ کر سکتا ہو بجز اس کے کہ ان کے دلوں میں جگہ ہو جائے یا بادشاہ کے نزدیک کچھ رتبہ ہو جائے اور اس طرح کے جاہ میں مقدار ضرورت کی کچھ معین نہیں خصوصاً جبکہ اس میں خوف اور سوء ظن انجام کا ملا ہوا ہو اور طلب جاہ میں چلنے والا طریق سالک کا مالک ہے بلکہ زاہد کو شایان یہی ہے کہ دلوں میں ہرگز جگہ کا طالب نہ ہو۔ ایسے کہ اس کا دل عبادت اور دین میں لگا رہتا ہے۔ دلوں میں وہ جگہ کر دے گا کہ جس میں اس کو ایذا نہ پہنچے گو کافروں ہی میں رہتا ہو۔ مسلمانوں میں تو بطریق اولیٰ ایذا نہ ہوگی باقی رہے توہمات' خیالات مفروضہ جن سے آدمی زیادہ جاہ کا خواہاں ہوتا ہے۔ یہ نسبت اس مقدار کے کہ خود بخود حاصل ہو گیا ہو تو اس طرح کے احتمالات سب جھوٹے مذہم ہیں کیونکہ جو شخص طالب جاہ سے کیا جائے۔ حاصل یہ کہ دلوں میں جگہ کرنے کی طلب کے لیے ہرگز اجازت نہیں۔ تھوڑی مقدار میں سے بہت کی مقتضی ہوتی ہے اور اس کی عادات شراب کی عادت سے بھی سخت تر ہے تو اس کے تھوڑے اور بہت سے سب سے بچنا چاہیے اور مال زندگی کے لیے ضروری ہے مگر تھوڑا سا مال کافی ہے۔ پس اگر کوئی شخص

پیشہ ور ہو تو جب ایک روز کی حاجت کے موافق حاصل کرے تو چاہیے کہ پھر کام نہ کرے۔ بعض اکابر کا دستور تھا کہ جب دو حبہ یعنی مقدار پانچ چھ آنہ کے کما لیتے تھے تو پھر اپنا کام بڑھا کر اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ یہ شرط زہد کی ہے۔ پس اگر اسے سے تجاوز کیا اور اس قدر پر نوبت پہنچی جو برس روز سے زیادہ کے کافی ہو تو نہ ضعیف زاہدوں میں رہے گا نہ قوی میں۔ اگر اس کے پاس کوئی زمین ہو اور اس کو توکل پر خوب یقین نہ ہو اور اس قطع زمین سے اتنا رکھ چھوڑے جس کی پیداوار سال بھر کو کافی ہو تو اس سے زہد کی حد سے خارج نہ ہو گا بشرطیکہ جو کچھ سال کے خرچ سے بچے' اس کو صدقہ کر دے مگر ایسا شخص ضعیف زاہدوں میں سے ہے اور اگر زہد میں سے توکل کی شرط ہو جیسے حضرت اویس قرنی نے کی ہے تو یہ شخص زاہد نہیں اور یہ جو ہم کہتے ہیں کہ فلاں شخص یہ کام کرنے سے زاہدوں کی حد سے نکل جائے گا' اس سے ہماری غرض یہ ہے کہ جو کچھ قیامت میں عمدہ مقامات کا وعدہ زاہدین کو ہے' اس کو نہ ملے گا اور نہ زہد کا نام اس پر سے بلحاظ اس چیز فضول سے جس میں زہد کیا ہی نہ جائے گا اور تنہا آدمی کا معاملہ اس باب میں بہ نسبت عیالدار کے خفیف تر ہے اور حضرت ابو سلیمان دارانی فرماتے ہیں کہ آدمی کو نہیں چاہیے کہ اپنے گھر والوں سے بزور زہد کرائے بلکہ چاہیے کہ ان کو زہد کے لیے کہے۔ اگر مانیں تو بہتر ورنہ ان کو رہنے دے۔ اپنے آپ جو چاہے کرے یعنی شرط نیکی کی زہد پر اس پر خاص ہے عیال پر اس کے ذمہ لازم نہیں کہ تنگی کرے۔ ہاں اس کو یہ نہ چاہیے کہ ایسی بات ان کی مانے جو اس کو حد اعتدال سے نکال دے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر سے پردہ اور دو کنگن دیکھ کر پھر گئے تھے۔ اس سے یہ امر سیکھنا چاہیے کیونکہ وہ تربیت ہی تھی حاجت کی چیز نہ تھی مگر جو باتیں کہ آدمی ان کی طرف جاہ و مال سے مضطر ہوتا ہے' وہ ممنوع نہیں بلکہ زاہد حاجت سم قاتل ہے اور جو کافی بقدر ضرورت ہے' وہ دوا نافع ہے اور ان کے درمیان درجات متشابہ ہیں۔ پس جو درجہ زیادتی سے قریب ہے گو سم قاتل نہ ہو مگر مضر ہے اور جو ضروریات سے قریب ہے۔ اگرچہ دوا سے نافع نہیں لیکن اس کا ضرر کم ہے اور زہر کا پینا حرام ہے اور دوا پینا فرض اور ان دونوں کے درمیان کا حکم مشتبہ ہے جو احتیاط کرے گا وہ اپنے واسطے کرے گا اور جو سستی کرے گا اور جو خاص اپنے دین کی صفائی مدنظر رکھ کر شبے کی چیزوں کو چھوڑ کر یقین اختیار کرے گا اور اپنے نفس کو ضرورت کی تنگی پر روک رکھے گا تو وہ محتاط اور فرقہ ناجیہ میں سے اور جو شخص قدر ضرورت پر اکتفا کرتا ہو' اس کو دنیادار کہنا جائز نہیں بلکہ اس قدر دنیا کا ہونا تو عین دین ہے' اس لیے کہ دین کی شرط مجملہ مشروط کے ہی سمجھی جاتی ہے اور اس امر کی تائید پر روایت بھی حلال ہے جو حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کے حال میں منقول ہے کہ جب آپ کو ایک بار کچھ حاجت پیش ہوئی آپ اپنے ایک دوست کے پاس تشریف لے گئے تاکہ اس سے کچھ قرض لیں مگر اس نے قرض نہ دیا۔ آپ نہایت مغموم پھرے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ اگر اپنے خلیل سے یعنی خدا تعالیٰ سے مانگتے تو تم کو ضرور ملتا۔ عرض کیا کہ الٰہی مجھے معلوم تھا کہ تجھ کو دنیا ناپسند ہے' اسی لیے اس میں سے مانگتے ہوئے ڈر معلوم ہوا۔ حکم ہوا کہ حاجت یعنی مقدار ضرورت دنیا میں سے نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقدار ضرورت داخل دین اور جو اس کے سوا ہو' وہ آخرت میں وبال ہے اور دنیا میں بھی وبال ہے جو شخص کہ اغنیاء کا مال دیکھتا ہے کہ کس قدر محنت و تردد مال کے حاصل

کرنے اور اس کے جوڑنے اور حفاظت کرنے اور ذلت اٹھانے میں پڑتی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ مال کا دنیا میں وبال ہونا درست بات ہے۔ نہایت درجہ فلاح کا مال سے یہ ہے کہ وہ مالدار کے وارثوں کو پہنچے اور وہ اس کو کھائیں مگر وہ بعض اوقات مورث کے دشمن ہوا کرتے ہیں اور کبھی اس مال کو گناہ میں صرف کیا کرتے ہیں تو گویا مورث ہی ان کا مددگار اس گناہ پر ہوا۔ مال دنیا کا جمع کرنے والا اور شہوات کا طالب ایسا ہے جیسے ریشم کا کیڑا کہ اول اپنے اوپر ریشم بنتا جاتا ہے' پھر اس میں سے نکلنا چاہتا ہے مگر بچاؤ کی صورت نہیں پاتا' وہاں ہی مرجاتا ہے اور باعث اپنی موت کا آپ ہی ہوتا ہے۔ خود کردہ راچہ علاج اسی طرح جو شخص شہوات دنیا کا تابع ہوتا ہے' وہ اپنے دل پر زنجیریں جکڑتا ہے اور جتنے شہوات ہیں' مال اور جاہ اور زن اور فرزند اور اعدا کو برا کہنا اور دوستوں سے ریا کرنا وغیرہ یہ سب جدا جدا بیڑیاں ہیں کہ دل پر پڑ جاتی ہیں۔ اب اگر اس شخص کو اپنی غلطی معلوم ہو اور دل میں ملحوظ خیال کا آئے اور نکلنا چاہے تو نہیں نکل سکے گا۔ دل پر وہ بیڑیاں اور طوق دیکھے گا کہ ان کا کاٹنا مشکل ہے اور اگر بالفرض ایک محبوب چیز اپنی خواہش کی چیزوں میں سے اپنے اختیار سے چھوڑ دے گا تو گویا اپنی جان کو تلف کرے گا اور خود اپنے ہاتھ سے اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارے گا اور یہی حال بنی رہے گا یہاں تک کہ ملک الموت ایکبارگی سب چیزوں سے دم کے دم میں علیحدہ کر دے گا اور اس وقت عجب صورت پیش آئے گی کہ دل تو دنیا کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہو گا کو چھوٹنے کو ہے اور ملک الموت اپنے دل کی رگوں کے اندر گھسے ہوئے اس کو آخرت کی طرف کھینچے گا اور زنجیریں دنیاوی اس کو دنیا کی طرف کشش کریں گی تو اس شخص کا ادنیٰ حال مرنے کے وقت ایسا جاننا چاہیے جیسے کسی شخص کے نصف جسم کو آرے سے چیر کر دوسری طرف سے دو آدمی پکڑ کر کھینچیں اور علیحدہ کریں اور اس میں بھی یہ ہے کہ جو شخص آرے سے چیرا جائے گا تو ایذا اس کے بدن کو ہو گی اور یہ ایذاء دل میں بطریق سرایت پہنچے گی اور بدن کے ذریعے سے دل کو بھی درد معلوم ہو گا' بخلاف اس صورت موت کے کہ اس میں تکلیف خاص دل پر ہی ہوتی ہے۔ کسی غیر چیز سے سرایت کر کے نہیں آتی تو ایسے رنج کا کیا ٹھکانا ہے غرض کہ یہ اول عذاب ہے کہ آدمی کو ملے گا اور اعلیٰ علیین اور قرب رب العالمین کا فوت ہو جانا اس کی حسرت رہنی یہ بعد کو ہو گی۔

پس دنیا کی طرف میل کرنے والا خدا تعالیٰ کے دیدار سے محروم رہے گا اور جو وہاں سے محجوب ہوتا ہے' اس پر آگ دوزخ مسلط ہوتی ہے کیونکہ وہ صرف محجوب ہی پر مسلط ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کلا انھم عن ربھم یومئذ محجوبون ثم انھم لصالو الجحیم ترجمہ کنزالایمان: اس آیت میں عذاب دوزخ کو بعد تکلیف حجاب کے فرمایا اور اگر صرف حجاب ہی کا عذاب دیا جائے اور دوزخ کا عذاب نہ ہو تو وہی ایک کافی ہے اور جب دونوں ایک ساتھ ہوں گے تو کیا حال ہو گا۔ ہم خدا تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں کہ ہمارے کانوں میں وہی بات جمائے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نفس مبارک میں پھونک دی تھی یعنی آپ سے فرمایا گیا تھا احبب من احببت فانک مضارقہ ترجمہ کنزالایمان: اور از انجاکم اولیاء اللہ کو معلوم ہو گیا تھا کہ آدمی اپنے اعمال اور اتباع خواہش نفسانی سے اپنے آپ کو ریشم کے کیڑے کی طرح ہلاک کرتا ہے۔ اسی لیے انہوں نے فرمایا دنیا کو ایک لخت ترک کر دیا یہاں تک کہ

کرتے تھے کہ تم اتنا حرام چیزوں میں بھی نہیں کرتے اور ایک روایت میں یوں ہے کہ وہ مصیبت کے وقت اتنا خوش رہا کرتے کہ تم حالت ارزانی و وسعت میں بھی نہیں رہتے۔ اگر تم ان کو دیکھو تو دیوانہ جانو اور اگر وہ لوگ تمہارے کسی اچھے شخص کو دیکھیں تو کہیں کہ اس کو دین سے کچھ بہرہ نہیں اور اگر تم میں سے بروں کو دیکھیں تو کہیں کہ یہ قیامت پر ایمان نہیں رکھتے اور اگر ان میں سے کسی کے سامنے مال حلال پیش کیا جاتا تھا تو نہ لیتے تھے اور کہتے تھے کہ مجھے یہ خوف ہے کہ میرا دل نہ بگاڑ دے۔ پس جو اہل دل ہوگا وہ بالضرور اس کے بگڑنے سے بھی ڈرے گا اور جن لوگوں کے دلوں کو دنیا کی محبت نے مردہ کر دیا ہے' ان کا حال خدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ورضوا بالحیوۃ الدنیا والطمانوا بھا والذین ھم عن آیاتنا غافلون (پ 11 یونس 7) ترجمہ کنزالایمان: اور دنیا کی زندگی پسند کر بیٹھے اور اس پر مطمئن ہو گئے اور وہ جو ہماری آیتوں سے غفلت کرتے ہیں۔ اور فرمایا ولا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا واتبع ہواہ وکان امرہ فرط (پ 15 ا لکھف 28) ترجمہ کنزالایمان: اور اس کا نہ مانو جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کردیا اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا اور اس کا کام حد سے گزر گیا۔ اور فرمایا فاعرض عن من تولیٰ عن ذکرنا ولم یرد الا الحیوۃ الدنیا ذلک تبلغھم من العلم (ترجمہ از کنزالایمان)

ان آیتوں میں ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کی سب باتیں غفلت اور ناوانشگی کی وجہ سے ہیں اور بایں لحاظ ایک شخص نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپ مجھ کو اپنے سفر میں ساتھ رکھیے۔ انہوں نے فرمایا کہ اپنا مال دے کر میرے ساتھ ہو جانا۔ اس نے عرض کیا کہ یہ تو مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ آپ نے فرمایا کہ غنی جنت میں تعجب ہے کہ داخل ہو اور ایک روایت میں یوں ہے کہ غنی جنت میں بڑی مشکل سے داخل ہوگا اور بعض اکابر نے فرمایا ہے کہ ہر روز جب آفتاب نکلتا ہے چار فرشتے اطراف دنیا میں چار آوازیں دیتے ہیں۔ دو فرشتے مشرق میں اور دو مغرب میں۔ مشرق کا ایک فرشتہ کہتا ہے کہ اے طالب خیر قدم بڑھا اور اے طالب شر بس کر اور دوسرا کہتا ہے کہ الٰہی دینے والے کو عمدہ عوض عنایت فرما اور بخیل کو بربادی مرحمت فرما اور مغرب کا ایک فرشتہ کہتا ہے کہ موت کے واسطے پیدا ہو اور اجڑنے کے لیے عمارت بناؤ اور دوسرا کہتا ہے کہ طویل حساب کے لیے کماؤ اور نفع اٹھاؤ۔

علامت زہد: سالک کو کبھی یہ گمان ہوتا ہے کہ تارک مال زاہد ہے حالانکہ ایسا نہیں کیونکہ مال کا چھوڑنا اور اس سے دل برداشتگی ظاہر کرنی ایسے شخص پر جو زہد پر مدح کو اچھا جانے بہت آسان ہے۔ دیکھو اکثر راہب ہیں کہ انہوں نے اپنے نفسوں کو تھوڑی سی غذا کا عادی کر لیا ہے اور ایک بندی خانے میں بیٹھنا لازم کر لیا ہے۔ ان کی خوشی صرف یہی ہے کہ لوگ ہمارا حال جانیں اور دیکھ کر تعریف کریں۔ پس صرف مال چھوڑنے سے دلیل قطعی زہد کی کہاں رہی بلکہ زہد مال اور جاہ دونوں سے ضرور ہے تاکہ اور سب خطوط نفسانی میں زہد پورا ہو۔ ایک اور طرف امر یہ ہے کہ بعض لوگ بڑے عمدہ قیمتی کے لباس اور بڑھیا کپڑے پہن کر دعوے زہد کا کرتے ہیں۔ چنانچہ ابراہیم خواص ان مدعیوں کے وصف میں فرماتے ہیں کہ ایک لوگ دعوے زہد کا کرتے ہیں اور پوشاک عمدہ پہن کر لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں تاکہ ان کو اگر کوئی پوشاک بھیجے تو ویسی ہی بھیجے اور ان کی طرف فقیروں کی طرح نہ دیکھے کہ حقیر جان کر کچھ مسکینوں کی طرح دے دے اور ایسے لوگ اپنے آپ کو متبع علم کا کہتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ہم طریق سنت پر ہیں۔

چیزیں ہمارے پاس آتی ہیں' ہم کو ان سے کچھ سروکار نہیں حالانکہ اگر واقع میں دیکھا جائے تو دوسرا ان کا روگ اپنے آپ لیتے ہیں۔ یہ سب کے سب دنیا کے بدلے دین کے کھاتے ہیں۔ ان کی مراد اپنے باطنوں کا تصفیہ اور اپنے نفسوں کے عادات کی تہذیب نہیں۔ ان پر ان کی صفات ظاہر ہو کر غالب ہو گئیں۔ پس انہوں نے ان کا اپنا مال کم دیا۔ یہ لوگ دنیا کے راغب اور پیروئے ہوائے نفسانی کے ہیں۔ انہی غرض کہ پہچاننا زہد کا ایک مشکل بات ہے بلکہ زہد کا حال زاہد پر بھی مشتبہ رہتا ہے۔ زاہد کو چاہیے کہ اپنے باطن میں تین علامتوں پر اعتماد کیا کرے۔ اول پہچان یہ ہے کہ موجود پر جوش نہ ہو' نہ مفقود پر رنجیدہ ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لکیلا تا سوا علی مافاتکم ولا تفرحوا بما اتاکم (پ 27 الحدید 23) ترجمہ کنزالایمان: اس لئے کہ غم نہ کھاؤ اس پر جو ہاتھ سے جائے اور خوش نہ ہو اس پر جو تم کو دیا۔ بلکہ اس کے برعکس ہونا چاہیے کہ مال کے ہونے سے رنجیدہ ہو اور جاتے رہنے سے خوش ہو۔ دوسری پہچان یہ ہے کہ اس کے نزدیک برا کہنے والا اور تعریف کرنے والا۔

فائدہ :- پہلی علامت مال میں زہد کے متعلق ہے۔ دوسری علامت جاہ میں زہد کی ہے۔ تیسری علامت یہ ہے کہ اس اللہ تعالیٰ عزوجل کے ساتھ ہو اور دل پر حلاوت طاعت غالب رہے کیونکہ دل حلاوت محبت سے خالی نہیں رہتا یا اس میں حب دنیا رہتی ہے یا حب الٰہی ان دونوں کا حال دل میں ایسے ہے جیسے پیالے میں پانی اور ہوا کہ جب اس میں پانی آتا ہے تو ہوا اس سے نکل جاتی ہے۔ دونوں اکٹھے نہیں ہوتے۔ (فائدہ) اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے مانوس ہوتا ہے وہ اس میں ہی مشغول رہتا ہے دوسری چیز میں اسے سروکار نہیں ہوتا۔

حکایت :- بعض اکابرین سے کسی نے پوچھا کہ زہد نے زاہدوں کو کہاں تک پہنچا دیا۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مانوس ہونے تک اور اللہ تعالیٰ کا انس اور دنیا کا انس جمع نہیں ہوتے' اہل معرفت کا فرمان ہے کہ جب ایمان ظاہر دل پر رہتا ہے انسان دنیا و آخرت دونوں سے محبت کرتا ہے اور دونوں کیلئے کام کرتا ہے مگر جب ایمان دل کے سیاہ نقطے میں چلا آتا ہے اور اس میں اثر کرتا تو دنیا سے بغض کرتا ہے کہ پھر اس کی طرف نگاہ نہیں کرتا۔

دعائے آدم علی نبیناء علیہ السلام :- حضرت آدم علیہ السلام کی دعا یہ تھی۔

(اللھم انی اسالک ایمانا یباشر قلبی)

ترجمہ۔ الٰہی میں تجھ سے ایسے ایمان کا سوال کرتا ہوں جو میرے دل کے ساتھ رہے۔

ملفوظ سلیمان ولی :- آپ فرماتے ہیں جو اپنے نفس میں مشغول ہوگا وہ عوام سے بے خبر ہوگا اور یہ مقام عمل کرنے والوں کا ہے اور جو شخص اپنے رب کریم میں مشغول ہوگا وہ اپنے نفس سے بھی بے خبر ہوگا یہ رتبہ عارفین کا ہے۔

قاعدہ صوفیانہ :- صوفیہ کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ زاہد کے لیے ضروری ہے کہ ان دونوں مقاموں میں سے ایک میں رہے۔

1- اپنے نفس میں لگا رہے اس حال میں اس کے نزدیک تعریف و مذمت اور وجود مال اور غلام برابر ہوں گے اور تھوڑا سا مال اس کے زہد کو نقصان نہ دے گا۔

حکایت :- ابن ابی الحواری کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوسلیمان رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا کہ کیا حضرت داؤد طائی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ زاہد تھے۔ انہوں نے فرمایا ہاں میں نے کہا سنا ہے ان کو باپ کے ترکہ میں سے بیس دینار ملے تھے ان کو انہوں نے بیس برس میں خرچ کیا تھا وہ زاہد کیسے ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ تمہارا مقصد یہ ہے کہ وہ حقیقت زہد کو پہنچ جاتے۔ (فائدہ) حقیقت سے حضرت ابوسلیمان رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی مراد انتہائی مقام تھا یعنی زہد کی کوئی انتہا نہیں اس لئے کہ نفس کے صفات بہت ہیں اور زہد کامل۔ تب حاصل ہوتا ہے جب تمام صفات میں زہد کرے جو شخص کہ دنیا میں سے کسی چیز کو باوجود قدرت کے صرف اپنے دل اور دین کے خوف سے چھوڑے گا اس کو اسی قدر زہد سے لہرہ نصیب ہوگا اور انتہا یہ ہے کہ ماسوا اللہ تعالیٰ کو ترک کر دے یہاں تک کہ پتھر پر بھی سر نہ

رکھے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کیا تھا۔ ہم خدا تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں کہ ہم کو زہد کا اول درجہ نصیب فرمائے۔ زہد کے انتہا کے درجات کی طمع تو ہم جیسوں کو کہاں ہو سکتی ہے اگرچہ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے ناامید ہونے کی اجازت نہیں اور اگر ہم اپنے اوپر عجائب نعمائے الٰہی کا لحاظ کریں تو یقین ہو گا کہ اس کے نزدیک کوئی چیز بڑی نہیں اگر اس کے جودوکرم کے اعتبار سے (کہ ہر ایک کمال سے بڑھ کر ہے) ہم بھی اپنی حیثیت سے بڑھ کر سوال کریں تو کوئی دور نہیں جب یہ معلوم ہو کہ زہد کی علامت فقر اور غنا اور عزت اور ذلت' تعریف و مذمت یکساں ہوں اور یہ بات غلبہ انس الٰہی سے ہوتی ہے تو اب جاننا چاہئے کہ اس سے لازماً دیگر علامات متفرع ہوتے ہیں مثلاً دنیا کو ترک کرے اسے پروانہ ہو کہ کس کے پاس گئی۔

علامت زہد:۔ (1) بعض کے نزدیک علامت زہد یہ ہے کہ دنیا کو اپنے مال پر چھوڑ دے یہ نہ کہے کہ میں سرائے بناؤں گا یا مسجد بنواؤں گا۔ (2) حضرت یحییٰ بن معاذ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ زہد کی علامت موجود چیز کی سخاوت ہے۔ (3) حضرت ابن خفیف رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ زہد کی علامت یہ ہے کہ جب چیز ہاتھ سے چلی جائے تو راحت پائے اور یہ بھی انہیں کا قول ہے کہ بلا تکلف دنیا سے فارغ ہونا اور اس سے روگردانی زہد ہے۔ (4) حضرت ابو سلیمان رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اونی کپڑا زہد کی نشانیوں میں سے ایک ہے اس لئے چاہئے کہ تین درم کا کمبل اونی بھی پہنے تو دل میں پانچ درم کے کمبل کی رغبت نہ ہو۔ (5) کیا یہ بھی زہد کی علامت ہیں؟ حضرت امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ (6) حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ زہد کی علامت عمل کو کوتاہ کرنا ہے۔ (7) سری سقطی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ زاہد کی چین اچھی نہیں ہوتی جب اپنے نفس سے بے خبر ہو اور عارف کا عیش اچھا نہیں جبکہ وہ اپنے نفس میں مشغول ہو۔ (8) نصیر آبادی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ زاہد دنیا میں مسافر ہے اور عارف آخرت کا مسافر ہے۔ (9) حضرت یحییٰ بن معاذ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ تین قسمیں ہیں (1) عمل بلا تعلق (2) قول بلا طمع اور عزت بغیر حکومت کے' یہ بھی انہیں کا قول ہے کہ زاہد تم کو سرکہ اور رائی سونگھنا چاہئے اور عارف مشک و عنبر سونگھے۔

حکایت:۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ میں توکل کی دوکان میں آ کر چادر زہد کی کب اوڑھوں گا اور زاہدوں میں کب بیٹھوں گا انہوں نے فرمایا کہ جب باطن میں تیرے نفس کی ریاضت اس درجہ کو پہنچ جائے گی کہ اگر اللہ تعالیٰ تجھ تین دن رزق نہ دے تو تیرے دل میں یقین کمزور نہ ہو اور جب تک اس درجے کو نہ پہنچے تو تجھے زاہدوں کے ساتھ بیٹھنا جہالت ہے پھر یہ بھی خوف ہے کہ کہیں رسوا نہ ہو اور یہ بھی فرمایا کہ دنیا مثل دلہن کے ہے اور جو اسے طلب کرتا ہے وہ اس کی مشاطہ ہے' اور جو کوئی اس میں زہد کرتا ہے وہ اس کا منہ کالا کرتا اور اس کے بال نوچتا اور کپڑے پھاڑتا ہے اور عارف اللہ تعالیٰ سے مشغول رہتا ہے وہ دنیا کی طرف التفات نہیں کرتا۔

فائدہ:۔ سری سقطی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ زہد میں سے میں نے جو بات چاہی وہ مجھ کو ملی مگر عوام سے

زہد کرنے کو میں نہ پہنچا اور نہ اس کی مجھے طاقت ہے۔ (فائدہ) حضرت فضیل رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمام برائی ایک کوٹھڑی میں بند کی اور اس کی کنجی حب دنیا بنائی اور تمام بھلائی ایک کوٹھڑی میں بند کی اور اس کی کنجی دنیا کے زہد کو بنایا۔

فائدہ:۔ زہد کے بارے میں جتنا ہمارے مقصد یہاں تک بیان کردیا لیکن چونکہ توکل کے بغیر نامکمل رہتا ہے اسی لئے اب ہم توکل کی بحث لکھتے ہیں۔ (وبیدہ التوفیق)

باب نمبر5

توکل و توحید

توکل دین کی منازل میں سے ایک منزل اور یقین کے مقامات میں سے ایک مقام بلکہ مقربین کے اعلیٰ درجات میں سے ہے اور وہ علم کی رو سے نہایت دقیق اور عمل کے اعتبار سے نہایت مشکل ہے۔ سمجھنے کی روڈ سے اس کے دقیق ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اسباب کا لحاظ کرنا اور ان پر تکیہ کرنا تو توحید میں شرک ہے اور اگر ان سے بالکل تساہل اور سستی کی جائے تو سنت پر طعن اور شریعت پر اعتراض ہوتا ہے اور اسباب کا لحاظ نہ کرنا اور ان پر تکیہ بھی کرنا قیاس میں مشکل سے آتا ہے بلکہ انسان ورطہ جہالت میں پھنستا ہے اسی لئے توکل کا معنی اس طرح سمجھنا کہ مقتضائے توحید کے بھی موافق ہو اور عقل و شرع کے بھی مطابق نہایت دقیق اور مشکل ہے اس کے واقف ہونے پر اس پوشیدگی اور دقت کے ہوتے ہوئے سوائے ایسے علمائے کرام کے جن کی آنکھ میں فضل الٰہی سے حقائق کا نور سمایا ہوا ہے دیگر کسی کی مجال نہیں' ہم نے بھی علمائے کرام کو دیکھ کر معلوم کرلیا اور جو دیکھا وہی بیان کیا جس طرح ہم نے بیان کیا اس طرح انہوں نے کہا اور ہم اس باب میں ایک مقدمہ اور دو فصلیں لکھتے ہیں مقدمے میں توکل کی فضیلت اور فصل اول میں توحید اور دوسری میں توکل کا حال اور عمل لکھیں گے۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

توکل کی فضیلت:۔ قرآن مجید میں ہے۔

(1- وعلی اللہ فتوکلوان کنتم مومنین) (المائدہ 23) ترجمہ کنزالایمان :۔ اور اللہ ہی پر بھروسہ کرو اگر تمہیں ایمان ہے۔

(2- وعلی اللہ فلیتوکل المتوکلون) (ابراہیم 12) ترجمہ کنزالایمان :۔ اور بھروسہ کرنے والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ چاہئے۔

(3- ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ) (الطلاق 30) ترجمہ کنزالایمان :۔ اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو وہ اسے کافی ہے۔

(4- ان اللہ یحب المتوکلین) (آل عمران 159) ترجمہ کنزالایمان :۔ بے شک توکل والے اللہ کو پیارے ہیں۔

فائدہ:۔ پس ایسے مقام کا کیا کہنا جو اس مقام پر پہنچے وہ اللہ تعالیٰ کا محب ہو اور اللہ تعالیٰ اس کا کفیل ہو جس شخص کا خدا تعالیٰ کفیل ہو اور وہ اس سے محبت و محافظت کرے' وہ شخص بڑی فلاح والا ہے اس لئے کہ محبوب کو عذاب نہ

ہوگا نہ وہ دور رہے گا نہ محجوب ہو۔ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ (الیس اللہ بکاف عبدہ) (الزمر 36) ترجمہ کنزالایمان: ۔کیا اللہ اپنے بندے کو کافی نہیں۔

فائدہ:۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص غیر سے کفایت کا طالب ہو وہ توکل کا تارک ہے بلکہ وہ قرآن کی تکذیب کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

(ھل اتی علی الانسان حین من الدھر لایکن شیا مذکورا) (الدھر 1) ترجمہ کنزالایمان:۔ بے شک آدمی پر ایک وقت وہ گزرا کہ کہیں اس کا نام بھی نہ تھا۔

2 - (ومن یتوکل علی اللہ فان اللہ عزیز حکیم) (الانفال ترجمہ از کنزالایمان:۔ اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے۔

فائدہ:۔ اللہ تعالیٰ ایسی عزت والا ہے کہ جو کوئی اس کی پناہ میں آجائے اسے ذلیل نہیں کرتا اور جو اس کی جناب میں بلتجی ہو اسے ضائع نہیں فرماتا اور ایسا حکیم ہے کہ جو اس کی تدبیر پر بھروسہ کرتا ہے وہ اس کی تدبیر سے کوتاہی نہیں فرماتا۔

3 - (ان الذین تدعون من دون اللہ عبادا مثالکم) (الاعراف 194) ترجمہ کنزالایمان:۔ بے شک وہ جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو تمہاری بندے ہیں۔

فائدہ:۔ اس میں بیان فرمایا کہ ہر ایک اللہ تعالیٰ کا مسخر ہے اسے بھی تمہاری جیسی حاجتوں کی طرح حاجت ہوتی ہے تو اس پر توکل کیسے کیا جائے۔

4 - (ان الذین تعبدون من دون اللہ لا یملکون لکم رزقا فابتغوا عنداللہ الرزق واعبدوہ) (العنکبوت 17) ترجمہ کنزالایمان:۔ بے شک وہ جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو تمہاری روزی کے کچھ مالک نہیں تو اللہ کے پاس روزق ڈھونڈو اور اس کی بندگی کرو۔

5 - (وللہ خزائن السموات والارض ولکن المنافقین لا یفقھون) (المنفقون 7) ترجمہ کنزالایمان:۔ اور اللہ ہی کے لئے ہیں آسمانوں اور زمین کرے خزانے مگر منافقوں کو سمجھ نہیں۔

6 - (یدبر الامر مامن شفیع الامن بعد اذنہ) (یونس 3) ترجمہ کنزالایمان:۔ کام کی تدبیر فرماتا ہے کوئی سفارشی نہیں مگر اس کی اجازت کے بعد۔

فائدہ:۔ ان آیات کے علاوہ جو کچھ قرآن مجید میں توحید مذکور ہے ان سب میں تنبیہہ ہے کہ غیر کا لحاظ نہ کرو اور اللہ تعالیٰ واحد قہار پر توکل کرو۔

(احادیث مبارکہ)

توکل کے متعلق احادیث یہ ہیں۔
(1) ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے موسم حج میں امتیں دکھائی گئیں، میں نے اپنی امت کو دیکھا کہ ان سے تمام پہاڑ اور نشیب بھر گئے ہیں مجھے ان کی کثرت اور ہیئت سے تعجب ہوا مجھ سے سوال ہوا کہ آپ خوش ہیں امین نے کہا ہاں، حکم ہوا کہ ان کے ساتھ ستر ہزار اور جنت میں بلاحساب داخل ہوں گے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہ کون لوگ ہوں گے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا (الذین یکتوون ولا یتطیرون ولا یسترقون وعلی ربھم یتوکلون)
ترجمہ:۔ جو لوگ داغ نہیں لگواتے اور نہ شگون بنتے ہیں اور نہ منتر کرتے ہیں اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔
یہ سن کر عکاشہ بن محصن نے عرض کیا کہ آپ خدا تعالیٰ سے دعا مانگیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی انہیں لوگوں سے کرے آپ نے فرمایا۔
(اللھم اجعل منھم) الٰہی اسے ان میں سے کردے۔
پھر دوسرا شخص کھڑا ہوا اور عرض کی کہ میرے لئے بھی دعا فرمایئے کہ آپ ﷺ نے فرمایا اس دعا میں تجھ سے عکاشہ سبقت کر چکا۔
(2) حدیث شریف میں وارد ہے کہ اگر تم لوگ اللہ تعالیٰ پر جیسا چاہیے ویسے توکل کرو تو تم کو خدا تعالیٰ اسی طرح ایسی روزی دے جیسے پرندوں کو دیتا ہے کہ صبح کو بھوکے اٹھتے ہیں اور شام کو شکم سیر ہوجاتے ہیں۔ (3) حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا
(من انقطع الی اللہ عزوجل کفاہ اللہ تعالیٰ کل مونۃ ورزقہ من حیث لا یحتسب ومن انقطع الی الدنیا وکلہ اللہ الیھا)
ترجمہ:۔ جو صرف اللہ تعالیٰ کا ہوجائے اللہ تعالیٰ اس کی ہر طرح کی ضروریات پوری فرمائے گا اور اسے روزی یوں پہنچائے گا کہ اسے خیال تک نہ ہوگا اور جو دنیا کا ہو کر رہے گا، دنیا کی طرف سپرد فرمائے گا۔
(4) حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کو یہ اچھا معلوم ہو کہ وہ تمام لوگوں میں زیادہ غنی ہوجائے اسے چاہئے کہ اپنے سامنے کی چیز کی بہ نسبت خدا تعالیٰ عزوجل کے پاس کی چیز پر زیادہ اعتماد کرے۔ (5) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اہل بیت کو جب فقروفاقہ ہوتا تو ارشاد فرماتے کہ نماز کے لئے کھڑے ہوجاؤ اور

فرماتے کہ اس کا حکم مجھے میرے پروردگار نے دیا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا۔

(وامر مایک بالصلوة واصطبر علیھا) (طٰہٰ 132) ترجمہ کنزالایمان :۔ سب سے دریا ہے اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دے اور خود اس پر ثابت رہ۔

(6) حدیث شریف میں ارشاد فرمایا کہ جس نے تعویذ کرایا ملمہ جسم پر داغ دیا اس نے توکل نہیں کیا۔ (فائدہ) اگرچہ تعویذ کرانا قرآن مجید اور ان الفاظ سے جو شرع میں وارد ہیں جائز ہے مگر توکل چاہتا ہے کہ سرے سے اس کی طرف التفات نہ رہے۔ کہتے ہیں۔

حکایت :۔ ابراہیم علیہ السلام کو گوپھن میں رکھ کر آگ میں پھینکا گیا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ آپ کو کوئی حاجت ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہے مگر تم سے نہیں۔ یہ اس لئے کہا کہ جب آپ کو آگ میں پھینکنے کیلئے لایا گیا فرمایا۔

(حسبن اللہ ونعم الوکیل) (آل عمران 173) ترجمہ کنزالایمان :۔ اللہ ہم کو بس ہے اور کیا اچھا کارساز۔

اسی لئے اس قول کا نبھانا مد نظر تھا اسی وفا کیلئے قرآن مجید میں اللہ نے فرمایا (و ابراھیم الذی وفی) (النجم 37) ترجمہ کنزالایمان :۔ اور ابراہیم کہ جو احکام پورے بجالایا۔

حضرت داؤد علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ عزوجل نے وحی بھیجی کہ اے داؤد جو شخص کہ صرف میری حبل متین سے تمسک کرے گا مخلوق سے سروکار نہ رکھے گا اگر اس کے ساتھ تمام آسمان و زمین دعا کریں گے تو میں اس کیلئے نکلنے کی راہ پیدا کردوں گا۔

اقوال اسلاف صالحین (رحمھم اللہ)

(1) حضرت سعید بن جبیر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے بچھو نے ؟؟ میری ماں نے مجھے قسم دلائی کہ تو جھاڑ کرالے۔ میں نے جھاڑنے والے کے ہاتھ میں اپنا وہ ہاتھ دے دیا جسے بچھو نے نہیں کاٹا تھا تاکہ توکل کے خلاف نہ ہو اور ان کے فرمان کی تعمیل بھی ہوجائے۔

(2) حضرت ابراہیم خواص رحمہ اللہ نے یہ آیت پڑھی (وتوکل علی الحی الذی لا یموت) (الفرقان 58) ترجمہ کنزالایمان :۔ اور بھروسہ کرو اس زندہ پر جو کبھی نہ مرے گا۔

پھر فرمایا کہ ایک کو اس آیت کے بعد خدا تعالیٰ کے سوا کسی کی طرف التجا نہ کرنی چاہئے۔ (3) بعض اکابر کو خواب میں کسی نے خواب میں یہ جملہ کہہ دیا کہ جس نے اللہ تعالیٰ پر اعتماد کیا اس نے اپنا رزق جمع کرلیا۔ (4) بعض علماء نے فرمایا کہ ایسا نہ ہو کہ سالک رزق کی تلاش میں اپنے فرض اعمال سے بے خبر ہوجائے اور آخرت کا معاملہ ابتر کردے اور اسے دنیا میں اسی قدر ملے گا جتنا کہ اس کے لئے لکھا گیا ہے۔ (5) یحیٰی بن معاذ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ

فرماتے ہیں کہ جب آدمی کے پاس بے طلب رزق آتا ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رزق کو بھی حکم ہے کہ آدمی کو تلاش کرے۔ (6) حضرت ابراہیم بن ادہم رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک راہب سے پوچھا کہ تو کہاں سے کھاتا ہے اس نے جواب دیا کہ میرے علم میں نہیں' میرے پروردگار سے پوچھ لو کہ مجھے کہاں سے کھلاتا ہے۔ (7) ہرم بن حیان رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے سیدنا اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ میں کہاں رہوں۔ آپ نے شام کی طرف اشارہ فرمایا پھر ہرم نے پوچھا کہ معیشت کا کیا ہوگا یعنی بسر اوقات کی کیا صورت ہوگی۔ حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ افسوس ہے ان دلوں پر کہ ان میں شک ملا ہوا ہے ان کو نصیحت سے کیا فائدہ ہوگا۔ (8) بعض اکابر کا قول ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو کسی نے اپنا وکیل مان لیا تو اسے ہر ایک بہتری کی راہ مل گئی۔

ہرم اور سیدنا اویس رضی اللہ عنہما کے دیگر عجیب و غریب واقعات کے لیے فقیر کی کتاب "ذکر اویس" کا مطالعہ کیجئے۔ اویسی غفرلہ

فضائل توحید:۔ اس توحید کی حقیقت کا بیان ہے جو توکل کی اصل ہے اور ایمان کے اقسام میں سے توکل بھی ہے اور اس کے تین اقسام ہیں۔ 1- علم' 2- حال' 3- عمل۔ اسی لئے توکل بھی لازماً ان تین چیزوں سے حاصل ہوتا ہے۔ (1) علم جو اصل ہے (2) عمل جو ثمرہ ہے (3) حال جو توکل کے لفظ سے مراد ہے ہم پہلے۔ اس علم کا بیان شروع کرتے ہیں جو اصل ہے اور اصل نعت میں ایمان ہے اس لئے کہ ایمان کے معنی تصدیق کے ہیں اور جو تصدیق دل سے ہوگی وہ علم ہے اگر تصدیق قوی ہوجاتی ہے تو یقین کہتے ہیں مگر چونکہ یقین کے اقسام بہت ہیں اور ہم ان میں سے صرف وہ بیان کرتے ہیں جن پر مدار توکل ہے اور وہ توحید ہے جو اس کلمہ طیبہ میں سمجھی جاتی ہے۔

(لا الہ الا اللہ وحد لا شریک لہ) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔

نیز وہ ایمان قدرت پر ہے جس کا بیان ان کلمات میں ہے کہ الملک اور اسی میں ایمان جو دو حکمت الٰہیہ پر بھی ہے جس پر یہ قول دلالت کرتا ہے ولہ الحمد جس نے کہا۔

(لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شی قدیر)

ترجمہ:۔ نہیں ہے کوئی معبود سوائے خدا تعالیٰ کے وہ اکیلا ہے کوئی اس کا شریک، نہیں اسی کو سلطنت ہے اور اسی کو تعریف اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

وہ ایمان جو توکل کی اصل ہے پورا ہوگیا۔ (فائدہ) اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ معنی اس کلمے کے معنی ایک وصف لازم انسان کے دل کے ہوجائے اور وہی دل پر غالب رہے۔ (فائدہ) توحید وہ اصل الاصول ہے مگر اس میں کلام طویل ہے اور وہ علم مکاشفہ سے ہے لیکن بعض علوم مکاشفہ بذریعہ اعمال سے بھی متعلق ہیں اور علم معاملہ ان کے بغیر کامل نہیں ہوتا۔ اس صورت میں ہم توحید کو اسی قدر بیان کریں گے جو متعلق معاملہ سے متعلق ہے ورنہ توحید ایک دریائے ناپید کنار ہے اس کی کوئی انتہا ہی نہیں۔

مراتب توحید:۔ توحید کے چار مراتب ہیں۔ (1) مغز (2) مغز کا مغز (3) پوست (4) پوست کے اوپر کا پوست۔ کم

فہوں کے سمجھانے کیلئے ہم اس کی ایک مثال فرض کر لیتے ہیں کہ توحید کو مثل اخروٹ کے اپنے اوپر کے چھلکے میں سمجھنا چاہئے کہ اس پر دونوں چھلکے ہوتے ہیں اور ایک مغز ہوتا ہے پھر مغز کے اندر تیل ہوتا ہے۔ مرتبہ نمبر1 توحید کا یہ ہے کہ انسان اپنی زبان سے تو لاالہ الااللہ کہے مگر اس کا دل اس سے غافل یا منکر ہو جیسے توحید منافقین مرتبہ نمبر2 یہ ہے کہ اس لفظ کا معنی اس کا دل بھی سچ مانتا ہے جیسے عوام مسلمان اس کی تصدیق کرتے ہیں یہ توحید عوام ہے۔ مرتبہ نمبر3 یہ ہے کہ بذریعہ نور حق کشف سے مشاہدہ ہو جائے۔ یہ مقام مقربین ہے اور اس کا حال اس طرح ہے کہ اشیاء کو بہت تو جانتا ہے مگر باوجود اشیاء کی کثرت کے ان کو واحد قہار سے صادر سمجھتا ہے اور مرتبہ نمبر4 یہ ہے کہ وجود میں سوا ذات واحد یکتا کے اور کسی کو نہ دیکھے۔ یہ مشاہدۂ صدیقین ہے۔

فائدہ:۔ یہی نظریہ وحدہ الوجود ہے جسے امام غزالی قدس سرہ صدیوں پہلے بیان فرما گئے۔ صرف فرق اجمال و تفصیل کا ہے جو لوگ سیدنا ابن العربی قدس سرہ کو نظریہ وحدۃ الوجود کی وجہ سے گمراہ کہتے ہیں وہ خود گمراہ ہیں (اضافہ اویسی غفرلہ) اس نظریہ کو صوفیہ کرام فناور توحید کہتے ہیں یعنی چونکہ اس مرتبہ والا سوا ایک ذات کے اور کچھ نہیں دیکھتا خود اپنے نفس کو بھی نہیں دیکھتا جب واحد یکتا میں مستغرق ہونے کی وجہ سے اپنے نفس کو نہیں دیکھتا تو توحید میں وہ اپنے نفس سے فانی ہوگا۔ یعنی اپنے نفس کے دیکھنے کا اسے تصور تک مٹ گیا ہے۔ (فائدہ) ان مراتب میں شخص اول صرف موحد زبانی ہے اس کا فائدہ دنیا میں یہ ہے کہ قتل سے بچ جاتا ہے اور دوسرا شخص موحد ہے کہ اپنے دل سے لفظ کا معنی سمجھتا ہے اور دل سے اپنے اعتقاد کی تکذیب نہیں کرتا اور اس طرح کی توحید دل پر ایک گرہ ہے اس میں بسوا و کشاو نہیں ہوتی تاہم ایسا موحد عذاب آخرت سے محفوظ رہتا ہے بشرطیکہ اسی پر خاتمہ ہو اور گناہوں کی وجہ سے اسے ضعیف نہ کر دیا ہو پھر اس گرہ کیلئے چند حیلے اس قسم کے ہیں جن سے اس کا ڈھیلا کرنا اور کھولنا منظور ہوتا ہے ان کو بدعت کہتے ہیں اور کچھ تدبیریں ایسی ہیں جن سے اس گرہ کا مضبوط کرنا اور اس ڈھیلے کرنے والے اور کھولنے والے حیلوں کا دور کرنا مقصود ہوتا ہے ان کو کلام کہتے ہیں اور جو علم کلام جانتا ہو اسے متکلم کہتے ہیں اور اس کے مقابل کو مبتدع۔

فائدہ:۔ متکلم کی غرض یہ ہوتی ہے کہ مبتدع کو عوام کے دلوں سے گرہ نہ کھولنے دے اور متکلم کو بھی موحد بھی کہتے ہیں اس اعتبار سے کہ وہ اپنے کلام کی وجہ سے معنی لفظ توحید کے معنی کی عوام کے دلوں میں حفاظت کرتا ہے تاکہ توحید کی گرہ کھلنے نہ پائے تیسرا شخص موحد ہے کہ اس نے صرف ایک ہی فاعل کا مشاہدہ کیا یعنی اس پر امر حق واضح طور پر کھل گیا واقع میں فاعل ایک ہی نظر آتا ہے اور حقیقت جیسی ہے ویسی ہی نظر آتی ہے مگر اس نے بزور اپنے دل کو لفظ حقیقت کے معنی کا معتقد بنا رکھا ہے تو یہ مرتبہ عوام اور متکلمین کا ہے کیونکہ عامی اور متکلم کے اعتقاد میں تو فرق نہیں بلکہ یہ فرق ہے کہ متکلم ایسے کلام کے بنانے پر قادر ہے جو کوئی اس سے اعتقاد کو ضعیف کرنا چاہے تو وہ اسے تقریر سے دفع کر دے اور چوتھا شخص اس نظریہ سے موحد ہے کہ اس کے مشاہدہ میں بجز واحد یکتا کے اور

کوئی نہیں آیا وہ سب کو کثرت کے اعتبار سے نہیں دیکھتا بلکہ وحدت کی راہ سے دیکھتا ہے۔ یہ مرتبہ توحید میں سب سے اعلیٰ ہے۔

مثال سے مطابقت:- مرتبہ اول اخروٹ (بادام) کا اوپر کا چھلکا' دوسرا مرتبہ دوسرے چھلکے جیسا ہے اور تیسرا مرتبہ بادام کے مغز کی مانند ہے اور چوتھا مثل تیل کے ہے جو مغز میں ہے جس طرح کہ اوپر کے چھلکے سے کوئی فائدہ نہیں اگر کھایا جائے تو تلخ ہے اگر اس کا باطن دیکھا جائے تو بری صورت کا ہے اگر اسے جلایا جائے تو آگ بجھا دے اور دھواں زیادہ کرے اور اگر مکان میں رکھا جائے تو جگہ روکے۔ غرض کسی قابل نہیں بجز اس کے کہ چند روز اخروٹ کی حفاظت کرتا ہے جب اس سے مغز نکال لیا جائے تو پھینک دیا جاتا ہے اسی طرح توحید ربانی کا حال ہے کہ جس میں دل کی تصدیق نہ ہو تو ایسی توحید سے کوئی فائدہ نہیں بلکہ نقصان زیادہ ہے یہ ظاہر و باطن میں بری ہے ہاں چند دن کا فائدہ یہ ہے کہ نیچے کے چھلکے یعنی دل اور بدن کے بچاؤ کیلئے موت کے وقت تک کام آتی ہے اور منافق کے بدن کو قتل نہیں ہونے دیتی اس لئے کہ حکم دلوں کے چیرنے کا نہیں بلکہ ہم ظاہر اسلام کو دیکھتے ہیں اسی وجہ سے منافقوں کا بدن تلوار سے محفوظ رہ جاتا ہے مگر موت کے وقت یہ توحید ان کے بدن سے علیحدہ ہو جائے گی اس کے بعد پھر اس سے کچھ کام نہ چلے گا جس طرح بادام کے نیچے کا چھلکا بہ نسبت اوپر کے چھلکے کے ظاہر میں بہت مفید ہے۔ یعنی اس سے مغز کی حفاظت ہوتی ہے اور اسے بگڑنے نہیں دیتا اور اگر اسے جدا کر لیا جائے تو ایندھن کے کام کا ہے مگر مغز کی بہ نسبت کم ہے اسی طرح صرف اعتقاد بلا کشف زبانی قول کی بہ نسبت بہت مفید ہے مگر کشف و مشاہدہ کی بہ نسبت جو سینے کی کشادگی اور نور حق کی تابش سے حاصل ہوتا ہے اس کی قدر کم ہے کیونکہ یہی کشادگی اس آیت شریف میں مراد ہے۔

(فمن یرد اللہ ان یھدیہ لیشرح صدرہ للاسلام) (الانعام 125) ترجمہ کنزالایمان :- اور جسے اللہ راہ دکھانا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔

اور اس آیت میں بھی یہی اشارہ ہے

افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علی نور من ربہ) (الزمر 22) ترجمہ کنزالایمان :- تو کیا وہ جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا تو وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے۔

جس طرح کہ مغز بذات خود پوست کی بہ نسبت نفیس ہے اور گویا مقصود وہی ہے مگر پھر بھی تیل نکالنے پر کچھ کھلی وغیرہ کی آمیزش سے خالی نہیں اسی طرح توحید فعل یعنی فاعل کا ایک جاننا بھی سالکین کے حق میں بڑا اعلیٰ مقصد ہے مگر اس میں تھوڑا سا التفات غیر کی طرف پایا جاتا ہے اور اس شخص کی بہ نسبت جو ایک کے سوا دوسرے کو دیکھتا ہی نہیں ایسے شخص کا خیال کثرت کی طرف ہے۔ (سوال) یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انسان بجز ایک ذات کے مشاہدہ نہ کرے حالانکہ آسمان و زمین اور تمام اجسام محسوسہ کو دیکھتا ہے اور یہ چیزیں بہت ہیں تو بہت سی چیزیں ایک کس طرح ہوں گی اس کا جواب (جواب) یہ نکتہ انتہائے علوم مکاشفات کا ہے ان علوم کے اسرار کا کسی کتاب میں لکھنا

جائز نہیں۔ عارفین فرماتے ہیں کہ راز ربوبیت افشا کرنا کفر ہے علاوہ ازیں اس امر کو علم معاملہ سے کوئی تعلق بھی نہیں ہاں ابتدائی نظر میں کثرت کا واحد جاننا بعید معلوم ہوتا ہے لیکن اس کا سمجھا دینا ممکن ہے وہ اس طرح ہے کہ بعض چیزیں کسی نا س مشاہدہ سے دیکھو تو بہت ہیں۔ اسے کسی دوسرے اعتبار سے دیکھو تو واحد ہیں مثلاً اگر انسان کو اس کی روح اور جسم اور ہاتھ پاؤں اور رگوں، ہڈیوں، آنتوں کے لحاظ سے دیکھو تو کثرت ہے اگر صرف انسان کے اعتبار سے مشاہدہ کرو تو ایک ہے یعنی انسانیت کے لحاظ سے دیکھو تو ایک ہے اور بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ انسان کو دیکھتے ہیں تو ان کے دل میں اس کی رگوں کی کثرت اور آنتوں اور ہاتھ پاؤں اور جدا ہونے روح و جسم اور اعضاء کا خیال نہیں گزرتا اور دونوں صورتوں میں فرق یہی ہے کہ جب آدمی کو حالت استغراق واحد کے ساتھ ہوتی ہے تو وہ واحد میں تفرق اور جدائی نہیں دیکھتا اور جب عین کثرت کی طرف التفات کرتا ہے تو ان اشیاء کے علیحدہ ہونے کا خیال گزرتا ہے اسی طرح جتنی اشیاء موجود ہیں خالق ہے یا مخلوق سب کے لئے اعتبارات اور مشاہدات بکثرت اور جدا جدا ہیں لیکن دوسرے اعتبار سے وہ واحد ہیں اور کسی میں بعض اعتبارات سے کثرت زیادہ ہوتی ہے اور بعض سے کم۔

ازالہ وہم :۔ انسان کو ہم نے مثال میں لکھا ہے اگرچہ مطلب کے مطابق نہیں تاہم اس سے فی الجملہ مشاہدہ میں کثرت کا واحد ہو جانا معلوم ہو جاتا ہے اور اس قسم کے موحدین پر انکار نہیں رہتا اور جس مقام پر کہ ابھی انسان کی رسائی نہیں ہوئی اس کی تصدیق کرنے لگتا ہے اس تصدیق کی بدولت اس میں تو خیر اعلیٰ مرتبہ والے سے کچھ حصہ نصیب ہو جاتا ہے اگرچہ جس قسم کی توحید پر ایمان لایا ہے وہ حالت حاصل نہ ہوئی ہو مثلاً کوئی نبوت پر ایمان لائے تو اگرچہ وہ خود نبی نہ ہو مگر نبوت کے فیوضات سے اس کو اسی قدر حصہ نصیب ہوگا جس قدر کہ اس پر ایمان قوی ہوگا اور یہ مشاہدہ جس میں کہ بجز ذات واحد مطلق کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ کبھی وہ دائمی ہوتا ہے اور کبھی بجلی کی طرح چلا جاتا ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے ہمیشہ ایسا حال رہنا بہت کم ہے۔

حکایت :۔ حضرت حسین بن منصور حلاج رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت ابراہیم خواص رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کو سفر کرتے دیکھا تو پوچھا کہ آپ کس فکر میں ہیں انہوں نے فرمایا کہ میں سفر میں پھرتا ہوں کہ توکل میں اپنا حال درست کروں حالانکہ خواص متوکلین میں سے تھے۔ حضرت حسین بن منصور رحمتہ اللہ نے فرمایا کہ تم نے اپنی تمام عمر اپنے باطن کی آبادی میں ضائع کی فقہ اور توحید کہاں گئی اسے کیوں نہیں اختیار کرتے۔

فائدہ :۔ گویا حضرت خواص رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ توحید کے تیسرے مقام کی درستی کرتے تھے اور حضرت حسین رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے انہیں چوتھے مقام پر ترغیب دی۔

فائدہ :۔ مقامات موحدین کا حال بطور اجمال بیان کیا گیا ہے اب ہم توحید کی شرح بیان کرتے ہیں جس پر توکل مبنی ہے۔

انتباہ مقام نمبر 4:۔ کے بیان میں تو غور و خوض نہ کرنا چاہئے اور نہ توکل اس پر مبنی ہے بلکہ یہ حال توکل قسم نمبر 3 کی توحید سے حاصل ہوتا ہے اور قسم اول کی توحید میں نفاق ہے اس کا حال ظاہر ہی ہے اور دوسری قسم کی توحید عام مسلمانوں میں موجود ہے اس کے پختہ کرنے کا طریقہ علم کلام میں مذکور اور اہل بدعت (بدمذاہب) کے اعتراضات کا جواب بھی اسی علم میں ہے اس میں جس قدر ضرورت تھی ہم نے اس کا ذکر کتاب الاقتصاد فی الاعتقاد میں لکھا ہے۔

ا۔ اس سے واضح ہوا کہ حضرت امام غزالی قدس سرہ سیدنا حسین بن منصور حلاج رحمہ اللہ کو ختمی عارف سمجھے تھے اور یہی تمام اکابرین عارفین کا مذہب ہے۔ حضرت خواجہ خواجگان پیر غلام فرید صاحب قدس سرہ نے اپنے دیوان فرید شریف میں حضرت ابن منصور قدس سرہ کو خوب سراہا ہے اور یہی جمہور صوفیہ کا مذہب ہے لیکن افسوس ہے کہ ہمارے دور میں بعض بدمذاہب مثلاً وہابی غیرمقلدین اور بعض دیوبندی جیسے سلمان ندوی وغیرہ حضرت حسین بن منصور قدس سرہ کو گمراہ بلکہ کافر تک بکتے ہیں۔ فقیر نے تفصیل و تحقیق کتاب حلاج لکھی اس کا مطالعہ کیجئے۔ (اویسی غفرلہ)

فائدہ:۔ قسم نمبر 3 پر توکل مبنی ہے۔ اس لئے کہ صرف توحید اعتقادی موجب حال توکل نہیں' اس میں کشف و مشاہدہ کا ہونا چاہئے۔ تیسری قسم میں جبر، قدر پر توکل موقوف ہے۔ اسے ہم بیان کرتے ہیں ہاں اس کی تفصیل تو اس جیسی کتاب میں نہیں آسکتی مگر مختصرا عرض کرتا ہوں وہ یہ کہ انسان پر واضح ہوجائے کہ فاعل سوا خداتعالیٰ کے اور کوئی نہیں اور جتنا موجود چیزیں ہیں یعنی خلق اور رزق اور عطاؤ بخل موت و حیات' تونگری و مفلسی وغیرہ جسے کسی نام سے کہہ سکتے ہیں ان کا موجد اور مبدع اور مخترع اللہ تعالیٰ ہی ہے کوئی اس کا شریک نہیں جب کسی پر یہ بات کھل جائے گی تو پھر اور کسی طرف نہ دیکھے گا بلکہ خداتعالیٰ سے ہی خوف کرے گا اور اسی پاک ذات سے ہی توقع رکھے گا اور اسی پر اعتماد و توکل کرے گا اس لئے کہ ہر کام کا فاعل صرف وہی ہے دوسرا کوئی نہیں اور جو اس کے سوا ہیں وہ سب اس کے تابع اور مسخر ہیں ایک ذرہ بھی آسمانوں اور زمین کے ملکوت میں سے کوئی نہیں ہلاسکتا اور جب باب مکاشفہ کسی پر کھل جاتا ہے تو ہر امر اس کی آنکھ کے مشاہدہ سے بھی زیادہ واضح ہوجاتا ہے۔

انتباہ:۔ اس توحید سے سالک کو شیطان ایسی جگہ میں روک دیتا ہے جہاں اس کو یہ معلوم ہو کہ انسان کے دل پر کچھ شرک کا اثر بھی چل جائے گا۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔

(1) حیوانات کے اختیار پر التفات کرنا۔

(2) جمادات کے التفات سے' جمادات کے التفات سے شرک یوں کراتا ہے کہ مثلاً آدمی کھیتی کے نکلنے نور بجنے پر اعتماد کرے۔ ایسے ہی بارش کے برسنے کے لئے ابر پر اور ابر کے اکٹھا ہونے کے لئے سردی پر اعتماد کرے اور کشتی کے برابر رہنے اور چلنے میں اعتماد کرے تو یہ سب باتیں توحید کے بارے میں شرک ہیں اور حقیقت امور سے جہالت کی دلیل ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

(فاذا رکبوا فی الفلک دعوا اللّٰہ مخلصین لہ الدین فلما انجاھم الی ابر اذا ھم یشرکون) (العنکبوت 65)

ترجمہ کنزالایمان :- پھر جب کشتی میں سوار ہوتے ہیں اللہ کو پکارتے ہیں ایک اسی پر عقیدہ لاکر۔

تفسیر:- آیت بالا کی تفسیر میں ہے کہ کشتی کے سوار کہنے لگتے ہیں کہ اگر ہوا اچھی نہ ہوتی تو ہم نہ پہنچتے اور جس شخص پر عالم کا حال واقعی معلوم ہوگیا وہ جانتا ہے کہ ہوا موافق بھی ایک ہوا ہے اور ہوا خود نہیں چلتی جب تک اسے کوئی محرک نہ ہو اسی طرح اس کے محرک کو ایک اور محرک چاہئے یہاں تک کہ سلسلہ محرک اول پر پہنچے کہ اس کا کوئی محرک نہیں اور نہ وہ بذات خود متحرک ہے پس نجات کے باب میں انسان کا التفات ہوا کی طرف ایسا ہے جیسے مثال ذیل میں ہے۔

مثال :- کوئی کسی کو قتل کرنے کے بعد پکڑا جائے اور بادشاہ اس کی رہائی اور عفو قصور کا حکم لکھ دے تو یہ شخص دوات اور کاغذ اور قلم کو جیسے کہ حکم لکھا گیا ہے۔ یاد کرے اور کہے کہ اگر قلم نہ ہوتا تو میں نہ بچتا اور اپنی نجات قلم سے سمجھے جس نے قلم کو ہلایا اس طرف اس کا خیال نہ ہو تو یہ نہایت جہالت ہے اور جو شخص سمجھے کہ قلم کچھ حکم نہیں دے سکتا بلکہ وہ کاتب کے ہاتھ میں تابع اور مسخر ہوتا ہے تو وہ قلم کی طرف التفات نہیں کرے گا اور سوا کاتب کے کسی کا شکرگزار نہ ہو' بلکہ بعض اوقات نجات کی خوشی اور بادشاہ کے شکر میں دل پر قلم اور سیاہی وغیرہ کا خطرہ بھی نہ ہوگا پس آفتاب اور چاند' ستارے' بارش۔ اجزائے زمین اور حیوان اور پتھر وغیرہ سب خدا تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں اس طرح مسخر ہیں جیسے کاتب کے ہاتھ میں قلم بلکہ یہ مثال بھی صرف سمجھانے کے لئے دی گئی کہ لوگ یہی اعتقاد رکھتے ہیں کہ دستخط بادشاہ کیا کرتے ہیں اور حقیقت میں کاتب خدا تعالیٰ ہی ہے چنانچہ ارشاد فرماتا ہے۔

(ومارمیت اذرمیت ولکن اللہ رمیٰ) (الانفال 9) ترجمہ کنزالایمان :- اور اے محبوب وہ خاک جو تم نے پھینکی تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی تھی۔

فائدہ :- جب کسی پر یہ بات کھل جاتی ہے کہ تمام چیزیں اس طرح مسخر ہیں تو شیطان اس سے ناامید ہوجاتا ہے کہ اب اس کی توحید میں یہ شرک جمادات کا تو نہیں کرا سکتا۔ پھر دوسری صورت میں پیش آتا ہے۔ یعنی حیوانات کے اختیار کا التفات افعال اختیاری میں سے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے اور کہتا ہے کہ تو سب باتوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف کیسے اعتقاد کرتا ہے حالانکہ فلاں شخص تجھے اپنے اختیار سے رزق دیتا ہے وہ اگر چاہے دے اگر چاہے بند کردے اور بادشاہ کو اختیار ہے چاہے تیری گردن تلوار سے اڑا دے چاہے معاف کردے تو خوف بادشاہ سے چاہئے اور اسی سے توقع رکھنی چاہئے کیونکہ تو اس کے قبضہ میں ہے اور تو یہ بات اپنی آنکھ سے دیکھتا ہے اور اس میں کوئی شک بھی نہیں اور یہ بھی کہتا ہے کہ اگر قلم کو تو کاتب نہیں جانتا اس لئے کہ وہ کاتب کے ہاتھ میں مسخر ہے تو کاتب تو اس سے باختیار خود لکھتا ہے اس کو کاتب کیوں نہیں جانتا اس خطرے میں اکثر لوگوں کے قدم لغزش کھاجاتے ہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں کے کہ جن پر شیطان لعین کو قابو نہیں وہ لوگ بچشم بصیرت کاتب کو بھی مسخر اور مضطر دیکھتے ہیں جیسے ضعیف' الاعتقاد قلم کو مسخر دیکھتے ہیں اور ان کو معلوم ہوگیا ہے کہ ضعیف الاعتقاد اس باب میں ایسی غلطی کی

جیسے چیونٹی کاغذ پر چلتی ہو اور دیکھے کہ قلم کی نوک کاغذ کو سیاہ کررہی ہے اور اس کی بینائی ہاتھ اور انگلیوں پر نہ پہنچتی ہو چاہے کہ کاتب کو دیکھے تو وہ غلطی سے یہی جانے گی کہ کاغذ کی سفیدی کو قلم سیاہ کرتا ہے اور اس کی غلطی کی وجہ یہی کہ اس کی بینائی قلم کو نوک سے اوپر نہیں جاسکتی اس لئے کہ آنکھ کا حدقہ بہت تنگ ہے۔ (فائدہ) اسی طرح جس کا سینہ اسلام کے لئے خدا تعالٰی کے نور سے نہیں، کھلا اس کی بصیرت آسمان و زمین کے خالق کے دیکھنے سے قاصر ہے وہ نہیں دیکھ سکتا کہ وہ واحد یکتا سب کے اوپر غالب ہے اسی لئے کاتب پر راہ میں ٹھہر گیا اور یہ صرف جہالت ہے اور ارباب قلوب اور اصحاب مشاہدات کا حال یہ ہے کہ اللہ تعالٰی ان کے لئے آسمان و زمین کے ہر ذرے کو اپنی قدرت کاملہ سے گویا کردیتا ہے یہاں تک کہ وہ لوگ ان ذرات کی تقدیس و تسبیح سنتے ہیں اور ان کے گوش حق نیوش میں آواز ان اشیاء کے اقرار کی اپنی عاجزی پر کسی حرف اور صورت کے بغیر سنائی دیتی ہے جن کے کان ہی نہیں وہ اس کو نہیں سنتے۔

انتباہ :۔ ہماری مراد کان سے یہ کان نہیں جو آواز کے سوا نہیں سن سکتا۔ ایسے کان تو گدھے کے بھی ہیں اور نہ ایسی چیزوں کی کچھ قدر ہے جس میں کہ جانور شریک ہوں بلکہ کانوں سے ہماری مراد یہ ہے کہ جن سے وہ کلام سمجھا جائے جس میں نہ حروف ہوں نہ آواز نہ عربی ہو نہ عجمی۔

سوال :۔ یہ ایک تعجب کی بات ہے اسے عقل قبول نہیں کرتی کیونکہ اشیاء کے بولنے کی کیفیت کو بیان کرنا چاہئے کہ وہ کیسے بولتی ہیں اور کیا کہتی ہیں تسبیح و تقدیس۔ کس طرح کرتی ہیں اور اپنے نفسوں کے عجز کی شہادت کیسے دیتی ہیں

جواب :۔ آسمان و زمین کے ہر ذرے کو ارباب قلوب کے ساتھ باطن میں ایک مناجات ہے اور اس کا حصر وانتہا نہیں اس لئے کہ وہ کلمات خدا تعالٰی کے کلام سے مدد پاتے ہیں اللہ تعالٰی فرماتا ہے۔

(قل لوکان البحر مدادا لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی ولو جئنا بمثلہ مددا) (الکہف

ترجمہ کنزالایمان :۔ تم فرمادو اگر سمندر میرے رب کی باتوں کے لئے سیاہی ہو تو ضرور سمندر ختم ہو جائے گا اور میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں اگرچہ ہم ویسا ہی اور اس کی مدد کو لے آئیں۔

پھر یہ سب ذرات اسرار ملک اور ملکوت کے بیان کرتے ہیں کہ بھید کا افشا کرنا برا ہے بلکہ سینہ احرار قبر اسرار ہوتا ہے اور تم نے کبھی نہ دیکھا ہوگا کہ جو شخص بادشاہ کے راز کا امین ہو اور بادشاہ اس سے اپنے خفیہ امور کہے تو وہ سب کے سامنے بیان کردے اگر بھید کا افشا کرنا درست ہوتا تو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یہ نہ فرماتے۔

(لو تعلمون ما اعلم لضحکتم قلیلا ولبکیتم کثیرا)

ترجمہ :۔ اگر تم جانتے جو میں جانتا ہوں تو تھوڑا ہنستے اور بہت روتے۔

بلکہ ذکر فرمادیتے تاکہ روئیں اور ہنسا نہ کریں نیز تقدیر کے رازفاش کرنے سے منع نہ فرماتے اور یہ ارشاد نہ فرماتے کہ جب ستاروں کا ذکر ہوا کرے تو چپ رہو اور تقدیر کا ذکر ہو تو سکوت کرو اور جب میرے صحابہ کرام رضی

اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر ہو تو خاموش ہو جاؤ نیز حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بعض اسرار کے لئے خاص نہ فرمائے۔

افشائے اسرار کی ممانعت کے وجوہ:۔ ذرات ملک و ملکوت کے جو اہل دل سے مناجات کرتے ہیں ان کے ذکر نہ کرنے کی دو وجہ ہیں۔

(1) محال ہونا افشائے راز کا (2) بے انتہا ہونا

ان کے کلمات و حکایات (جو مثال ہم نے اوپر لکھی ہے یعنی حرکت قلم) کی تھوڑی سی گفتگو بر سبیل اجمال ہم لکھ دیتے ہیں تاکہ مجملاً توکل کے مبنی ہونے کی کیفیت اس سے سمجھ آجائے اگرچہ یہ گفتگو حروف و آواز سے متعلق نہیں مگر ہم اسے حروف و آواز سمجھانے کی ضرورت کیلئے کہتے ہیں۔

مثال:۔ کسی سالک نے جو نور الٰہی مشعل رکھتا تھا' کاغذ کو دیکھا کہ اس کا رخ سیاہی سے کالا ہو گیا ہے اس نے پوچھا کہ تیرا منہ تو سفید تھا اب تو نے کالا کیوں کیا اس کی کیا وجہ ہے کاغذ نے جواب دیا کہ یہ کیا انصاف ہے کہ یہ بات مجھ سے پوچھتا ہے میں نے اپنے آپ کو تو کالا نہیں کیا روشنائی سے پوچھو کہ وہ دوات میں جہاں اس کا ٹھکانا اور وطن تھا بیٹھی تھی وہاں سے نکلی اور میرے رخ پر زبردستی دوڑی۔ اس نے کہا کہ تو سچا ہے پھر روشنائی سے پوچھا کہ کیا سبب ہے جو تو نے کاغذ کا منہ کالا کیا اس نے کہا مجھ سے کیا پوچھتے ہو' میں تو دوات میں آرام سے بیٹھی تھی میرا ارادہ نہ تھا کہ اس جگہ سے نکلوں مگر قلم نے اپنی طمع فاسد سے مجھ پر زیادتی کی اور مجھے وطن سے بے وطن کر دیا اور میری جماعت کو منتشر کر دیا تمام صفحات پر تم کو متفرق معلوم ہی ہوتی ہوں تو اس کی وجہ قلم سے پوچھنی چاہئے اس نے کہا کہ تو درست کہتی ہے پھر قلم سے اس کی وجہ پوچھی گئی اس نے کہا کہ مجھ سے کیا پوچھتے ہو میں تو ایک پرسکون ماحول میں تھا نہروں کے کنارے ہرے ہرے درختوں میں کھڑا تھا کوئی ہاتھ چھری لیکر پہنچا اور مجھے جڑ سے اکھاڑ کر میرا پوست اتارا اور کپڑے پھاڑے اوپر کی کھال جدا کی پھر تراشا اور میرا سر چیر کر مجھے سیاہی میں ڈبو دیا اب وہ مجھ سے خدمت لیتا ہے اور مجھ کو سر کے بل چلاتا ہے تو مجھ سے پوچھ کر کیوں میرے زخم پر نمک چھڑکتا ہے یہ اس ہاتھ سے پوچھ جس نے مجھے قابو رکھا ہے۔ ہاتھ سے پوچھا گیا کہ تو نے قلم پر ظلم کیا ہے اس سے خدمت کیوں لیتا ہے ہاتھ نے کہا کہ میں تو گوشت اور ہڈی اور خون کا مجموعہ ہوں تم نے کہیں دیکھا ہے کہ گوشت ظلم کرتا ہو یا کوئی جسم خود بخود حرکت کرتا ہو میں تو ایک سواری ہوں مجھ پر ایک سوار قدرت نامی سوار رہتا ہے مجھے وہی پھراتا اور دوڑاتا ہے تمام زمین پر لئے پھرتا ہے دیکھو درخت اور پتھر کوئی بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلتا اور نہ اپنے آپ حرکت کرتا ہے کیونکہ ان پر کوئی زبردست سوار نہیں مردوں کے ہاتھ میں اور مجھ میں صورت شکل میں کوئی فرق نہیں وہ کیوں قلم کو نہیں پکڑتے۔ لہٰذا مجھے قلم سے کچھ واسطہ نہیں۔ یہ سوال قدرت سے چاہیے میں صرف سواری ہوں سوار ہی مجھے ہلاتا ہے۔ پھر قدرت سے سوال ہوا کہ کیا وجہ ہے کہ تو ہاتھ سے خدمت لیتی ہے اور اسے ادھر ادھر پھراتی ہے اس نے کہا کہ تم مجھے عتاب و ملامت نہ کرو بہت ایسا ہوتا ہے کہ ملامتگر پر خود ملامت عائد ہوتی ہے اور جس کو

ملامت کرتے ہیں اس کا قصور نہیں ہوتا تم کو میرا حال معلوم نہیں کیسے جانا کہ میں نے ہاتھ پر سوار ہونے سے زیادتی کی' میں تو اس پر ہلنے سے پہلے بھی سوار تھی مجھے اس کے ہلانے سے کیا مطلب تھا میں تو خاموش تھی اور ایسے خواب میں تھی کہ لوگ یہ جانتے کہ مردہ ہے یا معدوم ہے یعنی نہ خود متحرک تھی نہ دوسرے کو حرکت دیتی تھی یہاں تک کہ ایک موکل آیا اور اس نے مجھے ہلایا اور زبردستی مجھ سے یہ کام لیا جس پر تم ملامت کرتے ہو مجھے اس کی موافقت کرنی تھی بے تاب مخالفت کہاں اس موکل کا نام ارادہ ہے اس کو اسی نام ہی سے جانتی پہچانتی ہوں اس نے مجھے گہری نیند سے جگا دیا اور بزور مجھ سے وہ کام لیا اگر میری تجویز کوئی پوچھتا تو مجھے گنجائش تھی کہ میں کچھ بھی نہ کرتی پھر ارادہ سے پوچھا گیا کہ تجھے کیا ہوا کہ قدرت پر غلبہ پاکر اسے حرکت دینے میں لگا دیا اور ایسی زبردستی کی کہ اسے تاب مخالفت نہیں ہوئی اور تیری اطاعت کے بغیر کوئی گریز نظر نہ آیا ارادہ نے کہ اکہ جلدی نہ کرو شاید تمہارے عتاب کا عذر میرے پاس موجود ہو یعنی میں خود بخود نہیں اٹھا بلکہ مجھے ایک زبردست کے حکم نے اٹھایا میں اس کے آنے سے پہلے ٹھہرا ہوا تھا مگر بارگاہ حضرت دل سے علم کا قاصد عقل کی زبانی میرے پاس آیا اور یہ پیام سنایا کہ قدرت کو اٹھا دے۔ میں نے قدرت کو حرکت دی اس لئے کہ میں تابع علم و عقل ہوں مجھے خبر نہیں کہ مجھے ان کی خدمت گزاری کا کیوں حکم ہوا اور کس لئے میں ان کی اطاعت کے لئے مجبور ہوں اتنا جانتا ہوں کہ جب تک یہ ایلچی نہیں آتا تب تک چین سے رہتا ہوں یہی میرا حاکم ہے اسی کی اطاعت مجھ پر واجب و لازم ہے بلکہ جب یہ حکم قطعی کرتا ہے تو مجھے تاب مخالفت نہیں رہتی اپنی جان کی قسم ہے کہ جب تک وہ خود اپنے جی میں متردد اور حکم میں متحیر رہتا ہے تو میں خاموش رہتا ہوں مگر چوکنا اور حکم کا منتظر رہتا ہوں اور جب حکم اس کا یقینی ہوتا ہے تو میں اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کیلئے مجبور ہو جاتا ہوں اور قدرت کو تعمیل مقتضائے حکم کیلئے اٹھا دیتا ہوں اب تم اپنا سوال اور عتاب مجھ سے الگ رکھو علم سے میرا حال پوچھو محکوم کو بجز اطاعت اور کیا چارہ پھر سالک نے علم و عقل اور دل سے جاکر مطالبہ کیا کہ تم نے پھر ارادہ کو قدرت کے اٹھانے کیلئے کیوں حکم کیا اور اس سے خدمت کیوں لی۔ عقل نے جواب دیا کہ میں تو ایک چراغ ہوں روشنی نہیں ہوں اسے کسی اور نے روشن کیا ہے اور دل نے کہا کہ میں ایک تختی ہوں خود نہیں پھیلی کسی نے پھیلایا ہے اور علم نے کہا کہ میں ایک نقش ہوں جو تختی دل کی سفیدی پر چراغ عقل کے روشن ہونے کے بعد منقوش ہو جاتا ہوں اور میں خود منقوش نہیں ہوا بہت دنوں یہ تختی مجھ سے خالی تھی تو جس قلم نے مجھ کو نقش کیا اس سے پوچھو کیونکہ نقش قلم کے بغیر نہیں اس وقت سائل عاجز ہو کر جواب پر قانع نہ ہوا اور کہنے لگا کہ اس راہ میں میں بہت پھرا اور بہت سی منزلیں طے کیں اور جس سے مجھے توقع ہوئی کہ یہ بتا دے گا وہ دوسرے ہی پر حوالہ کرتا گیا مگر میں خوش ہوتا تھا اس لئے کہ ہر کوئی ایک جواب معقول دل پسند تو دیتا تھا اور دفع سوال میں ایک عذر ظاہر بیان کرتا تھا مگر تو جو کہتا ہے

دوسری امثال:۔ علم کہتا ہے کہ میں خط اور نقش ہوں مجھے قلم نے لکھا ہے یہ بات میں نہیں سمجھتا اس لئے کہ میں قلم صرف نے وغیرہ کا جانتا ہوں اور تختی بھی لوہے ہے اور نقش سیاہی و سرخی وغیرہ کا معلوم ہے چراغ آگ سے

روشن دیکھا ہے مگر اب جو ذکر تختی اور چراغ اور خط' قلم کا ہے۔ ان میں سے کوئی چیز نہیں دیکھتا عجیب بات ہے کہ آواز سنتا ہوں اور چکی نہیں دیکھتا۔ علم نے کہا کہ تم جو کہتے ہو ٹھیک ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ تمہارے پاس مایہ اور زاد کم ہے اور سوار کمزور اور جس راہ کے طے کرنے کا ارادہ رکھتے ہو اس میں جہالک اور خطرناک راستے بہت ہیں بہتر یہ ہے کہ اب اس خیال سے درگزر کرو تم اس میدان کے مرد نہیں ہو۔

راہ سلوک کے گر:- اس راستہ کے تین عالم ہیں۔

(1) عالم ملک و شہادت جس میں چیزیں کاغذ اور قلم اور روشنائی' ہاتھ وغیرہ تھے ان کو تم بتفصیل پڑھ چکے۔

(2) عالم ملکوت وہ اس کے بعد ہے جب تم آگے چلو گے تو اس عالم کی منزلوں میں جا پہنچو گے اسی عالم میں جنگل وسیع اور بڑے بڑے دریا اور اونچے اونچے پہاڑ ہیں مجھے نہیں معلوم کہ تم ان میں سے کیسے بچو گے۔

(3) عالم جبروت ہے وہ ملک اور ملکوت کے درمیان میں ہے اس میں سے تم تین منزلیں طے کر چکے ہو اس لئے کہ اس کے شروع میں منزل قدرت اور ارادہ اور علم ہے اور یہ عالم ملک اور ملکوت میں واسطہ ہے یعنی عالم ملک کا راستہ بہ نسبت اس کے آسان ہے اور عالم ملکوت کا راستہ اس کی بہ نسبت نہایت سخت اور دشوار گزار ہے اس عالم کو ان دونوں عالم کے درمیان ایسا جاننا چاہئے جیسے کشتی کی چال زمین اور پانی کے درمیان ہے یعنی نہ تو وہ پانی کی طرح مضطرب ہوتی ہے نہ ساکن زمین کی طرح ساکن جو شخص زمین پر چلتا ہے وہ عالم ملک اور شہادت میں چلتا ہے اگر اس کی قوت زیادہ ہو اور کشتی پر سوار ہو سکے تو ایسا ہو گا کہ گویا عالم جبروت میں سیر کرتا ہے اور اگر اس سے بھی زیادہ قوی ہو اور پانی پر کسی کے بغیر چلنے لگے تو بلا تردد وہ عالم ملکوت میں سیر کرے گا اگر تم پانی پر بغیر کشتی نہیں چل سکتے تو واپس ہو جاؤ کہ زمین سے تجاوز کر چکے کشتی کو پیچھے چھوڑا اب تو صرف پانی ہی رہ گیا ہے۔

آغاز عالم ملکوت:- اس کا آغاز یہ ہے کہ جس قلم سے کہ دل کی تختی پر علم لکھا جاتا ہے وہ نظر آجائے اور جس یقین سے کہ پانی پر چل سکتے ہیں وہ حاصل ہو جائے تم نے یہ حدیث حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حال میں نہیں سنی کہ جب آپ کے سامنے مذکور ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پانی پر چلتے تھے تو آپ نے فرمایا (لوازداد یقینا لشی علی اھواء) ترجمہ:- اگر ان کو یقین اور زیادہ ہوتا تو ہوا پر چلتے۔ سالک نے کہا کہ میں اپنے معاملے میں حیران ہوں اور تو نے جو راستے کا خوف بتایا اس سے میرا دل گھبراتا ہے مجھے معلوم نہیں کہ جو جنگل تو نے بتائے ہیں مجھ میں ان کے قطع کی طاقت ہے یا نہ اس کی پہچان بھی ہے یا نہ' علم نے کہا کہ اس کی علامت یہ ہے کہ تم خوب غور کر کے میری طرف دیکھو اگر تم کو وہ قلم جس سے میں دل پر منقوش کرتا ہوں نظر آئے پھر تم اس راہ کے اہل ہو گے کیونکہ جو شخص عالم جبروت سے بڑھ کر ملکوت کے دروازے پر دستک دیتا ہے اس کو وہ قلم نظر آنے لگتا ہے۔ حضور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ابتدائے نبوت میں وہ قلم معلوم ہوا تھا جبکہ یہ آیت مبارکہ اتری۔

(اقراء وربک الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم) (العلق 5 تا 3) ترجمہ کنزالایمان :- پڑھو اور تمہارا رب ہی سب سے بڑا کریم جس نے قلم سے لکھنا سکھایا آدمی کو سکھایا جو نہ جانتا تھا۔

سالک نے کہا کہ میں نے اپنی آنکھ کھولی اور خوب غور کیا مگر مجھ کو تو نہ قلم نظر آتا ہے نہ لکڑی اور میں نے تو قلم انہیں چیزوں کے دیکھے ہیں۔ علم نے کہا کہ تم کیسی بات کہتے ہو تم نے نہیں سنا کہ گھر کا سامان مثل مالک مکان کے ہوا کرتا ہے تمہیں معلوم نہیں کہ اس کی ذات کسی ذات سے مشابہ نہیں نہ اس کا ہاتھ اور ہاتھوں جیسا ہے نہ قلم اس کا اور قلموں کی صورت میں نہ اس کا خط اور خطوں کی طرح نہ اس کا کلام دیگر کلاموں کے موافق ہے یہ امورالہی اور عالم ملکوت سے ہیں جس طرح کہ اور اجسام مکان میں ہوتے ہیں خداتعالٰی نہ کسی مکان میں ہے نہ اس کا ہاتھ مرکب از گوشت اور ہڈی اور خون جیسے دوسرے ہاتھ ہوتے ہیں نہ قلم اس کا نے کا نہ تختی لکڑی کی نہ کلام حروف و آواز کا نہ کتابت نقش و نگار کی نہ روشنائی ھنکری اور مازو وغیرہ کی اگر تم کو یہ باتیں نہیں سمجھ آتیں تو ہماری دانست میں تم مخنث ہو یعنی جو لوگ خداتعالٰی کو پاک سمجھتے ہیں وہ تو مرد ہیں اور جو اس کو اور اجسام سے تشبیہ دیتے ہیں وہ مونث ہیں اور تم ان دونوں کے درمیان نہیں مخنث ہو نہ بھلا بتاؤ تم نے خداتعالٰی کی ذات و صفات کو اجسام سے کیسے منزہ سمجھا اور اس کے کلام پاک کو معانی حروف و آوازوں سے کس طرح پاک جانا کہ اب اس کے ہاتھ اور قلم، تختی، کتابت پر توقف کرتے ہو اور ان کو نہیں سمجھتے ہو۔

ا۔ اس دور میں سیاہی ان چیزوں سے تیار ہوتی تھی (اویسی غفرلہ)

حدیث نبوی :- حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا

(ان اللّٰہ خلق آدم علی صورۃ) ترجمہ :- اللہ تبارک و تعالٰی عزوجل نے بنایا حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر ضمیر حرف اللہ کی طرف لوٹتی ہے۔ اب مطلب صاف ہے تفصیل دیکھئے (فقیر کا رسالہ) اسوء التعزیر فی تصویر التصویر 12 اویسی غفرلہ)

جیسے صورت ظاہری حضرت آدم علیہ السلام کی آنکھ مبارک سے محسوس ہوتی تھی۔ خداتعالٰی اسی صورت میں ہے تو تمہاری تشبیہ دینے میں مشبہ کیا ہے۔

مثال :- جیسے کہتے ہیں کہ صرف یہودی ہو جاؤ ورنہ توریت سے مت کھیلو یعنی توریت سے کھیلنا خالص یہودی ہونے کی دلیل ہے اسی طرح جو شخص خداتعالٰی کو اجسام ظاہری جیسا جانے وہ بھی خالص مشبہ (تشبیہ دینے والا) ہے اگر تم اس حدیث سے صورت باطنی (جو چشم باطن سے معلوم ہوتی) سے سمجھتے ہو تو بے شک تم خداتعالٰی کو پاک سمجھتے ہو اس کی تنزیہ اور پاکی کے مرد میدان ہو اب یہ منزل طے کرو کہ تم طوی کی وادی مقدس میں ہو اور سر قلبی سے سنو کہ کیا حکم ہوتا ہے شاید اس بات سے تم کو تجلی گاہ ملے اور ممکن ہے کہ عجب عرش سے تم کو بھی وہی آواز پہنچے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہنچی تھی۔

(انی انا ربک فاخلع نعلیک) (طہٰ 12) ترجمہ کنزالایمان :- بے شک میں تیرا رب ہوں تو تو اپنے جوتے اتار ڈال۔

فائدہ :- جب سالک نے علم کی تقریر سنی اپنے قصور سے واقف ہوا اور معلوم کیا کہ واقعی میں تشبیہ اور تنزیہ کے درمیان میں مخنث ہوں اور اس کا دل نفس کو عین نقصان میں دیکھ کر غصہ سے جل گیا اور چونکہ اس کے دل کا تیل ایسا تھا کہ اس کو دوبارہ دیکھے بغیر آگ کے قریب جلنے کے تھا جب علم کی شعاع اس کو پہنچی وہ تیل روشن ہو گیا اور نور علیٰ نور بن گیا۔ علم نے اسے کہا کہ لو اب موقع غنیمت جانو اور اپنی آنکھ کھولو شاید تجلی کی راہ ملے۔ سالک نے آنکھ کھولی تو اس کو وہ قلم الٰہی محسوس ہونے لگا دیکھا تو جیسے علم نے بتایا تھا ویسے ہی تھا وہ نہ وہ لکڑی کا ہے نہ اس کی نوک ہے نہ منہ وہ سب آدمیوں کے دلوں پر قسم و قسم کے علوم لکھتا ہے اور اس کی ایک نوک ہر ایک دل پر ہے حالانکہ اس کی کوئی نوک نہیں' سالک کو اس سے بڑا تعجب ہوا اور کہا کہ علم بہتر رفیق ہے اللہ تعالیٰ اس کو میری طرف سے جزائے خیر دے کہ جو کچھ اوصاف اس نے قلم کے بتائے تھے وہ سب مجھ پر ظاہر ہو گئے۔ واقع میں یہ قلم اور قلموں کی طرح کا نہیں پھر سالک علم کا شکرگزار ہو کر واپس ہوا اور کہا کہ میں تیرے پاس بہت ٹھہرا اور بہت کچھ پوچھا اب میرا ارادہ ہے کہ قلم کی خدمت میں جا کر اس کا حال دریافت کروں۔

سالک و قلم کا مکالمہ :- قلم سے سالک نے پوچھا کہ تیرا کیا حال ہے کہ تو ہمیشہ لوگوں کے دلوں پر ایسے علم لکھتا ہے جن سے ارادہ قدرت کو اٹھا دیتا ہے اور افعال اختیار سرزد ہونے لگتے ہیں قلم نے کہا کہ تم نے عالم ملک و شہادت میں جو کچھ دیکھا تھا اور وہاں کے قلم کا جواب سنا تھا وہ تم بھول گئے یعنی جب تم نے اس قلم سے پوچھا تھا تو اس نے ہاتھ کے حوالہ کر دیا تھا اس نے کہا کہ میں بھولا نہیں قلم نے کہا کہ تو وہی میرا جواب ہے جو اس ظاہری قلم کا تھا اس نے کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے تو اس کی صورت کا نہیں قلم نے کہا کہ تم نے نہیں سنا کہ

(ان اللہ تعالٰی خلق آدم علی صورتہ)

ترجمہ :- اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر بنایا۔ سالک نے کہا کہ سنا ہے قلم نے کہا کہ میرا حال بادشاہ کے دائیں ہاتھ سے پوچھو کہ میں اسی کے قبضے میں ہوں وہی مجھے چلاتا ہے میں اس کے قابو میں ہوں یعنی قلم الٰہی اور قلم آدمی میں تسخیر کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں اگر فرق ہے تو ظاہر صورت کا ہے سالک نے پوچھا کہ بادشاہ کا داہنا ہاتھ کیا ہے قلم نے کہا کہ جس کا ذکر اس آیت مبارکہ میں ہے۔

(والسموات مطویات بیمینہ) (الزمر 67) ترجمہ کنزالایمان :- اور اس کی قدرت سے سب آسمان لپیٹ دیئے جائیں گے۔

سالک اور دائیں ہاتھ کی گفتگو :- سالک قلم سے فارغ ہو کر دائیں ہاتھ کے پاس پہنچا اس نے اسے قلم سے بھی زیادہ عجیب دیکھا کہ کسی سے اس کا وصف بیان نہیں ہو سکتا بلکہ ہزارہا دفتر میں اس کی شرح و وصف کا دسواں حصہ بھی نہیں لکھا جا سکتا خلاصہ یہ کہ داہنا ہاتھ نہ اور ہاتھوں کی طرح ہے اور نہ وہ بازو ہے اور بازوؤں کی طرح کا اور اس

کی انگلیاں ہیں لیکن انگلیوں کی طرح اس ہاتھ میں قلم کو حرکت کرتے ہوئے دیکھ کر معلوم کیا کہ قلم کا عذر درست ہے اب داہنے ہاتھ سے اس کا حال پوچھا کہ قلم کو حرکت کیوں دیتے ہو اس نے جواب دیا کہ میرا وہی جواب ہے جو عالم شہادت کے ہاتھ نے دیا تھا یعنی حوالہ قدرت پر کیا کیونکہ ہاتھ کو خود بخود حرکت نہیں اس کی محرک قدرت ہوتی ہے۔

سالک قدرت کا مکالمہ :۔ سالک قدرت کی بارگاہ میں گیا اس کے ایسے عجائب دیکھے جن کے سامنے دنیا بلکہ پہلے سب عجائب دنگ تھے قدرت سے ماجرا پوچھا اس نے جواب دیا کہ میں صرف ایک صفت ہوں خود قادر سے پوچھ یہ راز بتانا موصوف کا کام ہے نہ کہ صفت کا اس وقت قریب تھا کہ سالک کو لغزش ہوجاتی اور زبان سوال کھولتا مگر اس کو استقلال عطا ہوا اور عظمت بارگاہ قادر مطلق سے آواز آئی کہ

(لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون) (الانبیاء 23) ترجمہ کنزالایمان :۔ اس سے نہیں پوچھا جاتا جو وہ کرے اور ان سب سے سوال ہوگا۔

اس امر کو سن کر سالک پر ہیبت چھا گئی اور بے ہوش ہوگیا اور اسی بے ہوشی میں دیر تک تڑپتا رہا جب ہوش آتی تو کہتا کہ الٰہی تو پاک ہے تیری شان بڑی ہے میں نے توبہ کی اور تجھ پر بھروسہ ہے اور ایمان لایا کہ تو بادشاہ بے مثال یکتا پروردگار ہے میں تیرے سوا کسی سے نہ ڈروں گا نہ دوسرے سے توقع کروں گا اور عذاب سے پناہ نہ مانگوں گا مگر تیری عفو سے اور تیری اب مجھے کوئی کام نہیں بجز اس کے کہ تیرے سامنے گڑگڑا کر سوال کروں کہ میرا سینہ کھول دے تاکہ میں تجھے پہچان لوں اور میری زبان کی گرہ دور کردے تاکہ میں تیری تعریف کروں اسی حجاب سے خطاب ہوا کہ خبردار ثناء کی طمع نہ کر اور سرور کائنات امام الانبیاء علیہم السلام آگے بڑھ کر قدم نہ رکھ انہیں کے پاس حاضر ہو جو تجھے وہ عطا فرمائیں وہ لے لے اور جس سے روکیں اس سے باز رہ اور جو کچھ انہوں نے کہا اس پر عمل کر

گفتہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم :۔ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

(سبحانک لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک)

ترجمہ :۔ پاک ہے تو میں کامل نہیں کرسکتا تیری تعریف تو ایسا ہے جیسے تو خود اپنی ذات کی تعریف کرے۔ سالک نے عرض کیا کہ الٰہی اگر زبان کو طاقت تیری ثناء کی نہیں تو کم ازکم یہ تو معلوم ہوجائے کہ کیا دل کو تیری معرفت کی توقع ہو یا نہ آواز آئی کہ کیا تو صدیقوں سے آگے بڑھنا چاہتا ہے خبردار ہوش سنبھال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حال دیکھ اور ان کی پیروی کر اس لئے کہ سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ ستاروں کی مثل ہیں جن کی تو اقتدا کرے گا۔ تجھے راستہ ملے گا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں۔

(العجز عن درک الادراک) اس کے ادراک سے ادراک عاجز ہے۔

خلاصہ :۔ ہماری درگاہ سے تیرا حصہ وافر ہے لیکن تو یہ جان لے کہ میں اس دربار سے محروم نہیں لیکن جلال و جمال

کی تجلیات سے تو عاجز ہے۔

بارگاہ لایزال سے واپسی:۔ اس کے بعد سالک لوٹا' اپنے سوال' عتاب کا عذر ہاتھ اور قلم اور ارادہ اور قدرت اور بعد کی چیزوں سے معذرت کی جس نے ان مکالمات کا حال پوچھا تو کہا کہ مجھ کو معذور رکھو اس لئے کہ میں اجنبی تھا اور ان ملکوں میں نیا آیا تھا اور جو اجنبی یہاں چلا آیا ہے اسے دہشت ہوتی ہے میرا انکار تم پر صرف قصور اور جہالت سے تھا اب مجھے تمہارا عذر معلوم ہوگیا۔

فائدہ:۔ ثابت ہوا کہ ملک اور ملکوت اور عزت و جبروت میں یگانہ۔

ذات اور حکم کے لحاظ سے وہ خدا تعالیٰ واحد وقہار ہے تم لوگ اس کے قبضہ میں مسخر اور متحرک ہو' وہی اول ہے وہی آخر ہے وہی باطن ہے اور وہی ظاہر جب سالک نے یہ بات عالم ظاہری بیان کی تو لوگوں نے تعجب کیا اور اس سے پوچھا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہی اول ہو وہی آخر ہو یہ دونوں وصف تو ایک دوسرے کی ضد ہیں اسی طرح ظاہر اور باطن سے ہوگا اس لئے کہ جو اول ہوگا وہ آخر نہ ہوگا اور جو چیز ظاہر ہے وہ باطن نہ ہوگی سالک نے کہا کہ وہ ذات اول موجودات ہے سب چیزیں مرتب ایک دوسرے کے بعد اسی سے صادر ہوئی ہیں اور آخر چلنے والوں کی سیر کے لحاظ سے ہے کہ وہ ہمیشہ ایک منزل سے دوسری منزل تک ترقی کرتے جاتے ہیں یہاں تک کہ انتہا اس درگاہ عالی پناہ پر ہوتی ہے اور اس کے بعد کوئی سفر باقی نہیں رہتا۔ سفر کا آخر وہی ہے پس وہ وجود میں اول اور مشاہدہ میں آخر ہے اسی طرح وہ ان لوگوں کی بہ نسبت جو عالم شہادت میں اس کے طالب حواس خمسہ سے ہیں باطن ہے اور جو لوگ اس کو اپنے دل کے چراغ روشن میں باطن کی بصیرت سے جو عالم ملکوت تک پہنچی ہوئی ہے طلب کرتے ہیں ان کی بہ نسبت ظاہر ہے پس توحید فعلی سالکین کی اس طرح تھی یعنی جن لوگوں پر کھل گیا تھا کہ فاعل ایک ہی ہے ان کا طریق توحید اس طرح تھا۔

سوال:۔ یہ توحید اس درجے کو پہنچی کہ عالم ملکوت پر ایمان لانے پر اس کی بنا ہے تو اگر کوئی شخص عالم ملکوت کو نہ سمجھے یا انکار کرے تو اس کا طریقہ کیا ہے۔

جواب:۔ منکر کا تو کوئی علاج نہیں بجز اس کے کہ اس سے کہا جائے کہ تیرا ملکوت سے انکار کرنا ایسے ہے جیسے فرقہ سمینہ عالم جبروت کا منکر ہے کہ وہ عالم کو منحصر پانچوں حواس میں کرتے ہیں اور قدرت' ارادہ اور علم کے منکر ہیں اس لئے کہ وہ حواس خمسہ سے محسوس نہیں ہوتے یعنی انہوں نے صرف عالم شہادت ہی کو لے لیا ہے اسی کی چیزوں کو جانتے ہیں اس کے ماسوا کو نہیں جانتے اگر منکر مذکور کہے کہ میں بھی انہیں میں سے ہوں یعنی عالم شہادت کے سوا اور کسی چیز کو نہیں جانتا یہی حواس خمسہ سے معلوم ہوتا ہے تو اس سے یہ کہنا چاہئے کہ تو جو بلوراء حواس کی چیزوں کا انکار کرتا ہے اور ہم نے ان کا مشاہدہ کرلیا ہے تو تیرا انکار ایسے ہے جیسے فرقہ سوفسطائی حواس خمسہ کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو کچھ ان سے محسوس ہوتا ہے قابل اعتبار نہیں شاید ہم خواب ہی میں دیکھتے پھر اگر وہ کہے کہ میں بھی

سوفسطائی ہوں مجھے بھی محسوسات میں شک ہے تو یہ کہنا چاہئے کہ اس شخص کا مزاج بگڑ گیا اور اس کا علاج غیر ممکن اور اس کو چند روز چھوڑ دینا چاہئے اس لئے کہ ڈاکٹر ہر ایک مریض کا تو علاج کر نہیں سکتا بلکہ جس مریض کا مرض علاج پذیر ہو۔ اس کا علاج کرتا ہے۔ (فائدہ) یہ حال تو منکر کا ہوا لیکن اگر کوئی منکر تو نہ ہو بلکہ سمجھتا نہ ہو تو صوفیہ کرام نے اس کی تدبیر یہ نکالی ہے کہ اس کی وہ آنکھ جس سے عالم ملکوت نظر آتا ہے دیکھتے ہی اگر اس کو درست پاتے ہیں اور اس میں پانی اترا ہوتا ہے جو دور کرنے اور صاف کرنے کے قابل ہو تو وہ اس کی صفات کو دور کرنے میں مشغول ہوجاتے ہیں جیسے کہ ظاہر آنکھوں میں کیا کرتے ہیں پھر جب اس کی بینائی ٹھیک ہوجاتی ہے تو اسے راستہ بتا دیا جاتا ہے تاکہ اس پر چلا جاسکے۔ چنانچہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی اپنے خاص صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں یہی تدبیر استعمال فرمائی اگر علاج کے قابل نہ ہوا تو جو طریقہ ہم نے توحید کے باب میں لکھا ہے اس پر چلنا اس سے ممکن نہیں اور نہ یہ ہوسکتا ہے کہ ذرات ملک و ملکوت کا کلام شہادت توحید پر سنا جائے تو ایسے شخص کو حروف و آواز سے سمجھانا چاہئے اور ایسی تقریر توحید کی کرنی چاہئے جو اس کی فہم کے موافق ہو اس لئے کہ عالم شہادت میں بھی توحید موجود ہے مثلاً ہر شخص جانتا ہے کہ شرکت کی ہنڈیا چوراہے میں پھوٹتی ہے تو اس سے اسی کی عقل کے مناسب تقریر کرنی چاہئے کہ عالم کا معبود اور مدبر ایک ہے اس لئے کہ اگر خدا تعالیٰ کے سوا زیادہ معبود زمین و آسمان میں ہوتے تو زمین و آسمان فاسد ہوجاتے۔ چونکہ یہ تقریر اس شخص کے تجربہ اور مشاہدہ شہادت کے مناسب ہوگی اسی لئے اس کے دل میں توحید کا اعتقاد جم جائے گا اور اللہ تعالیٰ نے بھی انبیاء علیہم السلام کو یہی حکم فرمایا کہ لوگوں سے ان کی فہم کے مطابق گفتگو کرو اسی وجہ سے قرآن شریف بھی زبان عربی میں عرب کے محاورات (جس کے وہ عادی تھے) میں نازل ہوا۔

توحید اعتقادی:۔ یہ توکل کی بنا اور اصل ہونے کی لیاقت رکھتی ہے یا نہ اس کا جواب یہ ہے کہ ہوسکتی ہے اس لئے کہ اعتقاد جب قوی ہوتا ہے تو احوال کے برانگیختہ کرنے میں کشف کا کام کرتا ہے لیکن چونکہ اکثر اعتقاد ضعیف ہی ہوتے ہیں اور ان پر تزلزل غالب ہے اسی لئے توحید اعتقادی والا ایک متکلم کا محتاج ہے جو اپنی تقریر سے اس کو بچائے رکھے یا خود علم کلام سیکھے جس کی وجہ سے جو توحید ماں باپ یا استاد وغیرہ سے سیکھی ہے وہ محفوظ رہے مگر جو شخص کہ راستہ دیکھ کر خود چلے گا اسے کچھ خوف تزلزل وغیرہ کا نہیں بلکہ اگر پردہ اٹھا لیا جائے تو اس کا یقین بدستور رہے کچھ اضافہ نہ ہوگا گو وضاحت زیادہ ہوجائے جیسے کوئی شخص کسی آدمی کو صبح کے وقت دیکھے اور پھر آفتاب کے نکلنے پر نہ دیکھے تو دوبارہ دیکھنے سے اس کے آدمی ہونے کا زیادہ یقین نہ ہوگا صرف اتنا فرق ہوگا کہ پہلی بار اس کے خدوخال کی تفصیل معلوم نہ تھی وہ دوبارہ خوب معلوم ہوجائے گی اسی طرح اہل مکاشفہ کی توحید کے یقین کو سمجھنا چاہئے کہ انہیں پہلے سے ایسا یقین ہوتا ہے جسے کچھ تزلزل نہ ہو۔

مثال:۔ اہل کشف کی مثال ایسی ہے جیسے فرعون کے جادوگر تھے کہ پہلے سے چونکہ انتہائے تاثیر سحر کو طول مشاہدہ

اور تجربہ کی وجہ سے جانتے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایسی بات دیکھی جو حد سحر سے بڑھ کر تھی اور امر حق ان پر کھل گیا تو اس بات کی پروانہ کی کہ فرعون مردود نے یہ وعید سنائی ہے۔

فلا قطعن ایدیکم وارجلکم من خلاف ولا صلبنکم فی جنوع النخل (طٰہٰ 71) ترجمہ کنزالایمان :- تو مجھے قسم ہے ضرور میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا اور تمہیں کھجور کے ڈھنڈ پر سولی چڑھوں گا۔

بلکہ یہ کہا کہ (لن نوثرک علی ما جاء نا من البینات والذی فطرنا فقص ماانت قاض انما تقضی ھذہ الحیوۃ الدنیا) (طٰہٰ 71) ترجمہ کنزالایمان :- ہم ہرگز تجھے ترجیح نہ دیں گے ان روشن دلیلوں پر جو ہمارے پاس آئیں ہمیں اپنے پیدا کرنے والے کی قسم تو تو کر چک جو تجھے کرنا ہے تو اس دنیا ہی زندگی میں تو کرے گا۔

فائدہ :- کشف و ظاہر ہوجانے کے بعد جو بات ہوتی ہے اس میں تغیر نہیں ہوتا اسی طرح اہل کشف کی توحید میں کسی طرح کا تزلزل نہیں ہوتا اور توحید اعتقادی کا حال ایسے ہے جیسے سامری کے ساتھ والوں کا تھا کہ ان کا ایمان جونکہ ظاہر کے سانپ دیکھنے پر تھا تو جب سامری کا بچھڑا دیکھا اور اس کی آواز سنی تو گمراہ ہوگئے اور سامری کا یہ قول مان گئے اس نے کہا

(ھذا الھکم والہ موسیٰ فنسی) (طٰہٰ 88) ترجمہ کنزالایمان :- یہ یہ تمہار معبود اور موسیٰ کا معبود تو بھول گئے۔

اور اس بات کا خیال نہ کیا کہ یہ بچھڑا نہ بات کا جواب دیتا ہے نہ کچھ فائدہ اور نقصان پہنچاتا ہے۔

فائدہ :- جو شخص سانپوں کے دیکھنے پر اعتقاد رکھتا ہوگا جب بچھڑے کو دیکھے گا تو لازماً گمراہ ہوجائے گا اس لئے کہ دونوں چیزیں عالم شہادت سے ہیں اور اختلاف اور تغیر عالم شہادت میں بہت زیادہ ہے اور چونکہ از عالم ملکوت خداتعالیٰ کی جانب سے ہے تو اسی لئے اس میں بھی خلاف اور تغیر ہرگز نہیں ہوتا۔

سوال :- جو کچھ توحید کا حال تم نے لکھا ہے وہ اس صورت میں ہے جہاں یہ ثابت ہو کہ وسائل اور اسباب سب مسخر ہیں اور یہ جگہ تو ظاہر ہے مگر انسان کی حرکت میں نہیں اس لئے کہ انسان جب چاہتا ہے حرکت کرتا ہے اور جس وقت چاہتا ہے ٹھہر جاتا ہے تو یہ مسخر کیسے ہوا۔

جواب :- اگر یوں ہوتا کہ اگر انسان ارادہ اپنے چاہنے کا کرے تو چاہتا ہے اور اگر خواہش ارادہ نہ کرے تو نہیں چاہتا تب تو پھسلنے کی جگہ اور غلطی کا موقع تھا مگر اب تو تم کو معلوم ہوچکا کہ انسان فعل جب کرتا ہے جب چاہتا ہے لیکن یہ نہیں ہے کہ چاہنا اس کے اختیار میں ہو کہ چاہے تو چاہے اور چاہے نہ چاہے اس لئے کہ اگر خواہش انسان کے اختیار میں ہوتو دوسری مشیت پر موقوف ہوگی اور وہ تیسری پر اسی طرح غیر متناہی سلسلہ ہوجائے گا اور جب مشیت اختیاری نہ ہوئی تو جب کبھی اس کی وہ خواہش جو قدرت کو مقدور چیز کی طرف پھیرتی ہے موجود ہوگی تو قدرت لامحالہ اسی کام میں مصروف ہوگی اور اس کو تاب مخالفت نہ ہوگی۔

فائدہ:- خلاصہ یہ کہ اتنی باتیں ضروری ہیں قدرت کے ہوتے ہوئے حرکت ضرور ہوگی۔ مشیت کے پختہ ہوتے پر قدرت ضرور محرک ہوگی اور مشیت دل میں بے اختیار پیدا ہونا بھی ضروری ہے یہ سب امور اسی ترتیب سے ضروری ہیں بندے کو یہ اختیار نہیں کہ مشیت کو روک سکے نہ یہ اختیار ہے کہ بعد مشیت کے قدرت کو مقدور چیز کی طرف نہ پھرنے دے نہ یہ کہ برانگیختہ کرنے مشیت کے بعد قدرت کو حرکت نہ ہونے دے۔

فائدہ:- غرضیکہ تمام امور میں بندہ مجبور ہے۔

سوال:- اس تقریر سے تو جبر محض ثابت ہوتا ہے جو اختیار کے خلاف ہے اور ہم اہلسنت اختیار کے قائل ہیں پس جب آدمی ہر طرح سے مجبور ہوا تو مختار کیسے ہوگا۔

جواب:- اگر حقیقت حال واضح کردی جائے تو معلوم ہو کہ انسان عین اختیار میں مجبور ہے مگر جو اختیار کو نہیں سمجھتا وہ کیسے سمجھے گا کہ انسان کو اختیار میں مجبوری ہے تو پہلے ہم اختیار کا بیان متکلمین کے طریقہ پر مختصراً عرض کرتے ہیں جو اس مقام کے شایان شان ہے ورنہ اس کتاب میں ہماری غرض علم معاملہ کے سوا اور کچھ نہیں۔

اختیار انسان کی بحث:- لفظ فعل انسان میں تین طرح بولا جاتا ہے۔ مثلاً کہتے ہیں کہ انسان انگلیوں سے لکھتا ہے اور گلے سے سانس لیتا ہے اور جب پانی پر کھڑا ہوتا ہے تو اسے اپنے جسم سے چیرتا ہے ان تینوں جملوں میں فعل پانی کے چیرنے اور سانس لینے اور لکھنے کا فعل انسان کی ہی طرف منسوب ہوتا ہے اور یہ تینوں فعل اضطرار اور جبر میں یکساں ہیں اور مگر اس کے سوا اور باتوں میں جدا جدا ہیں جن کا حال ہم تین عبارتوں میں لکھتے ہیں۔ (1) پانی کے چیرنے کا نام فعل طبعی رکھتے ہیں (2) سانس لینے کو فعل ارادی کہتے ہیں۔ (3) کتابت کو فعل اختیاری کہا کرتے ہیں اب ہر ایک کا حال سنئے۔

(1) فعل طبعی میں جبر ظاہر ہے اس لئے کہ جب انسان پانی کی سطح پر کھڑا ہوگا یا ہوا میں چلے گا تو پانی اور ہوا دونوں چر جائیں گے کیونکہ چلنے کے بعد چرنا ضرور ہے اور سانس لینا بھی ایسا ہی ہے اس لئے کہ گلے کی حرکت کو سانس لینے کے ارادے کی طرف وہی نسبت ہے جو پانی کے پھٹنے کو ہے بدن کے بوجھ کی طرف پس جب ثقل موجود ہوگا تو اس کے بعد چرنا پایا جائے گا جیسے سانس لینے کے ارادے کے ہوئے سانس موجود ہوتا ہے مگر ثقل کا ہونا آدمی کے اختیار میں نہیں۔

(2) اسی طرح ارادہ فعل ارادی بھی انسان کے بس میں نہیں اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ جب سوئی لے کر کسی آنکھ کی طرف کو کرو تو پلکیں بے اختیار بند ہوجاتی ہیں اگر وہ شخص چاہے کہ کھلی رکھے نہیں رکھ سکے گا باوجودیکہ پلکوں کا بند کرنا فعل ارادی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ادراک کے سامنے سوئی کی صورت بندھ جاتی ہے تو ارادہ بند کرنے پلکوں کا ضروری طور پر پیدا ہوجاتا ہے اور اسی ارادہ سے حرکت پیدا ہوتی ہے اگر اس حرکت کو روکنا چاہے گا تو نہ

ہو سکے گا اگرچہ یہ فعل قدرت و ارادہ سے ہے۔

فائدہ :- معلوم ہوا ہے کہ اس طرح کے افعال بھی ضروری ہونے میں فعل طبعی میں داخل ہیں۔

(3) فعل اختیار محل شبہہ میں ہے یعنی کتابت و کلام وغیرہ کو فعل کہہ سکتے ہیں کہ اگر چاہے کرے اور چاہے نہ کرے اور کبھی ان کی خواہش کرتا ہے کبھی نہیں کرتا' اسی سے گمان ہوتا ہے کہ ان کا امر انسان کی طرف سپرد کیا گیا ہے اور وہ اس گمان کی وجہ اختیار کے معنی سے ناواقفیت ہے اسی لئے ہم اسے واضح کئے دیتے ہیں وہ یہ کہ ارادہ تابع اس علم کے ہوتا ہے جو یہ حکم کرتا ہے کہ چیز آدمی کے موافق ہے اور اس اعتبار سے اشیاء کی دو قسمیں ہیں بعض ایسی ہیں کہ آدمی کا مشاہدہ ظاہر یا باطن' حیرت و تردد کے بغیر کہہ دیتا ہے کہ یہ تیرے موافق ہیں کہ عقل ان میں متردد ہوتی ہے۔

مثلاً اگر کوئی تمہاری آنکھ میں سوئی مارنا چاہے یا تلوار لیکر تمہاری طرف چلے تو تم کو اس کا علم ہوگا کہ اس بلا کا ٹالنا میرے حق میں بہتر اور موافق ہے اس میں کوئی تردد نہ کرو گے اور فوراً اس کے سبب سے ارادہ پیدا ہوگا اور اس کے وجہ سے قدرت متحرک ہوگی اور سوئی کے دفع کرنے کے لئے پلکیں جھپک جائیں گی اور تلوار کے روکنے کیلئے ہاتھ اٹھ جائیں گے اگرچہ یہ باتیں ارادہ سے ہوئیں مگر بلا تامل و تفکر ہوئیں اور جن باتوں میں و عقل و تمیز کو تامل ہوتا ہے اور تم نہیں جانتے کہ موافق ہیں یا نہیں ان میں فکر کی حاجت ہوتی ہے یہاں تک کہ عقل پر واضح ہو جائے کہ اس کا کرنا اچھا ہے یا نہ جب فکر سے اس کے بہتر ہونے کا علم حاصل ہو جاتا ہے تو یہ بھی ایسے ہی ہو جاتا ہے جیسے پہلی قسم کی اشیاء میں بلا فکر و تردد تھا اسی لئے یہاں بھی اس علم کی وجہ سے ارادہ پیدا ہوتا ہے جیسے وہاں تلوار اور سوئی کو روکنے کیلئے پیدا ہوا تھا پس جس وقت یہ ارادہ ایسے فعل کے لئے اٹھتا ہے جس کی عقل کو بہتری معلوم ہو چکی ہو اس صورت میں اس کا نام اختیار ہوتا ہے جو خیر سے مشتق ہے یعنی اختیار وہ چیز ہے کہ برانگیختہ ہونا ایسے فعل کی طرف جو عقل کے نزدیک خیر ہے اور یہ وہی ارادہ ہے جس کی ہم بحث کر رہے ہیں فرق یہی ہے کہ اس ارادے کے ابھرنے میں فعل کے خیر میں ہونے کا انتظار اپنے حق میں نہیں کرنا پڑا تھا مگر یہ کہ تلوار کے دفع کرنے میں بہتری بلا فکر بلکہ بداہتہ" ظاہر ہوئی اور اس میں فکر کی ضرورت ہوئی۔

خلاصہ :- اختیار ایک ارادہ خاص ہے یعنی وہ ارادہ کہ عقل کے اشارے سے ایسی چیزوں میں اٹھتا ہے جن کے ادراک میں عقل کو تامل ہوتا ہے اسی بناء پر یہ کہا گیا ہے کہ اختیار میں عقل کو اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ دو بہتر کاموں میں سے زیادہ بہتر کا امتیاز کرے اور دو بری باتوں میں سے زیادہ بری کو سمجھے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ارادہ بلا حکم حس اور خیال کے یا بلا حکم ناطق عقل کے اٹھ کھڑا ہو اسی لئے اگر کوئی مثلاً اپنے ہاتھ سے اپنی گردن جدا کرنا چاہے تو نہیں ہو سکے گا اس وجہ سے نہیں کہ اس کے ہاتھ میں طاقت نہیں یا چھری چاقو موجود نہیں بلکہ اس وجہ سے کہ یہاں وہ ارادہ نہیں جو قدرت کو ابھارتا ہے اور ارادہ کے نہ ہونے کی یہ وجہ ہے کہ جب وہ ہوا کرتا ہے تو عقل یا

حس سے معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ فعل موافق ہے اور ظاہر ہے کہ اپنے آپ کو مار ڈالنا عقل کے موافق نہیں اسی لئے باوجود قوت اعضاء کے ممکن نہیں کہ آدمی خود کو قتل کر ڈالے مگر اس صورت میں کہ ایسی تکلیف دردناک میں مبتلا ہو جس کی اس کو تاب نہ ہو کیونکہ اس صورت میں عقل کو حکم میں تردد و توقف ہوتا ہے یعنی مار ڈالنا بھی برا ہے اور مبتلائے آلام و مصائب رہنا بھی برا تو عقل کو ان دونوں برائیوں میں تردد ہوتا ہے کہ کونسی بہتر ہے اگر فکر کے بعد اس کے نزدیک اس امر کو ترجیح ہوئی ہے کہ قتل نہ کرنے میں برائی کم ہے تو وہ خود کو قتل نہیں کر سکتا اگر عقل قتل میں برائی کم پاتی ہے اور حکم قطعی ایسا کرتی ہے کہ اس سے باز آجائے اور باز آجانے کی گنجائش نہ ہو تو ارادہ اور قدرت پیدا ہوتے ہیں پھر انسان خود کو ہلاک کر دیتا۔

(جیسے خودکشی کرنے والے کیا کرتے ہیں۔ (معاذاللہ) اویسی غفرلہ

مثال :۔ اس کی مثال یوں ہے کہ کوئی کسی کے پیچھے تلوار لیکر دوڑے تو دوسرا آدمی بھی چھت سے خوف کی وجہ سے گر پڑتا ہے اگرچہ وہاں سے گر کر مرجائے مگر اس کی کچھ پروا نہیں کرتا اور نہ یہ ہوسکے کہ چھت سے خود کو نہ گرائے اور اگر کوئی پیچھے سے ہلکی چوٹ مارتا ہوا جاتا ہے تو چھت کے کنارے پہنچ کر عقل حکم کرتی ہے کہ مار کا سہنا بہ نسبت گرنے کے آسان ہے اور اعضا توقف کرتے پھر ممکن نہیں تھا کہ خود کو نہ گرائے اور نہ اس کا ارادہ پیدا ہوتا کیونکہ ارادہ عقل اور حس کے تابع کا ہوتا ہے اور قدرت ارادے کے تابع ہے اور حرکت اعضاء قدرت کے تابع اور یہ سب آدمی میں لازماً پیدا ہوتے ہیں کہ اسے خبر نہیں ہوتی کیونکہ آدمی ان امور کا محل ہے اور یہ ہرگز نہیں کہ اس سے صادر ہوتے ہوں۔

فائدہ :۔ اس سے معلوم ہوا کہ آدمی کے مجبور ہونے کے یہ معنی ہیں کہ یہ سب افعال اس میں غیر سے حاصل ہوتے ہیں خود اس سے نہیں ہوتے اور مختار ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ اس ارادے کا محل ہے جو اس میں جبراً پیدا ہوا اور اس کے کہ عقل نے کسی کام کو خیر محض اور موافق ہونے کا حکم کردیا اور حکم بھی جبراً ہوا تو اس سے ثابت ہوا کہ آدمی اختیار پر مجبور ہے۔

مثال :۔ اس کی مثال یہ ہے کہ آگ کا فعل جلانے میں جبراً ہے اور خداتعالیٰ کا فعل مبارک محض اختیار ہے اور انسان کا فعل ان دونوں مراتب کے درمیان ہے یعنی اختیار جبراً ہے اور چونکہ یہ ایک تیسری قسم ہے تو اہل حق نے اس کے لئے نام بھی علیحدہ تلاش کیا اور اسباب میں کتاب اللہ کا اقتداء کرکے اس کو کسب کہا اور یہ نہ جبر کے خلاف ہے نہ اختیار کے بلکہ اہل فہم کے نزدیک دونوں باتوں کا جامع ہے اور خداتعالیٰ کا فعل اقدس جو اختیار کہلاتا ہے اس میں یہ شرط ہے کہ وہ اختیار نہ ہو جو ارادہ حیرت و تردد کے بعد ہوا کرتا ہے اس لئے کہ یہ بات خداتعالیٰ کی شان اقدس میں محال ہے اور جتنے الفاظ کہ لغات میں مذکور ہیں ان کا استعمال خداتعالیٰ کے حق میں استعارہ اور مجازاً ہے۔

فائدہ :۔ اس کا ذکر ناطویل اور اس مقام کے قابل بھی نہیں۔

سوال :- علم نے ارادہ پیدا کیا اور ارادہ نے قدرت اور قدرت نے حرکت یعنی ہر ایک پچھلی پہلی سے پیدا ہوئی اس سے تمہاری اگر یہ غرض ہے کہ قدرت الٰہی کے بغیر ایک نے دوسری چیز کو پیدا کر دیا تو یہ ہو نہیں سکتا اور اگر یہ غرض نہیں تو ان کے ایک کا دوسری چیز پر مترتب ہونے کا کیا معنی ہیں۔

جواب :- یہ کہنا کہ ان میں سے بعض نے بعض کو پیدا کیا جہالت ہے بلکہ ان سب کا حوالہ اس بات پر ہے جس کو قدرتِ ازلی سے تعبیر کرتے ہیں اور سب کی اصل وہی ہے عوام اس سے واقف نہیں جو لوگ علم میں راسخ ہیں وہ اس کے معنی کی ماہیت سمجھے ہیں عوام حرف لفظ کو جانتے ہیں اور اس میں ایک قسم کی قدرت انسان کی قدرت کے شانہ سمجھتے ہیں حالانکہ یہ بات حق سے بہت دور ہے اور اس کا بیان بہت طویل ہے لیکن اتنا جاننا چاہئے کہ بعض مقدورات بعض پر مترتب ہوتے ہیں اس طرح جیسے مشروط شرط پر ہوتا ہے اور علم بعد حیات کے اور حیات بعد محل حیات کے صادر ہوتی ہے یہ نہیں کہہ سکتے کہ حیات جسم سے حاصل ہوتی ہے جو شرط حیات ہے اسی طرح اور درجات کو یہ ترتیب کے جاننا چاہئے لیکن بعض شرطیں تو اکثر عوام پر بھی ظاہر ہوجاتی ہیں اور بعض خواص اور کشف والوں کے جو نورِ حق سے دیکھتے ہیں' کے بغیر ظاہر نہیں ہوتیں ورنہ متقدم مقدم ہوتا ہے یا جو متاخر پیچھے ہوتا ہے وہ لزوم اور حق کے ساتھ ہوتا ہے سب افعال الٰہی کو یونہی جاننا چاہئے اگر یہ بات نہ ہوتی تو تقدیم اور تاخیر لغو اور مجنونوں کی طرح ہوتی۔ اللہ تعالیٰ ایسے فضول ارادوں سے پاک و منزہ ہے خود اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

(وما خلقنا السموات والارض وما بینھما لاعبین ما خلقنا ھما الا بالحق) (الدخان 37'38) ترجمہ کنزالایمان :- اور ہم نے نہ بنائے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کھیل کے طور پر ہم نے انہیں نہ بنایا مگر حق کے ساتھ۔

فائدہ :- اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو چیزیں آسمان و زمین کے اندر ہیں وہ ترتیب واجب اور حق لازم کے ساتھ ہوتی ہیں جس طرح وہ ظاہر ہوتی ہیں اس کے سوا اور کسی طرح ان کا ہونا متصور نہیں ہو سکتا جو ترتیب ان میں ہے اس کے خلاف اور کوئی ترتیب ممکن نہیں اب جو کوئی متاخر چیز پیچھے ہوتی ہے تو صرف شرط کے انتظار کے سبب سے ہے کہ مشروط کا ہونا شرط سے پہلے محال ہے اور محال کو تحت قدرت داخل ہونے کے ساتھ موصوف نہیں کیا کرتے رہیں غرضیکہ علم نطفہ سے پیچھے ہوتا ہے تو یہی سبب ہے کہ نطفہ میں حیات نہیں جو شرط علم ہے اور حیات کے ساتھ علم ہونے کے بعد جو ارادہ پیچھے ہوتا ہے تو شرط علم کے نہ ہونے کی وجہ سے اور ان میں سے ہر چیز کا اپنی شرط کے بعد اس طرح ہونا واجب اور لازم ہے ترتیب حق یہی ہے یہ ہرگز نہیں کہ اس ترتیب میں اتفاق یا سرسری طور ہونے کو دخل ہو' بلکہ یہ ترتیب مقتضائے حکمت و تدبیر کے مطابق ہے اور اس کا سمجھنا بہت مشکل ہے لیکن ہم ایسی مثال بیان کرتے ہیں جس سے معلوم ہو کہ باوجود قدرت کے فعل مقدور اپنی شرط پر موقوف رہتا ہے پھر بروئے سمجھ نہیں آتا اس مثال سے جو لوگ تھوڑی سمجھ اور فہم کمزور رکھتے ہیں ان کو بھی حق بات کے ابتدائی باتیں سمجھنا آسان

ہو جائیں گی۔

مثال :۔ ایک بے وضو آدمی پانی میں گردن تک ڈوبا ہوا ہے تو باوجودیکہ پانی استعمال کرنے اور پانی میں رہنے کے بے وضو رہے گا مگر اس کے اعضا سے حدث دور نہ ہوگی بلکہ شرط کا منتظر رہے گا کہ جب منہ بھی دھویا جائے تو نیت ضروری ہے اسی طرح جان لو کہ قدرت ازلی بھی تمام مقدورات سے ملی ہوئی اور سب سے متعلق ہے جیسے پانی تمام اعضا سے ملا ہوا تھا مگر مقدور چیز تب ہی موجود ہوگی جب اس کی شرط پائی جائے گی جیسے مثال بالا میں حدث کا دور ہونا وجود شرط پر منحصر ہے اور منہ دھونا بھی پس جو شخص پانی میں کھڑا ہے اپنا منہ پانی کی سطح پر رکھ دے اور پانی سب اعضاء میں اثر کر جائے اور حدث جاتا رہے تو جہلاء یہ خیال کرتے ہیں کہ حدث ہاتھوں سے اس لئے گئی کہ منہ سے حدث جاتی رہی یعنی منہ کی حدث کی دوری کو علت ہاتھوں کی حدث کی دوری کہتے ہیں پانی کو رافع حدث نہیں جانتے کیونکہ دور ہونا حدث کا منہ دھونے کے بعد ہوا تو معلوم ہوا کہ پانی پہلے سے اعضا سے ملا ہوا تھا۔ رافع حدث نہ تھا اور اب پانی کچھ بدل تو نہیں گیا جیسے تھا ویسے ہے تو جو بات اس سے پہلے حاصل نہ تھی وہ اب کیسے ہوگی مگر منہ دھونے سے حدث کا جانا قطعی ہے تو ثابت ہوا کہ منہ دھونا ہی رافع نہیں اگر پانی ہوتا اور یہ خیال ان لوگوں کا محض جہالت ہے اور ایسا ہی ہے جیسے کوئی یہ گمان کرے کہ حرکت قدرت سے حاصل ہوتی ہے اور قدرت ارادہ سے اور ارادہ علم سے حالانکہ یہ دونوں باتیں غلط ہیں بلکہ اصل یہ ہے کہ جب منہ سے حدث اٹھ گئی تو ہاتھوں کا حدث بھی اس پانی سے جو ہاتھ سے ملا ہوا تھا' اٹھ گئی کچھ منہ دھونے سے نہیں اٹھی اور یہ مانا کہ پانی نہیں بدلا اور ہاتھ نہیں بدلا اور نہ کوئی چیز نئی ہوئی مگر شرط جو مفقود تھی وہ پوری ہوگئی اس لئے اس کا اثر بھی ظاہر ہوگیا پس مقدورات کا صادر ہونا قدرت ازلی سے اسی طرح سمجھنا چاہئے باوجودیکہ قدرت ازلی قدیم ہے اور مقدورات سب حادث ہیں اور یہ ذکر ایک جداگانہ ہے۔ عالم مکاشفات کے متعلق ہے اسی لئے ہم اس کو بھی چھوڑتے ہیں اس لئے کہ ہمارا مقصود تو صرف توحید اور فعل کے طریقہ پر تنبیہہ کرنا ہے کیونکہ فاعل حقیقت میں ایک ہے اور وہی قابل خوف و رجاء ہے اور اسی پر توکل و اعتماد ہے جس قدر ہم نے اس باب میں لکھا ہے اس کو سب توحیدوں کے سمندروں میں سے تیسری قسم کے توحید کے سمندر کا ایک قطرہ جاننا چاہئے اس کا پورا بیان تو عمر نوح میں بھی محال ہے اور ایسا ہے جیسے کوئی سمندر کے پانی کو قطرہ قطرہ کر کے سب کو اٹھانا چاہے اور یہ تمام تقریر کلمہ لاالہ الا اللہ کے مضمون میں داخل ہے تو دیکھنا چاہئے کہ یہ کلمہ زبان پر کتنا ہلکا ہے اور اس کے لفظوں کے مضمون کا اعتقاد دل میں کتنا سہل ہے اور اس کی حقیقت اور مغز علمائے راسخین کے نزدیک کتنی بڑی ہے اور دن کا تو کیا ذکر ہے۔

ا۔ یہ مثال امام شافعی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے مسلک پر ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک نیت وضو کے لئے شرط ہے احناف کے نزدیک نیت شرط نہیں' اسی لئے احناف کے نزدیک اس شخص کا وضو ہو جائے گا یعنی پانی سے اعضا تر ہوگئے تو اس کا وضو ہوگیا۔ (اولیسی غفرلہ)

سوال :۔ توحید کے معنی ہیں کہ سوا خدا تعالیٰ کے کوئی فاعل نہیں اور شرع سے افعال کا ثبوت بندوں کے لئے پایا جاتا

ہے تو یہ دونوں اکٹھے کیسے ہو سکتے ہیں کیونکہ اگر بندہ فاعل ہو گا تو خدا تعالیٰ کیسے ہو گا اگر اللہ تعالیٰ ہو گا تو بندے کو کس طرح کہو گے اور ایک ہی فعل کے دو فاعل ہوں یہ سمجھ میں نہیں آتا۔

جواب :۔ جب فاعل کے معنی ایک ہی لئے جائیں تب البتہ یہی بات ہے کہ ایک فعل کے فاعل دو نہیں متصور ہوتے ہیں اور اگر فاعل کے دو معنی ہوں اور لفظ مجمل ہو کہ دونوں پر اطلاق ہو سکتا ہو تو کوئی دشوار نہیں مثلاً کہا کرتے ہیں کہ امیر نے فلاں شخص کو قتل کر ڈالا اور یہ بھی کہتے ہیں کہ جلاد نے مار ڈالا تو یہاں امیر اور اعتبار سے قاتل کہلاتا ہے اور جلاد دوسرے اعتبار سے اسی طرح بندہ اپنے فعل کا اور اعتبار سے فاعل ہے اور خدا تعالیٰ اعتبار مگر اللہ تعالیٰ کے فاعل ہونے کا یہ معنی ہے کہ وہ فعل کا ایجاد و اختراع کرنے والا ہے اور بندے کے فاعل ہونے کا یہ معنی ہے کہ بندہ وہ محل ہے جس میں قدرت پیدا ہوئی اس کے بعد خدا تعالیٰ نے بندے میں ارادہ پیدا کیا اور اس سے پہلے علم پیدا کیا یعنی ارتباط قدر تو ارادہ و حرکت کا قدرت سے تو ایسے ہے جیسے شرط کا ارتباط مشروط سے ہوتا ہے اور قدرت الٰہی اس طرح ہے جس طرح معلول کا ارتباط علت سے اور موجد کا ایجاد کی ہوئی چیز سے ہوتا ہے اور جو چیز کہ اسے قدرت سے ارتباط ہوتا ہے تو محل قدرت کو بھی فاعل کہہ دیتے ہیں خواہ کسی طرح کا ارتباط ہو مثلاً جلاد اور امیر دونوں کو قاتل اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ قتل دونوں کی قدرت سے ارتباط رکھتا ہے مگر ارتباط دو طرح ہے اسی لئے قتل دونوں کا فعل کہلاتا ہے اسی طرح ارتباط مقدورات کا دو قدرتوں سے سمجھنا چاہئے اور اسی موافقت اور مطابقت کیلئے خدا تعالیٰ نے افعال کو قرآن مجید میں کبھی فرشتوں کی طرف اور کبھی بندوں کی طرف اور کبھی انہیں افعال کو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے چنانچہ موت کے باب میں ارشاد ہے۔

(قل یتوفکم ملک الموت) ترجمہ کنزالایمان :۔ تم فرماؤ تمہیں وفات دیتا ہے موت کا فرشتہ۔

اور فرمایا (اللہ یتوفی الانفس حین موتھا) (السجدہ 11) ترجمہ کنزالایمان :۔ اللہ جانوں کو وفات دیتا ہے ان کی موت کے وقت۔ اور فرمایا (افرایتم ما تحرثون) (الواقعہ 63) ترجمہ کنزالایمان :۔ تو بھلا بتاؤ تو جو بولتے ہو۔

اس میں بندوں کی طرف کاشتکاری کو منسوب فرمایا اور دوسری جگہ ارشاد ہے (انا صببنا الماء صبا ثم شققنا الارض شقا فانبتنا فیھا حبا وعنبا) (عبس 27 25) ترجمہ کنزالایمان : کہ ہم نے اچھی طرح پانی ڈالا پھر زمین کو خوب چیرا تو اس میں اگایا اناج۔ اور فرمایا (فارسلنا الیھا روحنا فتمثل لھا بشرا سویا) (مریم 17) ترجمہ کنزالایمان :۔ تو اس کی طرف ہم نے اپنا روحانی بھیجا وہ اس کے سامنے ایک تندرست آدمی کے روپ میں ظاہر ہو۔ پھر فرمایا (فنفخنا فیھا من روحنا) (الانبیاء 91) ترجمہ کنزالایمان :۔ تو ہم نے اس میں اپنی روح پھونکی حالانکہ پھونکنے والے حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے اور ایک جگہ ارشاد ہے۔

(فاذا قرانہ فاتبع قرانہ) (قیامہ 8) ترجمہ کنزالایمان :۔ اس وقت اس پڑھے ہوئے کی اتباع کرو۔

فائدہ :۔ تفسیر میں اس کا معنی لکھا ہے کہ جب جبرائیل علیہ السلام تم پر قرآن پاک پڑھیں۔

اور فرمایا (قاتلوھم یعذبھم اللہ بایدیکم) (التوبہ ۱۴) ترجمہ کنزالایمان: تو ان سے لڑو اللہ انہیں عذاب دے گا تمہارے ہاتھوں۔

اس میں قتل کو تو مسلمانوں کی طرف منسوب فرمایا اور عذاب دینے کو اپنی طرف عذاب دینا بعینہٖ قتل کرنا ہے چنانچہ دوسری جگہ اس کو صراحۃً فرمایا (فلم تقتلوھم ولکن اللہ قتلھم) (الانفال 17) ترجمہ کنزالایمان :- تو تم نے انہیں قتل نہ کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا۔ اور فرمایا (وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمٰی) (الانفال 17) ترجمہ۔ اور تو نے نہیں پھینکی مٹھی خاک کی جس وقت پھینکی تھی لیکن اللہ تعالیٰ عزوجل نے پھینکی۔

اس میں بظاہر نفی اور اثبات کو جمع فرمایا ہے مگر حقیقت میں یہ مقصد ہے کہ نفی اس اعتبار سے ہے جس سے کہ اللہ تعالیٰ فاعل ہو اور اثبات اس اعتبار سے ہے کہ جس سے بندہ فاعل ہو اور یہ دونوں علیحدہ علیحدہ اعتبار ہیں اور فرمایا (الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم) (العلق 4'5) ترجمہ کنزالایمان :- جس نے قلم سے لکھنا سکھایا آدمی کو سکھایا جو نہ جانتا تھا۔ اور فرمایا (الرحمٰن علم القرآن خلق الانسان علمہ البیان) (الرحمٰن 1'4) ترجمہ کنزالایمان :- رحمٰن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا انسانیت کی جان محمد کو پیدا کیا ماکان ومایکون کا بیان انہیں سکھایا۔ اور فرمایا (ثم ان علینا بیانہ) (القیمہ 19) ترجمہ کنزالایمان :- پھر بے شک اس کی باریکیوں کا تم پر ظاہر فرمانا ہمارے ذمہ ہے۔ (افرءیتم ما تمنون ا انتم تخلقونہ ام نحن الخالقون) (الواقعہ 58) ترجمہ کنزالایمان :- تو بھلا دیکھو تو وہ منی جو گراتے ہو کیا تم اس کا آدمی بناتے ہو یا ہم بنانے والے ہیں۔

احادیث :- (1) حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رحموں کے فرشتے کے وصف میں فرماتے ہیں کہ وہ رحم میں جاکر نطفے کو ہاتھ میں لیتا ہے اور اسے جسم کی صورت میں بناتا ہے اور کہتا ہے کہ الٰہی یہ مرد بنے یا عورت برابر ہو یا ٹیڑھا' اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں جو چاہتا ہے فرماتا ہے اور فرشتہ اسی طرح بناتا ہے۔

(2) دوسری روایت میں ہے کہ فرشتہ صورت بناکر اس میں روح پھونک دیتا ہے سعادت سے یا شقاوت سے

روح فرشتہ کی وجہ تسمیہ :- بعض اکابر فرماتے ہیں کہ جس فرشتے کا نام روح ہے وہ وہ ہے جو جسموں میں روح ڈالتا ہے اور وہ کسی خاص طرح پر سانس لیتا ہے تو اس کا ہر سانس روح بن کر جسم میں چلا جاتا ہے اس لئے اس کا نام روح رکھا گیا ہے۔

فائدہ :- اس بزرگ نے جو کچھ اس ہیجیے فرشتے کے بارے میں کہا ہے وہ درست ہے اہل دل نے اپنی بصیرت سے اس کا مشاہدہ بھی کیا ہے مگر اس کا نام روح ہونا بغیر سند نقلی کے نہیں ہو سکتا ہے بے دلیل نقلی اس کو روح کہہ دینا صرف تخمینہ ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دلائل اور آیات زمین و آسمان میں ذکر فرمائے۔

(1) (اولم یکف بربک ان علیٰ کل شیءٍ شھید) (حم السجدہ 53) ترجمہ کنزالایمان :- کیا تمہارے رب کا ہر چیز پر گواہ ہونا کافی نہیں۔ (اشھد اللہ لا الہ الا ھو) ترجمہ کنزالایمان :- اور (شھد اللہ انہ لا الہ الا ھو) (آل عمران

18) ترجمہ کنزالایمان :۔ اللہ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

ان آیات میں واضح فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کی دلیل خود ہے اور یہ کوئی خلاف بھی نہیں اس لئے کہ استدلال کے طریقے مختلف ہوتے ہیں بہت سے طالبان حق وہ ہیں جنہوں نے موجودات کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کی اور بہت سے ایسے بھی ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے موجودات کو پہچانا چنانچہ بعض اکابر رحمہم اللہ نے فرمایا ہم ہو تو زیادہ اچھا ہے نے اپنے رب تعالیٰ کو خود اسی سے پہچانا اگر وہ : ہوتا تو میں اسے ہرگز نہ جان سکتا آیت ذیل میں یہی مراد ہے۔ (ولم یکف بربک انہ علیٰ کل شی شھید) (حم السجدہ 53) ترجمہ کنزالایمان :۔ کیا تمہارے رب کا ہر چیز پر گواہ ہونا کافی نہیں۔

فائدہ :۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی ایک صفت محی (زندہ کرنے والا) بتائی ہے ایسے ہی ممیت (موت دینے والا) بھی اس کی صفت ہے لیکن ان دونوں صفات کو ایک فرشتے کی طرف سپرد فرمایا۔

مناظرہ دو فرشتوں کا :۔ حدیث شریف میں ہے کہ موت و حیات کے دونوں فرشتوں نے آپس میں مناظرہ کیا۔ ملک الموت علیہ السلام نے فرمایا میں زندوں کو موت کے گھاٹ اتارتا ہوں حیات کے فرشتے (علیہ السلام) نے فرمایا کہ میں مردوں کو زندہ کرتا ہوں اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو وحی بھیجی کہ میں نے جو کام تمہارے سپرد کیا ہے اسے جاری رکھو ورنہ حقیقی مارنے اور جلانے والا میں خود ہوں میرے سوا نہ کوئی کسی کو مار سکتا ہے اور نہ جلا سکتا ہے۔

فائدہ :۔ خلاصہ یہ کہ فعل کا استعمال مختلف طریقوں سے ہوتا ہے اور اس میں تناقض بھی نہیں' اس کی دلیل حدیث شریف ہے حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی کو خرما عطا فرما کر ارشاد فرمایا کہ اسے لے لے اگر تو اس کے پاس نہ آتا تو یہ خود تیرے پاس آتا۔

فائدہ :۔ حدیث مذکور میں آنے کی نسبت خرما کی طرف کی حالانکہ خرما میں آنے کی استعداد نہیں۔ دوسری حدیث میں ہے کہ کسی نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف توبہ کرتا ہوں آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ اس شخص نے حق پہنچانا۔

فائدہ :۔ اس میں بھی وہی مجاز ہے کہ حقدار حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہے لیکن یہاں مجازاً حضور ﷺ کی طرف منسوب کیا گیا۔

نکتہ :۔ جو شخص ہر شے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتا ہے تو وہ محقق ہے اس لئے کہ اس نے حقیقی حقدار کا حق پہچانا ہاں جو کسی فعل کی نسبت غیر اللہ کی طرف کرتا ہے تو وہ مجاز و استعارہ کرتا (جیسے) اہلسنت بعض افعال کی نسبت نبی کریم علیہ السلام اور اولیاء کرام کی طرف کر دیتے ہیں جیسے مدد وغیرہ تو یہی مجاز و استعارہ ہے جسے امام غزالی قدس سرہ نے بیان فرمایا لیکن اسے وہابی' دیوبندی شرک کہتے ہیں اسی سے ثابت ہوا کہ اہلسنت حق پر ہیں و لیکن الوہابیۃ

قوم لا تعقلون (اضافہ اویسی غفرلہ)

فائدہ :- مجاز کے لئے بھی ایک وجہ ہے جیسے حقیقت کے لئے ایک وجہ ہوتی ہے اس لئے کہ لغت کے واضع نے لفظ فاعل کو دراصل اختراع کرنے والے کے لئے وضع کیا ہے پھر اس نے خیال کیا کہ بعض افعال تو انسان بھی اختراع کرتا ہے اگرچہ مجازاً سہی اسی لئے اس کا اطلاق انسان کے لئے بھی روا رکھا بلکہ اس نے اس کی نسبت انسان کے لئے ایک وجہ سے حقیقتہ سمجھا اور اللہ تعالیٰ کے لئے مجاز مثلاً قتل کی نسبت حاکم کی طرف مجازاً ہے اور جلاد کی طرف حقیقتہ لیکن یہ عقدہ اہل حق کو واضح ہوا کہ معاملہ برعکس ہے اسی لئے انہوں نے واضع لغت کو کہا کہ فاعل کا اصل مخترع تو اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ کوئی فعل اس کے سوا کوئی نہیں کرسکتا اسی لئے اس کا حقیقی معنی اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ دوسروں کے لئے مجازاً۔ تم نے غیراللہ کے لئے حقیقی کہہ کر حقیقت سے تجاوز کیا اس لئے کہ اختراع کا کام صرف اللہ کا ہے۔ یہی وجہ ہے جاہلیت والوں سے بھی اس کی نسبت اللہ کی طرف اتفاق کے طور پر ہوگئی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اہل جاہلیت کی تصدیق فرمادی چنانچہ آپ نے فرمایا کہ سب سے زیادہ شعر ہوں شاعر نے کہا ہے وہ لبید کا قول ہے۔

(الا کل شیء ما خلا اللہ باطل۔ وکل نعیم لا محالۃ زائل) ترجمہ۔ ہر شے اللہ تعالیٰ کے سوا باطل ہے اور ہر نعمت لازماً زائل ہونے والی ہے۔

یعنی جو شے اپنی ذات سے قائم نہیں دوسرے کے سہارے پر قائم ہے وہ باطل کیونکہ اس کی حقیقت غیر محتاج ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ قائم بذات اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں کہ وہ اپنی ذات کے قائم ہے اس کے لئے تمام اشیاء اس کی قدرت سے قائم ہیں اسی لئے وہی حق ہے باقی تمام باطل۔

پند تستری ولی رحمۃ اللہ علیہ :- آپ نے فرمایا کہ اے مسکین خدا تعالیٰ موجود تھا اور تو نہ تھا پھر تو نہ ہوگا اور وہ ہوگا آج تو پیدا ہوگیا تو پھر میں کہنے لگا اب بھی تو ایسے ہوجا کہ گویا تو نہیں ہے کیونکہ آج بھی وہی وقت ہے جیسے پہلے تھا۔

سوال :- اس سے ثابت ہوا کہ کل کارخانہ ایزدی خیر ہی خیر ہے تو پھر عذاب کی وعید اور ثواب کا وعدہ کیسا اور غضب الٰہی اور رضات کس لئے۔

جواب :- اسی کتاب (احیاء العلوم) کے باب الشکر میں ہم اس کا اشارہ کرچکے ہیں دوبارہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ یہ وہی بیان ہے جو توحید مورث حال توکل کے باب میں ہمیں بطور مولکھنا مدنظر تھا اور یہ ایمان و اعتقاد رحمت و حکمت کے بغیر کامل نہیں ہوسکتی۔ اس لئے کہ توحید سے لازم آتا ہے کہ مسبب الاسباب پر نظر ہو اور وسعت رحمتہ پر اعتقاد کرنے سے مسبب الاسباب پر اعتقاد ہوتا ہے ہاں توکل کا حال آئندہ مذکور ہوگا کہ وہ اس وقت ہی کامل ہوتا ہے جب ذات باری تعالیٰ شفقت پورا اعتقاد اور دل کا اطمینان ہو اور ایمان کی یہ قسم بھی بہت بڑی اعلیٰ ہے۔ ہاں لفل

کشف کے طریق پر اسباب کی صورت میں طوالت ہے ہاں خلاصہ سمجھ لیں تاکہ کسی قسم کا شک نہ رہے۔

خلاصہ صورت اسباب:۔ سالک ایسے تصدیق کرے کہ اس میں شائبہ ضعف اور شک نہ ہو اگر اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو سب سے زیادہ عقلمند شخص کے موافق عقل دیتا یا سب سے زیادہ عالم جیسا علم ہر ایک کو عنایت فرماتا جس قدر ان کے نفوس میں علم سماتا عطا فرماتا ایسے ہی انہیں حکمت اتنا عطا فرماتا کہ جس کی کوئی انتہا نہ ہو' پھر جتنا ان کی تعداد بڑھتی جاتی اتنا ہی ان کے علم و حکمت و عقل کو ترقی بخشا جاتا اور ان پر انجام بکار کا حال ظاہر کر دیتا اور اسرار ملکوت بھی ان سب کو جتلا دیتا اور کیا لطف و عقوبت کے دقائق سے بھی آگاہ فرما دیتا یہاں تک خیر و شر اور نفع و ضرر پر سب کے سب واقف ہو جاتے پھر انہیں حکم فرماتا کہ اپنے علم و حکمت کی طاقت کے مطابق ملک و ملکوت کا انتظام خود چلاؤ اور وہ متفق ہو کر ایسی تدبیر کرتے کہ اس میں کمی و بیشی کا تصور نہ ہوتا اور نہ ہی اس میں کوئی نشیب و فراز ہوتا اور نہ ہی اس میں مرض یا عیب یا نقصان یا تنگدستی یا ضرر ہوتا بلکہ کہیں یہ اشیاء ہوتیں تو وہ انہیں دفع کرتے کسی صحت و کمال و تونگری و نفع کو کسی سے زائل نہ ہونے دیتے بلکہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین میں پیدا فرمایا ہے اسے دیکھنے لگتے تو دیکھتے ہی رہتے پھر ان میں ذرا برابر بھی نقص نہ دیکھتے۔ نیز اس کا بھی یقین ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو اشیاء مثلاً رزق اور موت اور رنج و راحت اور عجز و قدرت اور کفر و ایمان اور طاعت و عصیان وغیرہ اپنے بندوں میں تقسیم فرمائیں وہ سب عدل و انصاف اور حق صریح ہے ان میں کسی طرح جور و ستم نہیں اور تمام اشیاء ترتیب واجب اور حق پر ہیں ان کی ترتیب جیسے ہونی چاہئے ویسی ہے اس کا بہتر اور عمدہ ممکن ہی نہیں اگر کوئی ممکن تھی اور اللہ نے بندوں پر تقسیم نہ کی تو یہ اللہ تعالیٰ کے بخل کا الزام آتا ہے (وهو علوا کبیرا) یہ جود نہیں بلکہ ظلم ہے عدل نہیں اگر کوئی یہ خیال کرے کہ ان اشیاء سے بڑھ کر چیزیں تھیں لیکن پیدا نہ ہو سکیں تو یہ اللہ پر عجز کا اتہام لازم آتا ہے (وهو علوا کبیرا) بلکہ جو کمی دنیوی نعمتوں میں ہے وہ انسانوں کی حیثیت کے لئے واحد آخرت میں کسی قسم کی کمی نہ ہوگی۔ آخرت میں اگر کوئی کمی ہے تو وہ دوسرے کی نسبت کی حیثیت سے ہے نہ کہ ذاتی طور کوئی کمی ہوگی۔

مثال:۔ اسے یوں سمجھئے کہ دن کی قدر رات سے معلوم ہوتی ہے مثلاً رات نہ ہوتی تو دن کی قدر و منزلت کیلئے معلوم ہوتی ایسے ہی اگر مرض نہ ہوتا تو تندرستی کی شان کیونکر معلوم ہوتی ایسے ہی اگر دوزخ نہ ہوتی تو بہشت کی قدر کیسے معلوم ہوتی ہے۔

مثال:۔ انسانوں کے فائدہ کے لئے جانوروں کو ذبح کرنا ظلم نہیں بلکہ کامل کو ناقص پر ترجیح کا اظہار ہے اور یہی عین عدل ہے یوں جنتیوں کا مقابلہ میں دوزخیوں کو دوزخ میں رکھنا بھی عین عدل ہے کیونکہ بالفرض اگر یہ ناقص (جانور، کافر) پیدا نہ ہوئے تو کامل کی قدر و منزلت کیسے واضح ہوتی یوں ہی جانور پیدا نہ ہوتے تو انسان کی شرافت کیسے معلوم ہوتی کیونکہ کامل و ناقص کسی نسبت سے ہوا کرتے ہیں۔

فائدہ:- اس سے معلوم ہوا کہ کامل و ناقص کا پیدا کرنا جود و حکمت کے تقاضا پر ہے جیسے ہاتھ جل جائے اسے کاٹنا ضروری ہے تاکہ آگے مرض نہ بڑھے تو یہ عین عدل ہے اس لئے کہ ناقص شے کا کامل پر فدا ہونا عدل ہے۔

نکتہ:- دنیوی قسمت میں بھی یہی راز ہے کہ کوئی ان میں اعلیٰ ہے کوئی ادنیٰ تو یہ بھی عدل ہے جود و ستم نہیں۔ یہ بیان بھی بحر بے کنار ہے توحید کی طرح سمندر بے پایاں ہے اس میں بے شمار عقلمند ڈوب گئے وہ یہ نہ سمجھے کہ یہ راز مخفی ہے اسے بہت زیادہ عقلمندوں (انبیاء و اولیاء) کے سوا کوئی نہیں سمجھتا ہاں اس سمندر کے پار ہی تقدیر کا راز ہے جس میں اکثر لوگ حیران ہیں اور اہل کشف کو اس کے اظہار سے روکا گیا ہے۔

فائدہ:- خلاصہ یہ کہ خیر و شر دونوں حکمی چیزیں ہیں جس کا حکم ہے وہ ہو چکا ہے وہ مشیت ایزدی پر ضرور ہوگی اس سے معلوم ہوا کہ تقدیر کو پھیرنے والا کوئی نہیں اور نہ ہی اسے کوئی ٹال سکتا ہے (ہاں یہ تقدیر مبرم کی بات ہے ورنہ تقدیر معلق اور شبیہ مبرم ٹل جاتی ہے۔ اویسی غفرلہ)

ہر چھوٹی بڑی بات لکھی ہوئی ہے اور اس کا ہونا مدت معین منتظر ہے جو شے کسی کو پہنچی ہے وہ اسے پہنچی تھی ایسا نہیں کہ وہ ایسے نہ پہنچے اور جو اسے نہیں پہنچا وہ اسے پہنچنے والا نہیں تھا۔

فائدہ:- یہ رموز علوم مکاشفہ جو توکل سے متعلق ہیں انہیں ہم یہاں پر ختم کرتے ہیں اور پھر علم معاملہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ (بیوہ التوفیق)

اعمال توکل

توکل کیا ہے؟:- ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ توکل کا مقام علم و حال اور عمل سے بنتا ہے علم کو تو ہم لکھ چکے ہیں اور حال در حقیقت توکل اسی کا نام ہے علم اس کی اصل اور عمل اس کا ثمرہ ہے۔

توکل کی تعریف:- توکل کی تعریف اکثر صوفیہ کرام نے بہت کچھ لکھا ہے اور ان پر ہر ایک عبارات جدا جدا ہیں غور سے دیکھا جائے تو ہر ایک نے اپنے نفس کے مقام کو لکھا ہے اب توکل کی تعریف کی تفصیل ملاحظہ ہو۔ یہ سب کو معلوم ہے کہ اہل تصوف ہر ایک کا مزاج مختلف ہے اس لئے تمام اقوال کی طوالت ہوگی اسی لئے ان سب کو نظرانداز کر کے اپنے مقصد کی باتیں لکھتا ہوں۔

توکل کا لغوی معنی:- کہا جاتا ہے کہ اس کا مادہ وکالت ہے جس کا معنی ہے اپنا کام دوسرے کو سپرد کرنا اس پر اعتماد کر کے، جسے کام سپرد کیا جائے اسے وکیل کہتے ہیں اور جو کام سپرد کرتا ہے اسے متکل اور متوکل کہا جاتا ہے بشرطیکہ وکیل پر اس کام کا پورا اطمینان اور اس کے ساتھ کامل اعتقاد ہو اس پر عجز اور اتہام کا شائبہ تک نہ ہو۔ خلاصہ

یہ ہے کہ توکل وکیل پر اعتماد قلبی کا نام ہے۔

مثال:۔ اسے یوں سمجھئے کہ اگر کوئی مکروفریب کی غرض سے کسی پر جھوٹا مقدمہ کرے اور مدعاعلیہ ایک شخص کو مقدمہ کے دفعیہ کے لئے مقرر کرے، جسے واضع طور مدعی کا مکروفریب بیان کردے تو ایسا شخص وکیل پر اعتماد کرنے والا اور متوکل کہلائے گا اس لئے کہ اس نے اس کی وکالت پر پورا اعتماد اور اطمینان کیا ہے۔

وکیل میں چار باتیں:۔ وکیل پر چار باتوں کا اعتقاد رکھنا ضروری ہے۔ (1) وکیل میں کامل ہدایت (2) کامل قدرت (3) نہایت درجہ کی فصاحت (4) کامل و مکمل شفقت۔ ہدایت تو اس لئے کہ اس کی وجہ سے مدعی کے مکروفریب کے مقامات معلوم کرنا ضروری ہے یہاں تک کہ مدعی کے معمولی سے معمولی اور باریک حیلے بھی وکیل سے مخفی نہ ہوں قدرت اس لئے کہ حق کی تصریح کرسکے نہ یہ کہ حاکم کے رعب سے حق بات نہ کہہ سکے بلکہ شرم و بزدلی اور حیاء سے بعض باتیں نہ بتا سکے کیونکہ بعض مواقع پر موانع کی وجہ سے حق کے اظہار سے دل کمزور ہوجاتا ہے تو بات بتانے سے رہ جاتی ہے۔

فصاحت اس لئے کہ یہ بھی من وجہ قدرت ہی ہے لیکن یہ قدرت لسانی ہے کہ جس بات کے اظہار کے لئے دل جرات کرے یا اس کی رہبری کرے۔ زبان اسے اچھی طرح بیان کرسکے ہم نے قلب کی بات اس لئے کی ہے کہ جو شخص زبان کی قدرت تو رکھتا ہے لیکن ضروری نہیں کہ وہ مخالف کے مکروفریب کو بھی پورے طور پر سمجھتا ہو اور صرف زبان کی فصاحت سے اس عقدہ کو حل کرسکتا ہو۔ شفقت اس لئے کہ وکیل سے حتی الامکان جتنا ہوسکے اپنے مؤکل کے لئے جدوجہد کرے گا اس لئے صرف مقدمہ لڑنے کی قدرت کافی نہیں جب تک کہ وکیل کو مؤکل کے حال پر مکمل طور پر شفقت نہ ہو اور اس کے کام کے لئے پورے طور پر دل نہ لگائے۔ یہ خیال بھی غلط ہے کہ مدعاعلیہ جیت جائے گا۔ ہار جیت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے وکیل اپنی طرف سے مؤکل کے کام امکانی صورت صرف کردے۔

فائدہ:۔ مؤکل کو اگر وکیل کے متعلق ان چاروں میں سے کسی ایک کے متعلق شک ہوگا تو کام نہ بنے گا کیونکہ مؤکل ہروقت وکیل کے بارے میں متردد رہے گا اور نہ ہی وکیل پر کامل اطمینان ہوگا پھر اس خیال میں پھنسا رہے گا کہ کسی طرح وکیل کی وہ کمی دور ہو تاکہ مدعاعلیہ کا غلبہ نہ ہوجائے جس قدر بھی مؤکل کو وکیل کی ان چاروں باتوں میں سے یقین ہوگا اتنا ہی اعتماد و اطمینان بڑھے گا۔

قاعدہ:۔ چونکہ عوام کا اعتقاد و اعتماد اور ظن کی قوت و ضعف میں مختلف ہوتا ہے اسی لئے ضروری ہے کہ متوکلین کے اعتماد و اطمینان و اعتماد میں بھی بہت بڑا فرق ہوگا کہ یہاں تک کہ موکلین کو یقین کلی نصیب ہو یہاں تک کہ اس میں ذرہ برابر بھی شک نہ رہے۔

مثال:۔ اگر وکیل اپنے مؤکل کا باپ ہو جو ہر طرح کے حلال و حرام میں بیٹے کیلئے دوڑا پھرتا ہے تو ظاہر ہے کہ بیٹے

کو کمال شفقت و عنایت کا یقین ہوگا اور ایک خصلت ان چار خصلتوں میں سے قطعی ہوجائے گی اسی طرح اور خصلتیں بھی قطعی ہوسکتی ہیں مثلاً مدت سے کسی کو وکالت کرتے دیکھا یا لوگوں سے متواتر سنا کہ فلاں شخص بڑا خوش تقریر اور زبردست بولنے اور حق دلانے والا ہے بلکہ حق کو باطل اور باطل کو حق کرنے میں ہتھیلی پر جو دیتا ہے۔

فائدہ:۔ جب اس مثال کو سمجھ لیا تو اسی پر خدا تعالیٰ عزوجل کے اوپر توکل کرنے کو قیاس کرنا چاہئے یعنی اگر کسی کے دل میں کشف سے یا پختہ اعتقاد سے یقین ہوجائے کہ فاعل سوائے خدا تعالیٰ کے کوئی نہیں جیساکہ اس کی تقریر اوپر گزری اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی اعتقاد کرے کہ خداوند قدوس بندوں کا حال خوب جانتا ہے اور ان کی کفایت کیلئے قدرت کامل رکھتا ہے اور اس کی رحمت کامل اور عنایت شامل تمام بندوں پر برابر ہے رحمت کامل اور عنایت شامل تمام بندوں پر برابر ہے اس کی عنایت و رحمت کے سوا جو مجھ پر ہے کوئی اور رحمت و عنایت ہے تو اس صورت میں بے شک اس کا دل صرف خدا تعالیٰ پر توکل کرے گا دوسرے کی طرف توجہ بھی نہ کرے گا۔

بلکہ جب کوئی حرکت یا قدرت کا ذکر کرے گا تو اپنے نفس کی طاقت و قدرت کا بھی لحاظ نہ کرے گا۔

(لا حول ولا قوة الا باللّٰه) (ترجمہ:۔ نہیں ہے طاقت گناہ سے باز رہنے کی اور نہ زور عبادت کرنے کا مگر خدا تعالیٰ عزوجل کی مدد سے) کیونکہ ہر قوت و طاقت خدا تعالیٰ کی عطا سے ہے حول سے مراد حرکت ہے اور قوت سے مراد قدرت اگر کوئی اپنے نفس میں یہ حالت نہ پائے تو اس کے دو سبب ہیں یا تو یہ کہ ان چاروں باتوں میں سے کسی پر یقین کم ہوگا یا دل پر ضعف اور مرض بزدلی اور اوہام فاسدہ کے سبب بھی غالب ہوگی کیونکہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ یقین میں کچھ نقصان نہیں ہوتا مگر وہم کی اتباع اور فرمانبرداری سے دل میں بھی آجاتی ہے مثلاً کوئی شخص شہد کھاتا ہو اور اس سے کہہ دیا جاتا کہ یہ تو پاخانے کی صورت ہے تو اس کی طبیعت بعض اوقات ایسی نفرت کرے گی کہ اس کا کھانا دشوار ہوگا اور اگر سمجھدار اسے کہا جائے کہ مردے کے پاس قبر میں یا بستر پر یا کوٹھڑی میں لیٹ جائے تو اس کی طبیعت کو نفرت ہوگی اگرچہ یقین سے جانتا ہے کہ یہ مردہ اور بالفعل جملو کی طرح بے حس و بے حرکت ہے اور خدا تعالیٰ کی عادت ہے کہ اب اس کو زندہ نہیں فرمائے گا اگرچہ زندہ کرنے پر قادر ہے جس طرح یہ اس کا دستور ہے کہ کاتب کے ہاتھ کے قلم کو سانپ نہیں کردیتا' بلی کو شیر کرے اگرچہ ان کے سانپ اور شیر بنا دینے پر قدرت رکھتا ہے۔ باوجودیکہ عاقل کو اس پر یقین ہے اسے اس میں کوئی شک و شبہ نہیں مگر اس کی طبیعت میت کے ساتھ بستر پر یا بند کوٹھڑی میں تنہا رہنے سے نفرت کرتی ہے اگرچہ اور تمام جملوات سے نفرت نہیں کرتی اور یہ دل میں ایک بزدلی کی علامت ہے بلکہ ایک قسم کا ضعف ہے کہ جس سے بہت سے لوگ ضعیف حال ہوتے ہیں کچھ نہ کچھ اس کا ضعف ہر ایک میں ہوتا ہے یہی ضعف کبھی زیادہ ہوکر مرض بن جاتا ہے حتیٰ کہ انسان گھر میں دروازے کو خوب بند کرکے تنہا نہیں سوتا بہرحال۔

توکل کی کاملیت:۔ توکل کے کامل ہونے کو دل اور یقین کی دونوں کی قوت چاہئے۔ انہیں دونوں کی قوت سے

دل کو قرار اور اطمینان ہوتا ہے دل میں قرار اور چیز ہے اور یقین دوسری چیز بہت یقین ایسے ہوتے ہیں جن کے ساتھ اطمینان نہیں ہوتا جیساکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید میں ہے۔

(قال اولم تومن قال بلٰی ولکن لیطمئن قلبی) (البقرہ 260) ترجمہ کنزالایمان :- فرمایا کیا تجھے یقین نہیں عرض کی یقین کیوں نہیں مگر یہ چاہتا ہوں کہ میرے دل کو قرار آ جائے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگی کہ زندہ کرنا میت کا انہیں دکھلایا جائے تاکہ میرا یقین محکم ہو اس لئے کہ نفس خیال کے تابع ہوتا ہے اور اسی سے اس کا اطمینان ہوتا ہے اور یقین سے ابتداء مطمئن نہیں ہوتا ہاں رفتہ رفتہ بالآخر درجہ نفس مطمئنہ کا پاتا ہے لیکن شروع میں مرتبہ نہیں پاتا اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ ان کو یقین نہیں ہوتا جیسے تمام ارباب ملت و مذہب مثلاً یہودی و نصرانی کو اپنے یہودی ہونے اور نصرانیت پر اطمینان ہے مگر یقین دونوں میں سے کسی کو نہیں صرف غلبہ ظن اور من بھاتی بات پر چلتے ہیں حالانکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ان کو ہدایت (جو یقین کا سبب ہے) پہنچ چکی مگر وہ اس سے منحرف رہتے ہیں۔

فائدہ:- بزدلی اور جرات انسان کی فطرت میں داخل ہیں ان کے ہوتے ہوئے یقین مفید نہیں ہوتا تو معلوم ہوا کہ یہ بھی توکل کا ایک سبب مخالف ہے جیسے کہ چاروں خصلتوں پر یقین کا کم ہونا ایک سبب ہے۔

اور جب یہ اسباب یعنی یقین و اطمینان وغیرہ سب اکٹھے ہوجاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ پر اعتماد حاصل ہوجاتا ہے روایت ہے۔

فائدہ:- تورات میں ہے کہ جو کسی اپنے جیسے انسان پر توکل کرے وہ ملعون ہے۔

حدیث شریف :- حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص بندوں سے عزت چاہے اسے خدا تعالیٰ ذلیل کرتا ہے۔

فائدہ :- جب توکل کا معنی معلوم ہوگیا اور وہ حالت جس کا نام توکل ہے سمجھ گئے تو اب جاننا چاہے کہ اس حالت کی قوت و ضعف کی وجہ سے توکل تین درجے ہیں۔

(1) ہم نے ابھی ذکر کیا کہ بندے کا حال توکل اور اعتماد و کفالت و عنایت الٰہی پر ایسا ہو جیسے مؤکل کو وکیل پر اعتماد ہوتا ہے۔

(2) یہ پہلے سے قوی ہے۔ وہ یہ ہے کہ متوکل کا حال خدا تعالیٰ کے ساتھ ایسے ہو جیسے بچے کا حال ماں کے ساتھ ہوتا ہے کہ وہ سوائے ماں کے اور کسی کو نہیں پہچانتا اور سوائے اس کے اور سے دلو فریاد نہیں کرتا اسی پر اعتماد کرتا ہے اگر اسے دیکھتا ہے تو دامن سے لپٹ جاتا ہے اور اسے نہیں چھوڑتا اگر اس کے پیچھے کوئی بات اس پر پیش آتی ہے تو پہلے ماں کو پکارتا ہے اور پہلے اس کے دل میں اسی کا خیال آتا ہے کیونکہ اس کا ٹھکانا ماں تک ہے اور اس کو ماں کی شفقت اور کفالت و کفایت کا ایسا یقین ہے جس کا بیان قسم کے اوراک سے نہیں ہو سکتا جتنا تمیز اسے حاصل ہے اس سے اسی کو سمجھتا بوجھتا ہے اور یوں گمان ہے کہ یہ امر طبعی ہے اس لئے کہ بچے سے ان عادتوں کا اگر مطالبہ کیا

جائے تو وہ نہ ایک تفصیل بیان کر سکے گا نہ ان کی تفصیل اپنے ذہن میں حاضر کر سکے گا لیکن یہ سب باتیں ادراک سے ماورا ہیں جو شخص کہ دل سے خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوگا اور نظر اور اعتماد اسی پر رکھتا ہوگا تو وہ خدا تعالیٰ کا محب صادق ہوگا جیسے بچہ اپنی ماں کا دلدادہ ہوتا ہے اور وہی واقع میں اللہ تعالیٰ پر متوکل ہوگا کیونکہ بچہ بھی اپنی ماں پر متوکل رہتا ہے اور فرق ان دونوں درجے میں یہ ہے کہ اس درجے والا ایسا متوکل ہے کہ اپنے توکل میں خود توکل سے بھی بے خبر ہے یعنی اس کا دل توکل اور اس کی حقیقت کی طرف متوجہ نہیں بلکہ صرف جس پر توکل ہے اسی کی طرف التفات رکھتا ہے اور اس کے دل میں اس کے سوا اور کسی کی گنجائش نہیں اور دوسرے درجے والا تکلف اور کسب سے متوکل ہے اسی لئے اپنے توکل سے بے خبر نہیں۔ یعنی اس کو توکل کی طرف التفات ہے اور اس کو سمجھتا ہے اور یہ اس بات کا مانع ہے کہ صرف خدا تعالیٰ پر نظر ہو۔

ملفوظ سہل تستری رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ :۔ اسی درجہ اول کی طرف اشارہ حضرت سہیل تستری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول میں اشارہ میں ہے کہ جب ان سے کسی نے پوچھا کہ توکل کا ادنیٰ مرتبہ کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ آرزوؤں کا ترک کرنا' پھر سائل نے پوچھا کہ اوسط درجہ کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ اختیار کا ترک کرنا یہ دوسرے درجے کی طرف اشارہ فرمایا اور اعلیٰ درجہ پوچھا گیا تو کچھ بیان نہ کیا اور فرمایا کہ اس کو وہی جانتا ہے جو اوسط درجہ پر پہنچ جاتا ہے تیسرا درجہ توکل کا جو سب سے اعلیٰ ہے وہ یہ کہ متوکل اپنی حرکات و سکنات میں خدا تعالیٰ کے سامنے ایسا ہو جیسے مردہ نہلانے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے یعنی متوکل خود کو مردہ سمجھے جسے قدرت ازلیہ حرکت دیتی ہو جیسے نہلانے والے ہاتھ مردے کو حرکت دیتا ہے اور وہ ایسا ہوتا ہے جس کا یقین اس بات پر قوی ہو کہ حرکت دینے والا اور قدرت اور ارادہ اور علم اور تمام صفات کا جاری کرنے والا وہی ہے اور یہ تمام چیزیں جبرا پیدا ہو جاتی ہیں پس ایسا شخص عین انتظار میں رہے گا کہ مجھ پر کیا پیش آئے گا اور چھوٹے بچے سے اس بارے میں ممتاز ہوگا کہ وہ اپنی ماں سے فریاد کرتا اور دامن میں لپٹ جاتا ہے اور اس کے پیچھے دوڑتا ہے اور یہ ایسے بچے کی طرح ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اگر خود فریاد نہ کرے گا تو ماں اس کو ڈھونڈ لے گی اور اگر اس کے دامن سے نہ لپٹے گا تو وہ خود اٹھا لے گی اور اگر اس سے دودھ نہ مانگے گا تو وہ خود پلائے گی یہ مقام توکل کل اس بات کا مقتضی ہے کہ متوکل خدا تعالیٰ کے کرم اور عنایت پر اعتماد کر کے دعا اور سوال ترک کر دے اس نظریہ سے کہ وہ بلا سوال افضل چیز عطا فرمائے گا کیونکہ اس نے بہت سی نعمتیں سوال اور دعا سے پہلے بے استحقاق دے رکھی ہیں اور دوسری مرتبہ مقتضی ترک دعا کا خدا تعالیٰ سے نہیں بلکہ دوسرے سے سوال نہ کرنے کا مقتضی ہے۔

سوال :۔ ان احوال کا کوئی وجود بھی ہے یا نہیں۔

جواب :۔ ہاں اس کی صورت یہ ہے کہ ان کا وجود محال تو نہیں مگر بہت نادر و کمیاب ضرور ہے جن میں دوسرا اور تیسرا تو حکم لقا ہے اول درجہ زیادہ تر ممکن الحصول ہے اور دوسرا' تیسرا درجہ اگر ہو بھی تو اس کا دوام اور بھی دشوار

ہے بلکہ تیسرا درجہ تو دوام میں ایسے ہے جیسے خوف کی زردی آئی اور گئی اس وجہ سے کہ دل کا کشادہ ہونا اپنی حرکت اور قدرت اور دوسرے اسباب سے ایک امر طبعی ہے اور اس کا رکنا ایک امر عارضی ہے جیسے خون کا چاروں طرف پھیلنا امر طبعی ہے اور اس کا رک جانا عارضی ہے۔ خوف کا یہی معنی ہے کہ خون ظاہر چہرہ سے باطن کی طرف سمٹ جائے یہاں تک کہ ظاہر چہرہ سے وہ سرخی جو چہرہ کے باریک پردے میں سے جھلکتی تھی، جاتی رہے اور چہرہ خود ایک باریک پردہ ہے جس میں سے خون کی سرخی کی دمک محسوس ہوتی ہے خون کا سمٹنا لازماً زردی لائے گا مگر یہ ہمیشہ نہیں رہے گا اسی طرح دل کا بالکل حرکت و قدرت کی طرف سے سمٹ جانا اور ان کو نظرانداز کرنا اور اسباب ظاہری پر التفات نہ کرنا ہمیشہ نہیں رہتا اور دوسرے درجے کا دوام ایسے ہے جیسے زردی والے کی زردی کہ وہ کبھی ایک دو روز ٹھہرتی اور درجہ اول کا دوام مشابہ اس بیمار کی زردی کے ہے جس کا مرض پرانا ہوگیا ہو۔ اس کا ہمیشہ رہنا بھی دشوار نہیں نہ جاتا رہنا بھی بعید ہے۔

سوال:۔ ان مقامات میں انسان کو کوئی تعلق اور تدبیر اسباب ظاہری کے ساتھ رہتا ہے یا نہیں۔

جواب:۔ تیسرے مقام میں تو سرے سے تدبیر نہیں رہتی جب تک کہ حالت مذکورہ باقی رہتی ہے بلکہ اس حالت والا حیرانوں کی طرح رہتا ہے اور دوسرے مقام میں اور کوئی تدبیر نہیں ہوتی مگر خدا تعالیٰ سے فریاد کرنا اور دعا و سوال سے اس کی طرف التجا رہتی ہے جیسے بچہ اپنی ماں سے صرف پیار کا تعلق رکھتا ہے اور مقام اول میں نہ تدبیر نیست و نابود ہوجاتی ہے نہ اختیار ختم ہوجاتا ہے ہاں بعض تدبیرات جاتی رہتی ہیں جیسے موکل اپنے وکیل پر اعتماد کرکے بعض تدابیر جو غیر وکیل سے متعلق ہوں نہیں کرتا مگر جو تدبیر اس کا وکیل بتاتا ہے یا اپنے آپ اس کی عادت و تجربہ سے معلوم ہے اسے عمل میں لاتا ہے مثلاً وکیل نے کہا کہ جب تو موجود ہوگا اس وقت میں مقدمہ کی پیروی لازماً کروں گا تو موکل خواہ مخواہ اپنی حاضری کی کوشش کرے گا اور یہ امر خلاف توکل نہیں یعنی اس میں یہ بات نہیں کہ وکیل سے منحرف ہوکر صرف اپنی قدر باعزت کی تدبیر پر اظہار حجت میں اعتماد کیا ہو بلکہ یہ توکل کی تکمیل میں سے ہے کہ جو کچھ وکیل اس کے لئے مناسب جان کہ کہہ دے وہی عمل میں لائے اگر اس پر متوکل نہ ہوتا اور اس کی بات پر اعتماد نہ کرتا تو اس کے کہنے سے کیوں حاضر ہوتا۔

مثال:۔ جو امر کہ عادت سے وکیل کو معلوم ہو اس کی مثال یہ ہے کہ مثلاً موکل کو معلوم ہے کہ میرا وکیل طرف ثانی سے بلادستاویز نہیں لڑتا تو اس کا توکل جب پورا ہوگا کہ وکیل کی عادت کے واقف ہونے کے بعد اسی کے مطابق پابند ہو اور دستاویز دفتر میں جانے کے وقت ساتھ لے جائے غرضیکہ اول صورت میں خود حاضر ہونا اور صورت دوم میں دستاویز لے جانا داخل تدبیر ہے اگر ان میں سے کسی کو چھوڑ دے گا تو اس کے توکل میں نقصان نہ ہوگا تو ان دونوں تدبیروں کی بجاآوری کیسے توکل میں باعث نقصان ہوسکتی ہے ہاں وکیل کے اشارے پر بموجب خود حاضر ہونا یا اس کی عادت سے واقف ہوکر دستاویز کا ساتھ رکھنا اور پھر اس کی محنت اور طرف ثانی سے غور کے ساتھ بات سننا

بعض اوقات مقام دوم اور سوم پر بھی پہنچا دیتا ہے یعنی مقدمہ کی تیاری کے وقت مبہوت اور حیران ہوجاتا ہے کہ دیکھئے کیا ہو اور اپنی طاقت و قوت پر کوئی اعتماد نہیں کرتا اس پر اعتماد صرف اسی وقت تھا کہ چلا آیا اور دستاویز ساتھ لے آیا اور اب وہ وقت آ پہنچا کہ اس میں صرف نفس کا اطمینان اور اعتماد وکیل پر رہ گیا اور اس بات کا انتظار کہ میرے حق میں کیا ہوا اب اگر اس بات پر غور کیا جائے تو تمام اعتراضات توکل کے بارے میں دور ہوجاتے ہیں۔

فائدہ :۔ توکل کی کچھ یہ شرط نہیں کہ انسان ہر تدبیر اور کام چھوڑ دے کوئی بھی تدبیر اور کام کرنے نہ پائے توکل کے ساتھ کوئی درست ہی نہیں بلکہ جائز ہونا بعض کا اور ناجائز ہونا بعض امور کا توکل میں تفصیل کے ساتھ ہے عنقریب اعمال توکل میں اس کا بیان ہوگا۔

فائدہ :۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر متوکل باشارہ وکیل یا اس کی عادت کی واقفیت کی وجہ سے خود حاضر ہو یا دستاویز ساتھ لے آئے تو یہ امر مخالف توکل نہیں اس لئے کہ یہ تو اسے معلوم ہے کہ اگر وکیل نہ ہوتا تو میرا آنا اور دستاویز لانا بیکار تھا بلکہ الٹا دردسر۔ اس سے کوئی کام نہ ہوتا یعنی ان دونوں باتوں کا مفید ہونا اپنی تدبیر کی وجہ سے نہیں جانتا بلکہ اس نظریہ سے کہ وکیل نے اس کو مقدمہ لڑنے کے لئے اپنے ساتھ رکھا ہے اور اس نے یہ امر اس کے اشارے یا عادت سے معلوم کرلیا ہے یہ بھی ان کو مفید جانتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اس کی طاقت و قوت صرف وکیل کی وجہ سے ہے مگر وکیل کے لیے یہ کلمہ کہنا اس کا معنی کامل نہیں بنتا۔ اس لیے کہ وکیل اس کی طاقت و قوت کا خالق نہیں بلکہ وکیل نے اس کی طاقت و قوت کو یعنی دونوں تدابیر مذکور کو مفید کردیا اگر وہ ایسا نہ کرتا تو وہ مفید نہ ہوتیں بلکہ یہ کلمہ حق خدا تعالیٰ کی شان میں صادق ہے کہ وہ طاقت و قوت کا خالق ہے جیسے کہ اس کی تقریر بیان توحید میں گزری اور اسی نے ان دونوں کو مفید بھی بنایا کہ ان کو شرط ان فوائد و مقاصد بنا دیا جن کو ان دونوں کے بعد پیدا کرے گا۔

فائدہ :۔ اس سے معلوم ہوا کہ کلمہ لاحول ولا قوۃ الاباللہ بے شک درست اور ٹھیک ہے پس جو ان امور کا مشاہدہ ان الفاظ سے کرے گا اسے وہ ثواب عظیم جو ان کلمات کے کہنے سے احادیث مبارکہ میں آیا ہے ہوگا ورنہ بڑا تعجب ہوتا ہے کہ اتنا ثواب سب کا سب اتنے الفاظ ہے جو زبان پر سہولت سے گزر جائیں اور ان کے معانی کا دل میں آسانی سے اعتقاد آجائے کس طرح ملتا ہے اور جب معلوم ہو کہ یہ ثواب اس مشاہدے کا ہے جو ہم نے توحید کے ذکر میں بیان کیا ہے تو تعجب نہیں رہتا اور نسبت اس کی کلمہ کا کلمہ (لا الہ الا اللہ) اور اس کے ثواب کی طرف ایسی ہے جیسے ایک کلمے کے معنوں کو نسبت ہے اور دوسرے کلمے کے معنوں کی طرف یعنی (لاحول ولا قوۃ الا باللہ) میں تو صرف دو چیزوں یعنی حول و قوت ہی کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کیا ہے اور (کلمہ لاالہ الااللہ) میں تمام چیزوں کی نسبت اسی کی طرف ہے تو جو فرق کل چیزوں اور دو چیزوں کی نسبت اسی کی طرف ہے وہی فرق ان دونوں کلموں کے ثواب میں بھی ہے اور جیسا کہ ہم نے پہلے لکھا ہے کہ توحید دو پوست اور دو مغز کو متضمن ہوتی ہے

ویسے ہی یہ کلمہ اور تمام کلمات بھی انہیں چاروں چیزوں کو متضمن ہیں۔ اکثر لوگ صرف دو پوست کے پابند ہیں مغزوں کی طرف مائل نہیں ہوتے۔ اس حدیث شریف میں اسی طرف اشارہ ہے (من قال لا الہ الا اللہ صادقا من قلبہ مخلصا وجبت لہ الجنۃ) ترجمہ۔ جو شخص کہے لاالہ الااللہ اپنے دل سے سچا اور مخلص ہو کہ اس کو جنت واجب ہے۔)

اور جس حدیث شریف میں صدق و اخلاص کی قید نہیں وہاں مطلق سے مقید ہی مراد بعض جگہ مغفرت کو ایمان اور عمل صالح کی طرف منسوب کیا ہے اور بعض جگہ پر صرف ایمان پر منحصر فرمایا تو ایسی جگہ میں ایمان سے مطلق مراد نہیں بلکہ مقید بہ عمل صالح مراد ہے اس لئے کہ سلطنت اخروی صرف باتوں سے نہیں ملتی' زبان کا ہلنا بات ہے اور دل کا اعتقاد بھی ایک بات ہے مگر وہ نفس کی بات ہے مگر صدق و اخلاص اور چیز ہے کہ نہ زبان کی گفتگو ہے نہ نفس کی گفتگو اور تخت سلطنت صرف مقربین کے لئے بچھا دیا جائے گا اور وہ اخلاص والے حضرات ہیں ہاں جو لوگ کہ اصحاب یمین سے ان کے نزدیک رہے ہوں گے ان کو بھی خدا تعالیٰ کے یہاں درجے ملیں گے سورۃ واقعہ میں سابقین کا ذکر فرمایا تو سریر کا ذکر بھی ساتھ فرمایا۔

(علی سرر موضونۃ متکئین علیھا متقابلین) (الواقعہ 15'16) ترجمہ کنزالایمان :۔ جڑاؤ تختوں پر ہوں گے ان پر تکیہ لگائے ہوئے آمنے سامنے۔

اور جب اصحاب یمین کی باری آئی تو اور کچھ نہیں بیان کیا صرف کھانے پینے دیکھنے اور نکاح کی لذات بیان کیں جیسے میوؤں اور پانی اور سایہ اور درختوں اور حوروں کے بیان فرمایا اور ظاہر ہے کہ یہ لذات تو بہائم کو بھی ہمیشہ رہتی ہیں پھر کہاں لذات بہائم اور کہاں وہ سلطنت قائم اور جوار رب العالمین میں رہنا دائم۔ اگر ان لذات کی کچھ قدر ہوتی تو بہائم کو نہ ملتی اور فرشتے ان سے محروم نہ کئے جاتے نہ ان کا درجہ بہائم سے بڑھ کر ہوتا بہائم کو یہ سب کچھ میسر ہے وہ باغات میں پھرتے ہیں پانی کے چشموں کی اور درختوں کی بہار دیکھتے ہیں تمام اقسام کی غذا کھاتے ہیں نر اور مادہ آپس میں وطی کا سلسلہ کرتے ہیں تو یہ سب لذتیں اعلیٰ اور اشرف اس بات کے لائق ہیں کہ اہل کمال کے نزدیک فرشتوں کے احوال پر ان کو ترجیح ہو اور وہ یہ جانیں کہ جیسے فرشتے قرب الٰہی سے خوش رہتے ہیں ویسے ہم نہ ہوں بہائم کی طرح ان لذائذ میں مبتلا ہوں یہ کہاں ہو سکتا ہے مثلاً اگر کسی شخص کو اختیار دیا جائے کہ تم گدھے ہو جاؤ یا حضرت جبرائیل علیہ السلام کے درجے میں ہو جاؤ تو وہ گدھے کا درجہ فرشتے کے درجے پر کیسے اختیار کرے گا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جو چیز کسی کے مشابہ ہوتی ہے وہ اسی کی طرف کھینچتی ہے مثلاً جس کا میلان کفش دوزی کی طرف بہ نسبت محرری کے زیادہ ہو گا وہ اپنے جوہر کی رو سے کفش دوزی ہی کے ساتھ مشابہ تر ہو گا یعنی اس پر وہی پیشہ زیادہ چلے گا اسی طرح جس کے نفس کا میلان لذات بہائم کی طرف بہ نسبت لذات ملائکہ ملائکہ کے زیادہ ہو گا وہ بہائم کا مشابہ زیادہ ہو گا ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (اولئک کالانعام بل ھم اضل) (الاعراف 199) ترجمہ کنزالایمان :۔ وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بڑھ کر گمراہ۔

ان لوگوں کو اضل (گمراہ تر) اس لئے فرمایا کہ جانوروں کو فرشتوں کے درجہ کی تلاش نہیں وہ تو اس سے مجبور ہیں اور انسان میں قوت اس کی طلب کی استعداد ہے جو شخص کسی کمال کے حاصل کرنے پر قادر ہو اور نہ کرے وہ بے شک مذمت کے زیادہ لائق ہے اور عاجز کی بہ نسبت گمراہ ہونے میں زیادہ ہے۔

فائدہ:۔ یہ گفتگو چونکہ جملہ معترضہ کے طور پر آگئی اس لئے ہم اصل مقصود کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ ہم کلمہ لاالہ الا اللہ اور لاحول ولا قوۃ الا باللہ کا معنی لکھ چکے ہیں جو کوئی انہیں بدون مشاہدہ کے غیر کے اس پر توکل کا حال متصور نہیں یہاں اگر کوئی کہے کہ

سوال:۔ (لاحول ولا قوۃ الا باللہ) میں صرف دو چیزوں کی نسبت خداتعالیٰ کی طرف ہے اب اگر کوئی یوں کہے کہ آسمان و زمین کو خداتعالیٰ نے پیدا کیا ہے تو اس کا ثواب بھی (لاحول) کے برابر ہے یا نہیں۔

جواب:۔ اس کا ثواب کہاں نہیں اس لئے کہ ثواب بقدر درجہ ثواب کی چیز کے ہوتا ہے اور یہاں دونوں میں کوئی مساوات نہیں کیونکہ اگر کوئی حول و قوت کو مجازاً چھوٹا کہے اور آسمان و زمین کو بڑا تو گو جسم میں آسمان و زمین بڑے ہیں، مگر ان کی بڑائی ایسی ہے جیسے کہا کرتے ہیں کہ عقل بڑی ہے یا بھینس اور یہ ہر ایک جانتا ہے کہ زمین و آسمان آدمیوں کی طرف سے نہیں بلکہ وہ دونوں خداتعالیٰ کی پیدائش سے ہیں مگر حول و قوت کا معاملہ ایسا مشکل ہے کہ معتزلہ اور فلاسفہ اور بہت سے گمراہ جن کو دعویٰ اپنی باریک بینی اور عقل اعلیٰ سے سب اس میں دنگ ہیں۔

فائدہ:۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں بڑی مہلک اور خطرہ کی جگہ اور لغزش کا مقام ہیں بہت سے لوگ اس میں اسی لئے تباہ ہوئے کہ اپنے لئے ایک امر ثابت کیا حالانکہ یہ توحید میں شرک ہے اور سوائے خداتعالیٰ کے دوسرا خالق ٹھہراتا ہے جو شخص اس وادی کو خداتعالیٰ عزوجل کی توفیق سے طے کرتا ہے اس کا رتبہ عالی اور درجہ بلند ہوتا ہے اور وہی کلمہ (لاحول ولا قوۃ الا باللہ) کی تصدیق کرتا ہے اور ہم لکھ آئے ہیں کہ توحید میں دو گھاٹیاں بڑی ہیں (1) دیکھنا آسمان اور زمین اور آفتاب اور چاند و ستاروں اور ابر اور بارش اور تمام جمادات کا (2) نظر کرنا حیوانات کے اختیار کا اور یہ دونوں میں سے بڑا اور پرخطر ہے گویا کہ یہ توحید کا راز ہے اسی لئے اس کلمے کا ثواب بڑا ہے یعنی ثواب اس مشاہدہ کا جس کا ترجمہ یہ کلمہ ہے۔

خلاصہ:۔ اس سب تقریر کا یہ ہوا کہ توکل کا حال یہ ہے کہ اپنی حول و قوت سے ہٹ کر واحد مطلق پر توکل کرنا اور یہ بات اعمال توکل کی تفصیل میں ناظرین پر واضح ہوگی۔ (ان شاء اللہ)

(توکل میں مشائخ و اسلاف کے اقوال)

یہ اس لئے ذکر کیا جاتا ہے کہ معلوم ہوجائے کہ جو کچھ کسی نے فرمایا وہ سب ہماری اس تقریر میں یعنی توکل کے

تین درجات میں شامل ہے اور ہر ایک کے قول میں بعض حالات کا اشارہ پایا جاتا ہے۔ (۱) ابو موسیٰ دیبلی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت یزید بسطامی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا کہ توکل کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ تمہارا کیا خیال ہے میں نے کہا کہ ہمارے ساتھی تو یوں کہتے ہیں کہ اگر بالفرض سانپ اور بچھو کسی کو داہنے اور بائیں سے گھیرلیں تو اس سے باطن میں کچھ جنبش نہ ہوا آپ نے فرمایا کہ ہاں اسی کے قریب ہے مگر بالفرض اگر اہل جنت بہشت میں مزے اڑاتے ہوں اور دوزخ والے عذاب میں گرفتار ہوں اور توکل والا ان دونوں میں تمیز کرے تو وہ توکل سے باہر ہو جائے گا۔

(فائدہ) :- حضرت ابو موسیٰ کا قول تو سب سے بہتر حال توکل ہے یعنی آپ تیسرا مقام بیان فرماتے ہیں اور حضرت ابو یزید رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول عمدہ انواع علم کا مشعر ہے جو دراصل توکل یہی ہے یعنی علم حکمت الٰہی اور یہ کہ جو کچھ خدا تعالیٰ نے کیا وہی ہونا چاہئے اصل عدل و حکمت کے لحاظ سے اہل جنت اور دوزخ میں کوئی فرق نہیں اور یہ علم نہایت مخفی ہے اور اس سے بڑھ کر راز تقدیر ہے۔ حضرت ابو یزید رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ بجز اعلیٰ مقامات اور اقصیٰ درجات کے کچھ کم فرمایا کرتے تھے اور توکل کے مقام اول میں یہ شرط نہیں کہ سانپوں سے نہ احتراز کرے کیونکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غار میں ان کی راہیں بند فرمائی تھیں اگر یہ توکل کے خلاف فعل ہوتا تو آپ کیوں کرتے لیکن ہو سکتا ہے کہ آپ نے صرف پاؤں سے سانپ کے بل بند کر دیئے ہوں اور باطن میں تغیر نہ آیا ہو یا صرف حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نفس نفیس کی تکلیف نامناسب جان کر ایسا کیا ہو اپنے لئے تو نہیں کیا تھا اور توکل باطن کے اس تغیر سے چلا جاتا ہے جو خاص اپنے نفع کے لئے توکل میں اس طرح کی تاویلات کو گنجائش ہے مگر ہم آگے لکھیں گے کہ اس جیسی باتیں بلکہ اس سے زیادہ بھی مخالف توکل نہیں کیونکہ باطن کی تغیر سانپوں سے داخل خوف ہے اور متوکل کا حق یہ ہے کہ اس سے ڈرے جس نے سانپوں کو مسلط کیا ہے کیونکہ سانپوں کی حرکت و قدرت بغیر خدا تعالیٰ کے کچھ نہیں اگر احتراز کرے تو تکیہ اپنی تدبیر اور حول اور قوت پر نہ کرے بلکہ خالق کی حول و قوت پر سہارا کرے۔

(2) حضرت ذوالنون مصری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے توکل کو پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ علیحدہ ہونا ارباب سے اور قطع کرنا اسباب کا

(فائدہ) :- ارباب سے علیحدہ ہونا تو اشارہ علم توحید کی طرف ہے اور قطع اسباب سے اشارہ اعمال کی طرف ہے اس میں حال کے متعلق صریح لفظ کوئی نہیں اگرچہ ضمناً حال کی تعریف پائی جاتی ہے پھر ذوالنون سے عرض کیا گیا کہ کچھ اور فرمایئے آپ نے فرمایا کہ نفس کو عبودیت میں ڈالنا اور اسے ربوبیت سے خارج کرنا۔

(فائدہ) :- حول اور قوت سے قطع ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

(3) حمدون گلذر سے حال توکل پوچھا گیا تو فرمایا کہ اگر کسی کے پاس دس ہزار درم ہوں اور اس پر صرف ایک ٹیڈی قرض ہو تو وہ اس سے بے خوف نہ رہے کہ مرجاؤں گا اور یہ قرض گردن پر رہے گا اس پر اگر دس ہزار درم قرض ہو اور اس کے ادا کیلئے کچھ گھر پر نہ ہو تو خدا تعالیٰ سے اس کی ادائیگی سے ناامید نہ ہو۔

(فائدہ) :- اس میں اشارہ صرف وسعت قدرت الٰہی پر ایمان لانے کا ہے اور یہ کہ مقدورات کیلئے اسباب ظاہر کے علاوہ اسباب خفیہ بھی ہیں۔

(4) حضرت ابوعبداللہ قرشی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے کسی نے توکل کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ہر حال میں خدا تعالیٰ سے متعلق رہنا پھر سائل نے پوچھا کہ اور کچھ فرمایئے آپ نے فرمایا کہ جو سبب کہ دوسرے سبب کی طرف موصل ہو اسے چھوڑ دینا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو کفیل سمجھنا۔

(فائدہ) :- اس کا جملہ اول تو تینوں مقاموں کو عام ہے اور دوسرا جملہ مقام ثالث کی طرف اشارہ ہے جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توکل کیا تھا کہ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ آپ کو کچھ حاجت ہے آپ نے فرمایا کہ ہے مگر تمہاری طرف نہیں کیونکہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی درخواست کا آپ کی حفاظت کیلئے ایک سبب تھا جو دوسرے سبب کی طرف مقتضی تھا آپ اس کو اس اعتکو سے ترک کردیا کہ اگر خدا تعالیٰ کو منظور ہوگا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام کو حفاظت کیلئے مسخر فرمائے گا یعنی اس کام کا خود ہی کفیل ہوگا لیکن یہ حال اس حیران کا ہوتا ہے جو اپنے نفس سے خدا تعالیٰ میں استغراق کی وجہ سے بے خبر ہو اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو نہ دیکھے۔ ایسے حضرات کا وجود بہت کم بلکہ مشکل ہے اور دوام بشرط وجود اور مزید مشکل۔

(5) حضرت ابوسعید خراز فرماتے ہیں کہ توکل دو چیزوں کا نام ہے 1- اضطراب بلاسکون 2- سکون بدون بلااضطراب۔

(فائدہ) :- اس سے ان کی مراد غالباً مقام ثانی ہے۔

یعنی سکون بلااضطراب سے مراد دل کا سکون اور اعتکو وکیل پر بلاتردد ہونا اضطراب بلاسکون میں اشارہ ہے کہ التجا اور تضرع فریاد صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے ہو جیسے بچہ صرف ماں کی طرف مضطرب رہتا ہے اور اس کا دل اس کی کمال شفقت پر مطمئن ہوتا ہے۔ (6) ابوعلی دقاق رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ توکل تین درجہ رکھتا ہے (1) توکل (2) تسلیم (3) تفویض۔ متوکل تو خدا تعالیٰ کے وعدے پر ساکن ہوجاتا ہے اور تسلیم والا اس کے جاننے پر کفایت کرتا ہے اور تفویض والا اس کے حکم پر راضی ہوتا ہے۔

(فائدہ) :- اس میں اشارہ اس طرف اشارہ ہے کہ متوکل کا دیکھنا بلحاظ اس شخص کی طرف ہے جس کو دیکھتا ہے درجات مختلف رکھتا ہے علم تو اصل ہی اور وعدہ اس کا تابع ہے اور حکم وعدہ کے بعد ہوتا ہے اور غالباً متوکل کے دل پر ان میں سے کسی نہ کسی ملاحظہ غالب رہتا ہے۔

(فائدہ) :- مشائخ کے اقوال توکل کے متعلق ان کے لکھنے میں طوالت ہے۔ اس میں کوئی فائدہ نہیں اس کی حقیقت

حال جو کچھ تھی ہم نے واضح کردی گئی اتنا کافی ہے۔

متوکلین کے اعمال:۔ علم مورث حال کا ہوتا ہے اور حال مورث اعمال بعض جاہل صوفیہ کا گمان ہے کہ توکل کا معنی ہے کہ نہ بدن سے کوئی کام کرے نہ دل سے کوئی تدبیر اور زمین پر پھٹے کپڑے کی طرح یا گوشت کے لوتھڑے کی طرح پڑا رہے اور یہ گمان جاہلوں کا ہے اس لئے کہ یہ تو شرعاً حرام ہے اور شرع میں متوکلین کی تعریف مذکور ہے یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جو امر حرام ہے اس کے کرنے سے کوئی رتبہ قابل تعریف حاصل کرلے یہاں ہم اس کی تحقیق لکھتے ہیں اور امر واقعی اس بارے میں جو کچھ حق ہے منظرعام پر جلوہ گر کرتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ توکل کی تاثیر کسی کے کام میں اس وقت معلوم ہوتی ہے جب اس کا مقصود علم ہو اور انسان جو اپنے اختیار سے کچھ کرتا ہے تو اس کی کوشش چار مقاصد کیلئے ہوتی ہے۔

(1) کسی نافع چیز کی تحصیل (حاصل کرنا) جو کہ پہلے اس کے پاس نہ ہو جیسے مال حاصل کرنا۔

(2) حفاظت اپنی اشیاء نافعہ کی جیسے اموال کا ذخیرہ کرنا۔

(3) کسی ایذارساں کو پہلے ایذا سے پہلے دفع کرنا جیسے درندہ چور وغیرہ۔

(4) جو مصیبت سر پر آگئی ہو اسے ہٹانا۔

ہم شرط توکل اور اس کے درجات ان چاروں اعمال میں مع دلائل شرعیہ چار فنوں میں لکھتے ہیں۔

(1) نافع چیز کے حاصل کرنے میں جن اسباب سے کہ نافع چیز کسی تک پہنچتی ہے وہ تین قسم ہے۔ (1) یقینی (2) ظن غالب اور قابل اعتماد (3) وہمی کہ ان پر نفس کو اعتماد کامل ہو لیکن اطمینان نہ ہو۔

قسم اول یعنی اسباب وہ ہیں کہ ان کے ساتھ خدا تعالیٰ کے حکم و مشیت سے مسببات وابستہ ہیں وہ ہمیشہ اسی طرح ہوتا ہے اس کے خلاف ہرگز نہیں ہوسکتا مثلاً جب کسی کے سامنے کھانا رکھا ہوا ہو اور وہ بھوکا بھی ہو مگر اس پر ہاتھ نہ بڑھائے اور کہے کہ میں تو متوکل ہوں اور توکل کی شرط ہے کہ کچھ کام نہ کرے ہاتھ کا بڑھانا بھی ایک کام ہے اور پھر کھانے کا دانتوں سے چبانا اور دونوں جبڑوں کو چلانا اور نگلنا بھی ایک کام ہے تو اس قسم کی باتیں توکل میں داخل نہیں اس کو جنون کہتے ہیں اس واسطے کہ اس کے لئے خدا تعالیٰ نے یہ اسباب قطعی بنا لیے ہیں کبھی ان کے خلاف نہیں ہوتا تو ان سے دست برداری کی طرح بھی نہیں ہوسکتی مثلاً

(مثال):۔ کوئی اس کا منتظر ہو کہ خدا تعالیٰ اس کا پیٹ بغیر کھانا کھائے بھر دے یا روٹی میں حرکت پیدا کردے کہ وہ خود منہ میں چلی آئے یا کسی فرشتے کو مسخر کردے کہ وہ کھانا لے کر معدہ میں رکھ آئے تو وہ شخص خدا تعالیٰ کی عادت سے جو اس نے مخلوق میں جاری رکھی ہے، ناواقف ہے اسی طرح اگر زمین کو کھیتی کے لیے تیار نہ کرے پھر طمع کرے کہ اللہ تعالیٰ اس میں غلہ اگا دے گا ایسے ہی کوئی اپنی زوجہ سے اولاد کا خواہاں ہو لیکن عورت سے صحبت نہ کرے اور کہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے پیدا ہوئے تھے میرے ہاں بھی بیٹا پیدا ہوگا تو سب جنون ہیں ایسی جگہ

ترک عمل کا نام توکل نہیں بلکہ توکل حال اور علم سے ہونا چاہئے اس بات کا علم کہ اللہ تعالیٰ نے کھانے کو اور ہاتھ' دانت اور قوت حرکت کو پیدا کیا اور کھانا اور پانی عطا کرنا اسی کا کام ہے اور حال یہ ہے کہ سکون قلبی اور اعتماد خداتعالیٰ کے فعل پہ ہونا چاہئے نہ کہ ہاتھ اور غذا پر' ہاتھ پر اعتماد کیسے کیا جائے کہ بعض اوقات ہاتھ خشک ہوجاتا ہے کبھی اس پر فالج گرتا ہے اسی طرح قوت پر بھی اعتماد نہیں ہوسکتا کیونکہ انسان کو کبھی ایسا صدمہ پیش آتا ہے کہ اسی وقت عقل جاتی رہتی ہے اور قوت حرکت زائل ہوجاتی ہے اور کھانے کے موجود ہونے پر بھی اعتماد نہیں ہوسکتا کہ بعض اوقات کوئی زبردست اسے چھین لیتا ہے یا کوئی سانپ وغیرہ ڈس جاتا ہے تو انسان کھانا چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے غرضیکہ ان چیزوں میں جب اس طرح کے احتمالات پیدا ہوتے ہیں اور ان کا کوئی علاج بجز فضل ایزدی کے نہیں تو اس پر انسان کو خوش ہونا اور اعتماد کرنا لائق ہو جب کسی کا حال اور علم اس طرح کا ہو تو چاہئے کہ ہاتھ بڑھائے اس طرح سے متوکل ہی رہے گا دوسری قسم اسباب کی وہ ہیں جو یقینی نہیں مگر غالب یہ ہے کہ مسببات ان کے بغیر نہیں حاصل ہوتے یا حاصل ہوتے ہیں تو بہت بڑی مشکل سے مثلاً کوئی شخص شہروں اور قافلوں سے دور ایسے جنگلوں میں سفر کرے کہ اس میں انسانوں کی آمدورفت بہت شاذونادر ہو اور وہ توشہ بھی ساتھ نہ لے تو اسباب نہ لینا توکل میں شرط نہیں بلکہ جنگلوں میں توشہ ساتھ لینا پہلے لوگوں کا دستور تھا اور اس سے توکل نہیں جاتا بشرطیکہ اعتماد صرف فضل الٰہی پر ہو نہ کہ زادراہ پر جیساکہ پہلے بیان ہوا لیکن اگر کوئی زادراہ ساتھ نہ لے تو بھی جائز ہے اور یہ رتبہ مقامات توکل میں سے بہت بڑا اونچا ہے یہ طریقہ خواص لوگوں کا ہے۔

(سوال) :- زادراہ ساتھ نہ لینے سے تو جان ہلاکت میں ڈالنا ہے اور وہ شرعاً ناجائز ہے۔

(جواب) :- اس صورت کو عدم جواز سے نکالنے کیلئے دو وجہیں ہیں۔

(1) کسی نے اپنے نفس پر ریاضت و مجاہدہ کرکے ایک ہفتہ یا اس سے کم و بیش بھوک کی برداشت کرنے کی علامت بنالی ہے۔ اس طرح کہ بھوک کی برداشت اس مدت تک بغیر ملال اور پریشانی خاطر اور دشواری کے ذکرالٰہی کرسکے تو صورت حرام نہ ہوگی۔

(2) گھاس اور ساگ وغیرہ کو غذا کرسکے اگر یہ دونوں شرطیں ہوں گی تو غالب یہی ہے کہ ہر ہفتے میں جنگل میں کوئی نہ کوئی آدمی مل جائے گا یا کسی گاؤں اور بستی میں گزر ہوگا یا کچھ ساگ وغیرہ ایسا مل جائے گا جس سے وقت بسر ہوجائے اور اپنے نفس پر مجاہدہ کرکے زندہ رہے۔

(فائدہ) :- مجاہدہ کرنا توکل کی اصل ہے اور خواص اور ان جیسوں کا اسی پر اعتماد تھا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ خواص لوگ اپنے ساتھ سوئی اور رسی اور ڈول ضرور رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس سے توکل میں خلل نہیں آتا' اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کو معلوم تھا کہ جنگل میں پانی عام تو ہوتا نہیں اور خداتعالیٰ کی علامت نہیں کہ پیاسے کے لئے کنوئیں میں سے ڈول رسی کے بغیر پانی باہر لائے اور جنگل میں اکثر ڈول رسی نہیں ملتی ہاں جنگلوں میں گھاس' ساگ' پتے عام

ملتے ہیں اور پانی کی ضرورت سفر میں کئی بار ہوتی ہے وضو اور پینے کیلئے وغیرہ وغیرہ کیونکہ مسافر گرمیوں میں سفر کی کوفت سے پانی سے صبر نہیں کر سکتا اگرچہ کھانے سے صبر کر سکتا ہے اسی طرح ان کے پاس اکثر ایک ہی کپڑا رہتا تھا تو جنگل میں اگر پھٹتا تھا تو وہاں سوئی' قینچی کہاں اور کپڑا سیئے ستر عورت ممکن نہیں اور نہ جنگل میں کوئی ایسی چیز ہے جو قائم مقام سوئی اور قینچی کے ہو سکے بہرحال جتنی چیزیں ان چاروں چیزوں کے معنوں میں ہیں یعنی ان سے مطلب ایسے ہی بر آمد ہو جیسے ان چاروں سوئی' قینچی' ڈول اور اسی سے ہے تو اس کو اول قسم کا تابع سمجھنا چاہئے ہم نے تابع اس لئے کہا کہ ان میں احتمالات ہو سکتے ہیں کہ مثلاً کپڑا نہ پھٹے یا کوئی دوسرا کپڑا دے دے یا کنوئیں پر کوئی پانی پلانے والا مل جائے اور پہلی قسم میں احتمال نہیں کہ کھانا منہ میں خود بخود چلا آئے اسی لئے ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے مگر دوسری قسم کی چیزیں اول قسم کے معنوں میں شریک ہیں یعنی ایسی چیزوں کو توکل کی وجہ سے ترک کرنا جائز نہ ہوگا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اگر کوئی پہاڑوں کی کسی گھاٹی میں متوکل ہو کر جا رہا ہے جہاں پانی ہو نہ گھاس نہ کوئی آدمی وہاں سے گزرے تو وہ اس عمل سے گناہ گار ہوگا اور اپنی جان کا دشمن

ایک زاہد شہروں سے دور کسی پہاڑ کے نیچے سات روز رہا اور کہا کہ میں کسی سے کچھ نہ مانگوں گا جب تک کہ خداتعالیٰ مجھے میرا رزق نہ پہنچا دے سات روز تک بیٹھا رہا اور مرنے کے قریب ہو گیا مگر رزق نہ آیا جناب باری میں التجا کی کہ الٰہی اگر مجھے زندہ رکھنا ہے تو جتنا رزق میری قسمت میں تو نے لکھ دیا ہے وہ مجھے عنایت فرما دے ورنہ میری روح قبض کر لے حکم ہوا کہ قسم ہے مجھے اپنی عزت و جلال کی کہ تجھے رزق نہ دوں گا جب تک کہ تو شہروں میں واپس نہ جائے وہ شہر میں واپس ہوا تو اس کے پاس کوئی کھانا لایا کوئی پانی لایا کھا پی کر کچھ دل میں وسواس کیا اللہ تعالیٰ سے القاء ہوا کہ تو چاہتا ہے کہ دنیا میں زہد کر کے میری حکمت کو، تو ضائع کردے۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ میں اپنے بندوں کو دوسروں کے ہاتھ سے رزق پہنچانا اس سے بہتر جانتا ہوں کہ خد اپنی قدرت سے دوں۔

(فائدہ):- معلوم ہوا کہ دور رہنا تمام اسباب سے حکمت الٰہی کے خلاف ہے اور عمل کرنا خداتعالیٰ کے دستور کے مطابق ہے۔ اس طرح کہ توکل خداتعالیٰ پر ہو نہ کہ اسباب پر اور یہ توکل کے خلاف نہیں جیسے کہ ہم نے وکیل کی مثال میں بیان کیا ہے۔

اسباب کے اقسام:- یہ ظاہر اور پوشیدہ متوکل کو چاہئے کہ اسباب ظاہری سے اعراض کر کے اسباب خفیہ پر اکتفا کرے اور اس میں یہ بھی ضروری ہے کہ دل کا اطمینان اور قرار مسبب الاسباب پر ہو نہ کہ اسباب پر باقی رہا۔

(سوال):- کسی پیشے کے بغیر شہر میں کسی کا بیٹھ جانا کیسا ہے حرام ہے یا مباح یا مستحب۔

(جواب):- حرام تو نہیں اس لئے کہ جب جنگلوں میں پھرنے والا اپنی جان کو تلف کرنے والا نہیں تو شہر میں رہنے والا کس طرح اپنی جان ضائع کرنے والا ہو سکتا ہے' بلکہ ہو سکتا ہے کہ اس کی غذا ایسی جگہوں سے پہنچا کرے جہاں سے اس کو خیال نہ ہو مگر کبھی دیر سے ملے گی اور اس پر صبر ممکن ہے یہاں تک کہ کہیں سے اتفاقاً آجائے لیکن اگر

حجرے کا دروازہ بند کر کے بیٹھے کہ کسی کا گزر اس تک نہ ہو تو ایسا کرنا حرام ہے اگر حجرے کا دروازہ تو کھلا رکھے مگر مصروف عبادت نہ ہو محض بیکار بیٹھا ہو تو ایسی صورت میں پیشہ کرنا اور باہر نکلنا اچھا ہے گھر میں بیٹھنا حرام نہیں۔ اس صورت میں کہ فاقے سے موت کے گھاٹ اترے اس وقت باہر نکلنا اور کچھ مانگنا یا کسب معیشت کرنا لازم۔

(فائدہ) :- اگر دل سے خدا تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہو۔ اسے انسانوں سے کوئی تعلق نہ ہو کہ کون دروازے پر آتا ہے اور رزق لاتا ہے بلکہ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم کے انتظار میں ہے تو یہ افضل عمل ہے اور توکل کے اعلیٰ مقامات میں سے ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہو اور فکر روزی نہ کرے کہ روزی لازماً اسے پہنچے گی اس صورت میں بعض علمائے کرام فرماتے ہیں کہ بندہ اگر اپنے رزق سے بھاگے تو رزق اس کو ڈھونڈ لے گا جیسے کوئی موت سے بھاگے تو وہ اسے نہیں چھوڑتی۔

(مسئلہ) :- اگر کوئی خدا تعالیٰ سے دعا مانگے کہ مجھے روزی نہ دے تو قبول نہ ہوگی اور اس دعا سے گناہگار ہوگا اور اس کو بارگاہ کبریا سے حکم ہوگا کہ اے جاہل یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تجھے پیدا کروں اور رزق نہ دوں اسی لئے حضرت ابن عباس رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے ہر چیز میں آپس میں اختلاف کیا ہے مگر رزق اور موت میں سب کا اتفاق ہے کہ بجز خدا تعالیٰ کے کوئی رازق اور مارنے والا نہیں۔

حدیث شریف :- حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (لوتو کلیتم علی اللہ حق توکلہ لرزقکم کما یرزق الطیر یعغو خماصا و تروح بطانا ولزالت بدعائکم الجبال) اگر تم اللہ تعالیٰ پر توکل کرو جیسے اس کے توکل کا حق ہے تو تمہیں ایسی روزی دے جیسے پرندے کو دیتا ہے کہ صبح بھوکا اٹھتا ہے اور شام کو سیر ہو جاتا ہے اور تمہاری دعا سے پہاڑ ٹل جائیں۔

قول عیسوی :- حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ پرندوں کو دیکھو کہ وہ نہ کھیتی کرتے ہیں نہ ذخیرہ کرتے ہیں مگر خدا تعالیٰ ان کو ہر روز رزق دیتا ہے اور اگر تم یہ کہو کہ ہمارے پیٹ بڑے ہیں تو جانوروں کو دیکھو کہ ان کے لئے خدا تعالیٰ نے رزق کے لئے مخلوق کو کیسے مقرر کر دیا ہے۔

(فائدہ) :- ابو یعقوب سوسی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ متوکلوں کا رزق مشقت کے بغیر لوگوں کے ہاتھوں سے چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ ان کو بلا تردد رزق ملتا ہے لیکن اور لوگ رزق کی فکر میں لگے رہتے ہیں رزق کے لئے سخت رنج اٹھاتے ہیں۔

(فائدہ) :- بعض اکابرین کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے تمام بندوں کو رزق دیتا ہے مگر بعض ذلت کے ساتھ کھاتے ہیں مثلاً بھیک مانگ کر اور بعض مشقت اور انتظار سے کھاتے ہیں جیسے تاجر اور بعض جان کی بازی لگا کر جیسے صنعکار اور کاریگر اور بعض عزت سے جیسے صوفیائے کرام کسی کے پاس گئے اور اپنا رزق لے آئے۔

قسم نمبر3 :- وہ اسباب کہ ان سے سبب تک پہنچنا وہمی امر ہو اس کے ظاہر کا اعتبار نہیں جیسے باریک باریک تدبیریں تحصیل مال کے لئے کرنا کہ کچھ ضروری نہیں کہ جو تدبیریں جس طرح کرے تو ویسے ہی ظہور میں آئے اور اس قسم کے کرنے سے یا تو درجات توکل بالکل ہاتھ سے نکل جاتے ہیں اکثر لوگ اسی قسم میں مبتلا ہیں مال مباح کے حاصل کرنے کے لئے بیسوں حیلے نکالتے رہتے ہیں۔

(مسئلہ) :- مال شبہہ کا لینا یا ایسے طریقہ سے مال حاصل کرنا جس میں شبہہ ہو تو بطریقہ اولے توکل کو باطل کرتا ہے کیونکہ وہ تو نہایت درجے کا گھٹیا کام ہے۔ اس قسم کے اسباب کو حصول کا مفید سمجھنا ایسے ہے جیسے منتر اور فال اور داغنا کہ ان میں نفع تو ہے لیکن توکل کے خلاف ہے اسی لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے متوکلین کا وصف ان اشیاء کے نہ کرنے کا تو فرمایا مگر یہ نہیں فرمایا کہ متوکل کسب معیشت بالکل نہ کرے اور شہروں میں بھی نہ رہے اور کسی سے کچھ نہ لے بلکہ فرمایا کہ یہ تمام امور کریں تو توکل میں فرق نہ آئے گا۔

(فائدہ) :- تیسری قسم کے اسباب جن سے سبب کے حاصل ہونے کا اعتماد نہیں' اتنا ہے کہ ان کا شمار ممکن نہیں اور حضرت سہل رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ توکل کے باب میں فرماتے ہیں کہ تدبیر کا ترک توکل ہے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا اور ان کو اپنے سے محجوب نہیں رکھا۔ ان کا حجاب ان کی تدبیر ہوتی ہے اور غالباً ان کی تدبیر سے مراد ان اسباب پر عمل کرنا ہے جس میں سوچ و تدبیر کی ضرورت ہوتی ہے۔

(فائدہ) :- اس تقریر سے معلوم ہوا کہ بعض ایسے اسباب ہوتے ہیں کہ ان کے تعلق سے انسان توکل سے خارج ہو جاتا ہے اور بعض اسباب ایسے ہیں کہ ان کے کرنے سے خارج نہیں ہوتا اور اس دوسری قسم کی دو قسمیں ہیں۔ (1) اسباب یقینی (2) اسباب ظنی۔ یقینی کے کرنے سے توکل سے خارج نہیں ہوتا بشرطیکہ حال توکل اور علم موجود ہو یعنی تکیہ صرف مسبب الاسباب پر ہو۔ اسباب یقینی میں توکل باعتبار حاصل اور علم کے ہے نہ عمل میں لانے کی وجہ سے متوکلوں کے تین مقام ہیں۔

(1) مقام خواص یہ ان کی شکل ہے کہ جو توشہ لیکر جنگلوں میں پھرے لیکن فضل الٰہی پر اعتماد ہو کہ ایک ہفتہ یا اس سے زیادہ صبر کی طاقت عنایت فرمائے گا یا کچھ گھاس وغیرہ یا غذا مل جائے گی اور کچھ نہ ملے گا تو فاقے سے مرنے پر راضی اور ثابت قدم رہے کیونکہ توشے والے بھی بعض اوقات فاقے سے مرجاتے ہیں کہ ان کا توشہ ختم ہو جاتا ہے یا کوئی راہ بھول جاتا ہے تو موت کا وقوع توشہ اور بے توشہ دونوں طرح ممکن ہے اسی لئے فضل الٰہی پر توکل اولے حاصل ہوا۔

(2) مقام نمبر دو یہ ہے کہ اپنے گھر یا مسجد میں بیٹھا رہے لیکن کسی آبادی میں ہے یا شہر میں اس مقام والا پہلے والے سے کم ہے مگر متوکل ضرور ہے اس لئے کہ یہ کسب اور اسباب ظاہر ترک کر کے فضل الٰہی پر اعتماد کرتا ہے کہ وہ اسباب خفیہ سے میرا کام بنائے گا اور یہ شخص شہر میں بیٹھ کر اسباب رزق کا متعرض ہے کیونکہ شہر میں رہنا بھی

اسباب رزق کے حاصل ہو سکتے ہیں مگر اس سے اس کا توکل باطل نہیں ہوتا۔ بشرطیکہ نظر اس ذات کی طرف ہو جو شہر کے باشندوں سے اس کو رزق دلواتی ہے لیکن شہریوں کی طرف اس کی التفات نہ ہو اس لئے کہ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ سب کے سب اس کے حال سے غافل ہو جائیں اگر خدا تعالیٰ اپنے فضل سے اس کا حال ان کو نہ بتائے اور ان کی خواہشوں کو اس کی طرف راغب نہ کرے تو وہ کیسے اس کو پوچھیں یا اس کی خبر گیری کریں۔

(3) مقام یہ ہے کہ کسب معاش اس طرح کرے جس طرح ہم نے باب آداب الکسب کی فصل سوم اور چہارم میں لکھا ہے اس طرح کے کمانے سے بھی مقامات توکل سے خارج نہ ہوگا بشرطیکہ اپنا اطمینان اپنی کفایت اور قوت اور جاہ اور بضاعت پر نہ ہو اس لئے کہ یہ چیزیں تو آناً فاناً اللہ تعالیٰ فنا کر دیتا ہے بلکہ یوں چاہئے کہ نظر کفیل حقیقی کی طرف ہو کہ اسی نے یہ سب چیزیں بچا رکھی ہیں اور رزق کا ساماں پیدا کر دیا ہے اور اپنے کسب و بضاعت اور کفایت کو خدا تعالیٰ کی قدرت کی نسبت ایسا جانے جیسے بادشاہ کے ہاتھ میں قلم لکھتا ہے کہ وہاں نظر قلم کی طرف نہیں ہوتی بلکہ بادشاہ کی طرف ہوتی ہے کہ واللہ اعلم۔

کیا حکم کرے پھر اگر یہ کسب معیشت کرنے والا اپنے عیال کے لئے یا مساکین پر خرچ کرنے کیلئے کماتا ہو تو ظاہر میں تو کمانے والا ہوگا مگر باطن میں یہ متوکل ہوگا اس کا حال بہ نسبت گھر میں بیٹھنے والے کے بہتر ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ کسب مخالف حال توکل کے منہیں بشرطیکہ اس میں شرائط کی رعایت اور حال و علم کا لحاظ رہے جیسے کہ مذکور ہوا۔

حکایت :- حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب خلیفہ ہوئے تو گٹھری بغل میں دبا کر بازار میں تشریف لے گئے۔ صحابہ کرام نے عرض کی کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں اب تو آپ مسند خلافت پر ہیں آپ نے فرمایا کہ میں اپنے عیال کے لئے اسباب نہ کروں تو وہ ہلاک ہو جائیں گے اور جب میں اپنے عیال کو ضائع کروں گا تو رعایا کو تو بطریق اولیٰ ضائع کروں گا۔ صحابہ نے آپ کی فکر دور کرنے کے لئے ایک مسلمان کے گھر کے موافق آپ کے لئے وظیفہ مقرر کر دیا جب آپ نے ان کی مرضی اسی طرف پائی تو ان کے دل کا خوش کرنا اور مسلمانوں کے کام میں تمام وقت خرچ کرنا آپ نے بہتر جانا۔

(فائدہ) :- یہ محال ہے کہ کہا جائے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقام توکل میں نہ تھے ان سے بڑھ کر مقام توکل پر اور کون ہوگا اس لئے معلوم ہوا کہ آپ متوکل باعتبار کسب و سعی نہ کرنے کے نہ تھے بلکہ قطع التفات کی رو سے تھے کہ اپنی قوت و کفایت کی طرف متوجہ نہ تھے خدا تعالیٰ کو معیشت کا کفیل اور مسبب الاسباب جانتے تھے اور کسب کے طریقے کے شرائط کی رعایت ملحوظ رکھتے تھے کہ مقدار حاجت پر اکتفا کرتے تھے انہیں زیادہ مال کی تمنا نہ تھی نہ فخر تھا اور نہ مال جمع کرنے کا خیال تھا نہ انہیں اپنے درم سے اور کا درم کو اچھا معلوم ہوتا اس لئے کہ جو شخص بازار میں جائے اور اپنے درم کو غیر کے درم سے بہتر و محبوب سمجھے وہ دنیا کا حریص ہے اور توکل دنیا میں زہد

کے بغیر درست نہیں ہوتا ہاں نہ زہد بد توکل بغیر کے بھی ہو سکتا ہے کیونکہ توکل کا مقام زہد کے بعد ہے لور حکایت ابو جعفر رحمتہ اللہ علیہ :۔ ابو جعفر رحمہ اللہ سیدنا جنید رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے مرشد اور متوکلین میں سے تھے' فرماتے ہیں کہ میں نے بیس برس توکل کو چھپایا اور بازار میں ہی رہتا تھا۔ میرا دستور تھا کہ ایک دینار ہمیشہ حاصل کرتا تھا مگر رات کے لئے ٹیڈی تک نہ رکھتا تھا اور نہ ہی اپنی ضرورت کے لئے اس میں سے کچھ خرچ کرتا تھا رات کے آنے سے پہلے کمایا ہوا اہل اللہ کے راہ میں خرچ کردیتا تھا۔

(فائدہ) :۔ حضرت جنید رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ آپ کے سامنے توکل کے بارے میں کوئی گفتگو نہیں فرماتے تھے اور یوں کہا کرتے تھے کہ مقام توکل میں آپ کے ہوتے ہوئے مجھے کچھ کہنے سے شرم آتی ہے۔

انتباہ :۔ صوفیائے کرام کی خانقاہوں میں نقدی لے کر جانا توکل کے خلاف ہے اگر نقدی نہ ہو نہ وقف سے نہ کسی اور ذریعہ سے نہ خادم کے ذریعہ سے کہ باہر سے لے آیا کرتا ہے تو اس طرح کا توکل ضعیف ہے مگر حال اور علم سے قوی ہوجاتا ہے جیسے پیشہ ور کا توکل۔

(فائدہ) :۔ اگر خانقاہ والے سوال نہ کریں بلکہ جو کوئی دے جائے اسی پر قانع رہیں تو یہ ان کے توکل میں بہت قوی ہے مگر وہ لوگ اس بارے میں انگشت نما ہوگئے گویا یہ دکان کرلی پس خانقاہ میں بیٹھنا ایسے ہے جیسے بازار میں بیٹھ کر کام کرنا لور بازار میں کام کرنے والا متوکل نہیں ہوتا بغیر بہت سی شرطوں کے جن کا بیان پہلے ہوچکا۔

(سوال) :۔ سالک کو گھر میں بیٹھ رہنا افضل ہے یا چل پھر کر کمانا

(جواب) :۔ اگر کمائی چھوڑنے سے ذکر و فکر اور اخلاص لور تمام وقت عبادت میں بسر کرنے کے لئے فراغت مل جائے اور کسب معیشت میں ان امور میں خرابی ہوتی ہو باوجود اس کے لوگوں سے کچھ طمع بھی نہ ہو نہ اس کا انتظار کہ کوئی ہمیں کچھ دے جائے بلکہ صبر اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے میں دل کا مضبوط ہو تو ایسے شخص کو گھر بیٹھنا بہتر ہے اگر گھر میں دل گھبرائے اور لوگوں کی طرف التفات ہو تو کچھ کام کرکے مال حاصل کرنا بہتر ہے اس لئے کہ دل سے لوگوں کی طرف التفات کو گویا دل سے سوال کرتا ہے اس کا چھوڑنا کام کے چھوڑنے کی بہ نسبت زیادہ بہتر ہے پہلے متوکلین کا دستور تھا کہ جس چیز کا ان کے نفس طمع کرتے تھے وہ اسے نہیں لیا کرتے تھے۔

حکایت :۔ لمام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت ابوبکر مروزی کو فرمایا کہ فلاں فقیر کو اجرت معمولی سے کچھ زیادہ دینا جب وہ دینے لگے فقیر نے اجرت واپس کردی۔ چلا گیا حضرت لمام احمد حنبل نے فرمایا کہ اب جاکر اسے دے دو اب وہ لے لے گا وہ گئے لور اسے اجرت دی تو اس نے لے لی۔ حضرت امام احمد حنبل سے پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے کہ یہاں نہ لیا لور باہر نکل کرلے لیا۔ فرمایا کہ پہلے اس کے نفس کو زیادہ ملنے کا طمع تھا اسی لئے نہ لیا جب یہاں سے چلا گیا تو نفس کو ناامیدی ہوگئی تو لے لیا۔

حکایت :۔ حضرت خواص رحمہ اللہ کبھی اپنی رغبت کسی کے دینے کی طرف دیکھتے یا نفس کے لینے کے عادی ہوجانے سے خوف کرتے تو اس سے کوئی چیز قبول نہ کرتے ان سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے اپنے سفر میں سب سے زیادہ عجیب کیا بات دیکھی ۔فرمایا کہ میں نے حضرت خضر علیہ السلام کو دیکھا اور وہ میری رفاقت سے راضی ہوئے مگر میں ان سے اس وجہ سے علیحدہ ہوگیا کہ کہیں میرے نفس کو ان کے ساتھ سکون و قرار نہ ملے اور توکل میں نقصان نہ ہونے پائے۔

(فائدہ) :۔ کسب معیشت کرنے والا جب آداب کسب اور اس کی نیت کی شرطوں کی رعایت کرے گا جس طرح کہ باب الکسب میں بیان ہوا ہے یعنی مقصود کثرت نہ ہو اور نہ اپنی بضاعت اور کفایت پر اعتماد ہو تو وہ متوکل ہوگا۔

علامت توکل :۔ کسی سبب وغیرہ پر تکیہ نہ کرے نہ اپنی بضاعت پر' نہ کسی اپنے سامان پر اگر اس کا مال چوری ہوجائے یا تجارت میں گھاٹا ہو یا کوئی اور کام بند ہوجائے تو اس پر راضی رہے دل کا اطمینان باطل نہ ہو نہ دل میں اضطراب پائے بلکہ دل کو قرار جیسے پہلے تھا ویسے ہی رہے کیونکہ دستور ہے کہ جس کا دل کسی چیز سے وابستہ نہیں اس کے جانے سے بھی اس کا دل مضطر نہیں ہوگا اور جو کسی چیز کے جانے سے بے قرار ہوتا ہے تو وہ اس چیز سے تسکین پاتا ہے۔

حکایت :۔ حضرت بشر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ چرخے بنایا کرتے تھے لیکن بعد کو چھوڑ دیا اس لئے کہ حضرت بعلوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا کہ میں نے سنا ہے کہ تم نے اپنے رزق کے لئے یہ کام اختیار کر رکھا ہے مجھے بتاؤ کہ اگر خداتعالیٰ تم کو بہرہ اور اندھا کردے تو رزق کس پر ہوگا اس خط نے ان کے دل میں اثر کیا تو چرخہ بنانے کے اوزار بیچ ڈالے اور یہ کام چھوڑ دیا۔

(فائدہ) :۔ بعض مورخین کہتے ہیں کہ وہ چرخہ بنانے میں مشہور ہوگئے اور عوام ان کے پاس بکثرت آنے لگے اس لئے یہ کام چھوڑ دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ اپنے عیال کے مرنے کے بعد یہ کام چھوڑ دیا۔

حکایت :۔ حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس پچاس دینار تھے ان سے تجارت کیا کرتے جب ان کے اہل کا انتقال ہوا تو ان کو بانٹ دیا۔

(سوال) :۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ کسی کے پاس سامان تو ہو اور اس کے ساتھ دل بستگی نہ ہو حالانکہ اسے معلوم ہے کہ کسب بغیر سامان ممکن نہیں۔

(جواب) :۔ اس کی صورت یہ ہے کہ یوں سمجھے کہ جن لوگوں کو خداتعالیٰ بغیر سامان کے روزی دیتا ہے وہ بھی بہت ہیں اور ایسے بھی بہت ہیں کہ ان کا سامان بہت تھا مگر چوری ہوگیا اور مال جاتا رہا اور یہ بھی دل میں ٹھان لے کہ

خدا تعالیٰ عزوجل میرے ساتھ وہی سلوک کرے گا جو اس کے نزدیک میرے حق میں بہتر ہو گا اگر وہ میرا مال ضائع کرے گا تو اس کے نزدیک اس میں کچھ بہتری ہو گی شاید اگر پاس رہتا تو فساد دین کا موجب بنتا۔ خدا تعالیٰ کا احسان ہوا کہ دین کے فساد سے بچا دیا۔

علامت اخلاص:۔ اخلاص صادق یہ ہے کہ انسان بھوک سے مر جائے تو چاہئے کہ اعتقاد کرے کہ بھوک سے مرنا آخرت میں میرے حق میں مفید ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی تقصیر کے میری طرف سے یہ بات میرے لئے تجویز فرمائی ہے تو میری بہتری اسی میں ہے۔

(فائدہ):۔ جب ان تمام باتوں کا اعتقاد کرے گا تو اس کے نزدیک سامان کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہے۔

حدیث شریف:۔ میں ہے کہ بندہ رات کو امور تجارت میں سے کسی کام کا ارادہ کرتا ہے اور وہ کام ایسا ہوتا ہے کہ اگر اس کو کرے تو اس کی بربادی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف عرش کے اوپر سے نظر کرتا ہے اور اسے اس کام سے باز رکھتا ہے تو صبح کو وہ شخص نہایت غمگین ہوتا ہے اور اپنے ہمسایہ اور چچازاد بھائی سے بدفالی لیتا ہے کہ میں نے ان میں کسی کا چہرہ دیکھا تھا کہ اسی سے میرے اوپر مصیبت ڈالی حالانکہ یہ امر اس پر ایک رحمت ہے جسے وہ نہیں سمجھ رہا۔

ملفوظ فاروق:۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے کوئی پروا نہیں میں غنی رہوں یا فقیر اس لئے کہ مجھے معلوم نہیں کہ دولتمندی و فقیری میں سے میرے حق میں کونسی شے بہتر ہے۔

(فائدہ):۔ جو ان امور پر یقین کامل نہ رکھتا ہو اس سے توکل نہ ہو سکے گا۔

حکایت:۔ حضرت ابو سلیمان دارانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے احمد بن ابی الجواری سے فرمایا کہ مجھے ہر مقام سے حصہ نصیب ہے مگر توکل کہ اس کی بو بھی میں نے نہیں سونگھی۔

(فائدہ):۔ باوجود اتنا بلند قدر ہونے کے فرماتے کہ مجھے توکل نہیں ملا یہ نہیں فرمایا کہ اس کا حصول ممکن نہیں غالباً ان کی مراد یہ ہو گی کہ اعلیٰ درجہ توکل کا نصیب نہ ہوا اور جب تک کہ اس بات پر ایمان پختہ نہ ہو کہ خدا تعالیٰ کے سوا نہ کوئی فاعل ہے نہ کوئی رازق اور جو کچھ وہ بندے کے لئے مقدر کرتا ہے فقر ہو یا اغنا موت ہو یا حیات اس کے حق میں وہی بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ جسے بندہ تمنا کرے۔ اس وقت تک حال توکل بھی کامل نہ ہو گا۔

(فائدہ):۔ معلوم ہوا کہ توکل کی بنا ان امور پر ایمان کے قوی ہونے سے ہوتی ہے کہ جیسے گزرا اور مقامات دین کے احوال اور اعمال کی یہی حال ہے کہ وہ بھی اپنے اصل یعنی ایمان پر مبنی ہوتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ مقام توکل سمجھ میں آتا ہے مگر دل کی قوت اور یقین کی قوت چاہتا ہے۔

ملفوظ سہل تستری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ :- آپ فرماتے ہیں کہ جو شخص طعنہ کسب پر طعن کرے وہ سنت پر طعنہ کرتا ہے اور جو شخص ترک کسب یعنی توکل طعنہ کرے وہ توحید پر طعنہ کرتا ہے۔

علاج قلب :- اب ہم علاج لکھتے ہیں جو دل کے اسباب ظاہری سے پھرنے کیلئے مفید ہو اور اسباب خفیہ پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن پیدا کرے وہ یہ ہے کہ یوں جاننا چاہئے کہ سوء ظن تعلیم شیطان سے ہے اور حسن ظن خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ (الشیطان یعدکم الفقر و یامرکم بالفحشاء والله یعدکم مغفرة منه و فضلا) (البقرہ 286) ترجمہ کنزالایمان : شیطان تمہیں اندیشہ دلاتا ہے محتاجی کا اور حکم دیتا ہے بے حیائی کا اور اللہ تم سے وعدہ فرماتا ہے بخشش اور فضل کا۔

کیونکہ انسان اپنی طبیعت کی وجہ سے شیطان کے ڈرانے کو بہت کچھ سمجھتا ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ جو شخص سوء ظن کی وجہ سے ڈرے۔ وہ حریص ہے اور جب اس پر نامردی اور ضعف دل زیادہ ہو جائے نیز متکلمین جو پابند اسباب ظاہری اور ان پر ترغیب دینے والے ہیں پر نظر پڑے تو سوء ظن غالب ہو جاتی ہے اور توکل بالکل ختم ہو جاتا ہے بلکہ رزق کو اسباب خفیہ سے سمجھنے کو بھی باطل کر دیتا ہے۔

حکایت :- ایک عابد کسی مسجد میں بیٹھا رہا اور اس کے پاس مال نہ تھا امام مسجد نے کہا کہ اگر تم کچھ کما کر کھاؤ تو تمہارے لئے اچھا ہوگا اس نے جواب نہ دیا تین بار ایسا ہوا۔ چوتھی بار اس نے کہا کہ بھائی صاحب مسجد کے پاس ایک یہودی ہے اس نے روزانہ دو روٹیوں کی کفالت کرلی ہے۔ امام نے کہا کہ اگر وہ اس کفالت میں سچا ہو تو تمہارا مسجد میں رہنا بہتر ہے۔ عابد نے کہا کہ کیا خوب تم ایسی ناقص توحید کے ساتھ ہو تو امامت نہ کرو تو تمہارے حق میں بہتر ہے کیونکہ تم یہودی کے وعدے کو خدا تعالیٰ نے (جو کفالت رزق کی ہے اس پر ترجیح دیتے ہو)

حکایت :- کسی مسجد کے امام نے کسی غازی سے پوچھا کہ تم کہاں سے کھاتے ہو اس نے کہا ذرا ٹھہرو پہلے میں نے جو نماز تمہارے پیچھے پڑھی ہے وہ لوٹا لوں پھر جواب دوں گا۔

(فائدہ) :- اللہ تعالیٰ کے فضل سے بواسطہ اسباب خفیہ رزق بھیجنے پر حسن ظن رکھنے کیلئے ان حکایات کا سننا مفید ہے جن میں رزق بھیجنے میں اللہ تعالیٰ کے عجیب الطاف اور احسان پائے جاتے ہیں اور بعض میں قہر خدا تعالیٰ کا ذکر ہو کہ تاجروں اور دولتمندوں کا مال غارت کر کے ان کو بھوک سے ہلاک کر دیا۔

حکایت :- حضرت ابراہیم بن ادہم رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کا ایک غلام مرشی تھا اس سے لوگوں نے پوچھا کہ وہ بات جو بہت عجیب دیکھی ہو بیان کرو فرمایا کہ ہم ایک دفعہ مکہ معظمہ کے راستے میں چند روز بھوکے رہے کھانا نہ ملا پھر کوفے میں گئے اور ایک ویران مسجد میں داخل ہوئے۔ حضرت ابراہیم رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے میری طرف دیکھ کر فرمایا کہ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ تجھے بھوک لگی ہے میں نے عرض کی ہاں آپ نے فرمایا کہ سیاہی اور کاغذ لے آؤ میں

لے آیا آپ نے یہ رقعہ لکھا۔ (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) ہر حال میں تو ہی مقصود ہے اور ہر بات سے تو ہی مطلوب پھر کچھ شعر لکھے۔ قطعہ

انا حامد انا شاکر انا ذاکر۔ انا جامع نا ضائع انا عاری

ہی ستنہ وانا الضمین عنہ ضمایا باری

لاحی بغرک لھب نار خفتنہا۔ فاجر عبیدک من دخول النار

ترجمہ۔ میں حامد و شاکر و ذاکر ہوں۔ میں بھوکا بیکار اور ننگا ہوں یہ چھ ہیں' تین کا ضامن میں ہوں' اے باری تعالیٰ یعنی ذکر' شکر' حمد۔ تین کا تو ضامن ہو۔ بھوک' ننگا پن' بیکاری۔ میری تعریف تیرے غیر کے لئے میرے لئے آگ ہے کہ میں اس میں غوطہ لگاؤں اور اے مالک اپنے بندوں کو اس آگ میں داخل ہونے سے بچا۔

حضرت حذیفہ کہتے ہیں کہ وہ رقعہ مجھے دے کر فرمایا کہ باہر جا اور سوا خدا تعالیٰ کے اور کسی سے اپنا دل نہ لگا اور جو شخص پہلے ملے اسے یہ رقعہ حوالہ کر دے میں رقعہ لے کر نکلا تو پہلا جو شخص مجھے ملا وہ ایک خچر پر سوار تھا میں نے رقعہ اس کے حوالہ کیا وہ مضمون سے واقف ہو کر رویا اور کہا کہ یہ رقعہ لکھنے والا کہاں ہے میں نے کہا کہ فلاں مسجد میں تشریف رکھتے ہیں اس نے مجھے ایک تھیلی دی جس میں چھ سو دینار تھے پھر میں نے ایک اور کو دیکھا اس سے اس شخص کا حال پوچھا اس نے کہا کہ یہ ایک نصرانی ہے میں نے حضرت ابراہیم رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر ماجرا بیان کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ ان دیناروں کو ہاتھ نہ لگاؤ وہ ابھی آنا چاہتا ہے تھوڑی دیر گزری کہ وہ نصرانی آیا اور آپ کے سر کو بوسہ دیا پھر وہ مسلمان ہو گیا۔

حکایت:۔ ابو یعقوب اقطع بصری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ حرم شریف میں دس دن تک بھوکا رہا مجھے ضعف محسوس ہونے لگا' دل میں خیال آیا کہ باہر چلیں میں جنگل کی طرف نکلا کہ کوئی شے ایسی ملے جس سے ضعف کو تسکین ہو میں نے دیکھا کہ ایک شلغم زمین پر پڑا ہے اسے میں نے اٹھایا مگر دل میرا اس سے گھبرایا پھر معلوم ہوا کہ گویا کوئی مجھے یوں کہتا ہے کہ تو دس روز تو بھوکا رہا اور آخر کو حاصل کیا تو ایک سڑا ہوا شلغم لیا میں اسے پھینک کر پھر حرم شریف میں چلا آیا اور بیٹھ گیا دیکھتا ہوں کہ ایک عجمی آ رہا ہے وہ آکر میرے سامنے بیٹھ گیا اور ایک تھیلا میرے سامنے رکھ دیا کہ یہ آپ کیلئے ہے میں نے پوچھا کہ مجھے تم نے کیسے خاص کیا اس نے کہا کہ اصل بات یہ ہے کہ ہم دس روز سے سمندر میں تھے اور کشتی ڈوبنے کو تھی میں نے نذر مانی تھی کہ اگر خدا تعالیٰ مجھے بچا دے گا تو میں یہ تھیلا مجاورین مکہ میں سے اسے دوں گا جس پر سب سے پہلے میری نظر پڑے گی اور میں نے آپ کو ہی سب سے پہلے دیکھا میں نے کہا کہ اسے کھولو اس نے کھولا تو اس میں مصر کا میدہ اور چھلے ہوئے بادام اور برفیاں تھیں میں نے ہر ایک میں سے ایک مٹھی لیکر کہا کہ باقی کو تم اپنے ساتھیوں کو میری طرف سے ہدیہ دینا میں نے تمہاری نذر قبول کی پھر اپنے دل میں کہا کہ تیرا رزق تو دس منزل سے چل کر تیرے پاس آتا ہے اور تو اس جنگل میں ڈھونڈتا ہے۔

حکایت :۔ حضرت ممشاد دینوری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھ پر قرض تھا اس سے میرا دل تردد میں مبتلا ہوگیا یعنی عبادت و ذکر میں حضور اور اخلاص کامل نہ رہا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہتا ہے کہ اے بخیل تو نے ہم پر اتنا قرض کرلیا۔ اب تیرا کام لینا ہے اور ہمارا کام دینا ہے فرمایا کہ اس کے بعد بقال یا قصاب وغیرہ کا حساب نہیں ہوا یعنی اس کے بعد کسی سے قرض لینے کی نوبت نہیں آئی۔

حکایت :۔ بنان جمال فرماتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ کے سفر میں تھا اور ہاتم اور مصر سے جاتا تھا اور میرے پاس زاد راہ بھی تھا میرے پاس ایک عورت آئی اور کہا کہ اے بنان تو بوجھ بردار ہے کہ اپنی پشت پر زاد لادے پھرتا ہے اور یہ وہم کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ رزق نہ دے گا میں نے اس کے کہنے سے اپنا زادہ راہ پھینک دیا پھر مجھ پر تین دن گزر گئے کہ میں نے کچھ نہ کھایا راستے میں میں نے ایک جوتا پڑا دیکھا جی میں کہا کہ اسے اٹھا لینا چاہئے ممکن ہے کہ اس کا مالک آئے تو اس سے کچھ لیکر دے دوں پھر وہی عورت آئی اور مجھ سے کہا کہ کیا تو سوداگر ہے جو یوں کہتا ہے کہ شاید اس کا مالک آجائے تو اس سے کچھ لے لوں پھر اس نے میری طرف چند درم پھینک کر کہا کہ ان کو خرچ کرو میں نے مکہ معظمہ تک انہیں خرچ کیا۔

حکایت :۔ یہ بھی بنان کی حکایت ہے کہ ان کو ایک لونڈی کی ضرورت تھی تو انہوں نے اپنے بھائیوں سے صاف کہہ دیا کہ مجھے خدمت کے لئے لونڈی دو ان سب نے لونڈی کے دام جمع کردیے اور کہا کہ اب قافلہ آنے والا ہے اس میں سے جونسی لونڈی مناسب ہوگی لی جائے گی جب قافلہ آیا تو تمام لوگوں کی رائے ایک لونڈی پر متفق ہوئی کہ یہ بنان کے لائق ہے اس لونڈی کے مالک سے اس کے دام پوچھے اس نے کہا کہ یہ بیچنے کے لئے نہیں ہے جب لوگوں نے زیادہ اصرار کیا تو کہا کہ یہ لونڈی بنان جمال کے لئے ہے اس کو ایک سمرقندی عورت نے ہدیہ بھیجی ہے وہ لونڈی بنان کے پاس ارسال کی گئی اور ان سے قصہ بھی بیان کیا گیا۔

حکایت :۔ زمانہ گزشتہ میں ایک شخص اپنے سفر میں ایک روٹی ساتھ لے پھر رہا تھا اور کہتا تھا کہ اسے اگر کھالوں گا تو مرجاؤں گا اللہ تعالیٰ نے اس پر ایک فرشتہ مقرر کردیا کہ اگر روٹی کھالے تو اسے اور رزق پہنچانا اگر نہ کھائے تو ہم اس کے سوا اور کچھ اس کو نہ دیں گے وہ شخص روٹی اپنے ساتھ لئے رہا یہاں تک کہ مرگیا اور نہ کھائی۔

حکایت :۔ ابو سعید خراز رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں جنگل میں زاد راہ کے بغیر گیا اور فاقے پر فاقہ ہوا' دور سے ایک منزل نظر پڑی اسے دیکھ کر میں خوش ہوا کہ اب پہنچ گیا پھر دل میں سوچا کہ میں نے غیر پر تکیہ کیا اور قسم کھائی کہ اس گاؤں میں نہ جاؤں گا جب تک کہ مجھے خود کوئی نہ لے جائے میں نے اپنے لئے ریت میں ایک گڑھا کھودا اور اپنا جسم اس میں سینے تک چھپا دیا آدھی رات کو وہاں کے لوگوں نے ایک بلند آواز سنی کہ اے بستی والو ایک اللہ تعالیٰ کے ولی نے اپنے آپ کو اس ریت میں قید کیا ہے اس کی خبر لو وہاں سے کچھ لوگ آئے اور مجھ کو نکال

کر گاؤں میں لے گئے۔

حکایت:۔ ایک شخص حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دروازے پر پڑا رہتا اسے ایک دن اچانک آواز آئی کہ اے شخص تو نے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیلئے ہجرت کی تھی یا خدا تعالیٰ عزوجل کے لئے جا اور کلام اللہ سیکھ وہ تجھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دروازے سے بے پروا کر دے گا۔

وہ شخص چلا گیا اور اس کا پتا نہ ملا یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے تلاش کرایا معلوم ہوا کہ اس نے گوشہ نشینی اختیار کی اور عبادت میں لگ گیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ ہمارا دل تم کو دیکھنے کے لئے بہت چاہتا تھا کیا وجہ ہوئی کہ تم ہم سے نہیں ملتے اس نے جواب دیا کہ میں نے قرآن کریم پڑھا اس نے مجھ کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بے نیاز کردیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تم نے کلام مجید میں کیا دیکھا اس نے کہا کہ میں نے یہ دیکھا۔ (وفی السمآء رزقکم وما توعدون) (الذریات 22) ترجمہ کنزالایمان:۔ اور آسمان میں تمہارا رزق ہے اور جو تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے۔

میں نے سوچا کہ میرا رزق تو آسمان میں ہے اور میں اس کو زمین میں ڈھونڈتا ہوں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رو پڑے اور کہا کہ سچ کہتے ہو پھر آپ کا دستور تھا کہ اس شخص کے پاس آکر بیٹھا کرتے۔

حکایت:۔ ابو حمزہ خراسانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک سال میں نے حج کیا راستہ طے کر رہا تھا کہ اچانک کنوئیں میں گر پڑا میرے نفس نے مجھ سے تکرار کی کہ فریاد نہ کروں گا اسی خیال میں تھا کہ دو شخص اس کنوئیں پر آئے اور ایک نے دوسرے سے کہا کہ آؤ اس کنوئیں کا منہ بند کردیں کہ کوئی اس میں نہ گر پڑے یہ کہہ کر بانس اور چٹائی لائے اور اس کا منہ بند کردیا میں نے ارادہ کیا کہ چیخوں مگر دل میں سوچا کہ جسے چیخ کر کہوں گا وہ تو ان دونوں کی بہ نسبت قریب تر ہے اس لئے چپ رہا اسی دوران کوئی چیز آئی اور کنوئیں کا منہ کھول کر اپنے پاؤں کنوئیں میں لٹکا دیئے اور گنگناتی آواز میں کہا کہ مجھے لپٹ جا' میں نے اس کی آواز سے مطلب سمجھ لیا اور اسے لپٹ گیا اس نے باہر نکالا میں نے دیکھا کہ وہ

درندہ ہے وہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا اس وقت سروش غیبی نے میرے گوش ہوش میں یہ ندا کی کہ اے ابو حمزہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ دیکھ کیا خوب ہوا کہ ہم نے تجھے مرنے سے بذریعہ موت بچایا۔ حضرت ابو حمزہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ وہاں سے چلے اور کچھ اشعار پڑھتے تھے وہ یہ ہیں۔

نھانی حیائی منک ان اکتم الھوی۔ واغنیتنی بالفھم منک عن الکشف تلطفت فی امری فابدیت شاہدی۔ الی غائبی واللطف یدرک بالفھم

ترجمہ۔ مجھے حیاء نے روکا کہ میں عشق کو چھپاؤں تو نے سمجھائے بغیر معاملہ کھول دیا تو نے میرے معاملہ میں لطف

فرمایا کہ میرے غائب کی طرف میرے شاہد کو ظاہر فرمایا ترا لطف ہی لطف ہے یعنی میرے ظاہری مال کو جو موت کے گھاٹ اترا ہوا تھا ایک غیبی لطف سے جو موت کی مانند تھا لیکن میرے لئے حیات بنا دیا۔

ترامیت لی بالغیب حتی کانما۔ تبشرنی بالغیب انک فی الکف اراک وبی من ھیبتی لک وحشتہ فتونسنی باللطف منک وبالعطف وبحی محبا انت فی الحب حتفہ وذاعجب کون الحیاۃ مع الحتف۔

ترجمہ۔ تو نے مجھے غیب سے بچایا مجھے غائبانہ مژدہ سنایا اور میں خود کو تیری ہیبت سے وحشت میں دیکھ رہا تھا تو نے مجھ لطف و کرم سے انس فرمایا تو نے اپنے محب کو زندہ کیا اور زندہ کیا تو موت کے ذریعے ہے۔

فائدہ :- جب کسی کا ایمان قوی ہو اور اس کے ساتھ ایک ہفتہ بھوکا رہنے کی قوت تنگ دلی کے بعد موجود ہو اور یہ اعتقاد بھی پکا ہو کہ اگر سات روز تک رزق نہ ملے گا تو خدا تعالیٰ عزوجل کے نزدیک اس کا مرنا اچھا ہے اسی لیے اس کا رزق روک لیا ہے اس وقت ان احوال و مشاہدات سے توکل کامل ہو گا ورنہ درصورت ضعف ایمان کے حالات و مشاہدات سے ہرگز توکل کامل نہ ہو گا۔

عیالدار کا توکل :- عیالدار کا توکل تنہا انسان سے جدا حکم رکھتا ہے۔ اس لئے کہ تنہا آدمی کا توکل بغیر دو باتوں کے درست نہیں۔

(1) بھوک پر ایک ہفتہ قادر ہونا اس طرح کہ نہ لوگوں کی طرف توجہ ہو نہ نفس تنگ ہو۔

(2) وہ اقسام ایمان کے جو ہم لکھ چکے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اگر رزق نہ ملے تو موت پر دل سے راضی ہو اس لحاظ سے کہ اپنا رزق موت سے سمجھے اور بھوک اگرچہ دنیا کے لحاظ سے کمی ہے مگر آخرت کے لحاظ سے اعلیٰ ہے تو یوں سمجھے کہ بھوک نہیں عنایت ہوئی بلکہ جو رزق میرے حق میں اچھا ہے وہی ہے۔ یعنی رزق آخرت ملا ہے یہ وہ مرض ہے کہ اس میں موت ہوگی اور اس سے خوش ہو اور یہ کہ میرے لئے یونہی حکم تھا اس طرح سے توکل تنہا آدمی کیلئے کامل ہو جاتا ہے اور عیال پر دباؤ دینا کہ بھوک پر صبر کرو درست نہیں اور نہ یہ ہو سکتا ہے کہ ان کے سامنے تقریر توحید کے عقیدے کی کی جائے اور یہ کہ فاقے سے مرنا ایک رزق عمدہ ہے اور واقع میں رشک کرنے کے لائق ہے اگر اتفاقاً شاذونادر میسر ہو جائے اسی طرح اور اعتقادات ان کے نظریے میں بزور نہیں سمجھا سکتا اس سے معلوم ہوا کہ ان کے بارے میں انسان کو توکل کمانے والے کام کرنے والے جیسا ہونا چاہئے جو توکل کا تیسرا مقام ہے جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا توکل تھا کہ آپ کسب معیشت کیلئے نکلے تھے جنگلوں میں چلا جانا اور عیال کو چھوڑ جانا یا ان کی خبرداری نہ کرنا اور بہانہ توکل کا ہو یہ حرام ہے بعض دفعہ یہ امر ان کی تباہی کا موجب بنتا ہے اس کا مواخذہ عیالدار ہی کے ذمہ رہتا ہے بلکہ تحقیق یہ ہے کہ انسان کے خود میں اور اس کے عیال میں کوئی فرق نہیں اگر عیال بھی چند روز بھوکا رہنا منظور کریں اور بھوک سے مرنے کو رزق اور غنیمت اخروی جانیں تو جائز ہے کہ ان کے بارے میں بھی توکل کرے اور خود اس کا نفس بھی اس کی عیال ہے اس کا تلف کرنا بھی درست نہیں

مگر اسی صورت میں کہ مدت تک بھوک پر صبر کرنے میں موافقت کرے اگر نفس کو برداشت بھوک کی نہ ہو اور بھوک سے دل گھبراتا ہو عبادت درست نہ ہوتی تو ایسے شخص کو توکل جائز نہیں۔

حکایت :۔ ابو تراب بخشی نے کسی کو دیکھا کہ تین دن کے بھوکا رہنے کے بعد ایک تربوز کا چھلکا کھانے کیلئے اٹھایا آپ نے اسے فرمایا کہ تصوف تیرے مناسب حال نہیں تو بازار میں رہا کر یعنی توکل کے بغیر تصوف کا دعوئی غلط ہے اور توکل جائز نہیں مگر اس شخص کو جو کھانے سے تین دن سے زیادہ صبر کرے۔

فائدہ :۔ حضرت علی رودباری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جب فقیر پانچ دن کے بعد کہنے لگے کہ میں بھوکا ہوں تو اس کو بازار میں رہنے دو اور اسے کہو کہ کاروبار کرو تو تصوف کے لائق نہیں۔

فائدہ :۔ انسان کا بدن بھی اس کا عیال ہے اور بدن کی مضر چیز میں توکل کرنا ایسا ہے جیسے عیال کے بارے میں توکل کرنا صرف نفس و عیال میں ایک ہی چیز کا فرق ہے۔ وہ یہ ہے کہ انسان کو اپنے نفس پر تو دباؤ دینا بھوک پر صبر کرنے کیلئے جائز ہے اور عیال پر جائز نہیں۔

فائدہ :۔ اس تقریر سے تم نے جان لیا ہوگا کہ توکل اسباب سے علیحدہ ہونے کا نام نہیں بلکہ بھوک پر مدت تک صبر کرنے کا عادی ہونا توکل ہے ایسے ہی اگر کبھی اتفاقاً رزق میں تاخیر ہو جائے تو موت پر راضی ہو جانا توکل ہے اور شہروں' قصبوں میں رہنا اور ایسے جنگلوں میں رہنا جن میں کچھ نہ کچھ ساگ پات وغیرہ میسر ہو یہ زندگی کی بقا کا سامان ہے مگر کچھ تھوڑی سی تکلیف ہوتی ہے کیونکہ ہمیشہ ساگ پات پر گزر کرنا صبر کے بغیر ممکن نہیں اور شہروں میں رہ کر توکل کرنا بہ نسبت جنگل کے توکل کے حصول اسباب بقا کے لئے زیادہ اچھا ہے حالانکہ سب اسباب یہی ہیں مگر یہ کہ لوگوں نے ان اسباب کو شمار نہیں کیا اور اسباب کی طرف جھک پڑے جو ان سے ظاہر تر ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ان کا ایمان ضعیف اور حرص زیادہ اور دنیا میں تکلیف اٹھانے پر صبر کرنا آخرت کے نفع کیلئے قلیل اور سوء ظن اور طول امل کی وجہ سے بزدلی دلوں پر غالب ہے۔

فائدہ :۔ جو آسمان و زمین کے اسرار میں غور کرے اس کو یقیناً معلوم ہو جائے گا کہ خدا تعالیٰ نے ملک اور ملکوت کا ایسا انتظام کر رکھا ہے کہ بندے سے اس کا رزق ترک نہیں ہو سکتا اگر وہ فکر نہ کرے اس لئے کہ جو تردد سے عاجز ہے اسے بھی تو رزق ملتا ہے مثلاً بچہ اپنی ماں کے پیٹ میں فکر کرنے سے عاجز ہے تو خدا تعالیٰ نے اس کی ناف کیسی ماں کی ناف سے کس طرح ملا دی کہ ماں کی غذا سے بچ بچا کر نالی کے ذریعے سے بچے کے پیٹ میں رزق پہنچتا ہے اس میں بچے کی کوئی تدبیر نہیں پھر جب وہ ماں کے پیٹ سے علیحدہ ہوا تو ماں پر محبت اور شفقت ایسی ڈال دی گئی کہ وہ خواہ مخواہ اس کی کفیل رہتی ہے اور اس کفالت میں وہ مجبور ہے اس لئے کہ خدا تعالیٰ نے اس کے دل میں آتش محبت کو دوبالا کر رکھا ہے پھر چونکہ بچے کے دانت نہیں ہوتے جن سے وہ کھانا چبائے تو اس کی غذا دودھ مقرر کی جس

میں چبانے کی ضرورت ہی نہ ہو علاوہ ازیں بچہ اپنے مزاج کی نرمی کی وجہ سے غذائے کثیف کا متحمل نہ تھا اس وجہ سے اس کے پیٹ سے جدا ہوتے ہی پستان مادر سے اس کے لئے بمقدار حاجت دودھ جاری کر دیا اس میں بچے کی تدبیر کو دخل نہیں نہ ماں نے کوئی سامان بنایا پھر جب ایسی عمر کو پہنچا کہ غذائے کثیف اسے موافق پڑے تو اس کو دانت اور کچلیاں اور ڈاڑھیں غذا چبانے کے لئے اگائیں اور جب بڑا ہوا اور چلنے پھرنے لگا اور اپنی ضروریات خود تیار کرنے لگا تو اس کے لئے علم سیکھنے اور طریقہ آخرت کے چلنے کا آسان کر دیا اب بالغ ہونے کے بعد نالائق کرنا جہالت ہے اس لئے کہ بالغ ہونے سے کچھ اسباب معیشت کم نہیں ہوئے بلکہ زیادہ ہو گئے مثلاً پہلے کمانے پر قادر نہ تھا اب قدرت ہو گئی تو ایک قدرت ہی کتنا بڑھ گئی ہاں پہلے شفقت کرنے والا اس پر ایک شخص تھا یعنی ماں یا باپ اور اس کی شفقت واقع میں بہت تھی کہ ایک دن میں ایک مرتبہ یا دو مرتبہ کھلاتا پلاتا تھا اور اس کا کھلانا اس وجہ سے تھا کہ خدا تعالیٰ نے اس پر محبت اور شفقت کو مسلط کر دیا تھا اب اللہ تعالیٰ نے شفقت اور محبت اور رحم اور ترس تمام مسلمانوں بلکہ تمام شہر والوں پر پھیلا دی یہاں تک کہ جو کوئی ان میں سے کسی محتاج کو دیکھتا ہے تو اس کا دل بھر آتا ہے اور اس کے حال پر ترس کرتا ہے اور دل میں اس کی حاجت روائی کا اسے شوق اٹھتا ہے تو پہلے صرف ایک ہی مشفق تھا اب تو ہزاروں مشفق ہو گئے۔

نکتہ :- پہلے سے ان کی شفقت نہ ہونے کا یہ سبب تھا کہ وہ اس کو اپنے ماں باپ کی شفقت اور ان کے ظل حمایت میں دیکھتے تھے کہ ایک مشفق خاص اس کے لئے موجود ہے اس کو حاجت کیا ہے۔ اور اگر یتیم دیکھتے تو بے شک خدا تعالیٰ ایک شخص یا کئی شخصوں کے دل میں رحم و ترس ڈالتا حتیٰ کہ اس کو اپنے ہاں لا کر کفالت کرتے چنانچہ اب تک مہنگائی کے باوجود کہیں نہیں سنا گیا کہ کوئی کفیل خاص ہوتا ہے مگر اللہ تعالیٰ اس کی کفالت بذریعہ اس شفقت کے فرماتا ہے جسے اس نے بندوں کے دلوں میں پیدا کر دی ہے پھر بالغ ہونے کے بعد اس کو روزی کی فکر نہ معلوم کیوں ہوتی ہے بچپن میں کیوں نہ ہوئی حالانکہ پہلے تو ایک یہ مشفق تھا اب ہزاروں ہو گئے اگرچہ ماں کی شفقت قوی تر اور بہت زیادہ تھی مگر ایک ہی تھی اور بہت سے لوگوں کی اتنی ہو جاتی ہے جس سے کام نکل آئے بہت سے یتیم ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا حال عنایت فرمایا کہ ماں' باپ والوں کو بھی میسر نہ ہو (جیسے فرعون شداد وغیرہ کے لئے ہوا) (اویسی غفرلہ)

تو جتنا قدر شفقت کی' لوگوں سے کمی ہوئی اس کا بدلہ کثرت لے کر دیتا ہے۔ بہر حال عیش و عشرت بقدر ضرورت ہر ایک حاصل ہے کسی شاعر نے کیا خوب فرمایا

(1) جرى قلم القضا بمايكون - فسيان اسحرك والسكون

(2) جنون منك ان تسعى لرزق - ويرزق فى غشاوته الجنين

ترجمہ:- آنے والے حالات کے لئے قضا کا قلم چل چکا اب تحرک و سکوں دونوں برابر ہیں تو رزق کے لئے جدوجہد کرتا ہے یہ تیرا جنون ہے بھلا اس وقت تو نے کیوں نہ کوشش کی جب تو اپنی ماں کے پیٹ میں تھا۔

سوال :- لوگ یتیم کی تو اس وجہ سے کفالت کرتے ہیں کہ اس کو لڑکپن کی وجہ سے عاجز تصور کرتے ہیں مگر جو شخص بالغ کمانا جانتا ہو اس کی طرف کوئی التفات نہیں کرتا اس کو یہ کہتے ہیں کہ یہ ہم جیسا ہٹا کٹا ہے اپنے آپ اپنے واسطے کیوں نہیں کماتا۔

جواب :- ہم کہتے ہیں کہ اگر وہ شخص بیکار اور سست ہو تو لوگ سچ کہتے ہیں کہ ایسے شخص کو کمانا چاہئے اس کے حق میں توکل کے کیا معنی توکل تو دین کے مقامات میں سے ایک مقام ہے اور اس سے استعانت خدا تعالیٰ کیلئے ہو رہنے کے لئے لی جاتی ہے بیکار کو توکل سے کیا نسبت اگر وہ شخص مشغول بخدا کسی مسجد یا حجرے کا ملازم اور علم و عبادت مراومت کرتا ہو تو ایسے کو کوئی ملامت نہیں کرتا کہ تم کیوں نہیں کماتے اور نہ اسے کمانے کی تکلیف دین بلکہ اس کے مشغول بخدا ہونے سے لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت ایسی پختہ ہوتی ہے کہ اس کی ضروریات کے خود متکفل ہوتے ہیں صرف اس کے ذمے اتنی بات چاہئے کہ اپنا دروازہ بند نہ رکھے اور نہ لوگوں کے درمیان میں سے جنگل اور پہاڑ کی طرف چلا جائے آج تک کسی نے نہ سنا ہو گا کہ جو عالم و عابد کہ شہر میں رہ کر تمام وقت مشغول بخدا ہوا ہو وہ فاقے سے مرا ہو بلکہ اس طرح کا شخص چاہئے تو اور بہت سے لوگوں کو اپنی برکت سے کھانا کھلا سکتا ہے (جیسے آج بھی داتا دربار لاہور پاکستان میں دیکھا جاسکتا ہے کہ ہزاروں بھوکے پیٹ بھر کر کھانا کھا رہے ہیں۔ (اویسی غفرلہ)

اس لئے کہ جو اللہ تعالیٰ لئے کار ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا ہو جاتا ہے اور جو مشغول بخدا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی محبت لوگوں کے دلوں میں ڈال دیتا اور اس کے لئے دلوں کو ایسا مسخر کرتا ہے جیسے ماں باپ کے دل کو بچے کیلئے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انتظام ملک اور ملکوت کا انتظام انہیں رہنے والوں کے لئے کافی بنایا ہے جو شخص اس انتظام کا مشاہدہ کرتا ہے وہ مدبر پر ایمان لا کر اس کے ساتھ مشغول ہوتا ہے اور اسباب کے مدبر پر نظر کرتا ہے نہ کہ اسباب پر ہاں اللہ تعالیٰ نے ایسا انتظام نہیں کیا کہ جو اس کے ساتھ مشغول ہو ان سے حلوا اور گوشت قورمہ اور لباس فاخرہ اور عمدہ سواری ہمیشہ ہمیشہ حاصل ہو اگرچہ بعض اوقات یہ سب کچھ مل بھی جائے گا مگر انتظام یوں کیا کہ جو شخص مشغول عبادت ہو اسے ہر ہفتے میں جو کی روٹی یا ساگ پات کھانے کو ضرور مل جائے گا اور غالب یہ ہے کہ اس سے زیادہ ملے بلکہ قدر حاجت سے زیادہ بھی ملتا ہے جو شخص توکل کو چھوڑتا ہے تو صرف اس وجہ سے کہ اس کا نفس ہمیشہ آسائس اور مزے اڑانے کا راغب اور عمدہ لباس اور لطیف غذائیں کھانے کا مائل ہے اور یہ باتیں آخرت کی نہیں اور نہ بغیر تردد کے میسر ہوں اور اکثر تردد سے بھی نہیں ملتیں بہت اور شاذونادر حاصل ہوتی ہے اور شاذونادر میں بھی کبھی بلاتردد بھی مل جاتی ہے تو جس شخص کی چشم بصیرت کھلی ہوئی ہے اس کے نزدیک سعی و تردد کا اثر ضعیف ہے اسی لئے ایسا شخص اپنی تدبیر و تردد پر مطمئن نہیں ہوتا بلکہ ملک و ملکوت کے مدبر پر اطمینان کرتا ہے جس

نے ایسا انتظام مخلوق کے لئے کر رکھا ہے کہ اس کے بندوں میں سے کسی بندے کا رزق رہ نہیں جاتا نہ اپنے رزق سے کوئی بندہ جدا ہوا اگرچہ شاذونادر کبھی تاخیر ہوجاتی ہے اور یہ بہت ہی کم ہوتا ہے اور تدبیر و تردد کے ساتھ بھی تاخیر کبھی ہوجاتی ہے جب اس شخص پر یہ باتیں منکشف ہوں گی اور اس کے ساتھ دل میں قوت اور نفس میں شجاعت بھی ہوگی تو اس کا ثمرہ وہ ہوگا جو اولیائے کرام نے فرمایا۔

(1) حسن بصری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میرا دل یوں چاہتا ہے کہ تمام بصرے کے رہنے والے میرے عیال میں ہوں یعنی سب کا کھانا میرے ذمے ہو اور ایک ایک دانہ ایک ایک اشرفی کو ملتا ہو۔ (2) وہب بن الورد فرماتے ہیں کہ اگر آسمان تانبے کا ہوجائے اور زمین رانگ کی اور میں اپنے رزق کا اہتمام کروں تو اپنے گمان میں مشرک ہوں۔

فائدہ :۔ ان باتوں کو تم نے سمجھ لیا تو یقین کرلے کہ توکل ایک مقام ہے جس کے معنی معمولی طور پر سمجھ میں آتے ہیں اور اس پر پہنچنا ایسے شخص کے لئے ممکن ہے جو اپنے نفس کے ساتھ اجتھاد کرے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ جو اصل توکل اور اسکے امکان کا منکر ہے اس کا انکار سراسر جہالت ہے۔

پند غزالی قدس سرہ :۔ اے عزیز دونوں باتوں کے افلاس کو جمع نہ کر یعنی ذوق کی راہ سے اس مقام کے وجود سے بھی مفلس نہ رہ اور نہ اسے ممکن کے اعتقاد مفلس نہ رہ' ایسا نہ ہونا چاہئے اب تجھ کو چاہئے تجھے چاہئے کہ تھوڑے سے مال پر قناعت کر اور بسراوقات کی مقدار پر راضی ہو وہ تجھے ضرور بھیجے گا اگرچہ تو اس سے بھاگے اگر تو ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ تیرا رزق تیرے پاس ایسے شخص کے ہاتھوں بھجوا دے گا کہ تجھے گمان بھی نہ ہوگا اور جب تو تقویٰ اور توکل میں مشغول ہوگا تو تجربہ سے اس آیت کا مصداق محسوس کرے گا۔ (ومن یتق اللہ یجعل لہ مخر جا و یرزقہ من حیث لا یحتسب) (طلاق)

مگر خداوند قدوس اس بات کا کفیل نہیں کہ رزق میں مرغ اور لذیذ کھانے عطا کرے بلکہ اس کی کفالت اس رزق کی ہے جس سے ہمیشہ زندگی بچ سکے۔ یہ رزق ہر ایک کو ملے گا اس لئے کہ جو رزق کے خفیہ اسباب اللہ تعالیٰ کے انتظام میں موجود ہیں وہ ان کی بہ نسبت بہت زیادہ ہیں جو مخلوق کو معلوم ہیں بلکہ رزق کے پہنچنے کے راستے بے شمار ہیں اور نہ ان کو کوئی بتلا سکتا ہے کیونکہ ان کا ظہور تو زمین پر ہے بلکہ آسمانوں پر بھی جیساکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ (وفی السماء رزقکم وما توعدون) (الذریات 22) ترجمہ کنزالایمان :۔ اور آسمان میں تمہارا رزق ہے اور جو تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے۔

حکایت :۔ حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک جماعت حاضر ہوئی آپ نے فرمایا کہ تم کیا چاہتے ہو عرض کی کہ ہم رزق ڈھونڈتے ہیں آپ نے فرمایا کہ اگر تمہیں اس کی جگہ معلوم ہو کہ کہاں ہے تو تلاش کرو۔ انہوں نے عرض کی کہ ہم اللہ تعالیٰ سے مانگیں گے آپ نے فرمایا کہ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ تم کو بھول جائے گا تو اس کو یاد دلاؤ انہوں

نے عرض کیا اب ہم گھروں میں بیٹھ کر توکل کریں گے دیکھیں کیا ہوگا آپ نے فرمایا کہ تجربہ کے طور پر توکل کرنا شک میں داخل ہے انہوں نے عرض کیا کہ پھر ہم کیا کریں آپ نے فرمایا کہ تدبیر چھوڑ دو۔

حکایت :- احمد بن عیسیٰ خراز کہتے ہیں کہ میں جنگل میں تھا کہ مجھے بھوک لگی میرے نفس پر یہ بات غالب ہوئی کہ اللہ تعالیٰ سے کھانے کی درخواست کروں مگر میں نے کہا کہ یہ فعل متوکلوں کا نہیں پھر نفس نے زور ڈالا کہ اللہ تعالیٰ سے صبر کا سوال کروں جب میں نے اس دعا کا ارادہ کیا تو ایک ہاتف نے مجھے پکار کر فرمایا

ویزعم انہ منا قریب - ونحن لانضیع من اتانا

ویسالنا علی الاقتار جھدا - کانا لانراہ ولا یرانا

ترجمہ :- 1 - اسے گمان ہے کہ وہ ہمیں قریب ہے اور ہم اسے ضائع نہیں کرتے جو ہمارے پاس آئے۔
(2) تنگی میں ہمارے سے صبر کا سوال کرتا ہے تو گواہ نہ ہم اسے دیکھتے ہیں اور نہ وہ ہمیں دیکھتا ہے۔

فائدہ :- تم نے سمجھ لیا ہوگا کہ جس شخص کا نفس منکر اور دل قوی ہو اور باطن میں ضعف اور بزدلی نہ رکھتا ہو اور اللہ تعالیٰ کے انتظام پر اعتقاد مضبوط ہو تو وہ ہمیشہ مطمئن اور اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرنے والا ہوگا کہ اس کا بدتر حال مرنا ہے اور موت کسی طرح سے نہ رکے گی۔

خلاصہ یہ کہ توکل حاصل یہ ہے کہ بندے کی طرف سے قناعت ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس رزق کی ضمانت ہے۔ اس کا پہنچانا اس نے قناعت والے کے رزق پہنچانے کے اسباب بنا رکھے ہیں اور اس کی ضمانت لی ہے۔ وہ اپنی ضمانت میں بجا ہے جس کو تجربہ کرنا منظور ہو قناعت کرے۔ پھر دیکھ لے کہ اس کا وعدہ یقیناً پہنچتا ہے ایسی ایسی جگہ سے رزق پہنچا دے گا کہ انسان کے وہم و خیال میں بھی نہ ہو مگر آدمی کو اپنے توکل میں اسباب کی طرف توجہ نہ ہو بلکہ توجہ مسبب الاسباب کی طرف ہو جیسے لکھنے میں قلم کا خیال نہیں بلکہ کاتب کا خیال ہوتا ہے جو قلم کا محرک اصل محرک ہے اور چونکہ محرک اول ایک ہی ہے تو لائق نہیں کہ اس کے سوا کسی اور کی طرف التفات ہو اور یہ توکل کی شرط اس لئے ہے کہ جو جنگل میں بلازاد پھرتا ہے شہروں میں گمنام بیٹھتا ہے مگر جو شخص عبادت اور علم میں مشہور ہو جب وہ دن رات میں ایک دفعہ کسی طرح کے کھانے پر اگرچہ لذیذ نہ ہو اور ایک موٹے کپڑے پر جو دین والوں کے مناسب ہے کفایت کرے تو اس قدر اسے رزق ہمیشہ ایسی جگہ سے پہنچ جائے گا جہاں سے اس کو گمان بھی نہ ہو بلکہ اس کا کئی گنا پہنچے گا پس ایسے شخص کو توکل چھوڑنا اور رزق کا اہتمام کرنا نہایت ضعف اور نقصان ہے اس لئے کہ اگر کوئی گمنام انسان شہروں میں جاکر کوئی پیشہ کرے تو اسے اتنا ذریعہ کا نہیں جتنا عالم و عابد کو ہے کو ان کا مشہور ہونا بڑا ذریعہ ہے اسی لئے دین والوں کو رزق کا اہتمام برا ہے اور علماء کرام کو اور بھی برا کیونکہ علماء کرام کے لئے قناعت شرط ہے اور عالم قانع اور اس کے ساتھ بہت سے لوگوں کا رزق آتا ہے ہاں اگر عالم کو یہ مدظن ہو کہ لوگوں کے ہاتھ سے نہ لوں گا اور اپنی کمائی کا کھاؤں گا تو یہ وجہ اس عالم کی شان کے شایان ہے جو ظاہری علم و عمل پر

چلتا ہے اگرچہ اسے سیر باطن حاصل نہیں کیونکہ فکر معیشت باطن کی سیر سے مانع ہوتی ہے تو ایسے شخص کو سلوک میں مشغول ہونا اور ان لوگوں سے کچھ لینا جو اپنی داد و عطا سے اللہ تعالیٰ کا تقرب چاہتے ہیں بہتر ہے اس لئے کہ اس صورت میں فکر معیشت سے فراغت رہے گی اور اللہ تعالیٰ کا ہو کر رہے گا اور دینے والے کو ثواب ملنے پر معین و مددگار ہو گا اور جو شخص خدا تعالیٰ کی عادات جاری پر نظر کرے تو یقین کر لے کہ رزق بمقدار سامان کے نہیں ہوا کرتا۔

حکایت :۔ شاہان فارس نے کسی حکیم سے سوال کیا کہ اس کا سبب ہے کہ بعض احمق بڑا رزق دیئے جاتے ہیں اور عاقل محروم رہتے ہیں اس نے جواب دیا کہ صانع نے یہ چاہا کہ لوگ مجھے پہچانیں اس لئے کہ اگر ہر عاقل کو رزق ملتا اور ہر احمق محروم رہتا تو لوگوں کو یہی گمان ہوتا کہ عاقل کو عقل نے رزق دیا جبکہ اس کے برعکس معاملہ نظر آیا تو جانا کہ رازق کوئی اور ہی ہے جو اسباب ظاہری ہیں ان کا کوئی اعتبار نہیں کسی شاعر نے کہا ؏

ولو کانت الارزاق تجری علی الحجا هلکن اذا من جهلهن البهائم

ترجمہ:۔ اگر روزی عقل کے مطابق جاری ہوتی تو تمام جانور اپنی جہالت سے مر جاتے۔

فائدہ :۔ اسے صاحب قوت القلوب (رحمہ اللہ) نے نقل فرمایا ہے اور اس کی حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے یوں ترجمانی فرمائی ہے اگر روزی بدانش بر فزودے۔ زناداں تنگ تر روزی نہ بودے۔ ترجمہ۔ اگر روزی دانائی سے بڑھتی تو ناداں (بے وقوف) زیادہ تنگ روزی اور کوئی نہ ہوتا۔ (اضافہ اویسی غفرلہ)

ان متوکلون کے احوال جو اسباب کے متعلق ہیں :۔ اس بحث کو حضرت امام غزالی قدس میں ایک مثال سے سمجھاتے ہیں کہ مثلاً ایک سائلین کی جماعت بادشاہ کے سامنے ہو تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کے سامنے ان سائلین کی جماعت فراخ ہے جو سائلین کی جماعت بادشاہ کے دروازہ پر کھڑی ہو اور وہ سب کھانے کی حاجت رکھتے ہوں اور وہ بادشاہ بہت سے غلاموں کو روٹیاں دے کر بھیجے اور حکم کر دے کہ بعض کو ایک بعض کو زیادہ لیکن کوشش کرنا کہ کوئی رہ نہ جائے اور پھر بادشاہ ایک منادی کو حکم کرے کہ ان لوگوں کو پکار کر کہو کہ ٹھہرے رہو اور میرے غلاموں کو جب وہ تمہارے پاس آئیں نہ گھیرو بلکہ ہر ایک اپنی اپنی جگہ پر اطمینان سے رہے میرے غلام حکم کے تابع ہیں اور ان کو حکم ہوا ہے کہ تم کو کھانا پہنچائیں پس جو کوئی غلاموں کو لپٹے گا اور انہیں ستائے گا اور دروازہ کھلنے پر روٹیاں لیکر چلا جائے گا میں اس کے پیچھے ایک غلام بھیجوں گا وہ اس پر مقرر رہے گا یہاں تک کہ میں اس کو سزا دوں جو میں نے اپنے ہاں اس کے لئے مقرر کر لی ہے مگر میں اسے ظاہر نہیں کرتا کہ کب سزا دوں گا اور جو غلاموں کو نہ ستائے گا اور وہ ایک روٹی پر قناعت کرے گا جو غلام کے ہاتھ سے اسے ملے گی پھر وہ خاموش رہے گا اسے اسی روز جس میں دوسروں کو سزا دوں گا اسے بہتر خلعت عنایت کروں گا اور جو اپنی جگہ پر ٹھہرا رہے گا اور دو روٹیاں پائے گا تو اسے نہ سزا ہو گی نہ خلعت اور جس شخص کو میرے غلام کچھ نہ دیں اور وہ رات کو بھوکا رہے اور میرے غلاموں پر خفا نہ ہو گا

کوئی بات منہ سے نکالے گا کہ کاش مجھے بھی ایک روٹی مل جاتی تو ایسے شخص کو میں اپنا وزیر بناؤں گا اور کارخانہ سلطنت اس کے سپرد کروں گا۔

سائلین کی چار اقسام :۔ اس ندا کے بعد سائلوں کی چار قسمیں ہوگئیں۔

(1) وہ کہ جن پر غلبہ شکم ہو اور انہوں نے التفات سزائے موعود کی طرف توجہ نہ کی اور کہا کہ آج سے کل تک بہت وقت ہے ہم کو بھوک اب لگ رہی ہے یہ سوچ کر غلاموں پر حملہ کردیا اور ان کو ستاکر روٹیاں لے لیں۔ اس پر وہ میعاد مذکور میں مستحق سزائے موعود کے ہوئے اس وقت پچھتائیں گے۔

(2) وہ کہ غلاموں سے تو سزا کے خوف سے نہ لینے مگر شدت بھوک سے روٹیاں لیں اور سزا سے محفوظ رہے اور لیکن انہیں بادشاہ سے خلعت نصیب نہ ہوگی۔

قسم (3) :۔ انہوں نے کہا کہ ایسی جگہ بیٹھنا چاہئے کہ غلاموں کے سامنے ہوں تاکہ وہ ہم کو چھوڑ نہ جائیں مگر جب وہ روٹیاں دیں تو ایک ہی روٹی لینا چاہیے اور اسی پر قناعت کرنی چاہیے شاید ہم کو خلعت مل جائے تو ان کو حسب وعدہ بادشاہی خلعت مل گئی۔

(4) وہ لوگ جو صحن کے کونے میں جاکر چھپے اور غلاموں کی نظروں سے بچ کر آپس میں کہا کہ اگر ڈھونڈ کر کچھ دیں گے تو ایک روٹی لے کر قناعت کرلیں گے اور اگر ان کی نظر سے بچ گئے تو رات بھر کر بھوک کی سختی کی برداشت کرلیں گے شاید پھر رات کو غلاموں پر ناراضگی نہ آئے تو مرتبہ وزارت اور قرب بادشاہ حاصل ہو مگر ان کا منصوبہ نہ چلا اور غلاموں نے ان کو ہر گوشے میں تجسس کرکے ایک روٹی پہنچادی اور اسی طرح روزانہ معاملہ ہوا کہ چند دنوں کے بعد اتفاقاً تین آدمی ایک کونے میں چھپ گئے اور غلاموں کی آنکھ ان پر نہ پڑی کسی وجہ سے زیادہ تحقیق نہ کرسکے اور وہ تینوں سخت بھوک میں سوئے' دو نے کہا کہ کیا اچھا ہوتا جو ہم غلاموں کے سامنے ہوجاتے اور اپنا کھانا لے لیتے ہم سے صبر نہیں ہوسکتا لیکن تیسرا آدمی چپ رہا صبح تک یونہی گزار اسی کو درجہ قرب شاہی اور وزارت ملی۔

فائدہ :۔ اس مثال میں دنیوی زندگی مد نظر ہے اور اس کا دروازہ موت اور میعاد نامعلوم روز قیامت اور وزارت کے وعدے سے غرض وعدہ شہادت ہے جو متوکل کیلئے ہے بشرطیکہ بھوک میں راضی بخدا وفات پائے اور اس وعدے کی وفات کیلئے تاخیر قیامت تک نہ ہوگی۔

کیونکہ شہداء خداتعالیٰ کے پاس زندہ ہیں اور ان کو رزق ملتا ہے اور غلام مطیع فرمان بادشاہی سے مراد اسباب ہیں اور غلاموں سے لینے والے ہیں وہ جو اسباب میں حد سے تجاوز کرتے ہیں اور جو شخص صحن کے بیچ میں غلاموں کے زیرنگاہ بیٹھے ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو شہروں کی خانقاہوں اور مسجدوں میں رہتے ہیں اور گوشوں میں چھپنے والے وہ ہیں جو توکل سے جنگلوں میں پھرتے ہیں اور اسباب ان کے پیچھے پھرتے ہیں اور انہیں رزق بہ وسعت مل جاتا ہے مگر

کبھی نہیں ملتا اگر کوئی بھوکا خدا تعالیٰ سے راضی ہو کر مرتا ہے تو اس کو شہادت اور قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے۔

فائدہ :- یہ تقسیم وہ ہے کہ شاید سو میں سے نوے تو ایسے ہیں جن کا تعلق اسباب سے ہے اور سات ایسے ہیں جو شہروں میں مقیم ہیں اور مشہور ہونے کی وجہ سے گزر اوقات کر لیتے ہیں اور تین ایسے ہیں جو جنگلوں میں پھرتے ہیں ان تین میں سے دو اسباب پر خفا ہیں اور صرف ایک مرتبہ قرب پر پہنچتا ہے اور شاید کہ زمانہ گزشتہ میں یہ تقسیم ورنہ دور حاضرہ تو دس ہزار میں سے ایک بھی ایسا نہیں جو تارک اسباب ہو۔

اسباب جمعیت کا تعرض :- مفید اشیاء کو آنے والی ضرورت کے لئے رکھنا تصوف میں کیا ہے مثلاً کسی کو مال وراثت یا کمل سے یا گداگری یا کسی اور سبب سے مال ملے تو اسے رکھ چھوڑنے میں تین حال ہیں۔

(1) بقدر حاجت کچھ لے لے یعنی اگر بھوکا ہو تو کھا لے اور ننگا ہو تو کپڑے کا خرچ لے اور حاجت مکان کی ہو تو مختصر مکان خریدے اور باقی کو اسی وقت فقراء کو دے ڈالے اور سوائے اس مقدار کے جس کی طرف کسی کو ضرورت ہوتی ہے یا استحقاق ہے او روہ نہ لے اور نہ رکھے اگر رکھے تو اسی نیت پر کہ بعد کو شرح کروں گا ایسا شخص مقتضائے توکل پر عمل کرنے والا ہے او یہ درجہ سب سے اونچا ہے۔

(2) یہ پہلی حالت کے برعکس اور نقص ہے اور حد توکل سے سالک کو خارج کر دیتی ہے وہ یہ ہے کہ مال یا کوئی چیز کو سال یا اس سے زیادہ کیلئے رکھ چھوڑے ایسا شخص ہرگز متوکل نہیں۔

فائدہ :- بعض کا قول ہے کہ حیوانات میں سے صرف تین جانور ذخیرہ کرتے ہیں' چوہا' چیونٹی' انسان۔

(3) چالیس دن یا اس سے کم کیلئے مال رکھ چھوڑے یہ حالت انسان کو اس مقام اعلیٰ سے کہ جس کا متوکلوں کو وعدہ ہے۔ یہ محروم کرتی ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے (1) حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے کہ ایسی حالت حد توکل سے خارج کرتی ہے۔ (2) حضرت خواص رحمۃ اللہ علیہ کہ چالیس روز تک کے رکھنے سے کوئی بھی خارج از توکل نہیں ہوتا ہاں اس سے زیادہ مدت سے ہوتا ہے۔ (3) حضرت ابوطالب مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چالیس روز سے زیادہ بھی خارج از توکل نہیں ہوتا اور جب ذخیرہ کرنے کا اصل جائز ہے تو پھر اس اختلاف کا کوئی معنی نہیں ہاں ہو سکتا ہے کہ کوئی گمان کرے کہ ذخیرہ کرنا سرے سے توکل کی ضد ہے اور اس کی میعاد مقرر کسی کو معلوم نہیں اور جو ثواب کہ کسی مرتبہ کیلئے وعدہ کیا گیا ہے وہ مترفع اسی مرتبہ پر ہوتا ہے اور اس مرتبہ کا آغاز اور انجام ہے جو لوگ صاحب قوۃ القلوب رحمۃ اللہ علیہ (اویسی غفرلہ)

اس کے انجام پر ہیں ان کا نام سابقین ہے اور آغاز والوں کا نام اصحاب الیمین ہے اور سابقین اور اصحاب الیمین کے بھی بہت سے درجات ہیں اور ان کا سلسلہ ایسا ہے کہ اصحاب الیمین میں سے اونچے درجے والے ان کے قریب ہیں جو سابقین میں سے نیچے درجے کے لوگ ہوں پس ایسی صورت میں مقرر کرنے کے کیا معنی بلکہ تحقیق یہ ہے کہ ذخیرہ نہ کرنے سے توکل جب پورا ہوتا ہے جب امید کوتاہ ہو اور زندگی کی توقع بالکل نہ ہونے قید لگانا مشکل

ہے اگرچہ ایک لمحہ کے لئے کیونکہ ایسا ہونا گویا غیر ممکن ہے پھر طول امل ہے اور لوگ متفاوت ہیں اور کمتر درجہ امل کا ایک دن رات یا اس سے کم ساعات ہیں اور غایت درجہ اس قدر ہے کہ جس قدر ان کی عمر ہوتی ہے اور ان کے بیچ میں درجات ہیں جن کا شمار نہیں ہو سکتا تو جو شخص کہ زیادہ ایک مہینے کی بھی زندگی کی توقع نہ کرے وہ مقصود میں اس سے نزدیک تر ہوگا جو برسا برس کی توقع کرے۔

نکتہ :۔ چالیس روز کی قید بلحاظ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی میعاد کے بعید از قیاس ہے اس لئے کہ آپ کی میعاد سے مقصود یہ نہ تھا کہ رخصت امل کی مقدار کے مطابق مذکور ہو بلکہ وہ میعاد اس لئے تھی کہ مستحق موعود چیز کے ملنے کے مستحق ہو جائیں جو بدوں چالیس روز گزرے بغیر نہیں مل سکتی تھی اور چالیس روز کے بعد یہ استحقاق ایک راز کی وجہ سے تھا جو اللہ تعالیٰ کی عادتوں میں سے ہے کہ اس جیسے امور میں کیا کرتا ہے۔

حدیث :۔ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی کو اپنے ہاتھ مبارک سے چالیس روز خمیر کیا یعنی استحقاق اس مٹی کے خمیر ہونے کا مدت مذکور پر موقوف تھا غرضیکہ جو خلاصہ یہ کہ جو شخص برسا برس کیلئے مال جمع کرے گا تو یہی کہا جائے گا کہ اس کے دل میں ضعف ہے اور وہ اسباب ظاہری پر مائل ہے ایسا شخص مقام توکل سے خارج ہے اور اس انتظام الٰہی پر اعتقاد نہیں الجھتا جو اس نے خفیہ اسباب رکھے ہیں کیونکہ اسباب داخلی کھیتوں اور زکاتوں کے ہر سال ہوتے رہتے ہیں اور جو شخص کہ سال سے کم کیلئے ذخیرہ کرے تو بقدر اس کی امل کی کمی کے اس کا درجہ ہوگا اور جس شخص کو توقع دو۔ مہینے کی ہو اس کا درجہ اس کے موافق نہ ہوگا جو اپنی امل ایک ماہ تک کرے اور نہ اس کے موافق جو تین مہینے کی امید رکھتا ہو بلکہ اس کا درجہ ان دونوں کے درمیان میں ہوگا اور ذخیرہ کرنے کا مانع بجز کوتاہی امل کے اور کوئی شے نہیں تو افضل یہی ہے کہ ذخیرہ نہ کرے اور اگر دل ضعیف ہو تو جس قدر ذخیرہ قلیل ہوگا اتنا ہی افضل ہوگا۔

حکایت :۔ اس فقیر کا قصہ مشہور ہے جس کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل دینے کا ارشاد فرمایا تھا اور جب انہوں نے غسل دیکر اسے کفن پہنایا تو آپ نے اپنے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا کہ یہ شخص قیامت کو اسی طرح اٹھے گا کہ اس کا منہ چودھویں رات کے چاند جیسا ہوگا اگر ایک خصلت اس میں نہ ہوتی تو آفتاب روشن جیسا چہرہ لیکر اٹھتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ وہ کونسی خصلت تھی آپ نے فرمایا کہ یہ شخص روزہ دار، تہجد گزار تھا اور اللہ تعالیٰ عزوجل کا ذکر بھی بہت کرتا تھا مگر گرمیوں کے کپڑے دوسری گرمیوں کے لئے رکھ چھوڑتا اور جاڑے کے کپڑے دوسرے جاڑے کیلئے رکھ چھوڑتا تھا پھر آپ نے فرمایا (من اقل ما اوتیتم منه الیقین وعزیمته الصبر) ترجمہ:۔ بڑی چیز میں سے کہ تم کمتر دیئے گئے ہو وہ یقین اور عزیمت صبر ہے۔

فائدہ :۔ کوزہ اور دسترخوان یا وہ چیزیں جن کی حاجت ہمیشہ ہوتی ہے وہ ذخیرہ میں داخل نہیں یعنی ان کا رکھ چھوڑنا

درجے کو کم نہیں کرتا لیکن جاڑے کے کپڑوں کی حاجت گرمیوں میں نہیں رہتی اور یہ حکم اس شخص کے بارے میں ہے کہ ترک ذخیرہ سے اس کا دل مضطرب نہ ہو اور نفس کو لوگوں کے ہاتھوں کی طرف انتظار ہو بلکہ اس کا دل سوائے وکیل حقیقی کے اور کسی کی طرف متوجہ نہ ہو۔

فائدہ:- اگر ایسی صورت ہو کہ نہ رکھنے سے نفس میں پریشانی ایسی ہوتی ہو جس سے دل عبادت اور ذکر و فکر سے باز رہتا ہو تو اس کے لئے رکھ چھوڑنا بہتر ہے بلکہ اگر کوئی متاع رکھ چھوڑے جس کی آمدنی اس کی ضروریات کو کافی ہو اور اس دل کو اطمینان بغیر اس کے نہ ہوتا ہو تو اس کے لئے یہی اولیٰ ہے کیونکہ مقصود دلوں کی اصلاح ہے تاکہ خدا تعالیٰ کے ذکر کیلئے فارغ ہو جائیں بعض لوگ ایسے ہیں جن کو مال کا ہونا دل میں پریشانی لاتا ہے اور بعض ایسے ہیں کہ ان کو وہم ہونے سے پریشانی ہوتی ہے اور ممنوع وہی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ سے مانع ہو خواہ وجود مال ہو یا عدم ورنہ مال دنیا فی نفسہ ممنوع نہیں اسی لئے حضور ﷺ مخلوق کی تمام اصناف کے لئے مبعوث ہوئے ہیں کہ ان میں تاجر اور کاریگر' صنعتکار اور کئی پیشے والے ہر قسم کے لوگ ہیں آپ نے نہ تاجر کو تجارت چھوڑنے کا حکم فرمایا نہ کسی پیشے والے کو اپنا پیشہ ترک کرنے کو کہا نہ جو شخص ان کا تارک تھا اس کو حکم تجارت اور پیشے میں مشغول ہونے کا حکم دیا بلکہ سب کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ تمہاری فوز و نجات اس میں ہے کہ اپنے دلوں کو دنیا کی طرف سے خدا تعالیٰ کی طرف پھیرو اور چونکہ اللہ تعالیٰ سے مشغول ہونا سب سے عمدہ دل کا کام ہے تو ضعیف کیلئے مقدار حاجت رکھ چھوڑنا بہتر ہے جیسے قوی کیلئے ذخیرہ نہ کرنا بہتر ہے اور یہ تمام حکم تنہا آدمی کا ہے اور عیالدار کا حکم یہ ہے کہ اگر اپنے عیال کے ضعف دور کرنے اور ان کی تسکین خاطر کیلئے ایک سال کی غذا جمع کرے گا تو حد توکل سے خارج نہ ہوگا ہاں سال سے زیادہ کیلئے ذخیرہ کرنا توکل کو باطل کرتا ہے اس لئے کہ اسباب ہر سال میں مکرر ہوتے رہتے ہیں تو زیادہ کے لئے ذخیرہ کرنا ضعف قلبی پر دلالت کرتا ہے جو قوت توکل کے خلاف ہے کیونکہ متوکل اسی کا نام ہے جو موحد اور قوی دل اور خدا تعالیٰ کے فضل پر مطمئن اور اس کے انتظام کا معتقد ہو نہ کہ اسباب ظاہری کے ہونے پر اعتماد کرنے والا حضور ﷺ نے اپنے عیال کی غذا سال تک ذخیرہ کی اور حضرت ام ایمن وغیرہ کو فرمایا کہ کل کے لئے کچھ نہ رکھو اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ایک ٹکڑا روٹی کا افطار کیلئے رکھ چھوڑا تھا ان کو ارشاد فرمایا (انفق بلالا ولا تخش من ذی العرش اقلالا) ترجمہ:- خرچ کر اے بلال اور صاحب عرش سے مفلسی سے نہ ڈر۔

اور یہ بھی انہیں کو ارشاد فرمایا۔

(اذا سئلت فلا تمنع واذا اعطیت فلا تجنا) ترجمہ:- جب تجھ سے کوئی مانگے تو نہ روک اور جب تجھ کو دیا جائے تو نہ چھپا۔

اس صورت میں اقتدا سید المتوکلین ﷺ کی کرنی چاہیے کہ کوتاہی اہل آپ کی اس درجے پر تھی کہ پیشاب کے بعد باوجود پانی کے قریب ہونے کے تیمم کر لیتے تھے کہ کیا معلوم کہ شاید پانی تک نہ پہنچوں اور آپ نے جو ذخیرہ کیا تو اس سے آپ کا توکل کم نہیں ہوا اس لئے کہ آپ کو اعتماد اپنے ذخیرہ پر نہ تھا بلکہ ذخیرہ کیا تو اس غرض سے کہ یہ

طریقہ امت کیلئے مسنون ہوجائے کیونکہ امت کے قوی بہ نسبت آپ کی قوت کے بہت کمزور ہیں اور سال کا ذخیرہ آپ نے اپنے عیال کیلئے فرمایا تو نہ اس وجہ سے نہیں کہ آپ میں یا آپ کے عیال میں کوئی ضعف قلبی تھی بلکہ اس نظریہ سے کہ ضعفائے امت کیلئے وہ طریقہ مسنون ہو اور صاف تصریح فرمادی

ـ یہ تعلیم امت کے لئے تھا کہ انسان کو زندگی پر کوئی بھروسہ نہ کرنا چاہئے۔ (اویسی غفرلہ)

(ان اللہ تعالٰی یحب ان توتی رخصنه کما یحب ان توتیے عزائیمه) ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے کہ عمل کیا جائے اس کی اجازتوں پر جیساکہ پسند کرتا ہے کہ ادا کی جائیں اس کی عزیمتیں (اور ان کا درجہ بلند و بالا ہے)

فائدہ :۔ اس سے بھی ضعیفوں کے دلوں کی تسکین منظور تھی کہ ایسا نہ ہو کہ ضعیف کی وجہ سے وہ لوگ یاس اور ناامیدی کو پہنچ جائیں اور انتہائے درجہ پر پہنچنے سے عاجز ہوکر جو کچھ ان سے بن سکتا ہے اس کو بھی ترک کرسکتے ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ آپ کا وجود باجود تمام عالم کے لئے رحمت تھا جن کی اصناف مختلف اور درجات متفاوت ہیں۔

فائدہ :۔ جب یہ معلوم ہوچکا تو اب تمہیں یقین ہوگیا ہوگا کہ ذخیرہ کرنا بعض لوگوں کو مضر ہے اور بعض کو غیر مضر اس کی دلیل و روایت ہے جو حضرت ابوامامہ باہلی ﷺ سے مروی ہے کہ بعض اصحاب صفہ کا انتقال ہوا ان کے پاس کفن بھی نہ نکلا حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس کے کپڑوں کو تلاش کرو ڈھونڈا تو دو دینار تہمد کے اندر نکلے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ دو داغ ہیں حالانکہ ان کے سوا اور مسلمان جو مرتے تھے بہت کچھ چھوڑ کر مرتے تھے کسی کے حق میں آپ نے یہ نہیں فرماتے تھے لیکن چونکہ ان کا حال دو وجہ کا احتمال رکھتا ہے اس وجہ سے اس حدیث کے بھی دو معنی ہوسکتے ہیں اول تو یہ کہ دو داغ آتش دوزخ کے ہیں جیساکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ (فتکوٰی بھاھم وجنوبھم وظھورھم) (پ 10 توبہ 35) ترجمہ از کنزالایمان :۔ پھر اس سے داغیں گے انکی پیشانیاں کروٹوں اور پیٹھیں۔

فائدہ :۔ یہ اس صورت میں ہے کہ اصحاب صفہ کا زہد اور فقر اور توکل کا اظہار ہو حالانکہ واقع میں وہ ایسے نہ تھے دوسرا یہ کہ تلبیس اور دھوکا کچھ نہ ہو تو اس صورت میں حدیث مذکور کے یہ معنی ہیں کہ درجہ کمال سے نقصان ہے یعنی جس طرح آدمی کے منہ پر داغ ہونے سے چہرے کی خوبصورتی میں فرق ہوجاتا ہے ویسے ہی ان دونوں دیناروں سے ان کے چہرہ کمال میں نقصان ہوگیا اس لئے کہ آدمی جو کچھ چھوڑ کر مرتا ہے وہ آخرت میں اس کے لئے موجب نقصان ہے کیونکہ جس قدر کسی کو دنیا میں سے ملتا ہے اسی قدر آخرت میں سے ناقص ہوجاتا ہے۔

فائدہ :۔ فارغ بالی کے ساتھ مال جمع کرنا اور ذخیرہ کی چیزوں پر دل نہ۔ لگانا ضروری نہیں کہ توکل کو باطل کردے۔

حکایت :۔ حسین مغازلی جو حضرت بشر رحمۃ اللہ علیہ کے یاروں میں سے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میں حضرت بشر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں چاشت کے وقت بیٹھا تھا کہ ایک بزرگ آپ کے ہاں تشریف لائے۔ حضرت بشر رحمۃ اللہ علیہ ان کی تعظیم کو اٹھے۔ میں نے ان کو کسی کی تعظیم کیلئے اٹھتے نہیں دیکھا۔ پھر آپ نے مجھے چند درم دے کر فرمایا کہ بہت عمدہ کھانا اور لذیذ خرید

لاؤ اور آپ نے ایسے الفاظ کبھی مجھ سے نہیں فرمائے تھے میں کھانا لے آیا کھانا کھاتے میں نے ان کو نہ دیکھا تھا جب بقدر حاجت کھا چکے اور کھانا بہت کچھ بچ رہا تو وہ بزرگ اس کو لے کر اپنے کپڑے میں باندھ کر ساتھ لے گئے مجھے تعجب ہوا اور ان کی حرکت بری محسوس ہوئی۔ حضرت بشر رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تم کو ان کی یہ حرکت ناپسند محسوس ہوئی میں نے عرض کیا ہاں اس وجہ سے کہ وہ کھانا بچا ہوا بے اجازت لے گئے آپ نے فرمایا کہ یہ بزرگ حضرت فتح موصلی رحمۃ اللہ علیہ تھے کہ آج موصل سے ہمارے ملنے کو تشریف لائے تھے ان کی غرض اس فعل سے یہ تھی کہ ہم کو تعلیم کریں کہ جب توکل صحیح ہوجاتا ہے تو اس کے ساتھ ذخیرہ کرنے میں حرج نہیں۔

خوف کے ضرر کا دفعیہ:- یاد رہے کہ ضرر کبھی نفس یا مال میں خوف کی وجہ سے پیش آتا ہے اور توکل کی یہ شرط نہیں کہ سرے سے اسباب واقعہ ترک کرے مثلاً جس علاقہ میں درندے بہت ہوں وہاں سو رہنا یا جنگل سیلاب کی جگہ یا جھکی ہوئی دیوار کے نیچے یا ٹوٹی چھت کے نیچے سونا داخل توکل نہیں بلکہ یہ تمام امور ممنوع ہیں ایسا شخص اپنی جان کو بے فائدہ معرض ہلاک میں ڈالتا ہے۔

اسباب ضرر:- یہ اسباب تین طرح ہیں ایک تو وہ (1) قطعی (2) ظنی (3) وہمی۔ وہمی اسباب چھوڑنا شرط توکل ہے اور وہمی اسباب وہ ہیں کہ ان کی نسبت دفع ضرر کی طرف ایسی ہو جیسے جسم داغنے اور منتر وغیرہ کو ہے کہ یہ دونوں بعض اوقات تو کسی خوفناک بیماری کے روک کیلئے پہلے سے کر دیئے جاتے ہیں اور بعض اوقات بعد اس مرض کے وقوع کے برتی جاتی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متوکلوں کا وصف بجز ترک داغ اور منتر اور برف لی اور کچھ نہیں بیان فرمایا یعنی یہ نہیں ارشاد فرمایا کہ متوکل جب کسی سرد علاقہ میں جاتے تو گرم لباس پہنتے حالانکہ گرم لباس بھی سردی متوقع کیلئے پہنا جاتا ہے اور یہی حال دوسری چیزوں کا ہے۔

فائدہ:- سفر میں نکلتے وقت جاڑے کی موسم میں اگر لسن کھائے اس ارادہ سے کہ اندر گرمی کی قوت ہوگی تو اس میں اسباب پر اعتماد اور تعلق ہو سکتا ہے یہ امر قریب داغ کے ہے بخلاف گرم لباس پہننے کے اگر کسی انسان سے ضرر پہنچے تو اس کے دفع کرنے کے اسباب کو ترک کرنے کی ایک وجہ ہے یعنی اگر آدمیوں کی اذیت پر صبر بھی کر سکتا ہے اور ایذا کو روک کر اپنا انتقام لے سکتا ہے تو کل کی شرط یہ ہے کہ صبر اور برداشت کرے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

(1) (فاتخذہ وکیلا واصبر علی ما یقولون واہجرہم ہجراً جمیلاً) (المزمل 9-10) ترجمہ از کنزالایمان:- اپنا کارساز بناؤ اور کافروں کی باتوں پر صبر فرماؤ اور انہیں اچھی طرح چھوڑ دو۔

(2) (ولنصبرن علی ما اذیتمونا وعلی اللہ فلیتوکل المتوکلون) (سورۃ ابراہیم) ترجمہ کنزالایمان:- اور تم جو ہمیں ستا رہے ہیں ہم ضرور اس پر صبر کریں گے اور بھروسہ کرنے والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ چاہیے۔

(3) (ودع اذاہم وتوکل علی اللہ) (الاحزاب 48) ترجمہ کنزالایمان:- اور ان کی ایذاء پر درگزر فرماؤ اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔

(4) (فاصبر کما صبر اولوالعزم من الرسل) (الاحقاف) ترجمہ کنزالایمان: تو تم صبر کرو جیسے ہمت والے رسولوں نے صبر کیا۔

(5) (نعم اجر العاملین الذین صبرو وعلی ربھم یتوکلون) (العنکبوت 58 تا 59) ترجمہ کنزالایمان :۔ کیا ہی اچھا اجر کام والوں کا وہ جنہوں نے صبر کیا اور اپنے رب ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

فائدہ :۔ یہ تمام آیات انسانوں سے ضرر اور ایذا کے بارے میں ہیں مگر صبر کرنا سانپوں کی ایذا اور درندوں کے ضرر اور بچھوؤں کی تکلیف پر اور ان کی روک نہ کرنا توکل میں سے نہیں اس لئے کہ اس میں کچھ فائدہ نہیں، حالانکہ جو کام سالک کرتا ہے یا ترک کرتا ہے تو خود اس کام سے کوئی غرض نہیں ہوتی بلکہ اعانت دین پر نظر ہوتی ہے اور ترتیب اسباب کا دفع ضرر میں ایسے ہے جیسے فن اول میں کسب معیشت اور حصول اشیائے مفیدہ کے اسباب میں مذکور ہوا دوبارہ لکھنے کی حاجت نہیں اور یہی حال مال کے بچانے کے اسباب میں سمجھنا چاہئے مثلاً گھر سے نکلتے وقت اگر حجرے کا تالا لگا دے یا اونٹ کا پاؤں باندھ دے تو اس سے توکل میں فرق نہ آئے گا کیونکہ یہ اسباب خدا تعالیٰ کی عادت جاری سے ہیں۔ وہ اسباب قطعاً یا بطور ظن معلوم ہو چکے ہیں ان کی تعمیل میں کوئی حرج نہیں اسی لئے حضور ﷺ نے اس اعرابی کو فرمایا (جس نے اپنا اونٹ چھوڑ دیا اور کہا کہ میں نے خدا تعالیٰ پر توکل کیا)۔ توکل کر اور اس کا پاؤں بھی باندھ اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے (خذوا حذرکم) (النساء 102) ترجمہ کنزالایمان :۔ اور اپنی پناہ لئے رہو۔

اور نماز خوف کی کیفیت میں ارشاد فرمایا (ولیاخذو اسلحتھم) (النساء 102) ترجمہ کنزالایمان :۔ اور وہ اپنے ہتھیار لئے رہیں۔

اور فرمایا (واعدوالھم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل) (الانفال 60) ترجمہ کنزالایمان :۔ اور ان کے لئے تیار رکھو جو قوت تمہیں بن پڑے اور جتنے گھوڑے باندھ سکو۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ارشاد ہوا (فاسر بعبادی لیلاً) (الدخان 23) ترجمہ کنزالایمان :۔ ہم نے حکم فرمایا کہ میرے بندوں کو راتوں رات۔

فائدہ :۔ رات کو جانا دشمنوں کی آنکھ سے چھپنا ہے جس میں ایک گونہ سبب دفع کا موجود ہے اور حضور ﷺ کا نماز میں خفیہ ہونا دشمنوں کی آنکھ سے پوشیدہ رہنا ہے کہ ضرر نہ پہنچائیں اور نماز میں ہتھیاروں کا لینا قطعی طور پر دافع نہیں ہے جیسے سانپ اور بچھو کا مار ڈالنا قطعی طور پر دفاع ہے لیکن ہتھیاروں کا لینا سبب ظنی ہے اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ ظنی سبب بھی قطعی جیسا ہے تو صرف سبب موہوم ہی ایسا رہ گیا ہے جس کے ترک کا مقتضی توکل ہے۔

فائدہ :۔ بعض اولیائے کرام کے شانے پر شیر نے پنجہ رکھا اور انہوں نے جنبش نہ کی اور بعض نے شیر کو اپنا تابع کر کے اس پر سواری کی اس قسم کی روایات اگرچہ واقع میں صحیح ہیں مگر ان میں اقتدا کی تعلیم نہیں بلکہ یہ ایک بلند مقام کرامت ہے یہ توکل کی شرائط میں سے نہیں اور اس میں راز ہے کہ ہر کوئی اس پر نہیں پہنچتا۔

سوال :- اس مقام تک پہنچنے کی علامت کیا ہے۔

جواب :- پہنچنے والے کو نشان پوچھنے کی کوئی حاجت نہیں اسے خود معلوم ہوجاتا ہے کہ میں اس درجے پر پہنچ گیا ہاں اس مقام سے پہلے کا نشان کچھ ذکر کر دیا جاتا ہے۔

فائدہ :- وہ کتا انسان کے ساتھ اس کے پہلو میں رہتا ہے جس کا نام غضب ہے اور اس کا کام یہ ہے کہ خود مالک کو اور دوسروں کو کاٹتا رہتا ہے وہ مسخر اور تابع ہوجائے اگر وہ یوں مطیع ہوجائے کہ اشارہ پر چلے تو بعید نہیں کہ انسان کا درجہ بلند ہوتے ہوتے یہاں تک اس کے بعد پہنچے کہ اس کا مطیع شیر ہوجائے جو درندوں کا بادشاہ ہے اور جنگل کا کتا مگر گھر کے کتے کا مطیع ہوجانا جنگل کے کتے کی بہ نسبت زیادہ بہتر ہے اور بدن کے کتے کا تابع ہونا گھر کے کتے کی بہ نسبت زیادہ اولی ہے اگر باطن کا کتا کسی کا تابع نہیں ہوا تو توقع نہیں کرنی چاہئے کہ ظاہر کا کتا تابع ہو۔

سوال :- متوکل نے جب دشمن کے خوف سے ہتھیار لیے اور چور کے ڈر سے قفل لگایا اور چلے جانے کے خوف سے اونٹ کی ٹانگ باندھی تو اس کا توکل کس اعتبار سے کہلائے گا۔

جواب :- وہ شخص علم اور حال کی وجہ سے متوکل کہلائے گا علم تو یوں کہ چور اگر دفع ہوا تو کچھ تالا لگانے سے نہیں ہوا بلکہ صرف بسبب خدا تعالیٰ کے دفع ہوا کیونکہ اکثر دروازوں پر تالا لگانا مفید نہیں ہوتا بہت سے اونٹ ٹانگ باندھنے پر مرجاتے ہیں یا بھاگ جاتے ہیں بہت سے ہتھیار باندھنے والے قتل یا مغلوب ہوجاتے ہیں تو ان اسباب پر تکیہ کیا رہا بلکہ مسبب الاسباب پر تکیہ چاہئے جیساکہ ہم نے وکیل مقدمات کی مثال میں لکھاہے کہ موکل جب اس کے کہنے سے خود آتا ہے اور دستاویز لاتا ہے تو اس کو نہ اپنے اوپر نہ اپنی دستاویز پر تکیہ ہوتا ہے بلکہ وکیل کی تدبیر و قوت پر بھروسہ ہوتا ہے ہمارا حال بھی اس طرح ہونا چاہیے کہ جو کچھ خدا تعالیٰ ہمارے گھر اور نفس میں حکم کرے گا ہم اس پر راضی ہوں اور زبان سے کہا جائے کہ الٰہی اگر تو میرے گھر کی چیز پر ایسے کو مسلط کرے گا جو اس کو لے جائے تو وہ تیری ہی راہ میں ہے اور میں تیرے حکم پر راضی ہوں اس لئے کہ جو کچھ تو نے مجھے دے رکھا ہے میں نہیں جانتا کہ وہ ایسا ہے کہ پھر تو مجھ سے واپس نہ لے گا یا رعایت اور امانت ہے کہ مجھ سے ہٹالے گا اور مجھ کو نہیں معلوم کہ وہ میرا رزق ہے یا تو نے کسی اور کی قسمت میں لکھ دیا ہے بہرحال میں تیرے حکم پر راضی ہوں۔

فائدہ :- جب یہ حال اور وہ علم مذکورہ بالا ہوگا تو اونٹ کی ٹانگ باندھنے اور ہتھیار لینے اور تالا لگانے سے توکل کی حد سے خارج نہ ہوگا پھر جب گھر میں واپس آئے اور اپنی چیز گھر میں پائے تو یہ تصور کرے کہ یہ ایک نئی نعمت اللہ تعالیٰ کی ہے اور اگر چوری ہوگئی ہو تو اپنے دل کی طرف دیکھے اگر دل کو راضی اور خوش پائے یہ سمجھ کر اللہ تعالیٰ نے جو کچھ مجھ سے لے لیا تو صرف اسی لئے کہ آخرت میں میرا رزق بڑھائے گا تو اس صورت میں اس کا مقام توکل درست ہے اور اس کا گمان بھی صحیح ہے اگر دل کو اس چیز کے چلے جانے سے رنج ہوا تو معلوم ہوگا کہ یہ شخص دعویٰ

توکل میں سچا نہیں اس لئے کہ توکل کا مقام زہد کے بعد ہے اور زہد اسی کا درست ہوتا ہے جو نہ آنے کی خوشی کرے نہ جانے کا غم' بلکہ کبھی معاملہ بالعکس ہو کہ چیز کے جانے سے خوش ہو اور آنے سے رنجیدہ جس کا یہ حال ہو کہ گئی چیز پر رنج کرتا ہو تو اس کا توکل کیسے درست ہوگا ہاں بعض اوقات مقام صبر ہو سکتا ہے بشرطیکہ رنج کو پوشیدہ رکھے اور کسی سے شکایت نہ کرے نہ اس کی تجسس و تلاش میں کوشش کرے اور اگر ان باتوں پر قادر نہ ہو حتی کہ دل میں رنجیدہ ہو اور زبان سے شکایت نہ کرے اور خوب تلاش کامل کرے تو یہ چوری گویا اس کے حق میں زیادتی گناہ کی ہوئی اس لئے کہ اس کے سبب سے معلوم ہوا کہ وہ شخص تمام مقامات سے قاصر اور تمام دعوؤں میں جھوٹا ہے اس کے بعد اس کو نفس سے مجاہدہ کرنا چاہئے اور اس کی کوئی بات نہ ماننی چاہئے اور اس کے جال میں نہ پھنسنا چاہئے کیونکہ وہ بری باتوں کا حکم کرنے والا اور خیر سے باز رکھنے والا ہے اور نیکی کا مدعی ہے۔

سوال :۔ متوکل کے پاس مال کہاں ہوتا ہے جو چوری ہو جائے۔

جواب :۔ اس کے گھر میں آخر کچھ نہ کچھ ہوتا ہے مثلاً کھانے کا پیالہ اور پینے کا گلاس وغیرہ وضو کا لوٹا اور سامان رکھنے کا توشہ دان اور لاٹھی وغیرہ سامان معیشت ضروری ہوتا ہے علاوہ ازیں کبھی اس کی ملک میں مال آجاتا ہے تو وہ اس کو روک رکھتا ہے اس خیال سے کہ کوئی محتاج مل جائے تو اسے اس کے حوالہ کروں اس نیت سے رکھ چھوڑنا توکل کو باطل نہیں کرتا اور توکل کی شرط میں نہیں کہ پانی پینے کا کوزہ اور کھانے کا برتن بھی دے ڈالے بلکہ حکم دے ڈالنے کا معقول چیزوں اور زائد از حاجت مال میں ہے اس لئے کہ خدا تعالیٰ عزوجل کی عادت فقرائے متوکلین کو روٹی پہنچانے کیلئے مساجد کے گوشوں میں جاری ہے مگر یہ نہیں کہ ان کو کوزے اور متاع بھی ہر روز اور ہر ہفتے میں پہنچ جایا کریں اور عادت الہی سے نکلنا توکل میں شرط نہیں اسی نظر سے خواص رحمۃ اللہ علیہ سفر میں اسی اور ڈولچی اور مقراض اور سوئی رکھا کرتے تھے مگر کھانا نہ رکھتے تھے اس لئے کہ خدا تعالیٰ عزوجل کی عادت سے دونوں چیزوں میں فرق ہے پھر اگر یہ کہو کہ جب آدمی کی حاجت کی چیز جاتی رہے گی تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس پر افسوس اور غم نہ کرے اگر اس کی خواہش کی چیز وہ نہ تھی تو اس نے اس کو کیوں رکھ چھوڑا تھا اور دروازے کو قفل کیوں لگایا تھا اور اگر اس لئے رکھا تھا کہ اس کو حاجت کے سبب مرغوب تھی تو پھر کیسے سمجھ میں آسکتا ہے کہ مرغوب چیز چھن جائے اور آدمی کو رنج دل میں نہ ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ متوکل آدمی جو اپنی چیز کا بچاؤ کرتا ہے اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ اس سے اپنے دین پر مدد لے کیونکہ اس کو یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ چیز میرے حق میں بہتر ہے اگر میرے پاس نہ ہوتی تو مجھ کو اللہ تعالیٰ عزوجل یہ چیز عنایت نہ فرماتا پس اس چیز کے ملنے سے اس نے استدلال اس بات کا کر لیا کہ خدا تعالیٰ عزوجل نے میرے لئے بہم کردی اور حسن ظن خدا تعالیٰ عزوجل کے ساتھ کیا کہ میری بہتری اس کے ہونے ہی میں ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی ظن کیا کہ یہ چیز میرے اسباب دینی پر مددگار ہوگی اور یہ بات اس کے ذہن میں یقینی نہ تھی کیونکہ یہ بھی تو احتمال ہے کہ بہتری اور مصلحت یوں ہو کہ یہ شے اس کے پاس سے جاتی رہے اور جو غرض اس

سے نکلتی اس کو یہ مشقت اور تکلیف سے نکالے اور اس مشقت اور تکلیف کا ثواب زیادہ ہو جب اللہ تعالیٰ نے چور کو مسلط کر کے وہ چیز اس کے پاس سے نکال دی تو پہلا ظن اور پکا ہوگیا اس لئے کہ وہ ہر حال میں خدا تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن رکھتا ہے اب یوں کہتا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ اس چیز کا رہنا میرے پاس اب تک اور آئندہ کو اس کا نہ رہنا میرے لئے بہتر نہ جانتا تو مجھ سے نہ لیتا پس ایسے ظن کرنے سے ہو سکتا ہے کہ رنج و ملال نہ رہے کیونکہ اس سے انسان کی خوشی خود اسباب کے ساتھ نہیں رہتی بلکہ اسباب سے اس وجہ سے خوشی ہوتی ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب نے اپنی عنایت و شفقت سے عطا کر دیا ہے۔

مثال:۔ کوئی بیمار کسی طبیب مشفق کے سامنے ہو کہ جو کچھ وہ اس کے حق میں تجویز کرے اسے اپنی عین مصلحت جانے اور راضی رہے مثلاً اگر کھانا دے تو خوش ہو اور سمجھے کہ اگر طبیب نے اس میں میرا فائدہ نہیں جانا اور مجھ میں اس کی برداشت کی تاب نہیں دیکھی تو کیوں دیا اگر وہ غذا اس کے پاس سے ہٹا لے تب بھی خوش ہو اور کہے کہ اگر غذا میرے حق معنر نہ تھی اور مجھے موت کے سر نہیں لگاتی تھی تو طبیب مجھ سے کیوں ہٹا لیتا اور جو شخص کہ اللہ تعالیٰ کے الطاف کو اتنا بھی نہ جانے جیسے مریض اپنے باپ کی شفقت کا اعتقاد رکھتا ہے جو علم طب میں مہارت کامل رکھتا ہے تو ایسے شخص سے توکل کا ہونا معلوم اس کا توکل ہرگز درست نہیں اور جو شخص خدا تعالیٰ عزوجل کو پہچانتا ہے اور اس کے افعال و عادات سے واقف ہے کہ بندوں کی اصلاح اس طرح کیا کرتا ہے تو وہ اسباب پر ہرگز خوش نہ ہوتا کیونکہ کیا خبر کہ کونسا سبب اس کے حق میں بہتر ہے۔

ملفوظ فاروق:۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں غنی ہو جاؤں یا فقیر مجھے کوئی پروا نہیں اس لئے مجھے معلوم نہیں کہ دونوں حالتوں میں سے میرے حق میں کیسی حالت بہتر ہے تو اسی طرح متوکل کو بھی چاہئے کہ اس کا اسباب چوری ہو جائے یا باقی رہے کچھ پرواہ نہ کرے اس لئے کہ اسے کیا خبر کہ کونسا حال اس کے حق میں دنیا و آخرت میں مفید ہے کیونکہ بہت سی چیزیں دنیا کی ہلاکت کا سبب ہوا کرتی ہیں اور بہت سے دولتمند اپنے مال کی بدولت ایسے واقعے میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ فقیر ہونے کی تمنا کیا کرتے ہیں۔

آداب متوکلین جب وہ گھر یا باہر جانے لگیں:۔ (۱) دروازے کو تالا لگائے اس سے بڑھ کر زیادہ حفاظت کی فکر نہ کرے مثلاً ہمسایوں سے کہنا کہ میرے گھر کا خیال کرنا یا زائد تالے لگانا وغیرہ

حکایت:۔ حضرت مالک بن دینار اپنے دروازے پر تالا نہیں لگاتے تھے بلکہ کھجور کی رسی سے باندھ کر باہر چلا کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ اگر کتوں کا خوف نہ ہوتا تو میں کواڑوں کو باندھتا بھی نہ۔

(۲) گھر میں کوئی ایسی چیز نہ چھوڑے جس پر چوروں کو رغبت ہو خود ان کی معصیت کا سبب نہ بنے یا شے کے رکھ چھوڑنے سے چوروں کی رغبت کو جوش ہو۔

حکایت:۔ مغیرہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کو ایک لوٹا ہدیہ بھیجا تو انہوں نے فرمایا کہ اسے لے جاؤ' مجھے

ضرورت نہیں۔ انہوں سبب پوچھا آپ نے فرمایا کہ مجھے دشمن وسوسہ ڈالتا ہے کہ اسے چور لے جائیں گے گویا آپ نے اس بات سے احتراز کیا کہ چور گناہگار نہ ہو اور شیطان جو چوری کا وسوسہ ڈالتا ہے اس سے دل پریشان نہ ہو۔

فائدہ :۔ حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قصے کو سن کر فرمایا کہ یہ امر قلوب صوفیہ کے ضعف کی دلیل ہے۔ انہوں نے تو زہد کیا تھا تو کوئی ان کی کوئی شے لیجائے تو انہیں اس سے کیا مطلب۔

(3) جس شے کو مجبوری گھر پر چھوڑ جائے تو چاہئے کہ نکلنے کے وقت نیت کرے کہ جو کچھ خدا تعالیٰ اس میں حکم کرے گا میں اس پر راضی ہوں اگر کسی چور کو مسلط کرے یا جو کوئی اسے لے گا اسے یہ چیز معاف ہے یا یہ چیز خدا تعالیٰ کی راہ میں وقف ہے اگر لینے والا فقیر ہو تو اس پر صدقہ ہے۔

فائدہ :۔ اگر فقیر کی شرط نہ کرے تو بہتر ہے کیونکہ اگر اس چیز کو کوئی غنی لے گا تو دو نیتیں ہوں گی۔ اول تو یہ کہ اس کے مال کے سبب وہ معصیت سے باز رہے یعنی اگر اس قدر مل گیا کہ پھر چوری کرنے کی حاجت نہ رہی تو ہمیشہ جو مال حرام چور کھایا کرتا اس کا گناہ معاف کرنے سے جاتا۔ اور دوسری نیت یہ ہے کہ کسی اور مسلمان پر ظلم نہ کرے گا تو اس کا مال گویا دوسرے کے حق میں فدیہ ہو گیا اور جب اپنے مال سے دوسرے کے مال بچانے کی نیت ہوگی یا نیت چور کی معصیت دور کرنے یا کم کرنے کی ہوگی تو مسلمانوں کی خیرخواہی پائی جائے گی اور اس حدیث شریف کے مطابق اسے فائدہ ہوگا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (انصرا خاک ظالما او مظلوما) ترجمہ۔ مدد کر اپنے بھائی کی وہ ظالم ہو یا مظلوم۔

فائدہ :۔ ظالم کی مدد اس طرح ہے کہ اسے ظلم سے باز رکھے اور ظلم کا معاف کر دینا ظلم کو نابود کرتا ہے اور آئندہ کو باز رکھنا۔

فائدہ :۔ یہ بھی معلوم کرنا چاہئے کہ یہ نیت اسے کسی طرح بھی مضر نہیں کیونکہ اس میں کوئی ایسی بات نہیں جو چور کو مسلط کردے اور قضائے ازلی کو بدل دے مگر زہد کی وجہ سے یہ نیت درست ہو جاتی ہے کہ اگر اس کا مال چوری ہو جائے تو اسے ہر درم کے بدلے سات ملیں گے اس لئے کہ اس کی نیت تو ہو گئی ہے نیت زیادہ کی وجہ سے ثواب ہوا کرتا ہے اگر مال چوری نہ ہوا تب بھی اسے ثواب حاصل ہو۔

حدیث :۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ نے اس شخص کے بارے میں جو اپنی بیوی سے عزل نہ کرے اور نطفہ اپنے مقام میں جا پہنچے تو فرمایا اسے اتنا ثواب ہے کہ جب اس صحبت سے لڑکا پیدا ہو اور وہ بڑا ہو کر جہاد کرے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارا جائے۔ (اگرچہ فی الواقع لڑکا پیدا نہ ہو کیونکہ اولاد کے بارے میں اس کا کام تو صرف صحبت ہے پیدا کرنا اور زندہ رکھنا اور رزق اور بقا اس کے اختیار میں نہیں۔ بالفرض اگر لڑکا پیدا ہوتا تو اسے صرف اپنے فعل کا ثواب ملتا وہ اب بھی موجود ہے اسی طرح چوری کا مال اوپر کی مثال میں سمجھنا چاہئے۔

(4) جب گھر سے باہر جائے اور مال چوری ہو گیا تو چاہئے کہ مغموم نہ ہو بلکہ اگر ہو سکے تو خوش ہو اور کہے اگر اللہ تعالیٰ اس میں بہتری نہ جانتا تو مجھ سے نہ چھینتا

فائدہ :۔ اگر گھر کے مال کو وقف نہ کر گیا ہو تو چاہئے کہ اس کی تلاش میں زیادہ کوشش نہ کرے نہ مسلمانوں سے بدظن ہو اور اگر وقف کر گیا ہو تو تلاش بالکل ترک کر دے کیونکہ اسے تو وہ پہلے ہی سے ذخیرہ آخرت کر چکا ہے اگر اسے وہ چیز ملے تو نہ لے اس لئے کہ وہ اسے وقف کر چکا ہے اگر قبول کرے تو ظاہری علم کی وجہ سے یعنی شرعاً وہ مال اس کی ملک میں آجائے گا کیونکہ صرف اس نیت مشروط سے ملک ظاہر شرع میں نہیں جاتی مگر متوکلین کے نزدیک یہ بات اچھی نہیں۔

حکایت :۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی اونٹنی چوری ہو گئی آپ تلاش کرتے کرتے تھک گئے پھر اللہ تعالیٰ کے لئے وقف کر دی اور مسجد میں داخل ہو کر دوگانہ پڑھا تو ایک شخص نے عرض کیا کہ آپ کی اونٹنی فلاں جگہ میں ہے آپ نے اپنا جوتا پہنا اور کھڑے ہوئے پھر استغفر اللہ کہہ کر بیٹھ گئے لوگوں نے عرض کیا کہ آپ جا کر اسے لے آئیے آپ (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا کہ میں اسے وقف کر چکا ہوں اسی لئے اب وہ فقرا کی ملک ہے۔

حکایت :۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے بھائی کو مرنے کے بعد خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ تمہارے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا معاملہ کیا انہوں نے کہا کہ مجھے بخش دیا اور جنت میں داخل فرمایا اور جو مکان جنت میں میرے تھے وہ مجھ کو بتا دیئے ان کو میں نے دیکھ لیا۔ راوی کہتے ہیں کہ وہ شخص رنجیدہ اور غمگین معلوم ہوتا تھا اس لئے کہ میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے بخش دیا اور تم جنت میں داخل ہو گئے پھر غمگین کیوں ہو۔ انہوں نے ایک آہ سرد کھینچ کر فرمایا کہ میں قیامت تک غمگین رہوں گا میں نے پوچھا اس کی وجہ کیا ہے انہوں نے کہا کہ جب میں نے اپنے مکان جنت میں دیکھے تو میرے لئے علیین میں مقامات ایسے اونچے کئے گئے کہ ان کے برابر میں نے جنت میں نہ دیکھے تھے میں ان سے خوش ہوا اور ان کے اندر جانے کا ارادہ کیا اس وقت ایک پکارنے والے نے ان کے اوپر سے آواز دی کہ اس کو یہاں سے ہٹا دو یہ مقامات اس کے لئے نہیں یہ اس کے لئے ہیں جو سبیل کو پورا کرے۔ میں نے پوچھا کہ سبیل کا پورا کرنا کیا ہے مجھ سے کسی نے کہا کہ تو نے کوئی شے سبیل اللہ کہہ کر پھر پھیر لیا کرتا تھا اگر تو سبیل کو پورا کرتا تو ہم بھی تجھے ان مقامات میں جانے دیتے۔

حکایت :۔ بعض عابدین مکہ میں سے ایک کے حال میں لکھا ہے کہ وہ ایک شخص کے پاس ہمیانی کمر میں باندھ کر سویا جب جاگا تو ہمیانی گم پائی جس کے پاس سویا تھا اسے متہم کیا اس نے پوچھا کہ تیرا مال کس قدر تھا اس نے تعداد بتائی اسے گھر پر ساتھ لے جا کر اپنے پاس سے اسی قدر رقم دیدی اس کے بعد اس کے دوستوں نے کہا کہ ہمیانی تو ہم نے ہنسی کے طور تیری کمر سے کھولی تھی وہ دوستوں کو لیکر جس پر تہمت لگائی تھی اس کے گھر آئے اور تہمت سے معذرت خواہ ہو کر اس کا مال پھیرنا چاہا اس نے کہا کہ میں نہ لوں گا یہ مال اپنے ہاں رہنے دو تمہارے لئے حلال طیب

ہے میں نے اپنی خوشی سے دیا ہے اور جو مال میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکالتا ہوں اسے واپس نہیں لیتا جب انہوں نے بہت اصرار کیا اس نے بیٹے کو بلایا اور اس مال کو تھیلیوں میں رکھ کر فقرا کے پاس بھیجنا شروع کیا یہاں تک سارا مال تقسیم ہوگیا۔

فائدہ :- سلف صالحین کا حال یونہی تھا اسی طرح جو کوئی روٹی لیکر کسی فقیر کو دینا چاہے اور وہ چلا جاتا تو وہ اس روٹی کو واپس گھر میں لانا مکروہ جانتے وہ کسی اور فقیر کو دے دیتے اور یہی حال دراہم و دیناروں اور تمام خیرات و صدقات میں سمجھنا چاہئے۔

(5) یہ ادب سب سے کم ہے وہ یہ ہے کہ چور پر جس نے مال چوری کیا ہوا ہے بددعا نہ کرے اور اگر ایسا کرے گا تو توکل باطل ہوجائے گا اور یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے گمشدہ چیز پر افسوس کیا ہے اس کا گم ہونا اسے برا معلوم ہوا اس لئے زہد بھی جاتا رہے گا اگر زیادہ بددعا کرے گا تو جو مصیبت اس پر آئی اس کا ثواب بھی نہ پائے۔

حدیث شریف :- میں ہے کہ جو اپنے ظالم پر بددعا کرتا ہے وہ اپنا بدلا لے لیتا ہے۔

حکایت :- ربیع بن خثیم رحمۃ اللہ علیہ کا گھوڑا جو تیس ہزار درم کا تھا چوری ہوگیا جب خبر ملی آپ نماز پڑھ رہے تھے آپ نے نماز نہ توڑی اور نہ اس کی تلاش میں جدوجہد کی لوگ آپ کے پاس تسلی دینے کو آئے آپ نے فرمایا کہ جب چور گھوڑا کھولتا تھا میں اس کو دیکھتا تھا لوگوں نے پوچھا کہ پھر آپ نے اس کو کیوں نہ روکا آپ نے فرمایا کہ میں ایسی عبادت میں مصروف تھا کہ وہ میرے نزدیک اس سے محبوب تر تھی یعنی میں نماز پڑھتا تھا لوگ چور کو بددعا دینے لگے آپ نے فرمایا کہ اسے کچھ نہ کہو بلکہ اس کے حق میں دعا کرو اس لئے میں نے وہ گھوڑا اس پر صدقہ کردیا۔

حکایت :- ایک بزرگ کی کوئی چیز چوری ہوگئی تھی کسی نے کہا کہ آپ اپنے ظالم پر بددعا کیوں نہیں کرتے آپ نے فرمایا کہ میں اچھا نہیں جانتا کہ اس پر شیطان کا مددگار بنوں کسی نے پوچھا کہ اگر وہ چیز آپ کے پاس واپس آجائے تو لے لیں گے فرمایا کہ لینا تو درکنار میں اسے دیکھوں گا بھی نہیں اس لئے کہ وہ چیز میں نے اسے معاف کردی ہے۔

حکایت :- بعض بزرگوں سے کسی نے درخواست کی کہ اپنے ظالم پر بددعا کیجئے فرمایا کہ مجھ پر کسی نے ظلم ہی نہیں کیا پھر فرمایا کہ اس نے اپنی جان پر ظلم کیا یہ کیا تھوڑا ہے کہ میں اس بے چارے پر اور زیادہ برائی چاہوں۔

حکایت :- کسی نے ایک بزرگ کے سامنے حجاج بن یوسف کو بہت گالیاں دیں انہوں نے فرمایا کہ تو اسے گالی دینے میں خود غرق نہ ہو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جیسے حجاج سے لوگوں کے مال اور جان پر ستم کرنے کا بدلہ لے گا ویسے ہی جن لوگوں نے اس کی ہتک کی ہوگی ان سے اس کا بدلہ لے گا۔

حدیث شریف :- میں ہے کہ بندہ بڑا ظلم کرتا ہے کہ ہمیشہ اپنے ظالم کو گالیاں دیتا ہے اور اسے برا بھلا کہتا ہے یہاں تک کہ اس کے ظلم کے برابر پہنچ کر جتنا زیادہ بچ رہتا ہے اس کا مطالبہ ظالم کی طرف سے اس کے ذمے پر رہتا

ہے ظالم کو اس قدر کا بدلہ مظلوم سے دلایا جائے گا۔
(6) چور کے لئے غمگین ہو کہ اس نے گناہ کیا اور خدا تعالٰی کے عذاب کا مستحق ہوا اور اللہ تعالٰی کا شکر کرے کہ مظلوم کیا نہ کہ ظالم اور اس کا نقصان دنیا کا ہوا نہ نقصان دین کا۔

حکایت :- کسی نے ایک عالم سے شکایت کی کہ ڈاکوؤں نے مجھ پر حملہ کر کے میرا مال لوٹ لیا۔ انہوں نے فرمایا کہ تجھے اپنے مال کے رنج کی بہ نسبت اس بات کا زیادہ رنج ہونا چاہئے کہ مسلمانوں میں ایسے لوگ پیدا ہو گئے جو لوٹ کھسوٹ کو حلال جانتے ہیں اگر یہ غم ہو گا تو تم مسلمانوں کے خیر خواہ نہیں ہو۔

حکایت :- حضرت علی بن فضیل رحمۃ اللہ علیہ طواف کر رہے تھے کہ ان کے دینار چوری ہو گئے ان کے والد نے دیکھا کہ وہ رو رہے ہیں پوچھا کہ دیناروں کے لئے روتے ہو انہوں نے کہا نہیں بلکہ اس بے چارے کے حال پر روتا ہوں کہ قیامت کو اس سے سوال ہو گا اور اس سے کچھ نہ بن پڑے گا۔

حکایت :- بعض اکابر سے کسی نے ظالم پر بددعا کرنے کو کہا تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے اس کا غم اتنا ہے کہ اس میں اس پر بددعا کرنے کی مجھے مہلت نہیں۔

فائدہ :- یہ تھے اسلاف صالحین کے اخلاق و عادات۔

موجود ضرر کا دفعیہ :- یہ بحث اس بیان میں ہے کہ کسی کو کوئی ضرر یا تکلیف ہو مثلاً بیماری وغیرہ تو اس کا علاج کرنے کے طریقے وغیرہ وغیرہ

ضرر کے اسباب دفع کرنے والے تین طرح ہیں۔
(1) یقینی۔ جیسے پانی پیاس کا ضرر دفع ہے اور روٹی بھوک کو۔
(2) ظنی جیسے فصد اور پچھنا اور جلاب اور تمام معالجات طبی مثلاً برودت کا علاج حرارت سے اور حرارت کا برودت سے وغیرہ وغیرہ اور طب میں ان کو اسباب ظاہری کہا جاتا ہے۔
(3) وہمی جیسے داغ دینا اور منتر (1) اسباب یقینی کا ترک کرنا توکل نہیں بلکہ ان کا چھوڑنا (بشرطیکہ خوف موت) حرام ہے (2) اسباب وہمی کا چھوڑنا توکل کی شرط ہے کہ حضور ﷺ نے متوکلین کو ان کا تارک فرمایا ہے اور ان سب اسباب میں سے قوی تر داغ ہے اور اس کے قریب منتر ہے اور آخر درجہ شگون کا ہے اور ان اسباب پر اعتماد و تکیہ اسباب کی طرف ملاحظہ کرنے میں نہایت درجے کا تعمق ہے باقی رہا درجہ متوسط یعنی اسباب ظنی مثلاً دوا کرنا ان اسباب سے جو اطبا کے نزدیک اسباب ظاہر ہیں تو دوا کرنا مخالف توکل نہیں بخلاف موہوم کے کہ ان کا نہ چھوڑنا ممنوع ہے بخلاف اسباب یقینی کے بلکہ ان کا چھوڑنا بعض احوال میں بعض اشخاص کے حق میں کرنے کی بہ نسبت افضل ہو جایا کرتے ہے تو معلوم ہو کہ یہ درجہ یقینی اور وہمی کے درمیان میں ہے اور دوا کرنا توکل کے مخالف نہیں

اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے خود بھی دوا کی لوروں کو بھی ارشاد فرمایا اور اس کے فوائد بھی زبان مبارک سے بیان فرمائے۔

احادیث مبارکہ :- (1) حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا۔ (مامن داء الاوله دواء عرفه من عرفه وجهله من جهل الا السلام) ترجمہ۔ کوئی درد ایسا نہیں جس کی دوا نہ ہو جانتا ہے اسے جو جانتا ہے اور نہیں جانتا اسے جو نہیں جانتا بجز موت کے۔

فائدہ :- سام سے مراد موت ہے (2) حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا (تداو واعبادالله فان الذی انزل الداء) ترجمہ۔ دوا کرو اے اللہ عزوجل کے بندو کہ جس نے مرض اتارا ہے اسی نے دوا بھی اتارا ہے۔

(3) جب کسی شخص نے آپ ﷺ سے دوا اور منتر کا حال پوچھا کہ یہ دونوں خدا تعالیٰ کا حکم ٹال دیتے ہیں آپ نے فرمایا کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم میں سے ہیں۔ (4) حدیث مشہور میں ہے کہ (مامررت بملاء من الملائکه الا قالو امرانک بالحجامنه) ترجمہ۔ میں جس جماعت پر فرشتوں کی گزرا۔ انہوں نے یہی کہا کہ اپنی امت کو پچھنے لگوانے کا حکم کرو۔

(5) حدیث شریف میں ہے کہ آپ نے حجامت کا حکم فرمایا اور ارشاد فرمایا

کہ پچھنے لگواؤ سترہ اور انیس اور اکیس برس کی عمر میں تاکہ خون جوش کر کے تم کو ہلاک نہ کرے۔

فائدہ :- اس میں دو باتیں ذکر فرمائیں ایک تو یہ کہ جوش خون سبب موت ہے اور حکم الٰہی سے وہ مہلک ہے دوسرے یہ کہ خون نکالنا موت سے نجات کی صورت ہے کیونکہ خون مہلک جلد سے نکالنا اور بچھو کا کپڑوں میں سے باہر کرنا اور سانپ کا گھر میں سے دور کرنا ان سب میں کوئی فرق نہیں اور توکل کی شرط بھی نہیں کہ ان چیزوں کو ترک کرے بلکہ یہ تو ایسے ہے جیسے آگ کو بجھانے کے لئے اس پر پانی ڈالا جائے یا گھر میں آگ لگے اس کا ضرر دور کرنے کیلئے پانی ڈال دیا جائے اور یہ امر توکل میں ہرگز نہیں کہ یہ وکیل حقیقی کی عادت میں سے ہے۔

(6) ایک حدیث مقطوع میں ہے کہ جو کوئی سترھویں تاریخ مہینے کی منگل کے دن پچھنے لگوائے اس کے لئے برس کی بیماری کا علاج ہوگا۔

امت کو علاج کرانے کی ہدایات :- حضور سرور عالم ﷺ اپنے بہت سے اصحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دوا اور پرہیز کیلئے ہدایات فرمائی ہیں۔

(1) حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی فصد کھولی۔

(2) سعد بن زراہ کو داغ دلوایا۔ (3) حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آشوب چشم تھا آپ نے فرمایا کہ تم خرما نہ کھاؤ اور وہ نہ کھاؤ جو تمہارے مزاج کے موافق ہے یعنی ساگ جو کہ آٹے میں پکے ہوں کھاؤ۔

(4) حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں درد تھا اور وہ خرما کھا رہے تھے آپ نے فرمایا تم خرما کھاتے ہو اور تمہاری آنکھ

میں درد ہے انھوں نے عرض کی کہ میں دوسری داڑھ سے کھا رہا ہوں آپ ﷺ ہنس پڑے۔

معمول رسول ﷺ :۔ (1) مروی ہے کہ آپ ﷺ ہمیشہ ہر رات میں سرمہ لگاتے تھے۔ (2) ہر مہینے پچھنے (3) ہر برس جلاب سنا کی لیتے تھے (4) کئی بار بچھو وغیرہ کا بھی آپ نے علاج کیا (5) یہ بھی مروی ہے کہ وحی اترنے کے وقت آپ کے سر میں درد ہو جاتا تھا تو سر مبارک پر مہندی کا لیپ کرتے تھے (6) بعض روایات میں ہے کہ آپ اپنے زخم مبارک پر مہندی رکھ دیا کرتے تھے۔ (7) ایک بار کسی زخم مبارک پر آپ نے صرف مٹی ہی چھڑک دی تھی غرضیکہ آپ نے اپنے علاج کئے اور کرائے اور صحابہ کے بھی علاج کے بارے میں روایات بے شمار ہیں بلکہ اس بارے میں ایک کتاب بھی ہے جس کا نام طب النبی ﷺ ہے۔

حکایت :۔ بعض علماء نے بنی اسرائیل کے قصص میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک مرض ہوا آپ کے پاس بنی اسرائیل آئے اور آپ علیہ السلام کے مرض کی تشخیص کی اور عرض کیا کہ اگر آپ یہ علاج کریں تو تندرست ہو جائیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ میں دوا نہیں کروں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ مجھے بغیر دوا ہی تندرست کردے پھر وہ مرض بڑھ گیا پھر لوگوں نے عرض کیا کہ اس مرض کی یہ دوا ہے اور ہم نے بہت بار اس کا تجربہ کیا ہے اور یہی ہم کو مفید ہوئی ہے آپ نے اس بار بھی انکار کیا پھر مرض بڑھ گیا اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ مجھے قسم ہے کہ تجھے تندرست نہ کروں گا جب تک دوا نہ کرے گا آپ نے بنی اسرائیل کو علاج کے لئے فرمایا انھوں نے دوا کھلائی آپ تندرست ہو گئے مگر دل میں وسوسہ گزرا اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ تم چاہتے ہو کہ میرے اوپر توکل کرنے سے میرا انتظام حکمت درہم برہم ہو۔ بتاؤ دوا میں فائدہ کس نے رکھا ہے وہ بھی تو میرے حکم سے شفا دیتی ہے۔

حکایت :۔ کسی نبی علیہ السلام نے اپنے مرض کی شکایت کی ان کو وحی ہوئی کہ انڈے کھایا کرو۔

حکایت :۔ ایک اور پیغمبر نے ضعیف، باہ کی شکایت کی تو ان کو گوشت اور دودھ کھانے کا حکم ہوا کہ ان میں قوت باہ ہے۔

حکایت :۔ مروی ہے کہ کسی قوم نے اپنے نبی علیہ السلام سے شکایت کی کہ ہماری اولاد خوبصورت نہیں ہوتی ان کو وحی ہوئی کہ اپنی قوم سے کہہ دو کہ حاملہ عورتوں کو بہدانہ کھلایا کریں اس سے اولاد خوبصورت ہوگی۔

فائدہ :۔ یہ تدبیر حمل کے تیسرے اور چوتھے مہینے میں کرنی چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بچے کی خوبصورتی کا حکم انہیں دنوں میں فرمایا تھا وہ لوگ حاملہ کو بہدانہ کھلایا کرتے اور بچہ ہونے کے بعد تازہ تر ما دیا کرتے۔

فائدہ :۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عادت اسی طرح رکھی ہے کہ ہر کام کے لئے ایک سبب ہوتا ہے جو ظہور حکمت الٰہی کا موجب بنتا ہے اور دوا بھی مثل دیگر اسباب کے ایک سبب تابع حکم الٰہی ہے تو جیسے روٹی بھوک کی دوا ہے اور پانی پیاس کی اسی طرح سکنجبین صفرا کی دوا ہے اور سقمونیا دستوں کی صرف دو باتوں کا فرق ہے (1) بھوک کا

علاج روٹی سے اور پیاس کا پانی سے ایسا ظاہر ہے کہ کوئی بھی ایسا نہیں کہ اسے نہ جانتا ہو اور صفرا کا علاج سکنجبین سے صرف بعض لوگ جانتے ہیں یعنی جسے تجربہ ہوگیا تو اس کے نزدیک ایسا ہی ہے جیسے بھوک کا علاج روٹی سے ہے۔ (2) وہ دوا جو دست لاتی ہے اور سکنجبین صفرا کو مٹاتی ہے تو اس کے لئے بعض شرطیں باطن میں اور بھی ہیں اور مزاج میں بھی کچھ اسباب ہیں کہ بعض اوقات ان شروط و اسباب پر واقفیت ہونا دشوار ہوتا ہے پھر اگر کوئی شرط نہیں پائی جاتی تو دوا سے دست نہیں آتے مگر پیاس کے مٹانے کے لئے سوائے پانی کے اور کوئی شرط نہیں اگرچہ بعض اوقات اتفاقاً ایسا عارضہ لاحق ہوجاتا ہے کہ باوجود بہت سے پانی پینے کے بھی پیاس نہیں جاتی مگر یہ بہت ہی کم ہوتا ہے۔

فائدہ :۔ بہرحال اسباب کا خلل پذیر ہونا انہیں دو چیزوں سے ہمیشہ ہوتا ہے ورنہ اس کے بعد اس کا سبب ضرور ہوگا بشرطیکہ سبب کی تمام شرطیں کامل ہوں۔

فائدہ :۔ یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ کی تدبیر اور تسخیر اور ترتیب سے مقتضائے حکمت اور کمال قدرت کے ہوتی ہیں تو متوکل کو ان کا استعمال کرنا اور مسبب الاسباب پر نظر رکھنا اور طبیب اور دوا کی طرف توجہ نہ کرنا توکل کے خلاف نہیں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حال میں لکھا ہے کہ آپ نے دعا مانگی کہ الٰہی دوا اور شفا کس سے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے سے آپ نے عرض کیا کہ پھر طبیب کیا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رزق کھاتے ہیں اور میرے بندوں کا دل خوش کرتے ہیں یہاں تک کہ میری شفا یا قضا میں سے بندے پر آجائے۔

فائدہ :۔ معلوم ہوا کہ دوا کرنے کے ساتھ توکل کے یہ معنی ہیں کہ توکل علم اور حال سے ہو نہ صرف عمل سے جیسا کہ اس کا حال پہلے گزرا مگر سرے سے دوا نہ کرانا توکل میں شرط نہیں۔

سوال :۔ داغ بھی انہیں علاجوں سے ہے جن کا فائدہ خوب ظاہر ہے۔

جواب :۔ یہ ایسا نہیں اسباب ظاہر ایسے ہیں جیسے فصد اور پچھنے اور مسہل کا پینا اور حرارت والے کو سرد دواؤں کا پینا وغیرہ اگر داغ بھی ایسا ہو تو بہت سے ملک اس سے خالی نہ ہوتے حالانکہ بہت سے شہروں میں اس کی عادت نہیں صرف بعض ترک اور عرب داغ دیتے ہیں پس اس کے وہمی سبب ہونے میں شک نہیں جیسے منتر وغیرہ ہیں ویسے ہی یہ بھی ہے صرف اتنا فرق ہے کہ داغ دینا آگ سے جلانا ہے اور اس کی ضرورت نہیں اس لئے کہ جس کسی درد کا علاج داغنے سے کیا جاتا ہے اس کی کوئی ایسی بھی دوا ہوتی ہے جس میں جلانے تک نوبت نہ پہنچے پس آگ سے جلانا ایک زخم ہے اور وہ جسم کا خراب کرنے والا ہے اور اس کی سرایت کا بھی ڈر رہتا ہے باوجودیکہ اسکی کوئی ضرورت نہیں بخلاف فصد و حجامت کے کہ ان کی سرایت بعید از قیاس ہے اور ان کے قائم مقام کوئی اور شے نہیں اسی لئے حضور ﷺ نے داغ دینے سے منع فرمایا۔ منتر سے منع نہیں فرمایا حالانکہ توکل سے دونوں دور ہیں۔

حکایت :۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیمار ہو گئے لوگوں نے انھیں داغ دینے کا مشورہ دیا لیکن آپ نے منع فرمایا لوگوں نے اصرار کیا اور امیر نے ان کو قسم کھلائی یہاں تک کہ آپ نے داغ لیا پھر کہا کرتے کہ میں نور دیکھا کرتا تھا اور آواز سنا کرتا تھا اور مجھے فرشتے سلام کرتے تھے جب میں نے داغ لیا سب باتیں جاتی رہیں اور فرمایا کرتے کہ چند داغ کھائے تھے مگر ان سے کچھ فائدہ بھی نہ ہوا۔ پھر آپ نے توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر کے پھر فرشتوں کی حاضری کا سلسلہ جاری فرما دیا۔ آپ نے مطرف بن عبداللہ سے فرمایا کہ جو بندگی اللہ تعالیٰ نے مجھ کو پہلے دے رکھی تھی اس سے پھر سرفراز فرمایا اور ان سے اپنی کرامت ختم ہو جانے کی خبر بھی سنا چکے تھے۔ خلاصہ کہ داغ اور جو چیز اس قسم کی ہو وہ متوکل کی شان کے لائق نہیں اس لئے کہ اس کے لئے متوکل کو تدبیر کی ضرورت ہوتی ہے اور تدبیر متوکل کے حق میں بہتر نہیں۔ اس میں اسباب کی طرف التفات اور غور زیادہ پایا جاتا ہے۔

بعض اوقات علاج بہتر ہے :۔ بعض اوقات علاج بہتر بھی ہے اور قوت توکل کی دلیل بھی ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فعل کے خلاف بھی نہیں۔ اسلاف صالحین میں سے جن لوگوں نے دوا کی ہے وہ بے شمار ہیں مگر بعض اکابر نے دوا نہیں کی اس سے گمان ہوتا ہے کہ دوا نہ کرنا صرف ان کے حق میں نقصان کی بات ہو اس لئے کہ اگر یہ بات حق ہوتی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسے ترک فرماتے کیونکہ جو حال توکل میں آپ کا تھا اس سے کامل تر دوسرے اور کا کہاں تو بجز اس کے کہ صرف اس کے اپنے نقصان کی طرف گمان ہو اور کیا ہو سکتا ہے۔

علاج نہ کرانے والوں کی فہرست :۔ (1) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ اگر آپ فرما دیں تو طبیب آپ کے لئے بلائیں آپ نے فرمایا کہ طبیب نے مجھے دیکھ لیا اور فرمایا کہ میں جو چاہتا ہوں سو کرتا ہوں۔ (2) حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حالت مرض میں کسی نے پوچھا کہ آپ کو کس چیز کی شکایت ہے آپ نے فرمایا کہ اپنے گناہوں کی لوگوں نے پوچھا کہ آپ کا دل کس چیز کو چاہتا ہے آپ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کی مغفرت لوگوں نے عرض کیا کہ ہم آپ کے لئے طبیب لائیں آپ نے فرمایا کہ مجھے کو طبیب نے بیمار کیا ہے۔ (3) حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھیں دکھتی تھیں لوگوں نے کہا کہ آپ ان کا علاج کیجئے آپ نے فرمایا کہ مجھے ان کی کوئی فکر نہیں لوگوں نے کہا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ آپ کو صحت بخشے آپ نے فرمایا کہ میں اس سے وہ دعا مانگوں گا جو آنکھوں کی بہ نسبت زیادہ اہم ہو۔ (4) ربیع بن خثیم رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کو فالج ہو گیا تھا انہیں لوگوں نے کہا کہ آپ دوا کریں۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے قصد تو کیا تھا مگر پھر عاد اور ثمود اور دوسری قومیں یاد آگئیں کہ ان میں بہت سے طبیب تھے لیکن اب نہ طبیب رہا نہ مریض نہ کوئی جھاڑ پھونک کام آئی۔ (5) حضرت احمد بن حنبل رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے کہ جو توکل کا معتقد ہو کر یہ دوائی کرے اس کے لئے میں یہ بہتر سمجھتا ہوں کہ دوا وغیرہ نہ کرے اور آپ کو بیماریاں ہوتیں تو طبیب کے پوچھنے پر بھی اس سے نہ کہتے۔ (6)

حضرت سہل رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا کہ بندے کا توکل کب کامل ہوتا ہے آپ نے فرمایا کہ جب اس کے جسم میں ضرر اور مال میں نقصان ہو وہ اس کی طرف توجہ نہ کرے اور اپنے حال میں مشغول رہے اور یہی سمجھے کہ اللہ تعالیٰ میرے سر پر ہے۔

فائدہ :- بہرحال دوا کے تارکین میں سے بہت لوگ ہیں اور وہ ان کے اپنے افعال ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فعل میں تب ہو سکتی ہے جب موانع علاج بیان کر دیئے جائیں۔

علاج کے موانع اور ان کے وجوہ :- دوا نہ کرنے کے چند اسباب ہیں۔ (1) مریض صاحب کشف ہو اسے مکاشفہ سے معلوم ہو گیا ہو کہ موت قریب ہے دوا سے کچھ فائدہ نہ ہو گیا کہ موت قریب ہے یہ کبھی سچے خواب سے اور کبھی غلبہ ظن سے اور کبھی کشف واقعی سے معلوم ہوتا ہے غالباً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے علاج نہ کیا تو اس کی وجہ یہی تھی کہ آپ اہل مکاشفہ سے تھے چنانچہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے میراث کے بارے میں فرمایا تھا کہ تیری دو بہنیں ہیں حالانکہ اس وقت ایک بہن تھی مگر چونکہ آپ کی زوجہ مطاہرہ حاملہ تھی اور بعد کو لڑکی پیدا ہوئی آپ نے پیدائش سے پہلے مکاشفہ کے طور پر معلوم کر لیا تھا کہ لڑکی پیدا ہو گی تو یہ بعید از قیاس نہیں کہ آپ کو کشف سے اپنی موت کا حال بھی معلوم ہو گیا ہو ورنہ جب آپ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دوا کرتے اور دوسروں کو دوا کا حکم فرماتے دیکھا تھا تو انکار کیسے کرتے یہ امر آپ کی ذات سے ہرگز ممکن نہیں۔ (2) مریض کو اپنی لگی ہو اور وہ خوف انجام سے اور اپنے حال پر اللہ تعالیٰ کے واقف ہونے میں ایسا مشغول ہو کہ اس سے اسے علاج کرنے کی فراغت نہ ہو یعنی اس رنج و تردد میں مرض کی تکلیف محسوس نہ ہوتی ہو کہ اس کے دوا کی نوبت پہنچی اس پر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقریر اور حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کلام دال ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو فرمایا تھا کہ مجھے کچھ آنکھوں کی فکر نہیں اور حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا کہ مجھے بعض گناہوں کی شکایت ہے گویا دل میں گناہوں کا صدمہ جسم کے مرض کی تکلیف کی بہ نسبت زیادہ تھا اور ایسے مریض کا حال یوں سمجھ لیجئے کسی کا کوئی نہایت عزیز مر گیا ہو اور اس کا صدمہ اس کے دل پر ہوا ہو یا کوئی شخص کسی بادشاہ کے پاس گرفتار ہو کر گردن اڑا لے جانے کو لیا جاتا ہو اور اس کے دل پر خوف چھایا ہو تو ظاہر ہے کہ ایسے شخص سے اگر کہا جائے کہ تو بھوکا ہے کھاتا کیوں نہیں کھاتا تو وہ یہ کہے گا کہ مجھے اس صدمے کی وجہ سے بھوک پیاس محسوس نہیں ہوتی۔ اس سے یہ نہیں سمجھا جاتا وہ شخص بھوک کی حالت میں کھانے کے نفع کا منکر ہے اور نہ کھانے والوں پر طعن کرتا ہے۔

حکایت :- حضرت سہل تستری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے کسی نے سوال کیا کہ قوت کیا چیز ہے آپ نے فرمایا کہ حی قیوم کا ذکر کرنا قوت ہے۔ سائل نے عرض کیا کہ میری غرض قوام انسانی سے ہے آپ نے فرمایا کہ قوام علم ہے اس نے پوچھا کہ میں غذا کو پوچھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ جسم ظاہر سے تجھے کیا کام اسے اسی پر چھوڑ جس نے اس کی

پہلے کفالت کی ہے آئندہ بھی وہی اس کی کفالت کرے گا اور جب اس میں نقص آجائے تو اس کے بنانے والے کے سپرد کردے کیا نہیں دیکھتے ہو کہ جب کسی شے میں عیب ہو جاتا ہے تو اس کے کاریگر کو دیتے ہیں کہ وہ اسے ٹھیک کردے۔ (3) بیماری پرانی ہو اور جو دوا اس کے لئے طبیب بتاتے ہوں اس کا نفع وہمی ہو جیسے داغ اور منتر کا فائدہ وہمی ہوا کرتا ہے تو ایسی صورت میں متوکل دوا نہیں کرتا۔ اسی کی طرف اشارہ ہے ربیع ابن خثیم رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول میں کہ میں نے عاد و ثمود کی قوم کو یاد کیا کہ ان میں طبیب بہت سے تھے مگر نہ مریض بچا نہ طبیب اس سے ان کی غرض یہ تھی کہ دوا پر اعتماد یقینی نہیں ہے اور یہ کبھی تو واقع میں ایسے ہوتا ہے اور کبھی مریض کے نظریئے میں متحقق ہوتا ہے اس لئے کہ اسے طب میں مہارت اور تجربہ کم ہوتا ہے اس وجہ سے اسے ظن غالب دوا کے نفع کا نہیں ہوتا اور اس میں شک نہیں کہ طبیب تجربہ کار کو دوا کا اعتقاد بہ نسبت عوام کے زیادہ ہوا کرتا ہے۔

فائدہ:۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اعتماد اور ظن اعتقاد کے موافق ہوتا ہے اور اعتقاد اسی قدر ہوتا ہے جس قدر کہ تجربہ ہوتا ہے اور عابدین میں سے جن لوگوں نے دوا ترک کی ہے ان میں سے اکثر کی سند یہی ہے کہ دوا ان کے نزدیک ایک موہوم چیز ناقابل اعتبار شے ہے اور یہ امر ماہر علوم طبیہ پر ظاہر ہے کہ بعض دوائیں واقع میں ایسی ہیں اور بعض کا حال ایسا نہیں مگر جو طبیب نہیں وہ سب کو بعض اوقات ایک ہی نظر سے دیکھتا ہے اور دوا کرنے کو مثل داغنے اور منتر وغیرہ کے پابندی اسباب جانتا ہے۔ (4) دوا نہ کرنے سے بیمار کی یہ غرض ہوتی ہے کہ مرض باقی رہے تاکہ اس مرض پر صبر کرنے سے مرض کا ثواب پائے یا یہ مدنظر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مصیبت اپنے نفس کو دیکھے کہ صبر کرنے کی طاقت رکھتا ہے یا نہ اس لئے کہ مرض کے ثواب میں بہت بڑی احادیث وارد ہیں۔

حدیث:۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہم انبیائے کرام کے گروہ پر اور لوگوں کی بہ نسبت زیادہ سخت مصیبت ہوتی ہے پھر اسی طرح درجہ بدرجہ کم ہوتی جاتی ہے مصیبت انسان پر بقدر ایمان کے ہوا کرتی ہے اگر اس کا ایمان سخت اور پختہ ہوگا تو مصیبت بھی سخت ہوگی اگر اس کے ایمان میں ضعف ہوگا تو مصیبت بھی ہلکی ہوگی۔

حدیث شریف:۔ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کا امتحان مصیبت سے ایسے لیتا ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنے سونے کا امتحان آنچ سے لیتا ہے بعض انسان تو کندن کی طرح نکلتے ہیں اور بعض اس سے کم اور بعض کالے جلے سڑے نکلتے ہیں۔

حدیث شریف:۔ میں یہ مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو اس پر مصیبت بھیجتا ہے اگر اس پر وہ صبر کرتا ہے تو اسے برگزیدہ بناتا ہے اور اگر اس پر راضی ہوتا ہے تو اسے اور برگزیدہ بناتا ہے۔

حدیث شریف:۔ تم لوگ اس بات کو پسند کرتے ہو کہ خونی گدھوں کی طرح ہو جاؤ اور مرض وغیرہ کچھ نہ آئے۔

حدیث شریف:۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مومن کو جب دیکھو گے تو اسے دل کا

تندرست اور بدن کا مریض پاؤ گے اور منافق کو بدن میں زیادہ صحیح اور دل کا زیادہ بیمار دیکھو گے۔

خلاصہ:۔ جب لوگوں نے مرض کی تناؤ صفت اور بلا کی تعریف سنی تو انہیں مرض سے محبت پیدا ہوئی اور اس کا آنا اپنے لئے غنیمت سمجھا کہ اس پر صبر کرنے کا ثواب ملے۔

فائدہ:۔ بعض اکابر کا تو دستور تھا کہ وہ اپنی بیماری کو چھپاتے اور طبیب سے اس کا ذکر نہ کرتے اور بیماری کی تکلیف کھینچتے رہتے اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر راضی رہتے اور جانتے کہ دل پر حق کا غلبہ ایسا ہے کہ مرض سے اس میں کوئی خلل نہ ہو' مرض کی وجہ سے صرف اعضائے ظاہری پر اثر ہوگا کہ اعمال صالحہ سے رک جائیں گے اور جان لیا کہ اگر اللہ تعالیٰ کے حکم پر صبر کے ساتھ بیٹھ کر ہی نماز پڑھیں گے تو یہ نماز حالت تندرستی اور صحت کی نماز سے بہتر ہے اگرچہ وہ کھڑے ہو کر ادا کی جائے۔

حدیث قدسی:۔ میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو ارشاد فرماتا ہے کہ میرے بندے کے وہی عمل صالح لکھ لو جو صحت میں کرتا تھا اس لئے کہ یہ میری قید میں ہے اگر میں اسے رہا کروں گا تو گوشت کے بدلے عمدہ گوشت اور خون کے بدلے اچھا خون دوں گا اگر اسے فوت کروں گا تو اپنی رحمت کی طرف وصال کروں گا۔

حدیث شریف:۔ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (افضل الاعمال ما اکرہت علیہ النفوس) ترجمہ۔ اعمال میں سے عمدہ وہ ہیں جن پر نفوس کو ناگواری ہو۔

فائدہ:۔ بعض محدثین نے اس کا معنی یہ لکھا ہے کہ ان پر بیماریاں اور مصائب بہت آئیں اور اسی کی طرف اشارہ ہے اس آیت میں (وعسیٰ ان تکرھو شیاء وھو خیر لکم)

فائدہ:۔ حضرت سہل تستری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ آدمی طاعات سے ضعیف ہو جائے اور فرائض سے قاصر رہے تاہم دوا نہ کرنا بہ نسبت اس کے بہتر ہے کہ طاعات کے لئے علاج کرے۔

حضرت سہل رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی عجیب باتیں:۔ آپ کو ایک بڑی بیماری تھی مگر اس کا علاج کبھی نہ کرتے اور لوگوں کو جو اس بیماری میں مبتلا پاتے تو ان کی دوا کراتے اور جب کسی شخص کو بیٹھ کر نماز پڑھتے دیکھتے کہ اعمال نیک امراض کی تاب نہ لانے کی وجہ سے نہیں ہو سکتے تو دوا کرانے کا حکم فرماتے تاکہ وہ شخص کھڑے ہو کر نماز پڑھے اور طاعات کی بجاآوری میں اٹھ سکے اور آپ تعجب کرتے اور فرماتے کہ اس شخص کا بیٹھ کر نماز پڑھنا اور اپنے حال پر راضی رہنا اس بات سے بہتر ہے کہ صرف قوت اور کھڑے ہو کر نماز کے لئے دوا کرے اور ان سے جب کسی شخص نے حال دوا پینے کا پوچھا گیا تو فرمایا کہ جو کوئی دوا پیئے تو گنجائش ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ضعف والوں کے لئے مقرر کردی اور جو دوا نہ کرے وہ افضل ہے اس لئے کہ اگر کوئی چیز دوا میں سے لے گا اگرچہ سرد پانی ہی ہو تو اس سے سوال ہوگا کہ تو نے کیوں لیا اور جو شخص کچھ بھی نہ کرے گا اس سے سوال نہ ہوگا۔

فائدہ:۔ آپ کا اور بصریوں کا مذہب یہی تھا کہ بھوک اور شہوات کے توڑنے سے نفس کو ضعیف کرنا چاہئے اس لئے کہ ان کو معلوم تھا کہ ذرا برابر اعمال قلوب میں سے جیسے صبر اور رضا اور توکل اعمال جوارح کے پہاڑ جیسے اعمال سے افضل ہے اور مرض اعمال قلوب کا مانع نہیں مگر اس صورت میں کہ اس کی تکلیف نہایت زیادہ اور بے ہوش کرنے والی ہو۔ حضرت سہل رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ قول بھی ہے کہ جسم کی بیماری رحمت ہے اور دل کی عقوبت۔ (5) اگر کوئی پہلے کچھ گناہ کرچکا ہو اور ان کا خوف کرتا ہو اور تدارک کرنے سے عاجز ہو تو زیادہ بیمار رہنے کو اس کا کفارہ سمجھتا ہو اور علاج اسی وجہ سے نہ کرتا ہو کہ ایسا نہ ہو کہ مرض جلد جاتا رہے اور کفارہ گناہوں کا خوب نہ ہونے پائے۔

حدیث شریف:۔ میں ہے کہ انسان پر بخار اور تپ کہنہ ہمیشہ اس لئے رہتا ہے کہ انجام کار یہ شخص صاف لوہے کی طرح ہو جائے کوئی خطا اور گناہ اس پر نہ رہے۔

حدیث شریف:۔ ایک دن کا بخار سال بھر کا کفارہ ہوتا ہے۔

فائدہ:۔ بعض نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ بخار ایک سال کی قوت کو گرا دیتا ہے اس لئے سال بھر کا کفارہ ہوتا ہے بعض نے کہا کہ انسان کے تین سو ساٹھ جوڑ ہیں اور تپ ہر جوڑ میں جاتا ہے اور اس سے ایک تکلیف علیحدہ علیحدہ انسان کو ہوتی ہے تو ہر ایک تکلیف ایک دن کا کفارہ ہو کر سال بھر کا کفارہ ہو گیا۔

حکایت:۔ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تپ کو کفارہ گناہ ارشاد فرمایا تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ میں ہمیشہ بخار میں مبتلا رہوں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وفات تک آپ سے بخار جدا نہ ہوا۔

فائدہ:۔ چند انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی یہی دعا مانگی تھی ان کو بھی کبھی بخار نہ چھوڑتا تھا اور جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا (من اذہب اللّٰہ کریمتہ لم یرمن لہ ثوابا دون الجنۃ) ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ عزوجل جس شخص کی دو آنکھیں کھو دیتا ہے تو اس کے ثواب کے لئے جنت کے سوا راضی نہیں ہوتا۔

تو انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں ایسے لوگ بھی تھے جو نابینا ہونے کی تمنا کیا کرتے۔

فائدہ:۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے جسم و مال پر مصیبت آنے سے خوش نہ ہو اس توقع سے کہ اس کی وجہ ہے کہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہو گا تو وہ عالم نہیں۔

حکایت:۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ ہر وقت مصیبت میں مبتلا ہے بارگاہ ایزدی میں عرض کیا کہ الٰہی اس پر رحم فرما۔ حکم ہوا کہ اور کیسے رحم کروں اسی سے تو اس پر رحم کروں گا یعنی اس مصیبت کی وجہ سے اس کے گناہ معاف کر کے اس کے درجات بڑھاؤں گا۔

(6) انسان زیادہ تندرست رہنے سے ڈرے کہ میرا نفس تکبر اور سرکشی میں مبتلا ہو جائے گا اس نظریہ سے وہ دوا چھوڑ دیتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ مرض جلد دفع ہو جائے تو پھر وہی غفلت اور اترانا اور سرکشی اور طویل امل اور لیت و لعل تدارک مافات عود کر آئے اور نیکی اور خیرات میں تاخیر کرنے لگے اس لئے کہ تندرستی اسی کا نام ہے کہ تمام اعضاء قوی ہوں اور انہیں کی وجہ سے خواہش نفسانی اٹھتی ہے اور شہوات کو جنبش ہوتی ہے اور یہی امور معاصی کی رغبت دلاتے ہیں ورنہ کم از کم مباحات سے لذت حاصل کرنے کی طرف بلاتے ہیں اور یہ اوقات کا ضائع کرنا ہے اور نفع عظیم مخالفت نفس اور ملازمت طاعت کو برباد کرتا ہے۔

فائدہ :۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کی بہتری چاہتا ہے تو اسے امراض و مصائب سے انتباہ سے خالی نہیں چھوڑتا اسی لئے مشہور ہے کہ ایماندار علت یا قلت یا ذلت سے خالی نہیں ہوتا۔

حدیث قدسی :۔ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ افلاس میرا جیل خانہ ہے اور مرض بیڑی ہے اس میں بندے کو قید کرتا ہوں اپنی مخلوق میں سے جسے دوست رکھتا ہوں۔

خلاصہ :۔ جب مرض میں انسان سرکشی اور گناہوں کے ارتکاب سے رکا رہتا ہے تو اس سے زیادہ اور کونسی خیر ہوگی اور جس کو اپنے نفس پر سرکشی اور گناہوں کا خوف ہو اسے اپنے مرض کا علاج ہرگز نہ کرنا چاہئے کیونکہ گناہ نہ کرنے میں ہی خیریت ہے۔

حکایت :۔ بعض عارفین نے کسی سے پوچھا کہ تم میرے بعد کیسے رہے اس نے کہا کہ خیریت سے رہا۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر تم سے کوئی گناہ نہیں ہوا تو واقع میں خیریت سے رہا رہے اگر گناہ کیا تو گناہ سے بڑھ کر کونسا مرض ہے جس نے گناہ کیا وہ خیریت سے محروم رہا۔

حکایت :۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے عراق میں عید کے دن کی زینت دیکھ کر پوچھا کہ ان لوگوں نے یہ کیا کیا ہے۔ عرض کی گئی کہ یہ ان کی عید کا دن ہے آپ (کرم اللہ وجہہ الکریم) نے فرمایا کہ جس دن ہم خدا تعالیٰ عزوجل کی نافرمانی نہ کریں تو وہ دن ہماری عید کا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (وعصیتم من بعد ما اراکم ماتحبون) (آل عمران) ترجمہ کنزالایمان :۔ اور نافرمانی کی بعد اس کے کہ اللہ تمہیں دکھا چکا تمہاری خوشی کی بات۔ اور فرمایا (ان لانسان لیطغٰی ان راہ استغنی) (العلق 6 تا 7) ترجمہ کنزالایمان :۔ بے شک آدمی سرکشی کرتا ہے اس پر کہ اپنے آپ کو غنی سمجھ لیا۔

فائدہ :۔ استغناء مال سے ہو یا عافیت سے۔

فائدہ :۔ بعض اکابر نے فرمایا کہ فرعون نے دعوے خدائی کیا تھا اس کی وجہ یہی تھی کہ مدت تک آرام سے رہا تھا یعنی چار سو برس تک نہ اسے سر میں درد ہوا نہ بدن پر بخار آیا نہ کوئی رگ پھڑکی اسی سے اس مردود نے دعوائے

خدائی کیا اگر ایک دن بھی اسے سر کا درد ہو جاتا تو دعوائے خدائی کا تو بڑی بات ہے وہ وہ ہر برائی سے باز رہتا۔

حدیث شریف :۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں (اکثروا من ذکر ہاذم اللذات) لذتوں کے ڈھانے والی کو بکثرت یاد کیا کرو۔

فائدہ :۔ علماء کہتے ہیں کہ بخار موت کا قاصد ہے تو واقع میں بخار موت کی یاد دلانے والا اور لیت و لعل کا دفع کرنیوالا ٹھہرا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ (اولا یرون انھم یفتنون فی کل عام مرۃ او مرتین ثم لا یتوبون ولا ھم یذکرون) (التوبہ 126) ترجمہ کنزالایمان :۔ کیا انہیں نہیں سوجھتا کہ ہر سال ایک یا دو بار آزمائے جاتے ہیں پھر نہ تو توبہ کرتے ہیں نہ نصیحت مانتے ہیں۔

فائدہ :۔ اس کا معنی یہ ہے کہ ان کو امراض میں مبتلا کر کے ان کا امتحان لیا جاتا ہے۔ علماء کہتے ہیں کہ بندہ جب دو بار بیمار ہوتا ہے اور توبہ نہیں کرتا تو اس سے ملک الموت یوں کہتا ہے کہ اے غافل تیرے پاس میرا قاصد پر قاصد آیا مگر تو خبردار نہ ہوا۔

فائدہ :۔ اسی لئے اکابر اسلاف رحمھم اللہ تعالیٰ دستور تھا کہ جس سال ان پر مصیبت نفس یا مال نہ ہوتی تو بہت گھبراتے اور بعض اکابر کا قول ہے کہ ایماندار پر ہر چالیس دن میں کوئی خوف یا مصیبت آجایا کرتی ہے۔

حکایت :۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک عورت سے نکاح کیا وہ کبھی بیمار نہ ہوئی آپ نے اسے طلاق دے دی۔

حکایت :۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے ایک عورت کی تعریف ہوئی یہاں تک کہ آپ نے چاہا کہ اسے شرف نکاح سے مشرف فرمائیں مگر لوگوں نے یہ بھی ذکر کیا کہ وہ عورت کبھی بیمار نہیں ہوئی آپ نے فرمایا کہ تو مجھے اس کی کوئی حاجت نہیں۔

حکایت :۔ ایک دفعہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیماریوں اور دردوں کا ذکر فرمایا کہ درد سر ایسا ہے اور فلاں مرض ایسا ہے ایک شخص نے کہا کہ درد سر کیا ہوتا ہے میں اس کو جانتا بھی نہیں آپ نے فرمایا کہ تو مجھ سے علیحدہ ہو اور فرمایا کو جو کوئی چاہے کہ دوزخی کو دیکھے تو وہ اس کو دیکھے۔

فائدہ :۔ یہ اس لئے فرمایا کہ دوسری حدیث میں وارد ہو چکا ہے کہ ہر ایماندار کے لئے بخار اس کا حصہ ہے آتش دوزخ سے

حدیث شریف :۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا کہ قیامت کے دن شہیدوں کے ساتھ بھی کوئی ہوگا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں وہ شخص جو ہر روز موت کو بیس بار یاد کرلیا کرے۔ ایک روایت

میں ہے کہ جو شخص اپنے گناہوں کو یاد کر کے رنجیدہ ہوا کرے۔

فائدہ :۔ ظاہر ہے کہ موت کی یاد میں مرض میں بہت زیادہ ہوتی ہے پس جب فوائد مرض کے بہت ہوئے تو بعض اکابر نے زوال مرض کی تدبیر اور علاج بالکل ترک کیا اس وجہ سے کہ اپنے لئے اسی میں زیادتی درجہ دیکھی علاج اس وجہ سے نہیں چھوڑا کہ دوا کرنے کو انہوں نے نقصان سمجھا اور دوا کرنا نقصان کیسے ہو سکتا ہے جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہو چکا ہے اس کی تفصیل ابھی گزری ہے۔

منکرین علاج کی تردید :۔ بعض حضرات علاج نہ کرنے کو افضل جانتے ہیں ان کی دلیل ہے کہ حضور نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تو دوا صرف اس لئے کی کہ دوسرے لوگوں کیلئے دوا کرنا سنت بن جائے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ دعا کرنا ضعیف لوگوں کا کام ہے جبکہ قوی لوگوں کے درجہ کا مقتضی یہ ہے کہ توکل کیا جائے اور دوا نہ کیا جائے۔

جوابات :۔ ایسے حضرات کو کہا جائے کہ تمہاری تقریر کے بموجب تو توکل میں شرط ہونا چاہئے کہ پچھنے بھی نہ لگائے اور جوش خون کے وقت فصد بھی نہ لے اگر معترض پھر یہ کہے کہ ہاں یہ بھی شرط ہے تو پھر یہ لازم آئے گا کہ اگر متوکل کو بچھو یا سانپ کاٹ لے تو اس بچھو یا سانپ کو اپنے سے جدا نہ کرے کیونکہ خون اندر کاٹتا ہے جبکہ بچھو ظاہری بدن پر کاٹتا ہے جبکہ ان دونوں کے کاموں میں فرق ہرگز نہیں ہے جس طرح اس سے علیحدگی اختیار نہیں کرنی چاہیے اس سے بھی کنارہ نہ کیا جائے پھر اگر اسے بھی معترض توکل کی شرط قرار دے تو پھر اسے یہ کہنا چاہیے کہ متوکل کو پیاس' بھوک اور سردی کے نقصان کو بھی اپنے سے دور نہ کرے۔ سانپ کے ڈنگ کو بھی دفع نہ کرے۔ پانی' روٹی اور کپڑے سے ضروریات پورے نہ کرنے چاہئیں جبکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے کہ کھانے' پانی اور لباس کا چھوڑنا توکل میں داخل ہے جبکہ ان چیزوں میں اور پہلی باتوں میں بالکل فرق نہیں ہے بلکہ جیسے دوا مرض دور کرنے کا سبب ہے اسی طرح پانی پیاس کو دور کرتا ہے۔ یہ تمام اسباب اللہ تعالیٰ نے اسی لئے بنائے ہیں اور اسی طرح اپنی عادت کریمہ رکھی ہے۔

دوا کرنا :۔ دوا کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے کیونکہ دوا کا اثر بالذات نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہ اثرات پیدا کئے ہیں تو اس میں تکلیف دور کرنے کے اثرات ہیں۔ حدیث پاک کی رو سے اللہ تعالیٰ نے تو ہر مرض کا علاج پیدا کیا ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایسی کوئی بیماری نہیں اتاری اور پیدا نہیں کی ہے جس کے لئے شفا نازل نہ کی ہو' یعنی اللہ تعالیٰ ہر مرض کے ساتھ اس کا علاج بھی پیدا فرمایا ہے تاکہ اگر وہ مرض لاحق ہو تو اس علاج کے ذریعے علاج کر کے شفا بخشے (بخاری شریف) حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ دوا کے ذریعے حقیقی شفا تو اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے جیساکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ہر بیماری کی دوا ہے لہٰذا جب دوا بیماری کے موافق ہو جاتی ہے تو بیمار خدا کے حکم سے اچھا ہو جاتا ہے" ایک حدیث میں

ہے کہ ایک صحابی کے پوچھنے پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "ہاں اے اللہ کے بندو علاج کرو" (ترمذی شریف) جب اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کا علاج پیدا کیا ہے اور علاج کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے تو پھر علاج کرنا توکل کے خلاف کیسے ہو سکتا ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ دوا کرنا توکل کے خلاف ہرگز نہیں ہے۔

دلیل :۔ توکل کی شرط نہ ہونے کی یہ بین دلیل ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں جب آپ کے ساتھ شام جانے کا ارادہ کیا تو جابیہ تک قریب دمشق پہنچے، خبر پہنچی کہ شام میں طاعون اور وباء عظیم پھیلی ہوئی ہے۔ یہ سن کر یہاں لوگوں کے دو گروہ بن گئے ایک گروہ نے کہا کہ ہم تو وباء میں نہیں جائیں گے اور جلتی آگ میں چھلانگ نہیں لگائیں گے (جبکہ اب وہاں جانا آگ میں چھلانگ لگانے کے مترادف ہے) جبکہ دوسرے گروہ والوں نے کہا کہ ہم تو شہر میں جائیں گے جن کی شان میں وحدہ لاشریک نے فرمایا ہے (الم ترا الی الذین ترجوا من دیارھم وھم الوف حذر الموت) (البقرہ 243) ترجمہ کنزالایمان :۔ اے محبوب کیا تم نے نہ دیکھا تھا انہیں جو اپنے گھروں سے نکلے اور وہ ہزاروں تھے اور وہ ہزاروں تھے موت کے ڈر سے۔

الغرض دونوں فریق فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضور حاضر ہوئے اور آپ سے مشورہ لیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا "یہاں سے ہٹ جانا چاہیے وباء میں داخل نہیں ہونا چاہیے (اس بارے میں) جن لوگوں کی تجویز فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے موافق نہ تھی انہوں نے کہا "کیا ہم اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے بھاگیں۔ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "ہاں! ہم تقدیر کی طرف بھاگتے ہیں اس میں کیا مضائقہ ہے بعد ازاں آپ نے ان کے سامنے ایک مثال بیان فرمائی کہ اگر تم میں سے کسی شخص کے پاس ایک بکریوں کا ریوڑ ہو اور اسے چرانے کیلئے دو گھاٹیاں ہوں۔ ایک گھاٹی میں تو سبزہ بہت ہو جبکہ دوسری گھاٹی خشک ہو۔ اب اگر وہ چرواہا سبز گھاٹی میں چرائے گا تو پھر بھی اللہ کے حکم سے ہی ہوگا اور اگر خشک گھاٹی میں چرائے گا تو پھر بھی اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہی ہوگا۔ اس کی تصدیق لوگوں نے کی پھر آپ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مشورہ کیلئے بلایا۔ دوسرے دن حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے مشورہ لیا تو حضرت عبدالرحمٰن نے فرمایا اے امیرالمومنین اسباب کے بارے میں میری تو رائے وہی ہے جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "اللہ اکبر" اسے ہی بیان فرمایئے (اس سے بڑھ کر اور رائے کیا ہو سکتی ہے؟) عبدالرحمٰن نے فرمایا "میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جب تم کسی سرزمین میں وباء سنو تو وہاں جانے کی جرات نہ کرو اور جب ایسی جگہ وباء پھوٹے جہاں تم موجود ہو تو وہاں سے اس کی وجہ سے نہ نکلو"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور اپنی رائے بمطابق حدیث پاکر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور لوگوں کو جابیہ سے واپس کر دیا۔

نتیجہ حکایت :۔ اب دیکھنا چاہئے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور سب کا ترک توکل پر اتفاق کیسے ہو گیا؟

اگر ان جیسے کاموں کو توکل کی شرط تسلیم کیا جائے تو پھر صحابہ کرام کا یہ ترک توکل لازم آئے گا جبکہ توکل اعلیٰ مقامات میں سے ایک عظیم مقام ہے۔

سوال :۔ جس شہر میں وباء ہو وہاں سے نکلنے کو منع کیوں فرمایا گیا ہے جبکہ (حقیقت یہ ہے کہ) وباء کا سبب طب میں ہوا ہے اور ہوا مضر ہے اور ظاہر یہی ہے کہ مضر چیز سے پرہیز کرنا ہی اعلیٰ قسم کا علاج ہے تو پھر وہاں سے نکلنے کی اجازت نہ دینے کیا وجہ ہے؟ اس میں خلاف نہیں ہے کہ نقصان دہ چیز سے بچنا ممانعت میں داخل نہیں ہے جس طرح پچھنے لگوانا اور فصد کھلوانا ضرر دینے والی چیز سے بچنے کیلئے ہی کی جاتی ہے اور ان جیسی باتوں میں ترک توکل مباح ہے مگر اس سے جو کہ ذکر کیا گیا ہے اس پر دلیل نہیں پائی جاتی ہے۔ ظاہر طور پر تو اسی طرح ہی معلوم ہوتا ہے کہ نقصان صرف ظاہری طور پر بدن پہ لگنے کے باعث نہیں ہوتا بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) اس ہوا میں سانس لینے کی وجہ سے ہوتا ہے یعنی ہوا میں جب بدبو اور نقصان ہوتا ہے اور اس نقصان دہ ہوا میں زیادہ سانس جاتا ہے تو پھر وہ ہوا پھیپھڑوں' دل اور دوسرے اندر کے پردوں میں بذریعہ سانس آہستہ آہستہ پہنچ کر اثر کرتی ہے۔ بہرحال ظاہر بدن پہ وباء ظاہر نہیں ہوا کرتی جب تک کہ باطن میں اچھی طرح اثر نہ ڈال چکے۔ اس حالت میں اگر کوئی شخص شہر میں رہتا ہو اور وہاں سے نکلے گا تو غالب یہی ہے کہ ہوا کی جو تاثیر اس میں ہو چکی ہے اس سے نہ بچ سکے گا لیکن اس سلسلے میں نجات کا احتمال بھی ہے کہ ہو سکتا ہے ابھی تاثیر قوی نہ ہوئی ہو تو یہ وباء سے اس کا نکلنا نجات کا سبب ایک وہم ہوا جیسے جھاڑ پھونک اور شگون وغیرہ۔

جھاڑ و پھونک اور عملیات و تعویذات کا حکم :۔ اسلام میں تعویذ بنانا' دم کرنا اور دھاگے وغیرہ پر عقد کرنا برائے دفع امراض شرعاً جائز ہے اور توکل کے خلاف بھی نہیں ہے۔ منع وہ جھاڑ پھونک عملیات و تعویذات ہیں جن کے مفہوم قرآن و حدیث کے خلاف ہوں شرکیہ کلمات پہ مبنی ہوں یا ان تعویذات کو موثر بالذات سمجھا جائے۔ ہر عمل و تعویذ یا جھاڑ پھونک ناجائز ہرگز نہیں ہے۔ اس بارے میں مفصل تحقیق مطلوب ہو تو "تعویذات و عملیات لوکی مکتبہ اویسیہ رضویہ سیرانی روڈ بہاولپور سے منگوا کر مطالعہ فرمائیں۔ جھاڑ پھونک عملیات و تعویذات کے چند دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

قاعدہ شرعیہ :۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جسموں کا علاج تین طریقوں سے فرمایا کرتے تھے (1) طبی دواؤں سے جنہیں جملواتی' نباتاتی اور حیوانی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (2) روحانی اور انہیں دواؤں سے جو دعائیں' اذکار اور قرآنی آیات ہیں۔ (3) ادویہ مرکب سے یعنی دعاؤں سے بھی اور دواؤں سے بھی۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے (وننزل من القران ما هو شفاء ورحمة للمومنين (بنی اسرائیل 82) ترجمہ کنزالایمان :۔ اور ہم قرآن میں اتارتے ہیں وہ چیز جو ایمان والوں کے لئے شفا اور رحمت ہے۔ پس ثابت ہوا کہ قرآن و سنت کے خلاف جو شفاء کے حصول کیلئے طریقے اپنائے جائیں وہی خلاف اسلام ہوں گے ورنہ ہر تعویذ اور

دم وغیرہ خلاف اسلام ہرگز نہیں۔

دم کرنا :- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نظرِبد، زہریلے جانوروں کے کاٹنے اور پھوڑے پھنسی پر کچھ پڑھ کر دم کرنے کی اجازت بخشی۔ (مشکوۃ شریف) قرآن کریم میں ہے کہ (فانفخ فیہ فیکون طیراً باذن اللہ وابری للاکمہ والابرص واحی الموتٰی باذن اللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جھاڑ پھونک نے مردوں کو زندگی اور لاعلاج بیماروں کو شفا بخشی اور نہ صرف ان کی زندگی سابق میں بلکہ جب دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے تو ان کا دم مسیحی کفار کا جان لیوا ثابت ہوگا۔ حدیث شریف میں ہے (فلا حل الکافر یجد من نفسہ الامات ونفسہ ینھی مرافہ (ترمذی) جس کافر پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا سانس پہنچے گا وہ مرجائے گا اور ان کا سانس اتنے فاصلے پر کام کرے گا کہ جتنا ان کی نگاہ رہ جائے گی ان کی یہ سانس دجال اور اس کی فوج پر کام کرے گی۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھ کر اپنے اوپر دم کرتے تھے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ کسی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا یہ دعائیں اور اوراد و وظائف اور دیگر وہ اسباب جو ہم کرتے ہیں کیا اللہ تعالیٰ اس کی تقدیر کو بدل دیتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا یہ بھی تقدیر الٰہی سے ہے۔ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ کہا ہم زمانہ جاہلیت میں منتر و جنتر پڑھا کرتے تھے ہم نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! اس بارے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے منتر کو میرے سامنے پیش کرو اس میں شرک کی باتیں نہ ہوئیں تو پڑھ سکتے ہو کوئی مضائقہ نہیں "

حدیث :- حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب بیمار ہوتے تو معوذات پڑھ کر اپنے اوپر دم کرتے اور اپنا ہاتھ بدن پر پھیرتے۔ (مشکوا شریف، بخاری و مسلم) پس درج بالا بحث سے ثابت ہوا کہ قرآنی آیات، منقول دعاؤں اور اسماء الٰہیہ کے ذریعے جھاڑ پھونک وغیرہ کرنا قطعاً شریعت کے خلاف نہیں جس کام کا انداز یا طریقہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا اسے دین اسلام کے خلاف نہیں کہا جاسکتا۔

اب اگر یہی سبب وہاں سے نکلنے کا ہوتا تو پھر وہاں سے نکلنے کی ممانعت نہ ہوتی کیونکہ یہ بات توکل کے خلاف نہ تھی یہ ممانعت ایک اور وجہ سے ہوئی ہے۔

سبب ممانعت :- اس کا سبب ممانعت یہ ہے کہ تندرستوں کو اگر جانے کی اجازت دے دی جائے تو شہر میں وباء سے متاثرین کے علاوہ کوئی بھی نہ بچے گا جو ان مریضوں کو کھانا کھلا سکے یا پانی پلا سکے اور وہ مریض اپنی اس وبائی بیماری کی وجہ سے خود کفیل نہیں ہوسکتے۔ اس حال میں مریضوں کو وہاں چھوڑ کر تندرستوں کا نکلنا مریضوں کو زندہ درگور کرنے کے مترادف ہے ان مریضوں کے بچنے کی توقع بھی ہے۔ جس طرح کہ تندرستوں کو (وہاں سے نکل جانے

کی وجہ سے) بچ جانے کا احتمال ہے نیز ہو سکتا ہے وہ مریض بھی بچ جائیں اگر تندرست وہاں رک جائیں تو موت کا یقین نہیں ہے کہ ہر حال میں وہ تندرست بھی مرجائیں گے اگر چلے بھی جائیں تو پھر بھی بچ جانے کا یقین نہیں جبکہ (یہ حقیقت ہے) کہ تندرستوں کا وہاں سے نکل جانا بیماروں کے حق میں یقیناً نقصان ہوگا اور مسلمان آپس میں ایک عمارت کی مانند ہیں کہ ایک کو تقویت دوسرے سے ہوتی ہے یا اعضائے جسم کی طرح ہیں کہ جب ایک عضو میں درد ہوتا ہے تو دوسرے اعضاء کو بھی بے چینی ہوتی ہے۔

خلاصہ :۔ ہمارے نزدیک وہاں سے نکلنے سے منع کرنے کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے حقیقت حال اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

فائدہ :۔ جو شخص ابھی شہر میں داخل نہیں ہوا ہے اس کے حق میں یہ معاملہ برعکس ہے یعنی (متاثرہ) ہوا سے ابھی تک اس کے باطن میں اثر نہیں کیا اور نہ ہی شہر کے بیماروں کو اس کی ضرورت ہے کہ اگر وہ نہ آیا تو شہر والے مریض مرجائیں گے ہاں اگر وباء والے شہر میں وباء سے متاثرین کے علاوہ کوئی بھی نہ بچا ہو اور انہیں خدمت گاروں اور کفیلوں کی ضرورت بھی ہو اور اس وقت کچھ لوگ ان کی مدد کیلئے آئیں تو کوئی تعجب والی بات نہیں ہے کہ ان کا یوں آنا مستحب شمار کیا جائے اور منع بھی نہ ہو کیونکہ نقصان کا ہونا تو امر موہوم ہے اور بقیہ لوگوں سے ضرر دور کرنا یقینی ہے۔ حدیث شریف میں وباء سے بھاگنے کو "یا فرمایا گیا ہے کہ جیسے جہاد کی صف سے بھاگنا یعنی اپنے بھاگنے کی وجہ سے دوسرے مسلمانوں کی دل شکنی اور ان کے تباہ و برباد ہونے میں کوشش پائی جاتی ہے۔ یہ باتیں نہایت باریک ہیں جو ان کا لحاظ نہیں کرتا اور ظاہر احادیث و آثار پہ نظر کرتا ہے تو اس کے نزدیک اکثر باتیں جو اسے سنائی دیتی ہیں (جو بظاہر) ایک دوسرے کے خلاف محسوس ہوتی ہیں عابدوں اور زاہدوں کو اس حالت میں بہت دھوکہ ہوتا ہے اور غلطی کر جاتے ہیں علم کو اللہ تعالیٰ نے اسی سے ہی شرف بخشا ہے کہ اہل علم ایسا دھوکہ نہیں کھاتے۔

ضرر رساں چیز دور کرنا :۔ مختلف امراض میں دم وغیرہ کرنا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور مختلف امراض کا علاج بھی خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "بخار جہنم کی بھاپ ہے لہذا تم اس کو پانی سے ٹھنڈا کرو (بخاری و مسلم و مشکوۃ) حضرت عائشہ صدیقہ طیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم نظر بد کا اثر دور کرنے (کے لیے) جھاڑ پھونک کرائیں (بخاری و مسلم) پس ثابت ہوا کہ ضرر رساں چیز کا دور کرنا۔ فرمان خدا کے مطابق ہے اور یہ توکل کے خلاف نہیں ورنہ اللہ تعالیٰ کے محبوب اس کا حکم ارشاد نہ فرماتے۔

سوال :۔ سابقہ تقریر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دوا کے نہ کرنے میں ہی بہتری ہے تو اس پر یہ شبہ پڑتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی دوا نہ کی ہوتی تاکہ آپ کو یہ فضل بھی عطا ہو جاتا۔

جواب:- دوا نہ کرنے کی فضیلت اسی شخص کے حق میں ہے جو اپنے بہت سے گناہوں کا کفارہ مرض کو بنانا چاہتا ہے جو شخص اپنی تندرستی کی حالت کو نفس کی سرکشی سے ڈراتا ہو یا جسے شہوتوں کے غلبے کا ڈر ہو یا غلبہ غفلت کی وجہ سے موت کو یاد رکھنا چاہتا ہو یا مقامات متوکلین اور مریض شخصوں سے قاصر ہو کر صابروں کا ثواب چاہتا ہو یا جو عجیب فائدے اللہ تعالیٰ نے ادویات میں رکھے ہیں انہیں اچھا نہ سمجھتا ہو حتیٰ کہ ادویات کو بھی جھاڑ پھونک وہمی کی طرح جانتا ہو اور اپنی حالت میں ایسا مشغول ہو کہ دوا کر سکتا ہی نہیں اگر دوا کرے گا تو اس حالت سے جاتا رہے گا کیونکہ دونوں کو اکٹھا کرنے کی تاب نہیں رکھتا مختصر یہ کہ علاج سے روکنے والی یہی باتیں ہیں اور یہ سب باتیں بہ نسبت بعض لوگوں کے کمال میں داخل ہیں۔

عظمت حبیب کبریا:- حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درجے کے لحاظ سے نقصان میں شامل نہیں بلکہ آپ کا عظیم الشان مقام تو ان تمام مقامات سے ارفع و اعلیٰ اس لئے کہ آپ کا حال اس امر کا مقتضی تھا کہ آپ کا مشاہدہ اسباب کے وجود اور عدم دونوں میں ایک جیسا رہے کیونکہ آپ کو بہرحال اسباب کے پیدا کرنے والے کی طرف ہی التفات تھا اور جس کا یہ رتبہ و مقام ہو اسباب سے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچتا جیساکہ ہم نے مال دینار کے باب میں بیان کردیا ہے کہ اس کی رغبت بھی نقصان دہ ہے اور اس سے نفرت بھی کمال درجہ رکھتی ہے مگر پھر بھی بہ نسبت اس شخص کے جس کے نزدیک مال کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہو اس کا نقصان اس کے زیادہ نزدیک ڈھیلے اور سونے کے برابر ہو یہ بات بھی کامل کی ہے کہ سونے سے نفرت ہو اور ڈھیلے سے نفرت نہ ہو اور سرکار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہی حال مبارک تھا کہ آپ کے نزدیک سونا اور ڈھیلا دونوں برابر تھے اپنے پاس مال اس لئے نہ رکھتے تھے کہ مخلوق خدا کو آپ زہد کی تعلیم ارشاد فرمائیں کہ غایت ان کی قوت کی یہی ہے نہ کہ اس ڈر کی وجہ سے کہ اس کے رکھنے کی وجہ سے آپ کے نفس کو نعوذباللہ کسی قسم کا ڈر تھا آپ کا مقام و مرتبہ تو اس سے بہت زیادہ تھا کہ آپ کو دنیا فریب دے سکے۔ آپ کے سامنے تو زمین کے خزانے پیش کیے گئے۔ آپ نے انہیں قبول نہ فرمایا اسی جیسے مشاہدے کی جہت سے آپ کے نزدیک اسباب کا استعمال کرنا نہ کرنا برابر تھا۔

دوا کے استعمال کو اس لئے نہ چھوڑا کہ اللہ تعالیٰ کی عادت یونہی جاری ہے اور اپنی امت کو ان ضرورت کی اشیاء کی اجازت دینا منظور تھا اس کے باوجود اس میں کسی قسم کا نقصان نہیں ہے بخلاف مال اکٹھا کرنے کے' کیونکہ مال ذخیرہ کرنا مضر ہے۔

اختیار فقر:- آپ کا ان خزانوں کو قبول نہ فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کا یہ فقر اضطراری نہیں بلکہ اختیاری فقر ہے جیساکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد فرمانے پر حضرت سیدنا عمر نے اپنی آدھی جائیداد محبوب کے قدموں پر نثار کردی اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی تمام جائیداد محبوب کے قدموں پر نثار کردی۔ یہ تو آپ کے غلاموں کا حال ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہ جن کی دعا کبھی رد نہ ہوئی وہی محبوب ان لفظوں

میں دعا مانگا کرتے تھے کہ حدیث حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ دعا مانگی
اللھم احینی مسکینا وامتنی مسکینا وحشرنی فی زمرۃ المساکین یااللہ! مجھے مسکین بناکر زندہ رکھ'
مسکینی کی حالت میں ہی مجھے موت دے اور مسکینوں کے زمرے میں ہی میرا حشر فرما۔ (مشکوۃ شریف)

یاد رہے کہ آپ کا یہ دعا فرمانا اس لئے نہیں ہے کہ آپ غیر انبیاء مساکین کے درجہ سے پیچھے رہ جائیں گے بلکہ تعلیم امت کی خاطر ورنہ حقیقت یہ ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک فرمان نہ اپنی جان نثار کرنے والے کو مقام شہادت پہ نواز دیا جاتا ہے ایک سنت حبیب پر عمل پیرا ہونے والے کو سو شہداء کا ثواب عطا فرما دیا جاتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ آپ کا فقر اختیار کرنا اختیاری تھا۔

دیوبند مکتبہ فکر کی کتاب مظاہر حق جدید میں بھی یہی عقیدہ بیان کیا گیا ہے۔ "سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خوشحال زندگی اختیار کرنے کی قدرت رکھنے کے باوجود اپنی زندگی اس طرح بسر کرتے تھے جس طرح کوئی غریب و مفلس شخص بسر کرتا ہے (مظاہر حق جدید جلد چہارم ص 732)

دوا نہ کرنے کا نقصان:۔ (1) دوا نہ کرنے کا نقصان اس صورت میں ہو سکتا ہے جو دوا کو نافع بالذات دوا کو سمجھے اور دوا پیدا کرنے والے کو نہ سمجھے تو یہ امر شریعت مطہرہ میں منع ہے۔ (2) اس صورت میں بھی ہو سکتا ہے کہ دوا کرنے سے صحت اس لئے مطلوب ہو کہ صحت ہوگی تو گناہ کرے گا۔ یہ صورت بھی منع ہے مگر یہ دونوں صورتیں شاذونادر ہیں کیونکہ اکثر ایماندار گناہوں کی خاطر صحت نہیں چاہتے اور نہ ہی دوا کو بذات خود نافع مفید سمجھتے ہیں بلکہ صرف اس لئے ہی فائدہ مند جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہی اس میں نفع رکھا ہے جیسے پانی اور روٹی کو پیاس اور بھوک کے لئے بذات خود نفع بخش کوئی نہیں جانتا۔

خلاصہ:۔ دوا کے کرنے کا حکم وہ ہے جو حکم اس کام کے کرنے کا ہے جس کام کیلئے دوا کرتا ہے یعنی اگر دوا اس لئے کرتا ہے کہ طاعت میں استعانت ہو یا معصیت پر اعانت ہو تو اسی جیسا حکم ہوگا اگر اس لئے ہے کہ مباح اشیاء سے لذت حاصل ہو تو ویسا ہوگا اس ساری تقریر سے واضح ہو گیا۔

(1) بعض حالات میں دوا نہ کرنا افضل ہے۔

(2) بعض حالات میں دوا کرنا بھی افضل ہوتا ہے۔

اور یہ افضلیت حالات' لوگوں اور ان کی نیتوں کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے۔

دوا کرنا توکل کے خلاف نہیں:۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ توکل میں دوا کا کرنا یا نہ کرنا کوئی شرط نہیں' شرط تو صرف یہ ہے کہ وہمی باتیں چھوڑ دے ورنہ (یعنی اگر وہم میں پڑ جائے تو) ایسی تدبیریں وہمی اختیار کرتا ہے جو توکل کرنے والوں کے شان کے لائق نہیں ہوتیں۔

مرض ظاہر کرنا اور پوشیدہ رکھنا:۔ مرض اور افلاس اور مصائب کی اقسام کو پوشیدہ رکھنا نیکی کے خزانوں میں سے

ہے اور اس کا بڑا اعلیٰ مقام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم پہ راضی ہونا اور اس کی مصیبت پہ صبر کرنا اور وہی معاملہ ہے جو بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے تو اس کے پوشیدہ رکھنے میں آفات سے زیادہ تر حفاظت کی صورت ہے مگر اسے ظاہر کرنے میں بھی مضائقہ نہیں مگر اظہار کیلئے نیت کا درست ہونا شرط ہے۔

(1) اس کے اظہار سے مقصود علاج طلب کرنا ہو۔ یعنی طبیب کے سامنے اپنا حال بیان کرے۔ شکایت کی غرض سے بیان نہ کرے بلکہ حقیقت حال بیان کرے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر ظاہر ہوں انہیں بالکل اسی طرح بیان کرے جیسے اس کی شکایت ہے۔ مثلاً

(1) حضرت بشر بن عبدالرحمٰن رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ طبیب کے سامنے اپنے درد کا حال بیان کردیا کرتے تھے۔

(2) حضرت امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ جو مرض ہوتا اسے بیان کردیا کرتے تھے اور ارشاد فرماتے "جو کچھ اللہ تعالیٰ کی قدرت نے مجھ پہ اثر کیا میں تو صرف اسے بیان کرتا ہوں۔

(2) مریض مقتدا لوگوں میں سے ہو اور معرفت میں مستقل ہو وہ اپنا مرض طبیب کے علاوہ بھی بیان کردیا کرے۔ اس کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ لوگ مرض میں اچھی طرح صبر کرنا سیکھیں بلکہ اچھی طرح سے شکر کرنے کی تعلیم حاصل کریں یعنی مرض کا حال یوں بیان کرے کہ جس سے معلوم ہو کہ ان کے نظریہ کے مطابق مرض ایک نعمت ہے جیسے نعمت کا ذکر کیا جاتا ہے اسی طرح مرض کا بھی ذکر کرے تاکہ لوگ اس پر شکر کیا کریں۔ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ مریض جب اللہ تعالیٰ کی حمد و شکر بیان کرنے کے بعد اپنا درد بیان کرتا ہے تو یہ مرض کا بیان شکایت میں داخل نہیں۔

(3) مرض ظاہر کرنے سے مقصد اپنی عاجزی اور اللہ تعالیٰ کی طرف محتاجی ظاہر کرنا ہو اور یہ صورت ایسے سے اچھی معلوم ہوتی ہے جو قوت و شجاعت کے شایان شان ہو اور اس سے عاجزی کرنا بعید از قیاس معلوم ہوتا ہو۔

حکایت:۔ حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ وجہہ سے لوگوں نے مرض کی حالت میں دریافت کیا کہ آپ کیسے ہیں؟

آپ نے فرمایا "برا ہوں" عیادت کرنے والے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے یعنی اس جواب کو اچھا نہ سمجھا بلکہ شکایت سمجھی تو آپ نے ارشاد فرمایا "کیا میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی بہادری کا دم ماروں"

فائدہ:۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا عجز اور محتاجی اللہ تعالیٰ کی طرف ظاہر کرنا اچھا سمجھا حالانکہ آپ کی شجاعت اور بہادری مشہور و معروف تھی اور اس بارے میں آپ اسی طریقے کو اختیار فرمایا جو طریقہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کو تعلیم فرمایا تھا۔

حکایت:۔ ایک مرتبہ آپ بیمار ہوگئے تو دعا مانگتے تھے کہ یا اللہ مجھے اس بلا پر صبر کرنے کی توفیق عطا فرما۔

نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "بلا کا سوال تو تم نے خود ہی کیا ہے اللہ تعالیٰ سے تندرستی کی دعا مانگو۔

خلاصہ:- ان تین نیتوں کی وجہ سے مرض کے ذکر کرنے کی اجازت ہے۔ مرض کے اظہار میں حرمت کی وجہ یہ ہے کہ مرض کا ذکر کرنا شکایت ہو اور اللہ تعالیٰ کو شکایت کرنا حرام ہے جس طرح افلاس کی وجہ سے سوال کی حرمت میں ہم بیان کر چکے ہیں۔ شکایت کی وجہ سے ضرورت کے بغیر حلال نہیں ہوتا۔ مرض کا بیان کرنا قرینہ رنج کا اظہار اور فعل حق تعالیٰ کو اچھا نہ جاننے کی وجہ سے شکایت ہو جاتا ہے پس اگر قرینہ اظہار بھی نہ ہو اور نہ ہی درج بالا تینوں نیتیں ہوں تو پھر مرض کے اظہار کرنے کو حرام تو کہہ نہیں سکتے ہاں البتہ یہ کہیں گے اس کا اظہار بہتر نہیں کیونکہ اس اظہار میں بعض اوقات تو شکایت کا وہم ہوتا ہے اور بعض اوقات بناوٹ کو بھی دخل ہوتا ہے کہ جتنا مرض ہے یا اس سے زیادہ بیان ہو جاتا ہے یا جتنا توکل کیا ہے دوا نہ کرنے میں اس سے کہیں زیادہ کہہ دیا جاتا ہے ایسی صورت میں اس کے اظہار کی کوئی وجہ بالکل معلوم نہیں ہوتی ہے۔ اظہار کی نسبت کر اگر دوا کرے اور آرام مل جائے تو اچھا ہے۔

فائدہ:- بعض اکابر ارشاد فرماتے ہیں کہ جس نے مرض بیان کر دی اس نے صبر نہیں کیا اور قرآن مجید میں جو صبر جمیل وارد ہے اس کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس سے مراد وہی صبر ہے جس میں شکایت نہ ہو۔

حکایت:- حضرت یعقوب علیہ السلام سے کسی نے دریافت کیا "آپ کی آنکھیں کس نے کھوئیں آپ نے فرمایا" مرور زمان اور کثرت اندوہ نے اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی بھیج کہ تم میری شکایت کرنے کے لئے میرے بندوں کے سامنے تیار ہو گئے"

آپ نے عرض کیا "یا اللہ! میں نے توبہ کی اب ایسا نہ ہوگا۔

مریض کی آہ:- حضرت طاؤس اور مجاہد رحمتہ اللہ علیہما روایت کرتے ہیں کہ مریض پر اس کا آہ آہ کرنا بھی لکھا جاتا ہے اور اکابر (رحمہم اللہ تعالیٰ) مریض کی آہ کرنے کو بھی برا جانتے تھے اس لئے کہ مریض کا آہ کرنا بھی ایسی بات کا اظہار ہے جو کہ مقتضی شکایت ہے۔

حکایت:- ایوب علیہ السلام سے شیطان کا بہرہ سوائے اس کے کچھ بھی نہیں ہے کہ آپنے مرض شریف میں صرف آہ کی تھی اس لعنتی نے اسی آہ کو بھی اپنا مقصد بنا لیا یعنی کہا کہ معاذاللہ میرا ایوب علیہ السلام پر اثر ہو گیا۔

حدیث شریف:- کسی مرض میں جب بندہ مبتلا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ دونوں فرشتوں کی طرف وحی فرماتا ہے کہ دیکھو (یہ) بیمار پرسی کرنے والوں سے کیا کہتا ہے۔ مریض اگر تیمارداری کرنے والوں سے خدا کا شکر اور حمد بیان کرتا ہے تو اس کے لئے فرشتے دعائے خیر کرتے ہیں اگر شکایت اور برائی کرتا ہے تو وہ دونوں فرشتے فرماتے ہیں کہ تو اسی طرح ہی رہے گا۔"

عابدوں کا طریقہ:- بعض عابدین شکایت کے خوف کی وجہ سے کہ کہیں کلام زیادہ نہ ہو جائے۔ اس لئے بیمار پرسی کو

برا جانتے تھے یہاں تک کہ اگر بیمار ہوجاتے تو گھر کا دروازہ بند کرلیا کرتے تھے ان کو ملنے کے لئے کوئی بھی نہ جاتا تھا حتیٰ کہ جب تندرست ہوجاتے تو خود بخود ہی لوگوں کے پاس آجاتے۔ یہی حال حضرت فضیل بن عیاض، وہیب بن الورداء اور بشر بن حارث رحمہم اللہ تعالیٰ کا تھا۔

فائدہ :۔ حضرت فضیل ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ "میں تو یہ چاہتا ہوں کہ میں بیمار ہوں مگر عیادت کرنے والے نہ آئیں کیونکہ لوگوں کی وجہ سے میں بیماری سے گھبراتا ہوں۔

بیمار پرسی :۔ آپ کا یہ بیمار پرسی کو اچھا نہ جاننا اس لئے ہے کہ اس سے بعض اوقات نفس کی اعانت کے اسباب پیدا ہوجاتے ہیں یا اس لئے کہ آپ پسند نہیں کرتے کہ لوگوں کا ہجوم میری طرف ہو جس وجہ سے حق تعالیٰ سے غفلت ہوگی اسی ایک لمحہ کی غفلت کے بارے میں ہے کہ جو دم غافل ہو دم کافر ورنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عیادت کو ایک مسلمان کا مسلمان پہ حق فرمایا اور اس حق سے کون انکار کرسکتا ہے۔

حدیث نمبر 1 :۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا (ایک) مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں۔ (1) سلام کا جواب دینا (2) بیمار کی عیادت کرنا (3) جنازہ کے ساتھ جانا (4) دعوت قبول کرنا (5) چھینکنے والے کا جواب دینا (بخاری شریف و مسلم شریف)

(2) حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان جب اپنے کسی (بیمار) مسلمان بھائی کی عیادت کرتا ہے تو (گویا) وہ بہشت کی میوہ خوری میں (مصروف) رہتا ہے یہاں تک کہ وہ (عیادت سے) واپس نہ آجائے۔ (مسلم شریف)

(3) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "جس شخص نے وضو کیا اور اچھا (پورا) وضو کیا اور پھر (حصول) ثواب کے ارادے سے اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کی تو اسے دوزخ سے ساٹھ برس (کی مسافت) کی بقدر دور رکھا جاتا ہے۔ (ابوداؤد شریف)

(4) حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا "جب کوئی شخص بیمار کی عیادت کرتا ہے تو پکارنے والا (فرشتہ) آسمان سے پکار کر کہتا ہے کہ تمہیں خوشی ہو دنیا و آخرت ہیں۔ اچھا ہو چلنا تیرا (آخرت میں یا دنیا میں) اور تجھے حاصل ہو بہشت کا ایک بڑا درجہ و مرتبہ (ابن ماجہ شریف، مشکوۃ شریف)

باب 6

محبت و شوق اور انس و رضا

اللہ تعالیٰ کی محبت تمام مقامات میں سے انتہائے درجہ کی عنایت اور تمام مقامات میں بلند مرتبہ رکھتی ہے اس لئے کہ اوراک محبت کے بعد وہ کسی بھی قسم کا مقام کیوں نہ ہو شوق ہو یا انس یا رضا وغیرہ سب اس کے تابع اور ثمو ہیں اور محبت سے پہلے جتنے بھی مقامات ہیں جیسے توبہ' صبر' زہد اور دوسرے مقامات ہیں وہ تمام محبت کے مقدمات کی حیثیت رکھتے ہیں اور دوسرے مقامات اگرچہ ان کا ہونا شاذونادر ہے مگر پھر بھی تمام دلوں میں ان کا امکان ہوتا ہے اور اس کے امکان کے ایمان سے کوئی بھی دل خالی نہیں ہوتا۔

انکار محبت حق تعالیٰ:۔ اس کے باوجود محبت الٰہی پہ ایمان لانا مشکل ہے یہاں تک کہ بعض علمائے کرام نے اس کے امکان سے انکار فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ کی محبت کا تو یہی مطلب ہے کہ اس کی اطاعت پر مواظبت کی جائے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ حقیقی محبت محال ہے کیونکہ حقیقی محبت تو اپنی جنس اور مثل کے ساتھ ہوتی ہے اور ان لوگوں نے جب محبت الٰہی کا انکار کیا تو انس اور شوق اور لذت مناجات اور تمام محبت کے لوازمات کا بھی انکار کردیا اسی لئے ہم پہ لازم ہوگیا کہ ہم محبت کے بارے میں شرعی دلائل قائم کریں۔

محبت حق تعالیٰ اور اسکے شرعی دلائل:۔ جو محبت بندے کو اللہ تعالیٰ سے ہوتی ہے اس کا وجود ہے اس پر تمام امت کا اتفاق ہے کہ بندے کو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت فرض ہے منکرین سے ہم دریافت کرتے ہیں کہ اگر محبت کا وجود نہ ہو تو پھر محبت فرض کیسے کی جائے گی جو لوگ محبت کی تفسیر و توضیح اطاعت سے کرتے ہیں وہ کس طرح ممکن ہے اس لئے کہ اطاعت تو محبت کے تابع اور اس کا ثمو ہے پہلے محبوب کا وجود ہوگا تو پھر اس کی اطاعت ہوگی' حق تعالیٰ سے محبت کے وجود پر قرآن و احادیث کے دلائل ہیں۔

دلائل از قرآن:۔ (1) یحبھم ویحبونہ (المائدہ 54) ترجمہ کنزالایمان :۔ وہ اللہ کے پیارے اور اللہ ان کا پیارا۔
(2) والذین امنوآ اشد حباللّٰہ (البقرہ 165) ترجمہ کنزالایمان :۔ اور ایمان والوں کو اللہ کے برابر کسی کی محبت نہیں۔

فائدہ:۔ درج بالا دونوں آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ وجود محبت ہے اور اس میں فرق بھی ہوتا ہے۔

دلائل از احادیث:۔ نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بہت سی احادیث میں محبت حق تعالیٰ کو

ایمان کی شرط ارشاد فرمایا ہے۔

حدیث نمبر(1) :- ابورزین عقیلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ سے دریافت کیا کہ "ایمان کیا چیز ہے؟" رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اللہ اور اس کے رسول کا تیرے نزدیک ان کے ماسوا سے زیادہ پیارا ہونا ایمان ہے۔"

حدیث نمبر(2) :- رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لا یومن احدکم حتیٰ یکون اللہ ورسولہ احب الیہ مما سواھما تم میں سے کوئی بھی مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے نزدیک ان کے ماسوا سے سب سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔

حدیث نمبر(3) :- رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا لا یومن من العبد حتیٰ اکون احب الیہ من اھلہ وما لہ والناس اجمعین اس وقت تک کوبندہ مومن نہیں ہوتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے گھر والوں' مال اور سب لوگوں سے محبوب تر نہ ہوں۔

حدیث نمبر(4) :- ایک اور حدیث شریف میں ومن نفسہ اور اس کی اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں' بھی آیا ہے۔

فائدہ :- کیوں نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ قل ان کان اباء کم وابناء کم واخوانکم وازواجکم وعشیر تکم واموال ن افترفتموھا وتجارۃ تخشون کسادھا ومساکن ترضونھا احب الیکم من اللہ ورسولہ وجھاد فی سبیلہ فتربصوا حتیٰ یاتی اللہ بامرہ (التوبہ 24)

فائدہ :- اسے تہدید اور انکار کے مقام میں ہی ارشاد فرمایا

حدیث نمبر(5) :- سرکارمدینہ سرور سینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرمایا کہ احبوا اللہ لما یعدوکم بہ من نعمۃ واحبونی لحب اللہ ایای اللہ تعالیٰ سے محبت اس لئے کرو کہ وہ تمہیں ہر صبح اپنی نعمت سے سرفراز کرتا ہے اور مجھ سے اس لئے محبت کرو کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے محبت رکھتا ہے۔

حدیث شریف نمبر(6) :- ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ کسی نے مدنی تاجدار احمد مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں عرض کیا کہ "یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں آپ سے محبت رکھتا ہوں" آپ نے ارشاد فرمایا کہ "(تو پھر) مفلسی کے لئے تیار ہوجا" اس نے عرض کی کہ "میں آپ سے محبت رکھتا ہوں" آپ نے ارشاد فرمایا کہ "تو بلا کیلئے تیاری کرلے"

حدیث شریف نمبر(7) :- حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم رؤف الرحیم صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آتے ہوئے دیکھا کہ وہ ایک مینڈھے کی کھال کرے لپیٹے ہوئے چلے آ رہے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوگوں کو ارشاد فرمایا۔

"اس شخص کو دیکھو! اللہ تعالیٰ نے اس کا دل روشن فرما دیا ہے میں نے اسے اس کے والدین کے سامنے دیکھا تھا کہ وہ اسے اعلیٰ کھانا اور اچھا پانی دیا کرتے تھے اور اب اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت نے اس کا یہ مقام کر دیا ہے جو تم دیکھ رہے ہو۔

حبیب کی ملاقات:- ایک اور حدیث شریف میں واقعہ مشہور ہے کہ جب حضرت ملک الموت علیہ السلام روح قبض کرنے کی غرض سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ملک الموت کو ارشاد فرمایا کہ "بھلا تم نے کوئی ایسا بھی خلیل دیکھا ہے جو اپنے ہی سچے دوست کو مارے۔"

تو اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی بھیجی کہ بھلا تم نے کوئی ایسا بھی محبت کرنے والا دیکھا ہے جو اپنے حبیب کی ملاقات کو برا جانے" اس پر

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ملک الموت علیہ السلام کو ارشاد فرمایا اب میری روح قبض کر۔

فائدہ:- یہ راز صرف اسی بندے پر کھلتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے دل سے محبت رکھتا ہو جب بندہ جان جاتا ہے کہ موت تو حبیب سے ملاقات کا سبب ہے تو پھر اس کا دل موت کی طرف رغبت کرتا ہے اسے اللہ کے سوا کوئی محبوب نہیں ہوتا کہ وہ اس کی طرف رغبت کرے۔

دعائے نبوی:- رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی دعا میں فرماتے تھے کہ اللھم ارزقنی حبک وحب منی احبک وحب مایقربنی الی حبک واجعل حبک احب الی من الماء البارد۔ یااللہ تو مجھے روزی عطا فرما، اپنی محبت اور جو کوئی بھی تجھ سے محبت رکھے اس کی محبت اور جو عمل مجھے تیرے قریب کر دے اس کی محبت اور اپنی محبت کو میرے نزدیک ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ محبوب بنا دے۔

حب حبیب چیز لذیذ:- ایک اعرابی نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قیامت کب قائم ہوگی"

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "تو نے اس کا (قیامت کیلئے) کیا سامان تیار کیا ہے۔"

اس صحابی نے عرض کیا "یارسول اللہ! میں نے بہت زیادہ نمازیں اور روزے تو جمع نہیں کئے مگر مجھے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت ہے۔"

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا المرء مع من احب آدمی اپنے محبوب کے ساتھ رہتا ہے۔

حب درویشاں اور صحابہ:- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ "میں نے اسلام کے بعد مسلمانوں کو

کسی چیز سے اتنا خوش ہوتے ہوئے نہیں دیکھا ہے جیساکہ اس بات کو سن کر خوش ہوئے۔

فرمان صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ :۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ "جو شخص خالص اللہ تعالیٰ کی محبت سے مزہ چکھتا ہے وہ ذائقہ طلب دنیا سے اسے روک دیتا ہے اور اسے تمام لوگوں سے وحشت دلاتا ہے۔"

فرمان حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ :۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو جو شخص پہچانتا ہے وہ اسے محبوب جانتا ہے اور جو شخص دنیا کو پہچانتا ہے وہ اس (دنیا) میں زہد کرتا ہے اور ایماندار آدمی لہو میں نہیں پڑتا کہ (اس میں پڑ کر) غافل بن جائے جب وہ فکر کرتا ہے، اندوہ کرتا ہے۔

فرمان سلیمان دارانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ :۔ حضرت سلیمان دارانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ "کچھ ایسے لوگ بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں ہیں کہ جنت اور اس کے درمیان کی نعمت انہیں اللہ تعالیٰ سے نہیں روکتی محض دنیا کی وجہ وہ لوگ کب اللہ تعالیٰ سے باز رہیں گے۔

حکایت :۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تین آدمیوں کے پاس سے گزرے ان کے بدن کمزور اور رنگ حقیر تھے تو آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ "تمہارا یہ حال کیوں ہوا؟" انہوں نے عرض کی "آتش دوزخ کے ڈر کی وجہ سے" حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا "اللہ تعالیٰ خوف رکھنے والوں کو ضرور (دوزخ سے) محفوظ رکھے گا۔" پھر آپ وہاں سے آگے بڑھے تو آپ اور تین اشخاص پر گزرے وہ پہلے تین اشخاص سے بھی زیادہ دبلے پتلے اور رنگ ان کا زیادہ بدل چکا تھا۔ آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ تمہارا یہ حال کس وجہ سے ہوا ہے" انہوں نے عرض کیا "ہمارا یہ حال جنت کے شوق کی وجہ سے ہوا ہے۔"

آپ نے ارشاد فرمایا "ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں وہ چیز عطا فرمائے جس کی تم توقع رکھے ہوئے ہو" پھر آپ وہاں سے آگے بڑھے تو آپ نے اور تین آدمی دیکھے یہ آدمی پہلے دونوں گروہوں سے بھی زیادہ دبلے اور ان کا رنگ پہلے اشخاص سے بھی زیادہ بدلا ہوتا تھا ان کے چہرے پہ نور کا یہ عالم تھا کہ گویا ان کے چہروں پر شیشے جڑے ہوئے تھے۔ آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ "تم کس چیز کی وجہ سے ایسے ہو رہے ہیں" انہوں نے عرض کیا "ہم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں (یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے) آپ نے فرمایا "مقرب تمہیں ہو" (یہ کلمہ تین بار فرمایا ہے۔

حکایت عجیب :۔ حضرت عبدالواحد بن رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ زید ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک شخص پر میں گزرا وہ شخص برف پر سو رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا "تمہیں سردی نہیں لگتی؟"

اس نے جواب دیا "جو شخص اللہ تعالیٰ کی محبت میں گرم رہتا ہے اسے سردی نہیں لگتی"

انبیائے کرام کے نام سے پکار:۔ حضرت سری سقطی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ "بروز قیامت جنہیں محبت حق تعالیٰ غالب نہ ہوگی انہیں انبیاء کے نام سے پکاریں گے مثلاً ارشاد ہوگا "اے امت موسیٰ علیہ السلام اے امت عیسیٰ علیہ السلام اور اے امت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مگر محبین حق تعالیٰ یوں پکارے جائیں گے کہ اے اولیائے اللہ خدائے ذوالجلال کی طرف چلو" ان کے دل خوشی کی وجہ سے پھولے نہ سمائیں گے۔

محب کا جسم دنیا میں اور روح آخرت میں:۔ حضرت ہرم بن حیان رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جب ایماندار اپنے رب کو پہچان لیتا ہے تو وہ حق تعالیٰ سے محبت کرنے لگتا ہے اور جب وہ محبت حق تعالیٰ سے کرتا ہے تو وہ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس توجہ کا جب مزہ پاتا ہے تو دنیا کی طرف نظرخواہش سے نہیں دیکھتا اور آخرت کی طرف کاہلی کی نظر سے نہیں دیکھتا۔ وہ اپنے جسم کے لحاظ سے تو دنیا میں رہتا ہے اور روح کے لحاظ سے آخرت میں رہتا ہے۔

اللہ کی محبت:۔ حضرت یحییٰ بن معاذ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا عفو بندے کے تمام گناہ لے لیتا ہے پس اللہ تعالیٰ کی رضا کا کیا حال ہوگا اور (حقیقت یہ ہے کہ) اس کی رضا میں تمام امیدیں حاصل ہوجاتی ہیں۔ اللہ کی محبت کیسے ہوگی' اس کی محبت تو عقلوں کو مدہوش کردیتی ہے اللہ کی مودت کا کیا ٹھکانا ہے اس کی محبت تو غیر اللہ کو بھلا دیتی ہے تو اللہ تعالیٰ کا لطف کیسا ہوگا؟

بعض آسمانی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ اے میرے بندے مجھے تیرے حق کی قسم ہے میں تجھ سے محبت رکھتا ہوں اور تجھے بھی میرے حق کی قسم ہے کہ تو بھی میرا محب بن جا۔

ستر برس کی عبادت سے افضل:۔ حضرت یحییٰ بن معاذ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک رائی کے برابر محبت میرے نزدیک ستر سال کی عبادت سے بھی اچھی ہے جو شخص بے محبت ہو اور عیسیٰ قول بھی انہیں کا ہے کہ یااللہ! میں تیرے صحن میں کھڑا ہوں اور تیری حمد وثنا میں مشغول ہوں تو نے مجھے بچپن سے ہی اپنی طرف لے لیا ہے اور اپنی معرفت کا لباس در بر کیا ہے اور مجھے اپنے لطف و کرم سے بہرہ فرمایا ہے۔ احوال اعمال' پردہ پوشی' توبہ' زہد' شوق' رضا اور محبت میں مجھے تو بدلتا رہا ہے۔ اپنے حوضوں میں سے مجھے پلایا اور اپنے باغات میں مجھے پھرایا۔ یااللہ میں تو تیرے حکم کا غلام ہوں اور میں تیرے قول میں مشغول رہا۔ اب جب میری مونچھیں نکل آئی ہیں (میں جوان ہوگیا ہوں سمجھدار ہوگیا ہوں) اور قدرت ہوگئی ہے تو آج میں بڑا ہوکر تجھ سے کس طرح پھر جاؤں گا۔ میں تو بچپن سے ہی ان امور کا تجھ سے عادی ہوتا چلا آیا ہوں۔ یااللہ! میں تو جب تک زندہ رہوں گا۔

تیرے گرد ہی گھوموں گا اور انکساری کے ساتھ تیرے ہی سامنے گڑگڑاؤں گا کیونکہ میں تجھ سے محبت رکھتا ہوں اور ایک محب اپنے حبیب ہی سے شغف رکھتا ہے اور اس کے غیر میں نہیں پڑتا۔"

فائدہ:۔ اللہ تعالیٰ کی محبت کے بارے میں بکثرت اخبار و آثار ہیں کہ وہ گنتی میں نہیں آسکتے اور یہ ظاہر ہے اگر

پوشیدہ ہے تو صرف محبت کے معنوں کی تحقیق کے لحاظ سے ہے اسی لئے اب ہم اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

حقیقت محبت اور اس کے اسباب

اس امر کی تحقیق خدا کے ساتھ بندے کی محبت ہونے کے کیا معنی ہیں جب تک ۲ مطلب ر ح نہ ہوگا اس وقت تک محبت کی حقیقت بیان نہ کی جاسکے گی کیونکہ معرفت اور ادراک کے بغیر ت ہوسکتی ہی نہیں اس لئے کہ اسی چیز سے ہی انسان محبت کرتا ہے جسے پہچانتا ہے اس لحاظ سے جمادات کو اس ت سے موصوف نہیں کرسکتے بلکہ یہ خاصیت تو زندہ اور ادراک رکھنے والے کی ہے۔

اقسام مدرکات:۔ مدرکات کئی قسم ہیں چند ایک ملاحظہ ہوں۔ (1) ادراک کرنے والے کی طبیعت کے موافق اور لذت دینے والے ہوتے ہیں۔ (2) اس کی طبیعت کے خلاف ہیں بلکہ ضرر پہنچانے والے ہوتے ہیں (3) ان میں لذت پہنچانے کا اثر اور تکلیف دینے کا اثر کچھ بھی نہیں ہوتا۔

فائدہ:۔ ان تینوں اقسام میں سے جن کے ادراک سے مدرک کو لذت اور راحت حاصل ہو' وہ اس کے نزدیک محبوب ہوتے ہیں اور جن ادراکات سے مدرک کو رنج ہو وہ اس کے نزدیک برے ہوتے ہیں۔

فائدہ:۔ وہ ادراکات جن کے ادراک کے بعد مدرک کو نہ رنج پہنچے اور نہ ہی راحت ہو تو ایسے ادراک کو مدرک کے نزدیک نہ تو محبوب کہہ سکتے ہیں اور نہ ہی مبغوض۔

محبوب ہونے کا معنی:۔ ہر ایک لذت والی چیز لذت پانے والے کے نزدیک محبوب ہوتی ہے اور اس چیز کے محبوب ہونے کا معنی یہ ہے کہ اس کی طرف طبیعت کا میلان ہو۔

مبغوض کے ہونے کا معنی:۔ یہاں مبغوض ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اسے اس چیز سے نفرت ہے۔

عشق و محبت:۔ محبت اس کا نام ہے کہ جس سے لذت ملتی ہے اس کی طرف طبیعت میں میلان ہے جب طبیعت کا یہی میلان قوی اور پختہ ہوجاتا ہے تو عشق کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

نفرت و بغض:۔ یونہی بعض طبیعت کی نفرت کو رنج و مصیبت کہتے ہیں مگر جب یہی نفرت شدید ہوجاتی ہے تو پھر اس شدید نفرت کو رنج و مصیبت کہتے ہیں مگر جب یہی نفرت شدید ہوجاتی ہے تو پھر اس شدید نفرت کو بغض یعنی مقت کہتے ہیں۔ یہ محبت کے معنی ہیں جنہیں جاننا ضروری ہے۔

فائدہ:۔ اس معاملہ میں اہم امر یہ ہے چونکہ محبت ادراک و معرفت کے تابع ہے تو اقسام مدرکات اور حواس کے لحاظ سے بھی اس کی تقسیم ہوگی کیونکہ ہر حس کیلئے مدرکات میں سے ایک خاص قسم کی چیز کا ادراک ہوتا ہے اور ہر ایک کو بعض مدرکات سے لذت ہوتی ہے اور اسی لذت کی وجہ سے طبیعت کو اس چیز کی طرف میلان ہوتا ہے تو طبع

سلیم کے نزدیک وہ چیز محبوب ہوتی ہے۔

مختلف اعضاء کی لذت:۔ مثلاً آنکھ کی لذت دیکھنے کی چیزوں میں ہوتی ہے کہ اچھی اشیاء اور ملیح صورتوں کو دیکھنے سے' دل کی لذت دل لبھانے والے گیتوں اور فرحت انگیز آوازوں میں ہے۔ ناک کی لذت اعلیٰ قسم کی خوشبوؤں میں اور ذائقے کی لذت لذیذ غذاؤں میں' لذت لمس نرمی اور نزاکت میں ہے۔ یہ مدرکات چونکہ لذت بخشتے ہیں تو اس لئے محبوب ہیں۔ طبع سلیم کو ان اشیاء کی طرف رغبت ہوتی ہے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا ہے کہ

حب الی من دنیاکم ثلث الطیب والنساء وقرۃ عینی فی الصلوۃ

میرے نزدیک تمہاری دنیا سے تین چیزیں محبوب ہوئی ہیں' خوشبو' عورتیں اور میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

فائدہ:۔ اس حدیث پاک میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خوشبو کو محبوب فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ اس سے آنکھ' کان کو تو کچھ بھی فائدہ نہیں ہے بلکہ صرف سونگھنے کی حس کو ہے اور عورتوں کو محبوب فرمایا حالانکہ عورتوں سے سونگھنے وغیرہ کو بالکل حصہ نہیں ہے بلکہ بینائی اور لمس کو ہے اور نماز کو خنکی چشم فرمایا ہے اور اسے سب سے زیادہ محبوب ارشاد فرمایا ہے۔ ظاہر ہے کہ نماز سے حواس خمسہ کو تو کچھ بھی فائدہ نہیں ہے بلکہ ایک چھٹی حس کو جو دل کے ماتحت ہے اس کا ادراک اسی کو حاصل ہے جس کا دل ہو جبکہ حواس خمسہ کی لذت میں تو انسان کے ساتھ ساتھ بہائم بھی شریک ہیں اگر محبت کو مدرکات حواس خمسہ پر منحصر کر کے کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ حس سے مدرک نہیں ہوتا اور خیال میں صورت نہیں پکڑتا اس بناء پر اس کی محبت بھی نہیں ہو سکتی تو اس صورت میں خاصیت انسان بے کار ٹھہرے گی۔

بصیرت باطنی:۔ وہ چھٹی حس کہ اسی کی وجہ سے ہی انسان حیوانوں سے ممتاز ہے جسے عقل یا نور یا قلب یا اسی طرح کا کوئی اور لفظ کہہ سکتے ہیں یہ چھٹی حس لغو ہو جائے گی حالانکہ یہ امر بعید ہے کیونکہ باطنی بصیرت ظاہر کی بینائی سے زیادہ قوی ہے۔ آنکھ کی پشت قلب کو زیادہ ادراک ہوتا ہے اور وہ معانی جو عقل سے مدرک ہوتے ہیں ان کا جمال بہ نسبت ظاہر کی صورتوں کو جو کہ نگاہ کو محسوس ہوتی ہیں۔ اس سے زیادہ ہے تو ضروری ہے کہ جن امور شریفہ ایسہ کو قلب انسانی ادراک کر لیتا ہے وہی امور حواس خمسہ سے معلوم نہیں ہو سکتے۔ قلب کو جو لذت ان کے ادراک سے میسر آتی ہے وہ کامل اور مکمل ہو اسی لئے طبع سلیم کا میلان اس کی جانب مضبوط تر ہو گا۔ اسی کا نام ہی محبت ہے۔ ایسی چیز کی طرف طبیعت کو رغبت ہو جس کے ادراک میں لذت ہو۔ عنقریب اس کی تفصیل بیان کی جائے گی۔ (انشاء اللہ) اس صورت میں اللہ تعالیٰ کی محبت کا وہی انکار کرے گا جو بہائم کے درجہ میں ہو گا اور ادراک حواس خمسہ سے مطلق آگے قدم نہیں رکھتا۔

قوی اور مضبوط دلیل:۔ یہ بدیہی بات ہے کہ اپنے نفس کو انسان محبوب جانتا ہے اور اس بارے میں بھی بالکل

شک نہیں ہے کہ کبھی کبھی انسان غیر کو بھی اپنے نفس کی خاطر محبوب سمجھتا ہے اور یہ امر کہ کسی غیر سے محبت صرف اپنی ذات کیلئے نہ ہو۔ اپنے نفس کی خاطر یہ بات ضعیفوں پر مشکل ہو گیا ضعیفوں کیلئے یہ بات ممکن نہیں ہے کہ انسان دوسرے سے صرف اسی کی خاطر محبت کرے اور اسے خود اس سے بالکل ہی بہرہ نہ ہو مگر حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی محبت ہو سکتی ہے اور موجود ہے اس لئے ہم محبت کے اسباب اور قسمیں بیان کرتے ہیں۔

محبت کے اسباب و اقسام:۔ یہ اسباب و اقسام بھی بہت ہیں چند ایک ملاحظہ ہوں۔

سبب نمبر 1 نفس و ذات کی محبت:۔ سب جانتے ہیں کہ تمام اشیاء سے اول محبوب شے اپنا نفس اور ذات ہے اور اپنے نفس کی محبت کا یہ مطلب ہے کہ اس کی طبیعت میں اپنے وجود سے دوام اور بقائی کی رغبت ہے اور عدم اور ہلاکت کی نفرت ہے کیونکہ بالطبع وہی چیز محبوب ہوا کرتی ہے جو محبت والے کے مناسب بھی ہو اور اپنے نفس کے دوام و بقاء سے کونسی چیز زیادہ موافق ہوگی اور سب سے بڑھ کر مخالف چیز اپنے عدم اور ہلاکت پر کیا ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ دوام وجود سے انسان محبت رکھتا ہے اور قتل و موت سے نفرت اس لئے کرتا ہے کہ اسے موت کے بعد کا خوف عذاب وغیرہ ہوتا ہے یا انسان جان کنی کے وقت کی تکلیف سے ڈرتا ہے بلکہ اگر بالفرض ایسے طریقے سے مرے کہ مرتے وقت نزع کی تکلیف بھی کسی قسم کی نہ ہو اور نہ ہی ثواب و عذاب کا کسی قسم کا تردد ہو پھر بھی مرنے کیلئے راضی نہ ہوگا بلکہ موت کو برا ہی جانے گا۔ ہاں! موت کو اس وقت محبوب جانے گا کہ بلا ٹل جائے اس وقت رنج کا نشانہ ہوگا اس لئے کہ جب کسی مصیبت میں پھنستا ہے تو یہ امر محبوب ہوتا ہے کہ بلا ٹل جائے اس وقت مرنے کو محبوب جانے گا اس لئے نہیں کہ وہ نیتی ہے بلکہ اس لئے محبوب جانے گا کہ نیست ہونے سے وہ بلا ختم ہو جائے گی۔

فائدہ:۔ نتیجہ نکلا کہ عموماً نیتی اور ہلاکت سے نفرت ہوتی ہے اور دوام وجود سے محبت جیسے دوام وجود محبوب ہے اس لئے کہ ناقص میں کمال نہیں ہے اور نقصان بھی کمال کی بہ نسبت نیتی ہے اور صفات کی اور کمال وجود کی نفرت کی شے ہے اور جیسا کہ صفات کمال نہ ہونے سے نفرت ہوتی ہے اسی طرح ہی ان کے ہونے کی وجہ سے محبت ہوتی ہے جس طرح کہ اصل وجود کا دوام محبوب ہوتا ہے اور خدا وحدہ لاشریک کی طرف سے یہ امر طبعی و جبلی ہے۔

درجات:۔ انسان کی ذات، اس کے لئے محبوب اول ہے اس کے بعد سلامتی اعضاء پھر مال' بعد ازاں اولاد' کنبہ اور دوست وغیرہ وغیرہ

وجوہات:۔ اپنے اعضاء کی سلامتی اس لئے محبوب ہے کہ وجود کا کمال اور اس کا دوام اعضاء کی سلامتی پر ہی موقوف ہے۔ مال بھی محبوب صرف اسی لئے ہی ہے کہ وہ بھی سامان دوام اور کمال وجود کا ہے۔ یونہی تمام اسباب کو جاننا چاہئے۔ ان اشیاء سے جو انسان محبت کرتا ہے تو خود ان کی ذات سے نہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی وجہ

سے دوام اور کمال اس کے اپنے وجود کا ہے یہاں تک کہ اگر وہ اپنے بیٹے کو بھی محبوب سمجھتا ہے تو اس میں کچھ اس کا فائدہ نہ ہو اور مختلف قسم کی تکلیفیں اٹھانی پڑیں۔ یہ سب کچھ صرف اس لئے کہ اپنے وجود کے عدم کے بعد وہی اس کا نائب ہوتا ہے تو اس طرح نسل کی بقاء میں بھی گویا اپنی طرح کی ہی بقاء ہے۔

(عام طور خودکشی کرنے والوں کا یہی خیال ہوتا ہے (معاذاللہ) اویسی غفرلہ

چونکہ اپنی بقاء کا لالچ ہمیشہ ممکن نہیں جبکہ محبت بقاء شدت سے ہوتی ہے تو اپنی بقاء کے بدلے میں انسان ایسے شخص کی بقاء چاہتا ہے جو اس کا قائم مقام ہوسکے اور وہ اس کا بیٹا ہی ہے۔ یوں سمجھیں کہ وہ بیٹا بھی اسی کا ایک ٹکڑا ہے (اور وہ بھی جگر کا جیسے حدیث شریف میں ہے)

باپ اور بیٹا:۔ اگر کسی کو یہ کہا جائے کہ تو اپنے قتل کو اختیار کرلے یا اپنے بیٹے کا قتل' تو اس صورت میں اگر اس کی طبیعت اعتدال پر ہو تو وہ اپنی بقاء چاہے گا۔ اس لئے کہ ہرچند اولاد کا باقی رہنا بھی من وجہ اپنی بقاء ہے مگر بعینہ اپنی بقاء کی طرح نہیں۔

حب مال و عیال اور اعزہ و اقارب:۔ محبت عزیزواقارب اور مال و متاع کی بھی اپنے نفس کے کمال کی محبت کی وجہ سے ہوتی ہے کیونکہ عزیزواقارب کی وجہ سے اپنے نفس کو بہت اور مضبوط سمجھتا ہے ان کے کمال کی وجہ سے ہی اپنا فخر جانتا ہے کیونکہ مال و عیال اور اسباب خارجی انسان کے حق میں بازوؤں کی طرح ہیں ان سے انسان کی تکمیل ہوتی ہے اور وجود کا کمال و دوام بلاشبہ طبعاً" محبوب ہوتا ہے۔

فائدہ:۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر بندے کے نزدیک اس کی اپنی ذات' کمال ذات اور ان کا دوام ہی محبوب ہے اور اس کے برعکس مکروہ ہے پس یہ محبت کا پہلا سبب ہوا ہے۔

احسان محبت کا دوسرا سبب:۔ محبت کا دوسرا سبب احسان ہے۔ بندہ احسان تو انسان مشہور ہے اور دلوں کی سرشت میں یہ بات ہے کہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں اور برائی کرنے والے کے ساتھ دشمنی رکھتے ہیں۔

حدیث شریف:۔ اللھم لا تجعل الفاجر علی یدا فعیبه قلبی یااللہ! کسی بدکار کی نعمت (کا احسان) میرے اوپر نہ کر کہ اس کے سبب میرا دل اس سے محبت کرے۔

فائدہ:۔ اس حدیث شریف میں اشارہ ہے کہ احسان کرنے والے کے لئے محبت قلبی اضطراری ہوتی ہے جسے ٹالا نہیں جاسکتا اور حقیقت یہ ہے کہ یہ امر طبعی اور فطری ہے کہ اسے بدلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ کبھی کبھی انسان ایسے شخص سے بھی محبت کرتا ہے جو کچھ بھی اس سے رشتہ اور تعلق نہیں رکھتا اسی سبب پہ اگر غور کیا جائے تو اس کا مال بھی پہلے ہی سبب کی طرف ہے۔

شک نہ :- یہی وجہ ہے کہ محسن اس شخص کو کہا جاتا ہے جو مال اور دوسرے اسباب سے اپنی مدد کرے۔ اب لازم ہے کہ اس احسان کی وجہ سے یا دوام وجود یا کمال حاصل ہو یا لذتیں حاصل ہوں جن سے وجود تیار ہوتا ہے۔

فائدہ :- یہ فرق ہے کہ محبت اعضاء تو اس لئے ہوتی ہے کہ ان سے وجود کا کمال ہے تو خود اعضاء ہی بعینہ کمال مطلوب میں داخل ہیں مگر محسن عین کمال مطلوب کا بالکل نہیں ہوتا بلکہ کبھی کبھی تو سبب کمال ہوا کرتا ہے جس طرح کہ کبھی اعضاء کی صحت کے دوام کا ہوا کرتا ہے۔ پس محبت صحت اور محبت طبیب میں فرق ہوتا ہے کیونکہ صحت تو خود مطلوب بالذات ہے جبکہ طبیب اپنی ذات کی وجہ سے محبوب نہیں ہے بلکہ اس کے محبوب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ طبیب سبب صحت ہے یونہی علم اور استاد دونوں چیزیں ہی محبوب ہیں مگر علم بالذات محبوب ہے جبکہ استاد اس لئے محبوب ہے کہ وہ علم کا سبب ہے۔ روپیہ پیسہ بھی محبوب ہے۔ غذا تو بالذات محبوب ہے جبکہ نقدی غذا کا وسیلہ ہونے کی بناء پر محبوب ہے پس اگر ان دونوں محبتوں میں فرق ہے تو رتبہ و مقام کا فرق ہے ایک اول ہے ایک اس کے بعد ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اپنے نفس کی محبت دونوں میں ہی پائی جاتی ہے۔ یعنی جو شخص محسن سے محبت اس کے احسان کی وجہ سے رکھتا ہے تو وہ اس کی ذات کا محب نہیں ہے بلکہ وہ محسن کے احسان کو محبوب رکھتا ہے جبکہ احسان محسن کے افعال میں سے ایک فعل ہے اگر محسن وہ فعل سرانجام نہ دے تو محبت ختم ہوجائے گی خواہ اس کی ذات باقی بھی رہے اور اگر فعل احسان میں کمی واقع ہوجائے تو اس کی محبت میں بھی واقع ہوجائے گی اگر احسان زیادہ ہوجائے تو اس کی محبت میں بھی اضافہ ہوجائے گا۔ اس محبت کی کمی بیشی کا انحصار احسان کی کمی بیشی پر ہے۔

سبب نمبر 3 ذات کی وجہ سے محبت :- محبت کا تیسرا سبب یہ ہے کہ کسی چیز کو اس کی وجہ سے محبوب سمجھے۔ محبوب اس لئے نہ سمجھے کہ اس سے فائدہ ہوتا ہو بلکہ اس کی ذات ہی عین فائدہ ہو۔ اسی محبت کو ہی حقیقی محبت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اس طرح کی محبت کا ہمیشہ رہنے کا اعتماد ہوتا ہے مثلاً حسن و جمال کی محبت کہ ہر ایک جمال مدرکین جمال کے نزدیک محبوب ہوتا ہے اور یہ محبت صرف اور صرف جمال کی وجہ سے ہی ہے اس لئے کہ اس میں اوراک جمال ہی عین لذت ہے اور خود لذت ہی بالذات محبوب ہوتی ہے کسی اور وجہ سے نہیں۔ یہ گمان بالکل نہیں کرنا چاہئے کہ اچھی صورتوں کی محبت' قضائے شہوت اور تمنا کے سوا ممکن ہی نہیں کیونکہ خواہش اور تمنا کو پورا کرنا دوسری لذت ہے۔ اس کے لئے بعض اوقات صورتوں کو محبوب سمجھا کرتے ہیں جبکہ جمال تو خود بھی لذیذ ہے اس لئے ممکن ہے کہ خود محبوب بالذات ہو مثلاً سبزہ اور جاری پانی بھی محبوب ہے اس لئے نہیں کہ ان سے کھانے پینے کا فائدہ ہو یا کوئی اور حظ دیکھنے کے علاوہ ملتا ہو۔ سرکار مدینہ سرور سینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سبزہ اور آب رواں اچھا معلوم ہوا کرتا تھا اور طبائع سلیمہ سب کے سب نظر کرنا غنچوں' پھولوں' خوبصورت جانوروں' عمدہ گل بوٹوں اور اچھے نقشوں کی طرف باعث لذت جانتے ہیں۔ یہاں تک کہ آدمی ان سے اپنا غم غلط کرتے ہیں اور انہیں دیکھ کر پریشانیاں دور کرتے ہیں۔ پس یہ چیزیں لذت پہنچانے والی ہیں اور ہر چیز جو [illegible] ہوتی ہے محبوب ہوتی ہے اور کوئی

بھی حسن و جمال ایسا نہیں ہے کہ اس کے ادراک میں لذت و سرور نہ ہو اور نہ کسی کو جمال کے محبوب ہونے میں کسی قسم کا انکار ہے۔ اب اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ صاحب جمال ہے تو یہ بات صاف ظاہر ہے کہ جس شخص پر بھی اللہ تعالیٰ کا جمال کھل جائے اس کے نزدیک وہ بلاشبہ محبوب ہو گا جیسا کہ حدیث نبوی میں آیا ہے کہ

ان اللہ جمیل و یحب الجمال

اللہ تعالیٰ صاحب جمال ہے اور جمال والے سے محبت رکھتا ہے۔

سبب 4 حسن و جمال :- یہاں حسن و جمال کا مطلب بیان کرنا ضروری ہے۔ واضح رہے کہ جو لوگ خیالات و محسوسات کی مجلس میں قید ہیں وہ اکثر یہی جانتے ہیں کہ صرف اسی کا نام حسن و جمال ہے کہ متناسب پیدائش اور شکل درست عمدہ سفید سرخ رنگ' قد کشیدہ وغیرہ باتیں ہوں جن سے کہ وصف سراپا انسان کیا کرتے ہیں۔ اس کی صرف یہ وجہ ہے کہ حسن غالب خلق پر وہی ہے جو کہ نظروں سے آئے۔ اکثر ان کا التفات اشخاص کی شکل و شباحت پہ ہوتا ہے اسی لئے گمان کرتے ہیں کہ جو چیز نظر آئے ان کا التفات اکثر اشخاص کی صورت پہ ہوتا ہے۔

اعتراض منکرین :- جو شے نظر نہ آئے' اس کی شکل بھی نہ ہو' اس کی طرف خیال بھی نہ جم سکے اور نہ ہی اس کا رنگ ڈھنگ ہو اس کا حسن و جمال' اس کا تو حسن ممکن ہی نہیں ہے اور جب اس کا حسن ممکن نہ ہو تو (صاف ظاہر ہے کہ) اس کے ادراک میں لذت بھی نہیں ہو گی، یہی وجہ ہے کہ وہ چیز محبوب بھی نہیں ہو سکتی۔

رد اعتراض :- ان لوگوں کی یہ بہت بڑی غلطی ہے کیونکہ آنکھ کے محسوسات' تناسب پیدائش سفیدی و سرخی رنگ پر ہی حسن منحصر نہیں ہے۔ مثلاً ہم کہتے ہیں کہ یہ تحریر خوبصورت ہے یہ آواز اچھی ہے یہ گھوڑا خوبصورت ہے بلکہ یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ یہ کپڑا اور یہ برتن اچھا ہے پس یاد رکھیں اگر حسن کے معانی صرف صورتوں میں ہی محدود رکھے جائیں تو پھر آواز اور خط کے حسن کے کیا معنی ہوں گے کیونکہ یہ تو حقیقت ہے اور واضح ہے کہ اچھے خط سے بھی لذت حاصل ہوتی ہے اور عمدہ گیتوں سے کانوں کو اور جتنے بھی مدرکات حواس کے ہیں وہ تمام یا تو اچھے ہیں یا برے ہیں پس وہ معنی حسن کے کون سے ہیں جس میں یہ تمام چیزیں مشترک ہیں انہیں بیان کرنا ضروری ہے۔ یہ بحث بڑی لمبی ہے علم معاملہ کے شایان شان ہرگز نہیں ہے کہ اس میں طوالت اختیار کی جائے ہاں البتہ جو حق ہے وہ تصریح کئے دیتے ہیں کہ ہر ایک چیز کا جمال اور حسن اس امر سے ہوتا ہے کہ اس کے لائق جتنا کمال ہوتا ہے اور ممکن ہو سکتا ہے وہ اس میں آجائے تو جب تمام کمالات اس میں اکٹھے ہو جائیں تو وہ چیز بہت خوبصورت ہو گی اور اگر بعض کمالات اس میں ہوں تو ان کمالات کی نسبت پر اس میں حسن و جمال بھی ہو گا۔ جیسے گھوڑا وہ خوبصورت ہوتا ہے جو جتنی بھی باتیں خوبی والی ہوتی ہیں وہ تمام خوبیاں اس گھوڑے میں پائی جائیں یعنی شکل و صورت' رنگ' خوش رفتاری' خوش لگامی' دوڑنا وغیرہ اس میں تمام خوبیاں پائی جائیں۔ خوش نویسی کے متعلق جس میں تمام خوبیاں پائی جائیں مثلاً متناسب ہونا' حروف کا اور مقابلہ کششوں کا اور راستی نشست' درستی کرسی اور خوبی دوائر وغیرہ ہر شے کیلئے

ایک کمال ہوتا ہے جو کہ اس کے لائق ہوتا ہے جبکہ دوسری شے میں بسااوقات کمال اس کی چند شان شایاں ہوا کرتا ہے۔

فائدہ:۔ معلوم ہوا کہ ہر چیز کا کمال اس کے حسن میں ہوگا جو کہ اس کے شایان ہے مثلاً گھوڑے کو جن خوبیوں کی وجہ سے اچھا کہا جاتا ہے انہیں خوبیوں کی بنا پر آدمی کو اچھا نہیں کیا جائے گا۔ خط جن خوبیوں کی وجہ سے عمدہ کہلائے گا انہیں خوبیوں کی بناء پر گھوڑا عمدہ نہیں کہلائے گا جن خوبیوں کی بناء پر برتن اچھا کہلائے گا ان خوبیوں کی بناء پر کپڑے اچھے نہیں ہوں گے۔ یونہی تمام چیزوں کو سمجھنا چاہیے۔

سوال:۔ یہ تمام چیزیں گو سب کی آنکھ سے محسوس نہیں ہوتیں جیسے آواز' ذائقہ اشیاء' مگر کسی نہ کسی حس سے مدرک ہوتی ہے تو محسوسات میں داخل رہیں محسوسات سے تو حسن و جمال کا انکار نہیں ہے اور نہ ہی اس سے انکار ہے کہ محسوسات کے ادراک سے لذت حاصل نہیں ہوتی بلکہ انکار تو حسن و جمال کا ایسی اشیاء سے ہے جو کہ حواس سے مدرک نہیں کی جاسکتیں؟

جواب:۔ کہ حسن و جمال محسوسات میں ہی منحصر نہیں ہے بلکہ حسن و جمال تو غیر محسوسات میں بھی ہے مثلاً کہا جاتا ہے کہ یہ خلق و حسن ہے اور علم اچھا ہے اور یہ عادت اچھی ہے اور یہ اخلاق جمیلہ ہیں اور مراد ان سے علم' عقل' عفت' شجاعت' تقویٰ' کرم' مروت اور تمام اچھی عادات ہیں ان میں سے کوئی بھی ایسی نہیں ۔ہے جسے حواس خمسہ کے ذریعے مدرک کیا جاسکے' بلکہ یہ تمام چیزیں باطنی نور بصیرت سے معلوم ہوتی ہیں اور یہ تمام صفتیں محبوب ہیں جو شخص بھی ان صفات سے متصف ہو وہ شخص بھی طبعی طور پر محبوب ہوتا ہے اس شخص کے نزدیک جو اس کی ان صفات سے واقف ہو' مثلاً طبیعت میں یہ امر طبعی ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے محبت کریں۔ صحابہ کرام کو بھی محبوب جانیں حالانکہ ان میں سے ہم نے کسی کو بھی نہیں دیکھا یونہی آئمہ مذہب مثلاً حضرت امام اعظم ابوحنیفہ و حضرت امام شافعی و حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہم اجمعین وغیرہم کی محبت ہے۔ انسان بھی اپنے امام کی محبت عشق سے بھی زیادہ کرتا ہے۔ اسی محبت کی وجہ سے ہی اپنا سب کچھ ہی اپنے مذہب کی محبت و حفاظت کیلئے خرچ کر ڈالتا ہے جو اس کے امام پر جو بھی طعن کرتا ہے تو وہ اسے مارنے کیلئے تیار ہوجاتا ہے ارباب مذاہب میں مذہب کی مدد کی خاطر بہت خون خرابہ ہوتا رہتا ہے اور ہمیں معلوم نہیں کہ جو شخص حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے محبت کرتا ہے وہ ان سے محبت کیوں کرتا ہے؟ حالانکہ حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی صورت مبارک اس نے کبھی بھی نہیں دیکھی اگر بالفرض محال صورت دیکھ لیتا تو ہوسکتا وہ شکل و صورت پسند نہ کرتا تو ان کی پسندیدگی جس نے افراط محبت پہ آمادہ و تیار کیا ہے وہ ظاہری صورت کی وجہ سے ہرگز نہیں ہے کیونکہ وہ ظاہری صورت تو ہماری آنکھوں سے اوجھل ہوگئی کیونکہ وہ حضرات عالم برزخ میں اپنے مزارات میں آرام فرما ہیں بلکہ یہ محبت باطنی صورت کی وجہ سے ہے یعنی دینی صفات مثلاً تقویٰ' کثرت علم' طریق دین سے واقف ہونا' شرعی تعلیم کیلئے ہمت کرنا اور عالم میں

منتشر کرنا خیرات وغیرہ کا اور یہ باتیں اس قسم کی ہیں کہ بغیر نور بصیرت کے ان کا جمال معلوم نہیں ہو سکتا۔ ان کو ادراک کرنے سے حواس قاصر ہیں۔ اسی طرح جو شخص سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت رکھتا ہے وہ آپ کو دوسرے صحابہ کرام پہ فضیلت دیتا ہے یا جو شخص حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت کرتا ہے۔ وہ انہیں تمام صحابہ کرام سے افضل مانتا ہے وہ ان کے باب میں تعصب کرتا ہے تو وہ شخص انہیں صرف باطنی امور کی بنا پر محبوب جانتا ہے یعنی علم' دین' تقویٰ و پرہیزگاری اور کرم وغیرہم کی وجہ سے کیونکہ یہ تو ظاہر ہے کہ مثلاً جو شخص حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت رکھتا وہ آپ کے گوشت پوست ہاتھ' پاؤں' استخوان اور شکل و صورت کی بنا پر محبت نہیں کرتا کیونکہ یہ چیزیں تو سب متبدل ہو گئیں باقی صفات وہی ہیں جن کی وجہ سے صدیق کہلاتے تھے یعنی محمود صفتیں جو کہ آپ کی عادات حسنہ کی مصادر تھیں انہیں صفتوں کی باقی رہنے کی وجہ سے محبت بھی باقی ہے گو صورتیں نہیں اور ان صفات جن کا انجام صرف دو چیزوں علم و قدرت پر ہی رجوع کرتا ہے کہ حقائق کو آپ نے جانا اور اس باب پہ قدرت حاصل کی کہ اپنی شہوات نفس کو دبا کر اسے متحمل ان اوصاف جمیلہ کا کیا اسی علم و قدرت سے ہی تمام نیک عادات متفرع ہوتی ہیں اور یہ دونوں صفتیں حس کی وجہ سے محسوس نہیں ہوتیں اور محل ان دونوں کا تمام جسم میں سے ایک جزو لا یتجزیٰ ہے جو حقیقتاً محبوب ہے اور اس جگہ لا یتجزیٰ جزو کی شکل و صورت اور رنگ نہیں جو آپ کو بھائی دے کہ سوجھنے کی جہت کی وجہ سے محبوب قرار دیا جاسکے تو لازم ہے کہ اس کی محبت بغیر کسی ذریعہ کے محض حواس سے ہی محسوس ہو کہ سیرو عادات میں جمال تو موجود ہے اور اگر علم و بصیرت کے بغیر ہی سیرت جمیلہ صادر ہوتی تو جب محبت نہ تھی۔

فضیلت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ :- ضدی و ہٹ دھرم تو ماننے کا نہیں مگر ان روایات کو انصاف کی نظر سے مطالعہ فرمائیں تو انشاء اللہ حقیقت ضرور واضح ہو جائے گی۔ حدیث نمبر1 حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا انسانوں میں سب سے زیادہ جس شخص نے میرا ساتھ دیا اور میری خدمت میں اور میری خوشنودی میں اپنا وقت اور اپنا مال سب سے زیادہ لگایا وہ ابو بکر ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)

(2) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (ایک دن) یوں ارشاد فرمایا "تم میرے یار غار ہو اور حوض کوثر پر میرے مصاحب ہو گے۔ (ترمذی شریف) (3) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "جس قوم و جماعت میں ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) موجود ہوں اس کے لئے موزوں نہیں ہے کہ اس کی امامت ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے علاوہ کوئی دوسرا شخص کرے (ترمذی شریف) (4) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ (ایک دن) حضرت ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے فرمایا "تم دوزخ کی آگ سے اللہ کے آزاد کردہ ہو" اسی دن ان کا نام "عتیق" پڑ گیا۔ (ترمذی شریف) (5) حضرت ابن عمر رضی

اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "ان لوگوں کا سب سے پہلا شخص میں ہوں گا جو زمین سے باہر نکلیں گے (قیامت کے دن جب تمام مخلوق اپنی اپنی قبروں سے اٹھ کر میدان حشر میں آئے گی تو سب سے پہلے میری قبر شق ہو گی اور اپنی قبر سے اٹھنے والا سب سے پہلا شخص میں ہوں گا) میرے بعد ابوبکر اور ان کے بعد عمر (اپنی اپنی قبروں سے اٹھیں گے پھر میں بقیع قبرستان کے مدفونوں کے پاس آؤں گا اور انہیں ان کی قبور سے اٹھا کر میرے ساتھ جمع کیا جائے گا اور پھر میں مکہ والوں کا انتظار کروں گا تا آنکہ مجھے حرمین یعنی اہل مکہ اور اہل مدینہ کے درمیان میدان حشر میں پہنچایا جائے گا۔ (ترمذی شریف) (6) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جبرائیل میرے پاس آئے اور میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور پھر مجھے انہوں نے جنت کا وہ دروازہ دکھایا جس سے میری امت کے لوگ جنت میں داخل ہوں گے"

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (یہ سن کر) عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! میرے دل میں یہ حسرت بھری خواہش مچل رہی ہے کہ کاش اس وقت میں آپ کے ساتھ ہوتا تو مجھے بھی جنت کا وہ دروازہ دیکھنا نصیب ہو جاتا"

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "ابوبکر! آگاہ رہو کہ میری امت میں سے جو لوگ جنت میں داخل ہوں گے ان میں سب سے پہلے شخص تم ہی ہو گے (ابوداؤد شریف' مشکوۃ شریف) (7) سیدنا حضرت عمرفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ قال ابوبکر سیدنا وخیرنا واحبنا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمارے سردار ہیں (علم و عمل اور کارخیر کے اعتبار سے) ہم سب سے افضل ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ چہیتے ہیں۔ (ترمذی شریف) (8) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ہم یعنی صحابہ کرام نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں (صحابہ کرام میں سے) کسی کو بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے برابر نہیں سمجھتے تھے۔ (بخاری شریف) (9) حضرت محمد ابن حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند) کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد ماجد (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے پوچھا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کون شخص سب سے افضل ہے؟ تو انہوں نے (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے فرمایا حضرت ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) (بخاری شریف) (10) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جس نے دنیا میں نماز پڑھی وہ قیامت کو نماز کے دروازے سے بہشت میں جائے گا جس نے دنیا میں روزے رکھے وہ قیامت میں ریان کے دروازہ سے جنت میں جائے گا" صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر قربان! کیا آپ کی امت میں کوئی ایسا شخص بھی ہے جس کے لئے یہ تمام دروازے کھلے ہوں؟ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہاں! تیرے لئے تمام دروازے کھلے ہیں (بخاری شریف' ترمذی شریف)

خلاصہ بحث :- کلام یہ ہے کہ محبوب مصدر سیرت ہے اور وہ اعلیٰ اخلاق اور فضائل مبارک ہیں اور ان تمام کا نتیجہ

کمال علم و قدرت کی طرف ہی رجوع کرتا ہے اور یہی طبعی طور پر محبوب ہے اور حواس سے مدرک نہیں ہے۔

بھلائی اور برائیاں:۔ ایک لڑکا جو کہ اپنی طبیعت پہ چھوٹا ہوا ہو۔ ہم اگر اس کے نزدیک کسی غائب یا حاضر' زندہ یا مردہ کو لڑکے سے محبت کرنا چاہیں تو اس سلسلے میں ہمارے پاس سوائے اس کے کوئی راہ نہیں ہے کہ اس بچے کے سامنے اس شخص کے اوصاف بیان کرنے میں مبالغہ سے کام لیا جائے اس کی شجاعت' کرم' علم اور تمام اس کی عمدہ صفات اس کے سامنے طوالت کے ساتھ بیان کریں۔ اس کا اعتقاد جب اسے ہوجائے گا تو وہ بے اختیار محبت کرنے لگے گا اس سے نہ ہوسکے گا کہ وہ محبت نہ کرے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی محبت اور ابو جہل و شیطان ملعون کا بغض لوگوں کے دل میں اسی طرح جمع کریں کہ صحابہ کرام کی بھلائیاں اور ان دونوں مردودوں کی برائیاں بہت زیادہ سنیں اور یہ محاسن اور برائیاں وہی ہیں جو کہ حواس سے معلوم نہیں ہوتیں بلکہ جب لوگوں نے حاتم طائی کی سخاوت کی تعریف بیان کی اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہادری سے موصوف کیا تو دلوں میں ان کی محبت خواہ مخواہ ہوگئی یہ محبت نہ تو ظاہری صورت کی طرف دیکھنے کی وجہ سے ہوئی اور نہ ہی محب کو کسی قسم کا فائدہ پہنچنے کی وجہ سے ہوئی۔

بادشاہ کی مثال:۔ بلکہ کسی بادشاہ کی جب سیرت' عدل' احسان اور صدقہ و خیرات کرنے کی تعریف بیان کی جائے تو گو وہ اتنا دور ہو کہ اس کے احسان کا محبوب تک آنا زیادہ مسافرت کی وجہ سے نہ ہوسکتا ہو مگر پھر بھی اس کی محبت لوگوں کے دلوں میں ہوجاتی ہے۔

ذات کی وجہ سے محبوب:۔ اس سے معلوم ہوگیا کہ محبت میں یہ ضروری نہیں ہے کہ محبوب پہ کچھ احسان ہی ہوا ہو' بلکہ محسن اپنی ذات کی وجہ سے ہی محبوب ہوتا ہے اگرچہ اس کا احسان کبھی بھی محب تک نہ پہنچ سکے۔ اس لئے کہ ہر ایک حسن و جمال محبوب ہے۔

صورت کی اقسام:۔ صورت کی دو قسمیں ہیں۔

(1) صورت ظاہری (2) صورت باطنی

حسن و جمال دونوں صورتوں میں ہی ہوا کرتا ہے۔ ظاہری صورتیں تو ظاہری آنکھ سے نظر آتی ہیں اور باطنی صورتیں باطنی بصیرت سے معلوم ہوتی ہیں۔

جسے باطنی بصیرت میسر ہی نہ آئی ہو وہ باطنی صورتیں نہیں دیکھ سکتا نہ ہی لذت حاصل کرسکتا ہے اور نہ ہی محبت و میل رکھے گا اور جس کی باطنی بصیرت جو کہ اس کی ظاہری نسبت کو غالب ہو۔ وہ معانی باطنی ہی کو ظاہری معنی سے زیادہ محبوب جانے گا۔

جمال ظاہر و جمال باطنی:۔ پس اگر ایک شخص ظاہری جمال کی وجہ سے کسی دیوار کے نقش سے محبت کرے اور

دوسرا شخص باطنی جمال کی وجہ سے کسی نبی سے محبت رکھے تو ان دونوں محبتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

سبب 5 محبت خفیہ مناسبت :- یہ مناسبت محبت کا پانچواں سبب خفیہ مناسبت ہے۔ صرف محب اور محبوب میں ہوتی ہے۔ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ دو افراد میں پختہ محبت ہو جایا کرتی ہے یہ محبت کسی جمال یا فائدے کی وجہ سے نہیں ہوا کرتی بلکہ مجرد روحوں کے تناسب کے محض ارواح کی مناسبت سے حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فما تعارف منها ائتلف وما تناکر منها اختلف جو ان میں آشنا ہوئے اور آپس میں الفت کرنے لگے اور جو آشنا رہیں وہ جدا ہوئیں۔

فائدہ :- اسے ہم نے کتاب آداب محبت (احیاء العلوم) میں بیان کیا ہے۔ یہ بھی اسباب محبت کے عجائبات سے ہے۔

اقسام محبت کے پانچ اسباب کا خلاصہ :- محبت کی تمام اقسام کے اسباب صرف پانچ ہی ہیں جو اوپر مفصل مذکور ہوئے ان کا خلاصہ یہ ہے۔

(1) انسان کی محبت اپنے وجود کے کمال و بقا سے

(2) محبت اپنے محسن کی ایسی چیزوں میں جن سے اپنے وجود کا دوام پایا جائے۔ (3) بقا وجود اور مہلکات کو دور کرنے کے سلسلے میں مدد ملے۔

(4) ایسے شخص کی محبت جو بذات خود جمال والا ہو۔ وہ صورت ظاہری ہو یا باطنی۔

(5) ایسے شخص سے محبت کہ محب اور محبوب میں خفیہ مناسبت باطن میں ہو۔

فائدہ :- اگر یہ تمام اسباب ایک ہی ذات میں اکٹھے ہو جائیں تو بلاشبہ محبت دوبالا ہو جائے گی مثلاً اگر کسی شخص کا ایسا بیٹا ہو جو خوبصورت، خوش خلق، علم میں یکتا، تدبیر میں اچھا، لوگوں سے نیک سلوک کرنے والا اور باپ کا خدمت گزار تو صاف ظاہر ہے کہ ایسے بیٹے سے باپ کو بہت زیادہ محبت ہو گی اور قوت محبت ان اسباب کے اکٹھا ہونے کی وجہ سے اسی قدر زیادہ ہونی چاہیے جس قدر کہ یہ خوبیاں قوی ہوں اگر کسی شخص میں یہ صفتیں بدرجہ کمال ہوں تو پھر محبت بھی اعلیٰ درجے کی ہو گی۔

محبت کا حق صرف ذات حق تعالیٰ کا ہے :- مندرجہ بالا اسباب محبت کا کمال ہو اور جمع ہونا سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات مقدسہ کے کسی اور میں نہیں ہو سکتا۔ اس لئے حقیقت یہ ہے کہ سب سے زیادہ مستحق محبت بھی پھر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا جو کوئی غیر اللہ سے کمال محبت کرے اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس کا تعلق نہ کرے تو یہ اس کی جہالت کی وجہ سے ہے یا قصور معرفت الٰہی سے ہے اور یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت عمدہ ہے اس لئے کہ محبت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عین محبت حق تعالیٰ ہے اور محبت علماء و اتقیاء کو بھی اسی

طرح سمجھنا چاہیے۔

]] محبت علماء سے انکار کرنا محرومی ہے اس لئے علمائے کرام کی عظمت پہ رکیک حملے کرنا خسران کے سوا کچھ نہیں کیونکہ علمائے حقانی کے بارے میں حق تعالیٰ کا فرمان ذیشان بھی ہے اس لئے علماء حقانی تو سیدالانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت سے انکار خصوصاً جب یہی انکار گستاخی تک پہنچ جائے تو ایسے ایمان کا کیا حال ہوگا۔ ایسا ایمان تو جہنم کے گڑھے میں لے جانے کا باعث ہے اللہ تعالیٰ ایسے ایمان سے محفوظ رکھے آمین۔

محبوب کا محبوب بھی محبوب ہوتا ہے:۔ یہ قاعدہ دورہ حاضرہ کے اہلسنت (بریلوی) میں مروج ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ محبوب کا محبوب اور اس کا رسول اور اس سے محبت کرنے والا سبھی محبوب ہوتے ہیں اور تمام کا انجام اصل کی محبت کی طرف رجوع کرتا ہے غیر کی طرف تجاوز نہیں کرتا تو حقیقت یہ ہے کہ اہل بصیرت کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور محبوب نہیں اور نہ ہی کوئی محبت کا مستحق ہے۔ اس کی تشریح یہ ہے کہ ہم نے جو پانچ اسباب بیان کئے ہیں ان کی طرف رجوع فرمائیں اور ثابت کردیں کہ وہ تمام اسباب حق تعالیٰ میں ہی جمع ہیں اور کسی بھی غیراللہ میں یکجا نہیں پائے جاتے کسی میں ایک ایک کسی میں دو اسباب پائے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ میں ان تمام کا ہونا حقیقی طور پر ہے اور دوسرے میں مجازی طور پر بلکہ وہ بھی محض وہم اور تخیل ہے کہ اس کی حقیقت کچھ بھی نہیں ہے (ہاں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام مظاہر حق ہیں)

خلاصہ کلام :۔ جب یہ امر ثابت ہوجائے تو بصیرت رکھنے والوں پہ واضح ہوجائے گا کہ جو بات بے عقلوں اور کمزور دل والوں نے سمجھی ہوئی ہے کہ "حقیقتاً محبت الٰہی محال ہے" یہ امر حقیقت کے خلاف ہے بلکہ تحقیق تو تقاضا کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے محبت نہ کی جائے۔

سبب نمبر1 دعوت غور و فکر:۔ سبب اول پہ غور فرمائیں یعنی انسان اپنے نفس کو محبوب جانتا ہے اور اسی کا دوام و کمال اور بقا چاہتا ہے اور ہلاک' نیستی' نقصان اور موانع کمال سے بغض رکھتا ہے۔ یہ تمام باتیں ہر ایک زندہ کی سرشت میں داخل ہیں اور ممکن ہی نہیں کہ کوئی بھی زندہ ان سے خالی ہو۔ حالانکہ یہی باتیں مقتضی نہایت محبت الٰہی کی ہے اس لئے کہ جو شخص بھی اپنے نفس کو اور اپنے رب کو پہچانتا ہے یقیناً وہ جانتا ہے کہ اس کا اپنا وجود اس کی اپنی طرف سے ہرگز نہیں بلکہ اس کی اپنی ذات کا وجود' دوام اور کمال تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اسی کی وجہ سے ہے تو وہی اس کا وجود بنانے والا اور وہی اسے دوام بخشنے والا اور وہی کمال صفات پیدا کرکے اسے کامل کرنے والا ہے۔ وہی کمال کی طرف پہنچنے کے اسباب پیدا کرتا ہے پھر اسباب کو استعمال کرنے کی ہدایت پیدا فرماتا ہے ورنہ (حقیقت تو یہ ہے کہ) بندہ اپنی ذات کی وجہ سے تو کچھ بھی وجود نہیں رکھتا محض محو وعدم ہے اگر حق تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے موجود نہ کرے اور بعد وجود کے بھی اس کا فضل شامل حال نہ ہو تو وہ ہلاک ہوجائے گا اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے کامل نہ کرے تو پھر بندہ تو ناقص رہ جائے گا غرضیکہ کوئی چیز بھی ایسی ہرگز نہیں ہے جسے اپنی ذات

سے ہی قیام ہو سوائے ذات حق تعالیٰ قیوم اور حی کے جو کہ بذات خود ہی قائم ہے اور اشیاء تو اس کی وجہ سے قائم ہیں پس عارف اگر اپنی ذات سے محبت رکھے گا تو ضرور ہے کہ وہ اس ذات سے محبت رکھے جس ذات سے اس کا وجود ہوا اور جس کی وجہ سے اس کے وجود کو دوام ہے بشرطیکہ اسے خالق، موجد، مخترع، باقی رکھنے والا، قائم بالذات اور دوسروں کو قائم رکھنے والا اور اگر ایسی صفات کی حامل ذات سے محبت نہ رکھے تو اپنے نفس سے بھی جاہل ہے اور رب تعالیٰ سے بھی جاہل ہے۔ اس لئے کہ محبت تو معرفت کا ثمر ہے (یاد رکھیں) جب معرفت نہ ہوگی تو (پھر) محبت بھی نہیں ہو سکتی۔ معرفت ضعیف ہوگی تو پھر محبت ضعیف ہی ہوگی اور اگر معرفت قوی ہوئی تو محبت بھی قوی ہوگی۔

معرفت حق تعالیٰ:- حضرت حسن رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ "جو شخص اپنے رب کو پہچانے گا وہ اس سے محبت کرے گا" اور جو شخص دنیا کو پہچانے گا اور اس میں زہد کرے گا تو کیسے خیال میں آسکتا ہے کہ آدمی اپنے نفس سے تو محبت کرے مگر اپنے رب سے محبت نہ کرے جس سے کہ نفس کا قیام ہے اور ظاہر ہے کہ جو شخص بھی دھوپ میں مبتلا ہوگا اس سے بچنے کیلئے سائے کو محبوب جانے گا وہ شخص بلاشبہ درختوں کو بھی محبوب جانے گا جن (درختوں کی وجہ) سے سایہ قائم ہے جو کچھ بھی موجود ہے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسی نوعیت کی نسبت ہے جیسی نسبت سائے کو درخت سے ہے اور جیسی نسبت نور کو آفتاب کی طرف ہے۔ یعنی جیسے نور کا وجود سورج کے تابع ہے اور سائے کا وجود درختوں کے تابع ہے یونہی تمام موجودات کا وجود اس کے وجود کے تابع ہے اور سب کچھ اللہ تعالیٰ کے آثار قدرت میں سے ہے اگر غور کیا جائے تو یہ مثال بھی عوام کے فہم کے مطابق صحیح ہے کہ ان کو یہ خیال ہے کہ نور سورج کا اثر ہے اور اسی میں سے نکلتا ہے اور اسی کی وجہ سے ہی موجود ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ خیال غلط ہے اس لئے کہ اہل دل پر یہ بات آنکھ کے مشاہدے کی نسبت بھی زیادہ منکشف ہو چکی ہے کہ نور بھی قدرت حق تعالیٰ سے حاصل ہوتا ہے یعنی جیسے سورج اور اس کی شکل و صورت اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بنی ہیں اسی طرح جب سورج کثیف جسموں کے مقابل ہوتا ہے تو اس کا نور بھی اسی کی قدرت سے اختراع و ایجاد حاصل کرتا ہے۔

فائدہ:- یہاں مثالیں بیان کرنے کا مقصد صرف مطلب کا سمجھانا ہے اسی لئے نفس حقیقت بیان کرنا مقصد نہیں ہے بہرحال اپنے نفس سے محبت انسان کو اگر ضروری ہے تو محبت اس ذات سے بھی ضروری ہے جس کی وجہ سے اول تو اس کے نفس کو قیام ہے پھر اس کی اصل، صفات ظاہرو باطن اور جواہر و اعراض کا دوام اسی سے ہے بشرطیکہ اس امر کو اسی طرح جان لے اور کوئی شخص بھی اس محبت سے خالی نہ ہوگا سوائے ایسے شخص کے کہ اپنے نفس اور شہوتوں میں مشغول ہو کر اپنے تخلیق کرنے والے خالق اور رب سے غافل ہو اور اسے ویسا نہ جانے جیسا کہ جاننا چاہئے تھا اور اپنی نظر شہوات و محسوسات پر ہی مقصور کرلے یعنی اپنی نظر صرف عالم شہادت پر ہی رکھے اس صفت میں تو پھر بہائم بھی اس کے ساتھ شریک ہیں کہ جو لذت و تنعم اسے میسر ہے وہی لذت و تنعم بہائم کو بھی حاصل ہے۔ عالم

ملکوت سے قطع نظر کرلے جس سرزمین میں وہی پہنچ سکتا ہے جسے کچھ مناسبت فرشتوں سے ہو اور اس کی نظر اس عالم میں اتنی ہی ہوگی جتنی کہ اسے صفات میں فرشتوں سے قرب ہوگا اور جتنی پستی عالم بہائم میں وہ کرے گا اتنی ہی اس عالم میں اس کی سیر کم ہوگی۔

سبب 2 میں غور و فکر:۔ اس قسم کے شخص سے محبت کرنا جو اپنے ساتھ مال سے سلوک کرے اور کلام میں نرمی اختیار کرے اور ہر طرح سے اس کی مدد کرے' دشمنوں کے خاتمہ کرنے میں' برے لوگوں کی برائی دور کرنے میں مدد کرے اور اس کی تمام غرضوں میں خواہ خود اس کے نفس کے متعلق ہوں یا اولاد اور عزیزواقارب کے سب میں ذریعہ حصول کا ہو تو صاف ظاہر ہے کہ ایسا شخص خواہ مخواہ محبوب ہوگا اور یہ سبب بھی اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی سے نہ محبت کی جائے اس لئے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو اس طرح پہچانے جیساکہ اسے پہچاننے کا حق ہے کہ حقیقتاً تو احسان کرنے والا وہی ہے یہاں ہماری یہ غرض ہرگز نہیں ہے کہ اس کے تمام احسان شمار کریں کیونکہ وہ تو حلقہ شمار سے باہر ہیں جیساکہ خود وحدہ لاشریک ارشاد فرماتا ہے کہ وان تعدوانعمة اللہ لا تحصوھا (ابراہیم 34) ترجمہ کنزالایمان :۔ اور اگر اللہ کی نعمتیں گنو تو شمار نہ کرسکو گے۔

اس طرف ہم مختصر طور پر ہم باب الشکر میں بھی اشارہ کر آئے ہیں بلکہ یہاں اسی قدر تحریر کرتے ہیں کہ

حقیقت احسان:۔ کسی آدمی کی طرف سے تو احسان ناممکن ہے اگر آدمی کو محسن کہیں تو آدمی صرف مجازی طور پر ہی محسن ہوسکتا ہے حقیقی طور پر محسن صرف حق تعالیٰ ہی ہے اس کے لئے اگر فرض کرو کہ کسی آدمی نے تمہیں تمام خزانے دے بھی دیئے اور ان پر مکمل طور پر اختیار بھی دے دیا کہ جیسے چاہو انہیں خرچ کرو تو تمہیں یہ گمان ہوگا کہ یہ احسان تم پہ اس شخص کی طرف سے ہوا ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ بات غلط ہے اس لئے کہ اس کے احسان میں کئی قسم کی باتیں ہیں۔

(1) خود اس شخص کا وجود (2) اس شخص کے مال کا ہونا

(3) مال پر قادر ہونا (4) خاص تمہیں وہ مال دینے کا ارادہ کرنا۔

اب ہم یہ کہتے ہیں کہ اسے پیدا کس نے کیا؟ اس کی والدہ کو کس نے پیدا کیا؟ اس کی قدرت اور اس کے ارادہ کو کس نے پیدا کیا؟ تمہاری اس کی محبت کی طرف کس نے توجہ کی۔ یہ بات اس کے دل میں کس نے ڈالی کہ تمہارے ساتھ وہ حسن سلوک کرے کیونکہ اس میں اس کا کچھ دینی یا دنیوی نفع ہے اگر یہ تمام باتیں نہ ہوئیں تو وہ تجھے کوڑی بھی نہ دیتا مگر جب حق تعالیٰ نے یہ تمام لوازمات پیدا کردیئے اور اس کے دل میں یہ بات پختہ طور پر جمادی کہ یہ تمہارے حوالے کرنے میں ہی اس کا دینی یا دنیوی نفع ہے تو اب وہ بیچارہ تو یہ تمہارے حوالے کرنے کے بارے میں مجبور و بے بس ہے اس کے خلاف تو وہ کرسکتا ہی نہیں۔ اس صورت حال میں تو صرف اس ذات کو محسن جاننا چاہئے جس ذات نے اسے تمہارے لئے بے چین اور مسخر کردیا اور اس پر تمام لوازمات کو غالب کردیا جن کی وجہ

سے فعل احسان ہونے کو ہو۔ ہاں! ایک یہ بات رہی کہ اس شخص کے قبضے میں مال کا ہونا اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ ہو سکتا ہے محسن وہی ہو تو اس بات کو اس طرح سمجھیں کہ وہ دینے والا شخص تو محض اللہ تعالیٰ کے احسان کا واسطہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تو اسے مال دیا ہی اس لئے کہ یہ مال وہ تم تک پہنچا دے۔ پھر بھلا وہ شخص وہ مال تجھے نہ دے تو پھر اور کیا کرے۔

مثال:۔ تجھ پہ احسان کرنے والے شخص کی مثال تو پرنالے جیسی سمجھو کہ پرنالہ پانی کے بہانے میں مجبور ہے پس تم اگر اس شخص کا شکریہ ادا کرو تو اس جہت سے ہرگز نہیں کہ وہ بذات خود محسن ہے (اگر تمہارے نزدیک وہ) واسطہ ہے تو بلاشبہ تم نفس الامر کو جانتے ہو کیونکہ جب کوئی انسان احسان کرتا ہے تو وہ اپنے نفس پر ہی احسان کرتا ہے اور کسی مخلوق پہ اس کا احسان کرنا محال ہے کیونکہ جب وہ کوئی مال کسی پہ خرچ کرتا ہے تو بدلہ اس کا پہلے ہی تاک لیتا ہے یا تو آخرت میں ثواب منظور یا دنیا میں اگر منت یا دوسرے کا مسخر کرنا یا تعریف اور شہرت سخاوت یا نیک نامی کا آوازہ یا لوگوں کے دلوں کو اپنی طاعت و محبت کی طرف کھینچنا مقصود ہو اور جیسے کوئی بھی آدمی دریا میں اپنا مال نہیں ڈالتا اس وجہ سے کہ اس میں کوئی غرض نہیں ہے۔ یونہی کسی آدمی کے ہاتھ میں بھی بغیر کسی غرض کے نہیں ڈالتا اس کی مراد ہی وہی غرض ہوا کرتی ہے اس لئے جو مال تجھے اب عطا کیا ہے تو اس میں مقصود تم نہیں ہو بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ تمہارا اس مال کو لے لینا ہی اس شخص کی غرض کے حصول کا باعث ہے اور وہ غرض چاہے ذکر دنیا ہو یا شکر و ثواب اس نے تو تمہیں اپنا مال دے کر اپنے نفس کی غرض حاصل ہونے کا ذریعہ کیا ہے تو کیا اس صورت میں وہ محسن تو اپنے ہی نفس کا ہے اس کے نزدیک جو چیز عمدہ ہے وہ مال کے بدلے لینا چاہتا ہے اس کے عندیے میں اگر اس عوض کو ترجیح نہ ہوتی تو اپنا مال تمہارے لئے بالکل نہ چھوڑتا۔

شکر و محبت کا مستحق بندہ نہیں:۔ بہر حال شکر و محبت کا مستحق وہ شخص نہیں۔ اس کی دو وجہیں ہیں۔

(1) اللہ تعالیٰ نے دینے کے تمام لوازمات اس شخص پہ مسلط کر دیئے۔ ان لوازمات کے خلاف کرنے کی مجال اس میں نہیں ہے۔ بادشاہی خزانچی کی طرح ہی اس کا حال ہے اگر کسی کو بادشاہ خلعت عطا فرما دے تو وہ اس پر کسی قسم کا اپنا احسان نہیں سمجھتا کیونکہ شاہی حکم بجا لانا اس پر لازم ہے مخالفت کی اسے جرات نہیں اگر بادشاہ اسے اس کی طبیعت پر چھوڑ دے تو پھر وہ ہرگز نہ دے اسی طرح ہی سمجھیں اگر اللہ جل جلالہ محسن کو اس کی اپنی طبیعت پہ چھوڑ دے تو وہ کسی کو کبھی کچھ بھی نہ دے مگر اللہ تعالیٰ نے پہلے اس کے دل میں لوازمات اور بواعث دینے کے اس پہ مسلط کئے اور پھر اس کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ مال دینے میں ہی اس کا دینی یا دنیوی فائدہ ہے اس لئے وہ مال دیتا ہے۔

(2) یہ جو کچھ بھی تجھے دیتا ہے اس کی نسبت جو اچھی چیز وہ سمجھتا ہے اس کے بدلے لے لیتا ہے تو جس طرح چیز فروخت کرنے والے کو محسن نہیں کہتے اسی طرح ہی اس دینے والے کو بھی محسن نہیں کہنا چاہئے اس لئے کہ بائع اپنی چیز اس وقت دیتا ہے جب خاطر خواہ اس کا بدلہ لے لیتا ہے اور یہ دینے والا بھی مال کے بدلے میں ثواب یا حمد و ثنا

یا کوئی اور بدلہ لے لیتا ہے اور یہ دینے والا بھی مال کے بدلے میں ثواب یا حمد و ثنا یا کوئی اور بدلہ سمجھ لیتا ہے تو یہ مال دیتا ہے اور بدلے میں یہ شرط نہیں ہے کہ کوئی مال قسم کی محسوس چیز ہی ہو' بلکہ لذائذ اور فوائد ایسے بدلے ہیں کہ ان کے سامنے مال کی کچھ بھی حقیقت نہیں ہے۔

خلاصہ کلام :- خلاصہ یہ ہے کہ جود کی صورت میں احسان ہوتا ہے یعنی اس طرح مال دینا کہ دینے والے کو نہ تو کوئی بدلہ لینا منظور ہو اور نہ ہی کچھ فائدہ حاصل کرنا اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے جود کا ہونا محال ہے البتہ اس کا احسان اور انعام مخلوق کے نفع کے لئے ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کا تو کچھ بھی فائدہ نہیں ہے اور نہ ہی اس کے متعلق کوئی غرض ہے اس صورت میں کسی غیر پر جود و احسان کا بولنا جھوٹ ہے یا مجاز' کسی دوسرے میں جود و احسان محال اور ممتنع ہے جس طرح سیاہی اور سفیدی کا ایک جگہ اکٹھا ہونا محال ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی جود احسان' فضل و منت میں یگانہ ہے پس اگر محسن کی محبت طبیعت میں ہوا کرتی ہے تو عارف کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے بھی محبت نہ کرے اس لئے کہ دوسرے سے احسان ہونا محال ہے صرف اللہ تعالیٰ ہی صاحب احسان ہے تو اسی محبت کا مستحق بھی وہی ہے۔

(2) دوسرا شخص جو احسان پر مستحق محبت ہو گا تو محض یوں کہ محبت کرنے والا احسان کے معنی اور حقیقت کو نہ جانتا ہو۔

سبب 3 محسن سے محبت کرنا:- محسن سے محبت طبعی امر ہے خواہ اس کا احسان اپنے اوپر نہ بھی ہو یا عام طبیعتوں میں موجود ہے اسے ایک مثال سے سمجھئے۔

مثال :- اگر کسی بادشاہ کا علم ہو جائے کہ وہ عابد' عادل' عالم' رحمدل' لوگوں پہ مہربان اور ہر ایک سے تواضع کے ساتھ پیش آتا ہے اور ہے وہ تم سے بہت دور اور ایک دوسرے بادشاہ کا پتہ چلے کہ وہ بادشاہ ظالم' متکبر' فاسق شریر' لوگوں کی بے عزتی کرنے والا ہے اور وہ تم سے دور ہے تو تمہیں اپنے دل میں ان دونوں کے بارے میں فرق معلوم ہو گا کہ پہلے بادشاہ کی طرف دل کا میلان پاؤ گے جبکہ دوسرے بادشاہ سے نفرت یعنی اول سے محبت معلوم ہو گی اور دوسرے بادشاہ سے بغض۔

اس کے باوجود کہ پہلے کی اچھائی اور دوسرے کے شر سے تم ناامید بھی ہو اور محفوظ بھی اس لئے کہ ان کے ملکوں میں جانے کی تمہیں توقع ہی نہیں ہے تو یہ محبت محسن کی صرف اس لئے ہے کہ وہ محسن ہے اس لئے نہیں کہ وہ تمہیں دیتا ہے یہ سبب بھی اللہ تعالیٰ کی محبت کا تقاضا کرتا ہے بلکہ اس امر کو چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے بھی محبت نہ کی جائے مگر اسی شرط پر کہ کسی وجہ سے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف لگاؤ ہو اس لئے کہ تمام کا محسن اور ہر قسم کی مخلوق پہ فضل و کرم اور انعام و اکرام کرنے والا صرف وہی ہے۔

مخلوق پر خالق کے انعامات :- پہلا انعام یہ کہ تمام مخلوق کو اس نے ایجاد کیا اور پھر ان کے کامل اعضاء بنائے اور

ضروری اسباب بھی عطا فرمائے اور پھر ان کی سہولت و آسائش کی خاطر اسباب بھی پیدا فرمائے جن میں حاجات کا شائبہ تک نہیں۔ گو وہ ضرورت کے شائبہ میں نہ تھے۔ اس کے علاوہ مزید انعامات سے زینت بخشی جن کی اسے نہ ضرورت تھی اور نہ ہی حاجت۔

مختلف اعضاء کا انعام :۔ ضروری اعضاء سر' دل اور جگر ہیں۔ اعضائے حاجت آنکھ' ہاتھ' پاؤں اور زائد اعضاء جیسے ابرو کا کمان کی طرح ہونا' سرخی لب' آنکھوں کا بادامی رنگ ہونا وغیرہ یہ اعضاء کسی بھی حاجت کے متعلق نہیں ہیں صرف ان سے خوبصورتی اور زینت مقصود ہے اور خارج از بدن ضروری نعمت پانی اور غذا ہے اور حاجت کی مثال دوا' گوشت اور میوہ جات ہیں اور زوائد کی مثال درختوں کی سبزی کلیاں' پھولوں کی رنگارنگی' میوہ جات کی لذتیں اور غذاؤں کی لذتیں کہ جن کے نہ ہونے سے ضرورت انسانی زائل نہیں ہوتی یہ تین قسم کی نعمتیں ہر ایک حیوان کے لئے موجود ہیں بلکہ ہر ایک نبات کیلئے بھی بلکہ ہر قسم کی مخلوق کی خاطر عرش سے فرش تک یہ نعمتیں موجود ہیں۔

فائدہ :۔ معلوم ہوا کہ محسن تو وہی ہے کوئی دوسرا محسن کیسے ہو سکتا ہے اگر کسی نے احسان کیا بھی ہے تو وہ بھی اسی قادر کی قدرت کی حسنات میں سے ایک حسنہ ہے کہ وہی حسن کا خالق ہے اور وہی محسن' احسان اور اسباب احسان کا بھی غرضیکہ اسی وجہ سے بھی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور سے محبت کرنا محض جہالت ہے اور جو شخص اس بات کو جانے گا اس علت کی وجہ سے بھی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے سے محبت نہیں کرے گا۔

سبب 4 صاحب جمال :۔ صاحب جمال اپنے جمال کی وجہ سے ہی محبوب ہوتا ہے اس سے محبت کرنے والے کو جمال کے سوا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اسے ہم بیان کر چکے ہیں کہ طبیعتوں کی فطرت میں یہ بات بھی داخل ہے۔

اقسام جمال :۔ جمال کی دو قسمیں ہیں۔

(1) **ظاہری جمال** :۔ سر کی آنکھ سے محسوس ہوتا ہے۔

(2) **باطنی جمال** :۔ دل کی آنکھ اور نور بصیرت سے معلوم ہوتا ہے۔ ظاہری جمال کو بچے اور جانور بھی دیکھتے ہیں جبکہ باطنی جمال کے ادراک کیلئے صرف اہل دل ہی خاص ہیں۔

جو لوگ صرف ظاہری دنیوی زندگی کو جانتے ہیں وہ ان کے ساتھ شامل نہیں ہوتے اور جو جمال ہے وہ مدرک کے نزدیک محبوب ہوتا ہے۔ وہ اگر دل سے مدرک ہو تو وہ ولی ہوگا اور اس کی مثال انبیاء' علماء اور مکارم اخلاق والوں کی محبت ہے یہ محبت تو قائم ہوتی ہے جبکہ ان محبوبوں کا چہرہ اور دوسرے اعضاء غائب ہیں حسن باطنی سے یہی مراد ہے۔ اس صورت کو حس ادراک نہیں کر سکتی۔ ہاں! اس باطنی صورت سے جو آثار صادر ہوتے ہیں وہ اس پر دلالت کرتے ہیں انہیں ادراک کرتی ہے یہاں تک کہ جب قلب کی دلالت اس پہ ہوتی ہے تو اس کی طرف قلب

میلان اور محبت کرتا ہے۔

باطنی جمال کی مثال :۔ اگر کوئی شخص سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یا سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یا حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے محبت کرتا ہے تو اس کی صرف یہی وجہ ہے کہ ان کا کوئی امر اسے اچھا معلوم ہوا ہے اور یہ بات ان بزرگوں کی صورت کے حسن کی وجہ سے نہیں ہے اور نہ ہی حسن افعال کی وجہ سے بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) ان کے حسن افعال ہی اس پہ دلالت کر رہے ہیں کہ جو صفات کہ ان کے افعال کے مصدر ہیں اور جو افعال ان سے صادر ہوتے ہیں وہ افعال اچھے ہیں۔ جیسے کوئی شخص کسی مصنف کی تصنیف کی خوبی یا کسی شاعر کے شعر کا حسن بلکہ کسی نقاش یا معمار کے نقش دنیا کی عمدگی دیکھے تو اس پر ان افعال سے اس کی باطنی صفات جمیلہ منکشف ہوں گی جن کا حاصل انجام کو علم و قدرت کی طرف رجوع کرتا ہے پھر جتنا کہ معلوم اشرف اور جمال میں کامل تر اور اعظم ہوگا اس کا اتنا ہی علم بھی اشرف و اجمل ہوگا اور جتنی قدرت کی چیز رتبہ اور منزلت میں بڑی ہوگی اتنی ہی قدرت بھی رتبہ و قدر و منزلت میں اشرف واجل ہوگی اور ظاہر ہے کہ تمام معلومات میں سب سے زیادہ بزرگ اللہ تعالیٰ ہی ہے تو ضرور ہے کہ علوم کے لحاظ سے عمدہ تر اشرف زین اللہ تعالیٰ کی ہی معرفت ہوگی۔ اسی طرح جو اس کے قریب اور مختص ہے پس کوئی چیز جتنی زیادہ معرفت کے متعلق ہوگی اتنا زیادہ ہی اسے شرف حاصل ہوگا۔

فائدہ :۔ اس سے معلوم ہوا کہ صدیقوں کی صفتوں کا جمال جنہیں دل طبعی طور پر چاہتے ہیں۔ تین امور کی طرف راجع ہے۔

(1) ان کا علم اللہ تعالیٰ' فرشتوں' کتابوں' رسولوں اور انبیائے کرام کی شریعتوں پر'

(2) خود اپنے نفسوں اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کی اصلاح کی قدرت پر کہ ارشاد و سیاست سے کرتے ہیں۔

(3) ان کا رذائل سے پاک ہونا' خبائث اور غالب شہوتوں سے پاک ہونا جو نیک راستے سے ہٹاتے ہیں اور برائی کی طرف بلاتے ہیں۔

ان جیسی باتوں کی وجہ سے انبیاء' علماء' خلفاء اور اہل کرم و صاحب عدل سلاطین لوگوں کو محبوب ہیں پس ان تین کاموں کو اللہ تعالیٰ کی صفات کی بہ نسبت دیکھنا چاہئے۔

حال علم :۔ علم کا تو یہ حال ہے کہ اگر تمام اولین و آخرین کے علوم کو جمع کرو تو اللہ تعالیٰ کے علم سے کچھ بھی نسبت نہیں رکھتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم تو تمام اشیاء پر ایسا محیط ہے کہ جس کی صفت خود حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

لا یعزب عنه مثقال ذرة فی السموت ولا فی الارض (سبا 3) ترجمہ کنزالایمان :۔ اس سے غائب نہیں ذرہ بھر کوئی چیز آسمانوں میں اور نہ زمین میں۔

اس سے کچھ ذرہ بھی غائب نہیں ہو سکتا' آسمان میں اور نہ ہی زمین میں۔

اور تمام مخلوق کو ارشاد ہے کہ

وما اوتیتم من العلم (بنی اسرائیل 85) ترجمہ کنزالایمان :- اور تمہیں علم نہ ملا۔
اور تمہیں تھوڑی سی خبر دی ہے۔

علم حق تعالیٰ اور علم المخلوق کا فرق :- اگر تمام زمین و آسمان والے اکٹھے ہو کر معلوم کرنا چاہیں کہ چیونٹی اور مچھر کے پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ نے کیا حکمت رکھی ہے تو اس کے 100-1 حصے پر بھی واقفیت حاصل نہ کر سکیں گے اور نہ ہی اس کے علم سے کچھ واقف ہوں گے سوائے اس مقدار کے جو اسے منظور ہو اور جتنا مخلوق کو معلوم ہے وہ علم بھی اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے ہے جیسا کہ وہ خود ارشاد فرماتا ہے:

خلق الانسان علمه البيان (الرحمٰن 3'4) ترجمہ کنزالایمان :- انسانیت کی جان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا ما کان وما یکون کا بیان انہیں سکھایا۔

فائدہ :- اگر علم کا جمال و شرف امر محبوب ہے اور بذات خود اپنے موصوف کیلئے زینت و کمال ہے تو پھر اس نقطہ نظر سے بھی سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی بھی محبوب نہیں ہونا چاہئے کیونکہ علوم علماء تو اس کے علم کے مقابلے میں جہل ہیں پس اگر کوئی شخص اپنے دور کے سب سے بڑے عالم کو بھی جانے اور سب سے زیادہ جاہل کو بھی تو یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ علم کی وجہ سے سب سے بڑے جاہل کو تو محبوب جانے اور سب سے بڑے عالم کو چھوڑ دے۔ گو اجہل بھی اپنی معیشت کا علم رکھتا ہو اور بندوں کے علم اور اللہ تعالیٰ کے علم میں جو فرق ہے وہ تو اس سے بھی زیادہ ہے جو فرق ان دونوں شخصوں کے علموں میں ہے اس لئے کہ اہل زمانہ اجہل پر جو زیادتی رکھتا ہے وہ علوم متناہی سے رکھتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اجہل بھی محنت کرے تو انہیں حاصل کر لے اور علوم مخلوق پر اللہ تعالیٰ کے علم کی زیادتی تو بہت زیادہ ہے کیونکہ اس کی معلومات بہت زیادہ (بے انتہا ہیں)

علم المخلوق :- معلومات مخلوق تو محدود ہیں اس لئے محدود اور لامحدود میں کچھ بھی نسبت نہیں ہے۔ مثلاً قدرت انسان کو دیکھئے تو وہ بھی کمال ہے اور عاجزی نقصان کی چیز ہے اور ہر ایک کمال' عظمت' بہادری' غلبہ اور غالب ہونا محبوب ہے اور اس کا ادراک لذیذ ہے یہاں تک کہ انسان حکایات میں بھی حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا' حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہما اور بہادروں کی شجاعت سن کر اور ان کی قدرت و غلبہ اقران و امثال پہ معلوم کر کے دل میں خوشی اور راحت ضرور حاصل کرے گا۔ صرف لذت سماعت سے اتنی زیادہ خوشی حاصل ہوتی ہے دیکھنے کا تو ذکر ہی کیا اور یہ صفت کمال دل میں محبت پیدا ہونے کا سبب ہوتی ہے کہ جو کوئی بھی اس صفت سے موصوف ہو اسے محبوب جانے بس لہذا قدرت مخلوق کو قدرت حق تعالیٰ کے مقابلے میں لائیں جس کی قوت و قدرت سب سے زیادہ ہو اور اس کا ملک بھی بہت زیادہ وسیع و عریض ہو سب سے زیادہ شہوات کو دبائے اور خباثت نفس کو دوسروں سے زیادہ جڑ سے اکھاڑ پھینکے اور خود اپنے نفس کی سیاست' دوسروں کی سیاست کا بھی جامع ہو ایسے شخص کی قوت و قدرت انتہا درجہ

کی یہ ہوا کرتی ہے کہ اپنے نفس کی بعض صفتوں پر دوسرے آدمیوں سے کچھ لوگوں پہ بعض کاموں میں غالب ہوا کرتا ہے اور اس وجہ سے اپنے نفس کیلئے نہ تو موت کا مالک ہوتا ہے اور نہ ہی زندگی کا اور پھر اٹھنے کا بھی نہیں' کسی قسم کے نقصان و فائدے کا بھی نہیں بلکہ اندھے ہونے سے خود اپنی آنکھ کی حفاظت' گونگا ہونے سے زبان کے حفاظت بہرہ ہونے سے کان کی حفاظت اور بیماری سے خود اپنے بدن، کی بھی حفاظت نہیں کر سکتا۔ جتنی چیزیں بھی اس کے بس میں نہیں ہیں' اس کا اپنا نفس اپنے لئے اور غیر کے لئے ان چیزوں سے عاجز ہے انہیں گننے کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔ یہ حال ہے ان چیزوں کا جو کہ اس کی قدرت میں ہیں جبکہ جو چیزیں اس کی قدرت کے بارے میں ہیں ہی نہیں جیسے ملکوت سموات' ستارے' زمین' زمین کے پہاڑ' سمندر' ہوائیں' بجلیاں' معدنیات' نباتات' حیوانات اور دیگر اجزا تو ان کے تو ایک ذرے پر بھی وہ قدرت نہیں رکھتا اور جو قدرت وہ اپنے نفس اور کسی غیر پہ رکھتا بھی ہے تو وہ بھی اس کے اپنے نفس کی طرف سے ہرگز نہیں ہے اور نہ ہی اس کے نفس کے ساتھ قائم ہے بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ اس کا اور اس کی قدرب و اسباب تمام کا پیدا کرنے والا ہے جس نے انہیں قدرت بخشی ہے۔

مخلوق کی عاجزی کا حال:۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی ایک مچھر کو بڑے سے بڑے بادشاہ اور حیوانوں میں سے سب سے زبردست حیوان پہ مسلط کردے تو وہ معمولی سا مچھر بھی اسے ہلاک کردے گا۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ کی عنایت کے بغیر بندے کو بالکل ہی قدرت حاصل نہیں ہے جیسا کہ روئے زمین کے سب سے بڑے بادشاہ سکندہ ذوالقرنین کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ

انا مکنالہ فی الارض (الکھف 84)

ترجمہ۔ از کنزالایمان

اس سے معلوم ہوا کہ تمام ملک اور بادشاہی صرف اللہ تعالیٰ کے قادر کرنے کی وجہ سے ہی انہیں عطا ہوئی تھی۔

ملکیت انسانی کا حال:۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین کے ایک حصے کا مالک کردیا تھا۔ ساری زمین تمام اجسام کی بہ نسبت ایک ڈھیلے کی طرح ہے جن ولایتوں سے آدمی فائدہ اٹھاتا ہے وہ اس ڈھیلے کی بہ نسبت ایک کنکر کی طرح ہے حالانکہ وہ ولایتیں بھی تصرف انسانی میں محض اللہ تعالیٰ کے فضل و قدرت کی وجہ سے آتی ہیں اس صورت میں بھی محال ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے کوئی بندہ اس لئے محبوب جانا جائے کہ وہ قدرت' سیاست' استیلاء' تصرف اور کمال قدرت رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے یہ بھی محبت نہ ہو حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ حول و قوت اس کے سوا کسی کو بھی حاصل نہیں ہے اللہ تعالیٰ ہی جبار و قہار اور دانا و قادر ہے۔ آسمان بھی اس کے قبضہ و اختیار میں ہیں' زمین و اشیائے زمین بھی اس کے قبضے میں' تمام مخلوقات بھی اسی کے دست قدرت میں' اللہ تعالیٰ اگر سبھی کو ہلاک کردے

تو پھر بھی اس کی بادشاہی اور ملک میں ذرہ بھر بھی کمی واقع نہ ہوگی اور اگر ان جیسے لاکھوں نئے سرے سے پیدا کرے تو پھر بھی اس پیدائش کی وجہ سے عاجزی اور تھکان اور ایجاد میں سستی پیدا نہیں ہوتی۔ اس صورت میں جو قدرت اور قادر ہے وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آثار میں سے ایک اثر ہے اس لئے عظمت' جلال' کبریائی' قہر اور غلبہ سب کچھ اسی کے ہی لائق ہے۔

نتیجہ:۔ پس اگر ممکن ہو کہ کمال قدرت کی وجہ سے کسی سے محبت کی جائے تو سوائے اللہ تعالیٰ قادر مطلق کے ایسی محبت کا مستحق کوئی بھی نہیں ہو سکتا۔

باطنی مقتضیات حسن و جمال کی وجہ سے محبت:۔ عیوب سے پاک ہونے کی اور رذائل و خباثت سے پاک ہونے کی صفت جو کہ موجبات محبت میں سے ہے اور حسن و جمال کے مقتضیات میں سے ہے اور یہ باطنی صورتوں میں ہوتی ہے اگرچہ انبیائے کرام اور صدیقین بھی ہر قسم کے عیبوں اور نقصانوں سے بری تھے مگر کمال تنزہ اور تقدس سوائے واحد قدوس ذوالجلال والاکرام کے کسی دوسرے میں نہیں پایا جاتا۔ ایسی مخلوق کوئی نہیں جس میں کوئی نقصان نہ ہو بلکہ (اگر غور سے) دیکھو تو ان کا مخلوق ہونا (اللہ تعالیٰ کے حضور) عاجز' مسخر اور مجبور ہونا عین نقصان ہے اس سے معلوم ہوا کہ جس کا نام کمال ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہی ہے کسی دوسرے کو اتنا ہی کمال میسر ہے جتنا اسے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے اور یہ تو ہو سکتا ہی نہیں کہ کسی دوسرے کو منتہائے کمال عطا ہو۔

انتہائے کمال کا کم سے کم درجہ:۔ اس لئے کہ انتہائے کمال کا کم سے کم درجہ یہ ہے کہ بندہ مسخر اور قائم بالغیر نہ ہو اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے میں ہونا محال ہے پس درجات کمال میں یکتا' عیوب و نقصانات سے پاک صرف اسی کی ذات کریم ہی ہے۔ تنزہ کی وجوہات کی بناء پر اس کا تقدس بیان کرنا بہت طویل ہے اور یہ اسرار علوم مکاشفہ میں سے ہے اس لئے ہم اسے بیان نہیں کرتے۔

خلاصہ:۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر صفت' تقدس اور تنزہ بھی کمال و جمال محبوب تو پھر اس کی بھی حقیقت اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کیلئے نہیں ہے اور اگر یہ صفت کسی میں ہے بھی تو وہ دوسروں کی نسبت ہے۔

درجات نقصان میں فرق:۔ گھوڑا' گدھے کی بہ نسبت زیادہ کامل ہے اور انسان بہ نسبت گھوڑے کے کم نقصان رکھتا ہے مگر چاہئے تو یہ کہ کسی میں نقصان نہ ہو یہ بات ہرگز اس لئے بلکہ اصل نقصان تو سبھی میں ہے فرق صرف نقصان کے درجات میں ہے کہ بعض میں نقصان کم ہے اور بعض میں نقصان زیادہ۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جمیل محبوب ہوتا ہے۔

جمیل مطلق:۔ وہ واحد ہے کہ جس کا مثل کوئی نہیں ہے۔

فرد:۔ وہ فرد ایسا ہے کہ اس کی کوئی ضد نہیں ہے۔

پاک :- وہ پاک ایسا ہے کہ اس کا مزاحم کوئی بھی نہیں ہے۔

غنی :- وہ غنی ایسا ہے کہ اسے کسی کی حاجت نہیں ہے۔

قادر :- وہ قادر ایسا ہے کہ وہ جو کرنا چاہتا ہے کرتا ہے جیسا چاہے ویسا حکم دے اس کا حکم کوئی بھی ٹال نہیں سکتا اور نہ ہی کوئی اس کی قضا کو پیچھے ڈال سکتا ہے۔

عالم :- ایسا ہے کہ ذرہ بھر شے بھی زمین و آسمان کی اس کے علم سے باہر نہیں ہے۔

قاہر :- ایسا ہے کہ اس کے قبضہ قدرت سے بڑے بڑے جابروں کی گردنیں بھی نہیں نکل سکتیں اور نہ ہی ملوک و سلاطین اس کی پکڑ اور رعب و دبدبہ سے ہٹ سکے ہیں۔

ازلی :- وہ ازلی ایسا ہے کہ اس کے وجود مبارک کی ابتدائی نہیں ہے۔

ابدی :- وہ ابدی ایسا ہے کہ اس کی بقاء کی انتہا نہیں ہے۔ اپنی ذات میں ایسا ضروری ہے کہ تصور عدم اس کی جناب سے کوسوں دور ہے۔

قیوم :- وہ قیوم ایسا ہے کہ وہ خود قائم ہے اور دوسری اشیاء کا قیام اسی سے ہے آسمانوں اور زمین کا ظہور بھی اسی سے ہے۔

جبار :- اللہ تعالیٰ ہی جبار ہے۔

خالق :- جمادات' حیوانات اور نباتات کا خالق وہی ہے۔

یگانہ :- وہی عزت و جبروت کی صفات میں یگانہ ہے اور ملک و ملکوت میں یکتا ہے۔

زمانہ فضل' جلال' کبریا' جمال اور قدرت کمال سب کچھ اسی کیلئے ہی ہے اس کے جلال کی معرفت میں عقلیں سرگرداں ہیں اور اس کے اوصاف بیان کرنے میں زبانیں گونگی ہیں۔

عارفین کا کمال معرفت :- عارفین کا کمال معرفت یہی ہے کہ وہ اس کی معرفت سے عاجزی کا اقرار کریں۔

منتہائے نبوت انبیاء نبینا و علیہم سننھم :- انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی نبوتوں کا منتہاء یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اوصاف بیان کرنے سے قاصر رہنے کا برملا اعتراف فرمائیں۔ چنانچہ سید الانبیاء مدنی تاجدار احمد مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ

لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک

(یا اللہ) مجھ سے تیری حمد و ثنا پوری بیان نہیں ہو سکتی تو ایسا ہے جیسا کہ تو اپنی تعریف بیان کرے۔

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ

العجز عن درک الادراک ادراک

ادراک کے معلوم کرنے سے عاجز آجانا ہی تو ادراک ہے۔

سبحان اللہ کیا ذات اقدس حق تعالیٰ ہے کہ عاجزی کے سوا کوئی بھی طریقہ اپنے پہچاننے کا مقرر نہیں فرمایا۔

منکرین حب الٰہی کا آخری رد

فائدہ:۔ ہمیں معلوم نہیں ہے کہ جو لوگ کہا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے حقیقی محبت ہو سکتی ہی نہیں صرف مجازی محبت ہی ہو سکتی ہے کیا وہ ان اوصاف باکمال کو اوصاف جمال اور محامد کمال نہیں سمجھتے یا اللہ تعالیٰ کو ان اوصاف باکمال سے موصوف نہیں سمجھتے یا کمال و عظمت کو طبعی طور پر محبوب ہونا تصور نہیں کرتے۔

حجاب کن کیلئے:۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے جمال و جلال کی غیرت ہے کہ وہ اندھوں کی نگاہوں سے پردہ میں رہتا ہے سوا ان لوگوں کے کہ جن کے لئے ازل سے ہی یہ خوبی لکھ دی گئی ہے اور آتش حجاب سے دور ہیں۔ اوروں پر اپنی تجلی نہیں فرماتا وہ بیچارے نابینائی کی ظلمات میں حیران و پریشان ہیں اور وسعت آباد محسوسات اور بہائم کی شہوتوں میں پریشان' ظاہر کی زندگی دنیا کو ہی صرف جانتے ہیں جبکہ وہ آخرت سے غافل ہیں۔ افسوس کہ یہ لوگ تو کچھ بھی نہیں جانتے اور محبت اس لئے بہ نسبت احسان کے قوی تر ہوتی ہے کہ احسان کم و بیش ہوا کرتا ہے۔

محبوب ترین:۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ میرے نزدیک محبوب کا محبوب ترین وہ ہے جو کہ بغیر عطا کے میری عبادت کرے لیکن یہ حقیقت ہے کہ ربوبیت اپنا حق ضرور ادا کرتی ہے۔ زبور میں ہے کہ اس شخص سے زیادہ ظالم ترین کوئی نہیں ہے جو جنت یا دوزخ کی وجہ سے میری عبادت کرتا ہے اگر میں جنت یا دوزخ کو نہ بناتا تو کیا اسباب کے شایان نہ تھا کہ کوئی میری اطاعت کرے۔

اولیاء اللہ:۔ حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کا گزر عابدوں کی ایک جماعت پر ہوا جو کہ لاغر اور کمزور ہو رہے تھے اور انہوں نے عرض کیا ہم دوزخ سے خوف رکھتے ہیں اور جنت حاصل ہونے کی خواہش رکھتے ہیں آپ نے انہیں ارشاد فرمایا۔

"تم مخلوق سے ہی ڈرتے ہو اور توقع بھی مخلوق کی ہی رکھتے ہو"

ایک اور جماعت پہ آپ کا گزر ہوا۔ یہ لوگ بھی دبلے پتلے ہوئے جا رہے تھے۔ آپ نے ان سے دریافت فرمایا تو ان لوگوں نے جواب دیا کہ

"ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس کی محبت اور تعظیم کی خاطر کرتے ہیں"

تو آپ نے ارشاد فرمایا

"حقیقتاً تم ہی اولیاء اللہ ہو' مجھے بھی تمہیں لوگوں میں رہنے کا حکم ہے۔"

شان اولیاء :- حدیث قدسی شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا من عادلی ولیا فقد اذنته بالحرب جو شخص میرے ولی کا دشمن ہو میں اسے جنگ کا چیلنج دیتا ہوں۔ اس لئے اولیائے کرام کی عظمت کو ماننا ضروری ہے۔ اللہ و رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نزدیک ان بزرگوں کا بڑا مقام ہے۔ ان کے مقام کا انکار گویا اللہ و رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان ذیشان کا انکار کرنا ہے اللہ سے مقابلہ و جنگ کرنے کے مترادف ہے۔

ثواب و عذاب کی خاطر عبادت :- حضرت ابوحازم رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے شرم آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ثواب یا عذاب کی وجہ سے کروں اور موافق بد ذات غلام کے بنوں کہ اگر اسے ڈر نہ ہو تو کام ہی نہ کرے' یا شرارتی مزدور کی طرح بن جاؤں کہ اگر اسے مزدوری نہ دی جائے تو پھر کچھ بھی نہ کرے اور یہ مضمون حدیث شریف میں بھی ہے کہ

"تم میں سے ایسا کوئی بھی نہیں ہونا چاہئے جیسا کہ برا مزدور ہوتا ہے کہ اگر وہ مزدوری کی اجرت نہ پائے تو پھر کچھ بھی نہ کرے اور برے غلام جیسا بھی نہ بن کہ اگر کسی قسم کا خوف نہ ہو تو کام پھر بھی نہ کرے۔

سبب نمبر5 مناسبت اور ہم شکل ہونا

پس اسے بھی محبت میں دخل ہے کیونکہ جو چیز جس چیز کے مشابہ ہوتی ہے وہ اسی کی طرف ہی کھینچتی ہے اسی لئے ہی لڑکا لڑکے سے الفت و محبت کرتا ہے' بڑا بڑے سے الفت و محبت کرتا ہے حتیٰ کہ ہر جانور بھی اپنے ہم جنس سے محبت کرتا ہے اور جو اپنی جنس سے نہیں ہوتا اس سے نفرت کرتا ہے۔ عالم کو عالم سے جتنی انس و محبت ہوتی ہے اتنی حرفہ سے نہیں۔ تاجروں کو تاجروں سے زیادہ محبت ہوتی ہے اتنی محبت کسانوں سے نہیں ہوتی اور یہ ایک ایسی بات ہے کہ تجربہ اس بات کا شاہد ہے اور اخبار و آثار سے بھی کچھ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے چنانچہ "آداب محبت" کے باب میں ہم اسے بیان کر آئے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کی راہ میں بھائی چارے کا ذکر ہے جس کا جی چاہے وہاں سے مطالعہ فرما لے۔

مناسب کی وجوہات

(1) **ظاہر بات میں مناسبت** :- محبت کا سبب جب مناسبت ٹھہری تو پھر جان لیں کبھی تو مناسبت ظاہر کی بات میں ہوتی ہے مثلاً لڑکے کی محبت لڑکے سے کہ دونوں کو مناسبت لڑکپن میں ہے۔

(2) **خفیہ امر میں مناسبت** :- کبھی مناسبت خفیہ امر میں ہوتی ہے اس پر اوروں کو وقوف نہیں ہوتا جیسے دو اشخاص میں اتفاقی طور پر اتحاد ہو جاتا ہے کہ ان دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا ہو ابھی نہیں ہوتا اور نہ ہی ان دونوں کو ایک

دوسرے سے کوئی مال وغیرہ کا لالچ ہوتا ہے چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی اس طرف اشارہ فرمایا ہے۔

حدیث شریف :۔ الارواح جنود مجندة فما تعارف منها ائتلف وما تناکر منها اختلف
روحیں لشکر ہیں تو جو روحیں ان میں سے ایک دوسری سے آشنا ہوتی ہیں وہ ایک دوسری سے محبت و الفت کرتی ہیں جو ایک دوسری سے آشنا نہیں ہوتیں وہ الگ رہتی ہیں۔

اس حدیث شریف میں آشنائی سے مراد تناسب ہی ہے اور ناآشنائی سے مراد غیر تناسب ہے۔

مناسبت اور محبت حق تعالیٰ :۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ سبب بھی حق تعالیٰ جل جلالہ کی محبت کا مقتضی ہے کہ بندہ میں اور اس میں باطنی مناسبت ہو آ ہے نہ یہ کہ ایک جیسی شکل و صورت ہو' بلکہ وہ مناسبت تو باطنی امور میں ہوتی ہے کہ تو امور تو جو ان میں سے بہتے ہیں کتب میں تحریر کئے جاسکتے ہیں اور بعضوں کا تحریر کرنا ممکن نہیں ہوتا بلکہ انہیں پردہ غیرت میں ہی پوشیدہ رہنے دینا مناسب ہے تاکہ جب شرط سلوک راہ معرفت کے سالک پوری کرلیں تو ان امور پر خود بخود واقفیت حاصل کرلیں۔

قابل تحریر مناسبت :۔ جو مناسبت قابل تحریر ہے۔ وہ یہ ہے کہ ان صفتوں میں حق تعالیٰ سے بندے کا قرب ہو جن صفتوں کے لئے اقتداء کا حکم ہے۔ اس طرح کہ تخلقو باخلاق اللہ اللہ تعالیٰ کے سے اخلاق اختیار کرو۔

اور اسی طرح امر ہے کہ اوصاف ایسے میں سے جو محامد صفات ہیں انہیں حاصل کیا جائے۔ مثلاً علم' نیکی' احسان' لطف' دوسروں کو خیر کا پہنچانا' خلق خدا پر رحم کرنا' انہیں نصیحت کرنا حق بات کی ہدایت کرنا اور باطل سے روکنا وغیرہ شرعی مکارم سیکھنے کہ ان میں سے ہر ایک قرب حق تعالیٰ سے بندے کو بہرور کرتی ہے قرب مکانی کے اعتبار سے نہیں بلکہ صفاتی قرب کی رو سے ہوجاتا ہے۔

ناقابل تحریر مناسبت :۔ جس مناسبت کا ذکر کرنا جائز نہیں ہے اور کتاب میں تحریر نہیں کی جاسکتی وہی مناسبت خاص ہے کہ جو آدمی میں پائی جاتی ہے اور اسی کی طرف ہی اشارہ ہے کہ فرمان وحدہ لاشریک میں ہے کہ

یسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی (بنی اسرائیل 85) ترجمہ کنزالایمان :۔ اور تم سے روح کو پوچھتے ہیں تم فرماؤ روح میرے رب کے حکم سے ایک چیز۔

اس میں بیان فرمایا ہے کہ روح تو امر حق تعالیٰ ہے عقل مخلوق کی حد سے خارج ہے اور اس سے بھی زیادہ واضح ایک اور آیت کریمہ ہے۔

فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی (ص 72) ترجمہ کنزالایمان :۔ پھر جب میں اسے ٹھیک بنالوں اور اس میں اپنی طرف کی روح پھونکوں۔ فرشتوں سے اسے اسی وجہ ہی سجدہ کروایا تھا اور اسی کی طرف ہی اشارہ اس آیت میں ہے کہ

اسی مناسبت کی وجہ سے ہی صرف آدمی خلافت الہیہ کا مستحق ٹھہرا۔ اس حدیث شریف میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

حدیث شریف:۔ ان اللہ خلق ادم علی صورتہ

بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا۔

عاقبت نااندیشوں نے اس کی بناء پر گمان کرلیا کہ صورت تو اسی شکل کا نام ہے جو کہ ظاہری اور مدرک الحواس ہو اس لئے ہی اللہ تعالیٰ کو دوسری چیزوں سے تشبیہ دے ڈالی اور جسم و صورت بنا ڈالے معاذاللہ اور اسی مناسبت کی طرف ہی اس حدیث قدسی شریف میں اشارہ ہے۔

حدیث قدسی شریف نمبر1:۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ارشاد فرمایا کہ "میں بیمار ہوا تو تو نے میری عیادت نہ کی"

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی "یا اللہ! یہ کیسے ہوسکتا ہے؟"

تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ "میرا فلاں بندہ بیمار ہوا تو تو نے اس کی عیادت نہ کی اگر تو اس کی بیمار پرسی کرتا تو مجھے اس کے پاس ہی پاتا"

اور یہ مناسبت اس وقت ظاہر ہوتی ہے جبکہ بندہ فرضوں پر قائم ہوکر نوافل پہ مواظبت بھی کرے جیسا کہ حدیث قدسی شریف میں ہے کہ

حدیث شریف نمبر2:۔ لا یزال العبد یتقرب الی بالنوافل حتی احبہ فاذا احببتہ کنت سمعہ بسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ولسانہ الذی ینطق بہ

ہمیشہ بندہ نوافل سے میرا تقرب کرتا ہے یہاں تک کہ میں اسے دوست رکھتا ہوں اور جب (میں اسے) دوست رکھتا ہوں تو میں اس کے وہ کان ہوجاتا ہوں سے وہ سنتا ہے اور اس کی وہ آنکھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کی زبان ہوجاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے۔

فائدہ:۔ یہ ایسا مقام ہے کہ یہاں قلم کی باگ کو روکنا ضروری ہے۔ اس لئے کہ لوگ اسباب کی وجہ سے جدا جدا ہوگئے ہیں۔ بعض کم فہم تو ظاہری تشبیہ کی طرف جھک گئے ہیں اور بعض غالی مناسبت سے بھی آگے بڑھ کر اتحاد کے قائل ہوگئے کہ حق تعالیٰ بندے میں حلول کر جاتا ہے یہاں تک کہ بعض نے زبان سے اناالحق نکالا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق نصاریٰ راہ حق سے بھٹک گئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کہنے لگے۔

بعض لوگ یہ کہنے لگے کہ عالم ناسوت نے لباس لاہوت دربر کیا اور بعض لوگ اس بات کے قائل ہوگئے کہ ناسوت ولاہوت تو متحد ہیں۔

حلول ممتنع:۔ مگر جن لوگوں پہ تشبیہ و تمثیل کا محال ہونا اور اتحاد و حلول کا ممتنع ہونا منکشف ہوگیا ہے اور اس کے

باوجود کہ امر واقعی اور سر حقیقی بھی جانتے ہیں تو اس قسم کے لوگ تھوڑے ہیں اور شاید حضرت ابوالحسن نوری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ اسی مقام کی طرف دیکھا کرتے تھے کہ ان پہ ایک شعر سے وجد غالب ہوگیا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ

شعر:- مزار عشق بہردم بھرتے ست نزول کزاں نزول ہمہ حیرت اند جملہ عقول

آپ کو اس شعر سے اتنا وجد ہوا کہ اسی وجد کی حالت میں جنگل نیستاں میں لگاتار دوڑتے پھرتے تھے نعل تو ٹوٹ گئی' کٹ گئی مگر اس کی جڑیں باقی رہ گئیں ان سے آپ کے پاؤں مبارک زخمی ہوگئے اور پاؤں متورم ہوگئے اور اسی میں ہی آپ کا وصال مبارک ہوا۔

خلاصہ بحث سبب ھذا:- غرضیکہ اسباب محبت میں سے سے مناسبت بھی ایک بہت بڑا سبب ہے اور سب سے زیادہ مضبوط' عمدہ اور بعید تر ہے اور اس کا وجود بہت کم تر ہے۔

خلاصہ تمام اسباب محبت:- پس ان پانچوں اسباب کو ملاحظہ فرمائیں تو حق تعالیٰ میں حقیقی طور پر جمع ہیں یہ تمام اسباب ادنیٰ حالت میں ہرگز نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ سب کے سب اعلیٰ درجات میں ہیں۔

دریں صورت ارباب بصیرت کے نزدیک پذیرائی کے قابل محبت صرف حق تعالیٰ کی محبت ہی ہو سکتی ہے جس طرح کہ اندھوں کے نزدیک غیر اللہ کی محبت کا وجود ہے پھر خلق میں اگر کوئی شخص ان اسباب میں سے کسی ایک سبب کی وجہ سے بھی محبوب ہوتا ہے تو ہو سکتا ہے کہ اگر کوئی دوسرا شخص بھی اسی سبب میں شامل ہو تو وہ بھی محبوب ہوگا اور شرکت محبت کے باب میں نقصان ہے۔ کمال محبوب سے اعراض اور اس طرح کا کوئی وصف محبوب نہیں کہ کوئی شخص جس میں یکتا ہو اور اس کا شریک بنایا جائے اور اگر بالفرض محال ہو بھی تو اس کے لئے شریک کا پایا جانا بھی تو امکانات سے خالی نہیں مگر اللہ تعالیٰ ان تمام اوصاف سے موصوف ہے۔ یہ نہایت درجہ کی جلال و جمال کی صفات ہیں۔ اس کا ان صفات میں نہ تو کوئی بالفعل شریک ہے اور نہ ہی آگے ممکن ہے اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں شرکت نہیں ہو سکتی اس لحاظ سے اس کی محبت میں نقصان کو بالکل دخل نہیں ہو سکتا جس طرح کہ شرکت کو ان کی صفوات میں کوئی گنجائش نہیں۔

فائدہ:- ثابت ہوگیا ہے کہ اصل محبت اور کمال محبت کا مستحق حق تعالیٰ ہی ہے کہ جس میں بالکل ہی کسی دوسرے کو شرکت نہیں ہے۔

سب سے اعلیٰ لذت معرفت اور دیدار حق ہے

:- سب سے اعلیٰ اور اشرف لذت معرفت و دیدار حق تعالیٰ کی ہے اور یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ کسی لذت کو بھی اس پر ترجیح دی جائے مگر محض اس شخص ہی کی نزدیک کسی دوسری لذت کو ترجیح ہوگی جو اس لذت جاودانی سے محروم ہو۔ یاد رکھیں کہ لذتیں تابع اور ادراکات کی ہیں اور انسان بہت سی قوتوں اور طبیعتوں کا جامع ہے اور ہر قوت و طبیعت

کے لئے ایک علیحدہ لذت ہے طبیعت کے تقاضوں کے حصول کیلئے تو ایک ایک قوت ایک مخلوق ہے وہی اس کی لذت کہلاتا ہے انسان میں یہ قویٰ فضول محض پیدا نہیں ہوئے۔

قوت و طبیعت :- ہر ایک قوت و طبیعت ایک ایسے امر کیلئے بنی ہے جو کہ اس کا مقتضائے طبع ہے مثلاً غضب دلجمعی اور بدلہ لینے کیلئے طبیعت پیدا ہوئی ہے تو پھر ضروری ہے کہ اس کی لذت غلبہ و انتقام ہی سے ہو جو کہ اس کے مقتضائے طبع ہے اور قوت خواہش طعام تحصیل غذا کی خاطر مخلوق ہوئی ہے جس کی وجہ سے وجود کا بقاء ہو تو اس کی لذت اس غذا کے ملنے میں ہی ہوگی جو کہ اس کے مقتضائے طبع ہے یونہی سننے' دیکھنے اور سونگھنے کی لذت بھی ایسی چیزوں سے ہی ہوگی جو ان لذتوں کے مقتضائے طبع ہوں پس ان قویٰ میں کوئی بھی قوت ایسی نہیں ہے جسے اپنے مدرکات سے رنج اور لذت میسر نہ آتی ہو۔

نور الٰہی :- اسی طرح دل میں بھی ایک قوت ہے جسے نور الٰہی کہا جاتا جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

افمن شرح اللّٰہ صدرہ للا سلام فھو علیٰ نور من ربہ۔ ترجمہ کنزالایمان :- تو کیا وہ جس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیا تو وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے۔

فائدہ :- اسے عقل' باطنی بصیرت' نور ایمان اور نور یقین بھی کہتے ہیں۔ اس کے ناموں سے ہمیں کوئی غرض نہیں ہے کہ ہر ایک کی علیحدہ علیحدہ اصطلاح ہے اور کم عقل اس بارے میں گمان کرتے ہیں کہ اختلاف الفاظ سے معنی میں اختلاف ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ تو صرف الفاظ سے ہی معنی حاصل کرنے کے پابند ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ بات تو امرواجبی کے بھی برعکس ہے۔

عقل کیا ہے :- بہر یہ ایک صفت دل میں ہے جس کی وجہ سے کہ انسان کو تمام بدن تمیز ہے دل ان امور کو اسی صفت سے معلوم کرتا ہے وہ جو متخیل ہیں اور نہ ہی محسوس ہیں مثلاً عالم کا محدث یا عالم کا محتاج ہونا' ایک خالق مدبر حکیم و قدیم کی طرف جو حق تعالیٰ کی صفات سے موصوف ہوا ہے اسی قلبی صفت کا نام ہم عقل رکھتے ہیں مگر اس میں بھی یہ شرط ہے کہ عقل سے کوئی شخص وہ قوت نہ سمجھے جس سے کہ ادراک تو طریقہ مجادلہ اور مناظرے کا ہوتا ہے کیونکہ بالفعل ان معانی میں ہی عقل مشہور و معروف ہے۔ اسی لئے ہی بعض صوفیائے کرام نے عقل کو برا فرمایا ہے ورنہ درحقیقت جو انسانی صفت کہ جس کی وجہ سے بہائم سے علیحدہ ہو اور اس سے معرفت حق تعالیٰ معلوم کرے تو حقیقتاً وہ تو بڑی اعلیٰ صفت ہے اسے تو بالکل ہی برا نہیں کہنا چاہئے اور یہ قوت تو پیدا ہی اسی لئے ہوتی ہے کہ اس کی وجہ سے تمام امور کی حقیقت دریافت ہو تو اس کا مقتضائے طبع معرفت و علم ہے اور اس کی یہی لذت ہے جس طرح دوسرے قویٰ مقتضائے طبع ان کے حق میں لذت ہے اور اس بات میں بھی کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ علم و معرفت میں پھر لذت ضرور ہے یہاں تک کہ اگر کوئی شخص کسی معمولی سی چیز کا عالم اور عارف کہلاتا ہے تو وہ اس بات سے خوش ہوتا ہے اور جو شخص جہالت کی طرف منسوب کیا جاتا ہے خواہ کسی حقیر امر میں ہی ہو تو وہ ناراض

ہوتا ہے۔

علم میں لذت :۔ اگر کوئی معمولی سی چیز ہی جانتا ہو تو وہ اس کی وجہ سے فخر اور بڑائی ظاہر کرنے میں صبر نہیں کرتا مثلاً جو شخص شطرنج کھیلنا جانتا ہے حالانکہ یہ ادنیٰ بات ہے اسے کتنا فخر ہوتا ہے مگر اس کی کمی کے باوجود اس کی وجہ سے فخر کرنے سے خاموشی اختیار نہیں کرتا اس بارے میں جو کچھ بھی جانتا ہے اس کے متعلق ایسی زبان چل ہی جاتی ہے یہ صرف اس لئے ہے کہ اس کے جاننے کی لذت بہت ہوتی ہے اور اس کے علم کو اپنی ذات کا کمال سمجھتا ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ربوبیت کی تمام صفات میں سے علم اخص اور منتہائے کمال ہے یہی وجہ ہے کہ جب کسی ذکاوٗ کثرت علم کی تعریف کی جاتی ہے تو اس کی طبیعت کو خوشی و مسرت حاصل ہوتی ہے کیونکہ مدح سننے سے اسے اپنے علم اور کمال سے واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ اسی لئے تکبر کرتا ہے اور لذت حاصل کرتا ہے پھر زرعی علم اور درخت کی اتنی لذت نہیں ہے جتنی سیاست ملک و تدبیر سلطنت اور امور خلق جاننے کی ہے ورنہ لذت علم نحو اور شعر کی تو ایسی لذت ہے جیسے اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں اور زمین و آسمان کے اسرار کے علم کی لذت ہے بلکہ اصل تو یہ ہے کہ علم کی لذت بقدر شرف علم کے ہوتی ہے اور شرف علم بقدر شرف معلوم ہوتا ہے یہاں تک کہ جو شخص لوگوں کے حالات باطنی معلوم کر کے لوگوں کو کہتا ہے تو بڑا مزہ پاتا ہے اگر نہیں جانتا تو اس کی طبیعت انہیں تلاش کرنا چاہتی ہے پھر اگر رئیس شہر کے دل اور اس کی ریاست کی تدبیر پہ واقفیت حاصل کر لے تو یہ امر اس کے لئے کسانوں اور نوربانوں وغیرہ غریبوں کے باطنی احوال معلوم کرنے کی نسبت زیادہ عمدہ و لذیذ معلوم ہوگا اور اگر رئیس سے بڑھ کر کسی وزیر کے حالات کا علم حاصل ہو جائے گا اور اس کی وزارت کی تدبیروں سے واقفیت حاصل ہو جائے گی تو یہ رئیس کے اسرار جاننے کی نسبت وزیر کے احوال کو زیادہ اچھا جانے گا اور اگر بادشاہ کے باطنی حالات معلوم ہو جائیں گیں تو یہ اس کیلئے وزیر کے حالات سے بھی زیادہ بہتر معلوم ہوگا اور اس امر پر تعریف و توصیف چاہی' حرص اور بحث خوب اچھی معلوم ہوگی اور یہ ذکر ہی زیادہ پسند ہوگا کیونکہ اس ذکر میں لذت اسے زیادہ ہے پس اس سے پتہ چلا کہ معارف میں سے زیادہ لذیذ وہ معارف ہیں جو اشراف ہیں اور ان کا شرف بحسب معلوم کے شرف کے ہے پس اگر معلومات کے لحاظ سے جو چیز تمام اشیاء سے اشرف اعلیٰ اجل' اکرم ہو تو واضح ہے کہ تمام علوم سے اس کا علم زیادہ لذیذ ہوگا اور اشرف و طیب ہوگا اب ہمیں کوئی یہ تو بتائے کہ جس نے تمام اشیاء کو پیدا کیا' مکمل کیا اور انہیں سجایا' نئے سرے سے بنایا' دوبارہ بھی بنائے گا' ان کا مدبر و منتظم بھی وہی ہے اس سے زیادہ تر بڑھ کر کوئی چیز موجود ہے جو کہ اشرف' اعلیٰ' اکمل اور اعظم ہو یا یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ جناب احدیت کے علاوہ کوئی دوسرا دربار بھی اسی طرح کا ہو کہ ملک' کمال' جمال اور جلال میں؟ تمام سے زیادہ ہو' وہی دربار ہے جس کے مبادی جلال اور عجائب احوال میں وصف واصفوں کا قاصر ہے۔

اعلیٰ ترین معارف :۔ اگر تمہیں ان امور میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہے تو پھر تمہیں اس بات میں بھی شک و

شبہ نہیں کرنا چاہئے کہ اسرار ربوبیت اور انتظام امور حق تعالیٰ سے واقف ہونا جو کہ تمام موجودات پہ محیط ہے معارف کی اقسام میں سب سے بڑھ کر ہے دوسرے معارف کی نسبت زیادہ لذیذ' عمدہ اور اشرف ہے۔

اسرار ربانی سے واقفیت :۔ یہ واقفیت ایسی ہے کہ جب یہ کسی کو حاصل ہوجائے تو اپنا کمال و جمال سمجھنا اس کو زیبا ہے۔ اس سے خوش ہونا اور راحت و سکون حاصل کرنا صحیح ہے۔

فائدہ :۔ اس بیان سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی کہ علم لذیذ ہے اور تمام علوم میں سب سے زیادہ لذیذ حق تعالیٰ اور اس کی صفات و جو تدبیر کہ وہ اپنی بادشاہی میں عرش تا فرش کرتا رہتا ہے اس کا علم ہے۔ اس سے واضح طور پر سمجھنا چاہئے کہ لذت معرفت دوسری لذتوں یعنی لذت شہوت' غضب اور دوسری تمام حواس کی لذتوں سے فائق تر ہے۔

لذتوں میں اختلاف کیوں :۔ (1) لذتوں کی قسموں میں فرق ہے۔ مثلاً جماع کی لذت اور ہے جبکہ لذت سماع دوسری لذت ہے۔ لذت معرفت ان دونوں سے جدا اور لذت ریاست ان سے الگ لذت ہے وغیرہ۔

(2) ان لذتوں میں کمی بیشی کا بھی اختلاف ہوتا ہے جس طرح کہ جماع سے ایک شخص بجرو کامل الشہوت اور ہرص رکھنے والے کو زیادہ لذت ہوگی جبکہ سست کو اس کی بہ نسبت کم لذت حاصل ہوگی یونہی جو شخص بہت زیادہ خوبصورت ہو اسے دیکھنے سے اور لذت ہوگی جبکہ اس سے کم جمال والے کی طرف دیکھنے سے اور لذت ہوگی (یعنی ان دونوں کی طرف دیکھنے سے ایک جیسی لذت نہیں ہوگی ان میں فرق ہوگا۔

لذت کی قوت اور زیادتی کی پہچان :۔ لذت کی قوت اور زیادہ ہونے کی پہچان یہ ہے کہ اس لذت کو کے ہوتے ہوئے کسی دوسری لذت کو اختیار نہ کیا جائے مثلاً اگر کسی کو اس بات کا اختیار دیا جائے کہ یا تو اچھی صورت دیکھتا رہ یا خوشبو سونگھا کر وہ خوبصورت کا دیکھنا کو پسند کرے تو معلوم ہوگا کہ اس کے نزدیک خوبصورت کا دیدار کرتے رہنا پھول کے خوشبو کی نسبت زیادہ لذیذ ہے۔ اسی طرح ہی اگر کھانا سامنے موجود ہو کھانا کھانے کا وقت بھی ہو جبکہ شطرنج کا کھلاڑی غذا کو چھوڑ کر کھیل کھیلنے میں ہی مصروف رہے تو جاننا چاہئے کہ اس کے نزدیک غذا کی لذت سے زیادہ شطرنج میں مات دینے کی لذت بڑھ گئی ہے۔ مختصر یہ کہ جاننا چاہئے یہ نشانی جو بیان کی گئی ہے ایک سچی کسوٹی ہے اس کسوٹی کے ذریعے لذتوں کی ترجیح اچھی طرح معلوم ہوجاتی ہے۔

اقسام لذت :۔ تمام لذتوں کی دو قسمیں ہیں۔

(1) **ظاہری لذت** :۔ ایک ظاہری لذت ہے جیسے حواس خمسہ کی لذتیں۔

(2) **باطنی لذت** :۔ دوسری لذتوں کی قسم باطنی ہے جیسے ریاست' غلبہ' بزرگی اور علم وغیرہ کی لذتیں۔ یہ لذت نہ تو آنکھ کو ہوتی ہے اور نہ کان کو اور ناک کو بھی یہ لذت نہیں حاصل ہوتی۔ ذائقہ و لمس کو بھی نہیں۔

باطنی لذت غالب ہے :۔ ظاہری لذات سے زیادہ باطنی لذات کا اہل کمال پہ غالب ہوتی ہے مثلاً اگر کسی کو یہ

اختیار دیا جائے کہ حریرہ' مرغ اور حلوہ کی لذت اختیار کر لے یا ریاست' غلبہ اور دشمنوں کو زیر کرنا پسند کرلے تو وہ شخص اگر پست ہمت' مردہ دل' پیٹ کا کتا ہوا تو پھر گوشت اور حلوہ اختیار کرے گا اور اگر وہ بلند ہمت' عقل کا پورا ہوا تو پھر وہ ریاست کو پسند کرے گا اور بھوکا رہنا اور ضرور غذا سے بھی کچھ دن صبر کرلینا اس پہ آسان ہوگا تو وہ ریاست کو ترجیح دینے سے سمجھا جائے گا کیونکہ اس کے نزدیک لذت ریاست اعلیٰ ترین غذاؤں سے زیادہ لذیذ ہے۔

لذت معرفت الہیہ :- ہاں! (یہ بات توجہ طلب ہے کہ) جو ناقص کو ابھی اس کے معانی باطنی پورے نہیں ہوئے جیسے لڑکا اور کم عقل کہ جس کی باطنی قوت ختم ہوگئی ہو وہ کھانے کی چیزوں کو ریاست پہ ترجیح دے گا اور جس طرح کہ اس شخص پر جو حالت لڑکپن اور کم عقلی سے بری ہو لذت ریاست اور کراہت غالب تر ہوتی ہے اسی طرح ہی لذت معرفت حق تعالیٰ اور حضرت ربوبیت کے جمال باکمال کا مطالعہ' پراسرار امور الہیہ کی لذت ریاست کی لذت (جو کہ مخلوق پر غالب ہے) سے بہت زیادہ ہے اس لذت کو اس آیت مبارکہ سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

لا تعلم نفس ما اخفی لهم من قرة اعین ترجمہ کنزالایمان :- تو کسی جی کو نہیں معلوم جو آنکھ کی ٹھنڈک ان کے لئے چھپا رکھی ہے صلہ ان کے کاموں کا۔

حاشیہ :- ا- شطرنج بھی ایک قسم کا جوا ہے چنانچہ بیہقی نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ شطرنج عجمیوں کا جوا ہے (2) ابن شہاب حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی وہ کہتے ہیں شطرنج نہیں کھیلے گا مگر خطاکار"

مسئلہ :- گنجفہ چوسر کھیلنا ناجائز ہے شطرنج کا بھی یہی حکم ہے اسی طرح لہولعب کی جتنی قسمیں ہیں۔ سب باطل ہیں صرف تین قسم کے لہو کی حدیث میں اجازت ہے بی بی سے ملاعبت اور گھوڑے کی سواری اور تیراندازی کرنا۔

ایسے لوگوں کے لئے وہ لذتیں ہیں جو نہ آنکھوں سے دیکھے اور نہ ہی کانوں سے سنے' نہ کسی کے دل میں گزریں اور یہ لذت تو صرف اسے ہی معلوم ہوگی جو ان دونوں لذتوں کو چکھے پھر بے شک وہ تجرد' تنہائی' ذکر و فکر اور بحر معرفت میں تیرنے کو پسند کرے گا۔ خلق کی ریاست کو معمولی سمجھ کر چھوڑ دے گا کیونکہ اسے معلوم ہے کہ یہ ریاست بھی جاتی رہے گی اور جس پر یہ ریاست قائم ہے وہ بھی نہیں رہے گی علاوہ ازیں اس میں مختلف قسم کی کدورتیں بھی ملی ہوئی ہیں کہ ان سے خالی ہونا ممکن ہی نہیں۔ اس کا خاتمہ موت پر تو ضروری ہو جائے گا اور موت ضرور آئے گی اس آیت کے مضمون کے مطابق کہ

حتی اذا اخذت الارض زخرفها وزینت وظن اهلها انهم قادرون علیها اتها امرنا لیلا اونهاراً فجعلنها حصیداً کان لم تغن بالامس ترجمہ کنزالایمان :- یہاں تک کہ جب زمین نے اپنا سنگار لے لیا اور خوب آراستہ ہوگئی اور اس کے مالک سمجھے کہ یہ ہمارے بس میں آگئی۔ ہمارا حکم اس پر آیا رات میں یا دن میں تو ہم نے اسے کر دیا کاٹی ہوئی گویا کل تھی ہی نہیں۔

فائدہ :- حق تعالیٰ کی معرفت اور اس کے صفات و افعال اور مملکت کے انتظامات جو کہ اعلیٰ علیین سے اسفل

السافلین تک کر رکھا ہے اس کی لذت ہر ایک بڑا جانے گا کیونکہ اس لذت میں کسی قسم کی مزاحمت و کدورت نہیں ہے جو کوئی بھی اسے دیکھنا چاہے تو اس کے لئے وسیع ہے اگر کوئی اس وسعت کو دیکھنا چاہے تو جہاں تک بھی اس کا اندازہ ہو سکتا ہے وہاں تک آسمانوں اور زمین کا عرض کہہ سکتے ہیں مگر جب اس کی ان حدوں سے آگے بڑھیں تو پھر اس کے پھیلاؤ کی کوئی حد نہیں ہے۔

عارف جنت میں:۔ جو عارف بھی اس کا مطالعہ کرتا ہے وہ ہمیشہ اس جنت میں رہتا ہے جس کا عرض زمین کے برابر ہے اسی کے باغات میں سیرو تفریح کرتا ہے۔ میوے توڑتا ہے وہاں کے چشموں سے پانی پیتا ہے اس بات سے بھی محفوظ رہتا ہے کہ یہ (جنتی ٹھاٹھ باٹھ اور جنت) جاتی رہے گی کیونکہ اس جنت کے پھل ایسے ہرگز نہیں ہیں کہ کبھی یہ پھل جاتے ہیں اور نہ ہی کسی سے ان کی رکاوٹ ہے پھر (مزہ تو یہ ہے کہ) یہ دائمی اور سرمدی ہیں کہ موت کی وجہ سے بھی یہ جاتے نہیں رہتے کیونکہ موت محل معرفت حق تعالیٰ کو فنا نہیں کرتی۔ محل معرفت تو روح ہے جبکہ روح امر ربانی اور آسمانی ہے۔

حاشیہ:۔1۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ یسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی ترجمہ کنزالایمان:۔ اور تم سے روح کو پوچھتے ہیں تم فرماؤ روح میرے رب کے حکم سے ایک چیز ہے۔

روح مع الجسد کا نام بندہ ہے موت جسم کو لاحق ہوتی ہے روح کو نہیں انبیائے کرام' اولیائے کرام اور شہداء کی روحوں کا مقام قرآن و حدیث میں بہت بلند بیان کیا گیا ہے جو روح حق تعالیٰ کی محبت کی لذت کی خوگر ہوجاتی ہے۔ وہ دیدار حق کے سوا کچھ نہیں چاہتی اس کی انتہا دیدار حق ہے۔ موتوا قبل انت موتوا کی موت جب انسان اپنے اوپر طاری کرلیتا ہے تو بقاء دوام حاصل کرلیتا ہے۔ روح دیدار حق کے سوا کچھ نہیں چاہتی۔ روح کیلئے حیات و ممات برابر ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ عالم اجسام میں تو روح مقید ہے جبکہ کل نفس ذائقۃ الموت (آل عمران 185) کے انعام سے استفادہ حاصل ہوجاتا ہے تو جسم کی قید بھی نہیں رہتی۔ روح بالکل آزاد ہوجاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی شاعر نے ارشاد فرمایا

؎ کون کہتا ہے کہ ولی مر گئے ۔۔۔ قید سے چھوٹے اپنے گھر گئے

اولیاء انبیاء کیلئے تو دنیا سے رخصتی قید سے آزادی ہے بعد میں ان پہ قید نہیں جہاں چاہیں آئیں جائیں جیسا کہ واقعہ معراج اس حقیقت کا شاہد ہے عرصہ دراز گزر گیا مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے مقام پہ نماز ادا کر رہے ہیں۔ تمام انبیائے کرام مسجد اقصیٰ میں موجود ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز بھی ادا کی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قبل مختلف انبیاء کرام نے خطبات بھی دیئے۔ بعدازاں مختلف آسمانوں کے مختلف مقامات پہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شرف ملاقات بھی حاصل کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کہنے پہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واپس بارگاہ حق تعالیٰ میں بھی جاتے رہے۔ نمازیں اور روزے کم کرواتے رہے۔ حضرت کلیم اللہ بار بار بارگاہ حق سے پلٹنے کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت سے بھی مستفید ہوتے رہے حتیٰ کہ پانچ نمازیں اور ایک ماہ کے روزے فرض باقی رہ گئے۔

موت صرف روح کے حالات اور اس کے کاموں اور عوائق کو بدلتی ہے اور اسے جس سے رہا کردیتی ہے نیست ہرگز نہیں کرتی چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون فرحین بما اتھم اللہ من فضلہ ویستبشرون بالذین لم یلحقوا بھم من خلفھم الا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔ (آل عمران 170-169)

ترجمہ کنزالایمان :۔ اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہرگز انہیں مردہ نہ خیال کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں روزی پاتے ہیں شاد ہیں اس پر جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا اور خوشیاں منا رہے ہیں اپنے پچھلوں کی جو ابھی ان سے نہ ملے کہ ان پر نہ کچھ اندیشہ ہے۔

مقام شہید :۔ا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات' بل احیاء ولکن لا تشعرون۔ ترجمہ کنزالایمان :۔ اور جو خدا کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں ہاں تمہیں خبر نہیں۔ ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون ترجمہ کنزالایمان :۔ اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہرگز انہیں مردہ نہ خیال کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں روزی پاتے ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ شہداء کا بڑا عظیم مقام ہے' جنت میں پہنچنے کے بعد کسی کو دنیا میں آنے کی آرزو نہ ہوگی مگر شہید کی آرزو بھی ملاحظہ فرمائیں۔ حدیث پاک میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "جنت میں داخل ہونے والا کوئی شخص بھی یہ پسند نہیں کرے گا کہ وہ دنیا میں واپس جائے اور (جنتی نعمتوں کے بدلے دنیوی) چیزوں کو قبول کرے مگر شہید یہ آرزو کرتا ہے کہ وہ دنیا میں واپس جائے اور دس بار خدا کی راہ میں شہید ہو کیونکہ وہ شہادت کی عظمت اور اس کے ثواب کو جانتا ہے۔ (بخاری شریف و مسلم شریف) (حدیث) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کے ہاں شہید کے لئے چھ امتیازی انعامات ہیں۔ (1) اس کی پہلی مرتبہ میں ہی (اس کے خون کا پہلا قطرہ گرتے ہی بخش دیا جاتا ہے۔ (2) اسے (جان نکلتے وقت) جنت میں اپنا ٹھکانا دکھایا جاتا ہے۔ (3) وہ قبر کے عذاب سے محفوظ رہتا ہے۔ (4) وہ بڑی گھبراہٹ (یعنی آگ کے عذاب) سے مامون رہے گا۔ (5) اس کے سر پہ عظمت و وقار کا تاج رکھا جائے گا جس کے یاقوت دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر و قیمتی ہوں گے۔ (6) اس کی زوجیت میں بڑی آنکھوں والی 72 عورتیں دی جائیں گی اور اس کے عزیز و اقارب میں سے 70 آدمیوں کے حق میں اس کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ (ترمذی شریف)

فائدہ :۔ آیت مبارکہ سے یہ بات ہرگز نہ سمجھنا کہ یہ آیت کریمہ تو صرف اس کے بارے میں ہے جو معرکہ حق و باطل میں شہید ہوا بلکہ عارف باللہ کو تو ہر ایک سانس میں درجہ ہزار شہداء کا ملتا ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ شہید آخرت میں یہ تمنا کرے گا کہ میں کسی نہ کسی طرح دنیا میں پھر دوبارہ جاؤں اور پھر معرکہ حق و باطل میں شہید ہو جاؤں۔ حقیقت یہ ہے کہ اسی تمنا کی بنا پر ہی یہ ہے کہ شہادت کا ثواب بہت بڑا میسر آئے گا اور شہیدوں کو یہ

خواہش ہوگی کہ کاش ہم علماء ہوتے کیونکہ اس خواہش وجہ یہ ہے کہ وہ علماء کا درجہ بہت بلند دیکھیں گے۔

حاشیہ

فضائل علماء:۔ حدیث پاک میں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اللہ تعالیٰ جس شخص کے لئے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے۔ اور میں تقسیم کرنے والا ہوں۔ عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ (بخاری و مسلم و مشکوۃ)

حدیث:۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے دو آدمیوں کا ذکر کیا گیا جس میں ایک عابد تھا اور دوسرا عالم یعنی آپ سے پوچھا گیا ان دونوں میں سے افضل کون ہے؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "عالم کو عابد پر ایسی ہی فضیلت حاصل ہے جیسی کہ میری فضیلت اس شخص پر جو تم میں سے ادنیٰ درجہ کا ہو۔ پھر اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "بلاشبہ اللہ تعالیٰ' اس کے فرشتے اور آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوقات یہاں تک کہ چیونٹیاں اپنے بلوں میں اور مچھلیاں اس شخص کے لئے دعائے خیر کرتی ہیں جو لوگوں کو بھلائی (علم دین) سکھاتا ہے۔ (مشکوۃ شریف)

حدیث شریف:۔ "ایک فقیہ (عالم دین) شیطان پر ایک ہزار عابدوں سے زیادہ سخت ہے۔ (ترمذی و ابن ماجہ)

حدیث شریف:۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "دو خصلتیں ایسی ہیں جو منافق میں جمع نہیں ہوتیں۔ ایک تو خلق نیک اور دوسری دینی سمجھ (ترمذی و مشکوۃ)

حدیث شریف:۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "علماء ہی انبیاء کرام کے وارث ہیں"

حدیث شریف:۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص ان لوگوں کو دیکھنا پسند کرتا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے جہنم سے آزاد فرمایا ہے تو وہ طالب علموں کو دیکھ لے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی جان ہے۔ عالم کے دروازے پر چکر لگانے والے طالب علم کو اس کے ہر قدم اور ہر حرف کے بدلے اللہ تعالیٰ ایک سال کی عبادت کا ثواب عطا فرماتا ہے اس کے ہر قدم کے بدلے اس کے لئے جنت میں ایک شہر بنایا جاتا ہے تو زمین اس کے لئے استغفار کرتی ہے اس کی صبح و شام مغفور ہوتی ہے۔ فرشتے اس کے لئے گواہی دیتے ہوئے کہتے ہیں۔ یہی ہیں وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے جہنم سے آزاد فرمایا ہے۔ (تنبیہہ الغافلین)

حضرت بابا فریدالدین گنج شکر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ من احب العلم والعلماء لم یکتب خطیئتہ یعنی جس کو علم اور علماء سے محبت ہو' اس کے گناہ نہ لکھے جائیں گے۔

اسرارالاولیاء میں ہے کہ بابا فرید رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا "یہ علماء انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں۔ خدائے کریم کے برگزیدہ لوگ ہیں۔ (اسرارالاولیاء) بابا فرید رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا "سید الانبیاء نے اپنی امت میں ان دو جماعتوں پر فخر فرمایا اول علماء' دوم مشائخ کیونکہ یہ حضرات دین کے ستون ہیں پس جس نے ان کے دامن

کو پکڑ لیا قیامت کے تمام عذابوں سے نجات پا گیا۔ (اسرار الاولیاء)

یہ احادیث مبارکہ و بابا فرید رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے فرمان اس لئے تحریر کیے ہیں کہ آجکل ہم علمائے کرام اور بزرگان دین سے دوری اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ بے دینوں کے چھوڑے ہوئے شوشے ہمیں راہ مستقیم سے پھسلا رہے ہیں۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ ان مولویوں نے ہمیں کہیں کا نہ چھوڑا' کبھی یہ بات سرگشت کرتی نظر آتی کہ بگھاڑ نے کہا کہ میں چودھویں صدی کے مولویوں میں ہوں اگر یوسف علیہ السلام کو میں نے کھایا ہو تو وغیرہ وغیرہ یہ تمام خرافات علمائے ربانی کے خلاف محض لادینیت کے بہاؤ کا ریلا ہے۔ اپنے دین و ایمان کی کھیتی اسی صورت میں ہی ان ریلوں سے بچا سکتے ہیں جب انبیاء' اولیاء' علماء اور مشائخین کرام سے نسبت مضبوطی سے استوار کریں گے ورنہ آج چور کی زبان بھی چور چور کہنے کی عادی ہو چکی ہے۔ پس نبی کریم کے فرمان ملاحظہ فرمائیں اور علمائے کرام کے بارے فیصلہ کریں۔ یاد رکھیں آج کا غلط فیصلہ دنیا و آخرت کے عذاب سے ہرگز نہ بچا سکے گا۔ اس کی تفصیل مزید فقیر کے رسالہ فضیلتہ علم و علماء میں دیکھئے۔ اویسی غفرلہ

محبت و معرفت الٰہی میں اختلاف کی حقیقت:۔ تمام ایمانداروں میں محبت کی اصل تو ہوتی ہے' اس لیے کہ ایمان میں تو سب ایماندار مشترک ہیں مگر محبت میں مختلف ہوتے ہیں۔ اس کی یہ وجہ ہے کہ دنیا میں معرفت اور محبت مختلف ہوتی ہے۔

قانون:۔ اشیاء میں اتنا تفاوت ہوتا ہے جتنا ان کے اسباب و علت میں تفاوت ہوتا ہے۔ عوام میں اکثر تو ایسے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات و اسماء جو ان تک پہنچتے ہیں' صرف وہی یاد کر لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ کچھ نہیں جانتے۔ ان اسماء و صفات کے بعض اوقات ایسے معانی تصور کر لیتے ہیں کہ ان معانی سے اللہ تعالیٰ پاک و منزہ و مبرا ہے۔ بعض اوقات حقیقت الامر نہ جان سکے اور ان کے غلط سلط معنی بھی خیال نہ کرتے بلکہ صرف تسلیم اور تصدیق کی حیثیت سے ایمان لائے اور عمل میں مصروف ہو کر گفتگو کو بالائے طاق رکھ دیا۔ یہ لوگ اصحاب یمین میں سے بننے والے ہیں اور جو لوگ فاسد و باطل خیال کر لیتے ہیں' وہ گمراہی میں ہیں اور جو لوگ حقیقت کے عارف ہیں' وہ مقرب ہیں۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ان تینوں قسموں کا بیان فرمایا ہے۔ فاما ان کان من المقربین فروح و ریحان وجنة نعیم واما ان کان من اصحاب الیمین فسلام لک من اصحاب الیمین واما ان کان من المکذبین الضالین نزل من حمیم وتصلیة جحیم (الواقعہ 94'88) ترجمہ کنزالایمان:۔ پھر وہ مرنے والا اگر مقربوں سے ہے تو راحت ہے اور پھول اور چین کے باغ اور اگر دہنی طرف والوں سے ہو تو اے محبوب تم پر سلام ہے دہنی طرف والوں سے اور اگر جھٹلانے والے گمراہوں میں سے ہو تو اس کی مہمانی کھولتا پانی اور بھڑکتی آگ میں دھنسانا۔

مثال:۔ اس حقیقت کو ایک مثال سے سمجھئے۔ سب کو معلوم ہے کہ شافعی مذہب والوں کو حضرت امام شافعی رحمتہ

اللہ علیہ سے محبت ہے۔ اس محبت میں فقہاء و علماء اور عوام تمام مشترک ہیں کہ حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے فضل' دینداری' نیک سیرت اور خصائل حمیدہ کو سب جانتے ہیں مگر عام لوگ تو ان کے علم کو اجمالی طور پر جانتے ہیں۔ آپ کے علم کو فقیہہ مفصل طور پر جانتا ہے۔ اس لیے آپ کو فقیہ کا جاننا زیادہ کامل ہوگا اور اس جاننے سے آپ کے ساتھ محبت و عشق بھی فقیہ کو زیادہ ہوگا۔

مثال :۔ کسی مصنف کی تصنیف کو کوئی دیکھتا ہے اور اسے اچھا جانتا ہے اور اس تصنیف کی وجہ سے اس مصنف کا فضل جانتا ہے تو اسے یقیناً محبوب جانتا ہے اور دل اس کی طرف مائل ہوتا ہے۔ پس اگر اس تصنیف سے دوسری کوئی تصنیف عمدہ اور اعلیٰ دیکھے گا تو بے شک دوبالا ہوگی' اس لیے کہ اس کے علم کی معرفت بڑھ گئی ہے۔

مثال :۔ کوئی کسی شاعر کے بارے میں اگر اعتقاد رکھتا ہے کہ وہ خوب شعر کہتا ہے تو اس سے ان اشعار کہنے کی وجہ سے محبت کرتا ہے اور جب اس قسم کے عجیب اشعار کہتا ہے کہ جن اشعار میں شاعر کی مہارت اور عقلمندانی ثابت ہو تو پہلے سے بھی زیادہ اس کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ محبت میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔

خلاصہ :۔ یونہی تمام صفات اور فضائل کا حال ہے کہ ایک عام آدمی جب سنتا ہے کہ فلاں شخص مصنف ہے اور اس کی تصنیف اچھی ہے مگر تصنیف کے مضمون سے واقف نہیں ہوتا تو اسے مجملا معرفت حاصل ہوتی ہے اور اسی نسبت سے رغبت و محبت بھی مجمل ہوتا ہے اور جب کوئی دانا آدمی اس تصنیف کا مطالعہ کرتا ہے اور اس کے عجائبات پر مطلع ہوتا ہے تو اس کی محبت یقیناً دوبالا ہو جاتی ہے کیونکہ عجائب صنعت اور شعرو تصنیف کی صفات صانع' شاعر اور مصنف کے کمال پر دلالت کرتی ہیں۔

نتیجہ :۔ جملہ عالمین اللہ تعالیٰ کی ساخت و صنعت ہے۔ ایک عام آدمی تو اس کا صرف اعتقاد اور علم رکھتا ہے مگر صاحب بصیرت اس کی صنعت کی تفصیل پر مطلع ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ مچھر میں وہ عجائب قدرت دیکھتا ہے کہ ان عجائب میں عقل حیران رہ جاتی ہے۔ اس لیے اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال اور کمال صفات زیادہ ہوتی ہیں۔ جتنا صنائع الٰہی کی عجیب و غریب باتوں پر اطلاع زیادہ بڑھتی جاتی ہے۔

فائدہ :۔ حقیقت یہ ہے کہ عجائبات صنع الٰہی کا دریا ناپیدا کنار ہے' اس لیے محبت میں اہل معرفت کا فرق بھی بہت زیادہ ہے۔ جن وجوہات کی بنا پر محبت میں اختلاف ہوتا ہے' وہ اختلاف ان پانچ وجوہات کا ہی ہے جو کہ محبت کے لیے ہم بیان کر چکے ہیں مثلاً اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے اس لیے محبت کرتا ہے کہ وہ اس کا محسن اور منعم ہے بلکہ اس کی ذات اقدس سے محبت نہیں رکھتا تو اس کی یہ محبت ضعیف ہے کیونکہ احسان کے بدلے سے یہ محبت بدل جاتی ہے۔ اگر دکھ' مصیبت' بلا کی حالت میں یہ محبت ایسی نہیں ہوتی جس طرح خوشی و آسائش کی حالت میں ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص محبت اس لیے رکھتا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی محبت کی مستحق ہے کہ کمال و جمال اور مجد و عظمت

سب اسے حاصل ہے تو اس کی یہ محبت احسان کے مختلف ہونے کی وجہ سے نہیں بدلتی بلکہ ہمیشہ ایک جیسی ہی رہتی ہے۔

خلاصہ:۔ محبت میں لوگوں کے مختلف ہونے کی یہ وجہ ہے' اس لیے ہی اخروی سعادت میں بھی فرق ہوتا ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ وللاخرۃ اکبر درجات و اکبر تفضیلا (بنی اسرائیل 21) ترجمہ کنزالایمان: ۔اور بے شک آخرت درجوں میں سب سے بڑی اور افضل میں سب سے اعلیٰ ہے۔

معرفت الٰہی میں قصور فہم:۔ تمام موجودات عالم میں ظاہر تر اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے' اس لیے چاہیے کہ تمام معرفتوں میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی معرفت ہی سمجھ میں آئے اور عقل سلیم پر آسان ترین بھی یہی معلوم ہوتا ہے مگر اس کے باوجود معاملہ اس کے بالعکس ہے تو اس کی وجہ بیان کرنا لازم ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام موجودات میں ظاہر ہے:۔ اللہ تعالیٰ تمام موجودات میں ظاہر تر ہے۔ یہ بغیر مثال کے سمجھ میں آنے والا نہیں ہے۔ وہ مثال یہ ہے کہ اگر کسی انسان کو ہم لکھتے یا سنتے یا کوئی اور کام کرتے ہوئے دیکھیں تو اس کا زندہ ہونا ہمارے نزدیک تمام موجودات میں سے ظاہر تر ہوگا یعنی اس کی زندگی' علم و قدرت اور کام کا ارادہ ہمارے نظریئے میں اس کی دوسری صفات ظاہری و باطنی کی بہ نسبت زیادہ واضح ہوگا کیونکہ باطنی صفات جیسے شہوت' غضب' خلق و صحت اور مرض وغیرہ کو تو ہم جانتے ہی نہیں ہیں۔ باقی رہیں ظاہری' ان میں سے بعض ظاہری صفتوں کو بھی ہم نہیں جانتے جبکہ بعض صفتوں کے بارے میں شک و شبہ ہے مثلاً مقدار طول وغیرہ۔ رنگ جلد وغیرہ تو آنکھ سے معلوم ہو سکتی ہیں مگر ان کے بارے میں کسی وجہ سے شک بھی رہ سکتا ہے۔ پھر اگر ہم تمام عالمین کی طرف مساویہ نظر کریں گے' پھر کوئی وجہ نہیں کہ صفت حق تعالیٰ ہمیں معلوم نہ ہو سکے۔

فائدہ:۔ ان دونوں صورتوں میں بات تو ایک ہی ہے اور بالکل واضح اور صاف صاف ہے بلکہ جب بھی عالم کو دیکھیں گے' حواس ظاہری و باطنی کے ذریعے ادراک کریں گے۔ وہ پتھر ہو یا ڈھیلا' نباتات' شجر' حیوان' زمین و آسمان یا ستارے یا خشکی یا تری یا عناصر یا عرض و جوہر وغیرہ تو ان تمام سے اللہ تعالیٰ کا وجود' قدرت و علم اور تمام صفتیں ضرور مشاہدہ میں آئیں گی اور ان تمام سے اس کے وجود وغیرہ کا ماحصل ثبوت ہے۔

ہر شے میں دلیل حق:۔ پہلی دلیل اللہ تعالیٰ کے وجود و صفات پر ہمارے نفوس' اجسام' اوصاف و احوال کا بدلنا' ہمارے دلوں کا اور تمام اطوار کا' حرکات و سکنات میں پھر جانا اور ہمیں علم کی راہ سے ظاہر ترین ہر ایک میں اپنا نفس معلوم ہوتا ہے۔ پھر وہ تمام چیزیں جو ہمارے حواس خمسہ سے معلوم ہو جاتی ہیں' پھر وہ چیزیں جو عقل و بصیرت سے ادراک ہوتی ہیں اور ان تمام مدرکات میں سے ہر ایک چیز شاہد اور جداگانہ دلیل ہے اور جتنی چیزیں بھی اس جہان میں ہیں' تمام ہی شواہد ناطقہ اور کامل دلائل ہیں۔ اس بات پہ ہیں کہ ان کا پیدا کرنے والا' مدبر' بدلنے والا' حرکت

دینے والا موجود ہے اور اس کے علم و قدرت اور لطف و حکمت پر بھی دلالت کرتے ہیں۔ اگر ان تمام موجودات مدرکات کی کوئی انتہاء نہیں ہے تو حق تعالیٰ کے وجود و صفات کے دلائل کو بھی شمار نہیں کیا جا سکتا۔

اب اگر کاتب حیات، علم اور قدرت کو صرف ایک دلیل یعنی اس کے ہاتھ کی حرکت دیکھنے سے ثابت اور ظاہر ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کا وجود اور حیات وغیرہ کیسے ظاہر نہیں ہوگی۔ اس کے لیے تو کوئی چیز بھی ایسی ممکن نہیں ہے کہ جو اس کے وجود پر دلالت نہ کرے۔ ہمارے نفسوں کے اندر اور باہر کوئی ایسی چیز نہیں ہے، اس لیے کہ زبان حال سے ہر ایک ذرہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ میں خودبخود وجود اور حرکت میں نہیں ہوں بلکہ مجھے وجود جیسی نعمت بخشنے والا اور مجھے حرکت دینے والا تو کوئی اور ہے۔ اسی پر ہمارے اعضاء کی ترکیب، ہڈیوں کے جوڑ، گوشت، پٹھہ، مسامات، ہاتھ پاؤں کی صورت اور تمام ظاہری و باطنی اجزاء گواہ ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ یہ تمام چیزیں خودبخود نہیں مرکب ہو گئیں۔ جیسا کہ یہ جانتے ہیں کہ کاتب کا ہاتھ خودبخود حرکت میں نہیں آجاتا لیکن ازانجا کہ کوئی شے تمام موجودات میں سے، کوئی سے مدرک، محسوس، معقول، حاضر و غائب ایسی ہرگز نہیں ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے وجود حق پر شاہد نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا ظہور اتنا ظاہر ہو گیا کہ تمام عقلیں اسے ادراک کرنے سے حیران و پریشان رہ گئیں، اس لیے کہ جس شے کو ہماری عقلیں سمجھ نہ سکے۔

قصور فہم کے اسباب:۔ اس کے دو سبب ہیں۔

1- اس شے کا بذات خود خفیہ اور باریک ہونا جس کی مثال ہر ایک کو معلوم ہے۔

2- اس شے کا واضح ہونا مثلاً دو کا ایک سے زیادہ ہونا اور چمگادڑ رات کو تو دیکھتی ہے، دن کو نہیں دیکھتی۔ یہ اس لیے نہیں ہے کہ دن رات سے زیادہ پوشیدہ ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ دن میں شدت ہے۔ چمگادڑ ضعف بصارت کی وجہ سے دن کے وقت اپنے آپ میں دیکھنے کی تاب نہیں رکھتی۔ نور آفتاب کے خوب ظاہر ہونے کا وقت اس کی بینائی کو منتشر کر دیتا ہے۔ ہاں اس میں جب کچھ تاریکی شامل ہو جاتی ہے، نور آفتاب کے ظہور میں جب ضعف آجاتا ہے تو پھر چمگادڑ کی بینائی کام کرنے لگتی ہے۔ یونہی ہماری عقلیں بھی ضعیف و کمزور ہیں اور حق تعالیٰ کے جمال کا نہایت اعلیٰ درجے کا چمکارا، نور اور شدت کا شمول رکھتا ہے کہ اس کے ظہور سے کوئی ذرہ بھی نہیں چھوٹا۔

ظہور حق سے کوئی شے خالی نہیں:۔ جب ملکوت زمین و آسمان میں اللہ تعالیٰ کے ظہور سے خالی کوئی ذرہ بھی نہیں ہے، یہی ظہور ہی اس کے پوشیدہ رہنے کا سبب ہوگیا۔ شدت ظہور کی وجہ سے پوشیدہ و خفی رہنے سے حیران نہیں ہونا چاہیے کیونکہ یا تو چیزیں اپنی مخالف چیزیں سے کھل جاتی ہیں۔

دو احوال میں فرق:۔ جس شے کا وجود ایسا عام ہو کہ اس کی کوئی مخالف چیز نہ ہو تو اس کا ادراک مشکل ہو جائے گا یا مختلف چیزیں اس قسم کی ہوں کہ کچھ تو دلالت کریں اور کچھ چیزیں دلالت نہ کرتی ہوں تو ان میں بہت جلد فرق

معلوم ہو سکتا ہے اور تمام چیزیں ہی دلالت کرنے میں ایک جیسی ہوں تو پھر بھی مشکل ہوگی مثلاً سورج کا نور زمین پر پڑتا ہے تو ہم جانتے ہیں کہ جب سورج غروب ہوتا ہے تو نور ختم ہو جاتا ہے۔ اگر سورج ہمیشہ روشن رہتا یعنی غروب کبھی نہ ہوتا تو پھر ہمیں یہی گمان ہوتا کہ جسموں میں ان کے رنگوں سیاہی اور سفیدی وغیرہ کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے کیونکہ یہی رنگ ہر وقت نظر آتا رہتا ہے حالانکہ روشنی تو جسم نہیں ہے کہ نظر پڑے مگر جب سورج غروب ہو گیا اور ہر جگہ اندھیرا چھا گیا تو پھر ہمیں ان دونوں حالوں میں فرق معلوم ہوا اور ہم نے سمجھ لیا کہ جسموں کی روشنی تو دھوپ کی وجہ سے تھی جو کہ سورج کے غروب ہونے پر جاتی رہی۔ مختصر یہ کہ دھوپ کا وجود اس کے عدم سے معلوم ہوا۔ اگر عدم نہ ہوتی تو بڑی مشکل سے اس سے آگاہی ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ تمام اجسام ایک جیسے ہی نظر آتے۔ اندھیرے اور اجالے سے بالکل فرق نہ پڑتا۔

نور کی تعریف:۔ محسوسات میں جو چیز نور جیسی ظاہر ہے' وہ دوسری اشیاء کو ظاہر کرتی ہے۔ صرف ظاہر ہونے سے ہی اس کا حال کس طرح مشتبہ ہو سکتا ہے بشرطیکہ اندھیرا نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ظہور:۔ اللہ تعالیٰ تمام امور سے زیادہ ظاہر ہے اور تمام اشیاء صرف اسی سے ظاہر ہوتی ہیں۔ اگر اسے ہی عدم یا غائب ہونا یا بدلنا ہو تو پھر زمین و آسمان تباہ ہو جاتے۔ تمام ملک و ملکوت بیکار ہو جاتے۔ ان دونوں احوال میں فرق معلوم ہو گیا۔ یونہی اگر بعض اشیاء اس کے ساتھ موجود ہوتیں اور بعض غیر کے ساتھ تو پھر بھی فرق دونوں اشیاء کی دلالت میں ہوتا مگر اس کی یہ دلالت تمام چیزوں میں ایک جیسی ہے اور اس کا وجود تمام حالوں میں دائم و قائم ہے کہ اس کے خلاف ہونا محال محض ہے تو پھر بالضرور شدت ظہور خفا کا موجب ہوا۔ پس فہم کے قاصر رہنے کی صرف یہی وجہ ہے مگر جس کی بصیرت قوی اور طاقت غالب ہے' وہ اپنے حال اعتدال میں وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو نہیں دیکھتا اور نہ ہی کسی دوسرے کو جانتا اور پہچانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور شے موجود نہیں ہے۔

افعال غیر اللہ:۔ کسی بھی غیر کے افعال اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آثار میں سے ہیں۔ اس لیے کہ وہ افعال بھی اسی کے تابع ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کے علاوہ اس کے کسی بھی غیر کا وجود نہیں ہے بلکہ وجود تو (حقیقتاً) اسی واحد تعالیٰ کا ہے جس کی وجہ سے ہی تمام کا وجود ہے۔ جس کی یہ حالت ہو' وہ تو کوئی بھی فعل ایسا نہیں دیکھتا کہ جس میں حقیقی فاعل کی طرف نظر نہ ہو۔ نہ آسمان کو آسمان جانے اور نہ ہی زمین کو زمین اور نہ ہی درخت اور حیوان کو انہیں ان کے وجود کے اعتبار سے دیکھے بلکہ ان اشیاء میں اس نظر سے دیکھتا ہے کہ یہ تمام واحد برحق کے افعال اور صنائع ہیں غرضیکہ اس کی نظر کسی بھی غیر کی طرف ہرگز نہیں جاتی۔ جس طرح کہ کوئی شخص شعر یا خط یا تصنیف دیکھ کر شاعر' کاتب اور مصنف کی طرف لحاظ کرے اور ان اشیاء کو اس لحاظ سے دیکھے کہ ان اشخاص کے آثار میں سے ایک اثر ہے' نہ کہ اس نظر سے کہ کاغذ پر سیاہی سے تحریر کیے ہوئے ہیں۔ پس ظاہر ہے کہ اس کی نظر غیر مصنف کی

طرف بالکل ہی نہ ہوگی۔ چونکہ تمام عالم اللہ تعالیٰ کی ہی تصنیف ہے' اس لیے جو شخص اس اعتبار سے اس کی طرف دیکھے گا کہ وہ تو اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور اسی اعتبار سے اسے پہچانے اور محبت کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسری چیز کا ناظر نہیں ہوگا اور نہ ہی اس عارف کامل' نہ دوسرے کا محب اور حقیقتاً موحد حقیقی تو وہی ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی طرف نظر نہیں کرتا۔ یہاں تک کہ اپنے نفس کی طرف بھی سوائے اس اعتبار کے ہرگز نہیں دیکھتا کہ خدا کا بندہ ہے۔ پس اس قسم کے سالک کے بارے میں ہی کہا جاتا ہے کہ وہ توحدی میں فنا ہوگیا اور اپنے نفس سے فنا ہوگیا۔

تبصرہ اویسی غفرلہ :- اس تقریر کے بعد امام ابن العربی شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نظریہ کو سامنے رکھے۔ اس کے بعد فیصلہ فرمایئے کہ امام غزالی رحمتہ اللہ جو صدیوں پہلے گزرے' ان میں دور ابن العربی رحمتہ اللہ میں کیا فرق ہے۔ بدقسمت ابن تیمیہ ان دونوں کا دشمن ہے۔ ملاحظہ ہو فقیر کی تصنیف ابن تیمیہ و علمائے ملت۔ (اضافہ اویسی غفرلہ)

اہل بصیرت و عوام اور علماء کرام :- یہ امور اہل بصیرت تو جانتے ہیں۔ عوام فہم کی کمزوری کی وجہ سے ان امور کو معلوم نہیں کر سکتے جبکہ علماء کرام سے ان کی تشریح و توضیح ایسی عبارت میں ممکن نہیں ہے جس سے دوسرے لوگ بھی غرض و غایت سمجھ سکیں۔ اس کے علاوہ وہ اپنے خیال میں مشغول ہیں اور عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ بات کسی غیر کے سامنے ذکر کرنا بالکل مفید نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عام لوگوں کے افہام حق تعالیٰ کی معرفت سے قاصر ہیں۔ علاوہ ازیں یہ امر مزید زائد ہے کہ تمام مدرکات جو اللہ تعالیٰ پر شاہد ہیں' ان کا ادراک آدمی کو لڑکپن میں بے عقلی کی حالت میں ہوتا ہے۔ بعدازاں آہستہ آہستہ عقل پیدا ہوتی ہے حالانکہ اس وقت وہ اپنی شہوتوں میں ڈوبا رہتا ہے اور مدرکات و محسوسات کو ہروقت دیکھتے دیکھتے ان سے مالوف اور مانوس ہو جاتا ہے۔ ان کی تو کچھ بھی قدر و منزلت نہیں رہتی کہ ان کی وجہ سے کوئی نئی بات معرفت کی سرزد ہو جائے۔

خلاف عادت فعل :- اگر اچانک کوئی عجیب قسم کا حیوان یا کوئی شے یا کوئی دوسرا فعل اللہ تعالیٰ کے افعال میں سے خلاف عادت عجیب نظر آجاتا ہے تو معرفت کا قول خود طبیعت سے ہی زبان پہ آجاتا ہے اور بے اختیار کہا جاتا ہے "سبحان اللہ" اور اپنے نفس اور اعضاء اقسام حیوانات کو جن سے پیار یا لگاؤ ہو' ملتا ہے۔ سارا دن دیکھتا ہے اور تمام کے تمام شواہد قاطعہ ہیں مگر ان کا شاہد ہوتا انس و محبت کی کثرت کی وجہ سے اسے محسوس نہیں ہوتا اور اگر کوئی مادر زاد نابینا' عاقل و بالغ ہو' یکبارگی اس کی آنکھیں روشن ہو جائیں اور آسمان' زمین' درخت' نباتات و حیوانات پر اچانک اس کی نظر پڑ جائے تو بڑا زبردست خطرہ ہے کہ کہیں اس کی عقل چکرا نہ جائے کیونکہ ایسی عجیب و غریب اشیاء کی شہادت ان کے خالق پر اسے نہایت عجیب و غریب معلوم ہوگی۔

خلاصہ :- مذکورہ بالا جیسے اسباب و شہوات کی وجہ سے عوام سے معرفت الٰہی کا دروازہ بند ہے ورنہ وہ تو بالکل ظاہر

ہے کہ باقی تمام ظہور اس کے سامنے معدوم ہیں۔

حقیقت شوق :۔ جو حق تعالیٰ کی محبت کے وقوع کا منکر ہے' اسے حقیقت شوق سے بھی انکار ہے کیونکہ شوق تو صرف محبوب کی طرف ہی ہوتا ہے اور ہم یہاں ثابت کرتے ہیں کہ عارف کو اللہ تعالیٰ کی طرف شوق ضرور ہوتا ہے اور وہ اس شوق پر مجبور ہیں۔

ثبوت شوق کے دو طریقے :۔ شوق کا ثبوت دو طرح ہے۔ (1) بطریق نظر اور تجرید (2) بطور اخبار و آثار۔

1بطریق نظر اور تجرید یعنی بصیرت :۔ پہلے طریق کے اثبات میں تو وہی بیان کافی ہے جو محبت کے اثبات میں پہلے بیان ہو چکا ہے یعنی محبوب کے غائب ہونے کی صورت میں اس کی طرف اشتیاق ضرور ہوتا ہے اور جو موجود اور حاصل ہوتا ہے۔ اس کی طرف اشتیاق نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ طلب اور اشتیاق کا نام شوق ہے۔ کسی امر اور موجود چیز کی تلاش نہیں ہوا کرتی اور اس کی توضیح یہ ہے کہ ایسی چیز کی طرف ہی شوق ممکن ہے جو چیز من وجہ مدرک ہو اور جو چیز من وجہ غیر مدرک ہو یا ایسی ہو کہ اس کا ادراک کبھی بھی نہ ہوا ہو تو ایسی چیز کی طرف ادراک بالکل نہیں ہوگا مثلاً ایک شخص نے کسی دوسرے شخص کو کبھی دیکھا بھی نہ ہو اور نہ ہی کبھی اس کی تعریف و توصیف سنی ہو تو خیال میں نہیں آتا کہ وہ اس کا مشتاق ہو۔ یونہی اگر کسی چیز کا ادراک کمال درجے کا حال ہو جائے تو پھر ایسی چیز کی طرف بھی شوق نہیں رہتا یعنی ایسی چیز کا شوق بھی ختم ہو جاتا ہے۔ پس جو شخص کہ اپنے محبوب کے مشاہدے میں مستغرق ہے اور ہمیشہ اسے دیکھ رہا ہے تو اسے بھی سمجھ نہیں آتا کہ شوق ہو بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ شوق تو اس چیز کے بارے میں ہوتا ہے جو ایک لحاظ سے تو مدرک ہو اور ایک صورت سے نہیں۔

شوق کی مثال مشاہدات میں :۔ مشاہدات میں سے اس کی مثال یہ ہے کہ فرض کریں کسی کا محبوب اس کے پاس نہیں ہے جبکہ اس کا خیال اس کے دل میں ہے تو اس خیال کی تکمیل کے لیے وہ محبوب کو دیکھنے کا مشتاق ہوگا اور اگر بالفرض اس کے دل سے اس کا خیال' ذکر اور معرفت سب کچھ ہی جاتا رہے اور سب کچھ بالکل ہی بھول گیا ہو تو خیال میں نہیں آتا کہ پھر وہ شخص اس محبوب کا مشتاق ہوگا اور اگر پھر اسے دیکھے تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ دیکھنے کے وقت اس کا شائق ہو۔ یہ بات تو اب یہاں پائی نہیں جاتی۔ سی طرح کبھی محبوب کو اندھیرے میں دیکھا کہ اس کی صورت اچھی طرح منکشف نہیں ہوتی تو پھر ایسے حال میں اس کے دیدار کی تکمیل کا مشتاق ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ روشنی ہو تاکہ حقیقتاً اچھی طرح دیکھ لوں یا یہ کہ محبوب کا چہرہ تو دیکھا مگر اس بال اور دوسرے محاسن نہ دیکھے تو پھر انہیں دیکھنے کا مشتاق ہوتا ہے' خواہ انہیں پہلے کبھی بھی نہ دیکھا ہو اور نہ ہی کوئی خیال دیکھنے کے بعد نفس میں جا ہو مگر چونکہ معلوم ہے کہ اس کا ایک عضو یا کئی اعضاء خوبصورت ہیں اور جمال کی تفصیل تو دیکھ کر معلوم نہ کی تو پھر اس بات کا مشتاق ہوتا ہے کہ اسے دیکھے جو کچھ پہلے نہیں دیکھا اور یہ دونوں صورتیں اللہ تعالیٰ میں متصور ہیں بلکہ ہر عارف کے لیے ضروری لازم ہے' اس لیے کہ عارفوں پر جو چند امور ایسے میں سے واضح ہوئے ہیں گو نہایت و

ضوح اس میں ہے' پھر ایسا ہے کہ باریک پردے کی اوٹ میں سے دیکھا ہے تو نہایت اعلیٰ درجے کا وضوح نہ رہا بلکہ شائبہ تخیلات کے ساتھ مخلوط ہوگا کیونکہ اس عالم میں تمام خیالات ساری معلومات کے لیے تمثیل اور مشابہت سے جدا نہیں ہوتے۔ اس قسم کے خیالات عارف کو تلخی میں ڈالتے ہیں۔

میدان عارف:۔ تمام زمین و آسمان کے ممالک عارف کے میدان ہیں۔ وہ جہاں کی سیر کرنا چاہے' وہاں سیر کرے۔ اس کی بھی حاجت نہیں ہے کہ وہ اپنی جگہ سے حرکت کرے اور اپنا تن بدن لے جائے اور اسی ملکوت کے جمال کے مطالعہ کے وجہ سے ہی اس جنت میں رہتا ہے جس کا عرض زمین و آسمان ہے۔ ہر عارف کو اتنا کچھ میسر ہے (جتنا کہ بیان ہوا) یہ بات ہرگز نہیں ہے' کوئی ایک دوسرے پر تنگی ڈالے۔

درجات عارفین میں فرق:۔ یہ ضروری ہے کہ جتنا جس کی نظر اور معرفت ہوگی' اتنا ہی اس کی سیرگاہ میں وسعت ہوگی۔ خدا کے نزدیک بھی ان کے درجات میں تفاوت بھی اسی سے ہوتا ہے جو گنتی میں نہیں آسکتا۔ اس بیان سے ظاہر ہوا کہ ریاست کی لذت جو کہ باطنی ہے' وہ اہل کمال میں حواس کی تمام لذتوں سے زیادہ ہوتی ہے اور یہ لذت بہیمہ اور کم عقل لڑکے کو حاصل نہیں ہوتی۔ محسوسات و شہوات کی لذت بھی اہل کمال کو ہی حاصل ہوتی ہے مگر لذت ریاست کو اس پر ترجیح دیتے ہیں مگر معرفت حق تعالیٰ اور اس کے صفات و افعال' آسمانوں' اس بادشاہی کے اسرار کی معرفت جو کہ لذت ریاست سے بھی زیادہ ہے۔ پس اسے وہی شخص جانتا ہے جو رتبہ معرفت پر پہنچے اور اس کا مزہ چکھے۔ اسے ایسے شخص کے سامنے ثابت کرنے کی کوشش کرنا جس کا دل نہ ہو' غیر ناممکن ہے۔ اس لیے کہ دل اس طاقت کا معدن ہے تو یہی جس کے دل میں نہ ہوگا' وہ اس لذت و سرور کو کیا جانے گا؟ جیسے لذت جماع کی ترجیح لڑکے کے نزدیک کھیل کود پر ثابت نہیں کر سکتے' نہ نامرد کو اس کی ترجیح عطر سونگھنے پر معلوم ہو۔ اس لیے کہ نامرد لڑکے میں تو وہ طاقت ہی نہیں ہے جس سے وہ لذت حاصل ہوتی۔ ہاں جو شخص سونگھنے کی قوت بھی صحیح رکھتا ہو اور نامردی (کی بیماری) سے بھی بچا ہوا ہو' وہ شخص ضرور ان دونوں لذتوں کا فرق جانے گا۔ پس اب یہی کہنا چاہیے کہ یہ لذت کہنے سننے کی ہرگز نہیں ہے بلکہ اس لذت کو تو وہی جان سکتا ہے جو چکھے۔

معرفت امور الٰہیہ کی خوشبو:۔ ہاں اگرچہ طلب معرفت امور الٰہیہ میں مصروف و مشغول نہیں ہوتے مگر پھر بھی اس لذت کی خوشبو ان کے مشام جان میں پہنچتی ہے۔ جب مشکلات و شبہات ان جن کے حل ہونے کے واسطے انہیں حرص بہت زیادہ ہوتی ہے کیونکہ ان کا ظاہر ہونا بھی ایک طرح کی معرفت اور علم میں داخل ہے۔ ان کی معلومات اتنی زیادہ اچھی تو نہیں ہیں جیسی معرفت ... کی معلومات ہوتی ہیں مگر جو شخص اپنی فکر کو اللہ تعالیٰ کی معرفت میں مستغرق کافی عرصہ رکھتا ہے اور ملک حق تعالیٰ کے اسرار میں سے اس پر چند ایک معمولی مقدار ان پر ظاہر بھی ہو جاتی ہے تو اس سے وہ اتنا خوش ہوتا ہے ... وہ اس پہ پھولا نہیں سماتا اور خوشی کے مارے اڑا جاتا ہے۔ وہ حیران ہوتا ہے کہ میرا نفس ثابت کس طرح رہا ہے ... اس امر کا متحمل ہوا۔ یہ چیز ایسی ہے کہ ذوق کے بغیر اس

کا ادراک نہیں ہو سکتا۔ اس میں کہنے سے فائدہ بہت تھوڑا ہوتا ہے۔

لذیذ ترین لذت :۔ اس بیان سے معلوم ہو گیا کہ تمام اشیاء سے لذیذ ترین معرفت حق تعالیٰ ہے۔ حضرت ابو سلیمان دارانی رحمتہ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ کے بعض بندے ایسے ہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ سے نہ تو دوزخ کا خوف روک سکتا ہے اور نہ ہی جنت کے حصول کی توقع تو ایسے لوگوں کو دنیا کیسے روک سکتی ہے۔"

حضرت معروف کرخی رحمتہ اللہ علیہ سے آپ کے کسی مرید نے پوچھا۔ اے ابو محفوظ! آپ ارشاد فرمائیں کہ آپ کو کس چیز نے عبادت کی ترغیب دی اور مخلوق سے الگ کیا؟ آپ نے خاموشی اختیار فرمائی۔ اس نے کہا کہ موت کی یاد نے آپ کا یہ حال کیا ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ موت کی اصل کیا ہے؟ اس نے پھر پوچھا' آپ قبر پر برزخ کی یاد سے اس طرح ہوئے ہیں؟ آپ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ یہ بھی بات بھی بے اصل ہے۔ اس نے پھر کہا کہ دوزخ کے ڈر اور جنت کی توقع نے آپ کو ایسا کر دیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ان دونوں کی بھی کوئی اصل نہیں ہے۔ یہ تمام چیزیں بھی ایک بادشاہ کے قبضہ قدرت میں ہیں کہ تم اگر اس بادشاہ کو چاہو تو وہ تمہیں یہ سب باتیں بھلا دے گا اور اگر میں اور اس میں معرفت ہو جائے تو پھر وہ تمہیں ان تمام سے بچائے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان :۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ارشاد گرامی میں ہے کہ کسی جوان کو جب تم اللہ تعالیٰ کی تلاش میں عاشق و فریفتہ دیکھو تو جان لینا کہ اس نے اسے دوسری تمام چیزوں سے غافل کر دیا ہے۔

خواب :۔ بعض مشائخ نے حضرت بشر بن الحارث رحمتہ اللہ سے خواب میں دریافت کیا کہ حضرت ابو نصر تمار اور حضرت عبدالوہاب وراق کا کیا حال ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا' میں نے انہیں اس وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے کھاتے پیتے دیکھا ہے۔ اس شخص نے پھر پوچھا کہ آپ کا حال کیا ہے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ مجھے کھانے پینے کی طرف رغبت کم ہے' اس لیے مجھے اپنا دیدار عطا فرمایا۔

معروف کرخی رحمتہ اللہ علیہ کا مقام :۔ حضرت علی بن الموفق نے خواب میں دیکھا کہ وہ جنت میں داخل کیے گئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ بہشت میں' میں نے دیکھا کہ دسترخوان پہ ایک شخص تشریف فرما ہے اور اس کے دونوں طرف دو فرشتے مختلف قسم کے میوے اسے کھلا رہے ہیں اور ایک شخص کو دیکھا کہ دروازہ جنت پر کھڑے ہوئے لوگوں کی صورتیں پہچانتا ہے۔ بعض لوگوں کو دیکھ کر جنت کے اندر داخل کر دیتے ہیں اور بعض لوگوں کو جنت کے دروازہ سے واپس کر دیتے ہیں۔ پھر میں ان سے خطیرہ قدس کی طرف آگے بڑھ گیا' وہاں سراوقات عرش میں ایک بزرگ کو دیکھا کہ اللہ جل جلالہ کی طرف دیکھ رہا ہے' وہ کسی اور طرف بالکل نہیں دیکھتا۔ رضوان جنت سے میں نے دریافت کیا کہ یہ شخص کون ہے؟ جواب دیا یہ معروف کرخی رحمتہ اللہ علیہ ہیں۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی عبادت دوزخ کے خوف سے نہیں کی اور نہ جنت کی توقع کے لیے بلکہ صرف حق تعالیٰ کی محبت کے لیے عبادت کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں قیامت تک اپنی طرف دیکھنے کی اجازت عطا فرمائی ہے اور کہا کہ ان کے ساتھ بشر بن الحارث رحمتہ

اللہ علیہ' حضرت احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ ہیں۔ اسی لیے ہی حضرت ابو سلیمان دارانی رحمتہ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو آج اپنے نفس میں مشغول رہے گا' وہ کل (بعد مرنے کے) بھی اسی نفس میں مشغول رہے گا اور جو آج اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشغول رہے گا' وہ کل بھی حق تعالیٰ کے ساتھ مشغول رہے گا۔

فرمان حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا:۔ حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا سے دریافت کیا کہ تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے؟ حضرت رابعہ بصری نے ارشاد فرمایا' اللہ تعالیٰ کی عبادت میں نے خوف دوزخ کی وجہ سے نہیں کی اور نہ ہی جنت کے حصول کے شوق سے تاکہ میرا حال برے مزدور جیسا نہ ہو بلکہ میں نے تو عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی محبت اور اشتیاق کی وجہ سے کی ہے۔ محبت کے باب میں انہوں نے چند اشعار ارشاد فرمائے۔

احبک حبین حب الھدی۔ وحبالمانک اہل لذاکا "ایک تو مجھے تجھ سے عشق کی وجہ سے محبت ہے' دوسری اس کی وجہ یہ ہے کہ محبت کے لائق حقیقتاً تری ہی ذات بابرکات ہے۔

اخ الذی ہو حب الھدی۔ فشغلی بذکرک عمن سواکا "میری یہ حالت تو صرف تیرے عش کی وجہ سے ہی ہے۔ میں نے ہمیشہ تیرے سوا کسی دوسرے کی یاد سے ہمیشہ دور رہتا ہوں۔"

واما انت الذی انت اہل۔ فکشفک لی الحجب حتی اراکا "جس عشق و محبت کے یا اللہ تو لائق ہے' اسی محبت کی وجہ سے تو نے تمام پردے ہٹا دیئے ہیں جس وجہ سے میں تجھے دیکھتا رہتا ہوں۔"

فلا الحد فی ذاولا ذاک لی۔ ولکن لک الحمد فی ذواذاکا "اس میں تعریف بیان ہو یا اس میں تعریف کی جائے۔ یہ ہر قسم کی تعریف حقیقی طور پر تیری ہی تعریف ہے کیونکہ میری تعریف تو کسی میں بھی ذرہ بھی نہیں ہے۔"

عشق و محبت سے مراد:۔ غالباً عشق و محبت سے ان کی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اس کے احسان اور انعام کی وجہ سے ہونی چاہیے یعنی وہ لذتیں کہ جو دنیا میں اسے عطا فرمائی ہیں' وہ محبت کا سبب بنی ہوں اور اس سے دوسری مراد یہ ہے کہ صرف اسی کے جلال و جمال کی وجہ سے محبت کی جو ان پر ظاہر ہوا اور ظاہر ہے کہ محبت کی اعلیٰ ترین اور قوی ترین قسم یہی ہے اور جمال ربوبیت کے دیکھنے کی غرض و غایت وہی ہے جسے نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حدیث قدسی شریف میں بیان فرمایا ہے اعدت العبادی الصالحین مالا عین رات وی اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر (بخاری بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) "اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں نے اپنے صالح بندوں کے لیے وہ چیز (انعام) تیار کر رکھی ہے جو نہ تو کسی آنکھ نے دیکھی ہے' نہ کسی کان نے سنی ہے اور نہ ہی کسی آدمی کے دل پہ گزری ہے۔"

اگر کسی شخص کی قلب کی صفائی انتہائی درجہ پہ پہنچ جاتی ہے تو اسے ان لذتوں میں سے بعض لذتیں دنیا میں ہی میسر آجاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اکابر بزرگان دین ارشاد فرماتے ہیں کہ میں یا اللہ اور یارب نہیں کہتا ہوں۔

اسے اپنے دل پر پہاڑ سے بھی زیادہ بوجھ سمجھتا ہوں کیونکہ یہ پکارنا تو پردے کی آڑ سے ہوتا ہے اور تم نے بھی یہ دیکھا کہ کوئی شخص اپنے ہم نشین کو پکارتا ہو اور یہ قول بھی ان کا ہی ہے کہ جب آدمی اس علم میں انتہائی درجہ کو پا لیتا ہے تو لوگ اسے پتھر مارتے ہیں یعنی اس کی گفتگو ان کی عقلوں کی حد سے باہر ہونے لگتی ہے تو وہ اس کے قول کو جنون یا کفر سمجھ بیٹھتے ہیں۔

فائدہ:۔ خلاصہ یہ کہ تمام عارفین کا مقصد توحید تو صرف وصل حق اور ملاقات ہی ہے اور ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک تو وہی ہے۔ کسی کو کچھ بھی معلوم نہیں کہ اس میں ان کے لیے کیا چیز چھپی ہوئی ہے اور جب وہ حاصل ہو جاتی ہے تو دوسرے ترددات اور شہوتیں بالکل ختم ہو جاتے ہیں اور اس کا دل صرف اسی کی لذت و سرور میں غرق ہو جاتا ہے اور یہ استغراق اس طرح کا ہے کہ وہ شخص اگر آگ میں بھی ڈال دیا جائے تو اسے تکلیف بالکل معلوم نہیں ہوتی (بلکہ تکلیف کا احساس بھی نہیں ہوتا) ایسی حالت میں اگر اس پر آسائش جنت بھی پیش کر دی جائے تو اس لذت و سرور کے سامنے اسے معمولی جانے لگا کیونکہ وہ مزہ تو ایسا ہے کہ اس لذت و سرور سے زیادہ کوئی دوسری لذت ہے ہی نہیں۔

لذت حق شناسی اور متفرق لذات:۔ معلوم نہیں کہ جو لوگ محبت محسوسات کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں سمجھتے' وہ اللہ تعالٰی کی صورت دیکھنے کی لذت پر کس طرح ایمان لے آتے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کی کوئی شکل و صورت نہیں ہے۔ جو وعدہ اللہ تعالٰی نے اپنے بندوں سے ارشاد فرمایا ہے' اسے تمام نعمتوں سے بڑا ارشاد فرمایا ہے۔ اس کا کیا مفہوم و معنی ہے بلکہ اصل تو یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالٰی کو پہچانتا ہے' وہ اس بات کو بھی جانتا ہے کہ جتنی بھی لذتیں متفرق طور پر ہیں اور مختلف شہوتوں سے حاصل ہوتی ہیں' وہ تمام اسی ایک ہی لذت میں جمع ہیں جیسا کہ کسی کا قول ہے:۔

کانت ملقبلی اھداء مفرقنہ۔ فاستجمعت مذراتک العین اھوائی "میرا دل متفرق خواہشات کا مرکز تھا لیکن جب سے میں نے تمہیں دیکھا تو وہ متفرق آرزوئیں یکجا جمع ہو گئیں۔"

فصار یحمدنی من کنت احسد۔ فعرت مولی الوری اذحرت مولا نی "جو میرے ساتھ حسد کرتا تھا' اب وہ میری تعریف کرتا ہے۔ جب سے میں تیرا غلام بنا ہوں۔ اس وقت سے تمام لوگ میرے غلام بن گئے ہیں۔"

ترکت للناس دیناھم ودیھم۔ مشغلا بذکرک یا دینی و دنیانی "دین و دنیا میں نے لوگوں کو سپرد کر دیا۔ اب میری دنیا و دین تیرا ذکر ہے۔"

اور بعض کا قول ہے وبجرہ اعظم من نارہ۔ ووصلہ اطیب من جنتہ "اس کا ہجر آگ سے بڑھ کر ہے۔ اس کا وصال جنت سے لذیذ تر ہے۔"

مقام جنت:۔ اس سے ان کی غرض صرف کھانے پینے اور لذت نکاح پر اس لذت کو ترجیح دینی ہے۔ جو لذت

معرفت حق تعالیٰ میں دل کو حاصل ہوتی ہے کیونکہ جنت وہ مقام ہے جہاں ان کی لذت سے حواس کو فائدہ حاصل ہوگا اور قلب کو حق تعالیٰ کے لقاء میں لذت ہے۔

لذات اور حالات خلق :- لذتوں کے بارے میں مخلوق کے احوال اس طرح سمجھنے چاہیں کہ جیسے بچے میں حرکت کی ابتداء اور تمیز میں ایک قوت پیدا ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ لڑکا کھیل کو لذیذ جانتا ہے۔ یہاں تک کہ کھیل اس کے نزدیک تمام چیزوں سے زیادہ لذیذ ہوتا ہے۔ پھر اس کے بعد زینت' کپڑے پہننے اور سواری کرنے کی لذت پیدا ہو جاتی ہے کہ اس کے سامنے پہلی لذت کھیل والی معمولی سمجھنے لگتا ہے۔ پھر بعد ازاں لذت جماع اور عورتوں کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ اسی لذت کی بنا پر وہ پہلی دونوں لذتیں چھوڑنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ پھر ریاست' بلندی' فخر اور مال و اولاد کی بکثرت کی لذت پیدا ہوتی ہے۔ لذات دنیا میں سے یہ سب سے اعلیٰ اور قوی تر لذت ہے۔ اسی طرح قرآن حکیم میں بھی ارشاد ہے کہ اعلموا انما الحیوۃ الدنیا لعب ولھو وزینۃ و تفاخر بینکم وتکاثر فی الاموال والاولد (الحدید 20) جان لو کہ دنیا کی زندگی تو نہیں مگر کھیل کود اور آرائش اور تمہارا آپس میں بڑائی مارنا اور مال اور اولاد میں ایک دوسرے پر زیادتی چاہنا۔

باعتبار عمر کے مختلف لذات :- ان تمام لذتوں کے بعد ایک قوت پیدا ہوتی ہے جس کی وجہ سے معرفت الٰہی اور اس کے افعال کی لذتیں ادراک کرتا ہے۔ اس لذت کے ہوتے ہوئے پہلی تمام لذتوں کو معمولی سمجھتا ہے۔ پہلی لذت سے بعد والی لذت زیادہ اور قوی تر ہوتی ہے اور یہ سب سے بعد کو ہے کیونکہ سن تمیز میں کھیل کی محبت پیدا ہوتی ہے۔ عورتوں اور زینت کی محبت سن بلوغ میں پیدا ہوتی ہے۔ محبت ریاست بیس سال عمر کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ علوم کی محبت تقریباً چالیس سال کے بعد پیدا ہوتی ہے اور یہی درجہ انتہاء ہے۔ جیسے لڑکا ایسے شخص کو دیکھ کر ہنستا ہے' ٹھٹھہ مذاق کرتا ہے جو کہ کھیل کو چھوڑ کر عورتوں کی طرف میل کرے یا ریاست کا طلبگار ہو۔ اسی طرح ہی رئیس بھی ان لوگوں پر ہنستا ہے' تمسخر کرتا ہے جو لوگ ریاست کو چھوڑ کر حق تعالیٰ کی معرفت میں مصروف و مشغول ہوتے ہیں جبکہ عارف ان سے یہ کہتا ہے کہ ان تسخروا منا فانا نسخر منکم کما تسخرون فسوف تعلمون "اگر تم ہم پر ہنسی مذاق کرتے ہو تو بلاشبہ ہم بھی تم پر (تمہاری یہ حالت دیکھ کر) ہنستے ہیں جیسے تم ہنستے ہو۔ پس عنقریب تم (حقیقت حال) جان جاؤ گے۔"

معرفت دنیوی سے لذت دیدار آخرت کی ترجیح کی وجہ :- مدرکات دو قسم ہیں۔ (1) خیال میں آسکتے ہیں۔ جیسے خیالی صورتیں' مختلف رنگوں کے جسم' حیوانات و نباتات جو شکلیں رکھتے ہیں۔ (2) خیال میں نہیں آسکتے۔ جیسے ذات حق تعالیٰ اور وہ تمام چیزیں جن کے اجسام نہیں ہوتے۔ جیسے علم' قدرت اور ارادہ وغیرہ۔

صورت خیالی :- کسی انسان کو دیکھ کر اگر کوئی شخص آنکھ بند کرلے تو اپنے خیال میں اس کی صورت پائے گا۔ اسی طرح جیسے وہ اسے دیکھ رہا ہے مگر جب اسے آنکھ کھول کر دیکھے گا تو کچھ فرق معلوم ہوگا۔ اس معنی کے لحاظ سے یہ

ہرگز نہیں کہ دونوں صورتوں میں کچھ اختلاف ہو کیونکہ وہ تو دونوں ایک ہی ہیں' فرق تو صرف اس اعتبار سے ہے کہ خیالی صورت میں انکشاف و وضوح نہیں تھا۔ جس وقت رویت آنکھ سے ہوئی تو اس وقت وضوح ہو گیا۔ اس کی مثال اس طرح سمجھیں کہ جس طرح کوئی شخص علی الصبح دیکھے' پھر دن نکلنے اور روشنی پھیلنے کے بعد دیکھے۔ ان دونوں اوقات میں دیکھنے میں صرف فرق زیادتی انکشاف کا ہی ہو گا۔ یونہی خیال بھی پہلے کے ادراک کا نام ہے۔

رویت :- پہلے ادراک کو خیال کہا جاتا ہے اور اسی ادراک کی تکمیل کو ہی رویت کہا جاتا ہے۔ یہ کشف نہایت اعلیٰ درجے کا ہے۔ رویت اس کا نام اسی جہت سے ہے کہ اس سے انتہائی درجے کا کشف ہوتا ہے۔ کچھ اس جہت سے نہیں کہ رویت آنکھ کے متعلق ہے بلکہ اگر اللہ تعالیٰ اس ادراک کامل کو پیشانی یا سینہ میں بھی رکھ دیتا۔ پھر بھی اس کا نام رویت ہی ہوتا۔ خیالی صورتوں میں جب یہ تقریر تمہاری سمجھ میں آگئی تو پھر اب یہ جان لو کہ جو اس قسم کی معلومات ہیں جو کہ خیال میں بھی نہ آئیں۔ ان کے ادراک کے بھی دو درجات ہیں۔

خیال میں نہ آنے والی معلومات کے درجات :- جو ایسی معلومات ہیں کہ وہ خیال میں بھی نہ آئیں۔ ان کے ادراک کے بھی دو درجات ہیں۔ ایک اول ادراک ہے جبکہ دوسرا اسی ادراک کی تکمیل ہے اور ان دونوں ادراکات میں زیادتی کشف و وضوح کا اسی طرح ہی فرق ہے۔ جیسا کہ خیالی صورت اور آنکھ سے دیکھی ہوئی چیز میں فرق تھا۔ دوسرے ادراک کو بہ نسبت اول کے مشاہدہ تھا رویت کہتے ہیں۔ یہ نام اسی ادراک کا واقعتا درست بھی ہے' اس لیے کہ رویت تو صرف غایت درجہ کے کشف کی جہت سے کہتے ہیں اور جیسے قاعدہ الٰہی اس بات پر جاری ہے کہ آنکھیں بند کرنے سے کشف اچھی طرح نہیں ہوتا۔

حجاب :- اگر مرئی چیز اور آنکھ کے درمیان کوئی حجاب (پردہ) حائل ہو تو اس حجاب کا دور ہونا رویت کے لیے ضروری ہے۔ یاد رکھیں جب تک وہ حجاب۔ درمیان سے نہ ہٹے گا تو اس طرح جو ادراک ہو گا تو اس طرح حاصل ہونے والا ادراک صرف تخیل کے طور پر ہی ہو گا' رویت نہیں کہلائے گا۔

حجاب اور مشاہدہ حق :- یونہی یہ بھی عادت الیہ کا تقاضا ہے کہ جب تک عوارضات نفس میں نفس محجوب' مقتضائے شہوات اور بشریت میں مبتلا رہے گا' اس وقت تک اسے مشاہدہ و رویت نہ ہو گی۔ ان معلومات کی جو کہ خیال سے باہر ہیں بلکہ (حقیقت تو یہ ہے کہ) دنیوی زندگی ہی سے رویت حجاب ہے۔ جس طرح پلکوں کا بند ہونا' آنکھوں کی رویت کا حجاب ہوتا ہے۔ زندگی کے حجاب ہونے کی وجہ بہت لمبی چوڑی ہے۔ اس علم میں اس کی تقریر لائق نہیں ہے۔

حجاب حیات مانع رویت :- یہی وجہ تھی کہ جب حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ والصلوۃ والسلام نے رویت کے لیے استدعا کی تو جواباً ارشاد باری تعالیٰ ہوا کہ لن ترانی (اے میرے کلیم) تو مجھے (حیات دنیوی میں) ہرگز نہ دیکھ سکے گا۔

یعنی حجاب حیات ہی ہماری رویت کا مانع ہے۔ ایک دوسرے مقام پر قرآن مجید فرقان حمید میں بھی ارشاد حق تعالیٰ ہے کہ لا تدرکہ الابصار "تمہاری آنکھیں اسے ادراک نہیں کر سکتیں" اس سے بھی یہی غرض ہے کہ رویت الٰہی دنیا میں نہیں ہے۔"

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کا نظریہ:۔ صحیح یہ ہے کہ شب معراج حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا۔ شرح احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ یہی مذہب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے کہ شب معراج حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو سر مبارک کی چشمان اقدس سے بلاحجاب دیکھا۔ یہی جمہور کا مذہب ہے اور یہی صحیح ہے۔ اس کی مزید تفصیل فقیر کی شرح حدائق بخشش اور فقیر کے رسالہ عرشیہ میں ہے۔ (اضافہ اویسی غفرلہ)

مختلف قسم کے نفس:۔ جب کہ موت کی وجہ سے حجاب دور ہو جاتا ہے تو دنیا کی کدورتوں میں نفس لتھڑا ہوا رہتا ہے۔ اس سے بالکل الگ نہیں ہو جاتا۔ گو اس آلودگی میں فرق ہوتا ہے۔ بعض نفس تو اس قسم کے ہوتے ہیں کہ ان پر گندگیوں اور زنگ کا گزر ہوتے ہوتے اس طرح کے ہو جاتے ہیں۔ جس طرح آئینے کو کافی عرصہ زنگ میں رہنے کی وجہ سے مورچہ لگ جاتا ہے اور اس کا جوہر ہی خراب ہو جاتا ہے کہ اسے جلاء اور صفائی کچھ بھی فائدہ نہیں دیتی۔ ایسے لوگ تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اللہ تعالیٰ سے محجوب میں رہیں گے۔ (نعوذ باللہ) بعض نفسوں کو اس درجہ کی کدورتیں نہیں ہوتیں کہ مہر اور دلی زنگ تک نوبت پہنچ جائے اور وہ اصلاح پذیر نہ ہوں۔ وہ چندے دوزخ پر پیش کیے جائیں گے۔ ان کا میل کچیل سب دور ہو جائے گا۔ جس قدر صفا و جلا کی حاجت کی ہوگی، دوزخ کا سامنا اسی قدر کرنا پڑے گا۔ گنہگار مومنین کے حق میں کم از کم تو ایک لحظہ اور زیادہ سے زیادہ سات ہزار سال (اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے) جیسا کہ اخبار سے اس کا مفہوم معلوم ہوتا ہے۔ اس دنیا سے کوئی نفس ایسا نہیں جاتا جس پر غبار یا کدورتیں نہ ہوں کہ زیادہ نہ سہی، تھوڑی ہی سہی۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ وان منکم الا واردھا کان علی ربک حتما مقضیا ثم ننجی الذین اتقو ونذر الظالمین فیھا جثیا (مریم 71، 72)

ترجمہ کنزالایمان:۔ اور تم میں کوئی ایسا نہیں جس کا گزر دوزخ پر نہ ہو تمہارے رب کے ذمہ پر یہ ضرور ٹھہری ہوئی بات ہے پھر ہم ڈر والوں کو بچالیں گے اور ظالموں کو اس میں چھوڑ دیں گے۔ گھٹنوں کے بل گرے۔

فائدہ:۔ معلوم ہوا کہ ہر ایک نفس کا گزر آگ پر تو یقیناً ہوگا مگر وہاں سے نجات ہونے کا یقین نہیں۔ وہاں سے نجات تو تب ہی ہوگی کہ جب اللہ تعالیٰ نفس کی طہارت و صفائی اچھی طرح کر دے گا اور جو مدت اللہ تعالیٰ نے مقرر فرما دی ہے، وہ پوری ہو جائے گی۔

حساب کتاب وغیرہ:۔ جن باتوں کا شریعت مطہرہ میں ذکر کیا گیا ہے یعنی حساب کتاب اور دربیشی وغیرہ تمام ہو چکیں اور جنت کا استحقاق بھی ہو اور یہ وقت مبہم ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے کسی کو مطلع نہیں فرمایا کیونکہ یہ تمام

صورتیں قیامت کے بعد ہوں گی اور قیامت کا وقت کسی کو معلوم نہیں۔

رویت حق تعالیٰ:۔ ان صورتوں کے بعد نفس صاف اور کدورتوں سے پاکیزہ ہو گا کہ اس نفس میں کسی قسم کا دھبہ یا غبار نہ رہے گا۔ پھر اس بات کے لائق ہو گا کہ اللہ تعالیٰ اس میں تجلی فرمائے اور یہ تجلی اس وقت اس طرح ہو گی کہ پہلے اس سے انکشاف اور وضوح کا علم ہو گا جس طرح کہ مرئیات کا وضوح متخیلات کی نسبت کر ہوتا ہے۔ رویت اور دیدار اسی مشاہدہ و تجلی کا نام ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بے شک رویت ہے بشرطیکہ اس رویت سے یہ کو نہ سمجھ بیٹھے کہ خیالی ادراک تو کسی خیالی صورت کا کسی خاص جہت میں جو ہوتا ہے' اس کی تکمیل کا نام رویت ہے۔ اسی طرح ہی رویت حق بھی ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو ان تمام امور سے بری ہے بلکہ جیسے اللہ تعالیٰ کو دنیا میں وہی حقیقی عرفان سے اچھی طرح جانا' پابند خیال' صورت' شکل اور جہت کے نہ ہوئے۔ اسی طرح ہی آخرت میں بھی دیدار حق تعالیٰ ہو گا بلکہ ہم تو یہ بھی کہتے ہیں کہ دنیا میں جو معرفت ہوتی ہے' وہی معرفت کامل و اکمل ہو کر درجہ کمال کشف کو پہنچ جاتی ہے اور وہی مشاہدہ و رویت کہلاتی ہے۔ اس آخرت کی رویت اور دنیوی معلوم میں سوائے زیادتی کشف اور وضوح کے کچھ بھی اختلاف نہیں جیسا کہ خیال کی مثال میں اوپر گزرا۔ پس جبکہ معرفت حق تعالیٰ میں ثبوت صورت اور جہت کا ممکن نہیں ہے تو اس کے پورا ہونے میں اور صرف وضوح و کشف کے مقام تک پہنچنے میں صورت و جہت کس طرح ہوگی۔ وہ دونوں تو ایک ہی ہیں۔ صرف اخروی رویت میں انکشاف زیادہ ہے جس طرح کہ خیالی صورت سے زیادہ کشف مرئی صورت میں ہوتا ہے۔ اس آیت کریمہ میں اسی طرح ہی اشارہ ہے نورھم یسعٰی بین ایدیھم وبایمانھم یقولون ربنا اتمم لنا نورنا ترجمہ کنزالایمان:۔ ان کا نور دوڑتا ہو گا ان کے آگے اور ان کے داہنے عرض کریں گے اے ہمارے رب ہمارے لئے ہمارا نور پورا کر دے۔

دنیا آخرت کی کھیتی:۔ اتمام ور سے صرف زیادتی کشف ہی ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہی لوگ دیدار اور رویت کے درجے کو پہنچیں گے جو دنیا میں عارف باللہ ہوں گے کیونکہ دنیوی معرفت ہی ایک ایسا بیج ہے جو آخرت میں مشاہدہ ہو جاتا ہے۔ جیسے گٹھلی ہی انجام کو درخت بن جاتی ہے' دانہ پیڑ بن جاتا ہے۔ گٹھلی ہی جس کی زمین میں نہ ہوگی' اس کے لیے درخت کہاں سے پیدا ہو جائے گا؟ جو بیج ہی نہ بوئے گا' وہ کھلیان کیسے حاصل کرے گا؟ پس اسی طرح ہی سمجھیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو دنیا میں ہی نہیں پہچانے گا' وہ اسے آخرت میں کیسے دیکھ سکے گا؟

جیسی معرفت ویسی تجلی:۔ چونکہ درجات معرفت مختلف ہوتے ہیں تو اسی طرح سمجھیں کہ تجلی بھی مختلف ہوتی ہے۔ جس طرح بیج کے اختلاف کی وجہ سے سبزہ اور روئیدگی مختلف ہوتی ہے مثلاً اگر بیج زیادہ ہو گا یا کم ہو گا' اچھا اور قوی ہو گا یا کمزور تو اس کی روئیدگی بھی اسی طرح ہی ہوگی۔ یونہی تجلی کا حال بھی جاننا چاہیے کہ جیسی معرفت ہوگی' تجلی بھی ویسی ہی ہو گا۔ اسی وجہ سے حدیث شریف میں وارد ہے کہ ان اللہ یتجلی للناس عامتہ ولابی بکر

خاصتہ "اللہ تعالیٰ دوسرے لوگوں کے لیے تو عام تجلی فرمائے گا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے خاص تجلی فرمائے گا۔

پس یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ جو لذت دیدار اور جیسی نظر رحمت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہوگی' بالکل اس جیسی ہی ان سے کم درجات والوں کو بھی میسر ہوگی بلکہ ان کی لذت کا سواں حصہ 1/100 بھی ان سے کم مقام والوں کو نہ مل سکے گا۔ اگر ان کی معرفت آپ کی معرفت کی نسبت سواں 1/100 حصہ ہوگی اور ازانجاکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سر معرفت میں لوگوں سے بڑھ کر تھے اور یہ راز محض آپ کے سینہ مبارک میں جاگزیں تھا' اس لیے ہی آخرت میں اسی تجلی کے حق دار ٹھہرے جو کہ خاص انہیں کے لیے ہی ہو۔

ترجیحات:۔ جس طرح دنیا میں لوگوں کو دیکھتے ہو کہ بعض لوگ ریاست کی لذت کو مطعومات اور لذت نکاح پر ترجیح دیا کرتے ہیں۔ بعض لوگ لذت علم و انکشاف اسرار زمین و آسمان اور امور الٰہیہ کو ریاست' کھانے کی چیزوں' پینے کی چیزوں وغیرہ کی لذت پر ترجیح دیتے ہیں۔ یونہی معاملہ آخرت میں بھی ہوگا کہ بعض لوگ دیدار حق تعالیٰ کی لذت کو آسائش جنت پر مقدم جانتے ہیں۔ اس لیے جنت میں کھانے' پینے' نکاح کی لذت ہوگی اور یہ لوگ بالکل اسی طرح ہی ہیں۔ ہم نے جن کا حال اوپر بیان کیا ہے کہ علم و معرفت کی لذت اور اسرار ربوبیت کی اطلاع کو تمام قسم کی لذتوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ جن میں عام لوگ شاغل ہیں۔

حضرت رابعہ بصری:۔ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا سے دریافت کیا گیا کہ جنت کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا الجار ثمہ الدار یعنی پہلے صاحب خانہ' پھر خانہ۔ آپ نے اس قول میں بیان فرمایا ہے کہ میرے دل میں التفات جنت کی طرف ہرگز نہیں ہے بلکہ جنت کے مالک کی طرف ہے۔

معرفت ہی مشاہدہ بنے گی:۔ اللہ تعالیٰ کو جو شخص دنیا میں نہیں پہچانے گا' وہ اسے آخرت میں بھی نہ دیکھ سکے گا۔ جسے دنیا میں لذت معرفت میسر نہ آئے گی' وہ آخرت میں بھی لذت دیدار نہ حاصل کر سکے گا کیونکہ اگر کسی کے ساتھ دنیا سے کچھ نہ جائے گا تو آخرت میں بھی اسے کوئی بات حاصل نہ ہوگی۔ جو یہاں بوئے گا وہی وہاں کاٹے گا۔ آدمی جس بات پر مرے گا' اس پر ہی اس کا حشر بھی ہوگا اور جس بات پر زندہ رہا ہوگا' اس پر ہی مرے گا۔ پس جتنا توشہ معرفت اس کے ساتھ ہوگا' وہاں اتنی ہی لذت دیدار پائے گا۔ وہی معرفت ہی اس کے لیے مشاہدہ کی صورت اختیار کر جائے گی اور زیادتی کشف سے لذت دوبالا ہو جائے گی جیسا کہ محب اگر محبوب کی خیالی صورت ذہن میں رکھتا ہے اور پھر وہی صورت آنکھ سے دیکھتا ہے تو چونکہ اس کی فقطائے لذت وہی ہے' اس لیے اس کی خیالی صورت کی لذت بہ نسبت مضاعف ہو جاتی ہے۔

جنت میں من پسند چیز کا ملنا:۔ ازانجاہ کہ جنت میں ہر کسی کو دل پسند چیز میسر آئے گی اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے دیدار کے علاوہ کچھ نہ چاہتا ہوگا' اسے اس کے علاوہ میں کچھ بھی لذت حاصل نہ ہوگی بلکہ کیا عجب بات تھی کہ

تکلیف پائے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جنت کی آسائش اتنی ہی ملے گی کہ جتنی محبت الٰہی ہوگی اور محبت بقدر معرفت ہوتی ہے۔

فائدہ:۔ معلوم ہوا کہ اصل سعادت عظمیٰ تو حق تعالیٰ کی معرفت ہی ہے جسے شریعت مطاہرہ میں ایمان سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ اب اگر اس طرح کہو کہ دیدار کی لذت کو اگر کچھ نسبت معرفت کی طرف ہے تو معلوم کہ بہت تھوڑی ہوگی' خواہ معرفت کی نسبت دوگنی چوگنی وغیرہ ہی نہ ہو کیونکہ لذت معرفت دنیا میں بہت ضعیف ہے۔ پس اس کا دوگنا چوگنا کرنے سے ایسی حد کو نہیں پہنچیں گے۔ جس کے سامنے تمام جنتی نعمتیں کم معلوم ہوں تو اس کا یہ جواب ہے کہ لذت معرفت کو کم سمجھنے کا مقصد خالی از معرفت ہوتا ہے۔

کم معرفت:۔ جو شخص معرفت سے بالکل ہی خالی ہوگا' وہ معرفت کی لذت کیسے جانے گا اور اگر اس میں تھوڑی سی معرفت ہو بھی اور اس کے دل میں دنیوی علائق بھرے ہوئے ہوں تو اسے معرفت کا مزہ کیا ملے گا؟

عارفین کے لیے مزے:۔ عارفین کو ان کی معرفت' فکر اور مناجات میں وہ مزے ملتے ہیں جن کے بدلے اگر ان کے سامنے لذات جنت پیش کی جائیں تو وہ انہیں ہرگز نہ لیں گے اور اپنی لذتیں جنت کے مزوں کے عوض ہرگز نہ بدلیں۔ پھر یہ لذت عارفین کی کمال لذت دیدار اور مشاہدہ سے کچھ بھی نسبت نہیں رکھتی جیسے تصور محبوب کی لذت کو اس کے دیدار سے کچھ بھی لذت نہیں ہوتی یا عمدہ اعلیٰ قسم کے مزیدار کھانوں کے سونگھنے کی لذت تو ان کے ذریعے کی لذت سے کچھ بھی نسبت نہیں یا ہاتھ سے چھونے کی نسبت کی لذت کو لذت جماع سے کچھ بھی نسبت نہیں کہ ان دونوں میں زیادہ فرق بغیر مثال بیان کیے ممکن ہی نہیں۔

لذت دیدار محبوب میں فرق:۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ دیدار محبوب کی لذت دنیا میں کئی وجوہات کی بنا پر متفاوت ہوتی ہے۔

1۔ جمال محبوب کا کامل ہونا اور ناقص ہونا۔ یہ بات تو واضح ہے کہ زیادہ کامل کی طرف دیکھنے سے نظر کو زیادہ لذت ہوتی ہے۔

2۔ محبت' خواہش اور عشق کا غالب ہونا کیونکہ جو لذت عاشق زار کو حاصل ہوگی' وہ کم محبت والے کو نہ ہوگی۔

3۔ ادراک کامل ہونا۔ اگر محبوب کو نزدیک سے بے پردہ خوب چاندنی میں دیکھے گا تو لذت زیادہ ہوگی' بخلاف اس صورت کے کہ اندھیرے میں دیکھنے یا باریک پردے کی آڑ میں دیکھنے سے یا دور سے دیکھنے میں۔ یونہی پاس لیٹنا اور کپڑے کا حجاب ہونا وہ لذت نہیں دیتا جو کہ برہنگی کی حالت میں لذت دیتا ہے۔

4۔ موانع اور دل کو پریشان کرنے والے تردوات کا الگ کرنا مثلاً ایک تندرست' خوشحال بے تردد شخص اپنے محبوب کو دیکھتا ہے تو جو کیفیت اسے ہوگی' وہ کیفیت اسے حاصل نہیں ہو سکتی جو اپنے محبوب کو حالت خوف

میں دیکھے یا بیمار' دردمند ہے یا اس کا دل کسی ایسے تردد میں مبتلا ہے کہ دیدار کی کیفیت وہ اچھی محسوس نہیں کرتا۔

اب فرض کرو کہ ایک عاشق کہ جس کا عشق ضعیف ہے' وہ اپنے محبوب کو باریک پردے کے پیچھے ذرا سے فاصلے سے دیکھتا ہے۔ اس طرح کہ اس کی صورت کی ماہیت اچھی طرح نظر نہیں آتی۔ اس پر بھی طرہ یہ کہ اس محب کے ارد گرد بچھو اور سانپ وغیرہ موذی جانور ہیں جو اسے مسلسل کاٹتے جا رہے ہیں اور اس کے دل کو پراگندہ کرتے ہیں تو صاف ظاہر ہے کہ ایسے شخص کو محبوب کے دیدار کی کچھ نہ کچھ تو لذت حاصل ہوگی لیکن اگر اس پر یکایک ایسی حالت آجائے کہ فاصلہ بھی ختم ہو جائے' پردہ بھی ہٹ جائے' موذی جانور بھی ختم ہو جائیں' روشنی بھی خوب ہو۔ یہ شخص تندرست اور بے فکر ہو' شہوت قوی اور شدت عشق بھی انتہاء کو پہنچ جائے تو سوچ طلب امر یہ ہے کہ اس شخص کی لذت کا کیا حال ہوگا۔ پہلی حالت کو اس دوسری حالت سے کیا نسبت ہو سکتی ہے۔

لذت معرفت اور لذت دیدار:۔ اسی طرح ہی معرفت کی لذت اور دیدار کی لذت کی طرف نسبت سمجھنا چاہیے یعنی باریک پردہ تو انسانی بدن ہے' سانپ اور بچھو وغیرہ مختلف شہوتیں ہیں جو کہ انسان پر مسلط ہیں۔ جیسے بھوک' پیاس' غضب' غم و اندوہ وغیرہ ضعف شہوت و محبت یہ ہے کہ ملا اعلیٰ کا شوق دنیا میں نفس کم ہی رکھتا ہے اور لذت عرفان میں ناقص اور اسفل السافلین کی طرف راغب ہے۔ جس طرح کہ لڑکا چڑیا سے کھیلنے کی وجہ سے لذت ریاست کے بڑھنے سے قاصر ہوتا ہے۔ پس اگرچہ عارف دنیا میں اس کی معرفت قوی ہو' پھر بھی ان مکروہات سے خالی نہیں ہوتا اور ان ترددات سے خالی ہونا ناممکن ہے۔ ہاں بعض اوقات یہ موانعات کسی طرح کمزور بھی ہو جاتے ہیں۔ اس وقت جمال معرفت ایسا نظروں میں چمک جاتا ہے کہ جس سے عقل حیران ہو جاتی ہے۔ اتنی زیادہ لذت حاصل ہوتی ہے کہ دل پھٹنے کے قریب ہو جاتا ہے مگر یہ حالت آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی بجلی کی مانند ہوتی ہے۔ بہت ہی کم ٹھہرتی ہے بلکہ شواغل' افکار اور خواطر ایسے پیش آتے ہیں کہ جو عارف کو ترددات میں ڈال دیں اور وہ عیش و سرور مکدر کر دیں اور اس فنا ہونے والی زندگی میں تو یہ بات ہمیشہ ہی رہتی' اس لیے ہنگام موت تک یہ لذت مکدر ہی رہتی ہے۔ عمدہ و اعلیٰ حیات موت کے بعد ہے جس کے لیے حدیث شریف میں آیا ہے کہ لا عیش الا عیش الاخرۃ "کوئی عیش نہیں ہے مگر آخرت کی عیش۔" اور کلام مجید فرقان حمید میں ارشاد ربانی ہے کہ وان الاخرۃ لھی الحیوان لو کانوا یعلمون "اور پچھلا گھر جو ہے سو یہی جینا ہے' اگر یہ سمجھ رکھتے۔"

دنیا معرفت کا حصول:۔ جو شخص اس درجہ پر پہنچ جاتا ہے' وہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو محبوب جانتا ہے۔ اس لیے ہی وہ موت کو بھی اچھا جانتا ہے۔ وہ موت کو برا نہیں جانتا مگر صرف اسی خیال سے کہ معرفت موت آنے سے پہلے اور زیادہ کامل ہو جائے کیونکہ معرفت بیج کی مانند ہے۔ جس قدر یہاں اچھی اور کامل ہو جائے' اسی قدر ہی اس کا نمو کامل و عمدہ بروز قیامت میں میسر ہوگا جبکہ معرفت تو ایک دریائے ناپیدا کنار ہے تو گو احاطہ کنہ جلال ایسا کا تو محال

ہے مگر پھر بھی جتنی معرفت حق تعالیٰ کی اس کے صفات و افعال و اسرار مملکت کی زیادہ اور مضبوط ہوگی' اسی قدر ہی لذت آخرت بھی بہت اور بڑی ہوگی اور تخم معرفت کا حاصل کرنا بغیر دنیا کے ممکن ہی نہیں ہے۔ اس کا بونا مزرعہ قلب کے بغیر نہیں ہو سکتا اور اس کا کھلیان آخرت میں حاصل ہوتا ہے۔

حدیث شریف:۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افضل السعادات طول العمر فی طاعتہ اللہ" سعادتوں میں افضل سعادت اللہ کی اطاعت میں گزرنے والی لمبی عمر ہے۔"

فائدہ:۔ اس لیے اگر عمر لمبی ہوگی اور مداومت فکر' مجاہدہ' علائق دنیوی سے علیحدگی اور طلب میں ہمہ تن سرگرمی میسر ہوگی تو ظاہر ہے کہ معرفت بھی کامل' واسع اور زیادہ ہوگی۔ پس جو شخص موت کو محبوب جانتا ہے' اسی کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ اپنے آپ کو معرفت حق میں ایسے درجے پر دیکھتا ہے کہ اس سے زیادہ ملنا اسے معلوم نہیں ہوتا۔

موت کو اچھا یا برا جاننا:۔ اگر کوئی اس نظر سے موت کو برا جانتا ہے کہ اگر عمر زیادہ ہوگی تو معرفت زیادہ ہونے کی توقع رکھتا ہے۔ اپنے آپ کو اس وقت ممکن الحصول کے درجے سے قاصر پاتا ہے۔ اہل معرفت کے نزدیک موت کو برا یا اچھا جاننے کی صرف ایک ہی وجہ ہوتی ہے' بخلاف بقیہ تمام مخلوق کے کہ ان کی نظر تو صرف دنیوی شہوتوں پر ہوتی ہے۔ اگر تمام آرزوئیں خاطر خواہ زیادہ میسر ہو جائیں تو پھر لمبی عمر چاہتی ہے اور اگر آرزوؤں کے پورا ہونے میں تنگی ہو تو موت چاہتی ہے حالانکہ یہ باتیں محرومی و نقصان کی ہیں۔ ان کا منشاء محض جہالت و غفلت ہے۔ بدبختی کی جڑ یہی دونوں ہیں جبکہ معرفت تمام سعادتوں کی اصل ہے۔

تعریف عشق:۔ اس تحقیق سے تمہیں عشق و محبت کے معنی معلوم ہو گئے کہ کثرت محبت کو عشق کہتے ہیں۔ نیز معنی لذت معرفت و رویت اور لذت رویت معلوم ہوگی۔ اہل عقل و کمال دونوں کے نزدیک تمام لذتوں سے لذیذ ترین لذت' لذت دیدار ہے۔ گو اہل نقصان کے عندیہ میں ایسی نہ بھی ہو جیسی کہ لذت ریاست لڑکوں کے نزدیک غذا کی چیزوں سے زیادہ عمدہ نہیں ہوتی۔

آخرت میں رویت حق کا محل دل ہوگا یا آنکھ:۔ اب یہ معلوم کرنا چاہیے کہ حق تعالیٰ کی رویت کا محل آخرت میں دل ہوگا یا آنکھ۔ اس بارے میں لوگوں (بزرگوں) کا اختلاف ہے۔ اہل بصیرت اس اختلاف کی طرف دھیان ہی نہیں دیتے۔ وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ غافل کو تو آم کھانے سے غرض ہے' پیڑ گننے سے نہیں۔ جو شخص عشق کی حالت میں اپنے محبوب کا دیدار کرنا چاہتا ہے' وہ اس بات کی پروا نہیں کرتا کہ دیدار محبوب آنکھوں میں پیدا ہوگا یا پیشانی میں بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ محب کی غرض تو رویت محبوب اور اس کی لذت سے ہے۔ اس کے لیے برابر ہے کہ وہ اسے آنکھ کے ذریعے حاصل ہو یا کسی دوسرے اعضاء سے کیونکہ آنکھ تو صرف محل اور ظرف ہے۔ وہ تو دیکھتی ہی نہیں اور نہ ہی اس کا کچھ اعتبار ہے۔ اس بارے میں حق یہ ہے کہ قدرت حق تعالیٰ میں ان دونوں

باتوں کی گنجائش ہے۔ وہ دونوں ہی نعمت دیدار دے سکتا ہے تو یہ صورت تو جواز کی ہے اور ان دونوں جواز کی صورت میں سے آخرت میں کون سی صورت ہوگی۔ یہ بات حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے سنے بغیر معلوم نہیں ہو سکتی۔

رویت حق اور عقیدہ اہلسنّت و جماعت:۔ رویت حق تعالیٰ کے بارے میں وہی عقیدہ صحیح ہے جو عقیدہ اہلسنّت و جماعت کا ہے کہ آنکھ میں رویت کے لیے قوت دیدی جائے گی۔ اسی طرح ہی شرعی دلائل سے سمجھ میں آتا ہے کیونکہ الفاظ رویت اور نظر وغیرہ کے استعمال ہوئے ہیں۔ ان سے بظاہر آنکھ کی نظر ہی معلوم ہوتی ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ بلاضرورت ظاہری الفاظ کی تاویل کرنا جائز نہیں ہے۔ (واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم بالصواب)

محبت حق تعالیٰ کے قوی ہونے کے اسباب:۔ یاد رکھیں کہ آخرت میں لوگوں میں سے سعید ترین اس شخص کا حال ہوگا۔ جو اللہ تعالیٰ کی محبت قوی ترین رکھتا ہوگا' اس لیے کہ آخرت کے معنی بھی یہی ہیں کہ حق تعالیٰ کے پاس آنا اور ملاقات کی سعادت سے شرف حاصل کرنا اور یہ بات اظہر من الشمس ہے۔ محب جب اپنے محبوب کے پاس بہت دنوں کے اشتیاق کے بعد جائے گا اور ہمیشہ کے لیے حق تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوگا تو وہ اس سلسلے میں کسی چیز کو بھی روک ٹوک والی درمیان میں آڑ حائل نہ پائے گا اور رقیب' اغیار' کدورت اور انقطاع کا خوف بھی بالکل نہیں ہوگا تو اس وقت اسے بھلا کیسی خوشی و لذت حاصل ہوگی مگر یہ لذت بقدر قوت محبت کے ہوگی۔ پس جتنی زیادہ محبت ہوگی' اتنی ہی زیادہ لذت ہوگی۔

دولت عشق:۔ بندے کو حق تعالیٰ کی محبت تو صرف دنیا میں ہی حاصل ہوتی ہے اور (حقیقت یہ ہے کہ) کوئی بھی ایماندار اصل محبت سے خالی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اصل معرفت تو سبھی میں موجود ہوتی ہے مگر غلبہ محبت اور استیلائے محبت جسے عشق کہتے ہیں' یہ چیز بہتوں میں نہیں ہوتی۔

حصول عشق کے اسباب:۔ عشق کو حاصل کرنے کے دو اسباب ہوتے ہیں۔

1- دنیوی علائق سے علیحدہ ہونا اور محبت غیر اللہ کو دل سے نکال دینا۔ اس لیے کہ دل تو برتن کی مثال ہے۔ اگر برتن میں مثلاً پانی ہو تو اس میں سرکے کی گنجائش نہ ہو جبکہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو بھی دو دل عطا نہیں فرمائے کہ ایک دل سے تو اللہ تعالیٰ کی محبت کرے جبکہ دوسرے دل میں کسی دوسرے کی محبت بھر لے اور اس میں ہی کمال ہے کہ تمام دل سے حق تعالیٰ کو چاہے۔ جب تک کسی دوسرے کی طرف التفاف رکھے گا تو اس کے دل کا ایک کونہ کسی غیر سے مشغول رہے گا تو وہ جتنا کسی غیر میں مشغولیت اختیار کرے گا تو اس میں اتنی ہی اللہ تعالیٰ کی محبت کم ہوگی۔ جس طرح کہ برتن میں جتنا پانی رہتا ہے' اتنا ہی اس میں سرکہ کم آتا ہے۔ اس آیت مبارکہ میں اسی طرف ہی اشارہ ہے کہ قل اللّٰہ ثم ذرھم فی خوضھم یلعبون "اے محبوب آپ فرما دیجئے کہ اللہ نے اتار' پھر انہیں چھوڑ دے کہ وہ اپنی بک بک میں کھیلا کریں" اور اس آیت مبارکہ میں

کہ ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا (حم السجدہ 30) ترجمہ کنزالایمان :۔ "بے شک جنھوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے' پھر اس پر قائم رہے۔" کلمہ طیبہ سے بھی یہی مراد ہے یعنی لا الہ الا اللہ "اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔"

فائدہ :۔ کوئی بھی معبود اور محبوب اللہ تعالیٰ کے سوا نہیں ہے کیونکہ محبوب ہی تو معبود ہوتا ہے کیونکہ عبد کو مقید کہتے ہیں اور وہ جس کا قیدی ہو' وہ معبود ہوتا ہے اور محب بھی اپنے محبوب کا مقید ہوتا ہے تو محبوب معبود ہوا' اس لیے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ارایت من اتخذ الھہ ھواہ (الفرقان 43) ترجمہ کنزالایمان :۔ کیا تم نے اسے دیکھا جس نے اپنے جی کی خواہش کو اپنا خدا بنالیا۔

حدیث :۔ نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ بغض الہ عبد فی الارض الھوی "زمین پر سب سے برا معبود خواہش نفس ہے جس کی پرستش کی جاتی ہے۔"

حدیث شریف میں آیا ہے کہ من قال لا الھی الا اللہ خالصا مخلصا دخل الجنتہ "جس نے خالص اور مخلص ہو کر لا الہ الا اللہ کہا تو وہ جنت میں داخل ہو گا۔"

اخلاص کا معنی :۔ اخلاص کے معنی یہ ہیں کہ دل کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کرے کہ اس میں کسی دوسرے کی شرکت باقی نہ رہے۔ دل کا محبوب' معبود اور مقصود تو صرف اللہ تعالیٰ کی ہی ذات پاک ہے۔

دنیا قید خانہ :۔ جس کا یہ حال ہو تو اس کے لیے تو دنیا قید خانہ ہے کیونکہ دنیا اسے مشاہدہ محبوب سے روکتی ہے۔ اس کے حق میں مرنا تو قید سے نجات پاتا ہے اور محبوب کے پاس جاتا ہے تو جس شخص کا محبوب ہی صرف ایک ہو اور عرصہ دراز سے اس کی طرف شوق رکھتا ہو اور قید خانے میں بند ہو اور اگر وہ قید خانے سے آزاد ہو اور محبوب سے ملے اور ابد الآباد تک امن چین میں رہے' اس کا کیا کہنا ہے۔

محبت حق کم ہونے کا سبب اول :۔ اللہ تعالیٰ کی محبت دلوں میں کم ہونے کا ایک تو یہ سبب ہے کہ دلوں میں دنیا کی محبت قوی ہے اور اس میں بیوی' فرزند' مال' اقارب' زمین' چوپایوں' باغات اور سیرو تفریح کی محبت بھی داخل ہے۔ یہاں تک کہ اگر جانوروں کی آواز خوش اور صبح کی ہلکی ہلکی خوشبودار ہوا چلنے سے خوش ہوگا تو دنیوی راحت کی طرف توجہ دے گا۔ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی محبت کے نقصان کے درپے ہوگا۔ جتنی زیادہ دنیا سے محبت ہوگی' اتنی ہی محبت الٰہی کم ہوگی جس شخص کو جتنا کچھ دنیا میں ملتا ہے۔ اتنا کچھ ہی آخرت میں کم میسر ہوگا اور جس طرح کوئی شخص مشرق سے جتنا قریب ہوتا ہے' اسی قدر مغرب سے دور ہو جاتا ہے اور جتنا زیادہ ایک بی بی کو خوش کرے گا' اسی قدر ہی اس کی سوکن کو رنج ہوتا ہے۔

دنیا و آخرت کی مثال :۔ اس لیے دنیا و آخرت کی مثال تو ان دو سوکنوں یا مشرق و مغرب کے ہیں۔ الغل دل پر تو

یہ بات آنکھ کے دیکھنے سے بھی زیادہ منکشف ہوئی ہے اور دل محبت دنیا کی بیخ کنی کی تدبیر طریق زہد اور صبر کو اختیار کرنا اور باگ خوف و رجا سے ان کا مطیع ہونا ہے۔ پس جو مقامات توبہ صبر' زہد اور خوف و رجاء کے ہم نے بیان کیے ہیں' وہ محبت کے دونوں ارکان میں سے ایک حاصل کرنے کے ہیں اور وہ ہے غیر اللہ سے دل کو خالی کرنا اور ان کی ابتدا اللہ پر' روز قیامت پر اور جنت و دوزخ پر ایمان لانا ہے۔ اس سے پھر خوف و رجاء پیدا ہوتے ہیں اور ان دونوں سے توبہ اور ان پر صبر کرنا متفرق ہوتا ہے اور آہستہ آہستہ دنیا' مال و جاہ میں اور تمام دنیوی خطوط میں زہد کرنا حاصل ہوتا ہے اور ان سب سے دل محبت غیر اللہ سے پاک ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے بعد دل میں معرفت الٰہی اور اس کی محبت آنے کی گنجائش ہوتی ہے غرضیکہ یہ تمام امور صفائی قلب کے مقدمات ہیں۔

تصیفہ قلب:۔ یہی قلب صفائی دو ارکان محبت میں سے ایک ہے اور اسی طرف ہی حدیث پاک میں اشارہ ہے کہ اطھور شطر الایمان "طہارت نصف ایمان ہے۔" جیسا کہ شروع شروع میں باب طہارت میں ہم نے اسے تحریر کیا ہے۔

محبت الٰہی قوی ہونے کا سبب 2:۔ اللہ تعالیٰ کی محبت سے قوی ہونے کا دوسرا سبب حق تعالیٰ کی معرفت کا قوی ہونا اور اس کا دل میں پھیل جانا ہے اور یہ امر تمام دنیوی علائق اور اس کے شغلوں سے دل پاک ہونے کے بعد ایسا ہوتا ہے جیسا کہ زمین کو جڑی بوٹیوں سے صاف کر کے بیج ڈالتے ہیں۔ محبت کا دوسرا رکن یہی ہے۔ اس سے پھر اللہ تعالیٰ کی محبت اور معرفت کا درخت پیدا ہوتا ہے اور اس کا نام کلمہ طیبہ ہے جس کی مثال اللہ تعالیٰ یوں بیان فرماتا ہے ضرب اللہ مثلا کلمة طیبة کشجرة طیبة اصلها ثابت وفرعها فی السماء (ابراہیم 24) ترجمہ کنزالایمان: ۔ اللہ نے کیسی مثال بیان فرمائی پاکیزہ بات کی جیسے پاکیزہ درخت جس کی جڑ قائم اور شاخیں آسمان میں۔ اسی کی طرف اشارہ ہے۔ اس آیت میں کہ الیہ یصعدا الکلم الطیب والعمل الصالح (فاطر 10) ترجمہ کنز الایمان :۔ اسی کی طرف چڑھتا ہے پاکیزہ کلام اور جو نیک کام ہے وہ اسے بلند کرتا ہے۔

فائدہ:۔ کلمہ طیب سے مراد معرفت ہے۔ اس معرفت کے حق میں عمل صالح حمام کی طرح ہے اور خادم کی مانند ہے۔ سارا عمل اس لیے ہے کہ پہلے تو دل کو دنیا سے پاک کرے۔

علم مکاشفہ:۔ بعدازاں اس طہارت کو باقی رکھے غرضیکہ عمل تو صرف اسی معرفت کے لیے ہی مقصود ہوتا ہے۔ علم کیفیت عمل تو عمل کے مطلوب ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اول بھی علم ہے اور آخر بھی علم ہے۔ اول تو علم معاملہ ہے اور اس کی غرض عمل ہے اور عمل سے غرض قلبی صفائی اور اس کی طہارت ہے تاکہ اس میں تجلی حق ہو اور علم معرفت سے زینت پائے جسے علم مکاشفہ کہتے ہیں۔

جب یہ معرفت حاصل ہو جائے تو اس کے بعد محبت ضرور ہوگی۔ جس طرح اگر کوئی شخص مزاج کا معتدل اور صحیح ہو۔ جب خوبصورت کو ظاہری چشم سے دیکھے گا تو اس سے محبت بھی کرے گا اور اس کی طرف رغبت بھی کرے

گا اور جب محبت ہوگی تو لذت بھی ہوگی کیونکہ محبت کے بعد لذت ضرور ہوتی ہے اور ضروری ہے کہ محبت معرفت کے بعد ہو اور دل سے دنیوی کاروبار برطرف ہونے کی اس معرفت کی طرف یہ چیزیں پہنچاتی ہیں یعنی فکر صاف' ذکر دائم' طلب میں کوشش بہت زیادہ اور اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات' ملکوت افلاک اور تمام مخلوقات میں دائمی نظر رکھنی اور اس درجے پر جو لوگ پہنچتے ہیں' یہ دو قسم کے ہوتے ہیں۔

پہلی قسم:۔ قسم اول زبردست ہے۔ اس کا حال یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کو پہچانتے ہیں۔ اس کے بعد اس کی وجہ سے اس کے غیر کو پہچانتے ہیں۔

قسم دوم:۔ پہلے افعال کی معرفت کرتے ہیں' پھر ان افعال سے فاعل کی طرف کرتے ہیں۔ قسم اول کی طرف اس آیت مبارکہ میں اشارہ ہے۔ اولم یکف بربک انہ علی کل شئی شہید (حم السجدہ 53) ترجمہ کنزالایمان :۔ کیا تمہارے رب کا ہر چیز پر گواہ ہونا کافی نہیں۔ اور آیت ذیل میں بھی یہی اشارہ ہے۔ شھد اللہ انہ لا الہ الا ترجمہ کنزالایمان :۔ اللہ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

رب کی پہچان:۔ بعض عارفین نے اس نظر سے ہی جواب دیا کہ جب ان سے پوچھا گیا کہ اپنے رب کو تم نے کس چیز سے پہچانا؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے اپنے رب کو رب سے ہی پہچانا۔ اگر میرا رب نہ ہوتا تو میں اسے نہ پہچانتا۔ دوسری قسم کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے سنریھم ایاتنا فی الافاق وفی انفسھم حتی یتبین لھم انہ الحق (حم السجدہ 53) ترجمہ کنزالایمان :۔ ابھی ہم انہیں دکھائیں گے اپنی آیتیں دنیا بھر میں اور خود ان کے آپے میں یہاں تک کہ ان پر کھل جائے کہ بے شک وہ حق ہے۔ اور اس آیت میں اولم ینظروا فی ملکوت السموت والارض "کیا نظر نہیں کی آسمانوں اور زمین کی بادشاہی میں" اور اس آیت کریمہ میں قل انظروا ماذا فی السموت والارض (یونس 101) ترجمہ کنزالایمان :۔ دیکھو آسمانوں اور زمین میں کیا ہے۔ اس آیت مقدس میں الذی خلق سبع سموت طباقا ماتریٰ فی خلق الرحمٰن من تفوت فارجع البصر ھل تریٰ من فطور ثم ارجع البصر کرتین ینقلب الیک البصر خاسا وھو حسیر (سورۃ الملک 3'4) ترجمہ کنزالایمان :۔ جس نے سات آسمان بنائے۔ ایک کے اوپر دوسرا تو رحمٰن کے بنانے میں کیا فرق دیکھتا ہے۔ تو نگاہ اٹھا کر دیکھ تجھے کوئی رخنہ نظر آتا ہے۔ پھر دوبارہ نگاہ اٹھا نظر تیری طرف ناکام پلٹ آئے گی تھکی ماندی (کنزالایمان)

اور یہ طریقہ اکثر لوگوں پر آسان ہے اور اس میں سالکین کے لیے زیادہ گنجائش ہے اور اسی پر اکثریت ہدایت قرآنی مشتمل ہے کہ کہیں تدبر کا حکم ہے اور کہیں فکر کا' کہیں عبرت پکڑنے کا حکم ہے تو کہیں نظر و تامل کرنے کا اور اتنی آیات میں مذکور ہے کہ ان کا شمار نہیں ہو سکتا۔

آسان راستہ:۔ پس اگر یہ کہو کہ یہ تو دونوں راستے ہی مشکل ہیں۔ ہمیں تو کوئی ایسا آسان طریقہ بتائیں جس سے معرفت کے حصول میں مدد مل سکے اور اس سے محبت تک پہنچ سکیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ بہترین طریقہ تو اللہ

تعالیٰ کی معرفت سے اور تمام مخلوق کی معرفت پر پہنچتا ہے اور وہ طریق باریک ہے۔ اس بارے میں گفتگو کرنی اکثر لوگوں کی سمجھ کی حد سے باہر ہے۔ اسے کتابوں میں لکھنے سے فائدہ نہیں مگر جو طریقہ اس سے آسان اور ادنیٰ ہے' وہ البتہ اکثر ہر ایک کی سمجھ میں آسکتا ہے اور اسے سمجھنے سے جو فہم قاصر ہو رہی ہے تو اس کے اسے نہ سمجھنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ لوگ تدبر نہیں کرتے اور شہوتوں اور لذات نفس میں الجھے ہوئے ہیں۔ اسے تحریر کرنے میں یہ بات مانع ہے کہ اس کا پھیلاؤ اور کثرت بہت ہے۔ اس کی اتنی زیادہ قسمیں ہیں' شمار میں نہیں آسکتیں کیونکہ آسمان بریں سے لے کر زیر زمین تک ایسا کوئی ذرہ نہیں ہے کہ جس ذرے میں عجیب و غریب نشانیاں' کمال قدرت اور بہت زیادہ جلال و عظمت الٰہی پر دلالت نہ کرے اور اس کے بے انتہاء ذرات ہیں۔ خود اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ قل لوکان البحر مدادا الکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی (الکھف 109) ترجمہ کنزالایمان :۔ تم فرماؤ اگر سمندر میرے رب کی باتوں کے لئے سیاہی ہو تو ضرور سمندر ختم ہو جائے گا اور میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں گی۔ پس ایسے ذکر میں مشغول ہونا علوم مکاشفہ میں غوطہ مارنا ہے۔

مثال :۔ یہ بھی ممکن نہیں کہ اسے علوم معاملہ کا طفیلی کی حیثیت سے تحریر کیا جائے' اس لیے کہ لازم ہوا کہ مختصر طور پر ایک مثال بطور رمز و ایما بیان کر دی جائے تاکہ اس مثال کی بنا پر اس کے جنس پر متنبہ ہو جائے۔ پس ہم کہتے ہیں کہ ان دونوں طریقوں میں سے آسان ترین طریقہ افعال کو دیکھنا ہے۔ اس لیے ہم اسی کا ذکر ہی کرتے ہیں اور (مشکل و اعلیٰ) طریقے کو چھوڑ دیتے ہیں۔ افعال الٰہی کو دیکھنے والے بھی بہت ہیں۔ ان میں سے کم ترین' معمولی اور صغیر لے کر اس کے عجائب میں نظر کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ فرشتوں اور آسمانی ملکوت کے اعتبار سے تمام مخلوقات میں سب سے کمترین زمین اور اس کے اوپر کی چیزیں ہیں۔ زمین کو اگر جسم و حجم کی رو سے دیکھیں تو سورج سینکڑوں گنا زمین سے بڑا ہونے کے باوجود چھوٹا معلوم ہوتا ہے تو سورج کی نسبت کر اس کی چھوٹائی سوچنی چاہیے۔ پھر سورج کا چھوٹا پن اس آسمان کی نسبت کر دیکھو جس میں وہ جڑا ہوا ہے کہ اس سے سورج کو کچھ بھی نسبت نہیں ہے۔ اس کا مقام چوتھے آسمان میں ہے۔ یہ آسمان اپنے اوپر کے آسمانوں سے چھوٹا ہے اور ساتوں آسمان کرسی کے سامنے ایسے ہیں جیسے جنگل میں کوئی لوہے کا کڑا پڑا ہوا ہے اور اسی طرح ہی عرش میں ہے۔ یہ نظر تو ان کے وجود پر ان کے حجم کے اعتبار سے ہوئی جس کی رو سے ان کے سامنے ساری زمینیں کتنی معمولی ٹھہری ہے بلکہ سمندروں کی نسبت زمین کو دیکھا جائے تو پھر بھی زمین بہت چھوٹی ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ الارض فی البحر کالاصطبل فی الارض "زمین سمندر میں اصطبل کی مانند ہے' زمین میں۔" اور تجربہ مشاہدہ بھی اس کی تصدیق کرتا ہے یعنی معلوم ہوا ہے کہ جتنا پانی زمین سے باہر ہے' اسے تمام کرہ کے ساتھ وہ نسبت ہے جو نسبت ایک چھوٹے جزیرے کو تمام خشکی سے ہے۔ پھر آدمی کو دیکھنا چاہیے کہ آدمی مٹی سے بنا ہے جبکہ مٹی زمین کا صرف ایک ہی جزو ہے۔ یونہی تمام حیوانوں کو دیکھیں کہ زمین کی نسبت کتنے چھوٹے ہیں۔ ان تمام حیوانوں کو بھی چھوڑو۔ تم صرف ان حیوانوں کو دیکھو جنہیں تمام سے چھوٹا جانتے ہو' ان میں سے مچھر' شہد کی مکھی یا جو اس قسم کے (معمولی

حیوانات) ہوں' انہیں دیکھو۔

مچھر:- مچھر کو دیکھیے۔ اس چھوٹے سے جسم پر عقل حاضر اور فکر صاف سے تامل کرو کہ اسے اللہ تعالیٰ نے تمام حیوانات سے بڑے حیوان یعنی ہاتھی کی شکل پہ بنایا ہے کہ اس کی ہاتھی کی طرح ایک سونڈ لگائی۔ اتنی چھوٹی سی جسامت کے باوجود جتنے اعضاء ہاتھی کو عنایت فرمائے' اتنے ہی اعضاء مچھر کو بھی عطا فرمائے بلکہ ہاتھی سے بھی دو بازو زیادہ عطا فرما دیئے۔ پھر یہ دیکھیں کہ اس کے ظاہری اعضاء کو کس طرح تقسیم فرمایا ہے کہ بازو نکالے' ہاتھ پاؤں بنائے' آنکھ اور کان عطا کیے۔ علاوہ ازیں باطنی اعضاء بھی جس طرح دوسرے حیوانوں کے بنائے اور ان میں قوت غاذیہ' جاذبہ' دافعہ' سکہ اور ہاضمہ وغیرہ اسی طرح ہی دیں جیسے دوسرے حیوانوں کو دیں۔ یہ تو ہے مشکل و صفات کا حال۔

اب اس کی غذا دیکھیں کہ اس کی غذا کس قسم کی بتلا دی کہ اس کی غذا آدمی کا خون ہے۔ اس کے ساتھ ہی اسے آدمی کی طرف اڑنے کے لیے ضروری سامان بھی بہم پہنچا دیا اور اس کی سونڈ نوکیلی اور تیز بنائی اور اسے انسانی جلد کے مسام کیسے بتلائے کہ ان مساموں میں سے کسی ایک میں اپنی سونڈ رکھے اور اسے کیسا سخت بنایا کہ اپنی سونڈ مسام میں چبھا دیتا ہے اور اسے خون چوسنا اور خون پینا کیسے بتا دیا اور سونڈ کو اتنی پتلی ہونے کے باوجود کیسا مجوف بنایا کہ اس کے ذریعے خون پتلا ہو کر اس کے پیٹ میں چلا جائے اور تمام اعضاء میں پھیل کر اسے غذا پہنچا دے۔ پھر اس کے معدے اور دوسرے اعضاء امعاء باطنی کو خیال کرو کہ کتنے چھوٹے ہوں گے اور اسے کیسا بنا دیا کہ انسان اسے اپنے ہاتھ سے مارتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ بھاگنے کا حیلہ بھی سکھا دیا۔ فرار ہونے کے سلسلے میں ضروری سامان بھی عطا کر دیا اور اس کے کان ایسے بنائے کہ جس سے ہاتھ کی چھوٹی سی حرکت کی آواز بھی سن لیتا ہے' گو ابھی اس سے ہاتھ دور ہوتا ہے۔ حرکت کی آواز سنتے ہی کاٹنا چھوڑ کر فرار ہو جاتا ہے۔ پھر جب ہاتھ رک جاتا ہے تو یہ پھر چلا آتا ہے۔ پھر اس کی آنکھوں کے ڈھیلے کس طرح بنائے کہ اپنی غذا کا مقام دیکھ لیتا ہے حالانکہ اس کا چہرہ ذرا سا ہوتا ہے اور چونکہ ہر چھوٹے حیوان کا ڈھیلا چھوٹا ہونے کی وجہ سے پپوٹوں کا متحمل نہ تھا اور آئینہ ڈھیلے کے لیے پپوٹے بمنزلہ آلہ جلا ہوا کرتے ہیں کہ خس و خاشاک اور غبار سے اسے صاف رکھے' لہٰذا مچھر اور مکھی کے لیے دو پاؤں بنا دیئے۔ اسی لیے مکھی کو دیکھتے ہو کہ اپنے دونوں پاؤں سے آنکھ کے ڈھیلے ہمیشہ صاف کرتی رہتی ہے اور انسان اور بڑے حیوانات کے ڈھیلوں کے لیے پپوٹے پیدا فرما دیئے کہ ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں اور ان پپوٹوں کے کنارے پتلے رکھے تاکہ اگر ڈھیلوں پر گرد و غبار آجائے تو اسے اکٹھا کر کے پلکوں پر ڈال دیں اور پلکوں کو سیاہ بنایا تاکہ آنکھ کی روشنی کو پھیلنے نہ دیں اور دیکھنے میں معاون ہوں اور آنکھ خوبصورت معلوم ہو اور بوقت غبار آنکھ پر جال سا پڑ جائے کہ آنکھ میں غبار داخل نہ ہو سکے اور جال کے پردے سے دیکھنے میں خلل بھی پیدا نہ ہو جبکہ مچھر کے دو ڈھیلے پپوٹوں کے بغیر صاف جلادار بنائے اور اسے صفائی کا طریقہ بھی بتا دیا کہ وہ اپنے دونوں پاؤں سے صاف کرتا ہے اور از نجا کہ اس کی قوت بینائی کمزور ہوتی ہے' اسی لیے وہ چراغ پر گر پڑتا ہے کیونکہ نظر کی کمزوری کی وجہ

سے وہ دن کی روشنی کا طلبگار ہوتا ہے۔ جب وہ بیچارہ چراغ کی روشنی دیکھتا ہے تو اپنے آپ کو اندھیری کوٹھڑی میں سمجھتا ہے جبکہ چراغ کی روشنی کو روشندان سمجھتے ہوئے روشنی کی طلب میں چراغ کی طرف جاتا ہے اور جب اس سے آگے بڑھ کر اندھیرا دیکھتا ہے تو گمان کرتا ہے کہ روشندان مجھے نہیں ملا اور اس روشندان کی سیدھ میں نہیں پہنچا' تب پھر دوبارہ چراغ کی طرف واپس مڑتا ہے۔ یہاں تک کہ اس میں جل جاتا ہے۔

فائدہ :۔ اس سے شاید تمہیں یہ خیال ہو کہ یہ امر تو اس کے نقص اور جہالت کی وجہ سے ہوتا ہے تو یاد رکھیں کہ مچھر کی اس جہالت سے بڑھ کر تو انسان کی جہالت ہے۔ دیکھیں آدمی بھی تو دنیوی شہوتوں پر گرنے میں ایسا ہی واقع ہوا ہے۔ جیسا کہ پروانہ آگ میں گرنے میں واقع ہوا ہے کیونکہ انوار شہوات کے اطوار صورت ظاہری کی رو سے آدمی کو معلوم ہوتے ہیں اور اسے یہ معلوم بالکل ہیں ہوتا کہ ان کے نیچے زہر قاتل ہے۔ اس لیے اپنے نفس کو ہمیشہ شہوتوں میں ڈالتا ہی رہتا ہے۔ یہاں تک کہ انجام میں گرفتار ہو کر ہمیشہ کی ہلاکت میں جا گرتا ہے۔ کاش کہ جہل انسانی صرف پروانے جیسا ہی ہوتا مگر حقیقت یہ ہے کہ انسان کا جہل مچھر جیسا بھی نہیں ہے۔ وہ تو ظاہری روشنی میں دھوکہ کھا کر جل جاتا ہے تو پھر وہ ہمیشہ کے لیے آزاد ہو جاتا ہے جبکہ آدمی تو شہوتوں میں پھنسنے سے یا ہمیشہ کو یا مدت محدود دوزخ کی آگ میں رہتا ہے اور اسی جہت کی بنا پر ہی حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا کرتے تھے انکم تتحافتون علی النار تھافت الغراش وانا اخذ بحجزکم "تم آگ پر پروانوں کی طرح گرتے ہو' میں تمہاری کمر پکڑتا ہوں۔"

خلاصہ :۔ اس چھوٹے سے جانور (مچھر) میں یہ شمہ عجیب صفت الٰعیہ ہے اور اس میں اتنے عجائبات ہیں کہ اگر اولین و آخرین تمام لوگ مل کر اس کی حقیقت معلوم کرنا چاہیں تو اس کی حقیقت پر کب پہنچیں گے جو باتیں ظاہری شکل و صورت میں صاف صاف ہیں' وہ معلوم نہیں ہوتیں تو پوشیدہ امور کا جاننا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کا نہیں ہے۔

شہد کی مکھی کے عجائبات :۔ ہر ایک جاندار اور روئیدگی میں ایک یا کئی عجائبات ہیں کہ صرف اسی میں ہی خاص ہیں' کسی دوسرے میں وہ نہیں پائی جاتیں مثلاً شہد کی مکھی میں غور فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کس طرح بتا دیا کہ اونچے درختوں' پہاڑوں' مکانات پر وہ اپنا چھتہ بناتی ہیں۔ شہد کی مکھی کے لعاب سے موم اور شہد تیار ہوتا ہے۔ ایک روشنی کرنے کے لیے کام آتا ہے جبکہ دوسرے (شہد) میں مختلف امراض کی شفا رکھی گئی ہے۔ پھر مزید اس کی عجیب و غریب باتوں پر غور فرمائیں کہ یہ مکھی صرف پھولوں اور کلیوں پر ہی بیٹھتی ہے جبکہ نجاست اور پلیدگی کے ارد گرد ہرگز نہیں جاتی ہے۔ اپنے حاکم کی اطاعت کرتی ہے جو ان سب سے بڑی ہوتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حاکم میں بھی یہ عدل و انصاف رکھا ہے کہ اگر کوئی مکھی نجاست پر بیٹھ کر پھر چھتے میں جانا چاہتی ہے تو ایسی مکھی جان سے مار دی جاتی ہے۔

علاوہ ازیں اس کے مکان کو دیکھیے کہ وہ موم کیسا بناتی ہے؟ مسطر اور پرکار کے بغیر مسدس نماخانے بناتی چلی جاتی ہے۔ گول، چوکھٹے اور پانچ کھونٹ کے نہیں بناتی (یعنی مختلف قسم کے بنانے کی بجائے ایک جیسے ہی) صرف مسدس چھ گوشوں والے ہی بناتی ہے۔ اس کی بھی ایک وجہ یہ ہے کہ مہندس بھی نہ جانتے ہوں گے یعنی تمام سے زیادہ وسیع شکل دائرے کی ہے یا وہ جو اس سے قریب ہو' اس لیے کہ مربع میں تو کونے بیکار رہ جاتے ہیں کہ مکھی کا جسم گول ہوتا ہے تو مربع میں رہنے سے زاویئے بیکار جاتے ہیں اور اگر گول بناتی تو انہیں ایک دوسرے سے ملانے میں فرجے بیکار رہ جاتے' اس لیے کہ گول چیزیں جب ایک دوسری سے ملتی ہیں تو اچھی طرح متصل نہیں ہوتی ہیں اور زاویہ دار شکلوں میں ایسی کوئی بھی نہیں کہ گنجائش میں سے تو وہ گول شکل کی طرح کام دے اور ایک دوسری سے ملنے میں اس میں فرجہ نہ رہے۔ مسدس شکل کے سوا کیونکہ مسدس میں یہ دونوں صفتیں پائی جاتی ہیں' صرف اس شکل ہی میں خاصیت ہے تو اس میں مقام غور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس چھوٹے سے جانور کو یہ تمام باتیں کس طرح بتا دیں اور اپنا لطف و کرم کیسے ظاہر فرمایا کہ جس چیز کی بھی اسے ضرورت تھی' اس کی اسے تعلیم دے دی تاکہ آرام و سکون سے اپنی زندگی گزارے۔ ان باتوں میں اگر غور کریں اور پیٹ کے دھندوں سے اگر فرصت بھی میسر ہو' نفسانی شہوتوں' عداوت ہمسراں اور طرفداری برادراں وغیرہ سے بھی بے فکری میسر ہو تو پھر جانیں کہ یہ تمام کیسی عجیب و غریب باتیں ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ نے معمولی معمولی سے بے قدر جانوروں میں اپنی عنایت اور احسان سے رکھی ہیں۔ اب انہیں ملاحظہ فرما کر ہمیں عبرت پکڑنی چاہیے اور زمین و آسمان کے اسرار و رموز کو تو چھوڑیئے۔ جو کچھ ہماری ناقص سمجھ میں آیا ہے' اگر صرف وہی کچھ واضح کر کے بیان کیا جائے تو اس کے لیے بھی بہت لمبی لمبی عمریں ضروری ہیں حالانکہ ہمارا علم علمائے کرام اور انبیائے کرام کے علوم کے مدمقابل کچھ بھی نہیں ہے اور تمام مخلوقات کے علوم اللہ تعالیٰ کے علم سے کچھ بھی نسبت نہیں رکھتے بلکہ جو باتیں بھی مخلوق کو معلوم ہوئی ہیں' انہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے علم ہی نہیں کہنا چاہیے۔

خلاصہ:۔ اس جیسی باتیں سوچنے سے وہ معرفت زیادہ ہوتی ہے جو دونوں طریقوں میں سے آسان ترین طریقہ سے حاصل ہوتی ہے۔ معرفت کی زیادتی سے محبت بھی بڑھتی ہے۔ پس اگر تمہیں ملاقات الٰہی کی سعادت سے شرف حاصل کرنے کی طلب ہو تو دنیا کو پس پشت ڈال دو۔ ذکر دائم اور فکر لازم میں مستغرق رہیے۔ اس سے عجب نہیں کہ کچھ نہ کچھ تو مل رہے اور اس تھوڑی سی چیز کے بدلے میں ایسی بادشاہی مل جائے جس کی انتہاء بھی نہ ہو (یعنی بہت بڑی)

حبیب خدا عزوجل کون؟:۔ حضرت سہل رحمتہ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ محبت حق تعالیٰ کی یہ علامت ہے کہ اسے اپنے نفس پر اختیار کرے۔ یہ بات ہرگز نہیں ہے کہ جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کے امر کی اطاعت کرے' وہی اس کا حبیب ہو جاتا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ حبیب تو وہ ہوتا ہے جو ان کاموں سے بچے جن کے کرنے سے اللہ

تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔

آپ کا یہ قول حقیقتاً صحیح ہے' اس لیے کہ اللہ کے ساتھ سبب محبت حق تعالیٰ کا بندے کے ساتھ ہوتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ یحبھم ویحبونہ اللہ تعالیٰ جب بندے کو محبوب جانتا ہے تو پھر اس بندے کا کفیل خود ہو جاتا ہے اور اسے دشمنوں پر غالب رکھتا ہے۔ چونکہ بندہ کا دشمن اس کا اپنا نفس اور شہوات ہیں تو اللہ تعالیٰ اسے رسوا و ذلیل ہرگز نہیں کرے گا اور نہ ہی خواہش شہوات کے حوالے کرے گا۔ خود فرماتا ہے واللہ اعلم باعدآئکم وکفی باللہ ولیا وکفی باللہ نصیرا (النساء 45) ترجمہ کنزالایمان :۔ اور اللہ خوب جانتا ہے تمہارے دشمنوں کو اور اللہ کافی ہے والی اور اللہ کافی ہے مددگار۔

معرفت کی کمی :۔ حکام کی بے فرمانی اصل محبت کے خلاف نہیں ہے بلکہ اس سے کمال محبت نہیں ہوتا۔ جیسے بہت سے ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو اپنے نفس سے محبت رکھتے ہیں' وہ جب بیمار ہوتے ہیں۔ شفا کو محبوب جانتے ہیں مگر اس کے باوجود نقصان دہ چیزیں بھی کھا لیتے ہیں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انہیں اپنے نفس سے محبت نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کی معرفت کم ہے اور خواہش غالب' اس لیے حق محبت پر قائم رہنے سے انسان عاجز رہ جاتا ہے۔

حضرت نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم :۔ حضرت نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت جلد نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں گناہوں کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے حاضر ہوتے تھے۔ ایک بار حضرت نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی طرح حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حد لگوا دی۔ ایک دوسرے صحابی نے انہیں لعنت کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اسے لعنت نہ کرو (کیونکہ) وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے۔" (بخاری شریف)

فائدہ :۔ معلوم ہوا صرف ارتکاب گناہ کی وجہ سے اسے محبت سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں البتہ ارتکاب گناہ کمال محبت سے ضرور خارج کر دیتا ہے۔

بعض عارفین کا قول :۔ بعض عارفین ارشاد فرماتے ہیں کہ انسان کا ایمان جب ظاہر دل میں ہوتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے درمیانہ درجہ کی محبت رکھتا ہے اور جب ایمان پہ کسی کے دل میں چلا جاتا ہے تو پھر پوری محبت کرتا ہے اور گناہوں کو ترک کر دیتا ہے۔

فائدہ :۔ محبت کا دعویٰ کرنے میں خطرہ ہے' اسی لیے حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب دریافت کیا جائے کہ تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو خاموشی اختیار کرو اور کچھ بھی جواب نہ دو کیونکہ اگر زبان سے نہیں کہو گے تو کافر ہو جاؤ گے اور اگر ہاں کہو گے تو تمہارے اوصاف تو مجنوں جیسے بھی نہیں ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کے

غضب سے ڈرو' جھوٹا دعویٰ نہ کرو۔

بعض علماء کا قول :۔ بعض علماء کرام ارشاد فرماتے ہیں کہ جنت میں اہل معرفت و محبت کی لذت سے بڑھ کر کوئی راحت نہیں ہے اور نہ ہی دوزخ میں کوئی سخت ترین عذاب اس شخص کے عذاب سے زیادہ ہے کہ جو دعویٰ تو محبت کا کرے اور کوئی بھی بات محبت کی اس میں نہ پائی جاتی ہو۔

محبت کی علامت :۔ محبت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کا شدت سے حرص رکھنے والا ہو کہ ذکر حق سے اس کی زبان نہ تھکے اور نہ ہی اس کا دل ذکر حق سے خالی ہو۔ اسی لیے جو شخص کسی چیز سے محبت رکھتا ہے تو وہ اس کا ذکر بہت زیادہ کرتا ہے۔ اس کے بارے میں جو چیزیں بھی ہوتی ہیں' ان تمام کو وہ یاد کیا کرتا ہے۔

محبت الٰہی کی علامت :۔ پس محبت حق تعالیٰ کی ایک علامت یہ ہے کہ اس کے ذکر سے محبت ہو اور اس کے کلام (قرآن مجید) اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی محبت ہو۔ یونہی جو چیز بھی حق تعالیٰ سے نسبت رکھتی ہے' ہر اس چیز سے محبت رکھے۔

دنیوی محبت کی ایک علامت :۔ اگر کوئی کسی سے محبت کرتا ہے تو وہ محبوب کے کتے سے بھی محبت کرتا ہے۔ (جیسے مجنوں کی کہانی مشہور ہے۔ اویسی غفرلہ) اور یہی ظاہر بھی ہے کیونکہ جب محبت قوی ہو جاتی ہے تو محبوب سے نسبت رکھنے والی تمام چیزوں سے محبت ہو جاتی ہے اور اسے محبت میں شریک نہیں سمجھنا چاہیے' اس لیے کہ رسول سے محبت کرے کہ رسول محبوب کا رسول ہے یا کلام کو اس لیے محبوب جانتا ہے کہ یہ کلام (محبوب) کا کلام ہے۔ یہ (رسول و کلام سے) محبت عین محبوب کی ہی محبت ہے۔ اس کے سوا کی محبت بالکل نہیں بلکہ محبوب کے متعلقات سے محبت ہوتی ہے۔ یہی محبت کمال محبت پر دلالت کرتی ہے۔ جس کے دل پر محبت حق کا غلبہ ہو جاتا ہے' وہ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق سے محبت کرتا ہے۔ اس لیے کہ اسے محبوب حقیقی نے پیدا کیا ہے۔ قرآن مجید اور رسول کریم اور اولیاء صلحاء سے کس طرح محبت نہیں کرے گا۔ اس کے متعلق ہم تحقیق باب آداب الصحبت اور بھائی چارہ میں تحریر کر چکے ہیں۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ترجمہ کنزالایمان :۔ اے محبوب تم فرما دو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ۔ اللہ تمہیں دوست رکھے گا۔

حدیث شریف :۔ نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ احبوا اللہ لما یغذوکم بہ من نعمہ واحبونی اللہ تعالیٰ "اللہ تعالیٰ سے اس لیے محبت کرو کہ وہ تمہیں اپنی نعمت سے پالتا ہے اور مجھ سے محبت اللہ تعالیٰ کے واسطے کرو۔"

اللہ والوں سے محبت کرنا :۔ حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے محبت

کرنے والے سے محبت کرتا ہے۔ وہ حقیقتاً اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے اکرام اور تعظیم کرنے والے کا اکرام و تعظیم کرتا ہے۔ وہ شخص حقیقتاً اللہ تعالیٰ کی ہی تعظیم کرتا ہے۔

محبت قرآن:۔ ایک اہل ارادت فرماتے ہیں کہ ارادت کے دنوں مجھے مناجات کا مزہ ملا۔ میں نے ایک شب و روز قرآن حکیم کی تلاوت کی۔ پھر کچھ دن قرات چھوڑ بیٹھا تو میں نے خواب میں ایک منادی سے سنا کہ وہ منادی مجھ سے یہ کہتا ہے کہ اگر تجھے ہم سے محبت کا دعویٰ ہے تو تو نے ہماری کتاب پر کیوں ظلم کیا؟ کیا تو نے ہمارے لطیف عتاب کو جو کہ اس میں ہے، تامل نہیں کیا؟ اس کے بعد جب میں جاگا تو میرے دل میں قرآن حکیم کی محبت بھری ہوئی تھی اور اپنی پہلی حالت پہ میں قائم ہو گیا۔

فائدہ:۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ تم میں سے کوئی شخص بھی اپنے نفس سے سوائے قرآن حکیم کے اور کسی دوسری چیز کی درخواست نہ کرے کیونکہ جو شخص قرآن حکیم سے محبت کرے گا تو وہ حقیقتاً اللہ تعالیٰ سے ہی محبت کرے گا اور اگر قرآن حکیم سے محبت نہیں ہوگی تو پھر اللہ تعالیٰ سے بھی محبت ہرگز نہیں ہوگی۔

محبت قرآن ہے، محبت حق کی پہچان ہے:۔ حضرت سہل تستری رحمتہ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ محبت قرآن محبت الٰہی کی پہچان ہے۔ اللہ تعالیٰ اور قرآن حکیم سے محبت کی پہچان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے کی پہچان آپ کے طریقے سے محبت ہے۔ آپ کے طریق سے محبت کا نشان محبت آخرت ہے۔ محبت آخرت کی پہچان بغض دنیا ہے اور بغض دنیا کی علامت یہ ہے کہ دنیا میں سوائے زاد آخرت کے اور کچھ بھی نہ حاصل کرے۔

محبت کی ایک اور علامت:۔ محبت کی ایک اور علامت یہ ہے کہ خلوت، مناجات اور تلاوت قرآن مجید سے محبت ہو۔ تہجد پر مداومت کرے اور شب کے اطمینان عوائق کو دور ہونے سے صفائی وقت کو غنیمت سمجھے۔

محبت کا کم درجہ:۔ محبت کا کم ترین درجہ یہ ہے کہ محبوب سے خلوت اور اس کی مناجات سے لذت حاصل کرنے کو آسائش جانے تو جو شخص اس کے نزدیک سونے اور دوسروں سے بات چیت کو مناجات الٰہی سے زیادہ عمدہ و اذیذ جانے تو ایسے شخص کی محبت کیسے صحیح ہو سکتی ہے۔

حکایت:۔ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمتہ اللہ علیہ سے کسی نے پہاڑ سے اترنے کے بعد پوچھا کہ آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں تو آپ نے ارشاد فرمایا "انس باللہ سے"

وحی داؤد:۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے اخبار میں روایت ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میری مخلوقات میں سے کسی کے ساتھ محبت نہ کر کیونکہ میں دو طرح کے اشخاص کو اپنے پاس سے جدا کرتا ہوں۔ ایک تو اس شخص

کو جو میرے ثواب کو دیر جان کر جدا ہو گیا۔ دوسرا وہ شخص جو مجھے بھول کر اپنے حال سے خوش ہو گیا اور اس کی پہچان یہ ہے کہ میں جس شخص کو چھوڑ دیتا ہوں' اس کی پہچان یہ ہے کہ میں اسے اسی کے نفس کے حوالے کر دیتا ہوں اور حیران و پریشان دنیا میں چھوڑ دیتا ہوں اور جب آدمی غیر اللہ سے مانوس ہو جائے تو وہ شخص جتنا غیر اللہ سے مانوس ہو گا' اتنی ہی اسے اللہ تعالیٰ سے وحشت ہو گی اور درجہ محبت سے محروم ہو جائے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور واقعہ برخ غلام:- برخ غلام کے حالات کے بارے میں لکھا ہوا ہے کہ جن کے طفیل حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے بارش کے لیے دعا کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ارشاد فرمایا کہ برخ ہے تو اچھا بندہ مگر اس میں ایک عیب ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا یا اللہ اس کا کیا عیب ہے؟ اللہ جل جلالہ نے ارشاد فرمایا اسے نسیم صحرا اچھی محسوس ہوتی ہے' اس لیے اس کی جانب مائل ہے۔ جو شخص مجھ سے محبت کیا کرتا ہے' وہ کسی دوسری چیز کی طرف میلان و رغبت نہیں کرتا۔"

حکایت:- ایک عابد نے کسی جنگل میں کافی عرصہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی۔ پھر ایک پرندے کو دیکھا کہ ایک درخت پہ اس پرندے نے گھونسلا بنایا ہے۔ اسی میں بیٹھ کر چہچے کرتا ہے۔ عابد نے اپنے آپ سے کہا اگر میں اپنی عبادت کی جگہ اس گھونسلے والے درخت کے پاس بنالوں تو پھر اس پرندے کے چہچے سے کچھ تو دل لگی حاصل ہو گی۔ درخت کے پاس جب عبادت گاہ کر لی تو اللہ تعالیٰ نے اس وقت کے نبی پر وحی فرمائی کہ فلاں عابد کو فرما دیجئے کہ تو نے ایک مخلوق سے انس کر لیا ہے۔ اس کی سزا کے طور پر میں نے تیرا ایک ایسا درجہ کم کر دیا ہے کہ وہ درجہ اب تیرے کسی بھی عمل سے تجھے نہ حاصل ہو سکے گا۔

فائدہ:- اس سے معلوم ہوا کہ کمال انس کا ہونا محبت کی ایک علامت ہے۔ محبوب کے ساتھ مناجات اور کمال لذت کا ہونا اس کے ساتھ اکیلے ہونے میں اور جو چیز بھی خلوت و مناجات میں کدورت پیدا کرنے کا سبب بنے' اس سے کمال درجہ کی وحشت ہے۔

علامت انس:- انس کی نشانی یہ ہے کہ لذت مناجات میں عقل و فہم اچھی طرح ڈوبا ہوا ہو' جس طرح کہ کوئی شخص اپنے محبوب سے کلام کرتے ہوئے مناجات کرتا ہے اور یہ لذت بعض اکابرین کو اس حد تک حاصل ہوئی کہ وہ نماز پڑھنے میں مشغول تھے۔ اسی حالت میں ان کے گھر کو آگ لگی جس کی انہیں بالکل خبر نہ ہوئی اور بعض بزرگوں کا بیماری کی وجہ سے پاؤں نماز پڑھتے ہوئے کاٹا گیا تو انہیں پاؤں کٹنے کی خبر بھی نہ ہوئی اور جب محبت و انس غالب ہو جا۔ ہیں: خلوت و مناجات' آنکھ کی ٹھنڈک اور کلیجے کا سکون ہوتی ہے کہ تمام فکر ان سے الگ ہو جاتی ہے۔ یہ دونوں دل پر ایسی حاوی ہوتی ہیں کہ جب تک دنیوی امور کئی بار کان میں نہیں پڑتے' اس وقت تک ان کی سمجھ میں نہیں آتے۔ جس طرح کہ کوئی عاشق زار کہ وہ زبان سے تو عام لوگوں سے گفتگو کرتا ہے مگر باطنی طور پر اپنے محبوب کی یاد میں شاغل ہوتا ہے۔

محب :- محب اسے کہتے ہیں جسے سوائے محبوب کے اطمینان نہ ہو۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں ارشاد فرمایا کہ الذین امنوا وتطمئن قلوبھم بذکر اللہ الا بذکر اللہ تطمئن (الرعد 28) ترجمہ کنزالایمان :- وہ جو ایمان لائے اور ان کرے دل اللہ کی یاد سے چین پاتے ہیں سن لو اللہ ہی کی یاد میں دلوں کا چین ہے۔

فائدہ :- اطمینان سے خوشی اور دلوں کا انس مراد ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص بھی خالصتاً محبت حق تعالیٰ کا ذائقہ چکھتا ہے تو اسے یہ مزہ طلب دنیا سے منع کر دیتا ہے اور تمام آدمیوں سے متنفر کر دیتا ہے۔ حضرت مطرب بن ابی بکر رحمتہ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ محبوب کبھی بھی اپنے محبوب کے ذکر سے رنجیدہ نہیں ہوتا۔

حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی :- اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ جو شخص بھی میری محبت کا دعویٰ کرے اور رات جب چھا جائے تو وہ محبت کا دعویدار مجھ سے غافل ہو کر سو جائے تو وہ جھوٹا ہے کیونکہ وہ کیسا محبوب ہے جو (محب کہلانے کے باوجود) اپنے حبیب سے ملاقات کرنے کو پسند نہیں کرتا۔ طالبوں کے لیے میں تو اس وقت موجود رہتا ہوں' اگر وہ اپنے دعوے میں سچا ہوتا تو پھر مجھے طلب کرتا۔"

کلیم اللہ کی عرض :- حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ الٰہی تو کہاں ہے کہ میں تیرے پاس آنے کا ارادہ و قصد کروں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ جب بھی تو میرا قصد کرے گا تو فوراً پہنچ جائے گا۔

محبت حق تعالیٰ اور نفس :- حضرت یحییٰ بن معاذ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے جو شخص محبت کرتا ہے' وہ اپنے نفس سے دشمنی رکھتا ہے۔

محب اور تین خصلتیں :- یہ بھی حضرت یحییٰ بن معاذ رحمتہ اللہ علیہ کا ہی ارشاد گرامی ہے کہ جس شخص میں یہ تین خصلتیں نہیں ہیں' وہ محب نہیں ہو سکتا۔

1- پہلی یہ کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو باقی تمام مخلوق کے کلام پر ترجیح دے۔
2- اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو تمام مخلوق کی ملاقات پر ترجیح دے۔
3- تیسری یہ کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کو تمام مخلوق کی خدمت سے زیادہ اچھا جانے۔

علامت محبت :- علاوہ ازیں محبت کی علامات میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ حق تعالیٰ کے سوا جو چیز بھی اس کے پاس سے جاتی رہے' اس کا افسوس نہ کرے لیکن (یہ بات یاد رکھیں) اگر کوئی لمحہ اللہ کے ذکر اور عبادت کے بغیر گزر جائے تو اس کا افسوس بہت زیادہ کرے اور غفلت کا شکار جب بھی ہو جائے تو فوراً توبہ اور استغفار کرے۔

اکابرین کے اقوال:- بعض اکابرین کا قول مبارک ہے کہ کچھ بندے اللہ تعالیٰ کے ایسے بھی ہیں کہ اسے اپنا محبوب کر کے بس مطمئن ہو گئے۔ انہیں کسی بھی گئی ہوئی چیز کا غم بالکل نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ لذت نفس میں مصروف ہوتے ہیں' اس لیے کہ ملک ان کے مالک کا کامل ہے۔ ان کا مالک جو کچھ چاہتا' وہی ہو جاتا ہے جو کہ حقیقتاً انہیں کے لیے ہے۔ وہ انہیں ہی پہنچتا ہے اور جو کچھ ان سے چھن جاتا ہے' وہ ان کی خاطر اچھی تدبیر کرتا ہے۔

محب کو چاہیے کہ اپنی غفلت سے رجوع کرے تو صرف حقیقی محبوب کی طرف ہی متوجہ ہو کر یوں اس کے قہروغضب کو دور کرنے کی سعی کرے کہ یااللہ! تو نے اپنا احسان مجھ سے کون سے قصور کی وجہ سے الگ کر لیا اور مجھے اپنی بارگاہ سے دور کر کے نفس و شیطان کی پیروی میں شاغل کر دیا۔ اس طریقے سے ذکر الٰہی کی صفا اور دل کی نرمی پیدا ہو جائے گی اور جو پہلی غفلت چھائی تھی' اس کا بدل بن جائے گی۔ نئے ذکر اور قلبی صفائی کا سبب بن جائے گی۔ جب محب محبوب کے علاوہ کچھ بھی نہ دیکھے گا' تمام اشیاء اسی سے جانے گا تو پھر وہ کسی چیز کے چلے جانے پر افسوس بالکل نہیں کرے گا۔ ہر حال میں راضی رہے گا اور جانے گا کہ محبوب حقیقی نے یہی کچھ میرے حق میں مقدر کیا ہے کہ جس میں میری بھلائی ہے اور اس کے ارشاد گرامی کو یاد کرے گا کہ وہ فرماتا ہے وعسٰی ان تکرھوا اشیاء وھو خیر لکم

علامت محبت:- محبت کی ایک علامت یہ ہے کہ اطاعت الٰہی سے راحت پائے اور اسے اجنبی جانے۔ لوائے اطاعت میں محنت و مشقت کچھ بھی معلوم نہ ہو' جس طرح کہ بعض اکابرین کا قول ہے کہ ہم نے بیس سال تک تو مصیبت بھری' پھر اس کے ذریعے بیس سال لذت حاصل کی۔

خوش رہنا:- حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ محبت کی یہ نشانی ہے کہ ہمیشہ خوش رہنا اور کوشش اس طرح کرنا کہ بدن تو تھک جائے مگر دل نہ تھکے۔

محبت میں سیری نہیں:- بعض اکابر ارشاد فرماتے ہیں کہ عمل محبت میں تھکاوٹ نہیں ہوتی اور بعض علماء کرام ارشاد فرماتے ہیں کہ بخدا کبھی بھی محب کو طاعت میں سیری نہیں ہوئی' خواہ بڑے وسیلوں پہ ہی پہنچ جائے۔ پس اسی جیسی باتیں مشاہدات میں بھی ہیں۔

فائدہ:- محب اپنے محبوب کی محبت میں کوشش کرنے سے ہرگز نہیں تھکتا اور اس کی خدمت کو دل سے اچھا جانتا ہے اور اس میں مزہ محسوس ہوتا ہے' خواہ وہ خدمت بدن پر گراں ہی گزرے۔ اگر بالفرض محال اس کا بدن عاجز بھی ہو جائے تو پھر بھی سب سے محبوب چیز اس کے نزدیک یہ ہوگی کہ اس کے بدن میں پھر دوبارہ طاقت آجائے گی اور عاجزی اس کی جاتی رہے تاکہ پھر دوبارہ محبوب کی خدمت میں مصروف ہو جائے۔ اسی طرح ہی اللہ تعالیٰ کی محبت بھی ہوتی ہے کہ اس کے غلبہ میں طاعت و خدمت سے اعلیٰ کوئی چیز بھی معلوم نہیں ہوتی۔

قاعدہ:۔ قاعدے کی بات ہے کہ آدمی پر جو محبت غالب آجاتی ہے' وہ اس سے کمتر کر دیتی ہے۔ مثال کے طور پر جس کا محبوب کسل کی نسبت کر اسے زیادہ محبوب ہوگا تو وہ محبوب کی خدمت میں سستی چھوڑ دے گا۔ اگر اسے محبوب' مال سے زیادہ محبوب ہوگا تو وہ مال کو چھوڑ دے گا۔

حکایت:۔ کسی محب نے اپنا تن من دھن سب کچھ قربان کر دیا تھا۔ اس کے پاس کچھ بھی نہ رہا۔ کسی نے اس سے پوچھا' تمہارا یہ حال محبت میں کیسے ہوا؟ اس نے جواب دیا کہ ایک دن ایک محب کو میں نے سنا کہ وہ اپنے محبوب سے خلوت میں عرض کر رہا تھا کہ خدا کی قسم! میں تجھے دل سے چاہتا ہوں جبکہ تو میری طرف بالکل توجہ نہیں کرتا۔ محبوب نے جواب دیا' اگر تجھے مجھ سے محبت ہے تو مجھے یہ بتاؤ کہ تو مجھ پر کیا خرچ کرے گا؟ اولا تو جو کچھ بھی میری ملکیت ہیں وہ سب کچھ تجھے دے دوں گا۔ بعد ازاں اپنی جان بھی قربان کر دوں گا تو اراضی ہو۔

یہ باتیں سن کر میں نے سوچا کہ جب بندے کے ساتھ بندے کی محبت کا یہ حال ہے تو بندے کو اللہ کے ساتھ کیسے ہونا چاہیے؟ میری محبت کی ترقی کا یہی سبب بنا۔

محبت کی علامت:۔ محبت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام بندوں پر شفقت اور رحم کرنے والا ہو۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اشدآء علی الکفار رحماء بینھم (الفتح 29) ترجمہ کنزالایمان:۔ کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں رحم دل۔ اس بارے میں اس پر کسی ملامت کرنے والے کی ملامت اثر نہ کرے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے غصہ کرنے سے اسے کوئی چیز بھی نہ روکے اور یہی صفات حدیث قدسی میں اولیائے کرام کی بیان کی گئی ہیں۔

حدیث شریف قدسی:۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' میرے اولیاء وہ ہیں کہ وہ میرے محبت میں ایسے فریفتہ ہیں جس طرح کہ ایک بچہ کسی چیز پہ فریفتہ و عاشق ہوتا ہے اور میرے ذکر کی طرف یوں لپکتے ہیں جس طرح کہ پرندہ اپنے گھونسلے کی طرف جھکتا ہے۔ میری منع کردہ چیزوں پر یوں غصہ ہوتے ہیں جس طرح کہ چیتا غراتا ہے کہ اسے کسی کی پروا نہیں ہوتی کہ آدمی کم ہیں یا زیادہ۔

بچے کی مثال:۔ پس اس بچے والی مثال پر غور و فکر کرنا چاہیے کہ کسی چیز پر جب بچے کا دل آتا ہے تو اسے حاصل کیے بغیر رکتا نہیں اور اگر کوئی اس سے وہ چیز چھین لے تو سوائے رونے اور چیخنے چلانے کے وہ کوئی کام نہیں کرتا یعنی ہروقت روتا چیختا چلاتا رہتا ہے۔ جب تک کہ وہی چیز اسے مل نہ جائے حتیٰ کہ جب سوتا بھی ہے تو اسے اپنے کپڑوں میں لے کر ہی سوتا ہے اور جب جاگتا ہے تو پھر اپنے ہاتھ میں پکڑ لیتا ہے۔ جب اس سے علیحدہ ہوتا ہے تو روتا ہے' مل جاتا ہے تو خوش ہوتا ہے۔ اس چیز کے بارے میں اس سے جو شخص بھی جھگڑتا ہے' اس سے ناراض ہوتا ہے۔ وہ چیز دینے والے سے محبت کرتا ہے اور چیتے کا بھی یہ حال ہے کہ چیتا غصے کے وقت اپنے اختیار میں نہیں

رہتا' شدید غصے کی حالت میں تو اس کا یہ حال ہو جاتا ہے کہ اپنی جان بھی ہلاکت میں ڈال دیتا ہے۔ پس یہ علامتیں بھی محبت کی ہیں۔

خلاصہ :۔ جس میں یہ تمام علامتیں پائی جائیں گی' اسی کی محبت کامل اور خالص ہوگی۔ اس کی شراب آخرت میں شفاف و شیریں ہوگی۔ علاوہ ازیں جس کی محبت میں کسی غیر اللہ کی ملاوٹ ہوگی تو آخرت میں محبت کی مقدار کے مطابق ہی راحت حاصل کر سکے گا۔ اس کی شراب میں کچھ شراب مقربین بھی شامل کر دی جائے گی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ مقربین کے حالات کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے کہ ان الابرار لفی نعیم (الانفطار 13) ترجمہ کنزالایمان :۔ نیکو کار ضرور چین میں ہیں۔ پھر ارشاد فرمایا کہ یسقون من رحیق مختوم ختامہ مسک وفی ذالک فلیتنا فس المتنافسون ومزاجہ من تسنیم عینا یشرب بھا المقربون (المطففین 28،25) ترجمہ کنزالایمان :۔ نتھری شراب پلائے جائیں گے جو مہر کی ہوئی رکھی ہے اس کی مہر مشک پر ہے اور اسی پر چاہیے کہ للچائیں للچانے والے اور اس کی ملونی تسنیم سے ہے وہ چشمہ جس سے مقربان بارگاہ پیتے ہیں۔ 30) ترجمہ از کنزالایمان۔

غرضیکہ مقربین کی شراب جو کہ اچھی ہوگی تو اسی وجہ سے ہی اس میں شراب خالص شامل کی جائے گی جو کہ خالص مقربین کے لیے ہے اور لذت قرب بہشتی آسائش و لذت ہے۔ جیسا کہ کتاب سے مراد تمام اعمال ہیں۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ان کتاب الابرار لفی علیین (المطففین 18) ترجمہ کنزالایمان :۔ نیکوں کی لکھت سب سے اونچی محل علین میں ہے اور ارشاد حق تعالیٰ ہے کہ یشھدہ المقربون (المطففین 21) ترجمہ کنزالایمان :۔ مقرب جس کی زیارت کرتے ہیں۔

عملنامہ کی رفعت :۔ صالحین کے عملنامہ کی بلندی بہت زیادہ ہوگی کہ اسے صرف مقربین دیکھتے ہوں گے اور جیسا کہ دنیا میں ابرار مقربین کے قرب اور مشاہدہ میں اپنی حالت میں زیادتی اور معرفت میں طاقت پاتے ہیں۔ یونہی ان کا حال آخرت میں بھی ہوگا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ما خلقکم ولا بعثکم الا کنفس واحدۃ (السجدہ 28) اور ارشاد فرمایا بدانا اول خلق نعیدہ (الانبیاء 104) ترجمہ کنزالایمان :۔ جیسے پہلے سے بنایا تھا ویسے ہی پھر کر دیں گے اور مزید ارشاد فرمایا کہ جزاء وفاقا "اعمال کے موافق ہی جزا ہوگی۔"

فائدہ :۔ خالص اعمال کی جزا بھی شراب خالص ہی ہوگی جبکہ ملے جلے اعمال کی شراب بھی ملی جلی ہی ہوگی۔ شراب میں ملاوٹ اسی نسبت سے ہوگی جو نسبت اعمال میں ملاوٹ کی ہوگی۔ جس طرح کہ قرآن حکیم میں چند مقامات پر ذکر ہوا ہے کہ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ (الزلزال 7) ترجمہ کنزالایمان :۔ تو جو ایک ذرہ بھر بھلائی کرے اسے دیکھے گا اور جو ایک ذرہ بھر برائی کرے اسے دیکھے گا۔

ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم (الرعد 11) ترجمہ کنزالایمان :۔ بے شک اللہ کسی قوم سے اپنی نعمت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلیں۔

ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ وان تک حسنۃ یضاعفھا (النساء 40) ترجمہ کنزالایمان :۔ اللہ ایک ذرہ بھر ظلم نہیں فرماتا اور اگر کوئی نیکی ہو تو اسے دونی کرتا۔

وان کان مثقال حبۃ من خردل اتینا بھا وکفی بنا حاسبین (الانبیاء 47) ترجمہ کنزالایمان :۔ اور اگر کوئی چیز رائی کے دانہ کے برابر ہو تو ہم اسے لے آئیں گے اور ہم کافی ہیں حساب کو۔

جو شخص دنیا میں محبت' جنت' حور و قصور کی لذت کی توقع کی بنا پر کرتا تھا تو اسے جنت میں اتنی قدرت و انعام دیا جائے گا کہ جہاں اس کا جی چاہے' اسے لڑکوں کے ساتھ کھیلے اور عورتوں (حوروں) کے ساتھ مزے سے رہے بالآخر اسے صرف یہی نعمتیں ہی میسر آئیں گی کیونکہ ہر شخص کو وہی کچھ ملے گا' محبت میں جو کچھ اس کا نفس چاہے گا۔ اس کی آنکھ کو جس سے لذت حاصل ہو۔

فائدہ :۔ جس کا مقصود گھر کا مالک اور مالک الملک ہوگا' جس کے قلب میں خالصتاً اسی کی محبت نے غلبہ کیا ہوگا تو ایسا خوش قسمت انسان اس مقام میں چھوڑا جائے گا فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر (القمر 55) ترجمہ کنزالایمان :۔ سچ کی مجلس میں عظیم قدرت والے بادشاہ کے حضور۔

خلاصہ :۔ یہ کہ ابرار تو باغات اور جنتوں میں حور و غلمان کے ساتھ سیر و سیاحت کرنے چلے جائیں گے جبکہ مقربین حق اللہ تعالیٰ کے دربار عالی میں حاضر ہی رہیں گے۔ صرف اسی کی طرف ہی تاک لگائے رکھیں گے۔ اس لذت کے ذرہ بھر کے مقابلے میں تمام جنتی آسائشوں کو حقیر سمجھیں گے۔ بہرحال جو لوگ شہوت شکم و فرج پورا کرنے میں شاغل ہوں گے' وہ اور لوگ ہوں گے جبکہ اللہ تعالیٰ کے پاس تشریف رکھنے والے دوسرے ہوں گے۔ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اکثر اھل الجنۃ البلہ وعلیون لذوی الالباب "اکثر اہل جنت بھولے بھالے ہیں۔ اہل عقل مقام علیون کے حقدار ہیں۔" اور وہ عظیم الشان امر تھا' اسی لیے ہی تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ القارعۃ ماالقارعۃ وما ادرک ماالقارعۃ (القارعہ 1'3) ترجمہ کنزالایمان :۔ دل دہلانے والی کیا وہ دہلانے والی اور تو نے کیا جانا کیا ہے دہلانے والی۔

علامت محبت :۔ محبت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں ڈرنے والا ہو اور اس کی ہیبت اور تعظیم و تکریم میں کمزور رہے۔

خوف محبت کے خلاف نہیں :۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ خوف اور ڈر تو محبت کے خلاف ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ خوف محبت کے خلاف ہرگز نہیں بلکہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ علم عظمت ہیبت کا سبب بنتا ہے۔ جس طرح ادراک جمال محبت کا سبب بنتا ہے۔ محبوں کے لیے محبت کے مقام میں ایسے خوف ہوتے ہیں جس طرح کہ دوسرے لوگوں کو خوف نہیں ہوتے۔ بعض خوف بعض دوسرے خوفوں سے زیادہ ہوتے ہیں۔ روگردانی کے خوف سے بھی زیادہ حجاب کا خوف ہے۔

اس سے بھی زیادہ خوف (محبوب کا) اپنے پاس سے دور کر دینے کا خوف ہے۔

حدیث شریف:۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے سورہ ہود نے بوڑھا کر دیا ہے۔ یہاں اس خوف سے بھی مراد محبوب سے دوری کا ہے۔ اسی دوری والے نے محبین کے سردار کو بوڑھا کر دیا تھا جو کہ اس صورت میں کئی مقامات پر وارد ہے کہ الا ابعدا الثمود "سن لیجئے' ثمود پہ پھٹکار ہے۔" (ترمذی شریف)

الا بعدا المدین کما بعدت ثمود "سن لیجئے' مدین پر پھٹکار ہے جس طرح کہ پھٹکار پائی ثمود پر۔"

فائدہ:۔ یہ بات ظاہر ہے کہ یہاں ہیبت بعد اور دوری کا خوف اسی کو ہی زیادہ ہوگا جو قرب سے مالوف اور اس کی طرف مائل ہو۔ نیز لازم ہے کہ مبعدین کا ذکر بعد قرب والوں کے کان میں پڑے گا تو انہیں بوڑھا کر دے گا اور جو دوری سے الفت کرنے والا ہے' وہ قرب کی طرف کیسے مشتاق ہو سکتا ہے اور جسے بساط قرب کی حاشیہ بوسی نصیب ہی نہیں ہوئی' وہ بعد کے خوف سے کیوں روئے گا۔ جس طرح کہ مثل مشہور و معروف ہے کہ بندر کیا جانے ادرک کی سار۔ پھر خوف ٹھہر جانے اور زیادتی مراتب نہ میسر آنے کا بھی ہوتا ہے۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ قرب کے درجات کی کوئی انتہاء نہیں ہے' اس لیے بندے کے لیے ضروری ہے کہ ہر وقت یہی کوشش کرتا رہے کہ قرب میں ذرا سا اور اضافہ ہو جائے۔

حدیث شریف:۔ اسی لیے نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ من استوی یوماہ فھو مغبون ومن کان یومہ شرا من امسہ فھو ملعون "جس کے دو دن برابر ہوں تو وہ **شخص نقصان** میں ہے اور جس کی آج کل سے بری ہو' وہ ملعون ہے۔" اور یونہی یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ انہ لیغبان علی قلبی فاستغفر اللہ فی الیوم والیلنہ سبعین مرۃ "جب میرے دل پر میل آجاتا ہے تو میں دن اور رات میں ستر بار استغفار کرتا ہوں۔"

استغفار کا سبب:۔ آپ کا قدم مبارک ہر وقت راہ سلوک میں پڑتا رہتا تھا اور پہلا قدم دوسرے قدم کی نسبت میں تھا' اسی لیے آپ استغفار پڑھتے تھے۔

سالکین کے نزدیک غیر محبوب کی توجہ کیسی ہے:۔ سالکین کے لیے سلوک کے راستے میں تھک جانا اور غیر محبوب کی طرف توجہ کرنا بھی عذاب ہے۔ حدیث قدسی شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے "جو شخص عالم ہو کر بھی جب دنیوی شہوتیں میری اطاعت پر اختیار کرتا ہے تو میں اسے معمولی سزا یہ دیتا ہوں کہ اس سے لذت مناجات چھین لیتا ہوں۔"

نتیجہ یہ نکلا کہ درجات کی زیادتی کا چھین لینا شہوتوں کی وجہ سے عام سالکوں کے حق میں عذاب ہے جبکہ خواص تو زیادتی سے اسی وقت سے ہی حجاب میں ہو جاتے ہیں کہ جب سے وہ کوئی دعویٰ یا تکبریں یا آغاز لطف میں سے جو

ان پر ظاہر ہو' اس کی طرف توجہ کریں اور اسی کا نام مکر خفی ہے۔ یہ چیز ایسی ہے کہ اس سے صرف وہ بچ سکتے ہیں جن کے قدم سلوک کے راستہ پر اچھی طرح مضبوطی سے جمے ہوئے ہوں۔ علاوہ ازیں اس چیز کے جاتے رہنے کا ڈر ہے کہ چلے جانے کے بعد نہ ملے۔

حکایت :۔ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمتہ اللہ علیہ دوران سفر ایک پہاڑ پہ تھے کہ ندا آئی کل شی منک مغفر رسوی الاعراض عنا۔ قدو مبنالک مافات بقی مافات "تجھے ہر غلطی معاف ہے سوائے مجھ سے روگردانی کے اور ہم نے ہر بھول چوک معاف کر دی لیکن اس کی معافی نہیں جو تم نے مجھ سے فوت کیا۔" اسے سن کر آپ تڑپے اور آپ پہ بیہوشی طاری ہو گئی۔ جب ہوش کی دنیا سے پردہ میں رہے۔ آپ پہ بہت سے احوال طاری ہوئے۔ بعدازاں پھر ایک پہاڑ سے ندا سنی کہ اے ابراہیم بندہ ہو جائے۔ حضرت ابراہیم رحمتہ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں بندہ ہو گیا اور ہوش کی دنیا میں لوٹ آیا۔

محبوب سے بے غم ہونے کا خوف :۔ محبوب سے بے غم ہونے کا خوف لگا رہتا ہے یعنی محب شوق' طلب اور حرص میں ہمیشہ رہتا ہے۔ زیادہ کی طلب میں سستی رو اور بے پرواہی ہرگز نہیں کرتا۔ تازہ لطف و کرم کے انتظار میں رہتا ہے۔ اگر یہ بات نہ رہے تو ایک بار پھر ٹھہر جانے کا سبب ہوگا اور رجعت کا سبب بنے گا۔ آدمی پہ بے غم ہونا یوں وارد ہوتا ہے کہ اسے خبر تک نہیں ہوتی یعنی اس سے بے خبر رہتا ہے جس طرح کہ اسی طرح بعض اوقات محبت بھی اس طرح ہو جاتی ہے کہ اس کی خبر بھی نہیں ہوتی کیونکہ دل کی ان تبدیلیوں کے اسباب (ظاہری نہیں) بلکہ غیبی ہوتے ہیں۔ آدمی کو ان کی خبر ہو جائے' یہ ممکن ہی نہیں۔ پس جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کا توقف و خرابی چاہتا ہے تو پھر بے غمی کو اس سے پوشیدہ رکھتا ہے' اس لیے بندہ صرف امید پہ ہی قائم رہتا ہے اور اسی حسن ظن کی وجہ سے دھوکہ کھا جاتا ہے یا اس پہ غفلت یا خواہشات نفسانی بھول جانے کی بیماری غالب ہو جاتی ہے۔ حالانکہ یہ تمام شیطانی لشکر ہیں جو علم' عقل اور ذکر و بیان وغیرہ لشکر ملائکہ پہ غلبہ حاصل کر لیتے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کے اوصاف لطف' رحمت اور حکمت ایسے ہیں جو بندے میں ظاہر ہو جائیں تو جوش محبت کے مقتضی ہوتے ہیں۔ یونہی اس کے اوصاف اس طرح بھی ظاہر ہوتے ہیں جو بے غمی کا سبب بنتے ہیں۔ مثل جباری' عزت' استغنا اور اسی طرح کی باتیں بدبختی کے مقدمات ہوتی ہیں۔

پھر اس بات کا خوف ہے کہ کہیں دل اللہ تعالیٰ کی محبت کی بجائے کسی دوسری طرف نہ منتقل ہو جائے۔ اس مقام کو مقام مقت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے یعنی شدت اللہ تعالیٰ کا غضب ہے اور بے غمی حقیقی محبوب سے اس مقام کا مقدمہ ہے اور حجاب و اعراض اس بے غمی کا مقدمہ ہے اور نیکی سے دل کا تنگ ہونا' ہمیشہ ذکر کرنے سے جی چرانا اور دو وظائف سے گھبرانا اعراض و حجاب کے مقدمات اسباب ہیں۔ اس بحث سے معلوم ہوا کہ ان باتوں کا ظاہر ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ آدمی مقام محبت سے مقام مقت میں جا گرا ہے۔ (نعوذ باللہ من ذلک)

صدق محبت کی دلیل :- ہمیشہ مقام مقت میں گرنے والے امور سے ڈرتے رہنا بلکہ شدت سے بچتے رہنا صدق محبت کی دلیل ہے۔ اس لیے کہ جو شخص جس چیز سے محبت رکھتا ہے' اس کے چھین لیے جانے سے ڈرتا رہتا ہے تو لازمی امر ہے کہ جس محبوب کا جاتے رہنا یا چھن جانا ممکن ہو تو محب کو خوف ضرور ہوگا۔

فائدہ :- بعض عارفین نے فرمایا کہ جو شخص بغیر خوف کے صرف محبت سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے' وہ شخص ناز کرنے کی وجہ سے اور زیادہ پاؤں پھیلانے کی وجہ سے ہلاک ہوتا ہے اور جو شخص بغیر محبت کے صرف خوف کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے' وہ اس سے وحشت ناک اور دور ہو کر علیحدہ ہو جاتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت محبت و خوف دونوں سے کرتا ہے' اللہ تعالیٰ محبوب و مقرب بناتا ہے اور اسے ہی قدرت و علم عطا فرماتا ہے۔ پس محب کے لیے خوف لازم ہے اور خائف کو محبت۔ علاوہ ازیں جس شخص پہ محبت غلبہ پا کر خوب پھیل جائے اور معمولی سا خوف ہو تو اسے مقام محبت میں کہیں گے اور محبین میں اس کا شمار ہوگا اور آمیزش خوف سکر محبت کو کچھ نہ کچھ سکون فراہم کرتی رہے گی اور اگر محبت و معرفت مزید بڑھ جائے تو بشریت کی طاقت اسے برداشت نہیں کر سکتی۔ ہاں البتہ خوف کی وجہ سے اس میں میانہ روی اور تخفیف ہو جاتی ہے اور اس کا دل پہ واقع ہونا آسان معلوم ہوتا ہے۔

معمولی معرفت کا کرشمہ :- روایت ہے کہ بعض ابدال نے کسی صدیق سے روایت فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ اپنی معرفت کا ایک ذرہ مجھے عطا فرمائے۔ انہوں نے دعا فرمائی اور وہ بارگاہ حق میں مقبولیت سے نوازی گئی۔ اس بزرگ کا یہ حال ہو گیا کہ وہ پہاڑوں میں سرگرداں پھرنے لگے۔ عقل حیران اور ان کا دل پریشان ہو گیا۔ ان کی آنکھیں سات دن کے لیے پتھرا گئیں۔ نہ تو انہوں نے کسی چیز سے نفع حاصل کیا اور نہ ہی ان سے کسی چیز کو نفع ہوا۔

صدیق نے ان کے لیے اللہ سے دعا مانگی کہ یا اللہ ذرہ بھر معرفت سے تھوڑی سے کم کر دے تو ان پر وحی ہوئی کہ ابھی تک تو ہم نے اسے ذرہ بھر معرفت کا بھی لاکھواں حصہ عطا فرمایا ہے اور اس کی وجہ یہ ہوئی ہے کہ جس وقت تو نے ان کے لیے دعا کی تھی' اسی وقت ہمارے لاکھ بندوں نے بھی اس سلسلے میں درخواست کی تھی۔ میں نے ان کی دعا قبول کرنے میں ذرا تاخیر کر دی تھی مگر جب تو اس کا سفارشی ہوا تو میں نے تیری دعا قبول فرمائی تو ان کی درخواست بھی قبول فرمائی اور اپنی معرفت کا ایک ذرہ لاکھ بندوں میں تقسیم فرما دیا جس کا نتیجہ تو نے دیکھ لیا ہے۔

اس وقت صدیق نے عرض کی "یا احکم الحاکمین! جتنا معرفت تو نے اسے عطا فرمائی ہے' اس سے کچھ کم کر دے۔" اللہ تعالیٰ نے دس ہزارواں حصہ اس لاکھویں حصہ کا رہنے دیا' باقی سب سلب کر دیا' تب کہیں جا کر اس کا خوف' محبت و رجا ٹھکانے ہوئی اور پریشانی دور ہوئی اور عارفین جیسا ہو گیا جبکہ عارفین کا حال یوں ہے۔

قریب الوجد نومری بعید۔ حلی الاحرار منهم والعبید "قریب الوجد ہے لیکن اس کا مقصود بعید ہے' وہ

تمام غلاموں اور احرار سے بعید ہے۔"

غریب الوصف ذوعلم غریب۔ کان فواده زبر الحدید "اس کی صفت بھی عجیب اور علم بھی عجیب و غریب' اس کا دل لوہے کی تختیوں کی طرح مضبوط ہے۔"

لقد عزت معانیه فغابت۔ عن الابصار الا للشهید "اس کی معانی بلند پرواز ہیں۔ سوائے مشاہدہ والے کے باقی سب سے اوجھل ہیں۔"

یری الاعیاد فی الاوقات تجری فی کل یوم الف عید "تمام اوقات اس کی عید ہے بلکہ ہر دن اس کی ہزاروں عیدیں ہیں۔"

والاحباب افراح بعید۔ ولا یجد السرور له بعید "احباب عید سے خوش ہیں لیکن یہ عید مراد نہیں جس سے تم لوگ خوش ہوتے ہو۔"

حکایت:_ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ اشعار احوال عارفین کے ضمن میں اشعار ارشاد فرمایا کرتے تھے' گو ان اسرار و رموز کا اظہار جائز نہیں مگر پھر آپ ارشاد فرما دیتے تھے۔

مسرت باناس فی الغیوب قلوبهم۔ فحلوابقرب الماجد المتفضل ایک جماعت ایسی ہے جن کے قلوب عالم غیب میں اللہ تعالیٰ کے قرب میں رہتی ہے۔

عراصا بقرب اللّٰه فی ظل قدسه۔ تجول بها ارواهم وتنقل میدان قدس میں ظل قدس کے نیچے قرب الٰہی انہیں نصیب ہے۔ وہیں ان کی ارواح چلتی پھرتی ہیں۔

مواردهم فیها علی اللّٰه وانهی۔ ومصدرهم عنها لما اکمل عزت و عظمت کے ساتھ ان کا وہیں ورود ہے' وہیں وہ آتے جاتے ہیں' وہی کامل و اکمل مقام ہے۔

مروح بغزد مفرد من صفاته۔ وفی حلل التوحید غشی وترفل ان کا مقام بیان سے بالاتر ہے۔ وہیں اللہ تعالیٰ واحد یزل کے ہاں ان کی بود و باش اور توحید کے حلوں سے آراستہ ہیں۔

ومن بعد هذا ماتدق صفاته۔ واما کتمه اولی لدیه واعدل اس کے بعد اور ان کی صفات کا کیا کہنا۔ یہ ایک راز ہے' اسے پوشیدہ رکھنا بہتر اور اکمل ہے۔

ساکتم من علمی به مایصونه۔ وابذل منه باری الح یبذل جو شے ان کی حفاظت کرتی ہے' اسے میں پوشیدہ رکھنا مناسب سمجھتا ہوں۔ ان سے جو کچھ دیکھتا ہوں' اسے واضح کروں گا اور حق واضح کرنے کے زیادہ لائق ہے۔

واعطی عباداللّٰه منه حقوقهم۔ وامنع منه ماری امنع افضل اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ان کے حقوق عطا کرتا ہے جو میں ان کے حقوق دیکھ رہا ہوں' انہیں بتانے سے روکا گیا ہوں اور یہی ان کے حال کو زیادہ مناسب ہے۔

علی ان للرحمٰن سر ایصونه۔ الی ابله فی السرو الصون اجمل اس لیے اللہ تعالیٰ جن کی حفاظت فرماتا ہے' اسے اس کا چھپانا لائق ہے اور وہ اپنے راز کا خود زیادہ کامل ہے۔

فائدہ:۔ ان جیسے معارف میں بھی لوگ شریک نہیں ہو سکتے اور نہ ہی یہ جائز ہے کہ جسے ان کی قدر ہی نہ ہو' ان پر ظاہر ہو جائیں۔ ایسے اسرار ان لوگوں کے سامنے بیان کرے جن پہ وہ کشف نہ ہوئے ہوں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہی راز سب پہ ظاہر ہو جائے تو دنیا خراب ہو جاتی۔ دنیا کی آبادی کے لیے اللہ تعالیٰ کی حکمت اسی کی مقتضی ہے۔ عوام پر غفلت طاری رہے۔ ان معارف کا سب پر انکشاف ہونا تو دور کی بات ہے' اگر صرف چالیس دن تک تمام لوگ صرف حلال کا کھانا تناول فرمائیں تو پھر بھی دنیا اجڑ جائے گی کیونکہ سب اسے چھوڑ دیں' بازار اور معیشت سب بیکار ہو جائیں گے بلکہ اگر صرف علمائے کرام ہی حلال کھانا تناول فرمانا شروع کر دیں تو اپنی ہی جانوں میں مشغول ہو جائیں۔ ان کی زبانیں اور قلم رک جائیں تو جتنے علوم پھیلے ہوئے ہیں' ان میں سے بہت سے علوم ختم ہو جائیں گے مگر اللہ تعالیٰ اس چیز میں بھی اسرار و حکمتیں پوشیدہ رکھی ہیں جو بظاہر بری ہے۔ جس طرح کہ بھلائی میں اسرار و رموز اور حکمتیں ہیں اور اس کے اسرار و رموز و حکمتوں کی کوئی انتہاء نہیں ہے جس طرح کہ اس کی قدرت کی انتہاء نہیں ہے۔

علامت محبت :۔ محبت کی ایک علامت یہ ہے کہ محبت کو پوشیدہ رکھے' محبت کا دعویٰ نہ کرے۔ تعظیم محبوب کی وجہ سے اظہار وجد و محبت سے پرہیز کرے کیونکہ اس کے راز کو کسی دوسرے کے سامنے بیان کرنے کی وجہ سے محبوب کو غیرت ہوگی' اس لیے کہ محبت بھی محبوب کا ایک راز ہے۔ علاوہ ازیں ایک بات یہ بھی ہے کہ دعویٰ کرنے کی وجہ سے بعض اوقات ایسی بات بھی منہ سے نکل جاتی ہے کہ اگر اصل بات سے زیادہ بیان کر دی جائے تو یہ بہتان ہوگا۔ آخرت میں اس کا نتیجہ برا ہوگا۔ علاوہ ازیں اس وجہ سے دنیا میں بھی مصیبت جلدی آتی ہے' ہاں البتہ یہ بات الگ ہے کہ کبھی محبوب نشہ محبت کی کثرت کی وجہ سے مدہوش ہو جاتا ہے اور اس کا حال مضطرب ہو جاتا ہے۔ اس وقت اس کی محبت ظاہر ہو جاتی ہے۔ پس اگر اس قسم کا اظہار محبت تکلیف و اختیار کے بغیر ہو جائے تو یہ مجبوری ہے۔ کبھی کبھی تو محبت کی آگ اتنی زیادہ مشتعل ہو جاتی ہے جس کی تاب کسی کو نہیں ہے۔ جب کبھی دل کو بہا دیتی ہے' پھر اسے روکنے والا کوئی بھی نہیں ہوتا۔

خلاصہ :۔ یہ کہ جو شخص سر محبت پوشیدہ رکھنے پہ قدرت رکھتا ہے تو وہ اس طرح کہتا ہے وقالو اقریب قلت انا صانع۔ بقرب شاع الشمس لوکان فی حجری "انہوں نے کہا دوست قریب ہے۔ میں نے کہا' میں روا نہیں رکھتا۔ اگر سورج میری گود میں ہو تو اس کے شائع سے مجھے وہ کیا نظر آئے گا۔

فمالی منه غیر ذکر بخاحل۔ بهیج نار الحب والشوق فی حجری "میرے لیے تو صرف اتنا کافی ہے کہ میں اسے دل میں یاد کروں۔ اس کے عشق و شوق کی آگ میرے سینے میں ہے۔"

فائدہ :۔ جو اس راز کو چھپا نہیں سکتا' وہ کہتا ہے یحمی فیبدی الدمع اسراره ویظهر الوجد علیه النفس" راز پوشیدہ کرنا چاہتا ہے تو اس کے آنسو اسرار کو ظاہر کر دیتے ہیں اور اس کا سانس اس کے قلبی جوش کو ظاہر کرتا

ہے۔"

فائدہ:۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کسی پر احوال کا غلبہ ہوتا ہے اور اس کی دل پر حملہ ہوتا تو پھر وہ اسے بچا نہیں سکتا۔ اس لیے مجبوراً اس کا سانس پھول جاتا ہے اور جو لوگ سعادت مند ہیں' وہ ایسے اسرار پوشیدہ رکھتے ہیں۔ وہ زبان پر نہیں لاتے' سوائے اس کے کہ سانس چونکہ ہر وقت اندر باہر آرہا ہے' اس سے ان کے راز کا افشاں ہوتا رہتا ہے اور یہ اہل جنت کا ذکر ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جنتیوں کا ذکر سانس کے جاری ہونے پر ہوتا ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے ومن قلبیه مع غیره کیف حال۔ ومن سره فی جفنه کیف یکتم "جو دل سے کسی غیر کے ساتھ ہے' اس کا حال کیسے چھپ سکتا ہے جس کا راز پلکوں میں ٹپک رہا ہے' وہ کیسے چھپا سکتا ہے۔"

فائدہ:۔ بعض عارفین ارشاد فرماتے ہیں کہ لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے دور وہ شخص ہوتا ہے جو اس کی طرف اشارہ بہت کرے یعنی ہر چیز میں تکلف و بناوٹ سے کام لیتے ہوئے ہر ایک کے سامنے اللہ تعالیٰ کی طرف اشارہ کرتا پھرے تو اس قسم کا شخص عاشقین حق اور واقفین حق کے نزدیک محب ہرگز نہیں ہے بلکہ ایسا شخص مبغوض و ممقوت ہے۔

حکایت:۔ حضرت ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ اپنے بھائی کے پاس تشریف لے گئے۔ وہ اپنی محبت کا ذکر بکثرت بیان کیا کرتے تھا۔ آپ نے اسے اس مصیبت میں گرفتار دیکھ کر فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے چوٹ کی تکلیف محسوس کرتا ہے' وہ اس سے محبت بالکل نہیں رکھتا۔ اس نے عرض کیا کہ لیکن میں تو یہ کہتا ہوں کہ جو شخص اس کی چوٹ سے لذت نہیں پاتا' وہ اس سے محبت نہیں رکھتا۔ حضرت ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ جو شخص اپنے نفس کو اس کا خوب مشہور کرتا پھرتا ہے' وہ اس سے محبت ہرگز نہیں رکھتا۔ یہ سن کر اس نے استغفار و توبہ کی کہ آئندہ محبت کا ذکر کسی سے نہیں کروں گا۔

سوال:۔ اللہ تعالیٰ کی محبت مقامات تما میں سے ہے' اسے ظاہر کرنے میں تو بھلائی ہی معلوم ہوتی ہے۔ اس کے اظہار کو برا کہنے کی وجہ کیا ہے؟

جواب:۔ محبت اعلیٰ چیز ہے اور اس کا خود بخود ظاہر ہونا بھی اچھا ہے۔ اسے بتکلف ظاہر کرنا برا کام ہے کیونکہ ظاہر کرنے میں دعویٰ پایا جاتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ دعویٰ کرنے میں حقیقی بات سے زیادہ ظاہر کی گنجائش پائی جاتی ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ سزاوار محبت تو یہ ہے کہ اس کی چھپی ہوئی محبت پر اس کے افعال و احوال دلالت کریں' نہ کہ اقوال اور محبت یوں ظاہر ہونی چاہیے کہ اسے قصداً اظہار محبت یا اظہار فعل جو محبت پر دلیل ہو' ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔ ہمیشہ اس کا قصد یہی رہنا چاہیے کہ اس کا سوائے حبیب کے کسی کو علم نہ ہو اور جب یہ ارادہ ہو کہ کوئی دوسرا بھی اسے جان لے تو یہی بات محبت میں شرک کہلائی جاتی ہے اور اس میں بے جا مداخلت

کرنے والی ہے۔ چنانچہ انجیل میں روایت ہے کہ جب تو صدقہ و خیرات کرے تو اس طرح صدقہ خیرات کر کہ تیرا بایاں ہاتھ نہ جان سکے کہ تیرے دائیں ہاتھ نے کیا کیا ہے۔ اس کا بدلہ تجھے اعلانیہ وہ دے گا جو پوشیدہ چیزوں کو دیکھتا ہے اور جب تو روزہ رکھے ہو تو اپنا منہ دھو لیا کر اور سر میں تیل بھی ڈال لیا کر تاکہ تیرے روزے کا حال تیرے رب کے سوا کسی دوسرے کو معلوم نہ ہو۔

فائدہ :۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ ظاہر کرنا قول و فعل دونوں کا برا ہے مگر اس میں کہ محبت کا نشہ غالب ہو جائے کہ زبان گویا ہو جائے اور اعضاء بے قرار ہو جائیں تو ایسی حالت میں اس شخص پر ملامت نہیں ہو سکتی۔

حکایت :۔ کسی نے بعض دیوانوں سے ایک ایسا معاملہ دیکھا کہ اپنے آپ کو اس کے بارے میں جاہل پایا تو اس نے اس کا حال حضرت معرف کرخی رحمتہ اللہ علیہ کے سامنے بیان کیا تو حضرت معروف کرخی رحمتہ اللہ علیہ نے تبسم فرما کر ارشاد فرمایا کہ بھائی! محبان حق ہر قسم کے ہوتے ہیں۔ چھوٹے ہوتے ہیں اور بڑے بھی' عاقل بھی ہوتے ہیں اور دیوانے بھی۔ پس تو نے جو یہ حال ملاحظہ کیا ہے' مجنون میں مجنونوں کا یہ حال ہے اور انہیں اسی پہ سوچ لینا چاہیے۔

جواب نمبر2 :۔ اظہار محبت کی برائی اس لیے بھی ہے کہ اگر محبت کرنے والا عارف ہو گا اور فرشتوں کی دائمی محبت اور شوق لازمی کے حالات بھی جانتا ہو گا کہ جس کی وجہ سے ان کا یہ حال رہتا ہے کہ یسبحون اللیل والنھار لا یفترون (الانبیاء 20) ترجمہ کنزالایمان :۔ رات دن اس کی پاکی بولتے ہیں اور سستی نہیں کرتے۔ اور لا یعصون اللہ ما امرھم ویفعلون ما یومرون (التحریم 6) ترجمہ کنزالایمان :۔ جو اللہ کا حکم نہیں ٹالتے اور جو انہیں حکم ہو وہی کرتے ہیں۔ تو وہ اپنے نفس اور محبت کے اظہار کی وجہ سے شرمندہ ہو گا اور جان جائے گا کہ میں تمام دیوانوں میں سے کم ترین ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی بادشاہی میں جتنے بھی اس کے محب ہیں' ان تمام سے میری دوستی کم ترین ہے۔

بیان مکاشفین :۔ بعض مکاشفین ارشاد فرماتے ہیں کہ تین سال تک ظاہر و باطن میں مقدور بھر کوشش کر کے میں نے عبادت کی یہاں تک مجھے گمان ہوا کہ اب اللہ کے نزدیک میرا کچھ مرتبہ و مقام بن گیا ہو گا اور اس بزرگ نے مکاشفات سماوی اسرار کے ظہور کے بارے میں ایک لمبی چوڑی داستان بیان کر کے آخر میں تحریر فرمایا ہے کہ میں فرشتوں کی ایک صف میں پہنچا۔ ان فرشتوں کی تعداد تمام مخلوقات کی تعداد کے برابر تھی۔ میں نے ان سے پوچھا' تم کون ہو؟ ان فرشتوں نے جواب دیا "ہم اللہ عزوجل کے محب ہیں۔ ہم یہاں تین لاکھ سال سے اس طرح اس کی عبادت کر رہے ہیں کہ ہمارے دل اور زبان پہ اس کے سوا کسی چیز کا گزر نہیں ہوا۔" یہ سن کر مجھے اپنے عمل سے بہت حیا آئی اور اپنے تمام اعمال میں نے ان لوگوں کو بخش دیئے جو وعید کے مستحق تھے تاکہ ان پر دوزخ میں تخفیف ہو۔

ختم شریف اور اس کے فوائد :۔ الحمد للہ یہی عقیدہ اہلسنت و جماعت کا ہے کہ زندوں کے وہ اعمال جو وہ مردوں

کو ایصال ثواب کرتے ہیں' ان کا ثواب مردوں کو پہنچتا ہے۔ مردے خواہ نیک ہوں یا گنہگار حتیٰ کہ وعید کے مستحق مردوں کو بھی ایصال ثواب کی وجہ سے عذاب دوزخ سے تخفیف ہوتی ہے۔ معلوم ہوا کہ ہمارا یہ عقیدہ سلف صالحین کے مطابق ہوتا ہے جبکہ ایصال ثواب کو بدعت وغیرہ کے کھاتہ میں ڈالنے والوں کی اس مسئلہ کے بارے میں ڈیڑھ اینٹ کی مسجد جدا ہے۔ ایصال ثواب کے بارے میں فتاویٰ رشیدیہ کا یہ حوالہ ملاحظہ فرمائیں۔

سوم' دہم' چہلم' سوم ہنود کی ہیں (فتاویٰ رشیدیہ جلد ۱) جبکہ تقویت الایمان کے نام سے تقویت الایمان و تذکیر الاخوان میں اسے کفریات میں شمار کیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ختم شریف وغیرہ ایصال ثواب ہے۔ ختم شریف کی حقیقت یہ ہے کہ قرآنی سورتیں و آیات تلاوت کی جاتی ہیں۔ قرآن کے پڑھنے اور اس کی ہر حرف کے بدلے نیکیاں ملنے سے کسی کو بھی انکار نہیں۔ صدقہ خیرات کیا جاتا ہے۔ اس سے بھی کوئی انکاری نہیں۔ مختلف اعمال کا یکجا ہونا بھی باعث گرفت نہیں بلکہ ثواب میں اضافے کا سبب ہے۔ جیسا کہ جمعہ کے دن حج پڑھی جائے تو اسے حج اکبر کے نام سے اس کلیہ کی بنا پر ہی کہا جاتا ہے۔

ایصال ثواب نبی کریم و صحابہ کرام اور بعد کے ہر دور میں مسلم ہے۔ شرح الصدور میں ہے کہ انصار میں جب کوئی فوت ہو جاتا تو وہ لوگ جمع ہو کر اس کی قبر کی طرف پہنچتے اور اس کے لیے قرآن شریف پڑھا کرتے تھے۔ اسی طرح الصدور میں علامہ جمال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ بے شک مسلمان ہمیشہ سے ہر زمانہ میں اکٹھے ہوتے ہیں اور اپنی اموات کے لیے بلاانکار قرآن شریف پڑھتے ہیں تو یہ اجماع ہو گیا۔

شرح الصدور:۔ ملفوظات عزیزی میں ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا سوم بھی ہوا۔ مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ جب صحابہ کرام دو بانبھ (ماعز کے ہاں) ٹھہرے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں شریف لے گئے اور آپ نے وہاں فرمایا فقال استغفر والماعز بن مالک "فرمایا ماعز بن مالک کے لیے دعائے مغفرت کیجئے۔" معلوم ہوا ایصال ثواب و مردوں کے لیے دعائے مغفرت کرنا نبی کریم و صحابہ کرام سے یہ طریقہ چلا آ رہا ہے۔

حضرت ملا علی قاری فتاویٰ اور جندی میں تحریر فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادہ حضرت ابراہیم کی وفات سے تیسرا دن (تیجا تھا) ابو ذر غفاری حضور کے پاس حاضر ہوئے۔ ان کے ساتھ اونٹنی کا دودھ اور جو کی روٹی تھی۔ پس اسے حضور کے پاس رکھ دیا تو حضور نے سورۃ فاتحہ ایک بار اور قل ھواللہ سورے تین بار پڑھی اور یہ درود شریف اللھم صلی علی محمد انت لھا اھل وھولھا اھل اس کے بعد آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور اپنے منہ پر پھیرے اور ابوذر غفاری کو فرمایا کہ اسے تقسیم کر دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کھانے کا ثواب میرے بیٹے ابراہیم کے لیے ہے۔ پس ختم شریف کا ثبوت نبی کریم سے بھی معلوم ہو گیا۔ اب بھی اگر کوئی انکار کرے تو حقیقت سے آنکھیں بند کرنے کے سوا کچھ بھی نہیں۔" مزید مطالعہ کے لیے قل خوانی یا تیجا شریف۔ برکات گیارہویں شریف' ناشر مکتبہ اویسیہ رضویہ بہاولپور کا مطالعہ فرمائیں۔

فائدہ:۔ معلوم ہوا کہ جو شخص بھی اپنے نفس اور اپنے رب کو پہچانتا ہے اور جیسا حیا کرنا چاہیے' اس سے ویسا ہی

حیا کرتا ہے تو ایسے شخص کی زبان اظہار محبت کے دعوئی سے گونگی ہو جاتی ہے۔ ہاں البتہ اس شخص کے حرکات و سکنات اور ترددات محبت پہ شاہد ہوتے ہیں۔

حضرت سری رحمتہ اللہ علیہ کا حال:۔ حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ اپنے استاد مکرم اور مرشد لامعونانی حضرت سری رحمتہ اللہ علیہ کا حال بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ ایک مرتبہ بیمار ہو گئے۔ ہمیں ان کی بیماری کا سبب معلوم نہ ہو سکا اور نہ ہی دوا۔ کسی نے ہمارے سامنے ایک حاذق طبیب کا ذکر کیا۔ آپ کا قارورہ لے کر میں طبیب کے پاس پہنچا۔ طبیب نے آپ کا قارورہ دیکھا۔ وہ کافی وقت اس قارورے کو دیکھتا رہا' بعد ازاں مجھ سے کہا کہ یہ قارورہ تو عاشقوں کے قارورے جیسا معلوم ہوتا ہے۔ میں نے یہ سنتے ہی پچھاڑ کھائی اور ہوش و حواس سے بیگانہ ہو گیا۔ میرے ہاتھ سے شیشی گر گئی۔ جب ہوش آئی تو میں اپنے مرشد حقانی کی بارگاہ میں حاضر ہو کر سارا ماجرا کہہ سنایا۔ آپ نے تبسم کیا اور ارشاد فرمایا کہ حقیقت میں وہ قارورہ اچھی طرح پہچانتا ہے۔ میں نے دریافت کیا کہ کیا قارورے سے بھی عشق ظاہر ہو جاتا ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا' ہاں قارورہ میں بھی عشق ظاہر ہو جاتا ہے۔

ایک دفعہ حضرت سری رحمتہ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں چاہوں تو کہہ دوں کہ اسی کی محبت نے میرا چمڑا ہڈیوں پر لگا دیا ہے اور بدن کو لاغر کر دیا ہے۔ یہ کہنے کے بعد آپ تن من سے بے خبر ہو گئے۔ آپ کی اس بے خبری سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے یہ قول مبارک غلبہ وجد میں فرمایا' جس وقت کہ تن من سے بے خبری آنے کو تھی۔

علامت محبت۔انس و رضا:۔ محبت کی علامتوں میں سے ایک علامت انس و رضا بھی ہے۔ انس و رضا کا بیان عنقریب آئے گا۔ یہاں تک تو محبت کی علامات اور اس کے ثمرات کا بیان ہوا۔

خلاصہ:۔ دین کی ساری خوبیاں اور اچھے اخلاق محبت کا ثمر ہیں۔ محبت جس چیز کی مثمر نہیں ہے' اسے اتباع خواہشات نفسانی جاننا چاہیے جو کہ برے اخلاق میں سے ہے۔

فائدہ:۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت دو قسم کی ہوتی ہے۔

1۔ کوئی تو اللہ تعالیٰ سے محبت اس لیے کرتا ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔

2۔ اور کوئی اللہ تعالیٰ سے محبت اس کے جلال و جمال کی وجہ سے رکھتا ہے۔ خواہ اس کی طرف کچھ احسان نہ بھی ہو' اسی لیے ہی حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے بارے میں آدمی دو قسم کے ہیں۔ (1) ایک عام اور (2) ایک خاص۔

عوام:۔ اللہ تعالیٰ سے عوام اس لیے محبت کرتے ہیں کہ اس کا احسان اور بہت زیادہ انعام ہمیشہ دیکھتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کے الطاف کریمانہ دیکھ کر نہ رہ سکے کہ اس سے محبت نہ کریں مگر ان لوگوں کی محبت میں کمی و بیشی بقدر نعمت و

احسان کے ہوتی ہی رہتی ہے۔

خواص :۔ خواص کو جو محبت الٰہی حاصل ہوئی تو اللہ تعالیٰ کی قدر' قدرت اور علم و حکمت کی عظمت کی وجہ سے اور بادشاہی میں یگانہ ہونے کی وجہ سے ملی ہے یعنی جب خواص اس کی کامل صفات اور اسمائے حسنیٰ کو پہچانا تو محبت کے بغیر نہ رہ سکے' اس لیے ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ محبت کا مستحق ٹھہرا گو ان سے تمام نعمتوں کو ہٹا بھی دیا۔ ہاں لوگوں میں بعض ایسے لوگ بھی ہیں کہ جو اپنی خواہشات نفس اور اللہ تعالیٰ کے دشمن ابلیس لعین (شیطان) سے تو محبت رکھتے ہیں' اس کے باوجود اپنے جی میں جہالت و مغالطہ سے دھوکا کھا کر گمان کر لیتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے محبت ہیں حالانکہ ان میں محبت کی علامتوں میں سے کوئی علامت' بھی نہیں پائی جاتی۔ اگر بفرض محال کوئی علامت ان میں پائی جاتی ہے تو وہ نفاق ریا اور شہرت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اس سے ان کی غرض و غایت دنیوی حظ کا حصول ہوتا ہے جبکہ زبان سے اس کے خلاف معاملہ ظاہر کرتے ہیں جس طرح کہ برے عالم اور قاری اللہ کی زمین میں یہ لوگ اس کے دشمن ہیں۔

حکایت :۔ حضرت سہل تستری رحمتہ اللہ علیہ جب کسی سے بات چیت کرتے تو شروع میں ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ "اے دوست!" ان سے کسی نے عرض کیا کہ آپ یہ کلمہ کیسے کہہ دیا کرتے ہیں۔ کبھی کبھی یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ آپ جس سے کلام کر رہے ہوں' وہ آپ کا دوست نہ ہو؟ آپ نے سوال کرنے والے کے کان میں چپکے سے فرما دیا کہ "مخاطب دو حال سے خالی نہیں یا ایماندار ہو گا یا منافق۔ پہلی صورت میں اللہ تعالیٰ کا دوست ہو گا اور دوسری صورت میں شیطان کا۔"

فائدہ :۔ ابو تراب نخشی رحمتہ اللہ علیہ نے محبت کی علامتوں کے بارے میں چند اشعار لکھے ہیں :۔

لا تخدعن فللحبیب دلائل ۔ ولدیہ من تحف الحبیب وسائل دھوکہ نہ کر محبوب کے پاس علامات ہیں اس کے پاس حبیب کی طرف سے تحائف کے وسائل ہیں۔

منہا تنعمہ بمر بلائہ ۔ وسرورہ فی کل ما ھو فاعل ان میں سے ایک یہ ہے کہ کڑوے گھونٹ پا کر اسے ہی عیش جانتا ہے اور جو کچھ عاشق سے کرے' اس پر وہ اظہار سرور کرے۔

فالمنع منہ عطیۃ مقبولۃ ۔ والفقر اکرام ولطف عاجل اس کا عاشق کو کچھ نہ دینا ہی اس کی مقبول عطا ہے اور فقر دینا اس کا اکرام اور نقد احسان ہے۔

ومن الدلائل ان یری فی عزمہ ۔ طوع الحبیب وان الح العاذل اس کی علامت سے ہے کہ وہ تکلیف دے کر عشاق سے لے کر تسلیم خم دیکھنا چاہتا ہے۔ اگرچہ کوئی کتنا ہی زاری کرے۔

ومن الدلائل ان یری متبسما ۔ والقلب فیہ من الحبیب بلابل اس کی علامت سے ہے کہ وہ عشاق کو ہنستا ہوا دیکھے۔ اگرچہ اس کا قلب مختلف پریشانیوں سے دوچار ہو۔

ومن الالائل ان یری منفہما لکلام۔ ومن یحظی لدیہ تسائل اس کی علامات سے ہے کہ وہ کلام کو سمجھنے والا دیکھنا چاہتا ہے' وہ کلام جسے سائل کچھ نہ سمجھے۔

ومن الدلائل ان یری منشقفا۔ منحفظا من کل ماھو قامل اس کی علامات سے ہے کہ دکھ درد سننے والا اور ہر بات کو محفوظ رکھنے والا دیکھنا چاہتا ہے جو بات بھی اسے کہنے والا کہے۔

فائدہ:۔ حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی موضوع میں اس مضمون کے اشعار تحریر کیے ہیں۔

اس کی علامات سے ہے کہ تم عاشق کو دیکھو گے' دو پھٹے پرانے کپڑوں میں لپٹا ہوا' سو اجل کے کناروں پر پھرتا ہوگا۔

اس کی علامات سے ہے' وہ غمگین ہوگا' محبت سے سرشار ہوگا' اندھیری راتوں میں پھرتا ہوگا' اسے ملامت گر کی کوئی فکر نہ ہوگی۔

اس کی علامات سے ہے کہ وہ ہمیشہ جہاد کے سفر کا مسافر ہوگا بلکہ ہر نیک کام کے لیے مستعد ہوگا۔

اس کی علامات میں سے ہے کہ وہ زہد میں ہوگا' دار ذلت میں مقیم اور عیش و عشرت سے دور ہوگا۔

اس کی علامات میں سے ہے کہ ہمیشہ روتا ہوگا اور نہایت ہی قبیح حال میں زندگی بسر کر رہا ہوگا۔

اس کی علامات میں سے ہے کہ اس کے جملہ امور کی سپردگی ہمیشہ مالک الملک کی طرف ہوگی۔

اس کی علامات میں ہے کہ اسے مالک الملک کے ہر حکم کے سامنے راضی دیکھو گے۔

اس کی علامات میں سے ہے کہ اسے مخلوق میں تو ہنستا چہرہ دیکھو گے لیکن اس کا دل رونے والوں کی طرح محزون ہوگا۔

اللہ تعالیٰ سے انس و شوق کا مطلب

شوق کا مفہوم:۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ انس' خوف اور شوق محبت کے آثار میں سے ہیں مگر یہ محبت کے آثار غلبہ کیفیت' وقت اور اس کی نظر کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں۔ تو جس صورت میں کہ محبت کرنے والے پر یہ کیفیت غالب ہو کہ غیبی حجابوں سے لے کر منتہائے جمال تک تاک لگائے ہو اور کنہ جلال کو جاننے سے اپنا قاصر ہونا سمجھ گیا ہو تو اس وقت اس کی طلب میں دل مشتغل ہوتا ہے اور اس کی طرف جوش مارتا ہے۔ دل کا یہ جوش غائب امر کی طرف ہوتا ہے' اسے شوق کہا جاتا ہے۔

انس کیا ہے:۔ جس صورت میں نزدیکی خوشی اور جو کچھ بھی کشف ہوا ہے' اس کی وجہ سے مشاہدہ حضوری غالب ہو اور اس کی نگاہ صرف اور صرف مطالعہ اس جمال پہ مقصود ہو جو اس پر کشف ہوا اور مدرکہ قوت کے پاس موجود ہے اور اب تک جو چیز اسے حاصل نہیں ہوئی' اس کی طرف توجہ ہی نہیں کرتا تو جس شے کو بھی دیکھتا ہے' اسے دیکھنے کی وجہ سے دل کو ایک سرور حاصل ہوتا ہے۔ اسی حاصل ہونے والے سرور کو انس کہتے ہیں۔

خوف:۔ محب کی نظر اگر عزت' استغناء اور بے پرواہی وغیرہ صفات محبوب پر ہو۔ علاوہ ازیں زوال اور دور ہو جانے کا امکان بھی ہو' ان کو امور جان لینے کی وجہ سے دل میں رنج ہوتا ہے۔ پس اس طرح سے دل کا دردمند ہونا خوف کہلاتا ہے۔ الغرض یہ تمام حالتیں اپنے اپنے ملاحظات کی ماتحت ہیں اور یہ ملاحظات ایسی وجوہات سے پیدا ہوتے ہیں کہ جو ان ملاحظات کے مقتضی ہوتے ہیں اور ان کا احاطہ کرنا ناممکن ہے۔

انس کا معنی:۔ انس کے یہ معنی ہیں کہ جمال کے مطالعہ سے دل کو خوشی و سرور حاصل ہو۔ یہاں تک کہ یہ سرور جتنا غالب ہو اور جو چیز غائب ہے' اس کا لحاظ بالکل نہ رہے اور دل میں زوال کا خطرہ بھی نہ پیدا ہو تو اس سرور میں بہت زیادہ لذت اور راحت حاصل ہوگی اور یہی وجہ تھی کہ ایک بزرگ سے جب دریافت کیا گیا کہ تم مشتاق ہو؟ اس بزرگ نے جواباً ارشاد فرمایا "شوق تو غائب کی طرف ہوا کرتا ہے اور جب غائب حاضر ہو جاتا ہے تو شوق کس چیز کی طرف رہے؟" اس جواب سے نتیجہ یہ نکلا کہ اس بزرگ کو جو کچھ حاصل ہوا تھا' وہ اس کی خوشی میں اتنا زیادہ ڈوبے کہ زیادتی الطاف و کرم کے جو درجات باقی رہ گئے تھے' ان کی طرف دھیان بالکل نہ رہا۔ حالت انس جس شخص پہ غالب ہوتی ہے' اس کا میلان صرف علیحدگی اور گوشہ نشینی کی طرف ہوا کرتا ہے۔

حکایت:۔ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمتہ اللہ علیہ پہاڑ سے اترے تو کسی نے دریافت کیا کہ آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمتہ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ انس باللہ سے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ انس کرنے کو کسی غیر سے گھبراہٹ کرنی ضروری ہے بلکہ جو امر گوشہ نشینی سے روکنے والا ہوتا ہے' وہ سب سے زیادہ دل پر بھاری گزرتا ہے۔

کوہ طور سے موسیٰ علیہ السلام کی واپسی کے بعد کا حال:۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے جب کلام فرمایا تو چند دن تک یہ حالت ہو گئی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جس شخص کی گفتگو سنتے' عالم ہوش سے بے خبر ہو جاتے۔ اس لیے کہ محبت کی وجہ سے محبوب کا کلام اور اس کا انس اتنا شیریں ہو جاتا ہے کہ دوسری ہر قسم کی اشیاء کی شیرینی دل سے نکل جاتی ہے۔ اس لیے بعض داناؤں نے اپنی دعا میں یہ کلمات فرمائے تھے کہ اے وہ کہ اپنے ذکر سے مجھے مانوس کیا اور اپنی مخلوق سے مجھے وحشت دی۔

وحی داؤدی:۔ حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ اے داؤد تو میرا ہی مشتاق بن اور میرے ساتھ ہی انس کر اور میرے سوا سے متنفر ہو۔

رابعہ بصریہ:۔ رابعہ بصریہ رحمتہ اللہ علیہا سے دریافت کیا کہ تمہیں یہ مقام سلوک کا کس طرح ملا؟ آپ نے ارشاد فرمایا "میں نے بے فائدہ امور کو چھوڑ دیا اور قدیمی ازلی ابدی ذات سے انس حاصل کیا۔

حکایت:۔ حضرت عبدالواحد بن زید رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک راہب کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ

تمہیں تنہائی بہت پسند ہے؟ اس نے جواب دیا "میاں صاحب! اگر تم تنہائی کا مزہ چکھ لو تو تم اپنے نفس سے بھی نفرت کرنے لگو۔ تنہائی ہی تو عبادت کی جڑ ہے۔" میں نے دریافت کیا' کم از کم تمہیں تنہائی سے کیا فائدہ ملا؟ اس نے جواب دیا' لوگوں کی خوشامد سے آرام اور ان کے شر سے بچنا۔" پھر میں نے اس سے پوچھا' بندہ انس باللہ کی شیرینی کب پاتا ہے؟ اس نے جواب دیا' جب محبت صاف اور معاملہ خالص ہو۔ میں نے پوچھا' محبت صاف کب ہوتی ہے؟ اس نے جواب دیا' جب تمام فکریں طاعت میں آکر مل جائیں اور کوئی بھی باقی نہ رہے۔

بعض حکماء کا قول :۔ بعض حکماء کا قول مبارک ہے کہ لوگوں سے تعجب ہے کہ وہ تجھ سے کس طرح بدل جاتے ہیں یعنی تیرے علاوہ کسی دوسری چیز کے حصول میں مصروف کار ہو جاتے ہیں اور دلوں سے حیرانی والی بات ہے کہ تجھے چھوڑ کر وہ تیرے علاوہ کسی سے کیسے مانوس ہوئے ہیں۔

انس باللہ کی علامت خاص :۔ انس باللہ کی مخصوص نشانی یہ ہے کہ دل لوگوں کی محبت سے تنگ ہو کر ان میں گھبرائے اور شدت سے یاد الٰہی کی حلاوت کا حریص ہو۔ اس صورت حال میں اگر وہ ملے جلے گا تو ایسا ہو گا جیسا کہ کوئی اکیلا ہی جماعت میں ہو' خلوت میں بھی مجتمع اور اپنے وطن میں بھی مسافروں جیسا' سفر میں مقیم اور غائب ہونے کی حالت میں بھی موجود ہو' اجتماع میں بھی غائب کہ بدن سے تو اکٹھا ہے جبکہ دل سے جدا ہے۔ ذکر کی لذت میں غرق ہوا۔ حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ وجہہ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ تو ایسے لوگ ہیں کہ ان پر علم حقیقت امر بھیڑ پھاڑ کر گیا ہے۔ وہ آسائش یقین بہرہ مند ہوئے ہیں اور دولت والوں نے جس چیز کو مشکل سمجھا ہے' وہ اسے آسان سمجھتے ہیں اور جس ذات سے جاہل نے وحشت اختیار کی' اس ذات سے انہوں نے انس حاصل فرمایا ہے۔ وہ صرف اپنے بدنوں کے ذریعے دنیا کا ساتھ کیے ہوئے ہیں جبکہ ان کی روحیں تو محل اعلیٰ میں لگی ہوئی ہیں۔ یہی لوگ اللہ تعالیٰ کی زمین میں اللہ کے نائب (خلیفہ) ہیں اور اس کے دین کی طرف دعوت دینے والے ہیں۔ یہاں تک تو انس کے معنیٰ' اس کی علامات اور دلیلیں بیان ہو چکی ہیں۔

محبت کے بارے میں بعض متکلمین کا نظریہ :۔ بعض متکلمین تو اس بات کے قائل ہیں کہ انس' شوق اور محبت کوئی شے نہیں۔ اپنے گمان میں انہوں نے اس نظریہ کی وجہ یہ رکھی ہے کہ محبت وغیرہ میں تو تشبیہ پائی جاتی ہے۔ حالانکہ تشبیہ اللہ جل جلالہ کی ارفع و اعلیٰ شان کے لائق بالکل نہیں۔

تردید :۔ انہیں معلوم نہیں کہ بذریعہ بصیرت جن باتوں کا جمال معلوم ہوتا ہے' ان باتوں کی خوبصورتی بہ نسبت آنکھ کی محسوس اشیاء کی خوبصورتی زیادہ کامل ہوتی ہے اور اہل دل بصیرت پر معرفت کی لذت پہلی قسم کی غالب تریں ہوتی ہے۔ محبت حق کا انکار کرنے والوں میں سے ایک احمد بن غالب جو کہ غلام خلیل کے نام سے مشہور ہے کہ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت ابو الحسن نوری رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ پر محبت' شوق اور عشق کا منکر تھا۔ مقام رضا کے بھی بعض لوگ منکر ہیں۔ منکرین مقام رضا کہتے ہیں کہ علاوہ صبر کے کوئی بھی مقام رضا نہیں ہو سکتا

اور یہ تمام کلام نا سمجھوں کا ہے جو کہ دینی مقامات سے چھلکے کے علاوہ کچھ بھی نہیں جانتے۔ ان کے خیال میں سوائے چھلکے کے کسی دوسری چیز کو موجود نہیں سمجھتے یعنی صرف وجود محسوسات کو ہی مانتے ہیں جبکہ دین کے دستور میں محسوسات و خیالات محض پوست ہیں۔ ان کے بعد مغز ہے' یہی مغز ہی دین میں مطلوب ہے۔ جو شخص اخروٹ سے صرف چھلکے کو ہی جانتا ہو (چھلکے کے علاوہ مغز سے ناواقف ہو) اس کے خیال میں تو اخروٹ سب لکڑی ہی ہے۔ اس کی رائے کے مطابق اخروٹ میں سے تیل کا نکلنا محال ہے لیکن وہ معذور ہے۔ اس کا عذر قبول کرنے کے لائق نہیں ہے۔ الانس باللہ لا یحویہ بطال۔ ویس یلرکہ بالحول محتال "اللہ کے انس کے گرد باطل لوگ قریب نہیں آسکتے اور نہ اس کے قریب حیلہ گر پہنچ سکتے ہیں۔" والانسو رجال کلھم نجب۔ وکلھم صفوۃ اللہ عمال "اللہ کے انس والے تمام لوگ برگزیدہ اور پسندیدہ اور نیک اعمال والے ہیں۔"

غلبہ انس کی وجہ سے پیدا ہونے والا نشاط

حکم الٰہی پر رضا کا معنی :۔ جاننا چاہیے کہ جب انس ابدی غالب اور مضبوط ہو جاتا ہے اور قلق شوق' تغیرو تبدل اور خوف حجاب اسے غمگین اور منغض نہیں کرتا تو ایسا انس ایک خوشی' کشادگی' اقوال و افعال اور اللہ تعالیٰ کی مناجات میں پیدا کرتا ہے۔ بسا اوقات ظاہرا برا ہوتا ہے' اس لیے کہ جرات و کمی دہشت کا متضمن ہوتا ہے مگر مقام انس میں جو شخص مقیم ہوتا ہے' وہ کشادگی اس سے تو برداشت کرلی جاتی ہے مگر اس مقام میں جو شخص مقیم نہیں ہوتا اور انس والوں سے فعل و کلام میں بظاہر مشابہت کرتا ہے' وہ شخص تباہ و برباد ہو جاتا ہے اور کفر کے قریب ہو جاتا ہے۔

برخ کے صدقے بارش :۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کو حکم ہوا تھا کہ بنی اسرائیل کے لیے رحمت کی بارش ہونے کی دعا مانگنے کے لیے اس سے دعا کی درخواست کریں۔ اس طرح سے یہ واقعہ ہے کہ جب سات سال بنی اسرائیل میں خشکی اور قحط سالی ہوئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام بارش کے سلسلے میں دعا کرنے کی غرض سے ستر آدمیوں کو لے کر نکلے اور دعا مانگی تو اللہ جل جلالہ نے وحی بھیجی کہ اے موسیٰ کلیم اللہ ان لوگوں کی دعا میں کس طرح قبول فرماؤں کہ ان کے گناہ تو ان پر چھا چکے ہیں' وہ باطن کے پلید ہیں۔ یقین کے بغیر مجھ سے دعا مانگتے ہیں۔ میرے عذاب سے نہیں ڈرتے۔ اے کلیم تو میرے ایک خاص بندے کے پاس چلا جا جسے برخ کہتے ہیں۔ اسے فرما دے کہ باہر نکل کر بارش کے لیے دعا مانگے تاکہ میں اسے قبول فرماؤں۔

برخ کیا ہے :۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب لوگوں سے برخ کے بارے میں دریافت فرمایا تو کسی نے بھی برخ کے بارے میں کچھ نہ بتایا۔ ایک دن آپ کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں ایک حبشی غلام کو آتے ہوئے دیکھا۔ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان پیشانی پر سجدے کی مٹی لگی ہوئی ہے' ایک چادر اس کے گلے میں بندھی ہوئی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے نور الٰہی سے پہچان لیا۔ اس کا نام دریافت کیا تو اس نے کہا میرا نام برخ ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے فرمایا' ہم کافی عرصہ سے تمہیں تلاش کر رہے ہیں۔ تم ہمارے ساتھ چلو اور رحمت کی بارش کے لیے دعا کرو۔ برخ آپ کے ساتھ چلا اور اس طرح اس نے دعا مانگی:۔

"یاالٰہی نہ تو یہ تیرا کام ہے' نہ ہی یہ تیرا حکم۔ یااللہ تو نے کیوں یہ خشکی کر رکھی ہے۔ کیا تیرے چشموں میں کمی آگئی ہے یا تیری اطاعت سے ہواؤں نے انحراف کر لیا ہے یا جو چیز تیرے پاس ہے' خرچ ہو چکی ہے (یعنی ختم ہو چکی ہے) یا تیرا غصہ گنہگاروں پر سخت ہو گیا ہے۔ یااللہ کیا تو گنہگاروں کی پیدائش سے قبل غفار نہ تھا۔ تو نے ہی تو رحمت کو پیدا فرمایا ہے اور مہر (محبت) کا حکم ارشاد فرمایا ہے۔ کیا اب تو ہمیں یہ دکھاتا ہے کہ تجھ تک کوئی بھی نہیں پہنچ سکتا یا اس کے لیے سزا جلد دیتا ہے کہ تیری مخلوق کہیں تجھ سے بھاگ نہ جائے۔"

مختصر وہ ایسی باتیں کرتا رہا یہاں تک کہ بارش شروع ہو گئی اور بنی اسرائیل بھیگ گئے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے گھاس پیدا ہونا شروع ہو گئی۔ گھاس اتنی تیزی سے بڑھی کہ دوپہر کے اندر اندر گھاس گھٹنوں تک پہنچی۔ بعدازاں برخ واپس آگیا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اسے ملے تو کہا کہ کیوں؟ میں نے اپنے خدا سے کیسا جھگڑا کیا؟ میرے ساتھ اس نے انصاف فرمایا۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تعجب فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی بھیجی کہ مجھ سے برخ ایک دن میں تین بار ہنستا ہے۔ (یہ ہیں وہ اولیاء جو ناز کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ناز برداری کرتا ہے۔)

حکایت :۔ حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ سے چند چھپر بصرہ میں جل گئے۔ ان چھپروں کے درمیان میں ایک چھپر محفوظ رہ گیا یعنی اسے آگ نے بالکل نہ چھوا۔ حضرت ابو موسیٰ اس وقت بصرہ کے حاکم تھے۔ جب آپ کو اس حقیقت کا علم ہوا تو اس محفوظ چھپر کے مالک کو طلب فرمایا۔ دیکھا کہ وہ ایک بوڑھا آدمی تھا۔ آپ نے اس آدمی سے دریافت کیا کہ تمہارا چھپر نہیں جلا' اس کی کیا وجہ ہے تو انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کو میں نے قسم دے دی تھی کہ وہ اس چھپر کو نہ جلائے۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ فرماتے تھے کہ میری امت کے کچھ لوگ ایسے ہوں گے جن کے سروں کے بال منتشر اور کپڑے میلے کچیلے ہوں گے۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کو قسم دے دیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم پورے فرما دے گا۔

حکایت :۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ بصرہ میں آگ لگی تو حضرت ابو عبیدہ تشریف فرما ہوئے اور آگ پر چلنا شروع کر دیا۔ ان سے بصرہ کے حاکم نے عرض کی کہ دیکھئے' کہیں آپ جل نہ جائیں تو آپ نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو قسم دے دی ہے کہ یااللہ مجھے آگ سے نہ جلانا۔ پھر حاکم نے عرض کیا تو پھر آپ آگ کو بھی قسم دیں کہ آگ بجھ جائے۔ حضرت صاحب نے آگ کو قسم دی تو وہ بھی بجھ گئی۔

حکایت :۔ ایک دن حضرت ابو حفص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہیں جا رہے تھے کہ سامنے سے ایک دہقان آیا۔ اس دہقان کے ہوش اڑے ہوئے تھے۔ آپ نے اس سے دریافت فرمایا کہ تجھے ایسی کون سی مصیبت پڑی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میرا گدھا کہیں گم ہو گیا ہے۔ اس گدھے کے سوا میرے پاس اور کوئی گدھا نہیں ہے۔ یہ سنتے ہی آپ

وہیں رک گئے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں عرض کیا' یا اللہ تیری عزت و جلال کی قسم ہے۔ جب تک اس کا گدھا اس کے پاس نہ پہنچادے گا' اس وقت تک میں ایک قدم بھی نہ چلوں گا۔ جونہی آپ نے یہ کہا' فوراً وہ گدھا سامنے آگیا۔ پھر آپ وہاں سے آگے تشریف لے گئے۔

انتباہ:۔ ایسے معاملات انس و محبت والوں سے ہوتے ہیں۔ کسی دوسرے کو یہ حق ہرگز نہیں پہنچتا' ان بزرگوں جیسی اللہ تعالیٰ سے گفتگو کریں۔

انس والوں کا کلام:۔ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ بعض اوقات انس والے اپنے کلام میں اور تنہائی کی مناجات میں ایسی باتیں کرتے ہیں' وہ عوام کے نزدیک کفر ہوتی ہیں یعنی عوام اسے کفر سمجھتے ہیں۔ علاوہ ازیں ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ اگر انہیں عوام سن لیں تو انس والوں کو کافر کہنے لگیں حالانکہ ان امور سے انس والوں کو اپنے حالات میں ترقی معلوم ہوتی ہے اور ایسے امور کی ان سے برداشت کی جاتی ہے اور صرف انہیں ہی یہ امور زیب دیتے ہیں۔ اس نظم میں اسی طرف اشارہ ہے:۔

قوم تخالہم زہو لسیدہم - والعبدیز ہو علی مقدار مولاہ "ایسے لوگ بھی ہیں جن کی گفتگو اپنے سردار و عوام کو خلش میں ڈالتی ہے حالانکہ عبد اپنے مولیٰ سے اپنی قدر و منزلت کے مطابق گفتگو کرتا ہے۔"

تاھوا برؤیتہ عما سواہ لہ باحسن رویتہم فی عرماتاھو "ایسے لوگ صرف اپنے مولیٰ کو ہی دیکھتے ہیں' غیروں سے انہیں کوئی غرض نہیں۔ اپنے ذوق و شوق سے اپنے دیدار پر ہی خوش ہیں۔"

انتباہ:۔ اسے بعید نہ سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ ایک بات کی وجہ سے اپنے بندے سے راضی ہو جاتا ہے جبکہ اسی بات سے دوسرے سے ناراض ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ ان دونوں کے درجات متفرق ہوتے ہیں' اس لیے کہ اگر کسی کو فہم و بصیرت حاصل ہو تو قرآن مجید میں اس بارے میں بہت سے ارشادات موجود ہیں۔ تمام قرآنی واقعات بصیرت والوں کے نزدیک تنبیہات و اشارات ہیں کہ ان سے عبرت حاصل کریں۔ اگرچہ وہ نا سمجھوں کے نزدیک محض قصے کہانیاں ہیں۔ مثلاً حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس لعین کا واقعہ ملاحظہ فرمائیں کہ خطا اور مخالفت دونوں سے وقوع پذیر ہوئی مگر ابلیس لعین اسی خطاؤ معصیت کی بنا پر رحمت حق سے دور ہوا اور لعنت کا طوق ہمیشہ کے لیے اس کی گردن میں ڈالا گیا جبکہ حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہوا وعصٰی ادم ربہ فغوی ثم اجتباہ ربہ فتاب علیہ وھدی (طٰہٰ 121'122) ترجمہ کنزالایمان:۔ اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا تھا اس کی راہ نہ پائی پھر اس کے رب نے چن لیا تو اس پر اپنی رحمت سے رجوع فرمائی اور اپنے قرب خاص کی راہ دکھائی۔

نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بندے کی طرف توجہ فرمانے اور دوسرے کی طرف سے توجہ ہٹانے کی وجہ سے خصوصی طور پر توجہ دلائی گئی۔ حالانکہ دونوں ہی بندہ ہونے کی حیثیت سے برابر تھے مگر احوال کے

لحاظ سے متفرق تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا واما من جاءک یسعٰی وھو یخشٰی فانت عنہ تلھّٰی (عبس 8'7) ترجمہ کنزالایمان :۔ اور وہ جو تمہارے حضور ملکتا آیا اور وہ ڈر رہا ہے تو اسے چھوڑ کر اور طرف مشغول ہوتے جبکہ دوسرے کے بارے میں ارشاد فرمایا اما من استغنٰی فانت لہ تصدّٰی (الانعام 54) ترجمہ کنزالایمان :۔ وہ جو بے پرواہ بنتا ہے تم اس کے تو پیچھے پڑتے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے ایک قسم کے لوگوں میں بیٹھنے کا حکم فرمایا واذا جاءک الذین یومنون بایاتنا فقل سلام علیکم (الانعام 54) ترجمہ کنزالایمان :۔ اور جب تمہارے حضور وہ حاضر ہوں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو ان کی سے فرماؤ تم پر سلام۔ اور فرمایا واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغدوۃ والعشی یریدون وجھہ (الکھف 28) ترجمہ کنزالایمان :۔ اور اپنی جان ان سے مانوس رکھو جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اس کی رضا چاہتے اور تمہاری آنکھیں انہیں چھوڑ کر اور پہ نہ پڑیں۔ اور دوسرے گروہ سے اعراض فرمانے کا ارشاد فرمایا واذ رایت الذین یخوضون فی ایاتنا فاعرض عنھم حتٰی یخوضوا فی حدیث غیرہ واما ینسینک الشیطن فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین (الانعام 68) ترجمہ کنزالایمان :۔ اور اے سننے والے جب تو انہیں دیکھے جو ہماری آیتوں میں پڑتے ہیں تو ان سے منہ پھیر لے جب تک اور بات میں پڑیں اور جو کہیں انہیں شیطان بھلاوے تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھو۔

بزرگوں کی خطا باعث عطا :۔ بزرگوں کی خطا ہماوش جیسی خطا نہیں ہوتی اور نہ ہی قابل گرفت ہوتی ہے کہ اسے بنیاد بنا کر ہم بھی خطائیں کرنے لگ جائیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ بزرگوں کی خطا تو باعث عطا ہوتی ہے۔ جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے دانہ گندم کھایا ۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی عطاؤں کی بارش نے زمین و آسمان کو رنگینی بخشی۔ تاج خلافت سے آدم علیہ السلام کو سرفراز کیا گیا۔ آدم علیہ السلام کی اولاد کو بخشش کا طریقہ معلوم ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی بہت سی صفات کا ظہور ہوا۔ بزرگوں کی خطا پر انگشت اٹھانا اور اسے بنیاد بنا کر بزرگوں کی گستاخی پر اتر آنا ہرگز مناسب نہیں ہے۔

کلیم اللہ و فرعون کا فرق :۔ بعض بزرگوں کی نازبرداری بھی برداشت کی جاتی ہے اور بعض لوگوں کی ناز برداری برداشت نہیں کی جاتی مثلاً حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے انس کی خوشی میں عرض کیا تھا ان ھی الا فتنتک تضل بھا من تشآء وتھدی من تشاء (الاعراف 155) ترجمہ کنزالایمان :۔ وہ نہیں مگر تیرا آزمانا تو اس سے بہکائے جسے چاہے، اور راہ دکھائے جسے چاہے۔ اور جب انہیں ارشاد باری ہوا کہ اذھب الٰی فرعون (النزعت 17) ترجمہ کنزالایمان :۔ کہ فرعون کے پاس جا۔ تو اس حکم کے جواب میں عذر کرتے ہوئے عرض کیا ولھم علیّ ذنب فاخاف ان یقتلون (الشعرآء 14) ترجمہ کنزالایمان :۔ اور ان کا مجھ پر ایک الزام ہے تو میں ڈرتا ہوں کہیں مجھے قتل کر دیں۔ اور عرض کی انی اخاف ان یکذبون (الشعراء 12) ترجمہ کنزالایمان :۔ میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے۔ اور

عرض کی ویضیق صدری ولا ینطق لسانی (طہ 45) ترجمہ کنزالایمان :- بے شک ہم ڈرتے ہیں کہ وہ ہم پر زیادتی کرے یا شرارت سے پیش آئے۔ اور عرض کیا انا نخاف ان ینطق علینا او ان یطغٰی (طہ 45) ترجمہ کنزالایمان :- بے شک ہم ڈرتے ہیں کہ وہ ہم پر زیادتی کرے یا شرارت سے پیش آئے۔ ان جیسے اقوال حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ کسی اور کی زبان سے نکلیں تو بے ادبی ہے کیونکہ مقام انس میں جو شخص ہوتا ہے' اس سلسلے میں اس سے نرمی کی جاتی ہے۔ ان کی ناز برداری کی جاتی ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام کا مقام :- حضرت یونس علیہ السلام سے حضرت موسیٰ کلیم اللہ سے کمتر بات بھی برداشت نہ کی گئی کیونکہ اس وقت حضرت یونس علیہ السلام مقام انس میں نہیں بلکہ مقام قبض اور ہیبت میں تھے' اسی لیے مچھلی کے پیٹ میں آپ کو تین اندھیروں میں رکھا گیا اور قیامت تک ان کے بارے میں یہ منادی فرمائی گئی لولا ان تدارکہ نعمۃ من ربہ لنبذ بالعراء وھو مذموم (القلم 49) ترجمہ کنزالایمان :- اگر اس کے رب کی نعمت اس کی خبر کو نہ پہنچ جاتی تو ضرور میدان میں پھینک دیا جاتا الزام دیا ہوا۔

حراء تفسیر:- حضرت حسن ارشاد فرماتے ہیں کہ حراء سے مراد قیامت ہے اور ہمارے نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی اقتداء کرنے سے منع فرمایا گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔ فاصبر لحکم ربک ولا تکن کصاحب الحوت اذ نادٰی وھو مکظوم (القلم 48) ترجمہ کنزالایمان :- تو تم اپنے رب کے حکم کا انتظار کرو اور اس مچھلی والے کی طرح نہ ہو جب اس حال میں پکارا کہ اس کا دل گھٹ رہا تھا۔

ازالہ وہم :- یہ اختلاف تو حالات و مقامات کے مختلف ہونے کی وجہ سے ہوتے ہیں اور کچھ اختلاف اس وجہ سے ہوتے ہیں کہ ازل سے ہی بندوں کو ایک دوسرے پر فضیلت دی گئی ہے اور قسمت میں فرق رکھا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے ولقد فضلنا بعض النبیین علی بعض (بنی اسرائیل 55) ترجمہ کنزالایمان :- ہم نے نبیوں میں ایک کو ایک پر بڑائی دی۔ اور مزید ارشاد فرمایا منھم من کلم اللہ ورفع بعضھم درجت (البقرہ 253) ترجمہ کنزالایمان :- ان میں کسی سے ایک نے کلام فرمایا اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں میں بلند کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ان انبیاء کرام میں سے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل و کرم عطا ہوا' اس لیے انہوں نے اپنے نفس پر سلام فرمایا ہے والسلام علی یوم ولدت ویوم اموت ویوم ابعث حیا ؕ (مریم 33) ترجمہ کنزالایمان :- اور وہی سلامتی مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا جس دن مروں اور جس دن زندہ اٹھایا جاؤں۔

حضرت یوسف علیہ السلام اور برادران یوسف کا معاملہ :- اور یہ بات بھی لحاظ کے قابل ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے جو معاملہ آپ کے ساتھ کیا' وہ کیسے برداشت کر لیا گیا۔ بعض علمائے کرام ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے اذ قالو الیوسف واخوہ احب الی ابینا منا - کانوا فیہ من الزاھدین (یوسف 8 تا 20) ترجمہ کنزالایمان :- جب بولے کہ ضرور یوسف اور اس کا بھائی ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں اور انہیں

اس میں کچھ رغبت نہ تھی۔ چالیس سے کچھ زیادہ خطائیں گنی ہیں۔ جن میں سے بعض خطائیں بعض خطاؤں سے بڑی ہیں اور ایک کلمہ میں تین چار خطائیں اکٹھی ہیں۔ اس کے باوجود ان کی خطائیں معاف کر دی گئیں۔

حضرت عزیر علیہ السلام کا سوال :- حضرت عزیر علیہ السلام نے تو تقدیر کے بارے میں صرف ایک ہی سوال کیا تھا۔ یہ سوال ان سے درگزر نہ کیا گیا بلکہ ان کے بارے میں عتاب محبوبانہ ہوا اور بلعم بن باعور بہت بڑا عالم تھا۔ اس نے دنیا دین کے بدلے لینی چاہی تو اس سے بھی درگزر نہ کیا گیا۔ آصف حد سے بڑھنے والوں سے ہو گیا۔ اس کا گناہ ظاہری اعضا کے بارے میں تھا' اس کی خطا معاف کر دی گئی۔

حکایت توبہ آصف :- حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ اے عابدوں کے سردار اور اے عبادت گزاروں کو ہدایت دینے والے کے بیٹے تیرا خالہ زاد بھائی میری نافرمانی کب تک کرتا رہے گا۔ میں اس کے بارے بار بار بردباری کرتا ہوں۔ مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم ہے۔ اگر میری آندھیوں میں سے کوئی ایک جھونکا بھی اس کی طرف آیا تو اسے اس کے ساتھ والوں کے لیے عبرت اور اس کے بعد والوں کے لیے عذاب چھوڑوں گا۔ آصف جب حضرت سلیمان علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو آپ نے اسے وحی کا حال سنایا تو وہ وہاں سے اٹھ کر باہر چلا گیا۔ ریت کے ایک ٹیلے پر چڑھ کر اپنا منہ اور ہاتھ آسمان کی طرف کر کے عرض کیا۔ یا اللہ تو تو ہے اور میں میں ہوں۔ اگر تو مجھے توبہ کی توفیق نہ عطا فرمائے گا تو پھر میں توبہ کس طرح کر سکتا ہوں۔ اگر تو مجھے نہ بچائے گا تو پھر میں کیسے بچ سکتا ہوں۔ یا اللہ اگر تو مجھے گناہوں سے نہ باز رکھے گا تو پھر میں دوبارہ گناہ کروں گا۔ اللہ نے اسے ارشاد فرمایا کہ اے آصف! تو سچ کہتا ہے تو تو ہی ہے اور میں میں ہی ہوں۔ تو نے توبہ کی طرف توجہ کی ہے۔ میں نے تیری توبہ قبول فرمائی ہے۔ میں توبہ کی توفیق عطا فرمانے والا اور رحمت والا ہوں۔

فائدہ :- آصف کا ایسا کرنا اسی طرح تھا جیسا کہ کوئی شخص ناز سے کہتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے اسی طرف دوڑتا ہے اور اسی کی وجہ سے اسے دیکھتا ہے۔

حدیث شریف :- اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کی طرف وحی بھیجی جو کہ ہلاکت کے کنارے پر پہنچ چکا تھا کہ میرے سامنے تو نے بہت سے ایسے گناہ کیے ہیں کہ ان گناہوں سے کمتر گناہ کی وجہ سے میں نے ایک امت کو تباہ و برباد کر دیا مگر پھر بھی تجھے معاف کر دیا۔

خلاصہ :- اللہ تعالیٰ کا معاملہ بندوں کی تفصیل' تقدیم اور تاخیر میں اس کی ازلی مشیت سے یونہی ہوا کرتا ہے۔ قرآن حکیم میں جو واقعات بیان ہوئے ہیں وہ تو صرف اسی لیے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ پہلے لوگوں کے ساتھ معلوم ہو جائے۔ قرآن حکیم میں جو کچھ بھی ہے' وہ بھی کچھ ہدایت نور اور پہچان ہے۔ اللہ تعالیٰ کبھی اپنی مخلوق کو اپنی پاکیزگی کی پہچان ارشاد فرماتا ہے۔ قل ھو اللہ احد' اللہ الصمد' لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد (اخلاص)

کنزالایمان :- اور کبھی اپنی جلالی صفات کی پہچان کرو کہ انہیں ارشاد فرماتا ہے۔ الملک القدوس السلام المومن المھیمن العزیز الجبار المتکبر (الحشر 23) ترجمہ کنزالایمان :- بادشاہ نہایت پاک سلامتی دینے والا امان بخشنے والا حفاظت فرمانے والا عزت والا عظمت والا تکبر والا۔ اور کبھی ان کی پہچان اپنے افعال پہ خوف و جاہ ہونے کی خاطر اپنا معاملہ انبیاء کرام اور اپنے دشمنوں کے ساتھ بیان فرماتا ہے۔ الم ترکیف فعال ربک بعاد ارم ذات العماد (الفجر 6 تا 7) ترجمہ کنزالایمان :- کیا تم نے نہ دیکھا تمہارے رب نے عاد کے ساتھ کیا کیا وہ ارم حد سے زیادہ طول والے۔ اور فرمایا الم ترکیف فعل ربک باصحب الفیل (الفیل 1) ترجمہ کنزالایمان :- اے محبوب کیا تم نے نہ دیکھا تمہارے رب نے ہاتھی والوں کا کیا حال کیا۔

فائدہ :- قرآن حکیم میں ان تین قسموں کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے۔

1- ارشاد معرفت ذات اور اس کی پاکیزگی کا بیان ہے۔
2- اس کی صفات کی معرفت اور اسماء الحسنیٰ کا بیان ہے۔
3- ذکر معرفت افعال اور بندوں کے ساتھ معاملات کا مذکور ہے۔

سورۃ اخلاص :- سورہ اخلاص ان تین قسموں میں سے ایک قسم ہے یعنی تقدیس حق تعالیٰ کے بیان میں۔ اسی بیان کے مطابق سرور کائنات محبوب رب العلمین صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ اخلاص کو قرآن حکیم کا تیسرا حصہ ارشاد فرمایا ہے۔

من قراء سورۃ الاخلاص فقد قرثلث القرآن "جس نے سورہ اخلاص پڑھی' اس نے تہائی قرآن مجید پڑھا۔" (بخاری شریف و مسلم شریف)

اس سورہ مبارکہ کی تقدیس حق تعالیٰ پر متضمن ہونے کی وجہ یہ ہے کہ انتہائی درجہ کی تقدیس اس میں ہے کہ یکتا ہو تین باتوں میں۔

1- پہلی بات یہ کہ اس جیسا کوئی بھی موجود نہ ہوا ہو۔ اس بات پر کلمہ لم یلد دلالت کرتا ہے۔
2- دوسری بات یہ ہے کہ خود اپنی مثل و نظیر سے وہ حاصل نہ ہوا ہو' اس بات پر کلمہ ولم یولد دلالت فرماتا ہے۔
3- تیسری بات یہ کہ اس کی اصل و فرع نہ ہونے کے باوجود یہ امر بھی ہو کہ اس کے درجہ میں کوئی بھی اس جیسا نہ ہو۔ اس بات پر کلمہ ولم یکن لہ کفوا احد دلالت کر رہا ہے۔

یہ تینوں باتیں صرف ایک ہی کلمہ میں آگئیں اور یہ ساری سورۃ مبارکہ کلمہ طیب لا الہ الا اللہ کی تفصیل ہے۔ پس یہ اسرار و رموز قرآن مجید کے ہیں اور بہت سے اسرار و رموز ان جیسے قرآن مجید میں ہیں۔ چنانچہ خود اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین (الانعام 59) ترجمہ کنزالایمان :- اور نہ کوئی تر اور نہ

خشک جو ایک روشن کتاب میں لکھا نہ ہو۔ کلام **حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ** :- اسی بنا پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ علوم قرآن کی بحث کرو اور اس کے عجائبات تلاش کرو کہ اس میں اگلوں اور پچھلوں کا علم ہے۔" حقیقتاً ان کا قول مبارک درست ہے۔ قرآنی اسرار و رموز کو وہی جان سکتا ہے جو اس کے جملہ کلمات پر غور و فکر کرے۔ اس کی فہم بھی صاف ہو۔ یہاں تک کہ اسے ثابت ہو جائے کہ بلاشبہ جبار' قہار' مالک قادر مطلق کا یہ کلام مبارک ہے اور طاقت بشری کی حد سے یہ خارج ہے اور اکثر و بیشتر اسرار و رموز قرآنی قصص و اخبار کے ضمن میں ہی بیان کیے گئے ہیں تو عاقل کو چاہیے کہ ان اسرار و رموز کے استنباط کی حرص رکھنے والا ہو تاکہ قرآنی عجائبات میں سے اس پر وہ امور منکشف ہو جائیں جن کے سامنے دوسرے علوم کو معمولی جانے جو قرآن مجید سے خارج ہیں۔

حقیقت رضا :- محبت کے ثمرات میں سے ایک ثمرہ رضا ہے اور یہ مقربین الٰہی کے اعلیٰ مقامات میں سے ایک اعلیٰ مقام ہے۔ اکثر لوگوں پر رضا کی حقیقت پوشیدہ ہے۔ اس پر جو کچھ مشابہت اور ابہام آتا ہے' وہ دوسروں پر ہرگز نہیں کھلتا سوائے ان لوگوں کے جنہیں اللہ تعالیٰ نے تاویل کا علم اور فہم عطا فرمایا ہے اور دین کی سمجھ بوجھ عطا فرمائی ہے۔ منکرین تو نہیں مانتے کہ اپنی خواہش کے جو چیز مخالف ہو' پھر اس پر رضا کیسے ہو سکتی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اگر اس وجہ سے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فعل مبارک ہے۔ ہر شے پہ رضا ہو سکتی ہے تو پھر چاہیے کہ آدم کفر اور گناہ پر بھی راضی ہوا کرے۔ اسی قسم کے مغالطے میں کچھ لوگ پڑ گئے اور ان کا اس بارے میں یہی عقیدہ ہو گیا۔ فسق و فجور پر راضی ہونا اور اعتراض اور انکار نہ کرنا بھی اللہ تعالیٰ کا فرمان مبارک ماننے میں داخل ہے۔ اگر یہ اسرار و رموز صرف ظاہری احکام سننے کی وجہ سے بندے پر کھل جایا کرتے تو نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں یہ دعا کبھی نہ مانگتے اللھم فقهه الدین و علمه التاویل "یا اللہ اسے دین میں سمجھ والا بنا دے اور علم تاویل عطا فرما دے۔" اس لیے ضروری ہو گیا کہ رضا کی فضیلت اور راضی اشخاص کی حکایات حقیقت رضا اور خواہش کے خلاف اس کا ممکن ہونا بیان کر دیں اور آخر میں تحریر کریں گے کہ بعض ایسے امور ہیں جو رضا مکمل کرنے میں لازمی خیال کیے جاتے ہیں' مثلاً دعا نہ کرنا اور گناہوں پر خاموشی اختیار کرنا۔ حالانکہ وہ رضا میں شامل نہیں ہیں۔

فضیلت رضا :- رضا کی جو فضیلت آیات میں بیان ہوئی ہے۔ رضی اللہ عنهم ورضوا عنه (البینہ 88) ترجمہ کنزالایمان :- اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی۔

هل جزاء الاحسان الا الاحسان (الرحمٰن 60) ترجمہ کنزالایمان :- نیکی کا بدلہ کیا ہے مگر نیکی۔

فائدہ :- احسان کا انتہائی مقام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے راضی ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے کب راضی ہوتا ہے؟ جب بندہ اپنے رب سے راضی ہو جائے۔

ومساکن طیبۃ فی جنت عدن ورضوان من اللہ اکبر (التوبہ 72) ترجمہ کنزالایمان :- اور پاکیزہ مکانوں کا بسنے کے باغوں میں اور اللہ کی رضا سب سے بڑی۔

فائدہ :- اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا کو جنات عدن سے بڑھ کر ارشاد فرمایا ہے۔ جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر نماز سے بھی بڑھ کر ذکر کو ارشاد فرمایا ہے ان الصلوٰۃ تنھٰی عن الفحشاء والمنکر ولذکر اللہ اکبر (العنکبوت 45) ترجمہ کنزالایمان :- بے شک نماز منع کرتی ہے بے حیائی اور بری بات سے اور بے شک اللہ کا ذکر سب سے بڑا۔

"بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی یاد سب سے بڑی ہے۔"

فائدہ :- جیسے جس ذات اقدس کا ذکر نماز میں آتا ہے۔ نماز کی نسبت اس ذات کا مشاہدہ زیادہ بہتر ہے۔ یونہی جنت کے مالک کی رضا' جنت کی نسبت زیادہ اعلیٰ و اشرف ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جنتی باشندوں کی زیادہ مطلوب تو وہی ذات ہے۔

حدیث شریف :- اللہ تعالیٰ ایمانداروں کے لیے جلوہ فرما کر ارشاد فرمائے گا کہ مجھ سے سوال کرو۔ یہ سن کر وہ عرض کریں گے کہ یااللہ ہم تو تیری رضا چاہتے ہیں۔

فائدہ :- اللہ تعالیٰ کے دیدار کے بعد بھی رضا کا سوال کرنا اس سے نہایت اعلیٰ درجے کی رضا کی فضیلت معلوم ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے بندے کا راضی ہونے کی حقیقت ہم عنقریب بیان کریں گے۔ (ان شاء اللہ)

بندے سے اللہ تعالیٰ کا راضی ہونا :- وہ اسی معنی کے قریب ہے جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں بندے کے ساتھ ہم بیان کر آئے ہیں اور اس کی حقیقت کو کھول کر بیان کر دینا جائز نہیں ہے کیونکہ مخلوق کی سمجھ بوجھ اس کو ادراک نہیں کر سکتی اور جو شخص اس پر قادر ہوتا ہے' اسے کسی دوسرے کو بتانے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ اسے خودبخود ہی اس کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف نظر کرنے سے اعلیٰ کوئی مقام و مرتبہ نہیں ہے۔

جنتیوں نے جو رضا کی درخواست کی تو اس کی صرف یہ وجہ تھی کہ رضا موجب دوام نظر کی ہے' خواہ اسی کو ہی نہایت درجہ کا مقصود اور اقصیٰ مطالب سمجھا یعنی جب دیدار کی لذت سے شرف حاصل کیا۔ اس کے بعد سوال کرنے کا حکم ہوا تو یہی درخواست کی کہ یااللہ یہی دیدار ہمیشہ حاصل رہے گا اور سمجھ گئے کہ یہ پردہ ہمیشہ کے لیے ہٹا رہے گا۔ اسی لیے اس کی درخواست کی۔

تین تحفے :- بعض مفسرین کرام نے اللہ تعالیٰ کے اس قول مبارک ولدینا مزید (ہمارے ہاں مزید ہیں) کی تفسیر میں بیان فرمایا ہے کہ جنتیوں کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے تین تحفے آئیں گے۔

پہلا تحفہ :- ایک تحفہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا ہوگا کہ جنتیوں کے پاس اس جیسا کوئی تحفہ نہ ہوگا اور اس کا ذکر اس آیت مبارکہ میں بیان کیا گیا ہے فلا تعلم نفس ما اخفی لهم من قرة اعین (السجدہ 17) ترجمہ کنزالایمان :- تو کسی جی کو معلوم جو آنکھ کی ٹھنڈک ان کے لئے چھپا رکھی ہے۔

دوسرا تحفہ :- دوسرا تحفہ ان کی طرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر سلام ہوگا کہ یہ ہدیہ پر فضیلت رکھتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ سلام قولا من رب رحیم (یٰسین 58)

تیسرا تحفہ :- اللہ تعالیٰ کی طرف سے تیسرا تحفہ یہ عطا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ میں تم سے راضی ہوں۔ یہ قول مبارک ہدیہ اور سلام یعنی پہلے دونوں تحفوں سے افضل ترین ہوگا' اسی لیے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ورضوان من اللہ اکبر (التوبہ 72) ترجمہ کنزالایمان :- اور اللہ کی رضا سب سے بڑی۔ جو لذت اور نعمت جنتیوں کو حاصل ہوگی۔ ان تمام سے اللہ تعالیٰ کی رضا اعلیٰ ہے۔ اس سے بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کی فضیلت معلوم ہوئی اور بندے کی رضا کا ثمرہ بھی معلوم ہوا۔

فضائل رضا کی احادیث مبارکہ

حدیث شریف :- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے دریافت فرمایا کہ تم کیا ہو؟ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ ہم ایماندار ہیں۔ آپ نے فرمایا' تمہارے ایمان کی کیا علامت ہے؟ عرض کیا کہ ہم بلا پر صبر کرتے ہیں اور بوقت وسعت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں اور قضا کے موقعوں پر راضی رہتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "رب کعبہ کی قسم ہے' تم ایماندار ہو۔"

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حکماء علماء کادوا من فقهم ان یکونوا انبیاء "حکماء' علماء فقہ کی وجہ سے قریب تھا کہ وہ انبیاء ہوتے۔"

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طوبیٰ لمن هدی لا لا سلام وکان رزقه کفافا و رضی به "وہ شخص خوشحال ہے کہ جسے اسلام کی ہدایت کی جائے۔ بقدر ضرورت اس کی روزی ہو اور وہ اس پر راضی ہو۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا من رضی من اللہ بالقلیل من الرزاق رضی اللہ تعالیٰ منه بالقلیل من العمل "جو شخص بھی اللہ تعالیٰ سے تھوڑی روزی پر راضی ہو جاتا ہے' اس سے اللہ تعالیٰ تھوڑے سے عمل پر بھی راضی ہو جاتا ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اذا احب اللہ عبدا ابتلاہ فان صبرا جتباہ فان رضی اصطفاہ "اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اسے کسی بلا میں مبتلا کر دیتا ہے۔ پس اگر وہ صبر کرے تو اسے برگزیدہ کر دیتا ہے۔ پھر اگر راضی ہو تو اسے چن لیتا ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب قیامت کا دن ہو گا تو اللہ تعالیٰ میری امت کے ایک گروہ پر خاص عنایت فرمائے گا کہ وہ اپنی قبروں میں سے پرواز کرتے ہوئے جنت کی طرف جائیں گے اور وہ جنت میں جیسے اور جہاں چاہیں گے' وہاں مزے اڑائیں گے۔ ان سے فرشتے پوچھیں گے کہ کیا تم پل صراط سے اتر چکے ہو؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم نے تو پل صراط دیکھا بھی نہیں ہے۔ پھر فرشتے دریافت کریں گے کہ کیا تم نے دوزخ دیکھا ہے؟ تو وہ جواب دیں گے کہ ہم نے تو کچھ بھی نہیں دیکھا۔ فرشتے کہیں گے کہ پھر تم کس کی امت سے ہو؟ وہ کہیں گے کہ ہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ہیں۔ فرشتے سوال کریں گے کہ ہم تمہیں قسم دیتے ہیں کہ سچ سچ بتاؤ کہ دنیا میں تمہارے اعمال کیا تھے؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم میں دو خصلتیں تھیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہم اس رتبہ کو پہنچے۔

1- ایک تو یہ ہے کہ ہم جب اکیلے ہوتے تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے حیا کیا کرتے تھے۔
2- دوسرے یہ کہ ہمارے لیے جو کچھ مقدر ہوتا' ہم اسی پر راضی رہتے تھے۔

فرشتے کہیں گے کہ پھر تو تمہارا یہ حال ہونا ہی چاہیے۔

حدیث شریف:- ایک حدیث شریف میں ہے کہ یامعشرالفقراء اعطواللہ الرضی من قلوبکم تظفروا بثواب فقرکم والا فلا "اے فقراء کے گروہ' اللہ کو اپنے دلوں سے رضا دو کہ اپنے فقر کا ثواب پاؤ اور اگر ایسا نہ کرو گے تو ثواب نہ حاصل کر سکو گے۔"

اخبار کلیم اللہ علیہ السلام:- حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اخبار میں ہے کہ آپ کی خدمت میں بنی اسرائیل نے عرض کیا کہ ہمارے لیے اپنے رب سے کوئی ایسا کام دریافت کر دیجئے کہ جب ہم وہ کام کریں تو اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہو جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں عرض کیا' یااللہ جو کچھ یہ کہتے ہیں' تو نے سنا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ اے موسیٰ ان سے فرما دیجئے کہ وہ مجھ سے راضی رہیں تاکہ میں ان سے راضی رہوں۔

نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ من احب ان یعلم مالہ عند اللہ عزوجل فلینظر مالله عزوجل عندہ فا اللہ تبارک وتعالٰی ینزل العبد منہ حیث انزلہ العبد من نفسہ "جسے اچھا معلوم ہو کہ وہ اس چیز کو جان لے جو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے پاس ہے تو وہ اس چیز کو دیکھ لے جو اس کے پاس اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ خود بخود ہی بندے کو اسی مرتبہ پر نازل کرتا ہے جس پر کہ بندہ اسے اپنے نفس سے کرتا ہے۔"

حضرت داؤد علیہ السلام کی وحی:- حضرت داؤد علیہ السلام کے اخبار میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میرے اولیاء کو دنیوی فکر سے کیا کام ہے۔ میری مناجات کی مٹھاس ان کے دلوں سے فکر دنیوی ختم کر دیتی ہے۔

اے داؤد میں اپنے اولیاء سے یہ بات محبوب جانتا ہوں کہ وہ روحانی ہوں' وہ کچھ بھی غم و فکر نہ کریں۔"

بارگاہ حق میں کلیم اللہ علیہ اسلام کی عرض :۔ روایت ہے کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں عرض کیا' یااللہ مجھے وہ بات ارشاد فرمادے جس میں تیری رضا ہو تاکہ میں اسے کروں۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ تیری ناخوشی میں ہی میری رضا ہے۔ تو من پسند بات پر صبر نہیں کرے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ یااللہ وہ کونسی بات ہے؟ ارشاد مبارک ہوا کہ میری رضا اس میں رہے کہ تو میری قضا پر راضی رہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی مناجات میں عرض کیا کہ یااللہ تیری مخلوق میں سے تجھے کون سب سے زیادہ محبوب ہے؟ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد گرامی کہ وہ شخص کہ جس سے میں اس کی محبوب چیز لے لوں' وہ پھر بھی مجھ سے ہی پیار رکھے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا' وہ کون لوگ ہیں کہ جن پر تو خفا ہوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وہ لوگ ہیں جو کسی کام میں مجھ سے بھلائی مانگتے رہتے ہیں۔ جب میں ان کے لیے کوئی حکم کر دیتا ہوں تو وہ میرے اس حکم سے ناراض ہو جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں ایک روایت تو اس سے بھی زیادہ سخت ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میرے علاوہ کوئی بھی معبود نہیں ہے اور جو شخص میری بھیجی ہوئی مصیبت پر صبر نہ کرے اور میری عطا کردہ نعمتوں کا شکر ادا نہ کرے' میرے حکم پر راضی نہ ہو تو پھر اسے چاہیے کہ وہ میرے علاوہ کوئی دوسرا اپنا رب بنا لے۔

حدیث قدسی شریف :۔ حدیث قدسی شریف میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ تمام مقادیر کو میں نے ہی مقدر فرمایا ہے اور ان کی تدبیر بھی کی ہے اور کام کو محکم فرمایا ہے۔ پس جو شخص راضی ہوا تو اس کے لیے میری رضا ہے۔ یہاں تک کہ وہ مجھ سے ملے۔ علاوہ ازیں جو ناراض ہوا' اس کی خاطر میری خفگی و ناراضگی ہے۔ یہاں تک کہ اسی حال میں میری پاس آئے گا۔

حدیث شریف :۔ حدیث قدسی شریف میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ خیر و شر دونوں ہی میں نے بنائے ہیں' اس لیے اچھا حال تو وہ ہے جسے میں نے بھلائی کے لیے پیدا کیا ہے اور اس کے ہاتھوں کو خیر پر ہی چلایا اور برائی تو اسے ہے جسے میں نے شر کی خاطر بنایا اور اس کے ہاتھوں پر شر کو چلایا اور اس کی ہلاکت پہ ہلاکت ہے۔ اس بارے میں جس نے چون و چرا کیا۔

اللہ کی بارگاہ میں شکایت :۔ اخبار پیشین میں مروی ہے کہ ایک پیغمبر نے دس سال تک بھوک' مفلسی اور جوؤں کی شکایت اللہ تعالیٰ سے کی مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی بھیجی کہ تو کب تک اس طرح شکایت کرتا رہے گا۔ ام الکتاب میں میرے پاس تیرا حال زمین و آسمان کے بننے سے بھی پہلے اسی طرح لکھا ہوا ہے اور اسی طرح ہی ہوتا جاتا ہے۔ دنیا کے بننے سے پہلے ہی میں نے تجھ پر اسی طرح ہی حکم ارشاد فرمایا تھا۔ کیا اب تو یہ چاہتا ہے کہ میں تیری خاطر دوبارہ نئے سرے سے دنیا بناؤں یا تو یہ چاہتا ہے کہ میں نے تیرے لیے جو کچھ مقدر کیا ہے'

اسے بدل دوں۔ جو کچھ تو چاہتا ہے یا پسند کرتا ہے' وہ میری خواہش اور پسند سے زیادہ اچھا ہے۔ مجھے اپنے عزت وجلال کی قسم ہے' اگر تیرے دل میں یہ بات گزرے گی تو تیرا نام نبوت کے دفتر سے خارج کر دوں گا۔

حکایت حضرت آدم علیہ السلام :۔ حضرت آدم علیہ السلام کا ایک چھوٹا لڑکا پیار و محبت سے آپ کے بدن مبارک پر کبھی چڑھتا اور کبھی اترتا یعنی آپ کی پسلیوں پر پاؤں رکھ کر جیسا کہ سیڑھی پر چڑھا جاتا ہے' سر تک چڑھ جاتا' پھر سر مبارک سے اتر آتا۔ آپ اپنا سر نور زمین کی طرف کیے رہتے' نہ اسے کچھ کہتے اور نہ ہی سر اوپر اٹھاتے۔ آپ کے کسی دوسرے لڑکے نے عرض کیا کہ ابا جان' آپ کے ساتھ یہ ایسا کرتا ہے۔ اس کے باوجود آپ سے روکتے نہیں ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا' میں جو کچھ دیکھتا اور جانتا ہوں' تجھے معلوم نہیں ہے۔ میں نے ایک حرکت کی تھی' جس کے بدلے میں کرامت اور آسائش کے گھر سے دکھوں اور تکلیفوں کے گھر میں اتار دیا گیا ہوں۔ اب مجھے ڈر ہے کہ اگر کوئی دوسری حرکت کر بیٹھوں تو نہ جانے کہ مجھ پر کیا مصیبت آئے گی۔

حضور کا خادم کے ساتھ حسن سلوک :۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت دس سال کی ہے۔ میں نے کوئی بھی کام کیا تو آپ نے کبھی بھی یہ نہ فرمایا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا؟ اگر کوئی کام نہ کیا تو پھر یہ کبھی نہ ارشاد فرمایا کہ فلاں کام کیوں نہیں کیا اور جو چیز ہو گئی' اس کے بارے میں کبھی نہ فرمایا کہ کاش یہ نہ ہوتی اور اگر نہ ہوئی تو پھر یہ کبھی نہ ارشاد فرمایا کہ کاش یہ ہوتی۔ آپ کے گھر والوں میں سے اگر کوئی میرے ساتھ جھگڑتا تو آپ ارشاد فرماتے' اسے چھوڑ دو (یعنی اس سے نہ جھگڑو کیونکہ جو کچھ تقدیر میں ہوتا ہے' وہی ہو گا۔"

وحی حضرت داؤد علیہ السلام :۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ اے داؤد! تو بھی چاہتا ہے اور میں بھی چاہتا ہوں اور ہو گا وہی جو کچھ ہونا تھا (یعنی جو کچھ میں چاہتا ہوں) پس اگر تو میرے چاہے پہ راضی ہو گا تو میں تجھے کافی ہوں گا۔ تیری خواہش سے اور اگر تو میری خواہش کو تسلیم نہ کرے گا تو میں تجھے تیری خواہش میں مشقت میں ڈال دوں گا' ہو گا پھر بھی وہی جو کچھ میں چاہوں گا۔

اقوال اسلاف صالحین رحمتہ اللہ علیہ :۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے جو لوگ بہشت میں بلائیں جائیں گے' وہ وہی لوگ ہوں گے جو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کرتے رہتے ہیں یعنی وہ ہر حال میں راضی رہتے ہیں۔

2۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے موقع تقدیر الٰہی کے علاوہ دوسری کوئی بھی خوشی باقی نہیں رہی۔ آپ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں وہی کچھ چاہتا ہوں جو اللہ تعالیٰ میرے لیے حکم فرمائے۔

3۔ میمون بن مہران رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے حکم پر راضی نہ ہو' اس کی بے وقوفی

کا کوئی علاج نہیں ہے۔

4- یہ حضرت فضیل رحمتہ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر تو اللہ تعالیٰ کی تقدیر پہ صحیح نہ رہے گا تو پھر اپنے نفس کی تقدیر پر بھی صحیح نہیں رہ سکتا۔

5 - حضرت عبدالعزیز ابن ابی رواد رحمتہ اللہ فرماتے ہیں کہ سر کے کیساتھ جو کی روٹی کھانے میں اور اون کا لباس (صوفیانہ لباس) پہننے میں شان نہیں ہے بلکہ اللہ عزوجل سے راضی رہنے میں درویشانہ شان ہے۔

6 - حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر میں آگ کی چنگاری چاٹوں تو جو جلا دے' سو جلا دے اور باقی جو کچھ جلانے سے چھوڑ دے' سو چھوڑ دے تو میرے نزدیک اس بات سے زیادہ بہتر ہے کہ جو کچھ ہو گیا' اس کے بارے میں' میں کہوں کہ کاش یہ کچھ نہ ہوتا اور جو کچھ نہ ہوا' اس کے بارے میں کہوں کہ کاش یہ کام اس طرح ہو جاتا۔

7 - کسی نے حضرت محمد بن واسع رحمتہ اللہ علیہ کے پاؤں مبارک پر زخم دیکھ کر کہا کہ تمہارے اس زخم سے مجھے ترس آتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ جس وقت سے یہ زخم ہوا ہے' میں تو اس وقت سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ یہی زخم آنکھ میں نہیں نکلا۔

حکایت:- بنی اسرائیل کے قصص میں ہے کہ ایک عابد نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کافی عرصہ کی۔ اسے خواب میں دکھلایا گیا کہ جنت میں فلاں عورت بکریاں چرانے والی تری رفیق ہوگی۔ جب عابد بیدار ہوا تو اس عورت کا نشان پوچھ کر اسے تلاش کیا۔ اس کے پاس تین دن مہمان رہا تاکہ اس کا عمل دیکھے۔ عابد صاحب رات بھر عبادت کرتے' دن کو روزہ رکھتے جبکہ وہ عورت رات بھر سوتی رہتی اور دن کو روزہ بھی نہ رکھتی۔ بالآخر اس عابد نے اس عورت سے پوچھا کہ اس کے علاوہ بھی کوئی عمل کرتی ہے۔ اس عورت نے جواب دیا کہ جو کچھ تم نے دیکھا ہے' صرف یہی میرا عمل ہے۔ اس کے علاوہ تو کچھ بھی نہیں ہے۔ اپنے آپ میں تو میں اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں جانتی۔ عابد بار بار کہتے رہے کہ بھلا یاد کر کے بتاؤ کہ اس کے علاوہ بھی کوئی عمل ہے؟ اس عورت نے کہا' ہاں۔ اس کے علاوہ ایک چھوٹی سی مجھ میں خصلت ہے اور وہ خصلت یہ ہے کہ اگر میں تختی میں ہوں تو اچھی حالت کی تمنا نہیں رکھتی اور اگر مرض میں مبتلا ہو جاؤں تو تندرستی کی تمنا نہیں کرتی۔ اگر دھوپ میں ہوں تو سایہ کی خواہش نہیں رکھتی۔ یہ سن کر عابد نے ہاتھ اپنے سر پر رکھا اور کہا بھلا یہ خصلت چھوٹی سی ہے' یہ خصلت تو اتنی بڑی خصلت ہے کہ اس سے بڑے بڑے عابد عاجز ہیں۔

8- بعض اکابر ارشاد فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کوئی حکم ارشاد فرماتا ہے تو زمین والوں سے یہ بات اسے محبوب ہوتی ہے کہ زمین والے اس کے حکم پر راضی ہوں۔

9- حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایمان کا اعلیٰ ترین حصہ یہ ہے کہ حکم پر صبر کرے اور تقدیر پر راضی ہو۔

10- حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تنگی یا فراخی میں سے جس حال میں بھی رہوں، مجھے کوئی پروا نہیں۔

11- حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ نے ایک دن حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کے سامنے کہا، یا اللہ تو ہم سے راضی ہو جا۔ حضرت رابعہ نے یہ سن کر فرمایا کہ تمہیں شرم نہیں آتی کہ تو خود تو اس سے راضی نہیں ہے اور اس کی رضا کی استدعا کرتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ استغفراللہ۔

پھر حضرت جعفر بن سلیمان ضبعی رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت رابعہ رحمتہ اللہ علیہا سے دریافت کیا کہ بندہ کب راضی کہلاتا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ جب بندہ مصیبت پر بھی اتنا ہی خوش ہو جتنا کہ نعمت سے خوش ہوتا ہے۔

12- حضرت فضیل رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب بندے کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا دینا اور نہ دینا دونوں باتیں برابر ہو جائیں تو وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو چکا ہوتا ہے۔

13- حضرت احمد بن ابی الحواری رحمتہ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں۔ حضرت ابو سلیمان دارانی رحمتہ اللہ علیہ سے کہ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنے بندوں سے اسی بات کی وجہ سے راضی ہوتا ہے جس بات کی بنا پر غلام اپنے آقا سے راضی ہوتا ہے۔ احمد بن الحواری رحمتہ اللہ علیہ نے دریافت کیا کہ یہ کیسے ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ غلام کی مراد دنیا میں صرف یہی ہوتی ہے کہ آقا مجھ سے خوش رہے۔ انہوں نے کہا کہ ہاں اس کا مقصود تو یہی ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا تو اللہ تعالیٰ بھی اپنے بندوں سے یہی کچھ محبوب جانتا ہے کہ وہ اس سے راضی رہیں۔

14- حضرت سہل رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یقین سے بندوں کو اتنا ہی حصہ ملتا ہے جتنا کہ وہ رضا سے بہرور ہوتے ہیں اور رضا سے اتنا ہی بہرہ حاصل ہوتا ہے جتنا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ زندگی کرتے ہیں۔

حدیث شریف :۔ نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ان اللہ عزوجل بحکمتہ وجلالہ جعل الروح والفرح فی الرضاء والیقین وجعل الغم والحزن فی الشک والسخط "اللہ عزوجل نے اپنی حکمت و بزرگی سے راحت و سرور کو رضا اور یقین میں مقرر فرمایا ہے اور غم و اندوہ کو شک اور ناخوشی میں۔"

دعا رضا کے خلاف نہیں :۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ خواہش کے خلاف چیزوں اور مختلف قسم کے مصائب میں تو صبر ہوتا ہے۔ یہاں وجود رضا متصور نہیں ہے۔ گویا ایسی بات کہنے والے محبت کے منکر ہیں لیکن یاد رہے کہ جب اللہ کی محبت کا وجود اور اس میں تمام ہمت کا مستغرق ہونا ثابت ہے تو پھر صاف ظاہر ہے کہ اس بات کا موجب تو محبت ہوتی ہے کہ اپنے حبیب کے کاموں سے محب راضی ہوتا ہے اور یہ راضی ہونا دو طرح کا ہوتا ہے۔

1- رنج کا معلوم ہونا بالکل ہی ختم ہو جائے۔ یہاں تک کہ کوئی ضرر رساں چیز اس پر آئے یا زخم لگ جائے تو

اسے کوئی تکلیف اور درد محسوس نہ ہو جیسا کہ کوئی لڑنے والا کہ حالت غصہ یا حالت خوف میں اکثر و بیشتر یوں ہوتا ہے کہ زخم لگ جاتا ہے مگر اسے معلوم نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ جب خون کو دیکھتا ہے تو اس وقت اسے زخم کے بارے میں معلوم ہوتا ہے بلکہ کوئی معمولی سے کام میں مشغول ہو جائے تو عموماً اس طرح ہوتا ہے کہ پاؤں میں کانٹا چبھ جاتا ہے' اسے تکلیف کا احساس نہیں ہوتا' اس لیے کہ اس کا دل دوسری طرف لگا ہوا ہوتا ہے۔ یونہی اگر کند استرے سے پچھنے لگائے جائیں یا بال مونڈے جائیں تو آدمی کو اس سے ضرر پہنچتا ہے لیکن اگر دل بے قرار ہو' کوئی اہم کام کا تردد ہو تو پچھنے لگانے والا اور حجام اپنا کام کر چکے گا۔ اس کے باوجود پچھنے لگوانے والے بے قرار و متردد شخص کو خبر تک نہ ہوگی او اس کی صرف یہی وجہ ہے کہ جب کسی اہم امر میں دل مستغرق و نہایت درجے کو مشغول ہوتا ہے تو وہ سوائے اس امر کے کسی چیز کا ادراک نہیں کرتا۔ یونہی محب جو کہ اپنے محبوب کے مشاہدے یا محبت میں مستغرق ہو۔ اسے بسااوقات ایسے امور پیش آجاتے ہیں کہ اگر انہیں عشق نہ ہوتا تو ان امور کی بنا پر اسے رنج و غم اور درد معلوم ہوتا ہے مگر دل میں محبت کے جوش کی وجہ سے درد و غم نہیں پاتا۔

نتیجہ بحث:۔ پس جب کسی غیر حبیب کی طرف سے آنے والی مصیبت کا درد و غم نہ ہوتا ہو تو خود محبوب کی طرف سے ملنے والی مصیبت کا دکھ درد و رنج کیسا ہوگا اور عشق و محبت میں دل کی مشغولیت ایک بڑا شغل ہے۔ جب تھوڑے سے درد کا محسوس ہونا معمولی سی محبت میں متصور ہے تو صاف ظاہر ہے کہ بڑی محبت میں بڑے درد کا معلوم نہ ہونا بھی متصور ہو سکتا ہے' اس لیے کہ جس طرح درد کا زیادہ ہونا ممکن ہے تو اسی طرح کی محبت کی بھی زیادتی ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ خوبصورتوں کی محبت جو آنکھوں سے محسوس ہوتی ہے' قوی ہوتی ہے' یونہی ان حسین صورتوں کی محبت جو کہ باطنی بصیرت سے معلوم ہوتی ہے' وہ بھی قوی ہوتی ہے۔ ان تمام صورتوں میں سے حضرت ربوبیت کا جمال و جلال ایسا ہے کہ اس جلال و جمال پر کوئی بھی جلال و جمال قیاس نہیں کیا جا سکتا تو نتیجہ یہ نکلا کہ اس میں سے کوئی چیز جسے منکشف ہو جائے تو پھر ایسی کون سی بات تعجب والی ہے کہ ایسا شخص مدہوش ہو جائے اور اپنے اوپر جو درد طاری ہو جائے' اس کا پتہ تک نہ چلے۔

حکایت:۔ حضرت فتح موصلی رحمتہ اللہ علیہ کی بی بی گر پڑیں' اسی وجہ سے ناخن ٹوٹ گیا' آپ ہنس پڑیں۔ آپ سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ کو اس چوٹ کی وجہ سے درد نہیں معلوم ہوتا؟ ارشاد فرمایا کہ لذت ثواب نے میرے دل کی تلخی کو دور کر دیا ہے۔

حکایت:۔ حضرت سہل رحمتہ اللہ علیہ کو ایک مرض لاحق ہو کہ کسی دوسرے کو لاحق ہوتا تو وہ اس کا علاج کرتے مگر اپنی تکلیف کا علاج نہیں کیا کرتے تھے۔ آپ سے کسی نے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ محبوب کی مار میں آزار نہیں ہوا کرتا۔

2- اس سلسلے میں دوسری صورت یہ ہے کہ درد معلوم تو ہوتا ہو مگر اس درد سے راضی ہو بلکہ اسے رغبت اور خواہش سے چاہتا ہو' خواہ طبیعت پہ ناگوار ہی گزرے مگر اس کی طرف عقلی طور پر رغبت رکھتا ہو مثلاً جو شخص فصاد سے فصد کھلوائے یا پچھنے لگوائے تو ایسا کرنے والے شخص کو فصد کھلوانے یا پچھنے لگوانے کا و حجامت کا درد تو ہوتا ہے۔ درد ہونے کے باوجود ان کی طرف رغبت رکھتا ہے۔ فصد کھولنے والے کے فصد کھولنے کی وجہ سے اس کا مشکور ہوتا ہے۔ پس اس شخص کا بھی یہی حال ہوتا ہے۔ جو تکلیف دینے والی چیزوں پر بھی راضی ہوتا ہے۔ یونہی جو شخص فائدہ حاصل کرنے کے لیے سفر کرتا ہے' اسے سفر کی تکلیف تو معلوم ہوتی ہے مگر اس کے نزدیک سفر کا پھل اتنا ہے کہ اس کی وجہ سے وہ سفر کی تکلیف کو گوارا کر لیتا ہے اور اس تکلیف سے راضی ہے۔ اس طرح ہی جب آدمی کو اس بات کا یقین حاصل ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مصیبت کا ثواب ذخیرہ ہے۔ اس شے کی بہ نسبت جو کہ اس کے پاس سے جاتی رہی' زیادہ اہمیت کی حامل ہے تو بے شک اسے جو مصیبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے گی' وہ اس پہ راضی ہوگا اور وہ ایسی مصیبت کی رغبت کرے گا اور اسے اچھا جانے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر کرے گا۔ یہ صرف اسی صورت میں ہے کہ وہ اس ثواب اور احسان کو مدنظر رکھے جو اسے مصیبت کے بدلے میسر آئے گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ مصیبت اتنی غالب ہو کہ اسے حبیب کی مراد اور رضا ہی مطلوب اور مقصود ہو جائے۔ اس کے علاوہ کوئی دوسری قرارداد ہے ہی نہ۔ حالانکہ یہ تمام باتیں محبت مخلوق میں نظر آتی ہیں۔ تعریف بیان کرنے والوں نے انھیں اپنی نظم و نثر میں بیان کیا ہے اور اس میں اس کے علاوہ کوئی دوسری بات نہیں ہے۔ صرف ظاہر صورت کے جمال کا لحاظ ہے جو آنکھ سے نظر آتی ہے۔

حقیقت جمال ظاہری:- اب اس جمال ظاہری کو ملاحظہ فرمائیں کہ یہ تو محض گوشت و پوست اور خون ہے۔ اس میں نجاست اور خاک بلاشامل ہے۔ ایک ناپاک نطفہ سے اس کی ابتداء ہے اور اس کی انتہاء ایک پلید مردار۔ علاوہ ازیں اپنے وجود میں پاخانہ کو اٹھائے پھرتا ہے۔ اگر ادراک کرنے والے آنکھ کو دیکھتے تو وہ آنکھ ایسی خسیس ہے کہ وہ اکثر دھوکا دیتی ہے یعنی چھوٹی چیز کو بڑی دیکھتی ہے جبکہ اگر بڑی چیز ہو تو اسے چھوٹی اور یونہی دور کو نزدیک دیکھتی ہے اور بدصورت کو خوبصورت دیکھتی ہے۔ پس محبت کا حال جب ایسی حالت میں یہ ہو جاتا ہے تو ازلی و ابدی جمال کی محبت میں یہ امر کیسے ناممکن ہو سکتا ہے۔ حالانکہ اس جمال کے کمال کی تو کوئی انتہاء نہیں ہے اور چشم بصیرت سے اس کا ادراک ہوتا ہے۔ اس میں کبھی بھی غلطی نہیں ہوتی اور نہ ہی اس پر کبھی موت آتی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ باطنی بصیرت تو موت کے بعد بھی باقی رہتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک زندہ اور اس کے رزق سے خوش ہو کر موت کے بعد زیادتی آگاہی اور انکشاف سے بہرہ ور ہوتی ہے۔ اگر چشم عبرت سے اس بات کو ملاحظہ فرماؤ تو صاف ظاہر ہے کہ اس کا میسر ہونا اور عشاق کے اقوال و احوال اس پر گواہ ہیں۔

اقوال عشاق:۔

1۔ حضرت شفیق رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تختی کا ثواب جو شخص ایک بار ملاحظہ فرما لیتا ہے' وہ اس سے نکلنا نہیں چاہتا۔

2۔ حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ اپنے پیرو مرشد حضرت سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ عاشق کو بھی مصیبت کی تکلیف ہوتی ہے یا نہیں؟ تو حضرت سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں۔ میں نے عرض کیا' خواہ تلوار سے ہی کیوں نہ مارا جائے؟ آپ نے ارشاد فرمایا' ہاں' خواہ تلوار سے لگاتار ستر ضربیں لگائی جائیں۔

3۔ بعض اکابر بزرگان دین ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے تو وہی اچھا لگتا ہے جو اسے (حق تعالیٰ کو) اچھا لگتا ہے یہاں تک کہ میرے لیے وہ اگر دوزخ بھی پسند کرے تو میں دوزخ میں جانے کو محبوب جانتا ہوں۔

حکایت:۔ حضرت بشر بن الحارث رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بغداد شریف کے محلہ شرقیہ میں ایک شخص کو میں نے دیکھا کہ اسے ہزار کوڑے لگائے گئے مگر اس نے اف تک نہ کی۔ اس کے بعد اسے قید خانے میں لے گئے۔ میں بھی اس کے پیچھے چلا گیا اور اس شخص سے دریافت کیا کہ تجھے کیوں مارا گیا تو اس شخص نے جواب دیا کہ میں عاشق ہوں۔ میں نے پھر اس سے دریافت کیا' پھر تو خاموش کیوں رہا ہے؟ اس نے جواب دیا' اس وقت میرا محبوب میرے سامنے مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں نے اس سے پھر پوچھا' پھر تو کیا بات اچھی ہوتی کہ تو محبوب حقیقی کی طرف دیکھے۔ یہ سنتے ہی اس نے زور سے چیخ ماری اور پچھاڑ کھا کر فوت ہو گیا۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

4۔ حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمتہ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب جنتی اللہ تعالیٰ کی طرف نظر کریں گے تو ان کی آنکھیں لذت دیدار کی وجہ سے ان کے دلوں میں داخل ہو جائیں گی اور واپس اپنے مقام پر آٹھ سو سال تک نہ آسکیں گی تو اب بتائیے کہ اس کے جلال و جمال میں جو دل پڑے ہوئے ہوں کہ اگر تو اس کے جلال کو ملاحظہ فرمائیں تو ڈر جائیں اور اگر اس کا جمال ملاحظہ فرمائیں تو متحیر ہو جائیں تو ان کا حال کیا ہو گا؟

حکایت:۔ حضرت بشر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابتدائے سلوک میں' میں جزیرہ عبادان گیا۔ اس جزیرے میں ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ اندھا' کوڑھی' مجنوں اور مرگی زدہ ہے۔ اس کا گوشت چیونٹیاں کھا رہی ہیں۔ اس کا سر اٹھا کر میں نے اپنی گود میں رکھ لیا اور کچھ کہتا رہا۔ جب اسے ہوش آیا تو وہ کہنے لگا کہ یہ اجنبی شخص کون ہے جو میرے اور میرے پروردگار کے معاملے میں دخل اندازی کرتا ہے۔ اگر وہ میرے ایک ایک جوڑ کو بھی کاٹ دے تو پھر بھی میں اس کی محبت میں کثرت ہی کروں گا۔ حضرت بشر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس معاملے کے بعد کہ جب سے مجھے اس کا معاملہ بندے میں اور پروردگار میں معلوم ہوا تو اسے میں نے کبھی بھی برا نہ جانا۔

حکایت:۔ حضرت ابو عمرو محمد بن اشعث رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مصر والوں کی غذا چار ماہ تک حضرت یوسف علیہ السلام کے دیدار کے سوا کچھ بھی نہ تھی۔ جب انہیں بھوک لگتی تو حضرت یوسف علیہ السلام کا چہرہ مقدس دیکھ

لیتے۔ آپ کے چہرہ مبارک کے جمال مبارک کی لذت انہیں تکلیف محسوس نہ ہونے دیتی۔ علاوہ ازیں قرآن حکیم میں تو اس سے بھی زیادہ معاملہ بیان فرمایا گیا ہے یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کے جمال مبارک پہ عورتیں مصر کی اس قدر فریفتہ ہو گئیں کہ بے خبری کے عالم میں اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے۔

حکایت :۔ حضرت سعید بن احمد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے بصرے میں عطا بن مسلم کی سرائے میں ایک جوان کو دیکھا کہ وہ ہاتھ میں چھرا لیے ہوئے پکار پکار کر لوگوں کے درمیان کہہ رہا تھا کہ جس کا مفہوم یہ ہے کہ:۔

کیفیت تیری جدائی کی' میں کیا بیان کرو۔ قیامت سے بڑی جدائی سے بہتر ہے پہلے مروں۔

تیاری کر کہنے لگے ہیں کہ اب تیرا کوچ۔ میری جان کرتی ہے سفریارو نہیں ہے میرا کوچ۔

پھر چھری مار کر اپنا پیٹ چیرا اور مر گیا۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) اس کا حال میں نے لوگوں سے دریافت کیا تو لوگوں نے مجھے بتایا کہ یہ کسی بادشاہ کے غلام پہ عاشق تھا' صرف ایک دن وہ اس سے محجوب رہا تو اس وجہ سے اس نے اپنا یہ حال کر دیا۔

حکایت :۔ حضرت یونس علیہ السلام نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ مجھے وہ شخص بتاؤ جو زمین میں سب سے زیادہ عبادت کرتا ہو؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ایسے شخص کا پتہ بتایا کہ جس کے ہاتھ اور پاؤں جذام (مرض) نے جدا جدا کر دیئے تھے۔ اس کے کان اور آنکھیں تباہ و برباد کر دی تھیں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ یہ کہتا تھا یااللہ جب تک تو نے چاہا' ان اعضاء سے مجھے فائدہ دیا اور تو نے جب چاہا' انہیں مجھ سے چھین لیا۔ اے نیکوکار اور مطلب پر پہچانے مجھے اپنی ذات کی توقع باقی رہنے دے' کیا یہ کم ہے۔

حکایت :۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک بیٹا بیمار ہو گیا۔ اس وجہ سے آپ کو شدید غم ہوا۔ یہاں تک کہ لوگوں کو یہ خطرہ لاحق ہو گیا کہ کہیں اس لڑکے کی وجہ سے آپ کو بھی کچھ ہو نہ جائے۔ وہ لڑکا فوت ہو گیا تو آپ اس کے جنازے کے ساتھ تشریف لے چلے۔ اس وقت جتنی خوشی آپ کو تھی' اتنی خوشی کسی بھی شخص کے چہرے پر نہ ہوئی ہوگی۔ آپ سے لوگوں نے اس خوشی کی وجہ دریافت کی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اس پر اس کی بیماری کی وجہ سے ترس آتا تھا جس کی وجہ سے میں غمگین تھا۔ اب مشیت الٰہی واقع ہو چکی ہے' اس لیے میں اس پر خوش ہوں۔

حکایت :۔ حضرت مسروق رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص جنگل میں رہتا تھا۔ اس کے پاس ایک کتا' ایک گدھا اور ایک مرغ تھا۔ مرغ تو نماز کے لیے جگاتا تھا۔ گدھے پر پانی' خیمہ اور ضروری سامان لادا کرتا تھا اور کتا حفاظت کرتا تھا۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ لومڑی آئی اور مرغ کو پکڑ کر لے گئے۔ اس بزرگ کے اہل خانہ کو بڑا دکھ ہوا مگر وہ شخص بڑا نیک بخت بزرگ تھا۔ اس نے فرمایا کہ اسی میں بھلا ہو گا' پھر ایک دن بھیڑیا آیا اور گدھے کو چیر پھاڑ کر ڈالا جس سے وہ گدھا بھی مر گیا۔ اس کے گھر والوں کو اس سے بھی دکھ ہوا مگر اس بزرگ نے پھر بھی یہی فرمایا کہ

اسی میں بھلائی ہوگی۔ پھر ایک دن صبح ہی صبح اس کے گھر والوں نے دیکھا کہ ان کے اردگرد کے تمام لوگ غلامی کی زنجیر میں جکڑے گئے ہیں' صرف وہی باقی رہ گئے ہیں اور ان کے گرفتار ہونے کی یہ بنی کہ کتوں' گدھوں اور مرغوں کی آوازیں سن کر لوگ پکڑے گئے ہیں۔ ان کے یہاں سب سے پہلے جا چکے ہیں جبکہ یہ حضرت صاحب اور ان کے گھر والے اس واقعہ سے محفوظ رہے تو ان چیزوں کی ہلاکت میں یہ حکمت پوشیدہ تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے خفی لطف کو جانتا ہے' وہ اس کے فعل سے ہر حال میں راضی رہتا ہے۔

حکایت :۔ ایک دفعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک شخص نابینے' برص والے' لپاہج' دونوں طرف سے فالج زدہ کے پاس سے گزرے۔ اس شخص کا گوشت جذام کی وجہ سے بکھر چکا۔ اس کے باوجود وہ یہ کہتا تھا' اس خدا کا شکر ہے جس نے مجھے ایسی مرضوں سے صحت بخشی جن میں بہت سے لوگوں کو مبتلا کیا ہوا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے پوچھا' بھلا وہ کونسی مصیبت ہے جو تجھے لاحق نہیں ہے؟ اس شخص نے جواب دیا' اے روح اللہ! میں اس آدمی سے بہتر ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے جس کے دل میں وہ چیز نہیں ڈالی جو اپنی معرفت سے میرے دل میں ڈالی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا' صحیح کہتے ہو۔ اپنا ہاتھ لاؤ۔ اس شخص نے جونہی اپنا ہاتھ آپ کے دست مبارک میں دیا۔ آپ کے ہاتھ میں اس کا ہاتھ آتے ہی اس کا چہرہ سب سے عمدہ' خوبصورت' بہت اچھا ہو گیا۔ اس کا تمام مرض ختم ہو گیا۔ وہ شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مل کر عبادت کرنے لگا۔

حکایت :۔ حضرت عروہ بن زبیر رحمتہ اللہ علیہ کا پاؤں جل گیا۔ آپ نے اپنا پاؤں زانو سے کٹوا دیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جس نے مجھ سے ایک لے لیا ہے۔ یا اللہ! تیری ذات اقدس کی قسم ہے' اگر تو نے لے لیا ہے تو تو نے ہی باقی رکھا تھا۔ اگر تو نے مجھے بیمار کیا تھا تو تو نے ہی صحت بخشی تھی۔ اس کے بعد ساری رات یہی ورد پڑھتے رہے۔

اقوال بزرگان دین رحمتہ اللہ علیہ

1 ۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مفلسی اور تونگری دو سواریاں ہیں۔ مجھے کوئی پروا نہیں کہ کس سواری پہ سوار ہو جاؤں۔ فقیری میں تو صبر ہے جبکہ تونگری میں داد و دہش۔

2 ۔ حضرت ابو سلیمان دارانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے ہر مقام سے ایک کیفیت میسر آئی ہے۔ مقام رضا کے علاوہ کہ مقام رضا سے تو مجھے صرف ایک خوشبو سی ملی ہے۔ اس پر اگر اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو جنت میں داخل فرما دے اور مجھے دوزخ میں ڈال دے تو میں پھر بھی راضی ہوں۔

3 ۔ کسی عارف سے لوگوں نے پوچھا کہ تمہیں رضا کا انتہائی مقام مل گیا ہے یا نہیں؟ تو اس عارف نے جواب دیا کہ رضا کا انتہائی مقام تو ابھی تک نہیں ملا مگر مقام رضا پر میں پہنچ گیا ہوں۔ اگر اللہ تعالیٰ مجھے دوزخ کا پل

بنا دے کہ لوگ میرے اوپر سے گزرتے ہوئے جنت میں جائیں تو پھر اللہ تعالیٰ اپنی قسم سچی کرنے کی خاطر مجھ سے ہی دوزخ کو بھر دے تو میں پھر بھی اس کے فرمان مبارک کو پسند کروں گا اور اس کی اس تقسیم پر راضی ہوں۔" یہ کلام مبارک ایسے شخص کا جس کی ہمت قطعی طور پر محبت میں ڈوبی ہوئی ہو۔ یہاں تک کہ اسے دوزخ کی آگ سے بالکل ہی تکلیف محسوس نہ ہو اور اگر اسے کچھ تکلیف محسوس ہو بھی تو پھر بھی وہ محبوب کی رضا حاصل کرنے کی لذت میں پوشیدہ ہو جائے یعنی اسے اس بات کا لطف ملے کہ مجھے دوزخ میں ڈالنے سے محبوب کی رضا پوری ہوگی جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کی رضا عین مقصود ہے تو اس محبوب کی رضا کی لذت کے سامنے دوزخ کی تکلیف اگر ہو بھی تو دب جائے اور اس حالت کا غلبہ کرنا نفس الامر میں محال ہرگز نہیں ہے۔ اگر ہم جیسے کمزوروں کے حالات کی نسبت بعید معلوم ہوتا ہو لیکن جو کمزور کہ کسی کیفیت سے بے بس ہو تو اسے چاہیے کہ زبردستوں کے احوال کا انکار کرے اور یہ خیال کرے کہ جس امر میں' میں بے بس ہوں' اس سے اولیاء اللہ بھی بے بس ہیں۔ (معاذ اللہ)

4۔ حضرت رود باری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو عبداللہ بن جلائد مشقی رحمتہ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ فلاں شخص کا جو یہ کلام ہے کہ "مجھے یہ بات محبوب ہے کہ میرا تمام جسم قینچیوں کے ذریعے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے اور اس کی اطاعت تمام مخلوق کرے۔" اس کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میاں صاحب! یہ کلام اگر تو تعظیم و اجلال کے طور پر ہے تو پھر مجھے اس کا مطلب معلوم نہیں ہے اور اگر مخلوق کی بھلائی اور شفقت سے واقع ہوا ہے تو پھر البتہ اس کا مطلب جانتا ہوں۔" راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد ان کے غشی کا دورہ پڑ گیا۔

حکایت :۔ حضرت عمران بن الحصین رحمتہ اللہ علیہ کو مرض استسقاء لاحق تھا۔ پشت کے بل تیس سال تک لیٹے رہے۔ اٹھ بھی نہیں سکتے تھے اور نہ ہی بیٹھ سکنے کی سکت تھی۔ قضائے حاجت کی خاطر پلنگ کاٹ دیئے گئے تھے۔ ان کے پاس مطرف اور ان کے بھائی علاء تشریف لائے۔ پس آپ کا یہ حال دیکھ کر وہ رونے لگے۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ تم کیوں روتے ہو؟ میں نے کہا کہ تم پہ اتنی بڑی سختی دیکھ کر روتا ہوں۔ غالباً اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے نفع عطا فرمائے گا مگر جب تک میں مر نہ جاؤں' اسے کسی کے سامنے ہرگز نہ کہنا اور وہ راز کی بات یہ ہے کہ فرشتے آکر میری زیارت کرتے ہیں۔ ان سے میں انس و محبت حاصل کرتا ہوں اور وہ مجھے سلام کرتے ہیں۔ ان کا سلام میں سنتا ہوں۔ اس بنا پر میں جانتا ہوں کہ اتنی بڑی نعمت جس مرض میں ہو' وہ عذاب نہیں ہوتا۔ پس جو ایسے امور اپنی مصیبت کے دوران مشاہدہ کرے' بھلا وہ راضی کیوں نہ ہوگا۔

حکایت :۔ مطرف فرماتے ہیں کہ پھر حضرت سوید بن شعبہ رحمتہ اللہ علیہ کی بیمار پرسی کو گیا تو ہم نے دیکھا کہ ایک کپڑا پڑا ہوا ہے۔ ہمیں گمان گزرا کہ اس کپڑے کے نیچے کچھ بھی نہیں ہے۔ یہاں تک کہ ان کے منہ سے کپڑا ہٹایا

گیا تو ان کی بی بی نے کہا' آپ کو کیا کھلائیں یا پلائیں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا' لیٹے ہوئے کو ٹیس درد کرنے لگی ہیں' رانیں گھل گئے ہیں اور اتنا زیادہ دبلا پتلا ہو گیا ہوں کہ اتنے عرصہ سے کھانا پینا چھوڑ رکھا ہے مگر اس کے باوجود مجھے یہ بات اچھی نہیں لگتی کہ اس کیفیت میں ناخن کے برابر بھی کمی کروں۔

حکایت :- حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ المکرمہ میں تشریف لائے۔ آپ کی آنکھیں بے نور ہو گئیں۔ آپ کی عیادت کے سلسلے میں لوگ آپ کے پاس گروہوں کی شکل میں دوڑے آرہے تھے اور آپ سے دعا کی خاطر استدعا کرتے تھے۔ ہر ایک کے لیے حضرت صاحب دعا فرماتے جاتے تھے اور آپ سے دعا منگوانے کی وجہ صرف یہ تھی کہ آپ مستجاب الدعوات تھے۔ حضرت عبداللہ بن السائب فرماتے ہیں کہ ان دنوں میں' میں لڑکا تھا۔ میں بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کو اپنا نشان بتایا تو آپ مجھے پہچان گئے اور ارشاد فرمایا کہ تو مکے والوں کا قاری ہے۔ بعد ازاں دوسری بات شروع ہوئی۔ بالاخر میں نے عرض کیا کہ چچا جان! آپ دوسرے لوگوں کے لیے تو دعا کرتے ہیں' اپنے لیے بھی دعا کیجئے تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی بینائی درست فرمادے۔ آپ نے مسکرا کر ارشاد فرمایا کہ بیٹا میرے نزدیک اللہ تعالیٰ کی رضا بینائی سے زیادہ اچھی ہے۔

حکایت :- ایک صوفی کا چھوٹا بیٹا گم ہو گیا۔ تین دن تک نہ ملا اور نہ ہی اس لڑکے کا پتہ چل سکا۔ لوگوں نے اس صوفی سے کہا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگئے تاکہ اللہ تعالیٰ اسے آپ کے پاس لادے اور آپ سے ملادے۔ یہ بات سن کر صوفی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ مجھ پہ حکم فرمایا ہے' میرے نزدیک اس پر اعتراض کرنا لڑکے کے جاتے رہنے سے بھی زیادہ سخت ہے۔

حکایت :- بعض عابد کہتے ہیں کہ مجھ سے ایک بہت بڑا گناہ سرزد ہو گیا جس کے بدلے میں ساٹھ سال سے رو رہا ہوں اور یہ عبادت گزار بڑی محنت سے عبادت کرتا تھا کہ کسی نہ کسی طرح اس گناہ کی توبہ قبول ہو جائے۔ اس سے لوگوں نے دریافت کیا تم سے سرزد ہونے والا گناہ کونسا ہے؟ تو اس عابد نے فرمایا' مجھ سے ایک بات ہو گئی تھی۔ میں نے اسے ایک بات کہی تھی' اگر وہ بات میں نے نہ کہی ہوتی تو کیا خوب ہوتا۔

معمولی بات کہنے کے بعد پچھتاتا :- بعض سلف بزرگان دین کا قول مبارک ہے کہ میرا جسم اگر قینچیوں سے بھی کاٹ ڈالا جائے تو میرے نزدیک اس بات سے بھی زیادہ محبوب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو بات کی ہو' میں اس کے بارے میں کہوں کہ اگر میں اس طرح نہ کہتا تو کتنی اچھی بات تھی۔

حکایت :- حضرت عبدالواحد بن زید رحمتہ اللہ علیہ کو کسی نے بتایا کہ یہاں ایک ایسا شخص ہے کہ جس نے پچاس سال عبادت کی ہے۔ حضرت عبدالواحد اس شخص کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے کہا' ارے دوست! آپ اپنا حال تو بیان فرمائیں کہ محبوب حقیقی پر قناعت کرنے والے بن گئے ہو یا نہیں؟ اس نے جواب دیا' نہیں۔ آپ نے

اس سے پوچھا' محبوب حقیقی سے انس بھی ہوا یا نہیں؟ اس نے جواباً بتایا کہ نہیں۔ آپ نے پھر پوچھا' محبوب سے راضی بھی ہوئے ہو یا نہیں؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ اس کے بعد آپ نے اسے ارشاد فرمایا کہ پس اس کے پاس سے تمہیں بہرہ صرف نماز اور روزہ ہی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ تجھ سے مجھے شرم آتی ہے ورنہ میں تجھے کہہ دیتا کہ تیرا پچاس سالہ معاملہ اندر سے نکما ہے یعنی اتنے دنوں تک تیرے دل کا دروازہ نہ کھل سکا کہ اس سے بسبب اعمال دل کے درجات قرب کی طرف ترقی کرتا تو ابھی تک اصحاب یمین کے طبقات میں ہی رہا ہے' اس لیے کہ اس سے تیرے صرف ظاہری اعمال میں ہی اضافہ ہوا ہے اور یہ اضافہ تو عوام کو بھی حاصل ہو جاتا ہے۔

حکایت:۔ پارستان میں حضرت شبلی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس ایک جماعت آگئی۔ آپ وہاں قید تھے۔ آپ نے اپنے سامنے ڈھیلے اکٹھے کرکے رکھے ہوئے تھے۔ آپ نے ان لوگوں سے فرمایا کہ تم کون ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم آپ کے دوست ہیں۔ آپ نے انہیں ڈھیلے مارنے شروع کر دیئے یہاں تک کہ وہ لوگ بھاگ گئے۔ پھر آپ نے فرمایا' میاں! تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ حالانکہ تم تو میری محبت کا دعوٰی کرتے ہو۔ اگر تم اپنے قول میں سچے ہو تو میری اس (ڈھیلوں والی) مصیبت پر صبر کرو اور شبلی رحمتہ اللہ نے ایک شعر کہا ان المحبتہ للرحمٰن اسکرنی۔ وھل رایت محبا غیر سکران "مجھے رحمٰن کی محبت نے مدہوش کیا ہے۔ کوئی عاشق دکھاؤ جو مدہوش نہ ہو۔"

شامی عابد کا قول:۔ شام کے بسنے والے بعض عابدوں کا قول مبارک ہے کہ تم بھی اللہ عزوجل سے اس کی تصدیق کرتے ہوئے ملاقات کرو گے اور غالباً اس کی تصدیق بھی کی ہوگی کیونکہ تم میں سے اگر کسی کی انگلی سونے کی ہو تو وہ اس انگلی سے اشارہ کرنے لگتا ہے لیکن اگر اس انگلی میں کوئی نقص ہو تو پھر وہ دوسرے لوگوں سے چھپاتا پھرتا ہے۔ ان کی اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالٰی کے نزدیک سونا برا ہے جبکہ عام لوگ اسی سونے کی وجہ سے ایک دوسرے پر فخر کرتے ہیں جبکہ بلا دکھ مصیبت آخرت والوں کے حق میں زینت ہے' اس لیے اسے برا جانتے ہیں۔

حکایت:۔ روایت ہے کہ ایک بازار میں آگ لگ گئی۔ لوگوں نے حضرت سری رحمتہ اللہ علیہ کو بتایا کہ بازار سارا جل گیا ہے مگر آپ کی دکان نہیں جلی۔ یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا کہ الحمد للہ۔ پھر فرمایا کہ میں نے الحمد للہ کیسے کہا؟ صرف میں ہی سلامت رہا جبکہ دوسرے مسلمان تو نہ بچ سکے۔ پس اسی وقت سے تجارت سے توبہ فرمائی اور ہمیشہ کے لیے دکانداری اس لیے چھوڑ دی کہ صرف اپنے محفوظ رہنے کی وجہ سے الحمد للہ کہا تھا۔ اس سے توبہ او استغفار کرنا چاہیے تو توبہ اور استغفار کرنے کی غرض سے سارا کاروبار ہی ترک کر دیا۔

خلاصہ حکایات:۔ درج بالا حکایات پہ اگر غور کیا جائے تو قطعی طور پر جان لو کہ خواہش کے خلاف بات پہ رضا ناممکن نہیں ہے بلکہ اہل دین کے بڑے مقامات میں سے ایک بڑا مقام ہے اور ازانجاکہ خلق کی محبت میں اور ان کے مزوں میں ایسا ممکن ہے تو محبت حق تعالٰی اور اخروی لذت و سرور میں تو بطریق اولٰی ممکن ہے اور یہ امکان دو طرح

سے ہوگا۔

1- ثواب کی توقع رکھتے ہوئے تکلیف پر رضا ہو مثلاً فصد' حجامت اور دوا کی تلخی پر رضا شفا کی توقع پر ہوتی ہے۔

2- اس پر رضا کسی حظ کی خاطر نہ ہو بلکہ محض اس لیے ہو کہ اس طرح محبوب کی رضا ہے بلکہ کبھی کبھی تو محبت اس حد کو پہنچ جاتی ہے کہ محب کی مراد محبوب کی رضا و مرضی میں چھپ جاتی ہے۔ اس حالت میں تمام اشیاء سے لذیذ ترین محب کے نزدیک محبوب کے دل کی خوشی و مرضی کے مطابق کام کا ہونا ہوتا ہے' خواہ اس کی جان ہلاک ہونے میں ہی کیوں نہ ہو۔

یہ رضا اس وقت ممکن ہے جبکہ تکلیف معلوم ہو اور کبھی کبھی تو محبت یوں بھی غلبہ اختیار کر جاتی ہے کہ ادراک درد سے دنیا جہان سے بیگانہ کر دیتی ہے۔ ایسی محبت کا وجود قیاس اور تجربہ سے بھی ثابت ہے۔ پس یہ کیفیت جو شخص اپنے آپ میں نہیں دیکھتا' اسے بھی اس کا انکار نہیں کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ اسے تو یہ کیفیت اس لیے میسر نہیں ہے کہ اس کا سبب (فرط محبت) اس میں موجود ہی نہیں ہے۔ جو شخص ذائقہ محبت نہیں جانتا' اسے عجائب محبت کی کیا خبر۔ ہم جتنی باتیں بھی بیان کر چکے ہیں عشاق پر تو اس سے بھی بڑی بڑی باتیں وارد ہوا کرتی ہیں۔

حکایت :- حضرت عمرو بن حارث رافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے ایک دوست کے ساتھ ایک مجلس میں بیٹھا تھا۔ ہمارے ساتھ ایک اور نوجوان بھی تھا۔ وہ نوجوان ایک گانے والی عورت پر عاشق تھا۔ وہ عورت بھی اس مجلس میں تھی۔ اس نے باجا بجایا اور ساتھ ہی گیت گایا علامة ذل الهوى- على العاشقين البكى- ولا سيما عاشق- اذا لم ايجد المشتكى "ذلت عشق کی علامت ہے۔ عشاق کا رونا بالخصوص وہ عاشق جو اپنے لیے وصل کی کوئی تدبیر نہ پا سکے۔"

اس کے بعد جوان نے کہا کہ تو نے بہت اچھا گایا ہے۔ کیا اب تو مجھے مرنے کی اجازت دیتی ہے (تاکہ میں مر جاؤں) تو اس نے کہا کہ اگر اچھا ہے تو پھر مر جا۔ راوی بیان کرتا ہے کہ اس عاشق نے اپنا سر تکیہ پر رکھ کر منہ اور آنکھیں بند کر لیں۔ ہم نے اسے ہلا کر دیکھا تو اسے مردہ حالت میں پایا۔

حکایت :- حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے ایک لڑکے کی آستین پکڑ رکھی ہے اور اس سے عاجزی کی باتیں کر رہا تھا۔ وہ اپنے آپ کو اس لڑکے کا عاشق ظاہر کرتا تھا۔ اس کی طرف اس لڑکے نے دیکھ کر کہا' کب تک تیرا یہ جھوٹ رہے گا؟ اس آدمی نے کہا کہ خدا جانتا ہے کہ میں جھوٹا نہیں ہوں۔ جو کچھ میں کہتا ہوں' سچا ہوں۔ یہاں تک کہ اگر تو مجھے "مر جا" کہے تو ابھی مر جاؤں گا۔ اس لڑکے نے کہا' اگر تو سچا ہے تو پھر مر جا۔ وہ عاشق علیحدہ ہو گیا اور اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ لوگوں نے اسے دیکھا تو وہ مرا پڑا تھا۔

حکایت :- سمنون محب کہتے ہیں کہ ہمارے پڑوس میں ایک شخص رہتا تھا۔ اس کے پاس ایک لونڈی تھی۔ اس

لونڈی کے ساتھ اسے بہت زیادہ محبت تھی- وہ اتفاقاً بیمار ہو گئی- ایک دن وہ شخص اس لونڈی کے لیے خرما اور پنیر کا تمی میں حلوہ تیار کر رہا تھا- جس وقت وہ چمچہ پھیر رہا تھا' اس وقت اس لونڈی نے نہایت تکلیف اور سختی مرض میں "آہ" کہا- یہ آہ کی آواز جب اس شخص نے سنی تو اس کے ہوش جاتے رہے- اس کے ہاتھ سے چمچہ گر پڑا- بیقراری اور بے چینی میں آکر ہانڈی انگلیوں سے ہلانے لگا' یہاں تک کہ اس کی تمام انگلیاں جل گئیں- لونڈی نے اس سے پوچھا کہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ تیری آہ کی تاثیر ہے-

حکایت :- حضرت محمد بن عبداللہ بغدادی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بصرہ میں ایک نوجوان کو میں نے دیکھا کہ وہ ایک اونچی چھت پر چڑھا دیا تھا- وہ نیچے لوگوں کی طرف جھانک کر اس مضمون کا شعر کہتا تھا- من مات عشقا فلیمت هذا- لا خیر فی عشق تلا موت- "جو مرنا چاہے عشق میں تو اسے کہو کہ مرجا عشق میں موت کے سوا کوئی شے اچھی نہیں-" یہ کہہ کر اس نے اپنے آپ کو زمین پر گرا دیا-

فائدہ :- جب اس قسم کے کام مخلوق عشق میں ہو سکتے ہیں تو خالق کی محبت میں تو بطریق اولیٰ ہوں گے- اس لیے کہ بصیرت باطنی ظاہری چشم سے زیادہ صحیح ہے- اللہ تعالیٰ کا جمال ہر جمال سے جمیل کامل ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جتنا بھی جمال عالم میں ہے تو تمام اسی جمال کی خوبیوں میں سے ایک خوبی ہے- ہاں یہ بات علیحدہ ہے کہ جس کی ظاہری آنکھ نہیں ہوتی' وہ صورتوں کے جمال کا کیا کرتا ہے- جسے سنائی نہیں دیتا' وہ موزوں نغمات کی لذت کا انکار کرتا ہے تو اسی طرح لازمی امر ہے کہ بلاشبہ وہ ان لذتوں کا انکار کرے گا' جن لذتوں کو دل کے بغیر سمجھ نہیں سکتے-

دعا کرنا خلاف رضا نہیں :- واضح ہو کہ دعا مانگنے کی وجہ سے دعا مانگنے والا مقام رضا سے خارج ہرگز نہیں ہوتا- یونہی گناہوں کو برا سمجھنا اور مجرموں سے ناراض رہنا' گناہوں کے اسباب کو برا جاننا اور اسی طرح انہیں دور کرنے میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بجا لانا بھی رضا کے خلاف نہیں ہے-

ازالہ وہم :- اس سلسلے میں بعض لوگوں کو غلطی ہوئی ہے- وہ کہتے ہیں کہ گناہ' بدکاری اور کفر اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر سے ہیں تو پھر ایسے اعمال سے رضا چاہیے- اس قسم کا عقیدہ رکھنے والے تاویل نہیں جانتے- شرع شریف کے اسرار و رموز سے غافل ہیں حالانکہ دعا کو اللہ علائی نے ہی ہمارے لیے عبادت بنایا ہے' اس لیے بکثرت دعا مانگنا نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء کرام علیہم السلام کا اس بات پہ ثبوت کافی ہے- جیسا کہ ہم نے باب الدعا میں تحریر کیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم رضا کے مقامات سے بلند و بالا مقام پہ فائز تھے- دعا اگر خلاف رضا ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعا بکثرت کیوں مانگتے؟ اور اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کی تعریف یوں فرماتا ہے یدعوننا رغبا ورھبا (الانبیاء 90) ترجمہ کنزالایمان :- اور ہمیں پکارتے تھے امید اور خوف سے-

گناہوں کا انکار' گناہوں کو برا جاننا اور ان پہ راضی نہ ہونا بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے عبادت کا موجب بنایا ہے اور گناہوں پر راضی ہونے کی برائی بیان فرمائی ہے-

قرآن مجید:۔

1- ورضو بالحیوۃ الدنیا واطمانو بہا ترجمہ کنزالایمان :۔ اور دنیا کی زندگی پسند کر بیٹھے اور اس پر مطمئن ہو گئے۔

2- رضوا بان یکونوا مع الخوالف وطبع اللّٰہ علی قلوبھم (التوبہ 93) ترجمہ کنزالایمان :۔ انہیں پسند آیا کہ عورتوں کے ساتھ پیچھے بیٹھ رہیں اور اللہ نے ان کرے دلوں پر مہر کردی۔

احادیث:۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من شھد منکر افرضی بہ کانہ قد فعلہ "جو کسی برائی پے موجود تھا اور وہ اس سے راضی ہوا تو گویا اس نے وہ برائی خود کی۔"

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الدال علی الشر کفاعلہ "برائی بتانے والا بھی برائی کرنے والے جیسا ہے۔"

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ:۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آدمی بری بات سے غائب اور جدا رہتا ہے اور حالانکہ اس پر بھی اس بات کا اتنا ہی گناہ ہے، جتنا گناہ مجرم کو ہوتا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یہ کیسے ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ گناہ اس طرح ہے کہ وہ بری بات میں شامل تو نہیں ہوا مگر جب اسے اس بات کا پتہ چلا تو اس بات کی وجہ سے وہ راضی ہوا۔

حدیث شریف:۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی بندہ مشرق میں قتل کیا جائے اور دوسرا شخص مغرب میں اس کے قتل ہونے کی وجہ سے راضی ہوا تو وہ دوسرا شخص بھی اس کے قتل میں شامل ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے شر سے بچنے میں رغبت غبطہ کرنے کے لیے ارشاد فرمایا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ذیشان ہے وفی ذالک فلیتنافس المتنافسون (المطففین 26) ترجمہ کنزالایمان :۔ اور اس پر چاہئے کہ للچائیں للچانے والے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ لا حسد الا فی اثنتین رجل اتاہ اللّٰہ الحکمۃ فھو یثبھا فی الناس ویعلمھا ورجل اتاہ اللّٰہ ما لا تسلط علی ملکہ فی الحق (بخاری شریف) "نہیں ہے حسد مگر دو آدمیوں پر ان۔ میں سے ایک وہ ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ حکمت عطا فرمائے تو وہ اسے لوگوں میں پھیلائے اور لوگوں کو سکھائے اور دوسرا وہ شخص ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے مال دے اور وہ اسے راہ حق میں خرچ کرنے پر مسلط کر دے۔"

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ورجل اتاہ القرآن فھو یقوم بہ اناء اللیل والنہار فیقول الرجل "اور ایک وہ شخص ہے کہ اگر اسے اللہ تعالیٰ علم قرآن عطا فرما دے اور وہ دن رات اس کی خدمت کرے۔ پس کہے کوئی شخص کے لواتانی اللّٰہ ما اتی ھذا تفعلت مثل ما یفعل "اگر اللہ تعالیٰ مجھے اس جیسا علم عطا فرمائے تو میں بھی اس جیسا کام کروں گا۔

کفار و فجار سے بیزاری :- کافروں اور فاجروں سے دشمنی رکھنے اور ان پر انکار کرنے میں قرآن و حدیث کے دلائل بہت زیادہ ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے لا یتخذ المومنون الکافرین اولیاء من دون المومنین (آل عمران 28) ترجمہ کنزالایمان :- مسلمان کافروں کو اپنا دوست نہ بنالیں مسلمانوں کے سوا۔

یایها الذین امنوا لا تتخذوا الیهود والنصاریٰ اولیاء (المائدہ 51) ترجمہ کنزالایمان :- "اے ایمان والو یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔"

وکذالک نولی بعض الظالمین بعضا (الانعام 30) ترجمہ کنزالایمان :- اور یوں ہی ہم ظالموں میں ایک کو دوسرے پر مسلط کرتے ہیں۔

احادیث مبارکہ :- حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہر مومن سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ لیا ہے کہ ہر منافق سے دشمنی رکھے اور ہر منافق سے وعدہ لیا ہے کہ وہ ہر ایک مومن سے دشمنی رکھے۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا المرء مع من احب "انسان اس کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ محبت رکھے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا من احب قوما و والا ہم حشر معهم یوم القیامة "جو شخص جس قوم سے محبت کرے گا' وہ قیامت کے دن ان کے ساتھ ہی اٹھے گا۔ (طبرانی شریف)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اوثق عری الایمان الحب فی اللّٰہ والبغض فی اللّٰہ "محبت فی اللہ اور بغض فی اللہ ایمان کی مضبوط رسیوں میں سے ہے۔" اس مسئلہ کے بارے میں دلائل تو بہت سے ہیں۔ انہیں ہم نے محبت فی اللہ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے ابواب میں بیان کیا ہے۔ وہ اس جگہ دوبارہ بیان نہیں کریں گے۔

سوال :- قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ اللہ کی قضا پہ راضی ہونا چاہیے اور گناہ بھی تو قضاء اللہ کے بغیر نہیں ہوتے تو گناہوں کو برا جاننا اور گناہوں سے ناراضگی کا اظہار حقیقتاً قضاء اللہ کو برا سمجھنا ہے۔ ان دو ضدوں کا یکجا کرنا کیسا ہے یعنی رضا و کراہت یکجا کیسے ہو سکتی ہیں؟

جواب :- جو لوگ ضعیف اور علوم کے اسرار سے واقفیت نہیں رکھتے ہیں' حقیقتاً یہ امر ان پر مشتبہ ہو جاتا ہے۔ بعض لوگوں کو یہ شبہ پڑا تو اس شبہ کی بنا پر وہ منکرات پہ خاموشی اختیار کرنے کو مقام رضا سمجھے اور اسی کا نام ہی حسن خلق رکھ دیا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ تو محض جہالت ہے کہ جب رضا اور کراہت ایک چیز پہ ایک ہی حیثیت سے وارد ہوں تو پھر یہ ایک دوسرے کی ضد ہیں لیکن اگر کراہت ایک حیثیت سے ہو اور رضا کسی دوسری وجہ سے ہو تو پھر یہ کب ضد ہیں۔ (جیسا کہ قاعدہ ہے کہ حیثیت کی تبدیلی سے احکام بدلتے ہیں)

مثال :- تمہارا اگر کوئی دشمن مرجائے اور وہ تمہارے کسی دشمن کا بھی جانی دشمن ہو اور وہ اس کے قتل کرنے کی

کوشش میں ہو تو یہ بات بالکل واضح ہے کہ اس کا مرنا تمہیں اس وجہ سے برا محسوس ہو گا کہ وہ بھی تمہارے دشمن کی فکر میں رہتا تھا اور اس کا مرنا اس لیے بھی اچھا بھی لگے گا کہ تمہارا ایک دشمن تو کم ہوا' یونہی معصیت و گناہ کے بھی دو رخ ہیں۔

1- ایک رخ اللہ تعالیٰ کی طرف ہے کہ وہ بھی اس کے فعل' اختیار اور ارادہ سے ظاہر ہوئے۔ اس وجہ سے تو معصیت و گناہ پہ رضا چاہیے کہ جو چیز جس کی ہے' وہ اسے جیسے چاہے' اسی طرح کرے۔

2- اس کا دوسرا رخ بندے کی طرف ہے۔ یہ بندے کے کسب سے سرزد ہوئے اور بندے کی صفت کہلاتی ہے اور اس کے لیے نشانی اس بات کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل نفرت اور بغض ہو گیا۔ اسی بنا پر اس کے بندے پر دوری خفگی کے اسباب غالب کر دیئے۔ پس معصیت اسی نقطہ نظر سے مذموم ہے۔ یہ بات چونکہ مثال کے بغیر سمجھی نہیں جا سکتی' اس لیے اس کی مثال کے لیے ہم ایک محبوب مخلوق میں سے ہی فرض کر لیتے ہیں کہ کسی محبوب نے اپنے محبوبوں کے سامنے یہ بات کہی کہ میرا یہ ارادہ ہے کہ اپنے محبوبوں اور دشمنوں میں امتیاز پیدا کریں۔ اس سلسلے میں ایک کچی آزمائش متعین کریں یعنی پہلے فلاں محب کی طرف قصد کرتے ہیں۔ اتنا ستائیں اور ماریں کہ وہ مجھے گالیاں دینے کی خاطر بے بس ہو جائے۔ پس جب وہ گالیاں بکنے لگے تو ہم بھی اس سے بغض کریں گے اور اسے اپنا دشمن سمجھیں گے' پھر وہ جنہیں محبوب سمجھے گا' ہمیں پتہ چل جائے گا کہ وہ ہمارا دشمن ہے۔ وہ جس سے دشمنی رکھے گا' اس کی محبت و صدق کے حال کا پتہ چل جائے گا۔ پھر اس محب نے جس طرح کہا' اسی طرح کیا۔ اس کا مقصد پورا ہوا یعنی جسے مارا اور ستایا' اس نے گالیوں سے نوازا۔ یہی سبب بغض کا ثابت ہوا۔ اس طرح بغض بھی ہو گیا جو کہ دشمنی کا سبب بنا۔ اس صورت میں جو شخص سچا عاشق اور محبت کی شرلیس جانتا ہے' اسے چاہیے کہ محبوب سے اس طرح کہے کہ اے میری جان! تو نے جو طریقہ اس شخص کو تکلیف دینے' مارنے' نکالنے اور بغض و عداوت کے لیے مستعد کرنے کا اختیار کیا۔ مجھے یہ سب کچھ ہی پسند ہے' اس لیے میں اس سے راضی ہوں کیونکہ وہ تجویز و تدبیر بھی تیری ہے اور فعل و ارادہ بھی تیرا ہی ہے مگر اس کے باوجود جو گالی اس شخص نے تجھے دی ہے تو اس شخص کا تجھے گالی دینا اس کی طرف سے زیادتی ہے کیونکہ اس کے لائق تو یہ تھا کہ وہ پھر بھی صبر کرتا اور تجھے گالی نہ بکتا مگر اس کی ضرب سے تیری مراد ہی یہی ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح منہ سے گالی نکالے جو کہ غصے کا سبب بنے تو اس جہت سے یہ کام اس شخص کا وصف اور کام ہے۔ اس کا گالی دینا اس کی زیادتی اور گستاخی ہے کیونکہ ایسے خوبصورت محبوب کا اس نے مقابلہ کیا حالانکہ تیرے جمال کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ تیری مار کو بھی برداشت کر جاتا اور گالی نہ بکتا۔ بہرحال میں اس کی اس زیادتی کو برا جانتا ہوں اور اس کی گالیوں کی وجہ سے تو جو اسے دشمن سمجھتا ہے تو میں تیرے اس کام پر بھی راضی ہوں اور اسے پسند کرتا ہوں کیونکہ یہ تیری مراد ہے اور میں تیری موافقت میں اس سے عداوت بھی رکھتا ہوں۔

شرط محبت :- محبت کی شرط یہ ہے کہ محبوب کے دوست کا دوست اور اس کے دشمن کا دشمن ہو اور وہ تجھ سے دشمنی اس لیے رکھتا ہے کہ اس پر تو نے بیگی کا بغض غالب کر دیئے اور اسے اپنے سے دور کرنے کا ارادہ کیا۔ میں اس پر بھی راضی ہوں' اس لیے کہ وہ بغض و عناد اس شخص کا وصف' کسب اور کام ہے' اسے برا جانتا ہوں۔ مختصر یہ کہ ان کاموں میں سے ہر ایک معاملے کو محبوب کی طرف منسوب کرنے سے اچھا جانتا ہوں جبکہ مجرم کی طرف نسبت کرنے سے برا جانتا ہے۔

ضد :- ضد اس میں ہے کہ اس طرح کہے کہ اس نظر سے راضی بھی ہوں کہ یہ تیری مراد ہے اور اسے برا اس لیے جانتا ہوں کہ یہ تیرا مقصود ہے۔ جب اسے مکروہ اس لیے جانا کہ وہ کام محبوب کے سوا کسی دوسرے کا کسب' وصف اور فعل ہے۔ محبوب کی مراد ہونے کی وجہ سے نہیں تو کسی طرح کی خرابی اس میں بالکل نہیں ہے اور اس طرح ممکن ہے کہ ایک آدمی ایک چیز کو ایک وجہ سے تو برا جانے جبکہ اس چیز سے کسی دوسری وجہ کی بنا پر راضی بھی ہو۔ یہ ممکن ہے' اس کی ان گنت مثالیں ہیں۔

فائدہ :- اب ہم حقیقی مطلب کی طرف متوجہ ہونا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب بندے پر شہوتوں کے لوازمات مسلط فرمائے۔ یہاں تک کہ وہ گناہ سے پیار کرنے لگے۔ پیار و محبت کے بارے گناہوں میں مبتلا ہوا تو یہ اسی طرح ہی ہے۔ جیسا کہ مثال درج بالا میں محبوب نے اپنے محب کو اتنا مارا کہ اس مار کی وجہ سے اسے غصہ آگیا اور اس غصے کی وجہ سے اس نے گالیاں بکیں اور اللہ تعالیٰ جو نافرمان سے ناراض ہوتا ہے تو گو اللہ تعالیٰ کی تدبیر کی وجہ سے ہی اس کی خطا سرزد ہوتی ہے مگر اس کی خطا ایسی ہے جیسے محبوب اپنے گالی بکنے والے سے بغض کرے۔ حالانکہ اس نے یہ گالیاں محبوب کی تدبیر کی وجہ سے دیں' نہ محبوب اس قسم کے اسباب اپناتا اور نہ وہ گالیاں بکتا اور اللہ تعالیٰ جو اپنے ہر بندے کے ساتھ یہی کچھ کرتا ہے یعنی اس پہ دواعی معصیت کو مسلط فرما دیتا ہے تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس کی مرضی اس کے بندے کو دور کرنے اور اس پہ ناراضگی کرنے کے لیے پہلے ہی ہو چکی ہے۔ پس جو بندہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتا ہے۔ اس پہ لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ جس سے بغض رکھتا ہے' وہ بھی اس سے بغض رکھے۔ اللہ تعالیٰ جس پر غصے ہوتا ہو اور جسے اپنی بارگاہ سے دور کرے' اس سے وہ بندہ محب بھی عداوت کرے۔ گو وہ مجرم اللہ تعالیٰ کی قدرت و قہر ہی کی وجہ سے مخالفت اور دشمن زبردستی ہوا ہے لیکن اس کے باوجود وہ پھر بھی ملعون و مردود بارگاہ حق تو ہے' اس لیے اس محبوب کے جتنے بھی محب ہیں' ان سب کی نظروں میں اس کا مبغوض ہونا لازم ہے۔ محبوب کی موافقت حاصل کی جائے کیونکہ جس پر اس نے اپنا قہر و غضب ظاہر فرما دیا۔ وہ بارگاہ حق سے دور کر دیا گیا۔ اس پر محب کو بھی اپنا غضب ظاہر کرنا چاہیے۔ اس تقریر کے متعلق جتنا بھی روایات و اخبار ہیں' ان روایات کو بغض فی اللہ اور حب فی اللہ' کافروں پہ سختی کرنا' ان سے سخت رہنا اور ناراضگی کے باب میں تاکید کا ذکر

ہے۔ باوجودیکہ اللہ تعالیٰ کی قضا پہ راضی رہنے کے صحیح ہو جاتے ہیں یعنی ان میں رضا سے یہی مقصد ہوتا ہے کہ اس اعتبار سے رضا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف وہ کام منسوب ہیں اور یہ تمام باتیں استمداد تقدیر کے معاملے چاہتی ہیں جسے ظاہر کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔

تقدیر:۔ وہ راز ہے کہ خیر اور شر دونوں ہی مشیت و ارادہ میں داخل ہیں۔ پھر بھی مردود و مکروہ ہے جبکہ خیر مطلوب اور پسندیدہ۔ پس جو شخص یہ کہے کہ شر اللہ کی طرف نہیں ہے' وہ بھی جاہل ہے یونہی جو شخص یہ کہے کہ خیر اور شر دونوں ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور ان دونوں میں فرق رضا اور کراہت کا بھی نہیں ہے تو ایسا شخص بھی غلطی پر ہے اور اسے تفصیلاً بیان کرنے کی اجازت نہیں ہے' لہٰذا اس مسئلہ میں اس سے زیادہ بیان کرنے میں سکوت اولیٰ ہے اور مناسب بھی یہی ہے کہ جیسے شرع شریف حکم دے' وہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔

حدیث شریف:۔ نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہی کہ القدر سر اللہ فلا تفشوہ "تقدیر اللہ تعالیٰ کا راز ہے' اسے ظاہر نہ کرو۔"

اس سے واضح ہو گیا کہ یہ علم مکاشفہ کے متعلق ہے۔ یہاں قضاء اللہ پر راضی ہونا اور گناہوں کو برا سمجھنا کا بیان کرنا ہمارا مقصود ہے۔ اس کے باوجود کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی قضا سے ہی ہیں اور ایک ساتھ ممکن ہے اور یہ سب کچھ اچھی طرح بیان کر دیا ہے۔

رضا و کراہت کا اجتماع:۔ رضا اور کراہت جمع ہو سکتی ہیں۔ راز تقدیر کے اظہار کی بھی ضرورت نہیں ہوئی اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ گناہوں سے بچنے اور ان کی بخشش اور عفو کے لیے دعا مانگنا یا اس کے علاوہ دوسرے اسباب جو دین پر مددگار ہوں' ان کی درخواست کرنا۔ اللہ تعالیٰ کی قضا پہ رضا کے خلاف نہیں ہے' اس لیے کہ بندوں کے لیے جو دعا کو مقرر فرمایا ہے تو اس بنا پر کہ دعا کی وجہ سے ان سے ذکر صاف نکلے اور دل میں تسکین پیدا ہو اور دل میں نرمی پیدا ہو اور تضرع آئے۔ جس کی وجہ سے دل کی صفائی ہو' کشف کا موجب اور مسلسل لطف کی افزونیوں کا سبب بن جائے۔ جس طرح کہ آبخورے کا اٹھانا اور پانی کا پینا اللہ تعالیٰ کی قضا پہ راضی ہونے کے خلاف نہیں ہے۔ یونہی پانی کی تلاش کرنا اور پینا پیاس دور کرنے کے لیے خواہ دوسرے سبب کا مباشر ہونا جسے اسباب کے پیدا کرنے والے نے کسی دوسری شے کے لیے تخلیق کیا ہے' یہ رضا کے خلاف نہیں ہے۔ اسی طرح ہی دعا بھی ایک سبب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مفتاح اور قلب کی جلاء کا موجب وغیرہ بنایا ہے اور اس کے لیے حکم فرمایا ہے۔ اس لیے دعا کرنا رضا کے خلاف کس طرح ہو گا۔ ہم پہلے تحریر کر آئے ہیں کہ علات العیہ کے موافق اسباب پہ تمسک کرنا توکل کے خلاف نہیں۔ اس کا بیان ہم باب التوکل میں تفصیلاً تحریر کر چکے ہیں۔ یونہی رضا کے بھی خلاف نہیں کیونکہ مقام رضا متصل توکل ہے۔

ہاں البتہ شکایت کے طور پر مصیبت کو ظاہر کرنا اور اسے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے برا جاننا خلاف رضا ضرور ہے مگر شکر کے طور پر مصیبت کا ظاہر کرنا اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کے انکشاف کے طور پر خلاف رضا نہیں۔

شکایت کے طور پر کسی چیز کو برا کہنا:۔ بعض اکابرین کا ارشاد فرماتے ہیں کہ قضاء اللہ رضا کی خوبی میں شامل ہے کہ گرمیوں میں شکایت کے طور پر اس طرح نہ کہے کہ آج دن بہت گرم ہے مگر سردیوں میں یہی کہنا شکر میں داخل ہے۔ بہرحال شکایت رضا کے خلاف ہے۔ اسی طرح غذا کو برا کہنا اور غذا میں عیب نکالنا بھی خلاف رضا ہے کہ کسی چیز کی مذمت اس کے بنانے والے کی ہی ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ہیں۔ اگر کوئی اس طرح کہے کہ فقیری بلا و محنت ہے۔ عیال رنج و مشقت ہیں' پیشہ وری اندوہ و کلفت ہے۔ تو یہ قول بھی مقام رضا میں خلل پیدا کرتا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تدبیر اور مملکت کو تدبیر کرنے والے اور مالک کے سپرد کر دینا چاہیے اور وہ قول کہنا چاہیے جو کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں اس بات کی پروا بالکل نہیں کرتا کہ میں فقیر ہو جاؤں یا توانگر' اس لیے کہ میں نہیں جانتا کہ میرے حق میں ان دونوں میں سے کون سی چیز بہتر ہے۔

مراکز گناہ سے فرار:۔ بیوقوف انسان یہ خیال کبھی بھی نہیں کرتا کہ نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو طاعون والے شہر سے نکلنے سے روکا ہے۔ اس شہر میں سے نکلنے سے آپ کا روکنا اس بات کی دلیل ہے کہ گناہ جس شہر میں ظاہر ہو' اس شہر سے بھی نہیں نکلنا چاہیے۔ اس لیے کہ ان دونوں حالتوں میں قضاء اللہ سے بھاگنے کے زمرے میں آتا ہے اور یہ بات ہرگز نہیں کہ منع کرنے کی علت طاعون کے ظاہر ہونے کے بعد یہ ہے کہ اگر یہ باب مفتوح ہو تو تندرست لوگ تو شہر سے باہر نکل جائیں گے اور تمام مریض وہاں رہ جائیں گے۔ ان کی خبرگیری کرنے والا کوئی بھی نہ ہوگا۔ وہ مریض کمزوری اور مرض کی وجہ سے تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ اسی لیے نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقام سے بھاگنے کو صف قتال سے بھاگنے سے مشابہت دی تھی اور یہ بھی اگر اسی حیثیت سے ہوتی کہ یہ تو قضا سے بھاگنے کی ایک صورت ہے تو جو شخص وباء کے شہر کے نزدیک پہنچ جاتا ہے' اسے وہاں سے واپس چلے جانے کی اجازت کیوں عطا فرماتے اور اس کی تفصیل توکل کے باب میں ہم نے تحریر کی ہے اور نہی کی علت جب معلوم ہو گئی تو اس سے ظاہر ہوا کہ جن شہروں میں گناہ ظاہر ہو جائیں تو وہاں سے بھاگنا قضا سے بھاگنے میں داخل نہیں ہے بلکہ اس معاملے میں حقیقت یہ ہے کہ جس شے سے بھاگنا ہے' اس شے سے دور بھاگ جانا اللہ تعالیٰ کے حکم میں داخل ہے۔ یونہی ان موضعوں کی برائی جو کہ گناہوں پر کریں اور ان اسباب کی برائی جو کہ گناہ کا سبب ہوں' لوگوں کو ان سے بچانے کے لیے بیان کرنا برا نہیں ہے۔ سلف صالحین میں سے اکثر اس بات کے عادی رہے ہیں۔ یہاں تک کہ بغداد شریف کی برائی پر ایک جماعت سلف صالحین نے اتفاق کیا اور ہر ایک سے ظاہر کرتے تھے اور وہاں سے بھاگنے کی کوشش میں رہتے تھے۔

اقوال سلف صالحین:۔ حضرت ابن مبارک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں مشرق و مغرب میں پھرا ہوں مگر شہر بغداد سے برا میں نے کوئی شہر نہیں دیکھا۔ لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ یا حضرت وہ کیسا شہر ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس شہر میں اللہ تعالیٰ کی نعمت کی حقارت ہوتی ہے اور اس کی نافرمانی کو وہاں کے رہنے والے معمولی بات سمجھتے ہیں اور جب آپ خراسان میں تشریف لائے تو لوگوں نے آپ سے شہر بغداد کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا' میں نے اس شہر میں تین قسم کے لوگ دیکھے ہیں۔ (1) وہاں کے سپاہی غضبناک۔ (2) سوداگر حسرت کرنے والے۔ (3) حیرت زدہ قاری اور یہ گمان نہیں کرنا چاہیے کہ یہ قول ان کی غیبت ہے کیونکہ آپ نے کسی مقرر و معین شخص کا نام نہیں لیا کہ اسے اس سے تکلیف ہو اور نہ ہی کسی بغدادی کو اس سلسلے میں ہدف بنایا بلکہ اس کے بیان کرنے سے آپ کا ارادہ لوگوں کو ڈرانا تھا اور آپ جب مکہ مکرمہ میں تشریف لے جاتے تو بغداد میں صرف اتنا وقت ٹھہرتے کہ قافلہ سولہ دن کے اندر اندر تیار ہو جاتا۔ آپ سولہ دن رکنے کے بدلے سولہ دینار صدقہ خیرات کر دیتے تھے یعنی ایک دن ٹھہرنے کے بدلے ایک دینار خیرات کر دیتے تھے۔

عراق کو برا کہنا:۔ بعض لوگ عراق کو برا کہا کرتے تھے۔ جیسے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ عراق کو برا کہتے تھے۔

1۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ایک غلام سے دریافت فرمایا کہ تو کہاں رہتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ عراق میں۔ فرمایا کہ وہاں تیرا کیا کام ہے؟ میں نے اس طرح سنا ہے کہ عراق میں جو شخص رہتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کے پیچھے کوئی بلا لگا دیتا ہے۔

2۔ حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دن عراق کا ذکر کیا تو فرمایا اس (عراق) میں دس حصوں کے نو حصوں میں برائی ہے اور اس میں لاعلاج درد ہے۔

3۔ کسی بزرگ کا یہ قول ہے کہ خیر کے دس حصے ہیں۔ اس میں سے نو حصے شام میں ہیں جبکہ صرف ایک حصہ عراق میں ہے۔

حکایت:۔ بعض محدثین ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم حضرت فضیل بن عیاض رحمتہ اللہ علیہ کے پاس حاضر تھے۔ اتنے میں ایک صوفی عبا پہنے ہوئے آیا۔ اسے آپ نے اپنے برابر بٹھلیا۔ پھر اس کی طرف توجہ فرما کر ارشاد فرمایا' تمہارا مکان کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ بغداد میں۔ آپ نے سن کر اس کی طرف سے منہ پھیر لیا اور ارشاد فرمایا کہ بعض لوگ ہمارے پاس لباس تو راہبوں جیسا پہن کر آتے ہیں اور جب ہم ان سے دریافت کرتے ہیں کہ تم کہاں رہتے ہو تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم ظالموں کے گھونسلے میں رہتے ہیں۔

بشر بن الحارث کا فرمان:۔ حضرت بشر بن الحارث رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جو عابد بغداد میں رہتا ہو' وہ ایسا ہے کہ وہ پاخانے میں رہے اور فرماتے ہیں کہ جو لوگ بغداد میں رہتے ہو' وہ میری اقتداء نہ کریں اور جس کا دل باہر

جانے کا ہو تو وہ یہاں سے چلا جائے۔

حضرت احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کا فرمان:۔ حضرت احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر ہم سے ان بچوں کا تعلق نہ ہوتا تو اس شہر بغداد میں ہم نہ رہتے۔ آپ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ پھر آپ کہاں رہتے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ پہاڑ کی گھاٹیوں میں۔ آپ سے کسی نے بغداد شریف کے باسیوں کا حال پوچھا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہاں کا رہنے والا زاہد پکا زاہد ہے اور شرارتی پکا شرارتی ہے۔

خلاصہ کلام:۔ ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے شہر میں جو شخص پھنس جائے جن میں گناہوں کی بہتات ہو اور بھلائی (نیکی) کی کمی ہو تو اسے وہاں ٹھہرنے کے سلسلے میں کوئی عذر نہیں کرنا چاہیے بلکہ وہاں سے ہجرت کرنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ الم نکن ارضی اللہ واسعۃ فتھاجروا فیھا (النساء 97) ترجمہ کنز الایمان:۔ کیا اللہ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے

فائدہ:۔ اگر اسے ہجرت کا مانع اسے کے عیال وغیرہ ہو تو پھر وہاں کے رہنے پہ راضی نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہی اس جگہ کی طرف قلبی اطمینان کرنا چاہیے۔ ہمیشہ یہ دعا بیدل ہو کر طلب کرتا رہے۔ ربنا اخرجنا من ھذا القریۃ الظالم اھلھا

اس دعا مانگتے رہنے کی وجہ یہ ہے کہ جب ظالم زیادہ ہو جاتے ہیں تو پھر مصیبت آجاتی ہے جو کہ سبھی کو تباہ و برباد کر دیتی ہے۔ گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے۔ مطیع و فرمانبردار بندے بھی مارے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ واتقوا فتنۃ لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصۃ (الانفال 25) ترجمہ کنز الایمان:۔ اور اس فتنہ سے ڈرتے رہو جو ہرگز تم میں خاص ظالموں کو ہی نہ پہنچے گا۔

خلاصہ:۔ کسی امر میں بھی چیز دین کے نقص سے مطلق رضا نہیں، صرف اس حیثیت سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فعل سے منسوب ہے اور خود ان سے رضا کی کسی بھی حال میں کوئی وجہ بھی نہیں ہے اور اگر تین مقام کے تین اشخاص ہوں۔

1۔ ایک شخص تو اس درجے کا ہو کہ موت کو بھی محبوب اللہ تعالیٰ کے دیدار کے لیے ہی جانتا ہو۔
2۔ دوسرا شخص اپنے مولیٰ کی خدمت کی خاطر بہتر سمجھتا ہو۔
3۔ تیسرا شخص یہ کہتا ہو کہ میں تو اسے پسند ہرگز نہیں کرتا مگر ہاں یہ کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ میرے حق میں پسند فرمائے، میں اس پر راضی ہوں۔

تو ان تینوں کی افضلیت کے بارے میں علمائے کرام کا اختلاف ہے۔ ان تین اشخاص میں سے افضل کونسا شخص ہے اور یہی مسئلہ کسی عارف سے دریافت کیا گیا تو اس عارف نے ارشاد فرمایا کہ رضا والا شخص افضل ہے کیونکہ ان تمام میں سے فضول میں رضا والا ہی کمتر ہے۔

حکایت :۔ ایک دن حضرت وہب رحمتہ اللہ علیہ بن الورد' حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ اور حضرت یوسف بن بساط رحمتہ اللہ علیہ اکٹھے ہوئے۔ حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے آج سے قبل اچانک موت بری معلوم ہوتی تھی مگر آج میں چاہتا ہوں کہ میں مر جاؤں۔ حضرت یوسف بن بساط رحمتہ اللہ علیہ نے ان سے وجہ پوچھی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں فتنے سے ڈرتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا کہ مجھے تو زندہ رہنا برا معلوم نہیں ہوتا۔ حضرت سفیان رحمتہ اللہ علیہ نے پوچھا' کیوں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ اس توقع کی بنا پر کہ شاید کوئی دن مجھے ایسا بھی مل جائے جس دن مجھے توبہ نصیب ہو جائے اور نیک عمل کروں۔ پھر حضرت وہب سے دریافت کیا کہ اس مسئلہ کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ میں تو کچھ بھی پسند نہیں کرتا کیونکہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے' وہ کچھ مجھے بھی محبوب ہے۔ وہ زندہ رکھے یا وفات دے۔ حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ نے ان کی پیشانی مبارک پر بوسہ دیا اور ارشاد فرمایا کہ بخدا ایک روحانی آدمی ہیں۔

حکایات عشاق حق :۔

1۔ بعض عارفین سے کسی نے دریافت کیا کہ کیا آپ محب حق ہیں؟ فرمایا کہ میں محب نہیں ہوں بلکہ میں تو محبوب ہوں۔ محب تو مشقت اٹھانے والا ہوتا ہے۔

2۔ عارفین سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے بارے میں لوگ کہتے ہیں کہ تم سات میں سے ایک ہو تو انہوں نے فرمایا' میں تو پورا سات ہوں اور یہ بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ جب تم نے مجھے دیکھ لیا تو تم چالیس کے دیکھنے کے برابر ہو۔ انہوں نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ چالیس ابدال کو میں نے دیکھا ہے اور ہر ایک ابدال میں سے ایک اخلاق میں نے حاصل کیا۔

3۔ ان سے کسی نے پوچھا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کیا کرتے ہیں تو آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ جو شخص خضر علیہ السلام کو دیکھے تو اس سے تعجب والی بات کیا ہے بلکہ حیران کن بات تو اس شخص سے ہے کہ اسے حضرت خضر علیہ السلام دیکھنا چاہیں مگر وہ چھپ جائے۔

4۔ حضرت خضر نے فرمایا کہ جب بھی کسی دن میرے دل میں یہ خطرہ پیدا ہوا کہ اب کوئی بھی ولی اللہ ایسا نہیں رہا جسے میں نے نہ دیکھا ہو' اسی دن ایسا ولی اللہ مجھے ملا ہے کہ اسے میں پہلے نہ جانتا تھا۔

5۔ حضرت ابو یزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ سے کسی نے ایک بار عرض کیا جو آپ کو اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ ہوتا ہے' ہم سے اس کا حال ارشاد فرمایئے تو آپ نے چیخ ماری اور ارشاد فرمایا کہ تم اس لائق نہیں ہو کہ تم اسے جان سکو۔ پھر لوگوں نے عرض کیا' اللہ تعالیٰ کے بارے میں آپ نے جو مجاہدہ اپنے نفس پہ سخت سے سخت کیا ہو' وہ تو بیان کر دیجئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ بھی تمہیں بتانا جائز نہیں ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ پھر آپ صرف وہی ریاضت بیان کر دیجئے جو شروع طریقت میں جو کچھ اپنے نفس کی ریاضت کیا کرتے تھے۔

آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں' اس طرح کہ میں نے اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا۔ اس بلانے پر میرے نفس نے سرکشی کی تو پھر میں نے اپنے نفس کو قسم دے دی کہ (یہ بات ہے تو پھر) میں ایک سال تک پانی نہیں پیوں گا اور نہ ہی نیند کا مزہ چکھوں گا۔ پس میرے نفس نے اسے پورا کر دیا۔

6۔ حضرت یحییٰ بن معاذ رحمتہ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابو یزید رحمتہ اللہ علیہ کو بعد نماز عشاء ان کے بعض مشاہدات میں دیکھا ہے کہ صبح صادق کے وقت تک آپ اس حالت میں بیٹھے ہیں کہ گھٹنے زمین پر رکھے' تلوے پنجوں کے بل' زمین سے ایڑیاں اٹھائے ہوئے' سینے سے ٹھوڑی لگائے ہوئے دونوں آنکھیں کھلی ہوئی' آنکھیں تھوڑی دیر کے لیے بھی جھپکتیں تھیں۔ جب صبح صادق قریب ہوئی تو آپ نے ایک سجدہ کیا۔ اس کے بعد آپ بیٹھ گئے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں عرض کیا کہ مولا کریم! تجھ سے کچھ لوگوں نے مانگا تو انہیں تو نے پانی پہ اور ہوا میں چلنا عطا فرما دیا۔ وہ لوگ اسی پر راضی ہو گئے اور میں تجھ سے ان امور کے طلب کرنے سے پناہ مانگتا ہوں۔ بعض لوگوں نے تجھ سے دعا مانگی تو تو نے انہیں طی الارض مرحمت فرما دیا اور وہ اس پہ ہی راضی ہو گئے اور یااللہ میں اس بارے میں بھی تجھ سے پناہ طلب کرتا ہوں۔ یااللہ ایک قوم کے سوال کرنے پر تو نے انہیں زمین کے خزانے عطا فرما دیئے۔ اس عطا پر وہ خوش ہو گئے مگر میں تجھ سے اس بارے میں بھی پناہ مانگتا ہوں۔ یہاں تک کہ آپ اپنی دعا میں بیس سے بھی کچھ اوپر مقام کرامات اولیاء کے شمار کیے۔ پھر جب میری طرف توجہ فرمائی اور دیکھا کہ یحییٰ ہے' اس وقت فقیر نے عرض کیا کہ خادم پھر حاضر ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تو یہاں کس وقت سے بیٹھا ہوا ہے تو میں نے عرض کیا کہ میں تو بڑی دیر سے حاضر ہوں۔ آپ نے خاموشی اختیار فرمائی۔ میں نے عرض کیا کہ کچھ حال مجھ سے بھی بیان فرمایئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو کچھ تیرے حال کے مناسب ہے' وہ تیرے سامنے کہتا ہوں' وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے فلک اسفل میں داخل کیا اور ملکوت سفلی میں مجھے پھرایا اور جو کچھ بھی جنت سے لے کر عرش تک تھا' تمام اشیاء مجھے دکھائیں۔ پھر اپنے سامنے کھڑا کرا کر مجھے ارشاد فرمایا جو چیزیں تم نے دیکھی ہیں' ان چیزوں میں سے جو کچھ بھی تو مجھ سے طلب کرے' میں تجھے وہی کچھ عطا فرماؤں گا۔ میں نے عرض کیا کہ یااللہ میں نے تو ایسی کوئی چیز بھی نہیں دیکھی جسے میں اچھا جانتا ہوں اور تجھ سے طلب کروں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ تو میرا سچا بندہ ہے تو میرے لیے ہی عبادت کرتا ہے۔ میں تیرے ساتھ یہ کروں گا' اسی طرح بہت سی باتیں فرمائیں۔ یحییٰ بن معاذ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس بات سے گھبراہٹ محسوس ہوئی اور اس سے جی بھر گیا اور حیرانگی کا اظہار کیا اور عرض کی کہ حضور آپ نے اللہ تعالیٰ سے اس کی معرفت کے بارے میں سوال کیوں نہ فرمایا۔ آپ کو تو اس شہنشاہ کا حکم تھا کہ مانگ کیا مانگتا ہے۔ حضرت ابو یزید رحمتہ اللہ علیہ نے ایک چیخ ماری اور ارشاد فرمایا کہ چپ رہو' مجھے اپنے نفس سے اللہ تعالیٰ پر غیرت آئی کہ اسے اس کے سوا کوئی نہ پہچانے۔ مجھے اس کی معرفت کسی غیر کو اچھی نہیں معلوم ہوتی۔

حکایت :- حضرت ابو تراب بخشی رحمتہ اللہ علیہ کسی مرید پر فخر کیا کرتے تھے۔ اپنے پاس اسے جگہ عطا فرماتے۔ اس کی خدمت کرتے اور وہ عبادت میں مصروف رہتا۔ ایک دن اسے حضرت ابو تراب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اب تو حضرت ابو یزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کی ملازمت اختیار کر لے۔ اس مرید نے جواب دیا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ نے جب بہت اصرار کیا تو مرید نے جوش میں آ کر جواب دیا کہ میں ابو یزید کو کیا کروں جبکہ میں نے تو اللہ تعالیٰ کی زیارت کی ہے۔ اس نے مجھے ابو یزید کے دیکھنے سے بے پروا کر دیا ہے۔

حضرت ابو تراب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پھر تو میری بھی طبیعت بگڑ گئی' نفس بے قابو ہو گیا اور بول اٹھا کہ اللہ تعالیٰ کے دیکھنے پر مغرور ہو گیا ہے۔ اگر تو حضرت ابو یزید کی ایک بار زیارت کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی زیارت ستر بار کرنے سے تیرے حق میں زیادہ فائدہ مند ہوگی۔ وہ مرید پریشان ہو گیا۔ اس نے عرض کیا' یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟ حضرت ابو تراب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تو اللہ تعالیٰ کو اپنے پاس دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ تیرے اندازے کے موافق ظاہر ہوتا ہے اور حضرت ابویزید کو جب تو اللہ تعالیٰ کے پاس دیکھے گا تو اس کے لیے اس کے موافق ظہور ہو گا۔ اس قول مبارک کا راز اس نے معلوم کر لیا اور عرض کی کہ مجھے ان کے پاس لے چلیے۔ حضرت ابو تراب رحمتہ اللہ علیہ نے اس مقام پر ایک بڑا لمبا طویل واقعہ بیان فرمایا ہے۔ اس کے آخر میں تحریر فرمایا ہے کہ ہم ایک ٹیلے پر جا کر کھڑے ہو گئے۔ اس انتظار میں کہ حضرت ابو یزید اپنے عبادت گاہ والے جنگل سے باہر تشریف لائیں کیونکہ آپ ان دنوں درندوں کے جنگل میں رہتے تھے۔ اسی وقت حضرت ابو یزید اپنی کمر پہ ایک پوستین ڈالے ہوئے باہر تشریف لائے۔ اس جوان سے میں نے کہا کہ یہ ابو یزید ہیں۔ ان کی طرف دیکھو' وہ دیکھتے ہی بے ہوش ہو کر گر پڑا اور تڑپنے لگا۔ پھر جو ہم نے اسے تھوڑا سا ہلایا جلایا تو اسے مردہ پایا۔ ہم سب نے اسے مل کر دفن کیا اور میں نے حضرت ابو یزید سے عرض کیا' حضرت یہ شخص آپ کی طرف دیکھنے سے ہی مر گیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ بات نہیں ہے بلکہ یہ تیرا سچا مرید تھا۔ اس کے دل میں ایک پوشیدہ راز تھا۔ اس پہ اس پوشیدہ راز کا وصف ظاہر نہیں ہوا تھا۔ اس نے جب مجھے دیکھا تو فوراً اس کے دل کا راز منکشف ہو گیا۔ اس کی اسے تاب برداشت نہ ہوئی' اس لیے کہ اس وقت تک کمزور مریدوں میں سے تھا' اسی سے اسے بارا پڑا۔

حکایت :- بصرہ میں جب زنگی داخل ہوئے تو انہوں نے کشت و خون کیا' مال تباہ و برباد کیا۔ اس وقت حضرت سہل رحمتہ اللہ علیہ کے مرید آپ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ انہیں دفع کرے۔ آپ نے کچھ دیر خاموشی اختیار فرمائی' پھر ارشاد فرمایا کہ اس شہر میں کچھ اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے بھی ہیں کہ وہ اگر ظالموں پہ بددعا کر دیں تو صبح تک کوئی بھی ظالم زمین پر زندہ نہ رہے۔ ایک ہی رات میں تمام ظالموں کا خاتمہ ہو جائے مگر وہ اللہ کے بندے بددعا کرتے نہیں ہیں۔ تمام لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ کیوں (یعنی وہ کیوں نہیں بددعا کرتے؟) تو آپ نے ارشاد فرمایا ان کے بددعا نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ کو اچھی نہیں

لگتی' اسے وہ لوگ بھی اچھی نہیں سمجھتے۔ پھر قبولیت دعا کے بارے میں چند اشیاء کا ذکر فرمایا جن کا ذکر نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ وہ اگر اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں کہ وہ قیامت قائم نہ کرے تو اللہ تعالیٰ قیامت بھی قائم نہ کرے اور یہ باتیں بذات خود ہی ممکن ہیں۔ پس ان میں سے جسے کچھ بھی بہرہ نہ ہو' اسے چاہیے کہ وہ ان کی تصدیق کرے اور کم از کم ایمان سے خالی تو نہ ہو یعنی اتنی ہی تصدیق کرے کہ ممکن نہیں' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت بڑی وسیع' اس کا فضل و کرم عام' ملک و ملکوت کے عجائب بہت زیادہ ہیں۔ مقدرات حق تعالیٰ کی کوئی انتہاء نہیں۔ وہ جو اپنا فضل و کرم اپنے برگزیدہ بندوں پہ کرتا ہے' وہ بھی بے انتہاء ہے۔ اسی نوعیت سے حضرت ابو یزید فرمایا کرتے تھے کہ اگر تجھے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام جیسی روحانیت' حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسی خلعت عطا فرمادے تو پھر اس سے بھی زیادہ مانگو' اس لیے کہ اس کے پاس کوئی کمی نہیں۔ ان مراتب سے سینکڑوں گنا زیادہ اس کے پاس موجود ہیں۔ اگر تو کسی درجہ پر اطمینان کرے گا تو اسی درجہ سے تیرا حجاب کر دے گا اور یہ بلا (حجاب) صرف انہی لوگوں کی خاطر ہے جو ان جیسا حال رکھتا ہو' اس لیے کہ وہ لوگ بڑے درجے والے ہیں۔

حکایت :۔ بعض عارفین ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے مکاشفہ میں یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہوا میں چالیس حوریں دوڑتی ہیں۔ ان پہ لباس' زیور' سونے' چاندی اور جواہر کا چھن چھن بولتا اور ہمراہ ان کے پھرتا ہے۔ میں نے انہیں ایک نظر دیکھ لیا۔ اس کے بدلے میں چالیس دن کی مجھے سزا ملی۔ بعدازاں مجھے ایسی حوریں نظر آئیں کہ وہ پہلی حوروں سے بھی حسن و جمال کے لحاظ سے زیادہ حسین و جمیل تھیں۔ مجھے کہا گیا کہ ان کی طرف دیکھو تو میں نے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور سجدہ ریز ہو گیا اور عرض کیا۔ مولا کریم! تجھ سے میں تیرے سوا سے پناہ طلب کرتا ہوں۔ ان کی مجھے ضرورت نہیں ہے۔ میں یونہی روتا رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرے پاس سے انہیں ہٹا لیا۔ پس مومن کو چاہیے کہ ان جیسے مکاشفات کا انکار نہ کرے۔ اس بنا پر کہ ایسا اسے کیوں نہیں ہوتا۔ اگر یونہی ہو تو ہر کوئی وہی بات مانے جو اس کے تنگ و تاریک نفس کے مشاہدہ میں آجائے۔ اس طرح تو ایمان کی راہ بالکل ہی تنگ ہو جائے گی۔ یہ حالات ایسے ہرگز نہیں ہیں کہ جلد ظاہر ہو جائیں بلکہ یہ حالات تو بہت سی گھاٹیاں گزرتے اور مقامات کثیرہ حاصل ہو جانے کے بعد ظاہر ہوتے ہیں۔ ان مقامات میں ادنیٰ مقام ہے اخلاص کرنا اور نفسانی خطوط اور ملاحظہ خلق کو تمام ظاہری و باطنی اعمال سے نکال دینا چاہیے۔ اس کے بعد یہ امر لوگوں سے پوشیدہ رکھنا اور گوشہ تنہائی میں بیٹھ جانا یہ باتیں ان لوگوں کے سلوک کے ابتداء اور مقامات کے شروع کی ہیں۔ جو لوگوں میں سے بڑے متقی پرہیزگاروں میں بھی کمتر موجود ہیں۔ التفات کی کدورت سے دل کو صاف کرنے کے بعد اس پہ نور یقین کا فیض اترتا ہے اور حق تعالیٰ کے حق کی بنیادی باتیں ظاہر ہونے لگتی ہیں۔ تجربہ و سلوک طریق کے بغیر اس کا انکار کر دینا ایسا ہی ہے جیسا کہ لوہے میں صورت کا منکشف ہونا' گو وہ بھی جلا بھی کر دیا جائے۔ آئینہ کی صورت جیسا کر دیا جائے تو پھر بھی ممکن نہیں ہے۔ دراصل اس کے انکار کی وجہ محض یہی ہے کہ وہ اپنے ہاتھ کے لوہے کو دیکھتا ہے جس پہ زنگ اور میل چڑھا ہوا ہوتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ اس میں تو کوئی صورت بنتی ہی نہیں ہے' اس بنا پہ اس نے اس وقت کے

انکشاف کا بھی انکار کر دیا کہ جب اسے جلا کر جوہر نکالا جائے مگر انکار اس امر کا کہ بہت بڑا جہل اور گمراہی ہے اور یہی حکم اس شخص کا ہے جو اولیائے کرام کی کرامات کا منکر ہو' اس لیے کہ اس کے پاس اس کے علاوہ کوئی دلیل نہیں ہے جبکہ وہ خود اس کیفیت سے قاصر ہے اور اس نے جسے دیکھا' اسے بھی قاصر ہی پایا مگر یہ حقیقت ہے کہ منکرین کا انکار قدرت حق تعالیٰ کے مقابلے میں نہایت ہی برا عمل ہے۔ وہ شخص مکاشفہ کی خوشبو سونگھ سکتا ہے۔ جو کچھ نہ کچھ تو طریقت کے ابتدائی اصولوں پر عمل پیرا ہوا ہو۔ جب تک اسی راستے پر چلے گا ہی نہیں تو اس وقت تک وہ اسے کیا جان سکتا ہے کہ اس راہ میں کیا کیا ہوتا ہے۔

حکایت :- حضرت بشر رحمتہ اللہ علیہ سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ اس مقام پر کیسے پہنچے؟ آپ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے میں دعا مانگا کرتا تھا کہ میرا حال پوشیدہ رکھے' کسی پہ بھی ظاہر نہ فرمائے۔

حضرت بشر نے حضرت خضر علیہ السلام کو دیکھا اور ان سے عرض کیا کہ آپ میرے لیے دعا فرمائیں۔ حضرت خضر نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم پہ اپنی اطاعت آسان فرمائے۔ پھر عرض کیا' اس کے علاوہ کچھ اور بھی دعا فرمایئے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا' اللہ تعالیٰ اس اطاعت کو مخلوق سے چھپائے یا یہ کہ اس اطاعت کو خود تیری ذات سے ہی پوشیدہ رکھے کہ اس پر تو توجہ ہی نہ کرے۔

حکایت :- بعض اکابرین فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت کا بہت شوق ہوا۔ ایک دفعہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ یااللہ مجھے ان (حضرت خضر) کی زیارت کرا دے تاکہ وہ مجھے ایسی تعلیم فرمائیں جو میرے لیے سب سے زیادہ مہم ہو۔ اللہ تعالیٰ نے میری یہ دعا قبول فرمائی اور مجھے ان کی زیارت ہوئی۔ مجھے زیارت کے وقت اور کوئی بات نہ سوجھی۔ میں نے اس وقت صرف یہی عرض کیا کہ اے ابوالعباس! آپ مجھے کوئی ایسی بات تعلیم فرمایئے کہ جب میں اسے پڑھوں تو میں لوگوں کے دلوں سے محجوب ہو جاؤں۔ ان دلوں میں میری قدرت نہ رہے۔ میری نیک بختی و دیانت کو کوئی نہ جانے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ دعا پڑھا کرو۔ اللھم اسبل علی کثیف سترک وحط علئی سرادقات حجبک واجعلنی فی مکنون عیبک واحجبنی عن قلوب خلقک "یااللہ! مجھ پر اپنا گاڑھا پردہ ڈال دے اور مجھ پہ اپنے حجابات کے سراوقات اتار دے اور مجھے اپنے عیب مخفی میں کر دے اور اپنی مخلوق کے دلوں سے مجھے پوشیدہ کر دے۔"

یہ کہہ کر آپ غائب ہو گئے۔ پھر میں نے انہیں کبھی نہ دیکھا اور نہ ہی کبھی مشتاق ہوا مگر جو دعا انہوں نے مجھے سکھلائی تھی' میں اسے ہمیشہ پڑھتا رہا۔ بیان فرماتے ہیں کہ ان پہ اس دعا مبارکہ کی تاثیر یہ ہوئی کہ ذلت و توہین اور بے قدری اس مقام کو پہنچی کہ ذمی بھی ان سے مذاق کیا کرتے تھے اور آپ کو جبراً پکڑ کر اپنا سامان ان کے سر پہ رکھ دیتے اور چونکہ آپ کی وقعت ان کی نظروں میں نہیں تھی' اس لیے آپ برداشت کرتے۔ لڑکے علیحدہ انہیں تماشا بناتے۔ خلاصہ یہ کہ ان کے دل کا چین و درستی حالت ذلت و گمنامی میں بدلا۔

فائدہ:۔ یہ تھا اولیاء کا حال۔ ان کی تلاش اسی قسم کے لوگوں میں کی جائے۔ بعض لوگ انہیں (اولیاء اللہ کو) ایسے اشخاص میں ڈھونڈتے ہیں جو کہ پیوند لگی۔ گدڑیاں اور پرانے کپڑے پہنتے ہوں اور علم' ورع اور ریاست کی راہ سے خلق میں مشہور و معروف ہوں حالانکہ اللہ جل شانہ کی غیرت اپنے اولیائے کرام پہ اسی بات کی متقاضی ہے کہ انہیں پوشیدہ ہی رکھے۔

عظمت اولیاء:۔ حدیث قدسی شریف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ میرے اولیائے کرام میری قبا کے نیچے ہیں۔ میرے سوا انہیں کوئی بھی نہیں پہچانتا۔

حدیث شریف میں ہے کہ رب اشعث اغبر ذی طمرین لا یعبا له لو اقسم علی لابره "بہت سے غبار آلودہ پھٹے کپڑوں والے ایسے ہوتے ہیں کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کو قسم دیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم پوری فرما دے۔"

خلاصہ:۔ ایسے معانی سے زیادہ تر دوران ولوں کے مشام ہیں جو تکبر اور خود بینی کرتے ہیں اور اپنے علم و عمل سے اپنے لیے خوشخبری پاتے ہیں اور وہ دل نزدیک تر ہیں جو شکست ہیں اور اتنی ذلت اپنے نفسوں کی سمجھتے ہیں کہ اگر انہیں ذلیل و خوار کیا جائے تو پھر بھی انہیں ذلت و رسوائی معلوم ہوگی۔ جیسا کہ غلام کو ذلت محسوس بھی نہیں ہوتی جس وقت کہ اس کا آقا اس سے بلند مقام پر بیٹھتا ہے۔ پس یہ کیفیت جب ہو جائے کہ وہ ذلت کو محسوس بھی نہ کرے اور نہ ہی یہ پتہ چلے کہ میرا دھیان ذلت کی طرف ہے بلکہ اپنے خیال کے مطابق تو اس سے بھی کم رتبہ ہو کہ اپنے حق میں ذلت کی تمام قسموں کو ذلت سمجھے یعنی تمام ذلتوں سے کم ترین اپنے نفس کو جانے' یہاں تک کہ بالطبع تواضع اس ذات کی صفت بن جائے تو ایسے دل سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ ان خوشبویات کے ابتدائی اصولوں کی خوشبو سونگھے۔ پس ہم میں اگر ایسا دل نہ ہو اور ہم اگر ایسی روح سے محروم ہوں تو ہمیں ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہیے کہ جو لوگ ایسی نعمتوں کے اہل ہیں۔ ان کے لیے ان کرامات کے ممکن ہونے کا ایمان نہ رکھیں کیونکہ اگر بندہ سے یہ ممکن نہ ہو سکے کہ اللہ تعالیٰ کا ولی ہو تو بھلا اتنا تو ضرور ہی ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے ولیوں سے محبت رکھتا ہو اور ان پہ ایمان ہو شاید اسی سبب سے ہی ان کے گروہ میں حشر ہو۔ حدیث شریف میں ہے کہ المرء مع من احب "آدمی اس کے ساتھ ہے جس کے ساتھ محبت رکھے۔" یہ حدیث مشہور ہے۔

ذلت کے مفید ہونے کی دلیل:۔ ذلت و مسکینی کے مفید ہونے کی یہ دلیل ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے دریافت فرمایا کہ کھیتی کہاں اگتی ہے؟ لوگوں نے عرض کی کہ مٹی میں۔ آپ نے ارشاد فرمایا تو میں بھی تم سے سچ کہتا ہوں کہ اسی دل میں حکمت اگتی ہے جو دل مٹی جیسا ہو۔

فائدہ:۔ طالبان ولایت الیہ نے ولایت کی شرائط کی جستجو کی خاطر نفس کو ذلیل کرنے کمال درجہ کی عاجزی و خساست پہ پہنچا دیا ہے۔

حکایت:- حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ کے استاد مکرم جناب ابن کرنبی کو کسی نے دعوت کے لیے بلایا۔ جب آپ دروازہ پہ پہنچے تو آپ کو ہٹا دیا۔ آپ جب تھوڑی دیر چلے گئے تو پھر اسی شخص نے آپ کو بلایا۔ پھر دوبارہ جب آپ دروازہ پہ پہنچے تو پھر آپ کو دروازہ سے ہٹا دیا گیا۔ یونہی تین بار آپ کو بلایا اور ہٹایا گیا اور چوتھی بار آپ کو گھر میں لے گیا اور عرض کیا کہ میں نے یہ حرکت محض آپ کا امتحان لینے کی غرض سے کی ہے۔ یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اپنے نفس کو بیس سال سے ذلت و رسوائی کا عادی بنا دیا ہے۔ یہاں تک کہ اب میرا نفس بمنزلہ کتے کے ہو گیا ہے۔ اگر تو اسے ہٹائے گا تو ہٹ جائے گا اور اس کی طرف جب ہڈی پھینکو گے تو یہ چلا آئے گا۔ پس تو اگر مجھے پچاس بار بھی ہٹا دیتا اور بلاتا تو میں پھر بھی آجاتا۔

حکایت:- حضرت کرنبی رحمتہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ ایک محلہ میں اترا اور وہاں نیک بختی میں مشہور ہوا۔ اس سے میرا دل پریشان ہوا' اسی لیے میں حمام میں چلا گیا اور وہاں ارادہ نہایت اعلیٰ قسم کے کسی کے کپڑے اٹھا لیے اور انہیں پہن کر اپنی گدڑی پہن لی اور باہر نکل میں آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ لوگوں نے مجھے پکڑا اور میری گدڑی اتار کر وہ کپڑے مجھ سے چھین لیے اور میری خوب درگت بنائی۔ آئندہ کے لیے میں حمام چور کے نام سے بدنام ہوا تب کہیں جا کر میرا دل مطمئن ہوا۔

ریاضت نفس:- یہ لوگ کیسی کیسی ریاضت اپنے نفسوں سے لیا کرتے تھے تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں مخلوق کی طرف سے دیکھنے کی علت چھڑا دے۔ یہاں تک کہ آہستہ آہستہ اپنے نفس کی طرف بھی توجہ نہ رہے۔ اس لیے کہ جو شخص اپنے نفس کی طرف رغبت رکھتا ہے' وہ اللہ تعالیٰ سے محجوب رہتا ہے۔ اس کے حق میں اس کا شغل نفس ہی حجاب ہوتا ہے' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ میں اور دل میں کوئی دوری کا پردہ حائل نہیں بلکہ یہی دلوں کی دوری ہے کہ وہ غیر اللہ میں یا نفسوں کے ساتھ شغل کریں اور یہی سب سے بڑا حجاب شغل نفس ہے۔

حکایت:- بسطام کا ایک خوبصورت رئیس تھا۔ حضرت ابو یزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کی مجلس مبارک سے کبھی بھی علیحدہ نہ ہوتا تھا۔ ایک دن اس نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں متواتر تیس سال سے روزہ (نفلی) رکھ رہا ہوں' کبھی بھی افطار نہیں کرتا' ساری ساری رات جاگتا رہتا ہوں' کبھی بھی سوتا نہیں ہوں مگر اس کے باوجود جو ریاضت کے علوم آپ بیان فرماتے ہیں' ان میں سے اپنے دل میں کوئی بھی نہیں پاتا حالانکہ اس کی تصدیق بھی میں کرتا ہوں اور اس سے محبت بھی رکھتا ہوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا' اگر تو بالفرض محال تین سو سال بھی یونہی روزہ رکھتا رہے اور اس دوران راتوں کو جاگتا بھی رہے' اس کے باوجود اس علم میں سے ایک ذرہ بھی حاصل نہ کر سکے گا۔ اس نے عرض کیا کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس کی یہ وجہ ہے کہ تو اپنے نفس کی وجہ سے محجوب ہے۔ اس نے عرض کیا کہ پھر اس کا کیا علاج ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں' اس کا علاج کیوں نہیں۔ اس نے عرض کیا کہ تو پھر اس کا وہ علاج مجھے بھی ارشاد فرمایئے تاکہ میں کروں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس علاج کو تو قبول

نہیں کرے گا۔ اس نے عرض کیا کہ آپ ارشاد تو فرمائیں کہ میں اسے بجا لاؤں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ابھی حجام کے پاس چلے جاؤ' اپنا سر' داڑھی منڈوا لو اور یہ لباس بھی اتار کر ایک کمبل کا تہبند کر لو۔ اپنی گردن میں ایک جھولی اخروٹوں کی ڈال لو اور اپنے ارد گرد لوگوں کو اکٹھا کر لو اور ان سے کہہ دو کہ جو مجھے ایک دھول لگائے گا' میں اسے ایک اخروٹ دوں گا اور یہی صورت بنا کر بازار چلا جا۔

مجمع کے وقت تمام بازاروں میں پھر اور جو شخص تجھے جانتا ہو' اس کے پاس بھی اسی طرح چلا جا۔ اس شخص نے کہا' سبحان اللہ! آپ مجھے ایسا ارشاد فرماتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا' یہ تیرا سبحان اللہ کہنا شرک ہے۔ اس نے پوچھا کہ کیسے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تو نے اپنے نفس کو بڑا جان کر سبحان اللہ کہا ہے۔ یہ تو نے اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی خاطر سبحان اللہ نہیں کہا ہے۔ اس نے عرض کیا' یہ کچھ تو میں نہیں کروں گا۔ اس کے علاوہ کوئی دوسرا طریقہ بتایئے تو وہ طریقہ کروں۔ آپ نے فرمایا' تمام تدابیر سے قبل یہی طریقہ اپنانا چاہیے۔ اس نے کہا' یہ طریقہ اپنانے کی تو مجھ میں طاقت ہی نہیں ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ یہ طریقہ تو قبول ہی نہیں کرے گا۔

عجیب علاج:۔ پس یہ طریقہ جو حضرت ابو یزید رحمتہ اللہ علیہ نے بتایا تھا' اس شخص کا علاج ہے جسے یہ مرض لاحق ہو کہ وہ اپنے نفس کی طرف رغبت و میلان رکھتا ہو اور اپنی طرف لوگوں کا میلان رکھتا ہو۔ اس بیماری سے بچنے کی دوسری تدبیر کے سوا کچھ نہیں ہے یا اس قسم کی تدبیر کے سوا کوئی علاج نہیں ہے۔ پس جو شخص ایسے علاج کی طاقت نہ رکھتا ہو' اسے نہ چاہیے کہ جو شخص اس مرض میں مبتلا نہ ہوا ہو اور اپنے نفس کا علاج اسی طریقہ سے کرتا ہو۔ اسے کہے کہ اس سے شفا ناممکن ہے' اس لیے کہ صحت کا درجہ اوّل یہ ہے کہ وہ اس کے امکان ہی کا ایمان رکھتا ہو اور جس میں اتنی بھی بات نہ پائی جاتی ہو تو پھر اس کی خرابی ہی خرابی ہے اور یہ امور شرع شریف میں صاف صاف ظاہر ہیں۔ اس کے باوجود اس شخص کے نزدیک نہایت مشکل ہیں کہ جو شخص اپنے نفس کو علمائے شرع سے تصور کرتا ہے۔

حدیث شریف:۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا یستکمل الایمان العبد حتی تکون قلته الشی احب الیه من کثرته وحتی یکون ان لا یعرف احب الیه ممن ان یعرف "کسی بندے کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہوتا جب تک کہ چیز کی قلت اس کے نزدیک کثرت کی نسبت کر محبوب نہ ہو اور جب تک کہ اس کے نزدیک پہچانا جانا معروف ہونے کی نسبت کر محبوب نہ ہو۔"

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ثلاث من کن فیه استکمل ایمانه لا یخاف فی اللہ لومته لائم ولا یری الشی من عمله وعوض امر ان احدهما للدنیا والثانی للاخرة افتار امو الاخرة علی امر الدنیا "تین باتیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں وہ (تین باتیں ہوں) اس کا ایمان پورا نہ ہو۔ وہ اللہ کے بارے میں ڈرے۔ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے اور وہ کوئی عمل دکھلانے کی غرض سے نہیں کرتا اور جب اس کے

سامنے دو امر پیش ہوں' ایک دنیا کا اور دوسرا آخرت کا تو آخرت کے امر کو اختیار کرے۔"

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا یکمل ایمان العبد حتی یکون فیہ ثلاث فصال اذا غضب لم یخرجہ غضبہ عن الحق واذا رضی لم یدخلہ رضاہ فی باطل واذا قدر لم یتناول مالیس الہ " بندے کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہوتا جب تک کہ اس میں تین خصلتیں نہ ہوں۔ جب غصہ ہو تو نہ نکل دے' غصہ اسے حق سے اور جب راضی ہو تو اسے رضا کسی باطل میں نہ گھمائے اور جب قادر ہو تو جو چیز اپنی نہ ہو' اسے نہ لے۔"

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ثلث من اوتیھن فقد اوتی مثل ما اوتی ال داؤد العدل فی الرضی والغضب والقصد فی الغنی والفقر وخشیتہ اللہ فی السر والعلانیتہ "تین باتیں ہیں جو شخص ان سے بہرہ ور ہوا تو اسے آل داؤد کے برابر ملا۔ اول ایک جیسا رہنا حالت رضا اور غصے میں۔ دوئم تونگری اور مفلسی میں میانہ روی اختیار کرنا۔ سوم ظاہر و باطن میں اللہ تعالیٰ کا خوف۔"

اہل ایمان کے لیے یہ شرائط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہیں۔ پس حیرانگی تو اس بات پہ ہے کہ جو دین کا دعویدار بھی ہو اور شرائط میں سے ذرہ بھر بھی حصہ نہ پاتا ہو۔ علاوہ ازیں اپنے علم و عقل سے بھی بہرہ رکھتا ہو کہ ایمان کے بعد جو بات بڑے بڑے مقام طے کرنے کے حاصل ہوا کرتی ہے' اسی بات کا انکار کرتا ہو۔

اہل محبت کے لیے فرمان حق:۔ اخبار میں وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض پیغمبروں پہ وحی ارسال فرمائی کہ میں تو اس شخص کو اپنا خلیل بنایا کرتا ہوں کہ جو میرے ذکر میں سستی و قصور نہ کرے۔ میری فکر کے سوا اسے دوسری کوئی فکر لاحق نہ ہو اور وہ نہ ہی میرے اوپر میری مخلوق میں سے کسی چیز کو اختیار کرے۔ اگر اسے آگ میں جلایا جائے تو اسے آگ کی جلن سے درد بھی محسوس نہ ہو اور اگر اسے آروں سے چیرا جائے تو اسے پھر بھی تکلیف محسوس نہ ہو۔

محبت کب ہوتی ہے:۔ اس درجہ تک جس کی محبت نہ پہنچی' اسے محبت کے بعد کی کرامات اور مکاشفات کس طرح معلوم ہو سکتے ہیں حالانکہ یہ مکاشفات تو محبت کے بعد معلوم ہوتے ہیں اور محبت کمال ایمان کے بعد ہوا کرتی ہے۔ مقامات ایمان اور ایمان کے کم و بیش ہونے کے اختلاف بے شمار ہیں۔

عظمت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ:۔ اسی لیے نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اتنا ایمان عطا فرمایا ہے کہ وہ ان تمام لوگوں کے ایمان کے برابر ہے جو میری امت میں سے مجھ پر ایمان لائے ہیں اور جو ایمان مجھے عطا فرمایا ہے' وہ حضرت آدم علیہ السلام کی تمام اولاد کے ایمان کے برابر ہے جو اللہ تعالیٰ پہ ایمان رکھتے ہیں۔ (یہاں ایمان سے مراد ایمان کے درجات اور انوار و تجلیات ہیں۔)

حدیث شریف :۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے اخلاق تین سو ہیں۔ توحید کے ساتھ جو شخص اس سے ایک اخلاق بھی لے کر ملے گا' وہ شخص جنت میں داخل ہوگا۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا' یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ میں بھی ان اخلاق میں سے کوئی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا' اے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ تمام اخلاق تجھ میں ہیں اور ان تمام اخلاق میں سے محبوب اخلاق اللہ تعالیٰ کے نزدیک سخاوت ہے۔

حدیث شریف :۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خواب میں' میں نے دیکھا ہے کہ آسمان سے ایک ترازو لٹکائی گئی ہے۔ مجھے اس ترازو کے ایک پلے میں رکھا گیا ہے اور دوسرے پلے میں میری ساری امت کو رکھا گیا ہے۔ میرا پلہ پھر بھی بھاری ہوا اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک پلہ میں رکھا اور میری امت کو دوسرے پلہ میں رکھا گیا۔ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پلہ جھکا رہا۔ ان تمام امور کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اسی طرح کا ہی استغراق تھا کہ آپ کے دل مبارک میں کسی دوسرے کی خلت کی گنجائش ہرگز نہیں تھی۔

حدیث شریف :۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں میں سے اگر میں کسی کو اپنا خلیل بناتا تو پھر ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا خلیل بناتا مگر میں اللہ تعالیٰ کا خلیل ہوں۔

محبت کی تعریف :۔

1۔ حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ محبت سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا نام ہے۔
2۔ بعض لوگ ارشاد فرماتے ہیں کہ محبوب کا ہمیشہ ذکر کرنا ہی محبت ہے۔
3۔ اور کچھ لوگ اس بارے میں یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ تمام پہ محبوب کو ترجیح دینا محبت ہے۔
4۔ بعض لوگوں کا یہ قول ہے کہ دنیا میں باقی رہنے کو برا جاننا محبت ہے۔ یہ تمام اقوال تو دراصل ثمرات محبت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ حقیقتاً نفس محبت (محبت کی تعریف) کو کسی نے بھی بیان نہیں کیا ہے۔
5۔ کسی بزرگ کا یہ بھی قول مبارک ہے کہ محبت وہ بات محبوب کی ہے جو دلوں کو مغلوب کیے رکھے اور اس کے ادراک سے دل اور زبان عاجز ہیں۔
6۔ حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ علاقے والے پہ محبت حرام ہے اور مزید ارشاد فرمایا کہ عوض کے مقابل جو محبت ہوتی ہے تو جب اس محبت کا عوض ختم ہو جاتا ہے تو ایسی محبت بھی باقی نہیں رہتی۔

اظہار محبت :- حضرت ذوالنون رحمتہ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی محبت کو ظاہر کرے' اسے کہہ دیجئے کہ اس بات سے ڈر کہ وہ غیر اللہ کی خاطر ذلیل و رسوا ہو۔

حضرت شبلی رحمتہ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ ہمیں عارف و محب کی صفت بتایئے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر عارف بولے تو وہ ہلاک ہو جائے اور اگر محب خاموش رہے تو وہ بھی ہلاک ہو جائے۔ آپ نے ایک قطعہ بیان فرمایا:-

(ترجمہ)

1- اے سردار و کریم تیری محبت میرے اندر مقیم ہے۔
2- اے نیند ہٹانے والے مالک میرے دل میں جو خیال گزرتا ہے' اسے تو جانتا ہے۔
3- مجھے اس پہ تعجب ہے جو کہتا ہے کہ میں نے اپنے رب کو یاد کیا۔ کیا میں اسے بھول سکتا ہوں جو بھولے سے نہ بھولے۔
4- میں مرتا ہوں تو ذکر سے زندہ ہوتا ہوں۔ اگر مجھے تجھ سے حسن ظن نہ ہوتا تو میں زندہ نہ ہوتا۔
5- تیری آرزو پر زندہ ہوں' تیرے شوق پر مروں گا۔ نامعلوم کتنی بار زندہ ہوتا ہوں اور کتنی بار مرتا ہوں۔
6- تیری محبت کے پیالے در پیالے پئے جا رہا ہوں' نہ شراب ختم ہوتی ہے اور نہ میں سیراب ہوتا ہوں۔
7- کاش ان کا خیال میرے پیش نظر رہے۔ جب میں اس خیال سے کوتاہی کروں تو اندھا ہو جاؤں۔

حکایت :- حضرت رابعہ عدویہ نے ایک دن فرمایا کہ ایسا کوئی ہے جو ہمیں ہمارے محبوب کا پتہ بتا دے۔ ان کی خادمہ نے عرض کیا کہ ہمارا حبیب تو ہمارے ساتھ ہے مگر دنیا نے ہم سے علیحدہ کیا ہوا ہے۔

حصول محبت حق :- حضرت ابن جلاء کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ جب میں کسی بندہ کے سر پہ مطلع ہوا کرتا ہوں اور اس وقت اگر میں اس میں دنیا و آخرت کی محبت نہیں پاتا تو میں اسے اپنی محبت سے بھر دیتا ہوں اور اپنی حفاظت سے اس کی کفالت کرتا ہوں۔

حکایت :- حضرت سمنون رحمتہ اللہ علیہ نے ایک دن محبت کے بارے میں گفتگو فرمائی۔ اسی دوران آپ کے سامنے ایک پرندہ اترا۔ اس نے اپنی چونچ سے زمین کو کریدنا شروع کر دیا۔ زمین کو اس نے اتنا کریدا کہ اس میں سے خون نکلا اور وہ مر گیا۔

اقوال محبت:-

1- حضرت ابراہیم بن ادھم رحمتہ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ بیکس پناہ میں عرض کیا کہ یا اللہ! تو جانتا ہے۔ مجھ پر تو نے اپنی محبت سے اکرام فرمایا۔ مجھے اپنے ذکر مبارک سے مانوس فرمایا اور مجھے اپنی عظمت کی فکر کے

لیے مخصوص فرمایا تو اس کے مقابلے میں میرے نزدیک جنت مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں رہی۔

2- حضرت سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے جو شخص محبت کرتا ہے' وہی عیش کرتا ہے اور جو شخص دنیا کی طرف رغبت کرتا ہے' وہ خفت میں پڑتا ہے اور وہ شخص احمق ہے جو دن رات نکمی چیز کے لیے کوشش کرتا ہے اور عاقل مرد اپنے عیوب کی تلاش میں رہتا ہے۔

3- حضرت رابعہ سے کسی نے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کو کیسی محبت ہے؟ فرمایا' مجھے تو آپ سے محبت ہے مگر اللہ تعالیٰ کی محبت نے مجھے مخلوق کی محبت سے روکا ہوا ہے۔

4- حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کسی نے دریافت کیا کہ اعمال میں سے افضل عمل کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا! کہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہونا' اس سے محبت کرنا۔

5- حضرت ابو یزید رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سچا نہ تو دنیا کی محبت کرتا ہے اور نہ ہی آخرت کی بلکہ وہ تو مولیٰ سے مولیٰ کو ہی چاہتا ہے۔

6- حضرت شبلی رحمتہ اللہ علیہ کا فرمان ذیشان ہے کہ لذت میں مدہوشی و تعظیم میں حیرت کا نام محبت ہے۔

7- بعض کہتے ہیں کہ محبت تو اس کا نام ہے کہ اپنے آپ سے تمام نشانات مٹا دے' یہاں تک کہ ایسی کوئی بھی بات نہ رہے جس کا مائل محب سے اسی کی طرف راجع ہو۔

8- بعض کا کہنا ہے کہ محبت تو یہ ہے کہ دل خوشی و بشارت کے ساتھ محبوب کے قریب ہو۔

9- حضرت خواص رحمتہ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ ارادوں کا مٹانا اور تمام صفات و حاجات کو جلا دینے کا نام محبت ہے۔

10- حضرت سہل رحمتہ اللہ علیہ سے جب حال محبت دریافت کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ محبت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اپنے کسی بندے کے دل کی مراد سمجھ لی تو اسے اپنے مشاہدہ کے لیے پھیر دیا۔

11- بعض فرماتے ہیں کہ چار مقامات پہ محب کا معاملہ ہوتا ہے۔ (1) محبت۔ (2) ہیبت۔ (3) حیاء۔ (4) تعظیم۔ ان چاروں مقامات میں سے تعظیم اور محبت افضل ہیں کیونکہ یہی دونوں مقامات اہل جنت کے ساتھ باقی جنت میں رہتے ہیں۔ علاوہ ان دو کے بقیہ تمام چیزیں ان سے جدا ہو جاتی ہیں۔

12- ہرم بن حیان رحمتہ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب مومن اپنے رب کو پہچانتا ہے تو پھر اس سے محبت کرتا ہے اور وہ جب اس سے محبت کرتا ہے تو پھر اس کی طرف توجہ کرتا ہے اور جب وہ اس توجہ کا مزہ پاتا ہے تو خواہش کے نقطہ نظر سے دنیا کی طرف ہرگز نہیں دیکھتا اور نہ ہی آخرت کی طرف کاہلی کی نظر سے دیکھتا ہے۔ وہ جسمانی لحاظ سے تو دنیا میں رہتا ہے اور روحانی طور پر آخرت میں۔

1- حضرت عبداللہ بن محمد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک عابدہ عورت کو دیکھا۔ وہ گریہ زاری کرتے ہوئے' چہرے پہ آنسو بہا رہی تھی اور کہہ رہی تھی۔ بخدا کہ میں شوق حق میں اور اس کی ملاقات

کے اشتیاق میں اب تو زندگی سے تنگ آگئی ہوں' یہاں تک کہ اگر کہیں موت فروخت ہوا کرتی تو میں موت کو بھی خرید لیتی۔ راوی کہتے ہیں' میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کو اپنے عمل پہ اطمینان ہے۔ اس نے فرمایا' مجھے اپنے اعمال پہ اطمینان تو نہیں ہے مگر مجھے اس سے محبت ضرور ہے۔ اس پہ مجھے حسن ظن ہے تو کیا تمہیں یہ خیال ہے کہ وہ محبت کے باوجود عذاب دے گا۔

14- حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ مجھ سے جو لوگ روگردانی کرتے ہیں' انہیں اگر معلوم ہو جائے کہ میں ان کا انتظار کیسے کرتا ہوں اور ان کے ساتھ نرمی کرتا ہوں اور میں ان کے گناہ چھوڑنے کا مشتاق ہوتا ہوں تو انہیں میری طرف اتنا شوق ہو کہ اسی شوق میں ہی مر جائیں اور ان کے جوڑبند میری محبت میں الگ الگ ہو جائیں۔ اے داؤد! جب روگردانوں کے بارے میں میری یہ خواہش ہے تو جو لوگ میری طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ ان کے بارے میں بھی قیاس کر لینا چاہیے کہ کیسی ہوگی۔ اے داؤد! سب سے زیادہ محتاج میری طرف بندہ اس حال زار میں ہوتا کہ جب وہ مجھ سے بے پروا ہو جاتا ہے اور زیادہ تر رحیم میں اپنے بندے پہ اس وقت ہوتا ہوں' جب وہ مجھ سے روگردانی کرتا ہے۔ میرے بندے کو سب سے زیادہ بزرگی اس وقت ہوتی ہے جس وقت وہ میری طرف رجوع کرتا ہے۔

15- حضرت ابو خالد صفار رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انبیاء میں سے ایک نبی کسی عابد سے ملے تو ارشاد فرمایا' اے عابد! جس بات پہ تم عمل کرتے ہو' اس پہ ہم نہیں کرتے۔ تم تو خوف و رجاء پہ عمل کرتے ہو اور ہم محبت و شوق پہ عمل پیرا ہوتے ہیں۔

16- حضرت شبلی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پہ وحی بھیجی کہ اے داؤد! میرا ذکر تو ذکر کرنے والوں کے لیے ہے۔ اطاعت کرنے والوں کے لیے جنت ہے۔ مشتاقین کے لیے میرا دیدار ہے اور محبوبوں کے لیے میں خود ہوں اور حضرت آدم علیہ السلام کی طرف وحی ہوئی کہ اپنے سے جو شخص محبت کرتا ہے۔ وہ اس کے فرمان کو سچا مانتا ہے اور جو شخص اپنے حبیب سے مانوس ہوتا ہے' وہ اس کے ہر فعل سے خوش ہوتا ہے اور جو مشتاق اس کی طرف ہوتا ہے تو وہ اپنا راستے پہ جلدی چلتا ہے۔

17- حضرت خواص رحمتہ اللہ علیہ اپنی چھاتی پہ ہاتھ مارتے تھے اور یہ بھی کہتے تھے کہ ہائے اس کا شوق کہ جو شخص مجھے دیکھتا ہے جبکہ میں اسے نہیں دیکھتا۔

18- حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت یونس علیہ السلام بہت زیادہ روئے۔ اتنا زیادہ روئے کہ آپ آنکھوں سے نابینا ہو گئے اور اتنا زیادہ کھڑے رہے کہ کھڑے کھڑے کبڑے ہو گئے اور نماز اتنی زیادہ پڑھی کہ حرکت کی طاقت نہ رہی اور ارشاد فرمایا کہ یااللہ! مجھے تیرے عزت و جلال کی قسم' اگر میرے اور تیرے درمیان کوئی آگ کا سمندر بھی ہوتا تو مجھے تیرا اتنا زیادہ شوق ہے کہ میں اس آگ کے سمندر میں بھی چھلانگ لگا دیتا۔

19- حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ وجہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا طریقہ مبارک پوچھا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ میرا راس المال معرفت ہے۔ میرے دین کی اصل عقل ہے۔ میری بنا محبت' شوق میری سواری ہے۔ ذکر میرا انیس ہے' اعتماد میرا خزانہ ہے۔ حزن میرا دوست' علم میرا ہتھیار' صبر میری چادر' رضا میری غنیمت' عاجزی میرا فخر' زہد میرا پیشہ' یقین میری قوت' صدق میرا سفارشی' طاعت میرا حسب' جہاد میرا خلق' نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

20- حضرت ذوالنون رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پاک ہے وہ ذات کہ جس نے لشکر روحوں کے پیدا فرما دیئے۔ پس عارفوں کی روحیں تو جلالی اور قدسی ہیں' اسی لیے اللہ تعالیٰ کی طرف عارفین مشتاق ہوئے۔ مومنین کی روحیں روحانی ہیں' اسی وجہ سے کی بنا پر مشائخ کرام جنت کے شائق ہوئے اور غافلین کی روحیں ہوائی ہیں۔ وہ اسی وجہ سے ہی دنیا سے رغبت کرنے والے ہوئے۔

21- بعض مشائخ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک شخص گندمی رنگ والے' کمزور جسم والے کے جبل لگام میں دیکھا کہ وہ ایک پتھر سے دوسرے پتھر پہ چھلانگیں لگاتا پھرتا تھا اور یہ بھی کہتا پھرتا تھا الشوق والھویٰ۔ حیرانی کمانری "شوق و عشق نے مجھے ایسے بنا دیا ہے جیسے تم دیکھ رہے ہو۔"

22- بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ شوق ایک ایسی آتش الٰہی ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کرام کے دلوں میں روشن کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اسی کی وجہ سے ان کی تمام چیزیں مثل خواطر' ارادت' عواض و حاجات کے بھی اس آتش سے جل جاتی ہیں۔ اسی قدر اسباب پہ ہی عمل کیا جاتا ہے۔

باب 7

نیت' اخلاص اور صدق

نیت اخلاص اور صدق:۔ ایمانی بصیرت اور نور قرآنی سے یہ بات اہل دل پہ ظاہر ہوئی ہے کہ شرف سعادت علم و عمل کے بغیر حاصل ہو سکتا ہی نہیں۔ اس لیے سبھی آدمی جاہ کار ہیں' سوائے علم کے اور سوائے علماء کرام کے بھی ہلاکت میں پڑے ہیں اور اخلاص والوں کے علاوہ دوسرے عاملوں کا بھی یہی حال ہے اور اخلاص والوں کا بھی یہ حال ہے کہ وہ بھی بڑے بڑے خطرات میں گھرے ہوئے ہیں۔

خلاصہ کلام:۔ نیت کے بغیر عمل بھی محض مشقت ہے اور اخلاص کے بغیر نیت بھی ریا اور خلق کی حس اور حس معصیت کے ہے اور صدق و تحقیق کے بغیر اخلاص بھی دھوکے کی مانند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی عمل کا حال کہ جس میں غیر اللہ کا ارادہ ملا جلا ہو' اس عمل کے بارے میں یوں ارشاد فرمایا وقدمنا الی ما عملوا من عمل فجعلناہ ھباء منثورا (الفرقان 23) اور جو کچھ انہوں نے کام کیے تھے ہم نے قصد فرما کر انہیں باریک باریک غبار کے بکھرے ہوئے ذرے کردیا کہ روزن کی دھوپ میں نظر آتے ہیں۔

فائدہ:۔ عوام کو یہ بات معلوم نہیں کہ جو شخص نیت کی حقیقت سے بے خبر ہو' وہ اسے صحیح کس طرح کرے گا اور جو شخص اخلاص کی حقیقت نہ جانتا ہو' وہ کس طرح اخلاص بجالائے گا۔ جب وہ صدق کے معنی سے ہی باخبر نہیں تو پھر وہ اپنے نفس سے صدق کا مطالبہ کس طرح کرے گا' اس لیے جو بندہ بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا چاہے' اس پہ پہلی بات تو یہ لازم ہے کہ پہلے وہ نیت کی حقیقت جانے تاکہ اسے نیت کی شناسائی حاصل ہو۔ بعد ازاں صدق و اخلاص کی حقیقت کو سمجھ کر نیت کو عمل سے صحیح طریقے سے کرے کہ صدق اور اخلاص ہی بندے کی نجات و آزادی کا اسباب ہیں۔ اسی لیے ہم ان اسباب کو چند فصلوں میں بیان کرتے ہیں۔ ہر فصل میں ہر ایک کو بیان کرتے ہیں۔

1 فضیلت نیت:۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ولا تطرد الذین یدعون ربھم بالغدوۃ والعشی یریدون وجھہ (الانعام 52) ترجمہ کنز الایمان:۔ اور دور نہ کرو انہیں جو اپنے رب کو پکارتے ہیں صبح اور شام اس کی رضا چاہتے۔

اس آیت کریمہ میں ارادہ سے مراد نیت ہے۔

حدیث شریف 1:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا انما الاعمال بالنیات۔ ولکل امرء مانوی

فمن هجرته الی اللہ ورسولہ فهجرته الی اللہ ورسولہ ومن کانت هجرته الی دنیا یصیبها اوامراۃ تزوجها فهجرته الی ماھا جرالیہ "اعمال کا دارو مدار نیتوں پر ہے- ہر شخص کے لیے (عمل میں سے) وہی ہے جس کی اس نے نیت کی- پس جس شخص نے ہجرت کی- اللہ تعالیٰ اس کے رسول کی طرف توپس اسی کی ہجرت ہوگی اور اللہ اور رسول کی طرف اور جس شخص نے ہجرت کی دنیا کی خاطریا عورت حاصل کرنے کی خاطر کہ اسے نکاح میں لاوے توپس اس کی ہجرت ہوگی- اسی چیز کی طرف جس کی طرف اس نے ہجرت کی-" (بخاری و مسلم و مشکوۃ شریف)

حدیث شریف 2:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کے اکثر شہداء اپنے بستر پہ مرنے والے ہوں گے اور بہت سے مقتول دو صفوں کے درمیان میں اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان کی نیت کیا تھی-

فرمان حق:- اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ان یریدا اصلاحا یوفق اللہ بینهما (النساء 35) ترجمہ کنز الایمان:- یہ دونوں اگر صلح کرانا چاہیں گے تو اللہ ان میں میل کردے گا- اس آیت کریمہ میں توفیق کا سبب نیت کو بتایا ہے-

حدیث شریف 3:- نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تو تمہارے دلوں اور عملوں کو دیکھتا ہے اور دلوں کے دیکھنے کی وجہ یہی ہے کہ یہ نیت کا محل ہے-

حدیث شریف 4:- حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اعمال جمع کیا کرتا ہے اور انہیں فرشتے مہر لگے صحائف میں لے کر اوپر چڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کردیتے ہیں- اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوتا ہے کہ اس صحیفے کو پھینک دو' اس لیے کہ اس میں جو کچھ ہے' اس کے عمل کرنے والے نے یہ عمل کرتے ہوئے میری نیت نہیں کی- بعدازاں فرشتوں کو حکم فرماتا ہے کہ اس کے لیے یہ لکھ لو اور یہ لکھ لو- فرشتے عرض کرتے ہیں کہ مولیٰ کریم اس شخص نے تو ان اعمال میں سے کوئی عمل بھی نہیں کیا- اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوتا ہے کہ ان اعمال کی نیت اس شخص کی تھی-

حدیث شریف 5:- نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگ چار قسم ہیں:-

1- وہ جسے اللہ تعالیٰ نے علم و مال عطا فرمایا ہو اور وہ اپنے علم کے مطابق اپنے مال میں کام کرتا ہو-
2- وہ شخص اس طرح کہتا ہو کہ اگر مجھے اس جیسا مال دے جیسے اس شخص کو عطا فرمایا ہے تو پھر میں بھی اس جیسا (نیک) کام کرتا تو یہ دونوں ثواب میں برابر ہیں-
3- وہ ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا اور علم نہ فرمایا ہو اور اپنی بے عملی کی وجہ سے مال بے ہودگیوں میں ضائع کرتا ہو-
4- وہ ہے جو اسے کہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے مال عطا فرمائے تو میں بھی اسی طرح کروں جس طرح یہ کرتا ہے تو

گناہ میں یہ دونوں برابر ہیں۔

فائدہ:۔ آپ نے اچھائیوں اور برائیوں میں محض نیت کی وجہ سے شامل فرمایا۔

حدیث شریف 6:۔ یونہی حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک کے لیے تشریف لے گئے تو ارشاد فرمایا کہ کچھ لوگ مدینے میں ایسے ہیں کہ ہم جو کچھ یہاں کر رہے ہیں یعنی جنگلوں میں سے گزرتے ہیں یا ایسی جگہ کو چلتے ہیں جو کفار کو حصہ دلاتی ہے یا جو کچھ ہم یہاں اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں یا بھوک برداشت کرتے ہیں۔ ہمارے ساتھ ان تمام کاموں میں شریک ہیں حالانکہ وہ مدینہ میں ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا' وہ کیسے؟ وہ تو ہمارے ساتھ نہیں ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انہیں تو عذر نے روک رکھا ہے لیکن اچھی نیت کی وجہ سے وہ ہمارے ساتھ شامل ہیں۔

حدیث شریف 7:۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ من هاجر يبتغي شياء فهوله " جو شخص کسی چیز کا خواہاں ہو کر ہجرت کرے تو وہ شخص اسی کا ہی ہوگا۔" چنانچہ ایک شخص نے ہجرت کی اور وہیں سے ایک عورت سے نکاح کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اس کا مہاجر ام قیس نام مشہور ہو گیا۔

حدیث شریف 8:۔ ایک شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں مر گیا۔ اس کا نام قتیل حمار ہو گیا۔ اس وجہ سے کہ وہ ایک شخص سے اس لیے لڑا کہ اس کا مال اور گدھا حاصل کر لے' یوں وہ اپنی نیت کی طرف منسوب ہوا۔

حدیث شریف 9:۔ حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ من غزى وهو لا ينوى الا عقالا فله مانوى "اور کچھ نہ حاصل ہو تو اس کے لیے وہی کچھ ہے جو اس نے نیت کی۔"

حدیث شریف 10:۔ حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص سے میں نے مدد طلب کی کہ میرے ساتھ غزوہ میں ہو تو اس نے کہا کہ میرے لیے کچھ مزدوری مقرر کر دو' پھر میں تیرا ساتھ دوں گا۔ میں نے اسی طرح کر دیا تو پھر یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کر دی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اسے دنیا و آخرت میں اتنا ہی حصہ ملا ہے جو کچھ تو نے اس کے لیے مقرر کر دیا ہے۔

قصہ بنی اسرائیل:۔ قحط کے دوران کسی کا گزر ریت کے ٹیلوں پر سے ہوا تو اس نے اپنے دل میں کہا کہ اگر یہ ریت کھانا پکا ہوا ہو جاتا تو میں اسے لوگوں میں مفت تقسیم کر دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے نبی علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ اے نبی اس شخص سے فرما دیجئے کہ تیرا صدقہ اللہ تعالیٰ نے قبول کر لیا ہے اور تیرے حسن نیت سے میں خوش ہوا اور تجھے وہی ثواب عطا فرما دیا کہ اگر بالفرض تیرے پاس اتنا کھانا ہوتا تو اسے تو واقعی اللہ کی راہ میں تقسیم کر دیتا۔

حدیث شریف 11:۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من هم بحسنه ولم يعملها كتبت له حسنه

"جس نے نیکی کا ارادہ کیا لیکن اس پر عمل نہ کر سکا تو اس کے لیے نیکی لکھی جائے گی۔"

حدیث شریف 12:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جس کی نیت دنیا ہو' اللہ تعالیٰ اس کا افلاس اس کی نگاہوں کے سامنے کر دیتا ہے اور وہ دنیا سے جدائی ایسے وقت میں کرتا ہے کہ اسے دنیا کی زیادہ رغبت ہوتی ہے اور جس شخص کی نیت آخرت کی ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ اس کے دل میں غنا پیدا کر دیتا ہے۔ بس پہ اس کا سامان اکٹھا کر دیتا ہے اور وہ اس دنیا سے زاہد تر ہو کر اٹھاتا ہے۔

حدیث شریف 13:- حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر کا ذکر فرمایا جس کا زمین میں دھنسا جنگل میں ہو۔ حضرت ام سلمہ نے پوچھا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ ان میں وہ شخص بھی ہوگا جو اس لشکر میں زبردستی یا مزدوری کی وجہ سے ہمراہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ ان کا حشر ان کی نیتوں کے مطابق ہی ہوگا۔

حدیث شریف 14:- حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ ارشاد فرماتے تھے کہ انما تنبل المقاتلون علی النیات "بے شک آپس میں لڑنے والے اپنی نیتوں پر ایک دوسرے کو قتل کرتے ہیں۔"

حدیث شریف 15:- جب دو صفیں (ایک دوسری کی مخالف فوجوں کی) ملتی ہیں تو فرشتے اتر کر خلق کو درجات کے مطابق لکھتے ہیں کہ فلاں شخص دنیا کی خاطر لڑ رہا ہے اور فلاں شخص غیرت و شرم کی بنا پر لڑ رہا ہے اور فلاں شخص تعصب کی وجہ سے لڑ رہا ہے۔ اس لیے خبردار کسی کو یہ نہ کہو کہ فلاں اللہ کی راہ میں شہید ہوا۔ اللہ کی راہ میں تو وہ شہید ہوا کہ جو اس لیے جنگ کرے کہ اللہ تعالیٰ کا بول بالا ہو۔

حدیث شریف 16:- حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یبعث کل عبد علی ما مات علیہ "ہر بندہ اسی چیز پر اٹھایا جائے گا جس پر وہ مرا۔"

حدیث نمبر 17:- حضرت احنف بن قیس ابی بکرہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اذا التقی المسلمان بسیفھما فالقاتل والمقتول فی النار "جب دو مسلمان اپنی تلواریں لے کر بڑھتے ہیں (ایک دوسرے کو ناحق قتل کرنے کی خاطر) تو وہ دونوں قاتل و مقتول دوزخ میں جائیں گے۔ (بخاری و مسلم)

لوگوں نے عرض کیا کہ ایک تو دوزخ میں قاتل ہونے کی وجہ سے جائے گا۔ مقتول کے دوزخ میں جانے کی وجہ کیا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دوسرا اس لیے دوزخ میں جائے گا کہ اس نے (بلاوجہ شرعی) دوسرے کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔

حدیث شریف 18:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جو کسی عورت سے کسی قدر مہر پر نکاح کرے اور اس کی نیت مہر ادا کرنے کی نہ ہو تو وہ شخص (نکاح ہونے کے باوجود) زانی ہے اور جو شخص کچھ قرضہ حاصل کرے اور اس کی نیت قرضہ واپس کرنے کی نہ ہو تو وہ چور ہے۔

حدیث شریف 19:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے خوشبو لگائے تو ایسا شخص قیامت کے روز ایسے حال میں آئے گا کہ مشک کی خوشبو سے بھی اس کی خوشبو زیادہ عمدہ ہوگی اور جو شخص غیر اللہ (کی خوشنودی) کی خاطر خوشبو لگائے گا تو ایسا شخص قیامت کے دن اس حال میں لایا جائے گا کہ مردار سے بھی زیادہ گندگی اس کی بدبو ہوگی۔

اسلاف صالحین کے اقوال:-

1- حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تمام اعمال میں سے افضل وہ عمل ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرض فرمایا ہے اور ان اشیاء سے بچنا جو کہ اللہ تعالیٰ نے حرام فرمائی ہیں' ابھی تک جو امور اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں (یعنی ابھی واقع نہیں ہوئے) ان امور میں نیت کا درست ہونا۔

2- حضرت سالم بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تحریر فرمایا کہ جاننا چاہیے کہ بندہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی مدد اس کی نیت پر ہے۔ بس جس کی نیت کامل و اکمل ہوگی' اس کی خاطر اللہ تعالیٰ کی مدد بھی کامل و اکمل ہوگی۔ اگر نیت میں کچھ نقصان ہوگا تو پھر اسی قدر مدد بھی ناقص ہوگی۔

3- بعض اکابرین سلف کا ہے کہ اگر کام (بظاہر دیکھنے کے لحاظ سے تو) چھوٹے ہوتے ہیں جبکہ ان کی نیت انہیں بڑا کر دیتی ہے اور بعض اوقات کام ہوتے تو ہیں بڑے مگر انہیں نیت چھوٹا کر دیتی ہے۔

4- حضرت داؤد طائی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو نیک شخص کہ اس کی نیت تقویٰ و پرہیزگاری کی ہوتی ہے' اس کے تمام اعضاء اگر دنیا کے متعلق ہو جائیں تو پھر بھی اس کی نیت ہی اسے کسی نہ کسی دن نیکی کی طرف ہٹا لے گی جبکہ جاہل کا حال اس کے برعکس ہوتا ہے۔

5- حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ پہلے لوگ نیت کو اسی طرح ہی سیکھتے تھے جس طرح کہ تم عمل کو سیکھتے ہو۔

6- بعض علمائے کرام کا قول مبارک ہے کہ عمل سے پہلے نیت عمل کو تلاش کرنا چاہیے کہ جب تک تم نیت خیر کی کرو گے' اس وقت تک خیر میں رہو گے۔

7- کوئی طالب علمائے کرام کے پاس چکر لگایا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ مجھے کوئی شخص کوئی ایسا عمل مبارک بتا دے کہ جس کی وجہ سے میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے لیے عمل کرنے والا بن جاؤں' اس لیے کہ مجھے تو اچھا معلوم نہیں ہوتا کہ کوئی بھی گھڑی رات دن میں مجھ پہ ایسی گزرے کہ جس میں' میں اللہ تعالیٰ کے لیے عمل نہ کرتا

ہوں۔ اسے علمائے کرام نے بتایا کہ تیرا مطلب تو تجھے حاصل ہے' تجھ سے جتنا ممکن ہو سکے نیکی کا کام کیا کر اور جب خیر کے کاموں سے تھک جائے یا چھوڑ بیٹھے تو پھر ان کے کرنے کے لیے دل سے ارادہ کر لیا کر۔ جو شخص نیک عمل کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ ایسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ وہ نیک عمل کرتا ہے۔

8- بعض اکابرین سلف کا قول مبارک ہے کہ تم پہ اللہ تعالیٰ کی نعمت بے شمار ہے اور تمہارے گناہ تمہاری سمجھ سے چھپے ہوئے ہیں لیکن اگر پھر بھی صبح و شام توبہ کر لیا کرو تو درمیان والے تمام گناہ (اس توبہ کی وجہ سے) بخش دیئے جائیں گے۔

9- حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اسے خوشخبری ہو جو آنکھ سوئے اور ارادہ گناہ کا نہ کرے اور بے گناہی پہ ہی جاگے۔

10- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، کہ قیامت کے دن لوگ اپنی اپنی نیت کی مقدار پہ ہی اٹھائے جائیں گے۔

11- حضرت فضیل بن عیاض رحمتہ اللہ علیہ جب یہ آیت مبارکہ تلاوت کرتے تھے کہ ولنبلونکم حتی نعلم المجاھدین منکم والصابرین ونبلوا اخبارکم (محمد ﷺ 31) ترجمہ کنزالایمان :- اور ضرور ہم تمہیں جانچیں گے یہاں تک کہ دیکھ لیں تمہارے جہاد کرنے والوں اور صابروں کو اور تمہاری خبریں آزمالیں۔

تو آپ رویا کرتے تھے اور اسے بار بار تلاوت کیا کرتے تھے اور عرض کیا کرتے تھے کہ الٰہی! اگر تو ہمارا امتحان لے گا تو ہمیں ذلیل و رسوا کرے گا۔

12- حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جنتی جنت میں نیت کی وجہ سے ہی رہیں گے اور دوزخی دوزخ میں بھی نیت کی وجہ سے ہی۔

13- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ توریت میں لکھا ہوا ہے کہ میری رضا جس عمل سے مطلوب ہو' وہ عمل تھوڑا بھی تو بہت ہے اور جس نے عمل میں میرے سوا کسی غیر کا ارادہ کیا گیا ہو' وہ عمل قلیل ہے۔

1- حضرت ہلال بن سعد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بندہ مومنین جیسی بات کرتا ہے مگر پھر بھی اللہ تعالیٰ اسے اور اس کے قول کو نہ چھوڑتا جب تک کہ اس کے عمل کو نہ دیکھے۔ پس اگر وہ عمل کر لیتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کے ورع کو دیکھتا ہے اور وہ اگر ورع بھی اختیار کرتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کی نیت کو دیکھتا ہے کہ اس کی نیت کیا ہے۔ پس اگر نیت صحیح ہوئی تو پھر اس کے تمام عمل درست ہوں گے۔

خلاصہ :- عملوں کی بنیاد نیتوں پر ہے اور عمل اپنے اچھا ہونے میں نیت کا محتاج ہے اور نیت خود بخود ہی خیر ہے' گو وہ عمل بھی نہ ہو سکے۔

حقیقت نیت :- نیت' ارادہ اور قصد تینوں الفاظ ہم معنی ہیں۔ ایک ہی معنی کے لیے آتے ہیں۔ نیت دل کی ایک

صفت ہے جو کہ علم و عمل کے درمیان میں ہوتی ہے۔ علم نیت سے پہلے آتا ہے' اسی لیے اصل اور شرط نیت کا علم ہی ہوتا ہے اور اس کے بعد عمل ہوتا ہے۔ اسی لیے نیت کا ثمرہ اور فرع عمل ہے کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ ہر کام تین چیزوں سے مکمل ہوتا ہے۔ (1) علم۔ (2) ارادہ۔ (3) قدرت۔ یہی وجہ ہے کہ انسان جس چیز کو جانتا نہیں' اس کا ارادہ بھی نہیں کرتا اور عمل کے لیے ارادت کا ہونا ضروری ہوا اور ارادہ کا مطلب یہ ہے کہ کسی ایسی چیز کی طرف دل کا برانگیختہ ہونا جو اس کے مطابق اس کے مقصود کے مطابق ہو' خواہ اس وقت ہو یا انجام کو۔ چونکہ انسان کا مزاج ہی ایسا ہے کہ بعض اس سے موافق ہوتے ہیں اور اس کی ضرورت سے مناسبت رکھتے ہیں اور بعض مخالف ہوتے ہیں۔ اسے موافق چیز کو اپنی طرف کھینچنا لازم ہو گیا اور بری چیز کو اپنے نفس سے دور کرنے کی بھی ضرورت پڑی۔ اسی لیے اس بات کی ضرورت پڑی کہ وہ نقصان دہ اشیاء اور مفید اشیاء کی پہچان کرے تاکہ وہ مفید چیزیں حاصل کرے اور نقصان دہ چیزوں سے دور بھاگے۔ مثلاً جو شخص غذا کو دیکھتا اور پہچانتا نہیں ہے تو کس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ غذا کو کھائے۔ جو شخص آگ کو نہیں دیکھتا' پہچانتا تو وہ آگ سے کیسے دور ہو سکتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ہدایت و معرفت پیدا فرمائی اور ان کے اسباب کو بھی بتایا یعنی حواس ظاہری و باطنی اور ان سے ہماری غرض نہیں ہے' پھر اگر غذا کو دیکھ لیا اور پہچان بھی لیا کہ یہ غذا موافق ہے' پھر بھی کھانا کھانے کے لیے یہ کافی نہیں ہے۔ جب تک کہ بندے میں غذا کو کھانے کے لیے میل و رغبت اور خواہش پیدا نہ ہو۔ دیکھیے مریض غذا کو دیکھتا بھی ہے اور یہ جانتا بھی ہے کہ یہ غذا میرے موافق ہے' اس کے باوجود رغبت نہ ہونے اور قوت محرک نہ ہونے کی وجہ سے اسے نہیں کھاتا۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے میل و رغبت اور ارادے کو پیدا فرمایا ہے۔ اس سے ہماری یہی مراد ہے کہ نفس میں شوق اور دل میں توجہ ودیعت فرمادی' پھر یہ رغبت و ارادہ بھی کافی نہیں ہے کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کوئی اپاہج کھانے کو دیکھتا بھی ہے اور اسے کھانا بھی چاہتا ہے مگر اپاہج ہونے کی وجہ سے وہ کھا نہیں سکتا' اس لیے اس معذوری کو دور کرنے کے لیے قدرت اور متحرک اعضاء پیدا فرمائے جن سے کھانا کھانے کا عمل مکمل ہو۔ پس بغیر قدرت کے عضو بھی حرکت نہیں کر سکتا اور قدرت بھی ارادے کا انتظار کرتی رہی ہے۔ ارادہ علم و معرفت کے انتظار میں رہتا ہے۔ علم و معرفت خواہ ظنی ہو یا اعتقادی یعنی دل میں اس بات کا عقیدہ پختہ ہو جائے کہ وہ چیز ہمارے موافق ہے۔ یہ معرفت جب محکم ہو جاتی ہے کہ فلاں شے مرضی سے موافقت رکھتی ہے' اس لیے اس کا کرنا ضروری ہے۔ اس کے کرنے کے سلسلے میں کسی قسم کی رکاوٹ بھی نہ ہو تو پھر ارادہ اٹھتا ہے اور رغبت ثابت ہوتی ہے اور جب ارادہ پختہ ہو جاتا ہے تو اعضاء کو حرکت دینے کے لیے قدرت بھی تیار ہو جاتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ قدرت ارادے کی تابع ہے اور ارادہ اعتقاد کے حکم کا تابع۔

نیت کی تعریف:۔ نیت کی تعریف یہ ہوئی کہ نیت ایک صفت متوسط اعتقاد و قدرت کے مابین ہے یعنی کسی ایسی چیز کی طرف رغبت و میل کے حکم سے ارادے اور نفس کا ابھرنا جو کہ اس کی غرض سے موافقت رکھتی ہو۔ یہ اس چیز کی موافقت حال کے لحاظ سے ہو یا نتیجہ کے لحاظ سے۔

پس پہلا محرک تو غرض مطلوب ہوتی ہے اور اسی لیے باعث کہتے ہیں اور یہی غرض نیت کو ابھارنے والی کیا ہوا مقصد ہے۔ یہ ابھرنا قصد و نیت ہے اور قدرت کا ہاتھ پاؤں کو حرکت دینا عمل ہے مگر عمل کے لیے قدرت کا برانگیختہ ہونا کبھی ایک ہی وجہ سے ہوتا ہے اور کبھی کبھی دو جوہات کی بنا پر ہوتا ہے جو کہ ایک ہی فعل میں یکجا ہو جاتے ہیں اور ان دو میں بھی کبھی کبھی حالت اس طرح ہو جاتی ہے کہ ہر ایک قدرت کو برانگیختہ کرنے پر قادر ہو جاتا ہے اور کبھی قاصر بھی کیونکہ دوسرے کے ملے بغیر یہ اکیلا کافی نہیں ہوتا اور کبھی کبھی اکیلا ہی کافی تو ہوتا ہے۔ پھر بھی دوسرا اس کا مددگار بن جاتا ہے۔ گو اکیلا اپنے آپ مستقل نہیں ہوتا' اسی لیے ان چہار قسموں کے نام اور مثالیں علیحدہ علیحدہ ہونی چاہیں۔

نیت کی چہار اقسام اور ان کی مثالیں:۔

1 **نیت خالص :۔** صرف اکیلا ہی سبب ہو مثلاً آدمی پر کوئی درندہ اگر حملہ کر دے۔ اس درندے کو دیکھتے آدمی بھاگ جائے گا۔ اس حال میں اس کے بھاگنے کے علاوہ کوئی دوسری غرض نہیں کیونکہ جب اس نے درندے کو دیکھا تو اسے اپنے نفس کے لیے نقصان دہ سمجھا۔ اسی لیے اس کا نفس بھاگنے کی طرف راغب ہوا۔ اسی بھاگنے کی رغبت کی وجہ سے قدرت بھی کام میں مصروف ہو گئی۔ اس حالت میں صرف یہی کہا جاتا ہے کہ اس شخص کی نیت درندے سے بھاگنے ہی کی ہے۔ کھڑے ہونے سے دوسرا کوئی مطلب نہیں ہے۔ ایسی نیت کو نیت خالص کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس نیت کے تقاضا کے مطابق عمل کرنے کو اخلاص کہا جاتا ہے یعنی اگر غرض کے لحاظ سے دیکھا جائے تو اس عمل کو اخلاص ہی کہنا چاہیے کیونکہ اخلاص کا مطلب ہی یہ ہے کہ یہ کسی غیر کی شرکت و خلط سے خالص ہے۔

2 **دوسری قسم :۔** عمل کے لیے دو سبب ہوں اور ان اسباب میں سے ہر ایک سبب تنہا بھی قدرت کے محرک ہونے کے لیے مستقل ہو۔ اس کی مثال یہ ہے کہ دو آدمی مل کر ایک وزنی بوجھ اتنے زور سے اٹھائیں کہ اگر اکیلا بھی اتنا زور ہوتا تو پھر بھی کافی تھا۔ ہماری غرض کے مطابق ایک یہ مثال ہے کہ آدمی سے اس کا کوئی فقیر رشتہ دار کچھ طلب کرے تو وہ اس فقیر' رشتہ دار کی ضرورت کو پورا کر دے۔ وہ اس فقیر رشتہ دار کے فقر و رشتہ داری دونوں کا لحاظ کرے اور خیال کرے کہ اگر یہ فقیر نہ ہوتا تو میں پھر بھی رشتہ داری کی وجہ سے اس کی ضرورت پوری کرتا یا رشتہ داری کا رشتہ اس کے ساتھ نہ ہوتا تو پھر بھی اس کے فقیر ہونے کی وجہ سے میں اس کی ضرورت پوری کرتا اور دل میں اس بات کا یقین ہو کہ اگر کوئی غنی رشتہ دار بھی کسی قسم کی (جائز و مناسب) درخواست کرے تو اس کی حاجت پوری کرنے کی طرف خواہش کرے گا یا کوئی ناواقف فقیر سوال کرے تو پھر اس کی طرف بھی راغب ہوگا یونہی جس شخص کو طبیعت نے غذا چھوڑنے کا حکم دیا ہو اور اسی دوران عرفہ کا دن بھی آجائے تو وہ روزہ رکھ لے اور خیال یہ کرے کہ اگر عرفہ کا دن نہ بھی ہوتا تو پھر بھی پرہیز کی نیت سے غذا چھوڑ دیتا اور اگر پرہیز بھی نہ ہوتا تو ثواب کے حصول کے لیے کھانا چھوڑ دیتا۔ اب یہ دونوں معاملات جمع ہو گئے۔ اس نے عمل کیا' یہاں دوسرا سبب پہلے سبب

کا رفیق ہوا تو اسی لیے ہم اس دوسرے سبب کو رفیق کہتے ہیں یعنی دونوں اسباب ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔

3 - تیسری قسم :- اگر دونوں اسباب میں سے اکیلا اکیلا ہوتے ہوئے کوئی بھی کافی نہ ہو تو پھر دونوں اکٹھے ہو کر حرکت قدرت کا سبب بنے ہوں تو اس کی مثال محسوسات میں یہ ہے۔ دو ضعیف مرد اکٹھے ہو کر کسی چیز کو اٹھائیں۔ اگر وہ اسے اکیلا اکیلا ہی اٹھانا چاہیں تو ان سے نہ اٹھ سکتی ہو۔ اس بارے میں مثال یہ ہے کہ کسی آدمی کا رشتہ دار غنی اس کے پاس آئے اور اس سے ایک روپیہ مانگے تو وہ اسے نہ دے اور اگر ناواقف فقیر اس سے آکر مانگے تو وہ اسے بھی نہ دے لیکن اگر کوئی غریب رشتے دار مانگنے کے لیے آئے تو وہ اسے دے دے۔ اس صورتحال میں اس کے ارادے کا سبب دونوں وجوہات یعنی قرابت اور فقر کے اکٹھا ہونے کی وجہ سے ہی ہوگا۔ یونہی اگر کوئی لوگوں کے سامنے ثواب کی خاطر اور تعریف و توصیف کی خاطر صدقہ دے دے اور اس طرح ہو کہ اگر صرف ثواب کا ارادہ ہی ہوتا اور سوال کرنے والا اگر تنہائی میں مانگنے کے لیے ملتا تو اسے دینے کے لیے تیار نہ ہوتا۔ یہ غرض صرف تعریف کرنے کی ہوتی اور سائل اپنا فاسق ہوتا کہ اسے دے تو ثواب ملنے کی امید نہ ہو تو پھر اسے دینے کے لیے تیار نہ ہوتا۔ اس میں جب یہ دونوں باتیں ہی اکٹھی ہو گئیں تو مل کر دل کو حرکت دی۔ اس قسم کے سبب کا نام ہم شریک رکھتے ہیں۔

4 - چوتھی قسم :- نیت کی چوتھی قسم یہ ہے کہ دونوں اسباب میں سے کوئی ایک سبب تو ایسا ہو کہ اگر اکیلا ہو تو کارگر ثابت ہو جبکہ دوسرا سبب ایسا نہ ہو مگر جب پہلے سے ملے تو پھر کچھ نہ کچھ مدد اور آسانی پیدا ضرور کر دیتا ہے۔ محسوس میں اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص زبردست وزن اٹھاتا ہے اور اسے کوئی کمزور بھی سہارا دے دے' خواہ وہ آدمی وہ وزن خود بخود ہی اٹھا سکتا تھا جبکہ وہی وزن ضعیف سے اٹھانا ممکن نہ تھا مگر پھر بھی قوی مرد کو وہی وزن اٹھانے میں آسانی تو ہو جاتی ہے مثلاً کوئی شخص کسی وظیفہ یا صدقہ و خیرات کا عادی ہے۔ اتفاقاً وظیفے یا صدقہ خیرات کرنے کے وقت کچھ لوگ اس کے پاس آگئے تو ان کے دیکھنے کی وجہ سے اس پہ وہ عمل آسان ہو گیا اور اس بات کو اپنے نفس سے جانتا ہے کہ اکیلا ہی ہوتا تو پھر بھی اپنے اس عمل میں کاہلی سے کام نہ لیتا اور اگر خیال طاعت نہ ہوتا تو پھر صرف ریاء کی وجہ سے وہ عمل ایسا نہ کرتا' پس اسی طرح اس کی نیت میں کچھ قدرے ملاوٹ ضرور ہو جاتی۔ ایسی قسم کے سبب کو معین کہتے ہیں۔

خلاصہ :- دوسرا سبب رفیق ہوتا ہے یا شریک یا معین اور ان تمام کا حکم ہم اخلاص کی فصل میں تحریر کریں گے۔ یہاں پہ صرف نیت کی اقسام بیان کرنا مقصود ہے۔ اس لیے کہ عمل نیت کا تابع ہوتا ہے اور اسی سے ہی حکم حاصل ہوتا ہے' اس لیے ارشاد گرامی ہوا کہ انما الاعمال بالنیات "عملوں کا دارومدار نیتوں پر ہی ہے۔" اور ظاہر ہے کہ محض تابع کا کوئی حکم نہیں ہوتا بلکہ حکم تو متبوع کا ہی ہوتا ہے۔

عمل سے نیت بہتر ہے :- حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیتہ المومن خیر من عملہ مومن کی

نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔"

حدیث شریف کا مفہوم :۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ نیت کی ترجیح کا سبب یہ ہے کہ نیت ایک پوشیدہ عمل ہے جسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا جبکہ عمل ظاہر ہے جبکہ فضیلت پوشیدہ عمل کو حاصل ہوتی ہے مگر اس مقام پہ وہ مراد نہیں ہے کیونکہ اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ اگر آدمی یہ نیت کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر مبارک اپنے دل سے کرے گا یا مسلمانوں کے کام میں غور و فکر کرے گا تو تفکر کی نیت خود تفکر کرنے سے بہتر ہو اور کبھی یہ گمان ہوتا ہے کہ نیت کی وجہ سے ترجیح ہو کہ کام کے مکمل ہونے تک نیت ہوتی ہے جبکہ اعمال کو ہمیشگی حاصل نہیں ہوتی۔ یہ قول بھی کمزور ہے کیونکہ اس قول سے یہ لازم آتا ہے کہ عمل کثیر' قلیل عمل سے بہتر ہو۔ اس کے علاوہ یہ ضروری نہیں ہے کہ نیت بھی ہمیشہ رہے کیونکہ نماز کے عملوں کی نیت کبھی کبھی تو چند گنتی کے لمحات ہی قائم رہتی ہے جبکہ اعمال نماز کافی دیر تک کرتے رہتے ہیں۔ عموم حدیث شریف سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عمل پر نیت کو ترجیح حاصل ہو۔

فائدہ :۔ بعض فرماتے ہیں کہ اس حدیث شریف کے یہ معنی ہیں کہ اگر نیت محض نیت کی حد تک ہو تو پھر محض عمل بغیر نیت کے بہتر ہے۔ ہرچند تو یہ ہے کہ عمل بغیر نیت کے سے نیت بہتر ہے مگر یہاں یہ مراد نہیں ہو سکتی کیونکہ نیت کے بغیر عمل یا عمل غفلت کے ساتھ ہو تو اس عمل میں کسی بھی قسم کی بھلائی ہرگز نہیں ہے اور اگر عمل کے بغیر نیت ہو تو پھر وہ بھی خیر ہے اور ترجیح ایسی ہی اشیاء میں ہونی چاہیے جو اصل خیر و بھلائی میں مشترک ہوں بلکہ یہاں مراد یہ ہے کہ جو طاعت نیت و عمل سے مرکب ہو اور نیت بھی من جملہ خیرات ہو اور عمل بھی تو ایسی حالت میں ساری طاعت میں سے عمل کی نسبت نیت بہتر ہے۔ نیت اور عمل اگرچہ دونوں ہی تاثیر رکھتے ہیں مگر عمل کی نسبت نیت کی بہت زیادہ تاثیر ہوتی ہے۔ پس حدیث مذکور کے معنی یہ ہوئے کہ مومن کی نیت منجملہ اس کی طاعت کے عمل سے بہتر ہے۔ جو عمل کہ منجملہ اس کی طاعت کے ہو اور غرض یہ ہے کہ بندے کو نیت میں بھی اختیار ہے اور عمل میں بھی اختیار حاصل ہے' اس لیے کہ حقیقتاً نیت و عمل دونوں ہی عمل ہیں مگر بہتری نیت کو ہی حاصل ہے۔ یہ معنی ہیں اس حدیث مبارکہ کے۔

نیت کا عمل سے بہتر ہونے کا سبب :۔ اسے وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو کہ مقصود دین اور طریق دین کو سمجھتا بھی ہو اور جانتا بھی ہو کہ تاثیر طریق مقصود کو پہچاننے میں کس طرح ہوتی ہے اور بعض اثرات کو بعض اثرات پہ قیاس کرے تاکہ معلوم ہو کہ فلاں اثر کو مقصود کے لحاظ سے افضلیت حاصل ہے مثلاً جو شخص یہ کہے کہ میوے سے روٹی بہتر ہے تو اس کی مراد یہ ہے کہ مقصود کے لحاظ سے روٹی یعنی قوت و غذا ہونے کی وجہ سے بہتر ہے۔ اس بات کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ غذا کسی خاص مطلب کے لیے ہے جسے صحت و بقاء کہا جاتا ہے اور تاثیروں میں غذائیں مختلف اسباب رکھتی ہیں اور ان کی تاثیروں کو ایک دوسرے سے مقابلہ کر کے جان لے کہ کس

زرا میں اصل مقصود زیادہ ہوتا ہے۔

طاعات پہ غور و فکر:۔ طاعات پہ جو غور و فکر کیا جاتا ہے تو یہ بھی حقیقتاً دلوں کی غذائیں ہیں اور ان سے مقصود دلوں کی شفا' بقاء اور آخرت میں سلامت رہنا اور اخروی سعادت سے فوائد حاصل کرنا اور دیدار حق تعالیٰ سے لذت حاصل کرنا غرضیکہ مقصود لذت سعادت بہ لقاء اللہ تعالیٰ ہے' اس لیے فقط اور اس سعادت سے وہی لذت حاصل کر سکے گا جو اللہ تعالیٰ کا عارف و محب ہو کر فوت ہو اور اس سے محبت وہی کرے گا جو اسے جانے گا۔

بکثرت ذکر کرنا:۔ اور اسی کو اس سے انس و محبت ہوگی جو اس کا ذکر بکثرت کرے۔ پس ثابت ہوا کہ اس دوام ذکر سے ہی انس حاصل ہوتا ہے اور دوام فکر سے معرفت حاصل ہوتی ہے اور محبت معرفت کی تابع ہوتی ہے اور دوام ذکر اور فکر کے لیے قلب فارغ نہیں ہوتا مگر اس طرح کہ دنیوی اشغال سے فارغ ہو۔ دنیوی مشاغل سے فراغت اس وقت حاصل ہوتی ہے جس وقت دنیا کی شہوتیں دل سے اتنی جدا ہو جائیں کہ خیر کی طرف مائل و راغب ہو جائے' شر سے نفرت و بغض کرے۔

طاعات کی طرف میل کرنا:۔ اور خیر و طاعات کی طرف اس وقت میل پیدا ہوتا ہے جس وقت یہ جان لے کہ اخروی سعادت ان ہی اشیاء سے وابستہ ہے جس طرح کہ عقلمند فصد و پچھنے لگوانے کی طرف اس وقت مائل ہوتا ہے جب یہ جان لیتا ہے کہ اسی میں میری سلامتی ہے۔ جس وقت معرفت سے حقیقی میل حاصل ہو جاتا ہے تو پھر وہ عمل سے مضبوط ہو جاتا ہے یعنی اگر میل کے تقاضے کے موجب عمل پہ ہیشگی اختیار کی جاتی ہے تو عمل کو قوت میسر آتی ہے' اس لیے کہ ایسے اعمال پہ ہیشگی اختیار کرنی چاہیے جو صفات قلبی کے لیے غذا و قوت کے قائم مقام ہوا کرتے ہیں جس سے قلبی صفت قوت حاصل کرتی ہے اور خوب اچھی طرح مضبوط ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر جو شخص طلب علم و حصول ریاست کی طرف راغب ہو تو ابتداء اس کی رغبت کمزور ہوتی ہے مگر جب مقتضائے میل کے بموجب وہ علم کے حاصل کرنے میں مصروف ہو جاتا ہے' خواہ ریاست کو حاصل کرنے کے لیے مختلف تدابیر اختیار کرتا ہے تو وہ میل اس میں مضبوط ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس سے جدا ہونا اس کے لیے نہایت مشکل ہو جاتا ہے اور اگر اپنی اس رغبت کے خلاف کوئی کام کرتا ہے تو اس سے اسے میل میں ضعف ہوتا جاتا ہے۔ اس طرح عموماً رغبت بالکل ہی ختم ہو جاتی ہے یا جو شخص کسی خوبصورت کو دیکھتا ہے تو اسے پہلے رغبت کچھ ضعیف سے ہوتی ہے۔ پھر اگر اس کے مقتضا کے بموجب اس کے پاس ہمیشہ بیٹھنا' دیکھتے رہنا ہم کلام ہونا اور ملنا جلنا اختیار کرتا رہے تو وہی ضعیف رغبت اتنی زیادہ قوی ہو جائے گی کہ انجام کو کام اس کے اپنے اختیار سے بالکل ہی نکل جائے گا۔ اس طرح وہ اس سے جدا نہ ہو سکے گا لیکن اگر اپنے نفس کو شروع میں ہی اس سے جدا رکھے گا اور میل کے تقاضوں کے بموجب عمل اختیار نہ کرے گا تو پھر یہ ایسا ہوگا کہ جیسے میل کی غذا ختم کر دی جائے تو سوائے اس کے کہ میل و رغبت کمزور اور شکستہ ہو کر ختم ہو جائے گی' اسی طرح ہی تمام صفتوں کا حال ہے۔ خیرات و طاعات تمام

ہی اس لیے ہیں کہ ان تمام سے آخرت مطلوب ہوتی ہے اور تمام شرور سے مراد دنیا ہی ہوتی ہے اور نفس کا میل خیرات اخروی کی طرف اور اس کا دنیوی خیرات سے پھرنا بھی دل کو ذکر و فکر کے لیے فراغت عطا کرتا ہے اور یہ اس وقت پختہ ہوتا ہے کہ جس وقت اعمال طاعات پہ ہمیشگی اختیار کی جائے اور تمام اعضاء سے گناہوں کو دور کرنا اپنے اوپر لازم کرلیا جائے۔ اس لیے کہ تمام ظاہری اعضاء اور دل میں ایک علاقہ ہے جس کی وجہ سے ایک کا دوسرے پہ اثر پہنچتا ہے مثلاً اگر کسی عضو میں زخم لگتا ہے تو دل میں اس سے درد پیدا ہوتا ہے۔

جب کسی عزیز کے فوت ہونے کی وجہ سے دل رنجیدہ ہوتا ہے یا دل کسی خوفناک معاملے کی وجہ سے غمگین ہوتا تو اس کا اثر تمام اعضاء پہ ظاہر ہوتا ہے۔ کبھی اس کا سارا بدن کانپنے لگتا ہے اور کبھی سارے جسم کا رنگ تبدیل ہو جاتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ دل اصل ہے۔ یوں سمجھیں کہ دل ان اعضاء پہ امیر یا حاکم ہے اور دوسرے اعضاء دل کے خادم اور رعیت کی مانند ہیں۔ ان اعضاء کی خدمت کی جہت سے دل کی صفتیں پختہ ہوتی ہیں۔ مختصر یہ کہ دل مقصود ہے اور اس کے آلات دوسرے اعضاء ہیں۔ جن آلات کے ذریعے مقصود تک رسائی میسر آتی ہے۔

حدیث شریف:۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان فی الجسد مضغتہ اذا صلحت صلح لها سائر الجسد "بے شک جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے۔ اگر وہ صحیح ہو جاتا ہے تو سارا بدن ہی اس کی وجہ سے صحیح ہو جاتا ہے۔" (بخاری و مسلم شریف)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگتے ہوئے فرمایا کہ اللهم اصلح الراعی والرعیتہ "یا اللہ! حاکم اور رعیت کو درست فرما دے۔" یہاں راعی سے آپ کی مراد قلب ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ لن ینال اللہ لحو مها ولا دمانها ولکن یناله التقوی منکم(پ 17_ ترجمہ از کنز الایمان) الخ گزشتہ صفحہ پر گزرا (منیر رضا)

فائدہ:۔ تقویٰ قلب کی صفت ہے۔ اسی لیے لازمی واجب ہے کہ قلبی اعمال مطلقاً اعضاء کی حرکتوں کی نسبت سے افضل ہوں۔ اس کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ ان تمام میں سے افضل عمل نیت ہو' اس لیے کہ خیر کی طرف دل کے میل مائل کرنے اور ارادہ خیر کو نیت کہتے ہیں۔ جسمانی اعضاء کے اعمال سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ ارادہ خیر کا جن سے دل راغب ہو اور اس میں بھلائی کی رغبت پختگی اختیار کر جائے تاکہ دل دنیوی شہوتوں سے پاک ہو کر ذکر و فکر پہ جھک جائے تو ظاہر بات ہے کہ اسی غرض کی بنا پر عملوں میں بہتری ہوگی اور چونکہ نفس مقصود نیت میں حاصل ہے' اس لیے مقصود کے لحاظ سے اسے ہی افضلیت حاصل ہونی چاہیے جس طرح کہ اگر درد معدے میں ہو تو اس کا ایک علاج یہ بھی کیا جاتا ہے کہ معدے میں پہنچنے والی دوائی پلا یا کھلا دی جاتی ہے۔ یاد رکھیں دوائی جو معدے میں پہنچ جاتی ہے' اس کے علاج کے لیے اس دوائی سے بہتر ہے جو کہ معدے کے اوپر لیپ کی جاتی ہے۔ اس لیے کہ اس سے مطلوب تو صرف یہی ہے کہ دوائی کا اثر معدے میں پہنچے' اس لیے وہ دوائی زیادہ بہتر اور نفع بخش ہوگی' جو

معدے کے اندر معدے سے ملی رہے۔ یونہی تمام طاعات کے اثرات کو بھی سمجھیں کیونکہ طاعات سے دلوں کی تبدیلی مطلوب و مقصود ہے۔ یہ نہیں کہ صرف چند اعضاء کو خوبی میسر آجائے مثلاً سجدہ کرنے سے یہ غرض و غایت ہرگز نہیں ہے کہ صرف زمین پہ پیشانی رکھ دی جائے اور بس بلکہ سجدہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ قلبی صفت تواضع کی عادت مضبوطی اختیار کر جائے یعنی جو شخص کہ اپنے نفس میں عاجزی و انکساری کی صفت پاتا ہے تو جب وہ اپنے اعضائے جسمانی سے عاجز و انکساری (کے حصول کے لیے) مدد طلب کرے گا اور اعضائے جسمانی کی شکل و صورت عاجزی و انکساری کی شکل میں تبدیل کرے گا تو اس عمل سے اس کی صفت تواضع مضبوط ہوگی۔ جو شخص کسی یتیم کے لیے ترس اپنے قلب میں محسوس کرتا ہے' اس طرح جب وہ اس یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرے گا' اس یتیم کو پیار کرے گا تو اس کی وہ صفت اس کے دل میں مضبوط ہو جائے گی۔ ایسی حالتوں میں نیت عمل کے بغیر فائدہ مند ہرگز نہیں ہے' مثلاً یتیم کے سر پہ پیار بھرا ہاتھ تو پھیرے مگر اس کا دل غفلت کا شکار ہو یا یہ خیال کرے کہ میں کپڑے پر ہاتھ پھیر رہا ہوں تو اس قسم کے عمل کرنے کی وجہ سے اعضاء کا اثر دل میں بالکل نہیں ہوگا۔ اسی طرح یہ بھی جان لیں کہ غفلت کی حالت میں جو شخص سجدہ کرے گا کہ بوقت سجدہ اس کا دل دنیوی فکروں میں شاغل ہو تو محض زمین پر ماتھا رکھنے کی وجہ سے دل پہ کچھ اثر نہ ہوگا۔ جس اثر کی وجہ سے واضح مضبوط ہو' غفلت کا شکار ہو کر ایسا سجدہ کرنا اور نہ کرنا مقصد کے حصول کی غرض سے برابر ہے اور بالکل ہی بیکار ہے۔

اعمال کا دارو مدار:۔ اس سے ثابت ہوا کہ اس سے نتیجہ یہ کہ نیت کے بغیر عبادت باطل ہے اور یہ اس حالت میں ہے کہ سجدہ غفلت کی حالت میں ہو اور جب اس سجدہ سے ریا یا کسی کی تعظیم کا خیال ہو تو پھر اس سجدے کا ہونا نہ ہونا برابر ہرگز نہیں ہے بلکہ ایسی حالت میں تو خرابی مزید بڑھ جائے گی یعنی جس صفت کی تائید چاہیے تھی' وہ تو حاصل نہ ہوئی بلکہ جس صفت کو ختم کرنا منظور تھا' اس کی تائید ہوئی (یہ تو الٹ کام ہو گیا) اور وہ صفت ریاکاری کی ہے جو دنیا کی طرف رغبت کرنے میں داخل ہے۔ عمل سے نیت کے بہتر ہونے کی یہ وجہ ہے۔ اسی مسئلہ کی بنا پر ایک حدیث شریف کا مفہوم سمجھ میں آجاتا ہے۔

حدیث شریف:۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ من هم حسنته فلم یعلمها کتبت له حسنته "جو شخص نیکی کا ارادہ کرے اور پھر اسے اس نے نہ کیا تو اس کے لیے ایک نیکی لکھی جائے گی۔" اس لیے کہ اس نیک کام کی طرف دل کا راغب ہونا' خواہشات نفسانی اور دنیوی محبت کی طرف سے انحراف کرنا یہ بہت بڑے درجے کی خوبی ہے۔ جب عمل پورا کر لیا جائے تو پھر اس خوبی کی تاکید ہو جاتی ہے مثلاً قربانی کا جانور ذبح کرنے کا اصل مقصد گوشت اور خون ہرگز نہیں ہے بلکہ قربانی کرنے سے مراد یہ ہے کہ دنیوی محبت سے دل ہٹ جائے۔ اپنے مطالب سے رضائے حق کو زیادہ ضروری جان کر اسے حق تعالیٰ کے راستے میں دے۔ یہ مقصد پختہ نیت و ہمت کرتے ہی حاصل ہو جاتا ہے۔ اگرچہ کسی رکاوٹ کی وجہ سے اس پہ عمل نہ بھی ہو سکے۔

حقیقت قربانی:۔ خود قرآن مجید شہادت دے رہا ہے کہ لن ینال اللہ لحومھا ولا دماءھا ولکن ینالہ التقوی منکم ترجمہ کنزالایمان: اللہ کو ہرگز نہ ان کے گوشت پہنچتے ہیں نہ ان کے خوں ہاں تمہاری پرہیزگاری اس تک باریاب ہوتی ہے۔

اسرار اعمال:۔ مقام تقویٰ احادیث نبویہ کی رو سے دل ہے' اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کچھ لوگ مدینے میں رہنے کے باوجود ہمارے ساتھ جہاد (کے ثواب میں) میں ہمارے ساتھ شامل ہیں' اس لیے کہ ان کے دل کی نیت اچھی ہونے' کلمہ حق بلند کرنے' مال و جان (حق تعالیٰ کی راہ میں) خرچ کرنے اور شہادت کی طرف رغبت کرنے کے لحاظ سے اسی طرح ہی تھے جس طرح کہ جہاد کے لیے نکلنے والوں کے ان کے صرف جسم جدا تھے۔ ان کی بدنی شمولیت کسی رکاوٹ کی وجہ سے نہ ہو سکی۔ جو حدیثیں ہم نے فضیلت نیت کے بارے میں بیان کی ہیں ان معانی کے مطابق سمجھ میں آجائیں گی' اس لیے ان معانی کے مطابق دیکھ لینی چاہیں تاکہ اسرار و رموز ظاہر ہو جائیں۔

تفصیلات اعمال:۔ اگرچہ اعمال کو بہت سی قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے یعنی ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ افعال ہیں یا اقوال ہیں یا حرکات یا حالت سکون اور فائدہ حاصل کرنے کے لیے ہیں یا نقصان اور فکر کو دور کرنے کے لیے ہیں یا ذکر کرنے کے لیے ہیں یونہی اعمال بہت سے ہوتے ہیں جن کا کوئی شمار نہیں۔

اقسام اعمال:۔ اعمال تین قسم پہ مبنی ہوتے ہیں۔ (1) معاصی۔ (2) طاعات۔ (3) مباحات۔

اعمال میں نیت کی وجہ سے تبدیلی:۔ ان تینوں قسموں کے اعمال میں نیت کی وجہ سے جو تبدیلی رونما ہوتی ہے' اسے ہم تفصیلاً تحریر کرتے ہیں۔

معاصی 1:۔ معاصی کا تو حال یہ ہے کہ نیت کی وجہ سے اس میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس لیے اگر کوئی جہالت کا مارا حدیث شریف انما الاعمال بالنیات (اعمال کا دارو مدار نیتوں پر ہے۔) سے یہ مفہوم سمجھ بیٹھے کہ نیت کی وجہ سے گناہ بھی عبادت بن جاتا ہے تو یہ اس کی محض غلطی ہے مثلاً کسی شخص کی وجہ سے کوئی کسی دوسرے کی غیبت کرے یا کسی دوسرے کا مال فقیر کو کھلائے یا مدرسہ یا مسجد یا سرائے حرام کے مال سے تعمیر کروائے اور اچھی نیت کرے یعنی نیت بھلائی کی کرے تو یہ تمام باتیں مبنی بر جہالت ہیں۔ ان (معصیت والے) کاموں کا ظلم اور گناہ ہونا صرف نیت کی وجہ ختم نہیں ہوگا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ شرع مطہرہ کے تقاضا کے خلاف افعال کی نیت خیر کی کرنا تو یہ تو مزید دوسری برائی ہے یعنی برے افعال کے بارے نیت خیر کی کرنا الگ گناہ ہے' اس لیے اگر دانستہ" ایسا کرے گا تو شریعت مطہرہ کا دشمن ہوگا اور ایسا اگر نادانستگی کی حالت میں کرے گا تو پھر جہالت کی وجہ سے گنہگار ٹھہرے گا کیونکہ ہر مسلمان پہ طلب علم فرض ہے۔ شرع شریف سے ہی معلوم ہوتا ہے' خیرات کا خیر ہونا' شر خیر کیسے ہو سکتا ہے بلکہ

حقیقت یہ ہے کہ دل میں یہ بات شہوت خفی اور باطنی خواہشات پیدا کر دیتے ہیں' اس لیے کہ جب دل جاہ طلب اور لوگوں کے دل اپنی طرف پھیرنے اور نفسانی لذتوں کی طرف شائق ہوتا ہے تو شیطان کو جاہل پہ خوب دغا کا بہانہ میسر آجاتا ہے۔

جہل سے سخت شر:۔ حضرت سہل رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کسی بھی گناہ سے اتنی زیادہ نہیں ہے جتنی کہ جہل کی معصیت ہے۔ لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ آپ کو جہل سے بھی بڑھ کر کوئی چیز معلوم ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اپنی جہالت سے بے علم ہونا اس سے بھی زیادہ سخت ہے۔ آپ کا یہ قول مبارک حقیقتاً درست ہے کیونکہ مرکب جہل تعلیم کا راستہ بالکل ہی بند کر دیتا ہے۔ مثلاً جو سمجھتا ہے کہ مجھے علم ہے تو ایسا شخص علم کیسے حاصل کرے گا (یعنی وہ علم نہیں سیکھے گا) یونہی علم سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا تمام اطاعتوں سے افضل و اعلیٰ ہے اور تمام علموں کی جڑ علم ہے جس طرح کہ تمام جہالتوں کی جڑ جہل ہے۔

فائدہ:۔ جو شخص نافع و مضر علم کے احوال نہیں جانتا' وہ وہی علم حاصل کرنے کی کوشش کرے گا جن علوم کی طرف عام لوگ متوجہ ہوں گے۔ حالانکہ ایسے علوم بے ہودہ ہیں۔ یہی علوم ان کی خاطر دنیوی ذرائع ہیں۔ اس قسم کے علوم حاصل کرنے میں مشغول ہونا جہالت کا مواد اور جہان کے لیے فساد کا معدن ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ جہالت کی وجہ سے جو شخص گناہ سے خیر کا ارادہ کرے تو اس بارے میں اس جہالت پر مبنی عذر نہ معقول قبول نہیں کیا جائے گا۔ ہاں البتہ وہ ایک صورت میں معذور ہوگا کہ مسلمان ہوئے اسے تھوڑے ہی دن گزرے ہوں۔ اسے مسائل سیکھنے کا موقع میسر نہ آیا ہو ورنہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون (النحل 43) ترجمہ کنزالایمان:۔ اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں۔

حدیث شریف:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لا يعذر الجاهل على الجهل ولا يحل للجاهل ان يكمث على جهل ولا للعالم ان يسكت على علمه "جاہل اپنے جہل کی وجہ سے معذور نہیں سمجھا جائے گا اور جاہل کے لیے ہرگز جائز نہیں کہ وہ اپنے جہل پہ ہی قائم رہے اور نہ ہی عالم کے لیے یہ صحیح ہے کہ وہ اپنے علم پر خاموشی اختیار کرے۔"

مساجد و مدارس حرام کی کمائی سے بنوانے کا حکم:۔ حرام کے مال سے مساجد و مدارس بنوا کر جو لوگ بادشاہوں کا قرب حاصل کر لیتے ہیں اور اسی کے قریب قریب بے وقوف اور شرارتی لوگ بھی ہیں جو فسق و فجور میں مبتلا ہوتے ہیں اور اس بات کے لیے تیار ہوتے ہیں کہ علمائے کرام سے جھگڑا پیدا کریں اور فقہائے کرام کو دھوکہ و فریب دینے کی کوشش کریں' عام لوگوں سے ہمدردی کا سلوک کریں۔ بادشاہوں' یتیموں اور مساکین کے دنیوی مال و متاع کی خواہش رکھتے ہوں۔ انہیں علم پڑھایا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ایسے کم ذات علم حاصل کرتے ہیں تو ایسے لوگ راہ حق کے ڈاکو ہوتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک اپنے شہر میں دنیا پر نائب دجال بن کر جھگڑا کرتا ہے اور

خواہشات نفسانی کی پیروی کرتا ہے۔ تقویٰ و پرہیزگاری کے قریب بھی نہیں پھٹکتا۔ اسے دیکھ کر لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کی جرات پیدا ہوتی ہے۔ پھر یہی عمل اسے جیسے کسی دوسرے کو بھی اس کے عمل سے مل جاتا ہے۔ وہ بھی اپنے استاد کی پوری پوری پیروی کرتا ہے۔ یونہی یہ علم مسلسل بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اس جیسے تمام عالم اس علم کو شر کا وسیلہ بنا لیتے ہیں۔ ان تمام کا عذاب پہلے استاد پر رہتا ہے جس نے شاگرد کی نیت فاسد ہونے کے باوجود اسے علم سکھلایا۔ اس نے اپنے شاگرد کے معصیت بھرے اقوال و افعال اور کھانے پینے رہنے وغیرہ تمام ہی افعال اپنی آنکھوں سے دیکھ لئے تھے۔ اس کے باوجود اسے پڑھانا بند نہ کیا۔ اس قسم کا عالم جب مرجاتا ہے تو اس کے شر والے آثار ہزار' دو ہزار سال تک جہان میں پھیلتے رہتے ہیں۔ اچھا وہی ہے جس کے مرنے کے ساتھ ہی اس کے گناہ بھی ختم ہو جائیں۔

جاہلانہ تصور:۔ بعض دنیادار قسم کے مولوی جہالت کی وجہ سے کہتے ہیں کہ بحکم انما الاعمال بالنیات (عملوں کا دار و مدار نیتوں پر ہے) میں نے تو نیت علم دین پھیلانے کی کی ہے۔ اگر علم دین سیکھنے والا اسے فساد و جھگڑا کرنے کے لیے استعمال کرے گا تو اس میں میرا قصور ہرگز نہیں بلکہ فساد میں استعمال کرنے والے کا قصور ہے۔ اسے سکھانے میں میری نیت تو صرف یہ تھی کہ وہ اس سے بھلائی کے کاموں میں مدد لے۔ اس کے اس کہنے کا مقصد حب ریاست اور آقا بننا' علم کے زیادہ ہونے کا تکبر اور حب ریاست کے واسطہ اس پر یہ امور شیطان مشتبہ کر دیتا ہے لیکن ہم کہتے ہیں کہ وہ اس کا کیا جواب دے گا کہ ایک شخص نے کسی ڈاکو کو تلوار بھی دے دی اور گھوڑا اور دوسرے اسباب بھی فراہم کر دیئے جن سے وہ اپنا مدعا حاصل کرنے میں مدد لے سکے اور یہ سامان ڈاکو کو دینے والا کہے کہ میں نے تو نیت سخاوت کی کی اور اسے دینے کی کی ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے اعلیٰ اخلاق میں سے ہے۔ اس سے میری یہ نیت ہے کہ وہ اس تلوار اور دوسرے سامان سے راہ حق میں جہاد فی سبیل اللہ کرے۔

ڈاکو کو سامان فراہم کرنے کا حکم:۔ ظاہر ہے کہ کسی کو مفت سامان دینا بڑے ثواب کا کام ہے۔ اب اگر وہ (ڈاکو) خود اس سامان کو ڈاکے ڈالنے میں استعمال کرے تو پھر میں کیا کروں۔ اس طرح کرنے میں وہ خود گنہگار ہوگا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اس بارے میں تمام فقہائے کرام متفق ہیں کہ ڈاکو کو ڈکیتی کرنے میں مدد دینے والے اسباب دے کر اس کی مدد کرنا حرام ہے۔

فضیلت سخاوت:۔ تمام اخلاق میں سب سے زیادہ محبوب عمل سخاوت ہے۔ اس کی فضیلت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تین سو اخلاق ہیں جو کوئی ان میں سے کسی ایک اخلاق کے ذریعے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف تقرب کرتا ہے تو وہ جنت میں داخل ہوتا ہے اور ان تمام میں سے اللہ تعالیٰ کو محبوب سخاوت ہے۔

پس اس کے حرام قرار دینے کی کیا وجہ ہے اور ڈاکو کے احوال کے قرینے کو دیکھنا لازم کر دیا ہے۔ پس اس کی

جب علامت ظاہر ہو گئی کہ وہ ہتھیار کے ذریعے شر کے راہ پر چل نکلتا ہے تو پھر اس شخص سے ہتھیار چھین لینے چاہیں نہ کہ اسے ہتھیار دیئے جائیں۔

علم ہتھیار ہے :۔ علم بھی ایک ایسا ہتھیار ہے کہ اس ہتھیار کے ذریعے شیطان اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو مارا جاتا ہے۔ اسی ہتھیار سے بعض اوقات اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو بھی مدد مل جاتی ہے جس طرح کہ خواہشات نفسانی۔ پس جو شخص ہمیشہ دین پہ دنیا کو ترجیح دیتا ہے اور آخرت پہ اپنی خواہش کو ترجیح دیتا ہے مگر عملی کمی کی وجہ سے مجبور ہو تو ایسے شخص کو علم سکھا کر مدد دینا کس طرح جائز ہے کہ وہ اس علم کی وجہ سے اپنی شہوتوں کو حاصل کرنے پر قدرت حاصل کرلے۔

بزرگان دین کا دستور :۔ بزرگان دین کا یہ دستور مبارک تھا کہ جو شخص ان کے پاس آیا جاتا کرتا تھا' وہ ان کے حالات کے تجسس میں رہتے۔ اگر اس میں ایک نفلی میں بھی خطا ملاحظہ فرماتے تو اسے اچھا نہیں جانتے تھے۔ تواضع اور اس کی تعظیم ترک کردیتے اور اگر بدچنی یا کسی حرام چیز کو حرام سمجھنا ملاحظہ فرمالیتے سوائے اپنی مجلس سے اٹھادیا کرتے تھے اور اس سے بولنا بھی ترک کردیتے۔ اسے کوئی بات سکھانے کے معنی اس لیے کہ انہیں معلوم تھا کہ جو شخص کوئی مسئلہ سیکھتا ہے اور اس کے مطابق عمل نہیں کرتا تو اس مسئلے کو وہ غیر جگہ استعمال کرتا ہے تو ایسا شخص اور کچھ بھی نہیں سیکھتا' محض وسیلہ شر تلاش کرتا ہے۔

بدکار عالم سے پناہ :۔ تمام اکابر دین نے جاہل بدکار سے اتنا پناہ نہیں مانگی' جتنی بدکار عالم سے پناہ مانگی ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کے حالات میں ہے کہ آپ کی خدمت میں ایک شخص کئی سال استفادہ کرنے کو آتا جاتا رہا۔ آپ نے اتفاقاً اس سے روگردانی فرمائی۔ گفتگو فرمانا ترک کردی۔ نظر عنایت سے گرادیا۔ وہ آپ سے مزاج شریف کی تبدیلی کی وجہ پوچھتا تو حضرت صاحب اسے وجہ بھی نہ بتاتے تھے۔ اس کے بہت اصرار کرنے کے بعد آپ نے فرمایا کہ میرے سننے میں آیا ہے کہ اپنے گھر کی دیوار کو تو نے سڑک کی طرف سے گارا لگایا ہے اور بندے کے قد برابر مٹی لی ہے اور وہ مسلمانوں کے گزرنے کا مقام ہے' اس لیے میں تجھ سے نقل علم کی قابلیت نہیں دیکھتا۔

فائدہ :۔ اکابر دین کا طلبہ کی نگرانی کا یہ حال تھا۔ ایسی باتیں اغنیاء اور تابعداران شیطان پہ پوشیدہ رہتی ہیں' خواہ ان کے پاس چادریں اور لمبی چوڑی آستینیں بھی ہوں۔ وہ زبان دراز اور لچھے دار تقریر کرنے والے بھی ہوں اور ان کے پاس علم بھی بہت ہوں یعنی ایسا علم جس میں دنیا سے ڈرانا' روکنا' ترغیب آخرت اور آخرت کی طلبی مقصد نہ ہو بلکہ ایسا علم ہو جو عام مخلوق میں رائج ہوتا ہے۔ اسی علم کی وجہ سے حرام مال اکٹھا کرتے اور لوگوں کی پیروی کی خواہش رکھتے ہیں اور ہم پلہ لوگوں پر بڑھ چڑھ کر بیٹھتے ہیں۔

الاعمال بالنیات مبنی پر دو اقسام :۔ اس تقریر سے ثابت ہوا کہ حدیث شریف الاعمال بالنیات دو قسم کے عملوں

کے لیے ہے یعنی طاعات و مباحات کے بلے ہے' نہ کہ گناہوں کے لیے۔

قسم اول :۔ نیکی تو (گندی) نیت کی وجہ سے گناہ بھی بن جاتی ہے اور نیت (خالصتاً بوجہ اللہ) کی وجہ سے نیکی نیکی ہی رہتی ہے اور اسی طرح مباح کا بھی یہی حال ہے کہ نیت (اچھی یا بری) کی وجہ سے ہی گناہ اور نیکی دونوں ہی ہو سکتی ہیں۔ یاد رہے کہ گناہ کسی طرح بھی نیکی نہیں ہو سکتا بلکہ نیت کی وجہ سے تو اس میں مزید برعکس اثر مرتب ہوتا ہے کہ جب گناہ میں خبیث نیتیں شامل ہو جاتی ہیں تو اس کا عذاب اور گناہ مزید بڑھ جاتا ہے۔ اس کا بیان توبہ کے بیان میں ہو چکا ہے۔

قسم دوئم :۔ دوسری قسم طاعات اعمال ہیں اور وہ دو باتوں کے لحاظ سے نیت کے متعلق ہیں۔ (1) اصل صحت کے بارے میں۔ (2) کثرت ثواب میں۔

1۔ اصل صحت تو یوں ہے کہ عمل سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی نیت کرے۔ اس کے سوا کوئی دوسری نیت نہ ہو یعنی وہی (نیکی والا کام) اگر ریا کی نیت سے کرے گا تو وہی عبادت گناہ کے زمرے میں شامل ہو جائے گی۔

2۔ کثرت ثواب اس طرح کہ ایک ہی عمل میں بہت سی نیتیں کر لے تو جب ایک ہی نیکی کے کام میں چند نیکیوں کی نیت کر لے گا تو ہر ایک نیکی کی نیت پر الگ ثواب میسر آئے گا کیونکہ ہر نیت (نیکی کی نیت) ایک نیکی ہے اور ہر نیکی کے پیچھے حدیث شریف کے مطابق دس گنا ثواب میسر آسکتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص مسجد میں بیٹھے اور مسجد میں بیٹھنے میں نیتیں بہت سے اعمال خیر کی کر لے۔ حالانکہ یہ ایک طاعت ہے مگر اس کے باوجود اس بیٹھنے کی نیتیں بہت سی ہو سکتی ہیں۔ اس میں اسے پرہیزگاروں کے اعمال جیسی فضیلت بھی مل جائے گی۔ اسی وجہ سے مقربین کے درجہ تک پہنچ جائے۔

مسجد میں بیٹھنے کی نیتیں :۔ مسجد میں بیٹھنے کی نیتوں میں سے پہلی نیت یہ ہے کہ وہ خیال کرے کہ مسجد اللہ کا گھر ہے۔ جو بھی مسجد میں آتا ہے' اسے اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوتی ہے۔ اس لیے مسجد میں بیٹھنے سے زیارت حق تعالیٰ کی نیت کر لے تاکہ اسے وہ ثواب مل جائے جس کا وعدہ سرکار مدینہ سرور سینہ نے حدیث شریف میں ارشاد فرمایا ہے۔

حدیث شریف :۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ من قعد فی المسجد فقد زار اللہ تعالٰی وحق علی المزور اکرام زائرہ "جو شخص مسجد میں بیٹھا' اس نے اللہ تعالیٰ کی زیارت کی اور جس کی زیارت کی جائے' اس پر لازم ہے کہ وہ زیارت کرنے والے کا اکرام کرے۔

2۔ ایک نماز پڑھنے کے بعد دوسری نماز ادا کرنے کی نیت کر لے تاکہ دوسری نماز کے انتظار میں جب تک رہے گا' اس وقت تک اسے نماز جیسا ہی ثواب ملتا رہے گا' قرآن حکیم میں جو کلمہ و رابطوا آیا ہے' اس کا

یہ مطلب

3- کان اور آنکھوں کا گناہوں سے روکنا اور دوسرے اعضاء کو حرکات و تردوات سے محفوظ رکھتے ہوئے تارک الدنیا عابد بننا۔ اس لیے کہ روزے کی طرح باز رہنے کا نام اعتکاف ہے اور وہ ایک طرح سے رہبانیت ہی ہے۔

حدیث شریف:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ رھبانیتہ امتی القعود فی المساجد" میری امت کی رہبانیت مساجد میں بیٹھنا ہے۔"

4- ارادے کا اللہ تعالیٰ کی طرف مختص کر دینا (یعنی پختہ عزم اللہ کی سمت لگانا) اس کے سوا تمام عزائم ختم کر دینا اور فکر آخرت کا راز معلوم کرنے کی سعی کرنا' اس سے روکنے والے تمام مشاغل کو اپنے سے دور کرنا۔

5- ذکر اللہ کے لیے تنہائی اختیار کرنا یا ذکر اللہ سننے کے لیے یا صرف اسی کی یاد کا ہی ہو کر رہ جانا۔

حدیث شریف:۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من غدا الی المسجد لیذکر اللّٰہ تعالیٰ اویذکر بہ کان کالمجاھد فی سبیل اللّٰہ "جو شخص مسجد میں ذکر اللہ کرنے کے لیے جائے یا اس کی نصیحت کرے تو وہ شخص مجاہد فی سبیل اللہ جیسا ہے۔"

6- امر بالمعروف نہی عن المنکر کا ارادہ کرنا کیونکہ بعض ایسے لوگ بھی مسجد میں معلوم ہیں جو اچھی طرح صحیح نماز ادا نہیں کرتے یا جو ایسی حرکات مسجد میں کریں جو مسجد میں کرنا ان کے لیے جائز نہ ہو تو مسجد میں بیٹھنے والا انہیں اچھی بات سکھا دے اور راہ دین انہیں بتائے تاکہ اس سے جو نیک امور سیکھیں' اس میں یہ بھی شامل ہوں اور اس کی نیکیوں میں اضافہ ہو۔

7- مسجد میں اولیاء اللہ و محسنین میں سے اس کا کسی کے ساتھ بھائی چارہ ہو جائے تاکہ ان سے اسے کچھ استفادہ ہو سکے۔ مسجد میں اکثر دیندار محبان حق اور خالصتاً اللہ کے لیے دوستی کرنے والے موجود رہتے ہیں تاکہ ان سے استفادہ ہو سکے تو یہ بھی ذخیرہ آخرت و غنیمت ہے۔

8- اللہ تعالیٰ سے شرم آنے کی بنا پر گناہوں کو ترک کر دے اور اس بات سے بچتا رہے کہ اللہ تعالیٰ کے گھر (مسجد) میں ایسی کوئی بات نہ کرے جو کہ مسجد کی حرمت و ہتک کی مقتضی ہو۔

مسجد میں بیٹھنے کے انعامات:۔ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص مسجد میں بکثرت آتا جاتا ہے' اسے اللہ تعالیٰ ان انعامات میں سے ایک انعام سے ضرور نوازتا ہے یا اسے کوئی ایسا بھائی ملتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے بارے استفادہ ہو یا رحمت حق نازل ہوتی ہے یا علم عجیب میسر آتا ہے یا راہ راست بتانے والا کلمہ ملتا ہے یا اس سے اللہ تعالیٰ کوئی نکمی بات چھڑا دیتا ہے یا اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے گناہوں کا چھوڑنا نصیب ہوتا ہے یا اس کی شرم سے۔

بہت سی نیتیں کرنے کا طریقہ:۔ بہت سی نیات کرنے کا طریقہ یہی ہے۔ اسی پہ تمام طاعات و مباحات کو قیاس

فرمالیں' اس لیے کہ کوئی بھی ایسی طاعت نہیں ہے کہ جس میں بہت سی نیتوں کا احتمال نہ ہو۔ ان میں سے بندہ مومن کے دل میں اتنی ہی نیتیں آتی ہیں جتنا کہ وہ خیر کی طلب میں کوشش اور فکر کرتا ہے۔ اسی کی وجہ سے اعمال پاک صاف ہوتے ہیں اور نیکیاں بڑھتی ہیں۔

مباحات:۔ مباحات میں بھی ایک یا کئی نیتیں ایسی ہو سکتی ہیں جن کی وجہ سے مباحات اعلیٰ ترین قربان میں سے بن جائیں اور ان سے بلند مدارج حاصل ہو سکیں۔ اسے بڑا نقصان ہوتا ہے جو ان سے غافل ہوتا ہے۔ ان پہ جانوروں جیسی بھول چوک اور غفلت کا شکار ہو کر عمل پیرا ہو اور یہ بھی نہ چاہیے کہ آدمی کسی خطرہ یا قدم یا لحہ کو معمولی جانے کیونکہ قیامت کے دن ان تمام چیزوں کے بارے میں سوال ہو گا کہ ایسا کیوں کیا تھا؟ اس کے کرنے میں تیری کیا نیت تھی؟ اور یہ صورت بھی محض اسی مباح میں ہے جس میں کراہت بالکل ہی شامل نہ ہو۔

حدیث شریف 1:۔ نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حلالها حساب و حرامها عقاب "اس کے حلال میں حساب اور حرام میں عذاب ہے۔"

حدیث شریف 2:۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ان العبد ليسا يوم القيامته عن كل شي حتى عن كحل عينه وعن فتات الطينته باصبعته وعن لمس ثوب اخيه "بے شک بندے سے ہر چیز کے بارے میں سوال ہو گا یہاں تک کہ اپنی آنکھوں کے سرمے اور انگلی سے مٹی کریدنے اور اپنے بھائی کا کپڑا چھونے کے بارے میں بھی سوال کیا جائے گا۔"

حدیث شریف 3:۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر خوشبو لگائے گا' وہ قیامت کے دن یوں آئے گا کہ اس کی خوشبو مشک کی خوشبو سے بھی اعلیٰ ہو گی اور جو کسی غیر اللہ کی خوشنودی کے لیے خوشبو لگائے گا۔ وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کی بدبو مردار کی بدبو سے بھی زیادہ گندی ہو گی۔ یہاں غور فرمائیں کہ خوشبو لگانا مباح ہے مگر اس کے باوجود اس میں بھی نیت اچھی ہونی لازم ہے۔

سوال:۔ اب اگر اس بارے میں سوال کرو کہ خوشبو لگانا تو نفسانی لذتوں میں سے ہے۔ پھر خوشبو لگانا حق تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کیسے ہو سکتی ہے؟

جواب:۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن یا دوسرے اوقات میں خوشبو لگائے تو ایسے وقت میں بھی یہ ہو سکتا ہے کہ خوشبو لگانا دنیوی لذات سے سکون حاصل کرنا مقصد ہو یا اپنے فخر کا اظہار اور کثرت اموال کا اظہار ہو تاکہ ہم رتبہ لوگ حسد کریں یا لوگوں کو دکھلانا نہ نظر ہو تاکہ اس کے لیے لوگوں کے دلوں میں جگہ ہو۔ جب بھی اس کا ذکر لوگ کریں تو کہیں فلاں آدمی بڑا خوشبو پسند ہے۔ اسے خوشبو سے بہت ذوق ہے یا یہ کہ وہ اجنبی عورتوں کے دلوں میں محبوب بن جائیں مگر اس میں شرط یہ ہے کہ وہ اجنبی عورتوں کی ناک میں رہتا ہو۔ اسی طرح

کے اور بہت سے کام ہو سکتے ہیں اور ان تمام کاموں کی وجہ سے خوشبو لگانا گناہ کے زمرہ میں شمار ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی بدبو قیامت کے دن مردار سے بھی زیادہ بری ہوگی۔ ہاں البتہ صرف دنیوی لذتوں سے راحت حاصل کرنا گناہ نہیں ہے مگر اس سے بھی سوال ضرور ہوگا اور جس سے بھی جھگڑا حساب کا ہوگا' اسے عذاب ہوگا اور جو شخص دنیوی مباحات میں سے کوئی کرلے گا' اسے قیامت کے دن عذاب اس وجہ سے تو نہ ہوگا مگر مباح کی مقدار برابر راحت آخرت گھٹا دی جائے گی اور اگر غور فرمائیں تو یہ بھی بڑے نقصان کا سودا ہے کہ یہاں ایک فانی چیز کے بدلے ہمیشگی والی راحت میں نقصان ہو۔

خوشبو میں اچھی نیتیں :۔ خوشبو میں اچھی نیتیں درج ذیل ہیں مثلاً :۔

1- جمعہ کے دن نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارک پہ عمل کرنے کی نیت کرے۔

2- تعظیم خانہ خدا کی نیت سے خوشبو لگائے کہ اللہ تعالیٰ کی زیارت کے لیے مسجد میں خوشبو کے بغیر نہیں جانا چاہیے۔

3- ارد گرد والوں کو سکون پہنچانے کی نیت سے خوشبو لگائے۔

4- اپنے وجود سے بدبو دور کرنے کی نیت کرے کہ جو میرے پاس بیٹھے' اسے میری بدبو کی وجہ سے تکلیف نہ ہو۔

5- میری بدبو کی وجہ سے لوگ میری غیبت کے درپے ہوتے ہوں گے۔ وہ اس غیبت والے گناہ سے بچ جائیں۔ اس کی میری وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی معصیت نہ کریں۔

غیبت :۔ جو شخص غیبت سے پرہیز کرتا ہے اور وہ اس سے بچنے کی طاقت بھی رکھتا ہے تو وہ اس گناہ میں شامل ہے۔ کسی عربی شاعر نے کہا اذا تیر حلیث عن قوم وقد قدروا۔ ان لا تفارقهم فالراحلون مهم ترجمہ :۔ "جب تم کسی قوم سے علیحدہ ہو جاؤ' اگرچہ وہ تجھ سے جدا نہ ہونے کا پروگرام بنایا ہو۔ جب تم کوچ کر جاؤ گے تو وہ بھی تجھ سے علیحدہ ہو جائیں گے۔

اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ولا تسبو الذین یدعون من دون اللہ فیسبواللہ عدوا بغیر علم (الانعام 109) ترجمہ کنزالایمان :۔ اور انہیں گالی نہ دو جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں کہ وہ اللہ کی شان میں بے ادبی کریں گے زیادتی اور جہالت سے۔

فائدہ :۔ اس میں اشارہ ہے کہ شر کا سبب ہونا بھی شر ہی ہے اور اپنے دماغ کے علاج کی نیت کرلے تاکہ ذہن و ذکاء کی خوشبو زیادہ ہو۔ دنیوی امور کا سمجھنا اور ان امور میں فکر کرنا آسان ہو جائے۔

حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جس کی خوشبو اچھی ہوتی ہے۔ اس کی عقل زیادہ ہوتی ہے۔ مختصر یہ کہ اس جیسی نیتیں ایسی ہیں کہ جب بندہ کے دل میں آخرت کی تجارت اور خیر کی طلب کا غلبہ ہوتا ہے

تو پھر بندہ ایسی نیتوں سے بے بس نہیں ہوتا بلکہ ایسی نیتیں کر سکتا ہے اور جس صورت میں دنیوی آسائش غالب ہو تو پھر البتہ یہ نیتیں اس کے دل میں نہیں آتی ہیں اور اگر شخص یاد بھی کرے تو پھر بھی ان نیتوں کی طرف اس کا دل نہیں ابھرتا کہ یہ نیتیں کرے اور اگر کوئی شخص ان نیتوں میں سے بھی کر لیتا ہے تو ایسی نیتیں محض خطرے کی حیثیت سے ہی ہوتی ہیں کہ اسے نیت نہیں کہا جاتا۔ مباحات بہت زیادہ ہیں اور ان تینوں کو شمار کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ اس ایک مثال سے ہی بقیہ کو قیاس کر لیں۔

بعض عارفوں نے ارشاد فرمایا ہے کہ مجھے مستحب معلوم ہوتا ہے کہ کھانے، پینے، سونے، پاخانہ میں جانے اور دوسرے تمام کاموں میں سے ہر کام کے بارے میں ایک نیت کر لیا کروں اور یہ تمام باتیں اسی نوعیت کی ہیں۔ ان تمام میں تقرب الی اللہ کی نیت ہوتی ہے۔ اس لیے کہ چیز بدن کے باقی رہنے کا سبب ہو اور بدنی معاملات سے دل کی فراغت کا باعث وہ چیز دین پر مددگار ہوا کرتی ہے، مثلاً جو شخص کھانا کھانے سے یہ نیت کرے کہ اسے عبادت پر قوت ملے۔ اپنی بیوی سے قربت میں یہ نیت کرے کہ دینی درستگی، اپنی زوجہ کی دلی خوشی، نیک و پارسا اولاد کی توقع کہ میرے بعد وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں اضافہ ہو تو اس صورت میں وہ اپنے کھانے اور قربت زوجہ سے طاعت کرنے والا ہوگا اور تمام نفسانی لذتوں سے یہ دونوں بڑھ کر ہیں تو جس شخص کے دل میں آخرت کی فکر کا غلبہ ہو، اس پہ ان دونوں سے کاموں میں بھی نیت خیر کرنا ناممکن نہیں ہے۔ یونہی جب آدمی کا مالی نقصان ہو جائے تو اس میں بھی نیت اچھی ہی کرے۔ کہے کہ وہ مال فی سبیل اللہ ہے۔

جب سنے کہ کوئی شخص میری غیبت کرتا ہے تو دل میں اگر یہ خواہش پیدا ہو کہ اس کے بدلے غیبت کرنے والا قیامت کے دن میری برائیاں اٹھائے گا (یعنی مجھ سے برائیاں دور ہوں گی) اور اس کے نامہ اعمال سے نیکیاں میرے نامہ اعمال میں جمع ہوں گی، اس کے لیے نیت یوں کرے کہ غیبت کرنے والے کو کوئی جواب نہ دے بلکہ خاموشی اختیار کرے۔

حدیث شریف :۔ جب بندے کا حساب ہوگا تو آفت کے آنے کی وجہ سے اس کے تمام اعمال بیکار ہو جائیں گے۔ یہاں تک کہ وہ شخص دوزخ کا مستحق ٹھہرے گا۔ بعد ازاں اس کے لیے صالحہ اعمال کا دفتر کھولا جائے گا۔ اس کی وجہ سے وہ جنت کا مستحق ٹھہرے گا۔ پس وہ شخص حیران ہو کر عرض کرے گا کہ یااللہ! میں نے یہ اعمال تو کبھی بھی نہیں تھے تو اسے فرمایا جائے گا کہ یہ اعمال تجھے ان لوگوں کے ملے ہیں جن لوگوں نے تیری غیبت کی تھی اور تجھ پہ ظلم و زیادتی کی تھی۔

حدیث شریف :۔ بندہ قیامت میں ایسی نیکیاں لائے گا کہ وہ پہاڑ کے برابر ہوں گی۔ اگر وہ تمام نیکیاں اس کے لیے ہوں تو وہ جنت میں داخل کیا جائے مگر وہ آئے گا اس صورت میں کہ اس شخص نے کسی پہ ظلم و ستم کیا ہوگا، اس نے کسی کو گالی دی ہوگی، کسی کو اس نے مارا ہوگا۔ اس لیے ان تمام مظلوموں کو اس کی ساری نیکیاں دے دی

جائیں گی' یہاں تک کہ اس کے پاس ایک نیکی بھی نہ رہ جائے گی۔ تب فرشتے عرض کریں گے' یااللہ! اس کی نیکیاں ختم ہو گئیں جبکہ ابھی تک دعویدار باقی ہیں تو حکم وحدہ لاشریک ہو گا کہ اس پر ان کے گناہوں کا بوجھ ڈال دو اور اس کے لیے ایک رقعہ دوزخ میں تحریر کر دو۔

فائدہ :- سالک کو چاہیے کہ اپنی حرکات و سکنات میں سے کسی حرکت کو بھی معمولی نہ سمجھے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بعض کاموں کو معمولی سمجھ کر اختیار کرے۔ اس کے شر سے نہ بچے' روز حساب اس کا جواب دینے کی تیاری نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ ہر کام کو جانتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مایلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید(ق 18)
ترجمہ کنزالایمان :- کوئی بات وہ زبان سے نہیں نکالتا کہ اس کے پاس ایک محافظ تیار نہ بیٹھا ہو۔

حکایت :- بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ میں نے ایک خط تحریر کیا اور دل میں آیا کہ اسے ہمسایہ کی دیوار سے مٹی ڈال کر خشک کروں مگر اس کے لیے میرے دل نے تسلیم نہ کیا۔ پھر میں نے سوچا کہ یہ تو محض مٹی ہے' اس کا کیا ہے۔ مختصر یہ کہ میں نے وہ خط ہمسائے کی دیوار والی مٹی سے خشک کر لیا۔ بعدازاں غیب سے یہ آواز سنائی دی سیعلم من استخف بتراب۔ مایلقی من سوء الحساب "عنقریب وہ جان لے گا جو مٹی میں چھپ جائے گا یعنی قبر میں جائے گا کہ اسے کیسا برا حساب سامنے آئے گا۔

حکایت :- حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ کے ہمراہ ایک شخص نے نماز ادا کی تو اس نے دیکھا کہ حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ کا کپڑا الٹا تھا۔ اس نے آپ کی خدمت میں عرض کیا' اس پر آپ نے پہلے اپنا ہاتھ کپڑا سیدھا کرنے کے لیے بڑھایا مگر پھر اسی حالت میں رہنے دیا۔ اس شخص نے اس کی وجہ پوچھی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے یہ کپڑا اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے پہنا تھا' پھر میں نے نہیں چاہا کہ اسے کسی غیر خدا کی رضا کی خاطر سیدھا کروں۔

حکایت :- حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن ایک شخص کسی دوسرے شخص سے جھگڑا کرتے ہوئے اسے کہے گا کہ میرا تیرا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے۔ دوسرا شخص کہے گا کہ اللہ کی قسم! میں تو تجھے جانتا بھی نہیں ہوں۔ جھگڑنے والا کہے گا کہ تو مجھے جانتا کیسے نہیں ہے۔ حالانکہ تو نے میری دیوار سے ایک اینٹ نکال لی تھی اور میرے کپڑے سے ایک دھاگہ نکال لیا تھا۔

دعوت غور و فکر :- اس قسم کی روایات و خطار خوف والی دل کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہیں' اس لیے اگر تم معمولی سی عقل و حوصلہ رکھتے ہو اور مغالطہ کھانے والوں میں سے نہیں ہو تو پھر اپنے تمام چھوٹے بڑے اعمال کی نگرانی کرتے رہو۔ اس سے پہلے کہ تم سے حساب کرتے ہوئے بال کی کھال نکال لی جائے۔ تم اپنی حرکات و سکنات کو سوچ بچار کر کے کیا کرو۔ پہلے خوب سوچ لیا کرو کہ تم یہ کیونکر چاہتے ہو؟ اس کام کے بارے میں نیت کیا ہے؟ تجھے اس کام کے کرنے کی وجہ سے دنیا میں کیا کچھ حاصل ہو گا اور آخرت میں سے کیا کچھ ضائع ہو گا یا نہیں ضائع ہو گا۔ علاوہ

ازیں دل کی نگرانی کرتے رہو کہ جو کام نہیں کرتا اس کے چھوڑنے کے بارے میں کیا نیت کرنی ہے؟ کیونکہ کسی کام کا ترک کر دینا بھی تو ایک کام ہی ہے۔ اس بارے میں بھی نیت کی درستگی ضروری ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے چھوڑنے کا سبب کوئی پوشیدہ خواہش نفسانی ہو جسے سمجھا نہیں جاتا اور ظاہری باتوں سے دھوکہ ہرگز نہ کھاؤ۔ اس کے ظاہر کی بجائے باطن اور راز پر غور کرتے رہا کرو تاکہ مغالطہ سے نکل جاؤ یعنی اس بارے میں تمہیں مغالطہ نہ رہے۔

حکایت :۔ حضرت زکریا علیہ السلام کے حالات میں ہے کہ آپ کسی کی دیوار اجرت پہ بنا رہے تھے۔ آپ کو دو روٹیاں دیوار والوں نے دے دیں۔ آپ کا دستور مبارک یہ تھا کہ آپ اپنے دست مبارک کی کمائی کے سوا کوئی کھانا تناول نہ فرمایا کرتے تھے۔ آپ جب کھانا تناول فرمانے بیٹھے تو کچھ لوگ آپ کے پاس آئے۔ آپ نے انہیں برائے تواضع کھانا کھانے کے لیے نہ بلایا حتیٰ کہ سارا کھانا کھا کر فارغ ہو گئے۔ آپ سے لوگوں کو حیرانی ہو کہ آپ تو سخی اور زاہد کے لقب سے مشہور و معروف تھے اور یہ گمان کیا کہ ظاہری طور پر تواضع کر لیا بہتر تھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں چند لوگوں کی مزدوری کرتا ہوں۔ ان لوگوں نے مجھے روٹی اس لیے دی تھی کہ اس روٹی سے مجھ میں کام کرنے کی طاقت آجائے۔ پس اگر تم بھی اس کھانے میں میرے ساتھ شامل ہو جاتے تو اس طرح نہ تمہارا پیٹ بھرتا اور نہ ہی اس سے میرا پیٹ بھرتا اور اس طرح میں ان کے کام میں کمزور رہ جاتا۔

فائدہ :۔ عقلمند بندہ اللہ تعالیٰ کے نور سے باطن کو اس طرح دیکھتا ہے۔ کام میں سستی روی اختیار کرنا فرض کا نقصان ہوتا ہے جبکہ تواضع کے طور پر کھانا کھاتے ہوئے ساتھیوں کو نہ بلانا نفلی نقصان ہے۔ فرائض کے مقابل نوافل کی کوئی وقعت نہیں۔

حکایت :۔ حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ آپ اس وقت کھانا تناول فرما رہے تھے۔ کھانا ختم کر کے انگلیاں چاٹنے تک میرے ساتھ کلام نہ فرمایا۔ بعد ازاں آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں یہ کھانا قرضے کے طور پر نہ لیتا تو بہتر تھا کیونکہ اس میں میرے ساتھ تم بھی شامل ہو جاتے۔

تواضع کے طور پر کھانا کھلانے کے لیے بلانا :۔ حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ کا قول مبارک ہے کہ جو شخص اپنے کھانے میں شامل ہونے کے لیے کسی کو بلائے۔ حالانکہ اسے کھانا کھلانے کی رغبت نہ ہو تو ایسی حالت میں اس کے کہنے کی وجہ سے دوسرے نے کھانا کھا لیا تو پھر اسے دو گناہ ہوں گے اور اگر وہ کھانا نہ کھائے تو اسے ایک ہی گناہ رہے گا یعنی ایک گناہ تو اسے نفاق کا ہو گا کہ باطنی طور پر تو وہ اسے کھانا کھلانا نہیں چاہتا مگر تواضع ظاہر کر رہا ہے اور دوسرا گناہ یہ ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو ایسی بات کی طرف ابھار رہا ہے۔ اگر وہ اس بات کو جان لے تو پھر اسے برا سمجھے گا۔

فائدہ :۔ سالک کو چاہیے کہ وہ اپنے تمام اعمال میں اس طرح نیت کی جستجو پیدا کرے کہ کوئی بھی کام کرے تو بغیر

نیت کے ہرگز نہ کرے اور اگر اس وقت نیت نہ ہو تو ٹھہر جائے کیونکہ نیت کرنا محض اپنے اختیار میں نہیں ہے کہ جب چاہے نیت بن جائے۔

نیت میں اختیار نہیں:۔ ہم نے جو نیت خوبی بیان کی ہے' جب اسے کوئی جاہل آدمی سنتا ہے اور اس فرمان حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کو سنتا ہے انما الاعمال بالنیات (عملوں کا دارومدار نیتوں پر ہے) تو وہ اپنے تمام کاموں کی ابتداء میں دل میں کہتا ہے کہ میں نیت کرتا ہوں اللہ کے واسطے پڑھانے یا تجارت یا کھانا کھانے کی وغیرہ اور خیال کرتا ہے کہ بس اب یہ نیت ہو گئی ہے حالانکہ یہ بات تو حدیث نفس ہے یا محض زبانی طور پر ادا کیے گئے کلمات ہیں یا فکر ہے یا ایک خیال سے دوسرے خیال کی طرف بدلنا ہے۔ ان امور کو نیت سے کچھ بھی سروکار نہیں ہے' اس لیے کہ حقیقتاً نیت نفس کے ایسی چیز کی طرف ابھار' توجہ اور جھکاؤ کا نام ہے کہ جس چیز میں نفس کی ضرورت اس وقت یا خاتمہ کو اس کے منشا میں ہو اور اگر رغبت نہ ہوگی تو پھر ممکن ہی نہیں ہے کہ صرف اس کے ارادے کی وجہ سے مل سکے اور اختراع کر لیا جائے بلکہ اس کی صورت تو اس طرح ہوگی جیسا کہ کوئی پیٹ بھرا آدمی یہ کہنا شروع کر دے کہ میں اس بات کی نیت کرتا ہوں کہ کھانا کھانے کی تمنا کروں اور کھانا کھانے کی طرف راغب ہو جاؤں۔

یا کوئی بے فکر انسان کہے کہ میں نیت کرتا ہوں کہ میں فلاں شخص پر عاشق ہو جاؤں اور اپنے دل میں اسے بڑا محبوب سمجھوں۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں امر مشکل ہیں۔

دل کے میلان کا طریقہ:۔ دل کو کسی چیز کی طرف پھیرنے اور مائل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اول اس کے اسباب حاصل کرے اور وہ بھی کبھی اختیاری ہوتے ہیں اور کبھی غیر اختیاری اور نفس کسی فعل پر برانگیختہ ہوتا ہے تو اس کی کوئی غرض ہوتی ہے اور وہ نفس کے موافق اور مناسب ہوتی ہے جب تک انسان یقین اور اعتقاد نہیں کر لیتا کہ میری غرض فلاں فعل سے وابستہ ہے تو پھر دل متوجہ ہوتا ہے۔ جب فارغ ہو اور اس غرض کی نسبت کر کسی قوی غرض میں مشغول نہ ہو اور یہ بات ہر وقت ممکن نہیں۔

دل کی ترغیب کے اسباب:۔ رغبت دلانے والی اور پھیرنے والی چیزوں کے بہت سے اسباب ہیں۔ جب وہ اکٹھے ہو جایا کرتے ہیں' دل راغب ہو جاتا ہے لیکن ان کا جمع ہونا ہر شخص کے فعل اور عمل کے لحاظ سے مختلف ہوا کرتا ہے' مثلاً اگر شہوت نکاح کسی پر غالب آ جائے' اس وقت سے کوئی غرض صحیح دینی دنیاوی اس کے اعتقاد میں نہ ہو تو ایسے سے یہ نہیں ہو سکے گا کہ صحبت کے وقت دل کی نیت کیسے ہو۔ اسی طرح اگر دل پر یہ امر غالب نہ ہو کہ سنت نکاح ادا کرنے سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع پائی جاتی ہے' اسی لیے اس کا ثواب زیادہ ہو جاتا ہے تو ممکن نہیں کہ نکاح سے اتباع سنت کی نیت ہو' سوائے اس کے کہ زبان سے کہے یا دل میں کہے اور صرف کہہ دینا بھی نیت نہیں۔

صحیح نیت کا طریقہ:- نیت صحیح حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے اپنا ایمان شریعت کے مطابق مضبوط کرے اور اس پر ایمان قوی ہو کہ جو شخص امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کثرت میں سعی کرتا ہے' اسے بہت ثواب ہوتا ہے۔ اولاد کے بارے میں جو نفرت کی چیزیں ہیں' وہ دل سے دور کردے یعنی پرورش کی مشقت وغیرہ سے نفرت دل میں نہ ہو۔ جب اس طرح کرے گا تو کیا بعید نہیں کہ دل سے اولاد کے پیدا ہونے کی رغبت پیدا ہو اور اسے باعث ثواب سمجھے اور وہ رغبت اس کو حرکت دے اور اس کے تصورات عقد نکاح کے لیے جنبش میں آئیں۔

فائدہ:- اگر قدرت زبان عقد نکاح کے لیے اس طرح پیدا ہو گئی یعنی وہ باعث جو دل پر غالب ہو گیا ہے' اس کی وجہ سے قدرت نے زبان میں حرکت قبول نکاح کی دی ہو گی تب تو نکاح کرنے والا نیت رکھتا ہو گا اور اگر ایسا نہ ہو گا تو جو بات دل میں مان لیتا ہے اور اس کو بار بار کہتا ہے کہ میرا قصد اولاد کا ہے' وہ وسواس اور بکواس ہے۔ اسی وجہ سے کہ نیت کے لیے دل کی رغبت اور اعتقاد غرض صحیح کا پہلے سے ہونا چاہیے۔ اسلاف میں بہت سے بزرگوں نے بعض طاعات سے پہلوتہی کیا ہے' اس لیے کہ ان کی نیت موجود نہ ہوتی اور فرما بھی دیا تھا کہ ہماری اس امر میں کوئی نیت حاضر نہیں۔

حکایت:- حضرت ابن سیرین رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کے جنازے کی نماز نہ پڑھی اور فرمایا کہ میرے دل میں نیت حاضر نہیں ہوتی۔

حکایت:- کسی نے اپنی منکوحہ سے بال سنوارنے کے لیے کنگھی مانگی۔ اس نے پوچھا کہ آئینہ لاؤں' وہ بزرگ چپ رہے۔ پھر کہا ہاں۔ لوگوں نے پوچھا کہ سکوت کی وجہ کیا تھی؟ انہوں نے جواب دیا کہ پہلے میری نیت کنگھی کی تھی اور آئینہ کی نیت نہ تھی۔ اس لیے میں نے سکوت کیا یہاں تک کہ اللہ تعالٰی نے آئینہ کی نیت پیدا فرمائی۔

حکایت:- کوفہ کے امام حماد بن ابی سلیمان کا انتقال ہوا تو سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ ان کی نماز جنازے میں کیوں نہیں گئے؟ آپ نے فرمایا کہ اگر نیت ہوتی تو ضرور جاتا۔

فائدہ:- اکابرین سے جب کسی عمل خیر کی درخواست کی جاتی تو فرماتے کہ اگر ہمیں خدا تعالٰی نیت عنایت فرما دے گا تو کریں گے۔

حکایت:- حضرت طاؤس کی نیت حاضر نہ ہوتی تو ان سے اگر کوئی کچھ پوچھتا بھی تو جواب نہ دیتے اور جب نیت ہوتی تو بلا سوال بات شروع کر دیتے۔ لوگوں نے پوچھا کہ اس کی وجہ کیا ہے کہ جب ہم حدیث بیان کرنے کی درخواست کرتے ہیں تو آپ بیان نہیں فرماتے' پھر خود بخود بیان فرما دیتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ تم کیا چاہتے ہو کہ میں نیت کے بغیر بیان کروں۔ جب میری نیت حاضر ہوتی ہے تو بیان کرتا ہوں۔

حکایت:- داؤد بن نے جب کتاب عقل تصنیف کی تو حضرت احمد بن حنبل کے پاس لائے۔ آپ نے کتاب پر ایک

نظر ڈال کر واپس کر دی۔ انہوں نے پوچھا کہ کیوں واپس کر دی۔ آپ نے فرمایا کہ اس میں ضعیف سندات ہیں۔ حضرت داؤد نے فرمایا کہ ہمیں نے اس کی بنیاد اسناد پر نہیں رکھی۔ اسے امتحان کی نظر سے دیکھیے۔ میں نے اسے عقل کے لحاظ سے دیکھا اور مفید پایا۔ امام احمد نے وہ کتاب لے لی اور مدت تک ان کے پاس رہی۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ اس کتاب نے مجھے فائدہ دیا ہے۔

حکایت :۔ طاؤس سے کسی نے کہا کہ ہمارے لیے دعا فرمایئے۔ فرمایا کہ میں دعا کی نیت پاؤں گا تو کروں گا۔

حکایت :۔ بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ میں ایک مہینے سے ایک شخص کی عیادت کی نیت تلاش کر رہا ہوں' یہ ابھی تک درست نہیں ہوئی۔

حکایت :۔ حضرت عیسیٰ بن کثیر فرماتے ہیں کہ میں میمون بن مہران کے ساتھ گیا۔ جب وہ اپنے دروازے پر پہنچے تو میں پیچھے ہٹ گیا۔ آپ کے صاحبزادے نے ان سے کہا کہ آپ ان کو رات کا کھانا نہیں کھلاتے تو فرمایا کہ میری نیت نہیں ہے۔ یہ اس لئے کہ نیت تابع نظر ہوتی ہے۔ جب نظر بدل جاتی ہے تو نیت بھی بدل جاتی ہے۔

فائدہ :۔ اکابر دین کا اعتقاد تھا کہ نیت کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا' وہ جانتے تھے کہ نیت عمل کی روح ہے اور بغیر نیت کے عمل ریا اور تکلف ہے اور ایسا عمل غضب کا سبب ہے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ نیت اس کا نام نہیں کہ زبان سے کوئی کہے کہ نیت کرتا ہوں بلکہ وہ دل کی رغبت سے ہے۔ وہ اللہ کی جانب ہے۔ فتوح غیبی کے قائم مقام ہے۔ وہ بعض اوقات میسر ہوتی ہے اور بعض اوقات نہیں۔ ہاں جس شخص کے دل پر اکثر امر دینی غالب رہتا ہو' اس کے اکثر اوقات میں نیت ہوتی ہے۔ اس لیے کہ اس کا دل مائل بہ اصل خیر رہتا ہے تو دوسری نیکی پر بھی وقت پر اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور جس کا دل مائل بطرف دنیا ہوتا ہے اور دنیا اس پر غالب ہوتی ہے تو اس کو یہ بات حاصل نہیں ہوتی۔ عام بھلائی کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ فرائض میں بھی اس کی نیت خیر نہیں ہوتی۔ اگر ہوتی ہے تو نہایت کوشش اور جدوجہد کے بعد ہو جاتی ہے۔ مثلاً کہ دوزخ کو یاد کرنے اور اپنے نفس کو اس کے عذاب سے ڈرانے یا جنت کی آسائش یاد آئے تو اپنے نفس کو اس کی رغبت دلانے سے ایسی صورتوں میں کبھی ایک ضعیف سا ارادہ اٹھ کھڑا ہوتا ہے تو ثواب کی بھی بقدر نیت رغبت ہی کے ملتا ہے لیکن نیت خدا کی تعظیم کے مستحق کو ملتی ہے۔ دنیا کے راغب کو میسر نہیں آتی اور یہ نیت سب سے اعلیٰ اور کمیاب ہے اور عالم دنیا میں ایسے لوگ کم ہیں۔

طاعات میں نیات کی قسمیں :۔ اس میں کئی قسم کے لوگ ہیں۔ بعض ایسے ہیں کہ ان کا عمل خوف کی وجہ سے ہوتا ہے یعنی اس وجہ سے کہ دوزخ سے ڈرتے ہیں۔ بعض کا عمل متوقع ہوتا ہے یعنی جنت کی رغبت ان کے عمل کا سبب ہوتی ہے اور اس طرح کی نیت اگرچہ پہلی قسم کی بہ نسبت کم ہے یعنی جو طاعت خدا کی تعظیم کے لیے کی جائے تو یہ تینوں ہی صحیح ہیں کیونکہ ان میں ایسی چیز کی طرف توجہ ہے جو آخرت میں موجود ہے۔ اگرچہ وہ چیز اس

جنت میں سے ہے جس کی الفت دنیا میں ہے اور اکثر سبب طاعات میں سے شکم اور شرمگاہ ہیں اور ان کی حاجت پورا ہونے کی جگہ جنت ہے۔ جو شخص جنت کے لیے عمل کرتا ہے' وہ گویا اپنے شکم اور شرمگاہ کے لیے کرتا ہے۔ ایسے شخص کا درجہ بھوکوں جیسا درجہ ہوگا اور اپنے عمل سے وہ اس درجہ کو پہنچ جائے گا کیونکہ اکثر اہل الجنتہ البلہ کیونکہ وہ اپنے کو صبح و شام پکارتے اور اس کا قرب چاہتے ہیں مگر عبادت عقل والوں کی صرف ذکر الٰہی اور فکر ہوتی ہے۔ اس لیے کہ وہ اس کے جمال و جلال کے محب ہوتے ہیں اور ان کے تمام اعمال اسی محبت و ذکر و فکر کے موکد ہوا کرتے ہیں۔ ان لوگوں کا رتبہ اس سے بڑا ہے جو جنت میں جانے کے لیے منکوح اور منکوح و مطعوم چیز کی طرف رغبت کریں' اس لیے کہ ان کی نیت جنت نہیں تھی۔ یہ وہ لوگ ہیں یدعون ربھم بالغداۃ والعشی یریدون وجھہ (الانعام 52) ترجمہ کنزالایمان :۔ اپنے رب کو پکارتے صبح اور شام اس کی رضا چاہتے۔

فائدہ :۔ چونکہ ثواب بقدر نیات ملے گا' اسی لیے ضرور ہوا کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ کے دیدار پر انوار کے مزے اڑائیں اور یہ نعمت ان لوگوں کے لیے نہیں جو حوروں کی طرف ملتفت ہوں۔ جیسے حوروں کو دیکھنے والے ان لوگوں سے بہتر ہیں جو مٹی کے کھلونوں کی طرف متوجہ ہوں بلکہ جمال حضرت ربوبیت اور حوروں کے جمال میں اس سے بھی زیادہ فرق ہے بلکہ حوروں سے راضی ہونا اور خدا تعالیٰ کے جمال سے اعراض کرنا ایسا ہے جیسے گندا کیڑا اپنے جوڑے سے مانوس رہتا ہے اور عورتوں کے جمال سے روگرداں۔

انتباہ :۔ اکثر دلوں کا اندھا ہونا خدا تعالیٰ کے جمال و جلال سے ایسا ہی ہے جیسے گندا کیڑا جمال والوں سے اندھا ہے کہ اسے ان کی کوئی خبر ہی نہیں اور اگر اس کو عقل ہوتی اور عورتوں کا ذکر اس کے سامنے کیا جاتا تو وہ ان لوگوں پر ہنستا جو ان کی طرف مائل ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کل حزب بما لدیھم فرحون (المومنون 53) ہر وہ گروہ جو اس کے پاس ہے اس پر خوش ہے۔ وہ خود فرماتا ہے کہ وکذلک خلقھم "پس وہ لوگ ہمیشہ مختلف اور متفاوت رہیں گے۔"

حکایت :۔ احمد بن خضرویہ نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا کہ وہ ارشاد فرماتا ہے کہ ہر شخص مجھ سے جنت کا طالب ہے' سوائے ابو یزید بسطامی کہ وہ مجھ کو طلب کرتا ہے۔

حکایت :۔ حضرت ابو یزید نے خواب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ کر عرض کیا کہ الٰہی تیری طرف آنے کا کیا طریقہ ہے؟ ارشاد ہوا کہ اپنے نفس سے فارغ ہو جاؤ اور میری طرف قدم بڑھاؤ۔

حکایت :۔ کسی نے حضرت شبلی رحمتہ اللہ علیہ کو بعد وفات خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا کیا تو فرمایا کہ کسی دعوے پر مجھ سے کوئی دلیل طلب نہیں کی مگر ایک قول پر جو میں نے ایک دن کہا تھا کہ جنت کے خسارے سے بڑھ کر کون سا خسارہ ہوگا؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے دیدار کے خسارے سے بڑھ کر کونسا

خسارہ ہے۔

فائدہ :۔ ان تینوں کا درجہ متفاوت ہے جس کے دل پر ان میں سے ایک غالب ہو جاتی ہے۔ اس کو دوسری نیت کی طرف اکثر عدول کی نوبت نہیں پہنچتی۔ ان حقائق کی واقفیت موجب ایسے اعمال اور افعال کا شوق ہے کہ علمائے ظاہرین ان کا انکار کرتے ہیں مگر ہم صوفیہ کہتے ہیں کہ جس کی نیت امر مباح میں تو موجود ہو اور نفل میں نہ ہو تو اس کے حق میں مباح اولیٰ ہے اور وہی اس کے لیے نفل کا کام دے گا اور خود نفل ان کے حق میں نقصان ہے۔ اس لیے کہ انما الاعمال بالنیات کا تقاضا یہی ہے مثلاً کسی کو اپنا حق معاف کرنا فقہ کے قانون پر انتقام سے افضل ہے مگر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی کو معاف کرنے میں تو نت نہیں ہوتی' ظلم کا بدلہ لینے میں نیت ہوتی ہے تو اس صورت میں انتقام افضل ہے۔

مسئلہ :۔ کسی کی نیت کھانے' پینے اور سونے کی ہو تاکہ اپنے نفس کو راحت دے اور آئندہ کی عبادت کے لیے قوت پائے اور اس وقت نیت روزہ اور نماز کی نہ ہو تو کھانا اور سو رہنا اس کے حق میں افضل ہے بلکہ اگر عبادت کرتے کرتے تھک جائے اور عبادت کا سرور نہ رہے اور رغبت بھی ست ہو جائے اور جانے کہ اگر تھوڑی کھیل میں یا باتوں میں مصروف رہنے سے سرور حالت اصلی پر آجائے گا تو کھیلنا اس کے حق میں نماز سے افضل ہے۔

حکایت :۔ حضرت ابو دردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے نفس کو تھوڑے سے کھیل سے راحت دیتا ہوں۔ یہ امر میرے لیے حق پر مدد کرتے ہیں۔

فائدہ :۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ دلوں کو راحت دو ورنہ اگر ان پر زبردستی کی جائے گی تو اندھے ہو جائیں گے۔

انتباہ :۔ یہ حقائق بڑے بڑے علماء معلوم نہیں کر سکے ہیں۔ عوام کو معلوم نہیں ہو سکتے بلکہ طبیب حاذق کبھی حرارت والے کا علاج گوشت سے بھی کرتا ہے حالانکہ وہ بھی گرم ہے۔ اسے طب سے ناواقف بعید جانتا ہے اور معالج کی غرض یہ ہوتی ہے کہ پہلے اس کی قوت بحالت اصلی آجائے تاکہ ضد سے علاج کرنے کی برداشت کر سکے۔ اسی طرح جو شخص شطرنج خوب کھیل سکتا ہے' کبھی رخ اور گھوڑا مفت لوٹا دیتا ہے تاکہ کسی منصوبہ سے حریف کو مات کرے گا مگر جس کو کھیلنا کم آتا ہے تو وہ ایسے منصوبے نہیں جان سکتا۔ وہ اس کی اس حرکت پر ہنستا اور تعجب کرتا ہے۔ اسی طرح بہادر جنگ آزمودہ کبھی اپنے مقابل سے بھاگتا ہے اور اس کو موقع دیتا ہے کہ کہیں موقع پا کر یکلخت اس پر حملہ کر کے غالب آجائے گا۔

فائدہ :۔ یہی طریقہ الی اللہ ہے کہ سالک بھی شیطان سے لڑتا ہے۔ دل کے علاج میں جو شخص توفیق یافتہ اور عاقل ہوتا ہے' وہ اس میں ایسے طریقے استعمال کرتا ہے جن کو عوام بعید مانتے ہیں۔

فائدہ:- معلوم ہوا کہ مرید کو لائق نہیں کہ جو بات اپنے مرشد کی دیکھے' دل میں اس کو برا جانے اور نہ شاگرد کو چاہیے کہ اپنے استاد پر اعتراض کرے بلکہ جہاں تک اس کی فہم کی حد ہو' وہاں توقف کرے اور جو بات اس کی سمجھ میں نہ آئے' اس کو انہیں کے حوالے کرے۔ یہاں تک کہ ان کے رتبے کو پہنچ کر خود اس پر اس کا بھید کھل جائے۔

اخلاص کے لیے پانچ امور

فضیلت اخلاص:-

وما امروا الا لیعبدو اللہ مخلصین لہ الدین اور فرمایا الا للہ الدین الخالص ((البینہ 5) ترجمہ کنزالایمان: - اور ان لوگوں کو تو یہی حکم ہوا کہ اللہ کی بندگی کریں نرے اسی پر عقیدہ لاتے۔

الا الذین تابوا واصلحوا واعتقموا باللہ واخلصوا دینھم للہ ((النساء 146) ترجمہ کنزالایمان :- مگر وہ جنہوں نے توبہ کی اور سنورے اور اللہ کی رسی مضبوط تھامی اور اپنا دین خالص اللہ کے لئے کرلیا۔

ممن کان یرجوا لقاء ربہ فلیعمل عملا صالحا ولا یشرک بعبادۃ ربہ احدا (ا لکہف 110) ترجمہ کنزالایمان :- تو جسے اپنے رب سے ملنے کی امید ہو اسے چاہئے کہ نیک کام کرے اور اپنے رب کی بندگی میں کسی کو شریک نہ کرے۔

شان نزول :- یہ آیت اس کے حق میں اتری جو اللہ تعالیٰ کے لیے عمل کرے اور چاہیے کہ اس پر لوگ اس کی تعریف کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ثلاث لا یغعل علیھن قلب رجل سلم اخلاص العمل والنصیحنہ للولاۃ ولزوم الجماعتہ تین باتیں ہیں کہ دل خیانت نہیں کرتا۔ (1) اللہ تعالیٰ کے لیے عمل کا خالص ہونا۔ (2) حکام کی نصیحت۔ (3) جماعت کے ساتھ رہنا۔

حضرت مصعب بن سور اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میرے باپ کو یہ گمان ہوا کہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ضعفاء کو مجھ پر فضیلت ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے ضعیفوں کی دعا اور اخلاص اور نماز سے مدد کی ہے۔

حضرت حسن بصری سے حدیث قدسی مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اخلاص میرے اسرار میں سے ایک راز ہے۔ جس بندے کے دل میں چاہتا ہوں' اسے سپرد کر دیتا ہوں۔

علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ عمل کی قلت کی فکر نہ کرو بلکہ قبول ہونے کی فکر کرو' اس لیے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا اخلص العمل یجیبک

منه القلیل" اخلاص کے ساتھ عمل کر کہ اس میں تجھے تھوڑا ہی کافی ہوگا۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من عبد یخلق اللّٰہ العمل اربعین یوما الا ظھرت ینا ربیع الحکم من قلبیہ علی لسانہ "جو بندہ چالیس دن اپنا عمل اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کرتا ہے۔"

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن جو لوگ سب سے پہلے پوچھے جائیں گے' وہ تین شخص ہوں۔ (1) جسے اللہ نے علم دیا' اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ تو نے اپنے علم سے کیا کیا۔ وہ عرض کرے گا کہ الٰہی دن رات میں اسی کی خدمت کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو جھوٹ کہتا ہے اور فرشتے کہیں گے کہ تو جھوٹ کہتا ہے بلکہ تو نے یہ ارادہ کیا تھا کہ لوگ کہیں کہ فلاں شخص عالم ہے تو یاد رکھ یہ کہا گیا۔

(2) جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ میں نے تجھ پر انعام کیا' تو نے کیا کیا۔ وہ عرض کرے گا کہ الٰہی دن رات میں صدقہ دیا کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو جھوٹ بولتا ہے اور فرشتے بھی کہیں گے کہ تو جھوٹ کہتا ہے بلکہ تو نے یہ ارادہ کیا تھا کہ لوگ کہیں کہ فلاں شخص سخی ہے تو یہ تو کہا گیا۔

(3) جو خدا کی راہ میں مارا گیا۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ تو نے کیا کیا۔ وہ عرض کرے گا کہ الٰہی تو نے جہاد کا حکم دیا تھا' اس لیے میں نے جہاد کیا۔ یہاں تک کہ مارا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو جھوٹا ہے اور فرشتے بھی اسے جھٹلائیں گے اور کہیں گے بلکہ تیرا مقصد یہ تھا کہ لوگ کہیں کہ فلاں شخص بہادر ہے تو یہ کہا گیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حدیث کے بیان میں فرماتے ہیں کہ پھر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے میری ران پر ایک لکیر کھینچی اور فرمایا کہ اے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب سے پہلے انہی تین شخصوں سے آتش جہنم بھڑکائی جائے گی۔ اس حدیث کے راوی نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جا کر اس حدیث کو بیان فرمایا تو آپ سن کر اتنا روئے کہ دم نکلنے کے قریب ہو گیا۔ پھر فرمایا کہ سچ فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے من کان یرید الحیوۃ الدنیا وزینتھا نوف الیھم اعمالھم فیھا وھو فیھا لا یبخسون (ھود 15) ترجمہ کنزالایمان :۔ جو دنیا کی زندگی اور آرائش چاہتا ہو ہم اس میں ان کا پورا پھل دے دیں گے اور اس میں کمی نہ دیں گے۔

حکایت:۔ بنی اسرائیل کے حالات میں ہے کہ ایک عابد مدت سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتا تھا۔ اس کے پاس کچھ لوگ آئے اور کہا کہ یہاں ایک قوم ہے جو خدا تعالیٰ کے علاوہ درخت کی پرستش کرتی ہے۔ وہ عابد اس سے غصے میں آگیا اور کلہاڑا کندھے پر رکھ کر درخت کی طرف چلا کہ اس کو کاٹ ڈالے۔ راستے میں اسے شیطان ایک بوڑھے کی صورت میں ملا اور پوچھا کہ کہاں کا ارادہ ہے۔ عابد نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ فلاں درخت کاٹ ڈالوں۔ اس نے کہا کہ تمہارا اس سے کیا مطلب ہے کہ اپنی عبادت اور شغل چھوڑ کر دوسری بات میں مصروف ہوتے ہو۔ عابد نے کہا کہ یہ بھی داخل عبادت ہے۔ اس نے کہا کہ میں آپ کو کاٹنے نہ دوں گا۔ جب زیادہ تکرار بڑھی تو عابد نے شیطان کو زمین پر دے مارا اور اس کی چھاتی پر چڑھ گیا۔ اس نے کہا کہ مجھے چھوڑ دو تاکہ میں تم سے ایک بات کہوں۔ عابد

کھڑا ہو گیا تو ابلیس نے کہا کہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ خدا تعالیٰ نے تیرے اوپر اس کا کاٹنا فرض نہیں کیا' نہ تو اس کی عبادت کرتا ہے۔ اگر کوئی عبادت کرے تو اس کا گناہ تجھ پر نہ ہو گا اور روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کے انبیاء بہت ہیں۔ اگر اسے منظور ہو گا تو کسی نبی کو درخت والوں کے پاس بھیج کر ان کو کاٹنے کا حکم دے گا کہ جو بات تیرے ذمے نہیں' اس کے درپے نہ ہو۔ عابد نے کہا کہ میں تو اس کو ضرور کاٹوں گا۔ شیطان نے پھر کشتی کا ارادہ کیا۔ عابد پھر اس کے سینے پر چڑھ گیا۔ جب ابلیس عاجز ہوا تو کہنے لگا کہ میں تمہیں ایک اور بات بتاؤں جو تیرے حق میں بہتر اور مفید ہے۔ عابد نے اسے چھوڑ دیا۔ ابلیس نے کہا کہ تو ایک محتاج انسان ہے اور لوگوں کے سہارے پل رہا ہے۔ وہ تجھے کھانا دیتے ہیں اور مجھے ایسے معلوم ہوتا ہے کہ تیرا دل یوں چاہتا ہے کہ اپنے بھائیوں سے اچھا سلوک کرے اور ہمسایوں کی مراعات کرے اور پیٹ بھر کر کھائے اور لوگوں سے بے پروا ہو جائے۔ عابد نے کہا کہ یہ بات تو درست ہے۔ ابلیس نے کہا کہ تو اب لوٹ جا' میں تیرے سرہانے روزانہ درھم و دینار رکھ دیا کروں گا۔ صبح کو لے لیا کرنا اور اپنے نفس پر خرچ کرنا اوروں کی بھی امداد کرنا۔ یہ بات تیرے اور دوسرے مسلمانوں کے حق میں اس درخت کو کاٹنے کی بہ نسبت زیادہ مفید ہوگی۔ درخت کو کاٹنے سے تجھے کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ اس کی جگہ اور پیدا ہو جائے گا۔ عابد نے ابلیس کے قول میں غور کر کے کہا کہ بوڑھا سچ کہتا ہے کہ میں پیغمبر نہیں ہوں۔ اس کے بعد اس سے معاہدہ کر لیا۔ عابد اپنے عبادت خانے میں واپس آیا اور رات کو سویا۔ جب صبح ہوئی تو دو دینار اپنے سر تلے پائے۔ اس نے لے لیے۔ دوسرے دن بھی ایسا ہی ہوا۔ تیسرے دن کچھ نہ پایا۔ غصہ کر کے چل پڑا۔ راستے میں پھر ابلیس بوڑھے کی صورت میں ملا اور پوچھا کہ کہاں جانے کا ارادہ ہے۔ اس نے کہا کہ درخت کاٹنے۔ ابلیس نے کہا کہ تو جھوٹا ہے' اب تجھ سے نہیں کٹ سکتا نہ تو وہاں پہنچ سکتا ہے۔ عابد نے چاہا کہ پہلے کی طرح اس کو زمین پر دے مارے۔ ابلیس نے کہا کہ اب وہ دن نکل گئے۔ بوڑھے نے عابد کو پچھاڑ دیا اور ابلیس اس کے سینے پر چڑھ گیا اور کہا کہ اب اگر تو باز نہ آیا تو تجھے ذبح کر ڈالوں گا۔ عابد نے کہا کہ مجھ میں اتنی ہمت نہیں۔ مجھے چھوڑ دے اور بتا کہ پہلے میں کیسے غالب آ گیا تھا اور اب تو کیسے غالب ہوا۔ اس نے کہا کہ وجہ یہ ہے کہ پہلے تو نے غصہ خدا کے لیے کیا تھا اور تیری نیت نیک تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے مجھے تم سے کمزور بنا دیا تھا۔ اب تیرا غصہ دنیا کے لیے ہے' اس لیے میں نے تجھے پچھاڑ دیا۔

فائدہ :۔ حکایت کی تصدیق قرآن میں ہے۔ ولا غوینھم اجمعین الا عبادک منھم المخلصین (الحجر 39) ترجمہ کنزالایمان :۔ اور ضرور میں ان کو بے راہ کروں گا مگر جو ان میں تیرے چنے ہوئے بندے ہیں۔ ثابت ہوا کہ شیطان سے نجات اخلاص سے ہی نصیب ہوتی ہے۔

اقوال اسلاف رحمتہ اللہ علیہ :۔

1۔ حضرت معروف کرخی رحمتہ اللہ علیہ اپنے نفس کو مارتے اور کہتے' اے نفس اخلاص کر۔

2- یعقوب مکفوف کہتے ہیں کہ مخلص وہ ہے جو اپنی حسنات ایسے چھپائے جیسے برائیاں چھپاتا ہے۔

3- ابو سلیمان فرماتے ہیں کہ خوشحال وہ شخص ہے کہ جس کا ایک قدم بھی صحیح ہو جائے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی اور کی نیت اس میں نہ ہو۔

4- حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ جس کی نیت خالص ہوتی ہے' اس کو وہ بات کفایت کر دیتا ہے جو اس میں اور لوگوں میں ہو۔

5- بعض اولیاء نے اپنے کسی اسلامی بھائی کو لکھا کہ اپنے اعمال میں نیت خالص کرو کہ تھوڑا سا عمل بھی کافی ہوگا۔

6- ایوب سختیانی کہتے ہیں کہ عمل کرنے والوں پر تمام اعمال سے زیادہ سخت نیت کا خالص کرنا ہے۔

7- مطرف رحمتہ اللہ علیہ کہا کرتے تھے کہ جو شخص صاف ہوتا ہے' اس کے لیے صفائی کی جاتی ہے اور جو شخص خلط کرتا ہے' اس کے لیے خلط کیا جاتا ہے۔

حکایت :- کسی نے ایک بزرگ کو خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ آپ نے اپنے اعمال کو کیسے پایا؟ انہوں نے فرمایا کہ جو چیز میں نے اللہ تعالیٰ کے لیے کی تھی' اس کو تو پایا۔ یہاں تک کہ انار کی گٹھلی میں نے راستے میں سے ہٹا دی تھی اور میری ایک بلی مر گئی تھی۔ اس کو حسنات کے پلڑے میں پایا اور میری ٹوپی میں ایک دھاگہ ریشم کا تھا' اس کو برائیوں کے پلڑے میں پایا اور میرا ایک گدھا مر گیا تھا' اس کا ثواب مجھے نہ ملا۔ میں نے عرض کیا کہ بلی کا مرنا تو حسنات کے پلڑے میں موجود ہے مگر گدھے کا مرنا اس میں نہیں ہے۔ حکم ہوا کہ تیرا گدھا وہاں بھیجا گیا جہاں تو نے اسے بھیجا تھا یعنی وہ مر گیا تھا اور تو نے کہا تھا کہ خدا کی لعنت میں گیا۔ اسی لیے وہ تیرا ثواب اس میں باطل ہو گیا۔ اگر تو کہتا کہ فی سبیل اللہ گیا تو تو ثواب پاتا۔

فائدہ :- ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے یہ بھی کہا کہ میں نے ایک صدقہ لوگوں کے سامنے دیا تھا تو لوگوں کا میری طرف دیکھنا مجھے اچھا معلوم ہوا۔ اس کا یہ حال ہوا کہ اس پر نہ ثواب ملا' نہ عذاب ہوا۔

فائدہ :- حضرت سفیان ثوری نے جب یہ حال سنا تو فرمایا کہ وہ بہت اچھا رہا کہ اس پر اس صدقے کی وجہ سے عذاب نہ ہوا تو یہ عین احسان ہے۔

فائدہ :- یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں کہ اخلاص عیبوں سے عمل کو ایسا جدا کر دیتا ہے جیسے دودھ گوبر اور خون سے علیحدہ ہوا کرتا ہے۔

حکایت :- ایک شخص عورتوں کا لباس پہن کر جہاں عورتوں کا مجمع ہوتا' شادی غمی میں جایا کرتا۔ ایک دن کسی مجمع میں گیا' وہاں ایک موتی چوری ہو گیا۔ لوگوں نے شور مچایا اور دروازہ بند کر دیا تاکہ تلاشی لیں۔ اس کے بعد ہر ایک

کی تلاشی لینی شروع کی- یہاں تک اس شخص کی باری آئی- اس نے اللہ تعالیٰ سے اخلاص سے دعا مانگی اور کہا کہ الٰہی اگر میں اس رسوائی سے نجات پاؤں تو پھر کبھی ایسا بھیس نہ بدلوں گا- وہ موتی کسی دوسری عورت سے نکلا- لوگوں نے پکار کر کہا کہ موتی مل گیا ہے' اب کسی کی تلاشی نہ لو-

حکایت:- بعض صوفیا نے روایت ہے کہ میں ابو عبید تستری کے پاس تھا- ہم عرفہ کے دن بعد عصر اپنی زمین میں ہل چلا رہے تھے- اسی دوران ایک ابدال آیا اور اس نے آہستہ سے کچھ کہا- ابو عبید نے جواب دیا کہ نہیں' پھر وہ وہاں سے غائب ہو گئے- میں نے ابو عبید سے پوچھا کہ انہوں نے کیا کہا تھا؟ فرمایا کہ مجھے کہا کہ میرے ساتھ حج کو چلو' میں نے انکار کر دیا- میں نے کہا کہ آپ نے حج سے کیوں انکار کیا؟ انہوں نے فرمایا کہ مجھے حج کی نیت نہ تھی بلکہ میں نے یہ نیت کی تھی کہ اس زمین میں شام تک ہل چلاؤں گا- اس سے خوف کیا کہ اگر حج کو ان کے ساتھ چلا جاؤں تو موجب غضب الٰہی ہو تاکہ خدا کے کام میں دوسری چیز کو داخل کرتا- اس صورت میں جو کام میں کر رہا ہوں' وہ میرے نزدیک ستر حجوں سے بہتر ہے-

حکایت:- بعض اکابر سے منقول ہے کہ میں بحری راستے جہاد کو نکلا- ایک شخص نے ایک توشہ دان بیچنا چاہا- میں نے سوچا کہ اسے خرید لوں' جہاد میں کام آئے گا- جب فلاں شہر میں پہنچوں گا تو اسے بیچ ڈالوں گا' کچھ فائدہ ہو گا- اس خیال سے اسے میں نے لے لیا- اسی رات خواب میں دیکھا کہ دو شخص آسمان سے اترے- ایک نے دوسرے سے کہا کہ نمازیوں کو لکھ لو- دوسرا اسے بتانے لگا کہ لکھو فلاں شخص سیر کے لیے نکلا اور فلاں ریاء کے طور اور فلاں تجارت کے لیے اور فلاں خدا کی راہ میں- پھر اس نے میری طرف دیکھ کر کہا کہ لکھو یہ شخص تجارت کے لیے نکلا- میں نے کہا' خدا سے ڈرو- میں تجارت کے لیے کب نکلا ہوں- میرے پاس کیا ہے جس کی تجارت کروں- اس نے کہا کہ تم نے کل توشہ دان خریدا تھا اور تمہاری نیت ہے کہ اس میں سے کچھ فائدہ ملے گا- یہ سن کر میں رونے لگا اور کہا کہ مجھے تاجر نہ لکھو- اس نے دوسرے شخص کی طرف دیکھا اور کہا کہ یوں لکھنا چاہیے کہ فلاں شخص جہاد کے لیے نکلا اور اس نے راہ میں سے توشہ دان خریدا- آگے جو اللہ کی رضا ہو گی-

8- سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر تم تنہائی میں اخلاص کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھو تو اس سے بہتر ہے کہ ستر یا سات سو حدیثیں اسناد کے ساتھ لکھو-

9- بعض کا قول ہے کہ ایک ساعت کے اخلاص میں ہمیشہ کی نجات ہے- لیکن اخلاص کمیاب ہے اور یوں کہتے ہیں کہ علم بیج ہے اور عمل کھیتی ہے اور اس کا پانی اخلاص ہے-

10- بعض کا قول ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے بغض رکھتا ہے تو تین باتیں اسے دیتا ہے اور تین نہیں دیتا- نیک بختوں کی صحبت تو دیتا ہے مگر یہ نہیں کہ ان سے کچھ بات قبول کر لیں اور اعمال صالحہ عنایت فرماتا ہے تو ان میں اخلاص نہیں دیتا اور حکمت دیتا ہے تو اس میں صدق نہیں دیتا-

11- بُراستوی رود کہتے ہیں کہ مخلوق کے عمل سے اللہ تعالیٰ کی مراد صرف اخلاص ہے۔

12- حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بعض بندے ہیں کہ وہ عاقل ہوتے ہیں اور جب عاقل ہوتے ہیں' عمل کرتے ہیں اور جب عمل کرتے ہیں تو اخلاص کرتے ہیں۔ پھر تو اخلاص ان کو تمام اقسام نیکیوں کی طرف بلاتی ہے۔

13- محمد بن سعید موزی کہتے ہیں کہ تمام معاملہ دو اصلوں کی طرف رجوع کرتا ہے۔ ایک تو اس کا فعل تیرے ساتھ ہے اور دوسرا تیرا فعل اس کے لیے ہے۔ پس جو کچھ وہ تیرے ساتھ کرے' اس پر راضی رہنا چاہیے اور جو تو اس کی خاطر کام کرے۔ اس میں اخلاص کرنا چاہیے۔ اگر یہ دونوں باتیں بن جائیں تو دونوں جہانوں کی فلاح کو پہنچے گا۔

حقیقت اخلاص :- ہر شے میں یہ ممکن ہے کہ دوسری چیز کی اس میں ملاوٹ ہو۔ جو شے ملاوٹ اور آمیزش سے صاف اور خالص ہو تو اس کو خالص کہا کرتے ہیں اور جس فعل سے وہ شے صاف ہو' اس کو اخلاص یعنی خالص کرنا بولتے ہیں۔

فائدہ :- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ من بین فرث ودم لبنا خالصا سائغا للشاربین (النحل 66) ان کے پیٹے میں ہے گوبر اور خون کے بیچ میں سے خالص دودھ گلے سے سہل اترتا پینے والوں کے لئے۔

گوبر اور خون میں سے صاف ستھرا دودھ پینے والوں کے لیے رہتا ہے تو دودھ کا خالص ہونا یہی ہے کہ اس میں خلط خون اور گوبر نہ ہوتا اور ایسی چیزوں کا جن کا اس میں ملنا ممکن ہے۔

اخلاص کی ضد اشراک یعنی شرک کرنا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو مخلص نہیں' وہ مشرک ہے مگر شرک کے بہت سے درجات ہیں جو اخلاص توحید میں ہوتا ہے' اس کی ضد شرک الوہیت ہے اور شرک دو قسم ہے۔ مخفی اور ظاہر اور یہی حال اخلاص کا ہے۔ اخلاص اور شرک دونوں قلب پر وارد ہوتے ہیں اور ان کا ورود ارادوں اور نیتوں سے ہوا کرتا ہے اور ہم حقیقت نیت بیان کر چکے اور یہ بھی کہ نیت موافق کی وجہ سے ہوا کرتی ہے جس صورت میں کہ سبب صرف ایک ہو تو اس کے سبب سے جو فعل صادر ہوگا' باعتبار اس غرض مقصود کے اخلاص ہونا چاہیے مثلاً کسی نے صدقہ دیا اور اس کی غرض صرف ریاء ہے۔ اس اعتبار سے کہ ریا میں اور کسی چیز کی نہیں کی اور جس کی غرض صرف تقرب الی اللہ ہو' وہ بھی مخلص کہلائے گا تو یہ باعتبار لغت کے ہوا مگر اصطلاح اور عادت صوفیہ کی رو سے اخلاص اسے کہتے ہیں کہ نیت صرف تقرب الی اللہ ہو اور وہ تمام آمیزشوں سے پاک ہو کہ غیر اللہ کا اس میں تصور تک نہ ہو۔ جیسے الحاد کا معنی لغت میں رغبت کرنا ہے مگر اصطلاح میں حق سے روگردانی کا نام ہے اور جس فعل کا باعث محض ریا ہو' وہ ہلاکت کو پہنچا دیتا ہے۔ اس میں ہماری گفتگو نہیں' اس لیے کہ جو باتیں اس سے متعلق تھیں' ہم تیری جلاء کے باب الریاء میں لکھ چکے ہیں۔

حدیث شریف:۔ ریاض قیامت کے دن چار ناموں سے پکارا جائے گا۔ (1) ریاکار۔ (2) مکار۔ (3) مشرک۔ (4) کافر۔

فائدہ:۔ ہم اس صورت کا بیان کرتے ہیں کہ انسان کی نیت تو قصد تقرب ہو مگر اس کے باعث کوئی دوسری چیز از قسم ریا اور کوئی حظ نفس وغیرہ نہ مل گیا ہو مثلاً کوئی شخص .قصد تقرب روزہ رکھے تاکہ پرہیزگاری نصیب اور تقرب نصیب ہو یا غلام آزاد کرے کہ اس کے نان نفقہ اور بدخلقی سے چھوٹ جائے یا حج کرے۔ اس لیے کہ سفر کی برکت سے اس کا مزاج درست ہو جائے یا اس لیے کہ کسی برائی سے جو وطن میں اس پر آتی ہے' اس سے بچ جائے یا اس لیے کہ کسی دشمن سے بھاگنے کی نیت ہو یا زن و فرزند یا دیگر کسی کام سے تھک گیا ہو اور چند روز استراحت کرنا چاہے یا جہاد کرے تاکہ جنگ کے فن میں مہارت ہو اور اس کے اسباب و لوازم جمع کر سکے اور لشکر کا فراہم کرنا تاکہ اس مخالف سے بازی لے جانا آجائے یا تہجد پڑھے اور اس میں یہ غرض ہو کہ جاگتا رہے تاکہ اپنے گھروں کی حفاظت کرے یا علم اس لیے سیکھے کہ اس کی وجہ سے مال بقدر کفایت کا طلب کرنا آسان ہو جائے۔ اس لیے کہ اپنی قوم میں عزت دار ہو یا اس وجہ سے کہ مال و متاع علم کے طفیل طامعین کی طمع سے محفوظ رہے یا درس و وعظ اس لیے کرے کہ چپ .رہنے کی مصیبت سے بچ جائے اور گفتگو کی لذت سے بہرہ ور ہو یا علماء اور صوفیہ کرام کی خدمت اس لیے کرے کہ لوگوں کی نظروں میں اس کی عزت زیادہ ہو یا اس لیے کہ دنیا کے لوگ اس کے ساتھ نرمی برتیں اور اس کا ساتھ دیں یا قرآن مجید اس لیے لکھے کہ ہمیشہ لکھنے سے خط اچھا ہو جائے گا یا حج کو پیدل اس لیے جائے کہ کرائے کا بوجھ ہلکا کرے یا وضو اس لیے کرے کہ بدن صاف اور سرد ہو جائے یا اس وجہ سے غسل کرے کہ اس کی خوشبو اچھی ہو جائے یا حدیث اس لیے روایت کرے کہ لوگ جانیں کہ بڑا محدث ہے یا مسجد میں اعتکاف اس لیے کرے کہ گھر کے کرائے میں تخفیف ہو یا روزہ اس لیے رکھے کہ کھانا پکانے کے لیے وقت نہ ہو یا صدقہ کسی سائل کو اس لیے دے کہ اس کے سوال سے عاجز آگیا ہو تو اس کا ٹالنا نامنظور ہو یا بیمار کی عیادت اس لیے کرے کہ جب وہ خود بیمار ہو تو اس کی بھی عیادت کرنے آئے یا جنازے کے ساتھ اس لیے جائے کہ کوئی اس کے ہاں اگر مرجائے تو اس کے ساتھ بھی لوگ چلیں یا ان باتوں کو اس نیت سے کرے تاکہ خیر کے ساتھ مشہور ہو اور لوگ نیک بختی کی نگاہ سے دیکھیں۔ ان سب صورتوں میں اگر سبب تقرب الی اللہ بھی ہوگا اور ان خطرات میں سے بھی کوئی خطرہ اس کے ساتھ ہوگا۔ یہاں تک اس کی وجہ سے اس پر وہ فعل کرنا آسان معلوم ہوگا تو اس کا عمل اخلاص کی حد سے باہر نکل جائے گا۔ اسے یہ نہیں کہیں گے کہ خالص خدا کی ذات کے لیے ہے اور اس میں شرک کو راستہ جائے گا۔

حدیث قدسی:۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں تمام چیزوں کی نسبت شرک سے غنی تر ہوں۔

فائدہ:۔ دنیا کی لذائذ میں سے جو لذت اس طرح ہو کہ نفس اس کی طرف مائل اور دل راغب ہو' وہ تھوڑا ہو یا زیادہ' جب کسی عمل میں .خلل پائے گا تو اس لذت کے دخل سے اس کی صفائی اور اخلاص ناخالص ہو جائے گا۔ یہی

وجہ ہے کہ انسان اپنے لذائذ اور شہوات میں غرق رہتا ہے تو ایسا بہت کم ہے کہ کوئی فعل یا عبادت اس جنس کے لذائذ اور اغراض سے خالی ہو' اسی لیے کہا گیا ہے کہ جس شخص کو اپنی تمام عمر میں ایک لحظہ بھی خالص ذات خدا کے لیے میسر ہوگا' وہ نجات پائے گا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اخلاص نہایت کمیاب شے ہے اور دل کا صاف کرنا ان آمیزشوں سے بہت دشوار ہے بلکہ خالص اسی کو کہتے ہیں کہ جس میں کوئی وجہ سوائے تقرب الی اللہ کی طلب کے نہ ہو۔

فائدہ :۔ یہ لذائذ اگر تنہا باعث اعمال ہوں تو ظاہر ہے کہ عمل کرنے والے پر ان اعمال میں سختی کی جائے گی مگر ہم ان صورتوں کو مد نظر کرتے ہیں کہ مقصد اصلی تو تقرب ہو اور ان میں کسی قدر یہ آمیزش بھی زائد ہو جائیں اور ان کے زائد ہونے کی تین صورتیں ہیں۔ (1) بطور رفاقت۔ (2) بطرز شرکت۔ (3) بر سبیل اعانت جیسا کہ نیت کے بیان میں گزرا۔ پھر باعث نفی یا باعث دینی کے برابر ہو یا زیادہ یا کم اور ان میں سے ہر ایک کا حکم جدا جدا ہے۔ چنانچہ عنقریب مذکور ہوگا۔

اخلاص کا معنی :۔ عمل ان سب آمیزشوں سے خالی ہو۔ تھوڑی ہوں یا زیادہ' یہاں تک کہ باعث بجز ہیں۔ تقرب کے اور کوئی نہ ہو۔

فائدہ :۔ یہ اس شخص سے متصور ہے جو اللہ تعالیٰ کا محب زار اور آخرت کے تصور ہیں۔ مکمل طور ڈوبا ہوا یہاں تک کہ دنیا کی محبت کی اس کے دل میں گنجائش نہ رہی ہو بلکہ کھانا پینا اسے اچھا معلوم نہ ہوتا ہو یعنی کھانے کی رغبت اس وجہ سے نہ ہو' وہ طعام ہے بلکہ اس نظریہ سے ہو کہ اس سے خدا تعالیٰ کی عبادت پر تقویت کرتا ہے اور تمنا کرے کہ کیا خوب ہو جو بھوک کی مصیبت سے محفوظ ہو جائے کہ پھر کھانے کی حاجت نہ رہے اور نہ دل میں کوئی ضرورت سے .زیادہ امر کی لذت رہے اور اس کے نزدیک ضرورت کے مطابق ہی مطلوب ہو۔ اس نظریہ سے کہ دین کی ضرورت ہے' سوائے فکر الٰہی کے اور کوئی فکر نہ ہو۔ اس طرح انسان اگر کھائے گا یا پیئے گا یا حاجت قضا کرے گا تو تمام صورتوں میں خالص العمل اور درست نیت والا رہے گا بلکہ سب حرکات و سکنات میں اس کی نیت صحیح ہوگی' یہاں تک کہ سوئے گا تاکہ اپنے نفس کو آئندہ کی عبادت کے لیے قوت اور راحت ہو جائے تو اس کا سونا بھی عبادت ہوگا اور اس میں بھی اس کو مخلصوں کا درجہ ملے گا اور جس کا حال ایسا نہیں تو اعمال میں اخلاص کا ہونا اس کے حق میں بہت ناقص اور کم ہوگا اور جس طرح کہ حرکات و سکنات ایسے شخص کے جس پر محبت خدا اور محبت آخرت غالب ہو' صفت اس کی ہمت کی حاصل کر کے بالکل اخلاص ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح جس شخص کے نفس پر دنیا اور دنیاوی مرتبہ اور لڑائی یا کوئی اور چیز غیر اللہ غالب ہو جائے تو اس کی حرکات و سکنات بھی وہی صفت پیدا کر لیتے ہیں۔ پس کوئی اس کی عبادت نماز ہو یا روزہ سلامت نہیں رہے۔ بہت کم اخلاص اس میں ہوتا ہے۔

علاج :۔ اخلاص کا علاج یہ ہے کہ نفس کے لذائذ کو توڑ دے اور دنیا کا طمع مٹا دے اور آخرت کے لیے اس طرح

خالص ہو جائے کہ وہی دل پر غالب ہو۔ اسی وقت اخلاص میسر ہو گا اور بہت سے اعمال ایسے ہیں کہ انسان ان میں مشقت اٹھاتا ہے اور اپنے گمان میں ان کو خاص خدا تعالیٰ کی ذات کے لیے سمجھتا ہے۔ حالانکہ اس کو دھوکہ ہوتا ہے' اس لیے کہ ان میں غلطی کی وجہ اس کو معلوم نہیں ہوتی۔

حکایت :۔ بعض اکابر فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی تیس برس کی نماز جو مسجد کی صف اول میں پڑھی تھی' قضا کی اس لیے کہ ایک دن مجھے کسی عذر کی وجہ سے دیر ہو گئی تو میں نے دوسری صف میں نماز پڑھی۔ اس سے مجھے لوگوں سے بہت شرم آئی کہ انہوں نے مجھے دوسری صف میں دیکھا۔ اس وقت میں نے محسوس کیا کہ لوگ جب مجھے صف اول میں دیکھتے تھے' اس سے مجھ کو خوشی اور راحت قلبی ہوتی تھی اور مجھے اس کی خبر نہ تھی۔

فائدہ :۔ یہ بات ایسی باریک اور خفیہ ہے کہ اعمال اس جیسے امور سے بہت کم خالی ہوتے ہیں اور نہ ہر ایک کو اس کی خبر ہوتی ہے بجز ان لوگوں کے جنہیں خدا تعالیٰ توفیق دیتا ہے اور جو اس سے غافل ہیں' وہ آخرت میں اپنے سب حسنات کو سیات پائیں گے۔ قرآن مجید میں ہے وبدالھم من اللہ مالم یکونوا یحتسبون (الزمر 47) اور انہیں اللہ کی طرف سے وہ بات ظاہر ہوئی جو ان کے خیال میں نہ تھی۔

قل ھل ننبئکم بالاخسرین اعمالا الذین ضل سعیھم فی الحیوۃ الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا (الکھف 103) ترجمہ کنزالایمان :۔ تم فرماؤ کیا ہم تمہیں بتائیں کہ سب سے بڑھ کر ناقص عمل کن کے ہیں ان کرے جن کی ساری کوشش دنیا کی زندگی میں گم گئی اور وہ اس خیال میں ہیں کہ ہم اچھا کام کر رہے ہیں۔

فائدہ :۔ سب سے زیادہ تعرض اس فتنے کا علماء کو ہے' اس لیے کہ اکثر علماء کے لیے باعث علم کے پھیلان کا سبب لذت اور سرداری کی خوشی اور حمد و ثناء کی مسرت ہوا کرتی ہے اور شیطان ان پر حق مخفی کر دیتا ہے اور دھوکہ دیتا ہے کہ تمہاری غرض دین الٰہی کا پھیلانا اور شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مخالفوں کا دفع کرنا ہے۔

فائدہ :۔ واعظین علوم بادشاہوں کو نصیحت کرتے ہیں تو خدا تعالیٰ پر احسان جتاتے ہیں اور جو لوگ ان کا احوال قبول کرتے ہیں اور ان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو بہت خوش ہوتے ہیں اور کہتے ہیں ہمیں مسرت اس بات کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے دین کی خدمت کا کام لیا حالانکہ اگر کوئی ان کا معاصر ہو کہ ان سے وعظ اچھا کہتا ہو اور لوگ اس کی طرف متوجہ ہو جائیں تو ان کو نہایت برا محسوس ہوتا ہے بلکہ اس کا رنج مناتے ہیں۔ ہم ان علماء سے پوچھتے ہیں کہ اگر ان کے وعظ کا سبب دین تھا تو ان کو دوسرے واعظ کے ہونے سے خدا کا شکر کرنا چاہیے تھا کہ اس نے یہ کام دوسرے سے لیا اور ان کو نہ کرنا پڑا مگر شیطان پھر بھی ان کو نہیں چھوڑتا اور کہتا ہے کہ تم کو اس بات کا غم نہیں کہ لوگوں نے تم کو چھوڑ کر دوسرے کا وعظ سنا بلکہ غم یہ ہے کہ تمہارا ثواب جاتا رہا یعنی اگر لوگ تمہارے وعظ سے صحیح راہ پاتے تو تم کو ثواب ہوتا۔ اس ثواب کے نہ ملنے کا غم کرنا بہتر ہے لیکن بیچارے کو یہ معلوم نہیں کہ امر حق کی اطاعت اور افضل شخص کو معاملہ سپرد کرنے میں آخرت میں ثواب زیادہ ہوتا ہے' بہ نسبت تنہا عمل کرنے کے مثلاً

اگر اس طرح کا غم اچھا ہوتا ہے تو جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہوئے تھے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی غم کرتے کہ تمام خلق کے مصالح کی کفالت بہت بڑا ثواب رکھتی ہے مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت سے خوش ہوئے کیونکہ جانتے تھے کہ یہ ہم سب سے افضل ہیں لیکن معلوم نہیں کہ علماء ایسی باتوں سے کیوں خوش نہیں ہوتے۔

فائدہ :۔ بعض اہل علم شیطان کے اس دھوکے میں آجاتے ہیں اور دل میں کہنے لگتے ہیں کہ اگر ہم سے افضل کوئی پیدا ہوگا تو اس سے خوش نہ ہوں گے مگر امتحان سے پہلے یہ کہنا محض مغالطہ ہے' اس لیے کہ نفس اس جیسا وعدہ کر لینے میں نہایت سہولت محسوس کرتا ہے مگر جب وہ موقع آجاتا ہے تو وعدہ پورا نہیں کرتا' فوراً بدل جاتا ہے اور اسے وہی جانتا ہے جو نفس کے مکروں سے واقف ہے اور اس کا امتحان بہت کرتا رہتا ہے۔

خلاصہ :۔ حقیقت اخلاص کو پہچاننا اور اس پر عمل کرنا ایک سمندر بے کنار ہے کیونکہ اس میں لوگوں کا پتہ نہیں چلتا۔ کوئی خوش قسم ہی بچتا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے الا عبادک منھم المخلصین (الحجر 40) ترجمہ کنزالایمان :۔ مگر جو ان میں تیرے چنے ہوئے بندے ہیں۔

فائدہ :۔ سالک کو چاہیے کہ ان حقائق کا خوب تجسس کرتا رہے ورنہ نادانستہ گروہ شیاطین میں جا ملے گا۔

اقوال اسلاف برائے اخلاص :۔ کہتے ہیں کہ اخلاص اس کا نام ہے کہ اخلاص پر نظر نہ رہے۔ اس لیے کہ جو اپنے اخلاص کو دیکھے گا تو اس کے اخلاص کے لیے حاجت اخلاص کی رہے گی۔

فائدہ :۔ اس میں اشارہ ہے کہ عمل کو عجب سے صاف کرنا چاہیے کیونکہ اخلاص کی طرف نظر کرنا عجب ہے' وہ ایک آفت ہے اور خالص اسی کو کہتے ہیں جو تمام آفات سے صاف ہو تو جس اخلاص میں عجب ہوگا' اس میں ایک آفت باقی رہے گی۔

سہل رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اخلاص یہ ہے کہ سالک کے حرکات و سکنات اللہ تعالیٰ کے لیے ہوں۔ یہ تعریف جامع ہے کہ مقصد کو محیط ہے اور مراد کو بھی مفید ہے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم فرماتے ہیں کہ اخلاص نیکی کو اللہ تعالیٰ کے لیے سچا کرنے کا نام ہے۔

حضرت سہل رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ سب سے سخت تر نفس پر کیا چیز ہے۔ آپ نے فرمایا اخلاص اس وجہ سے کہ نفس کو اس میں کوئی لذت نہیں۔

رویم رد کا قول ہے کہ عمل میں اخلاص اس کا نام ہے کہ مخلص اس پر دونوں جہانوں میں کلھانہ چاہے اور اس قول میں یہ اشارہ ہے کہ حظوظ نفس دنیاوی ہوں یا اخروی سب آفات ہیں تو جو شخص اس لیے عبادت کرے کہ جنت میں شہوات سے نفس کو آسائش ملے' وہ آفت زدہ ہے بلکہ اصل یہ ہے کہ عمل میں سوائے رضائے الٰہی کے اور

کوئی بات نہ ہو۔

فائدہ:۔ یہ قول اشارہ ہے صدیقوں کے اخلاص کی طرف۔ اسی کو اخلاص محض کہتے ہیں اور جو شخص جنت کی لالچ یا دوزخ کے خوف سے عمل کرے' وہ باعتبار دنیوی لذات کے مخلص ہے ورنہ اصل میں وہ حظ شکم اور شرمگاہ کا طالب ہے اور اہل حق کے نزدیک مطلوب واقعی صرف رضائے الٰہی ہے نہ کوئی اور حظ نفس۔

ازالہ وہم:۔ انسان کسی نہ کسی حظ کے لیے حرکت ضرور کرتا ہے اور حظوں سے پاک ہونا صفت الٰہی ہے جو اس سے بری ہونے کا مدعی ہو' وہ کافر ہے۔ چنانچہ قاضی ابوبکر باقلانی نے کفر کا حکم کیا جو مدعی حظوظ سے بری ہونے کا ہو اور فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے انسان اس کا مدعی نہیں ہو سکتا۔

درست ہے مگر صوفیہ کی مراد اخلاص میں حظوظ سے بری ہونے سے یہ ہے کہ ان حظوظ سے بری ہو جن کو عوام حظ کہتے ہوں اور عوام جن کو حظ کہتے ہیں' وہ شہوات مذکورہ جنت میں ہیں اور صرف معرفت اور مناجات اور دیدار الٰہی کی لذت جو اہل دل کا حظ ہے۔ اس کو عوام بھی حظ نہیں جانتے بلکہ اس سے تو تعجب کرتے ہیں کیونکہ یہ اتنا بڑا حظ ہے کہ اگر تمام جنت کے حظوظ طاعت اور مناجات اور مشاہدہ حضرت الٰہی کے عوض میں ان حضرات کو دیئے جائیں تو ان کو حقیر جانیں اور ذرا بھی متوجہ نہ ہوں تو ان حضرات کی اطاعت تمام اس حظ کے لیے ہے۔ ان حظوں کے لیے نہیں جن کو عوام حظ کہتے ہیں۔ ان کا حظ نفس تو ان کا معبود ہے۔

ابو عثمان کہتے ہیں کہ اخلاص یہ ہے کہ خالق کی طرف دائمی نظر رکھ کر خلق کے دیکھنے کو فراموش کر دے۔

فائدہ:۔ اس قول میں اشارہ صرف آفت ریا سے محفوظ رہنے کا ہے۔ اسی طرح بعض اکابر کا قول ہے کہ عمل میں اخلاص یہ ہے کہ اس پر نہ شیطان کو خبر ہو کہ اس کو بگاڑے نہ فرشتے کو کہ اسے لکھے' اس میں اشارہ صرف عمل کے اخفا کا ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ اخلاص وہ ہے جو مخلوق سے پوشیدہ اور علائق سے ہو' یہ قول جامع تر ہے۔

محاسبی کہتے ہیں کہ اخلاص یہ ہے کہ رب کے معاملے سے مخلوق کو نکال دے۔ اس میں صرف ریاء کی نفی ہے۔

خواص کا قول ہے کہ جو شخص جام ریاست نوش کرتا ہے' وہ عبودیت کے اخلاص سے نکل جاتا ہے۔

حکایت:۔ حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ اعمال میں سے خالص کونسا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے عمل کرتا ہے اور اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کوئی اس کی تعریف کرے۔

فائدہ:۔ اس میں بھی ترک ریاء کا اشارہ ہے اور اسے خالص اس لیے فرمایا کہ جن اسباب سے اخلاص میں خلل آتا ہے' ان میں سے قوی تر یہی ہے۔

حضرت جنید فرماتے ہیں کہ اخلاص کدورتوں سے عمل کو صاف کرنے کا نام ہے۔

حضرت جنید فرماتے ہیں کہ اخلاص کدورتوں سے عمل کو صاف کرنے کا نام ہے۔
فضیل فرماتے ہیں کہ لوگوں کی وجہ سے عمل نہ کرنا ان کی خاطر عمل کرنا شرک ہے۔ اخلاص یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے ان دونوں باتوں سے بچائے۔
بعض نے کہا کہ اخلاص یہ ہے کہ ہمیشہ مراقبہ رکھے اور حظوظ کو بالکل فراموش کر دے۔

فائدہ:۔ اس موضوع میں اقوال اسلاف بے شمار ہیں۔ جب حقیقت معلوم ہو گئی تو پھر مزید اقوال کی کیا ضرورت ہے۔ ہاں اس بارے میں وہ بے مثل بیان ہے جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یعنی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اخلاص کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا ان تقول ربی اللہ ثم تستقیم کما امرت "یہ کہ تم کہو میرا رب اللہ تعالیٰ ہے' اسی پر استقامت کرو جس کے تم مامور ہو۔"

فائدہ:۔ مقصد یہ ہے کہ اپنے نفس و خواہش کی عبادت نہ کی جائے اور اپنے رب تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ ہو۔ پھر اس کی عبادت کا جیسا حکم ہے' اس پر استقامت ہو یعنی ماسوی اللہ سے قطع تعلق ہو۔ واقعی اخلاص حقیقی یہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔

اخلاص میں خرابیاں پیدا کرنے والے امور:۔ وہ امور جو اخلاص کو خراب کرتے ہیں' وہ دو قسم کے ہیں۔ (1) ظاہر۔ (2) پوشیدہ بعض ظاہری امور ضعیف ہیں اور بعض پوشیدہ ہونے کے باوجود قوی ہیں۔

مثال:۔ ظاہری امر ضعیف اور پوشیدہ امر قوی کو ایک مثال سے سمجھئے۔ وہ یہ کہ کوئی نمازی نماز پڑھے' اس کا مقصد اخلاص ہے۔ اس وقت شیطان اس کی عبادت میں خلل ڈالتا ہے کہ اسے ریا میں مبتلا کرتا ہے اور ریاء اخلاص کے لیے ظاہری نقصان دہندہ ہے۔ شیطان وسوسہ ڈالتا ہے۔ جب اسے بعض لوگ نماز پڑھتے دیکھ رہے ہوں یا اس کی نماز کے دوران کوئی آجائے۔ ریاء کا وسوسہ یہ ہے کہ اے نمازی اچھی طرح پڑھ تاکہ دیکھنے والے تجھے تعظیم کی نگاہ سے دیکھیں اور سمجھیں کہ یہ نیک بخت ہے۔ نمازی دیکھنے والوں کے لیے خوب خشوع و خضوع کرے۔ یہ ریا کے درجہ اول میں سے ہے۔ یہ ایسی خرابی ہے کہ جسے مبتدی سالک بھی جانتے ہیں۔ ریاء کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ مبتدی سالک کو سمجھ جائے تو اس سے فوراً احتراز کرے یعنی اس میں شیطان کی اطاعت نہ کرے۔ اس کا کہنا نہ مانے بلکہ اس کی طرف توجہ بھی نہ کرے۔ اس کا طریقہ یہی ہے کہ نماز کے دوران آنے والے وسوسوں کا خیال تک نہ کرے جیسے پڑھ رہا تھا' ویسے ہی پڑھتا رہے۔

شیطان کی ٹیڑھی چال:۔ جب شیطان دیکھتا ہے کہ یہ نمازی اس کا کہا نہیں مان رہا تو پھر اس کے پاس خیر و بھلائی کا بہانہ بنا کر آتا ہے۔ وہ یوں کہ اسے وسوسہ ڈالتا ہے کہ تو مقتدا ہے بلکہ لوگ تیری عبادت سے عوام عبادت کا طریقہ سیکھتے ہیں۔ تو جو عمل کرے گا' اس سے وہ لوگ تیری اقتدا کریں گے تو وہ ثواب بھی تجھے ملے گا' اس لیے تم

ان لوگوں کے سامنے عمل بالخصوص نماز خوبصورت طریقے سے ادا کرو تاکہ وہ تمہارے خشوع و خضوع کی اقتدا کر سکیں۔ یہ ریاء پہلے درجے کی بہ نسبت پوشیدہ ہے۔

جو لوگ پہلے طریقہ سے شیطان کے پھندے میں نہیں آتے' انہیں شیطان اسی دوسرے طریقے سے پھنساتا ہے۔ اگر سالک اس کے مکر و فریب میں آجاتے ہیں لیکن یہ بھی تو ریاء ہے اور اس سے اخلاص خراب ہوتا ہے۔ اگرچہ فی الواقع خشوع و خضوع کے اعتبار سے بہتر ہے۔ اگر کوئی سمجھے کہ یہ ریا کیسے ہے' ہم اسے سمجھائیں گے کہ اگر ریاء نہ ہوتا تو پھر وہ تنہائی میں کیوں نہ کیا۔ اب لوگوں کی وجہ سے کیوں کر رہا ہے اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ کسی دوسرے کا نفس اس کے نزدیک بہ نسبت اپنے نفس کے عزیز معلوم ہوا کہ یہ صرف دھوکا ہے بلکہ پیشوا وہ ہے جو اپنے آپ مستقیم ہو اور اس کا دل روشن اس طرح ہو کہ اس کی روشنی دوسروں پر پڑتی ہے تو اس کا ثواب اس کو ملے گا ورنہ ہر صورت محض نفاق اور دھوکہ ہے۔ ہم نے مانا کہ اگر اس کی کوئی اقتدا کرے گا تو مقتدی کو ثواب ملے گا مگر اس مقتداء سے بازپرس ہوگی کہ جو چیز تجھ میں نہ تھی' اس کو کیوں ظاہر کیا اور اس کو عذاب بھی دیا جائے گا۔

تیسرا درجہ جو دوسرے درجے سے بھی باریک ہے' وہ یہ ہے کہ سالک اسبات میں اپنے نفس کا امتحان لے اور مکر شیطان سے آگاہ ہو کہ جان لے کہ خلوت میں اور حال ہونا اور غیر کے دیکھنے کی صورت میں اور حال ہونا محض ریاء ہے اور اخلاص کی صورت یہ ہے کہ نماز تنہائی میں ایسی ہی ہو جیسے مجمع میں ہوتی ہے اور اپنے نفس اور پروردگار سے اس کا حیا کرے کہ خلق کے دیکھنے کی صورت میں عادت کے بموجب خشوع زیادہ کرے۔ اس نظر سے تنہائی میں اپنے نفس پر متوجہ ہو اور وہاں بھی نماز اسی خوبصورتی سے پڑھنا اختیار کرے جو طریقہ کہ مجمع میں بھی پسند ہے اور مجمع میں بھی اسی طرح پڑھے تو یہ صورت بھی ریائے دقیق اور خفی ہے۔ اس لیے کہ خلوت میں اس نے نماز کو اس نیت سے اچھی طرح پڑھا کہ مجمع میں بھی اسی صورت سے ادا ہو تو تنہائی اور مجمع میں دونوں میں اس کی نظر خلق کی طرف رہی اور اخلاص اس طرح ہو تاکہ جانور کا دیکھنا اور انسان کا دیکھنا دونوں اس کی نظر میں یکساں ہو جاویں تو گویا اس کا دل گوارا نہیں کرتا کہ لوگوں کے سامنے نماز کو بری طرح ادا کرے۔ پھر اپنے دل میں شرماتا ہے کہ کہیں ریاکاروں کی صورت میں نہ ہو جائے اور اس کو یہ گمان ہے کہ اگر خلوت اور مجمع نماز کی صورت ایک ہی ہو جائے گی تو ریا سے خارج ہو جاؤں گا حالانکہ یہ بات نہیں بلکہ ریا سے خارج ہونے کی صورت یہ ہے کہ خلق کی طرف التفات ایسے ہو جیسے جمادات کی طرف ہوتا ہے' خواہ خلوت میں ہو یا مجمع میں ورنہ یہ شخص دونوں صورتوں میں خلق کی طرف ہمت سے مشغول رہے گا اور یہ بات شیطان کے خفیہ مکروں میں سے ہے۔ چوتھا درجہ جو نہایت خفی ہے' یہ ہے کہ لوگ اس کو نماز پڑھتے دیکھیں اور شیطان اس کو یہ نہ کہہ سکے کہ ان کی خاطر خشوع کر' اس لیے کہ اس کو معلوم ہے کہ یہ فریب یہ شخص سمجھ گیا ہے۔ داؤ میں نہ آئے گا تو شیطان اس سے یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال میں تامل کر جس کے سامنے تو کھڑا ہے اور اسبات سے حیا کر کہ کہیں خدا تعالیٰ تیرے دل کو ایسے حال میں نہ دیکھے کہ دل اس سے غافل ہو۔ اس خیال کے آنے سے اس کا دل حاضر ہوتا ہے اور اعضاء خشوع کرنے لگتے ہیں

اور اس کو گمان ہوتا ہے کہ اخلاص یہی ہے حالانکہ یہ عین مکروہ فریب ہے' اس لیے کہ اگر خدا تعالیٰ کے جلال پر نظر کرنے سے خشوع ہوتا تو تنہائی میں بھی ہوتا۔ اس طرح نہ ہوتا کہ جب کوئی غیر شخص ہو تو اس کے آنے سے یہ کیفیت حاصل ہوتی کہ یہ خیال تنہائی میں بھی دل پہ جما رہے جس طرح کہ مجمع میں رہتا ہے اور یہ بات نہ ہو کہ دوسرے کے آنے پر ہی موقوف وہ جیسے کہ جانور کے آنے پر کوئی خیال اس قسم کا منحصر نہیں ہوتا غرضیکہ جب تک انسان کو انسان کے دیکھنے اور جانور کے دیکھنے میں اپنے اعمال میں فرق معلوم ہو تب تک وہ صفائے اخلاص سے خارج اور اس کا باطن آلودہ شرک خفی یعنی ریا کا ہے۔ یہی شرک اس طرح کا ہے کہ آدمی کے دل میں سیاہ چیونٹی کی چال سے جو اندھیری رات میں سخت پتھر پر چلے۔ خفی رہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہے اور شیطان سے کوئی شخص نہیں بچ سکتا مگر وہ کہ جس کی نظر دقیق ہو اور اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور توفیق و ہدایت سے بہرہ یاب ہو ورنہ شیطان لوگوں کی تاک میں ہر وقت رہتا ہے جو عبادت الٰہی کے لیے مستعد ہوں۔ ان سے ایک لحظہ غافل نہیں رہتا۔ یہاں تک کہ ان کو ہر ایک حرکت اور کام میں ریا پر کراتا ہے حتیٰ کہ آنکھ میں سرمہ لگانا اور لبوں کا کتروانا اور جمعہ کے روز خوشبو لگانا اور کپڑے بدلنا یہ سب امور اوقات مخصوصہ میں سنت ہیں اور چونکہ خلق کی خاطر ان سے تعلق ہے اور طبیعت کو رغبت اس لیے نفس کو ان میں ایک حظ خفی ہے۔ پس شیطان بندے کو ان چیزوں کی طرف بلاتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ فعل سنت ہے۔ اس کو ترک کرنا نہ چاہیے اور نفس اس کی تقریر سے اسی لیے رغبت کرتا ہے کہ اس میں وہ شہوات خفیہ موجود ہیں یا دل کا شوق ان شہوات سے محفوظ تر ہوتا ہے۔ اس قدر کہ اس کے باعث سے حد اخلاص سے نکل جاتا ہے اور جو چیز کہ ان سب آفتوں سے محفوظ نہ ہو' وہ خالص نہیں بلکہ جو شخص کسی آباد مسجد عمدہ بنی ہوتی صاف پاکیزہ میں اعتکاف کرے اور اس میں دل لگتا ہو تو شیطان رغبت اعتکاف کی دلاتا ہے اور فضائل اعتکاف کثرت سے اس کے سامنے بیان کرتا ہے اور محرک خفی اس صورت میں بعض اوقات مسجد کی خوبصورتی اور طبیعت کا اس سے راحت پانا ہوتا ہے اور یہ امر اس وقت معلوم ہوتا ہے جب دوسری مسجد جو ویسی خوبصورت نہ ہو' اس میں اعتکاف کو دل نہ چاہے اور یہ سب باتیں طبیعت کی آمیزشوں اور نفس کی کدورات میں مخلوط ہیں۔ حقیقت اخلاص ان سے جاتی رہتی ہے۔ اس کو یوں جاننا چاہیے جیسے خالص سونے میں ملاوٹ ہوتی ہے کہ کبھی تو اتنا ہوتا ہے کہ ملاوٹ ہی غائب ہو اور کم ہوتا ہے مگر جلد معلوم ہو جاتا ہے اور کبھی اتنا تھوڑا ہوتا ہے کہ بغیر خوب پرکھنے کے اور کوئی نہیں جان سکتا اور دل پر شیطان کا دخل اور نفس کی خباثت اس سے کہیں دقیق اور خفیہ تر ہے۔

فضیلت علم:۔ دو رکعتیں عالم کی جاہل کی ایک برس کی عبادت سے افضل ہیں۔ اس قول میں عالم سے وہی مراد ہے جو آفات کے اعمال و حقائق جانتا ہو تاکہ اپنے عمل کو ان سے پاک و صاف کرے اور جاہل تو ظاہری عبادت پر نظر رکھتا ہے اور اسی سے مغالطے میں پڑ جاتا ہے جیسے دیہاتی ایک کھوٹی نکمی اشرفی کو بظاہر سرخ لو گول دیکھ کر معاشے میں آجاتا ہے حالانکہ کندن میں سے تھوڑا سا سونا بھی اس اشرفی سے بہتر ہوتا ہے جو غبی اور ناواقف اچھا سمجھ لیتے ہیں۔ اسی طرح عبادات کا معاملہ مختلف ہے بلکہ یہ سخت تر اور برا ہے اور اعمال میں جس قدر آفات راہ پاتے

ہیں' ان کا حصر اور شمار غیر ممکن ہے۔ ہم اسی قدر مثال پر کفایت کرتے ہیں۔ سمجھ دار اتنا کافی ہے' دانا آدمی کو گفتگوئے طویل سے بھی کچھ اثر نہیں ہوتا۔ اسی لیے لمبی گفتگو بے سود ہے۔

عمل غیر خالص کا حکم :۔ پردہ عمل جبکہ خالص خدائے تعالیٰ کے لیے نہیں ہوتا اور اس میں ملاوٹ ریاء حظ نفس ہوتی ہے تو علماء کا اختلاف ہے کہ ایسا عمل مستحق ثواب ہے یا سزا اور عذاب یا دونوں میں سے کسی کا تقاضا نہیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ جس عمل میں صرف مقصود ریا ہو' وہ موجب عذاب اور غضب خدا ہے اور جو خالص بوجہ اللہ ہوگا' وہ سبب ثواب ہے۔ صرف اختلاف عمل میں ہے اور ظاہر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پر ثواب نہ ہوتا ہم احادیث جو اسباب میں وارد ہیں' ان میں اختلاف ہے۔ ہمارے نزدیک یہ حکم ہے کہ قوت کی مقدار کو دیکھنا چاہیے۔ اگر باعث دینی اور باعث نفسانی دونوں برابر ہوں تو دونوں کی کچھ تاثر نہ رہے گی۔ ایسے عمل کا نہ ثواب ہوگا' نہ عذاب۔ اگر باعث ریاء غالب اور قوی ہوگا تو اس عمل سے کچھ فائدہ نہ ہوگا بلکہ مضر ہوگا بلکہ موجب عذاب ہوگا۔ ہاں اس کا عذاب اس عمل کے عذاب سے ہلکا ہوگا جس کا باعث محض ریا اور تقرب کی ملاوٹ میں کچھ بھی نہ ہو۔ اگر قصد تقرب دوسرے سبب سے قوی تر ہوگا تو جس قدر قوت باعث دینی یعنی تقرب زیادہ ہوگی' اسی قدر ثواب ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ (الزلزال 7'8) تو جو ایک ذرہ بھر بھلائی کرے اسے دیکھے گا اور جو ایک ذرہ بھر برائی کرے اسے دیکھے گا۔ اور فرمایا ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ وان تک حسنۃ یضاعفھا (النساء 40) ترجمہ کنزالایمان :۔ اللہ ایک ذرہ بھر ظلم نہیں فرماتا اور اگر کوئی نیکی ہو تو اسے دونی کرتا۔

فائدہ :۔ ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قصد خیر ضائع نہ ہوگا بلکہ اگر قصد ریاء سے بڑھ کر ہوگا تو قصد ریاء کے برابر تو باطل ہو جائے گا اور زیادتی باقی رہے گی۔ اگر مغلوب ہوگا تو جتنا عذاب صرف قصد فاسد کی وجہ سے ملتا' اس میں سے کسی قدر تخفیف ہو جائے گی۔

تحقیق یہ ہے کہ اعمال کی تاثیر دلوں میں یوں ہوتی ہے کہ جس صفت سے وہ صادر ہوتے ہیں' اسی صفت قلبی کو مستحکم کیا کرتے ہیں مثلاً صفت ریاء مہلکات میں سے ہے اور اس مہلک کی غذا اور قوت اس طرح ہوتی ہے کہ اس کے موافق عمل کیا جائے اور چیز نجات دینے والی صفات میں سے ہے۔ اس کی قوت ان کے موافق عمل کرنے سے ہوتی ہے۔ جب یہ دونوں صفتیں دل میں اکٹھی ہوں تو دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ جب ایک کے موافق عمل کرے تو اسی کو تقویت ہوگی۔ وہ ریا ہو یا تقرب اور ان دونوں میں ایک مہلک ہے اور دوسری نجات دینے والی۔ پس اگر دونوں کی تقویت یکساں ہے تو دونوں برابر رہیں گے۔

سوال :۔ کسی کو حرارت کی چیزوں سے ضرر ہوتا ہے اور اس نے گرم چیزیں کھائیں' پھر ان گرم چیزوں کی قوت کی مقدار پر سرد چیزوں کا استعمال کیا تو دونوں کے کھانے کے بعد ایسی کیفیت ہوگی کہ گویا کوئی چیز نہیں کھائی۔ اگر دونوں'

میں سے کوئی غالب ہوگی تو مقدار غلبہ ضرور تاثیر کرے گی تو جس طرح کہ کھانے پینے کی دوا کا جسم میں خدائے تعالیٰ کی عادت کے مطابق بلا تاثیر نہیں رہتا' اسی طرح کوئی ذرہ خیر و شر کا بھی ضائع نہیں ہوتا۔ دل میں روشنی یا تاریکی کا اثر ضرور پہنچتا ہے اور خدا تعالیٰ سے قریب یا بعید ضرور کرتا ہے۔ اگر ایسا عمل کیا کہ جس سے ایک بالشت مثلاً قرب ہو اور اس میں ایسا خلط کیا جس سے ایک ہی بالشت دوری ہو تو جس حالت پر تھا' اسی پر رہے گا' ثواب نہ ہوگا کہ ایک بالشت کا فاصلہ رہے گا۔ حدیث شریف میں ہے کہ اتبع السیئۃ الحسنۃ تمحھا اس صورت میں جبکہ ریاء محض کو اخلاص محض مٹا دیتی ہے تو ضرور ہوا کہ اگر دونوں اکٹھے ہوں گے تو ایک دوسرے کے برعکس عمل کریں گے۔

فائدہ:۔ اس کی وجہ ایک یہ بھی ہے کہ اس پر اجماع امت ہے کہ جو شخص حج کے لیے جائے اور مال تجارت بھی اس کے ساتھ ہو تو اس کا حج درست ہے اور اس پر ثواب دیا جائے گا' گو اس کے ساتھ ایک نفس کا حظ مل گیا ہے۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس شخص کو ثواب حج کے اعمال کا ثواب جب ہوتا جب مکہ معظمہ میں پہنچتا ہے اور تجارت حج پر موقوف نہیں تو حج خالص رہا البتہ بعد مسافت حج اور تجارت میں مشترک رہا تو اگر قصد تجارت ہوگا تو اس طول مسافت میں کچھ ثواب نہ ملے گا لیکن بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ جس صورت میں محرک اصلی حج ہو اور غرض تجارت مثل معین اور تابع کے ہو تو نفس سفر میں بھی ثواب ملے گا اور ہم نہیں کہہ سکتے کہ غازیوں کو کفار کے ساتھ اسی وجہ میں لڑنا جہاں غنیمت بہت ملے اور ایسی جہت اسی وجہ میں کہ غنیمت نہ ہو' کچھ فرق نہیں معلوم ہوتا مگر اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ یہ کہنا بعید ہے کہ اس فرق کے معلوم ہونے سے ان کو جہاد کا ثواب بالکل نہ ملے بلکہ یوں کہنا مناسب ہے کہ اگر باعث اصلی اور محرک قوی بلند کرنا کلمہ خدا ہو اور رغبت غنیمت اس کی تابع ہو تو اس سے ثواب ضائع نہ جائے گا۔ ہاں اس شخص کے ثواب کے برابر نہ ہوگا جس کا دل غنیمت کی طرف بالکل متوجہ نہ ہو' اس لیے کہ اس التفات سے نقصان تو آیات و اخبار سے ثابت ہوتا ہے کہ ریاء کی آمیزش ثواب کو ضائع کرتی ہے۔ جیسے ریاء کی آمیزش ہے' ویسے ہی تلاش غنیمت کا خلط ہے اور تجارت وغیرہ حظوظ بھی ایسے ہی ہیں۔ چنانچہ طاؤس اور دوسرے تابعین روایت کرتے ہیں کہ کسی نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ایک شخص احسان کرتا یا صدقہ دیتا ہے مگر اس کو یہ محبوب ہے کہ لوگ اس کی تعریف بھی کریں اور ثواب بھی ملے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ یہاں تک کہ یہ آیت اتری فمن کان یرجوا لقاء ربہ فلیعمل عملا صالحا ولا یشرک بعبادۃ ربہ احدا (الکہف 110) ترجمہ کنزالایمان:۔ تو جسے اپنے رب سے ملنے کی امید ہو اسے چاہئے کہ نیک کام کرے اور اپنے رب کی بندگی میں کسی کو شریک نہ کرے۔

حدیث شریف:۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معمولی ریاء بھی شرک ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے

اپنے عمل میں شرک کیا ہوگا' اس سے کہا جائے گا کہ تو اپنا بدلہ اس سے لے جس کے لیے تو نے عمل کیا۔

حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت حدیث قدسی مروی ہے کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے کہ میں سب شریکوں کی بہ نسبت شرک سے غنی ہوں۔ جو شخص کوئی عمل کرتا ہے اور اس میں میرے ساتھ غیر کو شریک کرتا ہے تو میں اپنا حصہ بھی شریک کے لیے چھوڑ دیتا ہوں۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ ایک مرد غیرت کے لیے لڑتا ہے اور دوسرا شجاعت کی خاطر۔ تیسرا اس لیے کہ اس کا مرتبہ خدا کی راہ میں معلوم ہو۔ آپ نے فرمایا کہ جو شخص اس لیے لڑے کہ خدا تعالیٰ کا بول بالا رہے' وہ راہ خدا میں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تم کہتے ہو کہ فلاں شخص شہید ہے اور شاید کہ اس نے اپنی تھیلی روپوں سے بھرلی ہو یعنی نیت کا حال معلوم نہیں کہ خالص تھی یا غنیمت کے لیے کیا گیا تھا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو جہاد میں جس کا متلاشی ہے' اسے وہی ملے گا۔

جواب:۔ حدیثیں اس مدعا کے مخالف نہیں جو ہم نے ذکر کیا ہے بلکہ مراد ان سے وہ شخص ہے جو عمل سے دنیا ہی کا طالب ہو' جیسے کہ حدیث میں ہے کہ جو جہاد سے دنیا طلب کرے یا اور دنیا ہی کی طلب اس کی نیت پر غالب ہو اور یہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ عمل کا دنیا کے لیے کرنا معصیت اور زیادتی ہے' نہ اس وجہ سے کہ طلب دنیا حرام ہے بلکہ اس نظر سے کہ دنیا کا طلب کرنا اعمال دین کے عوض میں حرام ہے۔ اس لیے کہ اس میں ریاء اور عبادت کا اپنی جگہ سے بدلنا پایا جاتا ہے اور لفظ شرکت جہاں کہیں وارد ہے' اس سے برابری مراد ہے اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ جب دونوں قصد برابر ہوں گے تو ساقط ہو جائیں گے۔ اس عمل پر نہ ثواب ہوگا' نہ عذاب تو ایسے عمل سے توقع ثواب کی نہ کرنی چاہیے۔ پھر انسان ہمیشہ شرک کی حالت میں خطرے میں ہے کیونکہ اسے کیا معلوم کہ دونوں قصدوں سے اس پر کونسا غالب ہے۔ ممکن ہے کہ بعض اوقات عمل اس کے حق میں وبال ہو جائے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ فمن کان یرجوا لقاء ربہ فلیعمل عملا صالحا ولا یشرک بعبادۃ ربہ احدا گزشتہ صفحہ پر گزرا منیر رضا)

فائدہ:۔ اس سے مراد ہے کہ شرکت کے ہوتے ہوئے توقع ثواب نہ رکھنی چاہیے۔ بہتری احوال شرکت میں سے ہے کہ عمل ساقط ہو جائے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ منصب شہادت لڑائی میں بلا اخلاص نہیں ملتا مگر یہ کہنا بعید ہے کہ جس شخص کا ارادہ دینی اس طرح ہو کہ صرف جہاد کے لیے اس کو آمادہ کرے۔ اگرچہ غنیمت نہ ہو اور کفار کی لت مند جماعت اور مفلس دونوں سے لڑ سکتا ہو لیکن تو انگروں کی طرف اس لیے رغبت کرے کہ مقصد اصلی اللہ

تعالیٰ کا بول بالا رکھنے کا بھی حاصل ہو اور غنیمت بھی ملے تو ایسے شخص کو ثواب جہاد کا نہ ملے اور معاذاللہ اگر معاملہ اسی طرح ہو تو دین میں کمال تنگی ہو اور مسلمان مایوس ہو جائیں۔ اس لیے ان جیسی آمیزشوں سے تو کبھی انسان خالی نہیں رہتا کہ مقصود اصلی کے ساتھ کوئی تابع نہ ہو۔ اگر یہ صورت ہوتی بھی ہے تو نہایت کم' اس لیے ایسی آمیزشوں کی تاثیر ثواب کے کم کرنے میں ضرور ہوا کرتی ہے۔ یہ نہیں کہ ثواب بالکل ضائع ہو جائے۔ ہاں اتنا ہے کہ انسان کو اس حالت میں بڑا خطرہ ہے' اس لیے کہ اس کو بعض اوقات گمان ہوتا ہے کہ قوی تر باعث عمل کا قصد تقرب الی اللہ ہے حالانکہ اس کے باطن پر غالب حظ نفسانی ہوتا ہے اور یہ بات نہایت درجہ مخفی رہتی ہے یعنی اجر کامل اخلاص سے حاصل ہوا کرتا ہے اور آدمی جتنا چاہے احتیاط کرے' اپنے نفس سے اس کو اخلاص کا یقین بہت ہی کم ہوگا۔ اس وجہ سے عمل کرنے والے کو چاہیے کہ خوب کوشش و احتیاط کے بعد ہمیشہ رد و قبول میں متردد رہے کہ کہیں میری عبادت میں کوئی آفت ایسی پیش نہ آئی ہو جس کا وبال ثواب سے زیادہ ہو۔

فائدہ :۔ اہل بصیرت میں سے جو لوگ خوف کیا کرتے تھے' ان کا یہی دستور تھا اور ہر اہل بصیرت کو اپنا دستور العمل یہی رکھنا چاہیے۔

اقوال اسلاف :۔ سفیان رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرا عمل جو ظاہر ہو گیا ہے' اس کو میں شمار نہیں کرتا۔

عبدالعزیز بن ابی رواد رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں اس گھر کا ساٹھ سال مجاور رہا اور ساٹھ حج کیے لیکن اعمال الٰہی میں سے جو عمل میں نے کیا۔ جب اس میں اپنے نفس کو دیکھا تو شیطان کا حصہ اس عمل میں بہ نسبت خدا تعالیٰ کے حصہ کے زیادہ پایا۔ میں یہی غنیمت جانوں' اگر وہ اعمال نہ موجب ثواب ہوں نہ باعث عقاب۔

انتباہ :۔ باوجود ان آفتوں کے یہ بھی نہ چاہیے کہ ریاء کے خوف سے عمل کو چھوڑ دیا جائے' اس لیے کہ منتہائے آرزوئے شیطان یہی ہے کہ آدمی عمل نہ کرے اور مقصود اس بیان بالا سے یہ ہے کہ اخلاص نہ جانے پائے اور جب عمل ترک کر دیا جائے گا تو عمل اور اخلاص دونوں جاتے رہیں گے۔

حکایت :۔ ایک آدمی حضرت ابو سعید حراز رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت کیا کرتا تھا یعنی ان کے کاموں میں مدد دیا کرتا تھا۔ ایک دن انہوں نے حرکت میں اخلاص کے ہونے کا ذکر کیا۔ وہ فقیر ہر ایک حرکت کے وقت اپنے دل کا نگران ہوا اور اخلاص کا طالب اسے اپنی حاجات کا پورا کرنا بھی متعذر ہو گیا۔

حضرت ابو سعید کو اس سے تکلیف ہوئی کہ کام کرنے میں خود وقت اٹھانی پڑی۔ اس فقیر سے پوچھا کہ تم اب کام کیوں نہیں کرتے؟ اس نے کہا کہ میں آپ کے ارشاد کے مطابق اعمال میں حقیقت اخلاص کا مطالبہ اپنے نفس سے کرتا ہوں مگر اکثر کاموں میں میرا نفس اخلاص سے عاجز ہے۔ اسی لیے چھوڑ دیتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ ایسا مت کر' اخلاص عمل کو قطع نہیں کرتا۔ عمل پر مواظبت کر اور اخلاص کے حاصل کرنے میں کوشش کر' میں نے تم سے یہ نہیں کہا کہ عمل کو چھوڑ دو بلکہ یہ کہا ہے کہ عمل کو خالص کرو۔

فائدہ تصوف:۔ حضرت فضیل رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مخلوق کی وجہ سے نیک عمل کا ترک ریاء ہے اور اس کے لیے اسے عمل کو ترک کرنا ہے۔

صدق اور اس کے متعلقات

فضائل صدق:۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ رجال صدقوا ما عاھد واللہ علیہ (الاحزاب 23) ترجمہ کنزالایمان:۔ جنہوں نے سچا کر دیا جو عہد اللہ سے کیا تھا۔

صدق کی فضیلت:۔ میں اسی قدر کافی ہے کہ صدیق اس سے مشتق ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کی مدح و ثنا میں ان کو صدیق فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا واذکر فی الکتب ابراھیم انہ کان صدیقا نبیاء (مریم 41) اور کتاب میں ابراہیم کو یاد کرو بے شک وہ صدیق تھا (نبی)۔ اور فرمایا واذکر فی الکتب اسمعیل انہ کان صادق الوعد وکان رسولا نبیاء اور فرمایا واذکر فی الکتب ادریس انہ کان صدیقا نبیا اور کتاب میں ادریس کو یاد کرو بے شک اور وہ صدیق تھا غیب کی خبریں دیتا۔

احادیث مبارکہ:۔

1۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدق نیکی کی راہ بتاتا ہے اور نیکی جنت کی راہ دکھاتی ہے۔ انسان سچ بولتا ہے تو صدیقوں میں لکھا جاتا ہے اور جھوٹ برائی کی راہ دکھاتا ہے اور برائی دوزخ میں لے جاتی ہے۔ انسان جھوٹ بولتا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کذاب لکھا جاتا ہے۔

2۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ چار باتیں ایسی ہیں کہ جس میں ہوں' اسے نفع ہو۔ (1) صدق۔ (2) حیاء۔ (3) حسن خلق۔ (4) شکر۔

3۔ بشر بن الحارث فرماتے ہیں کہ جو شخص خدائے تعالیٰ سے معاملہ صدق کے ساتھ کرتا ہے' وہ لوگوں سے نفرت کیا کرتا ہے۔

4۔ ابو عبداللہ رملی کہتے ہیں کہ میں نے منصور دینوری کو خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ خدا تعالیٰ نے تم سے کیا معاملہ کیا' انہوں نے کہا کہ مجھے بخش دیا اور مجھ پر رحم کیا اور مجھے توقع نہ تھی کہ وہ عنایت فرمائے' پھر میں نے پوچھا کہ کس چیز سے بندہ متوجہ الی اللہ ہوتا ہے۔ اس میں سب سے اچھی کیا چیز ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ صدق اور سب سے بری چیز اللہ تعالیٰ کے نزدیک جھوٹ ہے۔

5۔ ابو الیمان رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صدق کو اپنی سواری کر لو اور امر حق کو تلوار اور اللہ تعالیٰ کو اپنا اعلیٰ درجہ کا مطلوب۔

حکایت :- کسی نے کسی حکیم سے ذکر کیا کہ میں نے کوئی سچا آدمی نہیں دیکھا۔ حکیم نے جواب دیا کہ اگر تو سچا ہوتا تو سچوں کو پہچانتا۔ محمد بن کتانی کہتے ہیں کہ ہم نے خدا تعالیٰ کے دین کہ تین ارکان پر مبنی پایا۔ (1) صدق۔ (2) حق۔ (3) عدل۔ عدل تو دلوں پر ہوتا ہے اور حق اعضاء اور صدق عقلوں پر۔

حضرت ثوری نے اس آیت کی تفسیر میں ویوم القیمۃ تری الذین کذبوا علی اللہ وجوھھم مسودۃ (الزمر 60) ترجمہ کنزالایمان :- اور قیامت کے دن تم دیکھو گے انہیں جنہوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا کہ ان کے منہ کالے ہیں۔ فرمایا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ انہوں نے دعویٰ محبت الٰہی کا کیا اور اس دعویٰ میں سچے نہ ہوتے۔

وحی داؤد علیہ السلام :- اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ اے داؤد جو شخص مجھے اپنے باطن میں تصدیق کرتا ہے' میں اسے مخلوق میں واضح طور پر سچا کر دیتا ہوں۔

حکایت :- کسی نے حضرت شبلی علیہ الرحمتہ کی مجلس میں چیخ ماری اور دجلہ میں خود کو گرا دیا۔ حضرت شبلی نے فرمایا کہ اگر یہ شخص سچا ہوگا تو اس کو خدا تعالیٰ بچائے گا۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ لسلام کو بچا دیا تھا۔ اگر جھوٹا ہوگا تو وہ اس کو اس طرح غرق کر دے گا جیسے فرعون کو غرض کر دیا تھا۔

بعض اکابر فرماتے ہیں کہ فقہاء اور علماء کا سب کا اتفاق ہے کہ تین باتیں اگر درست ہوں جاویں تو تمام لوگوں کی نجات ہو جائے اور یہ تینوں ایک دوسرے سے پوری ہوتی ہیں۔ (1) اسلام جو بدعت سے اور خواہشات سے خالص ہو۔ (2) اعمال میں خدا تعالیٰ کے لیے صدق ہونا۔ (3) حلال غذا۔

فائدہ :- وہب بن منبہ علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں کہ توریت کے حاشے پر میں نے بائیس جملے دیکھے جن کو بنی اسرائیل کے نیک بخت جمع ہو کر پڑھلیا کرتے تھے۔ وہ جملے یہ تھے۔ (1) کوئی خزانہ علم سے زیادہ نافع نہیں۔ (2) کوئی مال حلم سے بڑھ کر زیادہ حفید نہیں۔ (3) کوئی حسب غصے سے زیادہ کم تر نہیں۔ (4) کوئی ساتھی عمل سے بہتر زینت دینے والا نہیں۔ (5) کوئی رفیق جہل سے بڑھ کر عیب دار نہیں۔ (6) کوئی شرف تقوے سے زیادہ عزیز نہیں۔ (7) کوئی کرم ترک ہوا سے زیادہ کامل نہیں۔ (8) کوئی عمل فکر سے افضل نہیں۔ (9) کوئی حسنہ صبر سے اعلیٰ نہیں۔ (10) کوئی برائی کبر سے زیادہ رسوا کرنے والی نہیں۔ (11) کوئی دوا نرم تر نرمی سے نہیں۔ (12) کوئی مرض حمق سے زیادہ ایذا رساں نہیں۔ (13) کوئی رسول حق سے عادل نہیں۔ (14) کوئی دلیل واضح تر صدق سے نہیں۔ (15) کوئی فقیری ذلیل تر طمع سے نہیں۔ (16) کوئی تونگری زیادہ بدبخت جوڑنے سے نہیں۔ (17) کوئی زندگی عمدہ تر تندرستی سے نہیں۔ (18) کوئی معصیت عفت سے زیادہ گوارا نہیں۔ (19) کوئی عبادت خشوع سے زیادہ اچھی نہیں۔ (20) کوئی زہد قناعت سے بہتر نہیں۔ (21) کوئی محافظ سکوت سے زیادہ نہیں۔ (22) کوئی غائب موت سے زیادہ نزدیک نہیں۔

محمد بن سعید موزی فرماتے ہیں کہ جب تو اللہ تعالیٰ کو صدق سے طلب کرے تو اللہ تعالیٰ تیرے ہاتھ میں ایک آئینہ عنایت فرمائے جس میں تجھے عجائب دنیا و آخرت کے نظر آئیں۔

فائدہ:- ابوبکر وراق کہتے ہیں کہ اپنے اور خدا کے درمیان میں صدق کی حفاظت کرو اور نرمی کو اپنے اور مخلوق کے درمیان میں ملحوظ رکھ۔

حضرت ذوالنون رحمتہ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ بندے کو اپنے امور کی درستی کی بھی کوئی سبیل ہے، آپ نے ایک قطعہ پڑھا۔

قد بقينا من الذنوب حيارى- نطلب الصدق ماالیہ سبیل- فد عادی الهدٰی تحفف علینا- وخلا و الهدٰی علینا تقبل "ہم گناہوں میں حیران ہیں اور صدق کے طالب نہیں۔ یہ غلط ہے اس طرف کوئی راہ نہیں۔ خواہشات کے ہم پر حملے ہیں اور خواہش کے فلاں ہونا ہم سے محل ہے۔"

فائدہ:- حضرت سہل علیہ الرحمتہ سے کسی نے پوچھا کہ اس امر کی اصل کیا ہے۔ جس پر ہم ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ صدق اور سخاوت اور شجاعت۔ سائل نے پوچھا کہ اور کچھ ارشاد فرمایئے۔ آپ نے فرمایا کہ تقوٰی اور حیاء اور غذائے حلال۔

حدیث شریف:- حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے کمال کا حال پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ حق کہنا اور صدق کے ساتھ عمل کرنا۔

حضرت جنید اس جملے کی تفسیر میں لیسال الصادقین عن صدقھم فرماتے ہیں کہ جو لوگ اپنے خیال میں صادق ہیں۔ ان کے صدق کا حال خدا کے نزدیک پوچھا جائے گا اور یہ معاملہ پرخطر ہے۔

حقیقت صدق اور اس کے مراتب:- لفظ صدق چھ معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ (1) قول۔ (2) نیت۔ (3) عزم۔ (4) وفائے عزم میں صدق کا ہونا۔ (5) صدق رد عمل۔ (6) دین کے سب مقامات کی تحقیق میں صدق کا ہونا۔ جو شخص ان چھ باتوں میں صدق کے ساتھ متصف ہوگا، وہ صدیق ہوگا۔ اس لیے کہ صدق وہ غایت درجے کو پہنچے گا تو صیغہ مبالغہ اس پر صحیح ہوگا۔ پھر صادقین کے بہت سے درجات ہیں۔ جس کو کسی خاص چیز میں صدق حاصل ہوگا، وہ اسی شے کی نسبت صادق کہلائے گا جس میں اس کا صدق پایا جائے گا۔ اب ہر ایک صدق کی تفصیل لکھی جاتی ہے۔

تفصیل:- صدق زبان اور وہ اخبار اور ان اقوال میں جو متضمن بہ اخبار ہوں، ہوا کرتا ہے اور خبر یا زمانہ گزشتہ سے متعلق ہوتی ہے یا زمانہ آئندہ سے۔ اس میں داخل ہے وعدہ پورا کرنا اور خلاف وعدہ کرنا۔

انتباہ:- ہر انسان پر لازم ہے کہ اپنے اقوال کا نگران رہے اور بجز سچ کے اور کوئی گفتگو نہ کرے اور تمام اقسام صدق سے مشہور اور ظاہر تر یہی قسم ہے۔ جو شخص اپنی زبان کی حفاظت کرے گا اور اشیاء کا حال جیسے واقع میں ہیں، اس کے خلاف نہ کہے گا تو وہ صادق کہلائے گا لیکن اس صدق کے لیے دو کمال ہیں۔ کنایات سے احتراز کرنا اور ان سے

بچنے کی یہ وجہ ہے کہ یہ بھی قائم مقام جھوٹ کے ہوتے ہیں کیونکہ جھوٹ میں یہی بات ممنوع ہے کہ جو چیز واقع میں کس طرح ہے۔ اس کو برعکس نہ سمجھنا چاہیے مگر ازانجا چونکہ اس کی پڑتی ہے بلکہ بعض اوقات مصلحت وقت اس کی مقتضی ہوتی ہے مثلاً لڑکوں اور عورتوں وغیرہ کی تادیب اور ظالموں سے بچنے اور دشمنوں سے لڑنے اور اسرار ملک پر ان کی اطلاع سے احتراز کرنے میں تو ایسی صورتوں میں اگر کوئی جھوٹ کے مجبور ہو تو صدق باقی رہنے کی صورت یہ ہے کہ خدا کی رضا میں وہ بات کہے جس کا اسے حکم کرے اور جس قدر مقتضی دین ہو۔ جب اس طرح بولے گا تو صادق ہوگا۔ اگرچہ اس کے کلام سے مضمون غیرواقع سمجھا جائے' اس لیے کہ صدق خود مقصود بالذات نہیں بلکہ امر حق پر دلالت کرنے کی وجہ سے اور اس وجہ سے کہ حق کی طرف بلاتا ہے۔ اس لیے اس کے ظاہر کو نہیں دیکھنا چاہیے بلکہ معنوں پر نظر کرنی چاہیے۔ ہاں ایسے مقامات میں جہاں تک ہو سکے' کنایات کو کام میں لانا چاہیے تاکہ صریح جھوٹ نہ ہو۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور شریف تھا کہ جب کسی سفر کی طرف متوجہ ہوتے تو اس کو دوسرے سے چھپاتے تاکہ دشمنوں کو خبر نہ ہو۔

حدیث شریف:۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو دو شخصوں کے درمیان صلح کراتا ہے' وہ جھوٹا نہیں۔ وہ کوئی اچھی بات کہے یا کوئی خبر پہنچائے۔

فائدہ:۔ آپ نے تین جگہوں میں حسب مصلحت وقت جھوٹ بولنے کی اجازت دی 1۔ دو آدمیوں میں صلح کراتا ہے۔ 2۔ جس کی دو زوجہ ہوں۔ 3۔ جو شخص جنگ کی مصالح میں ہو اور صدق سے ان جگہوں میں صدق نیت مراد لیا جاتا ہے یعنی لحاظ نیت اور ارادہ خیر کا کیا جاتا ہے۔ لفظوں کا لحاظ نہیں رہتا۔ اس کا قصد درست اور نیت صادق ہو اور محض خیر کا طالب ہو۔ وہ صادق اور صدیق ہوگا۔ اگرچہ اس کے الفاظ کیسے ہی ہوں۔ پھر بھی اشارۃ بیان کرنا بہتر ہے۔ اس کا طریقہ وہ ہے جو کسی بزرگ سے منقول ہے کہ جب ان کو ظالم تلاش کرتا اور وہ گھر میں ہوتے تو اپنی زوجہ سے فرماتے کہ اپنی انگلی سے ایک دائرہ کھینچ لے اور اس میں انگلی رکھ کر کہہ دے کہ یہاں نہیں ہے۔ اس بہانہ سے جھوٹ سے احتراز کرتے اور ظالم سے بھی بچے رہتے تو ان کا قول سچ تھا مگر ظالم کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ گھر میں نہیں غرضیکہ کمال اول حظ میں تو یہ ہے کہ صریح جھوٹ اور کنایات سے احتراز کرے اور بلاضرورت ان دونوں کو عمل نہ لائے اور دوسرا کمال یہ ہے کہ صدق کے ان الفاظ سے معنوں کی بھی رعایت رکھے جیسے کہ خدا تعالیٰ سے مناجات اور دعا کرتا ہے مثلاً زبان سے کہے انی وجھت وجھی للذی فطر السموت والارض (الانعام 79) ترجمہ کنزالایمان:۔ میں نے اپنا منہ اس کی طرف کیا جس نے آسمان اور زمین بنائے۔ اور اللہ تعالیٰ سے منحرف اور دنیا کی آرزوؤں اور شہوات میں مشغول ہو تو یہ شخص جھوٹا ہے یا زبان سے کہے کہ ایک نعبد یعنی تیری ہی عبادت کرتے ہیں یا کہے کہ میں بندہ خدا ہوں اور بندہ ہونے کی ماہیت اس میں نہ پائی جاتی ہو۔ خدا تعالیٰ کے سوا مطلوب کوئی اور چیز ہو تو اس کا کلام سچا نہ ہوگا۔ اگر قیامت کو بازپرس اس جملے کے صدق کی ہوگی کہ میں بندہ خدا ہوں تو اس سے

صدق ثابت نہ ہوگا' اس لیے کہ یہ شخص اگر اپنے نفس کا بندہ یا دنیا اور شہوات کا بندہ ہوگا تو اپنے قول میں سچا نہ ہوگا اور جو شخص کسی چیز کا پابند ہو جایا کرتا ہے' وہ اس کا بندہ کہلاتا ہے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ اے دنیا کے بندو! اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تعس عبدالدنیا وتعس عبدالدرھم عبد الحلتہ وعبدالخمیصۃ

اس حدیث میں جس شخص کا دل جس چیز میں مقید تھا۔ اس کو اسی کا بندہ فرمایا حالانکہ سچا بندہ اللہ تعالیٰ کا وہ ہے جو غیر اللہ سے آزاد ہو کر آزاد مطلق ہو جائے۔ جب یہ آزادی آئے گی تو دل فارغ ہوگا اور اس میں خدا تعالیٰ کا بندہ ہونا سچا ہوگا اور یہ بندگی بندے کو خدا تعالیٰ اور اس کی محبت میں مشغول کر دے گی اور اس کا باطن و ظاہر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا مقید ہو جائے گا اور کوئی مراد اس کی سوائے خدا تعالیٰ کے نہ ہوگی۔ پھر یہ مرتبہ بھی سالک طے کر کے بعض اوقات ایک اور مقام پر جو اس سے بھی اعلیٰ ہے' پہنچ جاتا ہے۔ اسے آزادی کہتے ہیں یعنی اس بات سے آزاد ہو جائے کہ اپنے آپ کوئی ارادہ خدا تعالیٰ کے لیے بھی نہ کرے بلکہ جو کچھ اسے منظور ہو' اسی پر قانع رہے' خواہ وہ دور کرے' خواہ نزدیک اپنے ارادہ کو اس کے ارادہ میں فنا کر دے تو ایسا شخص دوبارہ آزاد ہوگا اور دل تو غیر اللہ سے آزاد ہو کر بندہ خاص ہوا' پھر اپنے نفس سے آزاد ہو کر اپنے آپ سے نیست و نابود ہوا اور اپنے آقا کے سبب موجود کہ اگر اس نے بلایا تو چلا اور ٹھہرایا تو ٹھہر گیا اور اگر مصیبت میں جتلا کیا تو راضی ہوا۔ اس میں کسی چیز کی درخواست یا اعتراض کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی بلکہ خدا تعالیٰ کے سامنے وہ ایسا ہے جیسے مردہ زندہ کے ہاتھ میں۔

مسئلہ :۔ بندگی خدا تعالیٰ میں نہایت درجے کا صدق ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سچا بندہ وہی ہے جس کا وجود اپنے نفس کے لیے نہ ہو بلکہ خدا تعالیٰ کے لیے ہو اور یہ درجہ صدیقین کا ہے اور غیر اللہ سے آزادی صادقین کے درجات میں سے ہے۔ اس کے بعد خدا کی عبودیت حاصل ہوا کرتی ہے اور اس سے پہلے والے کو نہ استحقاق صادق کے جانے کا ہے نہ صدیق کا۔ دوسرا صدق نیت اور ارادے کا ہے جس کا مال اخلاص کی طرف راجع ہے یعنی سالک ایسے حال میں ہو کہ حرکات و سکنات میں اس کا باعث سوائے خدا تعالیٰ کے اور نہ ہو۔ اگر کوئی حظوظ نفسانی میں سے اس میں مل جائے گا تو صدق نیت جاتا رہے گا اور اس شخص کو اس صورت میں جھوٹا کہہ سکتے ہیں۔

حدیث شریف :۔ فضیلت اخلاص میں ہم نے ایک حدیث نقل کی کہ تین شخصوں سے سوال ہوگا مثلاً جس وقت عالم سے سوال ہوگا کہ تو نے علم سیکھ کر کیا عمل کیا؟ وہ جواب دے گا کہ میں نے فلاں فلاں کام کیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو جھوٹا ہے بلکہ تیرا ارادہ یہ تھا کہ لوگ کہیں کہ فلاں شخص عالم ہے۔ یہاں دیکھنا چاہیے کہ اس کو یوں نہیں فرمایا گیا کہ تو نے عمل نہیں کیا بلکہ صرف ارادہ و نیت میں اس کو جھٹلایا۔

فائدہ :۔ بعض اکابر کا قول ہے کہ صدق معنی یہی ہے کہ قصد میں توجہ صحیح ہو۔ اسی طرح آیت میں واللہ یشھد ان المنفقین لکذبون (المنفقون ۱) ترجمہ کنزالایمان :۔ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق ضرور جھوٹے ہیں۔ اس کے

بعد انہوں نے کہا تھا انک لرسول اللہ حالانکہ یہ قول سچ ہے۔ اللہ تعالٰی نے ان کے زبانی قول کو نہیں جھٹلایا بلکہ جو بات ان کے دل میں پوشیدہ تھی' ان کے اعتقاد کی تکذیب فرمائی اور تکذیب خبر پر ہوا کرتی ہے اور یہ قول کفار کا حال کے قرینہ سے متضمن خبر کا ہے' اس لیے کہ کہنے والے اپنا اعتقاد زبان سے بتلاتے ہیں کہ جو لفظ ہم منہ سے کہتے ہیں' وہی ہمارا عقیدہ ہے تو اس کی تکذیب فرمائی کہ حال کے قرینے کو جو تم اپنے عقائد کی دلیل بتلاتے ہو' یہ جھوٹ ہے۔

خلاصہ :۔ یہ ہے کہ ایک معنی صدق کی نیت خالص ہونا جس کو اخلاص کہتے ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ جو صادق ہوگا' اسے ضروری ہے کہ مخلص بھی ہو۔ تیسرا صدق عزم کا ہے یعنی انسان کبھی عمل سے پہلے اپنے دل میں امنگ کیا کرتا ہے اور کہا کرتا ہے کہ اگر اللہ تعالٰی مجھے مال دے تو سب صدقہ کر ڈالوں گا۔ اگر خدا کی راہ میں کسی دشمن سے ملوں تو کچھ پروا نہ کروں۔ اگرچہ مارا جاؤں اور اگر اللہ تعالٰی مجھے حکومت دے تو عدل کروں گا اور خدا تعالٰی کی نافرمانی کروں۔ ظلم کرنے یا خلق کی طرف رغبت کرنے سے پس یہ امنگ کبھی انسان اپنے دل میں پاتا ہے اور یہ عزیمت کبھی تو پکی اور صادق ہوتی ہے اور کبھی اس کے عزم میں ایک قسم کا میل تردد اور ضعف ہوتا ہے جو صدق کے خلاف ہے تو گویا صدق کا معنی یہاں کامل اور قوی ہونے کے ہے مثلاً کہتے ہیں کہ فلاں شخص کو اشتہاء صدق ہے یعنی پوری اور قوی خواہش ہے اور اگر کہتے ہیں کہ فلاں مریض کو اشتہاء کاذب ہے یعنی اس کی اشتہاء کسی سبب ثابت اور قوی نہیں پایا کہ اس کی اشتہاء ضعیف ہے تو جس صورت میں کہ صدق سے یہ معنی مراد لیے جاویں تو صادق اور صدیق ایسے شخص کو کہیں گے جو اپنے عزم کو خیرات کے بارے میں پورا اور قوی پائے نہ اس میں میل اور کجی ہو' نہ ضعف و تردد بلکہ اس کا نفس ہمیشہ خیرات کے اوپر عزم مصمم اور پختہ رکھتا ہو۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا تھا کہ اگر مجھے لوگ گردن کاٹنے کو پیش کر دیں تو مجھے اس سے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ میں اس قوم کا امیر ہوں جس میں حضرت ابوبکر صدیق ہوں تو آپ نے اپنے دل میں عزم پختہ اور محبت صادق پائی کہ باوجود حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے امیر نہ بنے۔ پھر اس عزم کو اپنے قتل ہو جانے کی تاکید کر دی۔ مراتب صادقین عزم میں مختلف ہوتے ہیں۔ کبھی عزم کو اتنا پاتا ہے کہ اس کی حد نہیں یہاں تک کہ اس کی وجہ سے قتل پر راضی ہو جاتا ہے لیکن جب اپنی تجویز پر چھوڑا جائے تو قتل ہونے کے لیے جرات نہ کرے۔ اگر اس سے قتل کی گفتگو کی جائے تو عزم ٹوٹ جائے بلکہ صادقین اور مومنین میں ایسے بھی لوگ ہیں کہ اگر بالفرض ان کو اختیار دیا جائے کہ تم اپنا قتل ہونا اختیار کرو یا حضرت ابوبکر کا تو ان کو اپنی زندگی کے بجائے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی زندگی محبوب ہوگی۔ چوتھا صدق عزم کے پورا کرنے میں ہے' اس لیے کہ نفس سردست تو عزم کر لیا کرتا ہے کہ وعدہ اور عزم میں کیا خرچ ہوتا ہے مگر جب موقع آجاتا ہے اور قدرت حاصل ہوتی ہے اور شہوات کا زور ہوتا ہے تو عزم ڈھیلا ہو جاتا ہے اور شہوات غالب ہو کر عزم کو پورا نہیں ہونے دیتی اور یہ بات وفائے عزم کے صدق کے خلاف ہے۔ اللہ تعالٰی اس قسم کے صدق کے بارے میں فرماتا ہے رجال صدقوا ما عاهدوا اللہ علیہ (الاحزاب 23) ترجمہ کنزالایمان :۔ جنہوں

نے سچا کردیا جو عہد اللہ سے کیا تھا۔

اس آیت کی شان نزول میں لکھا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے چچا انس بن نضر کا حال روایت کرتے ہیں کہ جنگ بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شریک نہ تھے۔ ان کو یہ امر نہایت گراں گزرا اور فرمایا یہی شہادت کا موقع تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو تشریف فرما ہوئے اور میں آپ کی خدمت سے غائب رہا۔ بخدا اگر اللہ تعالیٰ مجھے پھر کوئی موقع شہادت کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دکھلائے گا تو اللہ تعالیٰ دیکھے گا کہ میں کیا کروں گا۔ راوی کہتے ہیں کہ آپ سال آئندہ میں جنگ احد میں حاضر ہوئے۔ حضرت سعد بن معاذ نے آپ سے پوچھا کہ اے ابو عمرو کہاں؟ آپ نے فرمایا کہ جنت کی ہوا کیا خوب ہے۔ مجھے احد کے اسی طرف محسوس ہوتی ہے۔ پھر آپ اتنا لڑے کہ شہید ہوئے۔ آپ کے بدن میں کچھ اوپر اسی زخم تیر اور تلوار اور نیزے کے نشان تھے۔ آپ کی بہن نے فرمایا کہ میں نے اپنے بھائیوں کو زخمیوں کی وجہ سے نہ پہچانا' انگلیوں کے پوروں سے پہچانا۔ تب آیت اتری رجال صدقوا ما عاھدوا اللّٰہ علیہ ترجمہ کنزالایمان :۔ جنہوں نے سچا کر دیا جو عہد اللہ سے کیا تھا۔
(ترجمہ از کنزالایمان)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت مصعب بن عمیر کے پاس کھڑے ہوئے جو آپ کے لشکر کے نیزہ بردار تھے اور احد کے دن منہ کے بل گر کر شہید ہوئے۔ ان کے پاس بھی آپ نے یہ آیت پڑھی رجال صدقوا ما عاھدوا اللّٰہ علیہ فمنھم من قضٰی نحبہ ومنھم من ینتظر (الاحزاب 23) ترجمہ کنزالایمان :۔ جنہوں نے سچا کردیا جو عہد اللہ سے کیا تھا تو ان میں کوئی اپنی منت پوری کر چکا اور کوئی راہ دیکھ رہا ہے۔

حدیث شریف :۔ فضالہ بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ شہداء چار ہیں۔ ایک ایماندار جس کا ایمان خوب کھرا ہے کہ دشمن کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی تصدیق کی یہاں تک کہ شہید ہوا یہ ایسا شخص ہوگا کہ قیامت کے دن لوگ اس کی طرف اپنی آنکھیں اس طرح اٹھاویں گے اور آپ نے سر اٹھایا۔ یہاں تک کہ ٹوپی مبارک گر پڑی۔ راوی کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا کہ ٹوپی آپ کی گر گئی یا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دوسرا وہ مرد دیندار کھرے ایمان والا کہ جب دشمن سے ملا تو گویا اس کی آنکھوں میں تنکے دے دیئے۔ اس پر ایک تیر کاری آلگا اور شہید ہو گیا۔ یہ دوسرے درجے میں ہے۔ تیسرا وہ مرد باایمان جس نے کچھ عمل نیک کیا اور کچھ برا اور دشمن سے لڑا اور خدا تعالیٰ کی تصدیق کی یہاں تک کہ شہید ہوا۔ یہ تیسرے درجے میں ہے۔
چوتھا وہ مرد باایمان ہے جس نے اپنے نفس پر زیادتی کی اور دشمن سے لڑ کر خدا تعالیٰ کی تصدیق کی حتیٰ کہ شہید ہوا۔

فائدہ :۔ حضرت مجاہد روایت کرتے ہیں کہ دو شخص نکلے اور پھر مجمع میں آکر کہا اگر اللہ تعالیٰ مال دے گا تو ہم صدقہ

دیں گے۔ خدا تعالیٰ نے ان کو مال عنایت فرمایا مگر انہوں نے بخل کیا تو یہ آیت اتری ومنھم من عاھد اللہ لئن اتنا من فضلہ لنصدقن ولنکونن من الصالحین (التوبہ 75) ترجمہ کنزالایمان :۔ اور ان میں کوئی وہ ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا اگر ہمیں اپنے فضل سے دے گا تو ہم ضرور خیرات کریں گے اور ہم ضرور بھلے آدمی ہو جائیں گے۔ (ترجمہ از کنز الایمان) بعض نے لکھا ہے کہ عہد ایسی شے تھی جس کو خدا تعالیٰ نے ان کے دلوں میں روشن کر دیا تھا۔ زبان سے انہوں نے کچھ نہیں کہا تھا۔ اس عہد کو پورا نہ کرنے پر ارشاد فرمایا ومنھم من عاھد اللہ لئن اتانا من فضلہ لنصدقن ولنکونن من الصالحین فلما اتاھم من فضلہ بخلوا بہ وتولوا وھم معرضون فاعقبھم نفاقا فی قلوبھم الٰی یوم یلقونہ بما اخلفوا اللہ ما وعدوہ وما کانوا یکذبون (توبہ 75، 76) ترجمہ کنزالایمان :۔ اور ان میں کوئی وہ ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا اگر ہمیں اپنے فضل سے دے گا تو ہم ضرور خیرات کریں گے اور ہم ضرور بھلے آدمی ہو جائیں گے تو جب اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا اس میں بخل کرنے لگے اور منہ پھیر کر پلٹ گئے تو اس کے پیچھے اس نے ان کے دلوں میں نفاق رکھ دیا اس دن تک کہ اس سے ملیں گے۔ بدلہ اس کا

کہ انہوں نے اللہ سے وعدہ جھوٹا کیا اور بدلہ اس کا کہ جھوٹ بولتے تھے۔ فائدہ :۔ اس آیت میں عزم کو عہد فرمایا اور اس کے خلاف کرنے کو کذب اور اس کے پورا کرنے کو صدق اور یہ صدق تیسرے صدق کی نسبت سخت تر ہے۔ اس لیے کہ نفس کبھی عزم پر تیار ہو جاتا ہے مگر پورا کرتے وقت جو اس کی سختی اور شہوات کا جوش ہوتا ہے اور اسباب موجود اور قدرت حاصل ہوتی ہے تو اس وقت پہلوتہی کر جاتا ہے۔ اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے استثناء فرمایا تھا یعنی جب آپ نے فرمایا کہ مجھے اگر گردن مارنے کے لیے آگے کر دیں تو مجھے اس بات سے اچھا معلوم ہوتا ہے کہ میں ایسی قوم کا امیر بنوں جس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوں اور اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ بشرطیکہ قتل کے وقت میرا نفس مجھے کوئی ایسی بات نہ کہے جواب میرے دل میں نہیں۔ اس لیے کہ میں اپنے نفس سے نہیں شاید اس پر اس وقت قتل گراں گزرے تو اس عزم سے پھر جائے۔

فائدہ :۔ اس قول میں اشارہ ہے کہ عزم کا پورا کرنا بہت سخت ہے۔ حضرت ابو سعید خراز فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ دو فرشتے آسمان سے اترے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ صدق کیا چیز ہے؟ میں نے جواب دیا کہ عہد کا پورا کرنا۔ انہوں نے کہا کہ تو سچ کہتا ہے اور آسمان کو چلے گئے۔ پانچواں صدق اعمال میں ہے۔ وہ یہ ہے کہ ایسی کوشش کرے کہ اس کے اعمال ظاہری میں یہ بات نہ پائی جائے کہ دل میں اس کے کوئی بات ہے جو واقع میں نہیں اور یہ کوشش کچھ اعمال ترک کرنے سے نہ ہو بلکہ اس طرح ہو کہ باطن کو ظاہر کی تصدیق پر کھینچ لائے اور یہ بات ترک ریا کے خلاف ہے جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔ اس لیے کہ ریاکار تو یہی چاہتا ہے کہ اعمال ظاہری سے لوگ اس کے باطن کو متصف بہ صفات حمیدہ سے جانیں اور اس صدق سے ترک ریا غرض نہیں کیونکہ اکثر نمازی اپنی نماز میں خشوع کی سی صورت بنائے رکھتے ہیں۔ ان کا مقصود یہ نہیں ہوتا کہ کوئی دوسرا ان کو دیکھے لیکن ان کا

دل نماز سے غافل رہتا ہے۔ اگر بالفرض اس کو کوئی دیکھے تو جانے کے خدا تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہے۔ حالانکہ باطن میں وہ بازار میں یا اپنی کسی شہوت کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو اس قسم کے اعمال زبان حال سے باطن کا احوال کہتے ہیں جس میں وہ شخص جھوٹا ہے' اس سے اعمال میں صدق کی بازپرس ہوگی۔ اسی طرح آدمی کبھی وقار اور سکون کی ہیئت سے چلتا ہے اور اس کے باطن میں ان دونوں صفتوں کا پتہ بھی نہیں ہوتا۔ ایسا شخص اپنے عمل میں صادق نہیں ہوتا۔ اگرچہ مخلوق کی طرف ملتفت نہ ہو' نہ ان کے لیے ریاء کرتا ہو اور اس سے نجات نہیں ہوتی مگر اسی صورت سے کہ آدمی کا ظاہر و باطن یکساں ہو جائے یا باطن بہ نسبت ظاہر کے اچھا ہو اور اسی بات کے خوف سے بعض لوگوں نے ظاہر کی۔ ابتری اور برے لوگوں کا لباس اختیار کیا تھا تاکہ ان پر گمان خیر کا ظاہر کو دیکھ کر کوئی نہ کرے ورنہ ظاہر کے حال سے اگر باطن پر دلالت ہوگی اور باطن ایسا نہ ہوگا تو کاذب ٹھہریں گے غرضیکہ مخالف ہوا ظاہر کا باطن سے اگر قصداً ہوگا تو اس کا نام ریا ہوگا اور اس کے باعث اخلاص جاتا رہتا ہے اور اگر بے قصد ہو تو اس سے صدق جاتا رہتا ہے۔ اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعا مانگا کرتے تھے اللهم اجعل سريرتي خيرا مين علانيتي واجعل علانيتي صالحة

اقوال اسلاف:۔ زید بن الحارث فرماتے ہیں کہ جب آدمی کا ظاہر و باطن برابر ہوتا ہے اور اگر باطن افضل ہو بہ نسبت ظاہر کے تو اس کا نام افضل ہے اور اگر ظاہر بہ نسبت باطن کے افضل ہو تو اس کا نام جور ہے۔ پھر کچھ اشعار پڑھے:۔

اذا السر والاعلان في المؤمن استوى۔ فقد عز في الدارين واستوجب الثنا "اگر مومن کا ظاہر و باطن ہو تو کیا خوب۔ اسی سے عزت ہے اور تعریف کا مستحق ہے۔"

فان خالف الاعلان سرا فماله۔ على سعيه فضل سوى الكد والعناء "اگر ظاہر تو اچھا ہو لیکن باطن میں خرابی ہو تو پھر یہ تمام کوشش برباد ہے اور بیکار و فضول۔"

كما خالص الدينار في السوق نافق۔ ومغشوشه المردود لا تقتضي المنا "اچھی اشرفی ہر جگہ چلے گی اور کھوٹی کوئی نہ لے گا اور نہ کام چلے گا۔"

فائدہ:۔ عطیہ بن عبدالغافر فرماتے ہیں کہ جب ایماندار کا باطن ظاہر سے موافق ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے باعث فرشتوں پر فخر کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ یہ میرا سچا بندہ ہے۔

معاویہ بن قرہ کہتے ہیں کہ کوئی مجھے ایسا شخص بتلا دے جو رات کو رویا کرے اور دن کو ہنسا کرے۔

عبدالواحد کہتے ہیں کہ حضرت حسن بصری کا دستور تھا کہ جب کچھ ان کو امر کیا جاتا تو سب لوگوں سے بڑھ کر اس کے عامل ہوتے تھے۔ اگر کسی کام سے منع کیا جاتا تو سب سے زیادہ تارک ہوتے تھے اور میں نے کبھی کسی کو نہیں دیکھا جس کا باطن ظاہر سے اتنا مشابہ ہو جتنا ان کا تھا۔

ابو عبدالرحمٰن زاہد کہتے ہیں کہ الٰہی میں نے اپنے اور لوگوں کے درمیان کا معاملہ تو ان سے امانت کے ساتھ کیا اور مجھ میں اور تجھ میں جو معاملہ تھا' اسے میں نے تیرے ساتھ خیانت سے کیا۔ پھر رویا کرتے تھے۔

ابو یعقوب نہرجوری کہتے ہیں کہ صدق یہ ہے کہ حق کی موافقت ظاہر و باطن میں ہو۔

فائدہ:۔ اس سے معلوم ہوا کہ ظاہر و باطن کا برابر ہونا ایک صدق کی قسم ہے۔ چھٹا صدق جو تمام درجات سے اعلیٰ اور کمیاب ہے' وہ صدق دین کے مقامات میں ہے۔ جیسے کہ صدق خوف اور رجاء اور تعظیم اور زہد اور رضا اور توکل اور محبت اور تمام اور طریقت میں اس لیے کہ ان امور کے لیے ایک تو مبادی ہوتے ہیں کہ جہاں ان کا ظہور ہو' اس پر یہ الفاظ بولنے لگے۔ پھر آغاز کے بعد ان کی غایت اور حقیقت ہوا کرتی ہے اور صادق محقق وہی ہوتا ہے جو ان کی حقیقت کو پہنچ جائے اور جب کوئی چیز غالب اور کامل ہوا کرتی ہے تو اس کے موصوف کو صادق کہا کرتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص لڑائی کا سچا ہے اور یہ خوف سچا ہے اور یہ شہوت ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انما المومنون الذین امنوا باللہ ورسولہ ثم لم یرتابوا وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ اولئک ھم الصادقون (النور 62) اور فرمایا ولکن البر من امن باللہ والیوم الاخر والملئکۃ والکتب والنبین واتی المال علیٰ حبہ ذوی القربیٰ والیتمیٰ والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب واقام الصلوٰۃ واتی الزکوٰۃ والموفون بعھدھم اذا عاھدوا والصابرین فی الباساء والضراء وحین الباس اولئک الذین صدقوا (البقراء 179) ترجمہ کنزالایمان:۔ ہاں اصل نیکی یہ کہ ایمان لائے اللہ اور قیامت اور فرشتوں اور کتاب اور پیغمبروں پر اور اللہ کی محبت میں اپنا عزیز مال دے اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور راہ گیر اور سائلوں کو اور گردنیں چھوڑانے میں اور نماز قائم رکھے اور زکوٰۃ دے اور اپنا قول پورا کرنے والے جب عہد کریں اور صبر والے مصیبت اور سختی میں اور جہاد کے وقت یہی ہیں جنہوں نے اپنی بات سچی کی۔

فائدہ:۔ حضرت ابو ذر سے کسی نے ایمان کا حال پوچھا تو آپ نے یہ آیت پڑھی۔ لوگوں نے عرض کیا کہ ہم نے آپ سے ایمان کا حال پوچھا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کا حال پوچھا تھا تو آپ نے بھی یہی آیت پڑھی تھی۔

مثال خوف:۔ جو بندہ اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے' وہ اللہ تعالیٰ سے خوف تو ضرور رکھتا ہے مگر یہ خوف اس طرح کا ہوتا ہے کہ صرف لفظ خوف اس پر صادق آئے گا مگر حقیقت خوف کے درجے کو نہیں پہنچتا تاکہ اسے خوف صادق کہہ سکیں مثلاً جب کوئی کسی بادشاہ سے یا سفر میں راہزن وغیرہ سے ڈرتا ہے تو اس کا رنگ زرد پڑ جاتا ہے اور ہاتھ پاؤں پر لرزہ ہوتا ہے۔ عیش تلخ ہو جاتا ہے اور خواب و خوراک دشوار ہو جاتے ہیں۔ کسی بات میں دل نہیں لگتا' حواس پراگندہ ہو جاتے ہیں۔ بعض اوقات ڈر کے مارے وطن کی جدائی اختیار کرتا ہے۔ آرام و چین کو چھوڑ کر وحشت اور مشقت برداشت کرتا ہے۔ پھر کیا بات ہے کہ آتش دوزخ سے خوف کرتا ہے اور جب مرتکب

کسی معصیت کا ہوتا ہے تو ان میں سے کوئی سی بات اس پر ظاہر نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے دوزخ سے بڑھ کر کوئی شے نہیں دیکھی کہ اس سے بھاگنے والا سو رہا ہے اور جنت جیسی نہیں دیکھی کہ اس کا طالب سو رہا ہے۔

فائدہ:۔ ان امور کی حقیقت کو پہچاننا بہت ہی کم ہے اور ان مقامات کی کچھ حد نہیں کہ اس کے کمال تک پہنچ سکیں مگر ہر شخص کو اس کے حال کے موافق ان میں سے حصہ ہوتا ہے۔ کم ہو یا زیادہ اگر حصہ قوی ہو تو اس صورت میں بندہ صادق کہلائے گا غرضیکہ معرفت اور تعظیم الٰہی اور اس سے خوف کرنے کی کوئی جگہ نہیں۔ اسی وجہ سے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ تم کو تمہاری صورت اصلی میں دیکھوں تو انہوں نے عرض کیا کہ آپ کی بشریت اس کے دیکھنے کی تاب نہ لائے گی۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں دکھلا ہی دو۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ کسی روشن رات میں بقیع میں دکھلا دوں گا۔ آپ جب چاندنی میں وہاں تشریف لے گئے تو دیکھا حضرت جبریل نے تمام آسمان کے کناروں کو ڈھانپ رکھا ہے۔ آپ دیکھتے ہی غش کھا گئے۔ جب آپ کو افاقہ ہوا تو حضرت جبریل اپنی پہلی صورت پر آ گئے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ میرے گمان میں خدا تعالیٰ کی مخلوق میں اس طرح کا کوئی نہیں۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اگر آپ اسرافیل علیہ السلام کو دیکھیں تو کیا ہو گا۔ عرش معلی ان کے کندھے پر ہے اور ان کے پاؤں سب سے نیچے کی زمین میں اور اس کے باوجود اس کے خدا کی عظمت سے جب وہ سکڑتے ہیں تو وہ چھوٹی چڑیا کے برابر ہو جاتے ہیں۔

حضرت اسرافیل علیہ السلام پر کتنی عظمت اور ہیبت چھائی ہو گی جو اس درجے کو پہنچ جاتے ہیں اور تمام فرشتے ایسے نہیں۔ اس وجہ سے کہ وہ معرفت میں متفاوت ہیں تو صدق اور تعظیم اس کا نام ہے۔

شب معراج:۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شب معراج کو جو میں گیا تو دیکھا کہ جبریل علیہ السلام ملا اعلیٰ میں خدا تعالیٰ کے خوف سے ایسے تھے جیسے پرانی چادر جو اونٹ کی پشت پر ڈال دیتے ہیں۔ اسی طرح پر صحابہ بھی خائف تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خوف کو نہیں پہنچے تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تک تو سب لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے دین میں احمق نہیں جانے گا تب تک حقیقت ایمان کو نہیں پہنچے گا اور مطرف کہتے ہیں کہ کوئی شخص ایسا نہیں جو اپنے پروردگار کے معاملے میں احمق نہ ہو مگر اتنا ہے کہ بعض احمق بہ نسبت بعض کے آسان اور کمتر ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کوئی بندہ ایمان کی حقیقت کو نہ پہنچے گا جب تک کہ لوگوں کو خدا کے مقابلہ میں اونٹوں کے مانند نہ دیکھے اور پھر اپنے نفس کی طرف رجوع کرے اور اس کو سب سے زیادہ حقیر تر جانے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان مقامات میں صادق آدمی کمیاب ہے پھر درجات کی کچھ حد نہیں۔

فائدہ:۔ بعض اوقات بندے کو بعض امور میں صدق ہوتا ہے اور بعض میں نہیں۔ پس اگر سب امور میں صادق

ہو گا تو وہ پکا صدیق ہے۔

حکایت :۔ حضرت سعد بن معاذ فرماتے ہیں کہ تین باتوں میں تو میں پکا ہوں اور ان کے سوا اور امور میں کچا۔ میں نے شروع اسلام سے کبھی نماز اس طرح نہیں پڑھی کہ جی میں کہتا ہوں کہ اس سے کب فارغ ہوں گا۔ (2) جس جنازہ کے ساتھ گیا' جی میں یہی رہا کہ اس سے یہ سوال ہو گا اور یہ یوں جواب دے گا۔ اس کے سوا دفن تک اور کچھ خیال نہیں گزرا۔ (3) جو بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا تو یقین کر لیا کہ بے شک حق ہے۔ پس حضرت ابن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میری عقل کے مطابق یہ خصلتیں بجز نبی کے اور کسی میں جمع نہیں ہوا کرتیں تو ان امور میں یہ صدق کی بات ہے۔ حالانکہ بہت سے جلیل صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے نماز ادا کی اور جنازے کے ساتھ گئے مگر اس درجے کو نہ پہنچے۔

فائدہ :۔ یہ بیان تھا درجات صدق اور اس کے معنی کے اور کلمات جو صدق کی حقیقت کے باب میں مشائخ کرام سے منقول ہیں۔ ان سے ان معانی میں سے ایک ایک پائے جاتے ہیں۔ ہاں ابوبکر وراق نے فرمایا کہ صدق تین قسم کا ہے۔ صدق توحید اور صدقت طاعت اور صدق معرفت۔ صدق توحید عام مومن کے لیے ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے والذین امنوا باللہ ورسلہ اولئک ھم الصدیقون (ترجمہ از کنز الایمان) اور صدق طاعت ارباب علم اور اہل ورع کے لیے ہے اور صدق معرفت اہل ولایت کے لیے ہے جو زمین کے اوتاد ہیں اور یہ سب اقسام انہیں اقسام میں آجاتے ہیں جو ہم نے چھٹی قسم میں لکھے ہیں اور ایک بات یہ ہے کہ انہوں نے وہ چیزیں لکھی ہیں جن میں صدق ہوتا ہے اور وہ بھی پوری نہیں۔

امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ صدق مجاہدے کا نام ہے اور یہ کہ تو اللہ تعالیٰ پر دوسرے کو اختیار نہ کرے۔ جیسے اس نے تجھ پر غیر کو اختیار نہیں کیا۔ چنانچہ فرمایا ہوا جتبا کم

وحی موسیٰ علیہ السلام پر :۔ خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ میں جب کسی بندے کو محبوب کر لیتا ہوں تو اس پر ایسی بلائیں بھیجتا ہوں جن کی تاب پہاڑوں کو بھی نہ ہو اور اس سے مجھ کو اس کا صدق دیکھنا منظور ہوتا ہے۔ پھر اگر میں اس کو صابر پاتا ہوں تو اپنا ولی اور حبیب بنا لیتا ہوں اور اگر مضطرب اور واویلا کرنے والا پاتا ہوں کہ میری شکایت میری ہی مخلوق سے کرے تو اس کو رسوا کرتا ہوں اور کچھ پروا نہیں کرتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ صدق کی علامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ مصیبتوں اور طاعتوں دونوں کو چھپائے اور خلق کا واقف ہونا ان دونوں پر برا جانے۔

باب 8

مراقبہ و محاسبہ

مراقبہ و محاسبہ کے متعلق قرآن و احادیث میں بکثرت مضامین ہیں۔

قرآن مجید:۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ونضع الموازين القسط ليوم القيمة فلا تظلم نفس شياء وان كان مثقال حبة من خردل اتينا بها وكفى بنا حاسبين (الانبیاء 47) ترجمہ کنزالایمان :۔ اور ہم عدل کی ترازو بھی رکھیں گے قیامت کے دن تو کسی جان پر کچھ ظلم نہ ہوگا اگر کوئی چیز رائی کے دانہ کے برابر ہو تو ہم اسے لے آئیں گے اور ہم کافی ہیں حساب کو۔ اور فرمایا ووضع الكتب فترى المجرمين مشفقين مما فيه ويقولون ياويلتنا مالهذا الكتب لا يغادر صغيرة ولا كبيرة الا احصاها ووجدوا ما عملوا حاضر ولا يظلم ربك احد ا الكهف 49) ترجمہ کنزالایمان :۔ اور نامہ اعمال رکھا جائے گا تو تم مجرموں کو دیکھو گے کہ اس کے لکھے سے ڈرتے ہوں گے اور کہیں گے ہائے خرابی ہماری اس نوشتہ کو کیا ہوا نہ اس نے کوئی چھوٹا گناہ چھوڑا نہ بڑا جسے گھیر نہ لیا ہو۔ اور اپنا سب کچھ کیا انہوں نے سامنے پایا اور تمہارا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ اور فرمایا يوم يبعثهم الله جميعا فينبهم بما عملوا احصه الله و نسوه والله علىٰ كل شئى شهيد (المجادلہ 6) ترجمہ کنزالایمان :۔ جس دن اللہ ان سب کو اٹھائے گا پھر انہیں ان کے کوتک جتادے گا اللہ نے انہیں گن رکھا ہے اور وہ بھول گئے اور ہر چیز اللہ کے سامنے ہے۔ اور فرمایا يومئذ يصدر الناس اشتاتا ليروا اعمالهم فمن يعمل مثقال ذرة خيرا يره ومن يعمل مثقال ذرة شرا يره (الزلزال 6'8) ترجمہ کنزالایمان :۔ اس دن لوگ اپنے رب کی طرف پھریں گے کئی راہ ہو کر تاکہ اپنا کیا دکھائے جائیں تو جو ایک ذرہ بھر بھلائی کرے اسے دیکھے گا اور جو ایک ذرہ بھر برائی کرے اسے دیکھے گا۔ اور فرمایا ثم توفى كل نفس ما كسبت وهم لا يظلمون (آل عمران 161) ترجمہ کنزالایمان :۔ پھر ہر جان کو ان کی کمائی بھرپور دی جائے گی اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔ اور فرمایا يوم تجد كل نفس ما عملت من خير محضرا وما عملت من سوء تود لو ان بينها وبينه امدا بعيدا ويحذركم الله نفسه (آل عمران 30) ترجمہ کنزالایمان :۔ جس دن ہر جان نے جو بھلا کام کیا حاضر پائے گی اور جو برا کام کیا امید کرے گی کاش مجھ میں اور اس میں دور کا فاصلہ ہوتا اور اللہ تمہیں اپنے عذاب سے ڈراتا ہے۔ اور فرمایا واعلموا ان الله يعلم ما فى انفسكم فاحذروه (البقرہ 235؛ ترجمہ کنزالایمان :۔ اور جان لو کہ اللہ تمہارے دل کی جانتا ہے تو اس سے ڈرو

فائدہ :۔ ان آیات کے مضامین سے بندگان دین یعنی اہل بصیرت نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی طرف متوجہ ہے اور ان سے حساب ہو گا اور ذرہ ذرہ خطرات اور لحظات کی پرسش ہو گی اور ان خطرات سے نجات کی صورت یہی ہے کہ بندے ہمیشہ محاسبہ کیا کریں اور اپنے احوال کے نگران رہیں کہ ہر ایک سانس اور حرکت کا مقابلہ اپنے نفس سے رکھیں اور ہر خطرہ و لحظہ میں اس سے حساب لیں۔ اس لیے کہ جو اپنے نفس سے حساب لیے جانے سے پہلے محاسبہ کرتا رہے گا' اس کا حساب قیامت میں ہلکا ہو گا اور جواب بن آئے گا اور اس کا رجوع اور انجام وہاں اچھا ہو گا اور جو شخص اپنے نفس کا حساب نہ لے گا' ہمیشہ پچھتائے گا اور میدان قیامت میں بڑی مدت تک کھڑا رہے گا اور اس کی برائیاں اس کو رسوائی اور غضب میں مبتلا کریں گی۔ جب ان کو یہ امر منکشف ہوا تو انہوں نے جان لیا کہ ان خرابیوں سے نجات کی صورت طاعت الٰہی کے بغیر اور کوئی نہیں اور اللہ تعالیٰ نے صبر اور نگہداشت کا حکم فرمایا۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا یاایھا الذین امنوا اصبروا وصابروا وابطوا (آل عمران 200) ترجمہ کنزالایمان :۔ اے ایمان والو صبر کرو اور صبر میں دشمنوں سے آگے رہو۔

انہوں نے اپنے نفسوں پہ یہ نگہداشت کی کہ اول ان سے شرطیں کیں' پھر نگران حال رہے۔ پھر حساب کیا' پھر سزا دی۔ پھر مجاہدہ کیا' پھر عتاب کیا غرضیکہ ایک نگہداشت میں ان کو چھ مقام حاصل ہوئے جن کی شرح اور بیان حقیقت اور فضیلت اور ان کے اعمال کی تفصیل ضروری ہے اور ان کی اصل محاسبہ ہے لیکن ہر ایک حساب آپس کی شرط لگانے اور نگران رہنے کے بعد ہوا کرتا ہے اور حساب کے بعد اگر نقصان معلوم ہو تو نوبت عتاب اور عقوبت کی پہنچتی ہے۔ اب ہم شرح ہر مقام کی ذکر کرتے ہیں۔

1 نفس سے محاسبہ و شرائط :۔ جو لوگ تجارت کا کاروبار کرتے ہیں اور اسباب تجارت میں شریک ہوتے ہیں۔ ان سب کی غرض حساب کے وقت یہ ہوتی ہے کہ کچھ نفع بچ رہے اور جس طرح کہ تاجر اپنے شریک سے مدد لیتا ہے اور مال اس کو سپرد کرتا ہے کہ تجارت کرے' پھر اس سے حساب کیا کرتا ہے۔ اسی طرح طریقت آخرت میں تاجر عقل ہے اور اس کا نفع اور مطلب نفس کا پاک کرنا ہے کیونکہ فلاح اسی کی تزکیہ پر موقوف ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قد افلح من زکھا وقد خاب من دسھا (الشمس 9'10) ترجمہ کنزالایمان :۔ بے شک مراد کو پہنچا میں نے اسے ستھرا کیا اور نامراد ہو جس نے اسے معصیت میں چھپایا۔ اور اس کا تزکیہ اعمال صالح سے ہوتا ہے اور عقل ایسی تجارت میں نفس سے مدد لیتی ہے یعنی اس کو ایسے کاموں میں لگاتی ہے جن سے اس کا تزکیہ ہو۔ جیسے تاجر اپنے شریک یا غلام تجارت پیشہ سے مدد لیا کرتا ہے اور جس طرح کہ شریک سے تاجر فائدے کے باب میں مدعی بن کر اس بات کا محتاج ہوا کرتا ہے کہ پہلے کچھ شرطیں اس سے کر لے' پھر اس کا نگران حال رہے۔ پھر حساب سمجھا کرے' پھر عقاب یا عتاب کیا کرے۔ اسی طرح عقل بھی نفس سے ان چار باتوں کی محتاج ہے۔

1۔ اس سے شرطیں کر لے کہ کچھ وظائف اس پر مقرر کرے کہ ان کا پابند رہا کرے اور طریق فلاح اس کو

بتلا کر تاکید کردے کہ اسی راستے کو چلے۔

2- اس کی نگرانی سے ایک سیکنڈ غافل نہ رہے۔ اس لیے کہ اگر اس کو شتر بے مہار چھوڑ دے تو اس سے بجز خیانت اور راس المال کے ضائع کر دینے کے اور کچھ نہ دیکھے گا۔ غلام خائن میدان خالی پا کر اگر مال پر اپنا قابو دیکھتا ہے تو ایسا ہی کرتا ہے۔ پھر نگرانی کے بعد اس سے حساب لینا چاہیے اور شروط اور اقراروں کو پورا کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ دنیا کی سوداگری جو پیسے کے نفع کی ہوتی ہے' اس میں ذرہ ذرہ کا حساب ہوتا ہے اور یہ سوداگری تو وہ ہے جس کا نفع فردوس بریں اور انبیاء اور شہداء کے ساتھ انتہائے مقامات تک پہنچتا ہے تو اس حساب کی رو سے بال کی کھال نکالنی اور نفس پر تنگ گیری بہت ضروری ہے۔ پھر دنیا کے منافع خواہ لاکھوں کے ہوں' بالآخر جاتے رہتے ہیں تو ایسی خیر میں جسے دوام نہ ہو' کیا خیر ہے۔ اس سے وہ شر ہی اچھا ہے جو دائمی نہ ہو۔ اس لیے کہ جب وہ جاتا رہے گا تو ہمیشہ کو خوشی ہوگی اور شر تو جاتا رہے گا اور اگر خیر جاتی رہے گی تو خیر کی خیر گئی اور اس کا رنج ہمیشہ رہے گا۔

اس صورت میں ہر محتاج پر جو اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو' واجب ہے کہ اپنے نفس کے حساب لینے سے حرکات اور سکنات اور خطرات ہر قدم میں ہر غفلت نہ کرے' اس لیے کہ عمر انسان میں جو سانس ہے' وہ ایک ایسا جوہر ہے کہ جس کا عوض نہیں ہے اور اس سے ایک خزانہ ایسا خریدا جا سکتا ہے کہ جس کی دولت ابد الآباد تک تمام نہ ہو۔ پس ایسی سانسوں کا ضائع ہونا یا ایسی باتوں میں مصروف ہونا جو موجب ہلاک ہوں' نقصان عظیم کی بات ہے کہ کسی عاقل کا نفس اس کو نہ مانے گا۔ پس جب کوئی بندہ صبح کو اٹھے اور صبح کی نماز پڑھ چکے تو ایک وقت اپنے دل کو نفس کی شرط کرنے کے لیے فارغ کرے جیسے کہ تاجر اسباب سپرد کرنے کے وقت اپنے شریک کارندے سے شرائط کے لیے تنہا بیٹھ جاتا ہے' دوسرے لوگوں کو اس مجلس میں نہیں آنے دیتا کہ شریک خوب ان شرائط کو سمجھ لے اور دوسری باتوں سے طبیعت منتشر نہ ہو۔ پھر نفس سے یوں کہے کہ میرا راس المال یہی عمر ہے۔ جب یہ فنا ہو جائے گی تو اصل ہی جاتی رہے گی۔ پھر تجارت اور طلب اور طلب منفعت سے یاس ہو جائے گی اور اس آج کے دن میں اللہ تعالیٰ نے مجھے مہلت دی ہے اور میری موت میں تاخیر فرمائی ہے اور مجھ پر انعام کیا ہے۔ اگر بالفرض مجھ کو موت دیتا تو میں آخر یہی تمنا کرتا کہ ایک روز مجھ کو دنیا میں بھیج دے کہ میں عمل نیک کروں تو تو یہی سمجھ لے کہ مرنے کے بعد یہاں واپس ہو کر اسی دن کے لیے آیا ہے تو خبردار اس دن کو ضائع نہ کرنا کہ ہر ایک سانس ایک جوہر بے بہا ہے اور یہ بھی یاد رکھ کہ دن رات میں چوبیس گھنٹے ہیں اور حدیث میں وارد ہے کہ بندے کے ہر روز و شب میں چوبیس خزانے ایک قطار میں پھیلائے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک خزانہ اس کے لیے کھول دیا جاتا ہے تو اس کو اپنے حسنات کے نور سے پر دیکھتا ہے اور یہ وہ حسنات ہوتی ہیں جو اس میں تھیں۔ ان انوار کے دیکھنے سے جو بادشاہ جبار کے نزدیک اس کا وسیلہ ہیں' اس کو وہ فرحت و سرور اور بشارت حاصل ہوتی ہے کہ اگر وہ سرور اہل دوزخ پر تقسیم کر دیا جائے تو اتنی خوشی ان کے حصے میں آئے کہ اس کی وجہ سے آگ کی تکلیف ان کو کچھ معلوم نہ ہو اور

جس وقت میں کہ اس نے خدا تعالیٰ کی نافرمانی کی ہے' اس کا خزانہ کھولا جاتا ہے تو وہ سیاہ و تاریک ہوتا ہے۔ اس کی بدبو پھیلتی ہے اور اندھیری اس کو دبالیتی ہے۔ اس خزانے کے دیکھنے سے اس کو اس طرح خوف و دہشت چھاتی ہے کہ وہ دہشت اگر اہل جنت کو تقسیم کردی جائے تو ان کا آرام و چین ختم کردے۔ ایک اور خزانہ اس کے لیے مفتوح ہوتا ہے کہ وہ خالی ہوتا ہے' نہ اس میں خوشی اور نہ غم کی خبر ہوتی ہے۔ یہ وہ گھڑی ہوتی ہے جس میں انسان سویا یا غافل رہا ہے یا اور مباحات دنیوی میں لگا رہا ہے۔ اس خزانے کے دیکھنے سے وہ حسرت کرتا ہے کہ کیوں خالی رہا اور اس کو اس میں ایسا نقصان ہوتا ہے جیسے کسی کو بڑی سلطنت اور نفع کثیر کا نقصان بعد قدرت کے اپنی بے پرواہی سے ہو جائے تو اس حسرت و غبن کا کیا ٹھکانہ ہے۔ اتنی ہی کافی ہے۔ اسی طرح اس پر اس کی اوقات کے خزانے اس کی زندگی بھر کھولے جایا کرتے ہیں تو اپنے نفس کو کہے کہ آج تو ایسی کوشش کر کہ اپنے خزانے کو بھرلے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ اس مال سے خالی رہ جائیں جو موجب تیری سلطنت کا ہے اور سستی و کاہلی اور آرام طلبی کو کام میں مت لا ورنہ درجات علیین میں تجھ سے وہ بات فوت ہو جائے گی جو دوسرے کو ملے گی اور تجھے سوائے حسرت اور کچھ نہ ملے گا' ہمیشہ افسوس کرتا رہے گا اور اگرچہ جنت میں جائے گا مگر غبن اور حسرت کی تکلیف برداشت نہ ہوگی۔ اگرچہ آگ کی تکلیف سے کم ہو۔ چنانچہ بعض اکابرین کرام فرماتے ہیں کہ ہم نے مانا کہ گنہگار کی غلطی معاف ہو جائے گی مگر یہ بھی تو ہے کہ اگر اس کو محسنوں جیسا ثواب نہ ملے گا۔ اس قول میں اشارہ افسوس اور حیرت کی طرف ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یوم یجمعکم لیوم الجمع ذلک یوم التغابن (التغابن 9) ترجمہ کنزالایمان :- جس دن تمہیں اکٹھا کرے گا سب جمع ہونے کے دن وہ دن ہے ہار والوں کی کھلنے کا۔

یہ تو وصیت نفس کو اوقات کے متعلق ہوئی۔ پھر اس کو نئے سرے وصیت ساتوں اعضاء کے باب میں یعنی آنکھ' کان اور زبان و شکم' شرمگاہ اور ہاتھ' پاؤں میں کرے اور ان اعضاء کو اس کے سپرد کرے کیونکہ یہ اس تجارت میں بمنزلہ نفس کے خادموں کے ہیں اور انہیں سے اس تجارت کے اعمال بھی تمام ہوتے ہیں اور دوزخ کے ساتھ دروازے ہیں۔ ہر دروازے کے لیے ایک جز تقسیم ہو جائے گا اور یہ دروازے اس شخص کے لیے متعین ہوں گے جو ان اعضاء سے خدا تعالیٰ کی نافرمانی کرے۔ پس نفس کو وصیت کرے کہ ان کو خدا تعالیٰ کی نافرمانی سے محفوظ رکھے۔ آنکھ کو غیر محرم کی طرف یا کسی مسلمان کے ستر کی طرف دیکھنے یا اس کو حقارت کی نظر سے بچائے بلکہ ہر ایک فضول سے جس کی ضرورت نہ ہو' محفوظ رکھے۔ اس لیے کہ خدا تعالیٰ اپنے بندوں سے نظر فضول کی پرسش کرے گا جیسے کہ کلام فضول کی پرسش کرے گا۔ پھر جب آنکھ کو ان چیزوں کی طرف سے روکنا تو ایسے امور میں لگانا جو تجارت کے ہوں اور ان میں نفع ملے اور یہ وہ اشیاء ہیں جن کے لیے آنکھ بنی ہے یعنی چشم عبرت سے خدا تعالیٰ کی عجائب صنعتوں کو دیکھنا اور اقتداء کرنے کے لیے اچھے اعمال پر نظر ڈالنی' اور کتاب اللہ اور حدیث رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنا اور نصیحت و استفادہ کے لیے کتب حکمت کا مطالعہ کرنا وغیرہ سب اچھے اعمال تفصیل سے کہے۔ اسی طرح شرح وار ہر ہر عضو کے باب میں سنائے خصوصاً زبان و شکم کے باب میں تاکید زیادہ کرے' اس لیے کہ

زبان سرشت کی رو سے چلی جاتی ہے اور چلنے میں اس کو کوئی مشقت معلوم نہیں ہوتی مگر اس کی غلطیاں مثل غیبت و جھوٹ اور چغلی کے اور اپنے نفس کو صاف بتانا' دوسروں کو برا کہنا' کھانوں کی مذمت کرنی' دشمنوں پر لعنت اور بددعا کرنی اور کلام میں خصومت کرنی وغیرہ بہت خراب ہیں۔ چنانچہ باب آفات زبان میں ان کا ذکر ہو چکا ہے۔ پس زبان ان آفات کے درپے رہتی ہے باوجودیکہ پیدا اس لیے ہوئی ہے کہ ذکر کرے اور لوگوں کو نصیحت ذکر کی کرے اور علمی بحث اور تعلیم خدا تعالیٰ کے بندوں کو اس کا راستہ بتانے اور آپس میں دو اشخاص کے درمیان بگاڑ کو درست کرنے میں مصروف رہے تو نفس سے شرط کرے کہ بجز ذکر کے زبان کو نہ ہلائے۔ ایماندار کی گفتگو ذکر ہی ہوتا ہے اور اس کی نظر عبرت کے لیے ہے اور سکوت فکر کے لیے۔ علاوہ ازیں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ مایلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید (ق 18) ترجمہ کنزالایمان :- کوئی بات وہ زبان سے نہیں نکالتا کہ اس کے پاس ایک محافظ تیار نہ بیٹھا ہو۔ تو سوائے ذکر کے سکوت ہی مناسب ہے اور شکم کو بزور اس بات پر لائے کہ حرص چھوڑ دے اور حلال روزی سے تھوڑا کھانے کا عادی ہو۔ شک کی چیزوں سے احتراز کرے اور شہوات سے اس کو روک کر مقدار ضرورت پر اکتفا کرے اور اپنے نفس پر یہ شرط بھی لگائے کہ اگر ان باتوں میں سے کسی کے خلاف کرے گا تو تجھے یہ سزا دوں گا کہ شکم کی شہوات سے بالکل روک دوں گا تاکہ جتنا اپنی شہوات کے باعث اس نے حاصل کیا ہو' اس سے زیادہ جاتا رہے۔ اسی طرح نفس پر تمام اعضاء کے باب میں شرط کرے۔ تمام کا لکھنا طول چاہتا ہے اور اعضاء کی طاعات اور معاصی کوئی بھی پوشیدہ نہیں کہ جن کے لکھنے کی ضرورت ہو۔ پھر اعضاء کے باب میں وصیت کرنے کے بعد نفس کو وصیت ان طاعات کی کرے جو دن رات میں کئی کئی بار ہوتی ہیں۔ پھر نوافل کے باب میں وصیت کرے جن پر نفس قادر ہے اور بہت سے کر سکتا ہے اور ان نوافل کی تفصیل اور کیفیت اور ان کے اسباب سے آمادگی کی کیفیت تمام مرتب کر دے اور یہ شرائط ایسی ہیں کہ ان کی ضرورت ہر دن ہوا کرتی ہے مگر انسان جب ان کا عادی چند دن رہتا ہے اور نفس ان سب شرائط کے پورا کرنے میں تن دیتا ہے تو پھر ضرورت شرط کی نہیں رہتی اور اگر بعض شرائط میں اطاعت کرتا ہے تو نئے سرے شرط کرنے کی ضرورت باقی ہے اور ازانجا کہ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا جس میں ایک نئی مہم اور نیا واقعہ نہ ہوتا ہو اور اس کا حکم الگ اور خدا تعالیٰ کا حق اس میں الگ نئے طور کا نہ ہوتا ہو اور یہ بات دنیا کے اعمال میں مشغول ہونے والوں کو اکثر ہو جایا کرتی ہے مثلاً حکومت و تجارت اور تعلیم میں کم کوئی دن ہوتا ہو گا جس میں کوئی نیا معاملہ نہ ہوتا ہو اور اس میں اللہ تعالیٰ کے حق ادا کرنے کی ضرورت نہ پڑتی ہو تو اس لیے نفس سے یہ شرط بھی کرے کہ ایسے معاملات میں مستقیم رہے اور امر حق کی اطاعت کرے اور نیز بیکار رہنے کے انجام سے نفس کو ڈرائے اور اس کو نصیحت اسی طرح کرے جیسے انسان بھاگا ہوا سرکش کیا جاتا ہے کیونکہ نفس میں طبع کی رو سے طاعات سے سرکش اور عبودیت سے منحرف ہونے کو چاہتا ہے مگر وعظ و لوب دنیا اس میں تاثیر کر جاتا ہے۔
چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وذکر فان الذکری تنفع المومنین (الذاریات 55) ترجمہ کنزالایمان :- اور سمجھاؤ کہ سمجھانا مسلمانوں کو فائدہ دیتا ہے۔ اے ایمان والو جب تم جہاد کو چلو تو تحقیق کر لو۔

پس اس طرح کی شرائط نفس سے کرنی مقام اول اس کے نگہداشت کا ہے اور اس کا نام محاسبہ قبل عمل ہے اور محاسبہ کبھی بعد عمل کے ہوتا ہے اور کبھی قبل عمل کے ڈرانے کے لیے کیا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ واعلموا ان اللہ یعلم ما فی انفسکم فاحذروہ (البقرہ 235) ترجمہ کنزالایمان :- اور جان لو کہ اللہ تمہارے دل کی جانتا ہے تو اس سے ڈرو۔ اور یہ آئندہ کے لیے ہے اور جو نظر کہ کثرت اور مقدار میں واسطے معرفت زیادتی اور نقصان کے ہوتی ہے' اس کو محاسبہ کہا کرتے ہیں یعنی بندہ اگر دن بھر اپنے سامنے کے اعمال میں نظر رکھے گا۔ اس غرض سے کہ ان کا حال کم و بیش ہونے کا معلوم ہو جائے تو یہ امر بھی داخل محاسبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یاایھا الذین امنواذا ضربتم فی سبیل اللہ فتبینوا ترجمہ از کنز الایمان) اور فرمایا یاایھا الذین امنوا ان جاء کم فاسق بنباء فتبینوا (الحجرات 6) ترجمہ کنزالایمان :- اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کر لو۔ اور فرمایا ولقد خلقنا الانسان ونعلم ماتوسوس بہ نفسہ ترجمہ کنزالایمان :- اس کو ڈرانے کے لیے اور آئندہ کو احتراز کرنے پر تنبیہہ کے لیے ارشاد فرمایا اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے استدعا کی۔ آپ نے فرمایا کہ جب تو کسی امر کا ارادہ کرے تو اس کا انجام سوچ لے۔ اگر انجام بہتر ہو تو اس کو کر اور جو خراب ہو تو اس سے باز رہ اور کسی حکیم کا قول ہے کہ جب تم چاہو کہ عقل ہوائے نفسانی پر غالب رہے تو کسی شہوت کو پورا نہ کرو۔ جب تک انجام کو نہ دیکھ لو' اس لیے کہ خواہش کے نہ پورا ہونے کی نسبت دل میں پشیمانی کا رہنا زیادہ برا ہے اور حضرت لقمان کہتے ہیں کہ ایماندار جب انجام کو دیکھ لیتا ہے تو ندامت سے بچا رہتا ہے اور شداد بن اوس حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا الکیس من دان نفسہ وعمل لما بعدالموت والاحق من اتبع نفسہ ھواھا وتمنی علی اللہ اور ان نفسہ کے معنی یہ ہیں کہ حساب لے نفس سے اور یوم الدین حساب کے دن کو کہتے ہیں اور قرآن مجید میں انا لمدینون کے معنی بھی یہی ہیں کہ حساب لیے جائیں گے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اپنے نفس سے محاسبہ کرو۔ پہلے اس سے کہ تم سے محاسبہ کیا جائے اور اس کا وزن کرو پیشتر اس کے کہ وزن کیے جاؤ اور عرض اکبر کے لیے مستعد ہو رہو اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ اپنے نفس سے سختی سے حساب سے پیشتر آرام کے وقت میں حساب لو اور حضرت کعب اخبار رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ محاسبے کا حال کتاب اللہ میں تم نے کیسے دیکھا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ اس میں لکھا ہے کہ زمین کے حساب کرنے والے کو آسمان کے حساب کرنے والے سے ہلاکی ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان پر درہ لے کر اٹھے اور فرمایا کہ بجز اس کے جو اپنے نفس کا حساب لے' حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ امیرالمومنین یہ استثناء اس کے برابر ہی توریت میں مذکور ہے اور کلمہ بیچ نہیں اور اس سب میں اشارہ آئندہ کے محاسبہ کے لیے ہے۔ اس لیے فرمایا من دان نفسہ وعمل لما بعدالموت اس کے معنی یہ ہیں کہ امور کو اول وزن کرے اور خوب تامل اور تدبر ان میں کرکے پھر ان کے کرنے پر جرات کرے۔ (مراقبہ)

جب انسان اپنے نفس کو وصیت کرے اور اس پر شرائط مندرجہ ذیل کرے تو پھر یہ بات چاہیے کہ جب وہ اعمال میں داخل ہو تو اس کو ملاحظہ بچشم حفاظت کرے کیونکہ اگر نفس کو چھوڑ دیا جائے گا تو خراب اور سرکش ہو جائے گا۔ پس اول ہم فضیلت مراقبے کی بیان کرتے ہیں۔ پھر اس کے درجات کا ذکر کریں گے۔

مراقبہ کی فضیلت :- حضرت جبریل علیہ السلام نے جو احوال احسان کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو فرمایا کہ خدا تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم اس کو دیکھتے ہو۔ پس اگر یہ بات نہ ہو تو تم اس کو دیکھتے ہو تو یہ تو ہو کہ وہ تمہیں دیکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا افمن ھو قآئم علیٰ کل نفس بما کسبت ترجمہ کنزالایمان :- تو کیا حال ہو گا کیا نہ جانا کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔ اور فرمایا الم یعلم بان اللّٰہ یری (النساء 1) ترجمہ کنزالایمان :- بے شک اللہ ہر وقت تمہیں دیکھ رہا ہے۔ اور فرمایا ان اللّٰہ کان علیکم رقیبا ترجمہ کنزالایمان :- اور فرمایا والذین ھم لا ماناتھم وعھدھم راعون والذین ھم بشھاداتھم قائمون (المعارج 32) ترجمہ کنزالایمان :- اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی حفاظت کرتے ہیں اور وہ جو اپنی گواہیوں پر قائم ہیں۔

اقوال اسلاف رحمتہ اللہ علیہم :-

1- حضرت ابن المبارک رضی اللہ عنہ سے کسی نے راقب اللہ کا معنی پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ ہمیشہ یوں رہو کہ گویا خدا تعالیٰ کو دیکھتے ہو۔

2- حضرت عبدالواحد بن زید فرماتے ہیں کہ جب میرا آقا مجھے دیکھتا ہے تو میں دوسرے کی پرواہ نہیں کرتا۔

3- ابو عثمان مغربی فرماتے ہیں کہ جو چیزیں انسان راہ سلوک میں اپنے نفس پر لازم کرتا ہے' ان سب میں بہتر محاسبہ و مراقبہ اور اپنے علم سے اپنے عمل کی سیاست ہے۔

4- ابن عطا فرماتے ہیں کہ سب سے بہتر طاعت ہمیشہ مراقبہ کا حق ہے۔

5- حضرت حریری رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ہمارا امر دو اصل پر مبنی ہے۔ ایک یہ کہ اپنے نفس پر خدا تعالیٰ کا مراقبہ لازم کرے۔ (2) علم تیرے ظاہر اعمال پر قائم ہو۔

حکایت :- حضرت ابو عثمان رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت ابو حفص رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب تو لوگوں میں بیٹھے تو اپنے نفس اور دل کا وعظ ایسا نہ ہو۔ ان کے پاس ہونے سے تو مغالطہ کھائے گا کہ وہ لوگ تیرے ظاہر کو دیکھتے ہیں اور خدا تعالیٰ باطن کو اور منقول ہے کہ کسی بزرگ کا ایک شاگرد جوان تھا کہ اس کی عزت وہ بڑی کرتے اور اس کو دوسروں پر مقدم کرتے۔ ان کے اور مریدوں نے عرض کیا کہ آپ اس کی عزت کرتے ہیں' حالانکہ وہ جوان ہے' ہم بوڑھے ہیں۔ انہوں نے چند پرندے منگوا کر ایک ایک مرید کو ایک ایک پرندہ اور ایک ایک چھری دی اور کہا کہ اسے ایسی جگہ ذبح کرنا کہ کوئی نہ دیکھے اور اس جوان کو یہی کہا تو تمام مرید اپنا اپنا پرندہ ذبح کر لائے اور وہ شخص زندہ ہی واپس لایا۔ شیخ نے پوچھا کہ تو نے اپنے ساتھیوں کے موافق ذبح کیوں نہ کیا؟ اس نے کہا کہ مجھے ایسی

جگہ کوئی نہیں ملی جہاں کوئی نہ دیکھے' اسی لیے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ مجھے دیکھتا تھا۔ تمام مریدوں نے اس کے اس مراقبے کو پسند کیا اور اس کی فضیلت کے قائل ہوئے اور روایت ہے کہ جب زلیخا حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ اکیلی ہوئی تو اٹھ کر ایک بت کا منہ ڈھانپ دیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ بھلا تو ایک پتھر کے دیکھنے سے حیا کرتی ہے۔ مجھے کیا ہوا کہ بادشاہ حقیقی کے دیکھنے سے شرم نہ کروں۔

حکایت:۔ ایک نوجوان نے کسی لونڈی سے مباشرت چاہی تو اس نے کہا کہ تجھے حیا نہیں آتی۔ اس نے کہا کہ میں کس سے حیا کروں' ہمیں ستاروں کے سوا اور کون دیکھتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ پھر ستاروں والا کہاں ہے' وہ بھی تو دیکھتا ہے۔

حکایت:۔ کسی نے حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا کہ آنکھ بند کرنے پر کس چیز سے مدد لوں؟ آپ نے فرمایا کہ یہ جان کر کہ جس چیز کی طرف تو دیکھتا ہے' تیری نگاہ اس پر پیچھے پہنچتی ہے اور ناظر حقیقی کی نگاہ تجھ پر پہلے پہنچتی ہے۔

فائدہ:۔ یہ بھی آپ کا قول ہے کہ مراقبے میں پکا وہی ہوتا ہے جس کو خوف ہو کہ میرا لحاظ پروردگار عالم سے جاتا رہے گا۔ حضرت مالک بن دینار رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جناب عدن جناب فردوس میں سے ہیں اور اس کی عورتیں جنت کے گلاب سے بنی ہیں۔ کسی نے پوچھا کہ ان جنتوں میں کون رہے گا تو آپ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جناب عدن میں وہ لوگ رہیں گے کہ جب قصد معاصی کا کریں تو میری عظمت یاد کریں اور میرا لحاظ کریں اور وہ لوگ کہ جن کی کمریں میرے خوف کی وجہ سے جھک گئی ہیں' قسم ہے اپنی عزت اور جلال کی کہ میں اہل زمین کے عذاب کا قصد کرتا ہوں مگر جب اپنے خوف سے بھوک پیاس دونوں کی طرف دیکھتا ہوں تو ان سے عذاب ہٹا لیتا ہوں۔ کسی نے محاسبی سے مراقبے کا حال پوچھا تو فرمایا کہ اس کا شروع یہ ہے کہ دل کو علم قرب پروردگار ہو۔ حضرت مرتعش کا قول ہے کہ مراقبہ یہ ہے کہ ہر لحظہ اور ہر کلمہ پر غیب کے ملاحظہ کے لیے باطن کی رعایت رکھے۔

حدیث قدسی:۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو فرماتا ہے کہ تم ظاہر کو دیکھتے ہو اور میں باطن کو۔

فائدہ:۔ محمد بن علی ترمذی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مراقبہ ایسی ذات کے لیے کیجئے کہ جس سے لمحہ بھر تم غائب نہیں اور اس کے لیے شکر کرو جس کی نعمتیں غیر منقطع ہیں اور طاعت ایسے کی کر جس سے تو مستغنی نہیں اور خضوع اس کے لیے کر جس کے ملک اور سلطنت سے تو نہ نکلے اور حضرت سہل فرماتے ہیں کہ بندے کے دل کو فضل اور شرف اتنا اور کسی چیز سے حاصل نہیں ہوتا جتنا اس بات سے ہوتا ہے کہ یوں جانے کہ جہاں میں ہوں گا' خدا تعالیٰ میرا شاہد رہے گا اور کسی بزرگ سے پوچھا گیا کہ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ ذالک لمن خشی ربہ (البینہ 8) اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی کے کیا معنی ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ اس کے یہ معنی کہ رضا اس کی ہو گی

جس نے خدا تعالیٰ کا مراقبہ کیا اور اپنے نفس کا حساب لیا اور معلو آخرت کے لیے توشہ حاصل کیا اور حضرت ذوالنون سے پوچھا کہ بندہ کس چیز سے جنت کو پہنچتا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ پانچ باتوں سے۔ ایک استقامت جس میں کجی نہ ہو' دوسرے اجتہاد جس میں سہو نہ ہو' تیسرے ظاہر و باطن میں خدا تعالیٰ کا مراقبہ' چوتھے موت کی انتظاری اور اس کی تیاری' پانچویں نفس کا حساب لینا' پہلے اس سے کہ اس کا حساب لیا جائے۔ اسی کے متعلق اشعار ہیں:-

اذا یا خلوت الدہر یوما فلا تقل- خلوت ولکن قل علی رقیب- ولا تحسبن اللہ ینفل ساعتہ- والا النا ماتخفیہ عن یغیب- الم تران الیوم اسرع ذاہب- وان غدا للناظر قریب ترجمہ: اگر تم کسی دن تنہا ہو تو یہ نہ کہو کہ تنہا ہوں' اس لیے کہ تجھ پر اللہ ہروقت نگران ہے۔ یہ گمان نہ کر کہ وہ تجھ سے ایک لمحہ غافل ہے اور نہ یہ خیال کر وہ کہ جو کچھ سے مخفی ہے' وہ اس سے بھی غائب ہے۔ کیا نہیں دیکھتے ہو کہ آج کا دن جلد ختم ہونے والا ہے اور کل کا دن دیکھنے والے کو قریب ہے۔"

حکایت:- حمید طویل نے سلیمان بن علی سے کہا کہ مجھ کو کچھ نصیحت کرو۔ انہوں نے فرمایا کہ جب تم گناہ کرتے ہو تو دو حال سے خالی نہیں یا یہ گمان کرتے ہو کہ خدا تعالیٰ تم کو دیکھتا ہے۔ تب تو تم بڑی ہی جرات کرتے ہو اور اگر گمان ہو کہ وہ نہیں دیکھتا تو کافر ہو اور حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ مراقبہ ایسے کا اپنے اوپر لازم کرو جس سے کوئی خفیہ امر پوشیدہ نہیں اور توقع ایسی ذات سے رکھو جو عقوبت کا مالک ہے اور فرقد سنجی کہتے ہیں کہ منافق دیکھتا رہتا ہے۔ جب کسی کو نہیں دیکھا تو برائی کی راہ میں داخل ہو جاتا ہے مگر صرف لوگوں کو تاکتا رہتا ہے۔ خدا تعالیٰ کا لحاظ نہیں کرتا اور عبداللہ بن دینار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مکہ مکرمہ جانے کے واسطے نکلا۔ آخر شب میں کسی جگہ اترے۔ آپ کے پاس ایک چرواہا پہاڑ سے آیا۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ ان بکریوں میں سے ایک میرے ہاتھ بیچ ڈال۔ اس نے عرض کیا کہ میں غلام ہوں' مجھ کو اختیار فروخت نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اپنے آقا سے کہہ دینا کہ اس کو بھیڑیا کھا گیا۔ اس نے عرض کیا کہ پھر خدا کو کیا کہوں' وہ تو دیکھتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روئے اور اس کے ساتھ ہوئے اور اس کے آقا سے اس کو خرید کر آزاد کر دیا اور فرمایا کہ اس بات نے تجھ کو آزاد کرا دیا اور مجھ کو توقع ہے کہ خدا آخرت میں بھی تجھ کو آزاد کر دے۔

حقیقت مراقبہ اور اس کے درجات:- مراقبہ کی حقیقت یہ ہے کہ رقیب کا لحاظ کرنا اور اپنی توجہ اس کی طرف پھیرنا یعنی اگر کوئی شخص غیر کے باعث سے کسی بات سے احتراز کرے تو کہا کرتے ہیں کہ یہ فلانے کا لحاظ کرتا ہے اور اہل تصوف کی مراد مراقبے سے وہ حالت قلبی ہے جو ایک قسم کی معرفت سے حاصل ہوتی ہے اور اس حالت سے کچھ اعمال اعضاء میں اور کچھ دل میں پیدا ہوا کرتے ہیں۔ پس حالت تو یہ ہے کہ قلب کا رقیب کو دیکھتے رہنا اور اسی طرف مشغول اور ملتفت رہنا اور اسی کو ملاحظہ کرنا اور متوجہ ہونا اور جس معرفت سے یہ حالت پیدا ہوتی ہے۔ وہ یہ

ہے کہ خدا تعالیٰ کو عالم دل کی باتوں اور باطن کے احوال کا جاننا اور بندے کو اعمال پر اس کو رقیب سمجھنا اور سب نفسوں کے کسب پر واقف جاننا اور یہ کہ قلب کا بھید اس کے سامنے ایسا عیاں ہے جیسے پوست ظاہری انسان کا خلق پر عیاں ہے بلکہ اس سے بھی زائد۔ پس یہ معرفت جب یقینی ہو جاتی ہے یعنی شک سے خالی ہوتی ہے اور پھر دل پر غالب ہو کر اس کو دبا لیتی ہے تو قلب کو پاسداری رقیب کی طرف لے جاتی ہے اور اس کی ہمت کو رقیب کی طرف پھیر دیتی ہے اور اس میں کچھ تعجب کی بات نہیں کہ آدمی کو کسی چیز کا یقین تو ہو مگر اس پر وہ غالب نہ ہو جیسے موت کا علم کہ اس میں شک تو نہیں مگر دل پر اس کا غلبہ نہیں ہوتا۔ بہرحال جو لوگ اس معرفت کے یقین کرنے والے ہیں' وہ مقرب ہیں اور ان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو صدیق اور دوسرے اصحاب ہیں۔ اسی لیے ان کا مراقبہ بھی دو طرح کا ہے۔ اول درجہ مراقبہ صدیقین کا ہے جو تعظیم اور بڑائی کے لیے ہوتا ہے۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ دل اس جلال کے ملاحظے میں ڈوب جاتا ہے۔ پھر اس میں گنجائش دوسرے کی طرف التفات کی نہیں رہتی اور اس مراقبے کے اعمال کی تفصیل میں ہم زیادہ نظر نہیں کرتے' اس لیے کہ اس کے اعمال صرف دل ہی پر منحصر رہتے ہیں اور اعضائے ظاہری تو مباحات کی طرف بھی التفات نہیں کرتے۔ ممنوعات کا تو کیا ذکر ہے اور جب طاعات کے لیے حرکت کرتے ہیں تو ایسے ہوتے ہیں کہ گویا انہیں میں مجھے ہوئے ہیں۔ اسی لیے ان کی حفاظت کے باب میں اور درست رکھنے میں کچھ حاجت تدبیر اور توقف کی نہیں بلکہ جو شخص کہ بالکل راعی کا مالک ہے' وہ رعیت کو آپ درست کر دیتا ہے اور یہاں دل راعی ہے اور اعضاء اس کی رعیت تو جب دل مستغرق معبود میں ہو گا تو اعضا بے تکلف راستی اور درستی پر ہی چلیں گے اور ایسا وہ شخص ہوتا ہے جس کو ایک ہی فکر ہو اور اللہ تعالیٰ نے اس کو سب فکروں سے بچا دیا ہو اور جو شخص اس درجے پر پہنچ جاتا ہے' وہ کبھی خلق سے اتنا غافل ہوتا ہے کہ جو شخص اس کے پاس آوے' اس کی بھی خبر اس کو نہیں ہوتی اور باوجود آنکھیں کھلی ہونے کے اس کو نہیں دیکھتا اور اگر کچھ اس سے کہا جائے تو باوجود بہرا نہ ہونے کے نہیں سنتا اور کبھی اس کا بیٹا پاس چلا جاتا ہے تو اس سے کلام نہیں کرتا۔ چنانچہ ایسا بعض اکابر کے واسطے ہو جاتا ہے۔ ان پر جو کسی نے اسباب میں عتاب کیا تو اس سے کہا کہ جب تو میرے پاس کو نکلے تو مجھے ہلا دیا اور اس امر کو کچھ بعید نہ جانو' اس لیے کہ ایسی نظر ان دلوں میں پاؤ گے جو بادشاہان دنیا کی تعظیم کرتے ہیں یہاں تک کہ بادشاہی خلوم کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ان پر تکالیف پہنچیں تو انہیں خبر نہیں ہوتی' اس لیے کہ شاہی خدمات میں کچھ ایسے غرق ہیں کہ پتہ ہی نہیں بلکہ یہ عام آدمی پر ایسے ہی کبھی گزرتا ہے مثلاً وہ کسی کام میں مشغول ہو تو وہ اس کی فکر میں ایسے ڈوب جاتا ہے کہ مثلاً اسے اگر کہیں کو جاتا ہے تو جس جگہ جانا منظور تھا' وہاں سے آگے نکل جاتا ہے اور جس کام کے لیے اٹھتا تھا' وہ بھول جاتا ہے۔ عبدالواحد بن زید سے کسی نے پوچھا کہ آپ اس زمانے میں کسی کوئی اسے شخص جانتے ہیں جو اپنے حال میں مشغول ہو کر خلق سے بے خبر ہو۔ آپ نے فرمایا کہ میں ایسا صرف ایک شخص کو جانتا ہوں جو ابھی تمہارے پاس آوے گا۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ عتبہ غلام داخل ہوئے۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ تم کہاں سے آئے ہو؟ انہوں نے کسی جگہ کا نام لیا۔ ایسا کہ اس کا راستہ بازار میں تھا۔ آپ نے پوچھا کہ

راستے میں تم سے کون ملا تھا؟ انہوں نے کہا کہ میں نے تو کسی کو نہیں دیکھا اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کے حال میں لکھا ہے کہ آپ چلے جاتے تھے۔ ایک عورت کے جو دھکا لگا تو وہ منہ کے بل گر گئی۔ لوگوں نے کہا کہ آپ نے اس کو دھکا کیوں دیا؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے تو دیوار کے سوا اور کچھ نہیں معلوم تھا اور بعض اکابر سے منقول ہے کہ میں ایک جماعت پر گزرا کہ وہ تیر اندازی کرتے تھے اور ایک شخص ان سے فاصلہ پر بیٹھا ہوا تھا۔ میں اس کی طرف بڑھ گیا اور چاہا کہ کچھ گفتگو کروں۔ اس نے کہا کہ خدا تعالیٰ کا ذکر خوشبودار زیادہ ہے۔ میں نے پوچھا کہ آپ تنہا ہیں۔ اس نے کہا کہ میرے ساتھ میرا پروردگار اور دو فرشتے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ ان لوگوں میں سے بڑھا ہوا کون ہے۔ اس نے کہا کہ جس کو خدا تعالیٰ بخش دے۔ میں نے پوچھا کہ راستہ کہاں ہے؟ اس نے اشارہ آسمان کی طرف کیا اور اٹھ کر یہ کہتا ہوا چل دیا کہ تیری اکثر مخلوق تجھ سے غافل ہے تو یہ گفتگو ایسے شخص کی ہے جو خدائے تعالیٰ کے مشاہدے میں اتنا ڈوبا ہو کہ جو کچھ کہے' وہ بھی اسی کا ذکر ہو۔ جو سنے تو اسی کے باب میں سنے۔ ایسے شخص کو احتیاج اپنی زبان اور اعضاء کے مراقبے کی نگرانی نہیں' اس لیے کہ وہ بدون اس حالت کے جس میں وہ ہے اور کسی چیز میں حرکت ہی نہیں کرتے اور حضرت شبلی حضرت ابو الحسین نوری کے پاس گئے۔ دیکھا تو وہ ایک گوشے میں چپ چاپ دلجمعی سے بیٹھے ہیں۔ کوئی چیز ظاہر میں حرکت ہی نہیں کرتی۔ حضرت شبلی نے فرمایا کہ تم نے یہ مراقبہ اور سکون کہاں سے سیکھا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ ہمارے یہاں ایک بلی تھی۔ جب شکار کرنا چاہتی تھی بلوں کے پاس گھات لگا کر بیٹھتی اور اپنا بال تک نہیں ہلاتی تھی۔ اس سے میں نے یہ طریق سیکھا ہے اور ابو عبداللہ بن خفیف کہتے ہیں کہ میں نے ابو علی رودباری کی ملاقات کے لیے مصر سے رملہ کو جانے کا قصد کیا۔ مجھ سے عیسیٰ بن یونس مصری نے جو معروف تھے' کہا کہ موضع صور میں ایک جوان اور ایک ادھیڑ مراقبے کے حال پر ایک جا بیٹھے ہیں۔ اگر تم ان کو ایک نظر دیکھ لو تو غالباً تم کو نفع ہوگا۔ یہ سن کر میں صور میں بھوکا پیاسا داخل ہوا۔ میری کمر میں ایک کپڑا بندھا تھا اور مونڈھے برہنہ تھے۔ مسجد میں جو گیا تو دو شخصوں کو دیکھا کہ قبلہ رخ بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں نے سلام کیا' انہوں نے جواب نہ دیا۔ پھر دوبارہ تین بارہ سلام کیا مگر جواب نہ سنا۔ میں نے ان کو خدا کی قسم دی کہ سلام کا جواب دیں۔ جوان نے گدڑی سے سر اٹھایا اور میری طرف دیکھ کر کہا کہ اے خفیف کے لڑکے دنیا تھوڑی ہے اور تھوڑی میں سے تھوڑی ہی رہی ہے تو اس تھوڑی سے بہت کچھ کر لے اور تجھے کتنا تھوڑا کام ہے کہ ہماری ملاقات کی فرصت پائی۔ پھر میری طرف دیکھا تو میری بھوک پیاس جاتی رہے۔ انہوں نے مجھ کو لے لیا' پھر جوان نے اپنا سر جھکا لیا۔ میں ان دونوں کے پاس یہاں تک رہا کہ ظہر و عصر وہاں پڑھیں۔ عصر کے بعد میں نے کہا کہ مجھے نصیحت کرو۔ اس جوان نے میری طرف سر اٹھایا اور کہا کہ اے خفیف کے لڑکے' ہم آپ مصیبت والے ہیں۔ ہم کو زبان نصیحت نہیں۔ میں ان کے پاس تین دن رہا' نہ کھایا' نہ پیا' نہ سویا اور ان دونوں نے بھی خواب خورش کچھ نہ کی۔ اس کے بعد میں نے اپنے جی میں کہا کہ میں ان کو قسم دوں کہ مجھ کو کچھ نصیحت کریں، شاید مجھ کو ان کی نصیحت مفید ہو۔ پس جوان نے اپنا سر اٹھایا اور کہا کہ اے خفیف کے لڑکے ایسے شخص کی صحبت لازم رکھنا جس کے دیکھنے سے تجھ کو خدا!

تعالیٰ یاد آوے اور اس کی ہیبت تیرے دل پر پڑے۔ وہ تجھ کو زبان فعل سے نصیحت کرے۔ زبان قول سے کچھ نہ کہے۔ والسلام۔ اب آپ تشریف لے جاویں۔ پس جن لوگوں کے دل پر تعظیم اور اجلال غالب ہوتی ہے ان کے مراقبے کا حال ایسا ہوا کرتا ہے کہ ان میں گنجائش اور چیز کی باقی ہی نہیں رہتی۔ دوسرا درجہ اصحاب میں پرہیزگاروں کا ہے۔ وہ لوگ ہیں کہ ان کے دلوں پر بات یقیناً غالب ہے کہ خدا تعالیٰ ہمارے ظاہر و باطن پر مطلع ہے مگر ملاحظہ جلال نے ان کو مدہوش نہیں کیا بلکہ ان کے دل حد اعتدال پر باقی رہے ہے اور ان میں گنجائش اس بات کی بھی رہی کہ احوال اور اعمال پر التفات کریں مگر باوجود مواظبت اعمال کے مراقبہ سے جدا نہیں رہے۔ ہاں ان پر خدا تعالیٰ سے حیا کا غلبہ کیا ہے۔ اسی لیے اگر کسی کام کی جرات کرتے ہیں تو توقف اور تامل کے ساتھ اور اگر رکھتے ہیں تو تامل کے ساتھ اور جس بات سے کہ قیامت میں رسوائی ہو' اس کے گرد نہیں پھرتے۔ اس لیے کہ وہ دنیا ہی میں خدا تعالیٰ کو اپنے اوپر مطلع جانتے ہیں تو قیامت کے انتظار کی کیا حاجت ہے اور ان دونوں درجوں کے اختلاف کا حال مشاہدات سے معلوم ہو سکتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص خلوت میں کوئی کام کرتا ہو اور اس کے پاس لڑکا یا کوئی عورت آجائے اور اس کو معلوم ہو جائے کہ میرے کام کی اطلاع اس کو ہو گئی تو وہ اس سے حیا کرنے لگے گا اور اچھی طرح بیٹھ جائے گا اور ظاہر ہے کہ لڑکے اور عورت کی تعظیم کے باعث درستی نشست برخاست کی نہیں کرتا بلکہ حیا کے باعث کرتا ہے' اس لیے کہ ان کا مشاہدہ اگرچہ مدہوش و مستغرق نہیں کرتا مگر حیا البتہ جوش میں آتی ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی بادشاہ یا دوسرا بزرگ اس کے پاس آجاتا ہے تو اس کی تعظیم اتنا مستغرق کر دیتی ہے کہ تمام کاموں کو چھوڑ دیتا ہے اور یہ چھوڑنا حیا کے باعث نہیں ہوتا بلکہ تعظیم کی جہت سے ہوتا ہے۔ اسی طرح بندوں کے مرتبے خدائے تعالیٰ کے مراقبے میں مختلف ہوا کرتے ہیں اور جو شخص اس درجے میں ہوتا ہے' وہ اس بات کا محتاج ہے کہ اپنے سب حرکات اور سکنات اور خطرات و لحظات اور سب اختیارات کا نگران رہے اور ان اشیاء میں دو نظریں ہونی چاہئیں۔ ایک عمل سے پہلے اور ایک عین عمل کے اندر۔ پہلے عمل کے تو یہ دیکھنا چاہیے کہ جو مجھ کو ظاہر ہوا ہے اور جس کے واسطے میری خاطر نے حرکت کی ہے' وہ امر خاص خدا تعالیٰ کے واسطے ہے یا وہ ہوائے نفس یا اتباع شیطان میں سے ہے۔ جب تک یہ امر منکشف نہ ہو' تب تک اس فعل کی مبادرت نہ کرے بلکہ ٹھہرا رہے۔ پس جب نور الٰہی سے معلوم ہو جائے کہ یہ امر خاص خدا تعالیٰ کے لیے ہے تو اسے کرے اور یہ معلوم ہو کہ یہ امر غیر اللہ کے لیے ہے تو اس سے باز رہے اور خدا تعالیٰ سے شرم کرے۔ پھر اپنے نفس کو ملامت کرے کہ اس کی رغبت اور میلان اور ارادہ کیوں رہے اور اسے اس کے فعل کی برائی سمجھائے کہ تو اپنی رسوائی میں سعی کرتا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ اپنی عنایت سے تلافی نہ فرمائے تو تیرا کہیں ٹھکانہ نہیں اور ابتدائے امور میں یہ توقف ظاہر ہونے تک واجب و لازم ہے۔ کسی کو اس سے مفر نہیں اور حدیث میں ہے کہ بندے کے لیے ہر حرکت میں گو ذرا سی ہی کیوں نہ ہو' تین دفتر کھولے جاویں گے۔ پہلے میں یہ ہوگا کہ یہ کام کیوں کیا؟ دوسرے میں ہوگا کہ کس طرح کیا؟ تیسرے میں ہوگا کہ کس کے لیے کیا؟ اول سوال ہوگا کہ تو نے جو یہ کام کیا تو اس نظر سے کہ اپنے آقا کے لیے کرنا چاہیے یا صرف اپنی شہوات

کے میل سے اس کی رغبت کی۔ پس اگر سوال سے بچ گیا یعنی خدا تعالیٰ ہی کے واسطے اس کام کا کیا تھا تو دوسرا سوال ہو گا کہ یہ کام کس طرح کیا؟ ہر عمل میں خدا تعالیٰ کے لیے شرط اور حکم جس کی مقدار اور وقت اور صفت بدون علم کے معلوم نہیں ہوتا تو اس سے کہا جائے گا کہ تو نے یہ کام علم یقینی سے کیا یا جہل اور گمان سے۔ پھر اگر اس سوال سے بھی بچ گیا تو تیسرا سوال ہو گا کہ کس کے لیے عمل کیا یعنی بازپرس اخلاص کی ہو گی کہ خاص رضائے الٰہی کے لیے کیا اور لا الٰہ الا اللہ کو نباہا ہے۔ تب تو تیرا اجر خدائے تعالیٰ پر ہے اور اگر اپنے جی سے مخلوق کے دکھانے کو کیا ہے تو اسی سے جا کر اپنا اجر لے اور اگر اس واسطے کیا ہے کہ کچھ دنیا اس کے باعث مل جائے تو وہ ہم تجھ کو دے ہی چکے اور اگر سہو و غفلت کے ساتھ کیا ہے تو ثواب بھی جاتا رہا اور عمل بیکار اور سعی بیہودہ ہو گئی اور اگر میرے غیر کے واسطے کیا ہے تو مستحق میرے عذاب اور غصے کا ہوا۔ اس لیے کہ تو میرا بندہ تھا اور میرا ہی رزق کھاتا تھا۔ میری نعمتوں میں چین اڑاتا تھا' پھر دوسرے کے لیے عمل کے کیا معنی۔ کیا تو نے میرا قول نہیں سنا ان الذین تدعون من دون اللہ عباد امثالکم (الاعراف 194) اور ان الذین تعبدون من دون اللہ لا یملکون لکم رزقا فابتغوا عند اللہ الرزق واعبدوہ واشکروا لہ ترجمہ کنزالایمان :- بے شک وہ جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو تمہاری روزی کے کچھ مالک نہیں تو اللہ کے پاس رزق ڈھونڈو اور اس کی بندگی کرو اور اس کا احسان مانو۔ اور کیا تو نے نہیں سنا کہ میں فرماتا ہوں الا للہ الدین الخالص پس جب بندہ جانتا ہے کہ میرے پیچھے اتنے مطالبات اور جھڑکیاں لگیں گی تو وہ اپنے نفس کا محاسبہ اس بڑے محاسبے سے پہلے ہی کرنے لگتا ہے اور سوال کے جواب کی تیاری کر رکھتا ہے مگر جواب باصواب ہونا چاہیے۔

اگر کوئی کام شروع کرے یا کوئی کام دوبارہ کرے' دونوں صورتوں میں غور و فکر کے بعد کرے۔ یہاں تک کہ اگر آنکھ کی پلک یا انگلی ہلائے' وہ بھی غور و فکر کے بعد ہو۔

حدیث :- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تھا کہ انسان آنکھوں کے سرمہ اور ہاتھ کے کام یہاں تک کہ کسی کے کپڑا چھونے پر بھی پوچھا جائے گا۔

فائدہ :- حضرت حسن فرماتے ہیں کہ اسلاف کا دستور تھا کہ اگر کچھ صدقہ کرنا چاہتے تو تامل اور توقف کرتے۔ اگر معلوم ہو جاتا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے تو دیتے ورنہ نہیں۔ نیز فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اس بندے پر جو کسی کام کے ارادہ کے وقت ٹھہر جائے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے لیے ارادہ ہو تو پورا کرے' اگر اس کے سوا کسی اور کے لیے ہو تو تاخیر کرے۔

حدیث :- جب حضرت سعد کو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصیت کی کہ اپنے مقصد کے وقت اللہ تعالیٰ سے خوف کیا کرو۔

فائدہ :- محمد بن علی فرماتے ہیں کہ ایماندار توقف کرنے والا اور تامل کرنے والا ہوتا ہے یعنی قصد کے وقت توقف

کیا کرتا ہے۔ ایسا نہیں ہوتا جیسے رات کو لکڑیاں جمع کرنے والا یعنی وہ جلدی میں خاک اٹھا لیتا ہے۔

فائدہ:۔ مراقبے میں یہ پہلی نظر کا حال ہے اور اس سے بچاؤ کی صورت یہی ہے کہ انسان کو علم یقین حاصل ہو اور اسرار اعمال اور نفس کی شرارت اور شیطان کے مکر پر معرفت حقیقی موجود ہو۔ جب تک کہ اپنے دشمن ابلیس کو نہ جانے گا' نہ پہچانے گا کہ ہوائے نفس کے موافق کیا چیز ہے اور اس میں اور اس چیز میں کہ جس کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے یعنی اس کی نیت اور قصد و فکر اور حرکت و سکون میں سے کونسی شے اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور کون سی شے ہوائے نفس کے موافق' اس میں تمیز نہ کرے گا تو مراقبہ میں سلامت نہ رہے گا بلکہ اکثر لوگ ایسے امور میں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک برے ہیں' جہالت سے مرتکب ہوتے ہیں۔ پھر کہتے ہیں کہ ہم اچھے کام کرتے ہیں۔

یہ گمان نہیں کرنا چاہیے کہ جس غلط چیز کو جاہل سیکھتا ہے' اس میں اس کا عذر جہالت پر قابل قبول ہو بلکہ علم کا طلب کرنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عالم کی دو رکعتیں جاہل کی ہزار رکعات سے افضل ہوتی ہیں کیونکہ نفس کی آفات اور شیطان کے فکرات اور اس کے مغالطہ دینے کے مواقع سے واقف ہوتا ہے۔ وہ ان سب کو نیست و نابود کر سکتا ہے اور جاہل تو کچھ جانتا ہی نہیں تو پھر ان سے احتراز کیسے کرے گا بلکہ وہ ہمیشہ مشقت کا کام کرے گا جس سے شیطان خوش اور شاد ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں غفلت و جہالت سے بچائے۔

تمام بدبختی اور خسارے کی جڑ یہی چیزیں ہیں۔

فائدہ:۔ ہر بندے پر اللہ تعالیٰ کا یہی حکم ہے کہ جب کسی کام کا ارادہ کر کے سعی کرے تو نفس کا نگران رہے اور کام کرنے میں جلدی نہ کرے یہاں تک کہ نور علم سے ثابت ہو جائے کہ یہ کام اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ وہ اگر ہوائے نفس کے لیے ہو تو اسے ترک کر دے بلکہ دل کو اس کی فکر کرنے اور ارادہ کرنے سے روک دے کیونکہ برے کام میں اگر پہلے خطرے کو دفع نہ کیا جائے گا تو وہ اس کی رغبت کرے گا اور رغبت سے قصد پیدا ہو گا اور پھر وہ قصد پختہ ہو جائے گا۔ اس کے بعد فعل کا مرتکب ہو گا اور وہ فعل تباہی اور غضب الٰہی کا موجب ہو گا۔ اس لیے چاہیے کہ شر کی ہر طرح سے بیخ کنی کی جائے یعنی خطرہ اول کو دفع کرنا چاہیے' اس لیے کہ اور چیزیں تو اس کی تابع ہیں اور جب کسی پر یہ بات مشتبہ ہو جائے اور منکشف نہ ہو تو اس میں نور علم سے فکر کرنے اور اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگنے سے محروم ہو گا بلکہ شیطان کے جال میں آ جائے گا۔ اگر کوشش اور فکر سے کچھ نہ ہو سکے تو علمائے دین کے نور علم سے اقتباس کرے۔ خبردار ایسے علماء کے پاس نہ جائے جو گمراہ کرنے والے اور دنیا کی طرف متوجہ ہونے والے ہیں بلکہ ان سے ایسے بھاگے جیسے شیطان سے۔

وحی حضرت داؤد علیہ السلام:۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ میرے متعلق اس عالم دین سے سوال کرنا جسے حب دنیا نے گرفتار کر رکھا ہو۔ وہ میری محبت سے علیحدہ ہو جائے گا۔ ایسے لوگ میرے دین کے راہزن ہیں۔

فائدہ:- جو دل کہ دنیا کی محبت اور کثرت طمع و لالچ کی تاریکی میں ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے محجوب ہیں' اس لیے کہ دلوں کے نور کے لیے چشمہ بارگاہ ربوبیت ہے۔ جو اس سے پشت پھیرے گا' اسے نور کیسے نصیب ہوگا اور جو اللہ تعالیٰ کے دشمن پر متوجہ ہوگا اور جس سے اللہ تعالیٰ کو بغض و غضب ہے یعنی جو شہوات دنیا سے عشق و محبت کرے گا تو اسے وہ تجلی کیسے نصیب ہوگی' اسی لیے فقیر اور فقیر کے اکابرین بدمذاہب سے دور رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔ ا۔

ا۔ جیسے دور حاضرہ میں دیوبندی' وہابی مولوی اور دیگر ان کے ہمنوا۔ (اویسی غفرلہ)

ہم کہتے ہیں کہ

دور شوائے برادر زیار بد — یار بد بدتر بود از مار بد (اضافہ اویسی غفرلہ)

درس سلوک:- سالک پر لازم ہے کہ سب سے پہلے علم اچھی طرح سیکھے اور عالم ایسا تلاش کرے کہ جو دنیا سے روگردان یا اس کی کم رغبت رکھنے والا ہو۔

حدیث شریف:- حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ شبہات کے آنے کے وقت چشم بینا کو پسند کرتا ہے اور غلبہ شہوات کے وقت عقل کامل سے محبت کرتا ہے۔

فائدہ:- دونوں باتوں کو آپ نے جمع فرمایا کہ واقع میں یہی دونوں ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں۔ جسے عقل ایسی ہو کہ شہوات سے نہ روکے' اس کو آنکھ پرکھنے والی شبہات کی بھی نہ ہوگی۔

حدیث شریف:- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ من قارف دنیا فارقه عقل لا یعود الله ابدا

ترجمہ: "جو کوئی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو اس سے عقل ایسے جدا ہو جاتی ہے کہ پھر واپس نہیں لوٹتی۔"

فائدہ:- انسان کی عقل کتنی کمزور ہے کہ گناہ سے دور بھاگ جاتی ہے۔ افسوس کہ اس دور میں آفات اعمال کی معرفت معدوم ہو گئی۔ اس لیے کہ تمام لوگوں نے علوم مفیدہ تو چھوڑ دیئے اور وہ خصومات جو لوگوں میں شہوات کا سبب بنتے ہیں' ان کے دل حصول میں مشغول ہیں اور اس کا نام فقہ رکھ دیا ہے۔ وہ علم جو دین کا فقہ تھا' اسے علوم سے خارج کر دیا اور صرف فقہ دنیا ہی کے لیے رہ گئی جس سے صرف مشاغل کا دلوں سے دفع کرنا مد نظر تھا کہ فقہ دینی کے لیے فارغ ہو جائیں اور فقہ کی علم دین میں ہونے کی وجہ بھی یہی تھی کہ یہ علم فقہ ذریعہ فقہ دین کا تھا مگر لوگوں نے اسے برعکس کر دیا۔

حدیث شریف:- تم لوگ آج ایسے زمانے میں ہو کہ تم میں سے بہتر وہ ہے جو عمل کی طرف رغبت کرے اور ایک وقت عنقریب آئے گا کہ اس میں بہتر وہ ہوگا جو توقف کرے گا۔

فائدہ:- اسی لیے بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اہل عراق اور اہل شام نے صحابہ کرام کی جنگوں میں

توقف کیا کہ ان پر امر مشتبہ ہو گیا تھا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبداللہ بن عمر اور اسامہ اور محمد بن مسلمہ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ انہیں لوگوں میں سے تھے جنہوں نے توقف کیا تھا (یعنی غزوہ جمل و صفین اور کربلا وغیرہ)

فائدہ :- اشتباہ کے وقت جو توقف نہ کرے' وہ اپنی خواہش کا پیروکار خود رائے ہو گا۔ وہ ان لوگوں سے ہو گا جن کی شان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "جب دیکھو کہ بخل کی پیروی ہوتی ہے اور خواہشات کا اتباع ہوتا ہے اور صاحب رائے کو اپنی تجویز اچھی لگتی ہے تو خود کو لازم پکڑو۔"

فائدہ :- جو کسی شبہ میں بلا تحقیق غور و خوض کے خلاف کرتا ہے ولا تقف مالیس لک بہ علم ترجمہ کنزالایمان :- اور حدیث میں ہے کہ خود کو گمان سے بچاؤ اس لیے کہ گمان اکثر باتوں میں جھوٹ ہوتا ہے۔

فائدہ :- ظن سے اس حدیث میں ظن بلا دلیل مراد ہے۔ جیسے بعض لوگ اشتباہ کی صورت میں اپنے دل سے فتوے لے کر ظن کے تابع ہو جاتے ہیں اور چونکہ یہ امر نہایت سخت ہے۔ اسی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ اللھم ارنی الحق حقا وارزقنی اتباعہ وارنی الباطل باطلاً وارزقنی اجتنابہ ولا تجعل منشا بہا علی فاتبع الھدیٰ "اے اللہ مجھے حق دکھا کر اس کی اتباع نصیب فرما اور مجھے باطل دکھا کر اس سے بچنے کی توفیق دے اور مجھ پر مشتبہ نہ کر تاکہ خواہش کی اتباع کروں۔"

فائدہ :- حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ امور تین طرح کے ہیں۔ ایک وہ جس کا اچھا ہونا ظاہر ہو' اس کو کرنا چاہیے۔ دوسرے وہ کہ برائی اس کی عیاں ہو' اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ تیسرے وہ کہ مشتبہ ہو تو اس کے واقف کار کے سپرد کرنا چاہیے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے اللھم انی اعوذ بک ان اقول فی الدین بغیر علم "اے اللہ میں تجھ سے اس بارے میں پناہ مانگتا ہوں جو بلا علم ہیں' دین بات میں گفتگو کروں۔ (یہ تعلیم امت کے لیے ہے) اویسی غفرلہ

خلاصہ :- علم اور امر حق کا ظاہر ہونا اللہ تعالیٰ کے بڑے انعاموں میں سے ہے۔ بندوں پر ایمان بھی ایک قسم کے کشف اور علم کا نام ہے'۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر منت کے طور پر ارشاد فرماتا ہے وکان فضل اللہ علیک عظیما (النساء 113) ترجمہ کنزالایمان :- اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔ "فضل سے مراد علم ہے۔" اور فرمایا فاسئلو اہل الذکران کنتم لا تعلمون (النحل 43) ترجمہ کنزالایمان :- علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں اور فرمایا ان علینا للھدیٰ (الیل 12) اور فرمایا ثم ان علینا بیانہ (القیمہ 19) ترجمہ کنزالایمان :- پھر بے شک اس کی باریکیوں کا تم پر ظاہر فرمانا ہمارے ذمہ ہے۔ اور فرمایا وعلی اللہ قصد السبیل (النحل 9) ترجمہ کنزالایمان :- اور بیچ

کی راہ ٹھیک اللہ تک ہے۔

۱۔ اس سے فقہ مروجہ مراد نہیں بلکہ علم کلام کا ایک حصہ جس کی تفصیل جلد اول میں گزری۔ (اویسی غفرلہ)

فائدہ:۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہوائے نفس اندھاپن کی شریک ہے اور حیرت کے وقت توقف کرنا ایک توفیق الٰہی ہے اور یقین بہت عمدہ غم کا ٹالنے والا ہے اور جھوٹ کامل پشیمانی ہے اور سچائی میں سلامتی ہے اور بہت سے بیگانے اپنوں سے قریب تر ہوتے ہیں اور جس کا کوئی دوست نہ ہو' وہ غریب ہے اور صدیق وہ ہے جو اپنی نظر سے غائب کی تصدیق کرے اور بدظنی کی وجہ سے کسی دوست سے پھرنا نہ چاہیے اور کرم عمدہ علامت ہے اور حیا ہر احسان کا سبب ہے اور تمسک کے لیے سب سے زیادہ مضبوط تقویٰ ہے اور زیادہ مستحکم سبب جس کو تو اختیار کرے وہی جو تجھ میں اور اللہ تعالیٰ میں ہو اور دنیا میں سے تیرا اسی قدر حصہ ہے جس قدر تو نے اپنا آخرت کا ٹھکانہ درست کر لیا ہے۔

رزق کی اقسام:۔ رزق دو طرح ہے۔ (1) جسے تو تلاش کرتا ہے۔ (2) جو تجھے تلاش کرتا ہے۔ اگر تو اس تک نہ پہنچے تو وہ تیرے پاس آئے گا اور اگر تیرے پاس جو کچھ مصیبت آئے اور اس پر تو واویلا نہ کرے۔ جو تجھ تک پہنچی ہی تھیں اور جو چیز نہیں ہوئی' اس پر اس خبر سے قیاس کرے جو ہو گئی۔ امور ایک ہی ہوتے ہیں جو چیز کسی سے فوت نہ ہوتی' اس سے خوش ہوا کرتا ہے اور جسے کبھی نہ پا سکتا ہے' اس کے چلے جانے سے ناخوش ہوتا ہے۔ جو کچھ تجھ کو دنیا سے ملے' نہ اس پر خوش ہو اور نہ ایسی چیز پر جاتی رہے افسوس بلکہ مسرت اس بات پر کر جو تو توشہ آخرت کر لیا ہو اور افسوس ایسی چیز پر کر جو پیچھے چھوڑ دی ہو اور آخرت میں مشغول رہا کر اور موت کے بعد کی فکر کیا کر اور ہماری غرض ان جملوں کی نقل سے ایک جملہ ہے یعنی حیرت کے وقت توقف کرنا ایک توفیق کی بات ہے۔ اس صورت میں مراقبہ کرنے والے کی نظر اول قصد اور حرکت پر ہونی چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے یا اپنی ہوائے نفس کے واسطے اور حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تین باتیں ایسی ہیں کہ جس میں وہ ہو' دین اس کا ایمان کامل ہو۔

اول یہ کہ اللہ تعالیٰ کے معاملات میں ملامتیوں کی ملامت سے خوف نہ کرے۔ دوم یہ کہ اپنے کسی عمل سے ریا نہ کرے۔ سوم یہ کہ جب اس کو دو امر پیش آویں' ایک دنیا کا اور دوسرا آخرت کا' دنیا پر اختیار کرے اور جب اس کو کوئی اپنا عمل ایسا معلوم ہو کہ بیج تو ہے مگر اس میں کچھ فائدہ نہیں تو اس کو ترک کرے۔ اس لیے کہ حدیث شریف میں ہے من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ دوسری نظر مراقبے کی عمل کے شروع کے وقت ہوتی ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ کیفیت عمل کا طالب ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کا حق اس میں ادا کرے اور اس کے پورا کرنے میں نیت کو درست کرے اور اس کی صورت کامل کر کے اکمل ترین وجوہ پر حتی الامکان بجا لاوے اور یہ بات اپنے سب احوال میں لازم کرے۔ اس لیے کہ سب احوال میں کوئی نہ کوئی حرکت اور سکون سے تو خالی رہتے ہی کا

نہیں ہے۔ پس سب امور میں اللہ تعالیٰ کا مراقبہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی عبادت نیست و اور حسن فعل اور رعایت آداب کے ساتھ قادر ہو جائے گا۔ مثلاً اگر بیٹھا ہو تو چاہیے کہ قبلہ رخ بیٹھے۔

حدیث شریف:- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ "بہتر نشست وہ ہے جو قبلہ رخ ہوں اور چار زانو نہ بیٹھے' اس لیے کہ بادشاہوں کے سامنے بیٹھنے کی یہ صورت نہیں تو بادشاہ حقیقی جو بندے کے حال کو دیکھتا ہے' اس کے سامنے چار زانو بیٹھنا کیسا۔"

حکایت:- حضرت ابراہیم بن ادھم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک روز چار زانو بیٹھ گیا۔ پس ایک ہاتف کو سنا کہ بادشاہوں کے سامنے اسی طرح بیٹھا کرتا ہے۔ اس کے بعد پھر میں کبھی چار زانو نہیں بیٹھا۔

فائدہ:- اگر سوئے تو داہنے ہاتھ پر قبلہ رخ ہو کر سوئے اور تمام آداب جو ہم اپنے اپنے مواقع پر لکھ آئے ہیں' سب امور میں ہر ایک کا لحاظ رکھے۔ دراصل یہی باتیں مراقبہ ہیں بلکہ اگر پاخانہ میں بھی اس کے آداب کی رعایت کرے گا تو یہ بھی مراقبہ ہے۔

سالک کے تین حال:- طاعت' معصیت' مباح اور ان تینوں حالتوں کے لیے تین مراقبے ہیں۔ طاعات میں تو مراقبہ یہ ہے کہ اخلاص کے ساتھ ادا کرے اور کامل عبادت کرے۔ آداب کا لحاظ رکھے طاعات کو آفت سے بچائے اور معصیت کا مراقبہ تو توبہ ہے کہ ندامت کرے اور باز رہنے اور حیا کرے۔ اس کے کفارہ کا سوچے۔ مباح کا مراقبہ یہ ہے کہ ادب کی رعایت کرے۔ منعم کی نعمت کا شکر کرے۔

فائدہ:- بندہ اپنے تمام احوال میں بلا سے خالی نہیں۔ اس لیے اس پر صبر کرنا ضروری ہے اور نعمت سے بھی خالی نہیں۔ اس کا شکر کرنا چاہیے۔ یہ بھی مراقبے میں شامل ہے بلکہ بندے پر ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ایک فرض ہے' خواہ وہ فعل ہے جس کا کرنا اس کو لازم ہے یا امر ممنوع ہے جس کا چھوڑنا ضروری ہے ورنہ مستحب ہے اور اس پر اس لیے برانگیختہ کیا جاتا ہے تاکہ مغفرت الٰہی کی طرف سبقت کرکے عام بندگان خدا پر فضیلت حاصل کرے۔ امر مباح ہے کہ اس میں اس کے جسم و دل کی درستی ہے اور طاعت بجا آوری ہے۔ اس سے مدد ملتی ہے اور ان میں سے ہر ایک کے لیے حدود ہیں جن کی رعایت دوام مراقبے کے لیے ضروری ہے ورنہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرے گا وہ اپنے لیے برا کرے گا۔

بندے کو چاہیے کہ تمام اوقات میں ان تینوں قسموں میں اپنے نفس کی نگرانی کرے۔ جب فرائض سے فارغ ہو جائے اور نوافل پر قادر ہو تو چاہیے کہ افضل اعمال کی تلاش کرے تاکہ اس میں مشغول ہو' اس لیے کہ جو زیادہ نفع حاصل کرنے پر قادر ہو کر اسے ضائع کرے تو وہ نقصان اٹھائے گا اور جتنا فضیلت جس عمل میں ہوگی' نفع اسی قدر ملے گا۔ اسی لیے بندہ دنیا میں سے آخرت کے لیے لے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولا تنس نصیبک من

الدنیا (القصص 77) ترجمہ کنزالایمان :- اور دنیا میں اپنا حصہ نہ بھول۔

یہ تمام باتیں تھوڑے سے نہیں ہو سکتی ہیں۔

ساعات کی اقسام :- ساعات تین ہیں۔ (1) جو گزر گئی' اس کے مشقت کا سوال نہیں۔ وہ تو گزر گئی جیسے گزری۔ (2) آنے والی ساعت۔ اس کا حال کسی کو معلوم نہیں کہ اس وقت تک جے گا یا نہیں اور نہ یہ معلوم کہ اللہ تعالیٰ اس میں کیا حکم کرے گا؟ (3) وہ ہے جس میں بندہ موجود ہے تو چاہیے کہ اس ایک ساعت میں جس کو زمانہ حال کہتے ہیں' نفس پر مجاہدہ اور مراقبہ کا کرے' اس لیے کہ اگر اس کو دوسری ساعت نہ ملی تو اس ساعت کے جاتے رہنے کا افسوس تو نہ ہوگا۔ اگر دوسری ساعت ملی تو اس میں بھی اپنا حق پورا حاصل کرے۔ جیسے پہلی ساعت سے حاصل کیا اور اپنی زندگی کی توقع پچاس سال نہ ٹھہرا لے کہ اتنا عرصہ کیسے مراقبہ کروں گا بلکہ اپنے آپ کو اسی گھڑی کا مہمان جانے اور سمجھے کہ گویا یہ آخری سانس ہے اس میں بعید بھی نہیں کہ آخری سانس ہو اور اسے معلوم نہ ہو اور جب اس ساعت کا آخری سانس ہونا ممکن ہے تو چاہیے کہ اس میں ایسے حال پر رہے کہ اگر بالفرض موت آجائے تو موت کو اس حال میں برا نہ جانے۔

حدیث شریف :- حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن تین امور کا طامع ہوتا ہے۔ (1) توشہ آخرت۔ (2) درستی معاش (3) جائز چیز کے دیکھنے کا۔

فائدہ :- عاقل کے لیے چار ساعات ہونی چاہئیں۔ (1) وہ جس میں اپنے پروردگار سے مناجات کرے۔ (2) اس میں اپنے نفس کا حساب لے۔ (3) اس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کا فکر کرے۔ (4) اس میں کھانے پینے میں مصروف ہو۔ اسے کسی ایسے عمل سے جو افضل عمل ہو' خالی نہیں رہنا چاہیے۔ اس میں بھی ذکر اور فکر کرنا چاہیے۔ مثلاً کھاتا ہے' اس میں اتنے عجائب ہیں کہ اگر ان میں فکر کرے تو بہت سے اعضاء کے اعمال سے یہ فکر افضل ہو۔

طعام کھانے والوں کی اقسام :- یہ چار قسم ہیں۔ (1) وہ لوگ جو کھانے کو چشم عبرت سے دیکھتے ہیں کہ کیسی عجیب صنعت سے پیدا ہوا ہے۔ جانوروں کی زندگی اس سے کیسی متعلق ہو گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے لوازم کس طرح مقرر فرمائے ہیں اور بھوک کیسے پیدا کی اور بھوک کے لوازم جو اس کے مسخر ہیں۔ ان کو کیسے بنایا' چنانچہ بعض کی تفصیل ہم باب المنکر میں لکھ آئے ہیں۔ یہ فکر تو ارباب دانش کو ہوتی ہے۔ (2) وہ لوگ ہیں جو کھانے کو غصہ اور مکروہ جاننے کی نظر سے دیکھتے ہیں اور صرف اضطرار کی وجہ کا لحاظ کرتے ہیں اور یہ پسند کرتے ہیں کہ کسی طرح اس سے مستغنی ہو جائیں مگر کیا کریں کہ بھوک کی وجہ سے مغلوب اور مجبور ہیں۔ (یہ زاہد لوگ ہیں) (3) وہ لوگ ہیں جو صنعت ملانع کو دیکھ کر اس سے صفات صانع اور خالق پر ترقی کرتے ہیں۔ غذاؤں کا دیکھنا ہی آن پر دروازہ مفتوح ہوا کرتا ہے اور یہ قسم سب سے اعلیٰ ہے۔ یہ مقام عارفین کا ہے یا جنون کی علامت میں سے ہے۔ اس لیے کہ محب جب اپنے حبیب کی صفت اور کتاب اور تصنیف دیکھتا ہے تو صنعت کو بھول کر اس کا دل ملانع میں مشغول

ہو جاتا ہے اور بندہ جس چیز میں فکر کرے' اس میں اللہ تعالیٰ کی صفت موجود ہے تو اس سے مانع کی طرف نظر کرنے کی بہت گنجائش ہے بشرطیکہ ملکوت کے دروازے اس پر مفتوح ہوں اور یہ قسم بہت ملیات ہے۔ (4) وہ لوگ ہیں کہ کھانے کو نظر رغبت اور حرص سے دیکھتے ہیں کہ اگر اس میں سے کچھ نہ ملے تو اس پر افسوس کرتے ہیں اور اگر سامنے آئے تو خوش ہوتے ہیں اور جو چیز اس میں سے ان کی مرضی کے موافق نہ ہو۔ اس کو برا کہتے ہیں اور اس کے پکانے والے کی برائی کرتے ہیں۔ یہ نہیں جانتے کہ فاعل حقیقی کوئی اور ہے اور اس چیز کے پکانے والے کا اور اس باورچی کی قدرت و علم کا خالق اللہ ہی ہے۔

فائدہ:- جو خدا کی مخلوق میں سے کسی چیز کو بلا اجازت الٰہی برا کہتے ہیں' وہ اللہ تعالیٰ کو برا کہتے ہیں۔

حدیث شریف:- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دہر کو گالی نہ دو' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہی دہر ہے۔

فائدہ:- یہ اور مراقبہ ہے کہ اعمال پر ہمیشہ نگاہ رکھے اور اس کی شرح بہت طویل ہے مگر جس قدر میں نے لکھا ہے' اس قدر سے اصول پر آگاہی ہو جاتی ہے بشرطیکہ آدمی اصول کو مضبوط کرے۔

محاسبہ نفس:- اس میں دو بحثیں ہیں۔ فضیلت محاسبہ از قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یاایھا الذین امنوا اتقوا اللہ ولتنظر نفس ما قدمت (الحشر 18) ترجمہ کنزالایمان:- اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور ہر جان دیکھے کہ کل کے لیے کیا آگے بھیجا۔ اس آیت میں سابقہ اعمال پر محاسبہ کا اشارہ ہے۔

فرمان عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ:- اپنے نفسوں کا حساب لو' اس سے قبل کہ تمہارا حساب لیا جائے اور ان کو جانچو' اس سے قبل کہ تمہاری جانچ کی جاوے۔

حدیث نمبر 1:- ایک شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ مجھے وصیت فرمایئے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تو وصیت چاہتا ہے؟ اس نے عرض کی' ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ جب تو کسی امر کا ارادہ کرے تو اس کے انجام کو سوچ لے۔ اگر وہ اچھا ہو تو کرلے اور اگر برا ہو تو اس سے باز آجا۔

حدیث نمبر 2:- عاقل کے لیے چار ساعات ہونی چاہئیں۔ ساعت نفس کے لیے۔ اللہ تعالیٰ فرمایا ہے وتوبوا الی اللہ جمیعا ایہاء المومنون لعلکم تفلحون (النور 31) ترجمہ کنزالایمان:- اور اللہ کی طرف توبہ کرو مسلمانو سب کے سب اس امید پر کہ تم فلاح پاؤ۔

فائدہ:- توبہ اس کا نام ہے کہ برے عمل سے فارغ ہونے کے بعد اسے نظر ندامت سے دیکھے۔

حدیث شریف 3:- حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انی لا ستغفر اللہ تعالٰی واتوب الیہ فی الیوم

عائشہ مرہ ترجمہ: "میں دن میں اللہ تعالیٰ سے سو بار استغفار کرتا ہوں۔" اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان الذین اتقوا اذا مسھم طائف من الشیطان تذکروا فاذاھم مبصرون (الاعراف 201) ترجمہ کنزالایمان :۔ بے شک وہ جو ڈر والے ہیں جب انہیں کسی شیطانی خیال کی ٹھیس لگتی ہے ہوشیار ہو جاتے ہیں اسی وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

فائدہ:۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب رات ہوتی تو اپنی ٹانگوں پر درہ لگاتے اور اپنے نفس سے فرماتے تو نے آج کیا کیا؟

اسلاف کے اقوال:۔ میمون بن مہران فرماتے ہیں کہ بندہ متقین سے نہیں ہوتا۔ جب تک اپنے نفس سے اس طرح حساب نہ کرے جس طرح شریک کیا کرتے ہیں اور دو شریک آپس میں حساب کے بعد عمل کرتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے مرنے کے وقت ارشاد فرمایا کہ لوگوں میں سے مجھ کو عمر سے زیادہ کوئی محبوب تر نہیں۔ پھر ان سے پوچھا کہ میں نے کیا کہا؟ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کا قول کہہ دیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ نہیں بلکہ میرے نزدیک عمر سے زیادہ کوئی عزیز نہیں تو دیکھو کلام سے فارغ ہونے کے بعد کیسے آپ نے تامل کیا اور اس کی جگہ اور جملہ بدل دیا۔

حضرت ابو طلحہ کے حال میں مروی ہے کہ جب ان کو نماز میں پرند کا خیال ہوا تو سوچ کر اپنا باغ صدقہ کر دیا یعنی ندامت اس فعل کی اتنی ہوئی کہ باغ دے ڈالا۔ اس توقع پر اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اور دے دے گا۔

حضرت عبداللہ بن سلام کے حال میں ہے کہ انہوں نے لکڑیوں کا بوجھ اٹھایا۔ ان سے کسی نے عرض کیا کہ آپ کے یہاں غلام تو تھے جو اس کام کو کرتے۔ آپ نے فرمایا کہ میں اپنے نفس کا امتحان لینا چاہتا ہوں کہ وہ کام کو برا تو نہیں جانتا۔

حضرت حسن فرماتے ہیں کہ مومن اپنے نفس کا نگران ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے اس سے حساب لیا کرتا ہے۔ قیامت میں ان لوگوں پر حساب ہلکا ہوگا جنہوں نے دنیا میں اپنے نفسوں سے حساب لیا اور قیامت کو سخت حساب ان لوگوں پر ہوگا جنہوں نے نفس سے محاسبہ نہ کیا۔ پھر آپ نے محاسبہ کی تفسیر فرمائی کہ مومن پر اچانک کوئی بات آئی ہے کہ اس کو اچھی معلوم ہوتی ہے تو کہتا ہے کہ تو تو مجھے اچھی لگتی ہو اور میرے کام کی ہے مگر کیا کیجئے کہ تجھ میں اور مجھ میں آڑ کر دی گئی اور یہ حساب عمل سے پہلے ہوتا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ بعض اوقات تو مومن سے کوئی کوتاہی ہو جاتی ہے تو اپنے نفس کی طرف رجوع کرتا ہے اور کہتا ہے کہ تیرا ارادہ اس سے کیا ہے؟ بخدا اس کے لیے میرا عذر نہ مانا جائے گا اور اس کی طرف میں کبھی مڑ کر نہ دیکھوں گا۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور میں باہر نکلے۔ آپ ایک باغ میں چلے گئے اور میرے اور آپ کے درمیان ایک دیوار حائل تھی۔ میں نے سنا کہ باغ میں یوں فرماتے تھے کہ

کیا خوب عمر بن خطاب امیر المومنین ہے۔ بخدا کہ تو خدا سے خوف کرتا رہ ورنہ وہ تجھے عذاب دے گا۔

حضرت حسن نے اس آیت کی تفسیر میں ارشاد فرمایا ولا اقسم بالنفس اللوامہ (القیمہ 2) ترجمہ کنزالایمان :۔ اور اس جان کی قسم جو اپنے اوپر بہتر ملامت کرے۔ مومن ہمیشہ اپنے نفس پر عتاب کرتا رہتا ہے کہ میرا ارادہ اس کلمہ سے کیا تھا اور مقصود اس کھانے سے کیا اور اس پینے سے کیا مطلب تھا اور بدکار عمر بسر کرتا ہے۔ کبھی اپنے نفس پر عتاب نہیں کرتا۔

مالک بن دینار فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ رحم کرے اس بندے پر جو اپنے نفس سے یوں کہے کہ تو فلاں قصور والا نہیں تو فلاں خطا والا نہیں۔ پھر نفس کو لگادے اور کتاب اللہ کے تابع کردے۔

فائدہ :۔ یہ قول داخل محاسبہ نفس میں ہے۔ چنانچہ اپنے محل پر مذکور ہوگا۔ (ان شاء اللہ)

میمون بن مہران کہتے ہیں کہ پاک دامن انسان اپنے نفس کا حساب ظالم بادشاہ اور بخیل شریک سے بھی کرا لیتا ہے۔

ابراہیم تیمی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے نفس کو جنت میں ایک صورت بنا کر اس کے پھل کھانے شروع کیے اور نہروں سے پانی پیا اور وہاں کی کنواریوں کو گلے لگایا۔ پھر ایک صورت اس کی بنائی اور دوزخ میں گیا' وہاں کی غذا کھائی اور پانی پیپ وغیرہ پیا اور طوق اور زنجیریں پہنیں۔ پھر نفس سے پوچھا کہ اب تو کیا چاہتا ہے۔ اس نے کہا۔ اب میں یہ چاہتا ہوں کہ دنیا میں واپس جاؤں تاکہ نیک عمل کروں۔ میں نے کہا کہ تیری آرزو موجود ہے یعنی ابھی تو دنیا میں ہے تو نیک عمل کر۔

مالک بن دینار رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے خطبہ حجاج سنا۔ وہ کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ رحم کرے اس بندے پر جو اپنے نفس کا حساب لے۔ قبل اس کے کہ اس کا حساب دوسرے کے قبضے میں چلا جائے اور اس بندہ پر رحم کرے جو اپنے عمل کی باگ تھامے اور غور و فکر کرے کہ اس سے میری مراد کیا ہے اور اس پر رحم کرے جو اپنے پیمانہ عمل پر نظر کرے اور اس پر جو اپنی میزان پر نظر کرے۔ حجاج نے اسی طرح ایسے لوگوں کا نام لیا کہ مجھے رلا دیا۔

احنف بن قیس کا ایک مرید بیان کرتا ہے کہ میں ان کے ساتھ رہا کرتا تھا اور ان کا دستور تھا کہ رات کو نماز کی جگہ اکثر دعا مانگتے اور چراغ کے پاس جا کر اس کے شعلہ میں اپنی انگلی رکھتے۔ جب آگ کی حرارت محسوس ہوتی تو اپنے نفس سے کہتے اے احنف فلاں دن تجھے کیا ہوا تھا کہ وہ غلط کام کیا اور فلاں دن تو نے فلاں کام کس وجہ سے کیا؟

محاسبہ نفس کا طریقہ :۔ جس طرح یہ ضروری ہے کہ انسان کے لیے شروع دن میں ایک ایسا وقت ہو جس میں اپنے نفس سے شرائط کر لیا کرے اور اسے حق کی وصیت کر دیا جائے۔ اسی طرح یہ بھی چاہیے کہ آخر دن میں ایک ساعت ہو کہ اس میں نفس سے بازپرس اور محاسبہ ہو کہ اس کی حرکات و سکنات کی نگرانی رہے جیسے دنیا

میں سوداگر اپنے شریکوں سے مہینے یا دن کے اختتام پر کیا کرتے ہیں- اس خیال سے کہ مال دنیا کہیں ضائع نہ ہو جائے حالانکہ اگر مال جاتا رہے تو ان کے حق میں اس کا جانا بہتر ہے اور اگر بالفرض دنیا ملی تو صرف چند روز رہے گی- جب ایسی فانی چیز کے لیے اتنی محنت کرتے ہیں تو دانا آدمی ایسی چیزوں کا محاسبہ اپنے نفس سے کیوں نہ کرے گا جن پر شقاوت اور سعادت کا اندیشہ ہمیشہ کے لیے ہے- اس میں اگر کوئی سستی کرے تو محض غفلت اور قلت توفیق کی وجہ سے ہے اور شریک سے حساب کتاب کی یہ غرض ہوتی ہے کہ راس مال کو دیکھا جائے- پھر نفع اور نقصان دیکھا جائے تاکہ کمی بیشی کا حال معلوم ہو- اگر کچھ فائدہ ہو تو اس سے لے لیا اور اس کی کارگزاری کا ممنون ہو- اگر گھاٹا ہو تو مال واپس لے لے- اسی طرح انسان کا دین میں راس المال فرائض ہیں اور اس کا منافع نوافل و مستحبات ہیں اور گھاٹا معاصی اور تجارت کا وقت سارا دن ہے اور اس تجارت میں کارندہ نفس ملہ ہے تو اول اس سے فرائض کا حساب لینا چاہیے کہ جیسا چاہیے تھا' ویسا ان کو ادا کیا ہے یا نہ صورت اول میں اللہ تعالیٰ کا شکر کرنا چاہیے اور نفس کو رغبت دلانی چاہیے کہ اسے کیا کرے اور اگر اصل سے ادا کیا ہو تو اس سے ان کے قضاء کا مطالبہ کرے اور اگر ناقص طور پر ادا کیا ہو تو ان کے نقصان نوافل سے پورا کرنا چاہیے- اگر مرتکب معصیت ہو تو اس کی سزا اور عذاب اور عتاب میں مشغول ہو تاکہ جو قصور اس نے کیا ہو' اس کا تدارک اچھی طرح کرے- جس طرح سوداگر اپنے شریک سے کیا کرتا ہے اور جیسے دنیا کے حساب میں پائی پائی کا حساب لیا جاتا ہے اور زیادتی اور نقصان کے مدات یاد کر لیے جاتے ہیں تاکہ کسی چیز میں کارندے کا غبن نہ ہو' اسی طرح چاہیے کہ نفس کے غبن اور مکر سے بھی اہتمام کیا جائے کہ یہ بڑا مکار اور دھوکے باز ہے- پہلے اس سے تمام دن کی گفتگو کا جواب صحیح طلب کرے- پھر وہ حساب لے جو میدان قیامت میں اس سے کوئی اور لے گا- اس طرح نظر کا حساب لے اور خیالوں اور فکروں اور نشست و برخاست اور کھانے اور پینے اور سونے کا حساب لے- یہاں تک کہ سکوت کا جواب طلب کرے کہ وہ کیوں ہو اور سکون کی باز پرس کرے کیوں ساکن ہوا جب تمام باتیں جو نفس پر واجب تھیں' معلوم کرلیں اور یہ بھی جان لیا کہ ان واجبات میں سے نفس نے اس قدر ادا کیا تو جس قدر باقی رہے' ان کو اپنے صفحہ دل پر لکھ لے- جیسے کارندے کے ذمہ جو بقایا رقم نکلتی ہے' وہ اس کے حساب میں لکھ لی جاتی ہے اور دل پر بھی منقوش ہوتی ہے- پھر جب نفس قرض دار ٹھہرا' اس سے قرضوں کا وصول کرنا ممکن ہے' بعض تاوان سے اور کچھ اصل سے- پھر دینے سے اور کچھ اس کو سزا دینے سے وصول ہو سکتے ہیں مگر وصولی کے حساب کا صحیح ہونا اور جس قدر اس کے ذمے واجب الادا نکلے' اس کا جدا ہونا ضروری ہے- جب حساب ہو چکے اور باقی حساب ٹھیک ٹھیک نکل آئے' اس وقت اس سے مطالبہ اور تقاضا کرنا چاہیے- پھر مناسب ہے کہ اس سے محاسبہ تمام عمر کے دن اور گھڑی گھڑی کا تمام اعضائے ظاہری اور باطنی میں لیا جائے-

حکایت:- صوبہ بن حمہ کے متعلق ہے کہ وہ موضع رقہ میں تھے اور اپنے نفس کا حساب کیا کرتے تھے- ایک دن انہوں نے اپنی عمر کا حساب کیا تو ساٹھ سال نکلی- اس کے دن گنے تو اکیس ہزار پانچ سو دن ہوئے- چیخ ماری کہ ہائے

افسوس بادشاہ حقیقی سے اکیس ہزار پانچ سو دنوں کے گناہ سے ملوں گا جو کہ ہر روز دس ہزار گناہ ہوں گے تو کیا کروں گا؟ پھر غشی کھا کر گر گئے اور اسی وقت وفات پائی۔ لوگوں نے سنا کہ کوئی کہنے والا کہتا ہے کہ اب فردوس بریں کو چلا جا۔

فائدہ:۔ ہر سالک اسی طرح اپنی سانسوں کا حساب نفس سے کرے اور جو نافرمانی قلب اور اعضاء سے سرزد ہوئی ہو' اس کا حساب کرے اور اگر بندہ ہر گناہ پر اپنے گھر میں ایک کنکر ڈال دیا کرے تو اس کا گھر تھوڑے دنوں میں بھر جائے۔ گویا اتنی خطائیں کرتا ہے مگر گناہوں کی یادداشت میں تساہل کرتا ہے حالانکہ دونوں فرشتے اس کے گناہ لکھے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے احصاہ اللہ ونسوہ (المجادلہ 6) (ترجمہ کنزالایمان:۔ اللہ نے انہیں گن رکھا ہے اور وہ بھول گئے۔

بعد خطاء نفس کی تادیب:۔ جب سالک اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور ارتکاب گناہ اور قصور سے سالم نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کے حقوق میں اس کی سستی ثابت ہو تو چاہیے کہ اسے مہلت نہ دے' اس لیے کہ مہلت دے گا تو گناہوں کا کرنا اس پر آسان ہو گا اور معاصی سے اس کو ایسا انس ہو گا کہ پھر باز آنا دشوار ہو گا اور یہی امر اس کی تباہی کا موجب ہو جائے گا بلکہ یوں چاہیے کہ ایسی صورت میں اس کو سزا دے مثلاً اگر اقتضائے شہوت سے کوئی لقمہ مشکوک کھالے تو اسے بھوک کی سزا دے اور اگر غیر محرم کو دیکھا ہو تو آنکھ کی سزا یہ کرے کہ کچھ نہ دیکھنے دے۔ اسی طرح ہر ہر عضو کی سزا یہی دے کہ جس چیز کی طرف اس کی رغبت ہو' اس سے اس کو روک دے۔ سالکین اسلاف کا دستور یونہی تھا۔

حکایت:۔ منصور بن ابراہیم ایک عابد کے حال میں ہے کہ اس نے ایک عورت سے باتیں کیں۔ رفتہ رفتہ اپنا ہاتھ اس کی ران پر رکھ دیا۔ پھر نادم ہو کر وہی ہاتھ آگ پر رکھ دیا کہ جل کر کباب ہو گیا۔

بنی اسرائیل میں ایک راہب تھا۔ وہ اپنے عبادت خانے میں عبادت کرتا۔ اسی طرح مدت تک رہا۔ ایک دن باہر کی طرف جھانکا تو ایک عورت کو دیکھ کر اس پر عاشق ہو گیا۔ فاسد ارادہ دل میں لایا اور اپنا پاؤں باہر نکالا تاکہ عبادت خانہ سے نکل کر اس کے پاس جائے۔ رحمت ایزدی اس کی معین ہوئی۔ اپنے دل میں کہنے لگا کہ میں کیا حرکت کر رہا ہوں۔ اس کے بعد اس کا نفس ساکن ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو بچا دیا۔ پھر اپنے کیے پر نادم ہوا۔ جب چاہا کہ پاؤں عبادت خانہ میں ہٹائے تو کہا کہ یہ کہاں ہو سکتا ہے کہ جو پاؤں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے لیے باہر نکلا تھا' وہ میرے ساتھ عبادت خانے میں آئے' بخدا یہ کبھی نہ ہو گا۔ یہ کہہ کر اس پاؤں کو باہر ہی لٹکا رہنے دیا۔ بارش اور برف اور ہوا اور دھوپ سے وہ پاؤں کٹ کر گر پڑا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی توبہ قبول کی اور اس کا ذکر اپنی بعض کتب آسمانی میں فرمایا۔

حکایت:۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ابن قرشی کہتے ہیں کہ ایک رات مجھے حاجت غسل

ہوئی اور سردی کی رات تھی۔ میں نے دیکھا کہ میرا نفس نہانے سے سستی کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اتنا ٹھہر جاؤں کہ صبح ہو جائے اور پانی گرم کر لوں یا حمام میں نہاؤں۔ نفس پر مشقت نہ ڈالوں۔ میں نے کہا کیا خوب میں نے تمام عمر اللہ تعالیٰ کا کام کیا تو اس کا میرے اوپر حق واجب ہے۔ کیا وہ جلدی کرنے میں نہ ملے گا' توقف اور تاخیر میں مل جائے گا۔ قسم ہے کہ میں اسی گدڑی سمیت نہاؤں گا۔ اسے بدن سے نہیں اتاروں گا' نہ اسے نچوڑوں گا' نہ دھوپ میں سوکھاؤں گا۔

روایت ہے کہ غزوان اور حضرت ابو موسیٰ ایک ساتھ کسی جہاد میں تھے۔ ایک عورت سامنے ہوئی' غزوان نے اس کی طرف دیکھا۔ پھر اپنا ہاتھ آنکھ پر اس زور سے مارا کہ ورم ہو گئی اور کہا کہ تو اسے دیکھتی ہے جو تیرے لیے مضر ہے۔

کسی نے ایک عورت کی طرف ایک نظر ڈالی۔ اس کے کفارے میں اپنے نفس پر التزام کر لیا کہ ٹھنڈا پانی عمر بھر نہ پیوں گا۔ پھر ہمیشہ گرم پانی پیا کرتے تاکہ نفس پر عیش تلخ رہے۔

حسان بن سنان ایک دریچے سے گزرے۔ پوچھا کہ یہ کب بنا ہے؟ پھر اپنے نفس کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ سوال کیوں کرتا ہے؟ تیری سزا یہ ہے کہ سال بھر روزہ رکھوں گا' پھر سال بھر کے روزے رکھے۔

حکایت:۔ مالک بن ضیغم کہتے ہیں کہ رباح قیسی میرے والد کو ملنے کے لیے بعد عصر آئے۔ ہم نے کہا وہ سو رہے ہیں۔ انہوں نے فرمایا یہ وقت سونے کا ہے۔ پھر چلے گئے' ہم نے ان کے پیچھے ایک آدمی بھیجا اور کہلا بھیجا کہ اگر آپ کہیں تو ان کو جگا دیں۔ وہ آدمی پھر آیا اور کہا کہ وہ اور شغل میں تھے۔ میری بات سمجھنے کی ان کو فرصت نہ تھی کیونکہ میں نے دیکھا کہ وہ قبرستان میں گئے اور اپنے نفس پر عتاب کیا اور کہا تو نے یہ کہا کہ یہ سونے کا وقت ہے۔ کیا تیرے ذمہ یہ کہنا واجب تھا۔ جس وقت آدمی چاہے سو رہے تو کون ہے اور تو کیا جانے کہ یہ سونے کا وقت نہیں۔ تو نے ایسی بات کیوں کہی جو تو نہیں جانتا۔ خبردار میں اللہ تعالیٰ سے پکا عہد کرتا ہوں' اسے کبھی نہیں توڑوں گا کہ تجھے سونے کے لیے ایک سال تک زمین پر کمر نہ لگانے دوں گا بشرطیکہ کوئی مرض حائل نہ ہو اور عقل میں فتور نہ آئے۔ اے بے حیاء تجھے شرم نہیں آتی' کب تک اوروں کو جھڑکے گا۔ اپنی گمراہی سے باز نہ آئے گا۔ یہ کہتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے اور ان کو خبر نہ تھی کہ میں بھی وہاں ہوں۔ جب میں نے ان کا حال دیکھا تو ان کو اسی کیفیت سے چھوڑ کر واپس آگیا۔

حکایت:۔ تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک رات سو گئے اور تہجد کے لیے نہ اٹھے۔ اس خطا کے بدلے نفس کو سزا یہ دی کہ سال تک شب بیداری کی۔

حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص ایک دن چلا اور اپنے کپڑے اتار کر دھوپ کے دنوں میں کنکروں پر خوب لوٹا اور اپنے نفس سے کہتا تھا کہ اے رات کے مردار اور دن کے بیکار' لے مزا چکھ آتش جہنم

میں بھی زیادہ حرارت ہے۔ اسی دوران اس کی نظر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑی جو ایک درخت کے سائے تلے تشریف فرما تھے۔ آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرا نفس مجھ پر غالب ہو گیا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو علاج تو نے کیا' اس کے سوا کیا اور کوئی تدبیر نہ تھی۔ آگاہ ہو کہ تیرے لیے آسمان کے دروازے کھولے گئے اور اللہ تعالیٰ نے تیرے سبب سے فرشتوں پر فخر کیا۔ پھر آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا کہ اپنے اس بھائی سے کچھ توشہ لے لو۔ پس لوگوں نے ہر طرف سے اس کو کہنا شروع کیا کہ حضرت ہمارے لیے بھی دعا کرنا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان سب کے لیے دعا کرو۔ اس نے کہا کہ الٰہی تقویٰ ان کا ٹھکانا بنا۔

حکایت:۔ حذیفہ بن قتادہ فرماتے ہیں کہ کسی سالک نے دوسرے سے پوچھا کہ شہوات نفس میں تم اپنے نفس سے کیا معاملہ کرتے ہو؟ اس نے کہا کہ روئے زمین پر ایسا کوئی نفس نہیں جس کے ساتھ مجھے اتنا بغض ہو جتنا اپنے نفس سے ہے۔ پھر میں اس کی خواہش پوری کیوں کروں۔

حکایت:۔ ابن اسماک حضرت داؤد طائی کی خدمت میں اس وقت گئے کہ آپ کی روح پرواز کر گئی تھی اور آپ گھر کے اندر زمین پر پڑے تھے۔ انہوں نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ اے داؤد تو نے اپنے نفس کو قیدی رکھا۔ اس سے قبل کہ اسے محبوس کیا جائے اور اسے عذاب دیئے جانے سے پہلے آپ نے عذاب دیا۔ پس یہ کام جس کے لیے تو کیا کرتا تھا' آج دیکھے گا کہ وہ کیا ثواب دے گا۔

حکایت:۔ وہب منبہ نے فرمایا کہ ایک شخص نے مدت تک عبادت کی تھی۔ پھر اسے کوئی حاجت پیش آئی۔ اس کے لیے ستر ہفتے تک اس طرح کی ریاضت کی کہ ایک ہفتے میں گیارہ کھجور کھاتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت کی درخواست کی۔ اللہ تعالیٰ نے قبول نہ فرمائی۔ انہوں نے اپنے نفس کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ تو نے جیسا کیا' ویسا پایا۔ اگر تجھ میں کوئی خیر ہوتی تو حاجت پوری ہو جاتی۔

حکایت:۔ عبداللہ بن قیس فرماتے ہیں کہ ہم جہاد میں تھے جب ایک ڈاکو آموجود ہوا تو لوگوں میں شور پڑا۔ سب لڑائی کے لیے تیار ہو گئے۔ اس دن ہوا بہت تیز تھی۔ میں نے دیکھا کہ ایک شخص میرے آگے کھڑا ہوا اپنے نفس سے مخاطب ہو کر کہہ رہا تھا کہ اے نفس میں فلاں جہاد میں شریک ہوا تو تو نے کہا کہ اپنے زن و فرزند کی طرف چل۔ میں نے تیرا کہنا مان لیا اور لوٹ گیا' پھر فلاں فلاں جہاد میں شریک ہوا اور تو نے وہی کہا جو پہلے کہا تھا اور میں نے تیرا قول مانا مگر آج بخدا تجھے خدا کے سامنے کیے دیتا ہوں' تجھے پکڑے یا چھوڑے۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے دل میں کہا کہ مجھے بھی آج اس شخص کو دیکھنا ہے اور اسے دیکھتا رہا۔ لوگوں نے ڈاکو پر حملہ کیا تو وہ شخص پہلے حملہ کرنے والوں میں تھا۔ پھر جب ڈاکو نے چڑھائی کی تو لوگوں کے قدم اٹھ گئے مگر وہ شخص اپنی جگہ سے نہ ہلا' یہاں تک کہ کئی بار ایسا ہی ہوا کہ لوگ ہٹ گئے اور وہ لڑتا رہا۔ اسی طرح کہ وہ شہید ہوا۔ میں نے اس پر اور اس کے گھوڑے

پر ساٹھ ستر نیزے کے زخم شمار کیے۔

فائدہ:- ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حال پہلے ہم لکھ آئے ہیں کہ باغ میں کسی جانور کی آواز سے نماز میں خیال بٹا تو اس باغ کو کفارہ میں صدقہ کر دیا اور یہ بھی پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات کو اپنے پاؤں میں کوڑہ مارا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ آج تو نے کیا کیا؟

حکایت:- مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دفعہ سر چھت کی طرف اٹھایا تو ایک عورت پر نگاہ پڑی۔ آپ نے اپنے نفس پر لازم کر لیا کہ جب تک دنیا میں رہوں گا' اپنا سر اوپر کی طرف نہ اٹھاؤں گا۔

حکایت:- احنف بن قیس رات بھر چراغ جلاتے اور آپ کا دستور تھا کہ اپنی انگلی جلتے چراغ پر رکھ دیتے تھے اور کہتے تھے کہ اے نفس کیا ہوا تھا کہ فلاں روز تو نے فلاں قصور کیا تھا۔

حکایت:- روہب بن الورد کو کوئی بات نفس کی بری معلوم ہوتی تو آپ اپنی چھاتی کے چند بال اکھاڑتے یہاں تک کہ اس کی تکلیف زیادہ ہوئی۔ پھر اپنے نفس سے کہتے کہ میں تو تیرا بھلا چاہتا ہوں۔

حکایت:- محمد بن بشر نے داؤد طائی کو دیکھا کہ افطار کے بعد سادہ روٹی کھاتے۔ ان سے عرض کیا گیا کہ آپ نمک سے کھا لیجئے۔ انہوں نے فرمایا کہ میرا نفس اس دن سے نمک کا طالب ہے مگر داؤد جب تک دنیا میں ہے نمک نہیں چکھے گا۔

فائدہ:- سلوک والے اپنے نفسوں کو یوں سزا دیتے ہیں۔

پند سودمند:- عجیب تر بات ہے کہ انسان اپنے غلام' لونڈی اور زن و فرزند کو ارتکاب معصیت پر یا کسی کام میں قصور کرنے پر تو سزا دیتا ہے اور ڈرتا ہے کہ اگر درگزر کر جاؤں تو کہیں یہ میرے ہاتھ سے نہ نکل جائیں اور سرکش نہ ہو جائیں۔ پھر اپنے نفس کو کیسے بے لگام چھوڑ دیتا ہے۔ حالانکہ وہ سب سے بڑا دشمن اور زیادہ سرکش ہے۔ زن و فرزند کی سرکشی کو اس کی سرکشی سے کوئی نسبت نہیں۔ نسبت ان کا مال تو یہی ہے کہ صرف دنیا کی معیشت پر پریشان کر دیں گے لیکن اگر عقل ہو تو سمجھ جائے کہ دنیا کی عیش کچھ نہیں۔ دراصل عیش آخرت ہی میں ہے کہ اس میں وہ راحت دائمی ہے کہ جس کی کبھی انتہاء نہیں اور نفس اس عیش جاودانی کو مکدر کرتا ہے تو معلوم ہوا کہ اس کی سزا اولیٰ زیادہ ہونی چاہیے۔

مجاہدہ نفس:- اس کی صورت یہ ہے کہ جب نفس سے حساب لیا اور اس کو مرتکب کسی گناہ کا دیکھا تو چاہیے کہ اس کی سزا ان سزاؤں سے کرے جو پہلے گزریں اور دیکھے کہ سستی کی وجہ سے کسی مستحب میں یا وظیفہ میں سستی کرتا ہے تو چاہیے کہ اس کی تادیب اس طرح کرے کہ وظائف کا بوجھ اس پر ڈالے اور تدارک مافات کے لیے چند

قسم کے وظائف اس پر لازم کرے۔ یہی اسلاف کا دستور تھا کہ ہر کام اللہ تعالیٰ کے لیے ہی کرتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب عصر کی نماز جماعت نہ ملی تو نفس پر یہ سزا کی کہ ایک زمین جس کی قیمت دو لاکھ درھم تھے' صدقہ کر دی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دستور تھا کہ جب آپ سے جماعت فوت ہو جاتی تو اس رات میں بیدار رہتے۔ ایک دفعہ نماز مغرب میں اتنی دیر ہوئی کہ دو ستارے نکل آئے۔ آپ نے دو غلام آزاد کر دیئے۔

ابن ابی ربیعہ کی فجر کی دو سنتیں قضا ہو گئیں تو آپ نے ایک غلام کو آزاد کر دیا۔

بعض اکابر اپنے نفس پر سال بھر کے روزے یا پیادہ حج کرنا یا تمام مال کو صدقہ کر دینا مقرر کر لیتے تھے اور یہ امور صرف نفس کی ہدایت کے لیے کرتے تھے اور وہ کام اختیار کرتے کہ جس میں اس کی نجات ہو۔

سوال :- ہمارا نفس مجاہدہ وظائف دائمی پر اطاعت نہ کرے تو پھر اس کا کیا علاج؟

جواب :- اس کا علاج یوں کرے کہ فضیلت مجتہدین نفس کو سنائے اور سب سے زیادہ نافع علاج یہ ہے کہ کسی ایسے نیک بندے کی صحبت کا متلاشی ہو جو عبادت میں خوب جدوجہد کرتا ہو تاکہ اس کا حال دیکھنے سے اس کی اقتدا کرے۔ بعض اکابر کہا کرتے تھے کہ جب عبادت میں مجھے سستی پیش آتی ہے تو میں محمد بن واسع کے احوال اور ان کا مجاہدہ دیکھا کرتا۔ ایک ہفتہ تک ایسے ہی کرتا' اس سے میری سستی جاتی رہتی مگر یہ علاج مشکل ہے' اس لیے کہ اس زمانہ میں ایسا شخص جو عبادت میں جدوجہد کرے' مفقود ہے۔ اسلاف اجتہاد اب کہاں۔ اس سے یہی بہتر ہے کہ شاہد سے عدول کر کے سننے کی طرف رجوع کرے کہ ان کے احوال سننے سے زیادہ کوئی مفید بات نہیں اور ان کے حالات کا مطالعہ کرے کہ کتنی کوشش کرتے تھے۔ ان کی مشقت تو ہو چکی مگر ثواب اور راحت ہمیشہ تک باقی رہے گی۔

غور فرمایئے کہ ایسے لوگوں کی سلطنت کتنی بڑی ہے اور افسوس اس پر ہے جو ان کی اقتدا نہ کرے اور چند روز ان شہوات سے متمتع ہو جو عیش کو مکدر کرتی ہیں۔ پھر اس پر موت آجائے کہ اس میں اور اس کی خواہشوں میں جدائی ڈال دے۔

فائدہ :- ہم اسلاف کے اوصاف دیکھتے ہیں جن سے مرید کی رغبت خیش میں آئے کہ ان کی اقتدا کر کے اعمال میں خوب جدوجہد کیجئے۔

حدیث :- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ رحم اللہ اقواما یا یحسبم الناس مرضی وما ہم عرضی "اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر رحم فرمائے کہ لوگ انہیں بیمار سمجھتے ہیں حالانکہ وہ بیمار نہیں۔"

فائدہ :- حضرت حسن فرماتے ہیں کہ مریضوں سے اس حدیث میں وہ لوگ مراد ہیں جن کو عبادت نے مریض کر

رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے والذین یوتون ما اتو قلوبھم وجلة (المومنون 60) ترجمہ کنزالایمان :- اور وہ جو دیتے ہیں جو کچھ دے دیں اور ان کے دل ڈر رہے ہیں۔

فائدہ:- حضرت حسن فرماتے ہیں کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو اعمال صالحہ جس قدر ان سے ہو سکے' کرتے ہیں اور پھر ڈرتے ہیں کہ ان کی وجہ سے عذاب الٰہی سے نجات نہ ہوگی۔

حدیث:- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ طوبے عن طال عمرہ و وحسن عملہ ترجمہ : اسے مبارک ہو جس کی عمر لمبی نیکی میں گزرے۔

حدیث:- روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے کہ میرے بندے جو کوشش کرتے ہیں' ان کو کیا ہوا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ الٰہی تو نے ان کو ایک چیز سے ڈرایا ہے' وہ اس سے ڈرتے ہیں اور ایک چیز کا شوق دلایا ہے' وہ اس کی طرف مشتاق ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر میرے بندے دیکھ پائیں تو فرشتے عرض کرتے ہیں کہ پھر اور زیادہ کوشش کریں گے۔

فائدہ:- حضرت حسن فرماتے ہیں کہ میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا اور ان میں سے ایسی جماعتوں کے ساتھ رہا کہ وہ دنیا کی کسی چیز سے خوش نہ ہوتے اور نہ کسی چیز کے جانے کا غم کرتے۔ ان کے نزدیک اس مٹی سے بھی ذلیل تھی جس کو تم اپنے پاؤں سے ملتے ہو۔ بعض ان میں سے ایسے تھے کہ عمر بھر کبھی ان کے کپڑا نہ ہوا او رنہ کبھی اپنی بی بی سے کسی کھانے کی فرمائش کی اور نہ کبھی زمین پر سونے کے لیے کوئی چیز بچھائی اور ان کو میں نے کتاب اللہ اور حدیث پر عامل پایا۔ جب رات ہوتی' ہاتھ پاؤں پر کھڑے ہو گئے۔ چہروں کو زمین پر رکھتے اور رخساروں پر آنسو بہاتے کہ آخرت میں رہائی پائیں۔ جب کوئی اچھی بات کرتے تو اس سے خوش ہوتے اور اس کے شکر میں جدوجہد کرتے اور اللہ تعالیٰ سے اس کے قبول فرمانے کی دعا مانگتے اور جب کوئی برائی کرتے تو اس سے غمگین ہوتے اور اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے کہ ہماری اس خطا کو معاف فرما۔ یقین جانو کہ وہ ہمیشہ اسی طرح اسی حال پر رہے۔ بخدا کہ گناہوں سے نہ بچے اور نہ مغفرت کے بغیر نجات پائی۔

حکایت:- بعض لوگ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی طرف بیماری کی عیادت کے لیے گئے۔ آپ نے دیکھا کہ ان میں ایک نوجوان نہایت دبلا ہے۔ آپ نے پوچھا کہ تیری ایسی صورت کیوں؟ اس نے عرض کیا کہ یا امیر المومنین بیماریوں نے نڈھال کر رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ سچ بتا۔ اس نے عرض کیا کہ سچ تو یہ ہے کہ میں نے دنیا کی حلاوت چکھی تو تلخ پایا اور اس کی آرائش اور حلاوت میری نظر میں حقیر ہو گئی۔ مجھے سونا اور پتھر یکساں نظر آتا ہے۔ اب یہ حال ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ کے عرش کے پاس ہوں اور لوگ جنت اور دوزخ میں جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے تمام دن پیاسا رہتا ہوں اور رات بھر جاگتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے ثواب و عذاب کے سامنے میرا یہ حال کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتا۔

نہایت کمتر اور حقیر چیز ہے۔

حکایت :- ابو نعیم کہتے ہیں کہ داؤد طائی روٹی کے ٹکڑوں کو پانی میں بھگو کر پی جاتے تھے اور روٹی نہیں کھاتے تھے۔ ان سے پوچھا گیا تو فرمایا کہ روٹی چبانے میں دیر لگ جاتی ہے۔ پچاس آیتوں کے پڑھنے کا وقت روٹی کھانے میں ضائع ہو جاتا ہے۔

حکایت :- ایک شخص داؤد طائی کے ہاں حاضر ہوا اور کہا کہ آپ کے گھر کی چھت میں ایک کڑی ٹوٹی ہوئی ہے تو آپ نے فرمایا کہ بے شک پرانی ہو گئی ہے۔ میں نے بیس برس سے چھت کی طرف نہیں دیکھا۔

فائدہ :- اکابرین کا دستور تھا کہ فضول نظر کو بھی برا جانتے تھے۔ جیسے کہ فضول کلام کو برا سمجھتے تھے۔

حکایت :- محمد بن عبدالعزیز کہتے ہیں کہ احمد بن رزین کے پاس ہم صبح سے عصر تک بیٹھے مگر انہوں نے کوئی توجہ کی' نہ باتیں۔ ان سے پوچھا گیا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دو آنکھیں اس لیے پیدا کی ہیں کہ ان سے عظمت الٰہی کو دیکھے۔ جو شخص عبرت کے بغیر نظر ڈالے' اس پر گناہ لکھا جاتا ہے۔

حکایت :- مسروق کی بیوی کہتی ہے کہ ان کو جب کسی نے دیکھا تو یہی پایا کہ کثرت نماز کی وجہ سے ان کی دونوں پنڈلیاں درد کیے رہتی ہیں اور میں آپ کے پیچھے بیٹھ کر آپ کے حال پر ترس کھا کر رویا کرتی تھی۔

حکایت :- حضرت ابو دردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر تین باتیں نہ ہوتیں تو میں ایک دن کی زندگی بھی اچھی نہ جانتا۔ (1) دوپہر میں خدا کے لیے پیاسا رہنا۔ (2) آدھی رات میں سجدہ کرنا۔ (3) ان لوگوں کے پاس بیٹھنا کہ اچھی باتوں کو ایسا صاف کرتے ہیں جیسے گری میں اچھی۔

حکایت :- اسود بن یزید عبادت میں جدوجہد کرتے اور گرمی میں روزہ رکھتے۔ یہاں تک کہ ان کا جسم سبز اور زرد ہو جاتا تھا علقمہ بن قیس ان سے کہتے کہ تم اپنے نفس کو کیوں عذاب دیتے ہو؟ فرماتے کہ میں تو اس کی تکریم چاہتا ہوں اور آپ کا دستور تھا کہ اتنے روزے رکھتے کہ بدن سبز پڑ جاتا اور اتنی نماز پڑھتے کہ گر پڑتے۔ ان کے پاس انس بن مالک اور حسن تشریف لے گئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان امور کا حکم نہیں کیا یعنی اتنا جدوجہد فرض نہیں' پھر کیوں کرتے ہو؟ آپ نے فرمایا کہ میں تو غلام مملوک ہوں۔ مسکینی اور عاجزی کی کسی چیز کو کیے بغیر نہیں چھوڑتا۔ دن میں ہزار رکعت نماز روزمرہ پڑھتے یہاں تک کہ دونوں پاؤں سے معذور ہو گئے تو بیٹھے ہی بیٹھے ہزار رکعت پڑھتے اور جب نماز عصر سے فارغ ہوتے تو پالتی لگا کر بیٹھتے اور کہتے کہ بڑا تعجب ہے کہ مخلوق نے تیرے بدلے میں دوسری چیز کا ارادہ کیسے کیا اور تیرے سوا اور چیز سے کس طرح مانوس ہو گئے بلکہ مجھے یہ تعجب ہے کہ جب مخلوق نے تیرے سوا اور چیز کا ذکر کیا تو ان کے دل کس طرح روشن ہوئے اور ثابت بنانی ہے۔

حکایت :- حضرت ثابت بنانی رحمتہ اللہ تعالیٰ کو نماز بہت محبوب تھی۔ اسی لیے دعا مانگا کرتے تھے کہ الٰہی اگر تو کسی

کو قبر میں نماز کی اجازت دے تو مجھے اجازت دینا کہ میں اپنی قبر میں نماز پڑھوں۔

حکایت :- حضرت جنید فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سری سقطی سے زیادہ عابد کسی کو نہیں دیکھا کہ اٹھانوے برس کی عمر میں مرض موت کے سوا کبھی کسی نے لیٹے ہوئے ان کو نہ دیکھا۔

حکایت :- حارث بن سعد کہتے ہیں کہ بعض لوگ ایک راہب کے پاس گئے اور جو مشقت کہ وہ اپنے نفس پر کرتا تھا' دیکھی اور اس سے پوچھا گیا تو اس نے جواب دیا کہ جو کچھ مصائب اور تکالیف مخلوق پر منظور ہیں۔ ان کے سامنے اس مشقت کی کیا اصل ہے مگر لوگ غافل ہیں۔ اپنے نفسوں کی لذات پر گرے ہوئے ہیں اور جو حظ ان کو خدا کے ہاں سے ملے گا' اس سے بے خبر ہیں۔ یہ سن کر تمام لوگ رو پڑے۔

حکایت :- ابو محمد حضازی کہتے ہیں کہ ابو محمد جریری سال بھر مکہ مکرمہ میں مجاور رہے' نہ سوئے' نہ کلام کیا' نہ ستون یا دیوار سے تکیہ لگایا' نہ ٹانگیں پھیلائیں۔ ایک دن ان کے پاس ابوبکر کتانی گئے اور سلام کے بعد کہا کہ آپ کعبہ کے اعتکاف پر کس چیز سے قادر ہوئے؟ آپ نے فرمایا کہ جس علم نے میرے باطن کو پختہ کر رکھا ہے' اسی نے میرے ظاہر کی مدد کی ہے۔ کتانی اپنا سر نیچے کر کے سوچتے ہوئے چل دیئے۔

حکایت :- ایک سالک حضرت فتح موصلی رحمتہ اللہ کے پاس گئے۔ دیکھا کہ زردی آمیز ہیں۔ ان سے کہا کہ اے فتح تم کو خدا کی قسم کیا خون روتے ہو؟ انہوں ان سے فرمایا کہ اگر تو مجھے قسم نہ دیتا تو میں ہرگز نہ بتاتا' ہاں میں خون روتا ہوں۔ میں نے پوچھا کہ آپ آنسو کیوں بہاتے ہیں؟ فرمایا کہ اس جہت وجہ سے کہ جو حق اللہ تعالیٰ کا مجھ پر واجب تھا' اس میں میں نے قصور کیا اور خون اس لیے رویا کہ آنسو کہیں بے موقع نہ نکلے ہوں۔ پھر میں نے ان کو مرنے کے بعد خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے کیا معاملہ کیا؟ فرمایا کہ بخش دیا۔ میں نے پوچھا کہ آپ کے آنسوؤں کے متعلق میں کیا کیا؟ فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے پاس بلا کر پوچھا کہ اے فتح آنسو کس لیے بہاتا تھا؟ میں نے عرض کیا کہ تیرے حق واجب میں قصور کرنے کی وجہ سے۔ پھر پوچھا کہ خون کس لیے روتا تھا؟ میں نے عرض کیا کہ کہیں آنسو بے موقع اور مقبول نہ ہوئے ہوں۔ پھر ارشاد فرمایا کہ اے فتح اس سے تیری مراد کیا تھی؟ مجھے قسم ہے اپنی عزت و جلال کی کہ تیرے دونوں نگہبان چالیس سال تیرے نامہ اعمال لایا کرتے' اس میں کوئی خطا نہیں تھی۔

حکایت :- منقول ہے کہ بعض لوگ راہ بھول گئے۔ ایک راہب کے پاس پہنچے جو لوگوں سے علیحدہ بیٹھا تھا۔ اسے پکارا تو اس نے عبادت خانے میں سے سر نکال کر ان کی طرف دیکھا۔ انہوں نے کہا کہ ہم راستہ بھول گئے' راستہ بتائیے۔ اس نے سر سے اشارہ آسمان کی طرف کیا۔ وہ اس کا مطلب سمجھ گئے کہ معرفت کا راستہ بتاتا ہے۔ پھر اس سے کہا کہ ہم جو پوچھیں تو جواب دے گا۔ اس نے کہا کہ پوچھو لیکن زیادہ نہ پوچھو کہ یہ دن پھر نہیں آئے گا' نہ عمر

بڑھے گی اور طالب یعنی موت جلدی کر رہی ہے۔ لوگوں کو اس کی گفتگو سے تعجب ہوا اور کہا کہ قیامت میں لوگوں کا حشر اللہ تعالیٰ کے نزدیک کس طرح ہوگا؟ اس نے کہا کہ اپنی نیتوں پر۔ ہم نے کہا' ہم کو کچھ وصیت کیجئے۔ اس نے کہا کہ سفر کی حیثیت توشہ تیار کرو۔ اس لیے بہتر توشہ وہی ہے جو مقصود تک پہنچاوے۔ پھر راستہ بتا کر سر اندر کر لیا۔

حکایت :- ابوالواحد بن زید کہتے ہیں کہ میرا چین، کے ایک راہب سے گزر ہوا۔ میں نے اسے راہب کہہ کر پکارا۔ اس نے جواب نہ دیا۔ دوبارہ پھر میں نے کہا کہ راہب وہ نہ بولا۔ سہ بار پھر کہا' اس نے میری طرف سر نکال کر کہا بھائی جان میں راہب نہیں' راہب وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور اس کی تعظیم کرے اور اس کی مصیبت پر صبر کرے اور اس کی قضا پر راضی رہے اور اس کی نعمتوں کا شکر کرے اور اس کی عظمت کے سامنے تواضع کرے اور اس کی عزت کے بالمقابل ذلیل رہے اور اپنے نفس کو قدرت کے حوالے کرے اور اس کی ہیبت سے خضوع کرے اور اس کے حساب اور عذاب میں فکر کرے۔ دن کو روزہ رکھے اور رات کو قیام کرے۔ دوزخ کی یاد اور اللہ تعالیٰ سے سوال نہ کرے۔ سونے نہ دے اور میرا حال یہ ہے کہ میں باؤلا کتا ہوں۔ میں نے خود کو اس عبادت خانے میں بند کر لیا ہے تاکہ لوگوں کو نہ کاٹوں۔ میں نے پوچھا کہ کس چیز نے لوگوں کو خدا تعالیٰ سے جدا کر رکھا ہے۔ اس سے کیوں منحرف ہیں؟ اس نے کہا کہ مخلوق کو خدا تعالیٰ سے جدا کرنے والی تو صرف دنیا کی محبت اور اس کی زینت ہے۔ دنیا ہی گناہوں اور معاصی کی جگہ ہے۔ ہوشیار وہ ہے جو دنیا کو اپنے دل سے باہر پھینک مارے اور خدا تعالیٰ کے سامنے اپنے گناہوں سے توبہ کرے اور انہیں باتوں پر متوجہ ہو جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کریں۔

حکایت :- کسی نے حضرت داؤد طائی سے کہا کہ آپ داڑھی کا کنگھا کیجئے۔ فرمایا کہ بیکار میں کنگھا کرنے کا کیا فائدہ؟

حکایت :- حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دستور تھا کہ فرماتے کہ یہ رات رکوع کی ہے۔ اس رات کو ایک ہی رکوع میں صبح کر دیتے۔ جب دوسری رات آتی تو فرماتے کہ یہ سجدے کی رات ہے' اس کو سجدے ہی میں بسر کرتے۔

حکایت :- منقول ہے کہ جب عتبہ غلام تائب ہوئے تو کھانے اور پینے کی طرف راغب نہ ہوتے۔ ان کی والدہ شفقہ ان سے کہتیں کہ بیٹا اپنے نفس پر نرمی کرو' وہ جواب دیتے کہ میں آرام ہی کا طالب ہوں۔ تھوڑی سی مشقت مجھے کر لینے دو' پھر مدتوں تک آرام ہی کروں گا۔

حکایت :- حضرت مسروق نے حج کیا تو جب سوتے تو سجدہ کی حالت میں سوتے۔

حکایت :- حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ رات کے چلنے کی طرف تعریف لوگ صبح کو کیا کرتے ہیں اور تقویٰ کو بعد موت کے اچھا جانیں گے۔

حکایت :- عبداللہ بن داؤد کہتے ہیں کہ بزرگان دین میں سے جب کوئی چالیس سال کا ہوتا تو اپنا بستر اٹھا لیتا یعنی تمام رات سونا بالکل ترک کر دیتا۔

حکایت :- کہمس بن الحسن روزانہ ہزار رکعت پڑھتے' پھر اپنے نفس سے کہتے کہ اے تمام برائیوں کی جڑ اٹھ کھڑا ہو۔ جب آپ ضعیف ہوئے تو پانچ سو رکعت پر اکتفا کی اور رویا کرتے کہ افسوس میرا عمل آدھا رہ گیا۔

حکایت :- ربیع بن خثیم کی صاحبزادی ان سے کہا کرتی کہ ابا جان کیا بات ہے کہ تمام لوگ سوتے ہیں اور آپ نہیں سوتے۔ آپ فرماتے کہ بیٹی مجھے آگ کا ڈر ہے اور جب ان کی ماں نے ان کا حال رونے اور جاگنے کا دیکھا تو کہا کہ بیٹا تو نے شاید کسی کو مار ڈالا ہے جو روتا رہتا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ ہاں' ان کی ماں نے کہا' وہ کون تھا کہ ہم اس کے رشتہ داروں کو ڈھونڈیں کہ وہ خون معاف کر دیں۔ اس لیے کہ تیرا حال اگر وہ دیکھیں گے تو ضرور ترس کھا کر معاف کر دیں گے۔ آپ کہتے کہ وہ تو میرا نفس ہے۔

حکایت :- بشر بن الحارث کے بھانجے عمرو کہتے ہیں کہ میرے ماموں بشر بن الحارث میری ماں سے کہتے ہیں کہ بہن میری پسلیاں اور کمر کمزور ہیں۔ میری ماں نے کہا کہ بھائی اگر تم کہو تو تمہارے لیے ایک مٹھی بھر دیرہ بنا دوں' اسے پیو گے تو کچھ تو طاقت آجائے گی۔ ماموں نے جواب دیا کہ مجھے خوف ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ مجھ سے نہ پوچھے کہ تیرے پاس آٹا کہاں سے آیا تو پھر میں کیا جواب دوں گا؟ میری ماں رونے لگی اور وہ خود بھی روئے۔ ان کے ساتھ میں بھی رویا۔ عمرو کہتے ہیں کہ میری ماں نے جب ان کا حال دیکھا کہ شدت بھوک سے سانس کمزور ہو گئی تو ان سے کہا کہ بھائی کیا اچھا ہوتا کہ تمہاری ماں سے میں پیدا نہ ہوتی' اس لیے کہ تمہارا حال دیکھ کر میرا جگر ٹکڑے ہوا جاتا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ بہن میں بھی یہی کہتا ہوں جو تو کہتی ہے۔ عمرو کہتے ہیں کہ میری ماں ان کے لیے شب و روز رویا کرتیں۔

حکایت :- ربیع کہتے ہیں کہ میں حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں آیا تو ان کو نماز فجر پڑھ کر بیٹھا پایا۔ میں بھی بیٹھ گیا اور دل میں کہا کہ ان کے وظیفے میں حرج نہ ڈالوں' اسی لیے میں بیٹھ گیا لیکن آپ اپنی جگہ سے نہ ہلے یہاں تک کہ ظہر پڑھی اور ظہر کے وقت سے عصر تک برابر نماز پڑھتے رہے۔ بعد عصر پھر اپنی جگہ پر بیٹھ گئے اور مغرب تک بیٹھے رہے۔ نماز مغرب کے بعد پھر بیٹھک میں بیٹھے رہے یہاں تک کہ عشاء پڑھی۔ پھر وہیں بیٹھ گئے یہاں تک کہ صبح پڑھی۔ پھر سو گئے۔ پھر فرمایا کہ الٰہی میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں' ایسی آنکھوں سے جو سو جائیں اور ایسے شکم سے جو سیر نہ ہو۔ میں نے دل میں کہا کہ مجھے ان سے اسی قدر کافی ہے' اسی لیے واپس آ گیا۔

حکایت :- کسی نے حضرت اویس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ کیا سبب ہے کہ آپ بیمار سے معلوم ہوتے ہیں۔ فرمایا کہ میں بیمار نہیں ہوں تو کیا ہوں کہ بیماروں کو کھانا ملتا ہے اور اویس نہیں کھاتا' بیمار سوتے ہیں اور اویس

نہیں سوتا۔

حکایت :۔ احمد بن حرب کہتے ہیں کو جو یہ جانتا ہے کہ جنت اوپر سے آراستہ ہے اور دوزخ نیچے سے گرم ہے تو تعجب ہے کہ وہ ان دونوں کے بیچ میں کیسے سوتا ہے۔

حکایت :۔ ایک عابد کہتے ہیں کہ میں حضرت ابراہیم رحمتہ اللہ علیہ بن ادھم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دیکھا تو نماز عشا سے آپ فارغ ہو چکے ہیں۔ میں آپ کو دیکھنے کے لیے بیٹھ گیا۔ آپ اپنے آپ کو ایک کمبل میں لپیٹ کر لیٹ رہے اور ساری رات کروٹ بھی نہ لی یہاں تک کہ صبح ہوئی اور موذن نے اذان کہی۔ آپ اٹھ کر نماز میں شریک ہوئے اور وضو نہ کیا۔ یہ بات میرے دل میں کھٹکی۔ میں نے آپ سے کہا کہ آپ تمام رات سوتے رہے' پھر وضو نہ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں تو رات بھر کبھی جنت کے باغات میں دوڑتا رہا اور کبھی دوزخ کے جنگلوں میں' اس صورت میں نیند کہاں؟

حکایت :۔ حضرت ثابت بنانی کہتے ہیں کہ میں ایسے لوگوں سے ملا ہوں کہ نماز پڑھتے پڑھتے اتنا تھک جاتے تھے کہ اپنے بستر پر گھٹنوں کے بل چلے بغیر نہیں آ سکتے تھے۔

حکایت :۔ ابوبکر بن عباس نے چالیس سال زمین پر اپنی کمر نہیں لگائی تھی اور ان کی ایک آنکھ میں پانی اتر آیا۔ بیس برس تک ان کے گھر والوں کو خبر نہ ہوئی کہ ایک آنکھ سے آپ کو کچھ نظر نہیں آتا۔

فائدہ :۔ سمنون کا وظیفہ روزانہ پانچ سو رکعت تھیں۔

حکایت :۔ ابوبکر مطوعی کہتے ہیں کہ جوانی میں رات دن میں اکتیس ہزار بار قل ھواللہ پڑھا کرتا تھا یا چالیس ہزار بار راوی کو شک ہے کہ کونسا عدد فرمایا۔

حکایت :۔ منصور بن معتمر ایسے حال سے رہتے کہ اگر کوئی دیکھے تو کہے کہ اس شخص پر کوئی مصیبت پڑی ہے۔ حال تھا کہ آنکھیں نیچے' آواز پست ہروقت چشم تر اگر ذرا ہلاؤ تو آٹھ آٹھ آنسو گریں۔ ان کی ماں ان سے کہتیں کہ تو اپنے نفس پر کیا کرتا ہے۔ تمام رات رویا کرتا ہے' چپ نہیں ہوتا شاید تو نے کوئی قتل کیا ہے یا کیا وجہ ہے؟ وہ جواب دیتے کہ اے ماں میں جانتا ہوں جو کچھ میں نے کیا ہے۔

حکایت :۔ کسی نے عامر بن عبداللہ سے پوچھا کہ تم شب بیداری اور دوپہر کی پیاس پر کیسے بسر کرتے ہو؟ انہوں نے فرمایا کہ وہ صرف اس طرح ہے کہ دن کے کھانے کو رات پر ٹال دیتا ہوں اور رات کے سونے کو دن کے حوالہ کر دیا اور یہ کوئی بڑی بات نہیں اور یہ فرمایا کرتے کہ میں نے جنت جیسی کوئی چیز نہیں دیکھی' جس کا طالب سو گیا ہو اور نہ دوزخ جیسا کہ جس سے خوف کرنے والا سوتا ہو۔ جب رات آتی تو کہتے کہ آگ کی حرارت نے خواب کو کھو دیا۔

پھر صبح تک نہ سوتے۔ جب دن ہوتا تو کہتے کہ حرارت آتش نے نیند دور کر دی اور شام تک نہ سوتے اور جب پھر رات ہوتی تو کہتے کہ جو ڈرتا ہے' وہ شام ہی سے چل دیتا ہے اور صبح کے وقت لوگوں کو رات کا چلنا اچھا معلوم ہوتا ہے۔

حکایت :- بعض اکابرین نے فرمایا کہ میں عامر بن قیس کے ساتھ چار مہینے رہا۔ میں نے ان کو کبھی نہ دیکھا کہ رات یا دن کو سوئے ہوں۔

حکایت :- حضرت علی کرم اللہ وجہ کا ایک رفیق معتقد کہتا ہے کہ میں نے آپ کے پیچھے نماز صبح پڑھی۔ آپ سلام پھر کر داہنی طرف کو منہ کرکے بیٹھے۔ آپ پر کچھ اثر غم تھا' آفتاب کے نکلنے تک آپ ویسے بیٹھے رہے۔ پھر فرمایا' میں نے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔ آج ان جیسا کوئی امر نہیں پایا جاتا' وہ صبح کو پیلے زرد رنگ' الجھے بال اٹھتے رات کو سجدہ و نماز میں گزار دیتے۔ کتاب اللہ پڑھتے اور جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تو الٹے ہلتے جیسے درخت ہوا سے ہلتا ہے اور ان کی آنکھوں سے آنسو اتنے جاری ہوتے کہ ان کے کپڑے تر ہو جاتے لیکن تمہارا یہ حال ہے کہ رات کو خوب غافل ہو کر سوتے ہو۔

حکایت :- ابو مسلم خولانی نے کوڑا گھر کی نمازگاہ میں لٹکا رکھا تھا۔ اس سے اپنے نفس کو ڈراتے اور کہا کرتے کہ اٹھ کھڑا ہو ورنہ یقین جان کہ تجھے ماروں گا۔ پھر جب ان کو سستی ہوتی تو کوڑا لے کر اپنی پنڈلیوں میں مارتے اور کہتے کہ میری سواری تو تو ہے اور کہا کرتے کہ اصحاب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ گمان کرتے ہوں کہ دین ہم ہی نے اختیار کیا ہے۔ دوسرے لوگوں کو ہمارے ساتھ حصہ نصیب نہیں' بخدا کہ اس میں ہم بھی ان کی شرکت کریں گے تاکہ وہ جانیں کہ ہمارے بعد کچھ لوگ ہیں۔

حکایت :- صفوان بن سلیم کی دونوں پنڈلیاں کثرت قیام سے خشک ہو گئی تھیں اور جدوجہد میں اس وجہ کو پہنچ گئے تھے کہ اگر بالفرض ان سے کہا جاتا کہ قیامت کل ہوگی تو ان کے معمولات میں فرق نہ آتا۔ ان کا دستور تھا کہ سردی کے دنوں چھت پر سوتے اور گرمیوں میں کمرے کے اندر تاکہ سردی اور گرمی کی تکلیف سے نیند نہ آئے۔ ان کی موت حالت سجدہ میں ہوئی۔ آپ دعا مانگا کرتے کہ الٰہی میں تیری ملاقات چاہتا ہوں تو میرے ملنے کو پسند فرما۔

حکایت :- حضرت قاسم بن محمد کہتے ہیں کہ میں ایک دن صبح کو اٹھا اور میرا معمول تھا کہ صبح اٹھ کر پہلے اپنی پھوپھی حضرت عائشہ کی خدمت میں سلام کرتا تھا۔ ایک روز حاضر ہوا تو آپ نماز پڑھ رہی تھیں اور یہ آیت فمن اللہ علینا ووقانا عذاب السموم (الطور 27) ترجمہ کنزالایمان :- تو نے ہم پر احسان کیا اور ہمیں لو کے عذاب سے بچالیا۔ پڑھ پڑھ کر رو رہی تھیں۔ میں کھڑے کھڑے تھک گیا اور ان کا وہی حال رہا۔ جب میں نے دیکھا کہ ان کو ابھی دیر ہے' بازار چلا گیا کہ اپنے کام سے فراغت پاؤں تو پھر آؤں گا۔ میں کام سے فراغت کے بعد آیا تو پھر بھی ان

کو اسی حال میں پایا کہ روتی جاتی تھیں اور دعا مانگتی تھیں اور اس آیت کو مکرر پڑھتی تھیں۔

حکایت :۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ ہمارے پاس عبدالرحمن بن اسود آئے۔ آپ صبح کے ارادہ سے جا رہے تھے تو ہم نے دیکھا ان کے ایک پاؤں میں کچھ مرض ہو گیا تو آپ دوسرے پاؤں پر کھڑے ہو کر عشا کے وضو سے صبح کی نماز پڑھا کرتے۔

حکایت :۔ بعض اکابرین کا قول ہے کہ مجھے موت سے کوئی خوف نہیں' صرف اتنا ڈر ہے کہ میری تہجد چھوٹ جائے گی۔

فائدہ :۔ حضرت علی بن ابی طالب فرماتے ہیں کہ نیک بختوں کی علامات یہ ہیں کہ شب بیداری کی وجہ سے زرد رنگ اور رونے سے آنکھیں اندھی اور روزے کے سبب سے لب خشک اور ان پر خشوع والوں کی طرح غبار ہو۔

حکایت :۔ حضرت حسن سے کسی نے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ تہجد گزار لوگوں کے چہرے حسین ہوتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تنہائی میں ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے نور سے چہرہ نورانی بنا دیتا ہے۔

حکایت :۔ عامر بن عبدالقیس فرمایا کرتے کہ الٰہی تو نے مجھے پیدا کیا تو مجھے خبر نہ تھی اور مارے گا تو بھی مجھے خبر نہیں ہو گی اور میرے ساتھ ایک دشمن ایسا پیدا کر دیا کہ میرے خون میں پھرتا ہے اور وہ مجھے دیکھتا ہے لیکن میں نہیں دیکھتا۔ پھر مجھے ارشاد فرمایا تو گناہ سے دور رہ۔ الٰہی میں گناہ سے کیسے رک سکتا ہوں' اگر تو مجھے نہ روکے۔ الٰہی دنیا میں رنج و غم ہیں اور آخرت میں حساب و عذاب تو راحت کہاں۔

حکایت :۔ جعفر بن محمد کہتے ہیں کہ عتبہ غلام رات کو تین چیخوں میں بسر کرتے۔ جب نماز عشا سے فارغ ہوتے' اپنا سر دونوں زانو کے درمیان رکھ کر فکر کرتے۔ جب تہائی حصہ شب گزرتا' ایک چیخ مارتے۔ پھر گھٹنوں میں سر دے کر فکر کرنے لگے۔ جب ایک تہائی رات گزر جاتی تو پھر ایسا ہی کرتے۔ یہاں تک کہ تیسری چیخ صبح کو مارا کرتے۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے ان کا حال ایک بصرہ کے مقیم سے کہا۔ اس نے کہا کہ تم ان کی چیخوں کا خیال نہ کرو بلکہ یہ سوچو کہ دو چیخوں کے درمیان ان پر کیا کیفیت گزرتی ہو گی کہ وہ چیخ مارتے تھے۔

حکایت :۔ قاسم بن راشد شیبانی کہتے ہیں کہ محصب (مقام) میں ربیعہ ہے۔ اپنی زوجہ اور دختروں سمیت ٹھہرے ہوئے تھے۔ ان کا دستور تھا کہ رات سے اٹھ کر نماز پڑھا کرتے۔ جب سحر ہوتی تو زور سے پکارتے کہ اے آرام کرنے والو کیا اس تم تمام رات سوؤ گے اور اٹھ کر نہیں چلو گے۔ یہ سن کر تمام اٹھ بیٹھتے۔ کوئی روتا تھا' کوئی دعا مانگتا' کوئی تلاوت کرتا' کوئی وضو کرتا۔ جب فجر ہوتی تو زور سے کہتے کہ صبح کے وقت لوگ رات کے چلنے کو اچھا جانا کرتے ہیں۔

فائدہ:- بعض حکماء کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض بندے ایسے ہیں کہ اس کے انعام کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو پہچان گئے ہیں اور اس نے ان کا سینہ کھول دیا تو اس کی اطاعت کی اور اس پر توکل کیا اور خلق اور امر کو اسی کے حوالہ کیا۔ اسی لیے ان کے دل مضائے یقین کی کانیں اور حکمت کے گھر اور عظمت کے صندوق اور قدرت کے خزانے ہو گئے ہیں۔ ان کا حال یہ ہے کہ آمد و رفت تو لوگوں میں رکھتے ہیں اور ان کے دل ملکوت میں جولانیاں کرتے ہیں اور محجوب غیب میں پناہ لیتے ہیں۔ پھر وہاں سے لوٹتے ہیں تو ان کے ساتھ تازہ تازہ لطائف اور فواد ہوتے ہیں کہ جن کا وصف کوئی نہیں بیان کر سکتا۔ وہ لوگ باطن کی خوبی میں تو ریشم ہیں اور ظاہر میں مستعمل رومال کی طرح ہیں۔ ہر ایک سے تواضع سے پیش آتے ہیں اور یہ طریقہ ایسا ہے کہ ہر ایک کو نہیں مل سکتا بلکہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے۔

حکایت:- بعض صلحاء سے منقول ہے کہ میں بیت المقدس کے پہاڑوں میں پھرتا تھا۔ اتفاقاً ایک جنگل میں گیا۔ وہاں ایک زوردار آواز سنی اور پہاڑی اس کا جواب دیتے تھے۔ اس سے بڑی گونج اٹھتی تھی۔ میں اس آواز کی طرف گیا تو ایک باغ میں پہنچا جو درختوں سے چھپا ہوا تھا۔ اس میں ایک شخص کو دیکھا کہ کھڑا ہوا اس آیت کو بار بار پڑھ رہا ہے یوم تجد کل نفس ما عملت من خیر محضرا وما عملت من سوء تودوا لو ان بینہا وبینہ امدا بعیدا ویحذرکم اللہ نفسہ (آل عمران 30) ترجمہ کنزالایمان :- جس دن ہر جان جو بھلا کام کیا حاضر پائے گی اور جو برا کام کیا امید کرے گی کاش مجھ میں اور اس میں دور کا فاصلہ ہوتا اور اللہ تمہیں اپنے عذاب سے ڈراتا ہے۔ میں بیٹھ کر سننے لگا۔ وہ یہی پڑھتا رہا' یکایک ایک چیخ مار کر بے ہوش ہو گیا۔ میں نے کہا کہ افسوس یہ میری نحوست سے ایسا ہو گیا۔ پھر میں اس کے افاقے کا منتظر رہا۔ ایک گھنٹے کے بعد اسے ہوش آیا۔ میں نے سنا کہ کہتا ہے الٰہی میں تجھ سے کذابوں کے مقام سے پناہ مانگتا ہوں اور مجھے جھوٹے مدعیوں جیسے اعمال سے دور رکھنا۔ تیری ہی عظمت کے لیے عارفوں کے دل تیری دلیل ہوئے ہیں' پھر اپنے دونوں ہاتھ جھاڑ کر کہا کہ مجھے دنیا سے کیا سروکار' اس کو مجھ سے کیا تعلق۔ اے دنیا جو تجھ جیسا ہو' اس کے پاس جا اور جو تجھے پسند کرے' انہیں کو جا کر اپنی آسائشیں اور ہزاروں طرح کے آرام حاصل کر۔ پھر کہا کہ اسلاف کہاں گئے۔ زمانہ گزشتہ کے حضرات کدھر ہیں۔ وہ مٹی میں ہیں اور چند روز کے بعد ہم بھی فنا ہو جائیں گے۔ میں نے اسے پکارا کہ اے بندہ خدا میں آج سارا دن تیرے پیچھے تیری فراغت کا منتظر ہوں۔ اس نے کہا کہ بھلا اس شخص کو فراغت کہاں جو زمانہ سے زیادتی چاہتا ہو اور ڈرتا ہے کہ کہیں موت اس کے نفس پر سبقت نہ کر جائے یا وہ شخص کیسے فارغ ہو جس کے دن تو گزر گئے ہوں اور اس کے گناہ اس کے پیچھے رہ گئے ہوں۔ پھر اس نے میری طرف سے توجہ ہٹالی اور اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہو کہنے لگا کہ ان گناہوں کے لیے تو ہی ہے اور ہر شدت کہ جس کے آنے کی مجھے توقع ہے' اس کا تو کفیل ہے۔ پھر یہ آیت پڑھی وبدا لھم من اللہ مالم یکونوا یحتسبون (الزمر 47) ترجمہ کنزالایمان :- اور انہیں اللہ کی طرف سے وہ بات ظاہر جو ان کے خیال میں نہ تھی۔

پھر چیخ ماری کہ پہلی چیخ کی بہ نسبت بہت زیادہ تھی اور بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ میں نے کہا کہ اس کا دم نکل گیا۔ میں اس کے قریب گیا' دیکھا تو تڑپ رہا ہے۔ پھر افاقہ پایا اور کہنے لگا کہ میں کون ہوں اور میرا خطرہ کیا ہے تو اپنے فضل سے میری برائی معاف کر اور اپنے پردہ رحمت میں مجھے چھپا اور اپنے کرم سے میرے گناہوں سے درگزر فرما۔ جس وقت کہ میں تیرے سامنے کھڑا ہوں۔ میں نے اس سے کہا کہ قسم ہے تجھے اس ذات کی جس کی توقع اور اعتماد رکھتا ہے' کچھ بتا۔ اس نے کہا' اس سے بات کرو جس کے کلام سے تجھے کچھ فائدہ ہو اور اس کے کلام کو جانے دو جس کو گناہوں نے تباہ کر دیا ہو۔ میں اس جگہ میں نہ معلوم کس بات سے ابلیس کے ساتھ لڑتا ہوں اور وہ مجھ سے لڑتا ہے۔ آج تک میرا کوئی مددگار نہ ملا کہ مجھے اس مصیبت سے نکالتا' صرف تو آیا ہے لیکن تو مجھ سے دور ہو جا' اس لیے کہ تو نے میری زبان کو بیکار کر دیا۔ الٹا اپنی بات کی طرف میرے دل کو مائل کر لیا۔ میں تیرے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔ پھر توقع رکھتا ہوں کہ وہ اپنے غصہ سے مجھے پناہ دے اور اپنی رحمت سے فضل کرے۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ شخص خدا تعالیٰ کا ولی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں میں اس کو باتوں میں مشغول کروں تو مجھ پر عذاب آجائے۔ اس خیال سے میں اسے چھوڑ کر واپس آیا۔

حکایت :- ایک نیک بخت روایت کرتے ہیں کہ میں سفر پر چلتے چلتے ایک درخت کی طرف گیا کہ اس کے نیچے ذرا آرام کروں۔ دیکھا تو ایک بوڑھا مجھے کہتا ہے کہ اٹھ کھڑا ہو' موت مری نہیں۔ پھر یہ کہہ کر چل دیا۔ میں اس کے پیچھے ہوا۔ وہ کہتا ہے کل نفس ذائقۃ الموت (آل عمران 185) ترجمہ کنزالایمان :- ہر جان کو موت چکھنی ہے۔ الٰہی میرے لیے موت میں برکت کر۔ میں نے کہا کہ بعد موت کے بھی۔ اس نے کہا جو شخص بعد موت کے حالات کا یقین کرے' وہ احتیاط اور خوف کے مارے چلنے کے لیے دامن اٹھائے رہے گا۔ دنیا میں اس کے رہنے کی جگہ نہ ہوگی۔ پھر کہا کہ اے وہ ذات جس کے لیے تمام چہرے ذلیل ہیں' اپنا دیدار دکھا کر میرے چہرے کو نورانی کر اور میرے دل کو اپنی محبت سے بھر دے اور قیامت میں اپنے سامنے کی اجر و توبیخ کی فضیحت سے محفوظ رکھ۔ اب تجھ سے مجھے شرم آنے کا وقت آپہنچا اور تجھ سے اعراض سے اب میں باز آیا۔ اگر تیرا حلم نہ ہوتا تو مجھے میری موت بھی نہ آتی اور اگر تیرا غفور نہ ہوتا تو میری توقع تیرے پاس کی چیزوں تک نہ پھیلتی۔ پھر وہ بوڑھا مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔

حکایت :- کرزہ بن برہ کا دستور تھا کہ ایک دن میں تین بار ختم قرآن مجید کیا کرتا اور عبادت میں نفس پر ریاضت بہت کرتے۔ لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ اپنے نفس پر ریاضت کرتے ہیں' کہا کہ دنیا کی عمر کتنی ہے؟ کہا کہ سات ہزار سال۔ انہوں نے پوچھا کہ قیامت کے دن کی کیا مقدار ہے؟ کہا کہ پچاس ہزار سال۔ آپ نے فرمایا کہ سات دن کا کام کرنے سے اگر تم اس قیامت کے دن سے بے خوف ہو جاؤ تو کیا اس سے تم عاجز ہو؟

فائدہ :- اس سے ان کا مقصد یہ ہے کہ اگر بالفرض انسان دنیا کے برابر سات ہزار سال جیئے اور نفس پر اس لیے ریاضت کرے کہ اس ایک دن سے کہ جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے نجات پائے تو بھی اس کو بہت بڑا فائدہ

ہے۔

سالک کو چاہیے کہ ایسی صورت میں بھی جہاد نفس کی رغبت ہوتی اور جب عمر تھوڑی ہے اور آخرت کی کچھ انتہاء نہیں تو ظاہر ہے کہ زندگی بھر کے مجاہدہ کی آخرت کے سامنے کیا وقعت ہے۔

خلاصہ :۔ سیرت صلحائے امت کی نفس کے مراقبے اور مجاہدے میں یونہی ہوتی ہے۔ اگر نفس سرکشی کرے اور عبادت پر مواظبت کرنے سے باز نہ آئے تو ان حضرت کا حال پڑھو کیونکہ ایسے حضرات کا وجود اب نایاب ہے۔ اگر ایسے حضرات کا دیکھنا نصیب ہو اور دیکھ کر اقتدا کرو تو کیا کہنا۔ اگر دیکھنے سے عاجز ہو تو ان کے احوال سننے سے غفلت نہ کرو اور اپنے لیے دو باتوں میں سے ایک پسند کرو۔ (ا) جو لوگ عاقل اور حکماء اور دین میں اہل بصیرت ہیں' ان کی اقتداء کر کے ان کے زمرے میں داخل ہو جاؤ۔ (2) اپنے زمانے کے غافلوں' جاہلوں کی اقتدا کرو مگر بیوقوفوں کی جماعت میں رہنے اور ان احمقوں کی مشابہت پر ہرگز راضی نہ ہونا۔ عقلاء کی مخالفت کسی بھی طرح اختیار نہ کرو۔ اگر تمہارا نفس یوں کہے کہ اکابر تو مضبوط تھے۔ ہم کو ان کے اقتداء کی طاقت نہیں تو جن عورتوں نے عبادت میں مجاہدے کیے ہیں' ان کے حالات دیکھو اور نفس سے کہو کہ اے بدبخت تجھے غیرت نہیں آتی کیا' عورتوں سے بھی پیچھے رہ گا۔ بڑی ذلت ہے کہ مرد ہو کر دین یا دنیا کے معاملے میں عورت سے کم رہے۔

حکایات خواتین صالحات :۔ حبیبہ عدویہ کا معمول تھا کہ جب نماز عشاء سے فارغ ہوتیں تو چھت پر کھڑی ہوتیں اور کرتہ اور دوپٹہ خوب کس کر کہتیں کہ الٰہی ستارے خوب چمک پڑے اور آنکھیں سو گئیں۔ بادشاہوں نے اپنے دروازے بند کر دیے۔ ہر ایک حبیب کے ساتھ تنہا ہوا۔ اب میں تیرے سامنے کھڑی ہوں' پھر نماز پڑھتیں رہتیں۔ جب صبح ہو جاتی تو کہتیں کہ الٰہی رات نے منہ موڑا اور دن روشن ہو گیا' مجھے معلوم نہیں کہ تو نے مجھ سے یہ رات قبول فرمائی تو میں خود کو مبارک دوں۔ تو نے نامنظور کی تو تعزیت کروں۔ قسم ہے تیری عزت کی جب تک مجھے باقی رکھے گا' میں اپنا طریقہ یہی رکھوں گی۔ اگر تو اپنے دروازے سے مجھے جھڑک دے گا تو میں ہرگز نہ جاؤں گی' اس لیے کہ میرے دل میں تیرے کرم اور جود سے بہت کچھ ہے۔

حکایت :۔ عجردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نابینا تھیں۔ رات بھر جاگتیں۔ جب صبح ہوتی تو ایک آواز دردناک سے کہتیں کہ عابدوں نے تیرے لیے تاریکی شب کو بسر کیا۔ تیری رحمت اور فضل مغفرت کی طرف سبقت کرتے ہیں۔ الٰہی میں تیرے نام کے وسیلے سے تجھ سے سوال کرتی ہوں۔ کسی اور سبب سے نہیں مانگتی کہ تو مجھے سابقین کے اول زمرے میں کر دے اور مجھے علیین میں مقربین کے درجے تک پہنچا دے اور اپنے نیک بخت بندوں میں شامل کر دے تو میرے کریم ارحم الراحمین اور اکرم الاکرمین اور سب بڑوں کا بڑا مالک ہے۔ پھر سجدے کے لیے اسی طرح گرتیں کہ اس کے دھماکے کی آواز سنائی دیتی۔ پھر صبح تک دعا مانگتیں اور روتی رہتیں۔ (رحمتہ اللہ علیہا)

حکایت :۔ یحییٰ بن بسطام کہتے ہیں کہ میں شعوانہ کی مجلس میں حاضر ہوتا اور جو کچھ ان کی فریاد و زاری ہوتا

اس کو دیکھا کرتا۔ ایک بار میں نے اپنے ایک دوست سے کہا کہ جب یہ تنہا ہوں تو ان سے جا کر کہنا کہ اپنے نفس پر کچھ نرمی کریں۔ اس نے کہا کہ چلو ہم ان کی خدمت میں آئے اور کہا کہ اگر آپ اپنے نفس پر نرمی کریں اور اتنا رویا کریں تو جو تمہاری مراد ہے' اس پر یہ بات زیادہ بہتر ہوگی۔ وہ سن کر رو پڑیں' پھر کہا کہ میں تو یہ چاہتی ہوں کہ اتنا روؤں کہ میرے بدن میں ایک آنسو باقی نہ رہے۔ پھر خون رویا کروں یہاں تک کہ میرے کسی عضو میں ایک قطرہ خون باقی نہ رہے مگر مجھے رونا کہاں آتا ہے۔ میں کب روتی ہوں' اسی جملے کو بار بار کہا کہ میں کہاں روتی ہوں' پھر بے ہوش ہو گئیں۔ (رحمتہ اللہ علیہا)

ا۔ ایک ولیہ کلثم کا نام ہے ان کی دوسری حکایات آگے آ رہی ہیں۔ (اویسی غفرلہ)

حکایت:- محمد بن معاذ کہتے ہیں کہ ایک عابدہ عورت نے بیان کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جب جنت میں داخل کی گئی ہوں اور دیکھتی ہوں کہ تمام اہل جنت' جنت کے دروازے پر کھڑے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ جنت والے کیوں کھڑے ہیں؟ کسی نے کہا کہ اس عورت کے انتظار میں ہیں جس کے لیے جنتیں آراستہ کی گئی ہیں۔ میں نے کہا کہ وہ عورت کون ہے؟ کسی نے کہا کہ ایک کلل لونڈی ایلہ والوں کی ہے جس کو شعوانہ کہتے ہیں۔ میں نے کہا کہ وہ تو میری بہن ہے۔ میں اسی گفتگو میں تھی کہ وہ ایک اونٹنی پر سوار ہوا میں اڑتی ہوئی پہنچی۔ جب میں نے دیکھ کر پکارا کہ بہن تم تو مجھ سے محبت کرتی ہو' اپنے رب سے دعا کروں کہ مجھے بھی تمہارے ساتھ ملا دے۔ انہوں نے تبسم کر کے فرمایا کہ ابھی تیرے آنے کا وقت نہیں آیا مگر میری دو باتیں یاد کر لے۔

اول:- یہ کہ اپنے دل پر ہمیشہ غم رکھنا۔

دوم:- یہ کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کو اپنی خواہش نفس پر مقدم رکھنا' پھر ان شاء اللہ تعالیٰ نقصان نہ ہوگا۔

حکایت:- حضرت عبداللہ بن الحسن کہتے ہیں کہ میرے پاس ایک رومی لونڈی تھی جس سے میں بہت خوش تھا۔ ایک رات وہ میرے پاس سوئی تھی' میں جاگا تو اس کو پہلو میں نہ پایا' اٹھ کر تلاش کرنے لگا۔ دیکھا تو وہ مسجد میں پڑی ہوئی کہہ رہی ہے الٰہی بباعث اس محبت کے جو تجھے میرے ساتھ ہے' مجھے بخش دے۔ میں نے کہا کہ یوں نہ کہہ کہ جو محبت میرے ساتھ ہے بلکہ یوں کہہ کہ جو محبت مجھے تیرے ساتھ ہے' اس کے باعث گناہ معاف کر۔ اس نے کہا کہ آقا یہ نہیں بلکہ وہ مجھ سے محبت رکھتا ہے تو شرک سے نکال کر مشرف باسلام فرمایا اور اس کی محبت سے یہ ہے کہ مجھے رات کو جگایا حالانکہ ساری مخلوق سوتی ہے۔

حکایت:- ابو ہاشم قرشی کہتے ہیں کہ ایک عورت یمنی جسے سریہ کہتے تھے' ہمارے ایک مکان میں ٹھہری۔ میں اس کی فریاد و زاری رات کے وقت سنا کرتا۔ ایک دن میں نے اپنے خادم سے کہا کہ اس عورت کو جھانک کر دیکھو' کیا کرتی ہے؟ اس نے دیکھا کہ وہ اپنی نظر آسمان کی طرف سے نہیں ہٹاتی اور قبلہ رخ بیٹھ کر کہہ رہی ہے کہ تو نے سریہ کو پیدا کیا' پھر اپنی نعمت سے غذا دی اور ایک حال سے دوسرے حال میں رکھا۔ تیرے تمام احوال اس کے حق

میں اچھے ہیں۔ تیرے مصاحب اس کے مذہب سے سلوک میں اور وہ باوجود اس کے اپنے آپ کو تیرے غصے کے لیے معترض ہوتی ہے کہ بے فکر ہو کر تیری نافرمانی کی کرتی رہتی ہے۔ کیا تو جانتا ہے کہ وہ یہ گمان کرتی ہوگی کہ تو اس کے افعال بد نہیں دیکھتا حالانکہ تو علیم اور خبیر اور ہر چیز پر قادر ہے۔

حکایت :۔ حضرت ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں وادی کنعان سے نکلا جبکہ وادی کے اوپر گیا تو دیکھا کہ سامنے سے ایک کالی چیز میری طرف آتی ہے اور کہتی ہے کہ وبدالھم من اللہ مالم یکونوا یحتسبون (الزمر 47) ترجمہ کنزالایمان :۔ اور انہیں اللہ کی طرف سے وہ بات ظاہر ہوئی جو ان کے خیال میں نہ تھی۔ اور روتی ہے۔ جب وہ نزدیک ہوئی تو معلوم ہوا کہ ایک عورت صوف کا جبہ پہنے اور ہاتھ میں لوٹا لیے اس نے کہا تو کون ہے جو خدا تعالیٰ سے فارغ ہو کر اور دن کی طرف دیکھتا ہے۔ میں نے کہا کہ ایک مرد مسافر ہوں۔ اس نے کہا کہ تعجب ہے۔ خدا تعالیٰ کے ہوتے ہوئے غربت و سفر کے کیا معنی۔ اس کی اس بات سے میں رو پڑا۔ اس نے کہا کہ تو کیوں رویا؟ میں نے کہا کہ درد پر دوا پڑی کہ زخم ہو گیا تھا اور دوا سے جلد اچھا ہونے لگا۔ اس نے کہا کہ اگر تو سچا ہے تو کیوں روتا ہے؟ میں نے کہا کہ کیا سچے رویا نہیں کرتے؟ اس نے کہا' نہیں۔ میں نے پوچھا کیوں؟ اس نے کہا کہ رونا دل کی راحت ہوتا ہے۔ میں سن کر تعجب کرتا رہ گیا اور کچھ نہ کہا۔

حکایت :۔ احمد بن علی کہتے ہیں کہ ہم نے غفیرہ کے پاس جانے کی اجازت چاہی۔ انہوں نے اجازت نہ دی۔ ہم دروازہ پر پڑے رہے اور کہیں نہ گئے۔ جب اسے معلوم ہوا تو وہ دروازہ کھولنے کو کھڑی ہوئیں اور یہ کہہ کر دروازہ کھولا کہ الٰہی میں تجھ سے پناہ مانگتی ہوں' اس شخص سے جو مجھے تیرے ذکر سے روکے۔ ہم اندر گئے اور ان سے کہا کہ آپ ہمارے لیے دعا کریں۔ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری ضیافت میرے گھر میں یوں کرے کہ تمہاری مغفرت فرما دے۔ پھر ہم سے کہا کہ عطا سلمی نے چالیس سال آسمان کی طرف نگاہ نہ کی اور ایک نگاہ جوانی پر خیانت کی تو بے ہوش ہو کر گر پڑیں اور پیٹ میں کوئی پردہ پھٹ گیا۔ کاش غفیرہ اپنا سر اٹھائے اور نافرمانی نہ کرے۔ اگر نافرمانی کی ہے تو اس کو دوبارہ نہ کرے۔

حکایت :۔ بعض صلحاء سے منقول ہے کہ میں ایک دن بازار گیا اور میرے ساتھ ایک حبشی لونڈی تھی۔ میں نے عذر کسی سے ایک مقام پر اسے بٹھایا اور ضرورت کو چلا گیا اور یہ کہہ گیا کہ جب تک میں نہ آؤں۔ یہاں سے کہیں نہ جانا۔ جب میں واپس آیا تو اسے جہاں بٹھا کر گیا تھا' نہ پایا۔ گھر واپس آیا' میں نہایت غصے میں تھا۔ جب اس نے مجھے دیکھا چہرے سے غصہ پہچان گئی۔ مجھ سے کہا کہ آپ جلدی نہ کریں' میری بات سن لیں۔ جس جگہ آپ مجھ کو بٹھا کر گئے تھے وہاں میں نے کوئی خدا کا ذکر کرنے والا نہ پایا۔ مجھے خوف ہوا کہ کہیں یہ جگہ دھنس نہ جائے' اس لیے میں وہاں سے چلی آئی۔ راوی کہتا ہے کہ مجھے اس کی گفتگو سے تعجب ہوا اور اس سے کہا کہ تو آزاد ہے۔ اس نے کہا کہ آپ نے غلط کیا۔ میں آپ کی خدمت کرتی تھی' مجھے دو ثواب ملتے تھے' اب ایک جاتا رہا۔

حکایت :- ابن علاء سعدی کہتے ہیں کہ میرے چچا کی لڑکی کا نام بریرہ تھا۔ وہ عابدہ تھیں اور قرآن شریف بہت پڑھا کرتی تھیں۔ جب ان آیات پر پہنچتیں جن میں دوزخ کا ذکر ہوتا تو روتیں' یہاں تک کہ رونے کی کثرت سے ان کی آنکھیں جاتی رہیں۔ اس کے چچا زاد بھائیوں نے آپس میں کہا کہ چلو ان کی کثرت گریہ کے متعلق معلومات کریں۔ ہم سب ان کے پاس گئے اور پوچھا کہ اے بریرہ تم کیسی ہو؟ جواب دیا کہ مہمان اجنبی ہیں' زمین پر پڑے ہیں۔ وہ اس کے منتظر ہیں کہ جب کوئی بلائے اور ہم جائیں۔ ہم نے کہا کہ پھر یہ رونا کب تک رہے گا' آنکھیں تو جاتی رہیں۔ کہا کہ اگر میری آنکھوں کی خدا کے یہاں کچھ بہتری ہے تو دنیا میں جو کچھ ان میں سے جاتا رہا' اس سے کیا نقصان ہے۔ اگر ان کو خدا کے یہاں برائی ہے تو اور اس سے زیادہ رووں گی۔ یہ کہہ کر منہ پھیر لیا' بھائیوں سے کہا کہ یہاں سے چلے جاؤ۔ ان کا حال کچھ اور ہی ہے۔

حکایت :- معاذہ عدویہ جب دن نکلتا تو کہتیں کہ یہ وہ دن ہے جس میں مروں گی اور شام تک کچھ نہ کھاتی۔ جب رات ہو جاتی تو کہتی کہ اس رات میں مروں گی اور صبح تک نماز میں مصروف رہتی۔

حکایت :- ابو سلیمان دارانی فرماتے ہیں کہ میں ایک رات حضرت رابعہ کے ہاں ٹھہرا۔ آپ محراب میں کھڑی ہوئیں اور میں مکان کے ایک گوشے میں رہا۔ صبح تک ہم دونوں نے عبادت میں گزاری۔ جب صبح ہوئی تو میں نے کہا کہ جس نے ہمیں اس رات کے قیام کی قوت عنایت فرمائی' اس کا شکر ہے۔ حضرت رابعہ نے فرمایا کہ اس کا شکر یہ ہے کہ دن کو اس کے لیے روزہ رکھیں۔

حکایت :- شعوانہ اپنی دعا میں یوں کہا کرتیں' الٰہی مجھے تجھ سے ملنے کا نہایت شوق ہے اور تیرے ثواب دینے کی بڑی توقع ہے۔ تو وہ کریم ہے کہ تیرے یہاں توقع کرنے والوں کی امید نہیں ٹوٹتی' نہ مشتاقوں کا شوق تیرے یہاں بیکار ہوا۔ الٰہی اگر اب میری موت ہو اور کسی عمل نے مجھے تجھ سے نزدیک نہ کیا تو بیماریوں کے ذریعے گناہوں کا کفارہ چاہتی ہوں۔ پس اگر تو معاف فرما دے گا تو تجھ سے بہتر اور کون ہے۔ اگر تو عذاب دے گا تو تجھ سے عادل تر کون ہے۔ الٰہی میں نے جو اپنے نفس کے لیے نظر کی تو اس پر ستم کیا۔ اب اس کے لیے واسطے تیرا حسن نظر رہا ہے۔ اگر تو اس کا مطلب پورا نہ فرماوے گا تو اس کی خرابی اور تباہی ہے۔ الٰہی تو زندگی بھر مجھ پر احسان کرتا رہا تو اس احسان کو موت کے بعد قطع نہ فرمانا اور جو ایام حیات میں میرا ذمہ دار رہا ہے' اس سے مجھے توقع ہے کہ مرنے وقت بھی مجھ پر احسان کرے' الٰہی میری حیات میں میرے ساتھ تیرا نیک سلوک رہا تو پھر مرنے کے بعد میں تیرے حسن نظر سے کس طرح مایوس رہوں۔ الٰہی اگر میرے گناہوں نے مجھے ڈرایا ہے تو جو محبت مجھے تجھ سے ہے اس نے اطمینان دلایا ہے۔ پس میرے معاملے کو اس طرح فرما جو تیری شان کے موافق ہو اور اپنا فضل اس پر فرما جو جہالت میں مغرور رہے۔ الٰہی اگر تجھے میری رسوائی منظور ہو تو تو مجھے ہدایت فرماتا۔ اگر میری فضیحت مقصود ہو تو پردہ پوشی کیوں کرتا۔ پس جس سبب سے کہ تو نے ہدایت کیا' اسی سے مجھے بہرہ ور فرما اور جس وجہ سے پردہ پوشی کی' اسی کو

ہمیشہ کر' الٰہی مجھے نہیں کہ جس مطلب میں نے اپنی عمر گزاری' اسے تو نامنظور فرما کر مجھے ہٹا دے گا۔ الٰہی اگر میں نے گناہ نہ کیا ہوتا تو تیرے عذاب سے کیوں ڈرتی اور اگر تیرا کرم نہ پہچانتی تو تیرے ثواب کی توقع کیوں کرتی۔

حکایت :- اخواص کہتے ہیں کہ ہم رملہ عابدہ کے پاس گئے۔ ان کا حال یہ تھا کہ روزہ رکھتے رکھتے کالی پڑ گئی اور روتے روتے اندھی ہو گئیں اور نماز پڑھتے پڑھتے کمزور ہو گئی۔ نماز بیٹھے بیٹھے پڑھا کرتی تھیں۔ ہم نے سلام کیا اور کچھ بیان عفو الٰہی کا کیا تاکہ ان پر معاملہ آسان ہو جائے۔ انہوں نے ایک چیخ ماری اور فرمایا میرے نفس کا حال مجھے معلوم ہے۔ اسی سے میرا دل زخمی اور جگر پارہ پارہ ہے۔ میں یہ چاہتی ہوں کہ کاش خدا تعالیٰ مجھے پیدا نہ کرتا اور میرا کچھ ذکر دنیا میں نہ ہوتا۔ یہ کہہ کر پھر نماز پڑھنے لگیں۔

فائدہ:- اگر تم کو اپنے نفس کی نگہداشت اور حفاظت منظور ہو تو ان مردوں اور عورتوں کا حال دیکھو جنہوں نے جدوجہد کی تاکہ تم کو بھی سرور نصیب ہو اور جدوجہد حاصل ہو۔ اپنے زمانے میں ان کی طرف ہرگز نہ دیکھنا جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل اللہ (الانعام 116) ترجمہ کنزالایمان :- اور اے سننے والے زمین میں اکثر وہ ہیں کہ تو ان کے کہے پر چلے تو تجھے اللہ کی راہ سے بہکا دیں۔

فائدہ :- عبادت میں جدوجہد کرنے والوں کی حکایات بے شمار ہیں۔ ہم نے جس قدر لکھی ہیں' عبرت والے کے لیے کافی ہیں۔ اگر تم کو زیادہ دیکھنا منظور ہو تو کتاب حلیۃ الاولیاء کا مطالعہ کرو۔ اس میں بیان احوال صحابہ اور تابعین اور ان کے بعد کے اولیاء کا ہے۔ اس کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ تم اور تمہارے اہل زمانہ سب کے سب دین سے کوسوں دور ہیں۔ اگر تمہارا نفس اسی زمانہ والوں کو دیکھنے کو کہے اور یہ محبت کرے کہ خیر اسی زمانہ میں ہے کہ بہت سے مددگار ہیں۔ علاوہ اس کے اگر ان کی مخالفت کرتے ہو تو لوگ دیوانہ کہیں گے اور ہنسی کریں گے۔ اسی لیے ان کے ساتھ گزار دو جو ان کا حال ہوگا' وہی تمہارا ہوگا۔ مصیبت بھی ہوگی تو سب پر ہوگی تو نفس کی اس دلیل سے ایسا نہ ہو کہ تم دھوکا کھا جاؤ اور اس کے مکر میں مبتلا ہو جاؤ بلکہ نفس سے یوں کہو کہ اگر بڑا سیلاب آئے جو شہر کے شہر تباہ کر دے اور لوگوں کو اس کی حقیقت معلوم نہ ہو' اس لیے وہ راہ احتیاط سے چلیں اور اپنی جگہ سے نہ ہٹیں اور تم کو ان سے علیحدہ ہونے کی طاقت ہو کہ کشتی پر سوار ہو کر اس سیلاب سے بچ سکتے ہو تو اس وقت بھی تمہارے دل میں کیا گزرے گا۔

اس وقت تو تم ان کی موافقت نہیں کرو گے اور ان کی احتیاط نہ کرنے کو حماقت سمجھتے ہو اور اپنے بچاؤ کی فکر کرتے ہو۔ جب ڈوبنے کے ڈر سے جس کا عذاب ایک لحہ ہے' تم لوگوں کی موافقت ترک کر دیتے ہو تو پھر کیا بات ہے کہ جو عذاب ہمیشہ کا ہے' اس سے گریز نہیں کرتے اور ہر وقت اس کے مستحق ہوتے چلے جاتے ہو اور مصیبت جب عام ہوتی ہے تو اچھی معلوم ہوتی ہے۔ یہ بھی بیان درست نہیں' اس لیے کہ دوزخیوں کو اتنی مہلت کہاں جو عام یا خاص کی طرف التفات کریں۔ دیکھو کفار کو صرف ان کے اہل زمانہ کی موافقت ہی سے تباہ ہوئے۔ انہوں نے

بھی یہی کہا تھا انا وجدنا آباء نا علی امۃ وانا علیٰ آثارھم مقتدون (الزخرف 23) ترجمہ کنزالایمان :۔ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا اور ہم اس کی لکیر کے پیچھے ہیں۔

فائدہ :۔ جب تم نفس کے عتاب کرنے میں مشغول ہو اور اس سے جدوجہد کرو۔ وہ کہا نہ مانے تو اس کو ملامت کرنے اور جھڑکنے سے باز نہ آؤ اور اس کو جتاتے رہو کہ یہ نافرمانی تیرے حق میں بری ہے۔ ممکن ہے کہ وہ ان باتوں کی وجہ سے اپنی سرکشی سے باز آجائے۔

نفس کو زجر و توبیخ :۔ سب سے زیادہ دشمن آدمی کا اس کا نفس ہے جو بغل میں ہے۔ وہ برائی کا امر کرتا ہے اور مائل بہ شر پیدا ہوا ہے۔ خیر سے بھاگتا رہتا ہے اور آدمی کو اس کے تزکیہ اور براہ راست رکھنے اور زبردستی خدا تعالیٰ کی عبادت پر آمادہ کرنے اور شہوات سے روکنے اور لذات سے علیحدہ رکھنے کا حکم ہوا ہے۔ اگر آدمی اس کی خبر نہ لے تو سرکشی کر کے بھاگ جاتا ہے اور پھر ہاتھ نہیں آتا اور اگر ہمیشہ جبر اور عتاب اور ملامت کرتا رہے تو وہی نفس پھر نفس لوامہ ہو جاتا ہے جس کی قسم خدا تعالیٰ نے یاد فرمائی ہے۔ پھر توقع ہے کہ رفتہ رفتہ نفس مطمئنہ ہو جاوے اور زمرہ بندگان الٰہی میں راضی اور مرضی ہو کر بلایا جائے گا' اس لیے آدمی پر لازم ہے کہ کسی وقت اس کی نصیحت اور عتاب سے غافل نہ رہے اور دوسرے کو نصیحت اس وقت کرے جب پہلے خود عمل کرے۔

وحی عیسیٰ علیہ السلام :۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ اے ابن مریم علیہا السلام تو اپنے نفس کو نصیحت کر۔ اگر وہ نصیحت مان جائے تو پھر لوگوں کو نصیحت کرو ورنہ مجھ سے شرم کرو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وادکر فان الذکریٰ تنفع المومنین (الذاریات 55) ترجمہ کنزالایمان :۔ اور سمجھاؤ کہ سمجھانا مسلمانوں کو فائدہ دیتا ہے۔

نفس کے افہام کا طریقہ :۔ نفس کی طرف متوجہ ہو کر اس کی بیوقوفی اور عبادت اور نادانی ثابت کرے کہ ہمیشہ اپنی دانائی اور ہدایت کو سب سے زائد سمجھتا ہے۔ اگر کوئی احمق کہہ دے تو بہت برا مانتا ہے۔ نفس سے یوں کہنا چاہیے کہ اے نفس تو کتنا بڑا جاہل ہے۔ تو تو کہتا ہے کہ میں حکمت اور ذکاء اور دانائی میں یکتا ہوں مگر تیرے جیسا بیوقوف اور کم فہم کوئی نہیں۔ کیا تو نہیں جانتا کہ جنت اور دوزخ تیرے سامنے ہیں۔ ان میں سے ایک میں تو عنقریب جائے گا۔ پھر تجھے کیا ہوا ہے کہ خوش ہوتا ہے اور کھیل میں مشغول رہتا ہے۔ حالانکہ تجھ سے یہ بڑا کام لیا جاتا ہے شاید آج یا کل موت آجائے۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ جو آنے والی چیز ہوتی ہے' وہ قریب ہی ہوتی ہے۔ بعید وہ ہے جو آنے کی نہیں۔ کیا تو نہیں جانتا کہ موت جب آتی ہے تو اچانک آتی ہے' نہ کوئی اس کا پہلے قاصد آتا ہے نہ کچھ وعدہ اور پیام ہے نہ یہ کہ گرمی میں آئے یا سردی میں دن کو آئے یا رات کو آئے' بچپن میں آئے یا جوانی میں آئے یا جوانی میں آئے' بچپن میں نہ آئے بلکہ ہر ایک لحہ اچانک موت کا آنا ممکن ہے اور اگر موت نہ ہو تو مرض تو اچانک آتا ہے۔ وہی موت تک پہنچاتا ہے۔ نامعلوم تجھے کیا ہوا ہے کہ باوجودیکہ موت اتنی نزدیک ہے تو

اس کی تیاری نہیں کرتا۔ کیا تو قرآن نہیں سمجھتا اقترب للناس حسابهم وهم فی غفلة معرضون ما یاتیهم من ذکر من ربهم محدث الا استمعوه وهم یلعبون لاهیة قلوبهم (الانبیاء 1'2) ترجمہ کنزالایمان :- لوگوں کا حساب نزدیک اور وہ غفلت میں منہ پھیرے ہیں جب ان کے رب کے پاس سے کوئی نصیحت آتی ہے تو اسے نہیں سنتے مگر کھیلتے ہوئے ان کے دل کھیل میں پڑے ہیں۔

فائدہ :- اگر تو خدا تعالیٰ کی نافرمانی پر اس لیے جرات کرتا ہے کہ تیرے اعتقاد میں خدا تعالیٰ نہیں دیکھتا تو تو بہت بڑا کافر ہے۔ اگر تو خدا تعالیٰ کو علم خیر سمجھتا ہے تو تو سخت بے حیا ہے۔ اگر تیرے سامنے کوئی تیرا نوکر یا تیرا بھائی ایسی بات کرے جو تجھے بری معلوم ہو تو تو کتنا ناراض ہوتا ہے' پھر کونسی جرات سے تو خدا تعالیٰ کے غصہ کا موجب بنتا ہے اور اس کے عذاب و عتاب سے نہیں ڈرتا۔ کیا یہ گمان ہے کہ اس کے عذاب کی برداشت کر سکو گے' ہرگز نہیں۔ یہ بات دل سے نکال دے اور اس کے عذاب کا امتحان لے تو ایک لحہ آفتاب میں یا حمام تیز میں بیٹھ یا اپنی انگلی آگ کے قریب کرتا کہ تجھ میں کس قدر طاقت اور حوصلہ ہے معلوم ہو جائے گا۔ مغالطہ ہے کہ خدا تعالیٰ کریم اور صاحب فضل ہے۔ اس کو کسی کی اطاعت و عبادت کی ضرورت نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کے کرم پر دنیا کے کاموں میں کیوں نہیں اعتکو کرتا۔ جب کوئی دشمن تیرا ارادہ کرتا ہے تو کیوں اس کے دفع کرنے کے حیلے کرتا ہے۔ اس وقت کیوں نہیں کہتا کہ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے اسے دور کردے گا یا جب کوئی کام تجھے پریشان کرتا ہے جو روپے پیسے کے بغیر سرانجام نہیں ہوتا تو اس وقت تجھے کیا ہوتا ہے کہ اس کی طلب میں بیسیوں حیلے بناتا ہے۔ اس وقت اعتکو کرم الٰہی پر کہاں جاتا ہے کیوں نہیں کہتا کہ اللہ تعالیٰ کوئی خزانہ بتلادے گا یا کسی بندے کو بھیج دے گا کہ تیرا کام تیرے ہاتھ پاؤں مارے بغیر سرانجام کردے گا۔ کیا تو جانتا ہے کہ خدا تعالیٰ صرف آخرت میں کریم ہے' دنیا میں نہیں اور تجھے تو معلوم ہے کہ خدا تعالیٰ کا طریقہ تبدیل نہیں ہوتا اور دنیا و آخرت کا پروردگار ایک ہے اور انسان کے لیے صرف وہی ہے۔ ارے نفس تیرے جھوٹے دعوے اور نفاق کے طریقے بڑے عجیب ہیں۔ اس لیے کہ تو زبان سے تو ایمان کا دعویٰ کرتا ہے مگر نفاق کا اثر تجھ پر ظاہر ہے۔ دیکھ پروردگار فرماتا ہے وما من دآبة فی الارض الا علی اللہ رزقها (ھود 6) ترجمہ کنزالایمان :- اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمہ کرم پر نہ ہو۔ اور آخرت کے بارے میں فرماتا ہے وان لیس للانسان الا ما سعٰی (نجم 39) ترجمہ کنزالایمان :- اور یہ کہ آدمی نہ پائے گا مگر اپنی کوشش۔

فائدہ :- ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ خاص دنیا کے امر کی کفالت تو خود اس نے فرمائی ہے کہ تیری سعی کی اس میں کوئی حاجت نہیں اور آخرت میں بندے کی کمائی پر منحصر رکھا مگر تو نے اپنے افعال سے خدا تعالیٰ کو جھوٹا گیا کہ جس چیز کی کفالت وہ کرتا ہے تو اس کے لیے رات دن کام میں لگا ہوا ہے اور امر آخرت کو جو تیری سعی پر منحصر کر رکھا تھا' اس سے تو بالکل روگردان ہے۔ پس یہ تو ایمان نہیں۔ اگر زبان ہی سے ایمان معتبر ہوتا تو منافق

دوزخ کے سب سے نیچے درجہ میں کیوں ہوتے۔ ارے کم بخت گویا تو یوم حساب پر ایمان نہیں رکھتا اور گمان کرتا ہے کہ مرنے کے بعد تجھے رہائی ہو جائے گی اور تو بھاگ جائے گا۔ ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ایحسب الانسان ان یترک سدًی الم یک نطفة من منی یمنی ثم کان علقة فخلق فسوّٰی فجعل منه الزوجین الذکر والانثٰی الیس ذٰلک بقادر علٰی ان یحیی الموتٰی (القیمہ 36 تا 40) ترجمہ کنزالایمان :۔ کیا آدمی اس گھمنڈ میں ہے کہ آزاد چھوڑ دیا جائے گا کیا وہ ایک بوند نہ تھا اس منی کا کہ گرائی جائے پھر خون کی پھٹک ہوا تو اس نے پیدا فرمایا پھر ٹھیک بنایا تو اس سے دو جوڑ بنائے مرد اور عورت کیا جس نے یہ کچھ کیا وہ مردے نہ جلا سکے گا۔ اگر تیرا یہی گمان ہے کہ تو ویسے ہی چھوڑ دیا جائے گا تو تیرے جیسا اور جاہل کوئی نہیں اور تو پکا کافر ہے۔ یہ تو سوچ کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے کس چیز سے بنایا ہے' وہ خود فرماتا ہے قتل الانسان ما اکفره من ای شئی خلقه من نطفة فقدره ثم السبیل یسره ثم اماته فاقبره ثم اذا شاء انشره (عبس 17 تا 22) ترجمہ کنزالایمان :۔ پھر کیا تو اس کو جھوٹا جانتا ہے کہ جب وہ چاہے گا تجھے مرنے کے بعد اٹھا لے گا۔ اگر تو جھوٹ نہیں جانتا تو پھر احتیاط کیوں نہیں کرتا۔ اگر بالفرض کوئی یہودی تجھ سے کہہ دے کہ تیرے مرض میں فلاں کھانا مضر ہے گو وہ تیرے نزدیک سب کھانوں سے لذیذ تر ہو' اس کو چھوڑ دے گا۔

نفس سے سوال :۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ جن انبیاء کو معجزے عنایت ہوئے۔ ان کے اقوال اور خدا تعالیٰ کا قول' اس کی آسمانی کتابوں میں تیرے نزدیک اتنا بھی نہیں کہ ایک یہودی کے قول کے برابر ہو جو انکل پچو بے دلیل باوجود نقصان علم و عقل کے کہہ دیتا ہے کہ اس کا اثر تو ہوتا ہے اور خدا عزوجل اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے کا اثر نہیں۔ اس سے عجیب تر یہ ہے کہ اگر کوئی لڑکا تجھ سے کہہ دے کہ تیرے کپڑوں میں ایک بچھو ہے تو حجت پوچھے بغیر فوراً اپنے کپڑے پھینک دیتا ہے۔ کیا انبیاء علیہ السلام اور علماء کرام اور حکماء اور تمام اولیاء کے اقوال تیرے نزدیک لڑکے کے قول سے بھی کمتر ہیں جو محض نادان ہے یا یہ کہ جہنم کی حرارت اور اس کی سزا اور عذاب اس میں گرز اور پیپ اور ہوا گرم اور سانپ بچھو کو دنیا کے بچھو سے کم جانتا ہے جس کی تکلیف ایک دن یا اس سے بھی کم ہوتی ہے۔ یہ تو دانشمندوں کا کام نہیں بلکہ اگر جانوروں پر تیرا حال منکشف ہو تو تجھ پر اور تیری عقل پر ہنسیں۔ پھر اے کمبخت اگر تو ان سب پر ایمان رکھتا ہے اور واقعی جانتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ عمل میں لیت و لعل کرتا ہے۔ موت تو تیری گھات میں ہے۔ کیا معلوم کہ مہلت نہ دے اور جلدی سے اچک لے تو کس وجہ سے اس سے نڈر ہے۔ ہم نے مانا کہ تجھے سو برس کی مہلت مل جائے' تب بھی تو راستہ موت کے بغیر کوئی نہیں اور کام بغیر کیے تمام نہیں ہوتا۔

مثال :۔ کوئی فقہ سیکھنے کے لیے گھر سے باہر نکلے اور باہر جا کر برسوں بیکار بیٹھا رہے اور نفس کو وعدہ کرتا رہے کہ آئندہ سال سیکھ لوں گا۔ جب گھر جانے کے لیے تھوڑے دن رہیں گے تو اس شخص کی عقل پر ہنسی آئے گی کہ یہ

بھی عجیب ہے کہ ذرا سی مدت میں فقہ سیکھنا چاہتا ہے یا فقہ سیکھے بغیر فقہاء کے منصب کا طالب ہے اور خدا تعالیٰ کے کرم پر بھروسہ رکھتا ہے۔ اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ آخر عمر میں عمل میں کوشش کرنا نافع ہے اور اس سے بلند درجات ملتے ہیں تو کیسے معلوم ہوا کہ ابھی زندگی باقی ہے۔ شاید یہی دن آخری ہو۔ اس میں مشغول عبادت نہ ہونے کے کیا معنی' اگر مہلت کا پروانہ بھی مل گیا ہو تب بھی عمل پر جلدی نہ کرنے اور لیت و لعل کرنے کی کیا وجہ ہے بجز اس کے کہ اپنی خواہشات کے خلاف کرنے سے عاجز ہے۔ اس لیے کہ اس میں محنت و مشقت ہوتی ہے۔ اگر یہ انتظار ہے کہ عبادت ایسے دن کریں جس دن مخالفت شہوات کا دشوار معلوم نہ ہو تو ایسا دن نہ خدا تعالیٰ نے کبھی پیدا فرمایا' نہ آگے پیدا فرمائے گا۔ جنت ملے گی لیکن مشکل اعمال کرنے سے ملے گی۔ یہ خیال کہ جنت بلا اعمال ملے گی' یہ تو محال ہے۔ اے نفس سوچ تو سہی کہ کب سے تو وعدہ کرتا ہے کہ کل کروں گا اور کل کل کرتے ہر کل آج ہو جاتی ہے۔ جب آج ہی نہ کیا تو کل کیا کرے گا۔ تجھے یہ نہیں معلوم کہ جو کل آج ہو گئی' اس کا حکم گزشتہ کا ہو گیا بلکہ اصل یہی ہے کہ تو آج اگر عاجز ہے تو کل کو عاجز تر ہو گا' اس لیے کہ شہوت مضبوط درخت کی طرح ہے جس کا اکھاڑنا انسان کے بس سے باہر ہے۔ اگر سستی کی وجہ سے اسے نہ اکھاڑا اور دوسرے دن پر رکھا تو اس کی مثال سمجھئے۔

مثال :- جب انسان طاقتور' قوی اور جوان ہو' اس وقت درخت کے اکھاڑنے سے سستی کرے۔ ایک سال اسے رہنے دے اور جانتا ہو کہ درخت جوں جوں بڑا ہو گا' اس میں مضبوطی زیادہ ہو جاتی ہے اور انسان میں وصف آجاتا ہے تو جس درخت کو جوان ہو کر نہ اکھاڑ سکا' اس کو بڑھاپے میں کبھی نہ اکھاڑ سکے گا۔

بڑھاپے کی حقیقت :- بڑھاپے میں ریاضت کا تصور غلط ہے۔ یہاں تو مشقت ہی مشقت ہے بلکہ یوں سمجھو کہ بھیڑیے کی تہذیب محض تعذیب ہے۔ تر لکڑی کو جہاں سے چاہو توڑو۔ جب خشک ہو جائے تو پھر مشکل ہے۔

نفس کو مزید سرزنش :- اے نفس اگر تو ایسی صاف صاف باتوں کو بھی نہیں سمجھتا اور تاخیر کا قائل ہے تو پھر کیوں اپنے آپ کو عاقل کہتا ہے۔ اس حماقت سے بڑھ کر اور کونسی ہو گی شاید تو یہ کہے کہ میں عمل پر اس لیے آمادہ نہیں ہو سکتا کہ لذت شہوات کا حریص ہوں اور تکلیف و مشقت پر صبر نہیں کر سکتا تو یہ بھی نہایت درجہ کی حماقت اور بلکہ سفاہت ہی سفاہت ہے' اس لیے کہ اگر یہ بات تیری سچی ہے تو ایسی شہوات کا طالب کیوں نہیں ہوتا جو ہمیشہ تک صاف اور خالی از جملہ کدورات ہوں اور ان کے ملنے کی توقع جنت کے سوا اور جگہ نہیں۔ اگر واقع تو شہوات کا حریص ہے تو یہ مرض اس طرح ختم ہو سکتا ہے کہ تو شہوت دنیاوی کے خلاف کر' ورنہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک لقمہ کی وجہ بہت سے لقموں سے دستبردار ہونا پڑتا ہے۔

نفس سے سوال :- ہم نفس سے پوچھتے ہیں کہ اگر کسی مریض کو ڈاکٹر کہے کہ ٹھنڈا پانی تین دن نہ پینا' تندرست ہو جاؤ گے اور پھر مزے سے عمر بھر پانی پیا کرو اور یہ بھی کہہ دے کہ اگر اس تین دن کے عرصہ میں پانی پیو گے تو

ایک سخت مرض دریا میں جتلا ہو جاؤ گے اور تمام عمر کا پانی پینا چھوٹ جائے گا تو اس صورت میں فیصلہ عقل اس بیمار کے لیے کیا ہے۔ تین دن بسر کرکے تمام عمر عیش سے رہے یا اس وقت اپنی خواہش پوری کرے کہ مجھے تین دن صبر نہ ہو سکے گا اور مخالف خواہش کی تکلیف برداشت نہ ہو سکے گی تو اس کے بعد تین سو دن یا تین ہزار سال مشقت برداشت کرنی پڑے گی۔ اب اگر تمام عمر آسائشیں اہل جنت' اور عذاب اہل دوزخ' کے ساتھ نسبت کرکے دیکھو یعنی ایام زندگی کو ابد کی طرف نسبت کرو تو جو نسبت تین دن کو ہے' تمام عمر کی طرف اس سے بھی وہ تھوڑی ہی ہوگی۔ اگرچہ انسان کی عمر کتنی ہی طویل ہو کیونکہ صورت اول نسبت محدود چیز کو ہے' لا انتہاء شے کی طرف جو واقع میں کچھ بھی نہیں اور صورت دوم میں محدود کی نسبت دوسری محدود چیز کی طرف ہے' یہ خوامخواہ بری ہوگی اور یہ تو کوئی بتا دے کہ شہوات سے صبر کرنے کی تکلیف سخت اور اس کی مدت عذاب کی تکلیف کیسے برداشت ہوگی۔

فائدہ:- جو اپنے نفس پر شفقت کرنے میں سستی کرتا ہے تو دو حال سے خالی نہیں یا تو خفیہ کفر رکھتا ہے یا علانیہ بیوقوفی کفر۔ مخفی تو یہ ہے کہ روز حساب پر ایمان ضعیف ہو اور مقدار ثواب اور عذاب کو برا نہ جانتا ہو اور علانیہ بیوقوفی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے کرم اور عفو پر اعتماد ہو اور اس کی ان باتوں پر التفات نہ ہو کہ وہ عذاب دینے کے لیے مہلت بھی دیتا ہے اور تیری عبادت کی اسے کوئی پروا نہیں۔ پھر باوجود اس کے روٹی کے لقمے میں یا مال کے بارے میں یا مخلوق سے کسی کلمہ کے سننے میں خدا تعالیٰ پر اعتماد نہیں کرتا بلکہ جتنے حیلے اس بارے میں حصول غرض کے لیے ہوں' سب کو استعمال میں لاتا ہے۔ اسی جہالت کی وجہ سے باعث حماقت کا لقب جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عنایت ہوا۔ فرمایا ایکلیس من دان نفسہ وعمل لما بعد الموت حوالا حمق من اتبع نفسہ ہوا یادمنی علی اللہ الا مانی "دانا وہ ہے جس کا نفس اس کے تابع ہو اور موت کے بعد کے لیے عمل کرے اور احمق وہ ہے جو نفس کی خواہشات کا تابع ہو اور اللہ تعالیٰ سے اپنی آرزوئیں مانگے۔

فائدہ:- اے نفس بدبخت دنیا کی زندگی پر مغرور نہ ہو اور نہ اور کسی چیز سے خدا تعالیٰ پر مغالطہ کھا تو اپنی آپ فکر کر۔ دوسرے پر تیرا مطلب مہم نہیں۔ اپنے اوقات ضائع نہ کر۔ یہ چند نفس گنتی کے ہیں۔ جب ایک سانس چلا جاتا ہے تو تجھ میں سے کچھ کم ہو جاتا ہے' بیمار ہونے سے پہلے تندرستی کو غنیمت جان اور شغل سے پہلے فارغ ہونے اور مفلسی سے پہلے دولت مندی اور بڑھاپے سے جوانی اور موت سے پہلے زندگی کو غنیمت جان۔ جتنا تو نے آخرت میں رہنا ہے اتنی اس کی تیاری کرو۔ دنیا میں بھی تو اسی طرح ہے کہ جتنی مدت سردی یا گرمی کی ہوتی ہے' اتنے ہی دنوں کا اس سامان کیا کرتا ہے کہ غذا لباس اور لکڑیاں وغیرہ اکٹھا کر لیتا ہے اور ان میں سے کسی چیز میں خدا تعالیٰ کے کرم پر تکیہ نہیں کرتا کہ وہ اپنے فضل سے سردی کی تکلیف رضائی اور جبہ اور اون اور لکڑی وغیرہ کے بغیر دفع کر دے گا حالانکہ وہ ان سب امور پر قادر ہے تو پھر کیا تجھے یہ گمان ہے موسم سرما کی سردی سے جہنم کی زمہریر کی سردی کچھ کم ہوگی یا تھوڑے دن ہوگی یا یہ گمان ہے کہ وہاں کے زمہریر سے کچھ کیے بغیر نجات مل جائے گی۔ یہ بات دل سے نکال دے

بلکہ جیسے سرما کی سردی رضائی اور کمبل اور آگ دوسرے لوازم کے بغیر نہیں جاتی اسی طرح حرارت و برودت جہنم بھی بغیر توحید اور طاعت خندقوں کے نہیں جائے گی اور اللہ عزوجل کا کرم یہ کیا تھوڑا ہے کہ تجھے نجات کا راستہ بتایا اور اس کا سامان تیرے لیے مہیا کیا۔ جیسے موسم سرما کی سردی کو دفع کرنے کے لیے آگ کو پیدا کیا اور اس کے نکالنے کا طریقہ سنگ اور لوہے وغیرہ سے بتلایا تاکہ تو خود سردی کو اپنے سے ٹال سکے۔ یہ اس کا کرم ہے کہ قلعہ کے بغیر تجھ سے عذاب دور کر دے یا لوازم و اسباب ظاہری کے بغیر سردی ٹال دے اور جس طرح کہ لکڑیوں کا خریدنا اور کمبل وغیرہ کا لینا کچھ خدا تعالیٰ کے کام کا نہیں' وہ ان سب سے بے پرواہ ہے بلکہ ان چیزوں کو صرف تیرے آرام کے لیے بنایا ہے۔ اسی طرح جتنے طاعات اور مجاہدات ہیں' ان سے بھی وہ بے نیاز ہے۔ یہ چیزیں صرف تیری نجات کے لیے ہیں۔

خلاصہ :- کوئی خیر و بھلائی کرتا ہے تو اپنے لیے' کوئی برائی کرتا ہے تو خود اسی کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ سب سے بے پرواہ ہے۔ اے نفس اپنا جہل چھوڑ اور آخرت کو دنیا مقدم رکھ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے خلقکم ولا بعثکم الا کنفس واحدۃ (لقمن 28) ترجمہ کنزالایمان :- تم سب کا پیدا کرنا اور قیامت اٹھانا ایسا ہی ہے جیسا ایک جان کا۔ اور فرمایا کما بدانا اول خلق نعیدہ (الانبیاء 104) ترجمہ کنزالایمان :- جیسے پہلے اسے بنایا تھا ویسے ہی پھر کر دیں گے۔ اور فرمایا کما بداکم تعودون (الاعراف 29) ترجمہ کنزالایمان :- جیسے اس نے تمہارا آغاز کیا ویسے ہی پلٹو گے۔ اور خداوند کریم کے طریقہ و عادت میں کچھ تغیر اور تبدل نہیں۔

نفس کو مزید ملامت :- اے کم بخت میں تجھے دنیا سے مالوف اور مانوس دیکھتا ہوں' اسی وجہ سے اس کی جدائی تجھ پر سخت ہے تو اس کے نزدیک ہوتا جاتا ہے اور اپنے خیال میں اس کی دوستی مضبوط کرتا جاتا ہے۔ جان لے کہ تو خدا تعالیٰ کے ثواب اور عذاب اور راہوال قیامت اور دہان کے حالات سے غافل ہے۔ اسی وجہ سے موت پر تجھے ایمان اور یقین نہیں کہ اسے تجھ سے اور تیری من بھاتی چیزوں سے جدائی ہوگی۔ یہ تو بتا تو کہ اگر کوئی شخص شاہی محل میں جائے' پھر دوسرے دروازے سے نکل جائے اور اس میں کسی خوبصورت اور عمدہ چیز نظر ڈالے پھر ہمہ تن دل اس میں مصروف ہو جائے اور انجام کو اس کی جدائی ضرور ہوگی تو ایسا شخص غافل ہوگا یا عقل کا دشمن۔ اس طرح یہ دنیا شہنشاہوں کے شہنشاہ کا گھر ہے اور تجھے اس میں صرف گزرنے کی اجازت دی گئی ہے اور جتنی چیزیں اس دنیا میں ہیں' وہ مسافروں کے ساتھ نہیں جائیں گی۔ موت کے بعد دنیا میں رہتی ہیں۔ اسی لیے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ان روح القدس نفث فی روعی احبب ما احببت فانک مفارقہ واعمل ماشئت فانک مجزی بہ وعش ماشئت فانک میت "جرائیل علیہ السلام نے میرے دل میں پھونکا کہ جس سے تو چاہے محبت کر۔ اس سے جدائی ضرور ہوگی اور جو چاہے عمل کر لے اس کی جزا ضرور ملے گی۔

اے نفس تمہیں علم ہے کہ دنیا کی طرف التفات کر کے اس سے مانوس ہونا بیوقوفی ہے۔ باوجودیکہ موت سب

کے پیچھے ہے۔ موت کے بعد سب کچھ چھوڑ دیتا ہے۔ بہت سی حسرتوں کو لے جاتا ہے اور اپنا توشہ اپنا زہر قاتل کر کے جاتا ہے اور وہ خود نہیں جانتا۔ گزرے ہوئے لوگوں کا حال نہیں دیکھتا کہ کیسے اونچے مکان بنائے' پھر چھوڑ کر چلے گئے۔ ان کی زمین و ملک پر اللہ تعالیٰ نے کیسے ان کے دشمنوں کو وارث کر دیا۔ یہی دیکھ لے کہ جو چیز ان کے کھانے کی نہیں' اس سے کیسے جوڑتے ہیں اور جس مکان میں نہیں رہتے' اس کو کس طرح بناتے ہیں اور امید ایسی کرتے ہیں جو ان کو نہیں ملتی۔ ہر ایک اونچا مکان بناتا ہے حالانکہ اس کے رہنے کی جگہ قبر زمین کے اندر ہوگی تو بتاؤ کہ دنیا میں حماقت اور کم عقلی اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی۔ کوئی ایسی دنیا کو آباد کرتا ہے حالانکہ اس سے سفر ضرور کرے گا۔ کوئی اپنی آخرت خراب کرتا ہے حالانکہ اس کی طرف ضرور جائے گا۔ اے نفس تجھے ان احمقوں کی حماقت میں موافقت کرنے سے شرم نہیں آتی۔

مثال :۔ فرض کیا کہ تو اہل بصیرت میں سے نہیں کہ جسے یہ باتیں سمجھ میں آئیں بلکہ فطرت سے چاہتا ہے کہ کسی کے موافق ہو جائے اور کسی کی اقتداء کرے تو اس صورت میں انبیاء' اولیاء' علماء اور حکماء کی عقل کو اور ان لوگوں کی عقل کو جو دنیا پر اوندھے منہ گرے ہوئے ہیں' مقابلہ کر۔ اگر تو اپنے آپ کو عاقل جانتا ہے تو ان میں سے جو تیرے نزدیک زیادہ عاقل ہوں' ان کی اتباع اور اقتدا کر۔ اے نفس تیرا حال عجیب ہے اور جہالت نہایت سخت اور سرکشی ظاہر تر تعجب ہے کہ تو ان صاف اور واضح باتوں سے اندھا بن کر رہا ہے۔ شاید جاہ و مرتبہ محبت سے تیری آنکھوں میں تاریکی چھا گئی ہے کہ تو یہ نہیں سوچتا کہ جاہ و مرتبہ صرف بعض لوگوں کو مائل کرتا ہے تو فرض کر کہ جتنا لوگ روئے' زمین پر ہیں سب تجھے سجدہ کرتے اور فرمان مانتے ہیں۔ پھر کیا تو یہ نہیں جانتا کہ پچاس یا سو سال کے بعد نہ تو تو زمین پر رہے گا اور نہ وہ جو تیرا ذکر کرتے تھے جیسے تجھ سے پہلے کے بادشاہوں کا حال ہوا کہ اب کسی کا نام و نشان نہیں پایا جاتا۔ ایسی چیز کو جو ہمیشہ کو رہے' اس کو ایسی چیز کے بدلتے ہیں جو پچاس یا سو سال رہے تو کیسے بیچتا ہے اور جاہ و مرتبہ اس صورت میں ہے کہ تو بادشاہ ہو اور مشرق و مغرب میں تیری اطاعت کی جائے اور جمیع لوازم بادشاہ پہلے تیرے پاس موجود ہوں اور جس صورت میں کہ تو اپنے گھر کا مالک بھی نہ ہو تو اس صورت میں آخرت کو چھوڑنا نہایت ہی حماقت ہے۔ پھر اگر آخرت کی رغبت کی وجہ سے تجھ سے دنیا نہیں چھوٹتی تو پھر تو جاہل ہے اور تو بصیرت نہیں رکھتا۔

تو یہی خیال کر کے چھوڑ دے کہ دنیا کے شریک خسیس ہیں اور اس میں مشقت بہت ہے اور جلد فنا ہو جاتی ہے۔ جب بہت دنیا تجھے چھوڑے ہوئے ہے تو تو اس میں سے تھوڑے کو کیوں نہیں چھوڑتا یعنی بہت زیادہ مال اگر تیرے پاس نہیں آتا تو تھوڑے کو بھی نہ لے۔ اگر دنیا تیرے موافق ہو تو تو خوش کیوں ہوتا ہے۔ تیرے شہر میں بہت سے لوگ کافر ایسے ہوں گے جو دنیا میں تجھ سے بڑھ کر ہوں گے اور اس کی لذت و زینت ان کے پاس تجھ سے زیادہ ہوگی تو پھر افسوس ہے دنیا پر کہ جس میں یہ خسیس لوگ بھی تجھ سے بڑھ کر ہوں اور چونکہ تو انبیاء و صدیقین و مقربین کے زمرے میں رہنے اور رب العالمین کے ہمسائیگی میں رہنے سے روگردان ہو کر ان احمق جاہلوں کی جماعت

میں رہنا اختیار کرتا ہے اور وہ بھی چند روز کے لیے۔

فائدہ:۔ معلوم ہوا کہ تو بڑا ہی جاہل اور پاگل اور خسیس اور عقل سے بیگانہ ہے کہ نہ دنیا ملی نہ دین۔

نفس کو سخت عبرت دلانا:۔ اے کمبخت نفس اب تو تو عمل صالح میں سبقت کر کہ اب تو بوڑھا ہو گیا ہے۔ موت نزدیک آگئی۔ پیغام اس کا آموجود ہوا۔ جو کرنا ہے' اب کر لے۔ تیرے بعد نہ کوئی تیری طرف سے نماز پڑھے گا' نہ روزہ رکھے گا' نہ خدا کو تجھ سے راضی کر دے گا۔ اے کمبخت نفس اب تیری زندگی کے چند روز باقی ہیں اور یہی تیرا سرمایہ ہے بشرطیکہ اس میں تو تجارت کرے۔ اکثر سرمایہ ضائع کر چکا ہے کہ اگر تمام عمر اس بہاد رفتہ زمانے پر روئے گا تو بھی تھوڑا ہے۔ اگر عادت پر اصرار کر باقی عمر کو بھی ضائع کر ڈالے گا تو کیا حال ہو گا۔ کیا تو نہیں جانتا کہ موت تیرے وعدے کی جگہ ہے اور قبر تیرا گھر اور مٹی تیرا بستر اور کپڑے تیرے ساتھی اور اندھیرا تیرا دائمی ساتھی ہے اور قیامت کا خوف سامنے ہے۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ مردوں کا لشکر شہر کے دروازے پر تیرا منتظر ہے۔ انہوں نے اپنے اوپر سخت قسمیں کھائی ہیں' تجھے ساتھ لے بغیر نہ جائیں گے۔ کیا تو یہ نہیں جانتا کہ وہ سب تمنا کرتے ہیں کہ کاش ہم کو ایک دن ایسا ملے جو دنیا میں جا کر اپنی خطاؤں کا تدارک کریں اور تجھے تو یہ حاصل ہے کہ اگر تو اپنی عمر کا ایک دن تمام دنیا کے بدلے ان کے ہاتھ بیچے تو وہ اس کو بہزار خوشی خرید لیں بشرطیکہ ان کو قدرت ہو اور تو اپنے دنوں کو یوں غفلت اور بیکاری میں ضائع کر رہا ہے۔ ہائے اے کم بخت تجھے ذرا بھی شرم نہیں' اپنے ظاہر کو تو مخلوق کے لیے بناتا' سنوارتا ہے اور باطن میں بڑے بڑے گناہ کر کے خدا تعالیٰ کی مخالفت کرتا ہے۔ مخلوق سے تو شرم ہے اور خالق سے نہیں۔ کیا وہ تجھے مخلوق کی نسبت کم نظر آتا ہے۔ لوگوں کو خیر کا حکم کرتا ہے اور خود بری باتوں میں آلودہ ہے اور دنیا کو خدا تعالیٰ کی طرف بلاتا ہے اور خود اس سے بھاگتا ہے اور دنیا کو اس کی یاد دلاتا ہے اور خود اس کو بھولا ہوا ہے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ گنہگار پاخانہ سے بھی زیادہ بدبودار ہے۔ پاخانہ کسی شے کو پاک نہیں کر سکتا۔ جب تو اپنے باطن کو پاک نہیں رکھتا تو دوسروں کو پاک کرنے میں تمہیں طمع کیوں؟ اے بدبخت نفس تو خود کو یوں سمجھ کہ لوگوں پر جتنی مصیبتیں آتی ہیں' وہ تیری نحوست سے آتی ہیں۔ تو تو شیطان کا گدھا ہے۔ وہ تجھے جہاں چاہتا ہے' لیے پھر رہا ہے۔ وہ تجھ سے مذاق کرتا ہے لیکن تو اپنے اعمال پر اتراتا ہے حالانکہ تیرے کرتوت برابر آفات ہیں۔ ان سے تو بچ جاتا تو بہتر ہے لیکن نامعلوم تجھے ان غلط کاریوں پر فخر و ناز کیوں ہے؟ تمہیں معلوم نہیں کہ شیطان نے اللہ تعالیٰ کی دو لاکھ سال سے زائد عبادت کی' صرف ایک خطا سے بارگاہ خداوندی سے گیا اور ہمیشہ کے لیے ملعون ہوا۔ آدم علیہ السلام سے ایک لغزش ہوئی باوجودیکہ وہ نبی و صفی تھے لیکن (عبرت کے لیے) جنت سے دنیا کو روانہ کیے گئے۔ ہائے کمبخت نفس تو کتنا بے حیا اور غدار اور جہالت کا مجموعہ اور معاصی پر جراتمند ہے تو انجام سے بے خبر ہے۔ اے بدبخت کب تک عہد توڑے گا اور کب تک معاملہ سنوار کر بگاڑے گا۔ اتنا خطاؤں کے باوجود تو دنیا سنوارنے کے خیال میں ہے۔ تیرا یہاں سے سفر کرنے کا خیال تک نہیں قبر والوں کا حال دیکھ' انہوں نے بھی مل جمع

کیا اور مضبوط مکان بنائے۔ بڑی امیدیں رکھتے تھے لیکن سب دھری کی دھری رہ گئیں۔ وہ جاہ ہوئے گھر ویران ہوئے امیدیں خاک میں مل گئی۔ نہ وہ شان و شوکت رہی نہ ناز و نعمت۔

پند سودمند:۔ کیا تجھے ان سے عبرت نہیں۔ کیا تو ان کا حال نہیں دیکھ رہا۔ تیرا خیال ہے کہ وہی بلائے گئے اور تو یہاں رہ جائے گا۔ تیرا یہ خیال بے ہودہ ہے۔ جب سے تو پیدا ہوا ہے' اس وقت سے اپنی عمر کی دیوار تو خود ڈھا رہا ہے۔ تو بڑے مکان بناتا ہے حالانکہ تھوڑے دنوں میں تیری قبر تیرا گھر ہوگا۔ یاد کر جب تو مرے گا' تیری جان لبوں پر ہوگی۔ اللہ کے قاصد سیاہ رنگ' ترشرو آکر تجھے عذاب قبر کی خبر سنائیں گے۔ اس وقت ندامت سے فائدہ نہ ہوگا۔ تیرا درد غم کوئی نہ سنے گا' نہ کسی کو تجھ پر ترس آئے گا۔ حیرانی ہے کہ اس کے باوجود تجھے اپنی دانائی اور بصیرت پر عجب ہے۔ کیا یہی دانائی ہے کہ تو مال جمع کرنے پر خوش ہے اور عمر نیچے ہوتی جا رہی ہے۔ اس کا تجھے غم نہیں۔ اے کم بخت تو آخرت سے روگردان ہے حالانکہ وہ تیرے پاس آرہی ہے اور دنیا کی طرف متوجہ ہے حالانکہ وہ تجھ سے منہ پھیر کر بھاگ رہی ہے۔ تو نے اپنے بھائیوں' رشتہ داروں کو آنکھوں سے دیکھا کہ انہوں نے بہت کچھ کمایا لیکن وہ ان کے کام نہ آیا بلکہ مرتے وقت حسرت کرتے چلے گئے لیکن تو ہے کہ اپنی جہالت سے باز نہیں آیا۔ ارے نفس کمبخت اس دن کا خوف کر کہ اللہ تعالیٰ نے پختہ پروگرام بنایا ہے کہ جس بندے کے لیے امرونہی کا فرمایا تھا' قیامت میں اس سے بازپرس ضرور کروں گا۔ چھوٹا' بڑا ظاہر و باطن بغیر پوچھے نہ چھوڑں گا۔ اب تو سوچ کہ کیا منہ لے کر خدا تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوگا اور کونسی زبان سے جواب دے گا اور سوال کے لیے تیار ہو جا جواب باصواب تیار کر اور بقیہ عمر کے جو چھوٹے چھوٹے دن ہیں' ان میں بڑے دنوں کے لیے عمل کر۔ اس دارالفنا اور بیت الحزن میں دار باقی اور خانہ جاودانی کے لیے کچھ کرلے۔ پہلے اس سے کہ تو بیکار ہو جائے اور دنیا میں سے بااختیار خود اچھے لوگوں کی طرح نکل جا۔ اس سے پہلے کہ تو جبراً نکالا جائے اور دنیا کی ترو تازگی اگر تیری موافقت کرے تو اس سے خوش نہ ہو' اس لیے کہ اکثر خوش ہونے والا نقصان اٹھاتا ہے اور بہت نقصان والوں کو اپنے نقصان کی خبر نہیں ہوتی۔ خرابی ہے اس کو جو اپنی خرابی سے بے خبر ہو' پھر اس پر وہ خوش ہو بلکہ کھیلے اور ٹھٹھے مخول کرے اور خوب کھائے پئے حالانکہ کتاب اللہ یعنی لوح محفوظ میں وہ آگ کا ایندھن لکھا جا چکا ہے۔

نفس کے ساتھ کھری بات:۔ اے نفس، تجھے چاہیے کہ تو دنیا کو جب دیکھے تو نظر عبرت سے دیکھے اور اس کے لیے مجبوروں کی طرح سعی کر اور اس کو بااختیار خود ترک کر دے اور آخرت کی طلب میں سبقت کر اور ایسے لوگوں میں نہ ہو کہ جس قدر انکو ملا ہے' اس کا شکر تو نہیں بلکہ بقیہ عمر زیادتی کے خواہاں ہیں۔ وہ لوگوں کو منع کرتے ہیں' خود باز نہیں آتے۔ اے نفس یاد رکھ کہ دین اور ایمان کا کچھ بدل نہیں اور نہ جسم کا کوئی نائب ہے۔ جو شخص رات دن کے گھوڑے پر سوار ہے' وہ اسے لے کر چلا جاتا ہے۔ اگرچہ وہ خود نہ جائے تو اب تو میری نصیحت مان کہ جو کوئی نصیحت سے روگردان ہوتا ہے' وہ آگ پر راضی ہوتا ہے اور میں نہیں جانتا کہ تو آگ سے خوش ہو یا اس نصیحت پر

کان نہ دھرے۔ اگر تیرا دل نصیحت قبول کرنے سے مانع ہو تو اسے ہمیشہ تہجد اور شب بیداری سے درست کرے۔ اگر احسن طریقے سے درست نہ ہو تو ہمیشہ روزہ رکھ اور اس سے بھی صحیح نہ ہو تو ملاقات و گفتگو کم کر دے۔ یہ بھی مفید نہ ہو تو رشتہ داروں سے نیک سلوک اور یتیموں پر شفقت کیا کر اور یہ بھی کارگر نہ ہو تو جان لے کہ خدا تعالیٰ نے دل پر مہر لگا کر تالہ لگا دیا ہے اور گناہوں کی تاریکی دل کے ظاہر اور باطن پر خوب زور سے چھا گئی۔ اب خود کو دوزخ میں گیا سمجھ' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کو پیدا کیا اور کچھ لوگ اس کے لیے پیدا کیے اور دوزخ کو پیدا فرمایا' اس کے لیے بھی کچھ لوگ بنائے اور ہر ایک سے وہی کام بن آتا ہے جس کے لیے وہ پیدا ہوا ہے تو تجھ میں اگر گنجائش نصیحت سننے کی نہ رہی ہو تو اپنے نفس سے ناامید نہ ہو اور ناامید ہونا گناہ کبیرہ ہے' اس لیے ناامید تو ہو نہیں ہو سکتا اور رجا کی بھی کوئی صورت نہیں کہ تمام خیر کے راستے تجھ پر بند ہیں۔ اگر ایسی صورت میں رجاء کرے تو واقعے میں رجاء نہیں بلکہ دھوکہ کھاتا ہے۔ جب ناامیدی بن سکتی ہے' نہ رجاء تو اب یہ دیکھ کہ جس مصیبت میں تو جتلا ہوا ہے' اس پر تجھے غم ہے یا نہیں اور اپنے نفس پر ترس کھا کر آنسو آنکھ سے گرتا ہے یا نہیں۔ اگر گرتا ہے تو آنسو کا گرنا بحر رحمت میں سے ہے۔

فائدہ:۔ اس سے معلوم ہوا کہ ابھی تجھ میں رجاء باقی ہے۔ اس صورت میں توجہ اور گریہ و زاری پر مواظبت کر اور ارحم الراحمین سے فریاد کر اور اکرم الاکرمین کے سامنے شکایت کر اور نہ فریاد و زاری سے غم کھا' نہ شکایت سے تھک شاید وہ تیرے حال پر رحم فرما کر تیری فریاد رسی کرے۔ اس لیے کہ تیری مصیبت تو بڑھ گئی اور بلا سخت ہو گئی اور اصرار نافرمانی حد سے تجاوز کر گیا اور کوئی حیلہ باقی نہ رہا' نہ کوئی نسبت اور وسیلہ تیرے پاس ہے تو اب ٹھکانا او راستہ اور مقصد اور گریز کی جگہ اور فریاد کا مقام اور ملجا اور ملوا اس عالی سرکار کے سوا کہیں نہیں۔ اس کے سامنے گریہ و زاری کر اور دھاڑیں مار اور گریہ زاری اتنا خشوع کر جتنا تیرے اندر جہالت اور گناہوں کی کثرت ہے۔ وہ کریم تضرع کرنے والے پر رحم فرماتا ہے اور طالب صادق کی فریاد کو پہچانتا ہے اور مضطر کی دعا قبول فرماتا ہے اور آج تو اس کی طرف مضطر ہے اور اس کی رحمت کا محتاج اس وجہ سے ہے کہ تجھ پر تمام راستے تنگ ہو گئے اور حیلے ختم ہو گئے' تدبیریں بند ہو گئیں' نہ نصیحت نے تجھ میں تاثیر کی' نہ توبیخ نے۔ اب جس سے طلب کرتا ہے' وہ کریم اور سخی ہے اور جس سے فریاد کرتا ہے' وہ رؤف اور رحیم ہے۔ اس کی رحمت فراغ اور کرم عام اور عفو کامل ہے۔

سیدنا آدم علیہ السلام کا عجز و نیاز:۔ وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ جب آدم علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے جنت سے زمین پر اتار دیا تو یہاں آپ کے آنسو نہ تھمتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ساتویں دن ان پر نظر عنایت سے دیکھا کہ وہ رنجیدہ خاطر افسردہ و غمگین نیچے کو سر ڈالے ہوئے ہیں۔ ان پر وحی بھیجی کہ اے آدم کوشش کی کیا وجہ ہے۔ عرض کیا کہ الٰہی میری مصیبت بڑھ گئی اور گناہوں نے مجھے گھیر لیا۔ عالم ملکوت سے میں نکالا گیا اور اس کرامت کے بعد اس ذلت کے مقام پر آیا اور سعادت سے نکل کر بدبختی میں پڑا اور راحت کے بعد دار

مصیبت میں پھنسا اور عافیت کے بعد اس بلا میں مبتلا ہوا اور دوام اور بقا کو چھوڑ کر اس موت اور نیستی کے گھر میں آیا تو میں خطا پر کیسے نہ روؤں۔ خدا تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ اے آدم کیا میں نے تجھے اپنے لیے برگزیدہ نہیں کیا تھا اور اپنے گھر میں نہیں اتارا تھا اور اپنی کرامت سے مخصوص اور ممتاز نہیں کیا تھا اور اپنے غصہ سے نہیں ڈرایا تھا۔ کیا تجھے میں نے اپنے ہاتھ سے پیدا نہیں کیا تھا اور اپنی روح تجھ میں نہیں ڈالی تھی اور تجھے اپنے فرشتوں سے سجدہ نہیں کرایا تھا۔ پھر تو نے میرے حکم کی نافرمانی کی تو میرے عہد کو بھول گیا۔ مجھے قسم ہے اپنی ذات اور جلال کی کہ اگر میں زمین کو ایسے لوگوں سے بھر دوں کہ سب کے سب تیری جیسی عبادت کریں اور میری تسبیح کریں اور پھر میری نافرمانی کریں تو ان کو گنہگاروں کے مقام میں اتاروں گا۔ یہ سن کر حضرت آدم علیہ السلام تین سو برس تک روئے اور گریہ کی حالت میں رات بھر یہ کہا کرتے کہ الٰہی میں وہ ہوں کہ جتنی میری عمر بڑھی' اتنا ہی میری لغزشیں زیادہ ہوئیں ہیں۔ وہ ہوں کہ جب ایک گناہ کے چھوڑنے کا ارادہ کیا تو میرے ساتھ دوسری خواہش نفس میں پیدا ہو گئی۔ ہائے افسوس پہلی خطا پرانی بھی نہ ہونے پائی تو دوسری کا شکار ہوا۔ آہ اگر دوزخ ٹھکانہ اور مقام ہو تو کیا کروں گا۔ اے بندے اگر تیرے سر کے لیے جنتے ہوں۔ ہائے بندہ طالبوں کے تو مطلب پورے ہوئے مگر شاید تیری حاجت پوری نہ ہو۔

حکایت:۔ منصور بن عمار کہتے ہیں کہ میں نے ایک رات کوفہ میں ایک عابد کو سنا کہ رب تعالیٰ سے مناجات میں کہتا تھا کہ الٰہی عزوجل قسم ہے تیری عزت کی کہ تیری نافرمانی سے میری غرض یہ نہ تھی کہ تیری مخالفت کروں اور نہ اس وجہ سے گناہ کیا کہ مجھے میرا مرتبہ معلوم نہیں تھا یا اپنے نفس کو تیرے عذاب میں پیش کرنا چاہتا تھا یا تیرے دیکھنے کو حقیر جانتا تھا بلکہ اصل بات یہ ہوئی کہ میری نظروں میں گناہ کو اچھا کر دیا گیا۔ پھر میری نحوست نے اس میں تائید کی اور تیری پردہ پوشی جو میرے اوپر رہتی ہے۔ اس نے مجھے دھوکہ دیا میں نے تو اپنی جہالت کی وجہ سے تیری نافرمانی کی اور اپنے عمل سے تیری مخالفت کی۔ اب تیرے عذاب سے مجھے کون بچائے گا۔ اگر تو میری رسی کاٹ دے گا تو میں کس کی مضبوط رسی کو پکڑوں گا۔ بڑی خرابی ہے کہ جب کل کو تیرے سامنے سب کھڑے ہوں گے اور ہلکے پھلکے لوگوں کو کہا جائے گا کہ تم گزر جاؤ اور بھاری بوجھ والوں کو حکم ہو گا کہ اتر جاؤ تو میں ہلکوں کے ساتھ ہو کر پار ہو جاؤں گا یا بھاری لوگوں کے ساتھ نیچے اتار دیا جاؤں گا۔ افسوس جتنی میری عمر بڑھی اور سال زیادہ ہوئے' اتنے ہی میرے گناہ اور بڑھ گئے۔ اب میں توبہ کروں گا اور کب تک ان کو دوبارہ کرتا جاؤں گا۔ کیا وہ وقت نہیں آیا کہ میں اپنے پروردگار سے شرم کروں۔

فائدہ:۔ صلحاء کی مناجات کا طریق اپنے خدا سے اس طرح تھا اور یوں اپنے نفسوں کو عتاب کرتے تھے اور مناجات سے ان کا مقصد رضائے الٰہی کی طلب تھی اور عتاب نفس سے تبلیغ اور نفس کی نگرانی مقصود تھی جس نے مناجات نہ کی اور اپنے نفس کی نگرانی نہ کی۔ بعید نہیں کہ اللہ عزوجل بھی اس سے ناراض ہو۔ الحمد للہ یہ بحث یہاں مکمل ہوئی۔ الحمد اولاً و آخراً

باب 9

فکر و عبرت

حدیث شریف میں ہے کہ ایک ساعت کا فکر کرنا ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے اور قرآن مجید میں عبرت اور تدبر اور تامل اور تفکر کی ترغیب بہت زیادہ ہے اور ظاہر ہے کہ فکر کرنا مفتاح انوار اور مبد البصیرت ہے اور علوم کے لیے جال اور معارف کے لیے شکار کرنے کا آلہ ہے اور اکثر لوگوں کو اس کی فضیلت اور مرتبہ تو معلوم ہے مگر اس کی حقیقت اور نتیجہ اور طریق اور کیفیت نہیں جانتے۔ یہ نہیں سمجھتے کہ فکر کیسے کرتا ہے اور کن چیزوں میں کرتا ہے اور کس وجہ سے کرتا ہے اور اس سے مطلوب کیا ہے اور جس مطلب کے لیے فکر کرتے ہیں' وہ مقصود بالذات ہے یا کوئی ثمرہ ہے اور کس قسم کا ہے۔ علوم سے ہے یا دونوں سے۔ ان سب کا بیان ضروری ہے۔ پہلے فکر کی فضیلت بیان کرتے ہیں۔

فضیلت فکر:۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں مختلف مقامات پر تفکر و تدبر کا ذکر کیا اور متفکرین کی تعریف ارشاد فرمائی ہے الذین یذکرون اللہ قیاما وقعودا و علی جنوبھم ویتفکرون فی خلق السموت والارض ربنا ماخلقت ھذا باطلا (آل عمران 191) ترجمہ کنزالایمان :۔ جو اللہ کی یاد کرتے کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں اے رب ہمارے تو نے یہ بے کار نہ بنایا۔

حدیث 1:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے خدا تعالیٰ کے متعلق فکر کیا تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کی مخلوق میں فکر کرو۔ خود اس میں فکر نہ کرو کہ اس کی قدر عالی کے معلومات پر تم ہرگز قادر نہ ہو سکو گے۔

حدیث 2:۔ مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پر گزرے' وہ فکر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ تم بولتے کیوں نہیں۔ عرض کیا کہ ہم خدا تعالیٰ کی مخلوق میں فکر کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ بس ایسے ہی کیا کرو۔ خود اللہ تعالیٰ میں فکر نہ کیا کرو کہ یہاں قریب ایک سفید زمین ہے جس کی روشنی سفیدی ہے اور سفید روشنی مغرب کی طرف چالیس دن کی مسافت ہے۔ اس میں خدا کی مخلوق میں سے ایسے لوگ ہیں کہ اس کی نافرمانی لمحہ بھر نہیں کرتے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا یا رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شیطان لعین ان سے کدھر جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ انہیں معلوم بھی نہیں کہ شیطان پیدا ہوا ہے یا نہیں۔ پھر عرض کیا گیا کہ وہ اولاد آدم ہیں۔ آپ نے فرمایا' وہ نہیں جانتے کہ آدم علیہ السلام بھی پیدا ہوئے ہیں یا نہیں۔

حدیث 3:۔ عطا سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ایک دن میں اور عبیدہ بن عمیر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں تھے۔ آپ نے پردہ سے ہم سے گفتگو کی۔ پوچھا کہ اے عبیدہ کیا وجہ ہے کہ تم ہمارے پاس نہیں آتے؟ عرض کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں زرغبا تزدوحبا "ملو ناغہ کرکے' محبت میں اضافہ ہوگا۔" پھر ابن عمیر سے پوچھا کہ آپ نے کوئی عجیب بات جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں دیکھی ہو' بیان فرمائیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رو پڑیں اور فرمایا کہ آپ کی تو تمام باتیں عجیب ہی تھیں۔ ایک رات میرے پاس تشریف لائے اور میرے ساتھ لیٹے اور فرمایا کہ مجھے چھوڑو' میں اپنے پروردگار عزوجل کی عبادت کروں۔ پھر اٹھ کر ایک مشک سے پانی لے کر وضو کیا۔ پھر نماز کے لیے کھڑے ہوئے اور اتنا روئے کہ داڑھی مبارک تر ہوگئی۔ پھر سجدے میں روئے یہاں تک کہ زمین بھیگ گئی۔ پھر کروٹ سے لیٹ گئے یہاں تک کہ نماز صبح کی اطلاع کے لیے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی وجہ سے تو گناہ اگلے اور پچھلے لوگوں کے سب خدا تعالیٰ نے معاف فرما دیئے۔ پھر آپ کیوں روتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں کیوں نہ روؤں۔ اے بلال رضی اللہ عنہ آج رات یہ آیت اتری ہے ان فی خلق السموت والارض واختلاف الیل والنھار لایات اولی الالباب (آل عمران 190) ترجمہ کنزالایمان:۔ بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کی باہم بدلیوں میں نشانیاں ہیں عقل مندوں کیلئے۔ پھر فرمایا کہ خرابی ہے۔ اس کی جو اس آیت کو پڑھے اور اس میں فکر نہ کرے۔

اقوال اسلاف رحمتہ اللہ:۔ حضرت روزاعی رحمتہ اللہ تعالیٰ سے کسی نے پوچھا کہ تفکر کی حد قرآنی آیات میں کیا ہے۔ فرمایا کہ پڑھنے کے بعد سمجھ آجائے۔

محمد بن واسع رحمتہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایک شخص اہل بصرہ سے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی ماں کے پاس اس دوراں گیا جب حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا وصال ہو چکا تھا۔ ان سے ابوذر رضی اللہ عنہ کی عبادت کی کیفیت پوچھی۔ انہوں نے فرمایا کہ تمام دن گھر کے کونے میں فکر کیا کرتے تھے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک ساعت فکر کرنا تمام رات کی شب بیداری سے بہتر ہے۔

حضرت قیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تفکر ایک آئینہ ہے جس میں نیکیاں اور برائیاں معلوم ہوا کرتی ہیں۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمتہ اللہ علیہ سے کہا گیا کہ آپ فکر بہت کرتے ہیں۔ فرمایا کہ فکر عقل کا مغز ہے۔

سفیان بن عیینہ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

حضرت طاؤس سے مروی ہے کہ حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ روئے زمین

پر آج کوئی آپ کے برابر ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں جس شخص کی گفتگو ذکر ہو اور سکوت فکر اور نظر عبرت ہو تو وہ میرے مثل ہے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس کے کلام میں حکمت نہ ہو' وہ لغو ہے اور جس کا سکوت فکر نہ ہو' وہ سہو ہے اور جس کی نظر عبرت کے لیے نہ ہو' وہ لہو ہے اور اس آیت کی تفسیر میں ساصرف عن ایاتی الذین یتکبرون فی الارض بغیر الحق (الاعراف 146) ترجمہ کنزالایمان :۔ اور میں اپنی آیتوں سے انہیں پھیر دوں گا جو زمین میں ناحق لڑائی چاہتے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ان کے دلوں کو اپنے معاملہ میں فکر کرنے سے روک دوں گا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اعطوا اعینکم حقھا من العبادہ "آنکھوں کا حق دو ان کی عبادت سے۔" صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ عبادت سے ان کا حصہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ قرآن مجید کی نظر کرنا اور اس میں فکر کرنا اور اس کے عجائب سے عبرت حاصل کرنا۔ ایک نیک عالمہ کا قول ہے کہ وہ جنگل میں مکہ معظمہ کے قریب رہتی تھی کہ اگر متقیوں کے دل اپنی فکر سے آخرت کی چیز دیکھ پائیں جو ان کے لیے غیب کے پردوں میں جمع ہے تو دنیا میں ان کا نہ عیش صاف ہو' نہ آنکھ کو دنیا کی خنکی اور قرار ہو۔

حضرت لقمان رضی اللہ عنہ اکثر خلوت میں بیٹھا کرتے۔ ان کا آقا ان کے پاس آکر کہتا کہ لقمان تم ہمیشہ تنہا بیٹھتے ہو۔ اگر لوگوں کے پاس بیٹھو تو دل خوش ہو۔ آپ جواب دیتے کہ زیادہ تنہا رہنے سے فکر خوب ہوتی ہے اور بہت فکر جنت کی رہبر ہے۔

وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس کی فکر زیادہ ہوتی ہے' وہ جان جاتا ہے اور جو جانتا ہے' وہ عمل کرتا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی نعمتوں میں فکر کرنا بہترین عبادت ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ سہل بن علی رحمۃ اللہ علیہ کو خاموش اور متفکر دیکھ کر پوچھا کہ آپ کہاں پہنچ گئے؟ فرمایا کہ پل صراط پر۔

حضرت بشر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر لوگ اللہ تعالیٰ کی عظمت میں فکر کریں تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کریں۔

حضرت عباس سے مروی ہے کہ دو رکعت تفکر کے ساتھ تمام رات کی اس نماز سے بہتر ہیں جس میں دل حاضر نہ ہو۔

ابو شریح کہیں جا رہے تھے تو راستے میں بیٹھ گئے۔ چادر چہرہ پر لے کر رونے لگے۔ لوگوں نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ اپنی عمر کے چلے جانے اور عمل کے کم ہونے اور موت کے قریب آجانے کی فکر ہے۔

ابو سلیمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آنکھوں کو رونے کا عادی بناؤ اور دلوں کو فکر کا اور یہ بھی فرماتے کہ دنیا کے متعلق

فکر کرنا آخرت کے لیے آیا ہے۔ ولایت کے حق میں عذاب اور آخرت میں فکر کرنا مورث حکمت ہے اور دلوں کو زندہ کرتا ہے۔

حاتم فرماتے ہیں کہ عبرت سے علم زیادہ ہوتا ہے اور ذکر سے محبت اور تفکر سے خوف۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ خیر کی فکر کرنا خیر کو عمل میں لانے کا موجب ہوتا ہے اور برائی پر ندامت کرنا اس کے ترک کا موجب ہے۔

آسمانی حکم :- اللہ تعالیٰ نے کسی کتاب آسمانی میں ارشاد فرمایا ہے کہ میں ہر حکیم کا کلام قبول نہیں کرتا بلکہ اس کے قصد اور خواہش کو دیکھتا ہوں۔ جب یہ دونوں میرے لیے ہوتے ہیں تو میں اس کے سکوت کو تفکر بنا دیتا ہوں اور اس کے کلام کو حمد' اگرچہ وہ نہ بولے۔

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل عقل ہمیشہ ذکر سے فکر کے عادی ہوا کرتے ہیں اور فکر سے ذکر کے یہاں تک کہ ان کے دل ناطق ہو جاتے ہیں اور حکمت بولنے لگتے ہیں۔

اسحاق بن خلف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ داؤد طائی چاندنی رات میں ایک چھت پر مصروف عبادت تھے۔ پھر آسمان و زمین کے ملکوت میں فکر کرنے لگے اور آسمان کی طرف دیکھ کر روتے جاتے تھے یہاں تک کہ ایک ہمسایہ کے گھر میں گر پڑے۔ مالک مکان اپنے بستر سے دوڑا اور ننگے بدن تلوار ہاتھ میں۔ آپ کو چور خیال کر کے جب دیکھا کہ داؤد ہیں تو تلوار رکھ دی اور پوچھا کہ آپ کو چھت سے کس نے گرا دیا؟ فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں۔

حضرت جنید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سب سے اعلیٰ و اشرف مجلس یہ ہے کہ توحید کے میدان میں فکر کے ساتھ بیٹھ کر معرفت کی ہوا کھائے اور جام محبت اتحلو کے دریا سے پانی پیے اور اللہ تعالیٰ پر حسن ظن سے نظر کرے۔ پھر فرمایا کہ ان مجالس کا کیا کہنا۔ کیا ہی خوب عمدہ ہیں اور اس کے پینے کی چیز کا کیا کہنا۔ خوش حال وہ ہے جسے خدا تعالیٰ سے یہ مال میسر ہو۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کلام پر مدد لو سکوت سے اور استنباط پر فکر سے اور یہ بھی فرمایا کہ امور میں نظر کا درست ہونا مغالطہ سے نجات دیتا ہے اور سلوک میں پختگی قصور اور ندامت سے بچاتا ہے اور تامل اور فکر سے سالک کی احتیاط اور دانائی ظاہر ہوتی ہے اور حکماء سے مشورہ کرنا نفس میں استقلال اور بصیرت میں قوت پیدا کرتا ہے۔

فائدہ :- معلوم ہوا کہ عزم (ارادہ) سے پہلے فکر کر لینا چاہیے اور اچانک کام کرنے سے پہلے سوچ لینا چاہیے اور کام شروع کرنے سے پہلے مشورہ کرنا چاہیے۔

فضیلت کی اقسام :- امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ فضیلتیں چار ہیں۔ (1) حکمت ہے۔ اس کا مادہ فکر ہے۔ (2) عفت' اس کا اعتدال شہوت میں ہے۔ (3) قوت' اس کا اعتدال غصے میں ہے۔ (4) عدل' اس کی راسی قوائے نفس

کے احتمال میں ہے- یہ ہیں حکماء کے اقوال فکر کے بارے میں مگر کسی نے ان میں سے اس کی حقیقت کا بیان نہیں کیا' نہ دیکھا کہ فکر کہاں کہاں ہو سکتا ہے-

حقیقت فکر اور اس کا نتیجہ :- فکر کا معنی یہ ہے کہ دل میں دو معرفتوں کا موجود کرنا تاکہ ان سے تیسری معرفت پیدا ہو اور اس کی مثال یہ ہے کہ جو شخص دنیا کی طرف مائل ہو کر دنیا کی زندگی کو ترجیح دے اور یہ چاہے کہ کسی طرح یہ معلوم ہو جائے کہ دنیا کی نسبت آخرت کا اختیار کرنا بہتر ہے تو اس کے دو طریقے ہیں- (1)دوسرے سے سنے کہ آخرت کا اختیار کرنا بہتر ہے اور سنتے ہی مان لے اور اسے سچا جانے بغیر اس کے حقیقت امر پر کچھ بصیرت کا ذکر ہو اور صرف اس کے کہنے کے اعتماد پر اپنے عمل سے مائل اور آخرت کی ترجیح کا ہو جائے- اس طریق کو تقلید کہتے ہیں' معرفت نہیں کہتے- (2) اول یہ جانے کہ جو شے پائیدار ہو' اس کو اختیار کرنا بہتر ہے- پھر یہ جانے کہ آخرت پائیدار ہے اور ان دونوں معرفتوں سے اس کو تیسری معرفت حاصل ہو یعنی آخرت کا اختیار کرنا بہتر ہے کہ اس تیسری بات کو پہلی دو معرفتوں کے بغیر جاننا ممکن نہیں- بس دل میں دونوں پہلی معرفتوں کا موجود ہونا تیسری معرفت تک پہنچنے کے لیے ضروری ہے- تفکر اور اعتبار اور تذکر اور نظر اور تامل اور تدبر کہلاتا ہے- ان میں سے تدبر اور تامل اور تفکر الفاظ تو جدا جدا ہیں مگر ان کے معنی جدا نہیں- سب ایک ہی معنی پر بولے جاتے ہیں اور لفظ تذکر اور اعتبار اور نظر کے معنی جدا جدا ہیں. گو اصل مسمی ایک ہی ہے جیسے کہ صارم اور مہند اور سیف ایک شے (تلوار) پر بولے جاتے ہیں مگر اعتبارات مختلف ہوتے ہیں یعنی صارم تلوار کو اس اعتبار سے کہتے ہیں کہ وہ کاٹنے والی ہے- مہند یا مہندی اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ جگہ کی طرف منسوب ہے اور سیف مطلق تلوار کو کہتے ہیں اور کوئی امر اس سے زائد نہیں سمجھا جاتا- اسی طرح دو معرفتوں کے موجود کرنے کو اعتبار اس نظر سے کہتے ہیں کہ ان دونوں سے تیسری معرفت کی طرف عبور کر سکتے ہیں' اعتبار نہیں لوٹتے اور نظر اور تفکر اس لحاظ سے کہتے ہیں کہ اس میں تیسری معرفت کی تلاش ہے تو جو شخص کہ تیسری معرفت کا طالب نہ ہو' اس کو ناظر نہ کہیں گے-

فائدہ :- معلوم ہوا کہ جو متفکر ہو گا' وہ متذکر بھی ہو گا اور یہ نہیں کہ جو متذکر ہو' وہ متفکر بھی ہو اور تذکر کا فائدہ یہ ہے کہ دل پر معارف فکر جم جائیں اور اس میں سے مٹ نہ جائیں اور تفکر کا فائدہ یہ ہے کہ علم زیادہ ہو اور جو معرفت حاصل نہ تھی' وہ حاصل ہو جائے- یہی فرق ہے تذکر اور تفکر میں اور معارف جب دل میں جمع ہوتے ہیں اور ایک خاص ترکیب سے آپس میں ملتے ہیں تو ان سے اور معرفت نکلتی ہے یعنی وہ معرفت پہلی معرفت کا ثمرہ ہوتی ہے اور جب یہ نئی معرفت حاصل ہوتی ہے اور دوسری معرفت سے ملتی ہے' اس سے ایک نتیجہ ہوتا ہے- اسی طرح یہ ثمرات بڑھتے جاتے ہیں اور علوم بھی زیادہ ہوتے جاتے ہیں اور فکر بے انتہاء آگے کو چلتی جاتی ہے اور یہ زیادتی معارف یا تو موت سے بند ہوتی ہے یا موانع سے-

فائدہ :- یہ طریقہ :سے حاصل ہوتا ہے جو علم سے ٹٹولے سکتا ہو اور طریقہ تفکر کو پہچانتا ہو مگر اکثر لوگ علوم کی

زیادتی سے محروم ہیں' اس لیے کہ ان کے پاس راس المال ہی نہیں یعنی وہ علوم اور معارف جن سے معارف پیدا ہوتے ہیں' انہیں حاصل نہیں جیسے کسی شخص کے پاس سرمایہ نہ ہو تو وہ نفع پر قادر نہیں ہوتا مگر بعض اوقات سرمایہ تو رکھتا ہے مگر پیشہ تجارت نہیں جانتا۔ اس لیے وہ فائدہ نہیں پاتا' اس طرح بعض اوقات کسی کے پاس معارف راس المال تو ہوتے ہیں مگر اس کو ان کا اچھی طرح کام میں لانا اور اس طرح اسے ملانا نہیں آتا۔ جس سے اور نتیجہ حاصل ہو اور طریقہ استعمال کبھی تو دل میں نور الٰہی کی وجہ سے فطرتی طور پر معلوم ہوا کرتا ہے۔ جیسے انبیاء علیہم السلام کو تھا (یا بعض اولیاء کو) اور یہ بات بہت کامیاب ہے اور کبھی سیکھنے اور مہارت پیدا کرنے سے ہوا کرتا ہے اور یہی اکثر ہے' پھر متفکر کو کبھی یہ معارف آتے ہیں اور ثمرہ حاصل ہوتا ہے مگر اس کے حاصل ہونے کی کیفیت معلوم نہیں ہوتی اور نہ اس کو بیان کرنے پر قادر ہوتا ہے۔ اس وجہ سے کہ مہارت بیان کرنے کا فن نہیں رکھتا مثلاً بہت سے لوگ جانتے ہیں کہ آخرت اختیار کرنا بہتر ہے اور یہ علم یقینی ہے لیکن اگر سبب اس معرفت کا اس سے پوچھا جائے تو ہرگز بیان نہ کر سکے گا کہ یہ معرفت کہاں سے حاصل ہوئی حالانکہ بغیر دو پہلی معرفتوں کے یہ معرفت اسے حاصل نہیں ہوتی جیسا کہ اوپر گزرا۔

خلاصہ :- خلاصہ یہ کہ تفکر معنی یہ ہے کہ دو معرفتوں کا حاضر کرنا۔ اس نظر سے کہ ذریعہ تیسری معرفت کا ہوں اور فکر کا ثمرہ کلام اور احوال اور اعمال سب کچھ ہو سکتے ہیں مگر اس کا ثمرہ خاص صرف علم ہے اور کوئی چیز نہیں ہاں جس وقت دل میں علم حاصل ہوتا ہے تو دل کا حال بدل جاتا ہے اور جب اس کا حال بدلتا ہے تو جوارح کے اعمال بھی بدل جاتے ہیں' اس لیے کہ عمل حال کا تابع ہے اور حال علم کا تابع ہے اور علم فکر کا تابع ہے۔

فائدہ :- معلوم ہوا کہ فکر تمام بھلائیوں کی اصل اور مبداء ہے اور اس بیان سے فضیلت فکر بھی ثابت ہوتی ہے اور یہ کہ فکر بہ نسبت ذکر کے بہتر ہے' اس لیے کہ فکر میں ذکر بھی ہے اور کچھ زیادتی بھی پائی جاتی ہے اور قلب کا ذکر اعضائے ظاہری کے عمل سے بہتر ہے بلکہ عمل کا شرف اسی نظر سے ہے کہ اس میں کچھ ہوا کرتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ فکر تمام اعمال سے افضل ہے اور اسی لیے کہا گیا ہے کہ ایک لمحہ کا تفکر ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ مال وہ ہے جو بری چیزوں سے محبوب اشیاء کی طرف منتقل ہو اور رغبت اور حرص سے زہد اور قناعت کی طرف انتقال کرتا ہو۔ بعض نے کہا ہے کہ حال مشاہدہ اور تقویٰ پیدا کرتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے لعلھم یتقون او یحدث لھم ذکرا (طہ 113) ترجمہ کنزالایمان :- کہ کہیں انہیں ڈر ہو یا ان کے دل میں کچھ شوق پیدا کرے۔

اگر منظور ہو کہ فکر کے باعث حال کے تغیر کی صورت معلوم کرو۔ اس مثال سے وہی سمجھو جو ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔ اس میں فکر سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آخرت کا اختیار کرنا بہت ہے۔ جب یہ معرفت ہمارے دلوں میں یقینی

پختہ ہو جاتی ہے تو دل آخرت کی طرف رغبت کرنے لگتا ہے اور دنیا میں زہد کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور حال سے ہماری مراد یہی ہے' اس لیے کہ دل کا حال پہلے اس معرفت کے یہ تھا کہ موجود چیز کو محبوب جانتا تھا اور اسی کی طرف مائل تھا اور آخرت سے متنفر اور کم رغبت تھا مگر اس معرفت سے دل کا حال اور ہو گیا اور اس کا ارادہ اور رغبت بدل گئی اور تغیر ارادہ کی وجہ سے اعضاء کے اعمال بھی دگر طور ہو گئے کہ دنیا چھوڑ کر متوجہ بہ اعمال آخرت ہوئے۔

درجات خمسہ :۔ (1) تذکر یعنی دل میں دونوں معرفتوں کا حاضر کرنا۔ (2) تفکر یعنی دونوں معرفتوں سے معرفت مقصودہ کا طلب کرنا۔ (3) معرفت مطلوبہ کا حاصل ہونا اور دل کا اس سے روشن ہونا۔ (4) حصول نور معرفت کی وجہ سے دل کے حال کا بدل جانا۔ (5) جس طرح دل کا حال بدلتا جائے' اسی طرح اعضائے ظاہری بھی دل کی خدمت کریں۔ جس طرح کہ پتھر کو لوہے پر مارنے سے آگ نکلتی ہے اور اس سے اشیاء روشن ہو جاتی ہیں اور آنکھ کو ہر شئے نظر آنے لگتی ہے جو پہلے نظر نہیں آتی تھی اور اعضاء عمل کے لیے آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اس طرح نور معرفت سے فکر پیدا ہوتا ہے یعنی فکر دونوں معرفتوں کو جمع کر کے ان میں ایک ترکیب خاص بنا دیتا ہے جس سے نور معرفت پھیلتا ہے جیسے لوہا اور پتھر اکٹھا کرنے اور ان میں ایک خاص ضرب لگانے سے آگ نکل آتی ہے۔ پھر اس نور معرفت سے دل کا حال بدل جاتا ہے اور جس چیز کی طرف پہلے مائل نہ تھا' اس کی طرف مائل ہوتا ہے۔ جیسے آگ کی روشنی سے آنکھ کا حال بدل جاتا ہے اور جو چیز پہلے نہیں نظر آتی تھی' وہ اب نظر آنے لگتی ہے۔ پھر دل کے حال کا مقتضا کے موافق اعمال کے اعضاء متحرک ہوتے ہیں۔ جیسے اندھیرے کے سبب سے جو شخص کام نہ کر سکتا تھا' روشنی ہونے سے کام کرنے پر مستعد ہوتا ہے۔

فائدہ :۔ معلوم ہوا کہ ثمرہ فکر کا علوم اور احوال میں اور چونکہ علوم بیشمار ہیں اور جو احوال کی دل پر تبدیلی ممکن ہے' ان کی بھی کوئی حد نہیں۔ اسی لیے اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ تمام فکر شاخوں کو منحصر کر دے اور اس کے ملنے کی جگہ اور ثمرات کو شمار کرے تو کبھی نہ ہو سکے گا۔ اس لیے کہ فکر کے ملنے کی جگہیں اور ثمرات بے انتہاء ہیں مگر ہم اس میں کوشش کرتے ہیں کہ فکر کی راہیں جو مہمات علوم دینی کے اعتبار سے ہیں اور ان کے احوال کے اعتبار جو سالکوں کے مقامات شمار کیے جاتے ہیں' ضبط کریں لیکن یہ ضبط اجمالی ہوگا' اس لیے کہ اس کی تفصیل تو چاہتی ہے کہ تمام علوم بیان کیے جائیں اور تمام ابواب اس کتاب (احیاء العلوم) کے گویا بعض علوم کی شرح ہیں کیونکہ ان میں وہ علوم ہیں جو مخصوص کام سے حاصل ہوتے ہیں تو اس حساب سے مضمون بہت طویل ہو جائے گا۔ اسی لیے ہم بطور اشارہ اجمالی بیان کرتے ہیں تاکہ فکری راہیں مجمل طور معلوم ہو جائیں۔

فکر کے راستے :۔ فکر کبھی تو ایسے میں ہوتا ہے۔ کلبی دین سے متعلق ہوتا ہے' کبھی غیر دین میں اور ہمیں یہاں غرض دین ہے' اسی لیے ہم اسے بیان کریں گے اور ہم قسم دوم (غیر دین) کو چھوڑ دیتے ہیں اور دین سے ہماری مراد یہ ہے کہ وہ معاملہ اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان ہو۔ یاد رہے کہ فکر دو حال سے خالی نہیں۔ (1) وہ بندے اور

اس کی صفات اور احوال سے متعلق ہو۔ (2) معبود اور اس کی صفات اور افعال سے۔ جو فکر بندے سے متعلق ہے' اس کی دو قسمیں ہیں۔ (1) بندہ کے ان احوال وغیرہ میں ہو جو خدا تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہوں۔ (2) ان میں جو مکروہ ہوں اور ان دونوں قسموں کے سوا اور کسی چیز میں فکر کی ضرورت نہیں اور جو فکر متعلق بہ خدا تعالیٰ ہے۔ وہ اس کی ذات اور صفات اور اسماء حسنیٰ میں ہوگا۔ اس کے افعال اور ملک اور ملکوت اور تمام آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی چیزوں میں فکر کا منحصر ہونا ان اقسام میں ایک مثال سے واضح ہوگا۔

مثال :۔ جو لوگ سالک الی اللہ ہیں اور اللہ عزوجل کے دیدار کے مشتاق ہیں' ان کا حال مجازی عاشقوں کے حال کے مشابہ ہے۔ اسی لیے ہم عاشق شیدا کو مثال کے طور پر کہتے ہیں کہ جو عاشق ہمہ تن اپنے عشق میں ڈوبا ہوا ہو' اس کا فکر دو باتوں سے تجاوز کرے گا یا تو معشوق سے متعلق ہوگا یا اپنے نفس سے۔ اگر معشوق کا ذکر کرے گا یا تو اس کے جمال اور کمال ذاتی میں فکر کرے گا تاکہ اس کے فکر کرنے اور مشاہدہ سے لذت حاصل کرے یا اس کے افعال لطیف اور عمدہ میں فکر کرے گا جن سے اس کے اخلاق و صفات کو خوبی سمجھا جاتا ہے تاکہ اس سے لذت بڑھے اور محبت دوبالا ہو۔ اگر اپنے نفس میں فکر کرے گا یا اپنی ایسی صفات میں کرے گا جن سے محبوب کی نظر میں گر جائے' اس غرض کہ ان سے اجتناب کرے یا ایسی صفات میں کرے گا جو اسے محبوب کے نزدیک کریں اور سبب اس کی محبت کا اس کے ساتھ ہوں تاکہ ان صفات سے متصف ہو اور اگر ان امور کے سوا کسی اور چیز میں فکر کرے گا تو وہ خارج از حد عشق اور باعث نقصان ہے۔ اس لیے کہ عشق کامل و اکمل وہ ہے جس میں عاشق ڈوبا رہے اور اس کے دل پر یوں چھا جائے کہ دوسرے کی گنجائش نہ چھوڑے اور عاشق خدا تعالیٰ کا ایسے ہونا چاہیے کہ اس کی نظر اور فکر محبوب سے تجاوز نہ کرے اور جب تک اس کا فکر ان چاروں قسموں میں منحصر رہے گا' اس وقت تک وہ مقتضائے محبت سے خارج نہ ہوگا۔

قسم 1 :۔ فکر کرنا اپنے نفس کی صفات اور افعال میں تاکہ ان میں سے پسندیدہ اور غیر پسندیدہ کی تمیز کرے۔ اس لیے کہ یہ فکر وہی ہے جو متعلق بہ علم معاملہ ہو جو اس کتاب میں مقصود ہے۔

قسم 2 :۔ متعلق بہ علم مکاشفہ ہے۔ پھر جو افعال و صفات کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک محبوب یا مکروہ ہیں' ان کی دو قسمیں ہیں۔ (1) ظاہری جیسے طاعات اور معاصی۔ (2) باطنی جیسے صفات' منجیات و مہلکات جن کا محل دل ہے اور ان کی تفصیل جلد سوم اور چہارم میں ہے اور طاعات اور معاصی منقسم ہیں۔ دو قسموں پر یعنی یا وہ معاصی ہیں کہ ساتوں اعضاء سے متعلق ہوں اور تمام بدن کی طرف منسوب ہوں جیسے جہاد سے بھاگنا اور ماں باپ کی نافرمانی کرنا اور حرام جگہ میں رہنا۔

فائدہ :۔ ہر طرح کے مکارہ میں تین باتوں کا فکر واجب ہے۔ (1) یہ امر خدا تعالیٰ کے نزدیک بھی مکروہ ہے یا نہیں' اس لیے کہ اکثر چیزوں کا مکروہ ہونا بغیر نظر دقیق کے معلوم نہیں ہوا کرتا۔ (2) اس میں فکر کرنا کہ اگر مکروہ ہے تو اس

سے بچنے کی تدبیر کیا ہے۔ (3) یہ کہ اس مکروہ کا مرتکب بالفعل ہے تاکہ اس کو چھوڑ دے یا اس کو کرنے کو ہے تو اس سے باز رہے یا پہلے کیا ہو تو اس کا تدارک کرے۔ اسی طرح محبوب چیزوں کی تقسیم کو خیال کرو اور جب ان قسموں کو جمع کرو تو فکر کے راستے ان اقسام میں سو سے بڑھ جائیں گے اور بندے کو ضرورت فکر کی تمام میں پڑتی ہے یا اکثر میں اور ان اقسام میں سے ایک ایک کی شرح تو طویل ہے مگر یہ قسم منحصر چار قسم پر ہے۔ (1) طاعات۔ (2) معاصی۔ (3) صفات مہلکہ۔ (4) صفات منجیہ۔ ان چاروں میں سے ہم ہر ایک کو لکھ دیتے ہیں تاکہ سالک اس کو اور مثالوں کو قیاس کرلے اور فکر کا طریق اس پر واضح اور وسیع ہو جائے۔

قسم معاصی :- سالک کو چاہیے کہ ہر صبح کو اپنے ساتوں اعضاء میں تفصیلاً وار سارے بدن میں مجملاً فکر کرے کہ کسی معصیت کا مرتکب کسی عضو سے ہوں یا نہیں۔ اگر اسی وقت ہو تو اس کو ترک کرے اور گزشتہ زمانے میں مرتکب ہوا ہو تو توبہ کرے اور ندامت سے اس کا تدارک کرے یا اسی دن کرنے کا ہو تو اجتناب کرے اور علیحدہ رہنے کے لیے آمادہ ہو۔

زبان :- زبان میں نظر کرے اور کہے کہ یہ غیبت اور جھوٹ اور خودستائی اور ٹھٹھا کسی کی بات کاٹنا اور دوسرے کو نہ سہنا اور غیر مفید باتوں میں دخل دینا وغیرہ باتیں کرتی ہیں تو اول اپنے دل میں مضبوط کرلے کہ تمام امور خدا تعالیٰ کے نزدیک برے ہیں اور آیات قرآنی اور احادیث جو ان امور کی سزا میں شدت عذاب پر دال ہیں' ان کا فکر کرے۔ پھر اپنے حالات کو سوچے کہ بغیر جانے اور بے خبری سے کیسے ان چیزوں کا مرتکب ہوتا ہے۔ پھر یہ سوچے کہ ان سے بچنا کیسے ہو سکتا ہے اور جان لے کہ آفات زبانی سے محفوظ رہنا بغیر گوشہ نشینی اور تنہائی کے نہ بن سکے گا یا یہ صورت ہے کہ کسی نیک انسان اور پرہیزگار کی صحبت میں رہے کہ جب کوئی کلمہ بیجا نکلے تو وہ نیک بخت روک دے یا یہ منہ میں کنکری رکھ کر دوسرے کے پاس بیٹھا کرے تاکہ اس سے یاد رہے کہ آفات زبان سے حفاظت کے لیے یہ رکھا ہے۔ ان سے احتراز چاہیے غرضیکہ احتراز کی تدبیریں اس طرح فکر میں لائے۔

کان :- کان کے بارے میں فکر کرے کہ اس سے غیبت اور جھوٹ اور فضول کلام اور لہو و لعب اور بدعت یہ کی باتیں سننے میں آتی ہیں اور یہ تمام بری ہیں اور سننے میں کوئی مخلص خاص نہیں۔ ہر شخص کی زبان سے سننے میں آہی جاتی ہیں تو پھر ان کے سننے سے بچنے کی فکر کرے کہ بچاؤ کی صورت گوشہ نشینی ہے یا جب کوئی دوسرا کوئی بات کہے تو اسے منع کر دینے سے ہے۔

پیٹ :- اس کے بارے میں فکر کرے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کھانے میں اور پینے میں کرتا ہے۔ اس طرح کہ حلال رزق سے بہت سا کھا جاتا ہے جس سے شہوت بڑھتی ہے اور شہوت شیطان' دشمن خدا کا ہتھیار ہے۔ مال حرام اور مشتبہ سے تو نظر کرے کہ میری غذا اور لباس اور مکان اور وجہ معیشت کہاں سے ہے اور حلال رزق کی آمدنی کی صورتیں سوچے اور فکر کرے کہ اس میں سے مجھے کس طرح ملے۔ کون سا سبب حلال رزق کا ہے اور کس تدبیر سے

حرام کا تارک ہو جائے اور یہ بات اپنے دل میں ٹھان لے کہ حرام غذا کے ساتھ ساری عبادات بیکار ہیں اور رزق حلال عبادات کی اصل ہے اور اللہ تعالیٰ اس بندے کی نماز قبول نہیں کرتا جس کے کپڑے میں ایک درہم حرام مال کا ہو۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے علی ھذا القیاس "اپنے تمام اعضاء میں قیاس کرے۔" سب کے لکھنے کی ضرورت نہیں۔ اس قدر کافی ہے جب فکر کے باعث ان احوال کو واقعی طور پر جان جاوے گا تو تمام دن نگران رہے گا اور اعضاء کو ان تمام خرابیوں سے بچائے گا۔

قسم نمبر2 طاعات:- پہلے فرائض جو اس کے ذمہ فرض ہیں' انہیں دیکھے کہ ان کو نقصان اور تقصیر سے بچاتا ہے یا نہیں اور پھر ان کے نقصان کو نوافل سے پورا کرتا ہے یا نہیں۔ پھر ہر عضو میں فکر کرے کہ جو کام اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں' وہ اس سے ہوتے ہیں مثلاً آنکھ دیکھنے کے لیے پیدا ہوئی کہ اسرار آسمان و زمین بچشم عبرت دیکھے تاکہ طاعت الٰہی میں مشغول رہے اور کتاب اللہ اور حدیث شریف کے دیکھنے کے لیے ہے اور میں قادر ہوں کہ ان دونوں چیزوں کو دیکھ کر آنکھ کو مشغول کر کے طاعت الٰہی کروں تو کیوں نہیں کرتا اور یہ بھی مجھ سے ہو سکتا ہے کہ فلاں شخص کو مطیع تعظیم کی آنکھ سے دیکھ کر اس کے دل کو مسرور کروں اور فلاں بدکار کو بنظر حقارت دیکھ کر اس کو نافرمانی سے روک دوں مگر کیا وجہ ہے کہ میں یہ امور نہیں کرتا۔ اسی طرح کان میں کہے کہ میں مظلوم کی فریاد بھی سن سکتا ہوں یا حکمت اور علم اور قرات اور ذکر کے سننے پر قادر ہوں۔ پھر کان کو بیکار کیوں رکھتا ہوں۔ خدا تعالیٰ نے تو مجھے اس لیے حوالہ کیے ہیں کہ میں ان سے اس کی نعمتوں کا شکر کروں۔ پھر اس کی نعمت کی ناشکری کرتا اور اس کو ضائع اور بیکار رکھنے کی کیا وجہ ہے۔ اسی طرح زبان میں فکر کرے کہ میں زبان سے تعلیم اور وعظ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر سکتا ہوں اور نیک بختوں کے دل میں محبوب ہو سکتا ہوں۔ اگر کسی نیک بخت یا عالم کے سامنے کوئی اچھی بات کہوں' اس کے دل پر سرور لا سکتا ہوں اور فقراء کے حالات پوچھ سکتا ہوں اور اچھے کلمات کہہ سکتا ہوں جن میں سے ہر ایک کلمہ میں صدقہ ہے تو پھر اس نعمت سے اپنی زبان کیوں محروم رکھتا ہوں۔ اسی طرح مال میں فکر کرے کہ میں فلاں مال کو صدقہ کر سکتا ہوں۔ اس لیے کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ اگر آئندہ ضرورت بھی ہوگی تو خدا تعالیٰ اور عنایت کرے گا اور بالفعل اگر ضرورت بھی ہے تو دوسرے کے کام نکالنے کی زیادہ تر ضرورت ہے کہ وہ شخص اس چیز کا مجھ سے زیادہ ضرورت مند ہے۔ اسی طرح تمام اعضاء اور بدن اور مال اور مویشی اور غلاموں اور اولاد کی فکر کرے کہ یہ ساری چیزیں انسان کے آلات و اسباب ہیں جن سے خدا تعالیٰ کی اطاعت پر قادر ہو سکتا ہوں۔ پس فکر دقیق کرے کہ جو جو طاعات ان سے ممکن ہوں' پہلے وہ نکالے پھر اور باتیں سوچے جس سے ان طاعات کی طرف خود بخود رغبت ہو۔ پھر ان میں اخلاص نیت کی تدبیر سوچے جس سے عمل صاف و پاکیزہ ہو۔

قسم 3:- وہ صفات مہلکہ جن کا محل دل ہے' ان کو جلد سوم میں بیان کیا گیا ہے۔ ان کی ماہیت وغیرہ وہاں سے دیکھ لے۔ یہ وہ صفات ہیں شہوت کا غلبہ اور غضب اور بخل اور تکبر اور عجب اور ریاء اور حسد اور بدگمانی اور غفلت اور

غرور وغیرہ اور دل کے صفات مثلاً ریاء اگر گمان کرلے کہ میرا دل ان سے پاک ہے تو اس کے امتحان کی کیفیت اور علامات سے نفس کی درستگی کا فکر کرے۔ اس لیے کہ نفس ہمیشہ وعدہ خیر کرتا رہتا ہے لیکن پھر خلاف کرتا ہے مثلاً اگر نفس تواضع کا دعوئ کرے اور تکبر سے برات کا مدعی ہو تو چاہیے کہ لکڑیوں کا بوجھ اپنے سر پر رکھ کر بازار میں لے جائے تاکہ سچا دعوئ معلوم ہو۔

فائدہ :- اکابرین اسلام اسی طرح اپنے نفسوں کا امتحان کیا کرتے تھے۔ اگر حلم کا دعوئ کرتے تو کوئی ایسی بات کرے جس میں غصہ آئے۔ پھر دیکھے کہ میں غصہ پی سکتا ہوں یا نہیں۔ اسی طرح تمام صفتوں میں فکر کرے۔

یہ فکر اس میں ہے کہ وہ ان صفات سے موصوف ہے یا نہیں اور ان کے لیے علامات ہیں جو ہم جلد ثالث میں لکھ چکے ہیں۔ اگر کسی علامت سے معلوم ہو کہ فلاں صفت اس میں موجود ہے تو ان اسباب کی فکر کرے جن سے وہ صفت نظروں میں بری معلوم ہو اور ظاہر ہو جائے کہ اس کا منشاء جہالت اور غفلت اور خبث باطن ہے مثلاً اگر اپنے نفس میں عمل کا غرور پائے تو فکر کرے اور کہے کہ میرا عمل تو میرے بدن اور اعضاء اور قدرت اور ارادہ سے ہوا ہے اور یہ سب چیزیں نہ میری ہیں اور نہ میرے اختیار میں بلکہ وہ تو خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ ہیں۔ اسی نے مجھ پر ان چیزوں کا انعام فرمایا ہے کہ مجھے پیدا کیا اور میرے ہاتھ پاؤں اور قدرت اور ارادہ بنایا اور اپنی قدرت سے میرے اعضاء کو حرکت دی تو پھر میں اپنے عمل کا کیا غرور کروں۔ میرے نفس کو خود تو قیام بذات خود میسر نہیں۔

جب نفس میں تکبر پائے تو اپنے نفس کو یوں سمجھائے کہ تو خود کو کیوں بڑا سمجھتا ہے۔ بڑا تو وہ ہے جو خدا تعالیٰ کے نزدیک بڑا ہو اور یہ بات بعد موت کے معلوم ہوگی کہ کون اس کے نزدیک بڑا ہے۔ ظاہر کا تو حال یہ ہے کہ بہت سے کافر زندگی بھر کفر کرتے ہیں اور مرنے کے وقت خدا تعالیٰ کے مقرب اور کفر سے توبہ کرکے مرتے ہیں اور بہت سے مسلمان بدبخت مرنے کے وقت خاتمہ کی خرابی سے تباہ ہو جاتے ہیں۔

علاج :- جب تکبر مہلک ہے اور اس کا منشاء حماقت تو فکر کرے کہ اس کے دور کرنے کا علاج یہ ہے کہ تواضع کرنے والوں جیسے افعال اختیار کرے اور جب اپنے نفس میں کھانے کی شہوت اور حرص پائے تو سوچے کہ یہ جانوروں کی صفت ہے۔ اگر کھانے کی اشتہاء اور شہوت جماع میں کمال ہوتا تو یہ خدا تعالیٰ کی صفات اور فرشتوں کی صفت میں داخل ہوتے۔ جیسے علم و قدرت داخل ہیں اور چونکہ جانور ہی ان صفات میں موصوف ہوتے ہیں تو اگر حرص اس پر غالب ہوگی تو بہائم سے مشابہ اور مقرب فرشتوں سے دور ہوگا۔ اسی طرح غضب میں اپنے نفس سے گفتگو کرے اور اس کے علاج کا سوچے اور یہ سب باتیں ہم ہر ایک صفت کے بیان میں لکھ چکے ہیں جسے طریق فکر کی وسعت منظور ہو' وہ احیاء العلوم کے ان ابواب کا مطالعہ کرے جن میں ان صفات کا حال لکھا گیا ہے۔

چوتھی قسم :- میں توبہ اور گناہوں پر مذمت اور بلا پر صبر کرنا اور نعمت اور دنیا کا زہد اور اخلاص اور صدق اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی تعظیم اور اس کے افعال پر راضی ہونا اور اس کا شوق کرنا اور اس کے لیے تواضع اور خشوع

کرنا جن کو ہم نے اسی جلد چہارم میں لکھا ہے اور ہر ایک کے اسباب و علامات ذکر کر دیئے ہیں۔ پس سالک کو روزانہ فکر کرنا چاہیے کہ ان اوصاف میں سے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کرتے ہیں' مجھے کونسی ضرورت ہے۔ جب کسی طرف ضرورت معلوم کرے کہ یہ صفات احوال میں بغیر علوم کے حاصل نہیں ہوتے اور علوم فکرات کے ثمرات ہوتے ہیں۔ جب یہ منظور ہو کہ سالک اپنے نفس کی توبہ اور ندامت کا حال حاصل کرے تو پہلے اپنے گناہوں کو تلاش کرے اور ان کو سوچے اور نفس پر سب کے سب اکٹھے کر دے اور دل میں ان کو بہت بڑا جانے۔ پھر اس سخت وعید پر نظر کرے جو شریعت میں ان گناہوں کے متعلق وارد ہیں اور اپنے دل میں سمجھ لے کہ میں خدا تعالیٰ کے غضب کا کام کر رہا ہوں۔ اس تدبیر سے اس کو ندامت کا حال پیدا ہوگا اور جب یہ چاہے کہ شکر کا حال دل میں ابھرے تو اللہ تعالیٰ کے احسانات اور انعامات کو دیکھے اور غور کرے کہ اس نے اپنے فضل و کرم سے کیسا پردہ ڈال دیا ہے اور گناہوں پر رسوا نہیں فرمایا۔ اس کا بیان باب الشکر میں ہم لکھ آئے ہیں' وہاں مطالعہ کر لینا چاہیے اور جب حال محبت اور شوق کا پیدا کرنا چاہے تو اللہ تعالیٰ کے جلال اور جمال اور عظمت اور کبریائی میں فکر کرے یعنی اس کے عجائب حکمت اور بدائع صنعت کو دیکھ کر اس کے جلال اور جمال پر غور کرے اور اس کا بیان فکر کی دوسری قسم میں بیان کیا جائے گا۔ (ان شاء اللہ)

فائدہ:۔ جب سالک خوف پیدا کرنا چاہے تو پہلے اپنے گناہ ظاہری اور باطنی پر نظر کرے۔ پھر موت اور سکرات اور مرنے کے بعد منکر نکیر کا سوال اور قبر کا عذاب اور اس کے سانپ بچھو' کیڑے' پھر صور کے پھونکنے پر پکار کا خوف۔ پھر محشر کا ہولناک منظر جس وقت کہ تمام مخلوق ایک جگہ جمع ہوگی۔ پھر حساب کا جھگڑا اور ذرہ ذرہ کی باز پرس' پھر پل صراط کی تیزی اور باریکی اور اس پر گزرنے میں فکر کہ اگر بائیں گیا تو دوزخ والوں میں سے ہوگا۔ اگر داہنی طرف کو گیا تو جنت والوں میں سے ہوگا اور دار القرار میں اتارا جائے گا۔ پھر سوچے احوال قیامت کے بعد اپنے دل میں دوزخ اور اس کے طبقات اور گرز اور اہوال اور زنجیریں اور طوق اور پیپ اور طرح طرح کے عذاب اور اس کے فرشتوں کی قبیح صورتیں دل میں حاضر کرے اور یہ کہ وہ فرشتے جب گنہگاروں کے چمڑے میں پک جائیں گے تو دوسری کھالیں بدل دیں گے۔ وہ اگر دوزخ میں سے نکلنا چاہیں گے تو پھر اس میں کر دیئے جائیں گے اور جب اسے دور سے دیکھیں گے تو اس کی کرخت آواز اور چیخ سنیں گے۔ اسی طرح جتنی باتیں کہ کلام مجید میں دوزخ کے بیان میں وارد ہیں' سب کو پیش نظر رکھے۔

جب حال رجاء کرنا چاہے تو جنت اور اس کی لذت اور نہریں اور درخت اور حوریں اور غلمان اور آسائش دائمی اور ملک بے زوال پر غور کرے۔ غرضیکہ وہ فکر جس سے ایسے علوم مطلوب ہوتے ہیں کہ ان سے اچھے حالات حاصل ہوں یا صفات مذمومہ سے پاک ہو سکیں' اس کا طریقہ یہی ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اور ہم نے ان احوال میں سے ہر ایک حال کا علیحدہ باب لکھا ہے جس سے تفصیل فکر پر مدد ہو سکتی ہے مگر سب کا ذکر ایک جگہ نہیں ہے۔ ایک جگہ ... کے پائے جانے کے لیے کلام مجید کی تلاوت کے برابر کوئی چیز نافع نہیں' اس لیے کہ کلام مجید تمام

مقامات اور حالات کا جامع ہے اور اس میں لوگوں کے لیے شفا ہے۔ اس لیے کہ اس میں وہ باتیں بھی ہیں جن سے خوف اور رجاء کے صبر و شکر اور محبت اور شوق اور دوسرے احوال پیدا ہوں اور وہ امور بھی ہیں جو تمام صفات مذمومہ سے باز رکھیں تو چاہیے کہ انسان اس کی تلاوت کیا کرے اور جس چیز میں تفکر منظور ہو' اس کے مضمون کی آیت کو بار بار پڑھے۔ اگرچہ سو دفعہ وہ پڑھی جائے' اس لیے کہ ایک آیت کو تفکر اور فہم کے ساتھ پڑھنا سارے کلام مجید کے ختم سے بہتر ہے جو بے سمجھے پڑھا جائے تو آیتوں کے سوچنے میں توقف کرے۔ اگرچہ ایک رات گزر جائے' اس لیے کہ ایک ایک لفظ کے تحت وہ اسرار ہیں کہ جن کا شمار نہیں ہو سکتا اور جب تک صاف دل سے فکر دقیق نہ کیا جائے اور معاملہ درست نہ ہو' اس وقت تک وہ معلوم بھی نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح احادیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ کرتا ہے کہ آپ کو جامع کلمات عنایت ہوئے۔ ہر لفظ آپ کے ارشاد کا حکم کا سمندر ہے۔ اگر عالم دین ان کو جیسا چاہے اسی طرح سوچے تو عمر بھر اس کا غور پورا نہ ہو۔ ایک ایک آیت اور حدیث کی شرح طویل ہے۔

حدیث پر غور :- حضور ﷺ فرماتے ہیں ان روح القدس نفث فی روعی اجبب ما احببت فانک تفارقہ وعش ماشئت فانک میت واعمل ماشئت فانک میت "جبرائیل نے میرے دل میں پھونک دیا ہے کہ جس چیز کو چاہے محبوب کر تو اس سے جدا ضرور ہو گا اور جتنا چاہے زندہ رہے آخر کو مرنا ضرور ہے اور جو چاہے عمل کر اس کی جزا ضرور ملے گی۔"

فائدہ :- یہ کلمات تمام اولین و آخرین کی حکمتوں پر جامع ہیں۔ تامل کرنے والوں کو عمر بھر سوچنے کو کافی ہیں اس لیے کہ اگر اس کے مضمون پر واقف ہوں اور ان کے دل پر یقین کی طرح غالب ہو جائیں تو ان پر چھا جائیں گے اور پھر ان کو اتنا نہ رکھیں گے کہ دنیا کی طرف ذرا بھی التفات رہے۔ یہ طریق ہے علوم معاملہ میں فکر کرنے کا اور بندے کی صفات میں اس نظر سے کہ وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہیں یا مذموم۔

مبتدی سالک کو چاہیے کہ ان فکروں میں ہر وقت مستغرق رہے تاکہ اپنے دل کو اخلاق محمودہ اور مقامات شریفہ سے آباد کرے اور اپنے ظاہر و باطن کو مکروہ بات سے پاک کرے اور یہ یاد رہے کہ ان امور میں فکر کرنا اگرچہ تمام عبادات سے افضل ہے مگر اصلی مطلب یہ نہیں بلکہ جو ان فکروں میں مشغول رہے' وہ صدیقوں کے مطلب سے محجوب ہے۔ ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے جلال و جمال میں فکر کرنے سے لذت پائے اور دل میں اس طرح مستغرق ہو کہ اپنے نفس اور حالات اور مقامات اور صفات سب بھول جائیں' صرف محبوب حقیقی میں مستغرق ہو۔ جیسے مجازی عاشق شیدا اپنے معشوق کے دیدار کے وقت ہوتا ہے کہ اسے اپنے نفس کے حالات اور صفات پر نظر کرنے کی فرصت ہی نہیں ہوتی۔ حیران سا رہ جاتا ہے اور یہ کمال درجہ کی لذت عشاق کی ہے اور جو کچھ ہم نے لکھا ہے' وہ فکر باطن کی آبادی کا ہے۔ قرب اور وصال کی صلاحیت ہو جائے' پس اگر تمام عمر اپنے نفس کی اصلاح ہی میں

ضائع کی تو پھر قرب سے لذت کو کب پائے گا۔

حکایت :۔ حضرت خواص رحمۃ اللہ علیہ جنگلوں میں پھرا کرتے۔ ان سے حسین بن منصور ملے اور پوچھا کہ تم کس حال میں ہو؟ انہوں نے کہا کہ میں جنگلوں میں پھرتا ہوں تاکہ اپنا حال توکل میں درست کروں۔ حضرت حسین بن منصور حلاج نے فرمایا کہ عمر تو آپ نے اپنے باطن کی درستگی میں صرف کر دی' فنا در توحید کون سے وقت ہوگی۔

فائدہ :۔ معلوم ہوا کہ واحد برحق میں فنا ہونا سالکین کا اعلیٰ مطلب اور صدیقین کی انتہاء درجے کی لذت ہے اور صفات مہلکات سے بچنا ایسا ہے جیسے نکاح میں عدت سے نکلنا اور منجیات صفات اور جمیع طاعات کا اختیار کرنا ایسے ہے جیسے عورت خاوند کے لیے تیاری کرے اور منہ ہاتھ دھوئے اور بالوں میں کنگھا کرے تاکہ خاوند کے ملنے کی لیاقت پیدا ہو جائے۔ اگر عورت تمام عمر رحم کی صفائی اور کنگھی صفائی میں ضائع کر دے تو خاوند کی ملاقات سے دور رہے گی۔ اسی طرح دین کا طریقہ سمجھنا چاہیے بشرطیکہ ہم نشینی کے اہل ہو اور اگر شریر غلام کی طرح ہو کہ بغیر مار کے خوف اور اجرت کی طمع کے نہیں ملا کرتا تو اپنے بدن کی مشقت اعمال ظاہری سے رہنے دو' اس لیے کہ تمہارے اور تمہارے دل میں بڑا موٹا پردہ ہے۔ اعمال سے البتہ یہ ہوگا کہ اگر اچھی طرح ادا کرو گے تو اہل جنت میں سے ہو گے مگر ہمنشینی کے لیے اور ہی لوگ ہیں اور جب علوم معاملہ میں طالب اور رب کے درمیان ہوتا ہے۔ فکر کر جولانی معلوم کر چکے تو اب ان کو صبح اور شام اپنا دستور اور عادت کر لو اور اپنے نفس سے اور ان صفات سے جو خدا تعالیٰ سے دور کرتے ہیں اور ان احوال سے جو اس کی طرف نزدیک کرتے ہیں۔ غافل نہ رہنا چاہیے بلکہ ہر مرید کو چاہیے کہ اپنے پاس ایک بیاض رکھے کہ اس میں تمام صفات مہلکات اور منجیات اور تمام معاصی اور طاعات لکھی ہوں اور ہر روز ان سے اپنے نفس کی پڑتال کیا کرے۔

مہلکات :۔ دس چیزوں پر نظر کرنا کافی ہے۔ اگر ان سے بچ جائے گا تو سب سے بچا رہے گا۔ وہ دس یہ ہیں۔
(۱) بخل (2) تکبر (3) عجب (4) ریاء (5) حسد (6) شدت غضب (7) حرص غذا (8) کثرت شہوت (9) محبت مال (10) محبت جاہ۔

منجیات بھی دس ہیں۔ (۱) گناہوں پر ندامت (2) بلا پر صبر کرنا (3) قضا پر راضی رہنا (4) نعمتوں پر شکر کرنا (5) خوف و رجاء پر معتدل رہنا (6) دنیا میں زہد کرنا (7) اعمال میں اخلاص کرنا (8) خلق سے خوش خلقی سے پیش آنا (9) محبت اللہ تعالیٰ (10) اس کے سامنے خشوع کرنا۔ تو یہ بیس باتیں ہوئیں جن میں دس بری ہیں اور دس اچھی۔ پس ہر ایک بات میں فکر کرنا شروع کرے۔ جب مثلاً ایک بری بات جاتی رہے تو اس بیاض میں اس صفت پر کھینچ دے۔ پھر اس میں فکر نہ کرے اور خدا تعالیٰ کا شکر کرے کہ ایک سے تو نجات ملی اور دل کو اس سے اللہ تعالیٰ نے صاف فرمایا اور یہ جانے کہ یہ بات خدا تعالیٰ کی توفیق اور مدد سے ہوئی اور نہ اگر وہ ہم کو ہمارے نفس پر چھوڑ دیتا تو ادنیٰ سی بری صفت بھی ہم سے دور نہیں ہو سکتی غرضیکہ ایک ایک کو اسی طرح لیتا جائے اور جب وہ دور ہوتی جائے تو بیاض میں

اس پر لکیر مارتا جائے یہاں تک کہ دسوں بری صفات کو تمام کرے۔ اسی طرح نفس سے پھر اس کا خواہاں ہو کہ صفات منجیات سے موصوف ہو۔ جب منجیات میں سے ایک سے متصف ہو مثلاً توبہ اور ندامت کی صفت آجائے تو اس پر لکیر پھیر دے اور باقی صفات میں مشغول ہو یہاں تک رفتہ رفتہ سب سے موصوف ہو جائے مگر یہ طریقہ ایسے شخص کے لیے ہے جو نہایت مستعد ہو اور جو صلحاء میں شمار ہوتے ہیں' ان میں اکثر کو چاہیے کہ وہ اپنی کاپیوں میں ظاہری گناہ بھی لکھ لیں۔ جیسے مشکوک کھانا اور غیبت اور چغلی اور خصومت اور خوشنائی اور دشمنوں کی عداوت میں مبالغہ کرنا اور دوستوں کی دوستی میں زیادتی اور عوام کی خوشلد و چاپلوسی اور شرک امر بالمعروف اور نہی منکر وغرہ کہ اکثر لوگ جو بڑے نیک بخت شمار کیے جاتے ہیں' ان میں یہ گناہ کچھ نہ کچھ پائے جاتے ہیں اور جب تک اعضائے ظاہری گناہوں سے پاک نہیں ہوتے تزکیہ و تصفیہ قلب کا استعمل میں ناممکن ہے بلکہ ہر انسان پر ایک قسم کی معصیت غالب ہوتی ہے۔ چاہیے کہ سالک اس کے درپے ہوں اور اسی کی تدبیر کریں۔ ایسے گناہوں میں فکر نہ کریں جن سے کہ وہ کفار پر ہوں۔ مثلاً عالم پرہیزگار اکثر اپنے علم کا اظہار کیا کرتا ہے اور شہرت کا خواہاں ہوتا ہے۔ تدریس سے یا وعظ سے اور جو اس کے درپے ہوتا ہے کہ وہ ایسے فتنہ میں پڑتا ہے کہ اس سے سوائے صدیقوں کے اور کوئی نجات نہیں پاتا یعنی اگر اس کا کلام مقبول ہوتا ہے اور قلوب میں خوب تاثیر کرتا ہے تو عالم مذکور عجب اور اترانے اور زینت اور تکلف سے خالی نہیں ہوتا اور یہ سب باتیں مہلک ہیں۔ اگر کوئی اس کے کلام کو نہ مانے تو غصہ اور غیرت اور کینے سے خالی نہیں ہوتا حالانکہ اگر نہ ماننے والا کسی دوسرے عالم کے کلام کو نہ مانے تو اسے اس پر اتنا غصہ نہیں آتا' اپنے کلام نہ ماننے پر زیادہ غصہ آتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ شیطان اس کو بہکاتا اور کہتا ہے کہ تیرا غصہ اس لیے ہے کہ اس نے حق بات کو نہ مانا اور اس پر انکار کیا۔ پس اگر یہ اپنے کلام کے نہ ماننے اور دوسرے عالم کے کلام کے نہ ماننے پر یکساں خفا ہوتا ہے تو بہتر ورنہ ظاہر ہے کہ مغالطے میں پڑا ہے اور شیطان کا تابع ہوگا پھر جبکہ لوگوں کے ماننے سے اس کو خوشی ہوتی ہے اور ان کی تعریف کرنے سے پھولتا ہے اور ان کے نہ ماننے اور روگردانی کو برا جانتا ہے تو کچھ نہ کچھ تکلف اور بناوٹ اور لفظوں کی خوبصورتی سے ادا کرنے میں بھی لگتا ہے۔ اس توقع سے کہ اس کے سبب سے لوگ تعریف کریں گے حالانکہ تکلف خدا تعالیٰ کو پسند نہیں اور شیطان یہاں بھی اسے دھوکہ دیتا ہے اور کہتا ہے کہ تو الفاظ اچھی طرح ادا کرتا ہے تو تیری غرض یہ ہے کہ حق پھیلے اور دل میں خوب اثر کرے اور اس سے صرف دین حق کا اعلاء ہے تو اس صورت میں اگر یہ الفاظ کی خوبصورتی پر دوسرے علماء بہ نسبت کر زیادہ خوش ہوگا تو معلوم ہوگا کہ فریبی ہے اور طلب جاہ کا حریص ہے۔ اگرچہ گمان کرے کہ میری غرض دین ہے اور جب اس کے دل میں صفات پریشانی پیدا کرتے ہیں تو ان کا اثر ظاہر میں بھی ہو جایا کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی اس کی تعظیم کرے یا اس کے علم و فضل کا معتقد ہو اور دوسرا شخص کسی دوسرے عالم کا معتقد ہو تو یہ اپنے معتقد کی زیادہ تعظیم و تکریم کرتا ہے۔ بہ نسبت دوسرے کے معتقد کے گو دوسرا عالم اس کی بہ نسبت اعتقاد کے لائق زیادہ ہو۔

فائدہ:۔ اکثر اہل علم میں غیرت کی نوبت یہاں تک ہو جاتی ہے کہ عورتوں کی طرح غیرت کرنے لگتے ہیں اور ایک کا شاگرد اگر دوسرے کے پاس جائے تو اس پر نہایت شاق ہوتا ہے حالانکہ جانتا ہے کہ میرا شاگرد دوسرے کے پاس مستفید ہوتا ہے اور دین کی باتیں سیکھتا ہے اور ان سب امور کا منشاء وہی صفات مہلکہ ہیں جو دل کے اندر مخفی ہیں اور عالم از راہ مغالطہ جانتا ہے کہ میں ان سے بچا ہوا ہوں حالانکہ وہ ان علامات مذکورہ بالا سے ظاہر ہیں غرضیکہ عالم کا فتنہ بہت بڑا ہے۔ وہ یا بادشاہ ہے یا بالکل تباہ عوام کی طرح بچ جانے کی اسے میں طمع نہیں۔ اگرچہ جو عالم اپنے نفس میں ان صفات کو معلوم کرے' اس پر گوشہ نشینی اور تنہائی اور گمنامی کی طلب واجب ہے اور فتویٰ دینے سے گریز کرنا لازم ہے۔ زمانہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں مسجد نبوی شریف علی صاحبہ الصلوۃ والسلام میں بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین رہتے تھے کہ سب کے سب مفتی بھی تھے مگر فتویٰ دینے سے کنارہ کرتے تھے۔ اگر کوئی دیتا بھی تھا تو یہ چاہتا تھا کہ کوئی دوسرا اگر بچا دیتا تو اچھا تھا اور گوشہ نشینی کے وقت عوام اور شیطان سے ڈرنا چاہیے کہ وہ یوں کہتے ہیں کہ تم گوشہ نشینی اختیار نہ کرو' اس لیے کہ اگر سب ایسا ہی کریں گے تو علوم خلق میں سے جاتے رہیں گے۔ اسکا جواب یوں دینا چاہیے کہ دین اسلام میں میری ضرورت نہیں۔ وہ مجھ سے پہلے بھی آباد تھا اور بعد کو بھی آباد رہے گا۔ میرے مرنے سے دین کے ارکان مٹ نہیں جائیں گے۔ دین کو میری کوئی پروا نہیں لیکن میرا یہ حال ہے کہ اپنے دل کی اصلاح سے میں بے پروا نہیں ہوں اور یہ کہنا کہ میری گوشہ نشینی سے علم جاتا رہے گا' غلط خیال ہے بلکہ نہایت جہالت پر دلالت کرتا ہے' اس لیے کہ اگر لوگوں کو بالفرض قید خانے میں بند کر کے بیڑیاں ڈال دی جائیں اور کہہ دیا جائے کہ اگر علم طلب کرو گے تو آگ میں جلا دیئے جاؤ گے تو علم کی عظمت اور بڑائی کی محبت ان کو اس بات پر آمادہ کرے گی کہ بیڑیاں توڑ کر اور دیواریں گرا کر نکل جائیں اور علم حاصل کریں۔ جب تک کہ شیطان مخلوق کو عزت و عظمت کی محبت دلاتا رہے گا۔ علم کسی طرح ختم نہیں ہو سکتا اور ظاہر ہے کہ شیطان قیامت تک اپنے کام میں سستی نہیں کرے گا تو اس وقت تک علوم بھی باقی رہیں گے بلکہ علوم دینی ایسے لوگوں کے سبب سے پھیلیں گے کہ جن کو آخرت میں کچھ نہ ملے۔

حدیث:۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ان اللہ یوید ھذا الذین باقوام لا خلق لھم وان اللہ لیؤد ھذا الذین بالرجلا لفاجر (اللہ تعالیٰ اس دین سے تائید ایسے لوگوں سے کرے گا جن کو دین میں کچھ حصہ نہ ہو اور اس دین کی تائید کرتا ہے اسی لیے عالم دین کو چاہیے کہ ایسے فریبوں سے دھوکہ کھا کر عوام۔ کے ملنے میں مشغول ہو اور اپنے دل میں جاہ دنیا کی محبت کی پرورش کرے جو نفاق کا تخم ہے حدیث شریف میں ہے کہ جاہ و مال کی محبت نفاق کو ایسا اگاتی ہے جیسے پانی سبزی۔

نبی اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ماذئبان ضاریان ارسلافی ذریتم غنم باکثر فساد فیھا من حب الجاہ والمال فی دین المرالمسلم "دو خونخوار بھیڑیئے بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیئے جائیں تو وہ

بکریوں کا اتنا نقصان نہیں کرے گے جتنا جاہ و مال کی محبت مسلمان کے دین میں تباہی کرتی ہے۔

علاج:- تحصیل مرتبہ اور جاہ و جلال دل سے بغیر گوشہ نشینی اور لوگوں سے گریز کرے اور جن باتوں سے ان کے دلوں میں جاہ بڑھتا ہے' ان کو چھوڑے بغیر نہیں جاتی تو عالم دین کو اپنے دل سے ان خفیہ صفات کی تلاش کی فکر کرنی چاہیے اور یہ کہ ان سے نجات کی تدبیر کیا ہے اور یہ فکر عالم متقی کے لیے ہے اور عوام اور ہم جیسوں کو تو فکر ان باتوں کی چاہیے جن سے ہمارا ایمان روز حساب پر قوی ہو جائے' اس لیے کہ اگر ہم لوگوں کو بزرگان دین اور سلف صالحین دیکھیں تو یقیناً کہیں گے کہ یہ لوگ روز حساب پر ایمان نہیں رکھتے' اس لیے کہ ہمارے اعمال ایسے نہیں جیسے جنت دوزخ پر ایمان رکھنے والوں کے ہوا کرتے ہیں کیونکہ جو کوئی کسی چیز سے ڈرتا ہے' وہ اس سے بھاگتا ہے اور جس چیز کی توقع کرتا ہے' اسے طلب کیا کرتا ہے اور یہ بھی ہم جانتے ہیں کہ دوزخ سے گریز شبہات اور حرام اور معاصی کے چھوڑنے سے ہوتی ہے حالانکہ ہم ان میں مستغرق ہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ جنت کی طلب نوافل کی کثرت سے ہوتی ہے۔ اس میں بھی ہم قاصر ہیں بلکہ فرائض بھی اچھی طرح نہیں ادا ہوتے تو ہم کو علم کا ثمر یہی ملا کہ لوگ دنیا میں حریص ہونے میں ہماری اقتداء کریں اور کہیں کہ اگر حرص دنیا برا ہوتا تو علماء ہماری نسبت اس سے زیادہ پرہیز کرتے۔ کیا اچھا ہو تاکہ ہم عوام کی طرح ہوتے اور جب ہم مرجاتے تو ہمارے ساتھ ہی ہمارے گناہ مر جاتے۔ اب اگر سوچتے ہیں تو جس فتنہ کا سامنا ہمیں ہے' وہ بہت ہی برا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں کہ ہمیں درست کرے اور ہماری وجہ سے دوسروں کو درست کرے اور ہم کو مرنے سے پہلے توبہ کی توفیق دے۔ وہی کریم اور رحیم اور ہم پر انعام کرنے والا ہے۔

علماء اور صلحاء کے فکروں کے طریقے:- علوم معاملہ میں علماء و صلحاء کے فکروں میں طریقے جب وہ ان سے فارغ ہوتے ہیں تو ان کا التفات ان کے نفسوں سے اٹھ جاتا ہے اور ان فکروں سے ترقی کرکے خدا کی عظمت اور جلال اور دیدہ دل سے اس کے مشاہدہ کی لذت میں فکر کرنے لگتے ہیں اور یہ فکر پورا تب ہوتا ہے جب تمام مہلکات سے علیحدہ اور تمام منجیات سے موصوف ہو۔ اگر اس سے پہلے کچھ ظاہر ہوگا تو بیمار اور ناقص پر کدورت اور جلد مٹ جانے والا ہوگا۔ بجلی کی طرح چمک تو جائے گا لیکن اسے قرار اور دوام نہ ہوگا۔ ایسی صورت میں سالک کا حال اس عاشق جیسا ہوگا جو اپنے معشوق سے خلوت کرے اور اس کے کپڑوں کے اندر سانپ اور بچھو ہوں کہ اسے کاٹ رہے ہوں اور لذت مشاہدہ اس پر مکدر کر دیں اور بغیر ان کے نکالے آسائش کامل نہ ہو اور یہ صفات مذمومہ بھی سانپ اور بچھو ہیں۔ ان کے ایذا سے پریشانی ہوتی ہے۔ قبر میں ان کے نیشوں کی تکلیف سانپ بچھو کے کاٹنے سے بھی زیادہ ہوگی۔

فائدہ:- قسم اول فکر کا بیان اتنا کافی ہے' اس سے طریق فکر سے آگاہی ہو جاتی ہے کہ جو صفات بندے کے خدا تعالیٰ کے نزدیک محبوب یا مکروہ ہیں' ان میں کس طرح کیا کیا فکر کرے۔

قسم 2 خدا تعالیٰ کی عظمت و کبریائی میں فکر کرنا:- یہ چند مقامات ہیں۔ سب سے اعلیٰ مقام یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات اور صفات اور اس کے اسماء کے معانی میں فکر کرنا مگر ایسا فکر کرنا ممنوع ہے' اس لیے کہ شرع میں ارشاد ہوا ہے کہ خدا تعالیٰ کی مخلوق میں فکر کرو۔ اس کی ذات میں فکر نہ کرو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عقل اس کی ذات میں حیران ہے۔ بجز صدیقوں کے اور کوئی اس طرف آنکھ نہیں اٹھا سکتا اور وہ بھی اس کے ہمیشہ دیکھنے کی تاب نہیں رکھتے بلکہ تمام مخلوق کی آنکھوں کا حال خدا تعالیٰ کے جلال کی بہ نسبت ایسے ہے جیسے چمگادڑ کی آنکھ کا حال ہے نور آفتاب کی نسبت یعنی چمگادڑ کو آفتاب کے نور دیکھنے کی تاب نہیں بلکہ دن کو چھپی رہتی ہے اور رات کو کس قدر روشنی میں جو آفتاب سے زمین پر رہتی ہے۔ دیکھتی ہے اور صدیقوں کا حال مثل عام انسان کے حال جیسا ہے کہ آفتاب کو دیکھ تو سکتا ہے مگر ہمیشہ نہیں دیکھ سکتا اور نہ خوف بینائی کے چلے جانے کا ہے بشرطیکہ اس کی طرف دیکھے اور خوب نظر جما کر دیکھنے سے بھی آنکھیں چندھیا اور بینائی منتشر ہو جاتی ہے۔ اس طرح خدا تعالیٰ کی طرف دیکھنا خطرہ حیرت اور مدہوشی اور عقل کے اضطراب کا ہوتا ہے۔ اس صورت میں مناسب یہی ہے کہ خدا پاک کی ذات و صفات میں فکر کرنے کے طریقوں کو بیان نہ کیا جائے۔ اس لئے کہ اکثر عقول کو اس کی تاب نہیں بلکہ تھوڑی سی مقدار جس کی تصریح بعض علماء نے کی ہے کہ خدا تعالیٰ مکان اور اطراف اور جہات سے پاک ہے۔ وہ نہ عالم کے اندر ہے نہ باہر' اس سے متصل ہے' نہ جدا۔ اسی سے بعض لوگوں کی عقل ایسی حیران ہوئی کہ وہ اس کے منکر ہو گئے کیونکہ انہیں نہ سننے کی طاقت' نہ پہچاننے کی بلکہ بعض لوگ تو اس سے کم کی بھی برداشت نہ کر سکے یعنی جب ان سے کہا گیا کہ خدا تعالیٰ اس سے بری ہے کہ اس کا سر اور ہاتھ' پاؤں اور آنکھ اور عضو اور کوئی جسم معین مقدار اور موٹائی والا ہو تو انہوں نے نہ مانا اور گمان کیا کہ یہ تعریف تو خدا تعالیٰ کی عظمت و جلال میں نقصان پیدا کرتی ہے بلکہ بعض احمقوں نے کہا کہ یہ تعریف تو ہندوستان کے تربوز کی ہے' خدا تعالیٰ کی نہیں ہو سکتی۔ اس بیچارے کو یہی گمان تھا کہ بزرگی اور عظمت انہیں اعضاء میں ہے کیونکہ انسان صرف خود جانتا ہے اور ا[illegible] لی بڑائی کرتا ہے تو جو چیز کہ صفت میں اس کی برابری نہیں کرتی' اس میں کوئی عظمت نہیں سمجھتا۔ بلکہ [illegible] اس [illegible] یہ ہے کہ اپنے نفس کو خوبصورت تخت پر بیٹھا ہوا سامنے نوکر چاکر کام کرتے ہوئے فرض کر لے تو امید ہے کہ خدا تعالیٰ کو بھی مان لے گا تاکہ اس کی عظمت سمجھے بلکہ اگر مکھی کو عقل ہوتی اور اس سے کہا جاتا کہ تیرے خالق کے نہ تو بازو ہیں' نہ پر اور نہ پاؤں' نہ اڑان تو تو وہ اس کو نہ مانتی اور کہتی کہ میرا پیدا کرنے والا مجھ سے کم کس طرح ہو گا۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ اس کے پر کٹے ہوئے ہوں یا لنگڑا ہو کہ اڑ نہ سکے۔ مجھ میں تو سامان قدرت ہو اور جو میرا پیدا کرنے والا ہے' اس میں یہ لوازمات اور قدرت نہ ہو اور اکثر لوگوں کی عقول اس عقل کے قریب تر ہیں۔ سچ ہے کہ انسان بڑا جاہل اور ظالم اور ناشکر ہے۔

وحی نبوت:- سابق دور میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض انبیاء پر وحی بھیجی کہ میرے بندوں سے میر صفت نہ کہو' وہ

نہ مانیں گے بلکہ ان سے میرا حال صرف الفاظ میں کہو تاکہ وہ سمجھ لیں اور خدا تعالیٰ کی ذات اور صفات میں غور کرنا اس وجہ سے ممنوع ہے کہ شرع کا ادب اور خلق کی بہتری اسی کی مقتضی ہیں ہم بھی اس کے درپے نہ ہوں بلکہ اس مقام کو چھوڑ کر دوسرے مقام کی طرف متوجہ ہوتے ہیں یعنی غور کرنا اس کے افعال اور عجائب صنعت اور غریب معاملات میں جو اس کی مخلوق میں ہیں' اس لیے کہ ان سب سے اس کے جلال اور عظمت اور کبریائی اور پاک ہونا اور کمال علم و حکمت اور اس کی مشیت کا اجراء پایا جاتا ہے۔ پس اس کی صفات پر غور اس کی صفات کے آثار سے ہی کرنا چاہیے' اس لیے کہ ہم کو یہ تو تاب نہیں کہ اس کی صفات کی طرف نظر کریں تو ان کے آثار ہی پر نظر چاہیے۔ جیسے جب آفتاب چمکتا ہے تو ہم اس کی طرف نہیں دیکھ سکتے ہیں بلکہ زمین کو دیکھنے کی طاقت رکھتے ہیں اور اسی سے آفتاب کے نور کی عظمت چاند اور ستاروں کے نور کی نسبت سمجھتے ہیں' اس لیے کہ زمین کا روشن ہونا آفتاب کے نور کے آثار میں سے ہے اور اثر کو دیکھنے سے موثر کچھ نہ کچھ سمجھ میں آیا کرتا ہے۔ اگرچہ خود موثر کے دیکھنے کے قائم مقام نہ ہو اور تمام موجودات دنیا کے آثار کے قدرت الٰہی میں سے ایک اثر ہیں اور اسی کے انوار ذات میں سے ایک نور۔ اس لیے کہ تمام چیزوں کا وجود اس کی ذات سے قائم ہے جو خود بخود قائم ہے جس طرح کہ جسم کا نور آفتاب کے نور سے ہے اور وہ خود روشن ہے اور جب تھوڑا سا آفتاب کو گرہن لگتا ہے تو عادت یوں ہے کہ ایک پانی کا طشت رکھ کر دیکھا کرتے ہیں تاکہ اس کو دیکھ سکیں اور آنکھ میں نقصان نہ کرے۔ اس صورت میں پانی کا ایک ذریعہ ہوتا ہے کہ آفتاب کے نور سے کس قدر کم کر دیتا ہے تاکہ اس کی طرف نظر کرنے کی تاب ہو تو اسی طرح افعال الٰہی بھی ایسا ذریعہ ہوتے ہیں جن میں ہم فاعل کی صفات مشاہدہ کرتے ہیں اور نور ذات سے متحیر نہیں ہوتے' اس لیے کہ ہم میں اور ذات میں افعال کا واسطہ اور دوری ہو گئی۔ اسی راز کو حدیث میں ظاہر کیا گیا۔

راز کا اظہار:۔ حضور نبی اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تفکروا فی خلق اللہ ولا تتفکروا فی ذات اللہ "اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں فکر کرو اور اس کی ذات میں فکر نہ کرو۔"

مخلوق میں فکر سے معرفت حق:۔ یاد رہے کہ جو چیز سوائے خدا تعالیٰ کے موجود ہے' وہ اسی کا فعل اور اسی کی تخلیق ہے اور ہر ذرہ میں جوہر اور عرض اور صفت اور موصوف کے بہت سے عجائب اور غرائب ہیں جن سے خدا تعالیٰ کی حکمت اور قدرت اور جلال و عظمت ظاہر ہوتی ہے اور ان کا شمار کرنا غیر ممکن ہے بلکہ اگر سمندر روشنائی ہو جائے اور اس سے وہ عجائب لکھے جائیں تو اس کا خاتمہ ہو جائے لیکن اس کی عظمت بیان نہ ہو سکے' تاہم بطور نمونہ ان میں سے ہم کچھ لکھ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ موجودات خدا تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ ان کی دو قسمیں ہیں۔ (1) ان کی اصل نہ معلوم ہو تو ایسے اشیاء میں ہم سے تفکر نہیں ہو سکتا اور موجودات بہت ہیں جن کو تم نہیں جانتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ویخلق مالا تعلمون "اور بنایا ہے جو تم نہیں جانتے۔" اور فرمایا سبحان الذی خلق الازواج کلھا مما تنبت الارض ومن انفسھم ومما لا یعلمون (یٰسین 36) ترجمہ کنزالایمان :۔ پاکی ہے اسے جس نے

سب جوڑے بنائے ان چیزوں سے جنہیں زمین اگاتی ہے اور خود ان سے اور ان چیزوں سے جن کی انہیں خبر نہیں۔
اور فرمایا ونشئکم فیما لا تعلمون ترجمہ کنزالایمان :۔

(2)ان کی اصل معلوم ہے اور مجملاً" بھی پہچانی جاتی ہیں مگر تفصیل نہیں معلوم تو اشیاء میں ہمیں ممکن ہے' ہم ان کی تفصیل میں فکر کریں اور ان اشیاء کی دو قسمیں ہیں۔ (1) وہ جو آنکھ سے نظر نہیں آتی۔ (2) وہ جو نظر آتی ہے۔ پہلی کی مثال جیسے فرشتے' جن' شیاطین' عرش و کرسی وغیرہ۔ ان اشیاء میں فکر کی مجال تنگ ہے۔ اسی وجہ سے ہم اسی قسم کی فکر کو لکھتے ہیں جو سمجھنے کے قریب تر ہے یعنی وہ اشیاء جو آنکھ سے نظر آتی ہیں اور وہ ساتوں آسمان اور زمین اور جو چیز ان کے درمیان ہے' آسمان میں یہ چیزیں نظر آتی ہیں۔ ستارے اور چاند اور سورج اور ان کی حرکت اور گردش اور نکلنا اور ڈوب جانا اور زمین میں یہ اشیاء معلوم ہوتی ہیں۔ پہاڑ اور کانیں اور نہریں اور دریاء اور حیوانات اور نباتات اور آسمان اور زمین کے درمیان جو تین یہ اشیاء محسوس ہوتے ہیں۔ بادل' مینہ اور برف اور اولے اور رعد اور بجلی اور صاعقہ اور ٹوٹتے ستارے اور تند ہوائیں غرضیکہ آسمان و زمین اور ان کے درمیان میں اس جنس کی اشیاء معلوم ہوتی ہیں۔

محسوسات کی اقسام :۔ یہ کئی انواع پر منقسم ہیں اور ہر نوع کی بہت سی قسمیں ہیں۔ پھر اقسام کی فروع ہیں۔ اسی طرح شاخ در شاخ ہوتی چلی گئی ہیں۔ جس قدر اختلاف صفات اور ہیت اور معانی ظاہری اور باطنی کا ہوتا جاتا ہے' اسی قدر انقسام بھی زیادہ ہوتا جاتا ہے اور ان سب شاخوں میں فکر کی مجال ہے۔ کوئی ذرہ جمادات اور نباتات اور حیوانات اور آسمان اور ستارہ کا ایسا نہیں حرکت کرتا جس کا حرکت دینے والا خدا تعالیٰ نہ ہو اور اس کی حرکت میں ایک حکمت یا دو یا دس یا ہزار حکمتیں خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور ان کے جلال اور عظمت پر دالی نہ ہوں اور یہ سب اشیاء نشانیاں اور آیات و آلہ ہیں۔ قرآن مجید میں ان میں فکر کرنے کی ترغیب ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان فی خلق السموت والارض واختلاف الیل والنہار لایات لاولی الالباب (آل عمران 190) ترجمہ کنزالایمان : ۔ بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کی باہم بدلیوں میں نشانیاں ہیں عقل مندوں کے لئے۔

فائدہ :۔ ومن آیاتہ تو کلام مجید میں شروع سے آخر تک بہت جگہ وارد ہے۔ پس بعض آیات میں فکر کرنے کی کیفیت کا ذکر کرتے ہیں مثلاً ایک خدا تعالیٰ کی آیات میں سے یہ ہے کہ انسان نطفہ سے پیدا ہوا ہے اور سب دلائل ہیں کہ عمریں کٹ جائیں اور دسواں حصہ بھی معلوم نہ ہوں اور انسان ان سے غافل ہے۔

درس عبرت :۔ جب تو اپنے نفس سے غافل ہے تو دوسرے کی معرفت کی طمع کیسے کرتا ہے اور تجھے اللہ تعالیٰ اپنی کتاب مجید میں ارشاد فرمایا ہے کہ اپنے نفس میں تامل کرو وفی انفسکم افلا تبصرون (الذاریات 21) ترجمہ کنزالایمان :۔ اور خود تم میں تو کیا تمہیں سوجھتا نہیں۔

اور یہ بھی ذکر فرمایا کہ تو ناپاک نطفہ سے بنا ہے۔ قتل الانسان ما اکفرہ من ای شی خلقہ من نطفتہ خلقہ فقدہ' ثم السبیل یسرہ ثم اماتہ فاقبرہ ثم اذا شاء انشرہ (عبس 22'17) ترجمہ کنزالایمان :- آدمی مارا جائیو کیا ناشکر ہے اس کا ہے سے بنایا پانی کی بوند سے اسے پیدا فرمایا پھر اسے طرح طرح کے اندازوں پر رکھا پھر اسے آراستہ آسان کیا پھر اسے موت دی پھر قبر میں رکھوایا پھر جب چاہا اسے باہر نکالا۔ اور فرمایا ومن ایتہ ان خلقکم من ترات ثم اذا انتم بشر تنتشرون (الروم 20) ترجمہ کنزالایمان :- اور اس نشانیوں سے ہے یہ کہ تمہیں پیدا کیا مٹی سے پھر جبھی تم انسان ہو دنیا میں پھیلے ہوئے۔ اور فرمایا الم یک نطفة من منی یمنی ثم کان علقة فخلق فسوٰی (القیمہ 87'88) ترجمہ کنزالایمان :- کیا وہ ایک بوند نہ تھا اسے منی کا کہ گرائی جائے پھر خون کی اٹھک ہوا تو اس میں پیدا فرمایا پھر ٹھیک بنایا۔ اور فرمایا الم نخلقکم من ماء مھین فجعلناہ فی قرار مکین الٰی قدر معلوم (المرسلت 20'22) ترجمہ کنزالایمان :- کیا ہم نے تمہیں ایک بے قدر پانی سے پیدا نہ فرمایا پھر اسے ایک محفوظ جگہ میں رکھا ایک معلوم کہ۔ اور فرمایا اولم یرالانسان انا خلقناہ من نطفة فاذا ھوا خصیم مبین (یٰسین 77) ترجمہ کنزالایمان :- اور کیا آدمی نے نہ دیکھا کہ ہم نے اسے پانی کی بوند سے بنایا جبھی وہ صریح جھگڑالو ہے۔ اور فرمایا انا خلقنا الانسان من نطفة امشاج (الدھر 2) ترجمہ کنزالایمان :- بے شک ہم نے آدمی کو پیدا کیا ملی ہوئی منی سے۔ اور فرمایا ولقد خلقنا الانسان من سلالة من طین ثم جعلناہ نطفة فی قرار مکین ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة فخلقنا المضغة عظاما فکسونا العظام لحما (المومنون 14'12) ترجمہ کنزالایمان :- اور بے شک ہم نے آدمی کو چنی ہوئی مٹی سے بنایا پھر اسے پانی کی بوند کیا ایک مضبوط ٹھہراؤ میں پھر ہم نے اس پانی کی بوند کو خون کی ٹھپک کیا پھر خون کی ٹھپک کو گوشت کی بوٹی پھر گوشت کی بوٹی کو ہڈیاں پھر ان ہڈیوں پر گوشت بنایا۔

انتباہ :- نطفہ کے بار بار کلام مجید میں ذکر کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ یہ ایک لفظ ہے کہ اسے سنا جائے اور اس کے معنوں میں تفکر نہ کیا جائے بلکہ مراد یہی ہے کہ نطفے پر غور کرو مثلاً اس طرح کہ وہ ایک ناپاک پانی کی بوند ہے۔ اگر گھڑی بھر چھوڑ دیا جائے کہ اسے ہوا لگتی رہے تو خراب ہو کر بدبو دینے لگتا ہے۔ ایسی ناپاک چیز کو دیکھو کہ رب تعالیٰ نے مرد کی پیٹھ اور عورت کی چھاتیوں سے کیسے اکٹھا کیا اور ان کے دلوں میں الفت اور محبت ڈالی اور اسی رشتہ محبت اور شہوت سے دونوں آپس میں ملے' پھر صحبت کی حرکت سے مرد کی پشت سے اس نطفہ کو نکالا اور عورت کی رحم میں ڈالا۔ پھر حیض کا خون کہاں کہاں کی رگوں کے اندر سے کھینچ کر رحم میں اکٹھا کیا اور نطفے سے بچہ بنا کر اس کو خون حیض کھلایا پلایا یہاں تک کہ بڑھا اور پرورش پائی۔ پھر دیکھو کہ نطفہ سفید چمکتا ہوا تھا۔ اس کو سرخ پھٹکی کیسے بنا دیا۔ پھر پھٹکی کو لوتھڑا کیسے کر دیا۔ پھر نطفہ کے حصے کیسے کر دیئے۔ اس کے ٹکڑے تو یکساں تھے مگر کسی کو ہڈی کر دیا' کسی کو پٹھا' کسی کو رگ' پھر گوشت اور پٹھوں اور رگوں سے اعضا ظاہری کس طرح بنائے۔ سر کو گول بنایا اور کان' آنکھ اور ناک اور چہرہ اوظ دوسرے منفذوں کو کشادہ کیا اور ہاتھ اور پاؤں کو لمبا بنا دیا اور ان کے سروں میں انگلیوں اور انگلیوں میں پوریں۔ پھر اعضائے باطنی یعنی دل اور معدہ اور جگر اور تلی اور پھیپھڑے اور رحم اور مثانہ اور آنتیں

کس طرح بنائیں کہ ہر ایک کی شکل اور مقدار اور عمل معین ہے۔ پھر انہیں ہر ایک عضو اور قسموں سے مرکب فرمایا مثلاً آنکھ کو سات طبقوں سے مرکب فرمایا جن میں سے ہر ایک طبقہ کا ایک جدا وصف ہے اور جدا صورت اگر ایک طبقہ جاتا رہے یا کوئی اس کی صفت زائل ہو جائے تو آنکھ دیکھنے سے بیکار ہو جائے غرضیکہ جو جو عجائب ان اعضاء میں سے ایک ایک میں جدا جدا پائے جاتے ہیں' ایک ہی عضو کے اگر آدھے عجائب بھی ہم لکھیں تو عمر بھر ختم نہ ہو۔ ہڈیوں پر غور کرو کہ کیسی سخت اور مضبوط ہوتی ہیں۔ ان کو نرم اور پتلے نطفے سے کیسے بنایا اور ان کو بدن کی راستی کا موجب ٹھہرایا۔ پھر ان کی مقداریں اور صورتیں جدا جدا بنائیں۔ کوئی چھوٹی ہے' کوئی بڑی' کوئی لمبی ہے' کوئی چوڑی' کوئی گول' کوئی بیچ میں سے خالی' کوئی ٹھوس' کوئی پتلی اور باریک اور چونکہ انسان کو سارے بدن سے بھی اور بعض اعضاء سے بھی حرکت ضروری تھی کہ جس عضو کے ہلانے کی ضرورت جس کام کے لیے ہو' صرف اسی کو ہلا لیا کرے تو اسی لیے اس کی ہڈی ایک نہیں بنائی گئی بلکہ بہت سی ہڈیاں اور ان کے اندر جوڑ بنائے گئے تاکہ ان سے حرکت آسان ہو اور ہر جوڑ اور ہڈی کی شکل کو موافق حرکت مطلوب کے رکھا۔ پھر جوڑ جوڑ ہڈیوں کے ملائے ہیں تو ان کی یہ صورت ہے کہ ایک ہڈی کے کنارے کو دوسرے کنارے کے ریشوں سے ملا دیا ہے یعنی ایک کے سرے سے دو ریشے نکلے ہیں اور دوسرے سے جا کر ملے ہیں۔ گویا یہی بندھن ہے' پھر ایک ہڈی کے سر میں کونے زائد اس سے باہر کو نکلے ہوئے بنائے ہیں اور دوسرے کے سرے میں اسی کے موافق گہرا گڑھا بنا دیا ہے تاکہ وہ زوائد ان میں خوب اچھی طرح فٹ آ جائیں تو اب انسان کا حال ایسا ہو گیا کہ اگر اپنے بدن کی کسی چیز کو ہلانا چاہتا ہے' ہلا سکتا ہے اور اگر جوڑ نہ ہوتے تو یہ امر ہرگز نہ ہو سکتا۔ پھر دیکھو کہ سر کی ہڈیوں کو کیسا پیدا کیا اور کیسے اکٹھا کر کے ملایا۔ وہ گنتی میں پچپن (55) جدا جدا شکلوں اور صورتوں کی ہیں (ان سب کو ایک دوسرے سے ملا کر تمام سر جب نظر آتا ہے) بنایا ان ہڈیوں سے چھ ہڈیاں خاص کھوپڑی کی ہیں اور چودہ اوپر کے جبڑے کی اور بارہ نیچے کے جبڑے کی اور باقی دانت ہیں جن میں سے بعض چوڑے ہیں کہ پیسنے کی طاقت رکھتے ہیں اور بعض تیز کاٹنے کے قابل ہیں۔ نکیلے ہیں تو کچھ داڑھیں اور بعض کچلیاں اور بعض سادہ دانت ہیں۔ پھر گردن کو سر کی سواری بنایا اور اسے سات منکوں سے مرکب کیا جو بیچ میں خالی اور گول ہیں اور ان میں گھٹاؤ بڑھاؤ ہے۔ اس سے ایک دوسرے پر منطبق ہوتے ہیں اور حکمت کی وجہ اس باب میں وجو حکمت لکھنا حوالت چاہتا ہے۔ پھر گردن کو پشت پر رکھا اور پشت کو گردن کے نیچے سے لے کر سرین کی ہڈی تک چوبیس مہروں سے بنایا اور سرین کی ہڈی کو تین مختلف اجزاء سے مرکب کیا۔ نیچے کی طرف سے تو اس سے ریڑھ کی ہڈی ملی ہوئی ہے اور وہ بھی تین چیزوں سے مرکب ہے۔ پھر پشت کی ہڈیوں کو سینے کی ہڈیوں اور کندھے اور ہاتھوں اور زیر ناف اور سرین کی ہڈیوں کو ملایا۔ پھر رانوں اور پنڈلیوں اور پاؤں کی انگلیوں کی ہڈیاں ہیں۔ ان کے شمار ہم نہیں لکھ سکے مگر سارے بدن میں دو سو اڑتالیس (248) ہڈیاں ہیں' ان میں چھوٹی ہڈیاں داخل نہیں جن سے جوڑوں کے گڑھے کیے ہوئے ہیں۔ غور فرمایئے کہ ان سب کو ایک نطفہ نرم اور پتلے سے کیسے بنایا۔

فائدہ :- ہڈیوں کے شمار کرنے سے یہ مقصود نہیں کہ ان کی گنتی معلوم ہو جائے' اس لیے کہ یہ تو لوئی علم ہے۔

محققین اطباء انہیں خوب جانتے ہیں بلکہ غرض یہ ہے کہ ان ہڈیوں کو دیکھ کر جن سے انسان کو منظم کر کے اسے پیدا فرمایا۔ پھر اس طرف غور کریں کہ کیسے اس نے ان کو مقرر کیا اور ان میں انتظام کیا اور ان کی شکلیں اور مقداریں علیحدہ علیحدہ بنائیں اور ان کے شمار معین رکھے کہ اگر ایک بڑھ جاتی ہے تو انسان پر وبال ہو جاتی ہے اور اس کے دور کرنے کا محتاج ہو جاتا ہے' اس لیے اگر ایک کم ہو جاتی ہے تو اس کی کے تدارک کا پورا کرنا پڑتا ہے۔ طبیب ہڈیوں پر غور کرتا ہے کہ ان کے علاج کا ماہر ہو جائے اور اہل بصیرت جو ان پر غور کرتے ہیں تو ان سے بڑائی ان کے پیدا کرنے والے کی عظمت سمجھتے ہیں کہ کیا تصویر بنائی تو دونوں نظروں میں نہایت درجہ کا فرق ہے۔ پھر دیکھو کہ خدا تعالیٰ نے ہڈیوں کے ہلانے کے اسباب کیسے بنائے یعنی مچھلیاں پانچ سو انتیس (529) پیدا کیں اور ہر مچھلی گوشت اور پٹھے اور بند اور جھلیوں سے بنی ہے اور وہ سب مقدار اور شکلوں میں جیسی جگہ اور جیسی ضرورت ہے' اس کے موافق جدا جدا ہیں۔ ان میں سے چوبیس مچھلیاں آنکھ کے ڈھیلے اور پپوٹوں کے ہلانے کے لیے ہیں کہ اگر ان میں سے ایک کم ہو جائے تو آنکھ ناقص ہو جائے۔ اسی طرح ہر عضو کے لیے ایک شمار معین اور مقدار معین پر مچھلیاں بنی ہیں اور پٹھوں اور رگوں اور شریانوں کا حال اور ان کے شمار اور نکلنے کی جگہ اور شاخوں کے پھوٹنے کا ماجرا ان سب سے عجیب تر ہے اور اس کی تفصیل طوالت چاہتی ہے غرضیکہ ان اجزاء میں سے ہر ایک میں فکر دوڑانے کی گنجائش ہے۔ پھر ہر ہر عضو میں پھر سارے بدن میں فکر کی مجال ہے اور یہ تمام اجسام بدن کے عجائبات اور معانی اور صفات کے نوادر پر غور کرتا ہے جو اس سے معلوم نہیں ہوتے۔ اب ظاہر انسان اور اس کے باطن اور بدن اور اس کی صفات کو غور کرو تو ان میں بھی وہ عجائب صنعت معلوم ہوگی جس سے تعجب ہو اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی صنعت ایک قطرہ آب ناپاک میں ہے۔

درس عبرت :۔ جو ذات پانی کے قطرہ میں صنعت کرتی ہے تو اس کی صنعت ملکوت آسمانوں اور ان کے ستاروں میں کیا حکمت ہوگی اور ان کی وضع اور شکلوں اور مقداروں اور شماروں اور بعض کے یکجا ہونے اور اس کی صورتیں علیحدہ ہونے اور نکلنے اور ڈوبنے کی جگہ جدا ہونے میں کیسی حکمت ہوگی۔ یہ نہ گمان کرنا چاہیے کہ کوئی ذرہ آسمانوں کے ملکوت کا کسی حکمت اور حکم سے خالی نہیں بلکہ یوں جاننا چاہیے کہ پیدائش کی رو سے وہ مضبوط اور براہ صنعت نہایت درست اور بدن انسان کی بہ نسبت زیادہ تر جامع عجائبات ہے بلکہ تمام روئے زمین کی چیزوں کو آسمانوں کے عجائب سے کچھ نسبت نہیں' اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انتم اشد خلقا ام السماء بناھا رفع سمکھا فسواھا واغطش لیلھا واخرج ضحھا (النزعات 29'27) ترجمہ کنزالایمان :۔ کیا تمہاری سمجھ کے مطابق تمہارا بنانا مشکل یا آسمان کا اللہ نے اسے بنایا اس کی چھت اونچی کی پھر اسے ٹھیک کیا اسی کی رات اندھی کی اور اس کی روشنی چمکائی۔

دیکھ بار بار دیکھ :۔ نطفے پر غور فرمایئے کہ یہ پہلے کیا تھا اور اب کیا ہو گیا اور سوچو کہ اگر تمام جن اور انسان اس

بات پر متفق ہوں کہ نطفے کے واسطے کان اور آنکھ خواہ عقل یا قدرت یا علم یا روح پیدا کریں یا اس میں ہڈیاں یا رگیں یا پٹھے یا چمڑا یا بال بنائیں تو نہیں بنا سکیں گے بلکہ اگر چاہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بنانے کے بعد اس کی کنہ حقیقت اور کیفیت تخلیق کو معلوم کریں تو عاجز ہوں گے تو تعجب ہے کہ اگر تم کسی آدمی کی فوٹو دیوار پر نقلی دیکھو جس کے بنانے میں فوٹوگرافر نے خوب محنت کی ہو یہاں تک کہ تصویر کو ایسا بنایا ہو کہ دیکھنے والا کہہ دے کہ انسان ہے' صرف بولنے کی کمی ہے تو تم مصور کی نقاشی سے نہایت تعجب کرتے ہو اور کہتے ہو واہ کاریگر کیسا دانا اور ہوشیار اور اپنے فن میں یگانہ ہے اور دل میں بھی اس کی عظمت و بڑائی ہوگی باوجودیکہ جانتے ہو کہ وہ تصویر صرف رنگ اور قلم اور ہاتھ اور طاقت انسانی اور علم اور ارادہ سے بنی ہے اور ان میں سے کوئی چیز مصور کا فعل اور اس کی تخلیق نہیں بلکہ ان چیزوں کو دوسرے نے پیدا کیا ہے۔ جو کچھ مصور نے کیا ہے وہ بھی ہو سکتا ہے کہ رنگ کو دیوار پر ایک ترتیب خاص سے اکٹھا کردیا مگر اس سے نہایت تعجب ہوتا ہے اور خود آدمی کو دیکھ کر تعجب نہیں کرتے کہ ایک قطرہ ناپاک معدوم تھا' پھر اسے پیدا کرنے والے نے پشتوں اور چھاتیوں میں پیدا کیا۔ پھر وہاں سے نکال کر اس کی شکل اور مقدار اور صورت عمدہ طور پر بنائی اور اس کے اجزاء جو ایک عورت کے تھے' ان کو جدا جدا اعضاء بنائے۔ پھر ہڈیوں کو مضبوط کیا اور اعضاء کی شکلیں اچھی کیں اور ظاہر اور باطن کو آراستہ کیا اور رگوں اور پٹھوں کو ایک دوسرے پر رکھا اور ان میں غذا کے جانے کی جگہ مقرر کی تاکہ وہ اس کے زندہ رہنے کا سبب ہو اور اس کو سننا' دیکھنا' جاننا' بولنا کردیا اور اس کی پشت کو بدن کی بنیاد مقرر کی اور پیٹ کو تمام آلات غذا کا حاوی اور سر کو تمام حواس کا جامع بنایا۔ پھر آنکھوں کو کھولا اور ان کے طبقات کو ایک دوسرے پر رکھا اور ان کی شکلیں اور رنگ ڈھنگ اچھا کیا۔ پھر ان کو پپوٹوں سے ڈھانپا' وہ ان کی حفاظت اور جلا کرتے رہیں اور خس و خاشاک روکتے ہیں۔ پھر ان کے تلوں میں جو واقع میں تل سے زیادہ نہیں' آسمانوں کی صورتیں ظاہر کیں باوجودیکہ اتنے پھیلے ہوئے اور لمبے چوڑے ہیں مگر آنکھ میں نظر آتے ہیں۔ پھر کانوں کو بنایا تو ان میں کڑوا پانی رکھ دیا کہ اس میں سماعت کی قوت رہے اور کیڑے اندر نہ جائیں اور ان کے گرد سیپ کی صورت کے چمڑے رکھ دیئے تاکہ آواز اکٹھی ہو کر کان کے سوراخ میں نہ جائے اور یہ بھی فائدہ ہے کہ اگر کوئی کیڑا چلے تو اس کی چال ان چمڑوں پر معلوم ہو جائے اور کان کے سوراخوں میں بہت سے گڑھے اور ٹیڑے راستے رکھے تاکہ کیڑا اگر کان میں جائے تو بہت دیر چلے اور انسان اگر سوتا ہو تو اس کی بہت سی حرکت سے جاگ پڑے۔ پھر ناک کو چہرہ کے درمیان میں اونچا بنایا اور اس کی شکل عمدہ بنائی ارو اس کے دو سوراخ رکھے اور ان میں سونگھنے کی قوت پیدا فرمائی تاکہ بو سونگھنے سے اپنی غذا اور کھانے کی چیزیں معلوم کر سکے اور ہوا کی روح دل کی غذا کے لیے نتھنوں کی راہ پہنچ سکے اور اندر کی حرارت کو تسکین ہوتی رہے اور چہرہ کھلا رکھا اور اس میں زبان رکھی جو دل کے اندر کی باتیں بیان کر سکے اور چہرے کو دانتوں سے زینت دی تاکہ پینے اور توڑنے اور کاٹنے کا سامان حاصل ہو۔ دانتوں کی جڑوں کو مضبوط اور ان کے سروں کو تیز اور رنگ کو سفید بنایا اور ایسا برابر رکھا کہ گویا موتی جڑے ہوئے ہیں اور ہونٹوں کو بنا کر ان کا رنگ اور شکل عمدہ بنائی تاکہ چہرہ آپس میں مل سکے اور اس کی راہ بند ہو

جائے اور یہ بھی فائدہ ہے کہ گفتگو کے حروف پورے نکلیں۔ پھر نرخرہ پیدا کیا کہ اس سے آواز نکلے اور زبان میں قوت حرکت اور علیحدہ کرنے کی رکھی تاکہ جدا جدا مخارج میں آواز کو علیحدہ کر دے اور اس ذریعہ سے بہت سے حروف بولنے کی گنجائش ہو جائے۔ پھر تنگی اور فراخی اور نرمی اور سختی اور صاف اور کھرا ہونے اور لمبے اور چھوٹے ہونے میں نرخروں کو مختلف طور سے بنایا تاکہ اس کے سبب سے آوازیں جدا ہو جائیں اور دو آوازوں میں غلط ملط نہ ہو جائے بلکہ دونوں آوازیں جدا جدا معلوم ہوں۔ یہاں تک کہ انسان ایک دوسرے کو اندھیرے میں آواز ہی سے پہچان سکیں۔ پھر سر کو بالوں اور زلفوں سے زینت دی اور چہرے کو داڑھی اور ابرو سے اور ابرو کو پتلے بالوں اور کمان کی صورت ہونے سے آراستہ فرمایا اور آنکھوں کو پلکوں سے زینت بخشی۔ پھر اعضاء باطن کو پیدا فرما کر ہر ایک کو ایک معین کام کے لیے مخصوص فرمایا مثلاً معدے کو غذا کے پکانے کے لیے مسخر کیا اور جگر کو اس لیے بنایا کہ غذا کو خون بنا سکے اور تلی اور پتے اور گردے کو جگر کا خادم بنایا۔ تلی کی یہ خدمت ہے کہ سودا کو جگر سے جذب کرے اور پتا صفرا کو اور گردہ رطوبت آبی کو پھکنا کر دینے کا کام کرے کہ پانی گردے میں سے لے کر پیشاب گاہ کے راستے سے نکال دے اور رگیں جگر کی یہ خدمت کرتی ہیں کہ خون کو بدن کے تمام اطراف میں پہنچاتی ہیں۔ دونوں ہاتھوں کو پیدا کیا اور ان کو لمبا بنایا تاکہ چیزوں کی طرف بڑھ سکیں اور ہتھیلی کو چوڑا کر کے اس کی تقسیم پانچ انگلیوں میں کی اور ہر انگلی میں تین تین پوریں رکھیں اور چار انگلیوں کو ایک طرف رکھا اور انگوٹھے کو ایک طرف تاکہ انگوٹھا سب پر گھوم سکے اور چاروں انگلیوں کو لمبائی میں مختلف رکھ کر ایک صف میں ایک دوسرے کے بعد رکھا۔ اگر تمام اول و آخر کی مخلوق جمع ہو کر کوئی اور صورت بڑی فکر سے بنانا چاہیں کہ اس وضع خاص سے جو انگلیوں کو اب حاصل ہے' دوسرے طور پر رکھیں اور وہ سب کام دیں جو اب دیتی ہیں تو ہرگز نہ ہو سکے گا' اس لیے کہ اس ترتیب خداوندی سے بہت فوائد ہیں۔ لینا اور دینا اور پکڑنا سب اسی سے ہوتا ہے۔ اگر انگلیوں کا پھیلاؤ رکھے تو ایک تشتری ہے جو چاہو اس پر رکھ لو۔ اگر ان کو بند کر لو مارنے کا آلہ گھونسا ہے۔ اگر آدھی کھلی رکھو تو چلو چمچے کی صورت ہو جائیگی۔ اگر ملا کر کھول دو تو کھرپے یا بیلچے کی شکل ہو جائے گی۔ پھر انگلیوں کے سروں پر ناخن پیدا کیے کہ ان کی زینت کی ہو اور پشت کی جانب ان کی رکاوٹ ہو کہ کٹ نہ جاویں اور باریک چیزیں جو پوروں سے نہ اٹھ سکیں' ان کو بھی اٹھا سکے اور اپنا بدن ضرورت کے وقت کھجلا سکے۔ پس ناخن تمام اعضاء میں اوٹی ہیں لیکن بالفرض نہ ہو اور آدمی کو خارش ہو جائے تو نہایت عاجز اور ضعیف ترین خلق ہو جائے اور کوئی بدن کھجلانے میں اپنے ناخن کا قائم مقام نہ ہو سکے۔ پھر ہاتھ کو خارش کی جگہ بتلا دی کہ اسی جگہ پہنچتا ہے۔ اگرچہ آدمی نیند اور غفلت میں ہی ہو۔ اگر بدن کھجلانے میں دوسرے سے مدد لیتا تو خارش کی جگہ پر بڑی مشقت کے بعد پاتا' پھر یہ سب باتیں نطفے میں پیٹ کے اندر تین اندھیروں کے درمیان بنا دیں کہ اگر رحم پر سے سب پردے اٹھا لیے جائیں اور آدمی کو بچہ نظر آنے لگے تو دیکھے کہ یہ سب امور ایک دوسرے کے بعد بنتے چلے جاتے ہیں۔ نہ مصور ا۔ معلوم ہوتا ہے' نہ کوئی آلہ اس کے بنانے کا دکھائی دیتا ہے تو ایسا کوئی مصور یا کاریگر تم نے دیکھا ہے کہ اپنے اوزاروں کو ہاتھ نہ لگائے' نہ جس چیز کو بناتا ہے' اسے پکڑے۔ نہ

اس کے پاس آئے اور سخت اندھیروں کے اندر اس میں تصرف کرے۔ یہ شان اسی پاک ذات کی ہے اور کسی کی مجال نہیں۔

۱۔ ملائکہ اس وقت بحکم خدا فرشتوں کی ایک بڑی جماعت اس کام پر لگی ہوئی ہے جو بچے کو ماں کے پیٹ کے اندر سے انسانی ڈھانچے میں تیار کر رہی ہے اس کا ذکر بخاری شریف کی حدیث میں اجمالاً ہے لیکن افسوس ہے اس برادری پر کہ فرشتوں کے لئے تو ماں کے پیٹ کے اندر انسان کی ہر کیفیت کے علم کی قائل ہے لیکن ضد ہے تو حضور اکرم ﷺ کے لئے کہ ان کے لئے ماں کے پیٹ کے اندر بچی یا بچے کا علم ثابت کیا جائے تو ان کی شرک کی مشین حرکت میں آ جاتی ہے ملائکہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور نبی پاک ﷺ کی برکت سے حضور ﷺ کی امت کے اولیاء کرام بھی اس سے آگاہ ہو جاتے ہیں ولکن الوہابیۃ قوم لا یعقلون (اویسی غفرلہ)

فائدہ:۔ اس کی کمل قدرت اور رحمت کامل دیکھو کہ جب بچہ بڑھا اور رحم میں گنجائش نہ رہی تو اسے کیسے بتا دیا کہ اوندھا ہو کر اور وہاں سے ہل کر اس تنگی سے نکلنے کی راہ ڈھونڈھتا ہے گویا جس چیز کی طرف محتاج ہے‘ اسے سمجھتا بوجھتا ہے۔ جب پیدا ہوا تو غذا کا محتاج ہوا تو کیسے اس کو چھاتی منہ میں ڈالنے کی ہدایت کی۔ پھر چونکہ اس کا بدن نرم تھا اور سخت غذا کی برداشت نہ رکھتا تھا تو کیسے اس کے لیے لطیف دودھ کا انتظام کیا اور خون غلیظ میں سے کیسے گلے میں اتارا اور چھاتیوں کو کیسے بنایا اور ان میں دودھ اکٹھا کیا اور ان کے سر ایسے کر دیئے کہ بچے کہ منہ میں آجائیں۔ پھر ان میں سوراخ باریک رکھے تاکہ دودھ بدن سے باہر نہ نکلے‘ صرف ماں کی کارروائی سے آہستہ آہستہ نکلے کہ بچہ تھوڑے دودھ کا متحمل ہو سکتا ہے۔ پھر اس کو چوسنا کیسے بتا دیا تاکہ شدت بھوک کے وقت اس تنگ جگہ سے دودھ بہہ نکلے پھر اس کی مہربانی دیکھو کہ دانتوں کو پیدا کیا‘ وہ بھی دو برس کے بعد اس لیے کہ دو برس تک اس کی غذا دودھ ہی ہوتی ہے۔ دانتوں کی ضرورت نہیں ہوتی اور جب بڑا ہوتا ہے تو نرم دودھ اس کے موافق نہیں ہوتا۔ اس وقت غذا سخت چاہیے‘ اسے غذا کو چبانے کی ضرورت ہے‘ اسی لیے جب یہ ضرورت محسوس ہوئی تو دانت پیدا کیے۔

فائدہ:۔ تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ عزوجل نے یہ سخت ہڈیاں ان نرم مسوڑوں میں کیسے نکالیں۔ پھر والدین کے دل میں کیسے شفقت ڈال دی کہ جس وقت وہ بچہ اپنے لیے کچھ نہیں کر سکتا‘ اس وقت یہ دونوں اس کی خدمت کرتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کے دل میں رحمت نہ ڈالتا تو بچے سے زیادہ کوئی عاجز تر نہ ہوتا۔ پھر جوں جوں بڑھتا گیا‘ اس کو قدرت‘ تمیز‘ عقل اور ہدایت رفتہ رفتہ دیتا گیا یہاں تک کہ بڑا ہو کر قریب بلوغ ہوا‘ پھر جوان‘ پھر بوڑھا ہوا۔ اب ناشکرا یا شکرگزار‘ مطیع یا نافرمان‘ ایماندار یا کافر بنا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے هل اتی علی الانسان هین من الدهر لم یکن شیاء مذکورا انا خلقنا الانسان من نطفة امشاج ننلیه فجعلنا سمیعا بصیرا انا هدینا السبیل اما شاکرا واما کفورا (الدھر 3'1) ترجمہ کنزالایمان:۔ بے شک آدمی پر ایک وقت وہ گزرا کہ کہیں اس کا نام بھی نہ تھا بے شک ہم نے آدمی کو پیدا کیا ملی ہوئی منی سے کہ وہ اسے جانچیں تو اسے سنتا دیکھتا کر دیا بے شک ہم

نے اسے راہ بتائی یا حق مانتا یا ناشکری کرتا۔

پند غزالی قدس سرہ :۔ برادران اسلام پہلے اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم کو دیکھو' پھر قدرت و حکمت پر غور کرو تو عجائبات حضرت ربوبیت سے حیران رہ جاؤ گے لیکن نہایت تعجب اس لیے ہے کہ جو عمدہ خط یا کوئی اچھا نقش دیوار پر دیکھ کر اسے پسند کرتا ہے تو اپنی ساری ہمت کاتب اور نقاش کے تصور میں لگاتا ہے کہ کیسے لکھا اور کیسے نقش کیا اور اسے اپنے دل میں بڑا جان کر کہتا ہے کہ یہ شخص کتنا بڑا ماہر اور فن میں کامل اور زبردست قدرت والا ہے مگر یہ عجائب اپنے علاوہ دوسروں میں دیکھتا ہے لیکن اس کے کاریگر اور مصور برحق سے غافل رہتا ہے۔ اس کی عظمت اسے متحیر بھی کیوں نہیں کرتی اور اس کے جلال اور حکمت کو کیوں یاد نہیں کرتا۔

فائدہ :۔ یہ چند عجائبات انسان کے بدن کے ہیں' تمام عجائب کا لکھنا ممکن نہیں۔ اگر آدمی فکر کرنا چاہے' اس کے فکر کے لیے عجیب مواقع ہیں اور خالق کی عظمت پر نہایت واضح دلائل ہیں مگر آدمی ان سے غافل' در اپنے پیٹ اور شرم گاہ کے دھندے میں لگا ہوا ہے۔ اسے اس کے سوا اور کچھ کام نہیں کہ بھوک لگی تو کھالیا اور پیٹ بھرا تو سو رہا۔ شہوت ہوئی تو پوری کرلی' غصہ آیا تو لڑ لیا حالانکہ ان باتوں میں جانور اور درندے آدمی کے شریک ہیں۔ خاصیت انسان جس سے بہائم محروم ہیں' وہ آسمانوں اور زمین کے اسرار اور جہاں کے عجائب پر غور کرکے اللہ تعالیٰ کو پہچاننا' اس لیے کہ اس سے بندہ مقرب فرشتوں کی جماعت میں داخل ہو جاتا ہے اور انبیاء کرام اور صدیقین کی جماعت میں مل کر اللہ تعالیٰ کی جناب کے نزدیک ہو جاتا ہے۔ یہ مرتبہ بہائم کو نہیں ہے' نہ اس انسان کو جو دنیا میں صرف شہوات پر راضی ہو۔ اس لیے کہ ایسا انسان جانوروں سے بھی برا ہے' اس لیے کہ جانوروں میں تو قدرت معرفت سرے سے نہیں ہے اور انسان میں تو اللہ تعالیٰ نے قدرت پیدا کی ہے مگر اس نے اس کو بیکار کر دیا۔ نعمت الٰہی عزوجل کا شکر نہ کیا تو ایسے لوگ جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔

درس عبرت :۔ جب سالک کو اپنی ذات میں فکر کرنے کا طریقہ معلوم ہوگیا تو اب زمین کو دیکھے جو ہماری قرارگاہ ہے۔ پھر اس کی نہروں' دریاؤں' پہاڑوں اور جنگلوں میں فکر کرو۔ پھر ان کے بعد آسمانوں کے اسرار پر ترقی کرو۔ پس زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں۔ ایک یہ کہ زمین کو بچھونا اور بستر بنایا اور اس میں راستے اور سڑکیں بنائیں اور اس کو نرم بنایا تاکہ اس کے اطراف میں انسان چل پھر سکے اور اس کو ساکن بنایا کہ ہلتی نہیں اور ان میں پہاڑیوں کی میخیں جڑ دیں کہ حرکت سے مانع ہوں۔ پھر اس کے اطراف کو چوڑا کیا یہاں تک کہ آدمی اس کے تمام اطراف کو طے کرنے سے عاجز ہوئے۔ چنانچہ ان امور کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا والسماء بنینٰھا باید وانا لموسعون والارض فرشناھا فنعم الماھدون (الذاریات 15) ترجمہ کنزالایمان :۔ اور آسمان کو ہم نے ہاتھوں سے بنایا اور بے شک ہم وسعت دینے والے ہیں اور زمین کو ہم نے فرش کیا تو ہم کیا ہی اچھے بچھانے والے۔ اور فرمایا ھوالذی جعل لکم الارض ذلولا فامشوا فی مناکبھا (الملک 15) ترجمہ کنزالایمان :۔ وہی ہے جس نے تمہارے لئے

زمین نرم کردی تو اس کے راستوں میں چلو۔ اور فرمایا الذی جعل لکم الارض فراشا (البقرہ 22) ترجمہ کنزالایمان: ۔ اور جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا۔

فائدہ :۔ اسی طرح کلام مجید میں اللہ تعالیٰ نے زمین کا ذکر بہت جگہ فرمایا ہے تاکہ اس کے عجائب میں فکر کیا جا سکے کہ اس کی پشت زندوں کے رہنے کی جگہ ہے اور پیٹ مردوں کے سونے کا مقام ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا الم نجعل الارض کفاتا احیآء و امواتا (المرسلت 26'25) ترجمہ کنزالایمان :۔

فائدہ :۔ زمین کو دیکھو کہ بے جان شے ہے اور جب اس پر پانی پڑتا ہے تو تازہ ہو کر ابھرتی ہے اور سبز ہو کر عجیب سبزی نکالتی ہے اور اس میں طرح طرح کے حیوانات نکل پڑتے ہیں۔ پھر دیکھو کہ زمین کے کناروں کو اونچے اونچے پہاڑوں سے مضبوط کیا اور کس طرح اس کے نیچے پانی رکھا' چشمے نکالے اور نہریں بہائیں جو روئے زمین پر چلتی ہیں اور پتھر خشک اور میلی مٹی سے پانی شیریں اور پتلا اور صاف نکھرا ہوا نکلا اور اس سے ہر چیز کو زندہ کیا۔ قسم قسم کے درخت' سبزہ' اناج' انگور' ترکاری' زیتون' خرما' انار اور میوہائے بے شمار علیحدہ علیحدہ شکلوں اور رنگ و مزہ اور صفت اور بو کے پانی کے سبب نکالے کہ کھانے میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہیں حالانکہ ایک ہی پانی سے تیار کیے جاتے ہیں اور ایک ہی زمین سے نکلتے ہیں۔

سوال :۔ کیا ان میووں کا اختلاف ان کے بیجوں کے مختلف ہونے سے ہے؟

جواب :۔ گٹھلی میں خوشے کہاں لگے ہوئے تھے اور ایک دانہ میں سات بالیں اور ہر بالی میں سو دانے کہاں تھے۔ پھر جنگلوں کی زمین کو دیکھو اور اس کے ظاہر و باطن پر غور کرو تو ایک سی مٹی معلوم ہوگی اور جب اس پر پانی پڑتا ہے تو تر و تازہ ہو کر ابھرتی ہے اور رنگ برنگ کی کئی اجناس اور ایک سی صورت کے سبزے اور مختلف صورت کے اگاتی ہے کہ ہر ایک کا مزہ' بو' رنگ اور شکل ایک دوسرے سے علیحدہ ہے۔ پھر ان کی کثرت اور اختلاف اقسام اور کثرت اشکال پر غور کرو۔ پھر طبیعتوں کے مختلف ہونے اور کثرت منافع پر غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے ان انگوروں میں کیسے عجیب فوائد رکھے ہیں مثلاً کوئی غذا کے کام کی ہے تو کوئی قوت دیتی ہے اور کوئی موجب زندگی ہے تو کوئی زہر' کوئی سرد ہے تو کوئی گرم ہے۔ کوئی معدے میں جا کر صفراء کو رگوں کے اندر سے دور کرتی ہے اور کوئی خود صفرا بن جاتی ہے۔ کوئی دافع بلغم و سودا ہے تو کوئی بلغم و سودا بن جاتی ہے۔ کوئی مسکی خون ہے تو کوئی خون بن جاتی ہے۔ کوئی مفرح ہے تو کسی سے نیند آتی ہے۔ کسی سے قوت و طاقت بڑھتی ہے تو کسی سے ضعف ہوتا ہے۔

خلاصہ :۔ زمین سے جو پتہ یا تنا نکلتا ہے' اس میں بھی اتنے فوائد ہیں کہ آدمی ان کی ماہیت پر آگاہ نہیں ہو سکتا۔ پھر ان نباتات میں سے ہر ایک کی پرورش میں کسانوں اور باغبانوں کو جدا جدا کام کرنا پڑتا ہے مثلاً خرما میں نر کا پانی مادہ میں دیا جاتا ہے۔ انگور کو چھانٹا جاتا ہے۔ کھیتی میں سے گھاس وغیرہ علیحدہ کرنا پڑتا ہے۔ کسی کا بیج زمین میں بکھیرا جاتا

ہے۔ کسی کا پودا لگاتے ہیں، کسی کی قلم لگاتے ہیں۔ اگر ہم انگوروں کی جنسوں اور قسموں کا اختلاف اور ان کے منافع اور حالات و عجائبات بیان کریں تو اس کے لیے بھی ایک بڑی مدت چاہیے، اسی لیے ہر جنس میں سے کسی قدر کافی ہے جس سے غور و فکر کا طور معلوم ہو جائے۔

زمین کے دیگر عجائبات:۔ مذکورہ بالا عجائبات کے علاوہ اور عجائبات ملاحظہ ہوں کہ پہاڑوں اور کانوں میں زمین کے جواہر رکھے ہیں۔ یہی زمین ہے کہ اس میں بہت سے ٹکڑے ایک دوسرے سے صفات میں جدا جدا ہیں مثلاً پہاڑوں کو دیکھو تو ان میں سے جواہر نفیس مثلاً چاندی، سونا فیروزہ لعل وغیرہ کیسے نکلتے ہیں کہ بعض تو ہتھوڑوں سے نکلتے ہیں جیسے چاندی، سونا، تانبا، رانگا لوہا اور بعض بغیر ہتھوڑوں کے جیسے فیروزہ اور لعل وغیرہ۔ پھر دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے کیسے لوگوں کو ان کا نکالنا اور صاف کرنا اور ان سے برتن، اوزار، نقد اور زیور بنانا سکھایا۔ پھر زمین کی کانوں کو دیکھو کہ رال اور گندھک اور کالا تیل وغیرہ ان میں سے نکلے جاتے ہیں اور سب سے ادنیٰ نمک ہے جس کی ضرورت طعام کی درستگی کے لیے ہوتی ہے۔ اگر کسی شہر میں نہ ہو تو لوگ مرنے لگتے ہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ کی رحمت کو دیکھنا چاہیے کہ بعض زمینوں کے جوہر کو کیسے شور بنایا کہ ان میں بارش کا صاف پانی اکٹھا ہو کے نمک شور کرم بنایا کہ ممکن نہیں کہ کوئی اس کو تنہا پیس کر کھا سکے بلکہ اس لیے بنایا کہ اس سے کھانا درست ہو جائے اور جب تم اسے کھاؤ تو طعام خوب مزیدار ہو اور کوئی پتھر اور حیوان اور نباتات ایسے نہیں جن میں اس قسم کی حکمت نہ ہو۔ کوئی شے بیکار اور کھیل کے لیے نہیں ہے بلکہ سب کو جیسا جس طرح چاہیے تھا اور جیسے اس کے جلال لطف و کرم اور احسان کے شایان تھا بنایا اور خود فرمایا وما خلخقنا السموت والارض وما بینھما لا عبیین ما خلقنا ہما الا بالحق (الدخان 39'38) ترجمہ کنزالایمان:۔ اور ہم نے نہ بنائے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کھیل کے طور پر ہم نے انہیں نہ بنایا مگر حق کے ساتھ۔

عجائبات حیوانات:۔ اقسام حیوانات دیکھیے کہ ان میں بعض اڑتے ہیں اور بعض چلتے ہیں اور چلنے والوں میں بعض دو پاؤں سے چلتے ہیں، بعض چار سے بعض دس اور سو سے۔ چنانچہ بعض حشرات الارض میں دیکھا جاتا ہے کہ فوائد اور صورت شکل اور عادات اور طبائع میں سب مختلف ہیں۔ پھر جو پرندے، خشکی کے اور وحشیوں اور خانگی جانوروں کو دیکھو، ان میں ایسے عجائب پاؤ گے جن سے ان کے خالق کی عظمت اور قدرت اور حکمت میں کچھ شبہ نہ کرو گے اور ان سب کا لکھنا ممکن نہیں بلکہ اگر ہم چاہیں کہ عجائب چھوٹے جانورں مثلاً مچھر، چیونٹی، شہد کی مکھی اور مکڑی کے عجائبات بیان کریں کہ گھر کیسے بناتے ہیں اور غذا کیسے جمع کرتے ہیں اور جوڑے آپس میں الفت کس طرح کرتے ہیں اور گھر کی شکل کیسی موزوں بناتے ہیں۔ انہیں ایسی مہارت کیسے ہوتی ہے کہ حیرانی چھا جاتی ہے۔ انہیں ضروریات کی طرف کس طرح راستہ ملتا ہے۔ یہ تمام امور ہم سے بیان نہ ہو سکیں گے مثلاً مکڑی کو دیکھو کہ اپنا گھر نہر کے کنارے بناتی ہے تو اول پہلے وہ جگہ ایسی تلاش کرتی ہے کہ ان دونوں میں تھوڑا سا فاصلہ ایک ہاتھ یا اس سے

کم و بیش ہو تاکہ دونوں جگہ میں تانا پہنچا سکے۔ پھر وہ اس طرح شروع کرتی ہے کہ اپنا لعاب تار ایک کنارے پر ڈالتی ہے تاکہ اس میں چمٹ جائے' پھر دوسری طرف جا کر وہاں دوسرا سرا تار پر چسپاں کر دیتی ہے۔ اسی طرح دوبارہ سہ بارہ آمد و رفت کرتی ہے اور تاروں کا فاصلہ متناسب اور موزوں رکھتی ہے یہاں تک کہ جب تاروں کے سرے دونوں جگہ میں مضبوط ہو جاتے ہیں اور ان کو تانے کی شکل کر لیتی ہے۔ پھر بانے میں مصروف ہوتی ہے اور بانے تانے پر رکھنا شروع کرتی ہے اور جہاں بانے کا تار تانے سے ملتا ہے' وہاں مضبوط گرہ دیتی ہے اور اس میں بھی موزونیت اور شکل ہندسی کا لحاظ رکھتی ہے اور اس تانے بانے سے ایسا جال بناتی ہے جس میں مچھر اور مکھی پھنس جائے اور خود ایک کونے میں نگاہ لگائے بیٹھی رہتی ہے کہ کوئی شکار جال میں پھنسے۔ جب کوئی شکار پھنس جاتا ہے تو لپک کر اسے پکڑ کر کھا جاتی ہے۔ جب اس طرح شکار کرنے سے تھک جاتی ہے تو کسی دیوار کا کونا ڈھونڈ کر کونے کے دونوں جانب میں تار لگا کر ایک اور تار میں خود لٹک جاتی ہے اور الٹی ہوا میں لٹکی رہتی ہے اور اڑتی مکھی کی منتظر رہتی ہے۔ جب کسی مکھی کا گزر وہاں سے ہوتا ہے تو اسے پکڑ کر اپنا تار اس کی ٹانگوں میں لپیٹ کر خوب مضبوط کر دیتی ہے۔ اس کے بعد اسے کھا لیتی ہے۔ ۱؎ پس کوئی حیوان چھوٹا یا بڑا ایسا نہیں کہ اس میں ان عجائبات میں سے بے شمار نہ ہوں۔ پھر مکڑی سے پوچھو کہ یہ صنعت خود سیکھی ہے یا خود بخود موجود ہو گئی ہے یا کسی انسان نے اسے جتایا یا سکھلایا ہے یا اس کا کوئی ہادی اور جتانے والا نہیں' کوئی اہل دانش اس میں شک نہ کرے گا کہ وہ بیچاری عاجز اور ضعیف ہے بلکہ ہاتھی جس کا بدن بہت بڑا اور قوت ظاہر ہے وہ بھی اپنی ذات کے جاننے سے عاجز ہے۔ یہ مکڑی تو ضعیف سا جانور ہے' پھر بھلا وہ اپنی شکل و صورت حرکت و ہدایت اور عجیب صنعت سے پیدا کرنے والے حکمت والے اور قادر دانا پر شہادت نہیں دیتی۔ سمجھدار انسان تو ایسے چھوٹے جانور میں عظمت خالق اور اس کا جلال و کمال قدرت و حکمت دیکھتا ہے جس سے عقلیں حیران رہ جائیں۔ بڑے حیوانوں کا تو کیا ذکر ہے اور یہ قسم بھی بے حد و شمار ہے' اس لیے کہ حیوانات اور ان کی شکلیں اور عادات و طبیعتیں بے شمار ہیں۔

۱؎ امام غزالی قدس سرہ کے علم کا کمال بھی نہ بھولئے کہ کس طرح ہر شے سے آگاہی رکھتے ہیں۔ (اویسی غفرلہ)

فائدہ:۔ باوجود اتنے عجائبات کے عوام کو ان سے تعجب اس لیے نہیں کہ کثرت سے دیکھنے کی وجہ سے ان سے مانوس ہو گئے ہیں۔ ہاں اگر کسی حیوان یا نئے کیڑے کو دیکھتے ہیں تو تعجب کر کے کہتے ہیں کہ سبحان اللہ عزوجل عجیب جانور ہے اور انسان تو تمام حیوانات سے عجیب تر ہے لیکن خود کو دیکھ کر تعجب نہیں کرتا بلکہ جن جانوروں سے مانوس ہو رہا ہے' اگر ان کی شکلوں اور منافع اور فوائد پر غور کرے اور ان کے چمڑوں' اون اور بالوں کو دیکھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے جسم کا لباس اور گھر سفر اور حضر میں اور پینے کی چیزوں کے برتن اور غذا رکھنے کے ظروف اور پاؤں کی حفاظت بنایا ہے اور ان کے دودھ و گوشت کو مخلوق کی غذا مقرر کیا ہے۔ پھر بعض جانوروں کو سواری کی زینت اور بعض کو بوجھ لادنے کے لیے اور دور کے جنگلات طے کرنے کے لیے بنایا ہے تو دیکھنے والوں کو ان کے پیدا کرنے والے کی حکمت و کمال سے تعجب ہوتا ہے' اس لیے کہ اس نے ان کو جب پیدا کیا تو ان کے سب فوائد پیدا کرنے

سے پہلے اس کے علم میں تھے کہ کیا ذات پاک ہے۔ جس کے علم میں تمام امور واضح ہیں۔ اسے کسی وزیر اور مشیر کی مدد کی ضرورت نہیں۔ وہی علیم و خبیر حکمت و قدرت والا جس نے مخلوق کی ادنیٰ چیز سے عارفوں کے دل سے شہادت توحید کی تدبیر نکالی تو مخلوق کو اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ اس کے قہر و قدرت کا یقین کرے اور اس کے پروردگار ہونے کا اقرار کریں اور اس کی عظمت و جلال کی معرفت سے عاجزی کا اعتراف کریں۔ اب کون ہے جو اس کی ثنا کر سکے' وہ ایسا ہے جیسے وہ خود اپنی ثنا کرے۔

فائدہ :- ہم لوگوں کی انتہائے معرفت یہ ہے کہ ہم اس کی معرفت سے عاجزی کا اقرار کریں' ہم خدا تعالیٰ عزوجل سے درخواست کرتے ہیں کہ اپنی ہدایت سے ہم کو مشرف فرمائے۔

دریاؤں' سمندروں کے عجائبات :- گہرے سمندر جو زمین کے حصوں میں سب کے سب اس بحراعظم کے ٹکڑے ہیں جو ساری زمین کے گرد محیط ہے اور یہ سب اتنے ہیں کہ جتنے زمین اور پہاڑ پانی سے کھلے ہوئے ہیں۔ وہ سب پانی کی نسبت ایسے ہیں جیسے بڑے سمندر میں ایک چھوٹا جزیرہ اور باقی زمین پانی سے چھپی ہوئی ہے۔

حدیث شریف :- حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ الارض فی البحر کا لا صطبل فی الارض "زمین سمندر میں ایسی ہے جیسے اصطبل زمین میں۔" **فائدہ :-** اصطبل کو زمین کے ساتھ نسبت کرکے سمجھ لو کہ زمین کو سمندر کے ساتھ وہی نسبت ہے جب تم زمین کے عجائب دیکھ چکے تو اب سمندر کے عجائب میں غور کرو' اس لیے کہ سمندر میں حیوانات اور جواہر کے عجائب ان کے عجائب سے کئی گناہ زائد ہیں جو زمین پر دیکھتے ہو مثلاً سمندر کا زمین کی وسعت سے زیادہ پھیلاؤ ہے۔ اسی طرح اس کے عجائب بھی زیادہ ہیں اور سمندر کی بڑائی کی وجہ یہ ہے کہ اس میں حیوانات اتنے بڑے ہوتے ہیں کہ اگر تم ان کو سطح پر دیکھو تو یہ گمان کرو کہ کوئی جزیرہ ہے اور بعض اوقات ایسا ہوا بھی ہے۔

حکایت :- کسی تری کے مسافر نے حیوان آبی کی کمر کو جزیرہ سمجھ کر اتر پڑے اور اس پر آگ جلائی اور آگ کی حرارت سے جب اس نے حرکت کی تو معلوم ہوا کہ یہ جانور ہے۔

فائدہ :- جتنے اقسا حیوانات خشکی میں ہیں مثلاً گھوڑا' پرندگان اور انسان وغیرہ اس سے کئی گنا زائد بلکہ بہت زیادہ تری میں پائے جاتے ہیں۔ **عجوبہ :-** سمندر میں بعض چیزیں ایسی بھی ہیں جن کی نظیر خشکی میں نہیں ملتی۔ ان کے صفات ان کتابوں میں مذکور ہیں جنہوں نے دریائی سفر کی مشقت اٹھا کر اس کے عجائبات کو جمع کیا۔

فائدہ :- غور کریں کہ اللہ تعالیٰ نے موتی کیسے بنایا اور اس کو سیپ کے اندر پانی کے نیچے کیسے گول کیا۔ پھر دیکھو کہ مونگے کو پانی کے نیچے ٹھوس پتھر میں سے کیسے نکالا۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ پتھر میں سے سبزہ نکلا' اس کے علاوہ عنبر

اور دوسری نفیس چیزوں کو دیکھو جن کو سمندر پھینکتا ہے۔ پھر کشتیوں کے عجائب کو دیکھو کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے پانی کی سطح پر کیسے روکا اور تاجروں اور مال کے طلب گاروں وغیرہ کو ان میں چلنے پھرنے کا موقع دیا اور کشتیوں کو ان کا تابع کیا کہ اپنے بوجھ اس میں لادیں' پھر ہواؤں کو بھیجا کہ کشتیوں کو چلائیں۔ پھر ملاحوں کو ہواؤں کے رخ اور ان کے چلنے کی جگہ اور وقت بتلا دیئے غرضیکہ سمندر میں جتنے عجائب صنعت الٰہی کے ہیں' وہ بہت سی جلدوں میں بھی مکمل بیان نہیں ہو سکتے اور ان سب میں سے عجیب اور ظاہر تر پانی کے قطرے کی کیفیت ہے کہ وہ ایک باریک جسم بہتا ہوا شفاف اور اجزاء کے متصل گویا ایک ہی چیز ہے' اس کی ترکیب نازک اور جدا ہونے کو جلد قبول کرتی ہے کہ گویا علیحدہ ہی ہے اس میں جو چاہو تصرف کرو' ملاؤ یا جدا کرو۔ خشکی کے جانوروں کی حیات اور انگوریوں کی زندگی اسی سے ہے۔ اگر کوئی بندہ ایک گھونٹ پانی کا محتاج ہو' اسے پینے نہ دیا جائے تو اگر اس کے ملک میں تمام روئے زمین کے خزانے ہوں تو اس ایک گھونٹ کے لیے سب دنیا خرچ کر ڈالے۔ پھر پینے کے بعد اگر پیشاب کا راستہ اس کے نکالنے کے لیے روک دیا جائے تو سارے خزانے دے ڈالنے کو تیار ہو۔

پند غزالی قدس سرہ:۔ انسان سے نہایت تعجب ہے کہ دینار اور درہم اور جواہر کو تو بڑا سمجھے اور پانی کے گھونٹ کو جو اللہ تعالیٰ کی ایسی نعمت ہے کہ اس کے پینے یا نکالنے کے لیے تمام دنیا دے ڈالے' غافل رہے۔ اسی لیے پانی کے عجائب اور نہروں اور کنوؤں اور سمندروں کے غرائب کو سوچو کہ فکر کی ان میں گنجائش اور حیرانی ہے اور یہ سب چیزیں ایک دوسرے کی معاون اور علامات متفقہ ہیں کہ اپنی زبان حال سے صراحتاً" اپنے پیدا کرنے والے کا جلال و قدرت بیان کر رہی ہے اور اس کے کمال و حکمت کو ظاہر کر رہی ہے اور اہل دل کو اپنے نغمات دلاویز سے پکار کر یوں کہتی ہیں کہ کیا تو مجھے نہیں دیکھتا۔ کیا میری صورت اور ترکیب اور صفات اور فوائد اور اختلاف حالات پر نظر نہیں کرتا۔ کیا تجھے یہ گمان ہے کہ میں خودبخود پیدا ہو گئی ہوں یا کسی نے مجھے پیدا کیا ہے۔ کیا تجھے شرم نہیں آتی کہ جب کوئی لفظ تین چار حرفوں کا لکھا دیکھتا ہے تو تو یقین کر لیتا ہے کہ اسے کسی دانا آدمی قدرت والے اور کلام کرنے والے نے لکھا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ میرے چہرے کے ورق پر اس قلم الٰہی سے لکھے ہوئے ہیں جس کی ذات اور لکھنے کی جگہ سے ملنا آنکھ سے نہیں دیکھا جاتا' پھر تیرے دل میں اس کے کاریگر کا جلال نہیں آتا اور نطفہ کان والوں سے یہ کہتا ہے نہ ان لوگوں کو نہیں جو کانوں سے مفلوج ہیں کہ مجھے یوں خیال کر کہ اندر کے پردوں کے اندھیرے میں خون حیض میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس وقت میرے چہرے پر نقش و تصویر ظاہر ہوتی ہے یعنی نقاش ازل میری آنکھ اور پلکیں اور پیشانی' اور رخسار اور لب بناتا ہے۔ پھر دیکھو کہ رفتہ رفتہ سارے نقش ایک دوسرے کے بعد ہوتے چلے جاتے ہیں اور نقاش نطفہ کے اندر نظر آئے گا نہ باہر' نہ بچہ دان میں ہو گا' نہ اس سے خارج ہو گا اور ان نقشوں کی خبر نہ ماں کو ہے' نہ باپ کو' نہ نطفہ کو' نہ رحم کو تو بھلا کیا یہ نقاش اس نقاش سے زیادہ عجیب ہیں جو قلم سے عجیب صورت بنایا کرتا ہے جسے ایک یا دو بار تم بناتے دیکھو تو سیکھ جاؤ تو کیا تم سے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسی طرح نقش و تصویر نطفہ کے ظاہر و باطن اور اس کے تمام اجزاء کو سیکھ لو اور نطفہ کو بغیر ہاتھ لگائے اور اندر باہر سے قریب ہونے

کے نقش بنا دو- اس پر بھی اگر تم نہ سمجھو کہ نطفے کا نقاش اور مصور اپنا نظیر اور شریک نہیں رکھتا اور کوئی نقاش اور مصور اس کی برابری نہیں کر سکتا جیسے اس کا کام بے نظیر ہے اور اس کے برابر کوئی نقش و صورت نہیں- ویسے ہی اس کی ذات ہے اس لیے کہ جتنا کاموں میں فرق ہوتا ہے اتنا ہی کاریگروں میں ہوا کرتا ہے-

انتباہ:- ان امور سے اگر تمہیں تعجب نہ آئے تو اپنے تعجب کرنے پر تعجب کرو' اس لیے کہ جس چیز نے باوجود اس کے ظہور کے تیری بصیرت کو اندھا کر دیا' وہ بلاشبہ زیادہ تعجب کے لائق ہے- پس پاک ہے وہ ذات جس نے ہدایت کی اور گمراہ کیا اور بدبخت اور نیک بخت بنایا اور اپنے دوستوں کے دل کی آنکھیں کھول دیں تو انہوں نے اس کو تمام ذرات عالم اور اس کے اجزاء میں مشاہدہ کیا اور اپنے دشمنوں کے دل اندھے کر دیئے اور اپنی عزت و عظمت ان سے مخفی رکھی تو اسی کو ہے خلق اور خلق و امر اور منت اور فضل اور لطیف اور قہر نہ کوئی اس کے حکم کو ٹالے' نہ کوئی اس کی قضا کو پیچھے کر سکے-

ہوا کے عجائبات:- یہ آسمان اور زمین کے درمیان رکی ہوئی ہے- چلتے وقت تو اس کا جسم بدن پر محسوس ہوتا ہے مگر آنکھ سے اس کا وجود نظر نہیں آتا اور وہ مثل ایک دریا کی طرح ہے- آسمان کے خلا میں پرندے ایسے پھرتے ہیں جیسے آبی جانور پانی میں اپنے بازو اور پاؤں مار کر تیرتے ہیں- اسی طرح ہوا میں پرندے اپنے بازو سے ہوا کو چیرتے ہیں اور جیسے تیز ہوا چلنے سے دریا کی موجیں اٹھتی ہیں' اسی طرح آندھی سے ہوا کے دریا میں لہریں اٹھتی ہیں- جب اللہ تعالٰی ہوا کو حرکت دیتا ہے تو وہ چلتی جاتی ہے- پھر اگر چاہتا ہے تو اسے باران رحمت کے لیے خوشخبری کر دیتا ہے- خود اللہ تعالٰی فرماتا ہے وارسلنا الریاح الواقع (الحجر 22) ترجمہ کنزالایمان :- ہوائیں بھیجیں بادلوں کو-

اس صورت میں ہوا کی حرکت سے ہوا کی جان حیوانات اور نباتات میں پہنچتی ہے اور وہ بڑھنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں- اگر چاہتا ہے تو اسے مخلوق میں نافرمانوں کے لیے عذاب کر دیتا ہے- چنانچہ فرمایا انا ارسلنا علیھم ریحا صرصرا فی یوم نحس مستمر تنزع الناس کانھم اعجاز نخل منقعر (القمر 19'20) ترجمہ کنزالایمان :- بے شک ہم نے ان پر ایک سخت آندھی بھیجی ایسے دن میں جس کی نحوست ان پر ہمیشہ کے لئے رہی لوگوں کو یوں دے ماری تھی کہ گویا وہ اکھڑی ہوئی کھجوروں کے ٹھونڈ ہیں-

ہوا کی نزاکت اور طاقت:- اس کی نزاکت اور سختی کو دیکھو کہ باوجود لطافت کے کتنی اس میں طاقت ہے مثلاً ایک مشک میں ہوا بھر کر کوئی شخص چاہے اسے پانی میں ڈبو دے تو ہرگز نہ کر سکے گا لیکن سخت لوہا اگر پانی پر رکھا جائے تو اندر چلا جائے گا- غور فرمایئے کہ ہوا پانی سے باوجود لطافت کے کیسے پانی کے اوپر رہتی ہے کہ اس کے اندر نہیں جاتی- اسی حکمت سے اللہ تعالٰی نے کشتیوں کو پانی کی سطح پر روکا ہے اور جو چیز بیچ میں سے خالی ہو' جس میں ہوا ہے' اس کا یہی حال ہے کہ پانی میں نہیں ڈوبتی- اس لیے کہ اسے ہوا پانی میں ڈوبنے سے روکتی ہے اور کشتی کے اندر کی سطح کو نہیں چھوڑتی- اسی وجہ سے بھاری کشتی باوجود قوت اور سختی کے اسی ہوائے لطیف کے سہارے سے

پانی پر ٹھہری رہتی ہے جیسے کوئی کوئیں میں گر پڑے تو کسی طاقتور آدمی کا دامن پکڑ لے جو اس میں نہ گر سکے۔ اسی طرح کشتی بھی اپنی خالی جگہ سے ہوائے قوی کا دامن تھام لیتی ہے اور پانی میں ڈوبنے سے بچی رہتی ہے۔ پاک ہے وہ ذات جس نے بھاری جہاز کو ہوائے لطیف کے سہارے سے رکھا۔ کسی علاقہ یا گردہ اور بندش وغیرہ کے بغیر جو نظر نہ آئیں۔

خلاء کے عجائبات :۔ اس میں بادل اور گرج اور بجلی اور بارش اور برف اور شہاب کڑک جیسی باتیں آسمان و زمین کے درمیان میں ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف مجملاً" اشارہ فرمایا ہے وما خلقنا السموت والارض ومابینھما لاعبین (الدخان 38) ترجمہ کنزالایمان :۔ اور ہم نے نہ بنائے آسمان اور زمین اور ہم کچھ ان کے درمیان ہے کھیل کے طور پر۔

فائدہ :۔ آسمان و زمین کے درمیان کی چیزیں یہی ہیں جو مذکور ہوئیں۔ اس آیت میں مجملاً" فرما دیا اور ان کی تفصیل کی طرف بعض جگہ اشارہ فرمایا والسحاب المسخربین السمآء والارض (البقرہ 164) ترجمہ کنزالایمان :۔ اور وہ بادل کے آسمانوں زمین کے بیچ میں ہے۔ اسی طرح دوسری آیات میں جہاں گرج اور برق اور بارش اور بادل کا ذکر ہے۔

انسان کو ان تمام سے صرف اتنی خبر ہے کہ بارش آنکھ سے دیکھ لی اور گرج کان سے سن لی۔ اس کا کیا فائدہ جبکہ اس میں انسان کے ساتھ جانور بھی شریک ہیں۔ انسان کو تو مرتبہ بہائم سے عالم بالا میں شامل ہونے کے لیے ترقی کرنی چاہیے یعنی جب تمہاری آنکھیں کھلی ہیں اور تم نے ان چیزوں کے ظاہر کو دیکھ لیا تو اب اپنے ظاہر کی آنکھ بند کر لو اور اپنی چشم باطنی عجائبات کی طرف کرو تاکہ عمدہ اور عجیب اسرار پر نظر پڑے اور یہ راز بھی ایسا ہے کہ اس میں فکر بہت بڑھ جاتا ہے' اس لیے کہ اس کے پورا ہونے کی توقع نہیں مثلاً گاڑھے بادل اندھیرے کو دیکھو کہ کس طرح صاف خلا میں اکٹھا ہوتا ہے جس میں کہیں میل کچیل نہیں ہوتی اور اسے اللہ تعالیٰ جب چاہے اور جہاں چاہے پیدا کر دیتا ہے اور وہ باوجود اپنی نرمی کے بھاری پانی کو اٹھا خلا میں لیے پھرتا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے پانی اتارنے کی اجازت دے تو بعد اجازت بارش کے قطرات ایسے جدا کرتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے۔ مثلاً تم دیکھتے ہو کہ بادل زمین پر پانی برسانے لگتا ہے۔ ایک ایک قطرہ اس طرح گرتا ہے کہ ایک دوسرے سے جدا ہوتے نہ ایک دوسرے سے مل جائیں ایک ہی جگہ گریں بلکہ ہر ایک اسی طور پر گرے گا جو اس کے لیے مقرر ہوا ہے۔ اس سے ذرہ بھر بھی انحراف نہ کرے گا' نہ پچھلا آگے بڑھے گا' نہ اگلا پیچھے ہٹے گا۔ یہاں تک کہ زمین پر قطرہ قطرہ گرے گا۔

چیلنج کمیونسٹ دہریہ کو :۔ اگر پچھلے اگلے تمام لوگ جمع ہو کر چاہیں کہ بادلوں میں سے ایک قطرہ پیدا کر لیں تو نہ کر سکیں یا جس قدر قطرے ایک شہر میں یا گاؤں میں گرتے ہیں ان کے شمار معلوم کر لیں تو یہ جن اور انسان دونوں کے حساب سے باہر ہوں گے۔ ان کی شمار کو بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی اور نہیں جانتا۔ پھر ان میں سے ہر قطرہ زمین کے

ایک حصہ کے لیے معین ہے لور جس حیوان یعنی پرند یا وحشی یا کیڑے وغیرہ کے لیے وہ قطرہ ہے تو اس قطرہ پر لکھا ہوا ہے جو ظاہر کی آنکھ سے نظر نہیں آتا کہ یہ قطرہ فلاں کیڑے کا ہے اور وہ فلاں پہاڑ کی فلاں طرف میں ہے۔ جب اسے پیاس لگے گی تو یہ قطرہ اس کے پاس پہنچے گا۔ علاوہ ازیں جو عجائب کہ بادلوں کے بستہ ہونے میں اس لطیف پانی سے یا دھلی ہوئی روئی کی طرح پانی کے جم کر گرنے میں ہیں تو ان کا کوئی شمار نہیں۔ یہ تمام امور اللہ تعالیٰ کے فضل لور خالق و قادر کی قدرت سے ہیں۔ ان میں کسی مخلوق کو شرکت نہیں' نہ ان میں کسی کا دخل ہے بلکہ ایمانداروں کو بجز سر تسلیم خم کرنے اور خضوع کے اس کے جلال و عظمت کے سامنے کوئی چارہ نہیں' نہ اندھے منکروں کو بجز اس کے اور کچھ حاصل ہے کہ اس کی کیفیت کو بے سمجھے بوجھے اٹکل پچو لگائیں لور اس کا کوئی سبب اور علت ثابت کریں مثلاً فلسفی دھوکہ میں یہ کہتا ہے کہ بارش کا یہ سبب ہے کہ پانی اپنی فطرت سے بھاری ہے' اس لیے نیچے گرتا ہے۔ اس سے فلسفی خوش ہے کہ اسے وجہ معلوم ہو گئی۔

فلسفی پر سوال :- اگر اس سے پوچھا جائے کہ فطرت کا معنی کیا ہے لور فطرت کو کس نے پیدا کیا لور پانی کی فطرت میں بوجھ کس نے بنایا لور یہ کیا بات ہے کہ درخت کی جڑ میں پانی ڈالنے سے اس کی شاخوں میں لوپر پہنچ جاتا ہے' وہ تو اپنی فطرت سے بھاری ہے تو نیچے گر کر پھر لوپر کیونکر چڑھ گیا اور درخت کے اندر کی رگوں میں سے تھوڑا تھوڑا ہر طرف کے پتوں میں اس طرح پھیل گیا کہ جاتا ہوا معلوم نہیں ہوتا اور ہر پتے کے ہر جزو کو غذا پہنچاتا ہے اور ان رگوں میں ہو کر جاتا ہے جو بال کی طرح باریک اور چھوٹی ہیں۔ اس طرح کہ پہلے بڑی رگ میں جاتا ہے جو پتے کی جڑ ہے' پھر اس کی رگ کے ذریعے سے ان رگوں میں جاتا ہے جو پتے کے اندر چھوٹی چھوٹی اور باریک پھیلی ہوئی ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس ہے اور چھوٹی ہیں تو بڑی رگ کو مثل نہر کی طرح جاننا چاہیے۔ پھر اس سے جو شاخیں نکلی ہیں' وہ چھوٹی نہریں ہیں لور ان نہروں سے نالیاں نکلی ہیں لور نالیوں میں سے مکڑی کے تار جیسے باریک دھاگے ہیں کہ آنکھ سے نظر نہیں آتے۔ وہ تمام پتے کے عرض میں پھیلے ہوئے ہیں۔ انہیں میں پانی ہو کر پتے کے تمام اجزاء میں پہنچ جاتا ہے لور اسے غذا دے کر بڑھاتا اور ابھارتا لور اس کی ترو تازگی قائم رکھتا ہے۔ اسی طرح ہوا کے تمام اجزاء کو سمجھنا چاہیے۔ اگر پانی اپنی طبیعت کی وجہ سے نیچے کو حرکت کرتا ہے تو یہاں اوپر کو کیوں جاتا ہے۔ اگر کہو کہ رگوں کی کشش سے یہ اثر ہوتا ہے تو بتاؤ کہ وہ کشش کہاں سے آئی بالآخر مانو گے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں یہ خاصیت رکھی ہے تو پھر کیوں نہیں مانتے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت لور قدرت سے یہ کام ہوتے ہیں۔

آسمانوں کے اسرار اور ستاروں کی کیفیات :- دراصل اسی کو سمجھنا ضروری ہے۔ اس لیے کہ اگر کسی کو سب باتیں معلوم ہوں لور آسمانوں کے عجائب معلوم نہ ہوں تو واقع میں اس کو کچھ نہیں معلوم ہوا' اس لیے کہ زمین لور دریا لور ہوا لور جتنی چیزیں سوائے آسمان کے ہیں' آسمانوں کی نسبت ایسی ہیں جیسے ایک قطرہ سمندر کے سامنے بلکہ اس سے بھی چھوٹی۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں لور ستاروں کے معاملہ کو اپنی کتاب میں

کیسے عظیم الشان طریقہ سے بیان کیا ہے۔ کوئی صورت ایسی نہیں جو ان کی عظمت پر شامل نہ ہو اور بعض جگہ ان کی قسم بھی موجود ہے مثلاً

والسمآء ذات البروج (بروج 1) ترجمہ کنزالایمان :۔ قسم آسمان کی جس میں برج ہیں۔

والسمآء و الطارق (الطارق 1) ترجمہ کنزالایمان :۔ آسمان کی قسم اور رات کو آنے والے کی۔

والسمآء ذات الحبک (الذریات 9) ترجمہ کنزالایمان :۔ آرائش والے آسمان کی قسم۔

والسمآء ومابنابا (الشمس 5) ترجمہ کنزالایمان :۔ اور آسمان اور اس کے بنانے والے کی قسم۔

والشمس وضحٰها والقمر اذا تلٰها (الشمس 1'2) ترجمہ کنزالایمان :۔ سورج اور اس کی روشنی کی قسم اور چاند کی جب اس کے پیچھے آئے۔

فلا اقسم بالخنس الجوار الکنس (التکویر 15' 16) ترجمہ کنزالایمان :۔ تو قسم ہے اس کی جو الٹے پھرے سیدھے چلیں تھم رہے ہیں۔

والنجم اذا ھوٰی (النجم 1) ترجمہ کنزالایمان :۔ اس پیارے چمکتے تارے (محمد ﷺ) کی قسم جب یہ معراج سے اترے۔

فلا اقسم بمواقع النجوم وانہ لقسم لوتعلمون عظیم (الواقعہ 75'76) ترجمہ کنزالایمان :۔ تو مجھے قسم ہے ان جگہوں کی جہاں تارے ڈوبتے ہیں اور تم سمجھو تو یہ بڑی قسم ہے۔

فائدہ :۔ عجائب نطفہ ناپاک کے متعلق معلوم ہو کہ اس کی معرفت سے اگلے پچھلے لوگ عاجز ہیں مگر اس کی قسم قرآن میں نہیں تو اس سے قیاس کرلینا چاہیے کہ جس چیز کی اللہ تعالیٰ نے قسم یاد فرمائی ہے' اس کے عجائب کیسے ہوں گے۔ علاوہ ازیں رزق کا حوالہ بھی آسمان پر فرمایا وفی السماء رزقکم وما توعدون (الذریات 22) ترجمہ کنزالایمان : اور آسمان میں تمہارا رزق ہے اور جو تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے۔

فائدہ :۔ آسمانوں کے باب میں فکر کرنے والوں کی تعریف فرمائی۔ اس قول میں ویتفکرون فی خلق السموت والارض (آل عمران 191) ترجمہ کنزالایمان :۔ اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں۔

حدیث :۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ویل لمن قرءہٖ الاٰیۃ ثم مسح بھا سبلہ "خرابی ہے اس کی جو پڑھے' اس آیت کو پھر اپنی مونچھوں کو تاؤ دے یعنی بے فکری سے آگے بڑھ جائے۔

فائدہ :۔ روگرادنوں کی مذمت فرمائی کہ وجعلنا السماء سقفا محفوظا وھم عن آیاتہا معرضون (الانبیاء 32) ترجمہ کنزالایمان :۔ اور ہم نے آسمان کو چھت بنایا نگاہ رکھی گئی اور وہ اس کی نشانیوں سے روگردان ہیں۔

غور کیجئے کہ تمام دریاؤں اور زمین کو آسمان سے کیا نسبت ہے۔ علاوہ ازیں زمین وغیرہ عنقریب بدلنے والی ہیں ... تغیر کا پہنچے گا اور فرمایا وبنینا فوقکم سبعا

شدادا (ترجمہ از کنز الایمان) اور فرمایا ءانتم اشد خلقا ام السمآء بناها رفع سمکها فسواها (النزعات 28-29) ترجمہ کنزالایمان :- کیا تمہاری سمجھ کے مطابق تمہارا بنانا مشکل یا آسمان کا اللہ نے اسے بنایا اس کی چھت اونچی کی

آسمان کے عجائب پر غور کرو تاکہ ملکوت و جبروت کے عجائب نظر آئیں اور یہ گمان نہ کرو کہ ملکوت کے دیکھنے کی یہ غرض ہے کہ آنکھ اٹھا کر آسمان کا نیلا پن اور ستاروں کی روشنی اور چمکنا دیکھ لیا' اس لیے کہ اس نظر میں تو جانور بھی ہمارے شریک ہیں۔ اگر یہی نظر مقصود ہوتی تو اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعریف کیوں فرماتا کہ وکذلک نری ابراھیم ملکوت السموات والارض (الانعام 75) ترجمہ کنزالایمان :- اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے انہیں ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔

نکتہ :- اصل یہ ہے کہ جتنی چیزیں آنکھ سے نظر آتی ہیں' قرآن مجید ان کو ملک اور شہادت کے نام سے بیان فرماتا ہے اور جو آنکھ سے غائب ہیں' ان کو غیب اور ملکوت کے نام سے یاد فرماتا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ غیب اور شہادت دونوں کو یکساں جانتا ہے بلکہ ملک اور ملکوت دونوں کا حاکم ہے۔ کوئی شخص اس کے علم پر بھی محیط نہیں مگر اتنا کہ وہ چاہے۔ خود ارشاد فرماتا ہے عالم الغیب فلا یظهر علی غیبه احداً الا من ارتضی من رسول (جن 26-27) ترجمہ کنزالایمان :- غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسول کے۔

پند غزالی قدس :- اے عاقل فکر ملکوت میں ہمت کیجو تاکہ تیرے لیے شاید آسمانوں کے دروازے کھل جائیں اور تو اپنے دل سے ان کے اطراف میں جولانیاں کرے۔ یہاں تک کہ تیرا دل عرش الٰہی کے سامنے حاضر ہو سکے اور اس وقت توقع ہے کہ تو رتبہ فاروقی کو پہنچ جائے۔

شان فاروقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ :- فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے قلب نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔

مذکورہ عجائبات کی ترتیب پر نظر :- مذکورہ عجائب کی ترتیب دیکھنے کی وجہ یہ ہے کہ ہمیشہ دور کی چیز نزدیک کی چیز سے گزر کر پہنچا کرتی ہیں اور سب سے نزدیک تر انسان کے اپنا نفس ہے۔ پھر زمین جس پر رہتا ہے' پھر ہوا جو اس کے بدن سے مس کرتی ہے۔ پھر نباتات اور حیوانات اور زمین کی چیزیں پھر اوپر کی اشیاء ہیں' پھر ساتوں آسمان اور ان کے ستارے' پھر کرسی پھر عرش پھر وہ فرشتے جو عرش کو اٹھانے والے اور آسمانوں کے خزانچی ہیں۔ پھر بعد عرش و کرسی و آسمان و زمین اور ان کی درمیانی چیزوں کے مالک کی طرف۔

فائدہ :- معلوم ہوا کہ انسان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان اتنے جنگل وسیع اور فاصلہ بعید اور گھاٹیاں بلند ہیں اور وہ ابھی اپنے قریب سب سے نیچے کی گھاٹی سے بھی فارغ نہیں ہوا یعنی ابھی ظاہر نفس کی معرفت سے اس نے فرصت

نہیں پائی اور بے حیائی سے معرفت کے دعویٰ کے لیے زبان کھولتا ہے اور کہتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کو پہچان گیا اور اس کی مخلوق کو بھی اب کس چیز میں فکر کروں اور کیا دیکھوں۔ اس سے کہنا چاہیے کہ آسمان کی طرف اپنا سر اٹھا کر اس میں اور اس کے ستاروں اور ان کی گردشوں اور ان کے طلوع و غروب اور سورج اور چاند اور مشرق و مغرب کے اختلاف اور اس کی ہمیشہ حرکت کی مشقت میں نظر کر کے کبھی اپنی چال میں سستی اور تغیر نہیں کرتے بلکہ تمام ترتیب وار منزلوں میں ایک حساب معین بلاکم و بیش چلتے پھرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو خط کی طرح تہ کر دے اور ستاروں کی شمار ان کی کثرت اور رنگ کے اختلاف پر غور کرو کہ کوئی سرخی مائل ہے۔ کوئی سفیدی مائل اور کسی کا رنگ رانگ جیسا ہے۔ پھر ان کے شکلوں پر نظر کرو کہ بعض بچھو کی صورت پر ہیں اور بعض بکری کے بچہ کی صورت میں اور بعض بیل اور شیر اور انسان کی صورت میں اور زمین میں کوئی ایسی صورت نہیں جس کی مثل آسمان میں نہ ہو۔ پھر سورج کی چال کو دیکھو اور اس دن مدت میں اس کے آسمان میں غور کرو کہ ہر روز اس کا طلوع و غروب ایک نئی چال سے ہوتا ہے جو خالق نے اس کے لیے معین کر دی ہے۔ اگر آفتاب کا طلوع و غروب نہ ہوتا تو دن رات کیونکر ہوتے۔ وقت نہ پہچانا جاتا یا ہمیشہ اندھیرا رہتا یا اجالا معاش کے حاصل کرنے کا وقت اور آرام کا وقت نہ ملتا۔ غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے کیسے رات کو اوڑھنا اور سونے کو آرام اور دن کو روزگار کے لیے بنایا اور دیکھو کہ رات کو کیسے دن میں اور دن میں سے رات میں کیسے کم و بیش ایک ترتیب معین سے بنایا کہ کبھی دن بڑے اور کبھی راتیں اور کس طرح سورج کی چال کو آسمان کے بیچ میں جھکا دیا جس کی وجہ سے گرمی اور جاڑ اور ربیع اور خریف باری باری ہونے لگی۔ جب آفتاب خط استوا سے نیچے کو خط جدی کی طرف ہو جاتا ہے تو ہوا سرد ہو جاتی ہے اور موسم سرما آجاتا ہے اور جب اس کی چال عین خط سرطان کے بیچ میں ہوتی ہے تو غضب کی گرمی ہوتی ہے اور جب نقطہ اعتدال پر ہوتا ہے تو موسم بھی معتدل رہتا ہے۔

فائدہ:۔ آسمانوں کے عجائب اتنا ہیں کہ ان میں سے لاکھواں حصہ کے شمار کرنے کا امکان نہیں ہو سکتا جس قدر ہم نے لکھا تو صرف طریقہ بتانے کے لیے لکھ دیا ہے۔

اعتقاد مسلم:۔ اس میں یہ اعتقاد کر لو کہ کوئی ستارہ ایسا نہیں جس کی پیدائش میں اللہ تعالیٰ نے بہت سی حکمتیں نہ رکھی ہوں۔ پھر اس کی مقدار اور شکل اور رنگ میں پھر آسمان میں سے ایک جگہ معین رکھنے میں پھر خط استوا اور ساتھ کے ستاروں سے نزدیک اور دور ہونے میں سب میں حکمتیں بہت زیادہ ہیں اور اس کو اسی پر قیاس کر لو جو ہم نے اعضائے بدن انسانی باب میں لکھی ہیں کہ کوئی جز اعضاء ایسا نہیں جس میں بہت سی حکمتیں نہ ہوں اور آسمان کا معاملہ تو اعضاء سے بہت بڑا ہے بلکہ عالم زمین کو عالم آسمان سے کچھ نسبت ہی نہیں نہ جسم کی عظمت میں اور نہ کثرت معانی میں۔

فائدہ:۔ معانی کی کثرت کے فرق کو یوں سمجھو جتنا ان دونوں کی عظمت میں فرق ہے یہ تو سب کو معلوم ہے کہ

زمین اتنی بڑی لور وسیع ہے کہ کوئی انسان اس کا احاطہ نہیں کر سکتا لور اس پر تمام کا اتفاق ہے کہ آفتاب کا پھیلاؤ بہ نسبت زمین کے چند لوپر ایک سو ساٹھ گنا زیادہ ہے لور احادیث سے بھی سورج کی عظمت معلوم ہوتی ہے۔ پھر ستارے جو چھوٹے معلوم ہوتے ہیں' ان میں سے چھوٹے سے چھوٹا ستارہ زمین سے آٹھ گنا زیادہ ہے۔ بڑے کا تو کیا کہنا۔ اس سے ان کا فاصلہ لور بلندی سمجھ میں آئے گی کہ کتنی دور ہیں کہ باوجود اتنا بڑی عظمت کے اتنا چھوٹے نظر آتے ہیں لور اللہ تعالیٰ نے ان کی دوری کی طرف اشارہ فرمایا کہ رفع سمکھا فسوھا(النزعات 28) ترجمہ کنزالایمان :۔ اس کی چھت لونچی کی پھر اسے ٹھیک کیا۔

ستاروں کے فاصلے :۔ اخبار و آثار میں ہے کہ ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک کا فاصلہ پانچ سو برس کی راہ ہے۔ جب ایک ستارے کی مقدار زمین سے کئی گنا ہے تو اب ان کی کثرت کا لحاظ کرو۔ پھر آسمان کو دیکھو جس میں ستارے جڑے ہیں کہ وہ خود کتنا بڑا ہوگا' پھر سرعت سیر کو دیکھو کہ تم کو ان کی چال تک معلوم نہیں ہوتی۔ سرعت کے معلوم ہونے کا تو ذکر ہی کیا ہے مگر اس میں شک نہ کرو کہ آسمان ایک لمحہ میں عرض ستارے کے مقدار پر چلتا ہے' اس لیے کہ جب ایک کنارہ ستارے کا نکلتا ہے' اس سے دوسرے کنارے تک کے نکلنے کا وقت ایک لمحہ ہے۔ اگر ستارے کا عرض زمین سے سو گنا ہو تو آسمان ایک لمحہ میں زمین کے عرض سے سو گنا چلا لور اسی طور پر ہمیشہ چلتا رہتا ہے مگر تم اس سے غافل ہو۔

سرعت آفتاب :۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آفتاب کی سرعت سیر کو ان لفظوں سے تعبیر کیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ دن ڈھل گیا تو کہا کہ نہیں' ہاں آپ نے پوچھا کہ نہیں لور ہاں کہنے کی کیا وجہ ہے۔ عرض کی کہ جب میں نے نہیں کہہ کر ہاں کہا' آفتاب پانچ سو برس کی راہ طے کر گیا تھا۔

فائدہ :۔ اس کے جسم کی عظمت لور سرعت سیر کو دیکھئے' پھر اللہ تعالیٰ جل حکیم کی قدرت کو دیکھیے کہ باوجود وسعت اطراف کے کس طرح آنکھ کے چھوٹے سے ڈھیلے میں اس کی صورت قائم کی کہ اگر زمین پر بیٹھ کر اس کی طرف آنکھ کھولوں تو تمام ستارے نظر آئیں۔ آسمانوں لور ستاروں کی کثرت لور عظمت کی طرف نہ دیکھو بلکہ ان کے خالق پر غور کرو کہ کس طرح ان کو پیدا کیا لور بے ستوں لور کسی لگاؤ کے بغیر ان کو تھمل رکھا ہے اور سارا عالم مثل ایک گھر کی طرح ہے' اس کی آسمان چھت ہے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ جب تم کسی امیر کے گھر میں جاتے ہو اور اس کو منقش لور سنہرے کام سے آراستہ دیکھتے ہو تو تمہارا تعجب ختم نہیں ہوتا لور ہمیشہ اسے یاد کرتے رہتے ہو بلکہ اس کی خوبی کی عمر بھر تعریف کرتے ہو لیکن اس بڑے گھر کو ہمیشہ دیکھتے ہو لور اس کی زمین لور ہوا لور چھت لور عمدہ مقلات لور نادر حیوانات لور عجائب نقوش پر روزمرہ نگاہ ڈالتے ہو لور دل سے اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ یہ گھر کچھ اس گھر سے کم نہیں جس کی تم تعریف کرتے ہو۔

فائدہ :۔ اگر غور کرو تو وہ زمین کا ایک حصہ ہے بلکہ اس عالیشان گھر کے اجزاء میں سے ایک حقیر جز ہے مگر باوجود

اس کے تم اس کی طرف نہیں دیکھتے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ جہان تمہارے رب کا گھر ہے اور اس نے اس کو تما بنایا ہے اور تم اپنے نفس اور اپنے رب اور اس کے گھر کو سب کو بھول کر اپنے پیٹ اور شرم گاہ کے دھندے میں لگے ہو' تم کو بجز اپنی شہوت وغیرہ کے اور کوئی فکر نہیں اور انجام تمہاری شہوت کا یہ ہے کہ اپنا پیٹ بھر لو۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ جو جانور کے دسویں حصہ کے برابر بھی کھا سکو تو اس بارے میں جانور تم سے دس درجہ زیادہ ہے اور تمہاری قدر و منزلت یہ ہے کہ تمہارے پاس دس یا سو آشنا جمع ہو کر زبان سے تمہاری خوشامد کریں اور دل میں تم سے بدعقیدہ رہیں۔ اگر بالفرض دوستی میں سچے ہی ہوں تب بھی نہ تمہارے لیے نہ اپنے لیے' کسی فائدے یا نقصان کے مالک نہیں' نہ زندگی اور موت اور اس کے بعد اٹھنے کے مالک ہیں حالانکہ شہر میں بہت سے کافر ہوں گے جن کی دولت و جاہ تمہاری دولت سے زیادہ ہوگی اور تم اس میں مشغول ہو کر جمال ملکوت زمین و آسمان سے غافل ہو۔ پھر تم کو اس مزہ سے بھی خبر نہیں جو مالک ملک و ملکوت کے جمال دیکھنے سے ہوتا ہے۔

مثال :۔ تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کوئی چیونٹی کسی ایسے محل عالیشان شاہی میں گھر بنائے جس کے پائے مضبوط اور عمارتیں عالی اور مکانات میں لونڈی غلام حسین و جمیل موجود اور عجیب و غریب اور نفیس چیزیں اور ذخیرے ترتیب وار رکھے ہوں تو وہ چیونٹی جب اپنی بل سے نکلے گی اور دوسری چیونٹی سے ملے گی تو اگر بولنے پر قادر ہوگی تو اس سے اور کچھ گفتگو نہ کرے گی' صرف اپنے مکان کا حال اور غذا کا ماجرا اور اسے جوڑا رکھنے کی کیفیت بیان کرے گی۔ بادشاہی محل کا حال اور محل میں جو بادشاہ رہتا ہے' اس کی اسے کچھ خبر نہ ہوگی' نہ اس میں فکر کرے گی بلکہ یہ مثال بھی ٹھیک نہیں' اس لیے کہ چیونٹی کو تو قدرت بھی نہیں کہ اپنی نظر' اپنے نفس اور غذا اور گھر سے دوسری طرف اٹھائے تو وہ بیچاری جو محل شاہی اور اس کی زمین اور چھت اور دیواریں اور تمام عمارت اور اس کے باشندوں سے غافل ہے تو مجبوری سے غافل ہے کہ اسے قدرت نہیں اور تم اللہ تعالیٰ کے گھر اور اس کے باشندوں سے غافل ہو کہ آسمان کو اتنا بڑا جانتے ہو کہ جتنا چیونٹی تمہارے گھر کی چھت کو جانتی ہے اور آسمان کے فرشتوں کو ایسا سمجھتے ہو جیسے وہ تمہیں سمجھتی ہے حالانکہ تم کو قدرت ہے' کہ ملکوت میں جولانیاں کرو اور ان کے عجائب میں وہ باتیں معلوم کرو جن سے مخلوق غافل ہے تو باوجود اس کے متوجہ نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ تم چیونٹی سے بھی بدتر ہو۔ معرفت اور اس کی عظمت و ہیبت اور قدرت کی سمجھ حاصل ہو اور جس قدر عجائب صنعت الٰہی کی معرفت زیادہ ہوگی' اسی قدر اس کے جلال و عظمت کی معرفت اکمل ہوگی اور اسے یوں سمجھو جیسے تم کسی عالم دین کے علم سے مطلع ہو کر اس کی بڑائی بیان کرو تو ہمیشہ یہ ہوگا کہ اگر کوئی اس کی عمدہ تصنیف یا شعر دیکھو گے تو اس سے اور زیادہ معرفت بڑھے گی اور اتنا ہی اس کی توقیر اور عزت زیادہ کرو گے یہاں تک کہ ہر کلمہ اس کے کلام کا اور ہر شعر اس کے اشعار کا تمہارے دل میں اس کی جگہ زیادہ کرے گی اور خواہاں ہوگی کہ تم اس کی تعظیم کرو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں اور اس کی صنعت میں غور کرنے کا حال ہے اور جو چیز مخلوق کی موجود ہے' وہ اسی کی گویا تصنیف و تالیف ہے اور اسی میں فکر کرنا کبھی ختم نہیں ہوتا بلکہ ہر بندہ اتنا کرتا ہے جتنا اس کو علم مرحمت ہوا ہے۔

فائدہ :- چاہیے کہ ہم اس ذکر کو ختم کرکے اسے تتمہ باب الشکر کا کریں' اس لیے کہ باب الشکر میں ہماری نظر اللہ تعالٰی کے افعال اقدس پر اس اعتبار سے ہے کہ اس کا احسان اور انعام ہمیں نصیب ہوا ہے کہ اس نے ایسی ایسی چیزیں بنائیں اور اس باب میں صرف اسی اعتبار سے ہے کہ افعال الٰہی ایسے ہیں اور جن چیزوں میں ہم نے نظر کی ہے' ان میں فلسفی بھی نظر کرتا ہے اور اس کی نظر اس کی گمراہی اور بدبختی کا سبب ہوتی ہے اور اہل توفیق ان اشیاء میں دیکھتا ہے تو اس کی نظر اس کی ہدایت اور سعادت کا سبب بنتی ہے اور کوئی ذرہ آسمان اور زمین میں ایسا نہیں کہ اللہ تعالٰی اس کے سبب جسے چاہے گمراہ نہ کرے۔

فائدہ :- اب ہم بحث کو اس فکر کے ذکر سے روکتے ہیں' اس لیے کہ یہ ایسا میدان ہے جس کی انتہاء نہیں۔ اگر ہم بہت سی عمر اس میں صرف کریں تب بھی جتنی معرفت کہ اللہ تعالٰی نے ہمیں اپنے فضل سے عنایت فرمائی ہے' اس کی شرح بھی نہ کرسکیں اور جس قدر ہم نے معلوم کیا ہے' وہ اور علماء اور ان کے علم کی بہ نسبت حقیر ہے اور علماء و اولیاء کی معرفت بہ نسبت انبیاء علیہم السلام کی معرفت کا یہی حاصل ہے اور انبیاء کو جس قدر معرفت ہے' وہ اس معرفت کے سامنے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تھی' نہایت تھوڑی اور کم ہے اور جو سارے انبیاء علیہم السلام کو معرفت تھی' وہ بہ نسبت مقرب فرشتوں مثل اسرافیل علیہ السلام اور حضرت جبریل علیہ السلام کی معرفت کے کم ہے' پھر تمام علوم فرشتوں اور جن اور آدمیوں کے اگر اللہ تعالٰی کے علم کی طرف منسوب کیے جائیں تو اس لائق ہی نہیں کہ ان کو علم کہا جائے بلکہ بہتر یہ ہے کہ ان کا نام حیرت اور قصور اور عاجزی رکھا جائے۔ پاک ہے وہ ذات کہ اپنے بندوں کو علم عطا فرمایا جو دیا اسے یوں فرمایا وما اوتیتم من العلم الا قلیلا (بنی اسرائیل 85) ترجمہ کنزالایمان :- اور تمہیں علم نہ ملا مگر تھوڑا فائدہ :- یہ بیان ان مجمل طریقوں کا ہے جن میں ان لوگوں کی فکر دوڑتی ہے جو اللہ کی مخلوق میں فکر کرتے ہیں اور ان میں اس کی ذات اقدس میں فکر کرنے کا ذکر نہیں مگر مخلوق میں فکر کرنے سے ضروری ہے کہ خالق کی معرفت و ہیبت اور قدرت کی سمجھ حاصل ہو۔

مسئلہ :- جو شخص ان امور میں اس نظر سے دیکھے گا کہ یہ اللہ تعالٰی کے افعال اقدس اور صنائع ہیں تو وہ ان سے اللہ کی عظمت و جلال کی معرفت حاصل کرکے ہدایت پائے گا اور جو ان میں نظر قصور سے دیکھے گا یعنی اس نظر سے کہ یہ سب چیزیں ایک دوسرے پر موثر ہیں اور مسبب الاسباب سے کوئی تعلق نہیں رکھتیں تو وہ بدبخت اور تباہ ہوگا۔ اللہ تعالٰی ہمیں گمراہی سے بچائے اور اس سے دعا مانگتے ہیں کہ ہمیں جاہلوں کی لغزش کی جگہ سے اپنی رحمت اور کرم اور فضل سے محفوظ رکھے۔

فائدہ :- باب منجیات تمام ہوا اس کے بعد دسواں باب شروع ہے جس میں موت اور اس کے بعد کے احوال کا ذکر ہے اور اسی پر کتاب احیاء ختم ہوگی۔ (ان شاء اللہ) الحمد للہ علی ذلک وصلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

باب 10

الموت وبعد الموت

مقدمہ :- غور فرمائیے جس کے سر پر موت آجائے اور اس کا دنیا سے رخصت کا آخری وقت ہو' پھر مرنے کے بعد بستر خاک اس کی خواب گاہ اور کیڑے مکوڑے اس کے ہم نشین اور منکر نکیر اس کے رفیق' قبر قیام گاہ اور زمین کا پیٹ اس کی آرام گاہ اور قیامت اس کے وعدے کی جگہ ہے اور بہشت یا دوزخ اس کے رہنے کی دائمی جگہ تو اسے لائق ہے کہ بجز موت کے کسی امر میں فکر نہ کرے نہ اور کسی چیز کا ذکر تک نہ کرے اور نہ کسی چیز کے لیے سامان جمع کرے' نہ اس کے سوائے کوئی تدبیر عمل میں لائے' نہ اور چیز کا انتظار کرے' نہ اس کے سوا کا شوق اہتمام بھی اسی کا ہو اور انتظار بھی اسی کا اور لائق ہے کہ اپنے نفس کو مردوں اور قبر والوں میں شمار کرے' اس لیے کہ جو چیز آنے والی ہے' وہ بہت قریب ہے' دور وہی ہے جو نہ آئے۔

حدیث :- حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ داناوہ ہے جو اپنے نفس کو مٹائے اور موت کے بعد کے لیے عمل کرے اور ظاہر ہے کہ جب تک کسی چیز کا ذکر دل پر بار بار نہ ہو' اس وقت تک اس کی تیاری نہیں ہو سکتی اور بار بار ذکر اس وقت ہوتا ہے جب یاد دلانے والی چیزیں سنتا رہے اور جن چیزوں سے اس پر تنبیہ ہو' ان کا تصور کرتا رہے۔ اس لیے ہم موت کا حال اور اس کے آگے اور پیچھے کی باتیں اور آخرت اور قیامت اور بہشت دوزخ کے حالات سناتے ہیں کہ انسان تو ان کا بار بار ذکر کرنا اور ان پر مدام فکر کرنا ضروری ہے تاکہ اس کو تیاری کے لیے ترغیب دے۔ اس لیے کہ سفر کا وقت آپہنچا اور زندگی بہت تھوڑی رہ گئی۔ لوگ خواب غفلت میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اقترب للناس حسابھم وھم فی غفلة معرضون (الانبیاء 1) ترجمہ کنزالایمان :- لوگوں کا حساب نزدیک اور وہ غفلت میں منہ پھیرے ہیں۔

موت کو بہت زیادہ یاد کرنا :- جو شخص دنیا میں غرق رہتا ہے اور اس کے دھوکہ میں سرگرداں اور اس کی شہوات کا عاشق اور موت سے غافل رہتا ہے۔ اسی وجہ سے اسے یاد نہیں کرتا اور اگر کوئی یاد دلائے تو برا جانتا ہے اور اس کے ذکر سے نفرت کرتا ہے۔ ایسے لوگوں کے حق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قل ان الموت الذی تفرون منه فانه ملاقیکم ثم تردون الی عالم الغیب والشهادة فینبئکم بما کنتم تعملون (الجمعہ 80) ترجمہ کنزالایمان :- تم

فرماؤ وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو وہ تو ضرور تمہیں ملنی ہے پھر اس کی طرف پھیرے جاؤ گے جو چھپا اور ظاہر سب کچھ جانتا ہے پھر وہ تمہیں بتادے گا جو تم نے کیا تھا۔

انسان کے تین اقسام:۔ انسان تین طرح کے ہیں۔ (1) دنیا میں ڈوبا ہوا۔ (2) مبتدی سالک توبہ کرنے والا۔ (3) عارف سالک منتہی۔ پہلی قسم کا انسان موت کو یاد نہیں کرتا۔ اگر کرتا ہے تو اپنی دنیا پر افسوس کی وجہ سے اس کی برائی کرنے لگتا ہے۔ ایسے آدمی کو موت کی یاد خدا سے اور زیادہ دور کر دیتی ہے اور تائب موت کو اس لیے زیادہ یاد کرتا ہے کہ اس کے دل میں سے خوف اٹھے اور توبہ کو کامل کر دے اور بعض اوقات اسے برا بھی جانتا ہے تو اس نظریہ سے کہ کہیں پہلے توبہ کی تکمیل اور توشہ کی تکمیل کے موت نہ آجائے۔ یہ شخص موت کے برا جاننے میں معذور ہے۔ وہ اس حدیث کے مضمون میں داخل نہیں مَن کرہ لقاء اللّٰہ کرہ اللّٰہ لقاسہ ترجمہ:۔ "جو شخص اللہ تعالیٰ عزوجل کی ملاقات کو برا جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ عزوجل اس کی ملاقات کو برا جانتا ہے۔ اس لیے کہ یہ شخص موت اور اللہ تعالیٰ سے ملنے کو برا نہیں جانتا بلکہ اپنے قصور اور تقصیر کی وجہ سے بقائے ربانی سے محروم نہ ہو جاؤں۔

امثال:۔ جیسے کوئی عاشق اپنے معشوق کی ملاقات میں اس وجہ سے تاخیر کرے کہ اس دوران معشوق کی مرضی کی موافقت کی تیاری میں لگا رہے تو ایسے عاشق کو یہ نہ کہیں گے کہ معشوق کی ملاقات سے گھبرا رہا ہے اور اس کی پہچان یہ ہے کہ ہمیشہ موت کی تیاری میں لگا رہے۔ کوئی کام اس کے سوا نہ ہو ورنہ قسم نمبر1 میں شامل ہو جائے گا۔

وہ عارف جو ہمیشہ موت کو یاد کیا کرتا ہے' اس لیے کہ موت پر وعدہ ملاقات حبیب ہے اور عاشق اپنے معشوق کے وعدہ وصال کو کبھی نہیں بھولتا بلکہ ایسا شخص اکثر موت کے لیے جلدی کرتا ہے اور اس کے آنے سے خوش ہو کر اسے محبوب جانتا ہے تاکہ گنہگاروں اور دنیاروں سے نجات پا کر رب العالمین کے جوار میں پہنچے۔

حکایت:۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق ہے کہ جب اُن کی وفات قریب ہوئی تو فرمایا کہ حبیب بوقت ضرورت آیا ہے۔

فائدہ:۔ وہ پشیمان ہوتا ہے' اسے فلاح نصیب نہ ہوتی۔ الٰہی اگر تو جانتا ہے کہ مجھے مفلسی بہ نسبت دولتمندی کے زیادہ پسند ہے ایسے ہی مرض بہ نسبت صحت کے اور موت بہ نسبت حیات کے تو مجھ پر موت کو آسان فرما کہ میں تجھ سے ملوں۔

خلاصہ:۔ تائب تو موت کو برا جاننے میں معذور ہے اور عارف موت کے اچھا جاننے میں اور اس کی تمنا کرنے میں اور ان دونوں سے بڑھ کر وہ ہے جو اپنا معاملہ عزوجل اللہ کو سپرد کرے کہ اپنے لیے نہ موت پسند کرے' نہ زندگی بلکہ سب چیزوں سے محبوب تر اس کے نزدیک وہی ہے جو اس کے مالک کے نزدیک محبوب تر ہو۔ اس طرح کا شخص فرط محبت اور عشق کے حیات مقام تسلیم اور رضا میں پہنچ جاتا ہے اور یہی علمت غائب اور منتہائے آرزو ہے۔

بہرحال موت کے ذکر میں ثواب اور فضیلت ہے' اس لیے کہ دنیا میں غرض ہوا موت کی یاد سے یہ فائدہ اٹھاتا ہے کہ دنیا سے کنارہ کشی کرتا ہے کیونکہ موت کی یاد اس کی راحت کو مکدر اور عیش کو تلخ کر دیتی ہے اور جن چیزوں سے انسان کی لذتیں اور شہوتیں گھٹی ہوتی ہیں' وہی نجات کا سبب ہے۔

موت کو یاد کرنے کے فضائل

احادیث مبارکہ :۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اکثر وامن ذکر مادم اللذات (لذات حاصل کرنے والی کا ذکر زیادہ کرو۔"

فائدہ :۔ یعنی موت کی یاد سے اپنی لذتوں کو مکدر کرو تاکہ تمہارا میلان اس سے ہٹ جائے۔ پھر خدا تعالیٰ عزوجل کی طرف متوجہ ہو۔

فرمایا کہ اگر جانوروں کو وہ بات معلوم ہو جو تم جانتے ہو تو تم ان میں موٹا جانور کبھی نہ کھاؤ گے یعنی سب لاغر ہو جائیں گے۔

حضرت بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ شہیدوں کے ساتھ بھی کوئی اٹھے گا؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں جو رات دن میں موت کو بیس بار یاد کرے گا۔

فائدہ :۔ اس فضیلت کا سبب یہ ہے کہ موت کا یاد کرنا موجب دنیا سے علیحدگی اور آخرت کی تیاری کا ہے اور اس سے غفلت دنیا کی شہوات میں ڈوبنے کا موجب ہے۔

حدیث میں ہے تحفۃ المومن الموت "ایماندار کا تحفہ موت ہے۔"

فائدہ :۔ یہ اس لیے فرمایا کہ دنیا ایماندار کا قید خانہ ہے۔ ہمیشہ اس میں دکھ رنج میں مبتلا اور نفس و شیطان سے مصیبتیں اٹھاتا رہتا ہے تو موت کی وجہ سے اسے اس عذاب سے نجات ہو جاتی ہے اور قید خانہ سے چھوٹنا تحفہ ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ الموت کفارۃ لکل مسلم "موت ہر مسلمان کے لیے گناہوں کا کفارہ ہے۔"

فائدہ :۔ حدیث میں مسلم سے سچا مسلمان اور پکا ایماندار مراد ہے کہ اس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان بچے ہوں اور اس میں اخلاق ایمانداروں کے موجود ہوں اور لغزشوں اور گناہ صغیرہ کے سوا کبائر میں آلودہ نہ ہوا ہو۔ ایسے گناہوں سے اس کے حق میں موت کفارہ ہو جاتی ہے بشرطیکہ فرائض قضاء نہ کیے ہوں۔

عطا خراسانی فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک مجلس پر ہوا جس میں ہنسی کی آواز بلند تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی مجلس میں لذات کے مکدر کرنے والی کا ذکر شامل کر دو۔ صحابہ نے عرض کیا کہ لذات کی مکدر کرنے والی کیا ہے؟ آپ نے فرمایا' موت۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اکثر وامن ذکر

الموت فانہ یمحص الذنوب ویزہد فی الدنیا" زیادہ کرو ذکر موت کا کہ وہ گناہوں کو ختم کر دیتی ہے اور دنیا میں پرہیزگار بنا دیتی ہے۔"

فرمایا کفی بالموت مفرقا "موت بس ہے جدا کرنے یا نصیحت کو۔"

فائدہ:۔ ایک حدیث میں مفرقا کی جگہ واعظا ہے۔

ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد شریف میں تشریف لائے۔ دیکھا کہ بعض لوگ باتیں کر کے ہنستے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موت کو یاد کرو۔ سن لو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر تمہیں معلوم ہو جو میں جانتا ہوں تو تم تھوڑا ہنسو اور بہت زیادہ روؤ۔

ایک شخص کا ذکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہوا۔ صحابہ نے اس کی خوب تعریف کی۔ آپ نے پوچھا کہ تمہارا یہ دوست موت کو یاد کرتا ہے؟ عرض کیا کہ موت کو یاد کرتے تو اس سے ہم نے نہیں دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو وہ اس مرتبے کا نہیں جس پر تم اسے سمجھے ہوئے ہو۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں عاشورہ کے دن گیا۔ ایک انصاری نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ لوگوں میں سے زیادہ دانا اور بزرگ کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو موت کو زیادہ یاد کرے اور اس کی تیاری سب سے زیادہ کرے' وہی لوگ دنیا کے اشرف اور آخرت کی بزرگی کے لیے سب سے زیادہ دانا ہیں۔

اقوال اسلاف رحمتہ اللہ:۔ حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ موت نے دنیا کو رسوا کر دیا۔ عاقل کے لیے خوشی کا نام نہ چھوڑا۔

ربیع بن خثیم رحمتہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایماندار اگر کسی غائب کا انتظار کرے تو موت سے بہتر اس کے لیے اور کوئی نہیں اور فرمایا کرتے کہ جب میں مروں تو میری خبر کسی کو نہ کرنا۔ آہستہ مجھے میرے رب کی طرف روانہ کر دینا۔

کسی بزرگ نے اپنے بھائی کو لکھا کہ برادر اس دار ناپائیدار میں موت سے ڈرو۔ اس سے پہلے کہ تو ایسے مقام میں جاؤ' پھر موت کی تمنا کرو اور نہ پاؤ۔

حضرت ابن سیرین رحمتہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جب موت کا ذکر ہوتا تو ان کا ہر ایک عضو مرجھا جاتا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ تعالیٰ ہر شب فقہاء کو جمع کرتے' وہ موت اور آخرت اور قیامت کا ذکر کرتے۔ اس سے آپ اس قدر رویا کرتے کہ گویا انہیں سخت صدمہ ہوا ہے۔

ابراہیم تیمی رحمتہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دو چیزوں نے دنیا کی لذت مجھ سے دور کر دی۔ موت کا ذکر' خدا تعالیٰ کی پیشی۔

حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص موت کو پہچان لیتا ہے' اس پر دنیا کی مصیبتیں اور رنج آسان ہو جاتے ہیں۔

حضرت مطرف رحمتہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ بصرہ کی مسجد میں کوئی یوں کہہ رہا ہے کہ موت کی یاد نے خوف کرنے والوں کے دل ٹکڑے کر ڈالے' اب بخدا ہوش باختہ نظر آتے ہیں۔

اشعث رحمتہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ تعالیٰ کے پاس جایا کرتے تھے' وہ صرف دوزخ اور آخرت کا معاملہ اور موت کا ذکر کیا کرتے تھے۔

حضرت بی بی صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں کہ ایک عورت نے حضرت بی بی ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شکایت کی کہ اس کا دل سخت ہے۔ آپ نے اسے فرمایا کہ موت کو یاد کیا کر' تیرا دل نرم ہو جائے گا۔ اس نے ایسا کیا اور نرم دل ہو گئی۔ پھر حضرت بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شکریہ کے لیے حاضر ہوئی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے جب موت کا ذکر ہوتا تو آپ کے جسم سے میں سے خون نکلنے لگتا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے سامنے جب موت اور قیامت کا ذکر ہوتا تو اتنا روتے کہ آپ کے قمیض کے بٹن اکھڑ جاتے۔ جب رحمت کا ذکر ہوتا تو ان کی سانس اپنی حالت پر واپس آتی۔

حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے جس عاقل کو دیکھا ہے تو موت سے خائف اور اسی سے اندوہناک پایا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ تعالیٰ نے کسی عالم سے کہا کہ مجھے نصیحت فرمایئے۔ انہوں نے فرمایا کہ حاکموں میں تم بھی مرو گے یعنی اور حاکم بھی تم سے پہلے مر چکے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ کچھ زیادہ فرمایئے۔ عالم نے کہا کہ تمہارے آباؤ اجداد میں سے حضرت آدم علیہ السلام تک کوئی ایسا نہیں جس نے موت نہ چکھی اور اب تمہاری باری ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ سن کر رو پڑے۔

ربیع بن خثیم رحمتہ اللہ عنہ نے اپنے گھر میں ایک قبر کھود رکھی تھی۔ ہر روز کئی بار اس میں لیٹا کرتے۔ اسی طرح ذکر موت کی مداومت کیا کرتے اور فرمایا کرتے کہ اگر ایک لمحہ موت کا ذکر میرے دل سے جدا ہو گا تو دل فاسد ہو جائے گا۔

مطرف بن عبداللہ بن الشخیر کہتے ہیں کہ اس موت نے تو راحت والوں کے چین میں رخنہ ڈالا۔ پس ایسی راحت تلاش کرو جسے فنا نہ ہو۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ تعالیٰ نے عنبسہ سے فرمایا کہ موت کی یاد بہت کر۔ اگر تجھے عیش کی وسعت حاصل ہو تو اس کو تنگ کر اور اگر تنگی عیش ہو تو اس کو وسیع کر۔

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمتہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے ام ہارون سے پوچھا کہ تم موت کو محبوب جانتی ہو؟ انہوں نے فرمایا کہ نہیں۔ میں نے پوچھا کہ کس لیے؟ انہوں نے فرمایا کہ اگر تم کسی کا قصور کرو تو اس کا ملاقات

نہ چاہو گے' پس میں اس کی نافرمانی کرکے اس کی وصل کیسے اچھا جانوں؟

دل میں ذکر موت کا طریقہ مضبوط کرنا:۔ موت ہولناک شے ہے اور اس کا فکر بہت بڑا ہے۔ جو لوگ اس سے غافل ہیں' اس کی وجہ ہے کہ اس کے فکر کی کمی ہے بلکہ اس کا ذکر نہیں کرتے۔ اگر کوئی ذکر کرتا ہے تو دل فارغ سے نہیں کرتا بلکہ دل شہوات دنیا سے بھرا رہتا ہے' اس لیے ذکر موت کی تاثیر دل میں نہیں ہوتی تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ انسان اپنے دل کو موت کے ذکر سے سوا کسی طرف متوجہ نہ کرے بلکہ اسے اور چیزوں سے خالی کرے۔ جیسے کوئی مسافر کسی جنگل خطرناک میں جاتا یا جہاز میں سوار سمندر کا سفر کرنا چاہے تو اس کو سوائے سفر کے اور کوئی فکر نہیں ہوتی تو جب موت کی یاد دل میں غالب ہو جائے گی تو بعید نہیں کہ اس میں اثر نہ کرے اور اس صورت میں دنیا کا مزہ اور خوشی کم ہو جائے اور دل میں عاجزی اور نرمی آجائے اور زیادہ تر موثر طریقہ اس میں یہ ہے کہ اپنے ہمسروں اور ہم عمروں کو جو پہلے مرچکے ہیں' یاد کرے یا ان کی موت اور جدائی کا خیال کرے اور ان کی صورتیں اور عہدے۔

اور حالات یاد کرے اور سوچے کہ اب مٹی نے ان کی وہ خوبصورتی خاک میں ملا دی۔ ان کے اعضاء قبروں میں متفرق ہو گئے۔ کس طرح اپنی بیبیوں کو بیوہ اور لڑکوں کو یتیم چھوڑ گئے۔ مال ان کے جاتے رہے۔ مسجدیں ان کی ویران ہو گئیں۔ بنگلوں' کوٹھیوں کے نشان مٹ گئے۔ کیا کروفر تھا۔ اب وہ قبر کے اندھیرے اور مٹی میں ہیں۔ ایک دوست کو جدا جدا یاد کرے اور اپنے دل میں اس کے حال اور کیفیت موت کی تصور کرے اور اس کی صورت کا تصور کرکے اس کی خوشی و غمی اور زندگی و بقاء کے لیے توقع کرنی اور موت کو بھولے رہنا اور اسباب کے موافق ہونے سے دھوکا کھانا اور اپنی قوت و جوانی پر اعتماد کرنا اور ہنسی ٹھٹھے کا مائل رہنا اور موت بعجلت سے غافل رہنا یاد کرے اور یہ تصور کرے کہ وہ کیسے چلتا پھرتا تھا۔ اب اس کے دونوں پاؤں اور ہر جوڑ ٹوٹ گیا اور کیسی گفتگو اور ہنسا کرتا تھا۔ اب کیڑوں نے زبان اور خاک نے دانت چاٹ لیے' اپنے لیے ایسی تدبیریں نکالتا تھا کہ بیس سال تک ان کی حاجت نہ پڑے حالانکہ اس کی موت میں ایک ہی مہینہ باقی تھا' ہائے اس کو خبر نہ تھی کہ مجھے کیا پیش آنا ہے۔ موت ایسے وقت میں آگئی کہ گمان نہ تھا یکایک موت کا فرشتہ اس کی نظروں میں ظاہر ہو گیا اور اس کے کان میں آواز بہشت یا دوزخ کی ڈال دی۔ جب یہ غور کرلے تو پھر اپنے نفس کی فکر کرے کہ میں بھی ویسا ہی ہوں اور مجھے غفلت بھی ویسی ہی ہے جیسے ان لوگوں کو تھی اور انجام میرا بھی وہی ہو گا جو ان کا ہوا۔

فائدہ:۔ حضرت ابو دردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تو مردوں کو یاد کرے تو خود اپنے آپ کو بھی ان جیسا شمار کرلے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نیک بخت وہ ہے جو اپنے غیر سے نصیحت حاصل کرے یعنی دوسروں کے حال سے عبرت حاصل کرے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم دیکھتے نہیں کہ روزانہ ایک صبح یا شام کے مسافر کو خدا تعالیٰ کے پاس جانے کے لیے روانہ کر دیتے ہو اور اسے زمین کی غار میں رکھ دیتے ہو۔ وہ مٹی پر تکیہ کر لیتا ہے اور احباب کو پیچھے چھوڑ جاتا ہے۔ اسباب سے علیحدہ ہو جاتا ہے تو ان فکروں یا ان کے جیسے اور فکروں کو ہمیشہ چاہیے۔ نیز قبرستان میں جانا اور بیماروں کا دیکھنا ایسی تدبیر ہے جس سے کہ موت کی یاد تازہ ہوتی چلی جاتی ہے۔ یہ تک کہ ایسی غالب ہو جاتی ہے گویا ہر وقت آنکھوں کے سامنے رہتی ہے۔ ایسی صورت میں بعید نہیں کہ انسان موت کی تیاری کرے اور دنیا سے کنارہ کش ہو ورنہ بظاہر دل اور زبان سے یاد کرنا فائدہ کم دیتا ہے۔ اس سے کچھ اور خوف کچھ نہیں ہوتا اور جب کبھی کسی کا دل دنیا کی کسی چیز سے خوش ہو تو چاہیے کہ اسی وقت یاد کرے کہ مجھے اس چیز کو چھوڑنا ضروری ہے۔

حکایت:۔ حضرت ابن مطیع رحمتہ اللہ تعالیٰ نے ایک دن اپنے گھر کو دیکھا اور اس کی خوبی محسوس ہوئی۔ آپ رو پڑے اور کہا کہ بخدا اگر موت نہ ہوتی تو میں تجھ سے خوش ہوتا۔ اگر انجام ہمارا قبروں کی تنگی نہ ہوتی تو دنیا سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں' پھر بہت زور سے روئے یہاں تک کہ آواز بلند ہوتی۔

امیدوں کا کم کرنا اور اس کے فضائل

احادیث مبارکہ:۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ جب تو صبح کرے تو اپنے نفس سے شام کا ذکر نہ کرنا اور اگر شام کرے تو صبح کا ذکر نہ کرنا اور زندگی سے موت کے لیے کچھ لے اور تندرستی سے بیماری کے لیے۔ اس لیے کہ اے عبداللہ تجھے معلوم نہیں کہ تیرا کل کو کیا نام ہوگا یعنی تو مردہ کہلائے گا یا زندہ۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پر سب سے زیادہ خوف دو خصلتوں کا ہے۔ (1) پیروی خواہش نفس۔ (2) طول امل۔ اس لیے کہ پیروی خواہش نفس حق سے پھیر دیتی ہے اور طول امل دنیا کی محبت ہے۔ پھر فرمایا کہ آگاہ رہو کہ اللہ تعالیٰ دنیا اسے بھی دیتا ہے جس سے محبت رکھتا ہے اور اسے بھی جس سے بغض رکھتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو اسے ایمان دیتا ہے۔ سن لو کہ بعض دین کے اہل ہیں اور بعض دنیا کے تو تم اہل دین سے ہو جاؤ۔ یاد رکھو کہ اہل دنیا سے دنیا منہ پھیر کر چل چکی ہے اور آخرت دوسری طرف منہ کیے نکل چکی ہے۔ خبردار کہ تم عمل کے دن میں ہو جس میں کچھ حساب نہیں اور عنقریب حساب کے دن میں ہو گے جس میں عمل نہ ہوگا۔

ام منذر فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شام کے وقت صحابہ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ تم خدا تعالیٰ سے شرم نہیں کرتے۔ انہوں نے عرض کیا کہ کیا بات ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ایسی چیزیں

جمع کرتے ہو جو کھاتے نہیں اور ان امور کی امید کرتے ہو جو پاتے نہیں اور مکانات ایسے بناتے ہو جن میں رہتے نہیں۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت اسامہ بن زید نے ایک لونڈی مہینہ بھر کے وعدہ پر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سو دینار کی خریدی تو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے سنا تعجب کرو کہ اسامہ نے مہینہ کے وعدہ پر لونڈی خریدی ہے۔ اسامہ بے شک طول امل رکھتا ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ میں نے اپنی دونوں آنکھیں کبھی اس طرح نہیں کھولیں کہ پھر گمان نہ کیا ہو کہ پلکیں بند کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ میری روح قبض کرے گا اور نہ کبھی میں نے آنکھ اوپر کو اس طرح کی کہ جان نکلنے سے پہلے اس کے نیچے کرنے کا گمان کیا ہو اور نہ کبھی لقمہ ایسا کھایا کہ یہ گمان کیا ہو کہ موت سے پہلے اس کو نگل جاؤں گا۔ پھر فرمایا کہ اے آدم کے بیٹو! اگر تم عاقل ہو تو اپنی جانوں کو مردوں میں شمار کرو۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا ہے' وہ بے شک آئے گی اور تم اسے نہ سکو گے۔ (یہ ناصحانہ کلمات ہیں' اسے لاعلمی سے کوئی تعلق نہیں۔ اویسی غفرلہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیشاب کے لیے تشریف لے جاتے۔ پیشاب کرکے مٹی سے فوراً طہارت کر لیتے۔ میں عرض کرتا کہ پانی تو قریب ہے' آپ فرماتے کہ کیا معلوم شاید میں پانی تک نہ پہنچوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین لکڑیاں لیں۔ ایک کو اپنے سامنے گاڑا دوسری کو اس کے قریب لیکن تیسری کو دور گاڑا۔ پھر پوچھا کہ جانتے ہو' یہ کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ و رسولہ اعلم "اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم خوب جانتے ہیں۔" آپ نے فرمایا کہ یہ دونوں لکڑیاں ایک انسان ہے اور ایک اس کی موت اور دور کی لکڑی اس کی امل ہے کہ انسان اس سے تعلق رکھتا ہے اور موت اس تک پہنچنے نہیں دیتی' درمیان میں اچک لیتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کی مثال یہ ہے کہ اس کے گرد ننانوے موتیں ہیں۔ اگر ان سے بچے تو بڑھاپے میں پڑا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آدمی ہے اور یہ اس کے گرد اس کی موتیں' اس کی طرف کو منہ کھولے ہوئے ہیں اور بڑھاپا ان کے بعد ہے اور امل بڑھاپے کے بعد انسان جینے کی حرص کرتا ہے اور یہ موتیں اس کی طرف کو منہ کھولے ہوئے ہیں جس کو حکم ہوتا ہے' وہی اسے اٹھا لیتی ہے۔ پھر اگر ان موتوں سے بچ گیا تو بڑھاپا اس کا خاتمہ کر دیتا ہے۔ امل اس کے انتظار میں رہتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہمارے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لکیر چوکوشی کھینچی اور اس کے بیچ میں ایک لکیر کھینچ کر اس کے گرد اور لکیریں کھینچیں اور ایک لکیر مربع سے باہر

کھینچی اور فرمایا کہ تم جانتے ہو' یہ کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ و رسولہ اعلم "اللہ تعالیٰ عزوجل اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم خوب جانتے ہیں۔" آپ نے بیچ والے خط کو تو انسان فرمایا اور مربع خط کو موت جو انسان کو محیط ہے اور یہ خطوط درمیانی مصائب ہیں کہ اسے دبا رہے ہیں۔ اگر ایک کا دبانا رہ جائے تو دوسری دبا لیتی ہے اور جو خط باہر ہے' اس کے لیے فرمایا کہ وہ امل ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یھرم ابن آدم ویبقی معہ اثنتان الحرص والامل "آدمی بوڑھا ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ دو چیزیں باقی رہتی ہیں۔ (1) حرص (2) امل۔

روایت میں ہے وتشبت معہ اثنتان الحرص علی المال والحرص علی العمل "اور دو چیزیں اس کی جوان ہو جاتی ہیں۔ (1) مال کی حرص۔ (2) زندگی کی حرص۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس میری امت کے پہلے لوگ تو یقین اور زہد کی وجہ سے نجات پائیں گے اور آخری لوگ بخل اور زندگی کے حرص کے مارے ہلاک ہوں گے۔

حکایت:۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بیٹھے تھے کہ ایک بوڑھا کدال سے زمین کھود رہا تھا۔ آپ نے جناب باری تعالیٰ میں عرض کیا کہ الہی اس شخص سے امل کو دور کر دے۔ وہ بوڑھا کدال پھینک کر لیٹ گیا اور گھنٹہ بھر پڑا رہا۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا مانگی کہ الہی اس کی امل اسے دے دے۔ وہ اٹھ کر کام کرنے لگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے پوچھا کہ پہلے کیوں لیٹ گیا تھا اور اب کیوں کام کرنے لگا؟ بوڑھے نے کہا کہ کام کرنے میں میرے نفس نے مجھ سے کہا کہ تو تو بوڑھا ہوا' کب تک کام کرے گا' اس لیے میں نے کدال پھینک دی اور لیٹ گیا۔ پھر میرے نفس نے مجھ سے کہا کہ جب تک زندہ ہوں' بسر اوقات کی فکر ضروری ہے' اس لیے اٹھ کر اپنا کام کرنے لگا۔

حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم سب یہی چاہتے ہو کہ جنت میں جاؤ۔ صحابہ نے عرض کیا کہ ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا کہ تو زندگی کی حرص کم کرو اور اپنی موت کو آنکھوں کے سامنے کر لو اور اللہ تعالیٰ سے جیسی چاہیے ویسی شرم کرو۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم دعا میں یوں فرمایا کرتے اللھم انی اعوذبک من الدنیا تمنع خیر الاخرۃ واعوذبک من حیاۃ تمناع خیر الممات واعوذبک من امل یمنع خیر العمل "الہی میں تیری پناہ مانگتا ہوں' ایسی دنیا سے جو آخرت کی خیر سے روکے اور ایسی زندگی سے جو موت کی بہتری سے باز رکھے اور ایسے عمل سے جو عمل کی بہتری سے مانع ہو۔"

اقوال اسلاف صالحین:۔ حضرت مطرف بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ میری موت کب آئے گی تو اپنی عقل کے جانے کا خوف کرتا مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر احسان کیا ہے کہ موت سے غفلت دے

دی ہے۔ اگر غفلت نہ ہوتی تو نہ زندگی اچھی طرح گزرتی اور نہ بازار گرم ہوتے۔

حضرت حسن رحمتہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بھولنا اور امل دو بڑی نعمتیں ہیں۔ اگر یہ دونوں نہ ہوتیں تو مسلمان راستوں پر نہ چلتے۔

حضرت ثوری رحمتہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے سنا ہے کہ انسان احمق پیدا ہوا ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو زندگی اچھی نہ گزرتی۔

حضرت سعید بن عبدالرحمٰن رحمتہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دنیا اس لیے آباد ہے کہ لوگوں کی عقلیں کم ہیں۔

حضرت سلمان فارسی رحمتہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تین چیزوں سے مجھے اتنا تعجب ہوا کہ میں ہنس پڑا۔ زندگی دنیا کا حرص حالانکہ موت اس کی طالب' غافل کہ اس سے غفلت نہیں جاتی' ہنسنے والا یہ نہیں جانتا کہ پروردگار عالم اس سے ناراض ہے یا راضی۔ نیز تین چیزیں اور ہیں کہ انہوں نے مجھے اتنا غمگین کیا کہ انہوں نے مجھے رلا دیا۔ (1) فراق احباء یعنی حضور صلی اللہ علیہ مسلم اور ان کی مقدس جماعت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ـ (2) خوف قیامت۔ (3) خدا تعالیٰ عزوجل کے سامنے کھڑا ہونا۔ معلوم نہیں کہ جنت کو حکم کیا جائے گا یا دوزخ کو۔

حکایت :۔ بعض اکابر کہتے ہیں کہ میں نے زراہ بن ابی اوئی کو مرنے کے بعد خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ تمہارے نزدیک اعمال میں سے کون سا زیادہ اچھا ہے۔ انہوں نے کہا کہ توکل اور امل کی کمی۔

حضرت ثوری رحمتہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دنیا کا زہد امل کا مختصر کرنا اچھا طعام نہ کھانا اور موٹا کپڑا پہننا۔

مفضل بن فضالہ رحمتہ اللہ تعالیٰ نے رب تعالیٰ سے التجا کی کہ امل دور کر دے۔ ان سے کھانے پینے کی خواہش جاتی رہی۔ پھر دعا مانگی تو خدا تعالیٰ نے امل دے دی اور کھانے پینے لگے۔

حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ تعالیٰ سے کسی نے کہا کہ اے ابو سعید آپ اپنا کرتا نہیں دھوتے۔ آپ نے فرمایا کہ اس سے معاملہ جلد معلوم ہوتا ہے۔ نیز آپ کا ارشاد ہے کہ موت تمہاری پیشانیوں کے بالوں میں بندھی ہوئی ہے اور دنیا تمہارے پیچھے کو تہ ہوتی جاتی ہے۔

بعض اکابر کہتے ہیں کہ میں ایسا ہوں جیسے کوئی شخص اپنی گردن پھیلائے ہو اور اس کے سر پر تلوار ہو اور انتظار کرتا ہو کہ کب گردن اڑائی جائے گی۔

حضرت داؤد طائی رحمتہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر میں اتنی امل کروں کہ مہینہ بھر جیوں تو جانوں کہ مرتکب گناہ کبیرہ کا ہوا اور یہ امل میں کیسے کر سکتا ہوں حالانکہ دیکھتا ہوں کہ تمام مخلوق پر مصیبتیں ہروقت چھائی رہتی ہیں۔

حکایت :۔ شفیق بلخی رحمتہ اللہ تعالیٰ اپنے استاد ابو ہاشم رمانی رحمتہ اللہ تعالیٰ کے پاس آئے اور ان کے گوشہ چادر میں کچھ بندھا تھا۔ استاد نے پوچھا کہ تمہارے پاس کیا ہے؟ حضرت شفیق بلخی رحمتہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ بادام ہیں۔ میرے ایک دوست نے مجھے دیئے ہیں اور کہا ہے کہ میرا جی چاہتا ہے کہ تم ان سے افطار کرنا۔ استاد نے فرمایا کہ

اے شقیق تم اپنے جی میں یہ کہتے ہو کہ شام تک زندہ رہوں گا۔ میں تم سے اب کبھی نہ بولوں گا۔ حضرت شقیق فرماتے ہیں کہ استاذ نے یہ کہہ کر دروازہ بند کر دیا اور اندر بیٹھے رہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ تعالیٰ نے خطبے میں فرمایا کہ سن لو کہ ہر سفر کے لیے توشہ ضروری ہے۔ اسی لیے دنیا سے آخرت تک کے سفر کا توشہ اپنا تقویٰ بنا لو اور ایسے ہو جاؤ جیسے کسی نے اللہ تعالیٰ کے ثواب اور عذاب کو دیکھ لیا ہو تو ثواب کو دیکھ کر رغبت کرو اور عذاب کو دیکھ کر خوف کرو اور حرص زندگی کو زیادہ نہ بڑھاؤ ورنہ تمہارے دل سخت ہو جائیں گے اور تم اپنے دشمن کے تابع ہو جاؤ گے۔ بخدا کہ وہ شخص اپنی اہل کو نہیں پھیلاتا جو نہیں جانتا کہ شام کے بعد مجھے صبح ملے گی یا نہیں یا صبح ملی تو پھر شام ملے گی یا نہیں اور ان دونوں کے درمیان میں موتوں کے واقعات اکثر ہوا کرتے ہیں۔ میں نے اور تم نے بھی اکثر ان کو دیکھا ہے جو دنیا پر مغرور تھے لیکن خوش قسمت وہ ہے جو عذاب الٰہی سے نجات کا اعتماد رکھتا۔ و اور خوش قسمت وہی ہوتا ہے جو احوال قیامت سے بے خوف ہو اور جن لوگوں کا یہ حال ہو کہ ایک زخم ابھی بھرا نہیں اور دوسرا دوسری طرف سے اور آگیا تو وہ کیسے خوش ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں۔ اس سے کہ تم کو اس بات کا حکم کروں جس سے اپنے نفس کو منع کروں۔ یہ تو میری تجارت میں نقصان اور خسارہ ہے۔ بے جا گی اس دن ظاہر ہو گی جس دن دولت مندی اور محتاجی ظاہر ہو گی اور ترازو کھڑی ہوں گی۔ تم ایسے معاملے کی تکلیف دیئے گئے ہو کہ اگر ستارے بھی تکلیف دیئے جاتے تو بے نور ہو جاتے اور پہاڑ پگھل جاتے اور زمین پھٹ جاتی۔ تم انہیں جانتے نہیں کہ بہشت اور دوزخ کے درمیان کوئی اور مقام نہیں اور تم کو بے شک ان میں سے ایک میں جانا ہے۔

حکایت :- کسی نے اپنے اسلامی بھائی کو لکھا کہ بعد حمد و نعت کے واضح ہو کہ دنیا ایک خواب ہے اور آخرت بیداری اور ان دونوں میں واسطہ موت ہے اور ہم پراگندہ خوابوں میں ہیں۔ والسلام۔

کسی نے اپنے اسلامی بھائی کو لکھا کہ دنیا پر غم کرنا بہت لمبا وقت ہے اور موت انسان کے قریب ہے اور ہر روز کچھ نہ کچھ گھٹتا جاتا ہے اور بدن سے یہ بلا آہستہ آہستہ ٹل رہی ہے تو پہلے اس سے کہ کوچ کا نقارہ بجایا جائے' سفر کی تیاری کر لینی چاہیے۔ والسلام

حضرت حسن رحمتہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب تک حضرت آدم علیہ السلام کی لغزش نہیں ہوئی تھی' ان کی اہل پیٹھ پیچھے تھے اور موت آنکھوں کے سامنے اور جب آپ سے لغزش ہوئی تو معاملہ برعکس ہو گیا کہ اہل تو آنکھوں کے سامنے کر دی گئی اور موت پیٹھ کے پیچھے۔

حضرت عبداللہ بن سمیط رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے سنا۔ وہ کہتے تھے اے وہ شخص کہ اپنے زیادہ تندرست رہنے سے مغالطہ میں ہے۔ کیا تو نے کسی کو بغیر بیماری کے مرتے نہیں دیکھا۔ اے وہ شخص کہ بہت سی مہلت پانے سے مغالطہ میں ہے۔ کیا تو نے کبھی کسی گرفتاری کو نہیں دیکھا کہ بغیر سامان کے پکڑا گیا ہو۔ اگر تو اپنی عمر کی زیادتی میں فکر کرے۔ اپنی پہلی لذتیں سب بھول جائے بھلا تم لوگ تندرستی سے مغالطہ میں پڑے

ہوئے ہو یا بہت دنوں سے آرام سے گزرنے پر اکڑتے ہو یا موت سے نڈر ہو یا ملک الموت پر دلیر ہو۔ ملک الموت جب آئے گا تو اس سے تم کو نہ تمہاری ثروت بچائے گی نہ کثرت۔ جمعیت کیا تمہیں معلوم نہیں کہ موت کا وقت سختیوں اور غصوں اور قصور پر پشیمانی کی گھڑی ہے۔ پھر یوں کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ رحم کرے۔ اس بندے پر جو موت کے بعد کے لیے عمل کرے۔ اللہ تعالیٰ رحم کرے اس بندے پر کہ اپنے نفس پر موت سے پہلے خوف خدا کی نظر کرے۔

حکایت:۔ ابو زکریا تیمی رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ سلیمان بن عبدالملک مسجد حرام میں بیٹھے تھے کہ ایک پتھر (جس پر کچھ کندہ تھا) ان کے سامنے لایا گیا۔ پڑھنے کے لیے وہب بن منبہ بلائے گئے' اس میں لکھا تھا کہ اے انسان اگر تو اپنی موت کے وقت کی نزدیکی دیکھ پائے تو اپنی طول امل کو چھوڑ دے اور عمل زیادہ کرنے کا حریص ہو اور طمع اور حیلے کم کر دے اور تو کل قیامت پشیمانی اٹھائے گا۔ اگر تیرا قدم لغزش کرے گا اور تیرے گھر والے اور نوکر چاکر تجھے موت کے حوالہ کر دیں گے اور باپ اور رشتہ دار تجھ سے جدا ہوں گے اور بیٹا اور اولاد چھوڑ دیں گے تو پھر دنیا میں واپس نہ جائے گا' نہ اپنے عمل میں زیادتی پائے۔ پس قیامت کے لیے حسرت اور ندامت سے پہلے کچھ کر لے۔ یہ سن کر خلیفہ سلیمان بہت رویا۔

بعض نے کہا ہے کہ میں نے خط محمد بن یوسف کا خط بنام عبدالرحمٰن بن یوسف دیکھا۔ اس میں لکھا تھا کہ بعد سلام میں شکر کرتا ہوں اس معبود کا جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور تجھے ڈراتا ہوں اس حال سے کہ تو اپنے مہلت کے گھر سے قیام کی جگہ اور جزاء اعمال کے گھر میں جاؤں گا۔ اب تو زمین کے اوپر رہتا ہے۔ چند روز کے بعد اس کے اندر جائے گا۔ پھر تیرے پاس منکر نکیر آکر تجھے بٹھلا دیں گے اور تجھ کو ڈانٹ دیں گے۔ اگر اس وقت اللہ تعالیٰ تیرے ساتھ ہوگا تو کوئی خوف اور وحشت اور حاجت نہیں۔ اگر معاملہ برعکس ہوا تو اللہ تعالیٰ مجھے اور تجھے پناہ دے' بری گھڑی ہوگی۔ لیٹنے کا مقام تنگ ہو جائے گا۔ تجھے خبر نہیں کہ پھر اٹھنے کے لیے پکار ہوگی اور صور پھونکا جائے گا اور اللہ تعالیٰ جبار مقدمات کے فیصلہ کے لیے ہوگا۔ زمین اپنے مکینوں سے اور آسمان اپنے مقیموں سے خالی ہو جائیں گے اور اسرار کھل جائیں گے اور جہنم بھڑکائی جائے گی۔ میزان کھڑی ہوگی اور انبیاء' شہداء کو بلوا کر لوگوں کے بارے میں پوچھا جائے گا اور کہا جائے گا کہ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کو شایان شان ہیں جو تمام عالمین کا پروردگار ہے۔ اس وقت بہت سے رسوا ہوں گے اور بہتوں کی پردہ پوشی کی جائے گی اور بہت سے تباہ ہوں گے اور بہت سے نجات پائیں گے' بہتوں پر عذاب ہوگا اور بہتوں پر رحم۔ مجھے معلوم نہیں کہ اس دن میرا اور تیرا کیا حال ہونا ہے۔ اسی سے لذتیں جاتی رہیں' شہوات چھوٹ گئیں' امل کوتاہ ہو گئی' سوتے بیدار ہوئے' غافل چوکنے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ اس بڑے خوف پر ہماری اور تمہاری مدد کرے اور دنیا و آخرت کی جگہ ہمارے اور تمہارے دل میں ایسی کرے جیسے متقیوں کے دل میں کرتا ہے' اس لیے کہ ہم اسی کے ہیں اور اسی کی وجہ سے موجود' والسلام۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ نے خطبہ پڑھا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کر کے فرمایا۔ لوگو تم بیکار نہیں پیدا

ہوئے' نہ مہمل چھوڑے جاؤ گے۔ تم کو ایک اٹھنے کی جگہ میں اللہ تعالیٰ حکم اور فیصلے کے لیے اکٹھا کرے گا۔ ناامید اور بدبخت کل کو وہ شخص ہو گا جسے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے کہ جو ہر چیز پر پھیلی ہے اور اپنی جنت سے جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے' نکال دے گا اور کل امن اسے ہو گا جو خوف اور تقویٰ کرکے اور تھوڑی اور ناپائیدار چیز اور بدبختی کو بہت اور پائیدار اور سعادت کے عوض میں دے ڈالے۔ دیکھو مردوں کا سوگ تم کرتے ہو' اسی طرح تمہارے پسماندگان تمہارا سوگ کریں گے۔ ہر روز دیکھتے ہو کہ صبح کو اور شام کو اللہ تعالیٰ کے پاس لوگ چلے جا رہے ہیں۔ ان کا وقت پورا ہو گیا اور اجل جاتی رہی' تم ان کو زمین کے گڑھے کے اندر بے فرش اور بے تکیہ رکھ دیتے ہو کہ نہ کوئی سامان ان کے ساتھ ہے' نہ کوئی رفیق و غم خوار صرف حساب کا سامنا ہے بخدا کہ میں یہ بات تو تم سے کہتا ہوں مگر جتنے گناہ اپنے نفس میں جانتا ہوں' ان سے زیادہ میں تم میں سے کسی میں نہیں جانتا لیکن اللہ تعالیٰ کے اچھے طریقے ہیں۔ ان میں اس کی طاعت کے لیے امر کرتا ہوں اور معصیت سے منع کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتا ہوں۔ اس کے بعد اپنی آستین منہ پر رکھ کر اتنا روئے کہ آنسوؤں سے داڑھی شریف بھیگ گئی اور پھر اس مقام پر آنے کی نوبت نہ آئی یہاں تک کہ وفات پائی۔

قعقاع بن حکیم کہتے ہیں کہ میں نے تیس سال سے موت کا سامان کر لیا ہے تو جب موت آئے گی تو میں اتنی دیر بھی اچھی نہ جانوں گا کہ ایک چیز کو دوسری سے پیچھے کر دوں۔

حکایت :۔ حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ تعالیٰ کہتے' ہیں کہ کوفے کی مسجد میں' میں نے ایک بوڑھے کو دیکھا' وہ کہتا تھا کہ میں تیس سال سے اس مسجد میں موت کا منتظر ہوں۔ اب اگر آئے گی تو میں اس کو نہ کسی چیز کا حکم کروں' نہ کسی چیز سے منع کروں اور نہ میری کسی کے پاس کوئی چیز ہے نہ کسی کی میرے پاس۔

حضرت عبداللہ بن ثعلبہ کہتے ہیں کہ میاں ہنستے کیا ہو شاید تمہارا کفن دکاندار کے یہاں سے آچکا ہو۔

حکایت :۔ محمد بن علی زاہد کہتے ہیں کہ ہم کوفہ میں ایک جنازے کے ساتھ نکلے اور داؤد طائی رحمتہ اللہ تعالیٰ بھی اس میں شریک تھے۔ جنازہ جب دفن ہونے لگا تو داؤد طائی ایک طرف بیٹھے۔ میں ان کے پاس جا کر بیٹھا تو میں نے سنا کہ یوں کہتے تھے جو وعدہ عذاب سے ڈرتا ہے' وہ دور کی چیز نزدیک جانتا ہے اور جسے امل زیادہ ہوتا ہے۔ اس کا عمل ضعیف ہوتا ہے اور جو آنے والی چیز ہے' وہ قریب ہے۔ اے بھائی یاد رکھ کہ جو شے اللہ تعالیٰ سے تجھے اور کام میں لگائے۔ وہ تیرے لیے منحوس ہے اور یہ بھی یاد رکھ کہ دنیا کے باشندے جو قبروں میں ہیں' ان کا یہ حال ہے کہ جو چھوڑ گئے' اس سے پشیمان ہیں اور جو آگے بھیج دیا تھا' اس سے شادان مگر قبر والے جس چیز پر پشیمان' دنیا دار اسی سے لڑتے مرتے ہیں اور اسی پر رغبت اور حاکموں کے ہاں مقدمات کرتے ہیں۔

حکایت :۔ حضرت معروف کرخی رحمتہ اللہ تعالیٰ نے نماز کی تکبیر کہی اور محمد بن ابی توبہ سے فرمایا کہ تم نماز پڑھا دو۔ انہوں نے کہا کہ اگر میں یہ نماز پڑھا دوں گا تو دوسری نماز کوئی نہیں پڑھائے گا۔ حضرت معروف کرخی رحمتہ اللہ

تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اپنے دل میں کہتے ہو کہ میں دوسری نماز بھی پڑھوں گا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے طول امل سے پناہ مانگتے ہیں کہ وہ عمل نیک کی مانع ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ دنیا رہنے کی جگہ نہیں۔ بہت سے گھر ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر فنا لکھ دی ہے اور ان کے رہنے والوں پر اس میں سے چلا جانا تو بہت سے خوب آباد تھے۔ چند روز میں اجڑ جاتے ہیں اور بہت سے رہنے والے کہ عوام ان کے رہنے پر حرص کریں' سفر کر جاتے ہیں۔ اے لوگو! اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے۔ دنیا سے اچھی طرح نکلو اور جو کچھ تمہارے سامنے سے چلنے کی چیزیں ہوں' ان میں سے عمدہ اپنے ساتھ لو اور توشہ لے لو کہ بہتر توشہ تقویٰ ہے۔ دنیا کا حال ایسا ہے جیسے سکڑتا سایہ کہ چلا جاتا ہے۔ ابھی تو آدمی دنیا کا راغب اور اس سے خوش بیٹھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے حکم سے طلب فرمایا اور اس کے سر پر موت آگئی تو اس کے تمام نشان چھین لیے اور اس کی عمارت اور دولت دوسروں کو دے دی۔ دنیا جتنی تازگی دیتی ہے' اتنا خوش نہیں کرتی۔ خوش کم کرتی ہے اور رنج بہت دیتی ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے خطبے میں فرمایا کرتے' کہاں گئے وہ لوگ جن کے چہرے خوبصورت چمک دمک کے ساتھ تھے اور اپنی جوانی پر ناز کرتے تھے۔ کہاں ہیں وہ لوگ جنہوں نے شہر بنا کر انہیں مضبوط کیا۔ کہاں ہیں وہ بہادر کہ لڑائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ زمانے نے ان کو تباہ کر دیا۔ قبروں کے اندھیروں میں جا پڑے تو جلدی اور تیزی کرو اور اپنی جانوں کے لیے نجات کی صورت تلاش کرو۔

طول امل کے اسباب اور اس کا علاج :- طول امل کے دو سبب ہیں۔ (1) جہالت۔ (2) دنیا کی محبت۔ دنیا کی محبت کا یہ حال ہے کہ انسان جب اس سے اور اس کی شہوات و لذات و علائق سے مانوس ہوتا ہے تو اس کے دل پر اس کی جدائی دشوار ہوتی ہے اور موت جو دنیا کی مفارقت کا سبب ہے' اس سے اس کا دل متنفر ہوتا ہے اور اس میں فکر نہیں کرتا اور جس چیز سے انسان نفرت کرتا ہے' اسے اپنے نفس سے دفع کرتا ہے اور انسان ہمیشہ جھوٹی آرزوؤں میں مشغول رہتا ہے۔ اپنے نفس کے لیے ایسی آرزو کرتا ہے جو اس کی مراد کے موافق ہو اور اس کی مرضی کے موافق دنیا میں رہتا ہے تو اسی کا خیال رکھتا ہے بلکہ اسی کو اپنے لیے فرض کر لیتا ہے اور جو لوازم دنیا میں رہنے کے ہیں اور جن کی اسے ضرورت ہوتی ہے یعنی مال اور اولاد اور گھر اور دوست اور سواریاں وغیرہ' سامان کو فرض کر لیتا ہے تو اس کا دل اسی فکر کا پابند ہو جاتا ہے۔ اسے موت کی یاد نہیں رہتی' نہ اس کا قریب ہونا خیال میں گزرتا ہے۔ اگر کبھی کسی وجہ سے موت کا معاملہ اور اس کی تیاری کا خیال اس کے دل میں گزرتا ہے تو اس کا نفس وعدہ کر لیتا ہے اور ٹال مٹول کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ابھی بہت دن باقی ہیں' بڑا ہو کر توجہ کر لینا اور بوڑھا ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ فلاں مکان بنا کر اور فلاں زمین آباد کر کے اور فلاں سفر سے لوٹ کر اور فلاں بچے کی شادی اور بچی کے جہیز سے فارغ ہو کر اور فلاں دشمن کی شرارت سے جو بدگوئی کرتا رہتا ہے' محفوظ ہو کر توبہ کر لوں گا۔ غرضیکہ ہمیشہ اسی طرح ٹالنا اور تاخیر کرنا اس کا شیوہ ہے اور جس کام کا کہتا ہے اس کے پورا کرنے کے ساتھ دس کام اور لگا دیتا ہے۔ اسی طرح

زندگی کے دن رفتہ رفتہ گزار دیتا ہے اور ایک کام سے دوسرا کام آتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ موت ایسے وقت میں اچک لیتی ہے کہ اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔ اس وقت بجز حسرت و افسوس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور اکثر دوزخ والے دنیا میں لیت و لعل کے عمل سے ہی فریاد کریں گے کہ ہائے ہم نے کیوں تاخیر کی تھی۔

فائدہ:- انسان بیچارہ نہیں جانتا کہ جس امر کی وجہ سے آج تاخیر کرتا ہے' وہ کل کو بھی تو اس کے ساتھ ہوگا بلکہ مدت گزرنے پر تو اس کے استحکام اور مضبوطی زیادہ ہو جائے گی اور اس کو یہ گمان ہے کہ دنیا میں خوف کرنے والے کو اور اس کی حفاظت کرنے والے کو کبھی نہ کبھی فراغت ہو سکتی ہے اور یہ اس کی خام خیالی ہے' اس سے فارغ وہی ہوتا ہے جو اس کو مختصر کرے۔

حدیث شریف:- حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا احبب من اجبت فانک مضارقہ "دوستی کر لے جس سے چاہے' اس سے جدائی ضرور ہوگی۔"

فائدہ:- انسان کا دنیا میں یہ حال ہے کہ وہ کبھی اپنی جوانی پر اعتماد کرتا ہے اور جوان موت کا آنا بعید سمجھتا ہے لیکن بیچارہ یہ نہیں سوچتا کہ اگر اپنے علاقہ کے بوڑھے گنتے تو دس یا پانچ ہوں گے اور ان کے کمی کی یہی وجہ ہے کہ جوانی میں موت بہت واقع ہوتی ہے۔ جب تک ایک بوڑھا مرتا ہے' ہزار جوان اور بچے مر جاتے ہیں اور کبھی انسان موت کو اپنی تندرستی کی وجہ سے بعید سمجھتا ہے اور اچانک کی موت کو بعید از قیاس سمجھتا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ اچانک مر جانا دشوار نہیں۔ اگر بالفرض دشوار ہو تو اچانک بیمار ہو جانا تو دشوار نہیں اور بیماری تو اچانک ہی ہوا کرتی ہے اور جب بیمار ہو تو موت کیا دور ہے۔

فائدہ:- غافل سوچے اور یقین کرے کہ موت کے لیے کوئی وقت مخصوص جوانی اور بڑھاپے اور بچپن نہیں' نہ کوئی موسم گرمی جاڑا اور خزاں یا بہار یا رات دن مقرر۔

فائدہ:- جو بہت چوکنا ہوتا ہے' وہ دنیوی سامان جمع کرنے میں لگا رہتا ہے مگر یہ جہالت ہے اور محبت دنیا کی وجہ سے طول امل میں گرفتار ہے۔ اسی وجہ سے موت کے جلد آنے سے غافل ہے۔ وہ ہمیشہ یہی گمان کرتا ہے کہ موت میرے سامنے آئے گی۔ اپنے اوپر اس کا آنا فرض نہیں سمجھتا۔ یہی خیال کرتا ہے کہ میں جنازے کے ساتھ چلوں گا۔ یہ نہیں خیال کرتا کہ اس کے جنازے کے ساتھ بھی لوگ چلیں گے' اس لیے کہ ہمیشہ جنازوں کے ساتھ جانے سے دنیا سے مانوس ہو رہا ہے۔ دوسروں کو مرتے دیکھ کر اوروں کے مرنے کا عادی ہے' اپنے مرنے کا اسے خیال نہیں اور نہ ممکن ہے کہ اپنی موت سے الفت کرے' اس لیے کہ وہ واقع نہیں ہوئی۔ اگر ہوگی تو ایک ہی دفع ہوگی۔ وہی اول' وہی دوم تو پھر اس سے الفت کیوں؟

طول امل کو کم کرنے کا طریقہ:- اپنے نفس کو غیر پر قیاس کرے اور سمجھے کہ یقیناً میرا جنازہ بھی اٹھے گا اور

قبر میں دفن کیا جائے گا اور بعید ہے کہ جو اینٹ اور تختہ میری قبر میں لگے گا' وہ بن چکا ہو اور مجھے علم نہ ہو' اس صورت میں تاخیر محض بیوقوفی ہے اور جب معلوم ہو چکا کہ تاخیر کا سبب جہل اور حب دنیا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کا علاج سبب دور کرنے سے ہوگا تو جہل کو تو اس طرح دور کرتا کہ دل حاضر سے فکر صاف کرے اور حکمت کی باتیں صاف دل والوں سے سنے۔

فائدہ:۔ حب دنیا کا دل سے نکلنا سخت ہے اور یہ وہ مرض لاعلاج ہے کہ جس کے علاج سے اکثر صوفیہ تھک گئے۔ اس کا علاج یہی ہے کہ ایمان چاہئے اور آخر پر ایمان کے علاوہ اور جو کچھ سخت عذاب اور اعلیٰ ثواب اس دن ہوتا ہے' اس پر یقین کامل ہو' اس لیے کہ اس یقین سے دنیا کی محبت دل سے نکل جائے گی کیونکہ بڑی چیز کی محبت دل سے چھوٹی چیز کی محبت کو دفع کر دیتی ہے تو جس صورت میں دنیا کی حقارت اور آخرت کی عظمت کا خیال کرے گا تو اسے بڑا جانے گا اور دنیا پر نظر ڈالے کہ اگرچہ سلطنت تمام روئے زمین کیوں نہ ہو' وہ کچھ نہیں۔

فائدہ:۔ کسی کو جو تھوڑی سی دنیا ملتی ہے تو وہ بھی کدورت اور بدمزگی سے خالی نہیں ہوتی تو اسی چیز سے کس طرح خوش ہوگا یا اس کی محبت دل میں کیسے ہوگی بشرطیکہ آخرت پر یقین ہو۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ دنیا کو ہماری نظروں میں ایسا کر دے جیسے اپنے نیک بندوں کی نظروں میں کر رکھا ہے اور موت کے دل پر مضبوط کرنے کا علاج اس سے اچھا کوئی نہیں۔

فائدہ:۔ دیکھئے اپنے ہمسر اور ساتھ والے مر گئے۔ ان کے حال پر غور کرو کہ ان پر موت ایسے وقت آئی کہ ان کو خیال تک نہ تھا جو اس کے لیے تیار تھا۔ اسے تو فلاح عظیم نصیب ہوئی اور جو طول امل سے مغالطہ میں تھا' اسے بہت بڑا خسارہ ہوا۔

درس عبرت:۔ انسان کو چاہیے کہ اپنے پاؤں اور اعضاء کی طرف دیکھے اور تحمل کرلے کہ ان کو کیڑے کیسے کھا جائیں گے اور ہڈیاں کس طرح علیحدہ اور متفرق ہو جائیں گی اور غور کرے کہ کیڑے پہلے داہنی آنکھ کا ڈھیلا یا بائیں آنکھ کا ڈھیلا کھانا شروع کریں گے اور جو اعضاء بدن میں ہیں۔ کوئی ایسا نہیں جو کیڑوں کی خوراک نہ ہو اور میرے ساتھ بجز علم و عمل خالص کے کچھ نہ رہے گا۔ اسی طرح وہ حالات بھی سوچے جنہیں ہم عنقریب لکھیں گے یعنی عذاب قبر اور منکر نکیر کا سوال اور حشر و نشر اور قیامت کے احوال اور قیامت کی پیشی کے لیے پکار کا خوف وغیرہ تو یہ اس قسم کے افکار کی ہیں کہ انسان کے دل پر موت کو تازہ کرتے ہیں اور اس کی تیاری میں لگاتے ہیں۔

طول امل میں لوگ مختلف المراتب:۔ طول امل کے بارے میں لوگ مختلف مراتب میں ہیں۔ بعض تو ایسے ہیں کہ وہ ہمیشہ جینا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یود احدھم لو یعمر الف سنۃ (البقرہ 96) ترجمہ کنزالایمان: ایک کو تمنا ہے کہ کہیں ہزار برس جیئے۔ بعض بڑھاپے تک زندگی کے حریص ہوتے ہیں یعنی جتنا عمر اور زندگی کسی کی

بڑی سے بڑی دیکھی' اتنا زیادہ کے خواہاں ہوئے۔ ایسا شخص دنیا سے بہت محبت کیا کرتا ہے۔

حدیث شریف:۔ بوڑھا طلب دنیا کی محبت میں جوان ہوتا ہے۔ اگرچہ بڑھاپے میں اس کی ہوس مر گئی' سوائے تقویٰ والوں کے اور وہ بہت کم ہیں۔ اگرچہ بعض ایک سال تک جینے کی توقع رکھتے ہیں اور اس سے زیادہ کے سامان کی تدبیر نہیں کرتے اور آئندہ سال میں اپنا نہ ہونا تصور کرتے ہیں مگر گرمی میں جاڑے کے لیے اور جاڑے میں گرمی کے لیے سامان تیار کرتے رہتے ہیں۔ اگر سال بھر کے لیے سامان کافی ہو تو عبادت میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ بعض صرف ایک موسم مثلاً گرمی یا سردی تک کی امید کرتے ہیں تو اسی نظریہ سے گرمیوں میں سرما کا سامان اور سردی میں گرمی کا سامان جمع نہیں کرتے۔ بعض کو امل کا خیال صرف ایک دن رات کا ہوتا ہے تو صرف دن بھر کی تیاری کرتا ہے' کل کی فکر نہیں کرتا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام:۔ آپ فرماتے ہیں کہ کل کی روزی کا اہتمام نہ کرو' اس لیے کہ اگر کل کی تم کو مہلت ملے گی تو رزق مہلت کے ساتھ تم کو پہنچے۔ اگر کل کی مہلت نہیں تو اہتمام بھی نہیں چاہیے' دوسرے دن کے لیے کیا ضروری ہے کہ فکر کرو۔ حضوں کی امل ایک ساعت ہوتی ہے۔

حدیث:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عبداللہ جب تم صبح کرو تو دل میں شام کا خیال نہ کرنا اور شام کرو تو صبح کا خیال نہ کرنا۔ بعض ایک ساعت کا باقی رہنا بھی نہیں جانتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم استنجاء کے بعد باوجود پانی پر قدرت کے تیمم کر لیا کرتے۔ فرماتے کہ شاید میں پانی تک نہ پہنچوں۔ یہ تعلیم امت کے لیے فرماتے' اس سے لاعلمی ثابت کرنا جاہلوں کا کام ہے۔ (اویسی غفرلہ)

بعض ایسے ہوتے ہیں کہ موت گویا ان کی آنکھوں کے سامنے ہے اور وہ اس کے منتظر رہتے ہیں۔ ایسے لوگ دنیا کو رخصت کرنے والے جیسی نماز پڑھا کرتے ہیں۔

معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ایمان کی حقیقت پوچھی تو عرض کیا کہ میں نے کوئی قدم ایسا نہیں رکھا کہ گمان کیا ہو کہ اب دوسرا اس کے بعد رکھوں گا۔

حکایت:۔ اسود حبشی کے حال میں ہے کہ وہ رات کو نماز پڑھتے وقت دائیں بائیں دیکھتے۔ کسی نے کہا' یہ کیا بات ہے۔ کہا کہ میں ملک الموت کو دیکھتا ہوں کہ کونسی طرف سے میرے پاس آتا ہے۔

فائدہ:۔ یہ ہیں لوگوں کے مراتب اور ہر ایک کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں درجات ہیں اور جس شخص کی امل ایک مہینہ ہے' وہ ایسا نہیں۔ جس کی امل ایک مہینہ اور ایک دن ہے یعنی دونوں کا درجہ یکساں نہیں' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ذرہ برابر بے انصافی نہیں فرماتا۔ خود فرماتا ہے فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ (الزلزال 7) ترجمہ کنزالایمان: تو جو ایک ذرہ بھر بھلائی کرے اسے دیکھے گا۔

فائدہ:۔ امل کا اثر تھوڑا ہو تو عمل میں سبقت کرتا ہے۔ کوئی دعوٰی کرے کہ میرا امل تھوڑا ہے' وہ جھوٹا ہے۔ یہ اس کے اعمال سے ظاہر ہوگا یعنی وہ ایسے اسباب کے درپے ہوتا ہے کہ غالبا سال میں بھی ان کی ضرورت نہ ہو تو اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ امل بڑا رکھتا ہے اور توفیق کی پہچان یہ ہے کہ موت آنکھوں کے سامنے ہو۔ اس سے ایک گھڑی غافل نہ ہو اور اسی کی تیاری میں مصروف رہے کہ ابھی آجائے گی۔ اگر شام تک بچ جائے تو خدا تعالٰی کا شکر کرے کہ مجھ سے اپنی طاعت کرائی اور اس شے سے خوش ہو کہ دن ضائع نہ ہوا بلکہ اس میں سے جتنا اس کا حصہ تھا' مل گیا اور اس کا ذخیرہ آخرت ہوا۔ پھر صبح کو ازسرنو اسی طرح کرے اور ہر صبح و شام یہی طریقہ کرے اور یہ بات اس کو میسر ہوتی ہے جس کو کل کی فکر نہ ہو کہ کل کیا ہوگا۔ ایسا شخص اگر مرے گا تو سعادت اور غنیمت پائے گا۔ اگر زندہ رہے گا تو آخرت کی تیاری اور لذت عبادت سے خوش رہے گا۔ موت سے اس کی سعادت ہے اور حیات سے زیادتی منزلت ہے۔

پند سودمند:۔ اے مسکین اپنے دل پر جمالے اس لیے کہ جان تجھے اڑائے لیے جاتی ہے اور تو اپنے نفس سے غافل ہے۔ بعید از قیاس نہیں کہ تو منزل کے قریب پہنچ گیا ہو اور مسافت طے کرچکا ہو اور یہ بات تجھے اس وقت حاصل ہوگی جب جتنی مہلت پائے گا' اس میں عمل کرے گا۔

عمل صالح میں عجلت اور تاخیر سے پرہیز:۔ مثلاً کسی کے دو بھائی غائب ہوں اور ایک دوسرے دن آئے گا دوسرا سال کے بعد تو وہ شخص دوسرے کے آنے کی انتظار نہ کرے گا بلکہ جو دوسرے دن آئے گا' اس کے آنے کا بندوبست کرے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تیاری قریب والے کے انتظار سے ہوا کرتی ہے۔ اس صورت میں جو موت کے آنے کا انتظار سال کے بعد کرے گا تو اس کا دل اسی مدت سے متعلق رہے گا۔ درمیانی دنوں پر دھیان نہ دے گا بلکہ ان کو بھول جائے گا۔ ہر روز صبح کو اسی کا منتظر رہے گا کہ ابھی سال کامل پڑا ہے اور شروع اسی دن کو جانتا ہے جس میں موجود ہے جو دن گزرتے جاتے ہیں۔ ان کو کم نہیں کرتا اور یہ امر اس کو ہمیشہ عمل پر جلدی نہیں کرنے دیتا' اس لیے کہ اپنے نفس کے لیے ہمیشہ گنجائش اس سال میں تصور کرتا ہے۔ اس وجہ سے عمل میں تاخیر کرتا ہے۔

احادیث مبارکہ:۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا میں تم میں سے کوئی انتظار نہیں کرتا مگر توانگری کی جو مانع ہے یا مفلسی کی جو طاعت سے بھولا دیتی ہے یا مرض مہلک یا بڑھاپا کہ عقل کو ختم کرتا ہے یا موت جلدی کہ جس کی وجہ سے کوئی کام ثواب کا نہ بن پڑے یا دجال کا اور دجال برا غائب ہے کہ اس کا انتظار کیا جائے یا قیامت کا انتظار کرتا ہے اور قیامت نہایت سخت اور تلخ ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جان۔ اپنی جوانی کو بڑھاپے سے' تندرستی کو بیماری سے اور

توانگری کو مفلسی اور فراغت کو شغل سے اور زندگی کو موت سے پہلے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں نعمتان مغبون فیہما کثیر لمن الناس الصحۃ والفراغ "دو نعمتیں ہیں کہ ان میں اکثر لوگ خسارے میں ہیں۔ ایک تندرستی اور فراغت۔"

فائدہ:- انسان ان دونوں نعمتوں کو غنیمت نہیں سمجھتا اور جب جاتی رہتی ہے تب ان کی قدر جانتا ہے۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو خوف کرتا ہے' وہ اول رات میں چلتا ہے اور وہ منزل کو پہنچ جاتا ہے۔ سن لو کہ خدا تعالیٰ کی متاع بھاری اور قیمتی ہے اور آگاہ ہو کہ خدا تعالیٰ کی متاع جنت ہے۔

حدیث نمبر5:- حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جات الراجفۃ سعہا الرادفۃ جات الموت بما فیہ

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ جب اپنے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے غفلت یا مغالطہ ملاحظہ فرماتے تو بلند آواز سے پکارتے اتتکم الموت راتبۃ لازمۃ اما بشقاوۃ اما لسعادۃ "لازمی طور ہر حال تمہارے پاس موت آئی ہوگی' بدبختی لے کر یا سعادت لے کر۔"

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرماتے تو جب قیامت کا ذکر ہوتا تو اسے بلند آواز سے بیان فرماتے۔ اس وقت آپ کا چہرہ مبارک جوش سے سرخ ہو جاتا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے وقت حجرہ پاک سے باہر نکلے کہ آفتاب درختوں کی ٹہنیوں پر پہنچ گیا تھا۔ فرمایا کہ دنیا میں سے اسی قدر باقی ہے جتنا کہ اس دن سے باقی ہے۔

ارشاد فرمایا کہ دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کپڑا کہ شروع سے آخر تک پھٹ کر ایک دھاگے میں لٹکا رہے تو بعید نہیں کہ وہ دھاگا بھی ٹوٹ جائے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب تقریر بیان فرماتے تو قیامت کے ذکر کے وقت اپنی آواز مبارک بلند کرتے اور رخسار مبارک سرخ ہو جاتا گویا کسی لشکر سے ڈراتے ہیں۔ فرماتے کہ صبح آئی اور شام آئی اور قیامت ان دونوں کی طرح بھیجی گئی ہے۔ راوی اپنی دونوں انگلیوں کو ملا لیتے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام (الانعام 125) ترجمہ کنزالایمان: اور اللہ جسے راہ دکھانا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔

اور فرمایا کہ جب نور سینے میں داخل ہوتا ہے تو کھل جاتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ اس کی کوئی پہچان بھی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں دنیا دھوکہ کے گھر سے الگ رہتا اور آخرت دار باقی کی طرف رجوع کرتا اور موت کے آنے سے پہلے اس کی تیاری کرتا۔

اقوال اسلاف :- حضرت سدی رحمتہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں الذی خلق الموت والحیوۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا (الملک 2) ترجمہ کنزالایمان : وہ جس نے موت اور زندگی پیدا کی کہ تمہاری جانچ ہو تم میں کس کا کام زیادہ اچھا ہے۔ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ کون موت کی یاد زیادہ کرتا ہے اور اس کی تیاری کون اچھی طرح کرتا ہے اور اس سے خوف اور ڈر بہت رکھتا ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ کوئی صبح اور شام ایسی نہیں کہ ایک پکارنے والا نہ پکارتا ہو کہ لوگو الرحیل الرحیل "کوچ ہے' کوچ ہے۔" اللہ تعالیٰ بھی فرماتا ہے انہا لاحدی الکبر نذیر اللبشر لمن شاء منکم ان یتقدم اویتاخر (المدثر 35 تا 37) ترجمہ کنزالایمان : بے شک دوزخ بہت بڑی چیزوں میں ایک ہے آدمیوں کو ڈراوا اسے جو تم میں چاہے کہ آگے آئے یا پیچھے رہے۔ یعنی موت کی تقدیم و تاخیر

حکایت :- یحیی سولی بن تمیم کہتے ہیں کہ میں عامر بن عبداللہ کے پاس گیا' بیٹھا' وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ جلدی سے سلام پھیر کر میری طرف توجہ کی اور فرمایا کہ کس لیے آئے؟ میں ایک انتظار میں ہوں۔ میں نے پوچھا کہ کس چیز کا انتظار ہے۔ فرمایا کہ خدا تعالیٰ تجھ پر رحم کرے' میں ملک الموت کا منتظر ہوں۔ یہ سن کر میں واپس چلا آیا اور وہ نماز میں مصروف ہو گئے۔

حکایت :- حضرت داؤد طائی رحمتہ اللہ تعالیٰ جا رہے تھے کہ کسی نے ان سے سوال کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ مجھے جانے دو۔ میں اپنی جان نکلنے تک کا موقع غنیمت جانتا ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تاخیر ہر چیز میں بہتر ہے بجز اعمال آخرت کے منذر رحمتہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ میں نے مالک بن دینار سے سنا ہے کہ اپنے نفس سے فرماتے تھے' اے کم بخت عمل پر جلدی کر۔ اس سے پہلے کہ موت آجائے اور اس جملہ کو بار بار کہتے تھے یہاں تک کہ میں نے ساٹھ بار سنا اور مجھے نہیں دیکھتے تھے۔

حضرت حسن رحمتہ اللہ تعالیٰ نے وعظ میں فرمایا کہ عمل کرنے کے لیے جلدی کرو کیونکہ یہ چند سانس ہیں' اگر رک گئیں تو تم سے وہ عمل نہ ہو سکے گا جس سے اللہ تعالیٰ کا تقریب حاصل کرتے ہو۔ خدا تعالیٰ رحم کرے اس آدمی پر جو اپنے نفس کی فکر کرے اور اپنے گناہوں پر روئے۔ پھر یہ آیت پڑھی انما نعدلھم عدا (مریم 84) ترجمہ کنزالایمان : ہم تو ان کی گنتی پوری کرتے ہیں۔

فائدہ :- سانس کی مراد سے ہے آخری شمار پر انسان کی جان نکلتی ہے' پھر اس کے بعد اپنے عمل کی جدائی' پھر اس کے بعد قبر میں داخل ہونا۔

حکایت :- حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی موت سے پہلے بہت سخت ریاضت شروع کی۔ ان سے کہا گیا کہ آپ محنت نہ کریں اور اپنے نفس پر کچھ نرمی کیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ گھوڑ دوڑ میں جب گھوڑے حد

کے قریب پہنچتے ہیں تو جتنی دوڑ ان میں ہوتی ہے' اس کا زور اسی وقت نکالتے ہیں اور جو مدت کہ میری موت کی باقی ہے' وہ اس سے بھی کم ہے۔ غرضیکہ مرتے دم تک اسی طرح عمل کیا اور اپنی بیوی سے فرماتے کہ اپنی سواری کس لے' اس لیے کہ جہنم پر اترنے کی کوئی چیز نہیں یعنی اس پر اترنے کی چیز اعمال ہی ہوں گے تو ان میں کوشش کر۔

کسی خلیفہ نے اپنے منبر پر یہ کہا کہ اے بندگان خدا تعالیٰ عزوجل سے ڈرو' جتنا تم سے ہو سکے اور ایسے لوگ ہو جاؤ جن کو چیخ سنائی گئی ہو اور ہوشیار ہو گئے ہوں اور جان لیا ہو کہ دنیا ہمارا گھر نہیں ہے تو اس کو آخرت کے عوض میں دے ڈالا ہو اور موت کے لیے تیار ہو جاؤ کہ سر پر کھڑی ہو اور کوچ کی تیاری کرو کہ وہی بڑی مشکل ہے اور جو عرصہ ایسا ہو کہ سیکنڈ سے کم ہو' وہ کمترمدت ہونے کے لیے زیبا ہے اور جس غائب کو نئے رات دن لیے چلے آتے ہیں' وہ جلد آنے کے لائق ہے اور جو آنے والا کہ نہ جانتا ہو کہ فلاح پر ہوگا یا بدبختی پر' وہ عمدہ سامان کرنے کا مستحق ہے۔ اپنے رب تعالیٰ کے نزدیک پرہیزگار وہ ہے جو اپنے نفس کی خیر خواہی کرے اور مرنے سے پہلے توبہ کرے اور اپنی شہوت پر غالب ہو' اس لیے کہ اس کی موت کا حال تو اس سے پوشیدہ اور زندگی کا حرص اسے زیب دیتا ہے اور شیطان اس پر مقرر ہے کہ توبہ کی آرزو دلاتا ہے تاکہ ٹالتا رہے اور گناہوں کو اس کی نظروں میں اچھا کرتا ہے تاکہ ان کا مرتکب ہو یہاں تک کہ اس کی موت اس کے سر پر آئے اور یہ سب سے زیادہ اس سے غافل ہو۔ یاد رکھو کہ تم میں اور بہشت اور دوزخ میں صرف موت ہی ہے تو بڑا افسوس ہے اس غفلت والے پر جس کی زندگی اس پر حجت ہو اور اس کے دن ہی اس کو بدبختی میں لے ڈوبیں۔ خدا تعالیٰ ہم سب کو ایسے لوگوں میں بنائے جو نعمت سے محروم نہ ہوں اور نہ کسی گناہ کی وجہ سے طاعت الٰہی میں قصور کریں اور نہ مرنے کے بعد حسرت اٹھائیں۔ وہی دعا سننے والا ہے اور اس کے ہاتھ میں بہتری ہے اور وہی جو چاہتا ہے' کرتا ہے۔

فائدہ:۔ بعض مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا فتنتم انفسکم وتربصتم وارتبتم وغرتکم الامانی حتٰی جآء امر اللّٰہ وغرکم باللّٰہ الغرور (الحدید 14) ترجمہ کنزالایمان: تم نے اپنی جانیں فتنہ میں ڈالیں اور مسلمانوں کی برائی تکتے اور شک رکھتے اور جھوٹی طمع نے تمہیں فریب دیا یہاں تک کہ اللہ کا حکم آگیا اور تمہیں اللہ کے حکم پر اس بڑے فریبی نے مغرور رکھا۔

تفسیر:۔ خیالوں پر جب تک آپہنچا' حکم اللہ عزوجل کا اور تم کو بہکایا اللہ تعالیٰ کے نام سے ایسی دغاباز نے۔ اور فرمایا کہ فتنتم انفسکم سے مراد شہوات و لذات ہیں اور تربصتم سے مراد توبہ کے لیے انتظار اور تاخیر اور ارتبتم سے شک اور امراللہ سے مراد موت ہے۔

حضرت حسن رحمتہ اللہ فرماتے ہیں کہ صبر کرو اور راہ راست پر رہو کہ تھوڑے دن زندگی کے ہیں۔ تم مسافر ہو' ایک کی طلبی ہو جاتی ہے اور وہ چلا جاتا ہے۔ وہ مڑ کر نہیں دیکھتا' تم تو دنیا سے جو تمہارے سامنے ہے' عمدہ چیز لے کر نقل مکانی کرو۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تم سب مہمان ہو اور تمہارا مال عاریت ہے۔ مہمان جانے والا ہے اور عاریت جس کی ہے' اس کے پاس جانے والی ہے۔

ابو عبیدہ ناجی کہتے ہیں کہ ہم حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ تعالیٰ کے مرض الموت میں گئے تو انہوں نے فرمایا کہ بہت خوب ہوا کہ آپ تشریف لائے۔ اللہ تعالیٰ تم کو سلامتی کے ساتھ زندہ رکھے اور ہم سب کو جنت میں جگہ دے۔ یہ ایک کھلی نیکی ہے' اگر تم صبر کرو اور سچا جانو اور تقویٰ اختیار کرو۔ ایسا نہ ہو کہ اس خبر کو اس کان میں ڈالو اور دوسرے سے نکال دو۔ جس شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے تو یہ دیکھا ہے کہ ان کے پاس جو چیز صبح کو آئی تو شام کو چلی گئی۔ کبھی آپ نے اینٹ پر اینٹ نہ رکھی' نہ اعلیٰ مکان بنوایا بلکہ آپ نے اپنے لیے علم اونچا کیا۔ اسی طرف آپ مستعد ہوئے' جلدی کرو' جلدی کرو تم کس چیز کی رغبت کرتے ہو۔ بخدا کہ تم اور موت گویا اکٹھے ہی ہو۔ اللہ تعالیٰ رحم کرے اس بندے پر جو صرف ایک ہی عیش آخرت میں کوشش کرے۔ ایک ٹکڑا کھالے اور پرانا کپڑا پہن لے اور زمین پر لیٹ رہے اور عبادت میں کوشش کرے اور خطا پر روئے اور عذاب سے گریز کرکے رحمت کا خواہاں رہے۔ یہاں تک کہ اس کی موت اس حال پر آئے۔

عاصم احول رحمتہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ فضیل رقاشی نے میرے سوال کے جواب میں فرمایا کہ صاحب لوگوں کی کثرت کی وجہ سے اپنے نفس سے غافل نہ ہونا چاہیے' اس لیے کہ معاملہ خاص تم سے ہوگا نہ ان سے اور یہ نہ کہو کہ وہاں سے ہو آؤں اور وہاں کا چکر لگاؤں کہ اس صورت میں وقت ضائع جاتا رہے گا اور موت تمہارے اوپر معین ہے۔ وہ معلوم نہیں کس وقت آئے اور جیسے نئی نیکی پرانے گناہ کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر جلد پکڑ لیتی ہے' ایسی تم نے کوئی چیز کبھی نہ دیکھی ہوگی۔

شدۃ موت اور اس وقت کے اعمال صالحہ :- اگر انسان پر کوئی ہول اور کوئی اور عذاب بجز کرات کی سختی کے نہ ہوتا تو بھی اس لائق تھا کہ اس کا عیش تلخ اور سرور مکدر ہوتا اور سود غفلت سے علیحدہ رہتا اور موت کے بارے میں فکر کرکے اس کی تیاری کرتا بالخصوص ایسی صورت میں کہ وہ ہر لحظہ اس کے درپے ہے۔ چنانچہ بعض حکماء فرماتے ہیں کہ تیری سختیاں دوسرے کے ہاتھ میں ہیں۔ تجھے معلوم نہیں کہ تجھ پر کب آئیں گی۔

پند لقمان حکیم :- حضرت لقمان رحمتہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بیٹے سے کہا کہ بیٹا موت کا حال تجھ کو معلوم نہیں کہ کب آئے گی اس سے پہلے کہ وہ اچانک آئے تو اس کی تیار کرلے اور تعجب ہے کہ آدمی اگر بڑی سے بڑی لذت میں اور عمدہ مجلس اور تماشہ میں محو ہو اور یہ تصور کرے کہ ایک سپاہی اگر پانچ لاٹھیاں مارے گا تو وہ لذت خاک میں مل جائے گی اور عیش میں کدورت آجائے گی۔

سکرات الموت :- سب کو معلوم ہے کہ ملک الموت موت کی سختیاں عین غفلت کے وقت لائے گا۔ کوئی سمجھے کہ اس سے کچھ عیش مکدر نہیں ہوگا۔ اس کا سبب بجز جہالت اور دھوکہ کے اور کیا کہنا چاہیے اور جس قدر تکلیف

کہ نزع (سکرات) میں ہوتی ہے' اس کی ماہیت بجز اس شخص کے کہ اسے چکھے اور کسی کو معلوم نہیں ہوتی۔

سکرات کا مزہ معلوم کرنا:۔ انسان اسے دو طرح سے معلوم کر سکتا ہے۔ (1) عام دردوں پر قیاس کرنے سے جو اسے ہوئے ہوں۔ (2) لوگوں کا حال نزع میں دیکھے کہ وہ نہایت کرب میں ہوتے ہیں۔ پس کے قیاس کی صورت یہ ہے کہ جس عضو میں جان نہیں ہوتی' اس کو درد محسوس نہیں ہوتا اور جب اس میں جان ہوتی ہے تو درد محسوس ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ درد کو محسوس کرنے والی روح ہے۔ جب کسی عضو میں زخم لگتا ہے یا سوزش ہوتی ہے تو اس کا اثر روح پر پہنچتا ہے اور جس قدر اثر روح پر پہنچتا ہے' اسی قدر اس کو درد ہوتا ہے اور چونکہ درد گوشت اور خون وغیرہ میں تقسیم ہو جاتا ہے تو روح کو صرف تھوڑا ہی صدمہ ہوتا ہے تو اگر ایسی صورت ہو کہ درد خاص روح پر ہو تو ظاہر ہے کہ یہ درد نہایت سخت ہو گا۔

نزع کا معنی:۔ نزع کا یہی معنی ہے کہ روح پر صدمہ ہوتا ہے اور اس کے تمام اجزاء میں درد پھیل جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اجزائے روح میں سے جو تمام بدن کے اندر پھیلی ہوئی ہے' کوئی چیز باقی نہیں رہتی جس میں درد نہ ہو مثلاً کسی کو اگر کانٹا لگتا ہے تو درد محسوس ہوتا ہے تو صرف روح کے اس حصہ میں جو اس جگہ ملی ہوئی ہے جہاں کانٹا لگا ہے اور جلنے کی تکلیف اس لیے زیادہ محسوس ہوتی ہے کہ آگ کے اجزاء تمام بدن میں سرایت کر جاتے ہیں۔ کوئی عضو ظاہر و باطن ایسا نہیں رہتا جس میں آگ نہ لگی ہو تو جو روح کہ ان اجزاء میں پھیلی ہوئی ہے' اس کے اجزائے روحانی ہر ایک جگہ پر درد کا صدمہ سہتے ہیں اور زخم تو فقط اسی جگہ پر ہوتا ہے جہاں لوہا وغیرہ لگا ہے۔ اسی وجہ سے زخم کی تکلیف جلنے کی بہ نسبت کم ہوتی ہے اور درد کی تکلیف روح پر ہوتی ہے اور اس کے تمام اجزاء کو محیط ہوتی ہے' اس لیے کہ ہر ایک رگ و پے میں سے کھینچ کھینچ کر کے نکلتی ہے۔ کوئی اجزاء اور جوڑا اور بال اور کھال سر سے پاؤں تک باقی نہیں رہتی جس میں سے نہ نکل جاتی ہو تو اس کی تکلیف اور سختی کو مت پوچھو۔ اسی لیے کہتے ہیں کہ موت تلواروں کی ضرب اور آرے کے چیرنے اور مقراض سے کترنے کی بہ نسبت بہت سخت ہے کیونکہ تلوار وغیرہ سے بدن کا کٹنا اس لیے تکلیف دیتا ہے کہ اس میں روح ہوتی ہے تو جب خاص روح پر صدمہ ہو تو کیسے سخت نہ ہو۔

سوال:۔ تلوار اور مارنے کی تکلیف میں آدمی چیختا ہے اور نزع میں فریاد و چیخ کچھ نہیں ہوتی۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب:۔ جب کسی دل اور زبان میں قوت رہتی ہے تو درد محسوس ہوتا ہے لیکن نزع میں موت کی سختی دل اور زبان اور ہر عضو پر چڑھ جاتی ہے اور تمام قوت کو ضائع کر دیتی ہے اور ہر ایک عضو سست پڑ جاتا ہے۔ اسی لیے قوت فریاد کی باقی نہیں رہتی۔ یہ عقل کو پریشان کر دیتی ہے اور زبان کو گونگا بنا دیتی ہے اور ہاتھ پاؤں کو ڈھیلا کر دیتی ہے۔ انسان اس وقت چاہتا ہے کہ اگر بن پڑے تو آہ اور واویلا اور فریاد کرے مگر نہیں ہو سکتا۔ اس میں قوت رہتی ہے تو

جان نکلتے وقت اور اس کے کھینچنے کے وقت حلق اور سینے سے غرغر کی آواز سنائی دیتی ہے' رنگ بدل کر مٹیالا ہو جاتا ہے گویا جس مٹی سے بنا تھا' وہی اس سے ظاہر ہوئی۔ تمام رگیں کھنچی ہوئی ہیں' اس لیے کہ درد اندر اور باہر پھیلا ہوا ہے یہاں تک کہ آنکھ کے ڈھیلے اوپر چڑھ جاتے ہیں اور ہونٹ سکڑ جاتے ہیں اور زبان کی جڑ کی جانب کو کھینچ جاتی ہے اور خصے اوپر کی طرف کو ہو جاتے ہیں۔ انگلیاں سرد پڑ جاتی ہیں تو ایسے بدن کا حال کیا پوچھتے ہو جس کی ہر ایک رگ تنی ہوئی ہے۔ اگر ایک رگ کھنچی ہوتی تو اس کا درد بہت ہوتا۔ جب ساری جان ہی درد بن گئی ہے اور وہ بھی ایک رگ سے نہیں بلکہ تمام رگوں سے تو اس کی تکلیف کیوں نہ زیادہ ہوگی۔

جسم سے روح نکلنے کی ترتیب :۔ نزع کے وقت ہر ایک عضو سے بتدریج روح نکلنے لگتی ہے' اس لیے دونوں پاؤں ٹھنڈے ہوتے ہیں۔ پھر پنڈلیاں' پھر رانیں' پھر ہر ایک عضو میں نئی سختی اور نئی شدت ہوتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ نوبت گلے تک پہنچتی ہے۔ اس وقت اس کی نظر دنیا اور اہل دنیا سے علیحدہ ہوتی ہے اور دروازہ توبہ کا اس پر بند ہو جاتا ہے اور حسرت و ندامت اس پر چھا جاتی ہے۔

حدیث :۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تقبل توبتہ العبد مالم یغرغر "بندے کی توبہ قبول ہوتی ہے جب تک گلے میں غرغرہ سنائی دے۔"

فائدہ :۔ حضرت مجاہد رحمتہ اللہ تعالٰی آیت تفسیر میں فرماتے ہیں ولیست التوبۃ للذین یعملون السیات حتی اذا حضر احدھم الموت قال انی تبت الان (النساء 18) ترجمہ کنزالایمان : اور وہ توبہ ان کی نہیں جو گناہوں میں لگے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں کسی کو موت آئے تو کہے اب میں نے توبہ کی۔ اس سے مراد وہ وقت ہے جب ملک الموت نظر آئے اور فرشتے محسوس ہوں۔

خلاصہ :۔ تلخی موت کا مزہ اور اس کی سختی شدت نزع کے وقت قابل بیان نہیں۔

حدیث :۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللھم ہون علی محمد سکرات الموت "الٰہی آسان کر محمد پر موت کی سختیاں۔"

فائدہ :۔ لوگ اس مصیبت سے پناہ نہیں مانگتے اور اسے برا نہیں سمجھتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس تکلیف کو جانتے ہی نہیں' اس لیے کہ چیزوں کے موجود سے پہلے اور نبوت اور ولایت سے معلوم ہوا کرتا ہے۔ اسی وجہ سے انبیاء و اولیاء موت سے بہت خوف رکھتے تھے یہاں تک کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے فرمایا کہ اے حواریو اللہ تعالٰی سے دعا مانگو کہ مجھ پر موت کی سختی آسان فرما دے' اس لیے کہ میں موت سے اتنا ڈرتا ہوں کہ اس کے خوف کی وجہ سے مرا جا رہا ہوں۔

حکایت :۔ بنی اسرائیل کے چند آدمی ایک قبرستان پر گزرے اور آپس میں کہا کہ آؤ دعا مانگیں کہ ان قبروں سے

ایک شخص نکلے اور اس سے پوچھیں۔ لوگوں نے دعا کہ دیکھا ایک شخص اٹھا جس کی آنکھوں کے درمیان میں سجدے کا نشان تھا اور ایک قبر میں سے نکل کر آیا تھا۔ اس نے پوچھا کہ لوگو تمہاری کیا غرض ہے؟ مجھے پچاس سال ہوئے کہ موت کو چکھا ہے۔ ابھی تک اس کی تلخی میرے منہ سے نہیں گئی۔

حدیث :۔ حضرت بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کی سختی دیکھ کر کسی کی موت کی آسانی پر مجھے رشک نہیں ہوتا۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے کہ الٰہی تو جان کو پٹھوں اور ہڈیوں اور انگلیوں سے نکالتا ہے تو میرے اوپر موت کو آسان فرما۔

حضرت حسن رحمتہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے موت کا درد اور گلے میں رکنا بیان فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اس کی تکلیف میں تین سو تلوار کے درد کے برابر ہے اور آپ سے شدت موت کا حال پوچھا گیا تو فرمایا کہ آسان سے آسان موت ایسی ہے جیسے پاؤں میں کانٹا ہو کہ جب وہ نکلتا ہے تو بلا ایذا نہیں نکلتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک بیمار کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ جو اس پر گزرتا ہے' مجھے معلوم ہے۔ کوئی رگ اس کی ایسی نہیں جسے موت کی تکلیف نہ ہو۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کو جنگ کی ترغیب دیتے اور فرماتے کہ اگر تم قتل نہ ہو گے تب بھی مرو گے۔ قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے قبضے میں میری جان ہے' ہزار تلواروں کا درد مجھ پر بستر پر مرنے کی بہ نسبت آسان ہے۔

اقوال اسلاف صالحین :۔ حضرت رائی رحمتہ اللہ نے فرمایا کہ ہمیں تحقیقاً" معلوم ہوا ہے کہ مردے کو شدہ موت کا درد قبر سے دوبارہ اٹھنے تک رہا کرتا ہے۔

شداد بن اویس رحمتہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کوئی خوف ایماندار پر دنیا اور آخرت میں موت سے بڑھ کر نہیں اور وہ آروں سے چیرنے اور مقراضوں سے کترنے اور ہنڈیوں میں ابالنے کی بہ نسبت زیادہ ہے۔ اگر بالفرض مردہ زندہ ہو کر دنیا والوں کو موت کی تکلیف سنائے تو وہ اپنی زندگی سے نفع نہ اٹھائیں' نہ خواب سے راحت پائیں۔

زید بن اسلم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ جب مومن کو کچھ درجات باقی رہتے ہیں کہ عمل کی وجہ سے ان پر نہیں پہنچ سکا تو اس پر موت سخت کر دی جاتی ہے تاکہ اس کی وجہ سے اپنا درجہ جنت میں حاصل کرلے اور جب کافر کی کوئی نیکی ہوتی ہے کہ جس کا بدلہ نہیں دیا جائے گا تو اس پر موت میں آسانی کر دی جاتی ہے تاکہ اپنی نیکی کا بدلہ دنیا میں لے' پھر سیدھا دوزخ میں چلا جائے۔

بعض اکابر اکثر مریضوں کے پاس جا کر پوچھا کرتے کہ تم موت کو کیسا پاتے ہو؟ جب وہ خود مرض میں مبتلا ہوئے تو لوگوں نے ان سے پوچھا کہ تمہیں موت کیسی محسوس ہوتی ہے۔ کہا کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ آسمان زمین سے آکر

ملا ہے اور میری روح ایک سوئی کے ناکے سے نکلتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا موت الفجاۃ راحنہ اللمومن ولسف علی الفاجر "موت مسلمان کے لیے راحت اور بدکار کے لیے افسوس ہے۔"

حضرت مکحول رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ایک بال مردے کے بالوں میں سے آسمان اور زمین کے باشندوں پر رکھ دیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے سب مرجائیں' اس لیے کہ ہر بال میں موت ہے اور جس چیز پر موت آتی ہے' وہ مرجاتی ہے۔

مروی ہے کہ اگر ایک قطرہ موت کی تکلیف کا تمام دنیا کے پہاڑوں پر رکھ دیا جائے تو گل جائیں۔

وفات ابراہیم علیہ السلام :- ابراہیم علیہ السلام نے جب وفات پائی تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے میرے خلیل تو نے موت کو کیسا پایا؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کہ جیسے گرم سیخ تر روئی میں رکھی جائے اور پھر اس کو کھینچا جائے۔ حکم ہوا کہ ہم نے تیرے اوپر موت میں آسانی فرمائی ہے۔

وفات موسیٰ علیہ السلام :- حضرت موسیٰ علیہ السلام کی روح جب اللہ تعالیٰ کے پاس گئی تو اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ تو نے موت کو کیسا پایا؟ عرض کیا کہ میں نے اپنے نفس کو ایسے پایا جیسے زندہ چڑیا کو دیگچی میں ڈال دیا جائے' نہ وہ مرتی ہے نہ اسے نجات ملتی ہے کہ اڑ جائے۔

فائدہ :- ایک روایت میں ہے کہ اپنے نفس کو ایسے پایا جیسے زندہ بکری کی کھال قصاب کے ہاتھ سے اترے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کا وقت :- بوقت وفات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک پیالہ میں پانی رکھا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں اپنا ہاتھ مبارک ڈال کر اپنے چہرہ مبارک پر پھیرتے تھے اور فرماتے تھے اللھم ھون علی سکرنا الموت "الٰہی مجھ پر موت کی سختیاں آسان فرما۔" اور حضرت بی بی فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی تھیں کہ بابا جان آہ تم پر کتنی سختی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ آج کے بعد پھر تیرے باپ پر سختی نہیں ہے۔

حکایت :- حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ کچھ موت کا حال بیان کرو۔ انہوں نے فرمایا کہ موت کا حال ایسا ہے جیسے کانٹے دار لمبی شاخ کی آدمی کے اندر داخل کر دی جائے اور اس کا ہر کانٹا اس کی ساری رگوں میں چبھ جائے اور پھر اس شاخ کو کوئی بڑا طاقتور انسان پکڑ کر کھینچے کہ جو ہاتھ میں آیا' سو آیا اور جو رہا' سو رہا۔

حدیث شریف :- حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بندہ موت کی سختی کھینچتا ہے اور اس کا ہر جوڑا ایک دوسرے پر سلام کرکے کہتے ہے کہ لو اب ہم تم قیامت تک جدا رہیں گے۔

فائدہ:۔ یہ حال موت کی سختیوں کا اللہ تعالیٰ کے اولیاء اور نبیوں پر ہے اور ہم لوگ جو گناہوں میں غرق ہیں' ہمارا کیا حال ہوگا؟ ہمارے اوپر تو موت کے سکرات کے سوا اور مصیبتیں بھی آئیں گی۔

مصائب الموت:۔ موت کی تین مصیبتیں ہیں۔ (1) جان کنی کی سختی جس کا ذکر اوپر ہوا۔ (2) ملک الموت کی صورت کہ اس سے خوف اور دہشت ہوگی۔ اس کی صورت ایسی ہے کہ اگر سب سے زیادہ طاقتور اور زور آور انسان ملک الموت کی وہ صورت دیکھے جس سے کہ وہ گنہگاروں کی جان نکالتا ہے تو اسے تاب دیکھنے کی نہ ہو۔

ملک الموت اور ابراہیم علیہ السلام کی گفتگو:۔ مروی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے ملک الموت کو ارشاد فرمایا کہ تم مجھے وہ صورت دکھلاؤ جس سے تم گنہگار کی روح قبض کرتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں دکھا سکتا ہوں مگر آپ کو تاب نہ ہوگی۔ آپ نے فرمایا کہ تاب کیوں نہ ہوگی؟ ملک الموت نے کہا' منہ پھیریئے۔ جب آپ نے منہ پھیرا اور پھر دوبارہ ان کی طرف دیکھا تو ایک سیاہ آدمی بال کھڑے ہوئے' بدبودار کالے کپڑوں والا کھڑا ہے اور اس کے منہ اور نتھنوں سے آگ کی لپٹ اور دھواں نکلتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو غشی آگئی۔ پھر جب ہوش میں آئے تو ملک الموت اپنی پہلی صورت پر آچکے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر بدکار کو مرنے کے وقت بجز تمہارے دیدار کے اور کوئی تکلیف نہ ہو تو اس کی یہی کافی ہے۔

ملک الموت اور داؤد علیہ السلام کی ملاقات:۔ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ اسلام غیور تھے۔ جب باہر جاتے تو دروازہ بند کر جاتے۔ ایک دن دروازہ بند کرکے گئے۔ ان کی بیوی نے گھر میں جھانکا تو دیکھا کہ ایک آدمی گھر کے اندر ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس آدمی کو یہاں کون لایا ہے۔ اگر داؤد علیہ السلام آئیں گے تو اس پر مصیبت آئے گی۔ جب حضرت داؤد علیہ السلام تشریف لائے اور اس شخص کو دیکھا تو پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے کہا کہ میں وہ ہوں کہ نہ بادشاہوں سے ڈروں' نہ دربانوں سے۔ آپ نے فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ تم ملک الموت ہو۔ یہ کہہ کر حضرت داؤد علیہ السلام کمبل میں چھپ گئے۔

عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مردہ بولا:۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک کھوپڑی سے گزرے۔ اسے ٹھوکر ماری اور فرمایا کہ خدا تعالیٰ کے حکم سے بول۔ اس نے کہا' اے روح اللہ میں فلاں زمانہ کا بادشاہ ہوں۔ جس وقت کہ میں تاج سر پر رکھ کر بیٹھا تھا اور میرے تخت کے گرد میرے نوکر چاکر موجود ہوتے تھے۔ ایک دن اچانک مجھے ملک الموت نظر آیا۔ اسے دیکھتے ہی میرے تمام جوڑ ڈھیلے ہوگئے' پھر میری جان اس کی طرف نکل پڑی۔ پس کیا خوب ہوتا کہ وہ جماعت تتربتر ہوتی اور وہ انس و الفت وحشت و نفرت سے بدل جاتی۔

فائدہ:۔ یہ مصیبت گنہگاروں کو بھگتنی پڑتی ہے اور اطاعت اللہ تعالیٰ کی کرنے والے اس سے محفوظ رہتے ہیں اور انبیاء علیہ السلام نے صرف شدت جان کنی کی بیان کی ہے' وہ خوف جو ملک الموت کے دیکھنے سے ہوتا ہے' اس کو

بیان نہیں فرمایا- اگر آدمی اس کو خواب میں بھی دیکھ لے تو باقی عمر عیش تلخ ہو جائے تو جو اس حال میں اس کو دیکھتے ہوں گے- ان کا کیا حال ہوتا ہوگا اور مطیع آدمی اس کو نہایت حسین اور شکیل صورت میں دیکھتا ہے-

اطاعت گزار اور ملک الموت :- حضرت عکرمہ' حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مرد غیرت والے تھے- ان کا ایک حجرہ تھا جس میں عبادت کرتے تھے- جب باہر جاتے تو اس کو بند کر کے جاتے- ایک دن واپس آئے تو دیکھا کہ گھر کے اندر ایک آدمی ہے- آپ نے پوچھا کہ تجھے میرے گھر میں کس نے داخل کیا؟ اس نے کہا کہ گھر کے مالک نے- فرمایا کہ گھر تو میرا ہے- اس نے کہا کہ مجھے اس نے بھیجا ہے جو مجھ سے اور تجھ سے دونوں سے زیادہ مالک ہے- آپ نے پوچھا کہ تو کون ہے؟ عرض کیا کہ میں ملک الموت ہوں- آپ نے فرمایا کہ جس صورت سے تم مومن کی روح نکالتے ہو' وہ صورت مجھے دکھا سکتے ہو- اس نے عرض کیا ہاں اور منہ پھیریئے تو آپ نے منہ پھیر لیا- پھر جو مڑ کر دیکھا تو ایک جوان خوبصورت کو پایا- راوی نے اس کے حسن اور لباس کی خوبی اور خوشبو بیان کی- حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اے ملک الموت اگر مومن کو صرف تیرا ہی دیدار ہو جائے اور کچھ ثواب وغیرہ نہ ملے تب بھی اس کو کافی ہے-

موت کے وقت کراما" کاتبین کا دیدار :- حضرت وہب رحمتہ اللہ تعالیٰ بیان فرماتے ہیں کہ جب مردہ مرتا ہے تو اس کے سامنے دو فرشتے اس کے عمل لکھنے والے ظاہر ہوتے ہیں- اگر وہ شخص مطیع ہوتا ہے تو اس سے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے تجھے جزائے خیر دے- بہت سی اچھی مجلسوں میں تو نے ہمیں بٹھلایا اور بہت سے نیک کاموں میں ہم کو حاضر کیا اور اگر بدکار ہوتا ہے تو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تجھے ہماری طرف سے خیر کا بدلہ نہ دے کہ بہت سی بری مجلسوں میں تو نے ہمیں بٹھلایا اور برے کاموں میں حاضر کیا اور بری باتیں سنوائیں- خدا تجھے جزائے خیر نہ دے اور یہ حال اس وقت ہوتا ہے جب مردے کی آنکھ ان پر پڑتی ہے اور پھر کبھی دنیا کی طرف نہیں پھرتا-

موت کے وقت دوزخ نظر آتی ہے :- گنہگاروں کو موت کے وقت ان کا ٹھکانا دوزخ نظر آتا ہے جسے دیکھتے ہی ڈرتا ہے-

فائدہ :- اس لیے حالت جان کنی میں مردہ قوی سست ہو جاتے ہیں اور جان نکلنے کے لیے تیار تابع حکم ہوتی ہے لیکن روحیں جب تک ملک الموت کا ایک نغمہ نہیں سن لیتیں' اس وقت تک نہیں نکلتیں- اس کے نغمے دو ہیں- (1) اے دشمن خدا تو دوزخ کی خوشخبری سن- (2) اے ولی اللہ تو بہشت کی خوشخبری سن-

حدیث :- حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم میں سے کوئی دنیا میں سے ہرگز نہ نکلے گا جب تک کہ اپنا ٹھکانہ نہ جان لے اور اپنا بیٹھک جنت یا دوزخ میں سے نہ دیکھ لے-

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من احب القاء اللہ احب اللہ نعاء ومن کرہ القاء اللہ کرہ اللہ لقاء "جو شخص اللہ تعالیٰ کے ملنے کو محبوب جانتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کے ملنے کو محبوب جانتا ہے اور جو اس کے ملنے کو برا جانتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کے ملنے کو برا جانتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ ہم سب موت کو برا جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس سے یہ مراد نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ مومن پر جو چیز آنے والی ہے' اگر آسان کر دی جاتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ملنے کو محبوب جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے ملنے کو۔"

حکایت :۔ حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آخر شب اپنی جان کنی کی حالت میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ دیکھو کیا وقت ہے۔ انہوں نے دیکھ کر فرمایا کہ سرخ ستارہ نکل آیا ہے یعنی صبح صادق ہو رہی ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں پناہ مانگتا ہوں خدا تعالیٰ سے کہ صبح کو دوزخ میں جاؤں۔

حضرت ابو ہریرہ پر نزع کا وقت :۔ مروان حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزع کے وقت گیا اور کہا کہ الٰہی اس پر آسانی کر۔ آپ نے فرمایا کہ الٰہی سختی کر۔ پھر آپ روئے اور فرمایا کہ بخدا میں اس وجہ سے نہیں روتا کہ دنیا کا ہے یا تمہاری جدائی کا رنج ہے مگر میں اپنے مردوں میں سے ایک پر نظر کر رہا ہوں۔ جنت کا ہو یا دوزخ کا۔

حدیث شریف :۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے راضی ہوتا ہے تو فرماتا ہے کہ اے ملک الموت میرے فلاں بندے کے پاس جا اور اس کی روح میرے پاس لا تاکہ میں اس کو راحت دوں۔ اس کے عمل سے مجھے یہی کافی ہے کہ میں نے اس کا امتحان کیا تو جیسا میں چاہتا تھا' اس کو ویسا پایا۔ ملک الموت مع پانچ سو فرشتوں کے اس بندے کے پاس آتا ہے اور فرشتوں کے پاس پھولوں کی چھڑیاں اور زعفران کی شاخیں ہوتی ہیں۔ ہر فرشتہ اس کو نئی بشارت سناتا ہے اور اس کی روح کے نکلنے کے لیے فرشتے دو صفوں میں گلدستے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جب ان کو شیطان دیکھتا ہے تو اپنا ہاتھ سر پر رکھ کر چیخیں اور دھاڑیں مارتا ہے۔ اس کا لشکر اس سے پوچھتا ہے کہ تجھے کیا ہوا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ تم کو کیا نہیں سوجھتا جو مرتبہ اس بندے کو عنایت ہوا ہے۔ تم کہاں تھے کہ اس کی خبر نہ لی۔ لشکری کہتے ہیں کہ ہم نے تو بہت ہاتھ پاؤں مارے مگر وہ بچ گیا۔

فائدہ :۔ حضرت حسن رحمتہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایماندار کو راحت بجز دیدار الٰہی کے نہیں اور جس کی راحت خدا تعالیٰ کے ملنے میں ہوتی ہے تو موت کا دن اس کے لیے سرور اور فرحت اور امن اور عزت اور شرف کا دن ہے۔

حکایت :۔ کسی نے جابر بن زید رحمتہ اللہ تعالیٰ سے موت کے وقت کہا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے فرمایا کہ حسن بصری رحمتہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ جب وہ ان کے پاس تشریف لے گئے تو لوگوں نے کہا کہ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ تعالیٰ موجود ہیں۔ انہوں نے اپنی آنکھ ان کی طرف اٹھائی اور کہا کہ لو بھائی اب ہم تم سے جدا ہو کر

جنت یا دوزخ کی طرف جاتے ہیں۔

فائدہ :۔ محمد بن واسع رحمتہ اللہ تعالیٰ نے موت کے وقت فرمایا کہ بھائیو السلام علیکم دوزخ کی تیاری ہے مگر اس صورت میں کہ خدا تعالیٰ عزوجل مجھ سے درگزر فرمائے۔ بعض اکابر نے تمنا کی کہ ہمیشہ جان کنی میں رہیں' نہ ثواب کے لیے اٹھیں نہ عذاب کے لیے۔

خاتمہ کے برا ہونے کے خوف نے عارفوں کے دل ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے ہیں اور واقع میں موت کے وقت یہ سخت مصیبت ہے اور خاتمے کے برا ہونے کا حال اور اس سے عارفوں کا شدت سے خائف رہنا ہم باب خوف و رجاء میں لکھ آئے ہیں اور وہ اس جگہ کے لائق ہے مگر دوبارہ لکھنے سے ہم طوالت نہیں کرتے۔

حسن خاتمہ کی علامات :۔ مرنے کے وقت انسان کی بہتر صورت یہ ہے کہ وہ ساکن ہو اور اس کی زبان کلمہ شہادت سے گویا اور دل اللہ تعالیٰ سے حسن ظن رکھتا ہو۔

حدیث :۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میت کے لیے تین باتوں میں توقع بہتری کی جانو۔ (1) اس کی پیشانی پر پسینہ ہو۔ (2) آنکھیں آنسوؤں سے تر ہوں۔ (3) لب خشک ہوں۔ یہ علامات خدا تعالیٰ کی رحمت کی ہیں۔

برا خاتمہ (معاذ اللہ) :۔ اگر گلا گھونٹے ہوئے کی طرح خراٹے لے اور رنگ سرخ ہو اور لب مٹیالے ہوں تو یہ علامات خدا تعالیٰ عزوجل کے عذاب کی ہیں۔

زبان پہ کلمہ شہادت :۔ زبان سے کلمہ شہادت کا نکلنا خیر کی علامت ہے۔

احادیث :۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من مات وھو یعلم ان لا الہ الا اللہ دخل الجنتہ "جو شخص مرے اور وہ جانتا ہو کہ کوئی معبود نہیں سوا اللہ تعالیٰ (عزوجل) کے' داخل ہو گا جنت میں۔"

فائدہ :۔ حضرت عبداللہ کی روایت میں -علم کی جگہ -شھد ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میت مرنے کے قریب ہو تو اسے کلمہ طیبہ کی تلقین کرو' اس لیے کہ جس کا خاتمہ اس کلمہ پر ہو گا' وہ اس کا توشہ جنت کے لیے ہو گا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اپنے مردوں کے پاس جاؤ اور ان کو نصیحت کرو اور کلمہ طیبہ کی تلقین کرو' اس لیے کہ وہ دیکھتے ہیں جو تم نہیں دیکھتے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ فرماتے تھے کہ ملک الموت ایک شخص کے پاس گیا اور اس کے دل کو دیکھا تو اس میں کچھ نہ پایا۔ پھر اس کے جبڑے جدا کیے تو دیکھا کہ اس کی زبان کی نوک تالو میں لگی ہوئی ہے اور وہ کلمہ طیبہ کہہ رہا ہے۔ اس کی وجہ سے اس کی مغفرت ہوئی۔

مسئلہ :- تلقین کرنے والے کو چاہیے کہ تلقین میں اصرار نہ کرے بلکہ نرمی سے کہے۔ اس لیے کہ بعض اوقات مریض کی زبان بولنے کی طاقت نہیں رکھتی۔ اس وقت اس پر یہ امر گراں گزرتا ہے بالآخر تلقین کو گراں جاننے لگتا ہے اور کلمہ کو برا سمجھتا ہے۔ (معاذ اللہ) اس سے خوف ہے کہ کہیں خاتمہ برا نہ ہو جائے۔

فائدہ :- اس کا مطلب ہے کہ انسان مرے اور اس کے دل میں کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے سوا نہ ہو۔ جس صورت میں کہ اس کا مطلوب سوائے واحد اللہ تعالیٰ کے اور کچھ نہ ہو تو موت کے سبب اپنے محبوب کے پاس آنا اس کے حق میں نہایت راحت کی بات ہوگی۔ اگر دل دنیا میں مشغول اور اس کی طرف التفات رکھنے والا اس کی لذتوں پر متاسف ہوگا اور کلمہ اس کی زبان ہی پر ہوگا' دل میں اس کا ثبوت نہ ہوگا تو معاملہ خطرے میں پڑ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو راحت دے' چاہے نہ دے اس لیے کہ صرف حرکت زبان کم فائدہ کرتی ہے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ عزوجل اپنے فضل سے قبول فرمائے۔

حسن ظن :- موت کے وقت حسن ظن مستحب ہے اور اس کا حال ہم باب الرجاء میں لکھ آئے ہیں۔

احادیث مبارکہ :- واثلہ بن الاسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک بیمار کے پاس گئے اور پوچھا کہ بتاؤ خدا تعالیٰ سے کیا گمان رکھتے ہو؟ اس نے کہا کہ میرے گناہوں نے تو مجھ کو ڈبو دیا ہے اور ہلاکت کے کنارے لگا دیا ہے مگر میں اپنے رب تعالیٰ سے رحمت کی توقع رکھتا ہوں۔ یہ سن کر واثلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اللہ اکبر کہا اور سب گھر والوں نے ان کے ساتھ اللہ اکبر کہا۔ پھر فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عزوجل فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان کے نزدیک ہوں تو وہ جو چاہے مجھ پر گمان کرے۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک گھر میں تشریف لے گئے۔ ایک جوان پر نزع طاری تھی۔ فرمایا کہ تو خود کو اس وقت کیسا جانتا ہے۔ اس نے عرض کیا کہ میں اللہ تعالیٰ سے توقع رکھتا ہوں اور اپنے گناہوں سے ڈرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ دونوں باتیں ایسے وقت میں جس بندے کے دل میں اکٹھی ہوتی ہیں' اللہ تعالیٰ اس کو وہی دیتا ہے جو وہ توقع رکھتا ہے اور خوف سے اسے محفوظ رکھتا ہے۔

حکایت :- حضرت ثابت بنانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک جوان تیز مزاج تھا اور اس کی ماں اس کو نصیحت کیا کرتی اور فرماتی کہ بیٹا تجھے ایک دن آنا ہے۔ وہ دن یاد کر جب اس پر موت آئی تو اس کی ماں رونے لگی اور کہنے لگی کہ بیٹا میں تجھے اسی دن سے ڈرایا کرتی اور کہا کرتی تھی کہ تیرے لیے ایک دن آنا ہے۔ اس نے کہا کہ اے مادر مہربان میرا رب بہت احسان کرنے والا ہے۔ مجھے توقع ہے کہ آج بھی کسی قدر احسان سے مجھے محروم نہ فرمائے گا۔ راوی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر حسن ظن کی وجہ سے رحم فرمایا۔

جابر فرماتے ہیں کہ ایک جوان بے صبر تھا۔ جب وہ مرنے لگا تو اس کی ماں نے کہا کہ بیٹا کچھ وصیت کر۔ اس نے کہا

کہ ہاں میری انگوٹھی مجھ سے نہ اتارنا' اس میں اللہ تعالیٰ کا نام مبارک ہے شاید اللہ تعالیٰ مجھ پر رحم کرے۔ جب وہ دفن کیا گیا تو خواب میں کسی نے دیکھا۔ وہ کہتا تھا کہ میری ماں سے کہہ دو کہ مجھے اسی کلمہ نے فائدہ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے میری مغفرت فرمائی۔

ایک اعرابی بیمار ہوا۔ لوگوں نے اس سے کہا کہ تو مرجائے گا' اس نے پوچھا کہ مرنے کے بعد مجھے کہاں لے جائیں گے۔ لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس۔ اس نے کہا کہ اس کے پاس جانے کو میں برا نہیں جانتا' وہ تو ہمیشہ میرے ساتھ اچھا سلوک ہی کرتا رہا ہے۔

معتمر بن سلیمان کہتے ہیں کہ میرا باپ جب مرنے لگا تو مجھ سے فرمایا کہ میرے سامنے معاملے کی آسانی کا ذکر کرو تاکہ میں اللہ تعالیٰ سے حسن ظن کے ساتھ ملوں۔

مسئلہ:۔ اکابر علماء مستحب جانتے تھے کہ موت کے وقت مردے کے سامنے ذکر اس کے عمل کی خوبیوں کا کیا جائے تاکہ وہ رب تعالیٰ سے حسن ظن کرے۔

حکایت:۔ اشعث بن اسلم رحمتہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ملک الموت سے پوچھا (جس کا نام عزرائیل ہے اور اس کی دو آنکھیں ہیں' ایک چہرے میں ایک گدی میں) اے ملک الموت جب کوئی مشرق میں ہو اور کوئی مغرب میں ہو یا کسی جگہ وبا پھیلی ہو یا دو لشکر آپس میں لڑتے ہوں تو تم ایسی صورتوں میں کیا کرتے ہو؟ ملک الموت نے کہا کہ میں ارواح کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے پکارتا ہوں۔ وہ میری ان دونوں انگلیوں میں ہو جاتی ہیں۔

فائدہ:۔ راوی کہتے ہیں کہ زمین ملک الموت کے سامنے مثل طشت کے پھیلی ہوئی ہے' جس کی چاہتا ہے اس میں سے روح لے لیتا ہے۔

ملک الموت کی باتیں:۔ ملک الموت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بشارت دیتے تھے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں۔

حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام نے ملک الموت سے کہا کہ کیا بات ہے کہ تم لوگوں میں عدل نہیں کرتے۔ کسی کو پکڑ لیتے ہو' کسی کو چھوڑ دیتے ہو؟ اس نے عرض کیا کہ میں آپ سے زیادہ نہیں جانتا۔ مجھے احکام لکھے ہوئے مل جاتے ہیں' ان میں مردوں کے نام ہوتے ہیں۔

حکایت:۔ حضرت وہب بن منبہ رحمتہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ ایک بادشاہ تھا۔ اس نے کسی جگہ جانے کی تیاری کی۔ کپڑے منگوائے' وہ اچھے نہ تھے۔ دوسرا جوڑا منگوایا یہاں تک کہ سب میں عمدہ جوڑا پہنا۔ اسی طرح پھر سواریاں منگوانا گیا اور جو سب سے عمدہ سواری تھی' اس پر سوار ہوا۔ پھر شیطان نے اس کے نتھنوں میں کچھ پھونک دیا۔ اس

سے مغرور ہو گیا۔ پھر وہ اپنے لشکر کے ساتھ چلا اور غرور کی وجہ سے لوگوں کی طرف نہیں دیکھتا۔ اسی دوران اس کے پاس ایک بوڑھے آدمی نے غریبانہ صورت میں اسے سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب نہ دیا۔ اس نے گھوڑے کی باگ پکڑلی۔ بادشاہ نے کہا کہ باگ چھوڑ دے' تو نے بڑی گستاخی کی۔ اس نے کہا کہ مجھے تجھ سے ایک کام ہے۔ اس نے کہا کہ جب تک میں اتروں' اتنی دیر ٹھہر جا۔ اس نے کہا کہ نہیں' ابھی ضرورت ہے اور باگ کو خوب دبایا۔ بادشاہ نے کہا' کہہ کیا کہتا ہے؟ اس نے کہا کہ وہ راز کی بات ہے' بادشاہ نے اپنا سر جھکا دیا۔ اس نے کان میں آہستہ سے کہہ دیا کہ میں ملک الموت ہوں۔ بادشاہ کا رنگ بدل گیا' زبان لڑکھڑانے لگی اور کہا کہ مجھے اتنی مہلت دے کہ میں اپنے گھر جا کر اپنی ضرورت پوری کر لوں اور گھر والوں سے معاملہ کر لوں۔ اس نے کہا کہ اب مہلت نہیں۔ گھر اور اسباب کبھی دیکھنا نصیب نہ ہو گا۔ یہ کہہ کر اس کی روح قبض کر لی۔ بادشاہ لکڑی کے کندے کی طرح گر پڑا۔

حکایت :۔ ملک الموت بادشاہ کے بعد ایک مومن سے ملا۔ اسے سلام کیا' اس نے سلام کا جواب دیا۔ ملک الموت نے کہا کہ مجھے تجھ سے کان میں کچھ کہنا ہے اور آہستہ سے کان میں کہہ دیا کہ میں ملک الموت ہوں۔ اس نے کہا بہت خوب کیا' آپ تشریف لائے۔ مجھے مدت سے انتظار تھا۔ روئے زمین پر کوئی چیز ایسی نہیں کہ مجھے تم سے زیادہ اس کی ملاقات کا شوق ہو۔ ملک الموت نے کہا کہ اپنی ضرورت پوری کر لے جس کے لیے گھر سے نکلا تھا۔ اس نے کہا کہ مجھے خدا تعالیٰ کے ملنے سے زیادہ محبوب دوسرا کوئی کام نہیں۔ ملک الموت نے کہا کہ اپنی جان نکلنے کے لیے کوئی حالت پسند کر لے' کس حال میں تیری روح قبض کروں۔ اس نے پوچھا کہ یہ بات تم کر سکتے ہو' کہا کہ ہاں مجھے یہی حکم ہے۔ اس نے کہا کہ اتنی مہلت دو میں وضو کر کے نماز پڑھوں۔ جس وقت میں سجدے میں جاؤں' اس وقت میری جان نکال لینا' ملک الموت نے یونہی کیا۔

حکایت :۔ ابو بکر عبد اللہ مزنی کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں کسی نے بہت سامان جمع کیا۔ جب مرنے لگا' اپنے لڑکوں سے کہا کہ مجھے میرے مال کے اقسام دکھاؤ اس کے سامنے گھوڑے اور اونٹ اور غلام اور دوسری اشیاء حاضر کر دی۔ جب اس نے ان مالوں کو دیکھا تو ان پر حسرت کر کے رویا۔ ملک الموت نے روتے دیکھ کر کہا کہ روتا کیوں ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے تجھے یہ سب کچھ دیا ہے۔ میں تیرے گھر سے تیرے بدن سے تیری جان کو جدا کیے بغیر نہ نکلوں گا۔ اس نے کہا کہ اتنی مہلت دو کہ میں ان کو تقسیم کر لوں۔ اس نے کہا کہ یہ نہیں ہو گا' اب مہلت ختم ہو گئی مہلت سے' پہلے کیوں نہ دے دیا۔ یہ کہہ کر اس کی روح قبض کر لی۔

حکایت :۔ ایک شخص نے مال جمع کیا تھا اور کوئی قسم مال کی جمع کرنے سے نہ چھوڑی تھی اور ایک مکان عمدہ بنا کر اس میں دو دروازے مضبوط لگائے تھے اور اس پر اپنے غلاموں کا پہرہ بٹھلایا تھا۔ پھر اس نے اپنے بیگانے اکٹھے کیے اور ان کے لیے کھانا پکوایا اور پانے تخت پر متکبرانہ حالت میں بیٹھ گیا اور وہ کھاتے رہے۔ جب کھا چکے تو اپنے نفس سے کہا کہ اے نفس اب تو کچھ سالہا سال مزے اڑا کہ میں نے تیرے لیے اتنا مال جمع کیا ہے۔ ابھی یہ بات ختم نہ

ہوئی تھی کہ اس کے پاس ملک الموت فقیروں کے بھیس میں پرانے کپڑے پہنے اور گلے میں فقیرانہ کپڑا ڈالے آیا اور کو ایسے زور سے کھٹکھٹایا کہ وہ امیر ڈر گیا۔ نوکر' چاکر اس فقیر کو کہنے لگے کہ تجھے کیا ہوا ہے؟ کہا اپنے آقا کو میرے پاس لاؤ۔ انہوں نے کہا کہ ہمارا آقا تجھ جیسے کی خاطر نکلے گا' اس نے کہا کہ ہاں انہوں نے جا کر حال سنایا۔ اس نے کہا کہ تم نے اس کی خدمت نہ کی۔ فقیر نے دوبارہ دروازے کو پہلی مرتبہ سے بھی زیادہ زور سے کھٹکھٹایا۔ پہریدار اس کی طرف دوڑے۔ اس نے کہا کہ اپنے آقا سے کہہ دو کہ ملک الموت آیا ہے۔ نوکروں پر رعب چھا گیا۔ ان کے آقا پر ذلت و خواری آگئی۔ کہنے لگا کہ فقیر سے نرمی سے بات کرو اور کہو کہ اس کے عوض میں کسی اور کو لینا منظور ہے۔ ملک الموت نوکروں کے سامنے اس میں گھس گیا اور کہا کہ اپنے مال میں جو کرنا ہو' کر لے۔ میں تیرے گھر سے اس وقت نکلوں گا جب تیری جان لوں۔ اس نے اپنا مال سامنے رکھوایا اور دیکھ کر کہا کہ اے مال خدا تجھ پر لعنت کرے تو نے ہی مجھے رب تعالیٰ کی عبادت سے روکا اور اس کی عبادت کا موقع نہ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے مال کو بولنے کی طاقت بخشی۔ اس نے جواب دیا کہ تو مجھے کیوں برا کہتا ہے۔ تو خود مجھے بادشاہوں کے پاس لے جاتا تھا اور مفلسوں کو اپنے دروازے سے ہٹا دیتا تھا اور طرح طرح کے مزے مجھ سے اڑاتا تھا اور بادشاہوں کی مجلسوں میں بیٹھتا تھا اور تو برے راستہ میں مجھے خرچ کرتا تھا۔ اب میں تجھے نہیں بچا سکتا۔ اگر تو مجھے خیر و بھلائی میں خرچ کرتا تو میں تیرے کام آتا۔ پھر ملک الموت نے اس کی روح قبض کر لی اور وہ گر پڑا۔

حکایت:- وہب بن منبہ رحمتہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ملک الموت نے کسی بڑے جابر بادشاہ کی روح قبض کی کہ زمین پر اس جیسا کوئی نہ تھا۔ جب وہ اس کی روح کو لے کر آسمان پر گئے تو ان سے فرشتوں نے پوچھا کہ جن لوگوں کی تم نے جان نکالی ہے' ان میں سب سے زیادہ کس پر تم کو ترس آیا ہے۔ ملک الموت نے کہا کہ مجھے ایک عورت کی جان نکالنے کا حکم ایک جنگل میں ہوا تھا۔ جب میں اس کے پاس آیا تو دیکھا کہ اس کے ابھی وقت لڑکا پیدا ہوا تھا تو مجھے اس پر رحم آیا کہ اکیلی ہے اور سفر میں مرے اور اس کے لڑکے پر بھی ترس آیا کہ یہ چھوٹا بچہ جنگل میں کیسے رہے گا اور اسکا کوئی خبر گیر نہیں ہوگا۔ فرشتوں نے کہا کہ وہ بادشاہ جس کی روح تم اب قبض کر لائے ہو' وہی لڑکا ہے جس پر تم کو رحم آیا تھا۔ ملک الموت نے کہا (سبحان اللہ) اللہ تعالیٰ جس پر چاہے لطف فرمائے۔

حکایت:- عطا بن یسار کہتے ہیں کہ جب شعبان کی پندرویں رات ہوتی ہے تو ملک الموت کو ایک فرشتہ ملتا ہے' اسے کہہ دیا جاتا ہے کہ جو لوگ اس میں مندرج ہیں' ان کی روح اس سال میں قبض کر لو۔ ایک آدمی درخت پر بوتا ہے اور شادی کرتا اور عمارت بناتا ہے حالانکہ اس کا نام بھی اس میں ہوتا ہے۔

حکایت:- حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ملک الموت ہر روز ایک گھر میں تین بار تجسس کرتا ہے جس کو جانتا ہے کہ اس کا رزق پورا ہو چکا ہے اور دن گزر چکے' اس کی روح قبض کر لیتا ہے۔ جب روح قبض کرتا ہے تو اس کے گھر والے روتے چلاتے ہیں۔ ملک الموت دروازہ پکڑ کر کہتا ہے کہ بخدا میں نے نہ اس کی

روزی کھائی نہ اس کی عمر تباہ کی' نہ اس کے دن گھٹائے اور میں تو تم میں اسی طرح آتا رہوں گا۔ یہاں تک کہ تم میں سے کسی کو نہ چھوڑوں گا۔

فائدہ :- راوی فرماتے ہیں کہ بخدا اگر وہ لوگ اس کو کھڑے ہوئے دیکھیں اور اس کی گفتگو سنیں تو اپنے مردے کو بھول جائیں اور اپنے نفسوں پر روئیں اور یزید رقاشی رحمتہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں سے ایک ظالم بادشاہ اپنے گھر میں بیٹھا تھا بلکہ اپنے کسی گھر والے سے خاص بات کر رہا تھا۔ اسی دوران دیکھا کہ ایک شخص دروازے سے چلا آرہا ہے۔ اسے دیکھ کر غضبناک اور ہیبت زدہ ہوا۔ اس کی طرف لپکا اور کہا کہ تو کون ہے اور میرے گھر میں تجھے کس نے پہنچایا؟ اس نے جواب دیا کہ گھر کے مالک نے مجھے یہاں داخل کیا ہے اور میں وہ ہوں کہ دربان مجھے نہیں روک سکتے۔ بادشاہوں سے میں اجازت نہیں مانگتا نہ کسی دبدبے والے کی صورت سے ڈرتا ہوں۔ کوئی ظالم سرکش مجھے منع نہیں کر سکتا' نہ کوئی شیطان بدذات۔ یہ سن کر بادشاہ کے چھکے چھوٹ گئے اور بدن پر اتنا لرزہ ہوا کہ اوندھے منہ زمین پر گر گیا۔ پھر ذلت اور مسکینی سے اس کی طرف سر اٹھا کر کہنے لگا تو ملک الموت ہے۔ اس نے کہا ہاں۔ بادشاہ نے کہا کہ تو مجھے مہلت دے گا کہ میں اپنا کاروبار از سرنو کر لوں اور توبہ بھی کروں۔ اس نے کہا کہ بس اب رہنے دے' تیری مدت پوری ہو گئی اور سانس ختم ہو چکی' گھڑیاں تمام ہوئیں۔ مہلت کی کوئی سبیل نہیں۔ بادشاہ نے کہا کہ تو مجھے کہاں لے جائے گا' اس نے کہا کہ تیرے اعمال کی طرف جو تو نے زندگی میں کیے اور اس گھر کی جانب جو تو نے اس سے پہلے بنایا ہوگا۔ بادشاہ نے کہا کہ میں نے نہ تو کوئی عمل کیا' نہ کوئی اچھا گھر بنایا۔ ملک الموت نے کہا کہ تو پھر آگے میں لے جاؤں گا جو گوشت پوست کچھ نہ چھوڑے' پھر اس کی جان نکل لی اور وہ گر پڑا۔ اس کے گھر والوں میں سے کوئی رونے لگا' کوئی چیخنے لگا۔ راوی کہتے ہیں کہ ان لوگوں کو اس کے ٹھکانے کی اطلاع ہوتی تو مرنے کی بہ نسبت اور بھی زیادہ واویلا کرتے۔

حکایت :- اعمش خثیمہ رحمتہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ملک الموت حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس گئے اور ان کے ہم نشینوں میں سے ایک کو غور سے دیکھتے رہے۔ جب باہر نکلے تو اس مصاحب نے حضرت سلیمان سے پوچھا کہ یہ کون تھا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ ملک الموت تھا۔ اس نے کہا کہ یہ مجھے غور سے دیکھتا تھا۔ گویا میری جان کا خواہاں تھا۔ آپ نے فرمایا کہ پھر تیری کیا مرضی ہے۔ اس نے عرض کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے بچائیں اور ہوا کو حکم دیں کہ مجھے زمین کے سب سے آخری کنارے تک پہنچا دے۔ آپ نے ہوا کو حکم دیا' وہ حکم بجا لائی۔ جب دوبارہ ملک الموت آئے تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ میں نے دیکھا تھا کہ تم میرے فلاں ساتھی کو بہت غور سے دیکھتے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ ہاں میں متعجب تھا کہ مجھے حکم ہوا تھا کہ اس کی روح تھوڑی دیر کے بعد زمین ہند کے آخری حصے میں قبض کروں اور وہ آپ کے پاس بیٹھا تھا لیکن میں وقت مقررہ پر اس کو وہیں پایا جہاں اس کی روح قبض کرنے کا حکم ہوا تھا۔

وصال حبیب کبریا:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک، فعل مقدس اور وصال و حیات ان تمام احوال میں بہترین اقتداء ہے کیونکہ آپ کے تمام احوال مبارکہ ملاحظہ کرنے والوں کے لیے باعث نصیحت ہیں اور سمجھنے والوں کے لیے بصیرت کا سبب ہیں کیونکہ آپ سے بڑھ کر کوئی بھی بارگاہ حق میں بزرگی والا نہیں ہے۔

آپ ہی اللہ تعالیٰ کے خلیل، حبیب، مناجات کرنے والے، برگزیدہ، رسول اور پیغمبر ہیں۔ اتنے مقامات اعلیٰ میسر ہونے کے باوجود جونہی آپ کی عمر شریف مکمل ہوئی، آپ کو اپنے پاس بلا لیا۔ وصال مبارک کے وقت ایک لمحہ بھی دیر واقع نہ ہوئی بلکہ بوقت نزع اللہ تعالیٰ نے آپ کے پاس ان فرشتوں کو بھیجا جو مخلوق کی جان اللہ کے سپرد کرنے پر مقرر ہیں۔ ان فرشتوں نے بڑی کوشش اور تیزی سے آپ کی روح مبارک کو جسم مبارک سے اللہ تعالیٰ کی رحمت، اور اعلیٰ ترین خوبصورت مقامات بلکہ جہاں آپ کے جی مبارک نے چاہا، حق تعالیٰ کے پڑوس میں پہنچا دیا۔ اس کے باوجود نزع کی حالت میں کرب آپ کے اوپر بہت زیادہ ہوا۔ آہ آپ کی زبان مبارک سے نکلی اور مسلسل بے چینی ہوئی اور آپ کی زبان مبارک پر کلمات شوق آئے۔ رنگ تبدیل ہوا اور پیشانی مبارک پر پسینہ آ گیا۔ دونوں ہاتھ مبارک بے چینی کی وجہ سے کبھی کے کبھی پڑے۔ آپ کی بے چینی اتنی بڑھی کہ اس بے چینی و بے قراری کی کیفیت دیکھ کر حاضر (صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) بے قرار اور دیکھنے والے دیکھ کر پیچ و تاب کھانے لگے تو بتایئے عہدہ نبوت کی وجہ سے ان پر سے تقدیر (وصال مبارک کی جو کہ آپ کے لیے رحمت حق تھی) ٹل گئی یا آپ کے خاندان کا لحاظ اللہ تعالیٰ کے حکم نے کیا آپ سے اس لیے درگزر فرمایا کہ آپ حق کے مددگار، مخلوق خدا کے لیے بشارت اور خوف پہنچانے والے تھے۔ یہ بات تو کوئی نہ ہوئی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جس چیز کا حکم تھا، آپ نے اس کی فرمانبرداری کی اور جو کہ آپ لوح محفوظ پر لکھا ہوا دیکھ چکے تھے، اس کے مطابق آپ نے عمل فرمایا۔ یہ آپ کا حال ہوا۔

عظمت حبیب کبریا:۔ حالانکہ آپ حق تعالیٰ کے نزدیک صاحب مقام محمود اور صاحب حوض کوثر ہیں۔ قبر میں سے سب سے پہلے آپ ہی اٹھیں گے اور آپ ہی قیامت کے دن مجرموں کو بخشوانے کے لیے شفاعت کرتے ہوئے لب سفارش کھولیں گے۔

درس عبرت:۔ بڑے تعجب والی بات تو یہ ہے کہ ہم آپ کے حالات مبارک ملاحظہ کرنے کے باوجود عبرت حاصل نہیں کرتے۔ جو کیفیت مرتے وقت ہم پر وارد ہوگی، ہم اس پر یقین ہی نہیں کریں گے بلکہ الٹا شہوتوں کے دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں اور برائیوں کے محب بنے ہوئے ہیں۔ ہمیں کیا ہو گیا ہے کہ ایسے رسولوں کے سردار، متقیوں کے امام اور رب العالمین کے حبیب کی کیفیت سے بھی نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ ہو سکتا ہے کہ ہم یہ سمجھ رہے ہوں کہ اس دنیا میں ہم ہمیشہ رہیں گے یا اس وہم کے شکار ہو چکے ہوں کہ برے اعمال کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارا بہت بڑا رتبہ و مقام ہے۔ یاد رکھیں یہ اچھی بات نہیں بلکہ ہم تو یقینی طور پر جانتے ہیں کہ ہر

ایک کو دوزخ پر وارد ہونا پڑے گا اور اس سے پرہیزگاروں کے علاوہ کوئی بھی نہ بچ سکے گا۔ ورد کے لحاظ سے تو ہمیں بالکل ہی کلام نہیں ہے مگر وہاں سے بچ کر آجانے کا یقین غالب کریں تو پھر ہم اپنی جانوں کے دشمن اور اپنی جانوں پر ظلم و ستم کرنے والے کیونکہ جب ہم پرہیزگار ہیں ہی نہیں تو وہاں سے بچ نکلنے کا یقین کس طرح کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ون منکم الا واردھا کان علیٰ ربک حتما مقضیا ثم ننجی الذین اتقوا ونذر الظالمین فیھا جثیا (مریم 72'71) ترجمہ کنزالایمان: اور تم میں کوئی ایسا نہیں جس کا گزر دوزخ پر نہ ہو تمہارے رب کے ذمہ پر یہ ضرور ٹھہری ہوئی بات ہے پھر ہم ڈر والوں کو بچالیں گے اور ظالموں کو اس میں چھوڑ دیں گے گھٹنوں کے بل۔ اس لیے ہر انسان کو اپنے نفس پر غور و فکر کرنا چاہیے کہ وہ ظالموں کے زیادہ قریب ہے یا پرہیزگاروں کے زیادہ قریب ہے تو پھر اس کے بعد تم اکابر سلف کی سیرت مبارک ملاحظہ فرماؤ۔ اپنے نفس پر غور و فکر کرو کہ ان بزرگوں کا تو یہ دستور مبارک تھا کہ توفیق میسر ہونے کے باوجود وہ خائف رہا کرتے تھے۔ پھر نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات مبارک پر ذرا غور فرمائیں کہ آپ کو یقین تھا کہ آپ رسولوں کے سردار' پرہیزگاروں کے پیشوا ہیں۔ عبرت حاصل کرو کہ دنیا سے جدائی کے وقت آپ کو کیسی بے قراری ہوئی اور جنت ماویٰ میں تشریف لے جاتے ہوئے کتنا سخت معاملہ گزرا۔

وصیت حبیب کبریا (علیہ تحیہ والثناء) :۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری طرف دیکھا تو آپ کی دونوں آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ بڑا اچھا ہوا کہ تم آگئے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں زندہ رکھے اور اپنی پناہ عطا فرمائے اور تمہاری مدد فرمائے۔ میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں اور تمہارے بارے میں اللہ تعالیٰ سے وصیت کرتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں ظاہرا ڈرانے والا ہوں۔ وصیت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ اس کے شہروں اور بندوں میں چڑھائی نہ کرنا۔ موت کی گھڑی سر پہ کھڑی ہے۔ میرا رجوع اللہ کی طرف سدرۃ المنتہیٰ' جنت الماویٰ اور جام وصال کی طرف ہے۔ تم اپنے آپ کو اور جو کوئی تمہارے دین میں میرے بعد داخل ہو' اسے میری طرف سے سلام اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کہنا۔

بوقت وصال بشارت حق :۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل امین سے وصال کے وقت فرمایا کہ میری امت کا میرے وصال کے بعد کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اے جبرئیل! میرے حبیب کو یہ خوشخبری سنا دیجئے کہ میں آپ کو آپ کی امت کے بارے میں رسوا نہیں کروں گا اور یہ بشارت بھی دی کہ زمین سے جب لوگ (قیامت کے دن) اٹھیں گے تو میرا حبیب ان تمام سے پہلے اٹھے گا۔ جب تمام لوگ ایک جگہ اکٹھے ہوں گے۔ اس وقت وہی ان تمام کا سردار ہوگا۔ جب تک میرے محبوب کی امت جنت میں نہ چلی جائے گی' اس وقت تک دوسرے انبیاء کی امتوں کا جنت میں جانا حرام ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ اب میری آنکھیں ٹھنڈی ہو گئی ہیں اور فکر امت ختم ہو گئی ہے۔

دعائے مغفرت:۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض کی حالت میں ارشاد فرمایا کہ مجھے سات کنوؤں سے سات مشکیں پانی لا کر نہلاؤ۔ ہم نے اسی طرح کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ افاقہ ہوا۔ اس کے بعد لوگوں کو نماز پڑھائی اور جو لوگ غزوہ احد میں شامل ہوئے تھے' ان کے لیے دعائے مغفرت فرمائی اور انصار کے بارے میں وصیت کی یعنی انصار کے بارے میں اس طرح ارشاد فرمایا کہ اے مہاجرین کے گروہ' تم میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے جبکہ انصار اس طرح ہو گئے ہیں کہ جس حالت میں آج ہیں' اس سے زیادہ نہ ہوں گے۔ وہ لوگ میرے خاص ہیں کہ ان لوگوں میں آکر میں نے جگہ لی ہے۔ اس لیے ان کے محسن کی تعظیم کیا کرنا اور ان میں اگر کوئی برائی کرے تو پھر اس کی خطا سے درگزر کرنا۔

اختیارِ حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم:۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ ایک بندے کو دنیا میں (رہنے) اور اللہ تعالیٰ کے پاس چیز (انعامات) کے بارے میں اختیار دیا گیا۔ اس نے اللہ تعالیٰ کی چیز (اس کے انعامات) کو پسند کیا ہے۔

عظمتِ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہا:۔ یہ سنتے ہی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ روئے اور سمجھ گئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا ہی حال ارشاد فرما رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اے ابوبکر صدیق ثابت قدمی اختیار کرو' گھبرائیے نہیں۔ مسجد میں کھلنے والے یہ تمام دروازے بند کر دینا مگر حضرت ابوبکر صدیق والا دروازہ بند نہ کرنا کیونکہ میں ابو بکر صدیق سے زیادہ اپنی دوستی میں' میں کسی شخص کو نہیں جانتا۔

عظمتِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک نے میرے گھر میں میری باری کے دن اور میری ہی گود میں اعلیٰ علیین کی طرف پرواز فرمایا اور بوقت وصال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب دہن اور میرا لعاب دہن اللہ تعالیٰ نے جمع فرما دیا۔ اس طرح کہ میرے پاس اس وقت میرا بھائی عبدالرحمن ہاتھ میں ایک مسواک لے کر آیا۔ اس مسواک کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھنے لگے۔ میں سمجھی کہ یہ مسواک آپ کو اچھی معلوم ہوتی ہے۔ میں نے آپ سے پوچھا کہ یہ مسواک کو دوں تو آپ نے سر مبارک سے اشارہ فرمایا کہ ہاں۔ میں نے وہ مسواک لے کر حضور کو دے دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ مسواک منہ مبارک میں ڈالی تو وہ مسواک سخت معلوم ہوئی۔ میں نے پوچھا کہ میں اسے نرم کر دوں تو حضور نے اشارے سے فرمایا کہ ہاں۔ میں نے وہ مسواک اپنے دانتوں سے نرم کر دی اور آپ کے سامنے ایک پانی کا پیالہ رکھا ہوا تھا۔ آپ اپنا ہاتھ مبارک اس پیالے میں ڈالتے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ارشاد فرماتے تھے لا الہ الا اللہ (اللہ کے سوال کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں) موت کی بڑی سختیاں ہیں۔ پھر آپ نے اپنا ہاتھ مبارک بلند کر کے ارشاد فرمایا رفیق اعلی رفیق اعلی "اس وقت میں نے دل میں خیال کہ بخدا آپ اب ہمیں پسند نہیں فرمائیں گے۔"

حبیب کبریا عزوجل و صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری خطاب:۔ حضرت سعید بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد گرامی سے روایت فرماتے ہیں کہ جب انصار نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت مبارک پہلے سے بھی زیادہ بھاری ہوتی جا رہی ہے تو مسجد شریف کی خاک مقدس لی۔ پھر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔ آپ سے جاکر عرض کیا کہ لوگ جمع ہوئے ہیں اور ڈرتے ہیں۔ پھر آپ کے پاس حضرت فضیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر ہوئے اور یہی عرض کیا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حاضر ہو کر ایسا ہی عرض کیا تو اپنا ہاتھ مبارک پھیلا کر ارشاد فرمایا کہ لو پکڑ لو۔ انہوں نے ہاتھ مبارک پکڑ لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ لوگ کیا کہتے ہیں؟ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہمیں آپ کے وصال کا خوف ہے۔ آپ کے پاس مردوں کے جمع ہونے سے ان کی عورتیں چیخنے چلانے لگیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے۔ حضرت علی اور حضرت فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہ سہارا دیتے ہوئے باہر تشریف لائے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگے آگے تشریف لا رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سر انور پٹی سے بندھا ہوا تھا۔ حضور قدم مبارک گھسیٹ کر رکھ رہے تھے۔ یہاں تک کہ آپ منبر شریف کے نچلے درجے پر بیٹھ گئے۔ لوگ حضور کی طرف متوجہ ہوگئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حمد و ثنا بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا:۔

"میں نے تمہیں اپنی موت کے بارے میں نہیں بتلایا یا تمہارے مرنے کی خبر تمہیں نہیں پہنچی؟ مجھ سے پہلے جو انبیاء کرام بھیجے گئے تھے' ان میں سے کوئی بچا ہے؟ تم میں سے کوئی ہمیشہ رہا ہے؟ سنو کہ میں اپنے رب سے ملنے والا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے تم بھی ملو گے' اس لیے میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ تم میں سے جو لوگ پہلے ہجرت کرکے آئے ہیں' ان کے ساتھ بہتری کرنا اور ہجرت کرنے والوں کو ایک دوسرے سے سلوک کے ساتھ رہنے کی وصیت کرتا ہوں۔ اس لیے کہ حق تعالیٰ (عزوجل) ارشاد فرماتا ہے والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین امنوا وعملو الصالحات وتواصنوا بالحق وتوا صوا بالصبر (العصر مکمل) ترجمہ کنزالایمان: اس زمانہ محبوب کی قسم بے شک آدمی ضرور نقصان میں ہے مگر جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور ایک دوسرے کو حق کی تاکید کی اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی۔

تمام معاملات اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی ہوتے ہیں تو ایسا نہ ہو کہ کسی امر کی دیر کی وجہ سے تم اس میں جلدی ہونے کی درخواست کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کی جلدی کی وجہ سے جلدی نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ پہ جو شخص غلبہ حاصل کرنا چاہے گا' اسے اللہ تعالیٰ مغلوب کر دے گا۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کو فریب دینا چاہے گا تو اسے اللہ تعالیٰ اس کے فریب کی سزا دے گا۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے فھل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض وتقطعو آ رحامکم (محمد ﷺ 22) ترجمہ کنزالایمان: یہ لچھن نظر آتے ہیں کہ اگر تمہیں حکومت ملے تو زمین میں فساد پھیلاؤ اور اپنے رشتے کاٹ دو۔

میں تمہیں انصار کے بارے میں بھلائی کی وصیت کرتا ہوں' اس لیے کہ انہوں نے مدینے میں تم سے پہلے

اقامت اختیار کی۔ ایمان کا خلوص حاصل کیا۔ تم ان کے ساتھ احسان کرنا۔ دیکھو انہوں نے اپنے آدھے پھل تمہیں دے دیئے، تمہیں گھروں میں وسعت عطا کی۔ اپنی ضرورت کے باوجود تمہیں اپنی جانوں پر ترجیح دی۔ یاد رکھو کہ اگر کوئی تم میں سے دو آدمیوں پہ بھی حکومت حاصل کرے تو چاہیے کہ ان کی محسن کی طرف سے جو بھی وہ عطا فرمائیں، وہ قبول کرے اور اگر ان میں سے کوئی برائی کرے تو اس سے چشم پوشی کرنا۔ خبردار کہ ان پر اپنی ذات کو ترجیح نہ دینا اور جان لو کہ میں تمہارا گواہ ہوں۔ (عنقریب) تم مجھ سے ملاقات کرو گے۔ خبردار رہنا کہ تمہارے وعدے کا مقام حوض ہے۔ میرا حوض (حوض کوثر) تم سے بھی چوڑائی میں بڑا ہے جو کہ بصرہ و یمن کے صنعاء میں واقع ہے۔ اس حوض میں کوثر کا ایک پرنالہ گرتا ہے۔ اس حوض کا پانی دودھ سے بھی زیادہ سفید ہے۔ جھاگ سے بھی زیادہ نرم و ملائم اور شہد سے بھی زیادہ میٹھا ہے۔ اس میں سے جو کوئی پانی پئے گا، وہ کبھی بھی پیاسا نہ ہوگا۔ اس کی کنکریاں موتی اور خاک اس کی مشک ہے۔ قیامت کے روز جو شخص اس سے محروم رہے گا تو اصل میں وہی ہر خیر سے محروم رہے گا۔ سنئے جسے یہ پسند ہو کہ وہ اس حوض پر میرے پاس آئے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنی زبان اور ہاتھ کو روکے۔ ہاتھ اور زبان سے صرف وہی کام لے جو ان کے کرنے کے لائق ہوں۔ (اللہ اور رسول کے فرمان کے مطابق)

پھر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے بارے میں بھی کچھ نہ کچھ لوگوں کو ارشاد فرما دیجئے۔

آپ نے فرمایا "قریش کے لیے خلافت کی وصیت کرتا ہوں۔ دوسرے تمام لوگ قریش کے تابع ہیں۔ ان کے نیک آدمی نیک آدمیوں کے تابع ہیں اور بد برے لوگوں کے تابع ہیں۔ پس اے قریشیو لوگوں کو خیر کی وصیت کرتے رہنا۔ اے لوگو! گناہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بدل دیتے ہیں اور اخلاق کو بھی بدل دیتے ہیں، اس لیے جب لوگ نیکی کریں گے تو ان کے امام بھی ان کے ساتھ نیکی ہی کریں گے اور جب لوگ بدکار ہو جائیں تو پھر ایسے لوگوں پر حاکم بھی رحم نہیں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وکذلک نولی بعض الظالمین بعضا بما کانوا یکسبون (انعام 129) ترجمہ کنزالایمان: اور یونہی ہم ظالموں میں ایک کو دوسرے پر مسلط کرتے ہیں بدلہ ان کے کیے کا۔

علم حبیب کبریا (عزوجل و صلی اللہ علیہ وسلم):۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ اے ابوبکر تو بھی کچھ دریافت کر لے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا موت قریب آگئی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہاں نزدیک ہوئی ہے اور لٹک آئی ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا نبی اللہ، آپ کو اللہ تعالیٰ کے پاس والی چیزیں (انعامات) مبارک ہوں اور ہمیں یہ پتہ چل جاتا ہے کہ اب آپ کہاں تشریف لے جائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اب اللہ تعالیٰ کی طرف سدرۃ المنتہیٰ کی طرف، پھر جنت الماویٰ، فردوس اعلیٰ، جام اوفیٰ، رفیق اعلیٰ، پائیدار بہرہ اور پسندیدہ عیش و عشرت کی طرف جاؤں گا۔ حضرت ابوبکر صدیق نے

عرض کیا کہ آپ کو غسل کون دے گا؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میرے قریبی اہلبیت کے مرد' پھر وہ جو ان سے ذرا دور کے قریبی ہوں گے۔ آپ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو کفن کیا دیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میرے یہی کپڑے حلہ یمانی اور مصر کا سفید ا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ آپ پر ہم نماز کس طرح پڑھیں؟ یہ سوال کرکے حضرت ابوبکر اور ہم سب (ابن مسعود و تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) روئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی روئے۔

علم حبیب کبریا :۔ الحمد للہ ہمارا عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اولین و آخرین کے علوم سے واقف ہیں۔ اس روایت مبارک کو ملاحظہ فرمائیے۔ وصال مبارک سے قبل ہی آپ تمام احوال بیان فرما رہے تھے۔ قرآن پاک میں ہے کہ وما ھو علی الغیب بضنین (التکویر 24) ترجمہ کنزالایمان : اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں۔

فلایظھر علی غیبہ احدا الا من ارتضی من رسول (جن 26) ترجمہ کنزالایمان : تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمایا کہ ہمیں اپنے پسندیدہ رسولوں کو ضرور علم غیب عطا فرماتا ہوں۔

اب ذرا حدیث حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم ملاحظہ فرمائیے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم میں ایک جگہ قیام فرمایا۔ ہمیں ابتداء پیدائش کی خبریں تک کہ جنتی لوگ اپنی منزلوں میں پہنچ جائیں گے اور جہنمی لوگ اپنی منزلوں میں۔ جس نے یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جو بھول گیا' وہ بھول گیا۔ (بخاری شریف' مسلم شریف)

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بس کرو' اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے اور تمہارے نبی کے بدلے میں تمہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ جب مجھے غسل دے کر کفن پہناؤ تو چارپائی پر میری اسی حجرہ میں کنارہ قبر پر رکھ کر تھوڑی دیر کے لیے باہر چلے جانا کہ سب سے پہلے مجھ پر میرا پروردگار صلوۃ پڑھے گا کہ ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی (الاحزاب 56) ترجمہ کنزالایمان : بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی) پر۔ اللہ تعالیٰ اس کے بعد فرشتوں کو میرے اوپر نماز پڑھنے کی اجازت عطا فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے سب سے پہلے جبرائیل آکر میری نماز پڑھیں گے۔ پھر حضرت میکائیل ان کے بعد حضرت اسرائیل علیہ السلام' بعد ازاں ملک الموت فرشتوں کے لشکروں سمیت آکر نماز ادا کریں گے۔ پھر بقیہ تمام فرشتے میری نماز ادا کریں گے۔ پھر اندر آکر تم مجھ پر نماز پڑھنا۔ ایک ایک گروہ علیحدہ علیحدہ صلوٰۃ و سلام مجھ پر پڑھتے جانا۔ میری تعریف بیان کرکے مجھے تکلیف نہ دینا' نہ چیخنا' نہ پکار کر رونا۔ مناسب یہ ہے کہ سب سے پہلے امام نماز شروع کرے اور میرے اہلبیت جو قریب ترین ہوں' ان کے بعد ذرا دور والے اہلبیت' پھر اسی ترتیب سے عورتوں کی جماعت بعد ازاں لڑکوں کے گروہ مجھ پر نماز پڑھیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ آپ کی قبر انور میں کون اترے گا؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میری قبر میں میری اہلبیت کے چند قریب ترین لوگ بہت سے فرشتوں کے ہمراہ اتریں۔ ان فرشتوں کو تم نہ دیکھ سکو گے حالانکہ وہ فرشتے تمہیں دیکھیں گے۔ اب میرے پاس سے اٹھ جاؤ اور میرے بعد کے لوگوں کو میری طرف سے دین کا حال بتاؤ۔

امامت کے لیے حبیب خدا (عزوجل و صلی اللہ علیہ وسلم) کا صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) کو حکم :۔

حضرت عبداللہ بن ربیعہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ربیع الاول شریف کے شروع میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نماز کے لیے عرض کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ "ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہو کہ وہ نماز پڑھائیں۔" حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں باہر نکلا اور دروازہ کے سامنے صرف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چند لوگوں کے ساتھ دیکھا۔ ان میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہیں تھے۔ میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہا کہ آپ نماز پڑھا دیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اٹھ کر نماز کے لیے اللہ اکبر کہا۔ چونکہ آپ کی آواز بلند تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی تکبیر کی آواز سن لی تو فرمایا' ابوبکر کہاں ہیں؟ عمر کے آگے ہونے کو نہ اللہ تعالیٰ تسلیم فرمائے گا اور نہ ہی مسلمان۔ اس جملے کو تین بار دہرایا۔ بعد ازاں ارشاد فرمایا کہ ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا' یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر تو ایک نرم دل آدمی ہیں۔ جب وہ آپ کے مقام پر کھڑے ہوں گے تو ان پر گریہ زاری غالب ہو جائے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم تو حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ والی ہو۔ ابوبکر کو ہی کہو کہ وہ نماز پڑھائے۔ حضرت عبداللہ راوی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نماز پڑھانے کے بعد پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز پڑھائی۔ پس حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھ سے فرمایا کرتے تھے کہ اے ربیعہ کے بیٹے تو نے یہ کیا کر دیا۔ اگر مجھے یہ گمان نہ ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے ارشاد فرمایا ہوگا تو میں محض تیرے کہنے کی بنا پر کبھی بھی نماز نہ پڑھاتا۔ میں کہا کرتا تھا کہ اس وقت مجھے امامت کے لائق آپ سے بہتر کوئی نظر نہیں آیا۔

حضرت عائشہ کے عذر کی وجہ :۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے جو میں نے عذر کیا تھا تو اس کی محض یہ وجہ تھی کہ وہ دنیا کے راغب نہیں تھے۔ اس کے علاوہ خلافت میں خوف اور خطرہ بہت ہے مگر جسے اللہ تعالیٰ بچائے۔ علاوہ ازیں یہ بھی خوف تھا کہ لوگ کبھی بھی یہ پسند نہیں کریں گے کہ آپ کی حیات مبارکہ میں ہی آپ کی جگہ کوئی دوسرا کھڑا ہو کر نماز پڑھائے۔ اس کے علاوہ کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے۔ یہ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نماز پڑھانے کی وجہ سے ان سے لوگ حسد کریں گے اور ان سے سرکشی اختیار کریں گے۔ اسے بری فال سمجھیں گے مگر چونکہ وہی کچھ

ہوتا ہے جو کچھ اللہ چاہے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں دین و دنیا کے خوف سے مامون رکھا اور جس چیز سے میں ڈرا کرتی تھی' اللہ تعالیٰ نے اس چیز سے انہیں محفوظ رکھا۔

مرض میں کمی :۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتی ہیں کہ لوگوں نے آپ کے مزاج شریف میں صبح کے وقت کچھ ہلکا پن اور مرض میں کمی دیکھی۔ اسی دن آپ کا وصل مبارک ہوا تھا۔ لوگوں نے جب مرض میں کمی دیکھی تو تمام لوگ اپنے اپنے گھروں میں خوشی خوشی چلے گئے اور اپنے کاموں میں خوشی خوشی مصروفیت اختیار کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صرف عورتیں ہی رہ گئیں۔ اس دن ہمارا ایسا حال تھا کہ اس دن جیسی خوشی و مسرت ہمیں کبھی بھی نہ ہوئی تھی۔

فرشتے کا اجازت لے کر حاضر ہونا :۔ اسی اثناء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس سے باہر چلی جاؤ۔ یہ فرشتہ میرے پاس آنے کی اجازت طلب کر رہا ہے۔ تمام عورتیں باہر چلی گئیں۔ اس وقت میں آپ کا سر مبارک اپنی گود میں لیے ہوئے تھی جس وقت آپ بیٹھ گئے تو میں بھی حجرے کے گوشے میں چلی گئی۔ آپ اس فرشتے سے کافی دیر تک سرگوشی میں مصروف رہے۔ پھر مجھے بلا کر اپنا سر انور میری گود میں رکھ لیا اور دوسری عورتوں کو بھی اندر آنے کی اجازت بخشی۔ میں نے عرض کیا' یہ آہٹ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی تو نہیں تھی۔ آپ نے ارشاد فرمایا اے عائشہ یہ صحیح بات ہے۔ یہ ملک الموت تھا۔ میرے پاس آکر اس نے عرض کیا تھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے آپ کے پاس بھیجا ہے اور حکم فرمایا ہے کہ آپ کی اجازت کے بغیر آپ کے پاس نہ آؤں۔ اگر آپ اپنے پاس آنے کی اجازت نہ بخشیں گے تو پھر میں چلا جاؤں گا اور اگر مجھے آپ اجازت عطا فرمائیں گے تو پھر میں اندر چلا آؤں گا اور یہ بھی اس نے کہا کہ میں آپ کی روح مبارک آپ کے فرمان کے بغیر قبض نہ کروں۔ اب اس بارے میں آپ کا ارشاد گرامی کیا ہے؟ اس سے میں نے کہہ دیا ہے کہ جب تک میرے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام نہ آئیں تو اس وقت تک مجھ سے جدا رہو۔ اب جبرئیل کے آنے کا وقت ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں کہ آپ ہمارے سامنے یہ ایسی صورت پیش فرمائی کہ جس کا جواب ہمارے پاس نہیں تھا یا کوئی بھی ترکیب ہمارے پاس نہیں تھی تو ہم خاموش ہو گئیں۔ یہ معلوم ہوا کہ گویا ہم سخت آواز کی وجہ سے حیران رہ گئے کہ ہم آپ سے اس بارے میں کچھ نہیں کہتے۔ اس معاملے کی بڑائی اور ہیبت کی وجہ سے کسی میں بولنے کی جرات نہیں۔ ہمارے دلوں پہ رعب طاری ہو گیا۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک ساعت میں آگئے۔ سلام عرض کیا۔ میں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے تشریف لائے کی آہٹ پہچان لی۔ گھر والے سبھی باہر نکل گئے تو وہ اندر تشریف لائے۔ انہوں نے حضور کی بارگاہ میں عرض کیا کہ اللہ آپ کو سلام کہتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ تم اپنے آپ کو کس حال میں پاتے ہو؟ وہ آپ کا حال آپ سے بھی بہتر جانتا ہے مگر وہ آپ کی کرامت و شرف بڑھا کر مخلوق پر آپ کی بزرگی اور شرافت کامل فرمانا چاہتا ہے اور یہ امر آپ کی امت میں آپ کی سنت مبارکہ بن جائے۔ آپ

نے ارشاد فرمایا "میں آپ کو دردمند پاتا ہوں۔"

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ آپ کو خوشخبری ہو کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے جو مراتب آپ کے لیے تیار کیے گئے ہیں' ان مراتب پر آپ کو پہنچا دیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے جبرئیل مجھ سے ملک الموت نے اجازت طلب کی ہے اور یہ تمام حال بتایا۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا رب آپ کا مشتاق ہے۔ وہ آپ کے ساتھ کیا چاہتا ہے' وہ سب کچھ میں آپ کے سامنے عرض کر چکا ہوں۔ خدا کی قسم ہے آج تک ملک الموت نے کسی سے بھی اجازت نہیں مانگی اور نہ ہی آئندہ کسی سے اجازت مانگے گا مگر اللہ تعالیٰ کو آپ کے لیے شرف پورا کرنا چاہتا ہے اور وہ آپ کا مشتاق ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اب تم ملک الموت کے آنے تک یہیں ٹھہرو' کہیں بھی نہ جاؤ۔ یہ فرما کر عورتوں کو بھی حجرہ مبارک کے اندر بلا لیا۔ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس آؤ۔

بی بی فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ پر جھک گئیں۔ آپ نے ان کے کان میں کچھ فرمایا۔ انہوں نے جب اپنا سر مبارک اوپر اٹھایا تو ان کی آنکھوں میں سے آنسو نکل رہے تھے اور ان میں گفتگو کرنے کی بھی تاب نہ تھی۔ پھر حضور نے انہیں سر اپنے پاس کرنے کو کہا تو پھر انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ مبارک سے اپنا کان ملا دیا۔ پھر آپ نے ان کے کان میں کچھ ارشاد فرمایا۔ پھر جب انہوں نے سر اوپر اٹھایا تو پھر اس وقت وہ مسکرا رہی تھیں اور پھر بھی آپ بول نہیں سکتی تھیں۔ اس حال سے ہمیں بہت حیرانگی ہوئی۔ ان سے بعد میں میں نے یہ سب ماجرا دریافت کیا تو انہوں نے مجھے جواب دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پہلی بار ارشاد فرمایا کہ میں آج فوت ہو جاؤں گا۔ اس وجہ سے میں رو پڑی اور پھر دوبارہ مجھے آپ نے اشارہ فرمایا تھا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے کہ وہ مجھے گھر والوں میں سے سب سے پہلے تجھے مجھ کو ملا دے اور میرے ساتھ رکھے' اس لیے میں یہ سن کر ہنس پڑی۔ پھر حضرت بی بی فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امامین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو آپ کے پاس کھڑا کیا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں صاحبزادوں کو اپنے پیار سے نوازا۔

ملک الموت کا حبیب کبریا سے اجازت طلب کرنا:۔ پھر ملک الموت حضرت عزرائیل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا اور اجازت طلب کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت عطا فرمائی۔ ملک الموت نے آپ کے حضور حاضر ہو کر عرض کیا کہ اب آپ مجھے کیا ارشاد فرماتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے میرے رب سے ابھی ابھی ملا دو۔ انہوں نے عرض کیا کہ رب سے آج ہی ملاقات کروا دوں گا۔ آپ کا تمہارا رب بھی آپ کی طرف مشتاق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جتنا تردد آپ کے لیے فرمایا ہے' اتنا کسی دوسرے کے لیے نہیں کیا۔ آپ کے سوا کسی کے پاس جانے کے لیے اجازت لینے کے لیے مجھے نہیں کہا۔ صرف آپ کے

ہاں بغیر اجازت جانے سے منع فرمایا ہے لیکن آپ کی ساعت مبارک آپ کے سامنے ہے۔ یہ عرض کر کے ملک الموت چلے گئے۔

جبرئیل علیہ السلام کا بارگاہ حبیب کبریا میں صلوٰۃ و سلام پڑھنا:۔ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام بارگاہ حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور عرض کیا الصلوٰۃ والسلام علیکم یا رسول اللہ میرا زمین پہ اترنا آخری بار کا ہے' اس کے بعد پھر میں کبھی بھی نہیں اتروں گا۔ وحی بھی مکمل ہو چکی ہے۔ دنیا میں اترنے کے لیے مجھے آپ کے علاوہ کوئی بھی کام نہیں تھا۔ آپ کی بارگاہ میں حاضری کے سوا کوئی دوسری غرض مجھے نہیں تھی۔

حبیب کبریا کا پسینہ مبارک:۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ بخدا گھر میں جتنے بھی افراد موجود تھے' کسی میں بھی ایک لفظ تک ادا کرنے کی تاب نہ تھی' ورنہ ہی کوئی مردوں کو باہر سے بلاتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا یہ کلام بڑے درجے کا معلوم ہوتا تھا اور [illegible] ورنہ خوفزدہ تھیں۔ پھر میں اٹھی' آپ کا سر انور اپنی گود میں رکھ لیا اور آپ کے سینہ مبارک کو اپنے ہاتھوں میں پکڑ لیا۔ آپ کو بے ہوشی ہونی شروع ہو گئی' یہاں تک کہ میں آپ کو (محبت سے) بھینچ لیتی تھی۔ آپ کی پیشانی مبارک سے پسینہ اتنا زیادہ ٹپک رہا تھا کہ اتنا زیادہ پسینے کا گرنا میں نے کسی آدمی کا نہیں دیکھا۔ میں اس پسینہ مبارک کو اپنی انگلی سے پونچھ رہی تھی۔ اس پسینے کی خوشبو سے زیادہ بہترین خوشبو میں نے نہیں دیکھی اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ افاقہ ہوتا تو میں عرض کرتی کہ میں' میرے ماں باپ اور گھر بار سبھی آپ پر فدا ہوں' آپ کی پیشانی مبارک اتنا پسینہ کیوں دیتی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے عائشہ مومن کی جان پسینے کے ساتھ نکلتی اور کفار کی جان باچھوں کے راستے سے گدھے کی جان کی طرح جسم سے نکلتی ہے۔ ہم یہ سن کر ڈر گئے۔ اپنے اپنے گھروں میں بندہ بھیجا تو ہمارے پاس جو شخص سب سے پہلے آیا' وہ میرا بھائی تھا مگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات نہ کر سکا۔ اسے میرے باپ نے میرے پاس بھیجا۔ ان کے پہنچنے سے پہلے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو چکا تھا۔ غرضیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے وصال مبارک سے قبل کوئی بھی نہ پہنچ سکا۔ آپ روح مبارک عرش بریں کی طرف پرواز کر گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے بوقت وصال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کسی کو نہ آنے دیا۔ کیونکہ آپ کا معاملہ حضرت جبرئیل و میکائیل علیہ السلام کے سپرد فرما دیا تھا۔ آپ پر جس وقت بے ہوشی طاری ہوتی تھی تو یہی کہتے تھے کہ بلکہ رفیق اعلیٰ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو کئی کئی مرتبہ اختیار سے نوازتا ہے۔

حبیب کبریا کی نماز کے لئے وصیت:۔ جب آپ میں بولنے کی قوت عود کر آتی تو پھر ارشاد فرماتے تھے کہ نماز' نماز۔ اس پر ہمیشہ مضبوطی سے قائم رہو۔ جب تک نماز مل کر پڑھو گے' یوں نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم وصال فرمانے کے وقت تک نماز ادا کرنے کی وصیت فرماتے رہے اور نماز نماز فرماتے رہے۔

وصال مبارک:۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ کا وصال مبارک بروز پیر وار چاشت

اور دوپہر کے درمیان میں ہوا۔ حضرت بی بی فاطمۃ الزہرہ نے فرمایا۔ مجھ پر سوموار کا دن مبارک نہیں۔ بخدا اس دن امت پر ہمیشہ ہی مصیبت ہوا کرے گی۔ حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا پہ جس دن کوفہ میں مصیبت آئی تھی تو اس دن حضرت ام کلثوم نے بھی اسی طرح فرمایا تھا کہ میرے لیے سوموار کے دن بھلائی نہیں ہے کہ اسی دن نبی کریم رؤف الرحیم کا وصال ہوا۔ اسی دن ہی میرے خاوند یعنی حضرت عمر فاروق شہید ہوئے تھے۔ اس دن ہی میرے والد گرامی یعنی حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا بھی شہید ہوئے تو اس دن میرے لیے کچھ بھی بھلائی نہیں ہے۔

وصال حبیب کبریا کے بعد صحابہ کرام کی حالت:۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ کا جب وصال ہوا تو لوگوں پہ بڑا سخت وقت آیا۔ یہاں تک کہ گریہ زاری کی آواز بلند ہوئی۔ فرشتوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے کپڑوں میں ڈھانپ دیا۔ اب لوگوں کی حالتیں مختلف ہوگئیں۔ بعض صحابہ کرام نے تو آپ کی موت کا انکار کیا۔ بعض صحابہ کرام کی زبانیں گونگی ہوگئیں کہ کافی عرصہ تک وہ بول نہ سکے۔ بعضوں پر دیوانگی طاری ہوگئی کہ مہمل سی باتیں کرنے لگے۔ کچھ لوگوں کی عقل ٹھکانے نہ رہی۔ کچھ صحابہ کرام بیٹھے رہ گئے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی انہی صحابہ کرام میں سے تھے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کا انکار کرتے تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ حال ہوگیا۔ آپ بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی صدمے کی وجہ سے گونگے ہو گئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ باہر نکلے اور فرمایا کہ لوگو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت نہیں ہوئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو پھر دوبارہ واپس بھیر دے گا۔ میں ان منافقوں کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دوں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کی خواہش کرتے ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ فرمایا تھا' اسی طرح ہی ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ اب وہ تمہارے پاس پھر سے آتے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو ارشاد فرمایا کہ اے لوگو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حال کے بارے میں اپنی زبانوں کو روک لو' وہ مرے نہیں ہیں۔ بخدا میں نے اب اگر کسی کی زبان سے ایسا سن لیا تو اپنی تلوار سے اس کے دو ٹکڑے کر دوں گا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حالت ہوگئی کہ آپ گھر میں بیٹھے کے بیٹھے ہی رہ گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس صدمہ کی وجہ سے بالکل خاموشی اختیار کرلی' زبان سے کچھ بھی نہ بولتے تھے۔ صحابہ کرام ان کا ہاتھ مبارک پکڑ کر لے جاتے اور لے آتے تھے گویا محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی میں راستے کا بھی پتہ نہ چلتا تھا۔

فائدہ:۔ عین جدائی کا رونا اور ہے اور اسے سال بسال سوگ کے طور پر ماتم کرنا دیگر فلہذا ان واقعات سے شیعہ ماتم کا ثبوت پیش نہیں کرسکتے۔ ایسے ہی وہابی' دیوبندی بھی اس سے استدلال نہیں کرسکتے' اس لیے کہ وقتی طور پر غم

ہی ہوتا ہے اور ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم تو زندہ ہیں' اس لیے ان کے لیے ماتم کیسا۔ فلہذا بارہ ربیع الاول کو غم نہیں خوشی کرنی چاہیے۔ یہ اس وقت ہے جب یہ ثابت ہو جائے کہ آپ کا وصال بارہ ربیع الاول کو ہو۔ جب اس کا ثبوت ہی نہیں تو اس دن غم کیسا۔ تفصیل دیکھیئے فقیر کا رسالہ 12_ وفات یا ولادت (اویسی غفرلہ)

حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عباس کے علاوہ جب حال صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کسی کا بھی نہ تھا۔ ان دونوں بزرگوں کو اللہ تعالیٰ ہمت' حوصلہ اور راشی عطا فرمائی تھی۔ اگرچہ صحابہ کرام صرف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے قول مبارک کی وجہ سے ہی اپنی حرکتوں سے رکتے رہتے تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آکر صحابہ کرام کو فرمایا' مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موت کا ذائقہ چکھا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات طیبہ میں ہی تمہارے درمیان ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ انک میت وانهم میتون ثم انکم یوم القیامة عند ربکم تختصمون (الزمر 30 تا 31) ترجمہ کنزالایمان: بے شک تمہیں انتقال فرمانا ہے اور ان کو بھی مرنا ہے پھر تم قیامت کے دن اپنے رب کے پاس جھگڑو گے۔

بوسہ دینا:- حضرت ابوبکر صدیق بنی حارث بن خزرج میں تھے۔ جب انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا پتہ چلا تو آپ تشریف لائے۔ (بخاری شریف و مسلم شریف) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے مشرف ہوئے۔ پھر آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر جھک کر آپ کو بوسہ دیا اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ دوبارہ موت نہیں دے گا۔ پس ایک دفعہ ہی (قانون خدا کے تحت) مرنا تھا' سو آپ وصال فرما چکے ہیں۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق دوسرے صحابہ کرام کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ لوگو تم میں سے جو کوئی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پوجتا تھا تو وہ وصال فرما گئے ہیں اور جو شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کی عبادت کرتا تھا' وہ زندہ ہے' وہ کبھی نہیں مرے گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افائن مات اوقتل انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیه فلن یضر الله شیاء (آل عمران 144) ترجمہ کنز الایمان: اور محمد تو ایک رسول ہیں ان سے پہلے اور رسول ہو چکے تو کیا اگر وہ انتقال فرمائیں یا شہید ہوں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے اور جو الٹے پاؤں پھرے گا اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا۔

یہ سنتے ہی لوگوں کا ایسا حال ہو گیا جیسے اس آیت مبارکہ کو صرف آج کے دن ہی سنا تھا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معلوم ہوا تو آپ حجرہ مبارک میں درود شریف پڑھتے ہوئے داخل ہوئے۔ آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ آپ سے جدائی کی آواز دانتوں کی رگڑ سے سننے میں آرہی تھی مگر اس کے باوجود قول و فعل کو سوارنے میں آپ بہت بہادر تھے۔ آتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھکے۔ آپ کے روئے مبارک کو کھولا' پیشانی مبارک اور رخسار مبارک پر بوسہ دیا۔ چہرہ مبارک پر ہاتھ پھیرا۔ اس وقت آپ رو

رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ میں' میرے ماں باپ اور گھر بار سبھی کچھ آپ کے قربان ہو جائیں۔ آپ حیات ظاہری میں بھی ہمیشہ اچھے رہے اور وصال فرمانے کے بعد بھی اچھے۔ آپ کے وصال مبارک سے وہ بات اختتام کو پہنچی جو کسی بھی نبی کے وصال مبارک سے ختم نہ ہوئی یعنی نبوت یا وحی تو آپ کا مقام و مرتبہ اوصاف بیان سے کہیں زیادہ ہے اور رونے دھونے سے بھی بالاتر ہے۔ آپ ایسے مخصوص ہوئے کہ ہر کسی کے رنجوں کے ضامن بن گئے اور عام ایسے ہوئے کہ ہم تمام آپ کے بارے میں برابر ہیں یعنی آپ کی رسالت مبارک تمام بندوں کے لیے ہے۔ اگر آپ کے اختیار سے آپ کا وصال نہ ہوتا تو ہم آپ کے غم میں اپنی جانیں نثار کر دیتے اور اگر آپ نے ہمیں رونے سے نہ روکا ہوتا تو ہم اپنی آنکھوں کا پانی (رو رو کر) ختم کر دیتے مگر وہ بات جو آپ ہم سے جدا نہیں کر سکتے' وہ دکھ اور آپ کی یادگاری ہے کہ کبھی بھی نہیں ملیں گے۔ یااللہ تو ہماری یہ باتیں اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری طرف سے پہنچا دے اور یا محمد صلی اللہ علیک اپنے رب کے پاس ہمیں بھی یاد رکھیں اور گوشہ خاطر میں ہمیں جگہ عطا فرمائیں۔ آپ اگر وقار نہ چھوڑ جاتے تو کس کی مجال تھی کہ کوئی آپ کے بعد والی مشقت برداشت کر سکتا۔ یااللہ ہماری طرف سے یہ حال اپنے نبی تک پہنچا دے اور اس کی ہمارے درمیان حفاظت فرما۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حجرہ مبارک میں داخل ہوئے تو حمد و ثناء بیان کی تو گھر والوں نے ایک شور مچایا جس کی آواز باہر بیٹھے لوگوں نے بھی سنی۔ جیسے جیسے آپ کچھ کہتے تھے' اسی طرح آواز زیادہ ہوتی جاتی تھی اور ان کی آواز کسی طرح بھی کم نہ ہوئی مگر اسی حالت میں ایک شخص نے زور سے دروازے پر کہا' اے گھر والو السلام علیکم! كل نفس ذائقة الموت ثم الينا ترجعون (عنکبوت 57) ترجمہ کنزالایمان: ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے پھر ہماری ہی طرف پھرو گے۔

اللہ تعالیٰ موجود رہنے کے لحاظ سے ہر شخص کا نائب ہے یعنی جو بھی یہاں سے جاتا رہتا ہے' اس کے بدلے وہ خود وہاں موجود رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر رغبت کے لیے اور ہر خوف کے لیے نجات حاصل ہے۔ اسی سے توقع رکھو اور اسی پر بھروسہ کرو۔ گھر والوں نے جب یہ آواز سنی تو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ آواز کس کی ہے۔ رونا بند کر دیا' رونے کے بند ہوتے ہی وہ آواز بھی ختم ہو گئی۔ کسی نے باہر نکل کر دیکھا کہ باہر کون ہے تو باہر کسی کو بھی نہ دیکھا۔ پھر گھر میں آ گیا۔ اس کے بعد رونا پھر شروع ہو گیا۔ ایک اور ندا کرنے والے نے آواز دی کہ جسے کوئی بھی نہ پہچانتا تھا۔ اس نے یہ کہا کہ اے اہل بیت اللہ تعالیٰ کو یاد کرو اور ہر حال میں اس کا شکر ادا کرو تاکہ تم مخلصین میں سے ہو جاؤ۔ ہر مصیبت کے باقی رہنے میں ہی تسکین ہے اور ہر پسندیدہ چیز کے چلے جانے کی وجہ سے اس کا بدلہ ملتا ہے۔ اس لیے تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور اس کے فرمان کے مطابق عمل کرو۔ پس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ دونوں حضرت خضر اور حضرت الیاس علیہم السلام تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازہ مبارک پر حاضر ہوئے تھے۔

حکایت خطبہ :۔ حضرت قعقع بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خطبے کی

پوری حکایت تحریر کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں میں خطبہ پڑھنے کے لیے اٹھے اور ایسا خطبہ مبارک پڑھا کہ لوگ رونے لگے۔ یہ سارے کا سارا خطبہ مبارک درود شریف کے بارے میں تھا۔ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان فرمائی' بعدازاں ارشاد فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ وہ واحد برحق ہے۔ اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور بندہ خاص کی مدد فرمائی اور کافروں کے لشکروں کو تنہا ہی شکست سے دوچار کیا تو اللہ واحد کا شکر ہے۔ علاوہ ازیں میں اس بات کی گواہی بھی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندہ خاص' رسول اور خاتم النبیین ہیں اور یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ جس طرح کی کتاب (قرآن حکیم) اتری ہے' اب بھی ویسی ہی ہے۔ اس میں کمی بیشی ہرگز نہیں کی گئی۔ دین ویسا ہی ہے جیسا کہ شروع ہوا اور حدیث مبارک اسی طرح ہی ہے جس طرح کہ آپ نے بیان فرمائی۔ قول مبارک وہی ہے جو قول انہوں نے ارشاد فرمایا اور اللہ تعالیٰ واضح طور پر حق ہے۔ پس یااللہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خاص بندے' رسول' نبی' حبیب' امین' مصطفیٰ اور تمام مخلوق سے بہترین پر رحمت فرما اور ایسی رحمت خاصہ فرما جو تو نے اپنی مخلوق میں سے کسی پر بھی نہ کی ہو۔ ایسی رحمت کہ مخلوق میں سب سے بڑھ کر ہو۔ یااللہ اپنی رحمتیں' عفو' مہر اور برکتیں تمام ہی سید المرسلین' خاتم النبین' امام المتقین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص فرما دے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ بھلائی کی طرف کھینچنے والے' خیر کے رہنما اور رسول رحمت ہیں' یااللہ تو ان کا قرب زیادہ کر دے۔ ان کی دلیل بڑی فرما دے' ان کا مقام اچھا بنا دے۔ انہیں ایسے مقام محمود میں اٹھا کہ اولین و آخرین بھی ان کے غبطہ کریں اور ان کے مقام محمود پر ہونے کی وجہ سے ہمیں روز قیامت نفع عطا فرما۔ ان کے بدلے آخرت میں تو ہمارے درمیان رہ اور جنت میں انہیں درجہ اور وسیلہ پہ پہنچا دے۔ یااللہ تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم و آل ؐ پر صلوٰۃ و برکت اتار جیسا کہ تو نے حضرت ابراہیم اور آپ کی آل پر صلوٰۃ و برکت اتاری تو ہی اچھے کام والا۔ بزرگی والا ہے۔

بعدازاں ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! جو کوئی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کیا کرتا تھا تو آپ تو وصال فرما چکے ہیں اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ زندہ ہے' وہ وصال نہیں فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے بارے میں پہلے ہی تمہیں ارشاد فرما دیا ہے' پس انہیں بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہوئے نہ پکارو' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تمہارے پاس کی چیز زیادہ اپنے پاس کی چیز کو فرمایا ہے۔ اب انہیں ثواب عطا فرمانے کے لیے اپنے پاس بلا لیا اور تم میں اپنی کتاب اور اپنے محبوب نبی کی سنت پیچھے چھوڑی۔ پس جو شخص بھی ان دونوں (کتاب و سنت) کو مضبوطی سے تھام لے گا' وہ عارف ہو گا اور جو کوئی ان دونوں چیزوں کے مابین فرق روا رکھے گا' وہ اس آیت مبارکہ کا منکر ہے۔ یاایھا الذین امنو کونوا قوامین بالقسط (النساء 135) ترجمہ کنزالایمان: اے ایمان والو انصاف پر خوب قائم ہو جاؤ۔ اور تمہارے نبی کے وصال فرمانے کی وجہ سے کہیں تمہیں شیطان غافل نہ کر دے اور تمہارے دین پر کوئی مصیبت نہ ڈال دے' اس لیے خیرات کی طرف جلدی کرو۔ اس

طرح تم شیطان کو تھکا مارو گے اور اسے مہلت بالکل ہی نہ دو' نہیں تو وہ تم سے مل جائے گا اور تمہیں فتنہ میں ڈال دے گا۔

حکایت :۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے خطبہ مبارک سے فارغ ہوئے تو آپ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا۔ میرے سننے میں آیا ہے کہ تم کہتے ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال نہیں فرمایا۔ کیا تم جانتے نہیں ہو کہ نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں فلاں دن اپنے وصال کا حال بیان فرمایا تھا اور اللہ تعالیٰ اپنی کتاب مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ انک میت وانہم میتون (الزمر 30) ترجمہ کنزالایمان: بے شک تم میں انتقال فرمانا ہے اور ان کو بھی مرنا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ مصیبت کی وجہ سے مجھے یہ معلوم ہوا کہ آج سے پہلے میں نے یہ مضمون کتاب اللہ میں کبھی نہیں سنا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ قرآن مجید میں جیسا نازل ہوا ہے' وہی حق ہے اور حدیث پاک بھی اسی طرح ہی ہے جیسے کہ آپ نے بیان فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ زندہ ہے' وہ کبھی نہیں مرے گا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون (البقرہ 156) ترجمہ کنزالایمان: "ہم اللہ کے مال ہیں اور اسی کی طرف پھرنا ہے۔" اور اللہ تعالیٰ کی خاص رحمتیں اس کے محبوب رسول اللہ صلی اللہ پر نازل ہوں۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی کا ثواب اللہ تعالیٰ سے چاہتے ہیں۔ پھر آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بیٹھ گئے۔

حبیب کبریا (عزوجل و صلی اللہ علیہ وسلم) کے آخری غسل کی کیفیت :۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ کو غسل دینے کے لیے جب لوگ جمع ہوئے تو ایک دوسرے سے کہنے لگے۔ ہم نہیں جانتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل کس طرح دیں۔ آپ کو دوسرے مردوں کی طرح ننگا کر کے غسل دیں یا کپڑوں سمیت ہی غسل دیں۔ اسی تردد میں تھے کہ ان پر اللہ تعالیٰ نے نیند کا غلبہ طاری کر دیا یہاں تک ایسا کوئی بھی نہ رہا جو اپنی چھاتی پر داڑھی لٹکائے نہ سو رہا ہو۔ پھر کسی کہنے والے نے کہا جیسے کوئی بھی نہیں جانتا کہ کہنے والے نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کپڑوں سمیت ہی غسل دیجئے۔ یہ سن کر سبھی چونک پڑے۔ اسی آواز کے مطابق عمل کیا گیا اور کپڑوں سمیت ہی آپ کو غسل دیا گیا۔ غسل سے فراغت کے بعد آپ کو کفن پہنایا۔

حکایت غسل بزبان علی المرتضیٰ :۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قمیص مبارک اتارنا چاہا تو ہمیں ایک آواز سنائی دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کرتا مبارک نہ اتارو۔ ہم نے اسی طرح ہی کرتا رہنے دیا۔ ہم نے آپ کے کرتے سمیت ہی غسل دے دیا۔ جیسا کہ ہم اپنے (دوسرے) مردوں کو لٹا کر غسل دیا کرتے تھے۔ اگر ہم آپ کے کسی عضو مبارک کو بدلنا چاہتے تو ہمیں کچھ بھی مشکل نہ ہوتی تھی بلکہ وہ عضو مبارک بدل جاتا تھا حتیٰ کہ ہم اس عضو مبارک کے غسل سے فارغ ہو جایا کرتے۔ ہمیں گھر میں ہوا کی سنسناہٹ سنائی دیتی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ آواز بھی آتی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

ساتھ نرمی برتو کہ تمہیں کچھ بھی نہیں کرنا پڑے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال مبارک اس طرح پر تھا۔ آپ نے نہ تو کوئی بالوں کا کپڑا ترکہ میں چھوڑا اور نہ ہی اون کا۔ وہ سب کچھ آپ کے ساتھ دفن ہو گیا۔ حضرت ابو جعفر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لحد میں آپ کا بستر مبارک اور چادر بچھائی گئی اور اس کے اوپر آپ کے وہ کپڑے ڈالے گئے جو کپڑے آپ پہنا کرتے تھے۔ پھر ان کے اوپر آپ کفن سمیت لٹائے گئے۔ مختصر یہ کہ وصال شریف کے بعد آپ نے ترکہ میں کوئی مال متاع نہ چھوڑا اور نہ ہی مکان کی نیت سے اینٹ پر اینٹ رکھی۔ مسلمانوں کے لیے آپ کے وصال مبارک میں کامل عبرت اور اعلیٰ اقتداء ہے۔

حضرت سیدنا صدیق اکبر کا وصال مبارک :۔ جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال مبارک کا وقت قریب ہوا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کے پاس حاضر ہوئیں۔ ایک شعر پڑھا۔

یعرک ما یغنی اشرا عن الغنی۔ اذا حشر جت یوما وضاف بہاء الصدر قسم ہے کہ کثرت دولت کسی کام نہ آئے۔ جب سانس رک جائے اور جان لبوں پر ہو تو آپ نے اپنا چہرہ مبارک کھولا اور پھر ارشاد فرمایا کہ اس طرح نہ کہو بلکہ اس طرح کہو وجاءت سکرۃ الموت بالحق ذلک ماکنت منہ تحید (ق 19) ترجمہ کنزالایمان : اور آئی موت کی سختی حق کے ساتھ یہ ہے جس سے تو بھاگتا تھا۔ میرے یہ دونوں کپڑے دیکھ لو۔ انہیں حفاظت سے رکھو۔ یہی کپڑے دھو کر ان میں مجھے کفن دینا۔ اس لیے کہ نئے کپڑے کی ضرورت مردے سے زیادہ زندہ کو ہوتی ہے۔ آپ کے وصال مبارک کے وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک شعر پڑھا۔ وابیض یستقی الغمام بوجھہ۔ ربیع الیتامٰی ھمنہ لال ارسل سفید چہرے سے بارش طلب کی جاتی ہے وہ جو یتامیٰ کی بہلو اور بیوگان کا سہارا ہے۔

حضرت سیدنا صدیق اکبر کا عقیدہ مبارک :۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ اس شعر کے مصداق تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ ہی ہیں۔ یہ ان کا ادب ہے ورنہ آج تو اکثر علماء اور مشائخ میں حرص ہے کہ سب سے بڑا لقب ان کے نام ہو۔

حکایت :۔ لوگوں نے آپ کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہم کسی حکیم کو بلا لائیں جو آپ کا حال مبارک دیکھے تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ میرے حکیم نے تو مجھے ملاحظہ کر کے فرما دیا ہے کہ فعال لما یرید (البروج 16) ترجمہ کنزالایمان : ہمیشہ جو چاہے کر لینے والا۔

وصیت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ :۔ حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی عیادت کے لیے آپ کے پاس حاضر ہو کر کہا کہ اے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ہمیں کچھ وصیت فرمایئے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے لیے اللہ تعالیٰ دنیا فتح کرنے کو ہے اس لیے اس میں سے تم صرف اپنی بسر اوقات کے مطابق ہی لینا۔ یاد رکھیئے جو شخص نماز فجر ادا کر لیتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی عہد میں ہو جاتا ہے تو کہیں ایسا نہ کر بیٹھنا کہ اللہ تعالیٰ

سے عہد شکنی کر بیٹھو اور یہ عہد شکنی تمہیں دوزخ میں منہ کے بل ڈال دے گی۔

نائب مقرر کرنا:۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب بہت بیمار ہو گئے۔ گھر سے باہر نہ جا سکے تو لوگوں نے کہا کہ آپ اپنا نائب کسی کو بنا دیں تو آپ نے اپنا نائب سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقرر فرمایا۔ آپ کی خدمت عالیہ میں لوگوں نے عرض کیا کہ آپ نے تو اپنا نائب ایک ایسے شخص کو مقرر فرمایا ہے جو تند مزاج اور سخت دل ہے تو اس سلسلے میں آپ رب تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے؟ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ میں خدا تعالیٰ کے حضور عرض کروں گا کہ تیری مخلوق میں سے جو سب سے بہتر تھا' میں نے اسے نائب مقرر کیا ہے۔ آپ نے اس کے بعد سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلوایا۔

حضرت عمر کو نصیحت:۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا کہ میں تمہیں ایک وصیت کرتا ہوں۔ یاد رکھیے جو حقوق اللہ تعالیٰ کے دن میں ہیں' انہیں حق تعالیٰ رات کے وقت قبول نہیں فرماتا۔ اسی طرح کچھ حقوق رات کے وقت میں ہیں' انہیں اللہ تعالیٰ دن کے وقت قبول نہیں کرتا۔ جب تک فرائض ادا نہ کرو' اس وقت تک اللہ تعالیٰ نوافل کو قبول نہیں فرماتا۔ قیامت کے دن جن لوگوں کے اعمال وزنی ہوں گے' ان کی صرف یہی وجہ ہوگی کہ انہوں نے حیات دنیا میں اتباع حق کیا ہوگا اور اسے اپنے اوپر بھاری سمجھا ہوگا۔ جس کے نامہ اعمال میں حق کے سوا کچھ نہ ہو' اسی لائق ہے کہ ان کا وزن زیادہ ہو۔ ہلکے پلے والوں کے وزن قیامت میں ہلکے ہونے کی یہی وجہ ہوگی کہ انہوں نے دنیوی حیات میں باطل کی پیروی کی ہوگی۔ اپنے اوپر انہیں ہلکا ہی سمجھا ہوگا اور جس کے نامہ اعمال کے ترازو میں باطل کے سوا کچھ بھی نہ ہو' اسے ہلکا ہونا ہی زیب دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جنتیوں کے ذکر ان کے اچھے اعمال کے ساتھ کیا ہے اور ان کی برائی بیان کرنے سے درگزر فرمایا ہے۔ تو کہنے والا اس طرح کہتا ہے کہ میں ان لوگوں سے درجات کے لحاظ سے کم ہوں' اس لیے ان کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ دوزخیوں کا ذکر ان کے برے اعمال کے ساتھ کیا ہے۔ انہوں نے جو اچھے عمل بھی کیے' انہیں واپس کر دیئے تو کہنے والا اس طرح کہتا ہے کہ ان لوگوں سے میں افضل ہوں اور رحمت کی آیت مبارک اور عذاب کی آیت مبارکہ کو ذکر فرمایا ہے تاکہ رغبت اور خوف دونوں ہی مومن کو رہیں اور ہلاک و تباہی میں اپنا ہاتھ نہ ڈالیں۔ حق کے سوا اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کی بھی تمنا نہ کرے۔ پس اے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگر تم میری نصیحت کو یاد رکھو گے' تمہارے نزدیک کوئی بھی نظر آنے والی چیز موت سے زیادہ پیاری نہیں ہوگی۔ تم پر موت کا آنا ضروری ہے۔ اگر تم میری وصیت کو بھلا دو گے تو موت سے زیادہ بری چیز غائب چیزوں میں سے کوئی بھی نہ ہوگی حالانکہ اس سے تم بھاگ بھی نہیں سکو گے اور نہ ہی اسے تھکا سکو گے۔

زاد راہ:۔ حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال مبارک کا وقت قریب ہوا تو صحابہ کرام میں سے کچھ لوگ آپ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا یا خلیفہ

الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ کا حال پریشان حالت میں دیکھ رہے ہیں۔ آپ ہمیں زاد راہ آخرت کا عطا فرمائیے۔ سیدنا صدیق اکبر نے ارشاد فرمایا کہ مرتے وقت جو شخص یہ کلمات پڑھ کر فوت ہوگا تو اس کی روح کو اللہ تعالیٰ افق مبین میں مقام عطا فرمائے گا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ افق مبین کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ عرش اعظم کے سامنے ایک میدان ہے۔ اس میدان میں باغ' نہریں' درخت اور پرندے ہیں۔ اسے اللہ تعالیٰ کی سو رحمتیں ہر روز چھپا لیتی ہیں۔ جو شخص ان کلمات کو پڑھ لے گا' اس کی روح کو اللہ تعالیٰ اسی مکان میں رکھے گا۔ کلمات یہ ہیں کہ:۔

اللھم انک ابتدات الخلق من غیر حاجتہ بک ایھیم خم جعلتھم فریقین فریقا للنعیم و فریقا سعیر فا جعلنی للنعیم ولا تجعلنی للسمیر اللھم انک خلقت الخلق وقا ومیزتم قبل ان تخلقھم فجعلت منھم شقیا وسعیدا وغویا ورشیدا فلا تشقی بمعا صیک اللھم انک علت ما تکب کل نفس قبل ان تخلقھا فلا محیص مما علمت فاجعلنی ممن تستعمہ بطاعتک اللھم ان اصلا یشیاء حتی تشاء فاجعل شینک ان شاء مایقربنی الیک اللھم انک قدرت حرکات العباد فلا ینحرک شی الا باذنک فاجعل حرکاتی فی تقواک اللھم انک خلقت الجنتہ والنار وجعلت لکل احد منھا ابلا فاجعلنی من سکان جنتک اللھم انک اردت بقومل الصلال وضیقت بہ صلور بم فاشرح صدری للایمان وزینہ فی قلبی اللھم انک ادبرت الامور وجعلت مصیربا الیک فاحینی بعدالموت جدہ طیبتہ و قرینی الیک زلفی اللھم من اصبح واعلی ثقنہ ورجاء غیرک فانت ثقی ورجانی ولا حول ولا قوۃ الا باللہ ترجمہ "یااللہ تو نے مخلوق کو ابتداء سے بنایا ہے تجھے ان کے بنانے کے لیے کوئی ضرورت نہیں تھی۔ پھر تو نے ان کے دو گروہ بنا دیئے۔ ایک گروہ جنت کے لیے اور ایک گروہ جہنم کے لیے تو مجھے جنت کے گروہ کے لیے کر' دوزخ کے گروہ کے لیے نہ کر۔

یااللہ تو نے مخلوق کے کئی فرقے پیدا فرمائے' اور انہیں پیدائش سے پہلے ہی جدا کر دیا کہ بعضوں کو بدبخت اور بعض کو نیک بخت' غوث اور ہدایت یافتہ بنا دیا۔ پس مجھے اپنی اطاعت سے سعید بنا دے اور اپنی معصیت کے باعث بدبخت نہ بنا۔

یااللہ ہر نفس جو کچھ بھی کماتا ہے' وہ سب کچھ تجھے اس کے پیدا ہونے سے پہلے ہی معلوم ہے۔ تو جو کچھ وہ کرتا ہے' اس سے بچاؤ نہیں۔ پس مجھے ان لوگوں میں سے بنا جن گروہوں سے تو اپنی اطاعت و فرمانبرداری کا کام لیتا ہے۔

یااللہ تیرے چاہنے کے سوا کوئی کچھ بھی نہیں جانتا' اس لیے تو اس امر کی تمنا فرما دے کہ میں ایسی بات پسند کرنے لگوں جو مجھے تیرے قریب کر دے۔

یااللہ تو نے بندوں کی حرکتوں کا اندازہ کیا ہوا ہے کہ کوئی بھی چیز تیرے ارادے کے بغیر حرکت نہیں تو میری حرکات و سکنات کو اپنے تقویٰ میں کر دے۔

یااللہ خیر و شر دونوں کو تو نے ہی پیدا فرمایا ہے اور دونوں کے کرنے والوں کو بھی پیدا فرمایا ہے۔ پس ان دونوں قسموں میں سے جو بہتر ہے' مجھے اس میں کر دے۔

تو نے جنت و دوزخ کو پیدا فرمایا اور ان میں رہنے والے بھی تو نے بنائے تو مجھے اپنی جنت میں رہنے والوں میں بنا دے۔

یااللہ تو نے ایک قوم کو راہ ہدایت دکھانی چاہی تو ان کے سینوں کو تو نے کھول دیا۔ ایک قوم کے لیے تو نے گمراہی چاہی تو ان کے سینوں کو تو نے تنگ بنایا۔

یااللہ تو میرے سینے کو ایمان کے لیے کھول دے اور میرے دل میں ایمان کو اچھا کر دے۔ مجھے کفر' بدکاری اور نافرمانی سے نفرت دلا۔ مجھے نیک چلن لوگوں میں سے بنا دے۔

یااللہ تو نے امور کی تدبیر کی ہے اور ان کا ٹھکانا بھی تو نے اپنی طرف ہی فرمایا۔ پس مجھے موت کے بعد اچھی زندگی سے زندہ فرمانا اور مرتبہ و مقام میں مجھے اپنے نزدیک فرما۔

یااللہ جو شخص اس طرح صبح و شام کرتا ہے کہ اس کا اعتماد اور توقع تیرے علاوہ کسی اور پر ہو تو ہوا کرے (اس سے مجھے کیا) مگر میرا اعتماد اور میری توقع تو تجھ پر ہی ہے۔ ولا حول ولا قوے للا باللہ

اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ تمام مضامین اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہیں۔

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا وصال مبارک :- حضرت عمرو بن میمون رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جس دن صبح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسم مبارک پر زخم ہوا' اس وقت جماعت میں' میں بھی کھڑا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور میرے درمیان صرف حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ جب آپ دو صفوں کے درمیان میں سے گزرتے تھے تو آپ درمیان میں کھڑے ہو جاتے۔ صفوں کی سیدھ میں اگر کمی بیشی دیکھتے تو ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ صفوں میں برابر ہو جاؤ۔ یہاں تک کہ صفوں کے سیدھے ہونے میں کسی قسم کا ٹیڑھا پن اور نقص نہ رہ جاتا تو آپ پھر آگے بڑھتے۔ آپ عموماً پہلی رکعت میں سورہ یوسف یا نحل یا کوئی ایسی صورت پڑھا کرتے تھے تاکہ لوگ جمع ہو جائیں۔ پس آپ نے تکبیر تحریمہ ہی کہی تھی کہ پھر فوراً میں نے سنا کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے کتے نے مار دیا یا کھالیا۔ جب آپ کو ابو لولو نے زخمی کیا۔ آپ پہ کاری ضرب لگانے کے فوراً بعد وہ خبیث کافر دو دھاری چھری لے کر بھاگ اٹھا۔ بھاگتے ہوئے جس کے پاس سے بھی گزرا' دائیں اور بائیں دونوں طرف سے لوگوں کو زخمی کرتا گیا۔ اس نے اس حملے سے تیرہ آدمی زخمی کیے۔ ان زخمیوں سے تو اصحاب فوت ہوئے اور ایک روایت میں ہے کہ اس حملے سے زخمی ہونے والوں میں سے سات نے وفات پائی۔ پس جب ایک مسلمان نے یہ حالت دیکھی تو اس نے بے ایمان پر کپڑا ڈال کر پکڑ لیا۔ اس کافر نے جب دیکھا کہ میں اب پکڑا گیا ہوں' بچ نہیں سکتا تو اس نے اپنے آپ کو ذبح کر دیا۔ وہ قاتل اس طرح واصل جہنم ہوا۔ دوسری طرف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پکڑ کر نماز کے لیے آگے کر دیا کہ نماز

کی جماعت کرائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جو لوگ اس وقت تھے' انہوں نے یہ حال دیکھا۔ باہر کے لوگوں کو اس حال کار کا ابھی تک پتہ نہ چلا' سوائے اس کے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آواز آنا بند ہو گئی اور وہ کہنے لگے کہ سبحان اللہ بہرحال مختصر طور پر نماز حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی اور جب سلام پھیرا تو پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ مجھے کس نے زخمی کیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھوڑی دیر کے لیے غائب ہوئے۔ پھر حاضر ہو کر فرمایا کہ یہ حرکت مغیرہ بن شعبہ کے غلام نے کی ہے۔ آپ نے فرمایا' اسے اللہ تعالیٰ قتل کرے' میں نے تو اس پہ احسان کرنے کا حکم جاری کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے میری موت کسی مسلمان کے ہاتھ سے نہیں کی۔ تم اور تمہارے باپ یہ بات بہت پسند کرتے ہو کہ مدینہ منورہ میں عجمی کافر بہت زیادہ ہوں۔ آپ نے یہ اس لیے کہا کہ حضرت عباس کے پاس غلام بہت زیادہ تھے۔ یہ سن کر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ اگر آپ کی مرضی ہو تو ہم ان تمام غلاموں کو قتل کر دیں۔ انہیں اب قتل کرو گے' جب وہ تمہاری بولی بولنے لگے ہیں۔ (یعنی ان لوگوں نے ایمان قبول کر لیا ہے) تمہارے قبلے کی طرف منہ کر کے نماز بھی پڑھنے لگے ہیں۔ جیسے تم حج کرتے ہو' اسی طرح حج بھی کرنے لگے ہیں۔ غرضیکہ آپ کو مسجد نبوی شریف سے اٹھا کر باہر لایا گیا۔ ہم بھی آپ کے ساتھ تھے۔ لوگوں کا برا حال تھا۔ جیسا کہ آج سے قبل ان پہ مصیبت کبھی نہیں آئی تھی۔ ہر کوئی اپنی اپنی کہہ رہا تھا۔ کوئی کہہ رہا تھا کہ مجھے تو آپ کے وصال کا خوف ہے اور کوئی کہہ رہا تھا نہیں۔ آپ کے وصال کا کوئی خوف نہیں۔

موت و حیات کی کشمکش میں بھی امر بالمعروف و نہی عن المنکر:۔ اتنے میں آپ کی خاطر عرق انگور لایا گیا۔ آپ نے وہ پیا تو وہ پیٹ سے فوراً ہی نکل گیا۔ بعدازاں دودھ لایا گیا تو آپ نے وہ دودھ بھی پی لیا۔ عرق کی طرح دودھ بھی نکل گیا' تب لوگ سمجھ گئے کہ آپ بچ نہیں سکیں گے۔ لوگ آپ کی تعریف بیان کرنے لگے۔ ایک جوان شخص نے آپ کے پاس حاضر ہو کر کہا کہ یا امیر المومنین' اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو خوشخبری ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور دین اسلام میں آپ کو وہ مقام حاصل ہوا جسے آپ جانتے ہی ہیں۔ بعدازاں آپ امیر المومنین مقرر ہوئے' آپ نے عدل و انصاف فرمایا۔ پھر آپ کو مقام شہادت بھی میسر آیا۔ یہ سن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ میرے گزارے کے لائق ہی یہ تمام باتیں بن جائیں تو بہت ہے کہ نہ تو ان کی وجہ سے میرا نقصان (آخرت) ہو اور نہ ہی فائدہ۔ وہ شخص جب وہاں سے جانے لگا تو اس کا پاجامہ زمین کو چھو رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اس لڑکے کو میرے پاس لاؤ۔ وہ شخص جب دوبارہ آپ کے پاس حاضر ہوا تو آپ نے اسے فرمایا کہ اے بھتیجے! اپنا کپڑا اونچا کر لو کہ اس طرح مٹی وغیرہ سے بچا رہے گا اور اللہ تعالیٰ سے تقویٰ و پرہیزگاری کے بھی زیادہ قریب ہے۔

ادائیگی قرض کی وصیت:۔ بعدازاں اپنے صاحبزادے کو ارشاد فرمایا کہ اے عبداللہ دیکھ مجھ پہ کتنا قرض ہے؟

جب قرض کا حساب کتاب کیا گیا تو چھیاسی ہزار یا کچھ کم و بیش قرض نکلا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر ہمارے خاندان کا مال یہ قرضہ پورا کر دے تو پھر اسی سے ہی قرضہ ادا کر دینا۔ اگر پورا قرض ادا نہ ہو سکے تو پھر عدی بن کعب کی اولاد سے مانگ کر قرض ادا کر دینا۔ اگر پھر بھی قرض پورا ادا نہ ہو سکے تو پھر قریش سے لے کر قرض ادا کر دینا۔ قریش کے علاوہ کسی سے نہ مانگنا۔ میری طرف سے یہ قرضہ ادا کر دینا۔

بزرگوں کے قریب دفن ہونے کی خواہش :۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹے کو کہا کہ اب ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس جا کر عرض کر عمر آپ کو سلام عرض کرتا ہے۔ یہ نہ کہنا کہ امیر المومنین کیونکہ میں آج مومنین کا سردار نہیں ہوں۔ حضرت عائشہ کو کہنا کہ عمر اجازت چاہتا ہے' اپنے دونوں ساتھیوں (حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے پاس دفن ہونے کی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس حاضر ہوئے۔ سلام کے بعد اجازت طلب کی۔ ان کے پاس جا کر دیکھا کہ آپ بیٹھی رو رہی تھیں۔ آپ سے کہا کہ حضرت عمر آپ کو سلام عرض کرتے ہیں اور اپنے دونوں دوستوں کے پاس دفن ہونے کی اجازت چاہتے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا یہ جگہ تو میں نے اپنے لیے رکھ چھوڑی تھی مگر آج میں اپنے آپ پہ عمر کو ترجیح دیتی ہوں۔"

حضرت عبداللہ جب واپس حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حاضر ہوئے تو لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عرض کیا کہ عبداللہ حاضر ہیں۔ حضرت عائشہ کے پاس سے واپس آئے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مجھے اٹھاؤ۔ ایک شخص نے آپ کو اپنے سہارے سے بٹھا دیا۔ آپ نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا کہ کیفیت بیان کیجئے' کیا جواب لائے ہو؟ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ کی محبوب بات کو منظور فرما لیا ہے اور اجازت بخش دی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا الحمد للہ۔ اس سے پھر زیادہ ضروری کوئی چیز بھی میرے نزدیک نہیں۔

عقیدہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ :۔ آپ نے فرمایا کہ جب میں فوت ہو جاؤں تو میرا جنازہ لے کر دروازہ اقدس پر پہنچ کر میرا سلام عرض کرنا اور کہنا کہ عمر اجازت چاہتا ہے۔ اگر آپ اجازت بخشیں تو پھر مجھے اندر لے جانا۔ اگر مجھے ہٹا دیں (اجازت نہ ملے) تو پھر عام مسلمانوں کے قبرستان (جنت البقیع) میں لے جا کر دفنا دینا۔ حضرت ام المومنین حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر ہوئیں۔ آپ کو عورت نے ڈھانپ رکھا تھا۔ ہم نے جب آپ کو دیکھا تو وہاں سے ہم ہٹ گئے۔ حضرت حفصہ' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تشریف لائیں۔ تھوڑی دیر حضرت عمر کے پاس روئیں' پھر مردوں نے اجازت طلب کی تو آپ مکان کے اندر تشریف لے گئیں۔ ہم نے آپ کے رونے کی آواز سنی۔

وصیت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ :۔ پھر لوگوں نے عرض کیا کہ یا امیر المومنین ہمیں وصیت فرمائیے۔ کسی کو

اپنا خلیفہ بھی مقرر فرما دیجئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں سے بڑھ کر میں خلافت کے لیے کسی کو بھی مستحق نہیں جانتا جن کا حال یہ ہے کہ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس جہان فانی سے راضی گئے۔ بعدازاں آپ نے حضرت علی المرتضیٰ' حضرت عثمان' حضرت زبیر' حضرت طلحہ' حضرت سعد اور حضرت عبدالرحمن رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اسماء بیان فرمائے اور فرمایا کہ تمہارے پاس عبداللہ ابن عمر بھی حاضر ہو گا مگر اسے خلافت سے کوئی واسطہ نہیں۔ یہ اس لیے ارشاد فرمایا تاکہ عبداللہ ابن عمر کی تسکین ہو جائے۔

پھر ارشاد فرمایا کہ اگر سعد کو خلافت ملے تو ٹھیک نہیں تو جو بھی امیر بنے' اس کی مدد کیا کرنا' اس لیے کہ میں نے اسے عاجزی اور خیانت کی بنا پر معزول نہیں کیا تھا۔ میں اپنے بعد کے ہونے والے خلیفہ کو یہ وصیت کرتا ہوں کہ وہ انصار کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرے کہ پہلے ہجرت کر کے آنے والے لوگوں کی فضیلت کو سمجھے اور ان کی حرمت کی حفاظت فرمائے اور عزت و تعظیم کیا کرے۔ علاوہ ازیں یہ بھی وصیت کرتا ہوں کہ انصار کے ساتھ بھلائی کیا کرے کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں کہ اس جگہ (مدینہ المنورہ) میں اور ایمان میں سب سے پہلے ان لوگوں نے ہی مقام حاصل کیا۔ ان کے محسن (حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے قبول فرمایا کرے اور ان کی برائی کرنے سے درگزر فرمایا کرے۔

اور یہ بھی وصیت کرتا ہوں کہ اردگرد کے شہروالوں سے اچھا سلوک کیا کرے کیونکہ وہ لوگ اسلام کے مددگار اور اموال اکٹھا کرنے والے اور دشمنوں کے جلنے کا سبب ہیں۔ ان لوگوں سے خلیفہ کچھ بھی نہ لیا کرے۔ اس کے علاوہ جو کہ ان کے مالوں سے زیادہ ہو۔ وہ بھی جو کچھ ان سے لے کر انہیں کے مفلسوں میں تقسیم کر دے اور (ہونے والے خلیفہ) کو اس بات کی وصیت کرتا ہوں کہ عہد حق تعالیٰ اور اس کے رسول کے عہد کا لحاظ رکھے اور مسلمانوں سے عہد پورا فرمایا کرے۔ مسلمانوں کی حمایت کے لیے دونوں کے خلاف لوگوں سے جنگ کرے۔ مسلمانوں سے ان کی طاقت سے زیادہ کام ہرگز نہ لے۔

کیفیت جنازہ:- راوی کہتا ہے کہ آپ کی روح پرنور جب خلد بریں کی طرف پرواز کر گئی تو ہم آپ کے جنازہ مبارک کو لے چلے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت مبارک میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا اور بعدازاں عرض کیا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجازت چاہتے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ اندر لے آؤ۔

مختصر یہ کہ آپ کو اندر لے جا کر دونوں دوستوں کے پاس دفن کر دیا۔

تاثرات:- حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ مجھ سے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موت پر اسلام روئے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چارپائی پر لا کر رکھا تو

لوگوں نے آکر جنازے کو گھیر لیا۔ دعا کرتے تھے اور نماز بھی پڑھتے تھے۔ اس سے پہلے کہ جنازہ اٹھایا جائے۔ ان لوگوں میں سے میں بھی تھا۔ اتنے میں ایک شخص نے میرے میرے دونوں مونڈھوں کو پکڑ کر مجھے ڈرا دیا۔ جب میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ انہوں نے حضرت عمر پر رحم کے کلمات کہے اور فرمایا کہ اپنے بعد تم نے کسی کو بھی ایسا نہیں چھوڑا کہ اس کے عمل جیسا عمل کر کے مجھے مرنا زیادہ محبوب ہو۔ صرف تیری ذات ہی ایک ایسی ذات تھی کہ جس کے عمل جیسا عمل کر کے مجھے اللہ تعالیٰ سے ملنا اچھا لگتا ہے۔ اللہ کی قسم مجھے غالب گمان یہ تھا کہ تمہیں اللہ تعالیٰ تمہارے دونوں دوستوں کے ساتھ اکٹھا کر دے گا کیونکہ وجہ یہ تھی کہ میں عموماً نبی کریم رؤف الرحیم سے سنتا تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں اور ابوبکر اور عمر گئے اور میں اور ابوبکر اور عمر نکلے اور میں اور ابوبکر اور عمر۔ آپ جب ہر بات میں اسی طرح ہی ارشاد فرمایا کرتے تھے تو مجھے توقع اور غالب گمان (یقین) یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے دونوں دوستوں کے ساتھ اکٹھا کر دے گا۔

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا وصال مبارک :۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال مبارک کے بارے میں ایک حدیث شریف مشہور ہے کہ حضرت عبداللہ سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھرے ہوئے' اس وقت میں آپ کی خدمت میں سلام کی غرض سے حاضر ہوا۔ میں ان کے پاس اندر گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ بھائی اچھا ہوا کہ تم بھی تشریف لے آئے ہو۔ آج رات میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے کہ اس روشن دان میں سے آپ ارشاد فرما رہے ہیں کہ اے عثمان! تجھے لوگوں نے گھیر لیا ہے۔ میں نے عرض کیا' ہاں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تجھے پیاسا رکھا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ ہاں' اس کے بعد آپ نے ایک ڈول پانی کا لٹکا دیا۔ اس ڈول میں سے میں نے خوب سیر ہو کر پانی پیا۔ اتنا سیر ہو کر پانی پیا کہ اس پانی کی ٹھنڈک میں اپنی چھاتی اور مونڈھوں میں بھی پا رہا ہوں اور مزید ارشاد فرمایا کہ اگر تو پسند کرے تو تجھے مدد مل جائے اور تو ان پر غالب ہو جائے اور چاہے تو ہمارے ہاں افطاری کر۔ پس میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس افطار کرنے کو پسند کیا۔ پس اسی روز آپ کی شہادت ہوئی۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان لوگوں سے دریافت فرمایا جن لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زخمی ہونے پر خون میں تڑپتے ہوئے دیکھا تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خون میں تڑپتے ہوئے کیا ارشاد فرمایا تھا۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم نے سنا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس طرح فرما رہے تھے کہ "یا اللہ! امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اکٹھا کر دے۔" آپ نے یہ جملہ تین بار دہرایا۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ اللہ کی قسم' آپ اگر یہ دعا فرماتے کہ ان میں کبھی اتفاق نہ ہو تو قیامت تک مسلمانوں میں اتفاق نہ ہو سکتا۔

حضرت ثمامہ بن حزن قشیری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس وقت مکان کے اوپر سے لوگوں کی طرف دیکھا تو اس وقت میں بھی موجود تھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کو تم

میرے پاس لاؤ جنہوں نے تمہیں یہاں کھڑا کیا ہے۔ وہ دونوں آدمی بلا کر لائے گئے تو وہ اس طرح لائے گئے جس طرح کہ دو اونٹ یا دو گدھے آتے ہیں۔ ان کی طرف دیکھ کر حضرت عثمان نے فرمایا کہ میں تمہیں اللہ اور اسلام کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم جانتے ہو کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لائے' اس وقت مدینہ منورہ میں رومہ کے کنویں کے علاوہ کہیں بھی میٹھا پانی نہیں تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اس کنویں کو خرید کر اپنا ڈول مسلمانوں کے ڈول کے ساتھ اس کنویں میں ڈال دے اور اس سے بہتر جنت میں حاصل کرے۔ پس اسے میں نے خریدا۔ آج تم مجھے ہی پانی نہیں پینے دیتے اور نہ ہی دریا کا پانی پینے دیتے ہو۔ لوگوں نے کہا کہ یہ بات تو ٹھیک ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا میں تم سے قسم دیتے ہوئے پوچھتا ہوں کہ کیا تم جانتے ہو کہ غریب لشکر کو میں نے سامان حرب دیا تھا۔ لوگوں نے جواب دیا کہ ہاں تم نے دیا تھا۔ پھر آپ نے فرمایا میں "قسم تم سے دریافت کرتا ہوں کہ مسجد میں نمازیوں کی وجہ سے تنگی ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی ہے جو فلاں کی زمین خرید کر مسجد میں توسیع کر دے تو وہ جنت میں اس سے بہت بہتر حاصل کرے گا تو میں نے ہی اسے خریدا۔ آج وہیں تم مجھے دو رکعت نماز پڑھنے سے بھی روکتے ہو۔ لوگوں نے جواب دیا' ہاں یہ بھی درست ہے۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ "قسم تم سے' میں پوچھتا ہوں کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جبل ثبیر پہ تشریف فرما تھے۔ حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور میں بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ اتنے میں پہاڑ متحرک ہوا یہاں تک کہ اس کے پتھر بھی نیچے گر پڑے تو آپ نے اسے ٹھوکر ماری اور ارشاد فرمایا کہ اے ثبیر ٹھہر جا کہ تجھ پر ایک نبی' ایک صدیق اور دو شہداء تشریف فرما ہیں۔ لوگوں نے جواب دیا کہ آپ نے صحیح فرمایا ہے تو پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ اکبر۔ رب کعبہ کی قسم۔ ان لوگوں نے میری گواہی دیدی' میں بلاشبہ شہید ہوں اور ایک شیخ ضبہ میں سے راوی ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جس وقت زخمی کیا گیا۔ آپ ریش مبارک پر خون بہہ رہا تھا تو اس وقت آپ ارشاد فرما رہے تھے کہ لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین (الانبیاء 27) ترجمہ کنزالایمان: معبود نہیں سوا تیرے پاکی ہے تجھ کو بے شک مجھ سے بے جا ہوا۔

سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا وصال مبارک:- اصبغ حنظلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب وہ رات ہوئی کہ جس کی صبح کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ زخمی ہوئے' آپ لیٹے ہوئے آرام فرما رہے تھے۔ ابن تیاح نماز فجر کے وقت آپ کے پاس حاضر ہوا اور نماز فجر کے لیے عرض کیا۔ آپ نے ذرا دیر کی اور آرام فرماتے ہوئے لیٹے رہے۔ پھر دوبارہ وہ آیا تو آپ پھر بھی آرام کرتے ہوئے لیٹے رہے۔ آپ نے مزید دیر کر دی۔ جب وہ تیسری بار آیا تو اٹھ کر تشریف لے گئے۔ آپ ایک قطعہ مبارک پڑھ رہے تھے اشدد حیاز یملک الموت فان الموت لا قیکا ولا تجزع من الموت اذا حل بواد یکا "کمر باندھ ملک الموت کے لیے کیونکہ موت تیری ملاقات کو آئے گی اور موت سے مت گھبرا جب وہ تیری وادی میں آئے۔"

جب آپ چھوٹے دروازے کے نزدیک پہنچے تو خبیث ابن ملجم نے آپ پر حملہ کر دیا۔ آپ کی صاحبزادی حضرت

ام کلثوم باہر نکلیں اور کہنے لگیں۔ صبح کی نماز کو کیا ہوا ہے کہ میرے خاوند حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اسی نماز میں ہی شہید ہوئے اور میرے والد ماجد بھی اسی نماز میں ہی شہید ہوئے۔ ایک بوڑھا راوی قریش کا روایت کرتا ہے کہ ابن ملجم لعین نے جب حضرت علی کرم اللہ وجہ کو زخمی کر دیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے رب کعبہ کی قسم' مجھے میرا مطلب حاصل ہو گیا۔"

حضرت محمد بن علی فرماتے ہیں کہ آپ جب زخمی ہوئے تو اپنے بیٹوں کو وصیت کی اور پھر وصال فرمانے تک لا الہ الا اللہ کے سوا کچھ بھی زبان پر نہ لائے۔ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب موت کے قریب ہوئے تو حضرت امام حسین عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا' بھائی جان تم کیوں گھبراتے ہو۔ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور علی ابن ابی طالب سے ملاقات کرو گے۔ وہ دونوں ہی تمہارے باپ ہیں۔ حضرت خدیجہ بنت خویلد اور حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات کا شرف حاصل کرو گے۔ وہ دونوں ہی تمہاری مائیں ہیں اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شرف ملاقات حاصل کرو گے' وہ دونوں ہی آپ کے چچا ہیں۔

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ بھائی جان میں ان سے اس طرح ملاقات کروں گا کہ ان سے اس حالت میں کبھی نہیں ملا۔ حضرت محمد بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب امام عالی مقام حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لوگوں نے گھیرا اور آپ کو یقین ہو گیا کہ یہ لوگ مجھے شہید کر دیں گے تو آپ نے دوستوں میں کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا۔ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان فرمائی۔ بعد ازیں فرمایا کہ یہ جو کچھ بھی ہو رہا ہے' تم اسے دیکھ رہے ہو۔ ساری دنیا ہی بدل گئی ہے اور اجنبی ہو گئی ہے۔ سلوک نے بھی منہ موڑ لیا ہے۔ دنیا اتنی کم رہ گئی ہے جتنی کہ برتن میں پانی کی تری تو اب ایسی ناگوار زندگی سے تو مجھے موت ہی پسند ہے۔ کیا تم دیکھ نہیں رہے ہو کہ عمل حق بات پہ کرنا اور باطل سے بچنا محض اس لیے ہے کہ مومن اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی رغبت کرے اور مجھے تو سعادت موت ہی معلوم ہوتی ہے۔ زندگی ان ظالموں کے ساتھ یکجا ہو کر گزارنا محرومی سمجھتا ہوں۔

بوقت وفات خلفاء و امراء و صالحین کے اقوال :- جب امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کا وقت قریب ہوا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے بٹھلا دیجئے۔ آپ کو لوگوں نے بٹھا دیا۔ آپ نے اللہ جل جلالہ کی تسبیح اور اللہ کا ذکر کرنا شروع کر دیا۔ بعد ازاں روتے ہوئے کہا۔ اے معاویہ! تجھے بڑھاپے اور ٹوٹ پھوٹ کے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کا خیال آیا ہے۔ اللہ کو یاد کرنے کا یعنی اس کا ذکر کرنے کا بہترین وقت تو جوانی کے دور میں تھا۔ اتنا کہا اور زیادہ رونے لگے حتیٰ کہ آپ کے رونے کی آواز بلند ہو گئی اور پھر عرض کیا۔ یا اللہ! اس کم بخت اور سخت دل بوڑھے پر رحم فرما دے۔ یا اللہ! میری لغزشوں سے درگزر فرما اور میری خطائیں معاف فرما۔ اپنی بردباری سے اس اپنے بندے کو اپنی طرف کھینچ لے جو تیرا بندہ تیرے علاوہ کسی سے بھی توقع نہیں رکھتا اور نہ ہی تیرے سوا کسی پر اعتماد کرتا

ہے۔

قریش میں سے ایک بوڑھا شخص بیان کرتا ہے کہ میں بھی ان کے مرض موت کے وقت لوگوں کے ساتھ امیر معاویہ کے پاس گیا۔ ان کے بدن پر لوگوں نے جھریاں دیکھیں تو آپ نے پہلے حمد و ثنا بیان کی' پھر ارشاد فرمایا کہ دنیا ساری کی ساری وہی ہے جسے ہم نے آزما بھی لیا ہے اور دیکھ بھی چکے ہیں۔ جان لو ہماری مالداری اور عیش و عشرت سے لذت پانے کی وجہ سے دنیا کی چہل پہل ہمارے سامنے ہوئی اور یہ سب کچھ بھی جمی ہی نہ تھی کہ اسے ہر حال میں دنیا نے توڑ پھوڑ ڈالا اور بعد ازاں رسی کاٹ دی۔ اب دنیا اس طرح بن گئی ہے کہ ہمیں کھوکھنڈا پیچھے ہی چھوڑ کر چلتی بنی ہے اور الٹا اب ہمیں برا بھلا کہنے لگی ہے۔ پس ایسے گھر پر لعنت ہے اور ایسی دنیا پر تھوک ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا آخری خطبہ :- روایت میں ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آخری خطبہ یہ پڑھا کہ اے لوگو! جو کوئی جو کچھ بیجتا ہے' وہی کچھ کاٹتا ہے۔ میں تمہارا حاکم تھا' میرے بعد جو حاکم تمہارا ہوگا' وہ مجھ سے بھی برا ہوگا۔ جس طرح مجھ سے پہلے حاکم مجھ سے اچھے تھے اور اے یزید! جب میری وفات ہو جائے تو مجھے کسی ہوشیار' عقلمند آدمی سے غسل دلوانا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عقلمند کا ایک بہت بڑا مقام ہے۔ اس سے کہنا کہ اچھی طرح غسل دے اور اللہ اکبر کہے۔ پھر دیکھنا کہ ایک رومال خزانے میں رکھا ہوا ہے۔ اس رومال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں میں سے ایک رومال ہے اور چند آپ کے بالوں کے ریزے مبارک ہیں اور آپ کے ناخنوں کے چند ٹکڑے بھی رکھے ہوئے ہیں تو وہ ریزے لے کر میری ناک' منہ' کان اور آنکھ میں رکھ دینا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے مبارک کو میرے بدن پر کفن کے اندر رکھ دینا۔

اے یزید! اپنے ماں باپ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ذیشان یاد رکھنا اور جب تم مجھے میرے کفن میں لپیٹ چکو اور مجھے قبر میں رکھ چکو تو معاویہ کو اور ارحم الراحمین کو اکیلا چھوڑ دینا اور حضرت محمد بن عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر موت کا وقت قریب آپہنچا تو اس وقت وہ فرمانے لگے کتنی اچھی بات ہوتی کہ میں قریش میں سے ایک بھوکا شخص ہوتا اور امر خلافت میں سے کسی چیز کا مالک نہ ہوتا۔

عبدالملک بن مروان :- عبدالملک بن مروان کی موت کا وقت جب قریب آپہنچا تو اس نے ایک دھوبی کو دیکھا۔ اس حالت میں کہ وہ دھوبی اپنے ہاتھ میں کپڑے لپیٹ کر پٹڑے پر مار رہا تھا۔ عبدالمالک نے کہا بخدا کیا خوب ہوتا جو میں بھی ایک دھوبی ہی ہوتا اور ہر روز اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتا۔ دنیوی معاملات میں سے کسی کا بھی والی نہ ہوتا۔ جب یہی بات حضرت ابو حازم رحمتہ اللہ علیہ نے سنی تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ان حکمرانوں کو ایسا بنایا ہے کہ وہ مرنے کے وقت ہمارے حال جیسے حال کی تمنا کرتے ہیں۔ حالانکہ جب ہمیں موت آتی ہے تو ہم ان کے احوال جیسی خواہش نہیں کرتے۔ عبدالمالک رحمتہ اللہ علیہ سے کسی نے مرض موت میں دریافت کیا کہ اپنے آپ کو تم کیسا پا رہے ہو؟

عبدالمالک رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اپنے آپ کو میں اس حال میں پاتا ہوں جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ولقد جئتمونا فرادی کما خلقناکم اول مرۃ وترکتم ما خولنکم وراء ظھورکم (الانعام 94) ترجمہ کنزالایمان: اور بے شک تم ہمارے پاس اکیلے آئے جیسا ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور پیٹھ پیچھے چھوڑ آئے جو مال و متاع ہم نے تمہیں دیا تھا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز:- فاطمہ بنت عبدالمالک جو کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ کی زوجہ محترمہ تھیں۔ آپ فرماتی ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ اپنے مرض وصال میں یہ دعا مانگا کرتے تھے کہ یااللہ لوگوں پہ میری موت کی ایک گھڑی بھی ظاہر نہ کرنا۔ پس آپ نے جس دن وصال فرمایا۔ ان کے پاس سے اٹھ کر میں ایک دوسرے گھر چلی گئی۔ میرے اور آپ کے درمیان صرف ایک دروازہ ہی تھا۔ آپ اپنے برج میں رہے۔ میں سن رہی تھی کہ آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی تلک الدار الاخرۃ نجعلھا للذین لا یریدون علوا فی الارض ولا فسادا والعاقبۃ للمتقین (القصص 83) ترجمہ کنزالایمان: یہ آخرت کا گھر ہم ان کے لئے کرتے ہیں جو زمین میں تکبر نہیں چاہتے اور نہ فساد اور عاقبت پرہیزگاروں ہی کی ہے۔

پھر آپ نے خاموشی اختیار فرمائی۔ جب مجھے آپ کی آواز یا آہٹ نہ معلوم ہوئی تو میں نے وصیف کے ایک غلام کو بھیجا کہ جا کر دیکھنا' کیا آرام فرما رہے ہیں۔ وہ غلام جب آپ کے پاس پہنچا تو وہ چیخ اٹھا۔ میں فوراً دوڑی' میرے پہنچنے سے قبل ہی آپ وصال فرما چکے تھے۔ الغرض اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائیں کہ کچھ دیر تک آپ کی موت ظاہر نہ ہوئی۔ آپ سے مرنے سے کچھ دیر پہلے کسی نے پوچھا کہ یا امیر المومنین' ہمیں کچھ وصیت کیجئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا' میں تمہیں اپنے اس حال سے ڈراتا ہوں کہ تم نے بھی ایک دن اسی طرح ہونا ہے۔ (یعنی تم نے بھی ایک دن مرنا ہے)

حکایت:- منقول ہے کہ آپ جس وقت سخت بیمار ہوئے تو آپ کے لیے ایک طبیب کو بلایا گیا۔ آپ کا حال مبارک دیکھ کر اس طبیب نے کہا کہ آپ کو زہر دیا گیا ہے۔ میں انہیں مرنے سے بچا نہیں سکتا۔ آپ نے اپنی آنکھ مبارک کھول کر طبیب کو فرمایا کہ جسے زہر نہیں دیا جاتا' تم اسے بھی تو نہیں بچا سکتے۔ طبیب نے دریافت کیا کہ تمہیں زہر کا اثر معلوم ہوا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ میرے پیٹ میں جس وقت زہر داخل ہوا تھا' اس وقت مجھے تو معلوم ہو گیا تھا۔

طبیب نے کہا کہ پھر آپ علاج کریں ورنہ مجھے آپ کی جان جاتی رہنے کا خوف ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا' میری جان پروردگار کے پاس جائے گی۔ یہی مقام تمام جگہوں سے بہتر ہے۔ بخدا کہ اگر مجھے یہ بات معلوم ہو بھی جاتی کہ میری شفا میرے کان کی لو کے پاس موجود ہے تو میں پھر بھی اپنا ہاتھ کان تک اٹھا کر اسے نہ حاصل کرتا۔ یااللہ عمر کے لیے اپنی ملاقات میں خیر کر۔ بعدازیں آپ تھوڑے ہی دنوں میں وصال فرما گئے۔

روایت ہے کہ جب وصال کا وقت قریب ہوا تو آپ روئے۔ کسی نے آپ سے آپ کے رونے کا سبب پوچھا کہ یا امیر المومنین! آپ کے رونے کا کیا مقام ہے؟ آپ کو تو خوشخبری ہونی چاہیے کہ آپ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بہت سی سنتوں کو زندہ فرمایا ہے اور عدل و انصاف ظاہر فرمایا ہے۔ آپ نے رو کر کہا کہ کیا محشر کے دن مجھے کھڑا نہیں کیا جائے گا؟ کیا مجھ سے مخلوق کے بارے میں سوال نہ کیا جائے گا؟ بخدا اگر میں عدل و انصاف کے تمام تقاضے پورے بھی کر لیتا تو پھر بھی مجھے اپنے نفس سے یہ ڈر تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی حجت پیش نہیں کر سکے گا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی اسے تعلیم سے نواز دے اور جس صورت میں عدل کما حقہ نہ کر سکے بلکہ عدل تلف ہو گیا ہے' اس لیے اس بارے میں بڑا مقام خوف ہے۔ یہ کہہ کر آپ بہت روئے۔ بعد ازاں تھوڑا ہی عرصہ زندہ رہے۔ منقول ہے کہ وصال کے وقت آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے بٹھلا دیجئے۔ لوگوں نے آپ کو بٹھا دیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ الٰہی میں وہ شخص ہوں کہ تو نے مجھے حکم دیا' میں نے اسے کما حقہ بجانے میں کوتاہی کی۔ تو نے منع فرمایا تو میں پھر بھی نہ مانا۔ آپ نے تین بار یہی جملے دہرا کر کہا لیکن لا الٰہ الا اللہ (اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں) لیکن یعنی میں نے توحید میں ذرہ بھر بھی کوتاہی نہیں کی ہے۔

پھر آپ نے اوپر سر اٹھا کر تیز نظروں سے دیکھا۔ لوگوں نے آپ سے اس کی وجہ پوچھی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں کچھ آدمیوں کو یہاں دیکھ رہا ہوں حالانکہ وہ نہ تو آدمی ہیں اور نہ ہی جن۔ اس کے بعد آپ فوت ہو گئے۔

خلیفہ ہارون الرشید:۔ خلیفہ ہارون الرشید کے حالات کے بارے میں لکھتے ہیں کہ آپ نے فوت ہونے کے وقت اپنا کفن اپنے ہاتھ سے علیحدہ کیا اور اپنے کفن کو دیکھ کر فرماتے تھے کہ ما اغنی مالیہ ملک سلطانیہ "مال میرے کسی بھی کام نہ آیا۔ مجھ سے میری حکومت کھپ گئی۔"

مختلف احوال:۔ مامون الرشید راکھ بچھا کر اس پر لیٹ گئے اور کہنے لگے' اے وہ جس کی بادشاہت کبھی بھی ختم نہ ہو گی تو اس شخص پر رحم فرما جس کی سلطنت ختم ہو گئی۔

معتصم باللہ مرنے کے وقت کہنے لگے کہ اگر میں جانتا کہ میری زندگی تھوڑی ہے تو پھر میں وہ کچھ نہ کرتا جو کچھ اپنی زندگی میں کیا۔

منتصر اپنی موت کے وقت بڑا پریشان تھا۔ لوگوں نے کہا کہ تمہیں کوئی خطرہ نہیں' گھبرایئے نہیں۔ کہا کہ اتنا ہی ہے کہ دنیا گئی اور اب آخرت آپہنچی ہے۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹوں سے موت کے وقت صندوقوں کو دیکھا تو کہا' ان صندوقوں اور ان کے سامان کو کون لے گا۔ کاش کہ ان صندوقوں میں مینگنیاں ہوتیں۔

حجاج بن یوسف نے مرتے وقت کہا۔ "یا اللہ! تو میری مغفرت فرما کہ لوگ اس طرح کہتے ہیں کہ تو میری مغفرت نہیں کرے گا۔"

حجاج کی تقریر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ کو اچھی معلوم ہوئی تھی اور اس پر غبطہ فرمایا کرتے تھے۔ یہ حال جب حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کو کہا گیا تو آپ نے فرمایا کہ کیا اسی طرح حجاج نے کہا تھا؟ لوگوں نے عرض کیا" ہاں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تو کیا تعجب کہ اللہ تعالیٰ اس کے حال پر رحم کر دے۔

اقوال اسلاف صالحین :۔ اب صحابہ کرام' تابعین' تبع تابعین اور صوفیہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے خاص خاص بزرگوں کے اقوال تحریر کیے جاتے ہیں۔

حضرت سیدنا معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ :۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کا وقت جب قریب ہوا تو آپ نے فرمایا۔ "یااللہ! میں تجھ سے ڈرتا تھا اور آج میں تجھ سے امید رکھتا ہوں۔ یااللہ! تو سب کچھ جانتا ہے کہ میں دنیا اور دنیا میں جینے کو محض اس لیے پسند نہیں کرتا تھا کہ میں نہریں جاری کروں یا درخت لگاؤں بلکہ موسم گرما کے دوپہر کے وقت میں پیاسا رہنے اور فرمانے کی تکالیف سہنے اور حلقہ ہائے ذکر میں علمائے کرام کے پاس دو زانو ہو کر بیٹھنے کو پسند کرتا ہوں۔"

آپ پر جب جان کنی کی سختی ہوئی اور ایسی سختی کہ شاید ایسی سختی کسی پر نہ ہوئی ہو۔ آپ بے ہوش ہو گئے' جب آپ کو بے ہوشی سے کچھ افاقہ ہوتا تھا' آپ فوراً آنکھیں کھول دیتے اور فرمایا کرتے تھے کہ یااللہ! تو جتنا چاہتا ہے' اتنا ہی میرا گلا گھونٹ لے' مجھے تیری عزت و جلال کی قسم ہے میرا دل تیرے ساتھ محبت رکھتا ہے۔

حضرت سیدنا سلمان فارسی :۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب سفر آخرت کے لیے تیاری کی تو آپ نے گریہ زاری کی۔ آپ سے لوگوں نے اس وقت رونے کا سبب پوچھا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں دنیوی اضطراب کی وجہ سے نہیں رویا بلکہ (اس کی حقیقت یہ ہے کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے وعدہ لیا تھا کہ دنیا کا سامان (زاد) دنیا میں ہمارے پاس اتنا ہونا چاہیے جتنا کہ کسی مسافر کے پاس سفر کا سامان ہوتا ہے۔ آپ کی وفات جب ہوئی' اس وقت جو کچھ آپ نے ترکہ چھوڑا تھا۔ جب اسے دیکھا گیا تو اس سارے سامان کی قیمت چند اوپر دس درہم (چار روپیہ) کے قریب تھی۔

حضرت سیدنا بلال :۔ موت کی اذان کی صدا جب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کانوں تک پہنچی تو آپ کی زوجہ محترمہ نے آپ کو کہا کہ ہائے یہ کیسا غم ہے؟ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ (غم) نہیں ہے بلکہ واہ کتنی خوشی ہے کہ کل ہم اپنے دوستوں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی جماعت سے شرف ملاقات حاصل کریں گے۔

حضرت سیدنا عبداللہ بن مبارک :۔ منقول ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ وصال کے وقت آنکھیں کھول کر مسکرا اٹھے اور ارشاد فرمایا لمثل ھذا فلیعمل العاملون (الصفت 61) ترجمہ کنزالایمان : ایسی

ہی بات کے لئے کامیوں کو کام کرنا چاہئے۔

حضرت ابراہیم نخعی رحمتہ اللہ علیہ :- آپ کے قریب جب موت ہوئی تو آپ رو پڑے۔ جب آپ سے لوگوں نے اس رونے کی وجہ پوچھی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں تو اللہ تعالیٰ کے قاصد کا انتظار کر رہا ہوں کہ وہ مجھے جنت کی بشارت دیتا ہے یا دوزخ کی۔

حضرت ابن منکدر رحمتہ اللہ علیہ :- آپ کے وصال کا وقت جب قریب ہوا تو آپ رو پڑے۔ جب آپ سے رونے کا سبب پوچھا گیا تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ میں کسی بھی ایسے گناہ کی وجہ سے نہیں رو رہا کہ جس کے ارتکاب کا مجھے یقین ہو بلکہ خوف تو مجھے محض اس بات کا ہے کہ کہیں نے کوئی ایسا کام نہ کرلیا ہو کہ اسے میں نے اپنے خیال کے مطابق معمولی سمجھ کر کرلیا ہو حالانکہ وہی کام اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا ہو۔

حضرت عامر بن عبدالقیس رحمتہ اللہ علیہ :- آپ کی وفات کا وقت قریب پہنچا تو آپ رو پڑے۔ آپ سے دریافت کیا گیا کہ تم کیوں روتے ہو؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ نہ تو میں موت سے گھبرا کر رویا ہوں اور نہ ہی دنیا پر لالچی ہو کر بلکہ (اس رونے کی اصل وجہ) میں تو اس چیز کے لیے روتا ہوں جو اب مجھ سے چھوٹ جائے گی یعنی (گرمیوں کے موسم میں) دوپہر کی شدید پیاس اور سردیوں کی راتوں میں رات کو جاگنا۔

حضرت فضیل رحمتہ اللہ علیہ :- آپ کے وصال کا وقت جب قریب ہوا تو آپ پہ بے ہوشی کا دورہ پڑا۔ پھر آنکھیں کھول کر ارشاد فرمایا کہ افسوس کہ سفر تو اتنا بڑا (اس کے مقابل) توشہ میرے پاس اتنا تھوڑا سا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمتہ اللہ علیہ کی وفات کا وقت جب نزدیک آپہنچا تو آپ نے اپنے غلام نصر کو ارشاد فرمایا کہ تو میرا سر مٹی پر رکھ دے۔ یہ سن کر نصر رونے لگا۔ آپ نے اپنے غلام سے پوچھا کہ تو کیوں روتا ہے تو اس غلام نے عرض کیا کہ مجھے آپ کی آسائش اور عیش یاد آرہی ہے جبکہ اب آپ فقیر اور محتاج بن کر مر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ خاموشی اختیار کر۔ اللہ تعالیٰ سے میں نے دعا کی تھی کہ میری زندگی مالداروں جیسی کرے اور مجھے موت فقیروں جیسی عطا فرمائے۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ میرے سامنے تلقین کے طور پر کلمہ شریف پڑھنا مگر جب تک کوئی دوسری بات میری زبان سے ادا نہ ہو' اس وقت تک دوسری بار نہ کہنا۔

حضرت عطا بن یسار رحمتہ اللہ علیہ :- آپ فرماتے ہیں کہ مرنے کے وقت ایک شخص کے پاس شیطان نے ظاہر ہو کر اسے کہا کہ بچ گئے ہو؟ جواباً اس نے کہا کہ میں ابھی تک تجھ سے محفوظ نہیں ہوں۔

فائدہ :- بعض اکابر بزرگوں کی وفات کا وقت قریب ہوا تو وہ رو پڑے۔ ان سے لوگوں نے جب رونے کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ قرآن مجید کی ایک آیت مبارکہ رلاتی ہے۔ انما یتقبل اللہ من المتقین (المائدہ 27) ترجمہ کنزالایمان: اللہ اسی سے قبول کرتا ہے جسے ڈر ہے۔

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ :- ایک شخص کے پاس تشریف فرما ہوئے کہ اس پر نزع کی کیفیت طاری تھی- فرمایا کہ ابتداء جس کام کی یہ ہے' اس کی انتہاء سے ڈرنا چاہیے اور انتہاء جب کی یہ ہو' اس کی ابتداء کو چھوڑ دینا ہی مناسب ہے-

حضرت جریری رحمتہ اللہ علیہ :- فرماتے ہیں کہ حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ پر جب نزع کا وقت تھا تو میں ان کے پاس حاضر تھا- وہ دن جمعہ اور نو روز سال تھا- آپ قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے کہ اسی حالت میں ہی قرآن مجید مکمل تلاوت کر لیا- میں نے عرض کیا کہ آپ نے اسی حالت میں ختم کیا ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ میرے شروع کیے ہوئے کو مکمل کرنے کا مجھ سے زیادہ مستحق دوسرا کون تھا کہ اس وقت میرے نامہ اعمال لپیٹ لیے گئے ہوتے-

حضرت اویم رحمتہ اللہ علیہ :- آپ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابو سعید خراز رحمتہ اللہ علیہ کے وصال کے وقت وہیں حاضر تھا کہ آپ چند اشعار پڑھنے میں مشغول تھے-

حسنین قلوب العارفین الی الذکر وتذکارھم وقت المناجاۃ للسر "عارفین کے قلوب کی چیخ و پکار ذکر کے وقت اور خفیہ وقت ان کا ذکر کرنا-"

ادیرت کؤس للمنایا علیھم- فاغفوا عن الدنیا کا غفا ذی الشکر "ان پر موت کے پیالے گھومتے ہیں اور وہ دنیا سے بالکل بے خبر ہو گئے-"

ھمو مھموا جوالنہ بمعسکر بہ ابل و داللہ کالانجم الزھر "ان کے اجسام دنیا میں حب الٰہی سے شہید ہوئے اور ان کی ارواح بلندیوں کی طرف چھپ گئیں-"

فاحب مھم فی الارض قتلی بحبہ- وارواھم فی الحجب غوا العلاتسری "انہوں نے صرف قرب حبیب میں رات گزاری اور انہیں نہ کسی شے کا خوف ہے اور نہ ضرر سے تکلیف-"

فما عرسوا الا بقرب حبیبم- وما عرجوامن بوس والاخر

حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ :- آپ سے کہا گیا کہ حضرت ابو سعید خراز رحمتہ اللہ علیہ پہ فوتگی کے وقت بے خودی بہت طاری تھی-'آپ نے ارشاد فرمایا کہ آپ کی روح مبارک محض اشتیاق کی وجہ سے ہی پرواز کر جاتی تو پھر بھی یہ تعجب کی بات نہیں تھی-

حضرت ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ :- آپ سے پوچھا گیا کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میری یہ خواہش ہے کہ میں مرنے سے ایک لحظہ پہلے اسے پہچان لوں-

کسی بزرگ سے عالم نزع میں کسی نے کہا "فرمایئے اللہ-" اس بزرگ نے ارشاد فرمایا کہ کب تک تم یہی کہتے

رہو گے' میں تو اسی اسم ذات سے ہی چلا جا رہا ہوں۔

حکایت :۔ بعض اکابرین فرماتے ہیں کہ میں حضرت ممشاد دینوری رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھا کہ اسی دوران ایک فقیر آیا۔ السلام علیکم کہہ کر دریافت کیا کہ یہاں کوئی صاف ستھری جگہ ہے جس جگہ آدمی فوت ہو سکے۔ اسے لوگوں نے ایک جگہ کے بارے میں بتایا کہ وہ جگہ پانی کے کنارے پر تھی۔ اس فقیر نے نیا وضو کیا۔ چند رکعتیں (نوافل) ادا فرمائے۔ بعد ازاں اس مقام پر پہنچ کر پاؤں پھیلا کر فوت ہو گئے۔

حکایت :۔ حضرت ابوالعباس دینوری رحمتہ اللہ علیہ اپنی مجلس مبارک میں کچھ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک عورت پر وجد طاری ہو گیا اور اس نے ایک چیخ ماری۔ آپ نے اسے فرمایا کہ "مرجا" وہ عورت وہاں سے اٹھی۔ دروازے پر پہنچ کر آپ کی طرف پلٹ کر دیکھا اور کہا "لیجیے میں مر گئی۔" یہ کہتے ہی وہ عورت مر گئی۔

حضرت ابو علی روز باری رحمتہ اللہ علیہ کی بہن فاطمہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتی ہیں کہ میرے بھائی کی فوتگی کا جب وقت قریب ہوا تو اس وقت میری گود میں ان کا سر تھا۔ آنکھیں کھول کر انہوں نے ارشاد فرمایا کہ یہ آسمانی دروازے کھل گئے ہیں۔ جنتیں سجا دی گئی ہیں اور یہ ایک منادی فرما رہا ہے کہ اے علی ہم نے آپ کو بہت بڑے مقام پر پہنچا دیا ہے' خواہ تیرا ارادہ نہ بھی ہو' پھر آپ نے ایک قطعہ پڑھا۔

وحقک لا نظرت الی سواک۔ بعین مودۃ حتی اراکا "مجھے تیرے حق کی قسم میں نے تیرے سوا کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ عین محبت سے دیکھا تو صرف تجھے دیکھا۔"

اراک معذبی بفتور لحظ وبالحنا المدرد من حیاء "میں تجھے دیکھ رہا ہوں کہ تو مجھے چشم بیمار سے عذاب کرتا ہے اور تیرا گلابی چہرہ جو حیاء سے نیچے رہتا ہے' وہ بھی مجھے عذاب دے رہا ہے۔

حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ :۔ آپ سے کہا گیا کہ لا الہ الا اللہ فرمائیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں اسے بھولا تو نہیں ہوں کہ اسے یاد کروں۔

حضرت جعفر بن نصیر رحمتہ اللہ علیہ :۔ آپ نے بکران دینوری حضرت شبلی رحمتہ اللہ علیہ کے خادم سے دریافت فرمایا کہ حضرت شبلی رحمتہ اللہ علیہ کے وصال فرمانے کے وقت تو نے ان کا کیا حال دیکھا؟ بکران نے کہا کہ حضرت شبلی رحمتہ اللہ علیہ نے یہ ارشاد فرمایا کہ میرے پاس ایک شخص کا درہم ہے۔ میرے پاس ظلم کے طور پر آیا تھا۔ میں گو ہزاروں درہم اس کی طرف سے صدقہ خیرات کر چکا ہوں مگر پھر بھی اس سے بڑھ کر میرے دل میں کوئی دھند نہیں ہے۔ پھر فرمایا کہ مجھے نماز کے لیے غسل کرا دو۔ میں نے آپ کو غسل کروا دیا۔ آپ محض داڑھی کا خلال کرنا بھول گئے۔ آپ کی زبان مبارک بند تھی۔ میرا ہاتھ پکڑ کر داڑھی مبارک میں دے دیا۔ پھر آپ نے وصال فرمائی۔ حضرت جعفر رحمتہ اللہ علیہ رو پڑے اور فرمایا کہ تم ایسے شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو کہ جن سے آخری عمر میں بھی شریعت مطہرہ کا ایک مستحب بھی نہ چھوٹا۔

حضرت بشیر بن الحارث رحمتہ اللہ علیہ :- آپ کی وفات کے وقت بہت سختی تھی۔ انہیں کہا گیا کہ تمہیں زندگی پیاری ہے جو اس طرح ماتھے پر بل ڈال رہے ہو۔ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے پاس جانا بہت مشکل مرحلہ ہے۔

حضرت صالح بن مسمار :- آپ سے کسی نے کہا کہ تم اپنے صاحبزادے اور خاندان کے بارے میں کوئی وصیت کر جاؤ تو آپ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے شرم آتی ہے کہ ان کے بارے میں اس کے سوا کسی دوسرے کو وصیت کر جاؤں۔

حضرت ابو سلیمان دارانی :- آپ پر جب نزع کی حالت طاری ہوئی تو آپ کے یاران طریقت حاضر ہوئے اور کہا کہ آپ کو خوشخبری ہو کہ آپ رب غفور الرحیم کے پاس جا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس طرح کیوں نہیں کہتے ہو کہ ڈرو کیونکہ تم اب ایسے پروردگار کے حضور پیش ہونے والے ہو جو کہ چھوٹے گناہوں کا بھی حساب لے گا اور کبیرہ گناہوں کی وجہ سے عذاب دے گا۔

جب حضرت ابوبکر واسطی رحمتہ اللہ علیہ کی جان نکلنے لگی تو آپ سے لوگوں نے عرض کیا کہ آپ ہمیں کچھ وصیت فرمایئے تو آپ نے وصیت فرمائی کہ تم سے جو اللہ تعالیٰ کا مقصود ہے' اس کا لحاظ رکھنا۔

کسی بزرگ پہ جب نزع کی حالت طاری ہونا شروع ہوئی تو ان کی زوجہ محترمہ رونے لگیں۔ حضرت صاحب نے پوچھا کہ تم کیوں روتی ہو؟ اس نے عرض کیا کہ تمہاری وجہ سے روتی ہوں تو آپ نے ارشاد فرمایا تو نے اگر رونا ہے تو پھر تو اپنے نفس پر رو' میں تو اس دن کی خاطر دنیا میں چالیس سال رو چکا ہوں۔

حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ :- ارشاد فرماتے ہیں کہ میں حضرت سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ کی بیمار پرسی کے لیے گیا۔ ان سے حال دریافت کیا تو اس نے اس مضمون کا شعر پڑھا۔ کیف اشکوالی طبیب مابی۔ والذی بی اصابنی من طبیبی "میں طبیب کو کیسے شکایت کروں جبکہ مجھے جو کچھ پہنچا ہے' وہ طبیب سے ہی تو ہے۔" میں نے پنکھا لیا اور ارادہ کیا کہ اس پنکھا سے آپ پر ہوا کروں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس شخص کو پنکھے کی ہوا کس طرح معلوم ہوگی جس شخص کا دل ہی جل رہا ہو۔ پھر آپ نے چند اشعار پڑھے۔

القلب منحرق والد مع مستبق۔ والکرب مجتمع والصبر مفترق "دل جلا ہوا اور آنسو جاری ہیں اور دکھ جمع ہیں اور صبر دور ہے۔"

کیف القرار علی من لا قرار لہ۔ مما جناہ الھدی والشوق والقلق "اسے قرار کہاں جسے قرار رہے ہی نہیں جس سے عشق و شوق و درد خود چاہا رہو۔"

یارب ان یک شی فی لی فرج۔ فامنن علی بہ مادام بی رمق "اے اللہ اگر کسی شے میں میرے لیے کشادگی ہے تو وہ میری آخری سانس تک قائم و دائم رکھ۔"

سیدنا ابوبکر شبلی رحمتہ اللہ علیہ:۔ بعض لوگ حضرت شبلی رحمتہ اللہ علیہ کے دوستوں میں آپ کے پاس موت کے وقت تشریف فرما تھے اور انہوں نے کہا کہ کہو لا الہ الا اللہ۔ آپ نے یہ قطعہ پڑھا۔

ان بیتھا انت ساکنہ غیر محتاج الی سرج وجھک لما مول حجتنا "بے شک جس گھر میں تم ہو وہ روشنی کا محتاج نہیں' تیرا چہرہ اقدس ہی ہماری حجت کافی ہے۔"

یوم یاتی الناس بالحجج۔ لا اتاح اللہ لی فرحا۔ یوم ادعو منک بالفرج "اس دن کہ لوگ حجتیں لے کر (قیامت میں) آئیں گے تو اس کشادگی نہ چاہوں گا جب اللہ تعالیٰ میرے لیے کشادگی کا فرمائے یعنی صرف مجھے آپ چاہیں اور بس۔"

روایت ہے کہ حضرت ابوالعباس بن عطار رحمتہ اللہ علیہ' حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ کے پاس نزع کے وقت حاضر ہوئے۔ سلام عرض کیا' اس وقت انہوں نے جواب نہ دیا۔ تھوڑی دیر ٹھہر کو جواب دیا اور مزید ارشاد فرمایا کہ مجھے معذور رکھیے کہ میں اپنے وظیفے میں مصروف تھا۔ پھر خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے اللہ اکبر کہا اور رخصت ہو گئے۔

کسی نے کتانی سے فوتگی کے وقت دریافت کیا کہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ آپ نے جواباً فرمایا کہ اگر میری موت قریب نہ ہوتی تو پھر میں بالکل نہ بتاتا کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ میں اپنے دل کے دروازے پر چالیس سال کھڑا رہا ہوں۔ جب اس میں کوئی غیر اللہ آتا تو میں اسے وہاں سے ہٹا دیتا۔

حضرت معمر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس وقت حضرت حاکم بن عبدالمالک رحمتہ اللہ علیہ فوت ہوئے تو اس وقت میں بھی وہاں حاضر تھا۔ میں نے کہا یااللہ تو اس کی موت کی سختیوں کو آسان کر دے کہ یہ شخص ایسا تھا' ایسا تھا۔ میں نے اس کی بہت سی خوبیاں بیان کر دیں۔ جب انہیں ہوش آیا تو انہوں نے دریافت فرمایا کہ کون بول رہا تھا؟ میں نے عرض کیا کہ میں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ملک الموت مجھے کہتے ہیں میں تو ہر سختی پر نرمی کرتا ہوں۔ یہ کہا اور سپرد خدا ہو گئے۔

جب حضرت یوسف بن اسباط رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وقت وصال قریب آیا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے پاس تشریف لے گئے۔ آپ نے دیکھا کہ انہیں بے چینی اور بے قراری بہت ہے۔ آپ نے دریافت کیا اے ابو محمد' یہ کوئی گھبرانے کا وقت ہے؟ حضرت یوسف نے فرمایا کہ میں کس طرح نہ گھبراؤں' مجھے تو یقین ہے کہ میں نے کسی بھی عمل میں کماحقہ اللہ تعالیٰ کی تصدیق نہیں کی۔

حضرت معاذ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس جماعت والوں میں سے ایک بوڑھے کے پاس اس وقت حاضر ہوا جس وقت وہ مرض موت میں مبتلا تھا۔ میں نے اسے سنا' وہ کہتا تھا کہ یااللہ تو سب کچھ کر سکتا ہے' میرے حال پر بھی رحم فرما۔

حضرت ممشاد دینوری رحمتہ اللہ علیہ کے پاس حالت نزع میں بعض اکابر تشریف لے گئے۔ ان کے لیے دعا مانگی کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ایسا ایسا سلوک کرے۔ آپ مسکرا کر اٹھے' پھر ارشاد فرمایا میرے سامنے تیس سال سے

جنت مع اس کے اندر کی چیزیں کی جا رہی ہیں- میں نے اس کی طرف نظر بھر کر بھی کبھی نہیں دیکھا-

حضرت رویم رحمتہ اللہ علیہ سے کسی نے اس وقت کہا کہ جب آپ فوت ہو رہے تھے کہ لا الہ الا اللہ کہے- آپ نے فرمایا اس سے بہتر میں کوئی اور چیز نہیں کہہ سکتا-

حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ کی وفات کا وقت جب قریب آیا تو ان سے کہا گیا کہ کہے لا الہ الا اللہ- آپ نے ارشاد فرمایا کہ کیا وہاں کوئی اور بات بالکل نہیں ہے-

حضرت قرنی رحمتہ اللہ علیہ حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس اس حالت میں حاضر ہوئے کہ آپ اس وقت مرض وفات میں تھے- حضرت قرنی نے دریافت کیا کہ آپ نے صبح کس حالت میں کی؟ آپ نے فرمایا کہ صبح اس حالت میں کی ہے کہ دنیا سے جا رہا ہوں- اپنے بھائیوں سے جدائی اور اپنے برے اعمال سے ملاقات کرنے والا ہوں- جام موت نوش کر رہا ہوں- اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری کے لیے جاتا ہوں اور مجھے یہ معلوم نہیں ہے کہ میری روح جنت میں جائے گی کہ اسے مبارکبادی دوں یا یہ دوزخ میں جائے گی کہ اس کی ماتم پرسی کروں- پھر چند اشعار پڑھے-

ولما قسی قلبی وضاقت مذاہبی جعلت رجائی نحو عفوک سلما "جب میرا دل سخت ہو گیا اور تمام راہیں بند ہو گئیں' پھر میں نے اپنی امید کو تیری عفو کا زینہ بنایا-"

تعاظمنی ذنبی فلما قرنتہ- بعفوک ربی کان عفوک اعظما "اپنے جرائم کو بڑا سمجھتا تھا لیکن انہیں تیرے عفو کے بالمقابل کیا تو تو تیرا عفو عظیم نکلا-"

فما ذلت ذاعفو من الذنب لم تزل- تجود وتعفو منہ وتکرما "تیرا کام ہے ہمیشہ بندوں کے جرائم معاف کرنا اور یہی تیرے لائق ہے کہ تو جود و عفو و احسان و کرم کرے-"

ولولاک لم یغوی بابلیس عابد- فکیف وقد اغوی صفیک آدما "اگر تو نہ ہوتا تو پھر عابد کو ابلیس کا ڈر کیسا؟ اگرچہ اس نے تیرے صفی آدم پر بھی حملہ کر دیا-"

احمد بن خضرویہ :- آپ پر جس وقت نزع کی حالت طاری ہوئی تو اس وقت کسی نے آپ سے ایک مسئلہ دریافت کیا- ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور ارشاد فرمایا کہ بیٹا ایک دروازے کو میں پچانوے سال کھٹکھٹاتا رہا ہوں' وہ دروازہ اب کھلنے والا ہے- میں نہیں جانتا کہ وہ دروازہ خوش نصیبی سے کھلے گا یا میری بدبختی پر- اس لیے اب مجھ میں جواب دینے کی مہلت کہاں ہے-

یہ صالحین کے اقوال ہیں- جیسے ان کے احوال مختلف تھے' اسی طرح ان کے اقوال بھی مختلف ہیں- بعض پہ خوف کا غلبہ تھا- بعض بزرگوں پہ رجا' بعض پہ شوق اور محبت غالب تھی- اس لیے ہر ایک نے اپنے حال کے مطابق گفتگو فرمائی- ہر ایک کے اقوال ان کے احوال کے مطابق درست اور صحیح ہیں-

جنازوں اور قبرستان کے متعلق اقوال عارفین

جنازہ سے عبرت حاصل کرنا:- یاد رکھیں کہ جنازہ بھی عقلمند کے لیے نصیحت اور سرزنش کی چیز ہے اور غافلین کو جنازہ دیکھنے سے دل کی سختی کے سوا اور کوئی چیز نہیں بڑھتی کیونکہ انہیں گمان ہے کہ ہم ہمیشہ دوسروں کا ہی جنازہ دیکھتے رہیں گے حالانکہ وہ یہ نہیں جانتے کہ بے شک ہم بھی اسی طرح چارپائی پر اٹھائے جائیں گے۔ یہ ان کا محض وہم ہے۔ کچھ دنوں بعد کچھ بھی نہ بن سکے گا اور یہ نہیں سوچتے کہ یہ جتنے بھی چارپائی پر اٹھائے جاتے ہیں (جنازہ کی صورت میں) یہ سبھی یہی خیال کرتے تھے مگر ان کا خیال غلط نکلا۔ ان کی مدت جلد ہی پوری ہو گئی' اس لیے ہر شخص کو چاہیے کہ جب کسی کا جنازہ نظر آجائے تو اپنے آپ کو فرض کرلے (کہ یہ میرا ہی جنازہ ہے) اس میں' میں ہی ہوں کیونکہ جلد ہی اس طرح ہو جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ دوسرے یا تیسرے دن ایسا ہو جائے۔

روایت ہے کہ جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوئی جنازہ دیکھتے تو آپ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ چلو ہم بھی تمہارے پیچھے ہیں۔

حضرت مکحول دمشقی رحمتہ اللہ علیہ جس وقت جنازہ دیکھتے تو کہا کرتے تھے کہ تم صبح کو جا رہے ہو' ہم شام کے وقت چلے جائیں گے۔ کامل نصیحت ہے اور غفلت جلد آجاتی ہے۔ پہلا جاتا ہے' پچھلے کو عقل نہیں۔

اسید بن حضیر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی بھی جنازہ پر میں اس طرح نہیں گیا کہ میرے جی میں اس کے علاوہ کوئی اور بات آئی ہو کہ اس مردے کے ساتھ کیا معاملہ درپیش ہوگا اور اس کا انجام کیا ہوگا۔

حضرت مالک بن دینار رحمتہ اللہ علیہ کے بھائی کا جب انتقال ہوا تو آپ اس کے جنازہ کے ساتھ چلے اور رو رو کر یہ فرماتے تھے کہ بخدا میری آنکھ اس وقت تک ٹھنڈی نہیں ہوگی جب تک کہ یہ معلوم نہ کرلوں گا کہ تیرا انجام کیا ہوا ہے اور یہ بات ساری زندگی نہ جان سکوں گا۔

حضرت اعمش رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم جب بھی جنازوں پر حاضر ہوتے تھے' یہ نہیں جانتے تھے کہ کسی شخص سے تعزیت کریں کیونکہ سبھی کو غم برابر ہوتا تھا۔

حضرت بنانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب ہم جنازوں میں شامل ہوتے تھے تو منہ ڈھانپ کر رونے والوں کے سوا کسی کو بھی نہیں دیکھتے تھے۔ (سبھی کو غم یکساں ہوتا تھا)

انتباہ:- اکابرین موت سے اس طرح ڈرتے تھے' مگر اب الٹی گنگا بہنے لگی ہے۔ جو لوگ بھی جنازے کے ہمراہ ہوتے ہیں' اکثر و بیشتر وہ ہنستے مسکراتے اور کھیلتے اور گفتگو کرتے جاتے ہیں۔ ان کی اکثر گفتگو میراث کے بارے میں ہی ہوتی ہے اور وارثوں کے لیے یہ کچھ ترکہ جو اس نے چھوڑا ہے۔

مردے کے ہمسر اور قریبی بھی یہی کچھ سوچتے ہیں کہ اس کے ترکہ میں سے کسی نہ کسی' کچھ نہ کچھ ہمیں بھی مل جائے۔ کسی کو بھی یہ فکر نہیں ہوتی کہ جس وقت ہمارا جنازہ اٹھایا جائے گا تو اس وقت اللہ تعالیٰ کو کیا منظور ہوگا۔

ہماری باری کس طرح کرے گی۔ دل کی سختی کے علاوہ اس غفلت کا سبب کچھ بھی معلوم نہیں ہو رہا۔ بکثرت گناہ کرنے کی وجہ سے ہمارے دل سخت ہو گئے ہیں۔ اس سختی کی انتہا یہاں تک آپہنچی ہے کہ روز قیامت اور خوف آخرت کو ہم بھول چکے ہیں۔ حالانکہ یہ ہمارے سامنے ہیں۔ بس کھیل کود اور غفلت کا شکار ہیں۔ جو چیزیں ہمارے کسی بھی کام نہ آئیں گی' ان میں پھنس چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ سے التجا ہے کہ وہ ہمیں اس خواب غفلت سے جگا دے۔ جنازہ میں شامل ہونے والوں کا سب سے بہتر حال اس طرح ہونا چاہیے کہ میت پر روئیں لیکن اگر عقلمند ہوں تو ہمیں میت کی جگہ اپنے حال پر رونا چاہیے کیونکہ میت پہ رونے کی نسبت اپنے حال پہ رونا زیادہ مناسب ہے۔

حضرت ابراہیم زیتون فروش رحمتہ اللہ علیہ نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ میت کا مرثیہ بیان کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تمہارے لیے یہ بہتر ہے کہ تم اپنے حال پر روؤ کیونکہ وہ تو تین خوفوں سے بچ چکا ہے۔ (1) پہلا خوف یہ کہ اس نے ملک الموت کی صورت دیکھ لی ہے۔ (2) دوسرا خوف یہ کہ اس نے موت کی تلخی چکھ لی ہے۔ (3) تیسرا خوف یہ کہ خاتمے کا خوف' اس خوف سے بھی وہ بے خوف ہو چکا ہے اور تمہارے لیے یہ تمام خوف ابھی باقی ہیں۔

ابو عمر بن العلا کہتے ہیں کہ جریر کے پاس میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اپنا شعر اپنے کاتب کو بنا بنا کر لکھوا رہا تھا کہ اسی دوران ایک جنازہ آیا تو اس نے کہا کہ مجھے تو ان جنازوں نے بوڑھا کر دیا ہے۔ پھر یہ قطعہ پڑھا۔

تروعنا الجنائز مقبلات۔ ونلهوحين تذهب مدبرات "جب ہمارے سامنے جنازے آتے ہیں تو ہمیں ڈراتے ہیں اور ہم خوفزدہ ہو جاتے ہیں۔ ان کے چلے جانے کے بعد ہم بدستور لہو و لعب میں گم ہو جاتے ہیں۔

کروعته ثلته لمغار ذئب۔ فلما غاب عادت راتعات "جیسے بکریوں کا ریوڑ کہ جب وہ بھیڑیے کی غار دیکھتی ہیں تو گھبرا جاتی ہیں لیکن جب اس سے غائب ہوئیں تو پہلے کی طرح دوڑتی کودتی ہیں۔"

جنازہ میں شامل ہونے کے آداب :- جنازہ میں شامل ہونے کے یہ آداب ہیں۔ فکر کرنا' غفلت سے ہوشیار ہونا' موت کی تیاری کرنا' تواضع کے طور پر جنازہ کے آگے چلنا' جنازہ کے آداب و سنن ہم فقہ کے بیان میں تحریر کر آئے ہیں۔ جنازہ کے آداب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ میت پر حسن ظن کرنا' خواہ وہ فاسق ہی کیوں نہ ہو۔ اپنا نفس خواہ نیک ہی ہو' اس سے بدگمان رہنا کیونکہ حال خاتمہ خطرات سے بھرا ہوا ہے اور اس کی حقیقت بھی معلوم نہیں ہے۔

حکایت :- حضرت عمرو بن ذر رحمتہ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ آپ کے ہمسائے میں کوئی شخص فوت ہو گیا' وہ گناہ بہت زیادہ کیا کرتا تھا۔ بہت سے لوگوں نے اس کے جنازہ سے پہلو تہی اختیار کی۔ عمرو بن ذر رحمتہ اللہ علیہ نے جا کر اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ جب اسے قبر میں رکھا گیا تو آپ نے اس کی قبر پر کھڑے ہو کر فرمایا کے اے فلاں تجھ پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ تو ساری زندگی توحید کے ساتھ رہا اور اپنی پیشانی کو سجدوں سے گرد آلود کیا اور یہ جو لوگ

کہتے ہیں کہ تو گنہگار اور خطاوار تو ہم میں ایسا کون ہے کہ جس نے کوئی بھی گناہ نہ کیا ہو اور خطاوار نہ ہو۔

حکایت :۔ منقول ہے کہ اطراف بصرہ میں ایک شخص بہت بڑا فسادی تھا' وہ مر گیا۔ جنازے پر مدد کے لیے اس کی عورت کو کوئی بھی بندہ نہ ملا۔ بکثرت فسق کی وجہ سے کوئی بھی اس کے نزدیک نہیں آتا تھا۔ اس کی بیوی نے مزدور کو مزدوری دے کر اس کا جنازہ اٹھوایا اور نماز جنازہ کی جگہ پہ لے گئی تو اس کی نماز جنازہ کسی نے بھی ادا نہ کی۔ وہ بغیر نماز جنازہ ہی اسے جنگل میں دفن کرنے کی خاطر لے گئی۔ وہاں اس مقام کے قریب ہی ایک پہاڑ پہ بہت بڑا زاہد و عابد رہتا تھا۔ اسے عورت نے دیکھا کہ وہ گویا نماز جنازہ پڑھنے کے لیے انتظار کر رہا ہے۔ وہ جب جنازے پر پہنچا تو اس کی نماز جنازہ زاہد نے پڑھنے کا ارادہ کیا تو پورے شہر میں شہرت ہو گئی کہ پہاڑ سے فلاں زاہد فلاں شخص کی نماز کے لیے اترا ہے۔ پس شہر والے بھی آ گئے اور زاہد کے ساتھ نماز جنازہ میں شمولیت اختیار کی مگر حیران ہوئے کہ زاہد نے نماز کس طرح پڑھی ہے۔ جب اس سے دریافت کیا گیا تو زاہد نے فرمایا کہ مجھے کسی نے خواب میں فرمایا ہے کہ فلاں مقام پر اتر کر جاؤ وہاں تجھے ایک جنازہ ملے گا۔ اس جنازہ کے ساتھ اس کی بیوی کے علاوہ کوئی بھی نہیں ہے۔ اس پہ نماز جنازہ پڑھو تاکہ وہ بخشا جائے۔ یہ سن کر وہ لوگ مزید حیران ہوئے۔ اس میت کی بیوی کو بلا کر زاہد نے اس شخص کا حال دریافت کیا تو اس کی بیوی نے زاہد کو کہا کہ اس کی سیرت تو مشہور و معروف ہے کہ وہ سارا سارا دن شراب خانے میں شراب پیتا رہتا تھا۔ زاہد نے کہا کہ ذرا سوچ کر بتاؤ کہ اس کی نیکوں میں سے کوئی تجھے معلوم ہے۔ اس نے جواب دیا کہ ہاں تین باتیں اس میں تھیں۔

(1) پہلی بات یہ کہ جب نشہ سے افاقہ ہوتا تو ہر روز صبح کپڑے تبدیل کر کے وضو کرتا اور پھر نماز فجر جماعت کے ساتھ ادا کیا کرتا تھا۔ بعد ازاں شراب خانے میں فسق و فجور میں لگ جاتا۔

(2) دوسری بات یہ کہ یتیم سے اس کا گھر کبھی بھی خالی نہیں رہتا تھا۔ ایک دو یتیم ہمیشہ ہی اس کے گھر میں رہتے تھے۔ وہ یتیموں سے سلوک اپنی اولاد سے بھی زیادہ کرتا تھا اور ان کے حال کا بہت زیادہ خیال کیا کرتا تھا۔

(3) تیسری بات یہ ہے کہ رات جب اس کا نشہ ہلکا ہو جاتا تو اندھیرے میں روتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ یااللہ! مجھ ہلاک سے دوزخ کا کونسا کونا بھرنا چاہتا ہے۔ یہ سن کر زاہد کا سارا شک دور ہو گیا۔ بعد ازاں زاہد اپنے مقام پہ واپس چلا گیا۔

حکایت :۔ ابن اثیم سے روایت ہے کہ ان کا بھائی دفن کیا گیا تو انہوں نے اپنے بھائی کی قبر پہ یہ شعر پڑھا۔

فان تنج منها تنج من ذی عظیمنه۔ والا فانی لا اخالک ناجیا "اگر تو قبر سے نجات پا گیا تو تو ایک عظیم امر سے نجات پا گیا ورنہ مجھے تیری نجات کی امید نہیں۔"

قبر کے احوال اور قبور پر بزرگوں کے اقوال :۔ یہ بیان قبروں کے احوال اور قبروں پہ لوگوں کے اقوال کے بارے میں ہے۔

(1) حضرت ضحاک رحمتہ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا کہ لوگوں میں سے زیادہ زاہد کون ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص قبر اور اپنے گل سڑ جانے کو نہ بھولے اور دنیوی زیب و زینت کو چھوڑ دے اور باقی چیز کو فنا ہونے والی چیز پہ ترجیح دے۔ آنے والے دن کو نہ گنے اور مردوں میں اپنے نفس کو شمار کرے۔

(2) حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ کا کیا ہے کہ آپ قبرستان میں ہی بیٹھے رہ جاتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے ان لوگوں کو بہترین پڑوسی پایا ہے' انہیں سچے پڑوسی جانتا ہوں کہ یہ زبان بند رکھتے ہیں اور آخرت یاد دلاتے ہیں۔

حدیث شریف:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ما رایت منظر الا والقبر اقطع منه "جس چیز پہ بھی میں نے نظر ڈالی' اس سے بھی زیادہ خوفناک قبر کو پایا۔"

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ قبرستان میں گئے۔ آپ ایک قبر کے پاس بیٹھ گئے اور رونے لگے۔ دوسرے لوگوں سے زیادہ میں رسول اللہ کے قریب تھا۔ آپ کو دیکھ کر میں بھی رویا اور دوسرے لوگ بھی روئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے دریافت کیا کہ تم کیوں روتے ہو؟ تو ہم نے عرض کیا۔ "آپ کے رونے کی وجہ سے ہم بھی رو رہے ہیں۔" آپ نے فرمایا یہ قبر میری والدہ ماجدہ حضرت آمنہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے۔ میں نے اجازت چاہی کہ ان کی قبر کی زیارت کروں تو مجھے اجازت عطا فرما دی گئی۔ پھر میں نے ان کی بخشش کے لیے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے منظور نہ فرمایا۔ مجھے وہی رقت ہوئی جو اولاد کو ہوا کرتی ہے۔

حدیث شریف:۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو خوب رویا کرتے حتیٰ کہ اس رونے کی وجہ سے آپ کی ریش مبارک بھیگ جایا کرتی تھی۔ آپ سے کسی نے پوچھا کہ آپ جنت و دوزخ کے بیان کے وقت تو روتے نہیں ہیں مگر جب قبر پر کھڑے ہوتے ہو تو پھر روتے ہو؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قبر آخرت کی منازل میں سے سب سے پہلی منزل ہے۔ اگر مردہ اس سے بچ گیا تو باقی منزلیں بھی آسان ہو جائیں گی اور اگر اسی منزل سے رہائی نہ ملی تو بعد والی منزلیں تو پھر اس سے بھی زیادہ سخت ہیں۔

بدعت:۔ روایت ہے کہ حضرت عمر بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک قبرستان کو دیکھا' وہاں اتر کر دو رکعت نماز (نفل) ادا فرمائی۔ آپ سے لوگوں نے پوچھا کہ یہ کام آپ نے ایسا کیا ہے کہ اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا تو آپ نے فرمایا میں نے قبر والوں کو اور اس چیز کو جو ان کے اور رب تعالیٰ کے درمیان آنے والی ہے' یاد کیا تو اسے بہتر سمجھا کہ دو رکعتوں سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کروں۔

حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ مردے سے سب سے پہلے جو بات چیت کرتی ہے' وہ قبر کا گڑھا ہے۔ مردے سے پورا کلام کرتا ہے کہ میں تو کیڑوں کا گھر ہوں' تنہائی کا مکان ہوں اور غربت و تاریکی کا مقام ہوں۔ میں نے تو یہ تمام چیزیں تیرے لیے تیار کر رکھی ہیں' میرے لیے تو نے کیا سامان تیار کیا ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں تمہیں اپنی مفلسی کا دن بتا دیتا ہوں۔ میرا وہ دن میرے لیے مفلسی کا دن ہوگا جس دن میں اپنی قبر میں رکھا جاؤں گا۔

حضرت ابودردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ قبور کے پاس بیٹھا کرتے تھے۔ اس بیٹھنے کا سبب جب لوگوں نے پوچھا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں ایسے لوگوں کے پاس بیٹھا کرتا ہوں جو مجھے میری آخرت یاد دلاتے رہتے ہیں اور جب میں ان کے پاس سے چلا جاتا ہوں تو وہ میری غیبت نہیں کرتے۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات کو قبرستان میں تشریف لایا کرتے تھے۔ قبر والوں کو مخاطب ہو کر کہا کرتے تھے کہ یا اہل القبور! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ میں جب بھی تمہیں پکارتا ہوں تو جواب نہیں دیتے ہو۔ پھر ارشاد فرماتے کہ ہاں' انہیں جواب دینے کے سلسلے میں کوئی رکاوٹ بن گئی ہے اور گویا کہ میں بھی ان جیسا ہی ہوں۔ پھر نماز کی طرف توجہ فرماتے' فجر ہونے تک نماز ہی پڑھتے رہتے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے بعض مصاحبوں سے فرمایا کہ اے فلاں میں رات کو جاگا' قبر کا اور اس میں رہنے والے کا حال سوچتا رہا کہ اگر تو مردے کا حال تین دن بعد قبر میں دیکھے تو اس کے پاس جانے سے گھبرا جائے گا' خواہ اس کی زندگی میں اس سے کتنا ہی پیار رکھتا ہو اور قبر کو دیکھا کہ قبر میں کیڑے دوڑ رہے ہیں' پیپ بہہ رہی ہے' مردے کا رنگ تبدیل ہو گیا ہے۔ اس میں بدبو پھیل گئی ہے۔ اس کے بدن کو کیڑے کھا رہے ہیں۔ اس کا کفن پرانا ہو گیا ہے۔ اس سے قبل اس کی صورت بھی بہت اچھی تھی۔ اس کی بو بھی اچھی تھی۔ اس کے کپڑے عمدہ اور صاف ستھرے تھے۔ یہ فرما کر آپ نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئے۔

حضرت یزید رقاشی رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اے وہ شخص جو کہ اس گڑھے (قبر) میں دفن کیا گیا ہے اور قبر میں تن تنہا پڑا ہوا ہے اور اپنے نیک اعمال سے زمین کے اندر محبت رکھتا ہے' میں نہیں جانتا کہ تجھے کون سے اعمال کی وجہ سے خوشخبری ملی ہے۔ کون سے بھائیوں پہ تو نے رشک کیا۔ پھر آپ روتے' اتنا روتے کہ آپ کا کپڑا مبارک تر ہو جاتا تھا۔ آپ فرماتے کہ بخدا اپنے صالحہ عملوں سے خوشخبری لے۔ اپنے ان بھائیوں پر رشک کر جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر مدد کیا کرتے تھے اور ان کا یہ دستور مبارک بھی تھا کہ آپ جب قبور کو دیکھتے تو بیل کی طرح ڈکرایا کرتے تھے۔

حضرت حاتم اصم فرماتے ہیں کہ قبرستان میں سے جو شخص گزرے' وہ شخص نہ تو اپنے حال کے بارے میں سوچے اور نہ ہی مردوں کے لیے دعا مانگے تو وہ ایسا شخص اپنے بارے میں خیانت کرتا ہے اور مردوں کے حق میں بھی خیانت کرتا ہے۔

حضرت بکر عابد رحمتہ اللہ علیہ اپنی ماں سے کہا کرتے تھے کہ کتنی اچھی بات تھی کہ تو میرے حق میں بانجھ ہوتی کیونکہ قبر میں تیرے بیٹے کو کافی دن بند رہنا پڑے گا اور پھر وہاں سے کوچ بھی کرنا پڑے گا۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اے ابن آدم! تجھے دارالسلام کی طرف پروردگار بلاتا ہے۔ تو دیکھ کہ اسے تو کہاں سے جواب دیتا ہے۔ اسے اگر تو دنیا میں سے جواب دے گا اور اس کی طرف سفر کرنے کی خاطر کمربستہ ہوگا تو پھر دارالسلام میں تو داخل ہو جائے گا اور اگر جواب قبر میں سے دے گا تو پھر تو اپنے گھر میں نہ جا سکے گا۔

حضرت حسن بن صالح رحمتہ اللہ علیہ قبروں پر جب گزر فرماتے تو فرمایا کرتے تھے کہ ظاہرا تو تم خوب ہو مگر تمہارے پیٹ میں تو مصیبت ہے۔

حضرت عطار سلمیٰ رحمتہ اللہ علیہ جب رات چھا جاتی تو آپ قبرستان میں چلے جاتے' وہاں فرماتے کہ اے قبر والو! تم تو فوت ہو گئے۔ ہائے رے موت' تم نے اپنے اعمال بھی ملاحظہ کر لیے۔ افسوس اے اعمال' پھر فرماتے کہ عطا بھی کل قبروں میں ہوگا۔ ساری رات صبح ہونے تک یہی کہتے رہتے۔

حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے کہ جو شخص قبر کو بہت یاد کرے گا' وہ جنت کے باغات میں سے ایک باغ حاصل کرے گا اور جو شخص قبر کو یاد کرنے سے غفلت کرے گا' اسے دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا دیا جائے گا۔

حضرت ربیع بن خثیم رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے ہی گھر میں ایک قبر تیار کی۔ جب بھی اپنے دل میں سختی دیکھتے تو اس قبر میں داخل ہو کر لیٹ جاتے۔ کافی دیر وہیں لیٹے رہتے' بعدازاں فرماتے کہ رب ارجعون لعلی اعمال صالحا فیما ترکت "اے پروردگار! مجھے پھر واپس بھیج دے شاید میں کچھ عمل صالح کروں' اس پر جو پیچھے چھوڑا ہے۔" اسے کئی بار دہراتے۔ پھر اپنے نفس کی طرف توجہ فرماتے ہوئے کہتے کہ "ربیع! اب تو تجھے واپس بھیج دیا گیا اس لیے اب عمل صالح کر لے۔"

حضرت احمد بن حرب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اپنے سونے کی جگہ کو جو شخص صحیح کر لیتا ہے اور بچھونے کو سونے کی خاطر برابر کر لیتا ہے' زمین اس سے تعجب کرتی ہے اور فرماتی ہے کہ اے ابن آدم! کافی عرصہ جلنے کو تو یاد کیوں نہیں کرتا؟ میرے اور تمہارے درمیان کوئی چیز بھی حائل نہیں ہوگی۔

حضرت میمون بن مہران رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں قبرستان میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ کے ہمراہ گیا۔ انہوں نے جب قبرستان کو دیکھا تو رونے لگے۔ پھر میری طرف توجہ کرتے ہوئے فرمایا اے میمون! یہ میرے آباؤ اجداد کی (بنی امیہ کی) قبریں ہیں گویا وہ دنیا والوں کے ساتھ لذت و عیش میں کبھی بھی شامل نہیں ہوئے۔ دیکھو کس طرح جدا ہوئے پڑے ہیں۔ ان پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹے' کیڑوں نے ان کے بدنوں میں اپنے گھر بنا لیے۔ پھر روئے اور فرمایا کہ بخدا ان قبر والوں سے کسی کے بارے میں بھی ایسا نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر

انعام ہوا ہو' اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ رہا ہو۔

حضرت ثابت بنانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں قبرستان میں گیا' وہاں سے جب باہر نکلنا چاہا تو میں نے ایک کہنے والے کو اس طرح کہتے سنا کہ اے ثابت! قبر والوں کی خاموشی سے دھوکہ نہ کھانا کیونکہ ان میں بہت مغموم ہیں۔

حضرت فاطمہ بن حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبرستان میں جا کر اپنے شوہر حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جنازہ دیکھا۔ چہرہ کپڑے سے ڈھانپ کر یہ شعر پڑھا۔

کانوا دجاء ثم امسوا رزیتہ۔ لقد عظمت تلک الرزایا وجلت "بہت امیدیں تھیں لیکن غم سے بدل گئیں۔ ہائے ان غموں کیا ٹھکانا ہے۔"

قبر پر مزار:۔ پھر خاوند کی قبر پر انہوں نے خیمہ گاڑا۔ اس خیمہ میں ایک سال تک اعتکاف کیا۔ ایک سال پورا کرنے کے بعد خیمہ اکھاڑ لیا اور مدینہ منورہ میں تشریف لائیں۔ بقیع کی ایک طرف سے صدائی سنائی دی کہ جو چلا گیا تھا' اسے حاصل کر لیا۔ دوسری طرف سے صدا سنائی دی کہ مایوس ہو کر واپس آئیں۔

حضرت ابو موسیٰ تمیمی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب فرزدق کی بیوی فوت ہوئیں تو روسا اس کے جنازے کے ساتھ نکلے' ان میں حضرت حسن بھی آتے۔ آپ نے فرزدق سے فرمایا کہ اس دن کے لیے تو نے کیا سامان تیار کیا ہوا ہے۔ اس نے عرض کیا کہ لا الہ الا اللہ کی شہادت عرصہ ساٹھ سال سے محض اسی دن کی خاطر ہے۔ وہ عورت جب دفن کر دی گئی تو اس کی قبر پر فرزدق نے کہا۔

اخاف وزراء القبران لم تعافنی۔ اشد من القبرا النہاہ باواخیقا "اگر تم معاف نہ کرو تو پھر قبر کے بعد مجھے کوئی شے اور ڈر تنگی اور سوزش ایسب زہ کر نہ ہو۔"

اذا جاء نی یوم القیمنہ قاند۔ عنیف وسواق بسوق الغرزقاء "جب قیامت میں میرے پاس سخت ہانکنے والا اور فرزدق کو کھینچ کر لے جائے گا۔"

لقد خاب من اولاد آدم من مشی۔ الی النار مغلول القلادۃ ازرقا "بنو آدم میں کون ہے جو خسارہ والا نہ ہو جو کہ دوزخ کی طرف نیلی آنکھوں والا ہو کر بیڑیاں پہنا کر لے جائے گا۔"

لوگوں نے اہل قبور کے بارے میں یہ بھی فرمایا کہ:۔

قف بالقبور وقلع علی ساحاتہا۔ من منکم الغمور فی ظلما تہا "قبور پر کھڑے ہو کر ان کو اس طرح میں پکار' تم میں کون ہے جو اندھیرے میں ڈوبا ہوا ہے۔"

ومن المکرم مکم فی قعربا۔ قد ذلاق بردا الامن من روعاتہا "اپنی قبر کے گڑھے میں تم میں کون معزز و مکرم ہے۔ تم میں کون ہے جو قبر کے خطرات سے امن کی ٹھنڈک میں ہے۔"

اما السکون دی البون فواحد۔ لا یستبین الفضل فی درجاتہا "بہرحال خاموشی ہے ان جسموں والوں پر

کسی کے درجات کے متعلق بھی معلوم نہیں ہو سکتا۔"

لوجا وبوک لا خبروک بالسن۔ نصف الحقائق بعد من حالا تہا "اگر وہ جواب دے سکتے تو تمہیں خبر دیتے اپنی زبانوں سے۔ وہ اپنے حقائق کے حالات سے آگاہ کرتے۔"

اما المطیع فنازل فی روضتہ۔ یفغی الی ماشاء من دوعاتہا "فرمانبردار تو باغات جنت میں اترا اور وہ اس کے درختوں میں جہاں چاہتا ہے، گھومتا ہے۔"

والمجرم الطاغی بہا منقلب۔ فی حضرۃ یاوی الی حیاتہا "اور مجرم سرکش جہنم گڑھے میں لوٹتا ہے اور اس کے سانپوں کے منہ میں ہے۔"

والعقارب سعی الیہ۔ فی شکرۃ العذیب من لدغاتہا "اور بچھو اس کی طرف دوڑتے ہیں۔ ان کے نیش کے عذاب شدت سے اسے پہنچ رہے ہیں۔"

حضرت داؤد طائی رحمتہ اللہ علیہ ایک عورت کے پاس سے گزرے، وہ عورت ایک قبر پر رو رو کر کہہ رہی تھی:

"علمت الحیاۃ والانتہا۔ اذا کبفت فی القبر الحلوک "تو نے زندگی مٹائی، پھر تو نے اسے نہ پایا۔ اس وقت لوگوں نے تجھے قبر میں داخل کیا۔"

فکیف اذوق لطعم الکبری۔ وانت بیمناک قدر سلوکا "میں نیند کا مزا کہاں سے لوں اور قبر میں ہے اور مٹی تیرا تکیہ وغیرہ ہے۔"

پھر اس عورت نے کہا کہ بیٹا مجھے معلوم نہیں ہے کہ تیرے دونوں رخساروں میں پہلے مٹی نے کس رخسار کو کھانا شروع کیا۔ حضرت داؤد طائی رحمتہ اللہ علیہ نے یہ سنا تو غش کھا کر بے ہوشی کی حالت میں گر پڑے۔

حضرت مالک بن دینار رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں قبرستان میں گیا تو یہ قطعہ پڑھا۔ اتیت القبور فنا دیتہا فاین العظم والمحتقر "میں نے قبرستان میں آکر پکارا کہ کہاں ہے عظمت والے اور کہاں ہیں حقیر لوگ۔"

واین المعل بسلطانہ۔ واین الزکی اذا ما افتخر "اور کہاں اپنی سلطنت پر نازاں تھے اور کہاں ہیں دولت مند جنہیں دولت پر فخر تھا۔"

میں نے ان کے درمیان سے یہ آواز سنی لیکن ندا دینے والا تو نظر نہیں آتا تھا، صرف آواز آتی تھی۔ وہ یہ اشعار تھے:۔

اتفانوا جمعیا فما خبر۔ وماتوا جمیعا وامات الخبر تمام مٹ گئے رب مخبر نہیں ہے۔ خبر مٹ گئی کہ سب لوگ مر گئے۔

تروح و تعنو بنات الثری۔ فمحوا محاسن تلک الصور شام و سحر میں کیڑوں مکوڑوں کی آمد و رفت ہے۔ ان صورتوں کو مٹا کر رکھ دیا۔

فیا سائلی عن اناس حضور۔ اباالک فما تری معتبراے گزر جانے والے لوگوں کے متعلق سوال کرنے

والے جسے تو دیکھ رہا ہے' اس سے تجھے عبرت نہیں۔
آپ فرماتے ہیں کہ یہ سن کر روتا ہوا میں واپس آ گیا۔

قبروں کے چند کتبے:۔ بعض قبور پر کتبے تحریر کندہ ملے۔ ایک قبر پہ اس مضمون کا کتبہ لکھا ہوا تھا تمنا جبک اجداث وھن صموت۔ وسکانہا تحت التراب خضوت "تجھے قبور پکار رہی ہیں حالانکہ وہ خاموش ہیں اور اس کے ساکین مٹی کے نیچے چپ ہیں۔"

ریا جامع الدنیا لغیر بلاغنہ۔ لمن تجمع الدنیا وانت تموت "تو دنیا جمع کر رہا ہے حالانکہ تو اسے پا نہ سکے گا۔ پھر کس لیے جمع کر رہا ہے حالانکہ تو تو مر جائے گا۔

ایک اور قبر پر یہ قطعہ تحریر کیا ہوا تھا۔ ایا غانم اما ذلاک فواسع۔ وقبرک معمو الجوانب محکم "اے غنیمت والو' بہرحال تیرا ہاتھ فراخ ہے۔ تیری قبر ہر طرف سے آباد و محکم ہے۔"

وما ینفع المقبور عمران قبرہ اذا کان فیہ جسم ینہدم "تیری قبر کو کوئی آبادی نفع نہ دے گی جبکہ اس کا جسم کر دے گا۔"

حضرت ابن سماک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں قبرستان میں گیا تو وہاں ایک قبر پر یہ کتبہ لکھا ہوا تھا۔ براقاربی جنبات قبری۔ کان اقاربی لم یعرفونی "میری قبر سے میرے رشتہ دار گزر جاتے ہیں۔ گویا میرے اقارب مجھے جانتے ہی ہیں۔"

ذوا المیراث یقتسمون مالی۔ ومایا لونی ان مجلوا دیونی "اہل میراث میرا مال تقسیم کرتے رہے۔ میرے ذمہ جو قرض تھے' اس کی پروا نہ تھی۔"

وقدا خذوا سہا مہم وعاشوا۔ فیا اللہ اسرع مانسونی "اپنے حصے لے کر چل دیئے اور عیش کر رہے ہیں۔ ہائے افسوس کہ انہوں نے کتنا جلد مجھے بھلا دیا۔"
ایک قبر پہ یہ کتبہ تحریر کیا ہوا ملا۔

ان الحبیب من الاحباب مختلس۔ لا یمنع الموت بواب والا حرس "موت احباب میں سے کسی دوست کو اچانک چھین لیتی ہے' موت کو نہ کوئی دربان روک سکتا ہے' نہ نگہبان۔"

فکیف تفرح بالدنیا ولذتہا۔ یامن یعد علیہ الفظ والنفس "تو دنیا اور اس کی لذت سے کیسے خوش ہوتا ہے جبکہ تیرے اوپر ہر لفظ لکھنے والے بیٹھے ہوئے ہیں۔"

اصبحت یا غافلا فی النقص منغمسا۔ وانت دہرک فی اللذات منغمس "اے غافل لحظہ بہ لحظہ تیری کمی ہو رہی ہے لیکن تو دنیا کی لذات میں ڈوبا ہوا ہے۔"

لا یرحم الموت ذا جہل لغرتہ۔ ولا الذی کان منہ العلم یقتبس "موت نہ جاہل کو چھوڑتی ہے جو اپنی جہالت سے مغرور ہے' نہ اہل علم کو جس کے علم سے اور لوگ علم حاصل کرتے ہیں۔"

کم اخرس الموت فی قبر وقفت بہ۔ عن الجواب لسانا بہ خرس "کتنا لوگوں کو موت نے گونگا بنا دیا اور اسے قبر میں سلا دیا تو اس پر کھڑے ہو کر کچھ پوچھ تو سہی۔ جواب سے اس کی زبان بند ہے۔"

قد کان قصرک معمور آلہ شرف۔ فقبوک البوم فی الاجداث مندرس تیرا گھر آباد تھا اور عوام کی نظروں میں برگزیدہ بھی لیکن آج تیری قبر' قبروں میں مٹ چکی ہے۔"

ایک طبیب کے مزار پر یہ کتبہ لکھا ہوا دیکھا گیا۔

فقلت لما قال لی قائل۔ صار لقمان الی رسہ "میں قائل کو جواب دیا جبکہ اس نے کہا کہ لقمان حکیم قبر میں چلا گیا۔"

فاین مایوصف من ظبنہ۔ وصنقہ فی الماء مع جسر "اس کی طب کی وجہ شے کیا تعریف ہو اور اس کا حاذق ہونے اور روہ شناسی کا۔"

ھیھات لا یدنع عن غیرہ۔ من کان لا یدفع عن نفسہ "افسوس ہے' وہ غیروں سے کیا دکھ دفع کر سکے گا' جب وہ اپنے سے دکھ دفع نہیں کر سکا۔"

ایک دوسری قبر پہ یہ کتبہ تحریر کیا ہوا ملا ہے۔

یاایھا الناس کان لی الل۔ قصر بی عن بلوغہ الدجل "اے لوگو میرے دل میں ایک آرزو تھی جسے میری موت مانع ہو کہ میں اس تک نہ پہنچ سکا۔"

فلیتق اللہ ربہ رجل۔ الکنہ فی حیاتہ العمل "وہ مرد اپنے رب سے ڈرے جسے زندگی میں عمل صالح کرنے کی قدرت ہے۔"

ماانا وحدی تقلت حسین تری۔ کل الی مثلہ سینقتل میں تنہا قبر میں منتقل نہیں ہوا جبکہ تو دیکھ رہا ہے کہ سارے میری طرح قبروں میں منتقل ہو رہے ہیں۔"

یہ اشعار قبروں پہ اس لیے تحریر کیے گئے ہیں کہ ان قبروں میں بسنے والے موت سے قبل بہت ہی کم عبرت حاصل کرتے تھے۔ وہ آدمی ہوشیار ہے جو دوسرے لوگوں کی قبر ملاحظہ کر کے ان میں اپنے آپ کو تصور کرے۔ ان سے ملنے اور جانے کی تیاری کرے کہ جب تک ان لوگوں سے نہ مل لوں گا' اس وقت تک پیچھے نہیں ہٹوں گا۔ پختہ ارادہ کر لے کہ جو دن میں ضائع کر رہا ہوں' ان میں سے اگر ایک دن بھی ان قبر والوں کو میسر آجائے تو ان کے نزدیک تمام دنیا سے زیادہ پیارا بن جائے کیونکہ اعمال کی قدر انہیں اب ہوئی۔ وہ امور کی حقیقت اب جان گئے ہیں جو افسوس انہیں زندگی کے ایک دن پہ ہے تو یہ محض اس لیے ہے کہ خطا والا اپنی کمی کو دور کر لے اور عذاب سے نجات حاصل کر لے۔ توفیق والا اپنا رتبہ و مقام مکمل کر لے۔ ثواب زیادہ حاصل کر لے۔ انہوں نے بھی منقطع ہونے کے بعد زندگی کی قدر جانی۔ اب ہر لمحہ افسوس پہ افسوس کرتے رہتے ہیں۔ تمہیں تو وہ ساعت اب حاصل ہے بلکہ کیا تعجب کہ تو بہت سی ساعتوں پر قدرت رکھتا ہو مگر پھر انہیں ضائع کر رہا ہو تو دل میں اچھی طرح یہ بات ٹھان لو

کہ جب وقت ہاتھ سے نکل جائے گا تو پھر ان زندگی کے لمحات کو ضائع کرنے کی وجہ سے افسوس کرو گے کہ ہائے افسوس ہم نے اپنی گھڑی سے جلدی میں اپنا وقت کیوں ضائع کر بیٹھے؟

حکایت :- ایک نیک بخت مرد فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ایک بھائی کو خواب میں دیکھا اور کہا کہ کیا تو زندہ ہو گیا ہے؟ اس نے کہا کہ الحمد للہ رب العلمین۔ اگر میں اس کلمہ کے کہنے پر یعنی الحمد للہ رب العالمین قدرت حاصل کر لوں تو پھر مجھے دنیا سے زیادہ اچھا محسوس ہوتا ہے۔ پھر کہا کہ اس وقت تو نے نہیں دیکھا کہ جب وقت لوگ مجھے دفن کر رہے تھے' اس وقت ایک شخص نے اٹھ کر دو رکعتیں نماز پڑھی تھی۔ اگر ان دو رکعتوں کے پڑھنے پر میں قادر ہو جاؤں تو یہ بھی مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہیں۔

وفات اولاد پر کہے ہوئے مقالے :- جس شخص کا بیٹا یا کوئی اور قریبی رشتہ دار فوت ہو گیا ہو تو اس کے مرنے سے پہلے یوں سمجھے کہ میں اور وہ یعنی ہم دونوں اکٹھے سفر میں تھے۔ ان دونوں کا ارادہ اس شہر میں جانے کا تھا جو اصلی مقام ہے اور اصل وطن تھا۔ اب وہ مرنے والا اپنے اصلی مکان میں پہلے چلا گیا جبکہ میں بھی بہت جلد اس کو ملوں گا۔ اس طرح سوچنے سے زیادہ افسوس نہیں ہو گا' اس لیے کہ سمجھ لے گا کہ میں بھی بہت جلد اس سے ملنے والا ہوں۔ محض موت میں چند دنوں کا آگا پیچھا ہے۔ یہی حال موت کا بھی ہے۔ موت کے معنی اپنے اصلی وطن میں چلے جانے کے ہیں جب تک کہ وہ پچھلا شخص آ ملے۔ اس بات کا جب عقیدہ اپنائے گا تو پریشانی اور افسوس کم ہو گا۔ خاص طور پر اس صورت میں کہ بیٹے کی وفات پہ وہ ثواب عطا ہونے کا وعدہ حق بھی ہے کہ جس کے سامنے کسی گناہ کی بھی کوئی حقیقت نہیں۔

حدیث شریف :- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں اپنے آگے اپنا پیٹ سے گرا ہوا کچا بچہ بھیجوں تو مجھے یہ اس بات سے بہتر ہے کہ اپنے پیچھے سو سوار چھوڑ کر مروں۔ ان سواروں میں سے ہر ایک کا یہی حال ہو کہ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرے۔

فائدہ :- حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گرے ہوئے بچے کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ ادنیٰ سے اعلیٰ پہ تنبیہہ ہو جائے ورنہ ثواب اتنا ہوتا ہے کہ جتنی قدر اس کے دل اس بچے کی جگہ ہو۔

حکایت :- حضرت زید بن اسلم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا ایک صاحبزادہ فوت ہو گیا۔ اس پر آپ نے بہت رنج فرمایا۔ آپ سے دریافت کیا گیا کہ آپ کے نزدیک اس بچے کی قدر کتنی تھی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جتنی قدر زمین بھر سونا کی ہوتی ہے۔ آپ کو فرمایا گیا کہ آپ کو آخرت میں بھی ثواب اتنا ہی دیا جائے گا۔

حدیث شریف :- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر کسی مسلمان کے تین بچے فوت ہو

جائیں' اس پر وہ آدمی صبر کرے اور طالب ثواب ہو تو وہ بچے اس شخص کے لیے دوزخ سے ڈھال بن جائیں گے۔
ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے عرض کیا کہ خواہ دو بچے ہی فوت ہو جائیں تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ خواہ دو بچے ہی ہوں اور باپ کو چاہیے کہ وہ اپنے بیٹے کے حق میں بیٹے کی فوتگی کے وقت دعا کرے کیونکہ اس کی دعا زیادہ توقع والی اور قبولیت کے زیادہ قریب ہوتی ہے۔

اقوال :- حضرت محمد بن سلیمان رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے کی قبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا "یااللہ! آج میں اس کے لیے تجھ سے توقع رکھتا ہوں۔ اس کے بارے میں تجھ سے ڈرتا ہوں۔ میری امید کو تو ثابت فرمادے اور میرے خوف کو دور کردے۔"

حضرت ابو سنان رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے صاحبزادے کی قبر پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ "یااللہ! اس کے ذمے جو میرا حق واجب تھا' میں نے تو وہ حق اسے معاف کر دیا ہے اور جو تیرا حق اس کے ذمے واجب ہو' وہ اسے تو معاف فرما دے کہ تو تو زیادہ جواد اور زیادہ کریم ہے۔"

ایک اعرابی نے اپنے لڑکے کی قبر پہ کھڑے ہو کر کہا کہ یااللہ! اس نے میرے ساتھ سلوک کرنے میں جو کچھ کمی کی' وہ میں نے اسے بخش دیا۔ پس تیری اطاعت میں اس نے جو کچھ کمی ہے تو بھی اسے معاف فرمادے۔

حضرت ذر بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جب وصال ہوا تو اس کے والد گرامی نے اس کی لحد میں رکھے جانے کے وقت کھڑے ہو کر کہا کہ اے ذر! مجھے تیرے بارے میں اتنا خوف ہے کہ اس خوف کی وجہ سے ہم تجھ پر غم کرنا بھول گئے ہیں۔ ہمیں معلوم نہیں ہے کہ تجھ سے کیا سوال ہو؟ اور اس سوال کا تو نے کیا جواب دیا ہوگا۔ پھر کہا یااللہ! یہ ذر ہے۔ تو نے جب تک پسند فرمایا' اس سے مجھے نفع دیا اور اب تو نے اس کی مدت اور روزی پوری کر دی۔ (اس طرح کرکے) تو نے اس پر ظلم نہیں فرمایا۔ یااللہ! تو نے اس پر اپنی اطاعت اور میری فرمانبرداری لازم فرمائی تھی۔ یااللہ! اس مصیبت پر صبر کرنے کا ثواب جو کچھ تو نے مجھے عطا فرماتا ہے' وہ ثواب میں نے اسے بخش دیا ہے۔ پس اس کا عذاب مجھے دے دینا' اسے عذاب نہ کرنا۔ اس تقریر سے سبھی آدمی رو پڑے۔ پھر مرنے کے وقت اس طرح کہا کہ اے ذر! تیرے بعد ہمیں کسی دوسرے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے ہوتے ہوئے کسی انسان کی ضرورت ہمیں چاہئے۔ تجھے اکیلا ہی چھوڑ رہے ہیں۔ ہم اگر رک بھی جائیں تو ہمارے اس رکنے کی وجہ سے تجھے کوئی فائدہ نہ دے سکیں گے۔

حکایت :- بصرہ میں ایک شخص نے ایک عورت کو دیکھ کر کہا کہ تازگی میں اس جیسی عورت کو میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ اس تازگی کی وجہ مجھے یہی معلوم ہوتی ہے کہ اسے رنج کم ہے۔ اس عورت نے جواب دیا کہ اے اللہ کے بندے! میں تو ایسے غم میں مبتلا ہوں کہ میرے اس غم میں کوئی بھی شامل نہیں۔ اس آدمی نے پوچھا کہ کس طرح؟ اس عورت نے جواباً کہا کہ میرا تو یہ حال ہے کہ میرے خاوند عید الاضحیٰ کے دن ایک بکری ذبح کی اور میرے

خوبصورت دو بیٹے کھیل کود رہے تھے۔ میرے بڑے بیٹے نے چھوٹے سے کہا تو دیکھنا چاہتا ہے کہ ہمارے باپ نے بکری کو کیسے ذبح کیا؟ اس چھوٹے نے جواب دیا کہ ہاں! پس اس بڑے لڑکے نے چھوٹے بچے کو پکڑ کر ذبح کر دیا۔ اس کا جب ہمیں پتہ چلا تو اس وقت وہ بچہ خون میں تڑپ رہا تھا۔ جب چیخ و پکار اور رونا بہت ہوا تو بڑا لڑکا بھاگ کر ایک پہاڑ پہ چھپنے کے لیے چلا گیا۔ وہاں پر ایک بھیڑیا موجود تھا۔ اس بھیڑیے نے اس بڑے لڑکے کو کھا لیا۔ اس کا باپ اس بچے کی تلاش میں نکلا۔ وہ بھی شدت گرمی کی وجہ سے پیاس کی شدت کے مارے مر گیا۔ اب میں تنہا ہوں۔

غرض کہ اس طرح کی مصیبتوں کو اولاد کی فوتگی کے وقت یاد رکھنا چاہیے تاکہ شدت واویلا سے تسکین میسر آئے کیونکہ ایسی مصیبت کوئی بھی نہیں ہے کہ اس مصیبت سے بڑی خیال نہ آئے اور اللہ تعالیٰ اسے ہر حال میں دور نہ فرماتا ہو۔

پس معلوم ہوا کہ بہت سی مصیبتیں تو وہی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ دور فرماتا ہے۔ پس آدمی کو بے صبری کرنے کا مقام کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔

زیارت قبور و ایصال ثواب

قبروں کی زیارت:۔ وہ قبریں کسی کی ہوں' موت کو یاد اور عبرت کے حصول کے لیے مستحب ہے اور صالحین کے مزارات کی زیارت علاوہ عبرت کے تبرک کے لیے بھی مستحب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے پہل قبروں کی زیارت سے روکا تھا' پھر اجازت عطا فرمائی۔

حدیث شریف:۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے روکا تھا مگر آگاہ ہو کہ اب قبروں کی زیارت کیا کرو کہ وہ تمہیں آخرت یاد دلائیں گی لیکن کوئی بے جا کلمہ نہ کہنا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ ماجدہ کی قبر انور کی زیارت ہزار مسلح افراد کے ساتھ کی۔ اس دن جتنے آدمی بھی آپ کے ساتھ تھے' سبھی روتے ہوئے معلوم ہوئے۔ اس سے زیادہ کبھی روتے معلوم نہیں ہوئے۔ اسی دن آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے زیارت کی اجازت عطا فرمائی گئی' بخشش کی درخواست کرنے کی اجازت نہیں۔ جیسا کہ ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں۔

حضرت ابن ملیکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قبرستان سے تشریف لائیں۔ میں نے آپ سے عرض کیا کہ آپ کہاں سے تشریف لائی ہیں؟ ام المومنین نے ارشاد فرمایا کہ اپنے بھائی (حضرت) عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر سے۔ میں نے عرض کیا کہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے تو قبروں کی زیارت سے منع فرمایا تھا۔ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ ہاں پہلے آپ نے روکا تھا' پھر اجازت عطا فرمائی۔

فائدہ :- اس سے سند پکڑتے ہوئے عورتوں کو آج کل قبرستان میں جانے کی اجازت نہیں دینی چاہیے کیونکہ عورتیں قبروں پر جا کر ناشائستہ کلمے بہت کہا کرتی ہیں تو قبروں کی زیارت سے انہیں جتنا فائدہ ہوتا ہے۔ وہ بدی سے کم ہے۔

ان کے علاوہ راستے میں پردے کا کھولنا' غیر مردوں پر زیب و زینت کا ظاہر کرنا وغیرہ' ان سے سرزد ہوتے ہیں اور یہ دونوں کام ہی بہت بڑے گناہ ہیں اور زیارت قبور صرف سنت ہے اور سنت کی ادائیگی کی خاطر اتنے بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کرنا کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔ ہاں البتہ اگر عورت پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس ہو کر باہر اس طرح نکلے کہ اس کی طرف کوئی بھی غیر مرد توجہ نہ کرے اور وہ عورت صرف قبر پر جا کر صرف دعا کرے' اس کے علاوہ کوئی بات نہ کرے تو پھر زیارت قبور میں کسی قسم کا مضائقہ نہیں ہے۔

حدیث شریف :- حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قبروں کی زیارت کر۔ ان سے آخرت کو یاد کر اور مردوں کو غسل دیا کر' اس لیے روح سے خالی بدن کی تدبیر کرنی ایک بڑی مضبوط نصیحت ہے۔ نماز جنازہ جنازوں پر پڑھا کر۔ ہو سکتا ہے اس عمل سے تجھے غم حاصل ہو جائے کیونکہ غمگین اللہ تعالیٰ کے سایہ رحمت میں ہوگا۔

حضرت ابن ابی ملیکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے مردوں کی زیارت کیا کرو اور انہیں سلام کرو اور ان کے لیے دعائے مغفرت کرو۔ اس لیے کہ ان سے تمہیں عبرت حاصل ہوگی۔

حضرت ابن عمر کا عمل مبارک :- حضرت نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس مزار پر بھی گزرتے' اس مزار پر کھڑے ہو کر سلام کرتے۔

حضرت بی بی فاطمۃ الزہرا کا عمل مبارک :- حضرت امام جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باپ حضرت امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے دادا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار مبارک کی زیارت کو کچھ دنوں کے بعد تشریف لے جایا کرتی تھیں۔ آپ اس مزار مبارک کے پاس نماز (نفل) ادا فرماتیں اور رویا کرتی تھیں۔

مزار والدین کی زیارت کا ثواب :- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر جمعہ کے دن جو شخص اپنے ماں باپ خواہ ایک کے مزار کی زیارت کرے تو اس شخص کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں اور وہ نیک لکھا جاتا

ہے۔

حضرت ابن سیرین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر کسی شخص کے والدین فوت ہو جاتے ہیں (تو اس وقت) وہ ان کا نافرمان ہوتا ہے۔ والدین کے بعد ان کے حق میں دعا (مغفرت یعنی ایصال ثواب) کرتا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے فرمانبرداروں میں لکھ دیتا ہے۔

روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت :۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ من زار قبری فقد واجبت لہ شفاعتی "جس شخص نے میری قبر انور کی زیارت کی' اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوئی۔

حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ من زارنی بالمدینة محتسبا کنت لہ شفیعا وشہیدا یوم القیمة "جس شخص نے ثواب کے لیے مدینہ میں میری زیارت کی' میں قیامت کے دن اس کا شفیع اور گواہ ہوں گا۔"

ستر ہزار فرشتے :۔ حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جو فجر طلوع ہوتی ہے' ستر ہزار فرشتے آسمان سے اس میں اتر کر مزار رسول اللہ صلی اللہ علیہ کو چھپا لیتے ہیں۔ آپ پہ درود شریف بازو پھڑپھڑا کر بھیجتے ہیں۔ شام تک درود شریف پڑھتے رہتے ہیں۔ جب شام ہو جاتی ہے تو پہلے فرشتے آسمان کی طرف چڑھ جاتے ہیں۔ شام کے وقت اتنے ہی اور فرشتے اترتے ہیں۔ وہ بھی اسی طرح کرتے ہیں جس طرح کہ صبح اترنے والے فرشتے کرتے ہیں۔ اس وقت تک کہ جب زمین پھٹ جائے گی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھیں گے۔ اس وقت بھی ستر ہزار فرشتے آپ کی تعظیم کرتے ہوں گے۔

مستحب :۔ زیارت قبور میں یہ مستحب ہے کہ قبلہ شریف کی طرف پشت کرکے میت کی طرف منہ کر کے کھڑا ہونا چاہیے۔ پہلے مردے کو سلام کرنا چاہیے۔ قبر سے نہ تو مٹی جھاڑنی چاہیے' نہ ہی قبر کو ہاتھ لگانا چاہیے اور نہ ہی قبر کا بوسہ لے کیونکہ ایسا کرنا نصاریٰ کی عادت میں سے ہے۔

حضرت ابن عمر کا عمل مبارک :۔ حضرت نافع رحمتہ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سو بار بلکہ سو بار سے بھی زیادہ بار دیکھا ہے کہ آپ روضہ مبارک پہ حاضری دیتے اور فرماتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہ سلام' ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہ سلام ہو اور میرے والد گرامی پہ سلام ہو۔ پھر آپ واپس چلے جاتے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما کا عمل مبارک :۔ حضرت ابو لبابہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو میں نے دیکھا کہ آپ روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف

لائے اور کھڑے ہو کر اپنے دونوں ہاتھ (دعا کی طرح) بلند کیے۔ یہاں تک کہ میں نے خیال کیا کہ آپ نے نماز کے لیے اللہ اکبر فرمایا ہے۔ پھر آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہ سلام بھیج کر واپس تشریف لائے۔

مردہ سلام کا جواب دیتا ہے :- حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنے بھائی کی قبر کی زیارت کرتا ہے اور اس کے (قبر کے) کے پاس بیٹھتا ہے تو وہ (مردہ صاحب قبر) اس سے انس و محبت حاصل کرتا ہے۔ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔ اس وقت تک کہ جب وہ وہاں سے اٹھ جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلام کا جواب دیتے ہیں :- حضرت سلیمان بن سحیم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ لوگ جو آپ کے حضور حاضری کا شرف حاصل کرتے ہیں اور آپ پہ سلام عرض کرتے ہیں، تو آپ ان سلام عرض کرنے والوں کے سلام کو سمجھتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہاں سمجھتا ہوں اور ان کے سلام کا جواب بھی دیتا ہوں۔

حضرت ابوہریرہ کا عقیدہ :- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب آدمی کسی جاننے والے کی قبر پر گزرتا ہے تو اسے سلام کرتا ہے۔ مردہ اس کے سلام کا جواب بھی دیتا ہے اور سلام کرنے والے کو پہچانتا بھی ہے اور جب کسی نہ جاننے والے کی قبر پر گزرتے ہوئے سلام کرتا ہے تو وہ صرف سلام کا جواب ہی دیتا ہے۔

روحوں کی آپس میں ملاقات :- حضرت عاصم جحدری رحمتہ اللہ علیہ کی اولاد میں سے ایک شخص کا بیان ہے کہ میں نے عاصم کی فوتگی کے دو سال بعد انہیں خواب میں دیکھا تو ان سے دریافت کیا کہ تم فوت ہو گئے تھے تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں۔ میں نے پھر پوچھا کہ تم کہاں رہتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم جنت کے باغات میں سے ایک باغ میں رہتے ہیں۔ میں اور کچھ میرے دوست ہر شب جمعہ اور اس کی صبح کو حضرت ابوبکر بن عبداللہ مزنی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس جمع ہوتے ہیں۔ تمہاری خبریں سنتے ہیں۔ ان سے دریافت کیا گیا کہ تمہارے جسم بھی آپس میں ملتے ہیں یا محض روحیں۔ انہوں نے فرمایا کہ ہمارے جسم تو سوئے رہتے ہیں' وہ کہاں مل سکتے ہیں مگر روحوں کی آپس میں ملاقات ہوتی ہے۔ میں نے سوال کیا جب ہم زیارت کرتے ہیں تو اس سے تم واقف ہوتے ہو؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں شب جمعہ' جمعہ کے دن سارا اور بروز ہفتہ سورج نکلنے تک تمہاری زیارت کا ہمیں علم ہوتا ہے۔ میں نے عرض کیا' تمہیں ان ایام کے علاوہ کیوں نہیں پتہ چلتا؟ انہوں نے ارشاد فرمایا اس میں اطلاع جمعہ کی بزرگی اور افضلیت کی وجہ سے ہوتی ہے۔

زیارت قبور بروز جمعتہ المبارک :- حضرت محمد بن واسع رحمتہ اللہ علیہ جمعہ کے دن مزارات کی زیارت فرمایا

کرتے تھے۔ کسی نے ان سے کہا کہ آپ سوموار تک تاخیر کر لیا کیجئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ جمعہ کے دن اس سے ایک دن پیشتر اس کے ایک دن بعد تک مردے زیارت کرنے والوں کو پہچانتے ہیں۔

حضرت ضحاک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہفتے کے دن طلوع آفتاب سے پیشتر جو شخص کسی قبر کی زیارت کرتا ہے تو قبر والے کو زیارت کرنے والے کا حال معلوم ہو جاتا ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس وقت تک اثر جمعہ کی عظمت کی وجہ سے باقی رہتا ہے۔

حکایت :۔ منصور رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ طاعون (وباء) کے دنوں میں ایک شخص قبرستان میں آیا جاتا کرتا تھا۔ نماز جنازہ بھی پڑھتا اور جب شام ہوتی تو وہ قبرستان کے دروازے پر کھڑا ہو کر اس طرح کہا کرتا تھا کہ تمہاری گھبراہٹ کو اللہ تعالیٰ انس سے بدل دے۔ تم پر رحم و کرم فرمائے۔ تمہارے گناہوں سے درگزر فرمائے اور تمہاری نیکیاں قبول فرمائے۔ وہ ان کلمات سے زیادہ کچھ بھی نہیں کہتا تھا۔ اتفاقاً ایک شام وہ قبرستان کی طرف نہ جا سکا جس وجہ سے وہ دعا نہ کر سکا۔ جب وہ رات کو سویا تو اس نے خواب میں دیکھا کہ میرے پاس بہت سے لوگ آئے ہیں۔ ان سے میں نے دریافت کیا کہ میاں تم کون ہو اور میرے پاس کیوں آئے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم قبرستان میں بسنے والے ہیں۔ ان سے میں نے پوچھا کہ پھر کیا مطلب ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جب تم گھر واپس آتے تھے تو تم نے عادت بنا لی تھی کہ تم واپس پلٹتے ہوئے ہمیں کچھ تحفہ عنایت فرمایا کرتے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ وہ تحفہ کیا تھا؟ انہوں نے کہا کہ تم کچھ دعا فرمایا کرتے تھے۔ آپ نے ہمیں آج اس دعا سے محروم رکھا' اس مراد کی بنا پر ہم آج آئے ہیں۔ میں نے کہا کہ اب پھر میں تمہیں تحفہ بھیجتا رہوں گا۔ چنانچہ اس کے بعد میں نے کبھی ناغہ نہیں کیا۔

مردوں کے لیے دعا کرنا :۔ حضرت بشار بن غالب نجرانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت رابعہ عدویہ رحمتہ اللہ علیہ کے حق میں بہت دعا کرتا تھا۔ ایک رات میں نے انہیں خواب میں دیکھا کہ آپ فرماتی ہیں کہ اے بشار! آپ کے تحفے میرے پاس مسلسل نوری طباقوں میں حریری رومالوں میں لپٹے ہوئے آتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ ان تحفوں کی یہ حالت کیوں ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جو زندہ مسلمان اپنے فوت شدہ دوستوں کے حق میں دعا کیا کرتا ہے' وہ دعا ان کے حق میں قبول ہو جاتی ہے۔ وہ قبول شدہ دعا یونہی نوری طباقوں میں رکھ کر حریر کے رومالوں میں لپیٹ کر مردوں کو دی جاتی ہے۔ اس سے فرما دیا جاتا ہے کہ یہ فلاں شخص کا تیرے لیے تحفہ ہے۔

حدیث شریف :۔ حدیث شریف میں موجود ہے کہ مردہ ڈوبتے ہوئے فریادی کی طرح ہے۔ دعا کے لیے انتظار کرتا رہتا ہے کہ باپ یا بھائی یا دوست کی طرف سے پہنچے اور جب کسی کی طرف سے اسے دعا پہنچتی ہے تو وہ دعا مردے کے لیے دنیا و مافیہا سے محبوب تر ہوتی ہے۔

مردوں کے لیے زندوں کے تحائف :۔ مردوں کے لیے زندوں کے تحائف دعا اور بخشش کی درخواست

ہیں- بعض اکابرین ارشاد فرماتے ہیں کہ میرا بھائی فوت ہو گیا تو میں نے اسے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ تجھے جب قبر میں رکھا تھا' تیرا کیا حال ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میرے پاس ایک شخص آگ کا بڑا سا شعلہ لایا- اس وقت اگر میرے حق میں ایک دعا کرنے والا دعا نہ کرتا تو یقیناً وہ اس شعلے سے مجھے مارتا-

مردے کے لیے تلقین:- مستحب ہے کہ مردے کو دفن کرنے کے بعد تلقین کرنا اور اس کے لیے دعا مانگنا ہو- حضرت سعید بن عبداللہ ازدی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابو امامہ باہلی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس نزع کے عالم میں گیا- انہوں نے فرمایا کہ اے ابو سعید! میں جب فوت ہو جاؤں تو میرے ساتھ بھی وہی معاملہ کرنا جس کا ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ارشاد فرمایا ہے کہ تم میں سے جب کوئی فوت ہو جائے اور جب اسے مٹی دے چکو تو پھر چاہیے کہ تم میں سے ایک شخص اس کی قبر کے سرہانے کھڑا ہو کر کہے کہ اے فلاں (مرد) فلانی (عورت) کے بیٹے- وہ تمہاری یہ بات سنے گا مگر جواب نہیں دے گا' پھر دوبارہ اسی طرح پکارے- وہ سیدھا ہو کر بیٹھ جائے گا' اسی طرح پھر تیسری بار بھی کہے- پھر وہ مردہ کہے گا' آپ پہ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے- ارشاد فرمایئے مگر تم اس کے اس جواب کو سن نہیں سکو گے- پھر تم اسے کہنا کہ اس چیز کو یاد کر جس پر تو دنیا سے اٹھا ہے یعنی گواہی دے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی اور یہ کہ اس بات پر تو راضی ہوا ہے کہ تیرا رب اللہ تعالیٰ ہے- تیرا دین اسلام ہے' نبی تیرا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور امام تیرا قرآن مجید ہے کیونکہ اگر یہ اسے سنا دو گے تو منکر و نکیر اس کے پاس سے ہٹ جائیں گے اور اس طرح کہیں گے کہ یہاں سے چلو- ہم اس کے پاس کیوں بیٹھے ہیں' اسے تو دلیل سکھا دی گئی ہے- اس کی طرف سے خود اللہ تعالیٰ منکر و نکیر کو جواب دے گا- (صحابہ کرام میں سے) ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی ماں کا نام معلوم نہ ہو تو (پھر کیا کریں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ پھر اسے حضرت حوا کا بیٹا کہہ کر پکاریں- مزارات پر قرآن مجید تلاوت کرنے کا بھی کوئی حرج نہیں-

قبر پر قرآن خوانی:- حضرت علی بن موسیٰ آہنگر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ میں ایک جنازے میں شامل تھا اور ہمارے ساتھ حضرت محمد بن قدامہ رحمتہ اللہ علیہ بھی تھے- میت جب دفن ہو چکی تو ایک اندھا شخص مزار کے پاس قرآن مجید کی تلاوت کرنے لگا- حضرت امام احمد رحمتہ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ مزار کے پاس قرآن مجید کا تلاوت کرنا بدعت ہے- قبرستان سے جب ہم باہر نکلے تو حضرت محمد بن قدامہ رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت امام احمد رحمتہ اللہ علیہ سے دریافت فرمایا کہ حضرت مبشر بن اسماعیل حلبی رحمتہ اللہ علیہ آپ کے نزدیک کیسا شخص ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ میرے نزدیک معتبر ہے اور ان سے دریافت کیا کہ کیا تم نے ان سے کچھ یاد کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں- مبشر بن اسماعیل رحمتہ اللہ علیہ نے مجھے خبر دی' حضرت عبدالرحمٰن بن علاء بن الجلاج رحمتہ اللہ علیہ سے کہ عبدالرحمٰن کے والد گرامی حضرت علاء بن الجلاج رحمتہ

اللہ علیہ نے وصیت فرمائی کہ میں جب دفن ہو چکوں تو میری قبر پر سر کی جانب شروع سورہ بقر شریف کا اور اس کا آخر تلاوت کیا جائے اور حضرت علاء رحمتہ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا ہے کہ آپ نے بھی اس کی تلاوت کرنے کی وصیت فرمائی تھی۔ تب حضرت امام احمد رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت محمد بن قدامہ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تو اس شخص کے پاس چلا جا' اسے کہہ دیجئے کہ وہ قرآن مجید تلاوت کرے۔

قبرستان والوں کو تلاوت قرآن مجید کا ثواب بخشنا:۔ حضرت محمد بن احمد مروزی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ سے میں نے سنا ہے کہ آپ ارشاد فرماتے تھے کہ تم جب قبرستان میں جاؤ تو سورہ الحمد شریف (سورہ فاتحہ) قل اعوذ برب الناس' قل اعوذ برب الفلق اور قل ھو اللہ تلاوت کرکے اس کا ثواب قبرستان والوں کو بخش دیا کرو کہ یہ ثواب انہیں پہنچے گا۔

قبرستان والوں کے لئے دعائے مغفرت:۔ حضرت ابو قلابہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں شام سے بصرہ میں آیا۔ خندق میں اتر کر وضو کیا۔ پھر دو رکعتیں نماز (نفل) ادا کیں۔ پھر میں ایک قبر پر سر رکھ کر سو گیا۔ میں نے خواب دیکھا کہ مجھ سے صاحب قبر شکایت کرتا ہے کہ ساری رات تم نے مجھے تکلیف دی ہے۔ پھر کہا کہ یہ بات تم نہیں جانتے مگر ہم جانتے ہیں مگر (ہم کیا کریں) عمل نہیں کر سکتے۔ تم نے یہ جو دو رکعتیں نماز (نفل کی) ادا کی ہیں' وہ ہمارے نزدیک دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہیں۔ پھر کہا کہ ہماری طرف سے دنیا والوں کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے۔ ہماری طرف سے انہیں سلام کہنا کیونکہ ان کی دعا کی وجہ سے نور ایک پہاڑ کے برابر ہمارے پاس آتا ہے۔

زیارت مزار کا فائدہ:۔ زندہ کو مزار کی زیارت کرنے کا یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ اسے عبرت حاصل ہوتی ہے اور مردے کو یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ مردے کو دعا پہنچے۔ اسی لیے زائر کو اپنے حق میں اور میت کے حق میں دعا کرنے سے غفلت نہیں کرنی چاہیے اور نہ ہی عبرت حاصل کرنے سے غافل ہونا چاہیے۔

مزارات سے عبرت حاصل کرنا:۔ مزار سے عبرت اس طرح حاصل ہوتی ہے کہ اپنے دل میں مردے کی صورت کا تصور پختہ جمالے کہ اس کے اعضاء جسمانی علیحدہ علیحدہ کیسے ہو گئے؟ وہ کس طرح قبر سے اٹھے گا اور یہ بھی تصور جمائے کہ عنقریب میں بھی اسی طرح ہو جاؤں گا۔

حکایت:۔ جیسا کہ حضرت مطرف بن ابی بکر ہذلی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد قیس رحمتہ اللہ علیہ کی اولاد میں سے ایک بوڑھی عورت بڑی عابدہ زاہدہ تھی۔ جونہی رات ہوتی' وہ مستعد ہو کر نماز کے لیے تیار ہو جاتی۔ جب دن ہوتا تو مزارات پر چلی جاتی۔ میں نے سنا ہے کہ اسے لوگوں نے کہا کہ تم قبرستان میں بکثرت کیوں جاتی ہو؟ اس نے جواب دیا کہ جب سخت دل سختی کرتا ہے تو اسے یہ پرانے کھنڈرات نرم کر دیتے ہیں۔ مزارات پر جو میں آتی

ہوں تو یہ ملاحظہ کرتی ہوں کہ گویا مزاروں کے تھوں میں سے لوگ نکلے ہیں' ان کے چہرے مٹی سے بھرے ہوئے' رنگ بدلے ہوئے' کفن میلے کچیلے ہیں۔

فائدہ :۔ ایسی نظر کا کیا کہنا ہے۔ اگر ایسی ہی نظر بندوں کے دلوں میں چیر جائے تو اس کی ترشی نفسوں پر کیا کچھ نہ ہوگی اور اس کی وجہ سے بدن کیا کچھ تباہ و برباد نہ ہوں گے بلکہ مردے کی صورت دل میں یاد کرنی چاہیے۔

حکایت :۔ جسے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ نے بیان فرمایا تھا کہ آپ کی صورت بدل جانے سے ایک فقیہ نے آکر حیرانی ظاہر کی کہ عبادت و مشقت کی کثرت کی وجہ سے آپ کا کچھ اور ہی طور ہو گیا تھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میاں صاحب قبر میں دفن ہونے کے بعد اگر مجھے اس سے تین دن مزید پیچھے ملاحظہ کرو گے تو اور زیادہ حیرانگی اختیار کرو گے کہ آنکھیں نکل کر رخساروں پر بہہ چکی ہوں گی۔ ہونٹ دانتوں سے چمٹ چکے ہوں گے۔ میرا منہ کھلا ہوا ہوگا اور اس میں سے پیپ وغیرہ نکل رہی ہوگی۔ پیٹ پھول پھول کر سینے سے بھی زیادہ بلند ہو چکا ہوگا۔ پاخانے کے راستے سے پیچھ نکلی ہوئی ہوگی۔ نتھنوں سے بخارات اور ریم نکل رہے ہوں گے۔ یہ حال جب دیکھو گے تو اس سے بھی زیادہ تعجب کرو گے۔ نیز مستحب یہ ہے کہ میت کی تعریف بیان کی جائے۔ اس کا ذکر جب بھی آئے تو اس کے بارے میں اچھا ہی کہے۔

حدیث شریف :۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ارشاد فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جب کوئی فوت ہو جائے تو اسے چھوڑ دو۔ اس کی برائی بیان نہ کرنا۔ (بروایت ابو داؤد)

ایک حدیث شریف میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مردوں کو گالی نہ دیجئے کہ وہ اپنے کیے ہوئے اعمال کو پہنچ گئے۔(بخاری)

ایک اور حدیث شریف میں ارشاد گرامی ہے کہ اپنے مردوں کا ذکر اچھائی کے ساتھ کیا کرو۔ اس لیے کہ اگر تو وہ جنتی ہیں تو انہیں برا کہنے کی وجہ سے تم پر گناہ ہوگا اور اگر وہ دوزخی ہیں تو انہیں ان کی اپنی ہی مصیبت کافی ہے۔
(نسائی شریف و طبرانی بروایت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

حدیث شریف :۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک جنازہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب سے گزرا تو اس کی لوگوں نے بہت برائی بیان کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کے لیے واجب ہوگی۔ اس کے بعد پھر ایک اور جنازہ آیا تو لوگوں نے اس کی بھلائی بیان کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ارشاد فرمایا کہ اس کے لیے واجب ہوگئی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت کیا کہ کیا چیز واجب ہوگی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم نے اس جنازے کی بھلائی کا ذکر کیا ہے' اس کے لیے جنت واجب ہو گئی ہے اور پہلے جنازے کی تم نے برائی بیان کی ہے تو اس پر دوزخ واجب ہو گئی ہے۔ زمین میں تم اللہ تعالیٰ کے گواہ ہو یعنی تم جس چیز کی گواہی دو گے' ویسا ہی حکم ہوگا۔ (بخاری و مسلم)

حدیث شریف :- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حدیث شریف کو روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب بندہ فوت ہو جاتا ہے تو لوگ اس کا حال وہی بیان کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے علم مبارک میں اس طرح کا نہیں ہوتا تو پھر اللہ تعالیٰ فرشتوں کو ارشاد فرماتا ہے کہ تم گواہ رہنا۔ اس بندے کے حق میں اپنے بندوں کی گواہی میں نے قبول فرمائی ہے اور اس کے جو گناہ میں جانتا ہوں' میں نے ان گناہوں کو معاف فرما دیا ہے۔

حقیقت موت :- بعض لوگ موت کے بارے میں غلط خیالات اور غلط تصورات پیش کرتے ہیں۔ وہ سخت غلطی پر ہیں۔ مثلاً بعض کہتے ہیں کہ موت نیست و نابود ہو جاتا ہے' اس کے بعد نہ حشر ہوگا' نہ نشر۔ انسان کی موت دوسرے حیوانات کی طرح یا جیسے گھاس سوکھ گیا اور ختم۔ یہ ملحدین کا عقیدہ ہے اور ان (کافروں) کا جو اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتے اور بعض کا گمان ہے کہ موت سے انسان نیست و نابود ہو جاتا ہے لیکن مرنے کے بعد قبر میں کوئی عذاب نہ ثواب۔

بعض کا عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد روح باقی ہے' نیست و نابود نہیں ہوتی۔ عذاب و ثواب بھی صرف اسی کو ہے' جسم کو عذاب نہ ثواب۔ قیامت میں اجسام نہیں اٹھائے جائیں گے اور نہ دوبارہ انہیں زندگی ملے گی۔ یہ تمام غلط عقائد اور خیالات فاسد ہیں۔ ان کو حق سے کوئی تعلق نہیں' باطل محض ہیں۔

حق عقیدہ اہلسنت :- حق مذہب یہ ہے جو قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ وہ یہ کہ موت صرف حال کی تبدیلی کا نام ہے۔ یہی موجودہ دور میں اہلسنّت کا عقیدہ ہے جو سنی' بریلوی کے نام سے مشہور ہیں۔ یہی عقیدہ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کے علاوہ جملہ اسلاف صالحین کا ہے۔ (اویسی غفرلہ)

مسئلہ :- مرنے کے بعد روح جسم سے جدا ہو کر یا عذاب میں مبتلا ہے یا راحت و رحمت میں۔ روح کا جسم سے جدا ہونے کا یہ معنی ہے کہ جسم کا روح کے تصرف سے فارغ ہو جاتا ہے۔ اب جسم روح کی طاعت نہیں کرے گا۔ اب دنیا میں چونکہ تمام اعضائے جسم روح کے آلات ہیں' ان سے ہر طرح کے کام لیتی ہے مثلاً ہاتھ سے پکڑنے کا' کان سے سننے کا' آنکھ سے دیکھنے کا' دل سے اشیاء کی حقیقت فہمی کا کام۔

فائدہ :- پہلے ثابت ہو چکا کہ دل اور روح ایک شے ہے لیکن کبھی فرق ہوتا ہے۔ یہاں وہی ہے۔ بہرحال روح خود بلاواسطہ بھی ہر شے کی حقیقت سمجھتی ہے' اسے کسی آلہ کی ضرورت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی روح خود غم سے دکھ پاتی ہے اور خوشی سے سکھ حاصل کرتی ہے اور یہ امور متعلق بہ اعضائے جسمانی نہیں بلکہ ان امور سے روح ہی موصوف ہوتی ہے یعنی سننا' دیکھنا وغیرہ وغیرہ۔ اگرچہ روح جسم سے ہو گئی' تب بھی روح ان اوصاف سے موقوف ہے البتہ وہ صفات جو جسم و روح کے اتصال میں تھیں' وہ صرف جسم سے ختم ہو گئیں لیکن روح میں باقی ہیں۔ دور

حاضر میں سماع موتی کا مسئلہ اس قاعدے سے سمجھئے۔ اہلسنت سماع موتی کے قائل ہیں کہ روح زندہ ہے اور اس میں تمام صفات موجود ہیں' اس لیے مردے سنتے ہیں یعنی ان کی ارواح اور منکرین سماع موتی دھوکہ کے اور میں بس جسم مردہ کے نہ سننے کو مطلقاً سماع موتی کا انکار کرجاتے ہیں۔ تفصیل دیکھئے (فقیر اویسی غفرلہ کا رسالہ سماع موتی) اعادہ روح بہ روح کا دوبارہ جسم میں آنا محال نہیں۔ وہ قبر اور قیامت میں لوٹ کر آئے۔ ممکن ہے ہاں قیامت میں جسم کا روح کا آنا تو ہے ہی۔ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لیے جو حکم فرمایا ہے' وہ ہوگا' وہی بندوں کو خوب جانتا ہے۔

مثال :۔ روح کے جسم سے خروج کے بعد جسم کا حال اپاہج جیسا ہے یا اس بیمار کی طرح ہے جس کے جسم کے پٹھوں میں سدہ پھنس جائے تو وہ اعضاء کام کرنے کے نہیں رہتے۔ اسی طرح موت کے بعد روح جسم میں کام نہیں کرسکتی۔ ہاں روح کا عاقل' عالم مدرک ہونا باقی ہے (یہی سنی بریلوی کہتے ہیں۔ اویسی غفرلہ) ہاں بوقت ضرورت روح بعض اعضاء سے کام لیتی ہے اور بعض اس کے نافرمان بھی ہوتے ہیں لیکن موت کے بعد تو تمام اعضاء روح کے گویا بے فرمان ہیں۔ یہ عام قاعدہ ہے انبیاء' اولیاء کو اس میں شامل کرنا گمراہوں کا کام ہے۔ (اویسی غفرلہ)

فائدہ :۔ اعضا روح کے آلات ان سے وہ کام لیتی تھی۔ اب موت کے بعد اس کا کام لینا ختم۔

مسئلہ :۔ روح سے مراد انسان میں وہ قوت ہے جس سے انسان علوم و غموم اور سرور وغیرہ محسوس کرتا ہے۔ اگر وہ قوت جسم سے نکل گئی تو وہ اپنی صفات سے فارغ نہیں ہوگی۔ سب جانتے ہیں' دراصل انسان اسی قوت کا نام ہے جس سے علوم وغیرہ کا ادراک ہوتا ہے اور رنج و راحت محسوس ہوتی ہے۔ یہ وقت نہیں مرتی بلکہ موت کا مطلب یہی ہے کہ اسی وقت سے آلات جدا ہو گئے۔ ان کی جدائی سے اعضاء اپاہج ہو گئے یعنی کام کے نہ رہے یعنی روح کے آلات اس کے قبضہ سے نکل گئے لیکن انسان اپنی حقیقت کے لحاظ سے یعنی نفس و روح کے اعتبار سے وہ بدستور موجود ہے۔

موت سے تبدیلی حال :۔ انسان کے حال کا بدلنا دو قسم سے ہے۔ (ا) موت کے بعد اس کی آنکھ اور کان اور ہاتھ اور پاؤں اور جملہ اعضاء چھن گئے اور اہل و اقارب اور زن و فرزند اور تمام اشیاء اور سواریاں اور غلام اور گھر اور تمام جائیداد چھن گئی اور اس میں کچھ فرق نہیں کہ کسی سے یہ چیزیں چھن جائیں یا خود اس کو ان چیزوں سے چھین لیا جائے۔ اس لیے موت کے بعد انسان کو ایذا دینے والی چیز تو جدائی ہے اور جدائی کا دونوں صورتوں میں درد یکساں ہوتا ہے کہ کبھی تو اس کا مال لوٹ لیا جاتا ہے اور کبھی مال وغیرہ بدستور رہتا ہے لیکن مالک کو قید کر لیا جاتا ہے۔ دونوں صورتوں میں غم درد یکساں ہوتا ہے اور موت بھی یہی ہے کہ انسان کو اس کے جمیع اموال اور لواحق سے جدا کرکے ایک دوسرے عالم میں بھیج دیا جائے جو اس عالم کے مشابہ نہ ہو۔ اگر دنیا میں اس کی کوئی ایسی چیز ہوگی کہ اس کا دل کو جس سے اسے انس و راحت تھی تو موت کے بعد اس چیز کی اس پر جدائی بڑی سخت ہوگی اور اس کی جدائی میں اس کو نہایت تکلیف ہوگی بلکہ اس کا دل ہر ایک چیز کی طرف التفات کرے گا۔ مال' جاہ و جلال اور جائیداد

غیر منقول کی طرف یہاں تک کہ اگر کوئی کرتا پہن کر خوش ہوا کرتا ہوگا تو اس کے چھوٹنے کا بھی رنج ہوگا اور اگر بجز خدائے تعالیٰ کے ذکر کے اور کسی شے سے خوش نہ تھا اور نہ اس کے سوا دوسرے سے الفت رکھتا تھا تو مرنے سے بڑی آسائش ملے گی- اس لیے کہ موانع برطرف ہو گئے اور محبوب اور اپنے آپ میں تخلیہ ہو جائے گا- تمام اسباب دنیاوی خدا تعالیٰ کے ذکر سے مانع ہیں- وہ سب اس سے علیحدہ ہو گئے-

(2) مرنے کے بعد وہ تمام باتیں کھل کر سامنے آجاتی ہیں جو زندگی میں نہیں کھلتی تھیں- جیسے بیداری میں ایسے حالات منکشف نہیں ہوتے ہیں جو خواب میں واضح ہوتے ہیں- دنیا میں لوگ مردہ ہیں' جب مریں گے تو جاگیں گے-

مرنے کے بعد پہلا حال :- سب سے پہلے جو آدمی پر حال کھلے گا' وہ اس کی نیکیوں کا نفع یا برائیوں کا ضرر ہوگا- حالانکہ یہ حال اس کے دل کے اندر لکھا تھا مگر دنیا کے کاموں کی وجہ سے اس کو خبر نہ تھی- جب دنیا کے امور علیحدہ ہو گئے تو سارے اعمال اس پر کھل گئے- اب جو برائی دیکھتا ہے' اس پر ایسی حسرت کرتا ہے کہ اس حسرت سے بچنے کے لیے آگ میں گھس جانے کو اختیار کر سکتا ہے اور ایسے حال میں اس سے کہا جاتا ہے کہ کفی بنفسک الیوم علیک حسیبا (بنی اسرائیل 14) ترجمہ کنزالایمان : آج تو خود ہی اپنا حساب کرنے کو بہت ہے-

فائدہ :- یہ بات اس وقت کھلتی ہے کہ جب سانس ٹوٹ جاتی ہے اور دفن نہیں ہوتا اور جدائی کی آگ بھڑکی ہوتی ہے یعنی اس دنیائے ناپائیدار سے جس چیز پر اطمینان تھا اور مقدار زاد اور پہنچانے کی قدر اس کی مراد نہ تھی- اس کے جدا ہونے کی آگ لگی ہوئی ہے اور جو شخص کہ دنیا میں صرف آخرت کا طالب ہوتا ہے تو اس کو مرنے کے بعد مال و اسباب وغیرہ کی جدائی سے کوئی درد و غم نہیں ہوتا بلکہ وہ منزل پر پہنچ کر خوش ہوتا ہے کہ دنیا کا تردد جاتا رہا اور وجہ اس کی خوشی کی یہ ہے کہ اس کو غرض منزل مقصود تھی نہ کہ دنیا- یہ حال ان حضرات کا ہوتا ہے جو دنیا میں سے بقدر ضرورت مال و اسباب لیتے ہیں اور وہ چاہتے رہتے ہیں کہ کسی طرح ضرورت بھی نہ رہے' ان کی آرزو مرنے سے پوری ہو جاتی ہے کہ اس قدر سے بھی ہو جاتے ہیں-

فائدہ :- یہ عذاب کے اقسام اور رنج بہت بڑے ہیں کہ پہلے دفن سے پہلے انسان پر ٹوٹ پڑتے ہیں- پھر دفن کے وقت کبھی دیگر قسم کے عذاب کے لیے اس کی روح جسم میں دوبارہ لائی جاتی ہے اور کبھی اسے معاف کر دیا جاتا ہے-

مثال :- جو کوئی دنیا سے لذت یاب اور اس پر مطمئن ہوتا ہے- اس کا حال سمجھ جیسے کوئی کسی بادشاہ کی موجودگی میں اس کے محل اور سلطنت اور پایہ تخت میں خوب مزے اڑائے اور اعتمو کرتا ہو کہ بادشاہ میرے معاملہ میں کچھ سولت کرے گا یا یہ کہ جو میں برے کام کر رہا ہوں- ان کا علم بادشاہ کو نہ ہوگا اور بادشاہ اس کو اچانک پکڑ لے اور اس پر ایک حال پیش کرے جس میں اس کی خطائیں اور بدافعالیاں ذرا ذرا سی بھی لکھی ہوئی ہیں اور بادشاہ بھی بڑا زبردست اور ہیبت ناک ہو اور جو لوگ اس کے محل میں یا سلطنت میں مرتکب افعال ناشائستہ ہوں' ان سے بدلہ لینے والا ہو اور کسی کی سفارش نہ سنتا ہو تو ایسی صورت میں اس گرفتار کا حال سوچنا چاہیے کہ سزا وغیرہ ہونے سے

قبل اس کو کس قدر خوف اور شرم اور حسرت و ندامت ہوگی- یہی حال بدکار میت کا ہے جو دنیا پر مغرور اور مطمئن ہوتا ہے کہ پہلے قبر کے عذاب بلکہ عین مرنے کے وقت خوف و شرم و حسرت و ندامت ٹوٹ پڑتی ہے اور جسم کے مارنے و کاٹنے کی بہ نسبت رسوائی اور فضیحت اور پردہ کے فاش ہونے کا عذاب بہت زیادہ ہوتا ہے-

فائدہ :- موت کے وقت مردہ کا حال یونہی ہوتا ہے- اہل بصیرت نے اس کو باطن کے مشاہدے سے دیکھا ہے جو ظاہر کے دیکھنے سے بھی قوی تر ہے اور اس پر قرآن و حدیث کے دلائل بھی موجود ہیں- ہاں کنہ حقیقت موت کا حال معلوم ہونا ممکن نہیں' اس لیے کہ موت کی معرفت زندگی کی معرفت کے بغیر ممکن نہیں اور زندگی کی معرفت روح کی حقیقت جاننے اور اس کی ذات کے پہچاننے پر موقوف ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق گفتگو کرنے کی اجازت نہیں دی اور الروح من امر ربی کہنے کے سوا اور کچھ زیادہ کہنے سے منع فرمایا ہے تو کسی کو علمائے دین میں سے نہیں پہنچ سکتا کہ روح کے راز کھولے- اگرچہ اس پر مطلع ہو- صرف اسی قدر اجازت ہے کہ روح کا بعد موت کے ذکر کریں اور اس بات پر بہت سی آیتیں اور حدیثیں دلالت کرتی ہیں کہ موت سے روح نیست نہیں ہوتی' نہ اس کا ادراک فنا ہوتا ہے-

دلائل سماع موتی :- اللہ تعالیٰ شہداء کے متعلق ارشاد فرماتا ہے- ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ اموتا بل احیاء عندربھم یرزقون فرحین (آل عمران 169 تا 170) ترجمہ کنزالایمان : اور جو اس کی راہ میں مارے گئے ہرگز انہیں مردہ نہ خیال کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں روزی پاتے ہیں شاد ہیں-

غزوہ بدر کے بعد کفار کے لیڈروں کا نام لے لے کر ان کی قبروں پر کھڑے ہو کر ایک ایک کا نام پکارا' اے فلاں' اے فلاں میرے سے جو میرے رب نے وعدہ کیا تھا' اسے میں نے سچا پایا- تم سے جو تمہارے رب نے وعدہ کیا تھا' تم نے بھی سچا پایا یا نہیں- صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کو پکارتے ہیں جو مردہ ہیں- آپ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے- وہ اس کلام کو تم سے زیادہ سنتے ہیں مگر وہ جواب پر قادر نہیں-

فائدہ :- یہ حدیث نص ہے- روح کے باقی رہنے پر اور اس کے ادراک و معرفت بحال رہنے پر نص تھی شہداء کی ارواح میں اور میت کی دو ہی قسمیں ہیں یا سعید ہوتا ہے یا شقی-

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قبر ایک گڑھا ہے- آگ کے گڑھوں میں سے یا ایک باغ ہے جنت کے باغوں میں سے-

یہ صریح نص ہے کہ موت کے معنی صرف حال بدلنا ہے اور اس میں کہ میت کے لیے جو کچھ سعادت اور شقاوت ہوتی ہے' وہ مرتے ہی بلاتاخیر ہو جایا کرتی ہے- صرف بعض اقسام کے عذاب اور ثواب قیامت تک موخر رہتے ہیں مگر ان کی اصل سزا اسی وقت ہو جاتی ہے-

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا الموت قیامنہ فمنمات فقد قامت قیامتہ "جو مرگیا' اس کی قیامت قائم ہو گئی۔"

حدیث شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی تم میں سے مرجاتا ہے تو اس کا ٹھکانا صبح و شام اس پر پیش کیا جاتا ہے۔ اگر وہ جنتی ہوتا ہے تو جنت میں' اگر دوزخی ہوتا ہے تو دوزخ میں سے ٹھکانا دکھلایا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ تیرا ٹھکانا ہے۔ یہاں تک کہ خدا تعالیٰ تجھے اس میں قیامت میں پہنچا دے۔

فائدہ:- جو کچھ ان ٹھکانوں کے دیکھنے سے لذت یا عذاب اس وقت ہوگا' وہ مخفی نہیں۔ ابو قیس کہتے ہیں کہ ہم ملقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ایک جنازہ میں شریک تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی قیامت تو قائم ہو گئی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ نفس کو دنیا سے نکلنا حرام ہے۔ جب تک یہ نہ جان لے کہ جنت والوں سے ہوں یا دوزخ والوں سے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من مات غریبا مات شہیدا ودنی فتانی القبر وغدی وریح علیہ رزقہ من الجنتہ "جو شخص حالت سفر میں مرتا ہے' وہ شہید ہوتا ہے اور قبر کے دو فتنہ ڈالنے والوں سے بچایا جاتا ہے اور اس کو صبح اور شام اس کی روزی دی جاتی ہے۔

مسروق نے فرمایا کہ مجھے اتنی غبطہ کسی مسلمان پر نہیں آتی جتنی اس ایماندار پر رہتا ہے کہ لحد میں جا کر دنیا کی تکالیف سے آرام پایا ہو اور خدا تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ رہا ہو۔ -علی بن ولید کہتے ہیں کہ میں ایک دن حضرت ابو دردا کے ساتھ تھا۔ میں نے آپ سے پوچھا کہ جس سے آپ محبت رکھتے ہیں' اس کے لیے آپ کون سا حال پسند کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اس کے لیے موت پسند کرتا ہوں۔ میں نے پوچھا کہ اگر وہ نہ مرے۔ آپ نے فرمایا تو یہ پسند کرتا ہوں کہ اس کا مال اور اولاد کم ہو اور موت کو اس لیے پسند کرتا ہوں کہ یہ چیزیں آزمائش ہیں اور دنیا کے ساتھ انس کا موجب ہیں اور ایسی چیز سے انس کا ترک ضروری ہے۔ جو چیز خدائے تعالیٰ کے اور اس کے ذکر اور اس کے انس کے سوا ہے۔ ان سب کو چھوڑ دینا ضروری ہے اور واجب ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مومن کی مثال اس روح نکلنے کے وقت ایسی ہے جیسے کوئی شخص قید خانے میں ہو اور اس میں سے چھوڑ دیا جائے اور زمین کو سیر کرتا' کودتا پھرے۔

فائدہ:- یہ اس خوش قسمت کا حال ہے جو دنیا سے علیحدہ اور کنارہ کش ہو اور بجز ذکر اللہ تعالیٰ کے اور کسی چیز سے انس نہ رکھتا ہو اور دنیا کے علائق اسے محبوب حقیقی سے روکتے ہوں اور شہوتوں کی بہتات ایذا دیتی ہو تو ایسے شخص کی موت میں تمام پریشانیوں سے نجات ہو جاتی ہے اور جس محبوب سے اس کو انس تھا' اسے وصل نصیب ہوتا ہے۔

فضائل شہید:- یہ امر منتہائے آسائش اور کمال لذات ان شہیدوں کے لیے ہو جو خدا کی راہ میں شہید ہوئے۔

اسی لیے وہ جو مرنے پر جرأت کرتے ہیں' یہی وجہ ہے وہ جب اپنی توجہ دنیا کے علاقوں سے قطع کر لیتے ہیں اور مشتاق دیدار الٰہی کے ہو کر اس کی رضاجوئی میں قتل پر راضی ہوتے ہیں' اگر دنیا کی طرف نظر کرے گا تو اپنی خوشی سے اس کو آخرت کے بدلے میں بیچ ڈالے گا اور بیچنے والے کا دل اس کی طرف التفات نہیں کیا کرتا اور آخرت کی طرف نظر کرے گا تو اس کو خریدا ہی ہے اور اسی کا شوقین تھا تو جس چیز کو خریدا ہے' اس کو جب دیکھے گا تو کیسی خوشی ہو گی اور جس چیز کو بیچ دیا ہے' اس کے جدا ہونے پر کتنا کم التفات ہو گا۔

فائدہ :۔ دل کا خالص ہونا محبت الٰہی میں کبھی اتفاقا ہو جایا کرتا ہے۔ یہ نہیں کہ موت بھی اسی پر ہو۔ اسی لیے بدل جاتا ہے اور خدا کی راہ میں لڑنا موت کا سبب ہے تو اسی حالت پر موت آنے کا سبب ہو گا۔ اسی لیے اس کی لذت زیادہ ہوتی ہے کیونکہ لذت کا معنی یہ ہے کہ آدمی اپنی مراد کو پہنچ جائے اور جی چاہتی بات میسر ہو ولھم فیھا مایشتھون

فائدہ :۔ اس آیت میں تمام لذتیں جنت کی آگئیں اور بڑے سے بڑا عذاب یہ ہے کہ آدمی اپنی مراد سے روک دیا جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وحیل بینھم وبین ما یشتھون (ترجمہ از کنز الایمان)

یہ آیت اہل دوزخ کے تمام عذابوں کو جامع ہے اور آسائش مذکورہ بالا شہید کو فورا روح نکلتے ہی ملتی ہیں اور یہ امر ارباب قلوب کو نور یقین سے ہوتا ہے۔

اس پر شہادت کے فضائل کی روایات کا مطالعہ ضروری ہے۔ شہادت کی احادیث اسی پر دال ہیں۔ ہر ایک حدیث شہداء کی انتہائے لذت کو بیان فرماتی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا اور ان کا باپ جنگ احد میں شہید ہو گیا تھا کہ میں تم کو اس کا حال سناؤں۔ انہوں نے عرض کیا' ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے باپ کو زندہ کیا اور اپنے سامنے بٹھلا کر فرمایا' اے میرے بندے جو چاہے مجھ سے تمنا کر' میں تجھے دوں گا۔ تیرے باپ نے عرض کیا الٰہی میں نے تیری عبادت جیسی چاہیے تھی' ویسی نہیں کی۔ میں تجھ سے تمنا کرتا ہوں کہ تو مجھے پھر دنیا میں بھیج دے تاکہ میں تیرے رسول کے ساتھ ہو کر لڑوں اور دوسری دفعہ تیری راہ میں مارا جاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ یہ میری طرف سے پہلے ہو چکا ہے کہ تو دنیا میں لوٹ کر نہ جائے گا۔

حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جنت میں ایک شخص روتا ہوا نظر آئے گا۔ اسے کہا جائے گا کہ تو جنت میں کیوں روتا ہے؟ وہ کہے گا کہ میں اس لیے روتا ہوں کہ خدا کی راہ میں صرف ایک ہی بار مارا گیا۔ میں چاہتا ہوں کہ پھر جا کر لڑوں اور کئی بار مارا جاؤں۔

فائدہ :۔ اہل ایمان کو مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کا جلال اتنا وسیع معلوم ہوتا ہے جس کے سامنے دنیا تنگ اور قید خانے کی طرح معلوم ہوتی ہے اور اس کا حال ایسا ہوتا ہے جیسے کوئی اندھیرے قید خانے میں بند ہو اور اس پر ایک

دروازہ ایک ایسے وسیع باغ کی طرف کھول دیا جاتا ہے کہ اس کی وسعت پر آنکھ کام نہ کرتی ہو اور اس میں طرح طرح کے درخت اور پھول اور پھل اور جانور ہوں تو ظاہر ہے کہ وہ شخص اس باغ میں پہنچ کر اندھیرے اور قید خانے میں پھر آنا نہ چاہے گا۔

مثال:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے کہ ایک شخص مرگیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ دنیا سے کوچ کر گیا اور دنیا کو دنیاداروں کے لیے چھوڑ گیا۔ اگر یہ راضی ہے تو اسے دنیا میں پھر کر آنا اچھا نہ معلوم ہوگا جیسے تم میں سے کوئی اچھا نہیں جانتا کہ وہ دوبارہ اپنی ماں کے پیٹ میں۔

فائدہ:۔ اس حدیث میں غور ہو کہ آخرت کی وسعت کو دنیا سے وہ نسبت ہے جو دنیا کی وسعت کو رحم کی تاریکی سے ہے۔

مثال:۔ ایک حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ مومن کی مثال ایسی ہے جیسے بچہ اپنی ماں کے پیٹ میں کہ جب پیٹ سے نکلتا ہے تو روتا ہے مگر جب روشنی دیکھتا ہے تو پھر اپنی جگہ جانا پسند نہیں کرتا۔ یہی حال مومن کا ہے کہ موت سے گھبراتا ہے مگر جب اپنے پروردگار کے پاس جاتا ہے تو پھر دنیا میں آنا پسند نہیں کرتا۔ جیسے بچہ ماں کے پیٹ میں جانا نہیں چاہتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ فلاں شخص مرگیا۔ آپ نے فرمایا مستریح او مستراح منہ یعنی یا اس کو راحت ملی یا اس سے دوسروں کو راحت ہو گئی۔

فائدہ:۔ مستریح میں اشارہ مومن کی طرف ہے کہ بلائے دنیوی ہے۔ راحت پائی اور مستراح منہ میں فاجر کی طرف اشارہ ہے کہ دنیا والے اس سے راحت میں ہو جاتے ہیں۔

ابو عمر صاحب سیقا کہتے ہیں کہ ہم ابھی بچے تھے۔ ہمارے پاس حضرت ابن عمر گزرے اور ایک قبر کی طرف نگاہ کی تو دیکھا کہ ایک کھوپڑی کھلی ہوئی تھی۔ ایک شخص کو آپ نے فرمایا کہ اس پر مٹی ڈال دے۔ اس نے اس پر مٹی ڈال دی۔ پھر فرمایا کہ یہ خاک ان بدنوں کو کچھ ضرر نہیں کرتی اور جن پر ثواب یا عذاب قیامت ہوتا ہے' وہ ارواح ہیں۔ عمر بن دینار فرماتے ہیں کہ جو میت مرتی ہے' وہ جو کچھ اس کے گھر اس کے بعد ہوتا ہے' جانتی ہے۔ یہاں تک کہ لوگ مردے کو غسل اور کفن دیتے ہیں اور وہ ان دیکھتا ہے۔ مالک بن انس فرماتے ہیں کہ میں نے سنا ہے کہ مومنوں کی روحیں آزاد رہتی ہیں جہاں چاہتی ہیں' وہ رہتی ہیں۔

حضرت لقمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر فرماتے سنا کہ آگاہ رہو' دنیا میں صرف اس قدر رہنا ہے جیسے مکھی شہد میں پھنس کر جو اس میں بلتی ہے۔ پس اللہ سے خوف کرو' اپنے مردوں کے بارے میں اس لیے کہ تمہارے اعمال ان پر پیش کیے جاتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے مردوں کو اپنے برے

اعمال سے شرمسار نہ کرو کیونکہ تمہارے اعمال بد تمہارے مردہ دوستوں پر پیش ہوا کرتے ہیں۔

ابو دردا نے دعا میں فرمایا کہ الٰہی میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ ایسا کام کروں جس سے حضرت عبداللہ بن رواحہ کے سامنے رسوا ہوں۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ حضرت ابو دردا کے ماموں تھے اور وہ پہلے مر چکے تھے۔

عبداللہ بن عمر بن العاص سے کسی نے پوچھا کہ مرنے کے بعد مومنین کی روحیں کہاں رہتی ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ سفید جانوروں کی صورت میں عرش کے سائے میں رہتی ہیں اور کافروں کی روحیں ساتویں زمین میں رہتی ہیں۔

ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ مردہ اپنے غسل دینے والے اور اٹھانے والے اور قبر میں اتارنے والے کو پہچانتا ہے۔

صالح مری فرماتے ہیں کہ میں نے سنا ہے کہ روحیں موت کے وقت ملا کرتی ہیں۔ مردوں کی روحیں آنے والے مردے کی روح سے کہتی ہیں کہ تیرا ٹھکانا کہاں ہوا اور تو پاک جسم میں رہا یا ناپاک میں۔

عبید بن عمیر کہتے ہیں کہ اہل قبور مردوں کے منتظر رہتے ہیں۔ جب کوئی مردہ ان کے پاس جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص کا کیا حال ہے۔ وہ کہتا ہے کہ دنیا سے تو وہ آگیا' کیا تمہارے پاس نہیں آیا؟ وہ کہتے ہیں' نہیں۔ پھر کہتے ہیں کہ انا للہ وانا الیہ راجعون (البقرہ 156) اس کو کسی اور راستے سے لے گئے' ہمارے پاس تو نہیں لائے۔

جعفر بن سعید سے مروی ہے کہ جب کوئی مر جاتا ہے تو اس کا لڑکا اس کے استقبال کو آتا ہے جیسے کسی مسافر کا استقبال کیا کرتے ہیں۔

مجاہد فرماتے ہیں کہ جس کا لڑکا نیک بخت ہوتا ہے تو اس کی نیک بختی کی بشارت اس کو قبر میں دی جاتی ہے۔

ابو ایوب انصاری سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مومن کی جان نکلتی ہے تو اس سے خدا تعالیٰ کے پاس سے رحمت والے مردے ایسے ملتے ہیں جیسے دنیا میں خوشخبری سنانے والا کسی کے پاس آتا ہے اور کہتے ہیں کہ اس اپنے بھائی کو دیکھو تاکہ اس کو تسکین ہو جائے کہ یہ شخص بڑی سختی میں تھا۔ پھر اس سے پوچھتے ہیں کہ فلاں شخص کا کیا حال ہے اور فلاں عورت کیسی ہے اور فلاں عورت نے نکاح کیا یا نہیں؟ جب اس سے کسی ایسے شخص کا حال پوچھتے ہیں کہ وہ اس سے پہلے مر گیا ہوتا ہے اور وہ جواب دیتا ہے کہ وہ تو مجھ سے پہلے مر چکا ہے۔ کہتے ہیں کہ انا للہ وانا الیہ راجعون (البقرہ 156) اس کو اس کے اعمال دوزخ میں لے گئے۔ (معاذ اللہ)

اخبار القبور یعنی قبر کی خبریں:۔ زبان حال مردوں کے سمجھانے کے لیے فصیح تر ہے' بہ نسبت زبان مقال کے زندوں کے سمجھانے میں۔

احادیث مبارکہ:۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب مردہ قبر میں رکھا جاتا ہے تو قبر اس سے کہتی ہے کہ اے خانہ خراب' تجھے کس چیز نے مجھ سے مغالطے میں رکھا۔ تو نے نہ جانا کہ میں آزمائش کا گھر ہوں اور تاریکی کا مکان اور تنہائی کی جگہ اور کیڑوں کا خانہ ہوں۔ میرے بارے میں تجھے کس چیز نے دھوکہ دیا کہ تو میرے

اوپر اکڑ کر چلتا تھا۔ اگر نیک بخت ہوتا ہے تو اس کی طرف سے کوئی جواب دینے والا جواب دیتا ہے کہ تو دیکھتی نہیں کہ یہ شخص اچھی بات کا امر کیا کرتا تھا اور بری بات سے منع کرتا تھا۔ قبر کہتی ہے تو اب اس پر وسیع ہوئی جاتی ہوں اور اس کا جسم نور بن جائے گا اور روح خدا تعالیٰ کے پاس چلی جائے گی۔

عبید بن عمیر لیثی کہتے ہیں کہ جو مرتا ہے' اس کا گڑھا جس میں وہ دفن ہوگا' اس سے کہتا ہے کہ میں تنہائی اور تاریکی اور اکیلے رہنے کا مقام ہوں۔ اگر تو اپنی زندگی میں خدا تعالیٰ کا مطیع رہا ہوگا تو میں آج تم پر رحمت بنوں گا اور اگر تو نافرمان رہا ہوگا تو عذاب بنوں گا۔ میں وہ ہوں کہ جو مجھ میں مطیع ہو کر آئے گا۔ وہ خوش ہو کر نکلے گا اور جو عاصی ہو کر آئے گا' وہ تباہ ہو کر نکلے گا۔

محمد بن صبیح کہتے ہیں کہ جب آدمی قبر میں رکھا جاتا ہے اور اسے عذاب یا بری بات پہنچتی ہے تو اس کے پڑوس کے مردے اس سے کہتے ہیں کہ اے اپنے قریبیوں اور پڑوسیوں سے دنیا میں پیچھے رہنے والے کیا تجھے ہم سے عبرت نہ ہوئی۔ کیا اپنے آپ سے آگے آنے والوں کا حال تو نے نہ سوچا۔ تو نے نہ دیکھا کہ ہمارے اعمال مرنے سے ختم ہو گئے تھے' تجھے تو مہلت تھی تو نے تدارک کیوں نہ کر لیا۔ جو تیرے اقارب سے رہ گئی تھی اور زمین کے حصے اس سے کہتے ہیں کہ اے ظاہر دنیا پر دھوکا کھانے والے جو لوگ تیرے گھر والوں میں سے زمین کے شکم میں چلے گئے تھے' ان سے تو نے عبرت کیوں نہ پکڑی۔ ان کو دنیا نے تجھ سے پہلے دھوکا دیا' پھر ان کی موت ان کو قبروں میں لے گئی تو ان کو دیکھتا تھا کہ دوسروں کے کاندھوں پر اس منزل میں چلے جاتے ہیں جو ان کے لیے ضروری تھی۔

یزید رقاشی کہتے ہیں کہ میں نے سنا ہے کہ جب مردہ قبر میں رکھا جاتا ہے تو اس کے اعمال اسے گھیرتے ہیں۔ پھر ان کو خدا تعالیٰ گویا کرتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اے اکیلے بندے گڑھے میں پڑے ہوئے تیرے دوست اور گھر والے تیرے پاس سے چلے گئے تو ہمارے پاس آج تیرا کوئی انیس نہیں۔

حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نیک بندہ قبر میں رکھا جاتا ہے تو اس کے اعمال نیک نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ' جملہ اسے گھیر لیتے ہیں۔ پھر عذاب کے فرشتے اس کے پاؤں کی طرف سے آتے ہیں تو نماز کہتی ہے کہ اس سے الگ رہو۔ یہ شخص اللہ کے واسطے ان پر کھڑا رہا تھا۔ پھر فرشتے سر کی طرف آتے ہیں تو روزہ کہتا ہے کہ ادھر کو تم کو راہ نہیں دیتا' دنیا میں یہ شخص بہت پیاسا رہا کرتا تھا۔ فرشتے بدن کی طرف آتے ہیں تو حج اور جملہ کہتے ہیں کہ یہاں سے الگ رہو کہ اس نے اس بدن سے حج کے لیے بہت محنت و مشقت اٹھائی اور اللہ کی راہ میں جملہ کیا۔ تم کو راہ نہ ملے گی۔ فرشتے ہاتھوں کی طرف سے آتے ہیں تو صدقہ کہتا ہے کہ اس شخص نیک کو جانے دو' اس نے بہت سے صدقہ ان ہاتھوں سے دیا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہوا اور صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشی کے لیے دیا تھا تو تم کو یہاں راہ نہ ملے گی۔ تب اس سے کہا جاتا ہے کہ مبارکباد تم کو تو پاک ہی زندہ رہا اور پاک ہی مرا۔ پھر اس کے پاس رحمت کے فرشتے آتے ہیں اور اس کے لیے جنت کا بستر بچھاتے ہیں اور حلہ بہشتی لاتے ہیں اور اس کی قبر کو جہاں تک نظر کام کرے وہاں تک کشادہ کرتے ہیں اور جنت میں سے ایک قندیل آجاتا ہے

کہ اس کی روشنی میں قبر میں سے اٹھنے تک رہتا ہے اور عبداللہ بن عبید بن عمیر نے ایک جنازے کے ساتھ میں فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مردہ قبر میں بٹھلایا جاتا ہے اور وہ آواز اپنے ساتھیوں کے پاؤں کی سنتا ہے اور اس سے بجز اس کی قبر کے اور کوئی چیز کلام نہیں کرتی۔ قبر کہتی ہے کہ اے خانہ خراب تجھے مجھ سے کسی نے نہیں ڈرایا۔ تجھے یہ خوف نہیں دلایا گیا تھا کہ میں تنگ اور بدبودار ہولناک اور کیڑوں سے پر ہوں' پس تو نے میرے لیے کیا سامان کیا۔

قبر کا عذاب و خواب

احادیث مبارکہ:۔ حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک انصاری کے جنازے پر نکلے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر مبارک نیچے کرکے اس کی قبر پر بیٹھے' پھر تین بار ارشاد فرمایا کہ الٰہی میں تجھ سے عذاب قبر سے پناہ مانگتا ہوں۔ پھر فرمایا کہ جب ایماندار آخرت کی پیشی میں ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے فرشتوں کو بھیجتا ہے کہ گویا ان کے منہ آفتاب کی طرح ہوتے ہیں۔ ان کے ساتھ اس کی خوشبو اور کفن ہوتا ہے' وہ اس کی آنکھوں کے سامنے بیٹھتے ہیں جب اس کی روح نکلتی ہے تو ہر فرشتہ آسمان و زمین کے درمیان کا اور ہر ایک فرشتہ آسمان کا اس پر رحمت بھیجتے ہیں اور آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ کوئی دروازہ ایسا نہیں ہوتا کہ اس کی روح اپنے اندر سے ہو کر جانا نہ چاہتا ہو۔ جب اس کی روح اوپر چڑھتی ہے تو فرشتے عرض کرتے ہیں کہ الٰہی یہ تیرا فلاں بندہ ہے۔ حکم ہوتا ہے کہ اس کو لے جاؤ اور جو کچھ ہم نے اس کے لیے سامان کرامت مہیا کیا ہے' دکھلاؤ۔ اس لیے کہ ہم وعدہ کر چکے ہیں منها خلقنكم وفيها نعيدكم ومنها نخرجكم تارة اخرى (طہ 55) ترجمہ کنزالایمان: ہم نے زمین ہی سے تمہیں بنایا اور اسی میں پھر تمہیں لے جائیں گے اور اسی سے تمہیں دوبارہ نکالیں گے۔

اور وہ شخص لوٹنے والے لوگوں کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے۔ یہاں تک کہ اس سے کہا جاتا ہے کہ تیرا رب کون ہے اور دین کیا اور نبی کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور دین اسلام ہے اور میرے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور سوال اس سے نہایت سختی کے ساتھ پوچھتے ہیں اور یہ آخر جانچ ہے جو مردے پر ہوتی ہے۔ جب وہ جواب مذکور دیتا ہے تو پکارنے والا پکارتا ہے کہ تو سچ کہتا ہے یہی معنی ہیں اس آیت کے يثبت الله الذين امنوا بالقول الثابت فى الحيوة الدنيا وفى الاخرة (ابراہیم 27) ترجمہ کنزالایمان: اللہ ثابت رکھتا ہے ایمان والوں کو حق بات پر دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں۔ پھر اس کے پاس ایک آنے والا خوبصورت خوش لباس خوشبودار آکر کہتا ہے کہ تجھ کو رحمت پروردگار کا مژدہ بہار ہو اور ان جنتوں کو بشارت ہو جن میں لذت دائمی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ تجھے بھی بشارت خیر' تو کون ہے؟ وہ کہتا ہے کہ میں تیرا عمل ہوں' بخدا کہ میں نے تیرا حال بھی جانا کہ تو

خدا تعالیٰ کی طاعت میں جلدباز اور معصیت میں دیر کرنے والا تھا۔ خدا تعالیٰ تجھے جزائے خیر دے۔ ایک منادی پکارتا ہے کہ اس کے لیے جنت کے بستروں میں بستر بچھاؤ اور ایک دروازہ جنت اس طرف کھول دو۔ پس بستر جنت میں بچھا دیا جاتا ہے اور دروازہ جنت کی طرف کھول دیا جاتا ہے۔ وہ اس وقت کہتا ہے کہ الٰہی قیامت جلد بپا کر تاکہ میں اپنے اہل اور مال کی طرف رجوع کروں اور کافروں کا حال یہ ہوتا ہے کہ جب آخرت کے سامنے اور دنیا سے علیحدہ ہونا چاہتا ہے تو اس پر دو فرشتے تند خو کڑے اترتے ہیں اور ان کے ساتھ آگ کے کپڑے اور گندھک کا کرتہ ہوتا ہے۔ وہ اس کے پاس آجاتے ہیں اور جب جان نکلتی ہے تو اس پر تمام فرشتے زمین کے اور تمام فرشتے آسمان کے لعنت کرتے ہیں اور دروازے آسمانوں کے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ کوئی دروازہ ایسا نہیں ہوتا کہ اپنے اندر اس کی روح جانے' دنیا برا نہ جانتا ہو۔ جب اس کی روح چڑھتی ہے تو پھینک دی جاتی ہے اور عرض کیا جاتا ہے کہ الٰہی تیرے فلاں بندے کو نہ آسمان نے قبول کیا اور نہ زمین نے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کو لے جاؤ اور میں نے اس کے لیے سخت عذاب تیار کیا ہے۔ وہ اسے دکھلاؤ کہ ہم نے اس سے وعدہ کر لیا ہے منھا خلقناکم آخر آیت تک (پہلے گزری ہے) اور وہ جوتیوں کی آواز سنتا ہے۔ یہاں تک کہ اس سے کہا جاتا ہے کہ تیرا رب کون ہے اور نبی کون اور دین کیا؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میں نہیں جانتا۔ اس سے کہا جاتا ہے کہ نہ جانیو۔ پھر اس کے پاس ایک آنے والا بدصورت' بدبودار' بدلباس آتا ہے اور کہتا ہے کہ تجھے مژدہ ہو' غضب الٰہی اور عذاب دردناک دیرپا کا۔ وہ کہتا ہے کہ خدا تعالیٰ تجھے برائی کی خبر سنائے۔ تو کون ہے؟ وہ کہے گا کہ میں تیرا عمل بد ہوں' بخدا تو خدا تعالیٰ کی نافرمانی میں جلدباز اور طاعت الٰہی میں تاخیر کرنے والا تھا۔ خدا تعالیٰ تجھے جزائے بد دے۔ وہ کہتا ہے کہ تجھے بھی خدا تعالیٰ جزائے بد دے۔ پھر اس پر ایک فرشتہ بہرا گونگا معین کیا جاتا ہے جس کے پاس لوہے کا گرز ہوتا ہے کہ اگر جن وانسان اس کے اٹھانے پر ہوں تو نہ اٹھ سکے۔ اگر اس کو پہاڑ پر مارے تو مٹی ہو جائے۔ وہ اس سے اس کافر کو مارتا ہے تو وہ مٹی ہو جاتا ہے۔ پھر اس میں جان آتی ہے' پھر اس کی آنکھوں کے درمیان ایک چوٹ لگاتا ہے کہ اس کی آواز سوائے جن و انسان کے سب زمین پر رہنے والے سنتے ہیں۔ پھر ایک پکارنے والا پکارتا ہے کہ اس کے لیے دو تختیاں آگ کی بچھا دو اور ایک دروازہ دوزخ اس کی طرف کھول دو۔ اس کے لیے دو تختیاں بچھا دی جاتی ہیں اور دروازہ دوزخ کی طرف کھول دیا جاتا ہے۔

محمد بن علی کہتے ہیں کہ جو مردہ مرتا ہے' موت کے وقت اس کے اعمال نیک و بد اس کے سامنے صورت بن کر آتے ہیں تو اپنی نیکیوں کو دیکھتا ہے اور برائیوں سے آنکھ بند کر لیتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مومن مرنے لگتا ہے تو اس کے پاس فرشتے ایک ریشم کے کپڑے میں مشک اور ریحان کی مٹی لے کر آتے ہیں۔ اس کی روح ایسے نکال لیتے ہیں جیسے آٹے سے بال نکال لیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اے نفس مطمئنہ خدا تعالیٰ کی کرامت اور راحت کی طرف نکل تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے خوش اور جب اس کی جان نکلتی ہے تو اسے مشک و ریحان میں رکھ کر اوپر سے ریشم

لپیٹ دیا جاتا ہے اور اس کو علیین یعنی اوپر والے مقامات میں بھیج دیا جاتا ہے اور کافر کو جب موت آتی ہے تو اس کے پاس فرشتے ٹاٹ میں چنگاریاں لے کر آتے ہیں اور بڑی سختی سے جان نکالتے ہیں اور کہا جاتا ہے' اے نفس پلید خدا تعالیٰ کے عذاب اور خواری کی طرف نکل تو اس سے خفا اور وہ تجھ سے خفا ہے۔ پھر جب اس کی جان نکلتی ہے تو انہی چنگاریوں میں رکھ دی جاتی ہے اور روح ان میں رہتی ہے اور اوپر سے ٹاٹ لپیٹ کر سجین یعنی زندان میں بھیج دی جاتی ہے۔

محمد بن کعب قرظی نے اس آیت کو پڑھ کر فرمایا اذا جآء احد ھم الموت قال رب ارجعون ○ لعلی اعمل صالحا۔ کلا انھا کلمۃ ھو قائلھا (المومنون 99 تا 100) ترجمہ کنزالایمان: جو ان میں کسی کو موت آئے تو کہتا ہے کہ اے میرے رب مجھے واپس پھیر دیجئے شاید اب میں کچھ بھلائی کماؤں ہشت یہ تو ایک بات ہے جو وہ اپنے منہ سے کہتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے کہ تو کیا چاہتا ہے' کونسی چیز کی رغبت کرتا ہے؟ کیا یہ چاہتا ہے کہ پھر کر مال جمع کرے اور باغ لگائے اور عمارت بنوائے اور نہیں کھدوائے۔ وہ کہتا ہے کہ نہیں بلکہ جو کچھ چھوڑ آیا ہوں' اس میں اچھا کام کروں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کلا انھا کلمتہ ھو قائلھا یعنی موت کے وقت یہ کلام کرتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مومن اپنی قبر میں ایک سبز باغ میں رہتا ہے اور اس کی قبر ستر گز وسیع اور نورانی ہو جاتی ہے۔ جیسے چودھریں رات کا چاند اور تم کو معلوم ہے کہ یہ آیت کس کے بارے میں اتری ہے فان لہ معیشۃ ضنکا (طہ 124) ترجمہ کنزالایمان: بے شک اس کے لئے تنگ زندگانی ہے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ خدا تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا' یہ عذاب کافر کو قبر میں ہوگا کہ اس پر ننانوے تنین مسلط کر دی جائیں گی اور جانتے ہو کہ تنین کیا چیز ہے؟ اژدھا کہ ہر ایک کے سات سات پھن ہوں گے اور وہ اس کے جسم میں قیامت تک نوچتے کھسوٹتے اور پھنکاریں مارتے رہیں گے۔

فائدہ:۔ خاص شمار سے جو حدیث میں مذکور ہوئیں' تعجب نہیں کرنا چاہیے۔ اس لیے شمار ان سانپوں اور بچھوؤں کی موافق شمار برے اعمال' کبر اور ریا اور حسد اور کینہ اور بغض وغیرہ کے ہوگی' اس لیے کہ ان صفات کے اصول چند گنتی کے ہیں۔ پھر ان میں سے چند فروغ نکلی ہیں۔ پھر ان فروع کی چند قسمیں ہیں اور یہ صفات سب کے سب ذاتی طور مہلک ہیں اور یہی خود بچھو اور سانپ بن جائیں گے تو جو صفت ان میں سے زبردست ہو گی' وہ اژدھا کی طرح ڈسے گی اور کمزور بچھو کی طرح کاٹے گی اور تنین سانپ کی طرح ایذا دے گی اور اہل دل اور اہل بصیرت ان مہلکات کو اور ان کے منقسم ہونے کو فروعات میں نور بصیرت سے دیکھتے ہیں مگر یہ کہ ان کی شمار پر بجز نور نبوت اور کسی چیز سے اطلاع نہیں ہوتی۔ اس مضمون کی تمام احادیث صحیح ہیں اور ان میں پوشیدہ اسرار ہیں جو ارباب بصیرت کے نزدیک ظاہر ہیں۔

انتباہ:۔ جس پر ان کی حقیقت منکشف نہ ہو' اس کو ان کے ظاہر معنوں کا انکار نہ کرنا چاہیے بلکہ کمتر درجہ ایمان کا

یقین کرنا اور مان لینا ہے۔

سوال :۔ ہم کافر کو قبر میں مدت تک دیکھتے ہیں اور غور کرتے ہیں مگر ان باتوں میں سے کچھ نہیں دیکھتے تو تجربہ کے خلاف پر یقین کرنے کی صورت کیا ہے؟

جواب :۔ ان جیسے امور کی تصدیق کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔

ظاہر تر اور صحیح تر اور اعتراض سے سالم تر ہے۔ یہ ہے کہ یوں تصدیق کرو کہ یہ چیزیں یعنی سانپ' بچھو وغیرہ موجود ہیں' مردے کو کاٹتے ہیں مگر ہم کو اس وجہ سے نہیں معلوم ہوتے کہ اس آنکھ میں ان امور کے دیکھنے کی لیاقت نہیں' اس لیے کہ یہ باتیں آخرت سے متعلق ہیں۔ وہ سب عالم ملکوت کی چیزیں ہیں جو چشم ظاہری سے نظر نہیں آتیں مثلاً صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے اترنے پر کیسے ایمان لاتے تھے حالانکہ ان کو دیکھتے نہ تھے اور اس پر بھی ان کا ایمان تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیکھتے ہیں۔ اگر تم کو اس پر ایمان نہ ہو تو اول اصل ایمان فرشتوں اور وحی پر درست کرنا لابدی ہے اور اگر اس پر ایمان رکھتے ہو اور جائز جانتے ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک چیز کو دیکھ سکتے ہیں جس کو امت نہیں دیکھ سکتی تو یہ باتیں مردے کے حق میں کیوں جائز نہیں؟ جس طرح فرشتہ آدمیوں اور حیوانوں کے مشابہ نہیں' اسی طرح سانپ' بچھو مردے کی قبر میں کے دنیا کے سانپ بچھو جیسے نہیں' ان کی جنس اور ہے اور وہ حاسہ اور ہے جس سے معلوم ہوا کرتے ہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ تم سونے والے کا حال دیکھو کہ کبھی خواب میں دیکھتا ہے کہ مجھے بچھو یا سانپ کاٹتا ہے اور اس سے اس کا درد بھی اتنا ہوتا ہے کہ بعض اوقات نیند میں چیخ نکل جاتی ہے اور پیشانی پر پسینہ آجاتا ہے اور کبھی اپنی جگہ سے اچھل پڑتا ہے تو سونے والے کو یہ سب کچھ معلوم ہوتا ہے اور درد ایسے پاتا ہے جیسے بیدار آدمی حالانکہ وہ ہلتا جلتا نہیں معلوم ہوتا نہ اس کے گرد کوئی سانپ بچھو نظر آتا ہے اور اس کے حق میں سانپ بھی موجود ہے اور تکلیف بھی ہے مگر مشاہدے سے خارج ہے اور جبکہ عذاب کی تکلیف کاٹنے سے حاصل ہے تو سانپوں کا خیالی ہونا یا آنکھ سے نظر آنا یکساں ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ سب کو معلوم ہے کہ سانپ خود تکلیف نہیں پہنچاتا بلکہ ایذا اس کے زہر سے ہوتی ہے۔ پھر زہر بھی درد نہیں بلکہ زہر کا اثر انسان میں ہو جاتا ہے۔ تکلیف اس سے ہوتی ہے۔ اگر زہر کے بغیر ویسا ہی اثر بدن میں پلیا جائے تو ظاہر ہے کہ تکلیف تو بہت ہوتی ہے مگر اس تکلیف کو اور طرح پر نہیں بتلا سکتے بجز اس کے کہ جس سبب سے ایسی تکلیف عادت میں ہوا کرتی ہو' اسی سبب کی طرف منسوب کر دیا جائے مثلاً اگر انسان میں لذت صحبت کی پیدا ہو جائے بغیر اس کے کہ ظاہر میں ہم بستری عورت سے ہو تو اس لذت کو کیسے بتاؤ گے۔ یہی کہو گے کہ صحبت کی لذت ہے' اس اضافت سے سبب کی شناخت ہو جائے گی اور اس کا ثمرہ معلوم ہو جائے گا۔ گو صورت سبب کی موجود نہ ہو۔ سبب کو ثمرے کے لیے چاہتے ہیں۔ اس کی ذات سے غرض نہیں ہوتی اور یہ صفت مہلکہ نفس کے

اندر موت کے وقت ایذا دینے والے بن جاتے ہیں تو ان کی ایذا سانپ اور بچھو کی ایذا کی طرح ہو جاتی ہے۔ اس کے کہ سانپ بچھو کا وجود ہو اور صفت کا موذی ہو جانا ایسے ہے جیسے عشق معشوق کے مرنے پر موذی ہو جاتا ہے یعنی پہلے سے تو وہ مزیدار تھا۔ اب اس پر ایسی حالت آگئی کہ وہی لذیذ موذی بن گیا یہاں تک کہ دل پر وہ عذاب ہوتا ہے کہ عاشق تمنا کرتا ہے کہ کاش عشق اور وصل کا مزہ چکھا نہ ہوتا بلکہ یہی حال بعینہٖ میت کے عذاب کا ہے کہ اس پر دنیا میں عشق مسلط کر دیا گیا تو مال اور متاع اور جاہ اور اولاد اور اقارب اور آشناؤں سے عشق کرنے لگا۔ اگر ان چیزوں کو اس سے زندگی میں ایسا شخص لے لیتا جس سے واپس لینے کی امید نہ ہوتی تو اس کا کیا برا حال ہوتا اور کیسا اس پر عذاب ہوتا اور تمنا کرتا کہ کاش میرے پاس کبھی کچھ نہ ہوتا۔ آج میں اس روز سیاہ کا منہ نہ دیکھتا اور ان کی جدائی کا درد نہ سہتا۔ موت کے معنی بھی یہی ہیں کہ دنیاوی محبوب اشیاء ایکبارگی جدا ہو جائیں تو جو شخص صرف دنیا سے خوش ہوتا ہو اور وہ اس سے چھین کر اس کے دشمنوں کو دے جائیں' اس کا کیا حال ہوگا۔ پھر اس عذاب پر یہ اضافہ ہوگا کہ دولت آخرت کے نہ ملنے کی حسرت ہوگی اور خدا سے محجوب رہنا پڑے گا' اس لیے کہ غیر اللہ کی محبت خدا تعالیٰ سے بھی روک دیتی ہے اور دولت آخروی سے بہرہ مند ہونے سے باز رکھتی ہے۔

خلاصہ :- یہ کہ رنج فراق تمام محبوب چیزوں کا اور دولت اخروی نہ ملنے کی حسرت اور درگاہ الٰہی سے مردود اور محجوب رہنے کی ذلت اس کو ہمیشہ تک ایک دوسرے کے بعد ہوگی اور ایسی تکلیف سے عذاب دیا جائے گا' اس لیے بار فراق کے بعد کوئی آگ بجز جہنم کے نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کلا انھم عن ربھم یومئذ لمحجوبون ثم انھم لصالوا الجحیم (المطففین 15 تا 16) ترجمہ کنزالایمان : ہاں ہاں بے شک وہ اس دن اپنے رب کے دیدار سے محروم ہیں پھر بے شک انہیں جہنم میں داخل ہونا۔ مگر جو شخص دنیا کا انس نہ رکھتا ہو اور خدا تعالیٰ کے سوا اور کسی سے محبت نہ کی ہو اور دیدار الٰہی کا شائق ہو تو وہ دنیاوی قید سے چھوٹ جائے گا اور دنیا میں شہوات کے شدائد سے رہائی پائے گا اور اپنے محبوب کے پاس تمام علاقوں اور موانع سے یکسو ہو کر آئے گا اور ہمیشہ تک زوال کے کھٹکے سے بے خوف ہو کر خوب چین پائے گا تو جس کو عمل کرنا ہو' وہ ایسے ہی مزے کے لیے کرے۔

مثال :- اسے اس مثال سے سمجھئے۔ کبھی اپنے گھوڑے کو اتنا چاہتا ہے۔ کہ اگر اس کو اختیار دیا جائے کہ دو باتوں میں سے ایک پسند کرے یا گھوڑا دے یا بچھو سے کٹوا لے تو وہ بچھو کے کٹوانے پر صبر کرنا اختیار کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ گھوڑے کی جدائی کی تکلیف اس کے نزدیک بچھو کے کاٹنے سے زیادہ ہے اور جب گھوڑا جدا ہوتا ہے تو اس کی محبت اس کو کاٹا کرتی ہے تو چاہیے کہ انہیں (یعنی ڈنکوں) کے لیے تیار ہو رہے' اس لیے کہ موت تو اس کا گھر اور سواری اور گھر اور زمین اور زن و فرزند اور دوست آشنا اور جاہ و حشمت سب چھین لے گی بلکہ کان اور آنکھ اور اعضاء بھی لے لے گی اور پھر اس کے ہٹا دینے سے ناامیدی ہے۔ اس صورت میں اگر ان چیزوں کے سوا اور کسی چیز سے محبت نہ ہوگی اور یہ سب کے سب اس سے لے لیے جائیں گے تو ان کی تکلیف بچھوؤں اور سانپوں

سے بڑھ کر ہوگی۔ جیسے کہ زندگی میں اگر کوئی ساری چیزیں چھین لیتا تو سخت عذاب ہوتا۔ اسی طرح موت کے بعد ہوگا' اس لیے کہ ہم لکھ ہی چکے ہیں کہ انسان میں جو چیز مدرک رنج و راحت کی ہے' وہ نہیں مرتی بلکہ عذاب ان اشیاء کا مرنے کے بعد سخت تر ہوگا' اس لیے کہ زندگی میں تو چند اسباب ہو سکتے ہیں جن سے دل بہل جائے مثلاً لوگوں کے پاس بیٹھنے اور ان سے گفتگو کرنے اور تسکین دینے اور پھر آنے کی توقع اور بدلہ لینے کی امید وغیرہ سے تشفی ہو سکتی ہے۔ مرنے کے بعد تو تسلی کے سب راستے بند ہو گئے اور ناامیدی موجود ہوئی۔ اب تسلی کہاں' اس سے معلوم ہوا کہ اگر آدمی کرتے یا رومال سے ایسی محبت رکھتا ہوگا کہ اگر چھین لیا جاتا تو اس کو ناگوار ہوتا تو وہ اس پر افسوس کرے گا اور تکلیف اٹھائے گا لیکن اگر دنیا میں ہلکا رہے گا تو اس عذاب سے بچا رہے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی نجا المخففون اگر دنیا میں گرانبار ہوگا تو بڑا عذاب ہوگا اور جس طرح کہ دنیا میں اگر کسی کا ایک روپیہ چوری ہو جائے اور دوسرے کا حال بہ نسبت دوسرے کے ہلکا ہوگا۔ اسی طرح حال ایک درھم والے کا ہلکا گا بہ نسبت دو درھم والے کے اور جو چیز دنیا میں سے مرنے کے وقت رہتی ہے' وہ مرنے کے بعد حسرت ہوگی۔ چاہے تو اپنا مال زیادہ کر چاہے کم کر۔ اگر زیادہ کرے گا تو اپنی حسرت ہی بڑھائے گا اور اگر کم کرے گا تو اپنی پیٹھ پر بوجھ ہلکا کرے گا اور سانپ اور بچھو توانگروں کی قبروں میں ہوتے ہیں جو دنیا کی زندگی کو آخرت سے محبوب رکھتے ہیں اور اس پر راضی اور مطمئن ہیں غرضیکہ ایمان کی صورتیں قبر کے سانپ اور بچھوؤں اور تمام اقسام کے عذاب میں یہ تین ہیں جو اوپر مذکور ہوئیں۔

حکایت :۔ ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ایک صاحبزادہ کو مرنے کے بعد خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ بیٹا مجھے نصیحت کرے۔ اس نے کہا کہ جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہو' اس میں اس کا خلاف نہ کرو۔ آپ نے فرمایا کہ تم کہہ دو' اس نے کہا کہ اپنے اور خدائے تعالیٰ کے درمیان میں کوتاہی نہ کرو یعنی کرتہ ہمت دنیوی ورنہ موجب حجاب ہوگا۔ اس کے بعد آپ نے تیس برس تک کرتہ نہ پہنا۔ ان تینوں صورت میں سے درست کون سی ہے تو بعض لوگ تو اول صورت کے قائل ہیں اور صورتوں کے منکر ہیں اور بعض اول کے منکر اور دوسری کے قائل ہیں اور بعض صرف تیسری کے مقر ہیں۔ واقع میں حق یہ ہے کہ یہ تینوں صورتیں ممکن ہیں' ہمیں چشم بصیرت سے کچھ معلوم ہوا ہے اور جو شخص بعض صورتوں کا منکر ہے تو وہ اپنی تنگی حوصلہ کی وجہ سے ہے اور قدرت الٰہی کی وسعت اور اس کے عجائب تدبیر کے نہ جاننے سے ہے۔ اسی لیے افعال الٰہی میں جس بات کا مانوس اور عادی نہیں' اس کا انکار کر بیٹھتا ہے اور یہ نادانی اور کوتاہی فہم ہے بلکہ اصل یہی ہے کہ تینوں صورتیں عذاب کی ممکن ہیں اور ان کو سچ جاننا واجب ہے۔ کسی بندے کو کسی طرح عذاب دیتا ہے اور کسی کو کسی طرح اور بعض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان پر تینوں صورتوں سے عذاب دیا جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ ہم کو اپنے عذاب سے پناہ میں رکھے تو یہی بات اس کو بے دلیل تقلید کے طور پر سچ جان لو ورنہ روئے زمین پر کوئی ایسا نہیں جو اسباب کو تحقیقی طور پر جانتا ہو اور میں وصیت کرتا ہوں کہ اپنی نظر اس امر کی تفصیل میں بہت زیادہ نہ کرو اور نہ اس کی معرفت میں مشغول ہو بلکہ شغل صرف عذاب

کو دور کرنے کی تدبیر میں کرو' خواہ کسی طور ہو گا۔ اگر تم عمل اور عبادت کو چھوڑ کر عذاب کی کیفیت کے جاننے میں مشغول ہو گئے تو تمہاری مثال ایسی ہوگی جیسے کسی شخص کو بادشاہ پکڑ کر ہاتھ اور ناک کاٹنے کے لیے قید کر دے اور وہ رات بھر سوچتا رہے کہ بادشاہ چھری سے کاٹے گا یا تلوار سے یا استرے سے اور یہ نہ سوچ کہ اس عذاب سے بچنے کا حیلہ کیا ہے تو یہ نہایت جہالت ہے۔ جب یقیناً معلوم ہو چکا ہو کہ بندے پر مرنے کے بعد سخت عذاب یا آرام جاودانی ہوگی تو چاہیے کہ اسی کی تدبیر کرے اور کیفیت عذاب و ثواب میں گفتگو کرنا اور ان کی تفصیل معلوم کرنا محض فضول اور تضیع اوقات ہے۔

منکر نکیر کا سوال و جواب

احادیث مبارکہ :۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندہ مرتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے سیاہ رنگ نیلی آنکھوں والے آتے ہیں۔ ایک کو منکر کہتے ہیں دوسری کو نکیر۔ وہ اس سے پوچھتے ہیں کہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیا کہتا تھا۔ اگر بندہ مومن ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ میں ان کو اللہ کے بندہ اور اس کا رسول کہتا کرتا تھا۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمد رسول اللہ دونوں فرشتے کہتے ہیں کہ ہم اس سے پہلے جانتے تھے کہ تو یہی کہے گا۔ پھر اس کی قبر ستر گز در ستر گز فراخ کر دی جاتی ہے اور اس کی قبر میں روشنی کر دی جاتی ہے۔ پھر کہا جاتا ہے سو رہ' وہ کہتا ہے کہ مجھے چھوڑو۔ میں اپنے گھر والوں کو حال سنا آؤں۔ اس سے کہا جاتا ہے کہ سو جا' دلہن کی طرح وہ سو جاتا ہے کہ اس کو وہی جگاتا ہے جو گھر میں اس کا زیادہ محبوب ہو۔ یہاں تک کہ اس خوابگاہ سے اس کو خدا تعالیٰ ہی اٹھائے گا۔ اگر بندہ منافق ہوتا ہے تو کہتا ہے' میں نہیں جانتا۔ جو لوگوں کو کہتے سنا کرتا تھا' وہ میں بھی کہا کرتا تھا۔ فرشتے کہیں گے کہ ہم کو پہلے سے معلوم تھا کہ تو یوں کہے گا۔ پھر زمین کو حکم ہوتا ہے کہ اس پر مل جا' زمین اس طرح اس کو کچل دیتی ہے کہ اس کی پسلیاں ادھر کی ادھر ہو جاتی ہیں۔ پس ہمیشہ اسی طرح اسے عذاب دیا جاتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس لوٹنے کی جگہ سے اٹھوائے۔

عطا بن یسار سے مروی ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر بن خطاب سے فرمایا کہ اے عمر تیرا کیا حال ہو گا جب تو مر جائے گا اور تیری قوم تجھ کو لے جائے گی اور تیرے لیے تین ہاتھ طول اور ڈیڑھ ہاتھ عرض کا گڑھا تجویز کریں گے اور تجھے غسل اور کفن دے کر اور خوشبو لگا کر تجھے اٹھائیں گے یہاں تک کہ تجھے اس گڑھے میں رکھ کر تیرے اوپر مٹی ڈالیں گے اور دفن کریں گے اور جب تیرے پاس سے پھریں گے تو تیرے پاس قبر میں منکر اور نکیر جن کی آواز سخت رعد جیسی اور آنکھیں اچکنے والی بجلی جیسی ہوں گی' بال ان کے گھسٹتے ہوں گے اور قبر کو اپنی کچلیوں سے اوھیڑ کر تجھے جھڑ جھڑ اور ہلا ڈالیں گے۔ اس وقت اے عمر تیرا کیا حال ہو گا؟ حضرت عمر نے عرض کیا کہ میری عقل بھی اس وقت میرے ساتھ ہوگی جیسے اب ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ حضرت عمر

نے عرض کیا تو کچھ فکر نہ فرمایئے' میں ان کو کافی ہوں گا۔ یہ حدیث نص صریح ہے۔ اس بارے میں کہ موت کے بعد عقل نہیں بدلتی' صرف اعضاء بدل جاتے ہیں اور مردہ عاقل اور مدرک درد و راحت کا رہتا ہے۔ جیسا اپنی زندگی میں تھا' اس کی عقل میں کچھ خلل نہیں آتا اور عقل مدرک ان اعضاء کا نام نہیں' وہ ایک باطنی چیز ہے جس کا طول اور عرض کچھ نہیں بلکہ جو خود منقسم نہیں ہوتی' وہی اشیاء کا ادراک کرتی ہے۔ اگر بالفرض انسان کے تمام اعضاء بکھر جائیں اور صرف وہ جزو مدرک جو حصے نہیں ہو سکتے' وہی رہ جائے تو انسان عاقل پورے کا پورا باقی رہے گا۔ یہی حال اس کا بعد موت کے ہوتا ہے' اس لیے کہ اس جزو پر موت نہیں آتی۔

محمد بن منکدر فرماتے ہیں کہ میں نے سنا ہے کہ کافر پر اس کی قبر میں ایک چوپایہ بہرہ اندھا متعین ہوتا ہے جس کے ہاتھ میں لوہے کا گرز ہوتا ہے۔ اس کا سر کوہان شتر کی طرح ہوتا ہے۔ وہ اس گرز سے کافر کو قیامت تک مارتا ہے' نہ اس کو دیکھتا ہے کہ بچا کر مارے' نہ آواز سنتا ہے کہ رحم کرے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ جب وہ مردہ اپنی قبر میں رکھا جاتا ہے تو اس کے اعمال نیک اس کو گھیرتے ہیں۔ اگر عذاب سر کی طرف سے آتا ہے تو قرآن مجید کی قرات روکتی ہے۔ اگر دونوں پاؤں کی طرف سے آتا ہے تو قیام لیل روکتا ہے۔ اگر ہاتھوں کی طرف سے آتا ہے تو ہاتھ کہتے ہیں کہ بخدا یہ شخص ہمیں صدقہ اور دعا کے لیے پھیلایا کرتا تھا' تم کو اس پر راہ نہ ملے گی۔ اگر منہ کی طرف سے آتا ہے تو ذکر اور روزہ آڑ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ایک طرف کو نماز اور صبر کھڑے ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر کچھ کسر رہے گی تو ہم اس کے ساتھ ہوں گے۔

حضرت سفیان فرماتے ہیں کہ انسان کے اعمال صالح اس کی طرف سے ایسے جھگڑتے اور عذاب کو روکتے ہیں جیسے کوئی اپنے بھائی یا زن و فرزند کی طرف سے لڑا کرتا ہے۔ پھر اس کو کہا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ تیری خوابگاہ میں برکت دے' تیرے دوست اور رفیق بہت خوب ہیں۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازہ میں شریک تھے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبر کے سرہانے بیٹھ کر اس کے اندر دیکھنے لگے۔ پھر فرمایا کہ مومن قبر میں ایسا دبایا جاتا ہے کہ اس کا سینہ اور پسلیاں اور ہڈیاں چور ہو جاتی ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قبر دبایا کرتی ہے۔ اگر اس کے عذاب سے کوئی بچتا تو سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بچتے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت زینب بنت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جنازہ کے ساتھ ہوئے اور کچھ تغیر آپ کے چہرہ مبارک سے محسوس ہوا۔ جب ہم قبر پر پہنچے تو آپ قبر کے اندر اترے اور آپ کا چہرہ تاباں ہوا۔ جب باہر نکلے تو خوب صاف روشن ہو گیا۔ ہم نے عرض کیا' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چہرہ اقدس کے تغیر کا سبب کیا تھا؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے اپنی بیٹی کا بھینچنا

یاد آتا تھا اور سختی عذاب قبر دل میں گزری تھی۔ جب میں قبر میں نیچے اترا تو مجھے خبر دی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر عذاب قبر کو ہلکا کر دیا اور وہ اتنا دبائی گئی کہ اس کی آواز مشرق و مغرب کے درمیان کے لوگوں نے سنی یعنی سوائے انسان اور جنات کے۔

اولیاء کو اہل قبور کے حالات کا انکشاف :۔ چونکہ یہ باب اور اس کے مضامین وہابیوں اور دیوبندیوں کے مذہب کے خلاف ہیں' اس لیے فقیر اویسی غفرلہ اہل انصاف سے اپیل کرتا ہے کہ امام غزالی قدس سرہ کو حق پر ماننے والے غور فرمائیں کہ جو مذہب امام غزالی اور اسلاف رحمتہ اللہ کا تھا' اسی پر دور حاضر میں کاربند ہونے میں نجات ہے۔ الحمد اللہ دور حاضرہ اہلسنّت جنہیں بریلوی کے لفظ سے معروف کیا جاتا ہے' بعینہٖ ان کا وہی مذہب ہے جو امام غزالی اور دیگر اسلاف رحمتہ اللہ کا تھا۔

دلائل :۔ امام غزالی قدس احیاء العلوم شریف کے اسی مقام پر انکشاف سے پہلے دلائل قائم فرماتے تاکہ منکر کو انکار کی گنجائش نہ ہو۔ دیوبندیوں کے نانوتوی نے مذاق العارفین ترجمہ احیاء العلوم میں اس کا عنوان یوں قائم کیا۔

مکاشفہ کے ذریعے قبروں کے معلوم ہونے والے حالات :۔ اس عنوان کے تحت حضرت امام غزالی قدس سرہ نے فرمایا جس کا ترجمہ نانوتوی نے فقیر کے ترجمہ جیسا ملتا جلتا یوں لکھا کہ (یہاں تک اضافہ اویسی غفرلہ)

امام غزالی قدس سرہ :۔ نور عقل جو کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہوتا ہے اور عبرت کی راہوں میں سے ہے' اس سے مردوں کا حال مجملا معلوم ہوتا ہے کہ وہ سعید ہیں یا شقی مگر کسی شخص خاص کا حال نور بصیرت سے معلوم نہیں ہوتا' اس لیے کہ اگر ہم زید و عمر کے ایمان پر مثلاً اعتماد کریں تو یہ نہیں جانتے کہ اس کی موت کس حال پر ہوئی اور خاتمہ کیسا ہوا اور اگرچہ ظاہر کی نیک بختی پر ان پر اعتماد کر سکتے ہیں مگر چونکہ تقویٰ کا مقام دل ہے اور وہ ایسی باریک چیز ہے کہ خود تقویٰ والے کو معلوم نہیں ہوتی تو دوسرے کو کیسے معلوم ہوگا کہ وہ متقی ہے کیونکہ حکم ظاہر کی نیک بختی پر بغیر باطن کے تقویٰ کے نہیں کیا جا سکتا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انما یتقبل اللہ من المتقین (المائدہ 27) ترجمہ کنز الایمان: اللہ اسی سے قبول کرتا ہے جسے ڈر ہے۔

فائدہ :۔ اس سے معلوم ہوا کہ زید و عمر کے حکم کی معرفت ان کے حال دیکھنے سے نہیں ہو سکتی اور جب آدمی مر جاتا ہے تو عالم ظاہری سے عالم غیب اور ملکوت میں چلا جاتا ہے۔ پس چشم ظاہری سے نہیں معلوم ہوتا بلکہ دوسری آنکھ سے نظر آتا ہے جو ہر ایک انسان کے دل میں پیدا ہوئی ہے مگر انسان نے اس آنکھ پر اپنی شہوات اور خواہشات کا پردہ ڈال رکھا ہے' اس لیے اس آنکھ سے کچھ نہیں دیکھتا اور نہ توقع ہے کہ عالم ملکوت کی کوئی چیز اس کو نظر آوے جب تک کہ وہ پردہ دل کی آنکھ سے دور نہ ہو جائے اور چونکہ انبیاء علیہم السلام کی آنکھ سے وہ پردہ ہٹا ہوا تھا' اس لیے انہوں نے ملکوت کی طرف نظر کی اور اس کے عجائب کو ملاحظہ فرمایا اور چونکہ مردے بھی عالم ملکوت میں ہیں'

اس لیے انبیاء علیہم السلام نے ان کو بھی دیکھ کر ان کا حال جتایا۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کا دبانا حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت زینب کے حق میں ملاحظہ فرمایا۔ اسی طرح حضرت جابر کو ان کے باپ کا حال سنایا جو شہید ہو گئے تھے کہ خدا تعالیٰ نے ان کو اپنے سامنے بے حجاب بٹھلایا اور اس طرح کا مشاہدہ تو انبیاء علیہم السلام اور ان اولیاء کے سوا جو انبیاء کے درجے کے قریب ہیں' عوام کو نہیں ہو سکتا بلکہ ہم جیسوں کو ایک اور مشاہدہ ضعیف ہوا کرتا ہے مگر وہ بھی مشاہدہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور وہ مشاہدہ خواب کا ہے جو نبوت کے انوار میں سے ہے۔

خواب کی تحقیق :۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں الرویا الصالحۃ جزء من ستۃ واربعین جزاء من النبوۃ "خواب نبوت چھیالیسویں حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔"

فائدہ :۔ جب دل سے پردہ ہٹ جاوے' اسی وجہ سے بجز نیک بخت راست باز کے کسی خواب کا اعتبار نہیں ہوتا اور جو جھوٹ بہت بکتا ہو' اس کا خواب سچ نہ ہو گا اور جو شخص فساد اور گناہ بہت کرتا ہو' اس کا دل تاریک ہو جاتا ہے تو جو کچھ وہ دیکھے گا' وہ خواب پریشان ہو گا۔ اس لیے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے سوتے وقت وضو کے لیے حکم فرمایا تاکہ آدمی پاک ہو کر سوئے اور اس میں اشارہ طہارت باطن کی طرف بھی ہے جو اصل ہے اور طہارت ظاہر بمنزلہ اس کے تتمہ کے ہے اور جب باطن صاف ہوتا ہے تو دل کی آنکھ میں وہ چیز منکشف ہوتی ہے جو آگے کو ہوگی جیسے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں تشریف لے جانا' خواب میں معلوم ہو گیا تھا یہاں تک کہ پھر اس کی تصدیق کے لیے یہ آیت اتری لقد صدق اللہ رسولہ الرءیا بالحق (الفتح 27) ترجمہ کنزالایمان: بے شک اللہ نے سچ کردیا اپنے رسول کا سچا خواب۔

فائدہ :۔ ہر آدمی ایسے خوابوں سے کم خالی ہوتا ہے جن میں کچھ سچی باتیں نظر آویں اور خواب کا سچ ہونا اور اس میں غیب کا حال معلوم ہو جانا خدا تعالیٰ کی عجیب صفتوں اور فطرت آدمی کی نادر باتوں میں سے ہے اور بڑی واضح دلیلوں سے عالم ملکوت پر ہے لیکن لوگ اس سے غافل ہیں جیسے دل کے تمام عجائب اور عالم کے غرائب سے غافل ہیں اور خواب کی حقیقت کو بیان کرنا علوم مکاشفہ کی باریک باتوں میں سے ہے۔ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ علم معاملہ کے ساتھ اس کا ذکر ہو سکتا ہے۔

مثال :۔ اس کی مثال یوں سمجھو کہ لوح محفوظ میں تمام چیزوں کا ثابت ہونا ایسا ہے جیسے قرآن کے الفاظ اور حروف حافظ قرآن کے دل و دماغ میں ہوتے ہیں۔ وہ بھی اسی طرح لکھے رہتے ہیں کہ جب حافظ پڑھتا ہے تو گویا دیکھتا جاتا ہے حالانکہ اگر اس کے دماغ کو ذرہ ذرہ ٹٹولو' اس کے دماغ کے خطہ میں سے کوئی حرف نہ ملے گا' نہ دل میں نشان پایا جائے گا تو اسی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ تمام تجویزات الٰہی اور احکامات خداوندی لوح محفوظ میں منقوش ہیں اور لوح محفوظ آئندہ کی طرح ہے کہ اس میں تمام اشیاء کی صورتیں منعکس ہیں۔ اگر ایک آئینہ کے مقابل میں دوسرا آئینہ

رکھا جائے تو ظاہر ہے کہ ایک کی صورت دوسرے میں ظاہر ہو جائے گی بشرطیکہ دونوں میں کوئی پردہ نہ ہو اور چونکہ دل ایک آئینہ ہے جس میں آثار علوم کے ظاہر ہوتے ہیں اور لوح محفوظ وہ آئینہ ہے جس میں تمام علوم کے آثار موجود رہتے ہیں اور مشغول ہونا دل کا شہوات اور حواس کی خواہشات میں ان دونوں آئینوں میں حجاب ہے۔ اسی وجہ سے لوح محفوظ کا مطالعہ نہیں کر سکتا جو عالم ملکوت سے ہے۔ اگر کوئی ہوا چلے جس سے یہ بیچ کا پردہ ہٹے بلکہ سامنے سے علیحدہ ہو جائے تو آئینہ دل میں کوئی چیز عالم ملکوت سے بجلی کی طرح چمک جائے گی اور کبھی وہ چمک قائم اور پائیدار ہو جاتی ہے' کبھی جلد چلی جاتی ہے۔ اکثر یونہی ہوتا ہے کہ جلد جاتی رہے اور دل جب تک جاگتا رہے' اس وقت تک جو کچھ حواس کے ذریعے سے عالم ظاہری میں اس پر پہنچتا ہے۔ اس میں مشغولی کی وجہ سے عالم ملکوت سے آڑ میں رہتا ہے اور نیند کا معنی معنی یہ ہے کہ جواس سب ساکن ہو جائیں کوئی چیز دل پر نہ پہنچائیں۔ جب دل اس طرف اور خیال سے فارغ ہوتا ہے اور اس کا جوہر بھی صاف ہوتا ہے تو اس کے اور لوح محفوظ کے درمیان سے پردہ اٹھ جاتا ہے اور کوئی چیز لوح محفوظ کی دل میں پڑ جاتی ہے جیسے ایک آئینہ کی صورت دوسرے میں بن جاتی ہے بشرطیکہ دونوں میں حجاب نہ ہو مگر چونکہ نیند سارے حواس کو کام سے روک دیتی ہے لیکن خیال کو اس کے کام سے نہیں روکتی اور اس کی حرکت کو موقوف نہیں کرتی' اسی وجہ سے جو بات دل میں پڑتی ہے' خیال اس کی طرف دوڑتا ہے اور اس کی مشابہت ایسی چیز سے دیتا ہے جو اس کے قریب ہو اور چونکہ خیالات دوسری چیزوں کی بہ نسبت حافظہ میں باقی رہ جاتے ہیں تو جب آدمی جاگتا ہے جو خیال کے سوا کچھ یاد نہیں رکھتا۔ اب تعبیر دینے والے کو یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ یہ خیال کونسی بات کے مشابہ ہے۔ صرف مناسبت سے اس کا پتہ کرلیتا ہے اور جو شخص علم تعبیر میں نظر رکھتا ہے' اس کے نزدیک اس کی مثالیں ظاہر ہیں۔ یہاں ایک کی مثال لکھ دیتا ہوں۔

خواب :۔ ایک شخص نے خواب دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں انگوٹھی ہے' اس سے مردوں کے چہروں اور عورتوں کی شرمگاہ پر مہر کرتا ہے۔ اس نے یہ خواب حضرت ابن سیرین رحمتہ اللہ سے بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تو موذن ہے' رمضان میں صبح ہونے سے پہلے اذان کہا کرتا ہے۔ اس نے کہا' آپ درست فرماتے ہیں۔

تعبیر کی وجہ :۔ مہر کرنے سے غرض روکنا ہے۔ اسی لیے مہر کیا کرتے ہیں اور دل پر لوح محفوظ سے حال آدمی کا جوں کا توں کھلا کرتا ہے مثلاً اسی مثال میں آدمیوں کو کھانے پینے اور ہم بستری سے روکنا ظاہر ہوا ہوگا مگر خیال اس بات کا عادی ہے کہ انگوٹھی سے مہر لگانے کو منع کیا کرتے ہیں' اس لیے اس روکنے کی ایک صورت خیالی صورت بنائی جس میں اصل معنی باقی رہے اور وہی یاد بھی باقی رہے کہ حافظہ میں صورت خیالی رہتی ہے۔ علم الرویاء سے یہ ایک معمولی سا بیان ہے کیونکہ اس علم کے عجائب بے شمار ہیں۔ کیوں نہ ہو' خواب تو موت کی طرح ہے اور موت خود عجیب امر ہے۔

فائدہ :۔ خواب اور موت کی مشابہت اس وجہ سے ہے کہ خواب میں بھی کچھ تھوڑا سا خیال غیبی معلوم ہو جاتا

ہے۔ یہاں تک کہ جان لیتا ہے کہ آئندہ کیا ہوگا یہی ایک ذرا سی وجہ مشابہت ہے اور موت سے تو بالکل پردہ ہٹ جاتا ہے اور حال معلوم ہو جاتا ہے حتیٰ کہ انسان دم ٹوٹتے ہی بلاتاخیر اپنے نفس کو یا تو گھرا ہوا مصیبت اور رسوائی اور فضیحت میں پائے گا (معاذ اللہ) یا دولت پائیدار اور بڑی سلطنت بے انتہا پر حاوی ہوگا اور بدبختوں کو جب حال نظر آئے گا تو ان سے یوں کہا جائے گا لقد کنت فی غفلۃ من ھذا فکشفنا عنک غطاءک فبصرک الیوم حدید (ق 22) ترجمہ کنزالایمان: بے شک تو اس سے غفلت میں تھا تو ہم نے تجھ پر سے پردہ اٹھایا تو آج تیری نگاہ تیز ہے۔ اور فسحر ھذا ام انتم لا تبصرون ○اصلوھا فاصبروا اولا تصبروا سوآء علیکم (طور 15،16) ترجمہ کنزالایمان: تو کیا یہ جادو ہے یا تمہیں سوجھتا نہیں اس میں جاؤ اب چاہے صبر کرو یا نہ کرو سب ہم پر ایک سا ہے۔ اور وبدالھم من اللہ مالم یکونوا یحتسبون (الزمر 47) ترجمہ کنزالایمان: اور انہیں اللہ کی طرف سے وہ بات ظاہر ہوئی جو ان کے خیال میں نہ تھی۔

فائدہ:- جو بڑا عالم اور سب سے بڑا حکیم ہے' اسے مرنے کے بعد عجائب اور آیات میں سے وہ معلوم ہوں گے کہ کبھی اس کے دل میں ان کا وہم و خطرہ نہ گزرا ہوگا۔ اگر عاقل کو کوئی رنج اور غم نہ ہوگا' بجز اس کے کہ اس وقت کا حال سوچا کرے کہ حجاب کس چیز سے اٹھے گا اور کیا معلوم ہوگا؟ بدبختی لازمی یا سعادت دائمی میں سے کون سی نظر آئے گی تو یہی فکر تمام عمر کے لیے کافی ہے۔

بڑا تعجب ہے کہ یہ مصیبتیں ہمارے سامنے ہیں اور ہم غفلت میں ہیں اور سب سے زیادہ تعجب یہ ہے کہ ہم اپنے مالوں اور گھر والوں اور اسباب اور اولاد سے بلکہ اپنے اعضاء کان' ناک وغیرہ سے خوش ہوتے ہیں حالانکہ ہم یقیناً جانتے ہیں کہ ان سب کو چھوڑ جائیں گے لیکن وہ شخص کہاں ہے کہ جس کے دل میں روح القدس بقاء کرے اور وہ' وہ بات کہے جو حضور سید المرسلین کو فرمائی ہے۔ احبب ما احببت فانک مفارقہ وعش ماشئت فانک میت واعمل ماشئت فانک مجزی بہ (جس کو چاہے محبوب کرے' تجھ کو اس سے جدا ہونا ضرور ہے چاہے زندہ رہ لے۔ تجھ کو مرنا ضرور ہے اور جو چاہے عمل کرے' تجھ کو اس کا بدلہ ضرور ملے گا۔ (یہ خطاب صرف امتیا ہے خود حضور علیہ الصلوۃ والسلام مراد نہیں جیسے علم التفسیر و الحدیث کا قاعدہ ہے۔ ایسی احادیث سے منکرین کمالات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پیش کرتے ہیں۔ ان کے مکرو فریب سے آگاہ رہنا۔ اویسی غفرلہ)

اسی لیے نبی پاک شہ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں میں دیدہ یقین سے محسوس تھا تو دنیا میں اسی لیے مسافروں کی طرح رہے۔ نہ کوئی بلڈنگ بنائی' نہ کوئی بنگلہ۔ نہ پیچھے دینار چھوڑا' نہ درہم۔ نہ کسی کو حبیب بنایا' نہ خلیل۔ ہاں یوں ارشاد فرمایا لوکنت متخذا خلیلا لاتخذت ابابکر خلیلا ولکن صاحبکم خلیل الرحمٰن "اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا لیکن تمہارے مناسب (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیل رب رحمٰن ہے۔"

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خلت دل کے اندر گھر کر لیتی ہے اور اس کی محبت دل پر چھا گئی

فاتبعونی یحببکم اللہ (آل عمران 31) ترجمہ کنزالایمان: اے محبوب تم فرمادو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ۔

انتباہ:- امت آپ کی وہی ہے جو آپ کی پیرو ہو اور آپ کی پیروی وہی کرتا ہے جو دنیا سے روگردان ہو کر آخرت پر متوجہ ہو۔ اسی لیے کہ آپ نے بجز خدائے تعالیٰ اور روز آخرت کے اور چیز کی طرف نہ بلایا' نہ اور چیزوں سے بجز دنیا اور سرمست کی لذتوں سے باز رکھا۔ پس جس قسم تم دنیا سے روگردان ہو گے اور آخرت پر توجہ کرو گے' اتنا ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ چلو گے اور جس قدر آپ کا طریق اختیار کرو گے' اسی قدر پیروکار ہو گے اور جتنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرو گے' اتنا ہی آپ کی امت میں سے ہو گے اور جس قدر دنیا کی طرف رغبت کرو گے' اسی قدر آپ کے راستہ سے انحراف اور آپ کی متابعت سے روگردانی کرو گے اور ان لوگوں میں ہو جاؤ گے جن کی شان میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فاما من طغی ○ واثر الحیوۃ الدنیا ○ فان الجحیم ھی الماوٰی (نازعات 37 تا 39) ترجمہ کنزالایمان: تو وہ جس نے سرکشی کی اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی تو بے شک جہنم ہی اس کا ٹھکانہ ہے۔

تلقین غزالی قدس:- حد سے قدم باہر نہ نکالو اور اپنے دل میں انصاف کرو۔ کیا ہم سب ایسے ہیں؟ اگر گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں تو جانیں کہ صبح سے شام تک ہم صرف نفس کی لذتوں کے لیے دوڑ دھوپ کرتے ہیں اور تمام حرکت اور سکون صرف اسی دنیائے ناپائیدار کے لیے ہے۔ پھر یہ طمع رکھتے ہیں کہ کل کو آپ کی امت اور تابعین میں سے ہوں گے۔ یہ کیا وہم ہے اور کتنی غلط طمع ہے۔ نہیں دیکھتے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے افنجعل المسلمین کالمجرمین مالکم کیف تحکمون (القلم 35'36) ترجمہ کنزالایمان: کیا ہم مسلمانوں کو مجرموں کا سا کر دیں گے تمہیں کیا ہوا کیسا حکم لگاتے ہو۔

فائدہ:- ذیل میں ہم وہ خوابیں ذکر کرتے ہیں جن کے معلوم ہونے سے بہت فائدہ ہو۔ اسی لیے کہ نبوت تو جاتی رہی' صرف بشارت دینے والی چیزیں خوابیں ہی رہ گئیں۔

خوابوں کی دنیا:- اس بحث میں ہم وہ خواب بیان کریں گے جو مردوں کے حالات اور ان اعمال پر متضمن ہیں جو آخرت میں کام آئیں۔

زیارت حبیب خدا (عزوجل و صلی اللہ علیہ وسلم):- اگر کسی خوش نصیب کو خواب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہو جائے تو حق ہے۔

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں من ارانی فی المنام لقدر انی حقا فان الشیطان لا یتمثل بی "جس نے مجھے خواب میں دیکھا' اس نے یقیناً مجھے دیکھا۔ اس لیے کہ شیطان میری صورت نہیں بن سکتا۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن خطاب فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ میری طرف التفات نہیں فرماتے۔ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے کیا قصور کیا ہے؟ آپ نے میری طرف التفات فرمایا اور ارشاد کیا کہ کیا تم روزہ کی حالت میں بوسہ نہیں لیا کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ مجھ کو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے' میں روزہ کی حالت میں کبھی عورت کا بوسہ نہ لوں گا۔

حاشیہ اویسی غفرلہ :۔ خوابوں کی دنیا فقیر کی تصنیف کا نام ہے۔ یہاں فقیر نے اسی مناسبت سے یہ عنوان قائم کیا ہے اور خواب ایک عجیب و غریب وسیع میدان ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بے شمار عجیب و غریب خواب پیش ہوئے اور آپ سن کر ان کا جواب (تعبیر) مرحمت فرماتے' تبرکاً" صرف ایک خواب مع تعبیر ملاحظہ ہو۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ میں نزول فرمانے کے کچھ عرصہ بعد کا ذکر ہے۔ ایک دن بڑی عمر کے وجیہ و شکیل صاحب بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر قربان' رات میں نے ایک عجیب و غریب خواب دیکھا ہے۔ میں ایک ایسے باغ میں ہوں جس کی وسعت اور سرسبزی حد بیان سے باہر ہے۔ اس کے درمیان ایک لوہے کا ستون ہے جس کا نیچے کا سرا زمین میں ہے اور اوپر کا آسمان تک پہنچا ہوا ہے۔ اوپر ایک عروہ (حلقہ یا لوہے کا کڑا) ہے' آواز آئی اس ستون پر چڑھ جاؤ مگر میں چڑھ نہیں سکا۔ پھر کسی کی مدد سے میں نے اس پر چڑھنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ میں ستون کے اوپر پہنچ گیا اور میں نے وہاں لگا ہوا لوہے کا کڑا پکڑ لیا۔ آواز آئی' مضبوطی سے پکڑ لے۔ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی' میں دیکھوں تو برسوں کے بعد آپ کو خواب میں دیکھا کہ وہ اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھ کر فرماتے ہیں کہ اب مجھے فراغت ہوئی' میرا تختہ ٹوٹ ہی چکا تھا مگر میں رؤف رحیم سے ملاقات نہ ہوتی یعنی اگر اس کا فضل و کرم نہ ہوتا ورنہ نجات نہ ہوتی۔

علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا خواب :۔ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ آج رات میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھ کر عرض کی کہ آپ کی امت سے مجھے کچھ بھلائی نہ پہنچی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان پر بددعا کرو۔ میں نے کہا' الٰہی مجھے ان کے بدلے وہ لوگ عنایت فرما جو ان سے بہتر ہوں اور میرے بدلے میں ان کو وہ شخص دے جو مجھ سے برا ہو۔ اس خواب کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ باہر نکلے تو ابن ملجم خبیث نے آپ کو زخمی کیا اور شہید ہو گئے جو بعض محدثین سے مروی ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھ کر عرض کیا کہ آپ میرے لیے دعائے مغفرت فرمائیں۔ آپ نے میری طرف سے منہ پھیر لیا۔ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم سفیان بن عینیہ نے ہم سے حدیث بیان کی اور انہوں نے محمد بن المنکدر سے اور انہوں نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ آپ سے کوئی چیز کبھی ایسی مانگی گئی جس پر آپ نے انکار فرمایا ہو۔ یہ سن کر آپ نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ خدا تعالیٰ تیری مغفرت فرمائے۔

برکات میلاد:۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے اور ابولہب میرا بھائی میرا یار تھا' جب وہ مرگیا' اللہ تعالیٰ نے اس کے حال کی خبر سنائی۔ جیسا کچھ کہ قرآن میں ہے' میں نے اس پر بہت غم کیا اور اس کے معاملہ کا مجھے تردد ہوا۔ میں نے خدا تعالیٰ سے کئی سال کامل دعا مانگی کہ وہ خواب میں مجھے دکھلا دے تو ایک دن میں نے دیکھا کہ آگ میں جل رہا ہے۔ میں نے اس کا حال پوچھا' اس نے کہا کہ میں دوزخ کے عذاب میں گرفتار ہوں۔ کبھی وہ عذاب مجھ سے ہلکا نہیں ہوتا' نہ راحت ملتی ہے مگر سوموار کی رات کو تمام دنوں اور راتوں سے تخفیف ہو جاتی ہے۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیوں؟ کہا کہ اس رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تھے۔ ایک لونڈی نے آکر مجھے خوشی سنائی کہ بی بی آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں لڑکا ہوا ہے۔ میں نے خوش ہو کر اپنی لونڈی کو آزاد کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے میں مجھے یہ ثواب دیا کہ مجھ سے ہر سوموار کی رات کو عذاب اٹھا لیتا ہے۔

درود کی برکت:۔ حضرت عبد ابوزعد بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں برے ارادے سے نکلا۔ ایک شخص میرے ساتھ ہوا کہ ہر نشست و برخاست اور حرکت و سکون میں درود شریف پڑھتا تھا۔ میں نے اس سے اس کی وجہ پوچھی۔ اس نے کہا کہ میں پہلی بار مکہ مکرمہ کی طرف چلا اور میرے ساتھ میرا باپ بھی تھا۔ جب ہم مکہ مکرمہ سے لوٹے تو ایک منزل میں آرام کیا۔ خواب میں ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ اٹھ تیرے باپ کو خدا تعالیٰ نے موت دی اور اس کا منہ کالا کر دیا۔ میں ڈرتا ہوا اٹھا اور والد کے چہرے سے کپڑا اٹھا کر دیکھا تو مردہ اور منہ سیاہ پایا۔ مجھے اس حال سے نہایت خوف ہوا۔ اس خیال میں ڈوبا ہوا تھا کہ پھر مجھے نیند آگئی۔ خواب میں دیکھا کہ میرے باپ کے سر پر چار حبشی لوہے کے گرز لیے کھڑے ہیں۔ اسی دوران ایک شخص نہایت حسین سبز جوڑا پہنے ہوئے تشریف لائے اور ان سے کہا کہ الگ ہو اور اپنا دست مبارک میرے باپ کے منہ پر پھیر کر میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ اٹھ تیرے باپ کا منہ اللہ تعالیٰ نے سفید کر دیا۔ میں نے ان کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں' آپ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ میں نے اٹھ کر باپ کا منہ کھولا تو واقع میں نورانی پایا۔ اس دن سے میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا بند نہیں کیا۔

حضرت علی و معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا فیصلہ:۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پایا۔ آپ کی خدمت میں سلام کر کے میں ان دونوں کے درمیان بیٹھ گیا۔ اتنے میں

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر خدمت ہوئے۔ ان دونوں کو ایک کمرے میں میرے سامنے کرکے دروازہ بند کر دیا گیا۔ تھوڑی دیر بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ کہتے ہوئے باہر نکلے کہ قسم ہے خدائے کعبہ کی' میرے لیے فیصلہ ہوا۔ ان کے بعد ہی بہت جلد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ کہتے ہوئے نکلے کہ قسم ہے خدائے کعبہ کی' میری خطا معاف ہوئی (اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ یہ خطا اجتہادی تھی' معاف ہو گئی۔ اب شیعہ کو اختلاف کیوں؟)

شہادت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خبر:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سو رہے تھے۔ نیند سے بیدار ہوئے تو انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر فرمایا کہ بخدا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہوئے اور یہ خواب آپ نے خبر شہادت پہنچنے کے وقت دیکھا تھا۔ آپ کے دوستوں نے نہ مانا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ ایک شیشی میں خون لیے ہوئے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تجھے معلوم نہیں کہ میری امت نے میرے بعد کیا کیا؟ میرے حسین کو شہید کیا اور یہ اس کا اور اس کے رفقاء کا خون ہے۔ میں اسے اللہ تعالیٰ کے پاس لے جاؤں گا۔ چوبیس روز کے بعد شہادت کی خبر آئی یعنی جس روز حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا تھا' اسی روز شہید ہوئے۔

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خواب میں:۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ آپ اپنی زبان مبارک کے باب میں ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ اس نے مجھ کو تباہی کی جگہوں میں پہنچایا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا کیا؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے اس زبان سے لا الہ الا اللہ کہا تھا' اس لیے مجھے جنت میں داخل کیا گیا۔

بزرگان دین کے خواب

دوانی خواب میں:۔ کسی نے متمم دوانی کو خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ خدا تعالیٰ نے آپ سے کیا کیا؟ انہوں نے فرمایا کہ مجھے جنتوں کا دورہ کرا کر پوچھا کہ کوئی چیز جنتیوں میں تجھ کو اچھی معلوم ہوئی؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں۔ ارشاد ہوا کہ اگر تو کسی چیز کو اچھی جانتا تو میں تجھ کو اسی کے حوالے کرتا اور اپنے حضور میں نہ پہنچاتا۔

یوسف بن حسین خواب میں:۔ کسی نے حضرت یوسف بن حسین رحمتہ اللہ کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ کیا معاملہ تجھ سے خدا نے فرمایا؟ انہوں نے کہا کہ مجھ کو بخش دیا۔ اس شخص نے پوچھا کہ بخشش کی وجہ کیا ہوئی؟ کہا کہ میں نے صحیح بات کو مذاق میں نہیں ملایا تھا۔

منصور کا خواب:۔ منصور بن اسماعیل نے فرمایا کہ میں نے عبداللہ بزار کو خواب میں دیکھا۔ پوچھا کہ کیا معاملہ

گزرا؟ انہوں نے کہا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے اپنے سامنے کھڑا کیا اور جتنے گناہوں کا میں نے ارادہ کیا' ان سب کو بخش دیا مگر ایک گناہ کو اس سے کہتے ہوئے مجھے شرم آئی۔ اس لیے مجھے پسینہ آگیا۔ یہاں تک کہ میرے چہرے کا گوشت گر گیا۔ میں نے پوچھا کہ وہ گناہ کیا تھا؟ انہوں نے کہا کہ میں نے ایک بے ریش کو دیکھ کر اسے پسند کیا' اس لیے مجھے حیا آئی کہ اس کا کیا ذکر کروں۔

حیدلانی کا خواب :- ابو جعفر حیدلانی کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ درویشوں کی جماعت آپ کے گرد ہے۔ اسی دوران آسمان پھٹا اور اس سے دو فرشتے اترے۔ ایک کے ہاتھ میں طشت' دوسرے کے ہاتھ میں کوزہ تھا۔ طشت والے نے اپنا طشت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ مبارک دھوئے پھر طشت میرے سامنے رکھا تو ایک فرشتے نے کہا کہ اس کے ہاتھ پر پانی مت ڈال' یہ ان میں سے نہیں ہے۔ میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپ سے یہ روایت نہیں المرء مع من احب "ہر مرد اس کے ساتھ ہوگا جس سے اسے محبت ہوگی۔" آپ نے فرمایا ہاں۔ میں نے عرض کیا کہ تو میں آپ سے اور ان اولیاء سے محبت رکھتا ہوں۔ آپ نے اس فرشتے کو ارشاد فرمایا کہ اس کے ہاتھ پر بھی پانی ڈال کہ یہ بھی انہی میں سے ہے۔

جنید کا خواب :- حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ لوگوں کو وعظ سنا رہا ہوں۔ اسی دوران ایک فرشتے نے میرے پاس آکر پوچھا کہ جن چیزوں سے خدا تعالیٰ کے تقرب کے طالب تقرب کرتے ہیں' ان میں سے خدا تعالیٰ کے نزدیک زیادہ اچھا عمل کون سا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ پوشیدہ عمل۔ وہ فرشتہ یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ بخدا یہ کلام توفیق یافتہ شخص کا ہے۔

مجمع خواب میں :- کسی نے مجمع کو خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ تم نے معاملہ کیسے پایا؟ آپ نے فرمایا کہ جو لوگ دنیا میں زاہد تھے' ان کو دیکھا کہ دنیا و آخرت کی خیر لے گئے۔

شاہی کا خواب :- کسی شاہی نے علاء بن زیاد سے کہنے لگے کہ میں نے خواب میں آپ کو جنت میں دیکھا ہے۔ وہ اپنی بیٹھک سے اتر کر اس شخص سے کہا کہ اس کی تعبیر یہ ہے کہ شیطان نے کوئی بات چاہی تھی' اس سے میں بچ گیا ہوں۔ اس نے اب کسی شخص کو میرے قتل کے لیے مقرر کیا ہے۔

فائدہ :- محمد بن وسیع رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خواب مومن کو خوش کیا کرتی ہے' مغالطے میں نہیں ڈالتی۔

خواب :- صالح بن بشیر رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے عطائے سلمی کو خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ خدا تعالیٰ تم پر رحم کرے۔ دنیا میں تو آپ بہت غم کیا کرتے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ اب تو اس کے بعد مجھے بڑی خوشی اور فرحت دائمی نصیب ہوئی۔ میں نے پوچھا کہ آپ کون سے درجے میں ہیں؟ فرمایا کہ ان لوگوں کے ساتھ جن پر خدا

تعالیٰ نے انعام کیا یعنی نبیوں اور صدیقوں اور شہداء اور صالحین کے ساتھ۔

زراہ خواب میں :۔ کسی نے حضرت زراہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خواب میں پوچھا کہ اعمال میں سے تمہارے نزدیک کونسا افضل ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ راضی رہنا۔ خدا تعالیٰ کے حکم پر اور کوتاہ کرنا امل کا۔

خواب :۔ یزید بن مدعور کہتے ہیں کہ میں نے اوزاعی رحمتہ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتاؤ جس سے میں خدا تعالیٰ کا تقرب حاصل کروں۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے یہاں علماء کے مرتبہ سے بڑھ کر اور کسی کا رتبہ نہیں پایا۔ ان کے بعد غمگین لوگوں کا مرتبہ ہے۔

فائدہ :۔ یزید بن مدعور بہت بوڑھے تھے۔ اس خواب کے بعد ہمیشہ رویا کرتے یہاں تک کہ آنکھیں جاتی رہیں۔

خواب :۔ ابن عینیہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے بھائی کو خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ بھائی تم سے خدا تعالیٰ نے کیا معاملہ فرمایا؟ انہوں نے کہا کہ جس گناہ پر میں نے استغفار کیا تھا اور بخشش کی درخواست کی تھی' وہ تو خدا تعالیٰ نے بخش دیا اور جس گناہ سے استغفار نہیں کیا تھا' وہ نہیں بخشا۔

علی طلحی رحمتہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں ایک عورت کو دیکھا کہ وہ دنیا کی عورتوں کے مشابہ نہ تھی۔ میں نے پوچھا کہ تو کون ہے۔ اس نے کہا کہ میں حور ہوں۔ میں نے کہا کہ تو مجھ سے بیاہ کر لے۔ اس نے کہا کہ میرے مالک سے میری نسبت کی درخواست کر اور میرا مہر دے دے۔ میں نے پوچھا کہ تیرا مہر کیا ہے؟ اس نے کہا کہ اپنے نفس کو اس کی تمام آفتوں سے بچائے رکھ۔

زبیدہ خواب میں :۔ ابراہیم بن اسحاق حزلی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت زبیدہ کو خواب میں پوچھا کہ خدا تعالیٰ نے تم سے کیا کیا؟ انہوں نے فرمایا کہ مجھے بخش دیا۔ میں نے کہا کہ انہیں خیراتوں کے بدلے جو تم نے مکہ کی راہ میں دی تھیں یعنی پانی کی خدمت سے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے جو خیراتیں دی تھیں' ان کا ثواب تو مالکوں کے پاس چلا گیا۔ مجھے تو صرف نیت کی وجہ سے بخش دیا۔

سفیان ثوری خواب میں :۔ حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ نے جب وفات پائی تو خواب میں کسی نے دیکھ کر پوچھا کہ خدا تعالیٰ نے آپ سے کیا کیا؟ انہوں نے فرمایا کہ ایک قدم میں نے پل صراط پر رکھا' دوسرا جنت میں۔

احمد بن حواری کا خواب :۔ آپ خود کہتے ہیں کہ میں نے خواب کی حالت میں ایک لونڈی کو دیکھا۔ اس سے زیادہ خوبصورت میں نے نہیں دیکھی تھی۔ اس کا منہ نور سے چمک رہا تھا۔ میں نے پوچھا کہ تیرے منہ کی چمک کس وجہ سے ہے؟ اس نے کہا کہ تمہیں یاد ہے کہ ایک رات تم روئے تھے۔ میں نے کہا کہ ہاں مجھے یاد ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے تمہارے آنسو لے کر اپنے منہ کو لگا لیے تھے' اس سے میرا منہ ایسے چمکنے لگا۔

پوچھا کہ خدا تعالیٰ نے آپ سے کیا معاملہ کیا؟ انہوں نے فرمایا کہ وہ اشارات تباہ ہو گئے اور نہ وہ عبادتیں کام آئیں' صرف دو رکعتیں جو ہم رات کو پڑھا کرتے تھے' وہی ہم کو ملیں۔

زبیدہ خواب میں :۔ حضرت زبیدہ کو کسی نے خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ تم پر کیا گزرا؟ انہوں نے کہا کہ ان چار جملوں کی بدولت خدا تعالیٰ نے مغفرت فرمائی۔ وہ چار جملے یہ ہیں۔ لا الہ الا اللہ افنی بھا عمری لا الہ الا اللہ ادخل بھا قبری لا الہ الا اللہ اخلو بھا وحدی لا الہ الا اللہ القی بھا ربی

بشر خواب میں :۔ بشر کو کسی نے خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ خدا تعالیٰ نے تم سے کیا کیا؟ انہوں نے فرمایا کہ مجھ پر رحم کیا اور جتنا ضرر کہ تم لوگوں کے اشاروں سے یعنی شہرت اور انگشت نمائی سے ہوا اتنا اور کسی چیز سے نہیں ہوا۔

کتانی خواب میں :۔ حضرت ابوبکر کتانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں ایک جوان کو دیکھا کہ اس سے بہتر کبھی نہیں دیکھا تھا۔ میں نے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے کہا کہ تقویٰ ہوں۔ میں نے کہا کہ تو کہاں رہتا ہے؟ اس نے کہا دل غمگین میں۔ اس کے بعد میں نے دیکھا تو ایک کالی عورت بھنونی سی نظر آئی۔ میں نے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے کہا کہ میں دل کی بیماری ہوں۔ میں نے کہا کہ تو کہاں رہتی ہے؟ اس نے کہا کہ جو دل خوشی کا طالب اور متکبر ہو۔ اس پر میں جاگ پڑا اور عہد کیا کہ بلاضرورت نہ ہنسوں گا۔

خراز کا خواب :۔ ابو سعید خراز کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا شیطان میرے اوپر چڑھ آیا ہے۔ میں نے لاٹھی پکڑ کر چاہا کہ اسے ماروں' وہ لاٹھی سے نہ ڈرا۔ اس وقت غیب سے آواز آئی کہ یہ اس سے نہیں ڈرا کرتا بلکہ ایک نور سے ڈرتا ہے جو دل کے اندر ہے یعنی تقویٰ۔

شیطان خواب میں :۔ مسوحی فرماتے ہیں کہ میں نے شیطان کو خواب میں برہنہ دیکھا کہ وہ چلا جاتا ہے۔ میں نے کہا کہ تو آدمیوں سے شرم نہیں کرتا۔ اس نے کہا کہ سبحان اللہ یہ لوگ آدمی ہیں۔ اگر یہ آدمی ہوتے تو میں ان کو صبح و شام کیوں کھلونا بناتا؟ جیسے لڑکے گیند سے کھیلا کرتے ہیں بلکہ آدمی اور لوگ ہیں جنہوں نے میرے جسم کو بیمار کر دیا ہے اور اپنے ہاتھ سے اشارہ ہمارے صوفیہ کرام کی طرف کیا۔

خراز کو زیارت رسول صلی اللہ علیہ وسلم :۔ حضرت ابو سعید خراز کہتے ہیں کہ میں نے دمشق میں تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تکیہ کیے ہوئے میرے پاس تشریف لا کر کھڑے ہوئے۔ اس وقت میں کچھ الفاظ کہہ کر اپنے سینے پر ضرب لگاتا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی برائی بہتری کی بہ نسبت زیادہ ہے۔

سفیان ثوری خواب میں :۔ ابن عینیہ رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا کہ جنت میں ایک درخت سے دوسرے پر اڑ رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ لمثل ھذا فلیعمل

العاملون (الصفت 61) ترجمہ کنزالایمان :ایسی ہی بات کے لئے کامیوں کو کام کرنا چاہئے۔ میں نے ان سے کہا کہ مجھے وصیت کیجئے۔ فرمایا کہ لوگوں کی شناسائی کم کرو۔

سفیان ثوری خواب میں :۔ ابو حاتم رازی قبیصہ بن عقبہ رحمتہ اللہ علیہ سے راوی ہے کہ انہوں نے سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ خدا تعالیٰ نے آپ سے کیا کیا؟ انہوں نے اس مضمون کا یہ قطعہ پڑھا۔

نظرت الی ربی کفاحا فقال لی۔ ھنیا رضائی عنک یا ابن سعید۔ فقد کنت قواما اذا ظلم الدجی بصبرۃ مشتاق وقلب عمید۔ فدونک فاختر ای قصر اردتہ۔ وزرنی فانی منک غیر بعید۔ ترجمہ "میں نے خدا تعالیٰ کو بے پردہ دیکھا تو اس نے فرمایا اے ابن سعید تمہیں مبارک ہو تو اندھیرے میں تہجد پڑھا کرتا تھا۔ شوق سے آنسو بہاتا اور دل کا اشتیاق ظاہر کرتا۔ اب جنت کا جو محل تو پسند کر لے' مجھے روزانہ ملا کر اب کوئی دوری نہ رہی۔

حضرت شبلی خواب میں :۔ شبلی رحمتہ اللہ علیہ کو کسی نے خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ خدا تعالیٰ نے آپ سے کیا کیا؟ فرمایا کہ مجھ سے ایسا مطالبہ کیا کہ میں ناامید ہو گیا۔ جب میری ناامیدی ملاحظہ فرمائی تو مجھے اپنی رحمت میں ڈھانپ لیا۔

مجنون خواب میں :۔ مجنون بن عامر کو مرنے کے بعد کسی نے خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ خدا تعالیٰ نے تم سے کیا کیا؟ فرمایا کہ مجھے بخش دیا اور محبین کے لیے مجھے حجت ٹھہرایا۔

ثوری خواب میں :۔ حضرت ثوری رحمتہ اللہ علیہ کو کسی نے خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ تم سے خدا تعالیٰ نے کیا کیا؟ فرمایا کہ مجھ پر رحم کیا۔ اس نے پوچھا کہ حضرت عبداللہ بن مبارک کا کیا حال ہے؟ فرمایا کہ وہ اپنے رب کے پاس ہر روز دو دفعہ جایا کرتے ہیں۔

خواب :۔ بعض اکابر کو کسی نے خواب میں دیکھ کر حال پوچھا تو کہا کہ ہم سے حساب کیا تو نہایت دقت کی' پھر احسان کر کے آزاد کر دیا۔

امام مالک خواب میں :۔ حضرت مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ آپ کے ساتھ کیا ہوا؟ فرمایا کہ میری مغفرت کی ایک کلمے سے جو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنازے کے دیکھنے پر فرمایا کرتے تھے۔ وہ یہ ہے سبحان الذی لا یموت "وہ ذات پاک ہے جس پر موت نہیں۔"

حسن بصری خواب میں :۔ جس رات حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کا وصال ہوا تو کسی نے خواب میں دیکھا کہ گویا آسمان کے ابواب کھلے ہیں اور ایک منادی فرماتا ہے کہ حسن بصری اللہ تعالیٰ کے پاس آئے۔ اس حال میں کہ

خدا ان سے راضی ہے۔

جاحظ خواب میں :۔ جاحظ کو کسی نے خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ تمہیں کیا کیفیت گزری؟ ولا تکتب بخطک غیر شی۔ یسرک فی القیامتہ ان تراہ "اپنے قلم سے کچھ نہ لکھو سوائے اس کے کہ قیامت میں دیکھو تو وہ تجھے خوش کرے۔"

اضافہ اویسی :۔ ممکن ہے اس شخص کی نجات کا باعث یہ ہوا ہو گا کہ اپنی تصانیف میں کچھ عمدہ الفاظ آخرت کے لیے کار آمد لکھے ہوں گے۔ اس شعر میں اسی طرف اشارہ کیا کہ لکھنے والے کو حسنات اختیار کرنی چاہئیں۔

جنید کو ابلیس خواب میں :۔ حضرت جنید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابلیس لعین کو خواب میں برہنہ دیکھ کر فرمایا کہ آدمیوں سے شرم نہیں کرتا۔ اس نے کہا کہ یہ لوگ آدمی نہیں بلکہ وہ لوگ ہیں جو مسجد شونیزی (واقع بغداد) میں ہیں۔ انہوں نے میرے جسم کو لاغر اور جگر کو کباب کیا ہے۔ حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ سر رکھے فکر میں ہیں۔ انہوں نے مجھے دیکھ کر فرمایا کہ اس خبیث کے کہنے سے تم فریب میں مت آنا۔

نصیر آبادی خواب میں :۔ حضرت نصیر آبادی کو بعد وفات مکہ مکرمہ میں کسی نے خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ کیا حال گزرا؟ فرمایا پہلے تو مجھ سر اشراف جیسا عتاب ہوا' پھر مجھے فرمایا گیا کہ اے ابو القاسم ملنے کے بعد کیا جدائی ہوا کرتی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں۔ اے عظمت والے رب اس کے بعد مجھے لحد ہی میں رکھنے پائے تھے کہ میں اپنے رب سے جا کر ملا۔

عتبہ غلام کا خواب :۔ عتبہ غلام نے ایک حور کو خواب میں دیکھا کہ بہت حسین ہے اور کہتی ہے کہ اے عتبہ میں تیرے اوپر عاشق ہوں۔ خبردار ایسی بات نہ کرنا جو مجھ میں اور تجھ میں حجاب ہو جائے۔ عتبہ نے جواب دیا کہ میں نے دنیا کو تین طلاقیں دے دیں۔ جب تک تجھ سے نہ ملوں گا' اس کی طرف رجوع نہ کروں گا۔

سختیانی کو انتباہ :۔ ایوب سختیانی رحمتہ اللہ علیہ کسی گنہگار کا جنازہ دیکھ کر اپنے گھر کے اندر چھپ گئے تاکہ اس کی نماز نہ پڑھنی پڑے۔ پھر بعض لوگوں نے اس مردے کو خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ کہو کیا معاملہ ہوا؟ اس نے کہا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے بخش دیا اور ایوب سے کہہ دینا کہ رحمت الٰہی کے خزانے تمہارے قابو میں ہوتے تو بخل کے ڈر سے تم ان کو روک رکھتے۔

داؤد طائی خواب میں :۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ جس رات حضرت داؤد طائی رحمتہ اللہ علیہ کا انتقال ہوا' میں نے خواب میں دیکھ کر کہا اے شیخ۔ انہوں نے فرمایا کہ اب شیخ کہنا چھوڑ دو۔ میں نے پوچھا کہ وہ حالات جو میں نے تمہارے دیکھے تھے' اسی وجہ سے کہتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا کہ وہ کام نہ آئے۔ میں نے پوچھا کہ خدا تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ کہا کہ مجھے ان مسائل کے ثواب میں بخش دیا جو فلاں بڑھیا پوچھا کرتی تھی۔

رشیدی کا خواب:- ابوبکر رشیدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے محمد طوسی معلم کو خواب میں دیکھا تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ ابو سعید صفار مودب سے یہ کہہ دینا وکنا ان لانحول عن الھدیٰ فقد وحیاۃ القلب حلم وما حلنا "ہم خواہشات نفسانی سے نہ ہٹے' بخدا تم تو صحیح رہے اور ہم صحیح نہ ہو سکے۔"

جب میں جاگا تو ابو سعید سے مضمون بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ میں ہر جمعہ شریف کو ان کی قبر پر جایا کرتا تھا۔ اس جمعہ شریف کو نہیں گیا ہوں' یہ اس کی شکایت ہے۔

ابن مبارک خواب میں:- ابن راشد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ کیا تم مر نہیں گئے تھے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں۔ میں نے پوچھا تو خدا تعالیٰ نے تم سے کیا کیا؟ انہوں نے کہا کہ مجھ کو بخش دیا۔ ایسی مغفرت سے کہ ہر گناہ کو گھیر لیا۔ میں نے پوچھا کہ پھر سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا کیا حال ہے؟ انہوں نے کہا کہ ان کا کیا کہنا' وہ تو اس آیت کے مصداق ہیں ومن یطع اللہ والرسول فاؤلئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین (النساء 69) ترجمہ کنز الایمان: اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے تو اسے ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی انبیاء اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ۔

امام شافعی خواب میں:- ربیع بن سلیمان کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ خدا تعالیٰ نے آپ سے کیا کیا؟ آپ نے فرمایا کہ مجھ کو ایک سونے کی کرسی پر بٹھایا اور میرے اوپر بہترین موتی بکھیرے۔

حسن بصری خواب میں:- کسی مرید نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو جس رات ان کی وفات ہوئی تھی' خواب میں دیکھا کہ کوئی منادی یہ پکارتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت آدم اور نوح علیٰ نبینا وعلیھما الصلوٰۃ والسلام اور آل عمران کو برگزیدہ کیا اور حسن بصری کو ان کے معاصرین سے بہتر اور برگزیدہ کیا۔

ابو یعقوب قاری کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں ایک شخص گندم گوں کشیدہ قامت کو دیکھا کہ لوگ اس کے پیچھے جا رہے ہیں۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ حضرت اویس قرنی ہیں۔ میں بھی آپ کے پیچھے چلا اور عرض کی کہ مجھے وصیت فرمایئے۔ آپ نے ناراض ہو کر دیکھا۔ میں نے عرض کیا کہ میں راہ نہیں جانتا' آپ سے رہنمائی چاہتا ہوں۔ اگر آپ مجھے راہ دکھلائیں گے' خدا تعالیٰ آپ کو جزا دے گا۔ آپ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کی محبت کے لیے طلب کرو اور اس کے بدلہ لینے سے نافرمانی کے وقت خوف کر۔ اس دوران اس سے امید منقطع نہ کرو' پھر آپ منہ پھیر کر چل دیئے۔

حکایت:- ابوبکر بن ابن مریم کہتے ہیں کہ میں نے ورقاءبن بشیر حضرمی کو خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ تمہارا کیا

حال ہے؟ انہوں نے کہا کہ بڑی جانکاہی کے بعد چھٹی ملی۔ میں نے پوچھا کہ تم نے کون سے عمل کو افضل پایا؟ انہوں نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کے خوف سے رونے کو۔

حکایت :۔ یزید بن نعامہ کہتے ہیں کہ وبائے عام میں ایک عورت مرگئی۔ اس کے باپ نے اس کو خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ بیٹی مجھے آخرت کا سنا۔ اس نے کہا کہ بابا ہم ایک بھاری کام پر پہنچے ہیں۔ ہم جانتے ہیں اور عمل نہیں کرتے اور تم عمل کرتے ہو اور جانتے نہیں۔ بخدا کہ ایک بار یا دو بار سبحان اللہ کہنا ایک دو رکعت نماز کا میرے نامہ اعمال میں ہونا مجھے دنیا و مافیہا سے محبوب تر ہے۔

حکایت :۔ مرید عتبہ غلام کہتے ہیں کہ میں نے عتبہ کو خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ خدا تعالیٰ نے آپ سے کیا معاملہ کیا؟ فرمایا کہ میں اس دعا کی برکت جنت میں داخل ہوا جو تیرے گھر میں لکھی ہوئی ہے۔ جب میں اٹھا تو اپنے گھر کے اندر گیا۔ دیکھا تو عتبہ غلام کے خط سے دیوار پر لکھا پایا یا ھادی المضلین ویاارحم المذنبین یامقبل عثرات العاثرین ارحم عبدک ذا الخطر العظیم والمسلمین کلھم اجمعین واجعلنا مع الاحیاء المرزقین الذین انعمت علیھم من النبین والشھداء والصالحین امین یارب العالمین "اے راہ دکھانے والے گمراہوں کے اے رحم کرنے والے گنہگاروں کے اور اے معاف کرنے والے خطا سے لغزش کرنے والوں کے تو اپنے بندے بڑے اندیشہ کرنے والے پر رحم کر اور سب مسلمانوں پر اور ہم کو ان زندوں کے ساتھ کر جو روزی دیئے جاتے ہیں جن پر تو نے انعام کیا یعنی نبی صدیق و شہید اور نیک بندے' اے رب العالمین قبول فرما۔

حکایت :۔ موسیٰ بن حماد کہتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوری کو جنت میں دیکھا کہ ایک درخت سے دوسرے درخت پر اڑتے پھرتے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ اے ابو عبداللہ تم کو یہ مرتبہ کس بات سے ملا؟ فرمایا کہ ورع سے۔ میں نے پوچھا کہ علی بن عاصم کا حال تو بتاؤ۔ فرمایا کہ وہ ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے ستارے۔

حکایت :۔ ناجی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھ کر عرض کیا کہ یارسول اللہ مجھے نصیحت فرمایئے۔ فرمایا بہتر' جو شخص نقصان کا جویا نہیں رہتا' وہ نقصان میں رہتا ہے اور جو نقصان میں رہے' اس کے لیے موت بہتر ہے۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ مجھے بعض دنوں میں ایک امر مشکل ایسا پیش آیا تھا جس نے مجھے درد و رنج دیا اور اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو اس پر واقفیت نہ تھی۔ کل رات میرے پاس ایک آنے والا آیا اور خواب میں مجھ سے کہا کہ اے محمد بن ادریس یوں دعا مانگو اللھم ان لا املک نفسی نفعا ولا ضرا ولا موتا ولا حیاتا ولا نشورا ولا استطیع ان اخذ الا ما اعطیم لا اتقی الا وقیتنی اللھم وفقنی لما تحب وترضی من القول والعمل فی عافیتہ "الٰہی میں نہیں اختیار رکھتا ہوا۔ اپنے نفس کے لیے نفع کا نہ ضرر کا' نہ موت کا نہ زندگی' نہ مر کر جینے اور نہ مجھ سے ہو سکتا ہے کہ جس قدر تو دے' اس کے سواء لوں اور نہ یہ کہ بچا رہوں بجز اس چیز کے کہ تو اس سے مجھ

کو بچا دے الٰہی پس تو مجھ کو توفیق دے' ان باتوں کی جن کو تو محبوب اور بہتر جانتا ہے۔ قول ہوں یا فعلی عافیت کے ساتھ۔

جب میں صبح کو اٹھا تو اس دعا کر مقرر پڑھا۔ جب دن چڑھا اللہ تعالیٰ نے میرا مطلب مجھ کو عنایت فرمایا اور جس مصیبت میں میں تھا' اس سے نجات آسان فرمائی تو چاہیے کہ ان دعاؤں کو ہمیشہ پڑھتے رہو اور ان سے غافل نہ رہو۔ یہ تھے کچھ مکاشفات جن سے مردوں کا احوال معلوم ہوتا ہے اور ان اعمال پر دلالت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے قریب کر دیں۔

فائدہ:۔ اب ہم وہ حالات لکھتے ہیں جو صور کے پھینکنے سے آخرت تک یعنی جنت یا دوزخ میں جانے تک مردوں کو پیش ہوتے ہیں۔

نفخ صور تا آخری فیصلہ

نفخ صور:۔ سابقہ مضامین میں مفصل طور حالات معلوم ہو چکے ہیں۔ میت کے حال کی شدت موت سکرات میں اور خاتمے کا خوف پھر قبر کی تاریکی اور اس کے کیڑوں کی ایذا' پھر منکر نکیر اور ان کے سوال' پھر عذاب قبر بشرطیکہ ان لوگوں میں سے ہو جن پر اللہ ناراض ہو' گزرے ہیں۔ ان سب سے بڑھ کر وہ خطرات ہیں کہ مردے کے سامنے ہیں یعنی صور کا پھنکا اور قیامت کے دن اٹھنا اور پھر خدا تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا اور اعمال کے مقدار کی شناخت کے لیے ترازو کا قائم ہونا' پھر باوجود باریکی اور تیزی کے پل صراط پر سے' پھر مقدمے کے فیصلے ہونے کے لیے یعنی سعادت یا شقاوت کا حکم لگنے کے لیے پکار کا منتظر رہنا تو یہ احوال اور خطرات ایسے ہیں کہ ان کا پہچاننا ضروری ہے۔ پھر ان پر خوب یقین اور تصدیق کے طور پر ایمان لانا' پھر ان میں بہت سا غور فکر کرنا کہ دل میں سے ان کی تیاری کے لوازم پیدا ہوں اور اکثر لوگوں کا یہ حال ہے کہ قیامت کے دن پر ایمان ان کے خاص دلوں میں نہیں بیٹھا اور ان کی دل کی گہرائیوں میں جگہ نہیں پکڑی۔

پند سودمند:۔ لوگ موسم گرما کی گرمی اور سرما کی سردی کے لیے کتنے سامان کرتے ہیں اور دوزخ کی گرمی اور زمہریر کی سردی کے لیے باوجودیکہ ان میں نہایت سختی اور خطرات ہوں گے' اس سے غافل ہیں اور جب آخرت کا حال ان سے پوچھے تو زبان سے اس کا اقرار کرتے ہیں مگر دل ان کے اس سے غافل رہتے ہیں۔

مثال:۔ جو شخص دوسرے سے کہے کہ تیرے سامنے کے کھانے میں زہر ہے اور وہ دوسرا اس کی تصدیق کرے کہ واقعی کہتے ہوئے وہ کھانا کھائے تو زبان سے اس کو سچا کہتا اور عمل سے اسے جھٹلاتا' سب کو معلوم ہے کہ عمل سے جھٹلانا زبان کے جھٹلانے سے زیادہ سخت ہے۔

حدیث قدسی شریف:۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مجھے میرے بندے نے گالی دی اور اس نے مجھے جھٹلایا اور اس کو یہ شایان نہ تھا کہ جھٹلاتا' گالی دینا تو یہ ہے کہ کہتا ہے کہ خدا کا کوئی بیٹا ہے اور جھٹلانا اس طرح ہے کہ کہتا ہے کہ مجھے جیسے پہلے پیدا کیا ہے' اس طرح کبھی نہ اٹھائے گا اور دلوں میں جو قیامت میں اٹھنے کی تصدیق اور یقین مستحکم نہیں تو اس کی وجہ یہی ہے کہ عوام اس جہان دنیا میں اس طرح کی باتیں کم سمجھتے ہیں۔ اگر بالفرض کوئی حیوانات کا پیدا ہونا نہ دیکھتا تو اس سے کہا جاتا کہ تیرا ایک خالق ہے۔ وہ نطفہ ناپاک سے ایسا انسان بناتا ہے جو عاقل اور متکلم اور تصرف کرنے والا ہے تو اس کے دل کو اس کی تصدیق نہایت سخت ہوتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اولم یر الانسان انا خلقناہ من نطفۃ فاذا ھو خصیم مبین (یٰسین 77) ترجمہ کنزالایمان : اور آدمی نے نہ دیکھا کہ ہم نے اسے پانی کی بوند سے بنایا جبھی وہ صریح جھگڑالو ہے۔ اور فرمایا ایحسب الانسان ان یترک سدی الم یک نطفۃ بن منی یمنی ثم کان علقۃ فخلق فسوٰی فجعل منہ الزوجین الذکر والانثی (القیمۃ 36 تا 39) ترجمہ کنزالایمان : کیا آدمی اس گھمنڈ میں ہے کہ آزاد چھوڑ دیا جائے گا کیا وہ ایک بوند نہ تھا اس منی کا کہ گرائی جائے پھر خون کی پھٹک ہوا تو اس نے پیدا فرمایا پھر ٹھیک بنایا' تو اس سے دو جوڑے بنائے مرد اور عورت۔

فائدہ:۔ انسان کی پیدائش میں باوجود کثرت عجائبات اور اختلاف اعضاء کی ترکیب کے عجیب ترعجیب باتیں اس کے اٹھنے اور دوبارہ زندہ ہونے میں ہیں تو جو اللہ تعالیٰ کی صنعت اور قدرت میں عجائب کا معائنہ کرتا ہے' وہ اس کی قدرت و حکمت سے انکار کیسے کرتا ہے؟ اگر تمہارے ایمان میں ضعف ہو تو پہلی پیدائش کو غور کرکے ایمان کو پختہ کر لو' اس لیے کہ دوسری بار کی پیدائش پہلی کی طرح بلکہ اس سے سہل تر ہے۔ اگر تمہارا ایمان دوبارہ اٹھنے پر مضبوط ہے تو دل میں ان خوفوں کو بھی پختہ کرو اور اس میں اتنا فکر اور عبرت کرو کہ دل سے راحت اور آرام کا خیال جاتا رہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جانے کی تیاری میں لگ جاؤ۔

نفخ صور کی آواز:۔ قیامت میں اٹھنے کے لیے سب سے پہلی آواز کا فکر کرو کہ اہل قبور کے کان میں پڑے گی یعنی صور کا زور سے پھونکا جانا کہ ایک ہی چیخ ایسی ہوگی کہ جس سے قبروں سے مردے نکل پڑیں گے۔ اس سے فرض کرو کہ تم بھی قبر سے چہرہ متغیر اور بدن سر سے پاؤں تک غبار آلود قبر کی مٹی میں لپٹا ہوا نکلے گا اور چیخ کی شدت سے حیران اور آواز کی طرف دیکھو گے اور تمام مخلوق اپنی قبروں سے یکبارگی نکل پڑے گی کہ مدتوں تک ان میں پڑے تھے۔ اس وقت ایک مصیبت تو ان کو رنج و غم اور انتظار کی سختی کی کہ انجام کیا ہوگا؟ اب مزید دہشت اور خوف سے ہراساں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ونفخ فی الصور فصعق من فی السموت ومن فی الارض الا من شآء اللہ ثم نفخ فیہ اخری فاذا ھم قیام ینظرون (الزمر 68) ترجمہ کنزالایمان :اور صور پھونکا جائے گا تو بے ہو جائیں گے جتنے آسمانوں میں اور جتنے زمین میں مگر جسے اللہ چاہے پھر وہ دوبارہ پھونکا جائے گا جبھی وہ دیکھتے ہوئے

کھڑے ہو جائیں گے۔ اور فرمایا فاذا نقر فی الناقور فذالک یومئذ یوم عسیر علی الکٰفرین غیر یسیر (المدثر 8 تا 10) ترجمہ کنزالایمان: پھر جب صور پھونکا جائے گا تو وہ دن کڑا دن ہے کافروں پر آسان نہیں۔

اور فرمایا یقولون متٰی ھذا الوعد ان کنتم صدیقین ماینظرون الا صحیۃ واحدۃ تاخذھم وھم یخصمون فلا یستطیعون توصیۃ ولا الیٰ اھلھم یرجعون ونفخ فی الصور فاذا ھم من الاجداث الیٰ ربھم ینسلون قالوا یاویلنا من بعثنا من مرقدنا ھذا ما وعد الرحمٰن وصدق المرسلون (یٰسین 48 تا 50) ترجمہ کنزالایمان: اور کہتے ہیں کب آئے گا یہ وعدہ اگر تم سچے ہو راہ نہیں دیکھتے مگر ایک چیخ کی کہ انہیں آلے گی جب وہ دنیا کے جھگڑے میں پھنسے ہوں گے تو نہ وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے گھر پلٹ کر جائیں اور پھونکا جائے گا صور جبھی وہ قبروں سے اپنے رب کی طرف دوڑتے چلیں گے' کہیں گے ہائے ہماری خرابی کس نے ہمیں سوتے سے جگا دیا یہ ہے وہ جس کا رحمٰن نے وعدہ دیا تھا اور رسولوں نے حق فرمایا۔

فائدہ:۔ اگر مردوں کے سامنے اس آواز کی دہشت کے سوا اور کوئی ہول نہ ہوتا تب بھی اس سے ڈرنا بچنا لائق تھا' اس لیے کہ وہ ایسی پھونک اور چیخ ہوگی کہ اس سے آسمان و زمین کے تمام لوگ مرجائیں گے۔ صرف وہ بچے گا جسے اللہ تعالیٰ چاہے گا یعنی چند فرشتے باقی رہ جائیں گے۔

حدیث شریف:۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیف انعم وصاحب الصور قد التقم القرن وحی الجھیمنہ واصغی بالاذن ینظر متی یومر بنفخ "میں کس طرح آرام کروں' صور والے نے تو نرسنگھا منہ میں رکھ لیا اور ماتھا جھکا کر کان لگا دیے کہ کب حکم ملے گا کہ پھونکوں۔"

صور کا تعارف:۔ مقاتل فرماتے ہیں کہ صور کا معنی شاخ یعنی نرسنگھے کے ہیں اور اس کی کیفیت یوں ہی ہے کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام بانسری کی شکل کے نرسنگھے پر اپنا منہ رکھے ہوئے ہیں۔ اس نرسنگھا کے منہ کا دائرہ اتنا چوڑا ہے جیسے آسمان اور زمین کا چوڑا۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام اپنی آنکھ عرش کی طرف اٹھائے منتظر ہیں کہ کب پھونک کا حکم ہوتا ہے۔ جب وہ پہلی پھونک ماریں گے تو آسمان و زمین کے جتنے جاندار ہوں گے' سب شدت خوف سے مرجائیں گے۔ صرف چار فرشتے حضرت جبرائیل' میکائیل' اسرافیل اور عزرائیل علیہم السلام بچ جائیں گے۔

ملک الموت کی موت کا منظر:۔ ملک الموت کو حکم ہوگا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی روح نکالیں۔ پھر حضرت میکائیل علیہ السلام کی حضرت اسرافیل علیہ السلام کی' پھر ملک الموت کو حکم ہوگا' وہ خود اپنی جان نکالیں۔ پھر چالیس سال تک مخلوق پہلے صور کے پھونکنے کے بعد عالم برزخ میں رہے گی' پھر اللہ تعالیٰ حضرت اسرافیل علیہ السلام کو زندہ کرکے حکم فرمائے گا کہ دوسری دفعہ پھونک مارو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ثم نفخ فیہ اخری فاذھم قیام ینظرون (الزمر 68) ترجمہ کنزالایمان: پھر وہ دوبارہ پھونکا جائے گا جبھی وہ دیکھتے ہوئے کھڑے ہو جائیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پاؤں پر کھڑے ہو کر جی اٹھنے کو دیکھیں گے۔

حدیث شریف:- حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں' اسرافیل علیہ السلام کو جب سے یہ خدمت سپرد ہوئی ہے' سر نہیں اٹھایا- ہر وقت عرش کو دیکھتے رہتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ نگاہ کے کسی طرف پھرنے سے پہلے ہی حکم الہی ہو جائے- ان کی دونوں آنکھیں گویا دو چمکتے ستارے ہیں-

حدیث شریف:- حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب مجھے اللہ تعالی نے مبعوث فرمایا تو صاحب صور اسرافیل علیہ السلام کو کہلا بھیجا- انہوں نے صور کو اپنے منہ سے لگا لیا- ایک پاؤں آگے اور دوسرا پیچھے کرکے منتظر ہیں کہ کب پھونکنے کا حکم ہو تو سن لو کہ پھونک سے ڈرو-

پند سودمند:- مذکور حال میں مخلوق کی کیفیت اور ان کی ذلت اور شکستہ حال اور بیچارگی اور اس کا خوف اور حکم سعادت اور شقاوت کا انتظار' ان جملہ امور کو سوچ کے خود کو اس کے درمیان میں سمجھو کہ جیسے وہ ایسے زبوں حال سے ہوں گے' ویسے تم بھی ہو گے- جیسے وہ حیرت زدہ ہوں گے' تم بھی ہو گے بلکہ دنیا میں جو لوگ امیر اور دولت مند اور ناز پروردہ اور بادشاہ ہوں گے' وہ اس دن تمام لوگوں سے ذلیل تر بلکہ حقیر تر ہوں گے- اس وقت وحشی جنگلوں سے اور پہاڑوں سے آکر اپنے سر جھکا کر باوجود وحشت کے لوگوں میں مل جائیں گے- اگرچہ انہوں نے کوئی خطا نہ کی ہوگی مگر اس دن کے اٹھنے اور شدت چیخ اور ہول سے پھونک کے ڈر سے سب وحشت بھول جائیں گے- سب کچھ بھول کر لوگوں میں آملیں گے- اللہ تعالی فرماتا ہے واذا الوحوش حشرت (التکویر 5) ترجمہ کنزالایمان: اور جب وحشی جانور جمع کیے جائیں-

پھر شیطان سرکش جو متمرد اور منحرف تھے' آئیں گے اور خدا کے سامنے پیش ہونے کی ہیبت سے گردن جھکائیں گے- اللہ تعالی فرماتا ہے فو ربک لنحشرنھم والشیاطین ثم لنحضرنھم حول جھنم جثیا (مریم 68) ترجمہ کنزالایمان: تو تمہارے رب کی قسم ہم انہیں اور شیطانوں سب کو گھیر لائیں گے اور انہیں دوزخ کے آس پاس حاضر کریں گے گھٹنوں کے بل گرے-

اپنے حال میں اور اپنے دل کی کیفیت میں اس مقام پر فکر کرو کہ کیسی گزرے گی-

میدان حشر اور لوگوں کی زبوں حالی:- جی اٹھنے کے بعد ننگے پاؤں' ننگے بدن بے ختنہ کیسے کیسے زمین محشر میں لوگ جمع کیے جائیں گے- وہ ایک زمین نرم ہموار سفید رنگ ہے کہ جس میں کوئی اونچ نیچ نہیں' نہ کوئی ٹیلہ ہے کہ اس کے پیچھے کوئی چھپ جائے' نہ گڑھا ہے کہ اس کے اندر کوئی اوجھل ہو بلکہ ساری زمین ایک جیسی پھیلی ہوئی ہے' اس میں فرق نہیں- اس کی طرف لوگ گروہ در گروہ پہنچائے جائیں گے-

فائدہ:- پاک ہے وہ ذات جو لوگوں کے مختلف گروہوں کو اطراف زمین سے پہلی اور دوسری پھونک سے ایک جگہ لا کر جمع فرمائے گا اور ان دلوں کو زیبا ہے کہ اس روز تڑپتے ہوں اور آنکھوں کو شایاں ہے کہ نیچے ہوں-

حدیث شریف :- حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن لوگوں کا حشر ایک سفید زمین پر ہوگا جو بالکل صاف ہوگی اور اس میں کوئی عمارت نہ ہوگی کہ جس میں کوئی چھپ سکے یا نظر کام نہ کر سکے اور یہ گمان نہ کرنا چاہیے کہ وہ زمین دنیا کی زمین جیسی ہوگی بلکہ دنیا کی زمین سے صرف نام میں شریک ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یوم تبدل الارض غیر الارض والسموت (ابراہیم 48) ترجمہ کنزالایمان : جس دن بدل دی جائے گی زمین اس زمین کے سوا اور آسمان۔

فائدہ :- حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ الٰہی زمین میں کمی بیشی کی جائے گی اور اس کے درخت اور پہاڑ اور جنگل اور دوسری چیزیں ختم ہو جائیں گی اور عکاظ کے چمڑے کی طرح پھیلائی جائے گی۔ زمین سفید چاندی کی طرح ہوگی جس پر کوئی خون یا گناہ نہ ہوا ہوگا اور آسمانوں کے چاند، سورج، ستارے مٹا دیئے جائیں گے۔

پند سودمند :- اے مسکین اس دن کے ہول اور شدت پر غور کر کہ جب مخلوق اس زمین پر اکٹھی ہو جائے گی تو ان کے اوپر سے ستارے بکھر جائیں گے۔ آفتاب بے نور اور چاند بے روشن ہو جائیں گے۔ زمین کا چراغ گل ہو جائے گا، پھر بالکل اندھیرا ہو جائے گا۔ لوگ اسی حال میں ہوں گے کہ دفعتاً" سروں کے اوپر سے آسمان چکرا کر باوجود سختی اور پانچ سو برس کے موٹاپے کے پھٹ جائیں گے اور فرشتے اس کے کناروں اور اطراف پر کھڑے ہوں گے تو نامعلوم اس کے پھٹنے کی آواز سے کان میں کیسی ہولناک آواز پیدا ہوگی اور اس دن کی ہیبت کیسی ہوگی جس میں آسمان اتنے موٹے اور سخت ہونے کے باوجود پھٹ جائیں گے اور گلی ہوئی چاندی زردی آمیز کی طرح بہنے لگیں گے۔ پھر گلابی رنگ سرخ چمڑے کی طرح اور گلے ہوئے تانبے کی طرح ہو جائیں گے اور پہاڑ دھنی لون کی طرح اور لوگ بکھرے ہوئے پتنگوں کی طرح ہوں گے اور برہنہ یا ننگے بدن چلتے ہوں گے۔

حدیث شریف :- حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان ننگے پاؤں، ننگے بدن بے ختنہ کیے ہوئے اٹھیں گے۔ پسینہ ان کے منہ تک لگام کی طرح کانوں کی لو تک پہنچ گیا ہوگا۔

فائدہ :- ام المومنین سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ بڑی خرابی ہوگی کہ ہم ایک دوسرے کی طرف ننگے دیکھیں گے۔ آپ نے فرمایا اس دن عوام کو اور ہی فکر ہوگا، دیکھنے کی فرصت نہ ہوگی۔ لکل امری منھم یومئذ شان یغنیہ (عبس 37) ترجمہ کنزالایمان : ان میں سے ہر ایک کو اس دن ایک فکر ہے کہ وہی اسے بس ہے۔ وہ دن کیسا سخت ہوگا کہ ستر اس میں عیاں ہوں گے۔ باوجود اس کے دیکھنے اور التفات کرنے سے محفوظ رہیں گی۔ کیوں نہ ہو کہ بعض لوگ تو پیٹ کے بل اور سر کے بل چلیں گے تو ان کو دوسروں کی طرف التفات کی قدرت کہاں ہوگی۔

حدیث شریف :- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن لوگ تین قسم ہو کر اٹھیں گے۔ (1) سوار (2) پیادہ (3) سر کے بل۔ کسی نے عرض کیا یارسول اللہ سر کے بل کیسے چلیں گے؟ آپ نے فرمایا کہ جس ذات نے ان کو پاؤں کے بل چلایا ہے' وہ قادر ہے کہ سر کے بل بھی چلائے۔

فائدہ :- یہ انسان کی طبعی بات ہے کہ جس چیز سے مانوس نہیں' اس کا انکار کرتا ہے۔ مثلاً اگر آدمی سانپ کو پیٹ کے بل نہایت تیزی سے چلتا نہ دیکھے تو یہی کہے کہ پاؤں کے بغیر رفتار نہیں ہو سکتی اور جس نے پاؤں چلتے کسی کو نہ دیکھا ہو' وہ پاؤں سے چلنے کو بھی مشکل جانے گا' اس لیے انسان کو چاہیے کہ قیامت کے عجائبات سے جو بات دنیا کے قیاس کے مخالف ہو' اس کا انکار نہ کرے۔ اس لیے اگر بالفرض دنیا کے عجائبات اس کے مشاہدے میں نہ گزرے ہوں اور پھر دفعتاً اس کے دیکھنے میں نظر آتے ہیں تو ان کا بھی انکار کرنے لگتا ہے حالانکہ وہ واقعی بات ہوتی ہے۔ اسی طرح قیامت کے عجائبات کو جاننا چاہیے اور دل میں تصور کرلینا چاہیے کہ ہم بھی ننگے ذلیل حیرت زدہ کھڑے منتظر کھڑے ہوں گے کہ ہم کو سعادت اور شقاوت میں سے کس کا حکم ہوگا اور اس حالت کو بہت بڑا جاننا چاہیے کہ وہ نہایت سخت ہے۔

قیامت میں عوام اپنے عرق میں غرق :- قیامت میں پسینہ کا حال یہ ہوگا کہ مخلوق کا اژدحام ہوگا یعنی میدان حشر میں ساتوں آسمان اور ساتوں زمین کے لوگ یعنی فرشتے اور جن اور انسان اور شیطان اور وحشی درندے اور پرندے جمع ہوں گے' پھر ان پر سورج نہایت تیزی سے چمکے گا اور مخلوق کے سروں پر مقدار دو کمانوں کے ہوگا اور زمین پر کوئی سایہ سوائے سایہ تخت رحمٰن کے نہ ہوگا اور بدون مقربوں کے بغیر اس کے سایہ میں اور کوئی رہنے نہ پائے گا۔ اس وقت کچھ لوگ تو عرش کے سایہ میں ہوں گے اور کچھ سورج کی گرمی میں سسکتے ہوں گے کہ گرمی اور دھوپ کی وجہ سے کلیجہ منہ کو آتا ہوگا۔ پھر مخلوق کی دھکا پیل شدت ہجوم کی وجہ سے اتنی ہوگی کہ کاندھے سے کاندھا زخمی ہو رہا ہوگا۔ علاوہ ازیں رسوائی جو خدا تعالیٰ کے سامنے پیش ہوئے سے ہوگی' وہ سواء ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کے خوف سے شرم و حیاء آئے گی تو اتنی حرارتیں جمع ہوں گی۔ (1) آفتاب کی گرمی۔ (2) سانسوں کی حرارت۔ (3) دلوں کی سوزش۔ (4) حیا و خوف کی آگ سے ہر بال کی جڑ سے پسینہ نکلنا شروع ہوگا۔ یہاں تک کہ قیامت کی زمین پر بہنے لگے گا۔ پھر بدنوں کی طرف کو پھیلنا شروع ہوگا۔ جس کا جتنا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہوگا' اتنا اس کا پسینہ پھیلے گا۔ بعض کا پسینہ زانوں تک' بعض کا کمر تک اور بعض کا کانوں تک اور بعض کا سر کے گزر جانے تک۔

حدیث شریف :- حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس دن لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے تو بعض کا پسینہ اتنا ہوگا کہ نصف کان تک اس میں ڈوب جائیں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن لوگوں کو پسینہ آئے گا یہاں تک کہ ان کا پسینہ زمین میں پھیلتا ہوا لوگوں کے منہ اور ان کے کانوں تک پہنچے گا۔

فرماتے ہیں کہ لوگ کھڑے ہوئے چالیس سال تک آسمان کی طرف ٹکٹکی لگائے کھڑے ہوں گے اور شدت کرب کی وجہ سے پسینہ ان کے منہ کی لگام ہو جائے گا۔

عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن آفتاب زمین کے قریب ہو جائے گا اور انسانوں کو پسینہ آئے گا۔ پس بعض کو ٹخنے تک اور بعض کو نصف پنڈلی تک اور بعض کو زانوں تک اور بعض کو کمر تک اور بعض کو منہ تک پہنچے گا اور آپ نے ہاتھ مبارک کو منہ پر بشکل لگام رکھ کر اشارہ (منہ کی طرف) فرمایا اور بعض ایسے ہوں گے کہ ان کو پسینہ ڈھانپ لے گا اور آپ نے سر مبارک پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ ایسے ان کے سر پر ہو کر پھر جائے گا۔

تلقین غزالی قدس سرہ:۔ اے مسکین اہل محشر کے پسینے اور ان کی سختی کو سوچ لے اور یہ خیال کر کہ اس تکلیف میں بعض لوگ یوں عرض کریں گے کہ الٰہی ہمیں اس کرب اور انتظار سے نجات دے' خواہ دوزخ ہی میں ڈالے جائیں اور یہ تکالیف وہ ہیں کہ ابھی حساب اور عذاب کی نوبت نہیں آئی اور تو بھی انہیں میں سے ہوگا۔ نامعلوم تیرا پسینہ کہاں تک پہنچے گا اور جان لے کہ اگر دنیا میں کسی کا پسینہ خدا کی راہ میں یعنی حج اور جہاد اور روزہ اور نماز اور کسی مسلمان کی مدد کرنے اور امر معروف اور نہی منکر کی مشقت اٹھانے میں نہ نکلا ہوگا تو اس کا پسینہ اس دن حیا و خوف کی وجہ سے قیامت کے میدان میں نکلے گا اور اس کی تکلیف بہت دنوں تک رہے گی اور اگر کوئی جہالت اور مغالطہ میں ہو تو یقیناً جان لے کہ طاعات الٰہی میں سختیوں کا اٹھانا اور پسینے کا آنا آسان بات اور تھوڑی دیر کے لیے ہے اور کرب و انتظار کے ساتھ قیامت میں پسینہ آنا بہت زیادہ اور دیرپا ہے' اس لیے کہ وہ دن ہی ایسا ہے کہ جس میں مدت اور شدت دونوں بہت زیادہ ہیں۔

یوم قیامت کی عظمت:۔ جس دن کہ مخلوق اوپر کو نگاہ لگائے کھڑے ہوگی اور ان کے دل حیران و پریشان ہوں گے' نہ ان سے کوئی کلام کرتا ہوگا' نہ ان کے معاملہ میں کوئی نظر کرے گا۔ اسی طرح وہ تین سو سال تک کھڑے رہیں گے۔ کھانے کا ایک لقمہ تک نصیب نہ ہوگا' نہ پانی کا کوئی گھونٹ پئیں گے' نہ ہوا کا جھونکا چلے گا۔

فائدہ:۔ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت یوم یقوم الناس لرب العالمین کی تفسیر فرماتے ہیں کہ تین سو سال تک کھڑے رہیں گے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو پڑھ کر فرمایا کہ لوگوں کا کیا حال ہوگا جب خدا تعالیٰ سب کو اس طرح جمع کرے گا جیسے ترکش میں تیر پر کیے جاتے ہیں۔ پچاس ہزار برس تک تمہاری طرف نظر نہیں کرے گا۔

شفاعت کبریٰ:۔ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تم اس دن کو کیا خیال کرتے ہو جس دن لوگ

اپنی ٹانگوں پر پچاس ہزار برس تک کھڑے ہوں گے' نہ کوئی لقمہ کھائیں گے' نہ کوئی گھونٹ پانی پئیں گے۔ یہاں تک کہ جب پیاس کے مارے گردنیں جدا ہو جائیں گی تو ان کو دوزخ میں لے جا کر چشمہ حمیم سے پانی پلایا جائے گا جس کی حرارت اور لپٹ سخت ہوگی۔ جب ان پر اتنی مشقت ہوگی جس کی تاب نہ ہوگی تو ایک دوسرے سے کہیں گے کہ چلو جس کی خدا تعالیٰ کے نزدیک عزت و عظمت ہو' اسے ڈھونڈیں تاکہ ہمارے حق میں شفاعت کرے۔ پھر جس پیغمبر کے دامن کو پکڑیں گے' وہی ان کو ہٹا دے گا اور نفسی نفسی کہے گا کہ مجھے اپنے معاملہ سے دوسروں کے معاملات کی فرصت نہیں اور عذر کرے گا کہ آج اللہ تعالیٰ کا غصہ اتنا زوروں پر ہے کہ کبھی ایسا نہیں ہوا تھا' نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ ہمارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم جس کے لیے حکم پائیں گے' شفاعت فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لا تنفع الشفاعة الا من اذن له الرحمٰن ورضی له قولا (طٰہ 109) ترجمہ کنزالایمان : اس دن کسی کی شفاعت کام نہ دے گی مگر اس کی جسے رحمٰن نے اذن دے دیا ہے اور اس کی بات پسند فرمائی

انتباہ :- اب اس دن کے طول کو سوچ لو اور اس کے انتظار کی سختی پر غور کرو تاکہ تجھے اپنی چھوٹی سی عمر میں گناہوں پر صبر کرنے کا انتظار کم کرنا پڑے گا۔

حدیث شریف :- جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس دن کے طول کا پوچھا گیا تو فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ وہ وقت مومن کو اتنا ہلکا اور تھوڑا محسوس ہوگا کہ جتنی دیر نماز فرض پڑھا کرتا تھا' اس سے بھی آسان تر معلوم ہوگا۔

فائدہ :- اے مومن کوشش کر کے تو بھی الٰہی ایمانداروں میں سے ہو' اس لیے کہ جب تک تجھ میں دم ہے اور زندگی میں سانسیں باقی ہیں' اس وقت تک معاملہ تیرے اختیار میں ہے۔ ان تھوڑے دنوں میں اس بڑے دن کے لیے کچھ کر لے کہ تجھے اتنا فائدہ ہو کہ جس کی خوشی کی کچھ حد نہیں اور اپنی عمر بلکہ تمام دنیا کی عمر (جو سات ہزار برس ہے) کو حقیر جان اس لیے کہ اگر بالفرض تو سات ہزار سال صبر کر لیتا کہ تو اس دن میں رہائی پائے جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے۔ ظاہر ہے کہ تجھے بہت سا فائدہ ملے گا اور مشقت کم اٹھانی پڑے گی چہ جائیکہ پچاس ساٹھ سال محنت کر کے پچاس ہزار سال کی تکلیف سے بچاؤ ہو۔

مشکلات و مصائب، قیامت :- اے مسکین مسلمان اس دن کی تیاری کر جس کی شان بڑی اور اس کا زمانہ دراز اور حاکم زبردست اور وعدہ قریب ہے۔ اس دن کے واقعات ایک دوسرے سے بڑھ کر ہوں گے مثلاً آسمانوں کو دیکھے گا کہ چر چر جائیں گے اور ستارے اس کی دہشت سے جھڑ پڑیں گے اور ان کے ازار گدلے ہو جائیں گے اور آفتاب کی دھوپ نیچے ہو جائے گی اور پہاڑ چلائے جائیں گے اور بیاہی اونٹنیاں آوارہ پھریں گی اور جنگل کے وحشی جانور ایک جگہ جمع ہوں گے اور دریا ابلنے لگیں گے اور نفس بدنوں میں آملیں گے اور دوزخ بھڑکائی جائے گی اور جنت قریب لائی جائے گی اور پہاڑ اڑائے جائیں گے اور زمین پھیلائی جائے گی۔ زمین کو تو دیکھے گا کہ اس کی بھونچال

سی ہلائی جائے گی اور اپنے بوجھ سونے چاندی وغیرہ نکال پھینکے گی۔ اس دن انسان ٹولیاں ٹولیاں ہو جائیں گے کہ اپنے کیے کو دیکھیں۔ اس دن پہاڑ اور زمین اٹھائے جائیں' پھر ایک ٹکی دیئے جائیں اور ہونے والی چیز ہو پڑے اور آسمان پھٹ کر اس روز سست بنیاد ہو جائے اور فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے اور رب تعالیٰ کے تخت کو بجائے چار فرشتوں کے آٹھ اٹھائیں گے۔ اس دن تمہارا سامنا ہوگا' تمہارا کوئی راز چھپا نہ رہے گا۔ اس دن پہاڑ چلائے جائیں اور زمین کو کھلی دیکھے گا۔ اس دن زمین لرزے گی' کپکپا کر اور پہاڑ ٹکڑے ہوں گے۔ ٹوٹ کر اڑتی گرز کی طرح ہو جائیں گے۔ اس دن انسان بکھرے ہوئے پتنگوں کی طرح ہوں گے اور پہاڑ رنگین دھنی ہوئی اون کی طرح ہوں گے۔ اس دن ہر دودھ پلائی اپنے بچے کو بھول جائے گی اور ہر پیٹ والی اپنا پیٹ ڈال دے گی اور تو اور لوگوں کو نشے میں دیکھے گا حالانکہ ان پر نشہ نہ ہوگا بلکہ خدا تعالیٰ کا سخت عذاب ہوگا۔ اس روز بدل جائے گی۔ اس زمین سے اور زمین اور آسمان اور لوگ نکل کھڑے ہوں گے۔ اللہ یکتا غالب کے سامنے اس دن پہاڑ اڑا کر بکھیر دیئے جائیں گے اور زمین چٹیل میدان کر دی جائے گی کہ اس میں موڑ اور ٹیلا کچھ نظر نہ آئے گا۔

اس دن تو جن پہاڑوں کو دیکھ کر جانتا ہے کہ جمع ہوئے مضبوط ہیں' وہ بادل کی طرح چلتے ہوں گے اور آسمان پھٹ کر گلابی لال چمڑے کی طرح ہو جائیں گے اور اس دن پوچھ نہ ہو' اس کے گناہ کی' نہ کسی آدمی سے نہ کسی جن سے۔ اس روز گنہگار کو بولنے کا حکم نہ ہوگا اور نہ گناہوں کی پرسش ہوگی بلکہ ماتھے کے بالوں اور پاؤں سے پکڑا جائے گا۔ اس دن ہر شخص اپنی کی ہوئی نیکی اور برائی سامنے پائے گا۔ آرزو کرے گا کہ کاش مجھ میں اور اس میں بہت دوری ہو۔ اس دن معلوم کرے کے نفس جو لے کر آیا اور حاضر ہو جو آگے بھیجا اور پیچھے چھوڑا۔

اس دن زبانیں گونگی ہو جائیں گی اور ہاتھ پاؤں بولنے لگیں گے۔ وہ دن ایسا ہے کہ اس کی یاد نے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو بوڑھا کر دیا یعنی جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میں دیکھتا ہوں کہ آپ بوڑھے ہو گئے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے سورۂ ھود اور اس کی دوسری ہم جنس سورتوں (سورۂ واقعہ' مرسلات' نبا اور کورت) نے بوڑھا کر دیا۔

پند و تلقین امام غزالی قدس سرہ:۔ اے مسکین مسلمان تجھے قرآن مجید کی تلاوت سے اتنا حصہ ہے کہ اس کے الفاظ زبان پر آجائیں ورنہ تو کچھ پڑھتا ہے' اگر تو اسے سوچتا تو لائق تھا کہ تیرا پتہ پھٹ جاتا کہ قیامت کی ہولناکیاں کتنی سخت ہیں۔ ان کی وجہ سے حضور سید المرسلین کے بال سفید ہو گئے تھے اور جب تو نے صرف زبان کی حرکت پر اکتفا کیا ہے تو تو قرآن کے ثمرات سے محروم ہے۔ دیکھ جن امور کا ذکر قرآن مجید میں ہے' ان میں سے ہر ایک قیامت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعض مصائب کا ذکر فرمایا ہے اور اس کے نام بھی بہت بیان کیے ہیں تاکہ تو کثرت الفاظ سے بہت سے معنی سمجھے۔ ناموں کی کثرت سے یہ مقصود نہیں کہ ایک چیز کے بہت سے نام و القاب معلوم ہوں بلکہ ان سے عقل والوں کو تنبیہ ہے۔ اس لیے کہ قیامت کے ہر نام میں مخفی راز ہے اور اس کی ہر ایک صفت میں ایک معنی ہے۔ تو تجھے چاہیے کہ ان کے معانی کی پہچان کا حریص ہو۔

اسمائے قیامت:- مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) روز قیامت۔ (2) روز حسرت۔ (3) روز ندامت۔ (4) روز حساب۔ (5) روز محاسبہ۔ (6) روز سوال۔ (7) روز سبقت جوئی۔ (8) جھگڑے کا دن۔ (9) رعب کا دن۔ (10) زلزلے کا دن۔ (11) الٹ دینے کا دن۔ (12) کڑک کا دن۔ (13) روز واقعہ۔ (14) روز قارعہ۔ (15) روز راجفہ۔ (16) روز رادفہ۔ (17) روز غاشیہ۔ (18) روز مصیبت۔ (19) روز حاقہ۔ (20) روز طامہ ر ملانے والا۔ (21) روز صاخہ۔ (22) روز تلاق۔ (23) روز فراق۔ (24) روز ماق۔ (25) روز قصاص۔ (26) روز تناد۔ (27) روز ماب / ملانے والا۔ (28) روز عذاب۔ (29) روز گریز۔ (30) روز قرار۔ (31) روز لقاء۔ (32) روز بقا۔ (33) روز قضاء۔ (34) روز جزا۔ (35) روز بلا۔ (36) روز گریہ۔ (37) روز حشر۔ (38) روز نشر۔ (39) روز وعید۔ (40) روز پیشی۔ (41) روز روزن۔ (42) روز حق۔ (43) روز حکم۔ (44) روز نخل۔ (45) روز جمع۔ (46) روز بعث۔ (47) روز فتح۔ (48) روز رسوائی۔ (49) روز عظیم۔ (50) روز عقیم۔ (51) روز عسیر۔ (52) روز دین۔ (53) روز یقین۔ (54) روز نشور۔ (55) روز مصیر۔ (56) روز نفخہ۔ (57) روز صیحہ۔ (58) روز رجفہ۔ (59) روز جنبش۔ (60) روز توبیخ۔ (61) روز خوف۔ (62) روز اضطراب۔ (63) روز مفتی۔ (64) روز ملوئی۔ (65) روز میقات۔ (66) روز میعاد۔ (67) روز مرصاد۔ (68) روز قلق۔ (69) روز عرق۔ (70) روز افتقار۔ (71) روز انکدار۔ (72) روز انتشار۔ (73) روز انشقاق۔ (74) روز وقوف۔ (75) روز خروج۔ (76) روز خلود۔ (77) روز تغابن۔ (78) روز عبوس۔ (79) روز معلوم۔ (80) روز موعود۔ (81) روز مشہود۔ (82) وہ روز جس میں شک نہیں۔ (83) وہ روز جس میں امتحان دل کے اسرار سے امتحان ہو۔ (84) وہ روز جس میں کوئی نفس کسی نفس کے کام نہ آئے۔ (85) وہ روز جس میں آنکھیں اوپر کو دیکھیں۔ (86) وہ روز کہ اس میں کوئی رفیق کسی کے کچھ کام نہ آئے۔ (87) وہ روز جس میں کوئی کسی کا کوئی بھلا نہ کر سکے۔ (88) وہ روز جس میں دوزخ کی طرف کو دھکیلے جائیں۔ (89) جس روز کہ آگ میں منہ کے بل گھسیٹے جائیں گے۔ (90) جس روز کہ باپ اپنے بیٹے کے کام نہ آئے گا۔ (91) جس روز کہ انسان اپنے بھائی اور ماں اور باپ سے بھاگے گا۔ (92) جس روز کہ نہ بولیں گے اور ان کو اجازت ہوگی کہ عذر کریں۔ (93) وہ دن کہ جس میں کوئی شخص عذاب الٰہی سے روکنے والا نہ ہوگا۔ (94) جس روز لوگ نکل کھڑے ہوں گے۔ (95) جس روز کہ لوگ آگ میں عذاب دیئے جائیں گے۔ (96) جس روز کہ مال اور اولاد فائدہ نہ دے۔ (97) جس روز کہ ظالموں کا عذر ان کے کام نہ آئے اور ان کو لعنت اور خراب ٹھکانہ ملے گا۔ (98) جس روز کہ عذر نامنظور ہوں اور بھیدوں کی جانچ ہو اور دل کی پوشیدہ باتیں ظاہر ہو جائیں اور پردے کھل جائیں۔ (99) جس روز کہ آنکھیں دبی ہوں اور آوازیں ساکن اور ایک دوسرے کی طرف دیکھنا کم ہو اور چھپی باتیں علانیہ اور خطائیں ظاہر ہوں۔ (100) جس روز بندے ہنکائے جائیں اور ان کے ساتھ گواہ ہوں اور لڑکے بوڑھے ہو جائیں اور بڑے نشے میں تو ایسے دن میں ترازو قائم ہوگی اور دفتر اعمال کھولے جائیں گے اور دوزخ ظاہر کی جائے گی اور پانی گرم جوش دیا جائے گا اور آگ شعلے مار کر چلے گی اور کافر ناامید ہوں گے اور آتشیں بھڑکائی جائیں گی اور

رنگ متغیر اور زبانیں گونگی اور ہاتھ پاؤں جلتے ہوں گے۔

پند سودمند:۔ اے انسان تجھے کس چیز نے خدا تعالیٰ پر مغالطہ کر دیا کہ تو نے دروازہ بند کر کے اور پردے چھوڑ کر مخلوق سے چھپ کر گناہ کیے' اب بتا کیا کرے گا کہ تیرے ہی اعضا تجھ پر گواہی دیں گے۔ نہایت خرابی ہے' ہم سب غافلوں کی کہ خدا تعالیٰ تو ہمارے پاس سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجے اور اس پر کتاب بھی اتارے اور ہم کو قیامت کے دن کی یہ سب صفات بتائے۔ پھر ہماری غفلت پر انتباہ فرما کر یوں فرمائے اقترب للناس حسابهم وهم في غفلة معرضون ما يأتيهم من ذكر من ربهم محدث الا استمعوه وهم يلعبون لاهية قلوبهم (انبیاء 1 تا 2) ترجمہ کنزالایمان: لوگوں کا حساب نزدیک اور وہ غفلت میں منہ پھیرے ہیں جب ان کے رب کے پاس سے کوئی نئی نصیحت آتی ہے تو اسے نہیں سنتے مگر کھیلتے ہوئے ان کے دل کھیل میں پڑے ہیں۔

پھر قرب قیامت کے متعلق ارشاد فرمائے اقتربت الساعة وانشق القمر (القمر 1) ترجمہ کنزالایمان: پاس آئی قیامت اور شق ہو گیا چاند۔ اور فرمائے انهم يرونه بعيدا ونراه قريبا (المعارج 6'7) ترجمہ کنزالایمان: وہ اسے دور سمجھ رہے ہیں اور ہم اسے نزدیک دیکھ رہے ہیں اور ما يدريك لعل الساعة تكون قريبا (احزاب 63) ترجمہ کنزالایمان: تم کیا جانو شاید قیامت پاس ہی۔

ہمیں چاہیے تھا کہ قرآن مجید کی تلاوت کر کے اس پر عمل کرتے' نہ یہ کہ اس کے معنی میں غفلت کریں اور نہ قیامت کے دن کے بہت سے ناموں اور اوصاف کا لحاظ کریں اور نہ اس کی مصیبتوں سے نجات کی فکر کریں۔ پس غفلت سے اللہ تعالیٰ ہم سب کو بچائے اور اپنی رحمت واسعہ سے اس کا تدارک فرمائے۔ (آمین)

بارگاہ حق کی پیشی کا منظر:۔ اے برادر مسلم تجھ سے قیامت تیری نیکی اور برائی تھوڑی اور بہت بلکہ تنکے تنکے کا سوال ہو گا۔ اس درمیان میں کہ تو قیامت کی سختی اور پسینے کی بلا اور بڑی آفات و بلیات میں مبتلا ہو گا کہ اچانک آسمان کے کناروں سے بڑے قوی ہیکل اور نہایت موٹے اور تند خو فرشتے اتریں گے۔ ان کو حکم ہو گا کہ گنہگاروں کے ماتھے کے بال پکڑ کر جبار تعالیٰ کے سامنے پیش کرو۔

حدیث شریف:۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے یہاں ایک فرشتہ ہے کہ اس کی دونوں آنکھوں کی پلکوں کا فاصلہ ایک برس کی راہ ہے۔ اے مسلم بھائی اب بتا کہ جب ایسے فرشتے تیرے پاس بھیجے جائیں گے کہ تجھے پکڑ کر پیشی کے مقام میں لے جائیں تو اپنے نفس پر تو کیا گمان کرتا ہے۔ ان فرشتوں کو تو دیکھے گا کہ باوجود اتنے بڑے قوی ہیکل ہونے کے اس دن کی شدت سے شکستہ حال اور غضب جبار تعالیٰ جو ان پر عیاں ہو گا' بندوں کے لیے اپنا شعار بنائے ہوں گے۔ ان کے اترنے کے وقت جتنے نبی علیہ السلام اور صدیق اور نیک بندے ہوں گے' سجدے میں گر پڑیں گے اور خوف سے کہیں گے کہ شاید ہم نہ پکڑے جائیں۔ جب یہ حال مقربوں کا ہو گا تو گنہگاروں' نافرمانوں پر کیا گزرے گی؟ اس وقت بعض لوگ شدت خوف سے فرشتوں سے پوچھیں

گے کہ ہمارا پروردگار تمہیں میں ہے کیونکہ ان کا رعب اور ہیبت نہایت درجے کی ہوگی۔ فرشتے ان کے سوال سے ڈر جائیں گے کہ خدا تعالیٰ کی شان دیکھو' وہ ہم نہیں ہو سکتے۔ پھر وہ پکار کر کہیں گے کہ ہمارا رب پاک ہے اور وہ ہم میں نہیں' آگے چلو تاکہ زمین والوں کا وہم دور ہو جائے۔ اب فرشتے مخلوق کو چار طرف سے گھیر کر کھڑے ہوں گے اور ہر ایک پر لباس ذلت اور عاجزی کا ہوگا اور صورت خوفناک اور ہیبت ناک ہوگی اور اس وقت اللہ تعالیٰ اپنے اس قول کو سچا فرما دے گا۔ فلنسئلن الذین ارسل الیھم ولنسئلن المرسلین فلنقصن علیھم بعلم وما کنا غآئبین (الاعراف 6'7) ترجمہ کنزالایمان: تو بے شک ضرور ہمیں پوچھنا ہے ان سے جن کے پاس رسول گئے اور بے شک ضرور ہمیں پوچھنا ہے رسولوں سے تو ضرور ہم ان کو بتا دیں گے اپنے علم سے اور ہم کچھ غائب نہ تھے۔ اور اس قول کو فوربک لنسئلنھم اجمعین عما کانوا یعملون (الحجر 92' 93) ترجمہ کنزالایمان: تو تمہارے رب کی قسم ہم ضرور ان سب سے پوچھیں گے جو کچھ وہ کرتے تھے۔

پہلی پیشی کا منظر:۔ سب سے پہلے سوالات کا آغاز انبیاء علیہم السلام سے ہوگا۔ جیسا کہ ارشاد ہے یوم یجمع اللہ الرسل فیقول ماذا اجبتم قالوا لا علم لنا انک انت علام الغیوب (المائدہ 109) ترجمہ کنزالایمان: جس دن اللہ جمع فرمائے گا رسولوں کو پھر فرمائے گا تمہیں کیا جواب ملا عرض کریں گے ہمیں کچھ علم نہیں بے شک تو ہی ہے سب غیبوں کا جاننے والا۔ غور فرمایئے کہ اس دن کی شدت کیسی ہوگی جس میں انبیاء علیہم السلام کی عقول استغراق میں ہوں گی اور علوم شدت ہیبت کی وجہ سے فانی فی اللہ ہوں گے' اس لیے کہ ان سے جب یہ سوال ہوگا کہ تمہیں مخلوق کی طرف بھیجا تھا' انہوں نے کیا جواب دیا۔ انبیاء علیہم السلام کو اس سوال کا جواب معلوم تھا مگر عقول پر دہشت طاری ہوگی اور شدت ہیبت سے وہ بولیں گے لا علم لنا انک انت علام الغیوب (المائدہ 109) (ترجمہ الخ) اور واقع میں اس وقت ان کا یہ جواب درست اور سچا ہوگا کیونکہ عقلیں پرواز کر گئیں اور علم محویت میں آگئے اور بجز لاعلمی کے اظہار کے اور کیا کرتے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو قوت عطا کرے گا۔ پہلے حضرت نوح علیہ السلام کو بلایا جائے گا کہ تم نے رسالت کو پہنچایا؟ وہ عرض کریں گے' ہاں۔ پھر ان کی امت سے پوچھا جائے گا کہ تم میں کوئی پیغام پہنچایا؟ عرض کریں گے' ہمارے پاس تو کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ آخر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بلوا کر خطاب ہوگا کہ کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو دو خدا بناؤ؟ اس سوال کے جواب میں وہ برسوں مضطرب رہیں گے۔

انتباہ:۔ ایسے دن کی عظمت قابل غور ہے جس میں انبیاء علیہم السلام پر ایسے سوال کی ہیبت قائم کی جائے گی۔ پھر فرشتے آئیں گے اور ہر ایک کو پکاریں گے کہ اے فلاں مرد' اے فلاں عورت کے لڑکے پیشی کے لیے مقام پیشی میں حاضر ہو۔ اس آواز سے شانے تھرتھرائیں گے اور ہاتھ' پاؤں میں کھلبلی پڑے گی اور عقلیں حیران ہوں گے اور بعض لوگ تمنا کریں گے کہ ہمیں دوزخ میں ڈال دیا جائے۔ ہمارے اعمال بد حساب کے لیے پیش نہ ہوں اور نہ ان

کا پردہ مخلوق کے سامنے فاش ہو۔

نور عرش کی تابانی :۔ سوال سے پہلے عرش کا نور ظاہر ہوگا اور میدان حشر اس نور سے چمکنے لگے گا۔ ہر بندے کو اس وقت یہی گمان ہوگا کہ خدا تعالیٰ بندوں کی بازپرس کے لیے متوجہ ہے اور ہر ایک یہی سمجھے گا کہ میرے سواء اور کوئی اس کو نہیں دیکھتا۔ گرفت اور بازپرس صرف مجھ سے ہوگی' شاید کسی دوسرے سے نہ ہوگی۔

دوزخ لائی جائے گی :۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم پہنچے گا کہ دوزخ کو لے آ۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام دوزخ کے پاس آکر فرمائیں گے کہ اپنے مالک اور خالق کے حکم کی تعمیل کر اور حاضر حضور ہو' وہ اس وقت غیظ و غضب میں ہوگی۔ آواز سنتے ہی حرکت میں جوش کھائے گی اور خلائق کی طرف چیختے' چلائے گی۔ مخلوق اس کا زور شور اور جوش سنے گی اور اس کے محافظ فرشتے مخلوق کی طرف غضب سے دیکھیں گے یعنی ان لوگوں کو جنہوں نے خدا تعالیٰ کی نافرمانی کی ہوگی اور اس کا حکم نہ مانا ہوگا۔

پند سودمند :۔ اے مسلم برادر دھیان کر اور تصور کر کہ لوگوں کے دلوں کا اس وقت کیا حال ہوگا؟ خوف کے رعب سے پھٹے جاتے ہوں گے اور لوگ. زانوں کے بل گر پڑیں گے اور پشت پھیر کر بھاگیں گے۔ ہر قوم گھٹنے بل گری نظر آئے گی۔ بعض منہ کے بل اوندھے گریں گے اور نافرمان لوگ اور ظالم تباہی اور خرابی پکاریں گے کہ ہائے تباہ ہوئے' ہائے مرگئے اور صدیق نفسی نفسی کہتے ہوں گے۔ وہ اس حال میں ہوں گے کہ دوزخ دوسری چیخ مارے گی' اس وقت لوگوں کا خوف دگنا ہو جائے گا اور قوی ست ہو جائیں گے اور جانیں گے کہ ہم گرفتار ہوں گے۔ پھر تیسری چنگھاڑ مارے گی تو لوگ منہ کے بل گر پڑیں گے اور آنکھیں اوپر کو کھولیں گے لیکن چھپی نگاہ سے ادھر دیکھتے ہوں گے۔ اس وقت ظالموں کے دل غم کے مارے گلے میں آجائیں گے اور عقلیں سعیدوں اور بدبختوں کی سب کی جاتی رہیں گی۔

رسل کرام علیہم السلام سے سوال :۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ رسل کرام علیہم السلام کی طرف متوجہ ہو کر سوال فرمائے گا کہ ماذا اجبتم جب تمام لوگ انبیاء علیہم السلام پر سوال کا رعب دیکھیں گے تو گنہگاروں پر خوف بے انتہا ہوگا اور باپ بیٹے سے اور بھائی بھائی سے اور شوہر منکوحہ سے بھاگیں گے اور ہر ایک کو اپنی فکر ہوگی کہ دیکھیے کیا ہوتا ہے' پھر ایک ایک کو پکڑ کر اللہ تعالیٰ کے روبرو تھوڑے اور زیادہ ظاہر اور چھپے ہوئے اعمال سے پوچھے گا اور اس کے ہاتھ پاؤں اور تمام اعضاء سے بازپرس فرمائے گا۔

حدیث شریف :۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ کیا قیامت کے دن ہم اپنے پروردگار کو دیکھیں گے؟ آپ نے فرمایا کہ جب دوپہر کو آفتاب کے درمیان کو بادل نہ ہو' تم اس کو دیکھنے میں کچھ خلاف کرتے ہو۔ صحابہ نے عرض کیا' نہیں۔ آپ نے فرمایا

کہ اگر چودھویں رات کے چاند میں کوئی بادل حائل نہ ہو تو تم اس کے دیکھنے میں شک کرتے ہو۔ صحابہ نے عرض کیا' نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ خدا تعالیٰ کے دیکھنے میں بھی کوئی شک اور تامل نہ کرو گے۔

بندگان خدا سے سوالات:۔ اللہ تعالیٰ بندے کو ارشاد فرمائے گا کہ میں نے تیرے اوپر اکرام نہیں کیا تھا؟ تجھے سردار نہیں بنایا تھا؟ تیرا جوڑا نہیں دیا تھا؟ گھوڑے' اونٹ تیرے تابع نہیں کیے تھے؟ تجھے رئیس نہیں بنایا تھا؟ بندہ کہے گا کہ یہ سب نعمتیں دی تھیں۔ پھر فرمائے گا کہ کیا تجھے گمان نہ تھا کہ مجھ سے ملنا ہے؟ وہ عرض کرے گا' نہیں۔ فرمائے گا کہ ہم بھی تجھے بھول جاتے ہیں' جیسا تو ہمیں بھول گیا۔

انتباہ:۔ اے مسکین خیال کر کہ جب فرشتے تیرے دونوں بازو پکڑیں گے اور تو خدا تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہو گا اور وہ تجھ سے بالمشافہ سوال فرمائے گا کہ میں نے تجھے جوانی کی نعمت نہیں دی تھی؟ بتا کس میں اسے کھویا اور تجھے زندگی سے مہلت نہیں دی تھی؟ کون سی چیز میں ڈبویا' مال میں جو میں نے تجھے دیا' اس کو تو نے کہاں سے حاصل کیا اور کس چیز میں خرچ کیا؟ علم کی دولت جو تجھے دی تو اپنے علم سے تو نے کیا عمل کیا؟ غور کر کہ جب اللہ تعالیٰ اس طرح اپنے انعام اور احسان اور تیری نافرمانیاں اور برائیاں ایک ایک شمار فرمائے گا تو تجھے کیسی شرم و حیاء آئے گی اور اگر تو انکار بھی کرے تو کچھ نہ بنے گا۔

بندے کی گفتگو:۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ آپ نے ہنس کر فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ میں کیوں ہنستا ہوں؟ ہم نے عرض کیا کہ خدا تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم خوب جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے بندے کا خطاب اپنے پروردگار کے ساتھ یاد آیا کہ یوں عرض کرے گا کہ الٰہی تو نے ظلم سے مجھے پناہ دی ہے۔ حکم ہو گا کہ ہاں ظلم نہ ہو گا۔ وہ عرض کرے گا کہ میں جب قائل ہوں گا' جب کوئی گواہ مجھی میں سے ہو۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ کفی بنفسک الیوم علیک حسیبا (بنی اسرائیل 14) ترجمہ کنزالایمان: پڑھ آج تو خود ہی اپنا حساب کرنے کو بہت ہے۔ اور کراماً" کاتبین گواہی کو کافی ہیں۔ پھر بندے کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کے اعضا کو بولنے کو حکم ہو گا۔ اعضاء اس کے تمام اعمال کہہ سنا دیں گے۔ پھر جب اس کے منہ پر روک اٹھا لی جائے گی تو اپنے اعضاء سے کہے گا کہ تم پر تباہی اور بربادی ہو' میں تو تمہاری ہی طرف سے لڑتا تھا۔ ہم خدائے تعالیٰ سے پناہ مانگتے ہیں۔ اس بات سے کہ ہم سب کو مخلوق کے سامنے ہمارے اعضاء کی گواہی سے رسوا کرے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مومن سے وعدہ فرمایا ہے کہ اس کی پردہ پوشی فرمائے گا اور اپنے سوا کسی کو اس کے حال سے مطلع نہیں کرے گا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو سرگوشی کی گفتگو کرتے کیسے سنا ہے؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

کہ تم میں ایک شخص کا اپنے پروردگار سے اتنا قرب ہو گا کہ وہ اپنا شانہ اس پر رکھے گا اور پوچھے گا کہ تو نے فلاں فلاں قصور کیا۔ وہ عرض کرے گا ہاں' میں نے کیا۔ پھر پوچھے گا کہ تو نے فلاں فلاں خطا کی' وہ عرض کرے گا ہاں۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے ان خطاؤں کو دنیا میں پوشیدہ رکھا اور کسی پر ظاہر نہ ہونے دیا۔ آج ان کو تیری خاطر بخش دیتا ہوں۔

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی مومن کا عیب چھپائے گا' اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے عیب چھپا دے گا۔

فائدہ :- اس حدیث کا مصداق ایسا شخص ہو گا جو لوگوں کے عیب چھپائے۔ اگر وہ اس کے حق میں کمی کریں تو اس تقصیر کی برداشت کرے اور اپنی زبان کو ان کی برائیوں کے ذکر میں نہ ہلائے' نہ ان کے پس پشت ایسی بات کہے کہ وہ سنیں تو برا مانیں تو اس طرح کا شخص اس بات کے شایان ہے کہ قیامت کے دن اسی طرح کا بدلہ پائے۔ اگر فرض کیا جائے کہ اس نے کسی دوسرے کی پردہ پوشی بھی کی ہو تو تیرے کان میں تو پکار حاضری کی پڑ چکی ہے۔ تجھے تو وہی خوف گناہوں کی سزا میں کافی ہے' اس لیے کہ تیرے ماتھے کے بال پکڑ کر آگے کو کھینچیں گے۔ اس وقت دل دھڑکتا ہو گا' عقل اڑی ہوئی ہو گی' شانے تھراتے ہوں گے' ہاتھ پاؤں میں رعشہ ہو گی' رنگ بدلا ہوا ہو گا اور شدت خوف سے تمام عالم سیاہ محسوس ہو گا اور تو لوگوں کی گردنیں پھاندتا اور صفیں چیرتا چلا جاتا ہو گا اور کوتل گھوڑے کی طرح تجھے لیے جاتے ہوں گے۔ ساری مخلوق تیری طرف دیکھتی ہو گی تو اپنے نفس کو اس صورت و ہیبت میں فرض کر لے اور خیال کر کہ فرشتوں کے قبضے میں اسی حال میں گرفتار چلا جاتا ہو گا۔ یہاں تک کہ خدا تعالیٰ کے عرش کے سامنے لے جا کر تجھے اپنے ہاتھوں سے ڈال دیں گے اور اللہ تعالیٰ تجھے اپنے کلام عظمت والے سے پکارے گا کہ اے آدم کے بیٹے مجھ سے قریب ہو تو دل غمگین اور خائف اور شکستہ اور نگاہ نیچی اور ذلیل ہو کر قریب ہو جائے گا اور تیرے ہاتھ میں تیرا نامہ اعمال جس میں ادنیٰ سے اعلیٰ تک سب خطائیں لکھیں ہوں گی' دیا جائے گا تو بہت سی برائیاں بھول گیا ہو گا' اس کو دیکھ کر یاد کرے گا اور بہت سی طاعتوں کی آفتوں سے تو غافل ہو گا۔ ان کی برائیاں تجھ پر کھل جائیں گی' اس وقت کتنا خجالت اور بزدلی پیش ہو گی اور کتنی عاجزی اور زبان کی بندش عارضی ہو گی' پھر نامعلوم تو کون سے پاؤں سے خدا تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہو گا اور کون سی زبان سے جواب دے گا اور کون سے دل سے جو کہے گا' اس کو سمجھے گا۔ پھر یہ سوچ کر جب خدا تعالیٰ اپنے روبرو سب گناہوں کو یاد دلائے گا تو کتنی بڑی خجالت ہو گی یعنی جب فرمائے گا کہ اے میرے بندے تو نے مجھ سے حیا نہ کی اور برائی سے میرا سامنا کیا اور میری مخلوق سے حیا کی' ان کے لیے اچھا کام کھلم کھلا کیا' کیا میں تیرے نزدیک اپنے بندوں کی بہ نسبت بھی کمتر تھا کہ تو نے میرے دیکھنے کو اپنی طرف ہلکا جانا اور کوئی پروانہ کی اور میرے سوا دوسرے کی نظر کو بڑا سمجھا؟ کیا میں نے تجھے انعام نہیں کیا تھا تو کس چیز سے تجھے میرے بارے میں مغالطہ ہوا؟ کیا تو نے یہ جانا کہ میں تجھے نہیں دیکھتا تھا یا تو مجھ سے نہ ملے گا؟

فائدہ :- حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم میں سے ہر کسی سے خدا تعالیٰ اس طرح سوال کرے گا کہ اس

کے اور تمہارے درمیان نہ کوئی حجاب ہوگا' نہ کوئی بیچ میں بیان کرنے والا۔

حدیث:۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ہر کوئی خدا تعالیٰ کے سامنے یوں کھڑا ہوگا کہ اس کے اور خدا تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ نہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس سے ارشاد فرمائے گا کہ کیا میں نے تیرے اوپر انعام نہیں کیا تھا؟ کیا تجھے میں نے مال نہیں دیا تھا؟ وہ عرض کرے گا' کیوں نہیں۔ پھر پوچھے گا کہ کیا میں نے تیرے پاس رسول نہیں بھیجا تھا؟ وہ عرض کرے گا' بھیجا تھا۔ وہ شخص اپنی داہنی طرف دیکھے گا تو آگ کے سوا کچھ نظر نہ آئے گا اور بائیں طرف دیکھے گا تو آگ ہی نظر پڑے گی۔ چاہیے کہ ہر کوئی تم میں سے اس آگ سے اگرچہ نصف کھجور ہی صدقہ دے کر نجات پائے۔ اگر یہ بھی نہ پائے تو کلمہ طیبہ سے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تم میں سے ہر ایک خدا تعالیٰ کے سامنے یوں اکیلا ہوگا جیسے چودھویں رات کے چاند کے سامنے تنہا ہوتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے ابن آدم مجھ پر تجھ کو کس چیز نے فریب دیا۔ اے ابن آدم تو نے جو کچھ علم پڑھا' اس پر عمل کیا۔ اے ابن آدم تو نے پیغمبروں کو کیا جواب دیا؟ اے ابن آدم کیا میں تیری آنکھ کو نہیں دیکھتا تھا؟ جب تو اسی سے وہ چیز دیکھتا کہ تجھے جائز نہ تھا۔ کیا میں تیرے کانوں کو نہیں دیکھتا تھا جب تو ان سے ناجائز باتیں سنتا تھا۔ اسی طرح فرماتا جائے گا' یہاں تک کہ تمام اعضاء کو شمار کرائے گا۔

حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بندے کے پاؤں خدائے تعالیٰ کے سامنے نہ ہلیں گے۔ جب تک کہ اس سے چار باتوں کا سوال نہ ہو۔ (1) عمر کا حال کہ جس چیز میں گزاری۔ (2) علم کا حال کہ اس سے کیا عمل کیا۔ (3) جسم کا حال کہ کس چیز میں اس کو مبتلا رکھا۔ (4) مال کا حال کہ کہاں سے حاصل کیا اور کس چیز میں خرچ کیا۔

تلقین غزالی قدس سرہ:۔ اے بندہ مسکین اس وقت کتنی بڑی حیا ہوگی اور کتنا بڑا اندیشہ ہوگا' وہ دو حال سے خالی نہیں یا تو تجھ سے یہ کہا جائے گا کہ ہم نے تیری خطا پر دنیا میں پردہ پوشی کی تو آج بھی بخش دیتے ہیں۔ اس صورت میں تو تو نہایت خوش و خرم ہوگا اور اگلے پچھلے سب تیرا رشک کریں گے یا یہ فرشتوں کو حکم کیا جائے گا کہ اس بندے کو پکڑو اور گلے میں طوق ڈالو' پھر دوزخ میں داخل کرو۔ اس صورت میں اگر سب آسمان و زمین تیرے حال پر روئیں تو لائق ہے کہ تیری مصیبت بڑی اور حسرت نہایت سخت ہوگی۔ اس امر پر کہ خدا تعالیٰ کی اطاعت میں تو نے قصور کیا اور کمینی دنیا کی وجہ سے جو ساتھ بھی نہ رہی' آخرت میں یہ گل کھلا۔

میزان عمل کا منظر:۔ میزان عمل میں فکر کرنے میں غفلت نہ کرنی چاہیے اور نہ نامہ ہائے اعمال کے داہنے بائیں اڑنے میں غور سے بے خبر رہنا چاہیے' اس لیے کہ سوال کے بعد لوگ تین گروہ ہو جائیں گے۔ وہ لوگ ہوں گے کہ ان کے پاس کوئی نیکی نہ ہوگی۔ ان کے لیے ایک سیاہ گردن دوزخ سے نکلے گی اور جیسے پرند دانہ چن لیتا ہے۔ اس طرح وہ ان کو اٹھا کر دوزخ میں ڈال دے گی' پھر دوزخ ان کو نگل جائے گی اور ان پر بدبختی کی ندا ہو جائے گی جس کے بعد کبھی سعادت نہ ہوگی۔

وہ لوگ ہوں گے کہ ان کی کوئی برائی نہ ہوگی تو ایک پکارنے والا پکارے گا کہ جو لوگ ہر حال میں خدا تعالیٰ کی حمد کیا کرتے تھے' وہ کھڑے ہوں۔ اس آواز کو سن کر حمد والے کھڑے ہوں گے اور جنت میں چلے جائیں گے۔ پھر یہی معاملہ تہجد گزاروں کے ساتھ کیا جائے گا۔ پھر ان لوگوں کے ساتھ جن کو خدا تعالیٰ کی یاد سے نہ دنیا کی تجارت نے روکا ہوگا' نہ بیچ نے اور ان پر حکم سعادت کا پکارا جائے گا جس کے بعد بدبختی نہ ہوگی۔

وہ لوگ ہوں گے کہ جنہوں نے نیک و بد عمل کیا' انہیں بلایا جائے گا۔ ان کے اعمال خفیہ اللہ تعالیٰ پوشیدہ نہ ہوں گے کہ ان کی نیکیاں زیادہ ہیں یا برائیاں مگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا کہ ان لوگوں کو بھی حال بتا دے تاکہ معاف کرنے کے وقت اس کا فضل اور سزا کرنے کے وقت اس کا عدل ظاہر ہو' اسی لیے وہ نامہ اعمال جن میں نیکیاں اور برائیاں ہوں گی' اڑائے جائیں گے اور ترازو کھڑی کی جائے گی اور تمام لوگ نامہ اعمال کو دیکھتے ہوں گے کہ دیکھئے داہنے ہاتھ میں پڑتا ہے یا بائیں میں پھر ترازو کے کانٹے کی جانب کو دیکھیں گے کہ نیکیوں کی طرف کو اٹھتا ہے یا برائیوں کی طرف اور یہ وقت نہایت خوفناک ہوگا۔

حدیث:۔ حضرت حسن روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گود میں تھا کہ آپ سو گئے۔ اس اثناء میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آخرت کو یاد کیا اور روئیں یہاں تک کہ ان کے آنسو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار مبارک پر گرے۔ آپ جاگ پڑے اور پوچھا کہ اے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روتی کیوں ہو؟ عرض کیا کہ آخرت کی یاد سے روتی ہوں۔ قیامت کو مرد اپنے گھر والوں کو بھی یاد کریں گے۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے مگر تین جگہ ہیں کہ وہاں آدمی صرف اپنے نفس کو یاد کرے گا۔ جب ترازوئیں برپا ہوں اور عمل تلنے لگیں' یہاں تک کہ آدمی دیکھ لے کہ میری ترازو ہلکی ہوئی یا بھاری۔ نامہ اعمال کے اڑنے کے وقت حتیٰ کہ دیکھے کہ میرا نامہ داہنے ہاتھ میں آتا ہے یا بائیں ایک پل صراط پر۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں انسان کو قیامت کے دن لا کر میزان کے دونوں پلڑوں کے بیچ میں کھڑا کر دیں گے اور اس پر ایک فرشتہ مقرر ہوگا۔ اگر اس کا پلہ بھاری ہوا تو فرشتہ مذکور ایسی آواز پکارے گا کہ تمام مخلوق سنے گی کہ فلاں شخص ایسا بدبخت ہوا کہ کبھی سعید نہ ہوگا اور نیکی کے پلڑے ہلکے ہونے کی صورت میں دوزخ کے فرشتے لوہے کے گرز ہاتھ میں لے کر اور آگ کے کپڑے پہنے ہوئے دوزخ کے حصے کے لوگوں کو پکڑ کر دوزخ میں لے جائیں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے روز خدائے تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کو پکارے گا اور فرمائے گا کہ اے آدم کھڑا ہو اور جتنے لوگ دوزخ میں جانے والے ہیں' ان کو دوزخ میں بھیج۔ وہ پوچھیں گے کہ الٰہی وہ کتنے لوگ ہیں' اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہزار سے نو سو ننانوے جب صحابہ نے یہ سنا تو نہایت غمگین ہوئے۔ یہاں تک کہ کبھی ہنسی ظاہر نہ کی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کا یہ حال دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ تم عمل کرو

اور خوش ہو' اس لیے کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے' تمہارے ساتھ میں دو مخلوق ایسے ہیں کہ کبھی کسی کے مقابل ہوتے ہیں تو ان سے بڑھ کر ہی رہے۔ میں اور جو لوگ آدم کی اولاد اور شیطان کی اولاد سے مرگئے ہیں' وہ بھی اس میں آگئے یعنی ان سے بڑھ کر ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا کہ وہ کونسی قومیں ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ وہ یاجوج و ماجوج ہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ اس کو سن کر صحابہ خوش ہوئے۔ پھر آپ نے فرمایا' عمل کرو اور خوش ہو کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے۔ تم لوگ قیامت میں ایسے ہو گے جیسے اونٹ کے پہلو میں سیاہ داغ ہوتا ہے یا گھوڑے وغیرہ کی آنکھوں میں گھٹا ہوتا ہے۔

حقوق العباد کی ادائیگی :- یہ تو معلوم ہو چکا کہ قیامت میں ہر ایک کو اندیشہ اور کہ وزن کے ترازو کا میلان کس طرف ہوتا ہے اور اگر وزن بھاری ہو گیا تو چین و آرام میں ہوگا اور اگر ہلکا ہوا تو جلتی آگ میں گیا۔ معلوم ہونے کے بعد کہ حساب اور ترازو کے خوف سے اسے نجات ہوگی جو دنیا میں اپنے نفس کا حساب کرے اور میزا شریعت میں اس کے اعمال و اقوال اور آخرت تولے۔

حدیث :- حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نفس کا حساب لو۔ پہلے اس سے کہ تم سے حساب لیا جائے اور اپنے اعمال تولو' پہلے اس سے کہ تم تولے جاؤ۔

فائدہ :- نفس سے حساب لینا یہ ہے کہ موت سے پہلے ہر ایک گناہ سے توبہ کرلے اور جو قصور اللہ تعالیٰ کے فرائض میں ہوا ہو' اس کا تدارک کرے اور حقوق والوں کے تمام حقوق ادا کرے اور جس کی ہتک زبان اور ہاتھ کی ہو یا بلول سے بدگمان ہوا ہو' اس سے معاف کرائے اور لوگوں کے دل خوش کرے یہاں تک کہ مرے تو کوئی حق اور کوئی فرض اس کے ذمہ نہ رہے تو ایسا شخص بے حساب جنت میں داخل ہوگا۔ اگر حقوق کے ادا کرنے سے پہلے مرے گا تو حق دار قیامت میں اس کو گھیر لیں گے۔ کوئی ہاتھ پکڑے گا' کوئی ماتھے کے بال نوچے گا' کوئی گریبان پکڑ کر کہے گا کہ تو نے مجھ پر ظلم کیا۔ کوئی کہے گا تو نے مجھے گالی دی' کوئی کہے گا کہ تو نے میرے ساتھ مذاق کیا۔ کوئی کہے گا کہ تو نے میری غیبت کی۔ کوئی کہے گا کہ تو میرا ہمسایہ تھا' مجھے ایذا دی۔ کوئی کہے گا تو نے مجھ سے معاملات میں دھوکہ کیا۔ کوئی کہے گا تو نے خرید و فروخت میں مجھے لوٹا اور اپنی چیز کا عیب چھپائے رکھا۔ کوئی کہے گا کہ تو نے اپنے اسباب کی قیمت بتلانے میں جھوٹ بولا۔ کوئی کہے گا کہ تو نے مجھے ضرورت مند دیکھا اور تو باوجودیکہ غنی تھا مگر مجھے کھانا نہ کھلایا۔ کوئی کہے گا کہ تو نے مجھے مظلوم پایا۔ اگرچہ تو ظلم دور کرنے پر قادر تھا لیکن تو نے ظلم سے درگزر کیا اور میری مدد نہ کی۔ جس وقت تیرا حال یہ ہوگا کہ حقدار تیرے بدن میں ناخن گاڑ دیں گے اور تیرا گریبان ہاتھ سے مضبوط پکڑا ہوا ہوگا اور تو ان کی کثرت سے پریشان ہوگا یہاں تک کہ اپنی عمر میں جس سے تو نے صرف ایک درہم کا معاملہ کیا ہوگا یا کسی مجلس میں کسی کے پاس بیٹھا ہوگا اور اس کا حق تیرے اوپر رہ گیا ہوگا' غیبت کی وجہ سے یا خیانت

کے سبب سے یا اس کو کمتر نگاہ سے دیکھنے کے سبب وہ سب تیرے ارد گرد ہوں گے اور تو ان کے معاملات میں ضعیف ہوگا اور اپنی گردن اپنے آقا اور مالک کی طرف اس توقع سے اٹھائے گا کہ وہ ہی ان کے ہاتھ سے چھڑا دے تو اسی حال میں تیرے کان میں آواز آئی گی الیوم تجزی کل نفس بما کسبت لا ظلم الیوم (المومن 17) ترجمہ کنزالایمان: آج ہر جان اپنے کئے کا بدلہ پائے گی آج کسی پر زیادتی نہیں۔ اس وقت تیرا دل ہیبت کی وجہ سے نکل پڑے گا اور تجھے اپنی تباہی کا یقین ہو جائے گا اور وہ قول یاد کرے گا جس سے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی تجھے ڈرایا ہے۔ ارشاد فرمایا ولا تحسبن اللہ غافلا عما یعمل الظلمون انما یوخرھم لیوم تشخص فیہ الابصار ○ مھطعین مقنعی رؤسھم لا یرتد الیھم طرفھم وافئدتھم ھوا (ابراہیم 42'43) ترجمہ کنزالایمان: اور ہرگز اللہ کو بے خبر نہ جانو ناظالموں کے کام سے انہیں ڈھیل نہیں دے رہا ہے مگر ایسے دن کے لئے جس میں آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں بے تحاشہ روڑتے نکلیں گے اپنے سر اٹھے ہوئے کہ ان کی پلک ان کی طرف لوٹتی نہیں اور ان کے دلوں میں کچھ سکت نہ ہوگی۔ **فائدہ:-** دنیا میں لوگوں کی ہتک اور ان کے مال لینے سے کتنا خوش ہوتا ہے۔ اس دن اس کی کیسی حسرت ہوگی کہ جب تجھے انصاف کے لیے کھڑا کر کے خطاب ہوگا اور تو اس وقت مفلس اور عاجز اور محتاج اور ذلیل ہوگا' نہ کوئی حق ادا کر سکتا ہوگا' نہ کوئی عذر رکھتا ہوگا۔ پھر تیری نیکیاں جن کے لیے تو نے مشقتیں عمر بھر اٹھائی ہوں گی' لے کر حق داروں کے حقوق کے بدلے ان کو دے دی جائیں گی۔

حدیث:- ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ مفلس وہ ہے جس کے پاس روپیہ' پیسہ اور اسباب نہ ہو۔ آپ نے فرمایا کہ میری امت میں مفلس وہ ہے جو قیامت میں نماز' روزہ' زکوٰۃ لے کر آئے گا لیکن اس نے کسی کو گالی دی ہوگی اور کسی کو تہمت زنا لگائی ہوگی اور کسی کا مال لیا ہوگا اور کسی کا خون کیا ہوگا اور کسی کو مارا ہوگا تو اس کی تمام نیکیاں ان سب حق داروں کو الگ الگ دے دی جائیں گی۔ اگر اس کے پاس نیکیاں نہ رہیں گی اور اس پر حکم ختم نہ ہوا ہوگا تو حق داروں کی خطائیں لے کر اس پر رکھ دی جائیں گی' پھر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

پند سودمند:- اس دن اپنی مصیبت پر غور کر کہ پہلے تو دنیا میں کوئی نیکی' ریا اور شیطان کے مکروں کی آفت سے ثابت نہیں رہتی اور اگر بہت دنوں کے بعد ایک آدھی بچی بھی ہوگی تو اس کو حق دار دوڑ کر لے لیں گے۔ اگر تو دن کو روزہ رکھے اور رات کو بیدار رہا کرے اور پھر اپنے نفس کا حساب کرے تو غالبا تو یہی پائے گا کہ کوئی دن ایسا نہیں گزرتا ہوگا جس میں مسلمانوں کی غیبت زبان پر جاری ہوئی نہ ہو۔ اس غیبت سے تمام نیکیاں غیبت والے کے پاس چلی جائیں گی' دیگر برائیاں الگ ہیں کہ کہیں حرام کھاتا ہے اور کہیں شبہ کا مال چکھتا ہے اور طاعات میں کوتاہی کرتا ہے تو ایسی صورت میں حقوق سے نجات کی کیا توقع ہے۔ اس دن کہ جس میں بے سینگ کے یعنی منڈے چوپائے کا حق سینگ والے جانور سے لیا جائے گا۔

حدیث :- ابو الدردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بکریوں کو لڑتے دیکھ کر مجھ سے پوچھا کہ تمہیں معلوم ہے کہ یہ کیوں ٹکریں مارتی ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تمہارے پروردگار کو معلوم ہے اور وہی عنقریب ان کے درمیان میں قیامت کے دن حکم کرے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں وما من دابۃ فی الارض ولا طآئر یطیر بجناحیہ الا امم امثالکم (الانعام 38) ترجمہ کنزالایمان : اور نہیں کوئی زمین میں چلنے والا اور نہ کوئی پرندہ اپنے پروں پر اڑتا ہے مگر تم جیسی امتیں۔ فرمایا ہے کہ قیامت کے دن تمام مخلوق اٹھے گی۔ چوپائے اور چرند' پرند اور تمام چیزیں پھر اللہ تعالیٰ کا عدل یہاں تک پہنچے گا کہ منڈے جانور کا حق سینگ والے سے لے گا۔ پھر فرمائے گا کہ مٹی ہو جا تو اسی وقت کافر کہے گا کہ کاش میں مٹی ہوتا۔

پند غزالی قدس سرہ :- اے مسکین تیرے اوپر کیا گزرے گا جس دن کہ تو اپنا نامہ اعمال نیکیوں سے خالی پائے گا اور بہت سی مشقتیں اٹھائی ہوں گی اور تو کہے گا کہ میری نیکیاں کہاں گئیں؟ کہا جائے گا کہ تیرے حق داروں کے اعمال ناموں میں چلی گئیں اور تو دیکھے گا کہ تیرا نامہ اعمال بدیوں سے پر ہے حالانکہ دنیا میں ان سے بچنے میں بہت تکلیفیں سہی تھیں۔ پھر بندہ پوچھے گا کہ الٰہی ان خطاؤں کا میں کبھی مرتکب نہیں ہوا تھا۔ حکم ہو گا کہ یہ برائیاں ان لوگوں کی ہیں جن کی تو نے غیبت کی اور ان کو گالیاں دیں اور برائی پہنچائی اور خرید و فروخت اور پاس رہنے اور کلام کرنے اور بحث' نصیحت اور درس اور تمام قسم کے معاملات میں زیادتی کی۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان زمین عرب میں بتوں کی پرستش سے تو ناامید ہوا مگر وہ تم سے ایسی چیز پر راضی ہو گا کہ بت پرستی کی بہ نسبت کم ہو گی۔ اگرچہ باتیں حقیر ہیں مگر سب مہلک ہیں۔ پس ظلم سے بچو جتنا تم سے ہو سکے' اس لیے کہ بندہ قیامت کے دن پہاڑ کے برابر طاعات لائے گا اور سمجھے گا کہ یہ مجھے بچائیں گی مگر ایک دوسرا بندہ آ کر کہے گا کہ الٰہی فلاں شخص نے مجھ پر ظلم کیا اور میرا حق زبردستی لے لیا۔ اللہ تعالیٰ حکم فرمائے گا کہ اس کی نیکیوں میں کمی کر دے۔ اسی طرح حقدار آتے جائیں گے' یہاں تک کہ اس کے پاس نیکیوں میں کچھ نہ رہے گا۔

مثال :- جیسے چند مسافر جنگل میں اتریں اور ان کے پاس ایندھن نہ ہو' اسی لیے سب ادھر ادھر جا کر لکڑیاں جمع کر کے لائیں اور فوراً آگ جلا کر جو منظور تھا' وہ کریں۔ اسی طرح گناہ بھی ہیں (یعنی ساری کمائی کو ایک دم خاک سیاہ کر دیتے ہیں)

جب یہ آیت اتری انک میت وانھم میتون ثم انکم یوم القیامۃ عند ربکم تختصمون (الزمر 30' 31) ترجمہ کنزالایمان : بے شک تمہیں انتقال فرمانا ہے اور ان کو بھی مرنا ہے پھر تم قیامت کے دن اپنے رب کے پاس جھگڑو گے تو حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گناہوں کے ساتھ کیا وہ

معاملات بھی ساتھ جائیں گے جو دنیا میں ہمارے آپس میں ہوئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں بے شک یہ معاملات بھی بھگتنے پڑیں گے یہاں تک کہ سب حق داروں کو ان کا حق دے دو۔ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ بخدا پھر تو بڑا سخت معاملہ ہے۔ ایسے دن کی سختی کتنی بڑی ہے جس میں ایک قدم سے بھی درگزر نہ ہوگا' نہ طمانچہ اور لقمہ اور کلمہ سے چشم پوشی کی جائے گی یہاں تک کہ ظالم سے مظلوم کا بدلہ لیا جائے گا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں بندوں کو اٹھائے گا۔ ننگے اور بے ختنہ اور مفلس یا بیماری کے بغیر۔ ہم نے عرض کیا کہ بیمار سے کیا مقصد ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کے پاس کچھ نہ ہوگا۔ پھر ان کو ان کا پروردگار ایسی آواز سے پکارے گا کہ دور اور نزدیک والے سب برابر سنیں گے اور فرمائے گا کہ میں بادشاہ بدلہ لینے والا ہوں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی اہل جنت میں سے جنت میں جائے گا اور اس پر کوئی حق اہل دوزخ کا ہو' جب تک میں اس جنتی سے عوض اس کا بدلہ نہ لے چکوں اور نہ کوئی اہل دوزخ آگ میں داخل ہو سکتا ہے' اس حال میں کہ کسی اہل جنت کا اس پر حق ہو۔ یہاں تک کہ اس دوزخی سے اس جنتی کا عوض نہ لے لوں حتیٰ کہ طمانچے کا بھی۔ ہم نے عرض کیا کہ یہ عوض کس طرح ہوگا۔ ہم تو اللہ تعالیٰ کے پاس ننگے' بے ختنہ کیے مفلس جائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نیکیوں اور بدیوں سے بدلہ دلایا جائے گا۔

پند سودمند:۔ اے بندگان خدا اللہ تعالیٰ سے خوف کرو اور بندوں کے حقوق یعنی ان کے مال لینے اور تنگ کرنے اور ان کے دل تنگ کرنے اور معاملات میں بدخلقی کرنے سے احتراز کرو' اس لیے کہ جو قصور بندے اور خدا تعالیٰ کے درمیان ہوں گے تو ان کی طرف مغفرت جلد آئے گی لیکن بندوں کے حقوق جلد معاف نہ ہوں گے اور جس شخص کے ذمہ حقوق بہت ہو اور اس نے زبردستی لوگوں سے چھین لیے ہوں اور پھر ان سے توبہ نہ کی اور حقداروں سے ان کا معاف کرانا مشکل ہو تو چاہیے کہ نیکیاں بہت کرے کہ قصاص کے دن کام آئیں اور بعض نیکیاں خاص اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان میں چھپا کر کمال اخلاص کے ساتھ کرے۔ اس طرح کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو اس پر واقفیت نہ ہو۔ اس لیے کہ شاید یہی صورت اس کی نزدیکی کی اللہ تعالیٰ سے ہو جائے اور اس وجہ سے اس لطف کا مستحق ہو جائے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن محبوبوں کے لیے رکھ چھوڑا ہے تاکہ اس سے حقوق العباد معاف فرمائے۔

قیامت میں ایک منظر:۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے تھے کہ آپ اچانک ہنسے' یہاں تک کہ آپ کے دانت ظاہر ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ آپ کے اوپر میرے ماں باپ قربان ہوں یا رسول اللہ آپ کو کس بات پر ہنسی آئی؟ آپ نے فرمایا کہ دو شخص میری امت میں سے اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوئے۔ ایک شخص نے جناب الٰہی میں عرض کی' میرا حق میرے اس

اور اللہ تعالٰی کے نزدیک وہ بڑا ٹھہرا اور اس کے عوض تجھ کو غصہ ہو کر کہہ دیا۔ اے میرے بندے تجھ پر میری لعنت ہے۔ میں تجھ سے تیری عبادت قبول نہیں کرتا تو اس آرزو کے سنتے ہی تیرا چہرہ سیاہ ہو جائے گا اور اللہ تعالٰی کے غضب کی وجہ فرشتے بھی تجھ پر غضبناک ہو کر کہیں گے کہ تجھ پر ہماری لعنت اور تمام مخلوق کی لعنت ہو اور اس وقت دوزخ کے فرشتے تجھ پر گر پڑیں گے۔ اپنے خالق کے غصے کے بعد تجھ کو منہ کے بل مجمع میں گھسیٹیں گے اور تمام لوگ تیرے منہ کی سیاہی اور غم کے ظاہر ہونے کو دیکھ رہے ہوں گے اور تو تباہی اور خرابی پکارتا ہوگا اور وہ کہتے ہوں گے کہ آج مت پکار۔ ایک ہلاکی کو بلکہ بہت سی ہلاکتوں کو اور فرشتے پکارتے ہوں گے کہ یہ فلاں بن فلاں ہے۔ اللہ تعالٰی نے اس کی فضیحتوں اور رسوائیوں کو کھول دیا اور اس کے برے اعمال کی وجہ سے اس پر لعنت کی اور ایسا بدبخت ہوا کہ کبھی نیک بخت نہ ہوگا اور کیا عجب ہے کہ یہ تمام خرابی کسی ایسے گناہ کے سبب سے ہو جس کو تو نے بندوں کے خوف سے کیا ہو یا ان کے دلوں میں جگہ بنانے کے لیے یا ان کے سامنے رسوائی کے خوف سے۔ دیکھ کہ تو کتنا بڑا جاہل ہے کہ اللہ تعالٰی کے چند بندوں کے سامنے رسوا ہونے سے دنیا فانی میں احتراز کرتا ہے مگر اس بڑی رسوائی سے ایسے بڑے مجمع میں نہیں ڈرتا جہاں اللہ تعالٰی کے غصے کا سامنا ہوگا اور اس کا عذاب تکلیف دے گا اور دوزخ کے فرشتوں کے درمیان گرفتار ہو کر آگ کو چلا جاتا ہوگا۔

انتباہ:۔ یہ حال اور اعمال تیرے ہیں اور تجھ کو ابھی بڑے اندیشے کی خبر نہیں۔ وہ اندیشہ پل صراط کا ہے جو آگے مذکور ہوگا۔ (ان شاء اللہ)

پل صراط کا ذکر:۔ ان ہولناکیوں کے بعد اس آیت میں غور کیجئے یوم نحشر المتقین الی الرحمٰن وفدا ونسوق المجرمین الی جھنم وردا (مریم 86'85) ترجمہ کنزالایمان: جس دن ہم پرہیزگاروں کو رحمٰن کی طرف لے جائیں گے مہمان بنا کر اور مجرموں کو جہنم کی طرف ہانکیں گے پیاسے۔ اور اس آیت میں فاھدوھم الی صراط الجحیم وقفوھم انھم مسؤلون (الصفت 23 تا 24) ترجمہ کنزالایمان: ہانکو راہ دوزخ کی طرف اور انہیں ٹھہرو ان سے پوچھنا ہے۔ یعنی لوگ بعد احوال مذکورہ بالا کے پل صراط کی طرف چلائے جائیں گے۔ وہ ایک پل ہے کہ وہ دوزخ کے اوپر ہے۔ تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک۔ پس جو شخص دنیا میں راہ راست پر رہے گا' وہ آخرت کے پل صراط پر ہلکا ہوگا اور نجات پائے گا اور جو دنیا میں سیدھا رہنے سے عدول کرے گا اور گناہوں سے اس کی پشت جاری ہوگی' وہ پل صراط پر پہلے قدم میں لغزش کرے گا اور ہلاک ہو جائے گا۔ اب سوچ کہ جب پل صراط کو دیکھے گا اور اس کی تیزی اور باریکی پر نگاہ کرے گا' پھر اس کے نیچے دوزخ کی سیاہی نظر آئے گی اور آگ کی چیخ اور جھنجلاہٹ سے گا تو تیرے دل میں کیسا خوف بھرے گا اور تجھ سے بزور کہا جائے گا اس پر کو چل باوجودیکہ تیرا حال ضعیف ہوگا اور دل مضطرب اور پاؤں ڈگمگاتے اور گناہوں کے باعث پیٹھ اتنی وزنی ہوگی کہ تجھ پر زمین پر نہ چلا جائے' پل صراط تو علیحدہ رہا۔ پھر تیرا حال کیا ہوگا۔ جب تو اپنا پاؤں اس پر رکھے گا اور اس کی تیزی پاؤں کو معلوم ہوگی

ساتھی سے دلا دے۔ اللہ تعالیٰ نے دوسرے سے ارشاد فرمایا کہ اس کا حق دے دے۔ اس نے عرض کیا' خدایا میرے پاس تو کوئی نیکی نہیں رہی۔ اللہ تعالیٰ نے طالب سے ارشاد فرمایا کہ اب تو کیسے کرے گا کہ اس کے پاس تو کوئی نیکی نہیں رہی۔ اس نے عرض کیا کہ یہ شخص میرے گناہوں میں سے اپنے اوپر لے لے۔ راوی کہتے ہیں کہ آنحضرت کی آنکھیں بھر آئیں اور رونے لگے۔ پھر فرمایا کہ یہ دن بہت بڑا ہے۔ اس دن میں اس بات کے محتاج ہوں گے کہ کوئی ان کی طرف سے ان کے گناہ اپنے اوپر لے لے۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے طالب سے ارشاد فرمایا کہ اپنا سر اٹھا کر جنت میں دیکھ' اس نے سر اٹھا کر عرض کیا کہ الٰہی میں نے اس کے اندر چاندی کے بلند شہر اور سونے کے محل موتیوں سے جڑے معلوم ہوتے ہیں' یہ کس نبی کے ہیں یا کس صدیق کے یا کس شہید کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا' یہ اس کے ہیں جو ان کی قیمت ادا کرے۔ اس نے عرض کیا کہ ان کی قیمت کا مالک کون ہے اور کس سے دیا جا سکتا ہے۔ فرمایا کہ ان کی قیمت تیرے پاس موجود ہے۔ عرض کیا کہ وہ کیا ہے؟ فرمایا کہ اپنے بھائی کو حق معاف کر۔ اس نے عرض کیا الٰہی معاف کیا۔ حکم ہوا کہ اپنے اس بھائی کا ہاتھ پکڑ اور جنت میں داخل کر۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگو اللہ سے ڈرو اور آپس میں صلح رکھو کہ اللہ تعالیٰ ایمان داروں میں خود صلح کراتا ہے۔

فائدہ:- اس حدیث میں انتباہ ہے اس بات پر کہ یہ مرتبہ اللہ تعالیٰ کے اخلاق اختیار کرنے سے حاصل ہوتا ہے یعنی آپس میں صلح کرانے اور دوسرے اخلاق اختیار کرنے سے۔

درس عبرت:- تو اپنے نفس کے بارے میں فکر کر کہ اگر تیرا نامہ اعمال حقوق سے خالی ہوگا یا اللہ تعالیٰ تیرے لیے لطف فرما کر معاف فرما دے گا اور تجھ کو سعادت ابدی کا یقین ہوگا تو تو فیصلہ کی جگہ سے لوٹنے کے وقت کیسا خوش ہوگا کہ تجھ کو خلعت رضا حاصل ہوگی اور ایسی سعادت پر رجوع کرے گا جس کے بعد شقاوت نہ ہو اور وہ دولت پائے گا جس کو فنا نہ ہو۔ اس وقت خوشی اور سرور سے تیرا دل اڑے گا۔ چہرہ سفید اور نورانی اور ایسا چمکنے لگے گا جیسے چاند چودھویں رات کو چمکتا ہے تو اب خیال کر کہ مخلوق کے درمیان تو کیسے سر اٹھا کر ناز سے چلتا ہو کہ پیٹھ گناہوں سے خالی ہوگی اور تازگی نسیم راحت اور رضا کی ٹھنڈک تیرے دونوں پہلو سے ظاہر رہی ہوگی اور تمام اگلی پچھلی تجھ کو دیکھتی ہوگی اور تیرے حسن و جمال میں رشک کرتی ہوگی اور فرشتے میرے آگے اور پیچھے چلتے ہوں گے اور پکار کر مجمع میں کہتے ہوں گے کہ یہ فلاں بن فلاں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوا اور اس کو راضی کر دیا اور ایسی سعادت کو پہنچا کر جس کے بعد کبھی بدبختی نہ ہوگی۔ تیرے نزدیک یہ رتبہ اس سے بڑا نہیں جس کو تو دنیا میں لوگوں کے دلوں میں حاصل کرتا تھا اور اس کے لیے ریا اور تکلف اور دین میں سستی اور بناوٹ کرتا تھا۔ اگر تو جانتا ہے کہ یہ مرتبہ دنیا کے مرتبہ سے ہے بلکہ دنیا کے مرتبے کو اس مرتبے سے کچھ نسبت ہی نہیں تو پھر اس مرتبے کو حاصل کرنے کے لیے اخلاص اور خدا کے ساتھ معاملہ کرنے میں نیت درست کو وسیلہ بنا کر یہ مرتبہ اخلاص اور سچی نیت کے بغیر نہ ملے گا اور اگر معاملہ دگرگوں ہوا یعنی معاذ اللہ تیرے نامہ اعمال میں کوئی گناہ نکلا جس کو تو ہلکا جانتا تھا

اور دوسرا پاؤں اٹھانے کے لیے مجبور ہوگا اور سامنے سے لوگ پھسل پھسل کر گرتے ہوں گے اور دوزخ کے فرشتے ان کو کانٹوں اور انکڑل سے اٹھاتے ہوں گے اور تو دیکھتا ہوگا کہ وہ سر کے نیچے اور پاؤں اوپر آگ میں چلے جاتے ہوں گے تو کیا کچھ خوف اس حال سے تجھ کو ہوگا اور کیسے سخت مقام پر چڑھائی ہوگی اور کیسے راستہ میں جانا ہوگا۔ پس اپنے حال کو دیکھ کر جب اس پر چلے گا اور چڑھے گا' تیری پیٹھ گناہوں سے وزنی ہوگی اور داہنے اور بائیں خلق آگ میں گرتی دیکھے گا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے کہتے ہوں' الٰہی بچادے' الٰہی بچادے اور فریاد تباہی اور خرابی کی دوزخ کے گڑھ میں تجھ تک پہنچتی ہوگی' اس لیے کہ اکثر لوگ جو پل سے پھسل کر گریں گے' واویلا مچائیں گے تو تیرا کیا حال ہوگا۔ اگر تیرا پاؤں لغزش کر گیا اور پشیمانی کام نہ آئی اور تو بھی واویلا اور فریاد کرے لگا اور کہنے لگا کہ میں اسی روز سیاہی سے ڈرا کرتا تھا۔ کاش زندگی میں اس روز کے واسطے کچھ کیا ہوتا۔ کاش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ راستہ اختیار کیا ہوتا۔ کاش فلاں کو یار نہ بنایا ہوتا' کاش میں مٹی ہوتا' کاش میں معدوم ہوتا۔ کاش میری ماں مجھ کو نہ جنتی اور اس وقت شعلے آگ کے معاذ اللہ تجھ کو اچک لیں اور پکارنے والا پکارے اخسؤا فیھا ولا تعلمون پس کوئی سبیل بجز چیخنے' آہ کرنے اور سانس بھرنے اور آہ فریاد کرنے کے نہیں رہے گی۔ پس اپنی عقل کو تو کیسا دیکھتا ہے حالانکہ یہ اندیشے تیرے سامنے ہیں۔ اگر تجھ کو ان باتوں پر ایمان نہیں تو معلوم ہوا کہ طبقات جنہم میں تو بہت دنوں رہنا چاہتا ہے اور اگر ایمان ہے اور ان سے غافل ہو کر تیاری میں سستی کرتا ہے تو بڑا ہی غافل اور سرکشی والا ہے اور ایسے ایمان سے تجھ کو کیا فائدہ جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں رضاجوئی پر آمادہ نہ کرے اور نہ اس کی نافرمانی چھڑادے اور اگر بالفرض تیرے سامنے ہوئی پل صراط اور اس کے اوپر سے گزرنے کے خوف سے دل کی دہشت کے اور کوئی اندیشہ نہ ہوتا گو تو سلامت ہی گزر جائے' تب بھی ہول اور دہشت اور ڈر کو اتنا ہی کافی تھا۔

احادیث:- حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ پل صراط دوزخ کے درمیان میں دکھا جائے گا اور جو شخص کہ رسولوں میں سے اپنی امت کو لے کر اترے گا' وہ میں ہوں گا اور اس روز سوائے رسولوں کے کوئی نہیں بولے گا اور سب پیغمبر یہی کہتے ہوں گے کہ الھم سلم' اللھم سلم اور دوزخ میں کانٹے سعدان کے کانٹوں کی شکل ہوں گے۔ بھلا تم نے سعدان کا کانٹا دیکھا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ ہاں۔ آپ نے فرمایا تو اسی شکل کے ہوں گے مگر ان کی بڑائی کی مقدار کو سوائے اللہ رب العزت کے اور کوئی نہیں جانتا اور وہ آدمیوں کو موافق ان کے اعمال کے آچپیں گے۔ پس بعضے تو اپنے اعمال کے باعث ہلاک ہی ہو جائیں گے اور بعض بچ بچ کر رائی جیسے ہو جائیں گے' پھر بچ جائیں گے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی دوزخ کے پل پر سے گزریں گے اور اس پر کھرد اور کانٹے اور آنکڑے ہوں گے کہ لوگوں کو داہنے اور بائیں لپٹیں گے اور اس کے دونوں طرف فرشتے کہتے ہوں گے کہ الٰہی بچا' الٰہی بچا۔ پس بعض لوگ تو مثل بجلی کے گزریں گے اور بعض ہوا کی طرح اور بعض دوڑتے گھوڑے اور بعضے بھاگتے ہوئے جائیں گے اور بعض چال چلتے ہوئے اور بعض گھٹنوں

چلیں گے اور بعض سرین گھسیٹیں گے اور دوزخ کے لوگ جو اس میں رہیں گے' وہ تو نہ مریں گے اور نہ جئیں گے
مگر جو لوگ کہ گناہوں اور خطاؤں میں پکڑے جائیں گے اور جل کر کوئلے سیاہ ہو جائیں گے' پھر شفاعت کی اجازت
ہو گی۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگلوں پچھلوں
سب کو قیامت کے روز جمع کرے گا' چالیس برس آسمان کی طرف آنکھ لیے کھڑے ہوں گے اور منتظر حکم کے ہوں
گے۔ اس حدیث حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ایمانداروں کے سجدہ کے وقت تک بیان کیا اور فرمایا کہ
پھر اللہ تعالیٰ مومنین کو حکم کرے گا کہ اپنے سر اٹھاؤ وہ سر اٹھائیں گے۔ پس ان کو ان کے اعمال کے موافق نور
عنایت ہو گا تو بعضوں کو تو بڑے پہاڑ کے موافق کے برابر نور ملے گا اور بعضوں کو اس سے کچھ کم ملے گا اور بعضوں
کو اس سے کم' یہاں تک کہ آخر کو ایک شخص کو نور اس کے پاؤں کے انگوٹھے پر عنایت ہو گا۔ وہ کبھی تو چمکنے لگے گا
اور کبھی گل ہو جائے گا۔ جب چمکے گا تو وہ پاؤں بڑھائے گا اور جب گل ہو گا تو تب کھڑا رہ جائے گا۔ پھر پل صراط کے
گزرنے کو ذکر فرمایا کہ اپنے نور کے موافق اس پر سے گزریں گے۔ بعض پلک مارنے کی طرح اور بعض بجلی کی طرح
اور بعض بادل کی طرح اور بعض ستاروں کے ٹوٹنے کی طرح اور بعض ہوا کی مانند اور بعض گھوڑے کی دوڑ کے مانند
اور بعض آدمی کے بھاگنے کی مانند یہاں تک کہ جس کے انگوٹھے کو نور ملا ہو گا' وہ اپنے منہ اور دونوں ہاتھ' پاؤں پر
گھسیٹا چلے گا۔ ایک ہاتھ بڑھائے گا تو دوسرا اٹکا رہ جائے گا اور ایک پاؤں آگے کو کرے گا تو دوسرا الجھا رہے گا اور
اس کے پہلوؤں کو آگ لگتی ہو گی' اسی طرح سے جاتے جاتے پار ہو جائے گا۔ جب نجات ہو گی تو کھڑا ہو کر کہے گا کہ اللہ کا
شکر ہے کہ اس نے نجات دی' اس لیے کہ مجھ کو جب بچایا' جب میں اس کا مزہ دیکھ چکا۔ پھر اس شخص کو جنت کے
ایک دروازے کے پاس ایک چشمہ پر لے جائیں گے' وہاں وہ نہائے گا۔

حضرت بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ
پل صراط تلوار کی تیزی کی طرح یا چھری کی دھار کی تیزی کی مثل ہے اور فرشتے مومن مردوں اور عورتوں کو بچاتے
ہوں گے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام میری کمرے پکڑے ہوں گے اور میں کہتا ہوں گا الٰہی بچادے' الٰہی بچادے مگر
لغزش کرنے والے مرد اور عورتیں اس دن بہت ہوں گے۔

فائدہ :- تو پل صراط کے احوال اور مصائب بہت ہیں' ان میں بہت فکر کر۔ اس لیے کہ قیامت کے احوال سے
زیادہ تر وہی شخص بچے گا جو دنیا میں اس کا فکر زیادہ کرے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ ایک بندے پر دو خوف جمع نہیں فرمائے
گا تو جو کوئی ان احوال سے دنیا میں ڈرے گا' وہ آخرت میں ان سے مامون رہے گا اور ہماری غرض خوف سے یہ نہیں
کہ عورتوں کی طرح سننے کے وقت دل پر رقت ہوئی اور آنکھوں سے رو لیے۔ پھر جلدی سے بھول بھال گئے اور لہو
ولعب میں مشغول ہو گئے۔ یہ بات خوف میں ہرگز شامل نہیں بلکہ جو شخص کسی چیز سے ڈرا کرتا ہے' اس سے بھاگا

کا جس کے باعث آدمی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتا ہے اور اس کی اطاعت پر آمادہ ہو اور عورتوں کے رونے کی نسبت کر بھی زیادہ تر خوف بڑا بیوقوفی، احمقوں کا ہے کہ جب احوال سنتے ہیں تو فوراً زبان سے پناہ بخدا کا کلمہ نکلتا ہے۔ کوئی کہتا ہے استعیذ باللہ کوئی کہتا ہے نعوذ باللہ اللہ کی پناہ، الٰہی بچا۔ باوجود اس کے ان گناہوں پر اصرار رکھتے ہیں جو ان کے سبب سے ہلاک ہوگا تو ایسے شخصوں کے پناہ مانگنے سے شیطان ہنستا ہے۔ جیسے اس شخص پر ہنسا کرتے ہیں جس پر جنگل میں کوئی درندہ حملہ کرے۔ اس کے پیچھے کوئی قلعہ مضبوط ہو تو جب وہ اس درندے کے حملے کو دور سے دیکھے تو زبان سے کہنے لگے، پناہ ہے۔ اس قلعہ کی دہائی ہے۔ اس کی سخت عمارت اور مضبوط دیواروں کی اور یہ قول زبان سے کہے اور اپنی جگہ سے نہ ہلے تو ان باتوں سے درندہ تھوڑا ہی ہٹایا جاتا ہے۔ اسی طرح آخرت کے احوال کا قلعہ بجز لا الہ الا اللہ کے اور کوئی نہیں مگر اس کا صرف زبانی کہنا کارآمد نہیں بلکہ اس کا سچ جاننا ضروری ہے اور سچ جاننا اس طرح ہے کہ آدمی کا مقصود سوائے اللہ تعالیٰ کے نہ ہو اور نہ کوئی معبود اس کے سوا اور جو شخص کہ اپنی خواہش کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہو تو اس راستہ توحید سے ابھی دور ہے اور اس کا معاملہ خود خطرناک ہے۔ پس اگر آدمی سے یہ بھی نہ ہو سکے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرے اور ان کی سنت کی پیروی بجا لائے اور آپ کی امت کے نیک بختوں کی دلداری کرے اور ان کی دعاؤں سے برکت حاصل کرے، شاید اسی جہت آپ کی شفاعت نصیب ہو اور اگر اپنے پاس کچھ نہ ہو تو شفاعت سے ہی نجات مل جائے۔

شفاعت کا ذکر:۔ جب بعض ایمانداروں کا عذاب ثابت ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کے بارے میں شفاعت انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین اور ایسے لوگوں کی جن کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مرتبہ اور حسن معاملہ ہے، قبول فرمائے گا یعنی اہل ایمان گنہگاروں کی شفاعت ہوگی۔ پس یہ لوگ اپنے رشتہ اور قرابت والوں اور دوستوں اور آشناؤں کے بارے میں شفاعت کریں گے تو چاہیے کہ اس بات کا حریص ہو کہ ان لوگوں کے نزدیک مرتبہ شفاعت حاصل کرے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ کسی کو حقیر نہ جانے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ولایت کو اپنے بندوں میں پوشیدہ رکھا ہے تو شاید جس شخص کو تیری آنکھ حقیر جانتی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا ولی ہو اور کسی گناہ کو ہرگز چھوٹا نہ جانے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا غضب اپنی نافرمانیوں میں چھپا رکھا ہے تو شاید جس معصیت کو تو حقیر جانتا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کا غضب ہو اور کسی طاعت کو حقیر نہ جان کر اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا، اپنی طاعت میں پوشیدہ رکھی ہے تو شاید اسی طاعت میں اس کی رضا ہو۔ گو وہ طاعت کلمہ طیبہ بھی ہو یا ایک کلمہ ہو یا نیت درست ہو یا کوئی اور اس کے قائم مقام ہو۔

دلائل شفاعت

قرآن مجید:۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ (الضحیٰ 3) ترجمۂ کنزالایمان: اور بے شک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔ حضرت عمر بن العاص سے مروی ہے کہ حضور

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قول حضرت ابراہیم علیہ السلام پڑھا رب انھمن اضللن کثیرا من الناس فمن تبعی فانہ منی ومن عصانی فانک غفور الرحیم (المائدہ 118) ترجمہ کنزالایمان : اے میرے رب بے شک بتوں نے بہت لوگ بہکا دیئے تو جس نے میرا ساتھ دیا وہ تو میرا ہے اور جس نے میرا کہنا نہ مانا تو بے شک بخشنے والا مہربان ہے۔ اور قول حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ان تعذبھم فانھم عبادک ترجمہ کنزالایمان : پھر ہاتھ اٹھا کر فرمایا امتی' پھر روئے اللہ عزوجل نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ارشاد فرمایا کہ میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر پوچھو کہ کیوں روتے ہو؟ حضرت جبرئیل نے حاضر ہو کر پوچھا کہ اللہ تعالیٰ رونے کا سبب پوچھتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ غم امت سے' حالانکہ یہ سبب اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا۔ جب حضرت جبرئیل نے جناب احدیت میں عرض کیا تو حکم ہوا کہ جاؤ میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دو کہ میں تجھے تیری امت میں راضی کر دوں گا۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانچ امور مجھے عنایت ہوئے کہ مجھ سے پہلے کسی کو عنایت نہیں ہوئے۔ (1) رعب ایک مہینے کے فاصلے کا۔ (2) مجھے غنیمتیں حلال کی گئیں' مجھ سے پہلے کسی کو حلال نہیں ہوئیں۔ (3) میرے لیے زمین مسجد کر دی گئی اور اس کی خاک پاک کرنے کی چیز تو جس کو میری امت میں سے نماز کا وقت آجائے تو چاہیے کہ پڑھے یعنی پانی کے نہ ملنے سے حرج نہیں' اس لیے کہ مٹی ہر جگہ تیمم کے لیے موجود ہے' نہ کوئی خاص جگہ نماز کی شرط ہے کہ ساری زمین سجدہ گاہ ہے۔ (4) مجھے شفاعت عطا ہوئی۔ (5) نبی خاص اپنی قوم کے لیے بھیجا گیا ہے اور میں سب کے لیے بھیجا گیا ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب قیامت کا دن ہو گا تو میں نبیوں کا امام ہوں گا اور ان کی طرف سے گفتگو کرنے والا اور ان کی امتوں کی سفارش کرنے والا ہوں گا اور اس میں کچھ فخر نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اولاد آدم کا سردار ہوں اور کچھ فخر نہیں اور میں اول ہوں' ان لوگوں کا جن سے زمین پھٹے گی اور وہ نکلیں گے اور میں سب سے اول شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری سفارش مقبول ہوگی۔ میرے ہاتھ میں حمد کا علم ہوگا' آدم اور ان کے سوا اس کے نیچے ہوں گے۔

حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ ہر ایک نبی کی ایک دعا قبول ہوتی ہے تو میں چاہتا ہوں کہ میں اپنی دعا اپنی امت کی شفاعت کے لیے قیامت کے دن کے لیے محفوظ رکھوں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیاء علیہ السلام کے لیے سونے کے منبر بچھائے جائیں گے اور وہ ان پر بیٹھ جائیں گے مگر میرا منبر خالی رہے اور میں اس پر نہیں بیٹھوں گا اور اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا رہوں گا' اس خوف سے کہ مبادا میں جنت میں بھیج دیا جاؤں اور میری امت پیچھے رہ جائے۔ میں عرض کروں گا یارب امتی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا' اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے ہو جو تمہاری امت کے ساتھ کروں۔ میں عرض کروں گا الٰہی ان کا حساب جلد ہو جائے۔ پھر میں شفاعت کیے جاؤں گا یہاں تک کہ جن لوگوں کو دوزخ میں بھیج دیا گیا ہو گا۔ ان کے لیے برات نامہ مجھے ملے گا اور مالک دوزخ کا داروغہ مجھ سے کہے گا

کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم نے اپنی امت میں اللہ تعالیٰ کے غضب کے لیے آگ کا کچھ حق نہ چھوڑا۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں قیامت کے دن روئے زمین کے پتھروں اور ڈھیلوں سے بھی زیادہ لوگوں کے لیے شفاعت کروں گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گوشت آیا اور آپ کے سامنے رکھا گیا۔ آپ کو ہاتھ کا گوشت اچھا لگتا تھا۔ آپ نے اس میں سے دانت سے کاٹ کر فرمایا کہ قیامت کے دن میں تمام لوگوں کا سردار ہوں گا اور تم کو معلوم ہے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اگلوں اور پچھلوں کو ایک میدان میں جمع کرے گا اور پکارنے والے کی آواز ان کو سنائی دے گی۔ اللہ تعالیٰ سب کو نظر کے سامنے رکھے گا اور سورج قریب ہوگا اور آدمیوں پر غم اور درد اتنا ہوگا کہ اس کی برداشت نہ کر سکیں گے۔ پھر تمام لوگ ایک دوسرے سے کہیں گے کہ دیکھتے نہیں کہ ہمارا کیا حال ہے۔ کسی ایسے کو کیوں تلاش نہیں کرتے جو پروردگار سے سفارش کرے۔ پھر آپس میں کہیں گے کہ چلو حضرت آدم علیہ السلام کے پاس۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جا کر کہیں گے کہ تم ابوالبشر ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور تم میں اپنی روح پھونکی اور تمہارے لیے فرشتوں کو سجدہ کا حکم کیا۔ اپنے پروردگار سے ہماری سفارش کرو' دیکھو ہمارا کیسا حال ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام ان کو جواب دیں گے کہ آج میرا پروردگار ایسا خفا ہوا ہے کہ نہ پہلے کبھی ہوا تھا' نہ بعد میں ہوگا اور اس نے مجھ کو ایک درخت سے منع کیا تھا۔ میں نے اس کا کہنا نہ مانا' مجھے اپنی ہی جان کی پڑی ہے۔ تم کسی اور کے پاس جاؤ۔ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ تمام لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور عرض کریں گے کہ زمین کے باشندوں کے پاس آپ پہلے رسول ہو کر آئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو شکرگزار بندہ فرمایا۔ ہمارے متعلق اپنے پروردگار سے سفارش کرو۔ دیکھو کہ ہمارا کیا حال ہے۔ وہ جواب دیں گے کہ آج اللہ تعالیٰ غصہ میں ہے کہ پہلے کبھی ایسا نہ ہوا' نہ بعد کو کبھی ایسا ہوگا اور میں اپنی قوم پر ایک بددعا کر چکا ہوں۔ میں اپنی ہی دعا کے بچاؤ میں ہوں۔ تم میرے سوا کسی دوسرے کے پاس جاؤ۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے پاس جاؤ۔ وہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور عرض کریں گے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اور تمام لوگوں میں سے اس کے خلیل ہو' اپنے پروردگار سے ہماری شفاعت کرو۔ دیکھتے ہو کہ ہم کس حال میں ہیں۔ حضرت ابراہیم جواب دیں گے کہ میرا پروردگار آج غصہ میں ہے کہ پہلے کبھی نہ ہوا تھا اور نہ آئندہ ہوگا اور میں نے تین بار جھوٹ (ظاہری) بولا تھا۔ مجھے اپنی ہی پڑی ہے۔ تم کسی اور کے پاس جاؤ۔ تم موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آکر کہیں گے۔ آپ رسول اللہ ہیں۔ آپکو تمام کلام اور رسالت سے نوازا گیا۔ اپنے پروردگار سے ہماری سفارش فرمائیے۔ دیکھیے ہمارا کیا حال ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جواب دیں گے کہ میرا پروردگار آج ایسا غضبناک ہے' نہ پہلے ہوا تھا نہ بعد کو ایسا ہوگا اور میں نے ایک شخص کو مار ڈالا تھا جس کے مار ڈالنے کا مجھے حکم نہ تھا۔ مجھے اپنی فکر ہے' تم کسی دوسرے کے پاس جاؤ۔ تم عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آکر

کہیں گے۔ آپ اللہ کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں کہ مریم کی طرف ڈال دیئے گئے اور اللہ تعالیٰ کی روح ہیں اور آپ نے لوگوں سے جھولے میں کلام کیا۔ اپنے پروردگار سے ہماری سفارش کیجئے اور دیکھئے کہ ہمارا کیا حال ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جواب دیں گے کہ میرا پروردگار آج ایسے غصہ میں ہے' نہ پہلے ایسا ہوا' نہ بعد کو ایسے ہوگا اور کوئی خطا اپنی ذکر فرمائی۔ میں اپنے ہی نفس کی فکر میں ہوں' تم کسی اور کے پاس جاؤ۔ تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ۔ پس لوگ میرے پاس آویں گے اور کہیں گے کہ اے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ رسول اللہ ہیں اور انبیاء کے ختم کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے صدقے اگلے پچھلے لوگوں کے گناہ معاف فرمائے۔ اپنے رب سے ہماری شفاعت فرمایئے اور ہمارے حال زار کو ملاحظہ فرمایئے۔ میں حاضر ہو کر عرش کے نیچے اپنے رب کے لیے سجدہ کروں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ میرے اوپر اپنے محامد اور ثناء کی خوبی سے وہ چیز کھول دے گا کہ پہلے کسی کے اوپر نہیں کھولی۔ پھر کہا جائے گا کہ اے محمد اپنا سر اٹھایئے' مانگئے تجھے ملے گا اور شفاعت کیجئے' تمہاری شفاعت منظور ہوگی۔ پھر میں اپنا سر اٹھا کر کہوں گا' امتی امتی' یارب یعنی میری امت کو بخش دے۔ مجھے حکم ہوگا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت میں سے جن لوگوں پر حساب نہیں' ان کو جنت کے داہنے دروازے سے اندر پہنچا دے اور باقی دروازوں میں تیری ا ت کے لوگ دوسرے لوگوں کے ساتھ شریک ہیں۔ پھر فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ جنت کے دو کواڑوں کا فاصلہ ایسے ہے جیسے مکہ اور حمیر یا جتنا مکہ اور بصرہ کے درمیان ہے۔

فائدہ :۔ ایک روایت میں یہی مضمون جوں کا توں ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خطائیں بھی مذکور ہیں یعنی پہلے کواکب کے متعلق فرمایا کہ ہذا ربی' یہ میرا پروردگار ہے۔ دوسرے کنار کے معبودوں کو فرمایا بل فعله كبيرهم هذا یہ کام ان میں سے ان کے بڑے نے کیا ہے۔ تیسرے آپ کا فرمانا انی سقیم میں بیمار ہوں۔ جب یہ حال ہے تو شفاعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اور آپ کی امت کے علماء اور نیک بخت لوگ شفاعت کریں گے یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے ایک شخص کی شفاعت سے جنت میں ربیع اور مضر کی قوم سے زیادہ لوگ داخل ہوں گے۔

ایک حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایک امتی کو حکم ہوگا کہ اے شخص اٹھ اور شفاعت کر' وہ اٹھ کر اپنے خاندان اور گھر والوں اور ایک دو شخص کے لیے اپنے عمل کے موافق شاعفت کرے گا۔

حضرت انس فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص قیامت کے دن دوزخ والوں میں جھانکے گا۔ اس کو ایک دوزخی پکارے گا کہ اے فلاں تو مجھے پہچانتا ہے؟ وہ کہے گا کہ میں تو نہیں پہچانتا تو کون ہے' وہ کہے گا کہ دنیا میں فلاں دن تو میرے قریب سے گزرا اور ایک گھونٹ پانی پینے کو مانگا۔ میں نے تجھے پانی پلایا۔ جنتی کہے گا کہ ہاں میں نے تجھے پہچانا۔ وہ کہے گا کہ تو اسی گھونٹ کے عوض اپنے رب سے میرے متعلق شفاعت کیجئے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے اس کے حال کہنے کی اجازت لے کر کہے گا' الٰہی میں نے دوزخ میں جھانکا تو ایک شخص نے دوزخ

والوں میں سے مجھے پکارا اور کہا کہ تو مجھے پہچانتا ہے تو میں نے کہا تو کون ہے؟ اس نے کہا کہ میں وہ ہوں کہ تو نے دنیا میں مجھ سے پانی پینے کو مانگا تھا تو میں نے تجھے پانی پلا دیا تھا۔ اس کے بدلے تو میری شفاعت کر۔ اے الٰہی تو اس کے متعلق سفارش قبول فرما۔ اللہ تعالیٰ اس کی سفارش قبول فرمائے گا اور حکم صادر ہوگا تو وہ دوزخ سے باہر نکل آئے گا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب لوگ قبروں سے اٹھیں گے تو سب سے پہلے میں نکلوں گا اور جب وہ میرے پاس آئیں گے تو میں ان کا خطیب یعنی ان کی طرف سے بولنے والا اور معذرت کرنے والا ہوں گا اور جب وہ ناامید ہوں گے تو میں ان کو بشارت دوں گا۔ حمد کا علم' اس دن میرے ہاتھ میں ہوگا اور میں تمام اولاد آدم سے اپنے رب تعالیٰ کے نزدیک گرامی تر ہوں گا اور کچھ فخر نہیں۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنے رب کے سامنے کھڑا ہوں گا اور ایک لباس بہشتی پہنوں گا۔ پھر عرش کی داہنی طرف کھڑا ہوں گا جس مقام پر کہ مخلوق میں سے میرے سوا کوئی کھڑا نہ ہوگا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابہ کرام بیٹھے آپ کا انتظار کرتے تھے۔ آپ باہر نکلے' یہاں تک کہ ان کے قریب پہنچے تو سنا کہ وہ باتیں کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی باتیں سنیں۔ کسی نے کہا کہ تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خلیل بنایا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دوسرے نے کہا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا۔ ایک اور نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں۔ ایک اور بولا کہ آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سامنے تشریف لائے اور سلام کیا اور فرمایا کہ میں نے تمہاری گفتگو سنی اور تمہارا تعجب ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے خلیل بنایا اور وہ ایسے ہی ہیں اور آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ کیا اور وہ ایسے ہیں۔ اب سن لو کہ میں اللہ کا حبیب ہوں اور کچھ فخر نہیں اور میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور میری شفاعت سب سے پہلے قبول ہونے والی ہے اور کچھ فخر ہیں اور میں سب سے پہلے جنت کے دروازوں کے زنجیر ہلاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ میرے لیے دروازہ کھول دے گا اور میں اندر جاؤں گا اور فقرائے مومنین میرے ساتھ ہوں گے اور کچھ فخر نہیں اور میں سب اگلوں اور پچھلوں سے بزرگ تر ہوں اور کچھ فخر نہیں۔

حوض کوثر:۔ حوض ایک بڑی عطا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص فرمایا ہے۔ احادیث اس کے وصف پر مشتمل ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے امید رکھتے ہیں کہ دنیا میں اسکا علم اور آخرت میں اس کا ذائقہ نصیب فرمائے۔ اس کی تاثیر یہ ہے کہ جو کوئی اس سے پیئے تو پھر کبھی پیاسا نہ ہوگا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہلکی نیند سوئے۔ پھر سر اٹھایا تو تبسم کرتے تھے۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ آپ کیوں ہنستے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ ایک سورۃ اسی وقت مجھ پر اتری ہے۔ وہ یہ ہے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ انا اعطیناک الکوثر (کوثر ۱) ترجمہ کنزالایمان: اللہ کے

نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا اے محبوب بے شک ہم نے تمہیں بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں۔ یہاں تک کہ تمام سورۃ ختم کر کے فرمایا کہ تم جانتے ہو' کوثر کیا ہے؟ صحابہ نے کہا کہ اللہ جل جلالہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ ایک نہر ہے جس کا وعدہ مجھ سے میرے پروردگار نے جنت میں کیا ہے۔ اس میں برکت بہت ہے۔ وہ ایک حوض ہے جس پر میری امت قیامت کے دن آئے گی۔ اس کے برتن اتنے ہیں جتنے آسمان کے ستارے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جنت کی سیر کرتا تھا۔ اچانک میں ایک نہر پر پہنچا کہ جس کے دو طرفہ قبے موتیوں بیچ میں سے خالی تھے۔ میں نے پوچھا کہ جبرائیل یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ کوثر ہے۔ جو آپ کو آپ کے رب تعالیٰ نے مرحمت کیا ہے۔ پھر فرشتے نے اس پر ہاتھ مارا تو اس کی مٹی مشک اذخر ہے۔

وہی راوی فرماتے ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ میرے حوض کے دونوں طرف سے پتھریلی زمین میں اس کا اتنا فاصلہ ہے جتنا مدینہ منورہ اور صفائے یمن ہے یا جتنا مدینہ مکرمہ اور عمان شام کے شہر میں ہے۔

حضرت ابن عمر روایت کرتے ہیں کہ جب سورت انا اعطیناک اتری تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوثر ایک نہر ہے جنت میں' جس کے کنارے سونے کے ہیں اور اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا اور مشک سے زیادہ خوشبودار ہے۔ موتی اور مونگے کی پتھروں پر بہتا ہے۔

ثوبان حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا حوض عدن سے لے کر عمان متصائے شام کے شہر تک اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا اور اس کے کوزے آسمان کے ستاروں کی گنتی کے برابر ہیں۔ جو شخص اس میں سے ایک گھونٹ پیئے گا' کبھی پیاسا نہیں ہوگا۔ لوگوں میں سے اس پر سب سے پہلے فقراء مہاجرین آئیں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ وہ کون لوگ ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جن کے سر کے بال الجھے ہوئے اور کپڑے میلے ہیں۔ جو چین کرنے والیوں سے نکاح نہیں کرتے اور ان کے ڈیوڑھیوں کے دروازے نہیں کھولے جاتے۔ اس حدیث کو سن کر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا کہ میں نے فاطمہ بنت عبدالمالک دولت والی ناز پروردہ سے نکاح کیا ہے اور میرے دروازے ڈیوڑھیوں کے بھی مفتوح ہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر رحم کرے۔ میں سر میں تیل نہ ڈالوں گا تاکہ بال الجھ جائیں اور نہ کپڑے دھلاؤں گا تاکہ میلے رہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ حوض کے برتن کیسے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے کہ اس کے برتن آسمان کے ستاروں کے شمار سے زیادہ ہیں جبکہ رات اندھیری اور آسمان گرد و غبار

سے صاف ہو۔ جو کوئی اس میں سے پیئے گا' آخر تک پیاسا نہ ہو گا اور اس میں دو پرنالے جنت میں سے گزرتے ہیں اور اس کا عرض طول کے برابر ہے اور وہ اتنا ہے جتنا فاصلہ عمان اور ایلہ کے درمیان ہے اور اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہے۔

حضرت سمرہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر ایک نبی کے لیے ایک حوض ہے اور انبیاء آپس میں فخر کریں گے کہ کس کے حوض پر زیادہ آدمی آتے ہیں اور میں امید کرتا ہوں کہ ان سب سے میرے حوض پر زیادہ لوگ وارد ہوں گے۔

فائدہ:۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ توقع اس لیے ہے کہ ہر بندے کو چاہیے کہ توقع کرے کہ حوض پر آنے والے سے ہو اور اس سے احتراز کرے کہ برائے مغالطہ تمنا کرے اور جانے کہ میں توقع کرتا ہوں' اس لیے کہ توقع خیر کی اس شخص کو ہوتی ہے جو زمین میں بیج ڈالے اور اسے صاف کرے اور پانی دے۔ پھر بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کے فضل سے توقع کرے کہ وہ اگائے گا اور کاٹنے کے وقت تک آفات سے محفوظ رکھے گا مگر جو شخص نہ زمین پر ہل چلائے' نہ بیج ڈالے' نہ اس کو صاف کرے' نہ پانی دے۔ پھر امید رکھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے دانہ جمائے گا اور میوہ لگائے گا تو یہ شخص توقع والا نہیں بلکہ مغالطہ والا اور غلط فہمی میں جتلا ہے۔

اکثر لوگوں کی توقع کا یہی حال ہے وہ احمقوں کی طرح مغالطہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اس غفلت اور مغالطہ سے پناہ مانگتے ہیں' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ پر مغالطہ ہو جانا دنیا کے بارے میں مغالطہ کھانے کی بہ نسبت بہت زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فلا تغرنکم الحیوۃ الدنیا ولا یغرنکم باللّٰہ الغرور (فاطر 5) ترجمہ کنزالایمان: تو ہرگز تمہیں دھوکہ نہ دے دنیا کی زندگی اور ہرگز تمہیں اس کرے حکم پر فریب نہ دے وہ بڑا فریبی

دوزخ اور اس کے احوال:۔ اے لوگو! تم دنیا فانی قریب الزوال کے دھندوں پر مغالطہ کھا کر اپنے نفس سے غافل ہو تو ایسی چیز میں فکر کرنا چھوڑو جس سے کوچ کر جاؤ گے اور اس چیز میں فکر کرو جس میں وارد ہو گے یعنی تم کو اطلاع مل چکی ہے کہ آتش جہنم سب کے اترنے کی جگہ ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے وان منکم الا واردھا کان علی ربک حتما مقضیا ثم ننجی الذین اتقوا ونذر الظالمین فیھا جثیا (مریم 71'72) ترجمہ کنزالایمان: اور تم میں کوئی ایسا نہیں جس کا گزر دوزخ پر نہ ہو تمہارے رب کے ذمہ پر یہ ضرور ٹھہری ہوئی بات ہے پھر ہم ڈر والوں کو بچالیں گے اور ظالموں کو اس میں چھوڑ دیں گے گھٹنوں کے بل گرے

اس آیت سے اترنا تو یقیناً ثابت ہے اور نجات میں شک ہے۔ اب اپنے دل میں اس اترنے کی جگہ کا ہول سوچ کہ شاید اس سے بچ جاؤ۔ بچنے کے لیے مستعد ہو جاؤ اور لوگوں کے حال میں غور و فکر کرو کہ قیامت کے مصائب سے ان پر گزر ہو گا۔ وہ تو گزر ہی چکا ہو گا' ابھی اس کی سختی اور احوال میں گرفتار ہوئے منتظر ہوں گے کہ اس کی حقیقت حال اور سفارش کرنے والے کی سفارش کی منظوری معلوم ہو۔

یاد رہے کہ مجرموں کو اندھیریاں پے در پے آکر گھیریں گی اور ان پر آتش شعلہ انگیز چھا جائے گی۔ آواز اور جھنجلاہٹ ان کے کان میں پڑے گی۔ وہ شدت غضب کی دلیل ہوگی۔ اس وقت میں مجرموں کو اپنی ہلاکی کا یقین ہو جائے گا اور سب لوگ گھٹنے کے بل گر جائیں گے اور جو لوگ برے ہوں گے' ان کو اپنے برے انجام سے خوف ہوگا اور دوزخ کے فرشتوں میں سے ایک پکارنے والا یوں کہتا ہوا نکلے گا کہ کہاں ہے فلاں بن فلاں جس کا نفس دنیا میں طویل امل کے باعث لیت و لعل کیا کرتا تھا اور برے کام میں اپنی عمر تلف کیا کرتا تھا۔ پس اس پر لوہے کے گرز لے کر چیں ڈالیں گے اور بڑی بڑی دھمکیاں دیں گے اور سخت عذاب میں کھینچیں گے اور اوندھے منہ دوزخ کے گڑھے میں ڈال دیں گے اور کہیں گے' لے مزہ چکھ تو تو عزت والا اور بزرگی والا ہے۔ اس گھر میں وہ جس کے کنارے تنگ اور راہ تاریک اور مہلک ہے۔ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے اور یہ ہمیشہ آتش خانہ بنا رہتا ہے۔ اس کے قیدیوں کے پینے کی چیز کھولتا پانی ہے اور ان کا ٹھکانہ دوزخ آگ کے فرشتے ان کو گرز مارتے ہیں اور آگ ان کو سمیٹتی ہے۔ ان کی تمنا اس میں مر جانے کی ہے مگر اس سے نجات کہاں۔ ان کے پاؤں ماتھے کے بالوں سے باندھے ہوں گے اور گناہوں کی تاریکی سے منہ سیاہ ہوں گے۔ ہر طرف گوشے میں پکاریں گے اور چلائیں گے۔ اے مالک ہم سے جو وعدہ عذاب تھا' پورا ہو چکا۔ ہم پر بیڑیاں بھاری پڑ گئیں' ہمارے چمڑے جل گئے۔ یہاں سے نکال دے کہ آئندہ ایسا نہ کریں گے۔ دوزخ کا داروغہ جواب دے گا' اب امن کے دن دور ہو گئے۔ تم کو اس ذلت کے گھر سے نکلنا نصیب نہ ہوگا' اس میں پھٹکارے پڑے رہو' مجھ سے گفتگو نہ کرو۔ اگر تم بالفرض نکال بھی دیئے جاؤ گے تو تم اپنے کردار سے باز نہیں آؤ گے جس چیز سے تم کو روکا گیا' وہی عمل میں لاؤ گے۔ اس حکم سننے سے ناامید ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے میں جو باتیں کی ہوں گی' ان پر افسوس کریں گے مگر اب کیا ہوتا ہے۔ اب تو نہ عذر سے کام چلے' نہ پشیمانی بچائے' نہ حسرت سودمند ہو بلکہ منہ کے بل گلوں میں طوق پڑے ہوئے دوزخ میں قید ہوں گے کہ آگ ہی اوپر آگ ہی نیچے' آگ ہی دائیں' آگ ہی بائیں ہوگی غرضیکہ آگ میں ڈوبے رہیں گے کہ کھانا ہوگا تو آگ اور پینا ہوگا تو آگ اور کپڑا ہوگا تو آگ اور بچھونا ہوگا تو آگ یعنی وہ لوگ آگ کے کپڑے اور گندھک کے کرتے پہنے گرز کھاتے ہوں گے اور بھاری بیڑیاں پڑی ہوں گی اور دوزخ کی تنگ راہوں میں آواز کرتے اور اس کے طبقات میں شکستہ پھرتے ہوں گے اور اطراف و جوانب میں اضطراب کرتے ہوں گے۔ آگ ان کو ہانڈی کے ابال کی طرح ابالے گی اور وہ تباہی اور خرابی اور فریاد و واویلا کرتے ہوں گے' جونہی ہلاک کا لفظ منہ سے نکالیں گے تو ان کے سر کے اوپر سے کھولتا پانی ڈالا جائے گا جس سے ان کی آنتیں اور چمڑے پگھل جائیں گے اور اوپر سے گرزوں کی مار ہوگی جس سے ان کے ماتھے چور ہو کر منہ سے پیپ نکلے گی اور پیاس کے مارے جگر کے ٹکڑے ہوں گے۔ آنکھوں کے ڈھیلے رخساروں پر بہہ نکلیں گے۔ رخساروں کے اوپر سے گوشت اور ہاتھ پاؤں سے گوشت اور پوست اور بال سب جھڑ جائیں گے اور جب چمڑے پک جائیں گے تو اور چمڑے بدل دیئے جائیں گے اور گوشت سے ہڈیاں خالی ہوں گی اور جان صرف رگوں اور پٹھوں میں رہ جائے گی اور آگ کی لپٹوں میں شور کر رہی ہوں گی اور وہ لوگ موت کی تمنا

کریں گے مگر نہ مریں گے۔

فائدہ:۔ اگر تم ان لوگوں کا حال دیکھو کہ ان کے چہرے کوئلے سے بھی زیادہ سیاہ ہو رہے ہیں اور آنکھوں سے اندھے اور زبانوں سے گونگے' ہڈیاں اور پٹھے ٹوٹے ہوئے' ناک' کان کٹے ہوئے' چمڑے پھٹے ہوئے' ہاتھوں کے طوق گردنوں میں پڑے ہوئے اور پیشانی کے بالوں سے پاؤں بندھے ہوئے ہیں اور آگ پر اپنے چہروں سے چلتے ہیں اور لوہے کے گوکھروں اپنی آنکھ کے ڈھیلوں سے کچلتے ہیں تو تمہارا کیا حال ہوگا۔ تم کو نظر آئے گا کہ آگ کا شعلہ ان کے اجزاء میں دوڑ رہا ہے اور ظاہر کے اجزاء پر سانپ بچھوں لپٹے ہوئے ہیں۔ یہ تو حالات مجمل ہوں گے۔

دوزخ کے تفصیلی حالات۔ دوزخ کے جنگلات اور گھاٹیاں

حدیث:۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جہنم میں ستر ہزار جنگل ہیں اور ہر جنگل میں ستر ہزار شعبے اور ہر شعبے میں ستر ہزار سانپ اور ستر ہزار بچھو ہیں۔ کافر اور منافق جب تک ان سب سے نہیں ملتا' تب تک اپنے انجام کو نہیں پہنچتا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وادی حزن یا چاہ سے پناہ مانگو۔ صحابہ نے عرض کیا کہ وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جہنم کا ایک جنگل ہے جس سے جہنم ہر روز ستر دفعہ پناہ مانگتی ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے ریا والے قاریوں کے لیے بنایا ہے۔ یہ حال تو جہنم کی وسعت اور اس کے جنگلوں کے شعبہ جات کا ہے اور اس کے جنگلوں کی شمار اتنی ہی ہے جتنے دنیا کے جنگل اور اس کی خواہشیں ہیں اور جہنم کے دروازوں کی شمار موافق تعداد سات اعضاء کے ہے جن سے آدمی گناہ کرتا ہے اور ایک دوسرے کے اوپر ہیں۔

دوزخ کے طبقات:۔ سب سے اوپر والا جہنم ہے۔ پھر سقر' پھر لظیٰ' پھر حطمہ' پھر سعیر' پھر جحیم اور سب سے نیچے ہاویہ ہے۔

ہاویہ کا تعارف:۔ اس کے عمق کی کوئی حد نہیں۔ جیسے دنیا کی ایک حاجت پوری نہیں ہوتی کہ دوسری اس سے بڑی پیش آجاتی ہے' اسی طرح دوزخ کا ایک گڑھا ختم ہیں ہوتا کہ دوسرا اس سے گہرا آجاتا ہے۔

حدیث:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ہم حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ اچانک ایک دھماکہ سنا۔ فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ یہ کیا ہے؟ ہم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم خوب جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ ایک پتھر ہے کہ جہنم میں ستر برس ہوئے' چھوڑا گیا' اس وقت اس کی تہہ تک پہنچا۔

فائدہ:۔ دوزخ کے طبقات کو سوچو کہ آخرت کے معاملات میں بڑے بڑے درجے اور برائیاں ہیں۔ جس طرح لوگوں کا دنیا پر گرنا مختلف ہے یعنی بعض تو خوب اس میں ڈوبے ہوئے کی طرح مصروف رہتے ہیں اور بعض ایک حد

معین تک اس میں ڈوبتے ہیں' اسی طرح آگ کا لگنا ان پر متفاوت ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کرے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص دوزخ میں جائے گا' یہ ضروری نہیں کہ اس پر ہر قسم کا عذاب پے در پے ہو۔ وہ دوزخ میں کسی طرح سے جائے بلکہ ہر شخص پر عذاب ایک حد خاص پر ہو گا جو اس کی نافرمانی کے موافق ہو گا۔ اس پر بھی جس کو کم سے کم عذاب ہو گا' اس کا یہ حال ہو گا کہ اگر بالفرض اس کے پاس تمام دنیا ہو تو وہ اپنی تکلیف کی شدت میں دے ڈالے۔

حدیث:۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن آدمی پر کم تر عذاب دوزخ کا یہ ہو گا کہ اس کو دو جوتیاں آگ کی پہنائی جائیں گی جس سے اس کا مغز ابلنے لگے گا تو دیکھو جس پر ہلکا عذاب ہو گا' اس کی تو یہ کیفیت ہے جس پر سخت ہو گا' اس کی کیا صورت ہو گی۔ اگر تم کو عذاب آتش میں کچھ شک ہو تو اپنی انگلی آگ میں ڈالو۔ اس سے قیاس اس آگ کا کر لو۔

فائدہ:۔ تمہارا یہ قیاس درست نہ رہے گا کیوں کہ دوزخ کی آگ دنیا کی آگ کے مشابہ نہیں مگر چونکہ دنیا میں کوئی عذاب سخت اور تیز آگ جیسا نہیں تو عذاب جہنم میں جلانے کے لیے دنیا کی آگ سے تشبیہ دی ورنہ اگر دوزخیوں کو بجائے آتش دوزخ کے دنیا کی آگ دی جائے تو وہ دوڑ کر اپنی خوشی سے آگ میں کود پڑیں' اس لیے کہ دوزخ کی تکلیف بہت زیادہ ہے اور دنیا کی آگ اس کی بہ نسبت راحت ہے۔ اسی لیے بعض احادیث میں آیا ہے کہ دنیا کی آگ آب رحمت سے ستر بار دھوئی گئی یہاں تک کہ دنیا کے لوگوں کے کام کی ہوئی بلکہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جہنم کی آگ کی تصریح بھی کر دی کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ آگ ہزار برس جھونکی گئی یہاں تک کہ سیاہ ہو گئی۔ اب وہ سیاہ اندھیری ہے۔

حدیث میں ہے کہ دوزخ نے اپنے پروردگار سے شکایت کی کہ الٰہی میرے ایک حصہ نے میرے بعض کو کھا لیا۔ اس کی اجازت ملی کہ دو سانس لے لیا کر۔ ایک جاڑے میں' ایک گرمی میں۔ موسم گرما میں جو تم کو سخت گرمی معلوم ہوتی ہے' یہ اسی کی سانس کی حرارت ہے اور جاڑے میں جو شدت کا جاڑا معلوم ہوتا ہے تو اس کی سانس کی تاثیر ہے۔

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن کافروں میں سب سے زیادہ ناز پروردہ دولت والے شخص کو لائیں گے۔ حکم ہو گا کہ اس کو جنت میں غوطہ دیدو' پھر اس سے پوچھا جائے گا کہ کبھی تو نے تکلیف اٹھائی؟ وہ کہے گا کہ نہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر مسجد میں لاکھ آدمی یا زیادہ ہوں' پھر ایک آدمی دوزخیوں میں سے سانس لے تو یہ سب مر جائیں۔

فائدہ:۔ بعض علماء نے اس آیت تلفح وجوھھم النار (المومنون 104) ترجمہ کنزالایمان: ان کے منہ پر آگ

لپٹ مارے گی۔ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ آگ ان کو ایک لپٹ دے گی جس سے کسی ہڈی پر گوشت نہ چھوڑے گی بلکہ ایڑی پر گرا دے گی۔ پھر اس پیپ کی ہڈیوں میں بدبو میں غور کرو جو دوزخیوں کے بدن سے پہلے یہاں تک کہ اس میں ڈوب جائیں گے اور اس کا نام غساق ہے۔

حدیث:۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ایک ڈول جہنم کے غساق کا دنیا میں ڈال دیا جائے تو تمام باشندے بدبو سے مرجائیں اور یہی غساق ان کو پینے کے لیے ملے گا۔ جب پیاس سے فریاد کریں گے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے یسقٰی من ماء صدید یتجرعه ولا یکاد یسیغه ویاتیه الموت من کل مکان وماهو بمیت (ابراہیم 16'17) ترجمہ کنزالایمان: اور اسے پیپ کا پانی پلایا جائے گا بمشکل اس کا تھوڑا تھوڑا گھونٹ لے گا اور گلے سے نیچے اتارنے کی امید نہ ہوگی اور اسے ہر طرف سے موت آئے گی اور مرے گا نہیں۔ اور دوسری جگہ وان یستغیثوا یغاثوا بماء کالمهل یشوی الوجوه بئس الشراب وساءت مرتفقا (الکہف 29) ترجمہ کنزالایمان: اور اگر پانی کے لئے فریاد کریں تو ان کی فریاد رسی ہو اس پانی سے ہے کہ چرخ دیئے ہوئے دھات کی طرح ہے کہ ان کے منہ بھون دے گا کیا ہی برا پینا ہے۔ پھر ان کے کھانے پر غور کرو کہ کتنا سڑا ہوگا۔ چنانچہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے ثم انکم ایها الضالون المکذبون لاٰکلون من شجر من زقوم فمالئون منها البطون فشاربون علیه من الحمیم فشاربون شرب الهیم ترجمہ کنزالایمان: اور فرمایا انها شجرة تخرج فی اصل الجحیم طلعها کانه رؤس الشیاطین فانهم لاٰکلون منها فمالئون منها البطون ثم ان لهم علیها لشوبا من حمیم ثم ان مرجعهم لا لی الجحیم (الصٰفٰت 64'68) ترجمہ کنزالایمان: بے شک وہ ایک پیڑ ہے کہ جہنم کی جڑ میں نکلتا ہے اس کا شگوفہ جیسے دیووں کے سر پھر بے شک اس میں سے کھائیں گے پھر اس سے پیٹ بھریں گے پھر بے شک ان کے لئے اس پر کھولتے پانی کی ملونی ہے پھر ان کی بازگشت ضرور بھڑکتی آگ کی طرف ہے۔ اور فرمایا تصلی نارا حامیة تسقی من عین اٰنیه (الغاشیہ 4'5) ترجمہ کنزالایمان: جائیں بھڑکتی آگ میں نہایت جلتے چشمے کا پانی پلائے جائیں۔ اور فرمایا ان لدینا انکالا وجحیما وطعاما ذاغصة وعذابا الیما (المزمل 12'13) ترجمہ کنزالایمان: بے شک ہمارے پاس بھاری بیڑیاں ہیں اور بھڑکتی آگ اور گلے میں پھنستا کھانا اور دردناک عذاب۔

فائدہ:۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ایک قطرہ زقوم کا دنیا کے سمندروں میں گر پڑے تو دنیا کے لوگوں پر ان کی زندگی خراب ہو جائے۔ پس کیا حال ہوگا جن کی یہ غذا ہوگی۔

حدیث:۔ انس رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس چیز کی رغبت اللہ تعالٰی نے دی ہے اس چیز کی رغبت کرو اور جس چیز سے خوف دلایا اور ڈرایا ہے' اس سے ڈرو یعنی اس کے عذاب اور سزا سے خوف کرو اور جہنم سے ڈرو کہ اگر ایک قطرہ جنت کا تمہاری دنیا میں جس میں تم موجود ہو'

تمہارے پاس ہو تو دنیا کو تمہارے لیے اچھا کر دے۔ اگر دوزخ کا ایک قطرہ تمہارے ساتھ اس دنیا میں جس میں تم موجود ہو' تمہارے اوپر اس کو میلا اور برا کر دے۔

حضرت ابو دردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخ والوں پر بھوک ڈال دی جائے گی تاکہ ان پر عذاب کی تکلیف ٹھیک ٹھاک ہو۔ پس کھانے کے لیے فریاد کریں گے تو کانٹوں کی غذا دی جائے گی۔ جو نہ موٹا کرے اور نہ بھوک دور ہو اور پختہ کھانے کے لیے وہ فریاد کریں گے تو کھولتا پانی لوہے کے آنکڑوں سے اٹھا کر ان کے قریب کیا جائے گا۔ جب ان کے منہ کے قریب کیا جائے گا تو منہ جل جائیں گے اور جب وہ پانی پیٹ میں جائے گا تو پیٹ کے اندر کے اعضاء کو ٹکڑے کر دے گا۔ پھر وہ کہیں گے کہ جہنم کے داروغوں کو بلاؤ' ان کو بلا کر کہیں گے کہ اپنے رب سے دعا مانگو کہ ہم کو کسی دن عذاب میں تخفیف کر دے۔ وہ کہیں گے کیا پیغمبر تمہارے پاس معجزے نہیں لائے تھے؟ وہ کہیں گے' لائے تو تھے۔ داروغے کہیں گے' پکارو۔ وہ لوگ مالک کو پکار کر کہیں گے کہ تیرے رب ہم پر جو حکم کرنا تھا' کر چکا۔ مالک جواب دے گا کہ تم دوزخ میں ہی رہو گے۔

فائدہ :۔ اعمش کہتے ہیں کہ مالک سے کہنے اور اس کے جواب دینے میں' میں نے یہ سنا ہے کہ ہزار برس کا فاصلہ ہو گا۔ پھر کہیں گے کہ اپنے رب کو پکارو' اس سے بہتر اور کوئی نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ سے التجا کریں گے کہ ہم پر بدبختی غالب ہوئی اور ہم گمراہ تھے۔ الٰہی ہم کو اس بلا سے نکال۔ اگر پھر ہم ایسا کریں گے تو ظالم ہوں گے۔ جناب الٰہی سے ان کو جواب ملے گا کہ اخسؤا فیھا ولا تکلمون (المومنون 102) ترجمہ کنزالایمان: دھتکارے پڑے رہو اس میں اور مجھ سے بات نہ کرو۔ یعنی دوزخ میں ہی پھٹکارے پڑے رہو اور مجھ سے نہ بولو۔ جواب سن کر ہر خیر سے ناامید ہوں گے اور چیخنا' چلانا اور حسرت اور ہلاکت کے الفاظ بولنا شروع کر دیں گے۔

حدیث :۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت ویسقی من ماء صدید یتجرعہ ولا یکاد یسیغہ (ابراہیم 16) ترجمہ کنزالایمان: اور اسے پیپ کا پانی پلایا جائے گا بمشکل اس کا تھوڑا تھوڑا گھونٹ لے گا۔ کی تفسیر میں فرمایا کہ پانی کے پاس کیا جائے گا تو اس سے ناک چڑھائے گا مگر جب اس کے منہ لگایا جائے گا تو منہ کو جھلس دے گا اور سر کی کھال گر پڑے گی اور جب پیئے گا تو آنتیں کٹ کر پاخانے کے مقام سے نکل پڑیں گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وسقوا ماء حمیما فقطع امعاءھم (محمد ﷺ 15) ترجمہ کنزالایمان: اور انہیں کھولتا پانی پلایا جائے کہ آنتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔ اور فرمایا وان یستغیثو یغاثو بماء کالمھل یشوی الوجوہ (الکہف 29) ترجمہ کنزالایمان: اور اگر پانی کے لئے فریاد کریں تو ان کی فریاد رسی ہو اس پانی سے کہ چرخ دیئے ہوئے دھات کی طرح ہے۔ پس بھوک اور پیاس کے وقت یہی غذا اور پانی ہو گا۔

جہنم کے سانپ اور بچھو :۔ جہنم کے سانپ اور بچھو بڑے قد کے نہایت زہریلے' بری صورت کے دوزخیوں پر معین ہوں گے اور ان پر برانگیختہ کیے جائیں گے تو لمحہ بھر کے لیے بھی نوچنے اور کاٹنے سے مہلت نہ دیں گے۔

حدیث:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور اس نے اس کی زکوٰۃ نہ دی تو اس کا مال قیامت کے دن گنجے سانپ کی صورت میں بنا دیا جائے گا جس کی آنکھوں پر دو نقطے سیاہ ہوں گے اور اس کے گلے میں پڑ کر اس کی دونوں باچھیں پکڑ کر کہے گا کہ میرا تیرا مال ہوں' میں تیرا خزانہ ہوں۔ پھر یہ آیت پڑھی ولا تحسبن الذین یبخلون بما اتا ھم اللہ من فضله ھو خیر الھم بل ھو شرلھم سیطوقون مابخلوبه یوم القیمة (آل عمران) ترجمہ کنزالایمان: اور جو بخل کرتے ہیں اس چیز میں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دی ہرگز اسے اپنے لئے اچھا نہ سمجھ ہیں بلکہ وہ ان کے لئے برا ہے عنقریب وہ جس میں بخل کیا تھا قیامت کے دن ان کے گلے کا طوق ہوگا۔

حدیث شریف:۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخ میں سانپ بختی اونٹوں جیسے ہوں گے۔ وہ اگر ایک دفعہ کاٹیں گے تو اس کی زہر چالیس برس تک محسوس ہوگی اور اس میں بچھو اتنے بڑے ہوں گے جیسے پالان کسے خچران کے نیش کی لہر چالیس برس تک رہے گی اور یہ سانپ اور بچھو اس شخص پر مسلط کیے جائیں گے جس پر دنیا میں بخل اور بد خلقی اور لوگوں کی ایذا مسلط ہے اور جو ان باتوں سے دنیا میں محفوظ ہے۔ وہ ان سانپوں سے محفوظ رہے گا' اس کے لیے سانپ مجسم نہ کیے جائیں گے۔

اہل جہنم کے اجسام:۔ دوزخیوں کے جسم کی بڑائی میں فکر کرو کہ اللہ تعالیٰ ان کا جسم طول اور عرض میں بڑھا دیتا تاکہ اس کے باعث ان کو زیادہ عذاب اور آگ کی لپٹ اور سانپ بچھو کا کاٹنا بہت جگہ ہو سکے اور سب کی تکلیف یکبارگی برابر ہوتی رہے۔

حدیث:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ کافروں کی داڑھ دوزخ میں مثل احد پہاڑ کے ہوگی اور اس کے چمڑے کی موٹائی تین دن کے فاصلے کے برابر ہوگی اور ایک حدیث میں ہے کہ کافر کا نیچے کا ہونٹ سینے پر آگر پڑے گا اور اوپر کا اتنا اونچا ہوگا کہ اس کے چہرہ کو ڈھانپ لے گا۔

حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن اپنی زبان کافر بندی خانہ میں گھسیٹیں گے اور لوگ اس کو اپنے پاؤں تلے ملیں گے اور باوجود جسم کے بڑا ہونے کے آگ ان کو بار بار پھونکتی رہے گی۔ نئے نئے گوشت پوست ان پر آتے رہیں گے۔

فائدہ:۔ حضرت حسن اس آیت میں کلما نضجت جلودھم بدلنا ھم جلودا غیرھا (النساء 56) ترجمہ کنزالایمان: جب کبھی ان کی کھالیں پکا جائیں گی ہم ان کے سوا اور کھالیں انہیں بدل دیں گے۔ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ آگ دوزخیوں کو ایک دن میں ستر ہزار بار کھالیا کرے گی۔ جب کھالے گی' پھر کہہ دیا جائے گا کہ ویسے ہی ہو

جاؤ- پھر وہ فوراً جوں کے توں ہو جائیں گے۔

دوزخیوں کا رونا:- دوزخیوں کے رونے میں غور و فکر کرو کہ ان کی چنگھاڑ اور تباہی اور خرابی پکارنے کو سمجھو کہ ان میں آگ میں ڈالتے وقت عذاب مسلط کیے جائیں گے۔

حدیث:- حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جہنم کو اس دن اس طرح لائیں گے کہ اس کے ستر ہزار باگیں ہوں گی اور ہر باگ پر ستر ہزار فرشتے مقرر ہوں گے۔

حدیث:- حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخیوں پر رونا مسلط کیا جائے گا تو وہ اتنا روئیں گے کہ آنسو نہ رہیں گے' پھر خون روئیں گے یہاں تک کہ چہروں کی دراڑیں ایسی سوجھنے لگیں کہ اگر ان میں کشتیاں چھوڑ دی جائیں تو بہنے لگیں اور جب تک ان کو رونے اور چیخنے اور واویلا اور تباہی پکارنے کی اجازت رہے گی' تب تک ان کو کچھ راحت ملتی رہے گی مگر پھر ان باتوں سے روک دیئے جائیں گے۔

فائدہ:- محمد بن کعب رحمتہ اللہ فرماتے ہیں کہ دوزخ والے پانچ بار دعا مانگیں گے۔ چار کا تو اللہ تعالیٰ ان کو جواب دے گا' جب پانچویں بار ہوگی تو پھر کبھی بولنا نصیب نہ ہوگا۔ اول بار یہ کہیں گے ربنا امتنا اثنتین واحییتنا اثنتین فاعترفنا بذنوبنا فهل الی خروج من سبیل (المومن 11) ترجمہ کنزالایمان : اے ہمارے رب تو نے ہمیں دوبار مردہ کیا اور دو بار زندہ کیا اب ہم اپنے گناہوں پر مکر ہوئے تو آگ سے نکلنے کی بھی کوئی راہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو یوں جواب دے گا ذلکم بانہ اذا دعی اللّٰہ وحدہ کفرتم وان یشرک بہ تومنو فالحکم العلی الکبیر (المومن 12) ترجمہ کنزالایمان : یہ اس پر ہوا کہ جب ایک اللہ پکارا جاتا تو تم کفر کرتے اور اس کا شریک ٹھہرایا جاتا تو تم مان لیتے تو حکم اللہ کے لئے ہے جو سب سے بلند بڑا۔ دوسری بار یہ عرض کریں گے ربنا ابصرنا وسمعنا فارجعنا نعمل صالحا (السجدہ 12) ترجمہ کنزالایمان : اے ہمارے رب اب ہم نے دیکھا اور سنا ہمیں پھر بھیج کے نیک کام کریں۔ اللہ جل شانہ جواب دے گا لم تکونوا اقسمتم من قبل مالکم من زوال (ابراہیم 44) ترجمہ کنزالایمان : قسم نہ کھا چکے تھے کہ ہمیں دنیا سے ہٹ کر کہیں جانا نہیں۔ تیسری بار کہیں گے ربنا اخرجنا نعمل صالحا غیر الذی کنا نعمل (فاطر 37) ترجمہ کنزالایمان : اے ہمارے رب ہمیں نکال کہ ہم اچھا کام کریں اس کے خلاف پہلے کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ جواب دے گا اولم نعمرکم مایتذکر فیہ من تذکر وجاءکم النذیر فذوقوا فما لظالمین من نصیر (فاطر 37) ترجمہ کنزالایمان : اور کیا ہم نے تمہیں وہ عمر نہ دی تھی جس میں سمجھ لیا جسے سمجھنا ہوتا اور ڈر سنانے والا تمہارے پاس تشریف لایا تھا خواب چکھو کہ ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ چوتھی بار التجا کریں گے ربنا غلبت علینا شقوتنا وکنا قوما ضالین ربنا اخرجنا منها فان عدنا فان ظالمون (المومنون 106) ترجمہ کنزالایمان : اے ہمارے رب ہم پر ہماری بدبختی غالب آئی اور ہم گمراہ لوگ تھے اے ہمارے رب ہم کو دوزخ سے نکال دے پھر اگر ہم ویسے ہی کریں تو ہم ظالم ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں ارشاد فرمائے

کرے گا اخسؤ فیھا ولا تکلمون - اس کے بعد پھر نہ بولیں گے اور یہ نہایت درجہ کا سخت عذاب ہے۔

حضرت مالک بن انس فرماتے ہیں۔ حضرت زید بن اسلم اس آیت سوآء علینا اجزعنا ام صبرنا مالنا من محیص (ابراہیم 21) ترجمہ کنزالایمان: ہم پر ایک سا ہے، چاہے بے قراری کریں یا صبر سے رہیں ہمیں کہیں پناہ نہیں۔ کی تفسیر میں فرمایا کہ سو برس صبر کیا اور سو برس بے قراری کی اور پھر کہا سواء علینا الخ

حدیث:- حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن موت کو حاضر کریں گے۔ ایسی صورت میں کہ گویا سفید مینڈھا ہے، پھر اسے جنت اور دوزخ کے درمیان ذبح کیا جائے گا اور اہل جنت سے کہہ دیا جائے گا، اب ہمیشہ رہنا ہے اور دوزخ والوں کو سنا دیا جائے گا، ہمیشہ رہنا ہے۔ اب موت نہ آئے گی۔

فائدہ:- حضرت حسن بصری سے مروی ہے کہ ایک شخص ہزار برس بعد دوزخ سے نکلے گا۔ فرمایا کاش وہ شخص میں ہی ہوں تو کیا اچھا ہو اور کسی نے آپ کو ایک گوشے میں روتے دیکھ کر پوچھا کہ آپ کیوں روتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے خوف ہے کہ کہیں مجھے دوزخ میں ڈال دے اور کچھ پروا نہ کرے۔

خلاصہ:- خلاصہ یہ ہے کہ مجملا اہل جہنم کی قسمیں یہ ہیں اور اس کے غموں اور محنتوں اور حسرتوں کی تفصیل کی کوئی انتہاء نہیں۔ شدت عذاب کے ساتھ جو بڑی مصیبت دوزخیوں پر ہوگی، یہ ہے کہ راحت جنت نہ ملنے کی حسرت اور اس کی خوشنودی کھو بیٹھنے کی حسرت ہوگی اور جانتے ہوں گے کہ یہ سب نعمتیں ہم نے چند کھوٹے داموں کے عوض دے ڈالیں یعنی ان نعمتوں کو جو کھویا تو صرف دنیا کے چند چھوٹے دنوں کی شہوات کے بدلے میں ضائع کیا اور وہ بھی صاف از کدورت نہ تھیں بلکہ کدورت آمیز تھیں، اسی لیے کہیں گے ہائے افسوس ہم نے اپنے نفسوں کو اپنے پروردگار کی نافرمانی کرکے کیسے ہلاک کیا اور چند چھوٹے دنوں کی تکلیف نہ اٹھائی اور اگر ہم صبر کرتے تو وہ دن بھی گزر جاتے اور اب ہم راضی اور خوش اور چین سے اللہ تعالیٰ کے سایہ رحمت میں رہتے۔

فائدہ:- جب ان سے لذات آخرت جاتی رہیں اور ان مکروہات میں مبتلا ہوئے اور ان کے پاس دنیا کی آسائش اور لذات سے کچھ نہ رہا تو اس سے حسرت کا کیا ٹھکانہ ہے۔ پھر اگر وہ جنت کی آسائش کو مشاہدہ نہ کرتے تب بھی ان کو زیادہ حسرت نہ ہوتی مگر جنت کی بہار بھی ان کے سامنے کی جائے گی۔

حدیث:- حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے روز کچھ لوگوں کو حکم ہوگا کہ جنت کی طرف لے جاؤ۔ جب وہ اس کے پاس آجائیں گے اور اس کی خوشبو سونگھیں گے اور اس کے محلوں کو دیکھیں گے اور جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے جنت والوں کے لیے تیار کیں، ان پر ان کی نگاہ پڑے گی تو آواز ہوگی کہ ان کو وہاں سے ہٹا لو۔ جنت میں ان کا کوئی حصہ نہیں، پس وہاں سے ایسی حسرت لے کر پھریں گے کہ ایسی اگلوں پچھلوں میں کسی کو نہ ہوئی ہوگی اور عرض کریں گے الٰہی اگر تو ہم کو پہلے ہی دوزخ میں ڈالتا اور یہ بہاریں اپنے دوستوں کے لیے جو کچھ

تو نے تیار کی ہیں' ہم کو نہ دکھاتا تو دوزخ میں جانا آسان معلوم ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ میں نے قصداً ایسا کیا ہے' اس لیے کہ جب تم دنیا میں علیحدہ ہوتے تھے تو بڑی نافرمانیوں سے میرے سامنے ہوا کرتے تھے اور جب لوگوں سے ملتے تھے تو ان سے عاجزی سے ملتے تھے۔ ان کے دکھلائے کو وہ باتیں کرتے جو دل سے میرے لیے نہ کرتے۔ لوگوں سے ڈرتے اور مجھ سے نہ ڈرتے۔ ان کی تعظیم کرتے اور میری تعظیم نہ کرتے۔ ان کی خاطر کوئی چیز چھوڑ دیتے اور میری خاطر سے نہ چھوڑتے تو آج میں تم کو عذاب دردناک چکھاؤں گا اور ثواب پائیدار سے محروم کروں گا۔

فائدہ :۔ احمد بن حرب کہتے ہیں کہ عجیب بات ہے کہ ہم لوگ دھوپ کے اوپر سائے کو ترجیح دیتے ہیں مگر دوزخ پر جنت کو ترجیح نہیں دیتے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ بہت سے جسم صحیح اور صورتیں فصیح اور زبانیں نسیح قیامت کے روز دوزخ کے تہوں میں فریاد کریں گی۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا کہ الٰہی مجھ کو تیرے آفتاب کی گرمی پر صبر ہی نہیں' پھر دوزخ کی گرمی پر کیسے صبر کروں گا اور تیری مہربانی کی آواز پر تو مجھ کو صبر نہیں۔ پھر تیرے عذاب کی آواز پر کیسے صبر ہو گا۔ مجھ سے پس اے مسکین ان ہولوں کو دیکھ اور جان کر اللہ تعالیٰ نے دوزخ کو مع ان کے ہولوں کے پیدا کیا ہے اور اس کے لیے اہل بنائے ہیں کہ وہ نہ زیادہ ہوں' نہ کم ہوں اور یہ بات پہلے سے ہو چکی ہے اور اس سے فراغت ہو گی اور اللہ تعالیٰ جو فرماتا ہے وانذرھم یوم الحسرۃ اذ قضی الامر وھم فی غفلۃ وھم لا یومنون (مریم 39) ترجمہ کنزالایمان : اور انہیں ڈر سناؤ پچھتاوے کے دن کا جب کام ہو چکے گا اور وہ غفلت میں ہیں اور نہیں مانتے۔ اس میں گو اشارہ ہے قیامت کے دن کی طرف مگر حکم قیامت کے دن نہیں ہو گا بلکہ وہ تو ازل میں ہو چکا ہے۔ اس کا ظہور قیامت کے دن ہو گا۔ تجھ سے نہایت تعجب ہے کہ تو ہنسی اور کھیل اور دنیا کی حقیر چیزوں میں مصروف ہوتا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ حکم قضا تیرے حق میں ازل سے ہو چکا ہے۔

سوال :۔ ہمارا اتارا کہاں ہو گا؟ ٹھکانا اور مال کس چیز کی طرف ہے اور حکم قضا ہمارے بارے میں کیا ہو چکا ہے؟

جواب :۔ اس امر کی ایک پہچان ہے جس سے کہ ہم کو اپنے رجاء کا حال درست ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ تم اپنے احوال اور اعمال پر نظر کرو' اس لیے کہ ہر شخص کو وہی میسر ہوتا ہے جس کے لیے وہ پیدا ہوا۔ اگر تیرا یہ حال ہو کہ سبیل خیر تیرے لیے میسر ہو' تب تو تجھ کو مژدہ ہو کہ تو دوزخ سے دور رہے گا اور اگر یہ حال ہو کہ جہاں خیر کا قصد کیا' بہت سے موانع پیش آئیں گے اور ان کو دور کرتا رہا اور جہاں شر کا قصد کیا تو فوراً اس کے لوازم تجھ کو میسر ہو گئے تو جان لے کہ تجھ پر حکم دگرگوں ہو چکا ہے' اس لیے کہ ان باتوں کی دلالت انجام پر ایسی ہے جیسے سبزہ کی دلالت روئیدگی پر اور دھوئیں کی دلالت آگ پر اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ان الابرار لفی نعیم وان الفجار لفی جحیم (الانفطار 13'14) ترجمہ کنزالایمان : بے شک نیکوکار ضرور چین میں ہیں اور بے شک بدکار ضرور دوزخ

میں ہیں۔ تو اپنے نفس کو دونوں آیتوں پر پیش کر۔ دونوں گھروں میں سے تجھے اپنا ٹھکانہ معلوم ہو جائے گا۔

جنت کا تعارف اور نعمتیں :۔ دوزخ کے دکھ اور مصائب کا حال اوپر گزرا۔ اس کے بالمقابل ایک اور گھر ہے۔ اب اس کی راحت اور خوشی کا مقابلہ کرنا چاہیے' اس لیے کہ جو شخص ان دونوں میں سے دور ہو گا' وہ لازما دوسرے میں جائے گا۔ چاہیے کہ دوزخ کے احوال کو فکر کر کے تو اپنے دل میں خوف پیدا کرے اور جنت والوں کے لیے جو راحت دائمی کا وعدہ ہے' اس میں بہت سا فکر کر کے رجا پیدا کرے اور اپنے نفس کو خوف کے تازیانے لگا اور رجاء کی جاگ سے اسے راہ راست کی طرف کھینچ' اس کے باعث تجھ کو بڑی سلطنت ملے گی اور عذاب دردناک سے محفوظ رہے گا۔ جنت والوں کے حال میں فکر کر' ان کے چہروں پر آرام کی تازگی ہو گی اور شراب سربمہر پلائی جائے گی۔ نور یاقوت سبز کے منبروں پر شاداب اور سفید خیموں میں بیٹھے ہوں گے جن میں بچھونے سبز بچھے ہوئے اور تختوں پر تکیے لگے ہوئے ہوں گے اور وہ خیمے شراب اور شہد کی نہروں کے کناروں پر ہوں گے۔ غلاموں اور بچوں سے بھرے ہوئے اور گوری گوری عورتوں' بڑی آنکھ والیوں سے آراستہ' خوش خلق اور خوبصورتوں سے مزین ہوں گے اور وہ حوریں ایسی ہوں گی گویا یاقوت اور مونگا ہوں گی اور ان کو ان جنتیوں سے پہلے کسی نے نہیں دیکھا ہو گا۔ جنت کے درجوں میں خرام ناز کریں گی اور جب ان میں سے کوئی حور ناز نخرے کرے گی تو اس کے دامنوں کو ستر ہزار لڑکے اٹھائیں گے اور ان پر سفید حریر کی چادریں ایسی ہوں گی کہ جن کو دیکھ کر آنکھیں دنگ ہوں گی۔

موتی اور مونگے سے جڑے ہوئے تاج ان کے سر پر ہوں گے۔ آنکھوں میں سرخ ڈورے' ناز کی پتیاں عطر بیز ہوں گی۔ بڑھاپے اور مفلسی سے بے خوف ہوں گے۔ لعل' محلات میں پردہ نشین نیچی نگاہ والیاں ہوں گی۔ ان کے مکانات جنت کے باغات کے درمیان بنے ہوں گے۔ ان مردوں اور عورتوں پر آب خوروں اور بند صنیوں کا دور ہو گا اور شراب خالص اور سفید پینے والوں کو جس سے لذت ہو' اس کے پیالے ان میں چلیں گے اور ان پیالوں کو ان میں لڑکے خالص ہوتی جیسے ہے پھریں گے یہ ان کی کمائی کا بدلہ ہو گا کہ چین کے باغوں میں آم مقام میں باغوں اور چشموں کے درمیان بستانوں اور نہروں کے درمیان بچی بچی ہوئی بیٹھک میں اپنے بادشاہ ازل اقتدار کے پاس بیٹھے اس کی صورت کریم کو دیکھتے ہوں گے اور اس لذت کی شادابی ان کے چہرے سے چمکتی ہوگی۔ نہ ان پر گرد ہوگی' نہ ذلت بلکہ معزز بندے ہوں گے اور ہر طرح کے تحفوں سے پروردگار کی طرف سے ان کی خبرگیری ہوگی۔

فائدہ :۔ غرضیکہ اپنی خاطرخواہ آرزوں میں ہمیشہ رہیں گے' نہ کسی کا خوف ہو گا' نہ غم کریں گے اور موت کے خوف سے محفوظ رہ کر جنت میں چین کریں گے اور اس کی غذائیں کھائیں گے اور نہروں میں سے دودھ اور شراب اور شہد پئیں گے۔ ان نہروں کی زمین چاندی کی ہوگی اور کنکریں مونگے کی اور مٹی مشک اور لوخر کی اور سبزہ زعفران کا اور بادل جو اس میں سے برسے گا' اس میں پانی شیریں کافور کے ٹیلوں پر پڑے گا اور آب خور ملیں گے تو موتیوں اور لعل اور مونگے سے جڑے ہوں گے اور ان میں شراب سربمہر جس میں سلسبیل شریں کی ملاوٹ ہوگی'

دی جائے گی۔ پیالے ایسے ہوں گے کہ ان کے جوہر کی صفائی کے باعث شراب کی سرخی اور لطافت ان میں سے صاف عیاں ہوگی۔ ان کو کسی آدمی نے نہیں بنایا جس کی بناوٹ میں کسی طرح کا قصور اور نقصان رہا ہو اور ایسے غلام کے ہاتھ میں ہوں گے جس کے چہرے کی چمک سورج کی چمک کے مشابہ ہو مگر سورج میں وہ صورت کی ملائمت اور زلفوں کی خوبی اور آنکھوں کی ملاحت کہاں۔

درس عبرت:۔ تعجب ہے اس شخص پر کہ ایسے گھر پر ایمان رکھتا ہو اور یقین ہو کہ اس کے باشندے نہیں مریں گے اور جو اس میں جائے گا' اس پر درد اور مصیبت نہ آئے گی اور نہ کوئی حادثہ اور تغیر و تبدل اس کے باشندوں کو ہوگا تو وہ شخص ایسے دارفانی میں کیسے دل لگاتا ہے جس کے خراب کرنے کا حکم خدا تعالیٰ نے دیا ہے اور اس کو زندگی دنیا کی کیسے خوشگوار معلوم ہوتی ہے۔ بخدا اگر بالفرض جنت میں بجز تندرستی اجسام کے اور موت اور بھوک اور پیاس وغیرہ حوادث سے محفوظ رہنے کے اور کچھ نہ ہوتا تب بھی لائق تھا کہ دنیا کو اس کے سبب سے چھوڑ دیا جائے اور ایسی چیز کو جس کا منقطع ہو جانا اور مقدر رہنا ضروری ہے' جنت پر ترجیح نہ دی جائے اور جس صورت میں کہ جنت والے بادشاہ سب باتوں سے بے خوف اور ہر ایک خوشی سے بہرہ ور ہوں اور سب دل بھائی باتیں ان کو میسر ہوں اور ہر روز صحن عرش میں حاضر ہو کر دیدار الٰہی کی وہ لذت پاتے ہیں جو تمام لذات جنت سے اعلیٰ اور اشرف بلکہ اس کے سامنے ان کی کچھ اصل ہی نہیں اور ہمیشہ اسی آسائش اور اقسام آرام میں گزارتے ہوں اور زوال سے بے خوف ہوں۔ تب تو دنیا میں دل لگانا کمال حماقت ہے۔

حدیث:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک پکارنے والا پکارے گا کہ اے جنت والو تم کو وہ تندرستی ہے کہ کبھی بیمار نہ ہو گے اور تم کو وہ زندگی ہے کہ کبھی نہ مرو گے اور تم کو وہ جوانی ہے کہ کبھی بوڑھے نہ ہو گے اور تم کو تونگری ہے کہ کبھی محتاج نہ ہو گے۔ یہی اللہ کا فرمان ہے تلک الجنۃ اور تنموھا بما کنتم تعملون (الزخرف 72) ترجمہ کنزالایمان: یہ ہے وہ جنت جس کے تم وارث کئے گئے اپنے اعمال سے۔ جب تم کو جنت کی کیفیت معلوم کرنا مطلوب ہو تو قرآن مجید کو پڑھو کہ اس سے زیادہ اور کوئی بیان نہیں اور اس آیت ولمن خاف مقام ربہ جنتٰن سے آخر سورۃ رحمٰن تک تلاوت کرو اور سورۃ واقعہ وغیرہ کو پڑھو۔ اگر یہ منظور ہو کہ احادیث سے جنت کے صفات کی تفصیل معلوم کرو تو حدیث کی کتابیں پڑھو۔

قرآنی آیات کی تفسیر نبوی:۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم آیت مذکورہ کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ دونوں جنتیں چاندی کی ہوں گی۔ ان کے برتن اور ان کی چیزیں سب چاندی کی ہوں گی اور دو جنتیں مع برتنوں اور اپنی اندر کی چیزیں سونے کی ہوں گی اور لوگوں کو اپنے پروردگار کے دیکھنے میں بجز چادر کبریا کے اور کوئی چیز حائل نہیں ہوگی۔ وہ چادر اس کے وجہ کریم پر جنت عدن میں ہے۔

فائدہ:۔ جنت کے دروازوں میں تامل کرو کہ موافق اصول طاعات کے بہت ہیں جس طرح کہ دوزخ کے دروازے

موافق اصول معاصی کے گئی ہیں۔

حدیث:۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کہ اپنے مال سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں دو جوڑے خرچ کر گیا' وہ جنت کے دروازوں میں سے بلایا جائے گا اور جنت کے آٹھ دروازے ہیں۔ جو کوئی نمازی ہوگا' وہ باب صلوٰۃ سے پکارا جائے گا۔ جو روزہ دار ہوگا' وہ باب ریان سے پکارا جائے گا۔ جو صدقہ دینے والا ہوگا' وہ باب الصدقہ سے پکارا جائے اور جو اہل جہاد ہوگا' وہ باب الجہاد سے بلایا جائے گا۔ عرض کیا گیا کہ کوئی ایسا بھی ہے کہ ان سب دروازوں سے بلایا جائے گا۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں ایسے لوگ بھی ہوں گے کہ جنت کے سب دروازوں سے بلائے جائیں گے اور مجھے توقع ہے کہ تو ان میں سے ہے۔

عاصم بن ضمرہ' حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دوزخ کا ذکر فرمایا اور اس کے متعلق ایسی طویل تقریر کی کہ مجھے یاد نہیں' اس کے بعد یہ آیت پڑھی۔ وسیق الذین اتقو ربہم الی الجنۃ زمرا (الزمر 73) ترجمہ کنزالایمان: اور جو اپنے رب سے ڈرتے تھے ان کی سواریاں گروہ گروہ جنت کی طرف چلائی جائیں گی۔ اور فرمایا کہ جب یہ لوگ اس کے کسی دروازے پر پہنچیں گے تو اس کے پاس درخت دیکھیں گے جس کی جڑ کے پاس دو چشمے بہتے ہوں گے۔ وہ بموجب حکم الٰہی ان دونوں میں سے ایک کا قصد کریں گے اور اس کا پانی پئیں گے۔ اس کے پیتے ہی پیٹ میں جو ایذا یا حاجت ہوگی' وہ ختم ہو جائے گی۔ پھر دوسرے چشمے کی طرف ارادہ کریں گے' وہ اس سے نہائیں گے۔ ان پر راحت کی شادابی ظاہر ہوگی۔ پھر کبھی ان کے بالوں میں فرق نہ ہوگا اور الجھنا اور میلا ہونا نہ پائیں گے۔ ہر وقت ایسے معلوم ہوں گے جیسے ان پر تیل پڑا ہوا ہے۔ پھر وہ جنت تک پہنچیں گے تو جنت کے داروغہ ان سے کہے گا سلام علیکم طبتم فادخلوھا خالدین (الزمر 73) ترجمہ کنزالایمان: سلام تم پر تم خوب رہے تو جنت میں جاؤ ہمیشہ رہنے۔ پھر ان سے جنتی لڑکے ملیں گے اور ان کا گرد ایسا صاف کریں گے جیسے کوئی رشتہ دار دنیا میں دور سے آیا کرتا ہے اور اس کے گرد ہوا کرتی' اسے صاف کیا جاتا۔ وہ لڑکے ان سے کہیں گے کہ تجھے بشارت ہو' اس کرامت کی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تیار کی ہے۔ پھر ایک لڑکا اس جنتی کی کسی حور سے کہے گا کہ فلاں شخص آیا ہے اور وہی نام لے گا جو دنیا میں اس کا تھا۔ وہ کہے گی کہ تو نے اس کو دیکھا ہے؟ لڑکا کہے گا' ہاں دیکھا ہے اور وہ میرے پیچھے آرہا ہے۔ وہ حور خوشی کے مارے اٹھے گی اور دروازے کی دہلیز پر استقبال کے لیے کھڑی ہوگی۔ جب جنتی اپنے گھر میں داخل ہوگا تو دیکھے گا کہ پتھروں کی جگہ موتی ہیں اور ان پر ایک عمارت عالیشان سرخ زرد سبز ہر ایک رنگ کی بنی ہے۔ پھر اپنا سر اٹھائے گا تو چھت بجلی کی طرح چمکتی نظر آئے گی اور اللہ تعالیٰ نظر کو قدرت نہ دیتا تو اس کی چمک سے نظر جاتی رہتی۔ پھر اپنی نظر نیچے کرے گا۔ پھر دیکھے گا' وہ اس کی بیویاں ہیں اور دیکھے گا کہ پیالے رکھے ہوئے اور فرش بچھے ہوئے اور تکیے لگے ہوئے ہیں۔ ان پر تکیہ لگا کر کہے گا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے ہدایت کی۔ اگر اللہ تعالیٰ ہدایت نہ فرماتا تو ہم اس قابل نہ تھے کہ راہ پاتے۔ پھر ایک منادی پکارے گا کہ تم زندہ رہو گے کہ کبھی نہ مرو گے اور مقیم رہو گے کہ کبھی سفر نہ کرو گے اور

تندرست رہو گے کہ کبھی بیمار نہ ہو گے۔

حدیث:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن میں جنت کے دروازے کھلواؤں گا۔ داروغہ کہے گا کہ تم کون ہو؟ میں کہوں گا میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ وہ کہے گا کہ مجھے بھی حکم ہے کہ آپ سے پہلے کسی کے لیے دروازہ نہ کھولوں۔

فائدہ:۔ جنت کی کھڑکیوں میں تامل کرو اور ان کے درجات کی بلندی مختلف ہونے کو دیکھو کہ آخرت میں بڑے بڑے درجات اور فضیلتیں ہیں جس طرح کہ آدمیوں میں ظاہر کی طاعات اور باطن کی عمدہ طاقتوں میں فرق ہوتا ہے' اسی طرح جو ان کو ثواب ملے گا' اس میں تفاوت ہو گا۔

فائدہ:۔ اگر کسی کو منظور ہو کہ مجھے سب سے اعلیٰ درجہ ملے تو چاہیے کہ اس بارے میں کوشش کرے کہ کوئی شخص اس سے اللہ تعالیٰ کی طاعت میں بڑھنے نہ پائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود آگے بڑھنے اور ایک دوسرے پر بڑھنے کے حرص کرنے کا حکم دیا ہے۔ سابقوا الی مغفرۃ من ربکم (الحدید 21) ترجمہ کنزالایمان: بڑھ کر چلو اپنے رب کی بخشش اور فرمایا وفی ذلک فلیتنافس المتنافسون (المطففین 26) ترجمہ کنزالایمان: اور اسی پر چاہیے کہ للچائیں للچانے والے۔

درس عبرت:۔ تعجب ہے کہ اگر آدمی اس پر اس کے ہمسریا ہمسائے مال دولت یا اونچا مکان بنانے میں بڑھ جائیں تو یہ امر اس پر شاق ہو گا اور اس سے نہایت دل تنگ ہو گا اور حسد کے مارے اس کی زندگی تلخ ہو جائے گی۔

فائدہ:۔ جنت میں عمدہ حال یہ ہو گا کہ بہت سے یوں ہوں گے کہ اس سے ایسی لطیف باتوں میں بڑھے ہوں گے کہ جن کے سامنے تمام دنیا کی کچھ اصل نہیں۔

حدیث:۔ ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت والے کھڑکیوں والوں کو اپنے اوپر ایسے دیکھیں گے جیسے تم ستاروں کو مشرق و مغرب کے کنارے میں جاتا ہوا دیکھتے ہو اور وہ اس لیے ایسے نظر آئیں گے کہ جنت والوں میں اور ان میں مرتبے کی وجہ سے بہت فرق ہو گا۔ لوگوں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ مراتب انبیاء کرام کے ہوں گے یا ان کے سوا اوروں کو ملیں گے۔ آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اس مرتبے والے لوگ وہ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور رسولوں کی تصدیق کی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلند درجے والوں کو ان کے نیچے کے لوگ ایسے دیکھیں گے جیسے تم آسمان کے کناروں پر ستاروں کو دیکھتے ہو۔

فائدہ:۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہیں بلند درجے والوں

میں سے ہیں بلکہ فضیلت میں بڑھ کر ہیں۔

حدیث:۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جنت کی کھڑکیوں کا بیان کروں۔ میں نے عرض کیا کہ ہاں۔ آپ پر ہمارے ماں باپ قربان ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ جنت میں کھڑکیاں ہیں جواہر سے جن میں سے اندر کی چیز باہر اور باہر کی چیز اندر محسوس ہوتی ہے اور ان میں راحت اور لذت اتنی ہے کہ نہ آنکھوں نے دیکھی' نہ کانوں نے سنی' نہ کسی آدمی کے دل پر گزری۔ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کھڑیاں کن لوگوں کو ملیں گی؟ آپ نے فرمایا کہ ان لوگوں کو جو سلام پھیلائیں اور کھانا کھلائیں اور ہمیشہ روزہ رکھیں اور رات کو لوگوں کے سوتے وقت نماز پڑھیں۔ راوی کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا کہ ان باتوں کی طاقت کس کو ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میری امت اس کی طاقت رکھتی ہے اور میں اس کا حال بتاتا ہوں جو شخص اپنے بھائی مسلمان سے ملے اور اس کو سلام کرے یا سلام کا جواب دے تو اس نے سلام پھیلایا اور جس نے اپنے گھر اور کنبے کو اتنا کھانا کھلایا کہ ان کا پیٹ بھر گیا تو اس نے کھانا کھلایا اور جس نے رمضان شریف کے روزے رکھے' پھر ہر مہینہ میں تین روزے رکھے تو اس نے ہمیشہ روزے رکھے اور نماز عشا اور نماز فجر جماعت سے پڑھی تو اس نے رات کو نماز پڑھی کہ لوگ سوتے ہیں یعنی یہود و نصاریٰ اور مجوسی۔

تفسیر نبوی:۔ کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کا معنی پوچھا ومساکین طیبة فی جنات عدن (التوبہ 72) ترجمہ کنزالایمان: اور پاکیزہ مکانوں کا بسلے باغوں میں۔ آپ نے فرمایا کہ مساکن سے مراد موتی کے محل ہیں۔ ہر محل میں ستر گھر لعل سرخ کے ہیں اور ہر گھر میں ستر کوٹھیاں ہیں۔ ستر تخت ہیں۔ ہر تخت پر ستر فرش ہر رنگ کے ہیں۔ ہر فرش پر ایک حور' ہر کوٹھی میں ستر دسترخوان ہیں۔ ہر دسترخوان پر ستر رنگ کا کھانا ہے۔ ہر کوٹھی میں ستر لونڈیاں ہیں اور ایماندار کو ہر روز اتنی طاقت عنایت ہوگی کہ ان سب سے ہم بستر ہو سکے۔

جنت کی دیوار' زمین و درخت اور نہروں کا بیان:۔ جو لوگ اس میں رہیں گے' وہ کیسے اس کی صورت دیکھ کر خوش ہوں گے اور جو لوگ اس سے محروم رہیں گے' ان کو کیسی حسرت ہوگی۔ اس کے بدلے دنیا پر قناعت کی۔

احادیث مبارکہ:۔ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت کی دیوار ایک چاندی کی اور ایک سونے کی اور اس کی مٹی زعفران ہے اور گارا مشک۔

کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جنت کی مٹی کا حال پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ سفید میدہ مشک خالص ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جس کو یہ منظور ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کو آخرت میں شراب پلائے تو چاہیے کہ دنیا میں شراب نہ پئے اور جس کو یہ منظور ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کو آخرت میں حریر پہنائے تو چاہیے کہ دنیا میں حریر پہننا ترک کرے۔ جنت کی نہریں مشک کے

ٹیلوں یا مشک کے پہاڑوں کے نیچے سے نکلتی ہیں اور اگر جنت کے لوگوں میں سے کسی کے پاس سب سے کمتر زیور ہو اور تمام دنیا کے زیور سے مقابلہ کیا جائے تو جو زیور کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں دے گا' وہ تمام دنیا کے زیور سے اچھا ہو گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں ایک درخت ایسا ہے کہ اگر سوار اس کے سائے میں سو برس چلے تب بھی اس کو تمام نہ کر پائے گا۔ اگر چاہو تو قرآن مجید میں پڑھ لو وظل ممدود (الواقعہ 30) ترجمہ کنزالایمان: اور ہمیشہ کے سائے میں۔

حضرت امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابہ کرام فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اعراب اور ان کے مسائل سے نفع دیتا ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک اعرابی آیا۔ اس نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں موذی درخت کا ذکر فرمایا ہے اور مجھے معلوم نہیں کہ جنت میں کوئی درخت جنتی کو ایذا دے گا۔ آپ نے فرمایا کہ وہ کون سا درخت ہے۔ اس نے عرض کیا کہ بیری ہے جس میں کانٹے ہوتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ فی سدر مخضود (الواقعہ 28) ترجمہ کنزالایمان: بے کانٹوں کی بیریوں میں۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس کے کانٹے کاٹ دے گا اور ہر کانٹے کی جگہ ایک پھل لگائے گا کہ ہر پھل میں سے بہتر سے بہتر مزہ ہو گا اور وہ ایک دوسرے سے ملتا نہ ہو گا۔

جریر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ ہم صفاح میں ٹھہرے۔ دیکھا تو ایک شخص درخت کے نیچے سوتا ہے اور دھوپ اس پر آنے کو تھی۔ میں نے غلام سے کہا کہ یہ چمڑے کا بچھونا لے جا اور ان پر سایہ کرے۔ اس نے جاکر سایہ کر لیا۔ جب وہ جاگے تو معلوم ہوا کہ حضرت سلمان فارسی ہیں۔ میں نے ان کی خدمت میں جاکر سلام کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اے جریر اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع کر۔ جو شخص دنیا میں اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کو قیامت میں بزرگی دیتا ہے۔ تجھے معلوم ہے کہ قیامت میں تاریکیاں کیسی ہوں گی۔ میں نے عرض کیا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ لوگوں کا آپس میں ایک دوسرے پر ظلم کرنا۔ پھر ایک چھوٹی سی لکڑی اٹھائی کہ چھوٹے ہونے کی وجہ سے گویا مجھے معلوم نہ ہوئی تھی۔ پھر فرمایا کہ اے جریر اگر تو اس کے موافق جنت میں ڈھونڈے گا تو نہ لکڑی پائے گا۔ میں نے عرض کیا کہ پھر خرما کے درخت اور دوسرے پیڑ کہاں جائیں گے؟ فرمایا کہ وہ لکڑی کے نہ ہوں گے' ان کی جڑیں موتی اور سونے کی ہوں گی اور ان کے اوپر پھل ہوں گے۔

اہل جنت کے لباس اور فرش و تخت اور مسند اور خیموں کا بیان:- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یحلون فیھا من اساور من ذھب ولولوا ولباسھم فیھا حریر (الحج 23) ترجمہ کنزالایمان: اس میں پہنائے جائیں گے سونے کے کنگن اور موتی اور وہاں ان کی پوشاک ریشم ہے۔ اسی طرح کی آیتوں میں اس کی تفصیل بہت زیادہ ہے اور حدیثوں میں بھی تفصیل آئی ہے۔

احادیث مبارکہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو

جنت میں داخل ہوگا' وہ نعمت دیا جائے گا کہ وہ نہ محتاج ہوگا' نہ کپڑے پرانے ہوں گے۔ نہ جوانی گھٹے گی اور جنت میں وہ نعمتیں ہوں گی جو نہ آنکھوں نے دیکھی' نہ کانوں نے سنی۔ نہ کسی آدمی کے دل میں گزریں۔ کسی نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنتیوں کے کپڑوں کا حال بیان فرمایئے کہ وہ پہلے ہوں گے یا اس وقت پیدا کر دیئے جائیں گے یا بناوٹ ہوگی کہ اس وقت بنے جائیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا تو بعض لوگ ہنسنے لگے۔ آپ نے فرمایا کہ تم کیوں ہنستے ہو' شاید اس لیے ہنستے ہو کہ جو شخص نہیں جانتا' وہ جاننے والے سے پوچھتا ہے۔ پھر فرمایا کہ جنت کے میووں میں سے نکلا کریں گے' دو بار ارشاد فرمایا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اول گروہ جو جنت میں داخل ہوگا' ان کی [illegible] چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوں گی۔ وہ نہ جنت میں تھوکیں گے' نہ چھینکیں گے' نہ پاخانہ پھریں گے۔ ان کے برتن اور کنگھیاں سونے کی ہوں گی اور ان کا پسینہ مشک کا۔ ہر ایک کے لیے ان میں سے دو بیویاں ہوں گی جن کی پنڈلیوں کے اندر کا گوشت حسن اور لطافت کی وجہ سے محسوس ہوتا ہوگا' نہ آپس میں اختلاف رہے گا' نہ دلوں میں بغض بلکہ یک دل ہو کر صبح و شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح کریں گے۔

فائدہ:۔ ایک روایت میں ہے کہ ہر ایک بی بی پر ستر ہزار لباس ہوں گے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں یحلون فیہا من اساور من ذھب (الحج 23) ترجمہ کنزالایمان: اس میں پہنائے جائیں گے سونے کے کنگن اور موتی اور وہاں ان کی پوشاک ریشم ہے۔ فرمایا کہ ان لوگوں کے تاج ایسے ہوں گے کہ ان میں کے ادنیٰ موتی کی چمک مشرق سے مغرب تک روشن کر دے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خیمہ جنتیوں کا موتی کا ہوگا اور بیچ سے خالی ہوگا جس کی اونچائی ساٹھ میل ہوگی۔ اس کے ہر ایک گوشے میں مومن کی گھر والی ہوگی جس کو دوسری نہ دیکھیں گی۔ (یہ روایت بخاری نے اپنی کتاب میں لکھی ہے)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ خیمہ موتی مجوف ہے۔ اس کا طول و عرض ایک فرسخ کا اور چار ہزار دروازے سونے کے ہوں گے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قول وفرش مرفوعۃ کی تفسیر میں فرمایا کہ فاصلہ درمیان دو فرشتوں کے اتنا ہوگا جتنا آسمان و زمین کا ہے۔

جنت والوں کا کھانا:۔ اہل جنت کے کھانے کا حال قرآن مجید میں مذکور ہے کہ میوے اور موٹے پرندے اور من اور سلوی اور دودھ اور بہت سے اقسام بے شمار ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کلما رزقوا منہا من ثمرۃ رزقا قالوا ھذا الذی رزقنا من قبل واتو بہ متشابہا (البقرہ 25) ترجمہ کنزالایمان: جب انہیں باغوں سے کوئی پھل کھانے کو دیا جائے گا (صورت دیکھ کر) کہیں گے یہ تو وہی رزق ہے جو ہمیں پہلے ملا تھا اور وہ (صورت میں) ملتا جلتا

انھیں دیا گیا۔

اہل جنت کے پینے کی چیزیں :- اللہ تعالیٰ نے بہت سے مقامات میں ذکر فرمایا ہے۔

احادیث مبارکہ :- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام کہتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں تھا کہ ایک عالم یہودی آیا۔ اس نے چند سوال پوچھے۔ یہاں تک پوچھا کہ پل صراط پر لوگوں میں سے اول کون اترے گا؟ آپ نے فرمایا کہ فقرائے مہاجرین۔ یہودی نے پوچھا کہ جب وہ جنت میں جائیں گے' ان کو تحفہ کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا کہ مچھلی کے جگر کے کباب۔ اس نے عرض کیا کہ اس کے بعد ان کی کیا غذا ہوگی؟ آپ نے فرمایا کہ جنت کا بیل جو اس کے کناروں میں کھاتا پیتا ہے' وہ ان کے لیے ذبح ہوگا۔ اس نے پوچھا کہ ان کا پانی کیا ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ جس چشمے کا نام سلسبیل ہے' اس میں سے پانی پئیں گے۔ اس نے کہا کہ آپ سچ فرماتے ہیں۔

زید بن ارقم فرماتے ہیں کہ ایک یہودی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ اے ابو القاسم! آپ فرماتے ہیں کہ جنت کے لوگ اس میں کھائیں پئیں گے۔ اس نے اپنے یاروں سے کہا کہ اگر یہ اس امر کا اقرار کریں گے تو میں اعتراض کروں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں قسم ہے اس ذات اقدس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ جنتیوں میں سے ایک ایک کو طاقت سو مردوں کے کھانے اور پینے اور صحبت کی عنایت ہوگی۔ یہودی نے کہا کہ جو شخص کھائے پیئے گا' اس کو پاخانے کی ضرورت ہوگی۔ آپ نے فرمایا کہ پاخانے کے بدلے میں یہ ہوگا کہ ان کے چمڑے سے پسینہ مشک کی مانند بہے گا اور پیٹ صاف ہو جائے گا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو جنت میں پرندے کو دیکھ کر جنتی خواہش کرے گا تو وہ اس کے سامنے ذبح ہو کر بھن جائے گا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں کچھ پرندے مثل بختی اونٹ کے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کیا کہ وہ خوب ہیں۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا کہ ان سے خوب زیادہ وہ ہے جو ان کو کھائے گا اور اے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو ان لوگوں میں سے ہے جو ان کو کھائیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس آیت کی تفسیر میں **یطاف علیھم بصحاف (الزخرف 71)** ترجمہ کنزالایمان : ان پر دورہ ہوگا سونے کے پیالوں اور جاموں کا۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ جنت والوں پر سونے کے ستر پیالوں کا دور ہوگا کہ ہر ایک میں ان میں سے نئی قسم کا کھانا ہوگا جو دوسرے میں نہ ہوگا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ **ومزاجہ من تسنیم (المطففین 27)** ترجمہ کنزالایمان : اور اس کی ملونی تسنیم سے ہے۔ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ملونی اصحاب یمین کے لیے ملائی جائے گی اور مقرب لوگ اس کو خالص بے ملونی کے پئیں گے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ وختامہ مسک (المطففین 26) ترجمہ کنزالایمان : اس کی مہر مشک پر ہے۔ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ وہ ایک سفید شراب چاندی کی مانند ہے جس سے جنت والوں کی شراب پر مہر کریں گے۔ اگر کوئی شخص دنیا والوں میں اس میں اپنا ہاتھ ڈالے' پھر باہر نکال لے تو کوئی جاندار باقی نہ رہے کہ اس کو خوشبو اس کی نہ پہنچے۔

حور و غلمان بہشت :- قرآن مجید نے ان کے اوصاف بیان کیے اور احادیث میں کچھ زیادہ شرح سے وارد ہے۔

احادیث مبارکہ :- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک بار صبح کو جانا یا شام کو جانا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اور تم میں سے کسی کی مقدار قوس یا پاؤں رکھنے کی جگہ جنت میں دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اور اگر کوئی عورت جنت والی عورتوں میں سے زمین کی طرف آجائے تو آسمان و زمین کے درمیان روشنی ہو جائے اور خوشبو سے بھر جائے اور اس کے سر کی اوڑھنی دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قول کانھن الیاقوت والمرجان (الرحمٰن 58) ترجمہ کنزالایمان : گویا وہ لعل اور یاقوت اور مونگا ہیں۔ کی تفسیر میں ارشاد فرمایا کہ ان کی صورتیں پردے میں سے آئینہ سے بھی صاف نظر آئیں گی اور ان کے زیور میں سے ادنیٰ موتی مشرق سے لے کر مغرب تک روشن کر دے گا اور ان پر ستر کپڑے ایسے ہوں گے جن میں سے آدمی نظر پار ہو جائے گی یہاں تک کہ ان کی پنڈلیوں کا مغز ان کے اندر سے معلوم ہوگا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ شب معراج کو جنت کے اندر میں ایک جگہ میں گیا جس کو ۔بنذخ کہتے ہیں۔ اس پر موتی اور سبز جر لور لعل سرخ کے خیمے تھے۔ ان کی عورتوں نے مجھ سے کہا کہ السلام علیک یارسول اللہ! میں نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ آواز کن عورتوں کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ عورتیں خیموں میں پردہ نشین ہیں۔ انہوں نے اپنے پروردگار سے آپ کو سلام کرنے کی اجازت مانگی تھی۔ چنانچہ ان کو اجازت مرحمت فرمائی۔ پس وہ کہنے لگیں کہ ہم راضی ہیں' کبھی ناراض نہ ہوں گے اور ہم ہمیشہ رہنے والیاں ہیں۔ کبھی سفر نہ کریں گے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی حور مقصورات فی الخیام (الرحمٰن 72) ترجمہ کنزالایمان : حوریں ہیں خیموں میں پردہ نشین۔

فائدہ :- حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ ازواج مطہرہ کی تفسیر بیان فرماتے ہیں کہ پاک سے حیض اور بول و براز اور تھوک اور رینٹ اور منی اور بچہ جننا مراد ہے کہ وہ ان سب سے پاک ہوں گی۔

اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے شغل فاکھون (یٰسین 55) ترجمہ کنزالایمان : ہسلاوں میں چین کرتے ہیں۔ کے ذکر میں فرماتے ہیں کہ ان کا کام باکرہ عورتوں کی بکارت دور کرنے کا ہوگا۔

حدیث :۔ کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا جنت والے جماع بھی کریں گے۔ آپ نے فرمایا کہ ایک شخص کو ان میں سے ایک دن میں اتنی قوت ملے گی کہ تم میں سے ستر مردوں سے زیادہ ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل جنت میں سے ادنیٰ مرتبہ کا وہ شخص ہو گا کہ اس کے قبضہ میں ہزار خادم ہوں گے اور ہر خادم کو وہ کام ہو گا' جو دوسرے کو نہ ہو گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل جنت میں سے ایک شخص پانچ سو حوروں اور چار ہزار باکرہ عورتوں اور آٹھ ہزار عمر رسیدہ عورتوں سے نکاح کرے گا اور ان میں سے ہر ایک سے اتنا معانقہ کرے گا جتنا دنیا میں زندہ رہا ہو گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں ایک بازار ہے کہ اس میں خرید و فروخت کچھ نہیں بجز مردوں اور عورتوں کی صورتوں کے' پس جب کوئی شخص کسی صورت کی خواہش کرے گا تو اس بازار میں جائے گا" وہ بڑی آنکھ والی حوروں کے جمع ہونے کی جگہ ہے۔ وہ ایسی بلند آواز سے کہتی ہیں کہ لوگوں نے ایسی نہیں سنی۔ ہم ہمیشہ رہیں گی کہ فنا نہ ہوں گی اور ہم نعمت والی ہیں کہ محتاج نہ ہوں گی اور ہم خوش ہیں کہ کبھی خفا نہ ہوں گی۔ بہتر ہے وہ شخص جو ہمارا ہو اور ہم اس کی ہوں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حوریں جنت میں گاتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ہم خوبصورت لونڈیاں ہیں اور کریم مردوں کے لیے ہیں۔ ہم کو چھپا رکھا ہے۔

فائدہ :۔ یحییٰ بن کثیر فی روضہ یحبرون میں فرماتے ہیں کہ جنت میں راگ ہو گا۔

حدیث :۔ ابو امامہ باہلی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بندہ جنت میں داخل ہوتا ہے' اس کے سر اور پاؤں کے پاس دو حوریں بہشتی بیٹھ کر نہایت خوش آواز سے گیت سناتی ہیں جس کو انسان اور جن سنتے ہیں اور وہ گیت مزمار شیطان یعنی شعر نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی حمد و تقدس کا بیان ہوتا ہے۔

بہشت کیا اور کیسی ہے :۔ حضرت اسامہ بن زید سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ کوئی ہے کہ وہ جنت کی تیاری کرے۔ جنت کو کچھ خطرہ نہیں۔ بخدا وہ ایک نور تاباں اور ایک گلدستہ ریان اور محل مضبوط اور نہر جاری اور میوے پکے ہوئے اور بکثرت اور زوجہ خوبصورت کا جمال خوشی و نعمت میں مقام ابد میں یا مقام نصرت میں مکان عالیشان محفوظ میں ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ ہم سب اس کی تیاری کرنے والے ہیں۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ نے فرمایا کہو ان شاء اللہ' پھر آپ نے جہاد کا وعظ اور اس کی رغبت دلائی۔

حکایت :۔ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ جنت میں گھوڑا بھی ہو گا۔ وہ

مجھے اچھا معلوم ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تجھے گھوڑا پسند ہے تو یاقوت سرخ رنگ کا گھوڑا تجھے ملے گا اور جنت
میں جہاں تو چاہے گا' تجھے لیے ہوئے اڑتا پھرے گا اور ایک شخص نے پوچھا کیا جنت میں اونٹ بھی ہوگا؟ آپ نے
فرمایا کہ اے بندہ خدا جب تو جنت میں داخل ہوگا تو جو تیرا جی چاہے گا اور جس سے تیری آنکھوں کو لذت ہوگی' وہ
سب کچھ ملے گا۔

حدیث:۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب
جنتی کا دل چاہے گا کہ اس کی اولاد ہو تو اس کی زوجہ کو اس کا حمل' پھر وضع حمل اور بچے کی جوانی یک وقت ہو
جائے گی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اہل جنت جب جنت میں مقیم ہو جائیں گے تو بھائی بھائیوں کے
مشتاق ہوں گے تو ایک کا تخت دوسرے کے پاس جائے گا اور وہ ملاقات کریں گے اور وہ باتیں بھی کریں گے۔ جیسے
دنیا میں دونوں کی باتیں ہوتی تھیں۔ ایک کہے گا کہ بھائی تجھے یاد ہے کہ فلاں روز فلاں مجلس میں ہم نے اللہ تعالیٰ
سے دعا مانگی تھی تو اللہ تعالیٰ نے ہم کو بخش دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان اهل الجنته جرد مرد ببض جعاد مکحلون ابنا ثلث وثلثین
علٰی خلق ادم طولهم ستون ذراعا فی عرض سبعته اذرع "بہشتی بہشت میں بالوں کے بغیر اور بے ریش چاق
چوبند سرگیں آنکھوں والے تینتیس (33) سال کی عمر میں ہوں گے۔ ان کا قد ساٹھ' ہاتھ اور چوڑائی سات ہوگی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اہل جنت میں سے ادنیٰ وہ ہوگا جس کے پاس اسی ہزار خادم اور بہتر
بیویاں ہوں گی اور اس کے لیے ایک خیمہ موتی اور زبرجد اور یاقوت کا ہوگا۔ اس کے گھر کے آگے ایک درخت کھڑا
کیا جائے گا۔ اس کا فاصلہ جابیہ اور صفا کے درمیان جتنا ہوگا اور اہل جنت کے سروں پر تاج ہوں گے اور ان میں
سے ادنیٰ موتی مشرق و مغرب کو روشن کردے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جنت کو دیکھا تو اس کے اناروں میں سے ایک انار مثل پشت
اونٹ پالان کسے ہوئے کی طرح تھا اور اس کا پرندہ مثل بختی اونٹ کے اور اس کی ایک لونڈی کو بھی دیکھا۔ اس سے
میں نے پوچھا کہ تو کس کی ہے۔ اس نے کہا زید بن حارثہ کی اور جنت میں جس چیز پر نظر پڑی وہ ایسی تھی کہ نہ
آنکھوں نے دیکھی' نہ کانوں نے سنی اور نہ کسی بشر کے دل میں اس کا تصور ہو سکتا ہے۔

حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور
توریت کو اپنے ہاتھ سے لکھا اور جنت کے درخت اپنے ہاتھ سے لگائے۔ پھر اس کو کہا کہ بول۔ جنت نے کہا
قدافلح المومنون (المومنون ۱) ترجمہ کنزالایمان: بے شک مراد کو پہنچے ایمان والے۔

فائدہ:۔ جنت کی یہ صفات ہیں جنہیں ہم نے پہلے مجملاً بیان کیا' پھر مفصل۔

تقریر حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ:- آپ نے فرمایا کہ اس کے انار ڈول جیسے ہیں اور ان کی نہریں ایسے پانی کی ہیں جو خراب نہیں ہوتا اور دو نہریں دودھ کی ہیں جس کا مزہ نہیں بدلتا اور دو نہریں شہد صاف کی ہیں جن کو آدمیوں نے صاف نہیں کیا اور دو نہریں ایسی شراب کی ہیں جو پینے والوں کو مزہ دیتی ہیں' نہ غنید سے اس کا سرور بھولے' نہ اس سے سروں میں درد ہوا اور جنت میں وہ بہار ہے کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھی' نہ کسی کان نے سنی' نہ کسی بشر کے دل میں گزری۔ اس کے لوگ نعمت والے تینتیس سال کے ایک ہی سن میں ہوں گے۔ ان کا قد ساٹھ ہاتھ کا سرمہ لگائے ہوئے بالوں سے صاف چہرے سبزے سے خالی ہوں گے۔ عذاب سے بے خوف ہوں گے۔ جنت سے اطمینان اور اس کی نہریں یاقوت اور زبرجد کے کنکروں سے چلتی ہیں اور اس کے درخت اور شاخیں اور انگور موتی کے ہیں اور پھلوں کا احوال سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا اور اس کی خوشبو پانچ سو برس کی راہ سے پائی جاتی ہے اور جنت والوں کو جنت میں گھوڑے اور اونٹ تیز قدم اور تیز رفتار ملیں گے جن کی کاٹھیاں اور باگیں اور زین یاقوت کی ہوں گے۔ وہ جنت میں سیر کریں گے اور ان کی بیویاں حوریں ہوں گی جیسے موتی لپٹا ہوا یعنی نظر اور ہاتھ مالی کے صدمہ سے محفوظ اور ہر حور اپنی دونوں انگلیوں میں ستر لباس پکڑ کر پہنے گی اور اس کی پنڈلی کا اندرونی حصہ ان سب لباسوں کے اندر سے محسوس ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اخلاق کو برائی سے پاک فرمایا اور جسموں کو عورت سے نہ جنت میں ناک صاف کریں گے' نہ بول و براز کریں گے بلکہ ان کے بدلے ڈکار اور پسینہ مثل مشک کے ہوگا۔ ان کا رزق صبح و شام ملے گا مگر یہ کہ رات نہ ہوگی جو صبح' شام اور شام و صبح پر باری باری آتی رہے اور سب سے آخر میں جو شخص جنت میں داخل ہوگا اور مرتبے میں سب سے کم ہوگا' اس کا حال یہ ہوگا کہ آنکھ سے سو برس کی راہ تک دیکھے گا اور اس کی سلطنت چاندی' سونے کے محلوں اور موتیوں کے خیمے اسی قدر فاصلے تک ہوگی اور اس کی آنکھ کو قدرت دی جائے گی کہ دور و نزدیک کی چیزیں برابر دیکھے۔ صبح کو بھی جنت والوں کے پاس ستر ہزار سونے کے پیالے لائے جائیں گے اور شام کو بھی اتنے ہی موجود ہوں گے اور ہر پیالے میں جدا کھانا ہوگا اور وہ اول سے آخر تک کا مزہ چکھیں گے اور جنت میں ایک یاقوت ہے جس میں ستر ہزار گھر ہیں اور ہر گھر میں ستر ہزار کوٹھیاں ہیں جن میں کہیں نہ شگاف ہے' نہ سوراخ ہے۔

ادنیٰ جنتی:- حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جنت میں ادنیٰ مرتبہ والا وہ ہوگا کہ اپنی سلطنت میں ایک ہزار سال سفر کرے گا اور وہ دور و نزدیک کی اشیاء کو برابر دیکھے گا اور سب میں اعلیٰ درجہ وہ ہوگا جو صبح و شام اپنے پروردگار کے دیدار سے مشرف ہوگا۔

فائدہ:- حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل جنت میں ایسا کوئی نہ ہوگا جس کے ہاتھ میں تین کنگن نہ ہوں گے۔ ایک سونے کا' ایک موتی کا اور ایک چاندی کا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جنت میں ایک حور ہے جس کا نام عینا ہے۔ جب وہ چلتی ہے

تو اس کی داہنی اور بائیں طرف سے ہزار لونڈیاں ساتھ چلتی ہیں اور وہ کہتی ہے کہ کہاں ہیں وہ لوگ جو اچھی بات کا
حکم کرنے والے اور بری بات سے منع کرنے والے تھے۔
یحیٰ بن معاذ فرماتے ہیں کہ دنیا کا ترک کرنا سخت کام ہے مگر جنت کا ہاتھ سے نکلنا سب سے زیادہ سخت ہے اور
دنیا کا چھوڑنا آخرت کا مہر ہے اور یہ بھی انہی کا قول ہے کہ دنیا کی طلب میں نفس کی ذلت ہے اور آخرت کی طلب
میں اس کی عزت ہے لیکن تعجب ہے اس شخص سے کہ فانی چیز کی طلب میں عزت کو ترک کرتا ہے۔

اہل جنت کی صفات :۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے للذین احسنوا الحسنیٰ و زیادۃ (یونس 26) ترجمہ کنزالایمان :
بھلائی والوں کے لئے بھلائی ہے اور اس سے بھی زائد۔

فائدہ :۔ آیت میں زیادتی سے مراد دیدار الٰہی اور شرف رویت حق ہے جو ایسی بڑی لذت ہے کہ اس میں جنت کی
تمام آسائشیں بھول جاتی ہیں اور ہم نے رویت کی حقیقت باب المحبت میں بیان کی ہے اور اس کا ثبوت کتاب اللہ
اور احادیث میں ہے۔

بدعقیدہ لوگ :۔ معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار ممتنع ہے۔ ان کا رد حدیث ذیل سے ہے۔
حضرت جریر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ آپ نے
چودھویں رات کے چاند کو دیکھ کر فرمایا کہ تم اپنے پروردگار کا دیدار ایسے دیکھو گے جیسا اس چاندی کو دیکھتے ہو کہ اس
کے دیکھنے میں تم ایک دوسرے پر سبقت نہیں کرتے یعنی سب بے تکلف اور بلا مشقت دیکھتے ہو۔ اگر تم سے ہو
سکے کہ طلوع و غروب آفتاب سے پہلے کی نماز سے نہ تھکو یعنی اسے ادا کیا کرو' پھر یہ آیت پڑھی۔ وسبح بحمدبک
قبل طلوع الشمس وقبل غروبھا (طہ 130) ترجمہ کنزالایمان : اور اپنے رب کو سراہتے ہوئے اس کی پاکی بولو
سورج چمکنے سے پہلے اور اس کے ڈوبنے سے پہلے۔

فائدہ :۔ حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی للذین
احسنوا الحسنیٰ وزیادۃ (یونس 26) اور فرمایا کہ جب جنت والے جنت میں اور دوزخ والے دوزخ میں چلے
جائیں گے تو ایک منادی پکارے گا کہ اے اہل جنت تم سے اللہ تعالیٰ کا ایک وعدہ ہے' وہ چاہتا ہے کہ وہ پورا کرے۔
وہ عرض کریں گے کہ وہ کونسا وعدہ ہے؟ کیا ہمارے وزن تول نہیں کرچکا اور منہ سفید نہیں کیے اور جنت میں داخل
نہیں کیا اور دوزخ سے نہیں بچایا۔ پھر فرمایا کہ اس کے بعد پردہ اٹھا لیا جائے گا اور لوگ اللہ تعالیٰ کی صورت اقدس
کی طرف دیکھیں گے۔ اس وقت یہ حال ہو گا کہ کوئی چیز ان کو اللہ تعالیٰ کے دیدار سے زیادہ محبوب نہ ہو گی۔
یہ حدیث روایت چند صحابہ کرام رضی اللہ عنھم سے مروی ہے۔ بہرحال شرف دیدار انتہائی خوبی اور نہایت
درجہ کی نعمت ہے اور جنتی لذتوں کی شرح ہم نے بیان کی ہیں' وہ اس نعمت کے آگے بھول جاتی ہیں اور اہل جنت کو
جو اس نعمت دیدار کے وقت سرور ہو گا' اس کی کوئی انتہا نہیں بلکہ لذات جنت کو لذت دیدار کی طرف کوئی نسبت نہ

نہیں اور چونکہ ہم اس کی تفصیل باب محبت اور شوق و رضا میں خوب لکھ چکے ہیں' اسی لیے اسباب میں مختصر طور کچھ کہہ دیا ہے۔

درس عبرت:۔ سالک کو چاہیے کہ جنت میں سے ایک نیت سوائے دیدار الٰہی کے اور کسی طرف نہ ہو اور دوسری لذتوں میں جنت کے تو جانور بھی شریک ہیں جو چراگاہوں میں دوڑتے پھرتے ہیں۔

وسعت رحمت حق تعالیٰ جس سے ہم غافل ہیں:۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فال کو اچھا سمجھتے تھے اور ہمارے اعمال ایسے نہیں جن سے ہم توقع مغفرت کریں۔ اسی لیے ہم فال نیک لینے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کرتے ہیں اور توقع رکھتے ہیں کہ وہ ہمارا انجام دنیا و آخرت میں خیر کے ساتھ کرے۔ جیسے ہم نے اس کتاب (احیاء العلوم) کو اس کی رحمت کے ذکر سے ختم کیا اور وہ خود فرماتا ہے ان اللّٰہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء (النساء 116) ترجمہ کنزالایمان: اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کا کوئی شریک ٹھہرایا جائے اور اس سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرما دیتا ہے۔ اور فرمایا قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللّٰہ ان اللّٰہ یغفر الذنوب جمیعا انہ ھو الغفور الرحیم (الزمر 53) ترجمہ کنزالایمان: تم فرماؤ اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو بے شک اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے بے شک وہی بخشنے والا مہربان ہے۔ اور فرمایا ومن یعمل سوء او یظلم نفسہ ثم یستغفر اللّٰہ یجد اللّٰہ غفورا رحیما (النساء 110) ترجمہ کنزالایمان: اور جو کوئی برائی یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اس سے بخشش چاہے تو اللہ کو بخشنے والا مہربان پائے گا۔ اور ہم اللہ تعالیٰ سے بخشش چاہتے ہیں۔ اس کتاب میں یا اور تصانیف کتابوں میں ہمارا قدم پھسلا ہو یا قلم بہکا ہو اور ان اپنے دیگر اقوال سے بھی مغفرت چاہتے جن کے موافق ہمارے اعمال نہ ہوں اور اس علم و بصیرت سے جس کا وعدہ ہم سے اللہ تعالیٰ کے دین میں کیا ہو اور اس میں کوتاہی کی ہو اور اس عمل و علم سے جس سے ہم نے خاص اسی کی ذات پاک کا قصد کیا ہو' پھر اس میں کوئی دوسرا مل گیا ہو اور اس وعدے سے جو ہم نے اپنے دل سے اس سے کیا ہو اور پھر اس کے پورا کرنے میں ہم نے کوتاہی کی ہو اور اس نعمت سے جس کو اس نے ہمیں دی اور ہم نے اس کو اس کی نافرمانی میں صرف کیا اور اس عیب سے جس کے ساتھ ہم متصف تھے اور ہم نے اس پر اس کو صریح الفاظ یا اشارہ سے لگایا اور ان کو ناقص اور قصوروار ٹھہرایا اور اس خطرے سے جو ہم کو موجب تکلف اور بناوٹ اور لوگوں کے ساتھ ریا کا کسی کتاب لکھنے یا کلام کرنے یا علم پڑھنے' پڑھانے میں ہوا ہو' ان تمام امور سے بخشش چاہنے کے بعد ہم اپنے لیے اور ان لوگوں کے لیے جو ہماری اس کتاب کو پڑھیں یا لکھیں یا سنیں' یہ توقع کرتے ہیں کہ وہ مغفرت اور رحمت سے عزت بخشیں اور ہماری سب ظاہری اور باطنی خطاؤں سے درگزر فرمائے اس لیے کہ اس کا کرم اور رحمت وسیع اور بخشش عام تمام پر جاری ہے اور ہم بھی اس کی ایک مخلوق ہیں۔ وسیلہ اس کی طرف بجز اس کے فضل و کرم کے اور کوئی نہیں۔

حدیث:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی سو رحمتیں ہیں اور ان میں سے ایک رحمت کو جن اور انسان اور پرند اور بہائم و حشرات الارض کے درمیان اتارا ہے۔ اسی سے ہر چیز آپس میں رحم کرتی ہے اور ننانوے رحمت کو اپنے لیے رکھا ہے۔ ان سے اپنے بندوں پر قیامت کے دن رحم فرمائے گا۔

جب قیامت کا دن ہو گا تو اللہ تعالیٰ ایک نوشتہ عرش کے نیچے سے نکالے گا جس میں یہ لکھا ہو گا۔ میری رحمت بڑھ گئی۔ میرے غضب سے اور میں سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہوں۔ پس دوزخ میں سے جنت والوں کے دو گنا آدمی باہر ہو جائیں گے۔

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ہمارے لیے ہنستا ہوا تجلی فرما کر ارشاد فرمائے گا کہ مژدہ ہو اے گروہ مسلمانان کہ تم میں سے کوئی ایسا نہیں جس کے عوض میں نے یہودی و نصرانی کو دوزخ میں نہ ڈالا ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کی سفارش ان کی تمام اولاد میں سے ایک کروڑ اور دس ہزار کے متعلق منظور فرمائے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایمانداروں سے پوچھے گا کہ تم کو میرا ملنا محبوب تھا۔ وہ عرض کریں گے کہ ہاں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیوں؟ وہ عرض کریں گے کہ ہم نے تیری مغفرت اور عفو کی توقع کر لی تھی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے تمہارے لیے اپنی مغفرت واجب کر دی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حکم فرمائے گا کہ دوزخ میں سے ان لوگوں کو نکال لو جنہوں نے مجھے ایک دن یاد کیا ہو یا ایک مقام پر مجھ سے ڈرے ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب دوزخ والے دوزخ میں اکٹھے ہوں گے اور ان کے ساتھ جس قدر اللہ تعالیٰ کو منظور ہو گا' اتنا قدر وہ اہل قبلہ ہوں گے۔ کافر مسلمانوں سے سوال کریں گے کہ کیا تم مسلمان نہ تھے۔ وہ کہیں گے ہاں تو کافر کہیں گے کہ تمہارا اسلام تمہارے کام نہ آیا' اس لیے کہ تم بھی دوزخ میں ہمارے ساتھ ہو۔ وہ جواب دیں گے کہ ہمارے گناہ بہت تھے' ان کے باعث ہم گرفتار ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی تقریر سن کر حکم فرمائے گا کہ جو جتنے اہل قبلہ دوزخ میں ہیں' وہ سب نکال لیے جائیں' بموجب حکم وہ نکالے جائیں گے۔ جب کافر یہ معاملہ دیکھیں گے تو کہیں گے کہ کاش ہم بھی مسلمان ہوتے تو ایسے ہی ہم نکالے جاتے جیسے یہ لوگ دوزخ سے نکالے گئے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت مبارکہ پڑھی ربما یود الذین کفروا لو کانوا مسلمیں (الحجر 2) ترجمہ کنزالایمان: بہت آرزوئیں کریں گے کافر کاش مسلمان ہوئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ مومن پر زیادہ تر رحم کرتا ہے بہ نسبت مادر مشفقہ کے اپنی اولاد پر۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن جس کی نیکیاں برائیوں سے زیادہ ہوں

گی تو وہ بے حساب جنت میں داخل ہوگا اور جس کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی' اس سے تھوڑا سا حساب لیا جائے گا' پھر جنت میں داخل ہوگا۔

شفاعت :۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش اس کے لیے ہے جس نے اپنے نفس کو ہلاک کیا ہو اور اس کی پیٹھ گناہوں کے بوجھ سے بھاری ہو۔

واقعہ قارون :۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ارشاد فرمایا کہ اے موسیٰ قارون نے تجھ سے فریاد کی کہ تو نے اس کی فریاد نہ سنی۔ مجھے قسم ہے اپنی عزت جلال کی کہ اگر وہ مجھ سے فریاد کرتا تو میں اس کی فریاد کو پہنچتا اور اس کا قصور معاف کر دیتا۔

حکایت :۔ سعید بن بلال کہتے ہیں کہ قیامت کے دن دو آدمیوں کو دوزخ سے نکالنے کا حکم ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان کو فرمائے گا کہ یہ تمہارا بدلہ اعمال ہے اور میں بندوں پر ظلم کا روادار نہیں۔ یہ فرما کر حکم دے گا کہ ان کو دوزخ میں لے جاؤ۔ ایک تو اپنی بیڑیوں میں دوڑے گا یہاں تک کہ دوزخ میں گھس جائے گا اور دوسرا توقف کر کے پاؤں ملتا جائے گا' پھر ان کے واپس لانے کا حکم ہوگا اور ان سے ان کی حرکت کا سوال ہوگا کہ تو کیوں دوڑ کر گیا' دوسرے نے کیوں دیر لگائی تو جو دوڑ کر گیا تھا' وہ عرض کرے گا کہ نافرمانی کے وبال سے ڈرا ہوا تھا۔ اب خوف کیا کہ مبادا کہیں دوبارہ تیرے غضب میں نہ پڑ جاؤں اور جس نے دیر لگائی' وہ عرض کرے گا کہ الٰہی مجھے تیرے ساتھ حسن ظن تھا جس سے میں نے سمجھا کہ جب تو دوزخ میں سے نکال چکا ہے' دوبارہ اس میں نہ بھیجے گا۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو جنت میں جانے کا حکم فرمائے گا۔

حدیث شریف :۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن عرش کے نیچے سے ایک پکارنے والا پکارے گا۔ اے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو میرے حقوق تمہارے ذمہ تھے' وہ میں نے تم کو معاف کیے۔ اب تمہارے آپس کے حقوق ہیں۔ ان کو آپس میں ایک دوسرے کو بخش دو اور میری رحمت سے جنت میں داخل ہو جاؤ۔

ایک اعرابی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ آیت مبارکہ پڑھتے سنا وکنتم علیٰ شفا حفرۃ من النار فانقذکم منہا (آل عمران 103) ترجمہ کنزالایمان :اور تم ایک غار دوزخ کے کنارے پر تھے تو اس نے تمہیں اس سے بچا دیا۔ اعرابی نے کہا کہ بخدا اس سے بچایا تو نہیں' وہ تو یہ چاہتا ہے کہ اس میں ڈال دے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ آیتوں کو بے سمجھ ہو کر نہ پڑھا کرو۔

اقوال اسلاف صالحین رحمتہ اللہ :۔ حضرت صنابحی رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عبادہ بن الصامت کے مرض الموت میں ان کی خدمت میں گیا اور رویا۔ انہوں نے فرمایا کہ تم کیوں روتے ہو؟ بخدا جو حدیث میں نے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی اور اس میں تمہاری بہتری ہوئی اور میں نے تم سے بیان کر دی ہے مگر ایک حدیث اور ہے' وہ بھی آج کہے دیتا ہوں کہ میری جان لبوں پر ہے۔ میں نے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ فرماتے تھے کہ جو شخص گواہی دے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' محمد اللہ کے رسول ہیں۔" اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ حرام فرما دیتا ہے۔

عبداللہ بن عمر بن العاص فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک شخص کو میری امت کے تمام مجمع کے سامنے چھوڑے گا۔ اس پر ننانوے دفاتر پھیلائے جائیں گے۔ ایک دفتر کی نگاہ تک آنکھ پہنچنے کا لمبا ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا کہ ان دفتروں میں تجھ کو کسی کا انکار تو نہیں۔ تیرے اوپر میرے کاتبوں' محافظوں نے زبردستی تو نہیں کی' از خود تو نہیں لکھ لیے۔ وہ عرض کرے گا کہ نہیں۔ پھر ارشاد فرمائے گا تجھے کچھ عذر ہے؟ عرض کرے گا' نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہمارے یہاں تیری ایک نیکی ہے اور تجھ پر آج ظلم نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ایک چھوٹا سا پرچہ نکالے گا جس میں ہوگا اشهد ان لا اله الا الله واشهدان محمد الرسول الله "گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔" وہ عرض کرے گا کہ الٰہی یہ پرچہ ان دفاتر کے سامنے کیا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تجھ پر ظلم نہیں ہوگا۔ پس وہ دفاتر ایک پلے میں رکھے جائیں گے اور وہ پرچہ دوسرے پلے میں تو وہ دفاتر ہلکے ہو جائیں گے اور وہ پرچہ بھاری ہو جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی شے ہم پلہ نہیں ہو سکتی۔

حدیث شریف:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت اور پل صراط کا وصف بیان فرما کر ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا کہ جس کے دل میں دینار کے برابر خیر پاؤ' اسے دوزخ سے نکال لو' وہ بہت سی مخلوق کو نکالیں گے۔ پھر عرض کریں گے کہ خدایا جن لوگوں کے لیے تو نے حکم دیا تھا' ان میں سے ہم نے کسی کو نہیں چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جاؤ اور جس کے دل میں ذرہ برابر خیر پاؤ' اسے نکال لو۔ وہ بہت سے لوگوں کو نکالیں گے' پھر عرض کریں گے کہ خدایا جن میں سے تو نے حکم فرمایا تھا' ان میں سے ہم نے کوئی نہیں چھوڑا۔

حضرت ابو سعید فرمایا کرتے کہ اگر تم حدیث میں مجھے سچا نہ جانو تو قرآن میں پڑھ لو ان الله لا يظلم مثقال ذرة وان تک حسنة يضاعفها ويوت من لدنه اجرا عظيما (النساء 40) ترجمہ کنزالایمان: اللہ ایک ذرہ بھر ظلم نہیں فرماتا اور اگر کوئی نیکی ہو تو اسے دونی کرتا اور اپنے پاس سے بڑا ثواب دیتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ فرشتوں نے سفارش کی اور نبیوں نے سفارش کی اور مومنین نے سفارش کی اور کوئی باقی نہ رہا بجز ارحم الراحمین کے۔ پس ایک مٹھی بھرے گا اور دوزخ میں سے ایسے لوگوں کو نکالے گا جنہوں نے کبھی خیر نہ کی اور جل کر کوئلہ ہو گئے ہوں۔ پس ان کو اس نہر میں ڈالے گا جو جنت کے دروازوں میں ہے اور وہ نہر الحیات کہلاتی ہے۔ پھر اس میں سے ایسے نکلیں گے جیسے رو کے ہوئے پانی سے سبزہ نکل آتا ہے۔ تم دیکھتے نہیں کہ سبزہ چونکہ پتھر اور درخت سب کے متصل ہوتا ہے تو جو بالمقابل آفتاب کے ہوتا ہے' وہ زرد اور سفید ہوتا ہے اور جو

اس میں سے سینہ میں ہوتا ہے' وہ سفید ہوتا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گویا آپ نے جنگل میں جانور چرائے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ لوگ پھر ایسے نکلیں گے جیسے موتی اور ان کی گردنوں میں مہریں ہوں گی جن سے اہل جنت ان کو پہچانیں گے اور کہیں گے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے آزاد کردہ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو جنت میں داخل کیا' بغیر اس کے کہ انہوں نے کوئی عمل کیا یا کوئی خیر آگے بھیجی ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کو ارشاد فرمائے گا کہ تم جنت میں داخل ہو اور جو کچھ دیکھو' وہ تمہارے ہی لیے ہے۔ وہ عرض کریں گے کہ الٰہی تو نے ہم کو وہ چیز دی جو کسی کو نہ دی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تمہارے لیے میرے پاس وہ چیز ہے جو اس سے بھی افضل ہے۔ وہ عرض کریں گے کہ الٰہی اس سے افضل کون سی چیز ہے؟ وہ ارشاد فرمائے گا کہ وہ میرا تم سے راضی ہونا ہے کہ میں تم سے کبھی ناراض نہ ہوں گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر میں تشریف لائے اور فرمایا کہ میرے سامنے امتیں لائی گئیں۔ ایک نبی کے ساتھ ایک شخص اور ایک نبی کے ساتھ دو اور کسی نبی کے ساتھ کوئی بھی نہ تھا اور کسی پیغمبر کے ساتھ دس پانچ تھے۔ پھر میں نے بہت سا ہجوم دیکھا اور توقع کی کہ یہ میری امت ہوگی۔ پس مجھ سے کہا گیا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی امت ہے۔ پھر مجھ سے کہا گیا کہ دیکھ' میں نے ایک ایسا ہجوم کثیر دیکھا کہ آسمان کے کناروں کو روک دیا' پھر مجھ سے کہا گیا کہ ایسے ہی دیکھ۔ پس میں نے بڑی بھاری جماعت کو دیکھا۔ پھر مجھ سے کہا گیا کہ یہ تیری امت ہے اور ان لوگوں کے ساتھ ستر ہزار جنت میں بے حساب داخل ہوں گے۔ اس کے بعد لوگ الگ ہو گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح نہ فرمائی کہ بے حساب کون لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔ اس کا چرچہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا اور کہا کہ ہم تو شرک میں پیدا ہوئے لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تو وہ لوگ ہمارے بیٹے ہوں گے جو بے حساب جائیں گے۔ یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنی تو فرمایا کہ وہ لوگ وہ ہیں جو نہ داغ کھائیں' نہ منتر پڑھیں' نہ بدفعلی کریں اور اپنے رب پر بھروسہ کریں۔ پس عکاشہ کھڑے ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان لوگوں میں سے کرے۔ آپ نے فرمایا کہ تو ان میں سے ہے۔ پھر ایک اور شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا جیسا عکاشہ نے عرض کیا' آپ نے فرمایا اب تو عکاشہ کے حق میں تجھ سے پہلے وہ دعا ہو چکی۔

حدیث:۔ عمرو بن حزم انصاری سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے تین دن غائب رہے کہ صرف نماز فرض کے لیے تشریف لاتے تھے۔ جب چوتھا دن ہوا تو آپ ہمارے ہاں تشریف لائے۔ ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہم سے جدا رہے' یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ کوئی نئی بات پیدا ہو گئی۔ آپ نے فرمایا کہ خیر کے سواء نئی بات کوئی نہیں ہوئی۔ میرے پروردگار نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ میری امت میں ... اپنے رب سے درخواست کہ اور زیادہ

لوگ بے حساب داخل ہوں۔ پس میں نے اپنے رب کو بڑائی والا پایا۔ اس کے پاس ہر شے موجود ہے اور کریم ہے۔ اس نے ستر ہزار میں سے ہر شخص کے ساتھ ستر ہزار مجھے عطا فرمائے۔ میں نے عرض کیا کہ الٰہی میری امت اس تعداد کو پہنچے گی۔ ارشاد ہوا کہ ہم تیرے لیے اعراب سے شمار پورا کریں گے۔

حدیث شریف:۔ حضرت ابو دردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام حرہ کی طرف یعنی مدینہ منورہ کے متصل ظاہر ہوئے اور مجھ سے کہا کہ اپنی امت کو خوشخبری دو کہ جو مرے گا' اس طرح کہ نہ شریک کرے' اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ میں نے کہا کہ اے جبرئیل اگرچہ زناء اور چوری کرے۔ جبرئیل نے کہا کہ ہاں اگرچہ زنا اور چوری کرے۔ میں نے کہا کہ اگر زنا اور چوری کرے' جبرئیل نے کہا اگرچہ زنا اور چوری کرے۔ میں نے کہا اگرچہ زنا اور چوری کرے' جبرئیل نے کہا اگرچہ زنا اور چوری کرے اور شراب پیئے۔ حضرت ابو دردا فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی ولمن خاف مقام ربہ جنتن (الرحمٰن 46) ترجمہ کنزالایمان: اور جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرے اس کے لئے دو جنتیں ہیں۔ پس میں نے عرض کیا کہ اگر زنا اور چوری کرے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ نے فرمایا ولمن خاف مقام ربہ جنتن (الرحمٰن 46) ترجمہ کنزالایمان گزشتہ صفحہ پر گزرا (منیر رضا) پھر میں نے عرض کیا کہ اگر زنا اور چوری کرے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ نے فرمایا ولمن خاف مقام ربہ جنتن (الرحمٰن 46) ترجمہ کنزالایمان: گزشتہ صفحہ پر گزرا (منیر رضا) میں نے عرض کی اگرچہ زنا اور چوری کرے۔ آپ نے فرمایا' ہاں اگرچہ ابو الدردا کو برا لگے۔

حدیث شریف:۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن ہر مومن کو دوسری ملت کا آدمی پیش کیا جائے گا اور اسے کہا جائے گا کہ دوزخ میں تیرے جانے کا بدلہ ہے یعنی اسے مومن کے عوض دوزخ میں جانا ہوگا۔

حضرت ابو بردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے حدیث بیان کی۔ مجھے ابو موسیٰ اشعری نے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی مسلمان مرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے کوئی یہودی یا نصرانی دوزخ میں داخل کر دیتا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے حضرت ابو بردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قسم دلائی کہ کیا واقعی تمہارے باپ نے یہی روایت بیان کی' اس نے قسم کھا کر کہا' ہاں۔

حکایت و روایت:۔ مروی ہے کہ معرکہ جنگ کا ایک بچہ کھڑا تھا۔ اس کے لیے بولی لگ رہی تھی کہ جو زیادہ قیمت دے گا' یہ بچہ اسے دیا جائے گا۔ موسم گرما تھا' حرارت زوروں پر تھی۔ بچہ گرمی کی شدت سے بے قرار ہو رہا تھا۔ ایک عورت خیمے سے نکل کر بچے کی طرف دوڑی (وہ اس کی ماں تھی) خیمہ سے دوسرے لوگ اس عورت کے پیچھے دوڑے آئے۔ عورت نے بچہ کو چھاتی سے چمٹا لیا اور خود اس کے بجائے گرم ریت پر لیٹ گئی اور بچے کو چھاتی

سے چمٹائے رکھا اور بچے پر سو جان قربان ہونے لگی۔ لوگ اس کے حال کو دیکھ کر رو رہے تھے۔ اسی دوران حضور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ لوگوں نے عورت کا بچے پر سو جان قربان ہونے کا واقعہ سنایا۔ آپ اس عورت کی کارروائی سے خوش ہوئے اور فرمایا تمہیں اس عورت کی جانثاری سے تعجب ہے۔ لوگوں نے کہا ہاں' فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہ نسبت اس عورت کے زیادہ رحیم ہے۔ یہ بشارت سن کر خوش ہو کر واپس چلے گئے۔

فائدہ:۔ یہ احادیث اور وہ روایات جو ہم باب الرجاء میں لکھ آئے ہیں' یہ سب ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی وسعت رحمت کی بشارت دیتی ہیں۔ اسی لیے ہم اس کریم سے امید رکھتے ہیں کہ ہمارے ساتھ وہی معاملہ نہ کرے جس کے ہم لائق ہیں بلکہ ہمارے ساتھ وہ معاملہ کرے جو اس کے جود و کرم کے لائق ہے۔ ہم اس کے فضل و احسان سے یہی امید رکھتے ہیں۔

ھذا آخر مارقمہ قلم الفقیر القادری ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی نوری غفرلہ بہاولپور۔ پاکستان (30 ستمبر 1998ء بروز بدھ دس بجے دن

خاتمہ الکتاب

الحمد للہ تعالیٰ احیاء العلوم کا ترجمہ بخیر و خوبی مکمل ہوا۔ یہ فقیر کی اوئل زندگی کا ترجمہ ہے۔ اس کی تصیح کے لیے فقیر کو وقت نہ ملا۔ احباب سے درخواست ہے کہ اس پر نظر ثانی کرکے اصلاح فرمائیں۔

شکریہ:۔ فقیر کو 1952ء سے فراغت علمی کے بعد احیاء العلوم ترجمہ کا اس لیے خیال گزرا کہ مولوی محمد احسن نانوتوی نے جو ترجمہ مذاق العارفین کیا' اس میں اپنے مسلک کو دخل دیا جس سے امام غزالی قدس سرہ الباری کی روح کے خلاف ترجمانی کی گئی۔ امام غزالی قدس سرہ شافعی المذہب ہیں۔ کتاب میں حنفیت کے متعلق امتیاز نہیں کیا۔ فقیر نے ہر دوواں اعتبار سے ترجمہ کو ڈھالا لیکن اس کی اشاعت کے لیے فکر تھی۔ اللہ تعالیٰ بھلا کرے حضرت علامہ قاری الحاج غلام عباس نقشبندی کا جنہوں نے حضرت الحاج علامہ مولانا محمد منشا تابش قصوری کو اس کی اشاعت کی طرف متوجہ فرمایا جن کی فرمائش پر ملک شبیر حسین سلمہ نے اس کی اشاعت کا بوجھ اٹھایا۔ اسی لئے فقیر نے اس کی طباعت کے دائمی حقوق ملک شبیر حسین کو تفویض کر دیئے ہیں۔

فقیر ذیل کے احباب کا بھی شکر گزار ہے جنہوں نے فقیر کے پرانے مسودے صاف کیے۔ مولانا غلام حسین اویسی پاک پتن شریف' عزیز محمد عبدالغفار اویسی قائد آباد عزیز محمد رب نواز اویسی' مولانا محمد عبدالغفور تنوری دخلی کبیر' اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ کریم ہم سب کی مساعی مشکور فرما کر ہمارے لیے آخرت کا سرمایہ اور عوام السلام کے لئے اسے مشعل راہ بنائے۔ (آمین)

مدینے کا بھکاری الفقیر القادری ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہ 22 جمادی الآخرۃ 1419ھ